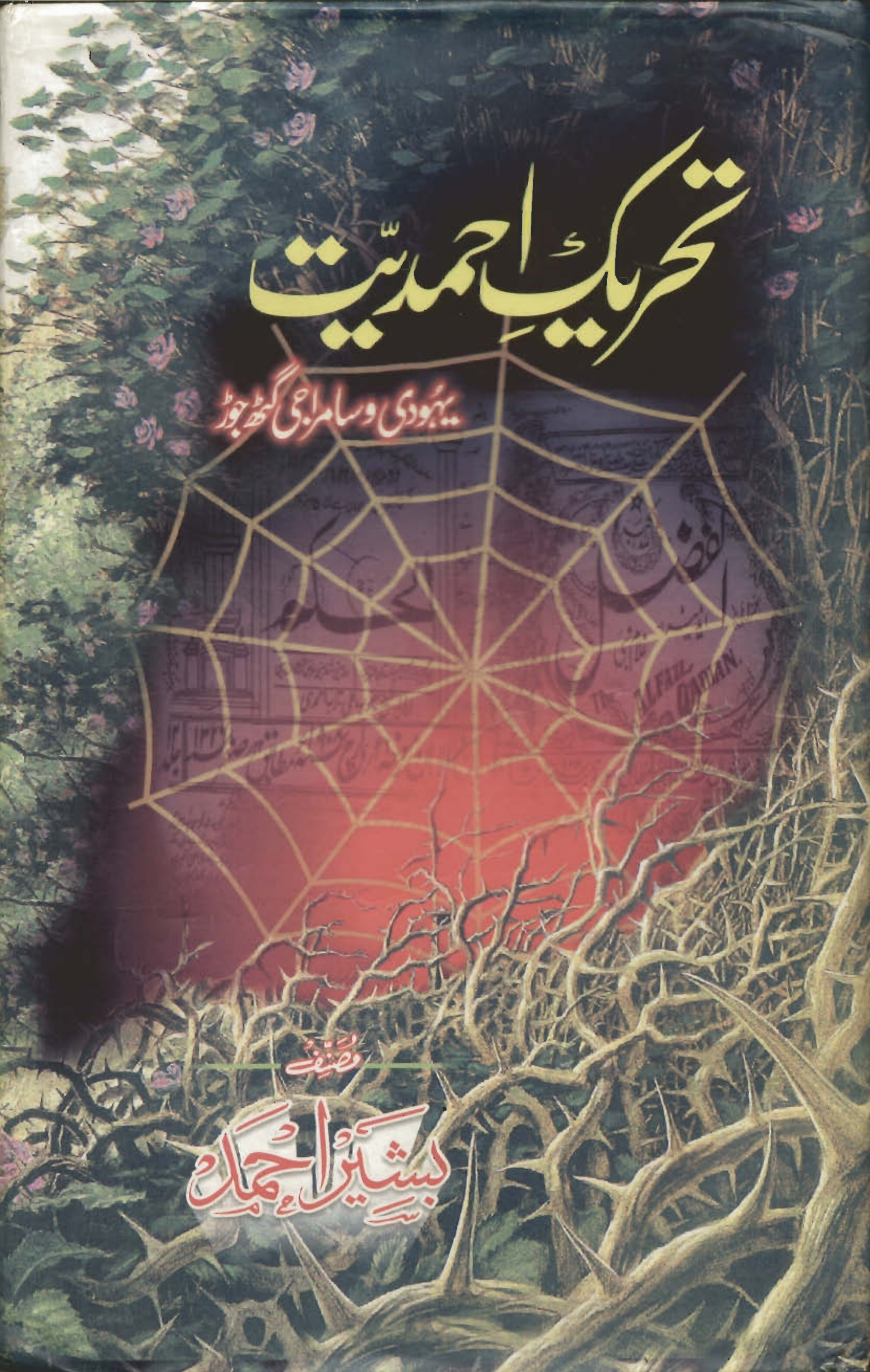
The ALFAZL QADIAN

تحریکِ احمدیّت

یہودی و سامراجی گٹھ جوڑ

مصنف

بشیر احمد

مصنّف بشیر احمد

مترجم احمد علی ظفر

تحریکِ احمدیت

یہودی و سامراجی گٹھ جوڑ

نام کتاب	تحریکِ احمدیت یہودی و سامراجی گٹھ جوڑ
مصنف	بشیر احمد
اُردو ترجمہ	احمد علی ظفر
کمپوزنگ	نیو لائن پبلشر لاہور
پبلشر	عبداللہ اکادمی لاہور
پرنٹر	نصرت پریس لاہور 042-7238701
قیمت	300/ روپے

[illegible]

انجمن اصلاح و تبلیغ

آسٹریلیا بلڈنگ ریلوے اسٹیشن لاہور

042-7663896

عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1۔	پنجاب انٹیلی جنس کا موقف	1
☆	خاندان	1
☆	دعویٰ اور ردعمل	1
☆	لیکھ رام اور عبداللہ آتھم کے بارے میں پیشگوئیاں	2
☆	مرزا کی وفات	4
☆	حکومت برطانیہ سے وفاداری	5
☆	حکیم نورالدین۔ اس کا جانشین	5
☆	علیحدگی پسندی اور ترک حامی عناصر	6
☆	حکیم نورالدین کی موت اور افتراق	7
☆	پہلی جنگ عظیم	7
☆	حکومت خود اختیاری کے بارے میں رائے	8
☆	خلافت ہجرت اور عدم تعاون کی تحریکیں	8
☆	شدھی تحریک	9
☆	مرزا محمود کا سفر یورپ	9
☆	کابل میں احمدیوں کا قتل	10

☆ آریہ سماجی تشدد پسندی 11
☆ ایک اشتعال انگیز اشتہار 11
☆ آؤٹ لُک مقدمہ 12
☆ شردھانند کا قتل 13
☆ ہندوؤں کا معاشی مقاطعہ 13
☆ اتحاد کانفرنس 14
☆ فرقہ واریت کے پرچارک 14
☆ سائمن کمیشن 15
☆ ہندوستان اور بیرون ملک احمدیوں کی سرگرمیاں 15
☆ سکھ احمدیہ کشیدگی 17
☆ سیاسی ٹھہراؤ 18
☆ مباہلہ مہم 18
☆ مباہلہ کانفرنس 20
☆ کشمیر کمیٹی 20
☆ احرار کی احمدیہ مخالف تحریک 20
☆ قادیانی جنگ جوئی 21
☆ تبلیغی کانفرنس 22
☆ قادیان اور پنجاب حکومت 23
☆ نیشنل لیگ 23
☆ احمدی سکھ مناقشت 24
☆ قوت کا اظہار 25
☆ کھوسلہ کا فیصلہ 26

☆ کانگریس کی طرف سے مدد کی پیشکش 26

☆ مباہلہ کی للکار اور اس سے فرار 27

☆ احرار کا دھاوا 27

☆ نہرو کا استقبال 28

☆ نہ تدفین نہ مسجد میں داخلہ 28

☆ سکھوں کے ساتھ جھگڑا 29

☆ احراری رہنما کا قتل 31

☆ ۱۹۳۸ء میں قادیانی اور لاہوری تنظیمیں 32

☆ دوسری جنگ عظیم 34

☆ انتخابات 34

☆ تقسیم عارضی ہوگی 34

☆ قادیان کا تحفظ 34

☆ کامیابی کی آرزو 35

☆ مرزا محمود پاکستان میں 35

☆ تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳) 35

☆ ایوبی دور 35

☆ جنگ ستمبر (۱۹۶۵) 3 ز

☆ تیسرا جانشین مرزا ناصر احمد 35

☆ پیپلز پارٹی سے اتحاد 36

☆ غیر مسلم اقلیت 36

☆ چوتھا جانشین مرزا طاہر احمد 36

☆ آرڈیننس (۱۹۸۴) 36

☆ صدسالہ تقریبات (۱۹۸۹) 36
☆ سپریم کورٹ کا فیصلہ (۱۹۹۳) 37

2 سامراج کی پیداوار 38

☆ ہندوستان کی سرزمین پر 43
☆ ہندوستان کا سیاسی منظر 45
☆ ہنٹر رپورٹ 46
☆ مذہبی انتہا پسندی 47
☆ مسلمانوں کا ردعمل 51
☆ غداروں کا خاندان 52
☆ سوانحی خاکہ 56
☆ ہوش مند کذاب 62
☆ شاہکار تخلیق 64
☆ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار 69
☆ جوبلی تقریبات 70
☆ جاسوس نبی 72
☆ سرکار کی خفیہ سرپرستی 74
☆ نورا کشتی 77
☆ مذہبی مباحث پر ایک یادداشت 79

3 مذہبی دعوؤں کی سیاست 83

☆ مہدی 83
☆ یہودیوں کے لیے مسیح 89
☆ جھوٹے مسیح 94
☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ 97
☆ نوٹو وچ کا قصہ 102
☆ فری میسنری 104
☆ مسیح کے مصلوب ہونے کا ایک چشم دید گواہ 104
☆ یوز آسف 106
☆ مقدس کفن اور پیالہ 113
☆ علیحدہ مذہب 114

4 سیاسی سازشیں 117

☆ وسطی ایشیاء 117
☆ افغانستان 119
☆ ایران 124
☆ ہندوستان 124
☆ مسلم لیگ 126
☆ جنوبی افریقہ میں لڑائیاں 126
☆ جاپان 129

☆ روس 129

☆ صیہونیت کی خاطر 130

☆ ترکی 133

☆ عمومی جائزہ 138

5 حکیم نورالدین۔ قادیانی ناخدا 142

☆ عظیم کھیل 146

☆ جاسوسی مشن 148

☆ قادیان کا لارنس 150

☆ مصالح العرب 152

☆ مسئلہ خلافت 153

☆ الفضل کا اجراء 154

☆ کانپور مسجد کا سانحہ 155

6 برطانوی آلہ کار 157

☆ عرب دنیا کی مذمت 160

☆ پہلی جنگ عظیم 161

☆ عراق 165

☆ حجاز 167

☆ شام 168

☆ اعلان بالفور 171
☆ اسرائیل کے بارے میں احمدیہ پیش گوئی 172
☆ مانٹیگو سے ملاقات 174
☆ جنگ کا خاتمہ 175

7 جنگ کے بعد 179

☆ پنجاب میں مارشل لاء 180
☆ جنگ افغانستان 183
☆ روس میں تخریب کاری 186
☆ ترکی 192
☆ تحریک خلافت 195
☆ تحریک عدم تعاون 199
☆ تحریک ہجرت 199
☆ لارڈ ریڈنگ سے ملاقات 200
☆ سوراجیوں پر حملہ 201

8 لندن یاترا 203

☆ مصر 205
☆ یروشلم 206
☆ دمشق 209

☆ اٹلی 212
☆ لندن 213
☆ ویمبلے کانفرنس 214
☆ قادیانی جاسوس سنگسار 215
☆ لندن ''مسجد'' 221
☆ افتتاحی تقریب 225

9 فلسطین مشن 228

☆ یروشلم کانگریس 233
☆ نیا مبلغ 236
☆ ناگوار حکمت عملی 236
☆ شام میں عرب کانگریس 245
☆ مرزا برادران مصر میں 246
☆ لندن کانفرنس 249

10 سیاسی عزائم 252

☆ شدھی کا حملہ 252
☆ فرقہ وارانہ مسئلے پر احمدیہ نقطہ نظر 254
☆ مباہلہ مہم 259
☆ ہندوستانی انقلابیوں کے خلاف مہم 262

☆ سائمن کمیشن 265

☆ دہلی تجاویز 267

☆ نہرو رپورٹ 268

☆ مسلم کانفرنس 269

☆ سول نافرمانی 271

☆ لندن میں گول میز کانفرنس 276

☆ پہلی گول میز کانفرنس 278

☆ لارڈ اروِن کے لیے تحفہ 280

☆ بے کیف لیگ اجلاس 280

☆ پاکستان سکیم 283

☆ محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی 284

11 کشمیر میں قادیانی سازشیں 287

☆ کشمیر میں بدامنی 291

☆ کشمیر کمیٹی 293

☆ مجلس احرار 294

☆ کول بطور نیا دیوان 296

☆ کشمیر کمیٹی کا پلیٹ فارم 297

☆ کشمیر چلو 300

☆ گلانسی کمیشن 303

☆ معاہدے کا اعلان 304

☆ احرار پر تنقید 305
☆ مفتی کفایت اللہ صاحب کا مشن 306
☆ صلح جو دیوان 307
☆ قادیانیوں کا کمیٹی سے اخراج 309
☆ نئ کل ہند کشمیر کمیٹی 311
☆ کمیٹیاں ختم 315
☆ کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ 316
☆ قادیانیوں کی معذرت 316
☆ ایک عمومی جائزہ 320

12 احرار کانفرنس 323

☆ اوبرائن کا نظریہ 326
☆ احرار کانفرنس 330
☆ نیشنل لیگ 333
☆ کھوسلہ کا فیصلہ 334
☆ کچھ باتیں حذف 335
☆ بلاواسطہ دباؤ 336

13 قادیانی اور کانگریس 341

☆ قادیانیت بے نقاب 342

☆ پنڈت نہرو کی تنقید کا جواب 352
☆ پنڈت نہرو کا استقبال 358
☆ ۱۹۳۷ء کے انتخابات 359
☆ کانگریس وزارتیں 362
☆ مقدس دہشت 366
☆ پیغامی شطرنج 368

14 جاسوسوں کی زیر زمین دنیا 375

☆ نیا منصوبہ 375
☆ گھٹیا حرکات کا ماہر 376
☆ بین الاقوامی سطح پر خدمات 377
☆ انگریز کے ایجنٹ 378
☆ برطانوی تحفظ 380
☆ سنگاپور 382
☆ جاپان 385
☆ جاوا 386
☆ انڈونیشیاء 389
☆ حبشہ 391
☆ مشرقی یورپ 392
☆ البانیہ اور یوگوسلاویہ 393
☆ ہسپانیہ 395

☆ اطالیہ 396
☆ خفیہ پولیس کی نگرانی 397
☆ امریکہ 398
☆ مشرق وسطیٰ 400
☆ ظفراللہ کا خطاب 403
☆ فلسطین میں سرگرمیاں 404
☆ ظفراللہ کا دورہ فلسطین 406
☆ سعودی عرب 408
☆ افریقہ 409

15 قادیانی اور تحریک پاکستان 412

☆ جنگ عظیم کی حمایت 412
☆ احمدیہ فوج 414
☆ قرارداد لاہور 416
☆ قادیانی کونسل کا اجلاس 420
☆ کرپس مشن 421
☆ چین میں ایجنٹ جنرل 424
☆ غلام محمد کے لیے ظفراللہ کی سفارش 425
☆ کونسل میں ہندوستانی نمائندگی 426
☆ بحرالکاہل کانفرنس 426
☆ صلح کی تجویز 430

☆ دولت مشترکہ کانفرنس 431

☆ ظفر اللہ کا آئینی منصوبہ 433

☆ ویول منصوبہ 435

☆ انتخابات (۱۹۴۵ـ۴۶) 436

☆ نہرو کی ظفر اللہ کے لیے حمایت 444

☆ کیبنٹ مشن 445

☆ عارضی حکومت 446

☆ دہلی منصوبہ 448

16۔ خالصتان اور قادیانی ریاست 455

☆ پنجاب کی تقسیم 458

☆ متحدہ ہندوستان کی قادیانی خواہش 461

☆ خالی خولی حمایت 465

☆ حد بندی کمیشن 468

☆ درست خدشات 471

☆ احمدیہ یادداشت 473

☆ علیحدہ یادداشت کا نقصان 476

☆ برطانوی خفیہ سازشیں 480

☆ جاسوس منڈلی 481

17 قادیان اور اسرائیل 484

☆ برطانوی امریکی کمیٹی 484
☆ تخریب کاری 486
☆ روسی امداد کی رویاء 490
☆ اقوام متحدہ میں 491
☆ مسئلہ فلسطین اور قادیانی سرگرمیاں 492
☆ ترمیم شدہ منصوبہ 494
☆ ظفر اللہ کا کردار 497
☆ اسرائیل میں سرگرمیاں 500
☆ ناقابل عمل تجویز 502

18 پاکستان میں قادیانی سازشیں 506

☆ مرزا محمود پاکستان میں 506
☆ ۱۹۴۷ء کا قادیان 508
☆ ربوہ 511
☆ حصول قادیان کی تمنا 513
☆ ظفر اللہ بطور وزیر خارجہ 517
☆ رابطہ مہم 521
☆ حیدرآباد 524
☆ کشمیر 527

☆ حکومت آزاد کشمیر 529
☆ کشمیر اقوام متحدہ میں 532
☆ فرقان بٹالین 536
☆ بلوچستان 539
☆ مرزا محمود کا اعتراف 543
☆ منیر رپورٹ میں مذکور ہے 544
☆ پنڈی سازش کیس 545
☆ لیاقت علی خان کا قتل 547
☆ غیر حقیقت پسندانہ خارجہ حکمت عملی 549
☆ جنگ کوریا 552
☆ چین 553
☆ مسلمان ریاستیں 553
☆ صیہونیوں کا حاشیہ بردار 556

19 تحریک ختم نبوت 558

☆ تحریک کی ابتداء 560
☆ مجلس عمل 562
☆ مرزا محمود کی خفت 564
☆ قادیان بے نقاب 565
☆ مارشل لاء 568
☆ تحقیقاتی عدالت 571

☆ عواقب ونتائج 575
☆ بوگرہ حکومت 579
☆ نئی چال 581
☆ اسلامی تحریکوں کی مخالفت 583
☆ الوداعی ٹھوکر 588
☆ عالمی عدالت انصاف کا جج 591
☆ داخلی انتشار 593
☆ ظفر اللہ کے معاشقے 594
☆ لندن کانفرنس 596
☆ صیہونی امداد 597
☆ حقیقت پسند پارٹی 599
☆ محلاتی سازشیں 603

20 قادیانیت کا پھیلتا جال 606

☆ احمدیوں پر اعتماد 607
☆ ظفر اللہ اقوام متحدہ میں 607
☆ بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت 608
☆ جنوبی افریقہ کا مقدمہ 610
☆ جماعت اسلامی، کی مخالفت 613
☆ انتخابات ۱۹۶۵ء 614
☆ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء 615

☆ قادیانی سازشیں 617

☆ قادیان کی واپسی کا نظارہ 620

☆ قادیان واپس ملنے کا خدائی دعویٰ 621

☆ اذیت ناک انجام 622

☆ لندن کا نبی 623

☆ محمودی راج کے پچاس سال 624

21 مرزا ناصر احمد کا دور اقتدار 630

☆ تنظیمی طریق اور فروغ 631

☆ تنظیم 631

☆ مجلس مشاورت 632

☆ میزانیہ 632

☆ عدالتی نظام 633

☆ احمدیہ تنظیمیں 634

☆ چندہ جات 634

☆ بیرون ممالک مراکز 634

☆ مالی بنیاد 635

☆ عرب اسرائیل جنگ 639

☆ زرمبادلہ میں حصص 640

☆ تحریک کی ابتداء 644

☆ شورش کے خلاف مقدمہ 648

22 پوشیدہ ساز باز 655

☆ فورڈ فاؤنڈیشن 656
☆ مشاورتی گروہ 657
☆ عام انتخابات 660
☆ ظفراللہ کی تجویز 660
☆ ربوہ۔ تل ابیب محور 662
☆ ناصر کا دورہ 662
☆ پاکستان پیپلز پارٹی کی امداد 663
☆ قادیانی صیہونی مداخلت 666
☆ ظفراللہ شیخ مجیب ملاقات 667
☆ خط 669
☆ مرزا مظفر احمد پر قاتلانہ حملہ 670
☆ مذموم منصوبہ 671
☆ سقوط ڈھاکہ 679
☆ یہودی سازش 680

23 تحریک کی ابتداء 683

☆ پاکستان کے بیرونی مشن اور قادیانی 685
☆ ربوہ میں چینی سفیر 689
☆ چھوٹا ربوہ 691

☆ منصوبہ لندن اور مرزا ناصر احمد کی وحی 692
☆ قادیانی تخریب کاری 695
☆ آئین ۱۹۷۳ء 698
☆ بساط الٹ گئی 699
☆ قادیانی ردعمل 702
☆ مجلس مشاورت کا اجلاس 704
☆ مرزائیل 709
☆ ناصر کی بیرون ملک روانگی 714
☆ مولانا شمس الدین شہید 716
☆ ظفر اللہ کا خفیہ مشن 719

24 تحریک ختم نبوت کا فیصلہ کن دور 722

☆ قادیانی ائیر مارشل کا استعفیٰ 722
☆ ایک فریب 724
☆ اسلامی سربراہی کانفرنس 724
☆ ربوہ کا حادثہ 726
☆ مرزا ناصر احمد کا انٹرویو 723
☆ ظفر اللہ کی پریس کانفرنس 730
☆ افسوس ناک رجحان 733
☆ غیر ملکی ہاتھ 734
☆ مجلس عمل 736

☆ اسمبلی کے روبرو 737
☆ دو قرار دادیں 737
☆ متفقہ رپورٹ 740
☆ بل 742
☆ بل کا متن 742
☆ ترمیم 743
☆ فیصلے کی پذیرائی 745
☆ مخفی دشمن 752
☆ اسرائیلی گماشتے 755
☆ ارض مقدس میں مذہب 756
☆ ربوہ سے تل ابیب تک 759
☆ غیر مسلم نشست 760
☆ ۱۹۷۷ء کے انتخابات 761
☆ مارشل لاء 762
☆ ایشیائی اسلامی کانفرنس 763
☆ بھٹو بچاؤ مہم 766
☆ فکر انگیز دستاویز 767
☆ بھٹو کے بارے میں قادیانی پیشگوئی 768

25 افریقی مراکز سامراج کی سرحدی چوکیاں 771

☆ نائیجریا 775

☆ گھانا 777

☆ لائبیریا 778

☆ گیمبیا 779

☆ جنوبی افریقہ 780

☆ سیرالیون 782

☆ بنیاد پرستی کے خلاف فصیل 783

☆ صد سالہ تقاریب 784

☆ سپین مشن 786

☆ سپین میں مسجد 787

☆ مسئلے کا آغاز 789

☆ جداگانہ طرز انتخاب 791

☆ ناصر کے دور کا خاتمہ 792

26 مرزا طاہر مسند اقتدار پر 796

☆ ۱۹۸۴ء کا آرڈیننس 799

☆ مرزا طاہر کا لندن فرار 803

☆ مرزا طاہر کے لیے امریکی ہمدردی 807

☆ سالانہ کنونشن 810

☆ کنند ہم جنس با ہم جنس پرواز 811

☆ ایک سنگین خطرہ 814

☆ آرڈیننس کے خلاف اپیل 815

☆ شرعی عدالت کا فیصلہ 816
☆ انسانی حقوق کے نام پر 819
☆ امریکی امداد 822
☆ شرانگیز مہم 826
☆ مباہلہ مہم 828
☆ صد سالہ تقریبات 831

27 مستقبل 836

☆ نئے احمدیوں کے متعلق بلند و بانگ دعوے 838

28 ملحقات 841

☆ جی ڈی کھوسلہ کا فیصلہ 842
☆ الفضل ۲۹ اگست ۲۰۰۱ء 855
☆ الفضل ۸ ستمبر ۲۰۰۱ء 857
☆ الفضل ۱۳ ستمبر ۲۰۰۱ء 860
☆ مرزا غلام احمد کے دستخط 863
☆ پنجاب ریویو 864
☆ ہیڈ آف احمدیہ موومنٹ 865
☆ ظفر اللہ قادیانی اور اسرائیلی سفیر 866
☆ فلسطین کی تقسیم 867

☆ پنجاب اسمبلی اور مسئلہ فلسطین 869

☆ فلسطین میں تبلیغ احمدیت 871

☆ معاملات فلسطین اور مسلمانان ہند 874

☆ انگلستان میں احرار کی ناجائز کارروائیوں کا ذکر 877

☆ مرزا محمود کے نام کھلی درخواست 878

☆ مقامی مقدمات کے فیصلہ کا آسان طریق 879

☆ انگریزوں کے ساتھ تعاون پر زور 880

☆ اسلام ۔ احمدیت اور ہندوستان کا مفاد 889

☆ قادیانی حمایت یافتہ امیدواران اسمبلی 898

☆ فنانشل کمشنر پنجاب کا دورہ قادیان 905

☆ پیغام صلح کے الزامات 908

☆ الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء 911

☆ مرزا محمود کا خطبہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۴ء 912

☆ الفضل ۶ اگست ۱۹۳۵ء 925

☆ مرزا محمود کا خطبہ ۲ اگست ۱۹۳۵ء 928

☆ احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ 933

☆ علامہ اقبال اور احمدیہ جماعت 935

☆ فلسطین میں احمدی 937

☆ احمدیوں کا سواگت 938

☆ الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء 939

☆ احمدیت کی طرف دعوت (انگریزی پمفلٹ) 941(a)

29 کتابیات 942

دیباچہ

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں قادیان، مشرقی پنجاب سے مرزا غلام احمد کی شروع کی ہوئی ''احمدیہ'' تحریک اپنے قیام کے سو سے زائد برس پورے کر چکی ہے۔ اپنے لائحہ عمل کے اعتبار سے یہ ایک برطانیہ نواز سیاسی تحریک تھی جس نے ایران کی بہائیت سے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا۔ ۱۸۹۷ء میں مکمل طور پر ملحق ہونے سے پہلے بہائی ایران اور ترکی میں زار روس کے مفادات کے محافظ تھے جبکہ ''احمدیہ'' تحریک ہندوستان اور برطانیہ کی دیگر نو آبادیوں میں سامراجی مفادات کی خاطر کام کرتی رہی۔ اس تحریک کی نوعیت ارتقاء اور اس کے بانی کے دعاوی اسکے اصل کردار کا تعین کرتے ہیں۔ مذہبی طور پر احمدی (قادیانی) اپنے اعلانات، عقیدے اور عمل کی رو سے غیر مسلم گروہ ہیں۔ بانی تحریک اور ان کے جانشینوں کی لاتعداد تحریریں اس کی شاہد ہیں۔ پاکستان کی قومی اسمبلی اور ایوان بالا نے متفقہ طور پر ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس بات کا اعزاز اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو جاتا ہے جنہوں نے اس مسئلے پر جرأت مندانہ موقف اختیار کیا۔ دس سال بعد صدر ضیاء الحق نے چھبیس اپریل ۱۹۸۴ء کو ایک آرڈیننس جاری کر کے قادیانیوں کی تقدیر پر مہر لگا دی جس کی رو سے اسلامی شخصیات اور مقامات مقدسہ کے لیئے مخصوص القابات کا غلط استعمال قابل تعزیر جرم ٹھہرایا گیا اور جس نے تحریک کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد کو مئی ۱۹۸۴ء میں لندن فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

اس تحریک کے سیاسی کردار کے بارے میں چند سینئر ''احمدیوں'' نے خالصتاً ذاتی درخواست پر ''بشرط اخفاء'' بعض انکشافات کیئے۔ شاید برادری سے اخراج یا غداری کے الزام کے پیش نظر انہوں نے زیادہ تر حقیقی اطلاعات کے انکشاف سے احتراز ہی کیا۔

تحریک کے نوجوان منحرفین جماعت احمدیہ لاہور کے زعماء اور تین ناپید قادیانی گروہوں اروپی پارٹی، آنجہانی خواجہ اسماعیل کی ''لندن جماعت'' اور ''حقیقت پسند پارٹی'' کے ارکان نے بعض اندرونی ''محلاتی داستانوں'' کا انکشاف کیا۔ مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے بعض سرگرم ارکان نے بھی تحریک کے بارے میں اپنی ذاتی اطلاعات جن میں ایک حد تک مبالغے کا عنصر بھی شامل تھا بیان کیں۔ تاہم بعض بے بنیاد الزامات کے بجائے تاریخ کے معیار پر پورا اترنے والے واقعات کو معروضی اور غیر جانبدارانہ انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں ان تمام احباب کا ممنون ہوں۔

''احمدیت'' کے موضوع پر ممتاز علماء نے بہت کچھ لکھا ہے مگر یہ زیادہ تر مذہبی مباحثوں اور اپنے عقائد کی دفاعی دلیلوں پر مبنی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس تحریک کے سیاسی کردار کو انڈیا آفس لائبریری لندن اور پاکستان کی بہت سی جگہوں پر دستیاب مصدقہ مواد کی بنیاد پر بے نقاب کیا جائے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ''احمدیہ'' تحریک کے سیاسی کردار اور اس کے برطانوی سامراج اور متشدد یہودی قوم پرستی سے تعلقات کا سراغ ملتا ہے۔ اس میں ہماری تحریک آزادی اور پاکستان کی اندرونی سیاست میں قادیانیوں کے شرمناک کردار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

میں دعوہ اکیڈمی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مشکور ہوں جنہوں نے اپنے بیش بہا مشوروں اور حوصلہ افزائی سے نوازا۔ میں پروفیسر ظفر اللہ بیگ صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مجھے اپنے مفید نکتہ نظر اور خیالات عالیہ سے نوازا۔

میں ملک عبدالحمید صاحب کا ان کی محنت و محبت پر مخلصانہ طور پر مشکور ہوں جنہوں نے رضا کارانہ طور پر مسودہ کی ٹائپنگ کی اور تمام ذمہ داریوں کو احتیاط اور جانفشانی سے سرانجام

دیا۔ ملک ضمیر اختر صاحب نے بھی کچھ کام بڑی دل جمعی سے کیا ہے۔

نوٹ: یہ کتاب ۱۹۹۴ء میں

Ahmadiya Movement: British-Jewish connections

کے عنوان سے شائع ہوئی تھی اب اس کتاب کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اردو ترجمے میں مزید مطالعے اور تحقیق کی روشنی میں کچھ جزوی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ کتاب کا رواں اور بامحاورہ ترجمہ کرنے میں جناب احمد علی ظفر صاحب نے جو محنت شاقہ کی ہے اس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔

بشیر احمد

۲۳ مارچ ۱۹۹۴ء

پیش لفظ

مسلمانان برصغیر ہند کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی المناک ناکامی کے بعد ایک شدید معاشی، سیاسی اور ثقافتی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ برطانوی سامراج نے تمام مغلیہ سلطنت کا اقتدار سنبھال لیا اور جنوبی ایشیا میں اپنے اقتدار کو استحکام اور دوام بخشنے کے لیے اقدامات کرنے لگا۔ مقامی آبادی بالخصوص مسلمانوں میں نفاق، انتشار اور شکست خوردہ ذہنیت پیدا کرنے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا گیا اور نوآبادیاتی آقاؤں نے ہندوستانی پس منظر کے گہرے اور وسیع مطالعے کی بنیاد پر ایک یہ حکمت عملی بھی ترتیب دی کہ مذہبی لبادے میں جعلی مذہبی رہنما تیار کیے جائیں جو نوآبادکاروں کے مفادات کا تحفظ کریں۔

اس شیطانی منصوبے کی تکمیل کے لیے زرخیز برطانوی ذہن نے اس وقت کے ایک گمنام وجود مرزا غلام احمد کو دریافت کرلیا جن کا تعلق مشرقی پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں قادیان سے تھا۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے مذہبی نجات دہندہ کے طور پر پیش کریں جو مسلمانوں کو اس کرب اور مایوسی سے نکالنے کے وعدے کرے جس کا وہ سامنا کررہے ہیں۔ اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیئے انہوں نے ملکی پریس میں مختلف مذاہب پر تنقید شروع کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہوں نے ایک تحریک کی بنیاد رکھ دی جو بعد میں قادیانی یا احمدی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی اور جس نے بڑی عیاری سے ہندوستان میں اور اس کے باہر برطانوی مفادات کا تحفظ کیا۔ اس ساری جدوجہد کا محور عقیدہ جہاد کے خلاف پروپیگنڈہ تھا۔ یہ عقیدہ مسلمانان ہند میں برطانوی سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا محرک تھا۔ اس کا دوسرا درون پردہ مقصد ایک ایسی ذہنیت کو پروان چڑھانا تھا جس کے تحت مسلمان برطانوی اقتدار کو ہندوستان میں اللہ کی رحمت سمجھ کر اس کے وفادار بن سکیں۔ مرزا صاحب کی تمام بازی گری ان ہی دو محوروں کے گرد گھومتی ہے۔ ان ملحقہ خیز الزامات اور پیشگوئیوں سے براہ راست یا بالواسطہ یہی دو پیغامات ملتے ہیں۔ مرزا

صاحب نے مصلح، خود ساختہ مسیح موعود اور آخر کار کمال ڈھٹائی سے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ سب ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہوا جس کا مقصد ان کے اتالیق (برطانیہ) کے مفادات کی خدمت تھا۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ انہوں نے ہمعصر بہائی تحریک کا اثر قبول کیا ہو جو زار روس نے ایران میں شروع کروائی تھی۔ اب یہ دونوں تحاریک اسرائیل میں پروان چڑھ رہی ہیں۔

زیر نظر مطالعہ میں مصنف بشیر احمد صاحب نے تحریک قادیانیت کا اس کی ابتداء سے کھوج لگا کر اس کے برطانوی سامراج اور صیہونیت سے تعلقات کا پردہ چاک کیا ہے۔ تحریک پاکستان اور پاکستان کی سیاست میں احمدیوں کے کردار کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مطالعہ موجودہ دہائیوں میں مسلمانوں کے مفادات کے خلاف اس تحریک کی ریشہ دوانیوں کا ایک عمدہ سیاسی جائزہ بھی پیش کرتا ہے۔ فاضل مصنف نے معروضی انداز میں بڑی جانفشانی سے تاریخی حقائق قلم بند کیئے ہیں۔ یہ ایک بھرپور دستاویزی کتاب ہے جو بڑی کامیابی سے احمدی تحریک کی سیاسی تاریخ کو بے نقاب کرتی ہے۔ فاضل مصنف کو ایک اور عمدہ تصنیف ''بہائیت'' پر لکھنے کا بھی اعزاز حاصل ہے جسے مشرق وسطیٰ کی معاصر مذہبی تاریخ کے طلبہ اور علماء نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مجھے امید ہے کہ مذاہب کے تقابلی مطالعے میں دلچسپی رکھنے والے افراد میں یہ کتاب بھی اسی طرح مقبولیت حاصل کرے گی۔

میں فاضل مصنف کو اس بروقت تخلیق پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان کی دونوں جہانوں میں کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی

ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی

اسلام آباد

۱۳-۴-۹۴

احمدیت/قادیانیت کے بنیادی عقائد

۱۔ صرف احمدیت ہی سچا اسلام ہے۔ مرزا غلام احمد کے بغیر اسلام ایک بے جان وجود ہے۔

۲۔ مرزا غلام احمد، مجدد، مہدی، مسیح موعود، ظلی نبی اور رسول، کرشن اوتار اور تمام مذاہب کے آنے والے موعود ہیں۔

۳۔ مرزا غلام احمد حقیقی (غیر تشریعی) نبی اور رسول ہیں۔ انسانیت کی ہدایت کے لیئے ابراہیمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ وغیرہ کی مانند نبی اور رسول آتے رہیں گے۔ خدا نے اپنی وحی میں مرزا صاحب کو بغیر کسی ظلی یا بروزی لقب کے نبی کہا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ علیہ اسلام سے ہر لحاظ سے افضل ہیں۔

۴۔ مسلمانان عالم جو مرزا صاحب کے دعاوی پر یقین نہیں رکھتے بلاشبہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

۵۔ خدا نے غیر احمدی امام کے پیچھے نماز، احمدی لڑکی کی غیر احمدی لڑکے سے شادی، حتیٰ کہ غیر احمدی مسلمان بچے کی نماز جنازہ سے بھی منع فرمایا ہے۔

۶۔ مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ ام المومنین ہیں۔ ان کے ساتھی صحابہ کرام ہیں۔ قادیان مدینۃ المسیح اور اس کے رسول اور حقیقی نبی کا پایہ تخت ہے۔

۷۔ جہاد ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

۸۔ حضرت عیسیٰؑ علیہ اسلام کی طبعی موت واقع ہوئی اور وہ سری نگر کشمیر میں مدفون ہیں۔

۹۔ خلافت احمدیت کا ایک مستقل ادارہ ہے۔ خدا بذات خود خلیفہ کی تقرری اور رہنمائی کرتا ہے۔

۱۰۔ وحی اور الہام کے دروازے کھلے ہیں۔ مرزا صاحب کی وحی پر تمام انسانوں کو ایمان لانا لازم ہے۔

پنجاب انٹیلی جنس کا موقف

تحریک احمدیہ کی ابتداء، ارتقاء اور ترقی کے بارے میں پنجاب سی آئی ڈی کی رپورٹ کیا کہتی ہے۔

خاندان

مرزا غلام احمد قادیانی جو کہ احمدیہ فرقہ کا بانی ہے، ۱۸۳۹ء میں ضلع گورداسپور میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ایک مغل خاندان سے تھا جو کہ ۱۵۳۰ء میں سمرقند سے ہجرت کر کے آئے اور پنجاب کے ضلع گورداسپور میں قیام پذیر ہو گئے۔ کئی نسلوں تک یہ خاندان برطانوی راج میں معزز عہدوں پر متمکن رہا اور صرف سکھوں کے عہد میں یہ تنزل کا شکار ہوئے۔

دعویٰ اور رد عمل

تاہم مرزا غلام احمد کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ کو دوبارہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں نوازا گیا جس نے اپنے بھائیوں کے ہمراہ کشمیر کی سرحدوں اور دوسری جگہوں پر گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ پنجاب کے الحاق کے موقع پر جاگیریں دوبارہ دے دی گئیں اور غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو سات سو روپے کی پنشن عنایت کی گئی اور انہیں قادیان اور پڑوسی گاؤں میں زمین کے ملکیتی حقوق حاصل رہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں اس خاندان نے بے بہا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

مرزا غلام احمد نے سب سے پہلے ۱۸۷۶ء میں توجہ حاصل کی جب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے وہ وحی چھپوائی

اور اپنے آپ کو پیغمبر اور نبی ظاہر کیا۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے اسلامی عقیدے میں موجود مہدی اور مسیح موجود ہونے کا دعویٰ کیا جس پر ۱۸۷۶ھ اور ۱۸۹۱ء کے درمیان جید علماء کی طرف سے اس پر کفر کے فتاویٰ کا آغاز ہو گیا۔ اگرچہ تمام راسخ العقیدہ مسلمان مکاتب فکر نے اس کو کافر اور مرتد گردانتے ہوئے اس کی مذمت شروع کر دی تھی لیکن علم کلام اور علم ادیان میں مہارت کی بنا پر وہ بہت سے لوگوں کو اپنا پیروکار بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ احمدیوں کے عقائد کو تلخیص کے انداز میں ان ”احکام عشرہ“ میں بیان کیا گیا ہے جن کو وہ بیعت کی دس شرطیں گردانتا ہے۔ ان میں تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے اور اس چیز پر زور دیا گیا ہے کہ ”دنیا جنگ کی بجائے امن سے اسلام کے تابع ہو سکتی ہے“۔

مرزا کی تحریروں اور تقریروں کے ساتھ ساتھ اس کے نو مذہبی جذبے نے مسلمانوں کو مضطرب تو کیا مگر جہاں تک یہ بات علم میں آئی ہے کہ کسی ایسے واقعہ کے آثار نظر نہیں آئے جس میں اس کے پیروکاروں نے مسلمانوں کی مساجد یا قبرستانوں کے استعمال سے انکار کیا ہو یا انہیں کسی بھی معاملے میں تنگ کیا گیا ہو سوائے کٹک میں رونما ہونے والے اس واقعہ کے جس میں چند نو احمدیوں نے قصبے کی جامعہ مسجد میں عبادت کے طریق کار میں تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا اور ظاہر ہے قدرتی طور پر مقامی مسلمان آبادی نے اس پر سخت اعتراض کیا۔

لیکھ رام اور عبداللہ آتھم کے بارے میں پیشگوئیاں (۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۷ء)

مرزا غلام احمد مخالفین کی موت کی پیشگوئیاں کرنے کی وجہ سے مذہبی سے بھی زیادہ معاشرتی خطرہ بنتا جا رہا تھا۔ اس نے ۱۸۸۶ء میں اور پھر ۱۸۹۳ء میں پنڈت لیکھ رام کی تشدد سے موت کی پیش گوئی کر دی۔ یہ پیش گوئی مارچ ۱۸۷۷ء کو پنڈت لیکھ رام کے قتل سے ثابت کر دی گئی جس نے فطری طور پر مرزا کے اس قتل میں ملوث ہونے کے

شکوک پیدا کیئے۔ حکومت نے انہی شکوک کی بناء پر قادیان میں واقع مرزا کے گھر کی تلاشی کے وارنٹ جاری کر دیئے لیکن ایسی کوئی بھی چیز دستیاب نہ ہوسکی جس کی بناء پر مرزا کو اس مقدمہ میں ماخوذ کیا جاسکتا۔ پنڈت لیکھ رام کی کہانی بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ایک وقت میں وہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی پولیس میں ملازم تھا مگر بداخلاقی، مذموم حرکات اور فرائض منصبی میں کوتاہی کی بناء پر اس کی کئی دفعہ تنزلی ہوئی اور آخر کار ۱۸۸۴ء میں اس نے استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں وہ بہت بڑا آریہ سماجی مبلغ بن گیا۔ پنڈت لیکھ رام کے قتل کے فوری بعد کے ردعمل نے ہندو مسلم تعلقات پر شدید اثر ڈالا۔ پہلا نتیجہ دونوں فرقوں کے مابین صلح کی صورت میں سامنے آیا جس سے آریہ سماج میں پھوٹ پڑ گئی۔ رجعت پسند ہندوؤں اور سکھوں کی ہمدردیاں آریہ سماج کے ساتھ ہوگئیں جنہوں نے پنڈت لیکھ رام کے انجام کا گوبند سنگھ کے انجام سے موازنہ کر کے سکھوں کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ یہ صورتحال اس وقت مزید پیچیدہ ہوگئی جب حالیہ پانچ یا چھ ہندوؤں کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کو مذہبی جنون سے تعبیر کیا جانے لگا۔ اس پر ایک محدود احتجاج شروع ہوا جو زیادہ تر لاہور، امرتسر، لدھیانہ، ہوشیار پور، فیروز پور اور پشاور کے تعلیم یافتہ طبقے خصوصاً طلبہ تک محدود رہا۔ آریہ سماج نے صورتحال کو بھڑکانے کی کوشش کی لیکن کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہوسکا اور صورتحال بتدریج معمول پر آگئی۔ یہ تجویز بھی تھی کہ مرزا غلام احمد سے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت اندیشہ نقص امن کی ضمانت طلب کی جائے مگر اس کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔

اس بار مرزا کی پیش گوئیوں کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی۔ اس نے اپنے ایک عیسائی مخالف عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی کی جو مرزا کے بتائے ہوئے عرصہ کے دوران مر گیا۔ ۱۸۹۷ء میں چرچ مشنری سوسائٹی لندن کے مشنری ادارے سے منسلک ڈاکٹر کلارک نے اس الزام کی بناء پر مرزا کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت کارروائی کرادی کہ اس نے عبداللہ آتھم کے قتل پر ایک شخص کو مامور کیا تھا۔ اگرچہ

اس میں مرزا کی خلاصی ہوگئی مگر سماعت کرنے والے مجسٹریٹ نے مرزا کو سخت تنبیہ کی کہ وہ اشتعال انگیز تحریروں اور منافرت پھیلانے والے کتابچوں سے پرہیز کرے۔ اسے مزید مطلع کیا گیا کہ جب تک وہ اعتدال کے لہجے کو اختیار کیئے رکھے گا وہ ناکام نہیں ہوگا بلکہ اس کے تمام اعمال قانون کے دائرہ میں متصور ہوں گے۔

مرزا کی وفات (مئی ۱۹۰۸)

مرزا غلام احمد نے ۱۹۰۸ء میں اپنی موت کے وقت تک راسخ العقیدہ مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود اپنے مذہبی نظریات کا پرچار جاری رکھا۔ لیکن بعض مواقع پر اس کی تعلیمات کا سختی سے رد بھی کیا گیا۔ مثلاً نومبر ۱۹۰۵ء میں امرتسر میں ایک عوامی اجتماع کے غیض و غضب سے بچانے کیلیئے پولیس کو اس کی حفاظت کرنا پڑی۔ عوامی غضب کا سامنا اس لیئے کرنا پڑا کہ جس چبوترے پر کھڑا ہوکر وہ عوام سے مخاطب تھا اسی پر رمضان المبارک کے دن کے باوجود اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اپنی خطابت کے دوران تبدیلی مذہب کے جوش میں وہ اکثر حدود سے تجاوز کر جاتا اور ایسی زبان استعمال کرنے لگ جاتا جو نہ تو اس کے حقیقی خیالات کی عکاس ہوتی نہ ہی اس کی تعلیمات کی۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں مرزا کا عمومی نظریہ رواداری کا ہوتا مگر بسا اوقات اس میں تضادات پائے جاتے۔ چنانچہ جب وہ اپنے دشمنوں کی موت کی پیش گوئیاں کر رہا ہوتا تو ساتھ ہی مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو سلامتی سے رہنے دینے کی نصیحت بھی کرتا اور اسی طرح وہ عیسائیت کو مکمل طور پر جھوٹا اور مسیح مخالف کہہ کر اس کی مذمت بھی کرتا اور ساتھ ہی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا ایک جلیل القدر پیغمبر بھی مانتا جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے رسول تھے اور جو کشمیر میں فوت ہوئے۔ لاہور میں ستمبر ۱۹۰۴ء میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اس نے رائے ظاہر کی کہ وہ تمام غیر اسلامی مذاہب کو جھوٹا نہیں خیال کرتا اور مزید کہا کہ اس پر وحی آئی ہے کہ رام چندر اور کرشن خدا کے سچے بندے تھے اور جو ان کے بارے میں برے

خیالات کا اظہار کرے وہ اس کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ وہ بابا نانک کو بھی خدا کا سچا پرستار مانتا تھا۔

حکومت برطانیہ سے وفاداری

حکومت کے بارے میں اسکا رویہ ہمیشہ سے ہی وفاداری کا رہا۔ ۱۸۹۵ء میں اس نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں اُس نے برطانوی حکومت کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے جہاد کی مذمت کی اور حکومت کے بارے میں اپنی وفاداری اور نیک تمناؤں کا عندیہ دیا۔

حکیم نورالدین۔ اس کا جانشین

۱۹۰۸ء میں اس کی وفات کے بعد اس کی ہدایات کے برعکس کہ ''احمدی معاملات'' کو ایک انجمن چلائے، حکیم نورالدین اس کا جانشین بن گیا۔ نورالدین ۱۸۶۱ء میں بھیرہ میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ ایک کھاتا پیتا آدمی تھا جس کا لاہور میں اپنا ذاتی مطبع خانہ تھا۔ اس کا خاندان خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہونے کا دعویدار تھا۔ نورالدین کا لڑکپن سے ہی مذہب کی طرف رجحان تھا۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے اپنے بھائی سے عربی پڑھنا شروع کی اور اوائل عمری میں ہی وہ اپنے باپ کے ساتھ اسلامی علوم، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے لاہور آ گیا۔ بعد میں اس نے علم الادویہ کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا اور بعدازاں وہ دینی علم اور عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لیئے رامپور، بھوپال، روہیل کھنڈ اور دہلی بھی گیا۔ وہ مکہ اور مدینہ بھی گیا اور ملکی علماء کے ساتھ خوب مباحثے کیئے۔ واپسی پر وہ سب سے اہم اور فاضل مولوی خیال کیا جانے لگا۔ کچھ عرصے کے لیئے وہ پنڈ دادنخان کے ایک سکول میں بطور معلم کام کرتا رہا مگر اس کام کو اپنے ذوق کے ناموافق پا کر اسے چھوڑ دیا اور واپس بھیرہ آ کر معالج کے

طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے مجرب علاج اور قابلیت کی شہرت نے اسے کشمیر کے ''شاہی حکیم'' کا عہدہ دلا دیا جس پر وہ دس سال تک کام کرتا رہا۔ ۱۸۸۱ء یا اس کے لگ بھگ حکیم نورالدین کے مرزا غلام احمد قادیانی سے تعلقات قائم ہوگئے۔ اس نے فوراً ہی مرزا کے متدعویہ نظریات وعقائد کا اثر قبول کرلیا اور اپنے آپ کو مذہب بالخصوص احمدیہ عقائد کے لیئے مختص کر دیا۔ نورالدین نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں ''فصل الخطاب'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ عیسائیت پر تنقید ہے جسے مرزا غلام احمد کی خصوصی ہدایات کے تحت لکھا گیا۔ نورالدین کو ''مسلک احمدیہ'' میں بڑا اعزاز حاصل ہوگیا اور وہ ''احمدی عقیدہ'' کا مرکزی ستون خیال کیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی وفات پر احمدی فرقہ کے عمائدین نے اسے اپنا خلیفہ چن لیا۔ اس منصب پر وہ تادم آخر یعنی تیرہ مارچ ۱۹۱۴ء تک متمکن رہا۔ اپنی خلافت کے دوران حکیم نورالدین نے اپنا زیادہ وقت قادیان ہی میں گزارا اور اپنی تمام تر توجہ احمدی عقائد ونظریات کی تشہیر پر مرکوز رکھی جسے اس نے بڑے جذبے اور لگن سے سرانجام دیا۔

علیحدگی پسندی اور ترک حامی عناصر (۱۹۱۴ء)

نورالدین کی موت سے تین سال قبل اس فرقہ کے تعلیم یافتہ ارکان کی جانب سے علیحدگی پسندی کے رجحانات کو محسوس کیا گیا جنہوں نے مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیرالدین محمود کے بیان کردہ اس نظریہ پر خفگی ظاہر کی

> ''جو مسلمان آنجہانی مرزا کی متعین کردہ بیعت کی دس شرائط کو تسلیم نہیں کرتا وہ کافر ہے'' (جبکہ اصل وجہ یہ نہ تھی)

جس وقت بلقان اور طرابلس کی جنگیں جاری تھیں ان میں سے بعض افراد نے غالباً راسخ العقیدہ مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے کی غرض سے ترکی کی حمایت میں تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور پوری سرگرمی سے باغی ہوگئے۔ اس وقت کی اسلام پسند تحاریک میں خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، صدر الدین اور ڈاکٹر محمد

حسین سب سے نمایاں تھے۔ تاہم احمدیوں میں سے انہیں بہت کم پیروکار میسر آ سکے۔

حکیم نورالدین کی موت اور افتراق (۱۹۱۴ء)

حکیم نورالدین کی موت پر احمدیہ فرقہ دو گروپوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک گروہ نے ''ریویو آف ریلیجنز'' کے ایڈیٹر محمد علی کی جانشینی کی حمایت کی جبکہ دوسرے گروہ نے جو غالب اکثریت میں تھا' بانی مذہب کے بیٹے مرزا بشیرالدین محمود کو منتخب کر لیا۔ محمد علی کے رفقاء کار نے لاہور میں ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے ایک مجلس اور ایک کالج قائم کر لیا۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' بھی لاہور لے جایا گیا۔ لاہوری گروپ نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے جو معنوی کی بجائے تمثیلی انداز میں بانی مذہب کو ایک ''حواری'' کا درجہ دیتے ہیں اور غیر احمدیوں کو مذہب سے خارج نہیں کرتے۔ وہ مرزا غلام احمد کو پیغمبر کی بجائے ایک مذہبی مصلح سمجھتے ہیں۔ قادیانی عقائد جو حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کو مسترد کرتے ہیں ان کے نظریات سے متصادم ہیں۔ دونوں فرقوں کی باہمی مخالفت بسا اوقات ایک دوسرے کے عقائد پر تنقید کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے قادیانی گروہ زیادہ تلخ واقع ہوا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے لاہوری گروہ پر براہ راست حملہ کیا اور اعلان کیا کہ اس کے قائدین اسلامی قانون کے مطابق واجب القتل ہیں۔ لاہور انجمن کے صدر محمد علی نے اس حملہ کے جواب میں قادیانیوں پر غلط افواہیں پھیلانے کا الزام لگاتے ہوئے تفصیلی جواب دیا۔ یہاں پر معاملہ کچھ مشکوک لگتا ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سخت معاند ہیں لیکن اب تک ان کے تنازعات عدالت کے بیرون ہی طے ہو جاتے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم۔ (۱۸-۱۹۱۴ء)

۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۱۸ء تک احمدی سیاسی طور پر غیر متحرک رہے۔ پہلے کی طرح ان کی سرگرمیاں زیادہ تر عوامی خطبات تک ہی محدود رہیں جن میں حاضرین

برائے نام ہوا کرتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان کا کردار متواتر وفاداری کا رہا۔ انہوں نے حکومت کو جنگی قرضے دیئے اور جنگ کے خاتمہ پر احمدیوں کی ڈبل کمپنی کی خدمات کی پیشکش کی لیکن جنگ کے خاتمے کی بناء پر بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ نتیجۃً ایک علاقائی احمدیہ کمپنی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

حکومت خود اختیاری کے بارے میں رائے

۱۹۱۷ء میں ہندوستان کے لیئے ترقی پسند حکومت خود اختیاری کے اعلان نے قادیانی دھڑے کے سیاسی مفادات کو متحرک کر دیا اور خلیفہ نے اپنے دھڑے کے موقف کو پیش کرنے میں کسی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس نے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے کی تجویز کی ان اعتراضات کی بناء پر فوراً مخالفت شروع کر دی کہ ہندوستان میں زیادہ تر بے قابو مذہبی تنگ نظری پائی جاتی ہے۔ بیک وقت اس نے اپنے آپ کو نسلی مساوات، وسیع تر تعلیم، صنعتی ترقی اور ہندوستانیت کے فروغ کا حامی ظاہر کیا۔ ۱۹۲۱ء میں قادیانی شاخ نے دوبارہ سٹیٹ سیکرٹری برائے ہندوستان کو مخاطب کرتے ہوئے نسلی امتیازات کے خاتمے اور وسیع تر تعلیم کا مطالبہ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ ہندوستان اہم اور دور رس اصلاحات کا متقاضی نہیں۔ اس خطاب میں ہندوستان میں مذہبی تنگ نظری پر زور دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ جب تک لوگوں کے اذہان پر مذہبی تعصبات کا غلبہ ہے، برطانوی عناصر کو ہندوستان اور اس ملک کی حکومت پر حاوی رہنا چاہیئے۔

خلافت، ہجرت اور عدم تعاون کی تحریکیں

انہوں نے ترکی کے مسئلے پر مسلمانوں کے احتجاج میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی اس خیال کو ملحوظ خاطر رکھا کہ مسلم دنیا کے جذبات کا خیال رکھا جائے بلکہ کھلے طور پر تسلیم کیا کہ سلطان ترکی سے ان کی کوئی مذہبی اور روحانی وفاداری اور بیعت نہیں۔ انہوں نے اسے ایک ایسا دنیاوی بادشاہ قرار دیا جس کے دائرہ حکومت میں مسلمان رہ رہے

تھے۔ انہوں نے تحریک ہجرت کی مخالفت اس بناء پر کی کہ ''ہجرت'' کے اسلامی لوازمات اس وقت پورے نہ ہو سکے تھے۔ تحریک خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں وہ مکمل طور پر حکومت کے حامی رہے۔ قادیانی گروہ نے ''ترکی میں امن''۔ ''عدم تعاون اور اسلام'' کے موضوعات پر کتابچے شائع کیئے۔ جن میں ''عدم تعاون''۔ ''ہجرت'' اور ''جہاد'' کی غیر مشروط طور پر مذمت کی گئی۔ ۱۹۱۹ء کی پنجاب میں گڑبڑ کے دوران وہ مکمل طور پر حکومت کے وفادار رہے۔

(شدھی تحریک ۱۹۲۳ء)

۱۹۲۳ء میں شدھی تحریک کے پھیلاؤ کی مخالفت کی وجہ سے قادیانی واضح طور پر منظر عام پر آ گئے۔ ان کے تبلیغی ادارے مثلاً ۱۹۰۶ء میں مرزا غلام احمد کی بنائی ہوئی ''انجمن اشاعت احمدیہ لاہور'' اور قادیان کی ''انجمن اشاعت اسلام'' وغیرہ موجود تھے جو کئی سال پہلے وجود میں آ گئے تھے مگر سوامی شردھا نند جی کی شدھی کی مخالفت سے پہلے یہ توجہ نہ حاصل کر سکے تھے۔ شدھی کی تحریک نے ان کو ''اسلام کے علمبردار'' اور ''شدھی کے مخالف'' ہونے کا موقع فراہم کیا جسے انہوں نے بالکل نہ جانے دیا۔ جو عناد پنڈت لیکھ رام کی موت سے شروع ہوا تھا آخر کار شدت کی انتہا کو پہنچ گیا۔

مرزا محمود کا سفر یورپ (۱۹۲۴ء)

۱۹۲۴ء میں مرزا محمود نے اپنے بارہ معتمدین کے ہمراہ یورپ کا دورہ کیا۔ یہ گروہ روم، پیرس، لندن اور وینس گیا۔ یہ اطلاعات بھی موصول ہوئیں کہ مرزا کے کمیونسٹوں اور جرمن قوم پرستوں کے ساتھ تعلقات رہے ہیں لیکن ان کی سچائی میں تامل ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ احمدی روس میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ وہ ایک پیش گوئی پر ایمان رکھتے ہیں جس کی رو سے انہیں ایک دن روس پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

کابل میں احمدیوں کا قتل (۲۵-۱۹۲۴ء)

احمدیوں کی تبدیلی مذہب کی لگن کو بیرون ممالک میں افغانستان کے علاوہ کہیں سے بھی شدید مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ۱۹۱۸ء میں اطلاع پہنچی کہ کابل اور افغانستان کے دیگر حصوں میں احمدیہ تحریک آہستگی مگر مستقل مزاجی سے پھیل رہی ہے۔ اس وقت کی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ احمدی واضح طور پر افغانستان کے مخالف ہیں اور وہ اس بات کی دعوت دے رہے تھے کہ افغانستان دارالحرب ہے جبکہ ہندوستان دارالسلام ہے۔ بلاشبہ یہ رویہ احمدیوں کے بارے میں والیٔ افغانستان کے معاندانہ رجحانات اور چند سال پہلے دو قادیانی مولویوں کے سنگسار کیئے جانے پر پیدا ہوا تھا۔ اگست ۱۹۲۴ء کے آخر میں نعمت اللہ خان نامی احمدی مبلغ کو ارتداد کی بناء پر کابل میں سنگسار کر دیا گیا تھا۔ اس کی موت کی نہ صرف احمدیوں نے ہندوستان میں مذمت کی بلکہ مسلمان رجعت پسندوں نے بھی اسکی مخالفت کی۔ فروری ۱۹۲۵ء میں بھی کابل میں دو احمدی دوکانداروں کو ارتداد کی بناء پر سنگسار کر دیا گیا۔ انہیں مرتد ہونے پر ملاؤں نے سزا دی تھی اور اس سزا کو افغان حکام کی اعانت بھی حاصل تھی کیونکہ سزا عائد کیئے جانے کے وقت ایک مہتمم پولیس اور پندرہ سپاہی موجود تھے۔ پورے ہندوستان میں احمدیوں کے احتجاجی اجتماعات ہوئے اور برطانیہ میں بھی احمدیوں نے مظاہرے کیئے۔ اس پیدا ہونے والی سنسنی نے امیر کو مزید سزاؤں سے روک دیا کیونکہ اس کے بعد کوئی مزید سزائے موت واقع نہ ہوئی۔ موت کی ان سزاؤں کے بعد یہ افواہیں پھیلیں کہ کابل میں احمدیت کی نشر و اشاعت کیلئے احمدیوں نے جتھے بھیجنے کا پروگرام بنایا ہے۔ لیکن یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی۔ افغانستان کے موجودہ حکمران امان اللہ خان کے ساتھ قادیانیوں کے تعلقات خوشگوار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اس کی برطانیہ میں حالیہ آمد کے موقع پر انگلستان میں احمدی طبقے نے اسے خطبہ استقبالیہ دیا ہے۔

آریہ سماجی تشدد پسندی (۱۹۲۷ء)

۱۹۲۷ء میں ''رنگیلا رسول'' کے معاملے میں مسلمانوں کے احتجاج نے احمدیوں کو ایک اور موقع دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ میل جول بڑھا سکیں اور اسلام کے ٹھیکیدار بن سکیں۔ ''رنگیلا رسول'' کی تحریک آنے سے بھی پہلے لاہوری گروپ آریہ سماج کے خلاف مسلمانوں کا ترجمان خیال کیا جانے لگا تھا۔ ایسے کتابچے بھی شائع کیئے گئے جن کی رو سے وہ مرزا قادیانی کو نبی تسلیم نہیں کرتے تھے اور ایسا کرنے والے کو کافر کہتے تھے بلکہ اسے صرف ''مصلح'' اور ''مہدی'' کہتے تھے لہٰذا سادہ لوح مسلمانوں نے ان کی قیادت قبول کر لی تھی۔ لاہور کے اکثر تعلیم یافتہ طبقے کا رجحان بڑی جلدی ان کی طرف ہو گیا اور وہ لاہور میں مسلمانوں کے انداز فکر کے بہت جلد ترجمان بن گئے۔ ''رنگیلا رسول'' تنازعہ کے دوران لاہوری فریق نے احتجاجی تحریک میں نسبتاً کم حصہ لیا۔ تاہم اس کے ارکان مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے معاشی مقاطعہ میں دلچسپی رکھتے تھے اور بلاشبہ کسی حد تک لاہور میں مسلمانوں کی دوکانیں کھلنے اور ہندو دوکانداروں کی تعداد میں کمی کا باعث بنے۔ اگست ۱۹۲۷ء میں اپنے مرکزی جریدہ ''لائٹ'' کے سولہ اگست کے شمارے میں اشتعال انگیز فرقہ وارانہ تحریروں کی بناء پر انہوں نے بھرپور توجہ حاصل کر لی تھی۔ اسکی مشہور تحریر جو کہ ''لڑو اور مار دو'' کے عنوان سے تھی، بغیر کسی لگی لپٹی کے عملی طور پر تشدد کی ترغیب تھی جبکہ دیگر تحریریں حد درجہ جارحانہ تھیں اور طبقاتی نفرت پھیلانے کا باعث تھیں۔ مدیر رسالہ پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳۔ الف کے تحت مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزا ہوئی۔

ایک اشتعال انگیز اشتہار (۱۹۲۷ء)

مئی ۱۹۲۷ء میں لاہور کی فرقہ وارانہ تحریکیں اور ان کا اختتام۔ ''رنگیلا رسول'' جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کا تمسخر اڑایا گیا تھا کے مصنف کی بریت اور اس سے بھی بڑھ کر آریہ سماجی رسالہ ''رسالہ ورتمان امرتسر'' میں ''دوزخ کی سیر'' کے عنوان سے دریدہ

دہن تحریر۔ ''رنگیلا رسول'' کے مصنف کو بری کرنے والے عدالت عالیہ کے جج کی ایمانداری اور غیر جانبداری پر اٹھائے گئے اعتراضات کی بناء پر ''مسلم آؤٹ لک'' کے مدیر اور مالک کی توہین عدالت میں سزا۔ اور بعد میں مسلمانوں کے بلا جواز عدالت عالیہ پر حملہ جیسے واقعات کا قادیانیوں نے غلط فائدہ اٹھایا اور اسے فرقہ وارانہ نشر و اشاعت کا بہانہ بنا لیا۔ لاہور کے فسادات کے بعد اس وقت فرقہ وارانہ نفرت میں شدت آ گئی جب مرزا محمود کے دستخطوں سے جاری شدہ اشتہارات منظر عام پر آ گئے۔ مرزا کی طرف سے دوسری جگہوں پر بھی اشتہارات جاری ہوئے جن میں مسلمانوں کو ہر وقت حتیٰ کہ نماز کے وقت بھی اپنے ہمراہ لاٹھی رکھنے کی تلقین کی گئی تھی۔ ''رسالہ ورتمان'' کی اس آتش انگیز تحریر کو شاید کسی اور طرح وہ شہرت نہ ملتی اگر مرزا اس کے خلاف ایک آتش افروز اشتہار نہ نکالتا جس میں وہ پوری تحریر بیان کر دی گئی۔ یہ عموی خیال پیدا ہوا کہ اس نے ایک ''دل آزار تحریر'' کی جان بوجھ کر تشہیر کی ہے۔ مسلمانوں کے بالکل درست خدشات کہ مبادا بانی مذہب ﷺ پر رکیک حملہ کرنے والوں کو سزا دینے میں قانون بے اختیار ہو۔ اس گروہ سے بدلہ لینے کی رغبت پیدا کر دی جو پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پر حملوں میں ملوث تھا اور احمدیوں نے ان حملوں کے بدلہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ اسے ہر ممکن طور پر واضح کیا۔ اگرچہ ان کا جواز پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

''آؤٹ لک'' مقدمہ

اسی دوران ''رسالہ ورتمان'' کے مدیر اور ''جہنم کی سیر'' کے مصنف کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳۔ الف کے تحت مقدمہ درج کیا گیا اور مقدمہ عدالت عالیہ کے فل بنچ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس سے اعتدال پسند اور روشن خیال مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا لیکن قادیانیوں اور خلافت کے حامیوں نے مسلمانوں کی ترجمانی کا رہبرانہ درجہ حاصل کرنے کے لیئے عدالت عالیہ پر حملہ جاری رکھے۔ قراردادوں کے پیش کیئے جانے کے بارے میں باہمی افتراق اور حسد نے ان متحدہ جلسوں سے دستبرداری کی

صورتحال پیدا کر دی جو جولائی میں ''مسلم آؤٹ لک'' کے مالک و مدیر کی سزا کے خلاف اور عدالت عالیہ کے ''رنگیلا رسول کے مقدمہ'' کے فیصلے کے خلاف ہونا تھے۔ ان کی بجائے قادیانیوں نے لاہور اور امرتسر میں ایسے عوامی اجتماعات کا اہتمام کیا جن میں غیر معروف زبان میں احتجاجات کیئے گئے اور اسی وقت ''تبلیغ'' کی تشہیر اور ہندوؤں کے معاشی مقاطعہ کی تلقین کی گئی اور ایسے اشتہارات جن میں ''رنگیلا رسول مقدمہ'' کے ملزم کو بری کرنے والے جج کی برطرفی، عدالت عالیہ کی ایک نشست پر مسلمان جج کی تعیناتی اور شاتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں ہنگامی قانون کے نفاذ کے نکات پیش کیئے گئے۔ یہ مواد وسیع پیمانے پر صوبہ بھر میں تقسیم کیا گیا۔

شردھانند کا قتل

۱۹۲۷ء میں قادیانی بہت زیادہ منظر عام پر تھے اور صوبے میں فرقہ وارانہ بے چینی نے انہیں کئی مواقع بہم پہنچائے کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کے سرخیل ظاہر کر سکیں۔ سوامی شردھانند کے قتل پر مسلمانوں کی طرف سے بے تکے مذمتی بیانات اور ہندوؤں میں پھیلے ہوئے اس عام تاثر نے کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ ہے مسلمانوں کی آزردگی میں مزید اضافہ کر دیا اور ظاہر کردہ خیالات پر تنقیدی سلسلہ غیر فطری نہیں تھا۔ فروری اور مارچ میں احمدیوں کی قادیانی شاخ نے ''اسلام اور فرقہ وارانہ مسئلہ'' پر خطبات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کارروائی متوازن انداز میں چلتی رہی لیکن بعض اوقات آریہ سماج کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑتا۔ یکم مارچ کو ایک ایسے ہی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا بشیر الدین محمود نے ''شتم بر رسول'' اور نشریاتی طریق کار پر آریہ سماجیوں کی پرزور مذمت کی۔

ہندوؤں کا معاشی مقاطعہ (۱۹۲۷ء)

قادیانی نشر و اشاعت میں بلاشبہ خطرناک ترین نکتہ ہندوؤں کے معاشی اور

سماجی مقاطعہ کی ترغیب تھی۔ یہ تحریک مسلمانوں کی معاشی حالت کو سدھارنے کے بہانے سے بڑی جانفشانی سے گاؤں اور قصبوں میں چلائی گئی جسے پہلے پہلے نمایاں کامیابی بھی ہوئی۔ احمدیوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک جاندار نشرواشاعت کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاشی انحصار کی حد درجہ طاقت کے آگے اکتوبر تک یہ تحریک اپنی طاقت کھو بیٹھی۔ تاہم اپنے پیچھے برے تاثرات کا ایک ایسا ورثہ چھوڑ گئی جو پہلے فرقہ وارانہ مسائل کی وجہ سے پیدا نہ ہو سکا تھا۔

اتحاد کانفرنس (۱۹۲۷ء)

ستمبر ۱۹۲۷ء میں شملہ میں ”کل ہند سربراہ“ اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے گروہ کے بارے میں مطالبات پر مشتمل یادداشت پیش کی۔ اس نے دیگر چیزوں کے علاوہ تمام فرقوں کے لیئے سماجی اور مذہبی پہلوؤں پر مکمل مذہبی آزادی' سماجی اور مذہبی رسومات میں عدم مداخلت' مسلمانوں کی معاشی بہتری کیلیئے کام کرنے کی آزادی، کسی مذہب یا اس کے بانی پر سب وشتم کرنے والے کا ناطقہ بند کرنے کا دعویٰ کیا جبکہ سیاسی طور پر اس نے شمال مغربی سرحدی صوبہ تک سیاسی اصلاحات سندھ اور بلوچستان کی ایک علیحدہ صوبے میں تبدیلی اور علیحدہ حلقہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ کانفرنس بغیر نتیجے کے ختم ہوگئی۔ گانے اور موسیقی کے بارے میں مرزا کے اپنے خیالات اس وقت بہت دلچسپ تھے۔ اس نے مسلمانوں کی سماجی زندگی میں مداخلت یعنی گاؤکشی پر پابندی کی مخالفت کی بلکہ یہ عندیہ دیا کہ گاؤکشی صرف مذبحہ خانہ میں ہونی چاہیئے۔ اس نے مساجد کے سامنے موسیقی بند کرنے کے لیئے مسلمانوں کے حق کو تسلیم نہیں کیا۔

فرقہ واریت کے پرچارک (۱۹۲۷ء)

جب ۱۹۲۷ء کے آخر میں فرقہ وارانہ تعلقات بہتر ہوگئے تو احمدی منظر سے

غائب ہو گئے۔ ان کی اسلام کی رہنمائی کی سر توڑ کوششوں اور مسلمانوں کی معاشی حالت درست کرنے کی سعی تمام کے باوجود یہ بات مشکوک ہے کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی ہمدردیاں کسی بھی حد تک حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ تاہم انہوں نے فرقہ وارانہ بے چینی کے وقت یہ بات ثابت کر دی کہ وہ ایک طاقتور اور منظم گروہ ہے جس کے پاس مناسب اقدام اٹھانے کی صلاحیت اور نشر و اشاعت کا ایک طاقتور نظام ہے۔

سائمن کمیشن (۱۹۲۷ء)

سیاسی طور پر احمدی حکومت کے حامی رہے۔ سائمن کمیشن کے خلاف تحریک میں کسی بھی احمدی گروپ نے حصہ نہیں لیا بلکہ احمدیوں نے کھلے انداز میں کمیشن کی حمایت کی۔ بائیس دسمبر ۱۹۲۷ء کے ''سن رائز'' کے شمارے میں مرزا بشیر الدین محمود نے کمیشن سے تعاون کے حق میں لمبی چوڑی وجوہات پیش کیں اور نتیجۃً لاہور میں کمیشن کے ساتھ ایک وفد نے ملاقات بھی کی۔ ان کے پیش کیئے گئے اہم نکات میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ، شودروں کی بہتری، جداگانہ حلقہ انتخاب کی برقراری، ان صوبوں میں مسلمان اکثریت کا تحفظ (جس میں وہ اس وقت تھے)، شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں اصلاحات کا اطلاق، سندھ اور بلوچستان کا صوبوں کے طور پر منشور، مکمل مذہبی آزادی اور کسی بھی مذہب کی اشاعت و تبلیغ کا بلا روک ٹوک حق تھے۔ فرقہ وارانہ حالات نے یہ مطالبات جنم دیئے تھے مگر احمدیہ عقیدے کی بنیاد کا انحصار فرقہ وارانہ ماحول پر تھا۔

ہندوستان اور بیرون ملک احمدیوں کی سرگرمیاں (۱۹۲۸ء)

فرقہ وارانہ مشاغل کے علاوہ قادیانی اور لاہوری احمدی ایک منظم اور معاشی طور پر مستحکم گروہ ہیں جن کے ہندوستان اور بیرون ممالک تبلیغی مراکز ہیں۔ لاہوری شاخ جس کی ۱۹۱۴ء میں بطور ''انجمن اشاعت اسلام'' بنیاد رکھی گئی تھی کے ذرائع آمدنی میں ''باقاعدہ چندے''۔ ''مذہبی کتابوں کی فروخت کی رقم'' اور تقریباً تین لاکھ روپے کی

سالانہ آمدنی شامل ہیں۔ یہ تمام فنڈ تسلی بخش طریقے سے سنبھالے جاتے ہیں اور ان فنڈز کی تمام مدات مثلاً "تبلیغ فنڈ"۔ "مشن فنڈ"۔ "لٹریچر فنڈ"۔ "زکوٰۃ فنڈ" اور "کتب وتعلیمی فنڈ" پر ذمہ دار معتمدین کام کرتے ہیں۔ ان کے بیرون ملک تبلیغی مراکز میں سے "ووکنگ مشن" سب سے زیادہ مشہور ہے جس نے تقریباً ایک ہزار لوگوں کو احمدی بنایا ہے۔ "ووکنگ مشن" کے سربراہان خواجہ کمال الدین اور عبدالمجید ہیں۔ جرمنی میں بھی ایک تبلیغی مرکز ہے جسے ۱۹۲۲ء میں صدر الدین اور مبارک علی نے قائم کیا تھا۔ احمدیوں کے برطانوی حامی ہونے کی افواہ کی وجہ سے مسجد کی تعمیر موخر کرنا پڑی تھی لیکن بعدازاں اس افواہ کے خاتمے کے بعد برلن میں حال ہی میں ایک بڑی مسجد تعمیر ہوگئی ہے۔ یہ مرکز "ووکنگ مشن" جیسی کامیابی تو حاصل نہیں کر سکا اور اب تک صرف ایک سو آدمیوں کو احمدی بنا سکا ہے۔ جاوا۔ برما۔ چین۔ سنگاپور۔ ماریشیس۔ ڈربن۔ ٹرینی ڈاڈ۔ فن لینڈ اور پولینڈ میں بھی مراکز ہیں لیکن یہ مراکز ابھی طفولیت کے مرحلے میں ہیں اور صرف چند سو افراد کو احمدی بنا سکے ہیں۔ ہندوستان میں تقریباً ساٹھ ہزار مراکز کام کر رہے ہیں جو تمام کے تمام مناسب حد تک تربیت یافتہ افراد کی زیر نگرانی چل رہے ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ایک تربیتی اور نشر و اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا تھا جہاں طلبہ کو مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ تبلیغی کام کرنے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ کاروباری اور انسانی ہمدردی کے مراکز کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ لاہور میں کتابوں کی ایک دوکان۔ ایک باہم امدادی رقم کا فنڈ۔ باہمی تعاون کے سٹور اور بیرون ممالک سے آنے والے تبلیغی افراد کے لیئے مہمان خانے کا انتظام بھی چل رہا ہے۔ لاہوری گروہ کے کئی رسالے نکل رہے ہیں۔ جن میں "اسلامک ریویو"۔ "پیغام صلح"۔ اور "اسلامک ورلڈ" زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے پیروکاروں کی صحیح تعداد کا اندازہ تو مشکل ہے لیکن غالباً پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ قادیانیوں کے مقابلے میں پین اسلام ازم کے زیادہ حامی ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی کسی سیاسی تحریک سے وابستگی ظاہر نہیں کی ہے۔ قادیانی گروہ کے معاملات بھی

متوازی طور پر منظم اور باقاعدگی سے معتمدین کی زیر نگرانی چل رہے ہیں جو تحریک کی تبلیغی ۔ تعلیمی ۔ سماجی اور سیاسی مصروفیات کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس گروہ کی مالی حالت کافی مستحکم ہے جو کہ رضا کارانہ چندوں پر منحصر ہے اور چندے کے جمع شدہ ذخائر چار لاکھ کے قریب ہیں۔ ان کے بیرون ممالک مراکز کی تعداد اور ترقی لاہوری گروہ جیسی نہیں ہے لیکن برطانیہ میں ساؤتھ فیلڈز کے مقام پر ایک مسجد اور چند سو نو احمدیوں کے ساتھ مشرقی اور مغربی افریقہ۔ مصر۔ شام۔ ایران۔ سماٹرا۔ سری لنکا اور امریکہ کی ریاستوں میں چھوٹے چھوٹے مراکز ہیں۔ یہ مفتی محمد صادق اور عبدالرحیم نیر کے عمومی اختیار میں ہیں۔ ہندوستان میں ان کے مراکز پنجاب ۔ صوبہ جات متحدہ۔ سندھ ۔ بنگال۔ مالا بار۔ بھوپال۔ بہار اور کشمیر میں کام کر رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں پر بھی انہوں نے پوری توجہ دی ہے اور قادیان میں مختلف اداروں کے علاوہ گورداسپور۔ سیالکوٹ۔ گجرات۔ جہلم۔ شاہ پور۔ جالندھر۔ لائلپور (فیصل آباد) اور ہزارہ کے اضلاع میں ان کے پرائمری سکول ہیں۔ قادیان میں ایک تبلیغی مکتب ہے جس میں ''مولوی فاضل'' کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو تبلیغی اور نشر و اشاعتی کاموں کی تربیت دی جاتی ہے۔ قادیانی گروپ کے کئی اخبار نکلتے ہیں جن میں ''الفضل''۔ ''سن رائز''۔ ''نور''۔ ''فاروق''۔ ''مصباح'' اور ''احمدیہ گزٹ'' زیادہ مشہور ہیں۔ ۱۹۲۱ء کی پنجاب کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد اٹھائیس ہزار پانچ سو چھپن بیان کی گئی ہے۔ مگر یہ کم معلوم ہوتی ہے اور غالباً ان کی تعداد پچھتر ہزار ہے۔

سکھ۔ احمدیہ کشیدگی (۲۹-۱۹۲۸ء)

۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء کے سال خاموشی سے گزر گئے ۔ احمدیوں کی تحریک نا قابل لحاظ حد تک کم ہوگئی اور اگست ۱۹۲۹ء تک ان کی کوئی خبر نہ سنائی دی جب قادیانی احمدیوں کا سکھوں سے جھگڑا ہوا کیونکہ انہوں نے ضلعی حکام کی اجازت سے تعمیر شدہ گائے کے مذبحہ خانہ کو گرا دیا تھا۔ قادیان کے احمدی حلقوں نے بعد ازاں گاؤ کشی پر پابندی لگا

دی۔ یہ واقعہ اس جذباتی افتراق کو افشاء کرتا ہے جو اب تک احمدی اور سکھ گروہوں میں موجود ہے۔

سیاسی ٹھہراؤ (۱۹۳۰ء)

احمدیوں کی ۱۹۳۰ء کے بعد کی تاریخ قادیان کے رجعت پسندوں کی تاریخ ہے۔ لاہوری گروہ ہندوستان کے اندر اور باہر تبلیغی مصروفیات میں مشغول ہوگیا اور اپنی سیاسی اہمیت مستقل طور پر کھو بیٹھا۔ کبھی کبھار اپنے حقیقی مگر احتیاط سے دبے لہجے میں مرزا بشیر الدین محمود کی مخالفت کرنے پر منظر عام پر آجاتا۔ آئندہ آنے والے چند سالوں تک کے لیے عوامی مفاد قادیان پر حاوی ہوگیا۔ وہ قادیان جو ایک عظیم مذہبی تنازعہ کا طوفانی مرکز بننے والا تھا اور جس نے اپنی مکمل قوت ابھی تک صرف نہ کی تھی۔

مباہلہ مہم (۱۹۳۰ء)

۱۹۳۰ء میں قادیان میں مرزا بشیر الدین محمود کے خلاف ایک فریق ابھر کر سامنے آیا جس نے احمدیوں کے خلاف دشنام آمیز اشاعت کے لیے ایک اخبار ''مباہلہ'' کا اجراء کیا۔ اس اخبار کے مدیر اور مالک عبدالکریم اور اس کا والد فضل کریم تھے جنہوں نے احمدیہ عقائد سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ اس احمدیہ مخالف نشر و اشاعت سے مشتعل ہوکر تیئس اپریل کو ایک احمدی نے عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن غلطی سے محمد حسین نامی ایک دوسرا شخص مارا گیا۔ ''مباہلہ'' میں تواتر سے چھپنے والی قابل اعتراض تحریروں نے پہلی چنگاری کا کام کیا جس کو احرار کی بیباکانہ اور اختراعانہ ہنرمندی نے مزید ہوا دے کر بھڑکتے شعلوں میں تبدیل کر دیا۔ یہ مسئلہ کچھ وقت کے لیے تمام وسطی پنجاب میں پھیل گیا اور انتظامیہ کے لیے ایک شدید سردردی کا موجب بن گیا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بنیادی طور پر احرار اور احمدیوں کی تلخ اور طویل دشمنی کا اصل موجب احمدیوں کے آپس میں اختلاف سے نکلا تھا۔ اس تنازعہ نے بعد میں مذہبی اور سیاسی شکل

اختیار کرلی۔ احرار نے قادیان کے احمدیوں پر دو بڑے مسائل کی آڑ میں چڑھائی کی۔ پہلا مسئلہ عقیدے کی درستی اور دوسرا غیر احمدیوں سے قادیان میں سلوک تھا۔ پہلے مسئلہ پر وہ مسلمانوں کے سینے میں پنہاں احمدیوں کے خلاف نفرت کو بھڑکا کر اسے دوبارہ زندہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ احمدیوں کی ان تحریروں کو بطور حوالہ پیش کرنے کے قابل ہوگئے جو خوفناک حد تک راسخ العقیدگی کے خلاف تھیں اور دوسرے وہ یہ یقین پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ احمدیوں کا وجود اسلام کے لیے عظیم خطرہ ہے۔ جس کے نتیجے میں احمدیوں کو عملی طور پر اپنے فرقہ سے باہر اور مسلمانوں کے اندر کوئی ہمدرد نہ مل سکا۔ اگرچہ مسلمانوں کے اندر یہ جذبات ابھی شدید شکل اختیار نہ کر سکے تھے۔ یہ سلسلہ آئندہ چند سالوں تک اس طرح جاری رہا کہ اگر کوئی بدقسمت واقعہ پیش آجاتا تو معاملہ خطرناک حد تک بگڑ سکتا تھا۔ اور اسی وقت سابقہ فرقہ وارانہ حرکات نے احمدیوں کو ہندوؤں میں خصوصاً قادیان اور اس کے گردونواح میں فطری طور پر غیر پسندیدہ قرار دلوانا تھا۔ جبکہ سکھوں کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے والی دشمنی کو ان کی بابا گورونانک کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش نے مزید سخت کردیا۔ احرار کی سیاسی کوششوں نے صورتحال کو مزید پیچیدہ کردیا جو کہ اس وقت ایک مکمل جماعت کی حیثیت سے اپنی سیاسی قوت کو بڑھانے میں سرگرم عمل تھے۔ یہ مہم ان کے لیے سودمند بھی تھی جس نے چند احراریوں کو کافی حوصلہ بخشا تھا جو اس میں کام کر رہے تھے۔ اس لڑائی کا سب سے اہم پہلو وہ قابل اعتراض زبان تھی جس کا استعمال دونوں گروہ ایک دوسرے کے خلاف خطبات۔ تصاویر۔ کتابچوں اور اخباری تحریروں میں کرتے تھے۔ کبھی کبھار دونوں فریق وقفے سے سانس لیتے اور حکومت کے خلاف فریق مخالف کے حق میں جانبداری کے الزامات لگاتے۔ یہ اس تنازعہ کی عمومی شکل تھی جو ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد سے احراریوں اور احمدیوں کے مابین پروان چڑھتی رہی اور بعد میں عوام کے امن وسکون کے لیے عظیم خطرہ بن گئی۔

مباہلہ کانفرنس (۱۹۳۱ء)

اس کھیل میں پہلی حرکت ۱۹۳۱ء میں ہوئی جب احرار نے منحرف قادیانیوں کے اکسانے پر اور مسلمانوں کے اندر اپنے تاثر کو پروان چڑھانے کے لیے انیس اور بیس اکتوبر کو ایک مباہلہ کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس کانفرنس نے صوبہ کے کئی حصوں میں احمدیوں کے خلاف اتنی نفرت انگیز فضا پیدا کر دی کہ نومبر میں امرتسر اور ایک دوسری جگہ قادیانیوں کے جلسہ کو الٹنے کی کوششیں ہوئیں۔ صرف پولیس کی دخل اندازی کی وجہ سے امن وسکون بچ گیا۔

کشمیر کمیٹی

چھبیس جولائی ۱۹۳۱ء کو مرزا محمود کی سربراہی میں ”کل ہند کشمیر کمیٹی“ قائم کی گئی۔ احرار نے کشمیری مسلمانوں کے لیے ایک بھرپور تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں مرزا محمود کو استعفیٰ دینا پڑا۔(۱)

احرار کی احمدیہ مخالف تحریک (۳۳-۱۹۳۲ء)

احمدیوں نے کچھ وقت کے لیئے اپنی قلیل تعداد کو دیکھتے ہوئے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی نفرت کو ابھارنے کے لیئے کوئی خاص کام نہ کیا اور ۱۹۳۲ اور ۱۹۳۳ء کے کچھ عرصہ میں احرار بھی خاموش ہی رہے اور وقفہ وقفہ سے پریس میں اور زیادہ تر اپنے ایوان سے احمدیوں کے خلاف ملامت آمیز بیانوں تک اپنے آپ کو محدود رکھا۔ چار مارچ ۱۹۳۳ء کو مجلس احرار کی مجلس عمل کا اجلاس ہوا جس میں بہت زیادہ قراردادیں پیش ہوئیں۔ احرار کے عمائدین سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، حبیب الرحمٰن بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ احمدیوں کے خلاف مہم کو تیز کرنے کے لیے ”دعوت و ارشاد“ کے نام سے الگ مجلس تشکیل دی جائے۔ ایک اخبار کے لیے چندہ اکٹھا کیا جائے اور ایک لاکھ رضاکاروں پر مشتمل فوج بنائی جائے۔ یہ کہنے کی

ضرورت نہیں کہ یہ طمطراق آمیز منصوبے بار آور نہ ہو سکے لیکن بات بالکل واضح ہوگئی کہ احرار اپنا کام کرنے کے درپے تھے۔ ۱۹۳۳ء کے موسم گرما کے دوران احمدیوں کے بارے میں احرار کا لہجہ تلخ تر ہوگیا اور کئی مواقع پر ایسی قراردادیں یا تجاویز بھی منظور کی گئیں کہ احمدیوں کو تمام مسلمان مکاتب۔ کلیات اور اداروں سے نکال دیا جائے تاکہ انکا سماجی مقاطعہ ہو سکے اور انہیں مرکزی وصوبائی قانون ساز اداروں۔ بلدیاتی اداروں اور مقامی حکومتوں سے روکا جاسکے۔ اسی سال کے اکتوبر میں احرار نے یہ خفیہ منصوبہ ترتیب دیا کہ ''مباہلہ'' اخبار جس عمارت میں واقع تھا اس پر قبضہ کیا جائے اور اسے ایک دفتر کے طور پر استعمال کیا جاسکے جہاں وہ احمدیوں کے خلاف مہم کو جاری رکھ سکیں۔ احمدیوں کو اس کی خبر ہوگئی تو انہوں نے فوراً اس عمارت کو گرا کر اس کی جگہ بیت الخلاء تعمیر کر لیئے۔ بعد میں اس حرکت کی شدت کم کرنے کے لیئے احمدیوں نے ان پاخانوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گھر تعمیر کر لیے لیکن شرارت ہو چکی تھی اور ۳۴-۱۹۳۳ء کے موسم سرما سے احرار۔ احمدی کشیدگی میں متواتر اضافہ ہوتا گیا۔

قادیانی جنگ جوئی (۱۹۳۴ء)

اسی دوران قادیان میں احمدیوں کا رویہ واضح طور پر جارحانہ اور جنگجویانہ ہوتا جارہا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں موصول ہونے والی اطلاعات میں یہ بات ظاہر تھی کہ قادیان میں اس گروہ نے ''ریاست کے اندر ریاست'' کے قیام اور خودمختاری کے حصول کو مقصد بنالیا ہوا تھا۔ اس چیز کے ثبوت میں مندرجہ ذیل شواہد میسر آئے۔

۱۔ رضا کاروں کی جماعت تیار کی گئی جنہیں بندوق اور اسلحہ کے استعمال کرنے کی اجازت تھی۔

۲۔ احمدیہ عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں ''ادارہ فوجداری'' کہا گیا۔ ایک ایسی دستاویز کا پتا چلا جو قادیانی عدالت کی طرف سے مدعا علیہ کو حکم نامہ حاضری کے طور پر استعمال ہورہی تھی۔ اس دستاویز میں بعینہ وہی زبان استعمال ہوئی تھی جو برطانوی ہند کی

عدالتوں میں استعمال ہوتی تھی۔ یہ بھی اطلاعات موصول ہوئیں کہ کسی احمدی کے خلاف جرم کرنے پر لوگوں کو سماجی مقاطعہ کی سزا دی جاتی۔ غیر احمدیوں سے اس طریق کار پر دباؤ سے عمل کروایا جاتا۔ مرزا بشیر الدین نے ''تعزیرات احمدیہ'' متعارف کرا کے متوازی حکومت قائم کر لی تھی جو کہ برطانوی قانون سے سراسر متصادم تھی اور احمدی عدالتوں کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی کہ وہ کسی بھی قادیانی کو کوڑے لگوائے یا اسے شہر بدر کر دے۔

۲۔ ''سیاسی انجمن احمدیہ'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی جو بظاہر احمدیوں کی سیاسی بہبود کے لیے کام کرتی تھی۔

تبلیغی کانفرنس (۱۹۳۴ء)

قادیان میں ''احمدی حکومت'' کی داستانوں نے مسلمانوں کے خیالات کی لہر کو تبدیل کر دیا۔ احرار نے پورے زور سے احمدیوں کے خلاف مہم چلائی اور اس میں پیدا ہونے والے اشتعال کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ حکومت نے قادیان کے عنائیت اللہ کی طرف سے ایک فحش رسالہ بعنوان ''کیا مرزا قادیان عورت تھی یا مرد'' کو ممنوع قرار دے دیا۔ مارچ میں امرتسر میں ''رد مرزائیت'' کے نام سے ایک مجلس بنائی گئی جس کا کام نشرواشاعت کا جاری رکھنا اور احمدیوں کی مذمت کرنا تھا۔ احرار نے دشمن کے پڑاؤ میں جا کر وار کرنے کے لیئے اکتوبر میں قادیان میں ایک ''تبلیغ کانفرنس'' منعقد کی۔ کانفرنس تو خیریت سے گزر گئی مگر سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف اکیس اکتوبر کو جلسہ میں تقریر کی بناء پر کاروائی زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ضروری سمجھی گئی۔ ایک احمدی ڈاکٹر محمد اسمٰعیل کا احمدیوں نے سماجی مقاطعہ کر دیا جس نے مرزا بشیر الدین محمود کے احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلسہ میں شرکت کی تھی۔ احمدیوں نے احرار کو قادیان میں جلسہ کرنے کی اجازت دیئے جانے کے خلاف پرزور احتجاج کیا۔ مرزا بشیر الدین محمود کو ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ کی دفعہ تین کے تحت حکم نامہ حاضری دیا گیا کہ وہ ان احمدی رضا کاروں کے بلاوے کو منسوخ کر دے جنہیں اس نے جلسہ کے

موقع پر قادیان میں ایک کثیر جماعت کی شکل میں اکٹھا کیا تھا۔ حکومت کے اس اقدام کے خلاف احمدیوں نے دنیا بھر میں احتجاجی طوفان کھڑے کر دیئے۔ احساسات کو مزید ہوا ملتی گئی اور احمدیوں کا اشتعال نومبر میں اس وقت شدید تر ہوگیا جب ایک نوجوان احمدیہ گروہ کے سربراہ کو قتل کرنے کی نیت سے قادیان پہنچا مگر پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا اور بعدازاں ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۹ کے تحت اسے ایک سال کے لیے جیل بھجوا دیا گیا۔

قادیان اور پنجاب حکومت (۱۹۳۵ء)

۱۹۳۵ء کے سال میں قادیان کے احمدیوں کا حکومت کے بارے میں رویہ تبدیل ہوگیا۔ چودہ جنوری کو فرقہ کے سربراہ نے خطبہ میں تبدیلی کا اشارہ دیتے ہوئے کہا

> ''اب تک احمدی حکومت کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیئے ہوئے تھے مگر ایک قوم کی سرکار عاقبت اندیشی سے ہوتی ہے۔ جماعت کے ساتھ کی جانے والی شرارت میں کئی انگریز افسروں کا ہاتھ تھا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیروکار موجودہ سرکار کے ماتحت کس معصیت کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ مگر کوئی قانون اسے حکومت کا احترام کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ تاہم کچھ عرصہ کے لیے اس کی خواہش کی تھی کہ اس کے پیروکار قانون کا احترام کریں مگر وقت آئے گا جب وہ انہیں اس حصار سے آزار کر دے گا''۔

نیشنل لیگ (۱۹۳۵ء)

اٹھارہ جنوری کو قادیان میں احمدیوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں فرقہ کے سربراہ سے یہ استدعا کی گئی کہ وہ احمدیوں کو ایک نئی تنظیم بنانے کی اجازت دے جو ''سیاسی کام'' کر سکے۔ ایک ہفتہ بعد سیاسی انجمن احمدیہ نے اپنا نام تبدیل کر کے ''نیشنل لیگ'' رکھ لیا اور یہ اعلان کیا کہ اس کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حکومت اور اس کی رعایا کو تہذیب سکھائی جا سکے۔ نیشنل لیگ کی شاخیں

کئی جگہوں پر کھول دی گئیں۔ یہ یقین کر لینے کے لیے کافی وجوہات موجود ہیں کہ لیگ اپنے مبلغین کے ذریعے جو پہلے ہی کام کر رہے تھے دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو اسلام اور اتحاد عالم اسلامی کے نام سے حکومت برطانیہ کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ عملی طور پر لیگ کے ''مرکزی احمدی حاکمیت'' سے وہی تعلقات تھے جو'' شرومنی اکالی دل'' کے ''شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی'' سے ہیں۔ گورداسپور کے راسخ العقیدہ مسلمانوں نے احرار کو عمومی قبولیت کی سند دے دی تھی جب گرداسپور کے ایک جم غفیر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ''امیر شریعت'' کا خطاب دیا گیا۔ احمدیوں کے احمقانہ دعویٰ نے سکھوں کو مشتعل کر کے صورتحال کو مزید پیچیدہ کر دیا کہ بابا گورو نانک مسلمان تھے۔ احمدیوں نے اس راستے کے خطرات کو پہچاننے کی بجائے جس پر چل کر وہ اپنے دوستوں سے بھی محروم ہو سکتے تھے اپنے مخالفوں کو مزید دق کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت بہت سے احمدی مخالف کتابچے جن میں ''کھنچوان نبی''۔ ''پنجتن پاک'' اور ''ہنسی کا گول گپا'' شامل ہیں منظر عام پر آئے اور ممنوع قرار دیئے گئے۔ روزنامہ ''زمیندار'' لاہور اور کریمی پریس جہاں سے یہ چھپے تھے ان سے ضمانتیں، طلب کی گئیں۔ احمدی مخالف تحریروں پر گجرات کے ''صداقت'' اور گوجرانوالہ کے ''العدل'' کو تنبیہات جاری کی گئیں۔

احمدی سکھ مناقشت (۱۹۳۵ء)

جنوری ۱۹۳۵ء تک صورتحال مزید گھمبیر ہوگئی اور واقعات تیزی سے رونما ہونے لگے۔ تیئس جنوری کو قادیان میں احمدیوں کے ایک اجلاس میں پولیس اور ضلعی انتظامیہ کو کھلی گالیاں دی گئیں۔ اس اجلاس سے ایک خطرناک ماحول پیدا ہوگیا اور غیر احمدیوں کے لیئے تشدد کے بھرپور خطرات پیدا ہو گئے۔ احمدیوں اور سکھوں کے مابین تناؤ میں ان متواتر دعوؤں سے مزید اضافہ کر دیا کہ گورو نانک مسلمان تھے اور سکھ گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ چھوٹے قصبوں میں اور قادیان کی حدود میں ضابطہ فوجداری کی

دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ سے جلسوں اور مظاہروں پر پابندی لگا دی گئی۔ اس صورتحال سے نبرد آزما ہونے میں پیش آنے والی بڑی مشکلات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ احمدی اپنے مخالفین کو متواتر وہ مواد مہیا کر رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے مخالفین ان کے خلاف رائے عامہ کو بھڑکا رہے تھے۔ اس موقع پر نیشنل لیگ نے ایک بڑی رکاوٹ یہ کھڑی کر دی کہ اپنے اجلاسوں میں پولیس یا عوامی اخباری نمائندگان کا داخلہ بند کر دیا۔ چوبیس جنوری کو نیشنل لیگ کے ایک جلسہ میں گمراہ کن اور قابل اعتراض تقاریر کی گئیں جس میں حکومت کی حکمت عملی، قادیان میں مقامی پولیس اور ضلعی مجسٹریٹ کے خلاف شکایات کی گئیں۔

قوت کا اظہار (۱۹۳۵ء)

مرزا بشیر الدین محمود کو انہی دنوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف فوجداری مقدمہ زیر دفعہ ۱۵۳۔ الف تعزیرات ہند میں شہادت صفائی کے لیے طلب کیا گیا۔ اس کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کیے گئے مگر دونوں پیشیوں پر گواہ کے طور پر پیش ہونے کے وقت وہ خصوصی طور پر ریل گاڑی سے تقریباً دو ہزار آدمی مظاہرے کے لیے ساتھ لاتا رہا۔ پچیس اپریل کو سید عطا اللہ شاہ بخاری کو چھ ماہ قید سخت کی سزا سنائی گئی۔ جلد ہی احمدیوں نے قادیان میں “ریتی چھیلا” کے علاقے میں زمین کے ایک وسیع قطعہ پر قبضہ کر کے قادیان میں موجود تمام فرقوں کی ہمدردیاں کھو دیں اور پھر اس قطعہ پر انہوں نے متواتر اجتماعات منعقد کیئے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے ایک اجتماع پر احمدیوں کے مقبوضہ گھروں سے اینٹیں پھینکی گئیں۔ یہ اجتماع جس جگہ منعقد ہوا وہاں سے وہ جگہ قادیانی گھروں سے دیکھی جا سکتی تھی۔ احمدیوں کے سکھوں اور احرار پر مبینہ حملوں پر مختلف گروہوں نے قادیانیوں پر اور قادیانیوں نے ان پر استغاثہ جات دائر کیئے۔ چھبیس مئی کو بانی فرقہ کی برسی پر ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا بشیر الدین محمود نے ایک جوشیلی تقریر کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے مخالف بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ

احمدی ہی قادیان کے مالک ہیں اور یہ دعویٰ کیا کہ احمدی احرار کو مکمل طور پر کچل دینے تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اکتیس مئی ۱۹۳۵ء کو پولیس نے ضلع میانوالی سے تعلق رکھنے والے ایک جنونی احمدی روزی خاں کو گرفتار کیا جس کا یہ دعویٰ تھا کہ خدا نے اسے قادیان میں احرار کے رہنما عنائیت اللہ خان کو ''سزا'' دینے کا حکم دیا ہے۔ تاہم روزی خان کو بعد میں دیوانہ قرار دے دیا گیا

کھوسلہ کا فیصلہ (۱۹۳۵ء)

چھ جون ۱۹۳۵ء کو سیشن جج گورداسپور نے سید عطا اللہ شاہ بخاری کی اپیل پر فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ سید عطا اللہ شاہ بخاری کا جرم ایک تکنیکی قسم کا ہے اور سزا کی مدت کم کر کے اسے تا برخاست عدالت قید میں بدل دیا۔ اس فیصلہ میں احمدیوں کے بارے میں چند تنقیدی باتیں بھی تھیں۔ احمدیوں نے اس جج کے خلاف احتجاج کا طوفان کھڑا کر دیا اور عدالت عالیہ میں درخواست دی کہ فیصلہ میں ان کے خلاف تنقیدی باتوں کو حذف کر دیا جائے اور بعض باتیں حذف بھی کر دی گئیں۔ اسی دوران قادیان میں دو گروہوں کے درمیان اس وقت شدید تناؤ پیدا ہو گیا جب دونوں گروہوں نے ایک متنازعہ قطعہ اراضی پر نماز پڑھنے کے لیے اصرار کیا۔

کانگریس کی طرف سے مدد کی پیشکش (۱۹۳۵ء)

آٹھ جولائی کی شام احمدیہ فرقہ کے سربراہ کے چھوٹے بھائی مرزا شریف احمد پر حنیف عرف حنیفا نامی شخص نے لاٹھی سے مسلح ہو کر حملہ کیا۔ حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا اور آخر کار اسے نو ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ اکتوبر میں یہ اطلاع آئی کہ کانگریس کے رہنما ڈاکٹر گوپی چند۔ کیدار ناتھ سہگل اور دوسرے کانگریسی زعماء حکومت مخالف نشر و اشاعت کو بڑھانے کے لیے کانگریس کے ارکان کے طور پر ان احمدیوں کو رکن بنانے کے لیے بے چین تھے جو حکومت کے سخت شاکی تھے۔ تاہم احمدیوں نے کانگریس کے

بغیر آزادانہ طور پر اپنی تحریک جاری رکھی۔

مباہلہ کی للکار اور اس سے فرار (۱۹۳۵ء)

مرزا بشیر الدین محمود نے جلد بازی کے ایک لمحے میں احرار کو مذہبی مباحثے کے لیے للکار دیا اور اس میں بہ نفس نفیس شرکت کا ارادہ ظاہر کیا۔ احراری رہنماء مظہر علی اظہر نے اس للکار کو قبول کر لیا لیکن بعد میں احمدیوں نے اس خطرناک صورتحال سے فرار کی کوششیں شروع کر دیں جس میں اس مباحثہ نے انہیں ڈال دیا تھا اور یہ دعویٰ کیا کہ مباحثہ کی شرطیں مناسب طور پر طے نہیں کی گئیں۔ تمام احمدیوں کی طرف سے گستاخانہ تقریروں کے تواتر نے یہ بات ظاہر کر دی کہ احرار کی پچھلے سال کی کانفرنس کے دوران اختیار کیئے گئے نرم رویہ کو اس دفعہ نہیں دہرایا جائے گا۔ ان حالات میں نومبر کے مہینے میں گورداسپور کے ضلعی مجسٹریٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا جس میں مجلس احرار کی قادیان شاخ کے معتمد کو ہدایت کی گئی کہ قادیان میں کسی بھی مجلس، مباحثہ یا بحث میں شامل ہونے یا اس میں حصہ لینے سے احتراز کیا جائے۔ احرار کے کئی رہنماؤں کو ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ کی دفعہ تین کے تحت یہ حکم پہنچایا گیا کہ وہ گورداسپور کے ضلع کے اندر قادیان کے قصبہ کے اطراف میں آٹھ میل کے اندر نہ داخل ہو سکتے ہیں، اور نہ رہ سکتے ہیں۔ احرار کے چند رہنماؤں نے ان احکامات کی خلاف ورزی کی جس پر دسمبر میں انہیں چار ماہ قید کی سزا دی گئی۔ ان میں سید عطا اللہ شاہ بخاری۔ بشیر احمد علی پوری۔ محمد قاسم شاہجہان پوری۔ غلام نبی جانباز اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی شامل تھے۔

احرار کا دھاوا (۳۶-۱۹۳۵ء)

ان دنوں احرار اور احمدیوں کی کشمکش اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ ۱۹۳۶ء میں صورتحال کی کشیدگی میں کچھ کمی آئی مگر حقیقی طور پر باہمی اتہامات اور درشتی میں کمی واقع نہ

ہوسکی۔ جنوری میں احمدیوں نے قادیان میں ''ریتی چھیلہ'' میں داخلہ کے راستے پر پہریدار بٹھا دیئے اور ان کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعات ۱۰۷ اور ۱۵۱ کے تحت نقصِ امن کی کاروائی ضروری ہوگئی۔ احرار کی طرف سے چھپنے والے رسالے ''مذہبی ڈاکو'' نے جذبات مزید مشتعل کر دیئے اور حکومت نے وہ رسالہ ضبط کرلیا۔ احمدیوں کے خلاف نشر و اشاعت میں شدت آگئی اور مارچ میں قراردادیں منظور کی گئیں کہ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔ مئی میں قادیان کا ماحول قدرے بہتر ہوگیا لیکن پٹھان کوٹ میں اسی ماہ احرار کی تبلیغ کانفرنس میں پیر فضل حسین شاہ نے کہا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد جو شخص نبوت یا خلافت کا دعویٰ کرے وہ واجب القتل ہے۔

نہرو کا استقبال۔ (۱۹۳۶ء)

اس کے چند دنوں بعد نیشنل لیگ کے اجلاس میں شیخ بشیر احمد نے اعلان کیا کہ احمدیوں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ ملکی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر ایک مناسب لائحہ عمل ترتیب دیا جائے تو احمدیہ جماعت جواہر لال نہرو کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوگی۔ نیشنل لیگ کی جاری کردہ ہدایات کے مطابق مئی جون ۱۹۳۶ء میں لاہور میں پنڈت نہرو کے استقبال کے لیئے چند احمدی رضاکاروں نے شرکت کی۔

نہ تدفین نہ مسجد میں داخلہ (۱۹۳۷ء)

۱۹۳۷ء کے اوائل میں بٹالہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کے قبرستان میں ایک احمدی کی تدفین پر ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور پولیس کو امن و امان کی خاطر مداخلت کرنا پڑی۔ ایک احراری رہنما حاجی عبدالغنی کی ہدایت پر کتبے آویزاں کیئے گئے کہ قبرستان میں احمدیوں کو دفن نہ ہونے دیا جائے جبکہ احمدیوں نے معاملہ قانون کی عدالت میں لے جانے کے لیئے قبروں کے کتبوں پر اپنے نام کندہ کرا دیئے۔ مارچ میں بٹالہ میں

احرار نے مساجد کے باہر اعلانات چسپاں کروا دیئے جس میں احمدیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ سولہ جون کو مسلمانوں کے قدیمی قبرستان میں احمدی بچوں کے دفن کیئے جانے پر شدید ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک غیر احمدی کو احمدیوں نے پولیس کے پہرے سے نکال کر بے دردی سے پیٹا جس کے نتیجے میں انیس احمدیوں کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعات ۳۲۶ اور ۱۴۷ کے تحت مقدمہ چلایا گیا جبکہ ان میں سے گیارہ کو جرمانہ کی سزا دی گئی۔ ایک ماہ بعد امرتسر کے مضافات میں واقع مسلمانوں کے قبرستان میں احرار کے ایک گروہ نے ایک احمدی کی تدفین پر اسے روکنے کی کوشش کی۔

سکھوں کے ساتھ جھگڑا (۱۹۳۷ء)

جون میں سکھوں کے ساتھ تعلقات اس وجہ سے کشیدہ ہوگئے کہ قادیان میں ''دھرم شالہ اداسیاں'' کے پجاری کی کچھ زمین جو دھرم شالہ کو دی ہوئی تھی، احمدیوں کو رہن کر دی گئی۔ پجاری عمارت کی تعمیر کے بعد احمدیوں کی طرف چلا گیا لیکن سکھوں نے امرتسر سے دو مہنت لا کر اس عمارت کے تالے توڑ ڈالے اور اندر داخل ہو کر قبضہ کر لیا۔ احمدیوں نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معاہدہ کو ختم کر ڈالا لیکن دونوں گروہوں کے درمیان دشمنی اس وقت دوبارہ بھڑک اٹھی جب احمدیوں کا طبع شدہ رسالہ ''حضرت بابا نانک صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا دین دھرم'' منظر عام پر آیا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ گورو نانک مسلمان تھے۔

مرزا محمود کے خلاف مصری اور ملتانی کی فرد جرم۔ (۱۹۳۷ء)

جون ۱۹۳۷ء میں احمدیہ گروہ میں اس وقت زبردست پھوٹ پڑ گئی جب دو منحرف احمدیوں فخر الدین ملتانی اور عبدالرحمٰن مصری نے ایسے اشتہارات چھپوائے جن میں احمدی گروہ کے سرخیل مرزا بشیر کے ذاتی کردار پر سنگین الزامات عائد کیئے گئے تھے اور عبدالرحمٰن مصری نے جو کہ مکتب مذہبی تعلیم احمدیہ کا رئیس المتعلمین تھا ''مجلس احمدیہ

قادیان'' کے نام سے ایک متوازی تنظیم قائم کر لی جس کا صدر وہ خود اور معتمد فخر الدین ملتانی تھا۔ لاہوری احمدیوں۔ آریہ سماج اور احرار نے علیحدگی پسندوں کی طرف داری کی۔ دونوں کو مذہب سے خارج کر دیا گیا اور مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تقریروں میں ان کے خلاف تشدد آمیز دھمکیاں دیں۔ ان دھمکیوں کے اثر سے ایک جنونی احمدی نے سات اگست کو فخر الدین ملتانی سمیت ایک اور علیحدگی پسند کو چھرا گھونپ دیا۔ فخر الدین ایک ہفتہ بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ اس کے قاتل کو گرفتار کر لیا گیا اور اگلے سال کے اوائل میں عدالت عالیہ نے اسے سزائے موت کی سزا دی۔ بہت سے احمدی عمائدین کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۰۷ کے تحت ضمانتی کارروائی کی گئی۔ ان میں سے ایک احمدیہ پیشواؤں میں شامل ایک خان صاحب فرزند علی بھی تھا جسے بعد ازاں عدالت نے بری کر دیا۔ ستمبر میں پولیس کو اطلاع ملی کہ ایک معمولی رقم کے لالچ کے عوض مرزا بشیر الدین محمود کے ملازم لڑکے کو مرزا البشیر الدین محمود کو زہر دینے کا کہا گیا تھا۔ تحقیقات پر معاملہ غلط ثابت ہو گیا۔ بعد میں قادیان کے بیت المال کے کھاتہ جات کی جانچ پڑتال کے دوران یہ رپٹ درج کرائی گئی کہ ''احمدیہ مکتب'' کے رئیس المتعلمین ہونے کے دوران عبدالرحمٰن مصری نے اس میں غبن کیا ہے۔ بعد میں یہ الزام ۱۹۳۶ء میں عدالت میں غلط ثابت ہوا۔ اسی دوران احمدیوں کی قادیانی اور لاہوری شاخوں کی جانب سے ایک دوسرے کے خلاف پریس میں اشتعال انگیز تحریروں کے الزام لگائے گئے اور ایک پرتشدد صورتحال کے پیدا ہونے کا امکان بڑھ گیا۔ فریقین کے رسالوں ''الفضل'' اور ''پیغام صلح'' کو قانونی کارروائی کی دھمکی سے ایک دوسرے کے خلاف دل آزار تحریروں سے اجتناب کرنے کو کہا گیا۔ دسمبر میں منحرف احمدیوں اور اترار نے مل کر اخبارات شائع کر کے مصیبت کھڑی کرنے کی کوشش کی کہ مرزا بشیر الدین محمود کے خلاف الزامات کی کھلی تحقیقات کرائی جائیں۔ پانچ کتابچے جن کے عنوانات ''احمدی احباب کی خدمت میں عاجزانہ گزارش اور فیصلہ کے آسان طریق''۔

''بڑا بول''۔ ''جناب خلیفہ صاحب کے دونوں پیش کردہ طریق فیصلہ منظور''۔ ''عزل خلیفہ''۔ ''کیا تمام خلیفے خدا ہی بناتا ہے'' تھے ان کی تشہیر کی گئی جو بعد میں قابل اعتراض پائے گئے۔ پہلے اشتہار کے ناشر کو تنبیہہ کی گئی جبکہ دیگر چار اشتہارات کے ناشرین کو جرمانہ کیا گیا۔ احمدیوں کے مابین اندرونی خلفشار بڑھتا گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اختلاف رائے رکھنے والوں کے خلاف سخت انضباطی کارروائی کی۔ یہ بلاتمیز مذہب سے خارج کر دیئے گئے اور انہیں احمدی رضا کاروں کی سخت نگرانی میں رہنا پڑا۔ ستمبر ۱۹۳۸ء تک کل ملا کر انیس احمدیوں کو مذہب سے خارج کیا گیا۔

احراری رہنما کا قتل۔ (۱۹۳۸ء)

۱۹۳۸ء میں معمولی واقعات ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اسی سال مجلس احرار بٹالہ کے صدر حاجی عبدالغنی پراسرار حالت میں مردہ پائے گئے۔ ان کے سر پر زخم تھا اور یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ ان کو احمدیہ مخالف سرگرمیوں پر احمدیوں نے قتل کیا ہے۔ دراصل حاجی صاحب کو ایک عشائیہ میں مہلک زخم لگائے گئے تھے۔ اس قتل کا بھی کھوج نہ لگایا جا سکا۔ اس سلسلہ میں احرار کی جانب سے شائع کردہ ایک کتابچہ ''یاد رفتگان'' کو حکومت نے ضبط کر لیا۔ مارچ میں کئی احمدیوں نے ایک غیر احمدی کے عام قبرستان میں تدفین کے مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کر دیا اور پولیس کو امن کی بحالی کے لیئے مداخلت کرنا پڑی۔ جون میں احمدیوں نے پھر تحریک کو ابھارنے کی کوشش کی اور اس کے لیئے قادیان کی عیدگاہ کا سوال اٹھایا گیا جسے احمدیوں نے مکمل طور پر اپنی ملکیت ظاہر کیا۔ پولیس کو امن کے قیام کے لیئے خصوصی انتظامات کرنے پڑے۔ اگست میں بٹالہ میں ''حارا'' نامی لڑکا جس کی عمر تقریباً سولہ سال تھی نے یہ بتایا کہ کس طرح وہ پچھلے تین ماہ کے دوران مرزا صاحب کو قتل کرنے کی ناکام کوششیں کرتا رہا ہے مگر غالباً یہ داستان غلط تھی۔ اسی ماہ بچوں کی معمولی لڑائی پر چار احمدیوں اور قادیان کے تین احراریوں کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ ستمبر میں پولیس کو احمدیوں اور احراریوں کے مابین لڑائی روکنے کے لیئے اس وقت مداخلت

کرنا پڑی جب تقریباً ساڑھے تین سو احمدیوں نے اپنی قیادت کے کہنے پر عید گاہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور زمین برابر کر دی۔ اس سال احرار نے احمدیوں کی مخالفت سے معمولی دستبرداری بھی نہ کی اور ان کا کوئی سیاسی فائدہ بھی حاصل نہ کر سکے سوائے چند مواقع پر جلسوں میں یہ اعلان کرایا گیا کہ ''احمدی مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہیں''۔

احمدیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان چلنے والے طویل المیعاد جھگڑے سے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ اس میں احمدیوں کو فوری اور معمولی نقصانات اٹھانے پڑے۔ شاید یہ قادیان میں احمدیوں کی حد درجہ نظم وضبط اور قابل انتظامیہ کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ مرزا بشیر الدین محمود اور اس کے آباؤ اجداد نے ایسا انتظام قائم کیا تھا جس نے تمام دباؤ اور تناؤ کو بخوبی برداشت کر لیا۔ لیکن انجام کار دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں احمدیوں نے نہ صرف اپنا وقار گنوایا بلکہ مالی طور پر بھی مستقبل میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو زک اٹھانا پڑی۔ قادیانیوں کو اسی جذبے، ولولے اور لگن کے ساتھ جو ان کا اولین نصب العین ہے اور جس طرح ماضی میں وہ سرگرم رہے ہیں۔ عوام الناس کی نظروں میں اپنا مقام بحال کرنے کے لیے ابھی وقت لگے گا تا کہ تبدیلی مذہب کی سرگرمیاں دوبارہ جاری کر سکیں۔

۱۹۳۸ء میں قادیانی اور لاہوری تنظیمیں

احمدیوں کی قادیانی تنظیم کا مختصر تعارف یوں ہو سکتا ہے۔ تنظیم کی اعلیٰ شخصیت خلیفہ ہوتی ہے جو کہ نظریاتی طور پر منتخب کیا جاتا ہے اور تا حیات ہوتا ہے۔ اس کے اختیار کا اصل اوزار مرکزی تنظیم ''صدر انجمن احمدیہ'' ہوتی ہے جو کہ ایک رجسٹرڈ تنظیم ہوتی ہے۔ انجمن آگے محکموں میں تقسیم ہوتی ہے جو کہ ناظر کے براہ راست اختیار میں ہوتے ہیں۔ آج کل (۱۹۳۸ء میں) نو اہم محکمے۔ امور عامہ۔ بیت المال۔ دعوت وتبلیغ۔ تالیف وتصنیف۔ تعلیم وتربیت۔ ضیافت۔ جائیداد۔ جامعہ احمدیہ ومقبرہ بہشتی اور نیشنل لیگ ہیں۔ ان محکموں کا انصرام بالترتیب' سید زین العابدین۔ خان صاحب فرزند علی۔

عبدالغنی۔ شیر علی۔ مرزا بشیر احمد۔ میر محمد اسحٰق۔ مرزا محمد اشرف۔ سرور شاہ اور شیخ بشیر احمد کے پاس ہے۔ مرکزی محکموں کے علاوہ معتمدین کے پاس دیگر ادارے بھی ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ بجٹ کا تخمینہ تقریباً بارہ لاکھ روپے ہے۔ اس کے علاوہ پچیس لاکھ کا ایک ''محفوظ سرمایہ'' بھی ہے اور آج کل ایک نئی مد ''خلافت جوبلی'' کے نام سے بھی تین لاکھ روپے کا کثیر سرمایہ اکٹھا کیا جا رہا ہے جو مارچ ۱۹۳۹ء میں مرزا بشیر احمد کی خلافت کے پچیس سالہ جشن کے موقع پر خرچ کیا جائے گا۔ ہندوستان کے باہر ان کے بائیس تبلیغی مراکز لندن۔ روم۔ بلغراد۔ بڈاپسٹ۔ شکاگو۔ بیونس آئرس۔ لاگوس (جنوبی نائیجیریا)۔ گولڈ کوسٹ کالونی۔ ماریشیس۔ نیروبی۔ مصر۔ سیرالیون۔ کوبے۔ پائریم (آسٹریلیا)۔ سماٹرا۔ جاوا۔ سیلون۔ رنگون۔ سنگاپور اور ہانگ کانگ میں کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار احمدیہ انجمنیں ہیں جن میں سے پانچ سو چھتیس پنجاب میں واقع ہیں۔ پچاس کشمیر اور پٹیالہ کی ریاستوں میں۔ سات میسور میں۔ چار حیدرآباد دکن میں۔ پینتیس اڑیسہ میں۔ اٹھائیس بلوچستان میں۔ نو صوبجات متحدہ میں۔ سات بمبئی میں اور چھ مدراس میں واقع ہیں۔ احمدی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے دنیا بھر میں تقریباً پندرہ لاکھ افراد ارکان ہیں۔ احمدیوں کے ہندوستان میں چھپنے والے اخبارات و رسائل میں۔ ''الفضل''۔ ''فاروق''۔ ''نور''۔ ''الحکم''۔ ''مصباح''۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' اور ''سن رائز'' شامل ہیں۔ بیرون ممالک مطبوعات میں ''سن رائز'' کا شکاگو شمارہ۔ ''مسلم ٹائمز'' (لندن)۔ ''البشریٰ'' (مصر) ''دی میسج''۔ ''دوتن'' (سری لنکا) اور ''الاسلام'' (جاوا) شامل ہیں۔ لاہوری گروہ کی تنظیمی اور عمومی صورتحال نسبتاً کمزور ہے۔ آجکل (۱۹۳۸ء میں) مولوی محمد علی گروہ کا سربراہ ہے جو کلی طور پر تاحیات کی بجائے ہر سال منتخب ہوتا ہے۔ اس کی معاونت ناظم عمومی اور ناظم مالیات کے علاوہ ایک انتظامی مجلس کرتی ہے۔ مرزا محمود بیگ اور مولوی عزیز بخش ناظمین کے طور پر کام کر رہے ہیں اور مجلس منتظمہ میں مولوی صدرالدین شامل ہے۔ انجمن اشاعت اسلام کا

سالانہ بجٹ کا تخمینہ تقریباً دو لاکھ روپے ہے اور اس کے موجودہ ممبران کی تعداد پانچ ہزار سے زائد نہیں ہے۔ انجمن کی ہندوستان میں کئی شاخیں اور بیرون ملک لندن۔ برلن۔ جاوا۔ فجی اور مغربی افریقہ میں چھ تبلیغی مراکز ہیں۔ یہ ''پیغام صلح''۔ ''لائٹ''۔ ''ینگ اسلام'' اور ''اسلامک ورلڈ'' اندرون ملک شائع کرتی ہے اور برطانیہ میں ''اسلام ریویو'' اور ''ووکنگ مسلم مشن گزٹ'' شائع کرتی ہے۔ لاہوری گروہ ایک جوبلی فنڈ بھی اکٹھا کر رہی ہے جو قادیانی گروہ سے علیحدگی کے بعد ''انجمن اشاعت اسلام'' کے پچیس سال پورے ہونے پر جشن منانے پر صرف کرے گی۔

دوسری جنگ عظیم۔ (۱۹۳۹-۴۵ء)

قادیانی اور لاہوری جماعتوں نے اتحادیوں کو ہندوستان میں اور بیرون ملک غیر مشروط مدد مہیا کی۔

انتخابات۔ (۱۹۴۵-۴۶ء)

مسلم لیگ کے بارے میں مشکوک حکمت عملی اختیار کی گئی۔ مرزا محمود اکھنڈ بھارت۔ (متحدہ ہندوستان) کا سرگرم حامی ہے۔

تقسیم عارضی ہوگی۔ (۱۹۴۴ء)

مرزا تمام تر مشکلات کے باوجود قادیان سے منسلک نظر آتا ہے۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ قادیانی اپنے اہل وعیال کو چھوڑنے کے بعد واپس آئیں گے۔

قادیان کا تحفظ۔ (۱۹۴۵ء)

احمدی رضا کاروں کو قادیان کے تحفظ کے لیئے متحرک کیا گیا۔

کامیابی کی آرزو۔ (۱۹۴۶-۷ء)

احمدیوں کی خواہش تھی کہ برطانویوں کے جانے کے بعد وہ قادیان پر قبضہ رکھیں گے اور اکالیوں سے مل کر اسے ہندوستان اور پاکستان کے مابین ایک ”فاصل ریاست“ (Buffer State) بنائیں گے۔

مرزا محمود احمد پاکستان میں۔ (۱۹۴۷-۵۲ء)

مرزا محمود احمد ۱۹۴۷ء میں پاکستان بھاگ آئے۔ انہوں نے سیاست میں گہری دلچسپی لی۔ وہ پاکستان میں جماعتی بنیاد بنانے کے خواہش مند تھے۔ سر ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر اور فلسطین پر پاکستان کی بطور وزیر خارجہ نمائندگی کی۔

تحریک ختم نبوت۔ (۱۹۵۳-۴ء)

قادیانیوں کی محلاتی سازشوں کے باعث قادیانی مخالف تحریک چلی۔ پنجاب میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ تحریک ختم نبوت کچل دی گئی۔

ایوبی دور۔ (۱۹۵۸-۶۸ء)

قادیانی گروہ ایوبی دور میں پاکستان میں اور بیرون ملک پروان چڑھتا رہا۔ یہ ان کے لیئے ایک قسم کا برطانوی دور حکومت تھا۔ ایم۔ ایم۔ احمد ایک طاقتور بیوروکریٹ تھا۔

جنگ ستمبر۔ (۱۹۶۵ء)

پاک و ہند کے مابین جنگ ستمبر کے دوران قادیانی خفیہ و اعلانیہ سازشوں میں مصروف تھے۔ انہیں قادیان واپس جانے کا شوق ستا رہا تھا۔

تیسرا جانشین مرزا ناصر۔ (۱۹۶۵-۸۲ء)

۱۹۶۵ء میں مرزا ناصر احمد جماعت کا تیسرا سربراہ بن گیا۔ اس کے دور میں

قادیانیت نے اپنے پر پرزے نکالے۔ اندرون و بیرون پاکستان بالخصوص افریقہ میں قدم جمائے گئے۔

پیپلز پارٹی سے اتحاد (۱۹۷۰-۱ء)

قادیانیوں نے انتخابات جتوانے کے لیئے پیپلز پارٹی سے اتحاد کر لیا۔ مشرقی پاکستان میں ایم۔ ایم۔ احمد کے ۱۹۷۱ء کے کردار کو بری طرح تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

غیر مسلم اقلیت۔ (۱۹۷۴ء)

ستمبر ۱۹۷۴ء میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے پاکستان کے ایوان بالا و زیریں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کا سہرا مرحوم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سر جاتا ہے جنہوں نے اس نوے سالہ مسئلے کے حل کے لیئے جرات مندانہ موقف اختیار کیا۔

چوتھا جانشین مرزا طاہر احمد۔ (۱۹۸۲ء)

جون ۱۹۸۲ء میں مرزا ناصر احمد کی وفات کے بعد مرزا طاہر احمد احمدیوں کا چوتھا جانشین بنا۔

آرڈیننس XX (۱۹۸۴ء)

ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران قادیانیوں کے خلاف تحریک زور پکڑ گئی۔ اپریل ۱۹۸۴ء میں ضیاء حکومت نے ملکی سلامتی کے خلاف قادیانی سازشوں کو نکیل ڈالنے کے لیئے آرڈیننس XX مجریہ ۱۹۸۴ء کا نفاذ کیا۔ مرزا طاہر احمد خفیہ طور پر لندن فرار ہو گیا۔

صد سالہ تقریبات۔ (۱۹۸۹ء)

۱۹۸۸ء میں مرزا طاہر احمد نے اپنی مکروہ مباہلہ مہم شروع کی جو ٹائیں ٹائیں

فش ہوگئی۔ ۱۹۸۹ء میں اس نے صد سالہ تقریبات منانے کا اعلان کیا۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ (۱۹۹۳ء)

جولائی ۱۹۹۳ء میں پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے قادیانیوں کی طرف سے دائرشدہ اپیل برخلاف نفاذ آرڈیننس XX مجریہ ۱۹۸۴ء خارج کردی

پہلا باب

سامراج کی پیداوار

انیسویں صدی میں برطانوی شہنشاہیت نے ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے ممالک کو اپنی حکمرانی میں لے لیا۔ نو آبادیاتی نظام کے پروان چڑھنے کا ایک اہم پہلو اس کی متشددانہ یہودی قومیت پسندی کے ساتھ عیارانہ ساز باز تھی۔ وہ یہودی جو ایڈورڈ اول کے دور میں ۱۲۹۰ء میں انگلستان سے نکالے گئے تھے وہ اب کراموبل کے دور میں جوق در جوق واپس آ رہے تھے جو انہیں انگلستان کے لیئے معاشی فوائد حاصل کرنے کے لیئے واپس لا رہا تھا۔(۱) ۱۷۸۸ء میں فرانس کی فلسطینی مہم کے دوران نپولین نے ایشیائی اور افریقی ممالک سے یہودیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ اس نے جنگی مقاصد کے لیئے فرانس کی سرپرستی میں یروشلم میں ایک یہودی سلطنت کے قیام کا نظریہ پیش کیا۔(۲)

۱۸۳۹ء تک ارض مقدس میں یہودیوں کی بحالی ایک اہم موضوع سخن تھی۔ یہ موضوع عوامی سطح تک اتنی پذیرائی حاصل کر گیا کہ کلیسائے سکاٹ لینڈ کی مجلس عمومی نے ارض مقدس کے حالات جاننے کے لیئے ایک جماعت روانہ کی اور بعد میں ارض فلسطین میں یہودیوں کی بحالی کے لیئے یورپ کے پروٹسٹنٹ زعماء کو ایک عرضداشت ارسال

۱-Galina Nikitina, The State of Israel, Moscow, 1973, Page 15

۲۔ ایضاً

کی۔ اس دن کے بعد ''لندن ٹائمز'' میں یہود کے فلسطین میں آباد ہونے کے مسئلے اور مشرقی سوال پر متوازی احتجاج شروع ہوگیا۔(۱) آزاد خیال برطانوی طبقے نے یہودیوں کے حق میں اپنی آواز بلند کیئے رکھی۔ ۱۸۳۳ء، ۱۸۳۴ء اور ۱۸۳۶ء میں برطانوی دارالعوام میں ایک بل منظور کیا گیا جس میں یہودیوں کے خلاف امتیازات کا خاتمہ مقصود تھا۔ یہ بل دارالامراء میں مسترد ہوگیا لیکن ایک ایکٹ منظور کرلیا گیا جس کے تحت یہود کو شیرف یعنی ضلعی منتظم اعلیٰ کا دفتر سنبھال سکنے کا اختیار دے دیا گیا۔ ڈیوڈ سولومن کو ۱۸۸۵ء میں لندن کا منتظم اعلیٰ چن لیا گیا۔ دو سال بعد موزیز مونٹے فوآر نے یہی عہدہ سنبھالا جس کی توثیق ملکہ وکٹوریہ نے کر دی۔ ۱۸۵۸ء میں ایک بل منظور کیا گیا جس میں یہودیوں کو برطانوی مجلس قانون ساز میں داخلے کی اجازت مل گئی۔(۲)

امریکہ اور یورپ کے دوسرے حصوں میں مختلف ذرائع سے یہودی نظریہ کی تشہیر کی گئی جن میں مستقبل پسند یا ''فیوچرسٹ''۔ ''اینگلو اسرائیلی'' اور ''فری میسن'' شامل ہیں۔ یہودی مفادات کے تحفظ کے لیئے انہوں نے مختلف روپ میں کام کیئے اور بڑے محتاط انداز میں عوامی رائے عامہ کو اپنے حق میں ڈھالا۔ فیوچرسٹ نے انجیل کی پیش گوئیوں کو بنیاد بنا کر بکھرے یہودیوں کی فلسطین میں واپسی کا پرچار کیا۔ پروٹسٹنٹ مذہب کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانیت ایک ''نئی ہزاری'' کی طرف جارہی ہے۔ جس میں ہر طرف تقدس کا دور دورہ ہوگا اور اس مسعود گھڑی کی پہلی ضرورت خدا کے مقبول بندوں (یہودیوں) کی ارض مقدس میں واپسی ہے۔ جب مسیح علیہ السلام یروشلم قدیم میں واپس آ کر حضرت داؤد علیہ السلام کے تخت پر جلوہ افروز ہوں گے اور ان چنے ہوئے لوگوں پر حکومت کریں گے جو انہیں مسیح موعود تسلیم کریں گے۔ حزقیل کا شاندار معبد اسی پرانی عبادت گاہ کی جگہ تعمیر کیا جائے گا جہاں آج کل مسجد عمر (مسجد الاقصیٰ) موجود ہے اور یہودیت کے پرانے تہوار دوبارہ منائے جائیں گے۔ انجیل کی پیش گوئیوں میں سے براہ

۱- William B. Ziff, The Rape of Palestine, London, 1948 P-14

۲- Solomon Grazel, A History of the Jews, The Jewish Publication Society of America, Philadelphia, 1969 P-59

راست حوالے دے کر دانشوروں۔ مذہبی حلقوں۔ قانون دانوں اور سیاستدانوں نے اس منزل مقصود کے حصول کے لیئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔(۱)

اسرائیل کے ''دس گمشدہ قبائل'' کا معاملہ بھی یہودیوں کی تقدیر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ نظریہ ان آزاد مغربی مدبرین اور نظریہ انجذاب کے حامیوں کے نظریات کے خلاف ایک تیز ردعمل تھا جو کہ یہودی قوم کے وجود کے سرے سے منکر تھے۔ تاہم آزاد ذہن کی رائے جس کی مزاحمت نہ کی جا سکتی تھی' کے مطابق ان کا مقصد یہودیوں کو غیر یہودی بنا دینا تھا یہ نظریہ شکست سے دوچار ہوا۔ اینگلو اسرائیلی نظریئے نے یہودیوں کے حق میں مہم کو تیز تر کر دیا۔(۲) ان اسرائیلی گمشدگان کی اولاد میں برطانیہ اور کینیڈا کے اینگلو اسرائیلی تھے جو وفاق انگلستان و برطانیہ کے ارکان تھے۔ یہ دلیل بھی دی گئی کہ دس گمشدہ قبائل ہی دراصل برطانیہ کی دولت مشترکہ کی اقوام ہیں۔ ان کے خیال میں امریکی اسرائیلی قبیلہ منسّی کی اولاد سے ہیں۔ انگریز افرائیم کی اولاد میں سے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے لوگ خانقاہی راہبوں کے پیروکار۔ اینگلو سیکسن (انگریز ٹیوٹانی جرمن) باشندے اسرائیل کے شمالی قبائل کی اولاد میں سے تھے جن کے لیئے اخروی ایام میں تمام نعمتیں ارسال کی گئیں۔ داؤدی سلطنت کے لوگوں کو فلسطین سے برطانیہ بھیجا گیا اور اس کے تخت و بادشاہت کے دوام کا خدا نے وعدہ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ ایام میں خانوادہ داؤد میں سے ایک عالمی سلطنت جنم لے گی۔(۳)

شہنشاہیت کے تمام نوزائیدہ جارحانہ رجحانات جو اینگلو سیکسن پیش کر رہے تھے' ان کو مزید شہ عبرانی فلسفہ دے رہا تھا۔ یورپی اقوام کو بنی اسرائیل کی آباء قرار دینے کے نتیجے میں انگریزوں کا ایک بڑا طبقہ اپنے آپ کو واقعی اسرائیلیوں کی اولاد سمجھنے لگا تھا۔ برطانوی عوام کی غالب اکثریت کے اس یقین کامل میں اتنی قوت آ گئی کہ اس کے

۱۔ J.C Stevens, Palestine in Prophecy, The Voice of Prophecy, California, USA 1944,P-6

۲۔ W.B. Ziff op Cit. P-33

۳۔ J.C. Stevens, op cit. P-71

نتیجے میں ''برطانوی، اسرائیلی، عالمی وفاق'' نامی تنظیم وجود میں آ گئی جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے ایک وقت میں پچاس لاکھ ارکان تھے جن میں زیادہ مشہور ملکہ وکٹوریہ اور شاہ ایڈورڈ ہفتم تھے۔[۱] فری میسنری (عالمی ماسونی تحریک) نے خفیہ بھیس میں یہودیت کے مقاصد کے لیے فیصلہ کن طریق کار مرتب کیا۔ فری میسنری کے ساتھ ساتھ یورپی خفیہ انجمنوں میں یہودیوں کی سرائیت پذیری نے متوازی کردار ادا کیا۔ ''ہیکل سلیمانی کی تعمیر'' کو یہودیوں کی فلسطین واپسی سے تعبیر کیا گیا۔ فری میسن لاجوں میں جو مختلف خفیہ اشارے اور رسومات ادا ہوتی تھیں ان میں بہت سے مدبرین۔ سیاستدان۔ عوامی و عسکری عہدیداران۔ سفارتکار اور تاجر جمع ہوتے تھے۔ یہ لاجیں یہودیت کو پروان چڑھانے کے لیئے استعمال ہوتیں۔ امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس اور اٹلی کے تقریباً تمام اہم شہروں میں میسوں کے ٹمپل تعمیر ہوگئے جو اب بھی ہیں۔ ہندوستان میں فری میسنری نے بنگال میں جڑیں پکڑیں اور ملک کے دیگر حصوں میں تیزی سے پھیل گئے۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بھی بہت قبل اس نے ترقی کر لی۔[۲] فری میسوں اور یہودیوں کی سازشیں زیادہ تر سلطنت ترکیہ کے استحکام کے خلاف تھیں۔ میسوں کے اعلیٰ کار پردازوں نے خفیہ انجمنوں کے لبادے میں تخریب کاری کے لیئے بہت سے مقامی آلہ کار ڈھونڈ لیئے۔ ڈیز رائیلی ۱۸۷۷ء میں برطانوی وزیراعظم بنا جو کہ ایک پیدائشی یہودی تھا۔ اس نے دنیا میں سرگرم عمل خفیہ انجمنوں اور ان کی پنہاں کارستانیوں کے متعلق اظہار خیال کیا۔ ان انجمنوں کا دائرہ عمل اندرون و بیرون سلطنت عثمانیہ کی تخریب تھا۔ جبکہ ان کے مراکز جنیوا۔ پیرس۔ لندن۔ برسلز اور ۱۸۸۲ء میں مصر پر برطانوی قبضے کے بعد قاہرہ میں تھے۔ انہوں نے متشددانہ قومیت کی حوصلہ افزائی اور ترک غلبہ کے خلاف عرب ریاستوں کی علیحدگی کے نظریات پیش کیئے۔

جارج انٹونیس کا کہنا ہے کہ شام میں قومیت پسندی کے خیالات کو متعارف

---

[۱] W.B. Ziff, op. cit. P-34

[۲] R.F. Gould, History of Freemasonry, London

کرانے کی پہلی منظم کوشش پانچ نوجوانوں نے کی جو بیروت میں واقع ''شامی پروٹسٹنٹ کلیہ'' کے تعلیم یافتہ تھے اور سارے کے سارے عیسائی تھے۔ ۱۸۷۵ء کے لگ بھگ ایک خفیہ تنظیم بنائی گئی اور فری میسوں ں کے ساتھ مل کر ایک تحریک چلائی گئی جس کا مقصد شامی معاشرے میں خاص یورپی طریق پر راہیں ہموار کرنا تھا۔(۱)

یہودیوں کی حمایت یافتہ خفیہ انجمنوں نے اپنی کوششوں کا محور ''یہودیت کا احیاء'' اور ''منتشر یہودیوں کی فلسطین میں بحالی'' بنا لیا۔ انہوں نے عیسائی نظریات کو وحشیانہ طور پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ مسیحی مبلغین کو سختی سے مطعون کیا گیا اور ان کی سرگرمیوں کا مذاق اڑایا گیا۔ یہودی علماء کی طرف سے پیش کردہ یہودی تصوف کے فلسفیانہ نظریات کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ اسلام یہودی انتہاء پسندوں کے خلاف ایک عظیم خطرہ تھا۔ چنانچہ اسلام کے خلاف بھڑکانے کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ شروع کر دیا گیا تا کہ اس کی ترقی اور ارتقاء کو روکا جا سکے اور اس کی قوت کو کمزور کیا جا سکے۔ یہودی انجمنوں کے آلہ کاروں نے ''تجدیدیت'' کے نام پر بنیادی مذہبی عقائد کو مسخ کرنے کے لیئے مقامی باشندوں کو خرید لیا۔ مسلمانان عالم نے اس تجدیدی تحریک کو بڑی پر امید نظروں سے دیکھا مگر اس خفیہ کارستانی سے ہونے والے نقصانات سے بے خبر رہے۔ انہوں نے عالم اسلام پر ''عقلیت پسندی'' ''قومیت پسندی'' اور جدت پسندی'' کے تاثر کا اندازہ کیئے بغیر اس کا خیر مقدم کیا۔

۱۸۵۰ء کے عشرے میں یہودی قوم پرستی بڑی تیزی سے پھیلی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں تھیوڈر ہرزل کی کتاب ''یہودی ریاست'' اور اسکے بعد ۱۸۹۷ء میں باسل کانفرنس کے بعد صیہونیت یہودیوں کی بین الاقوامی تحریک بن گئی۔ جس کا مقصد فلسطین پر اپنے وطن کے طور پر قبضہ جمانا تھا۔

۱۔ George Antonius, The Arab Awakening, London, 1961,P- 79

ہندوستان کی سرزمین پر۔

برطانوی شہنشائیت کے لیئے ہندوستان کی بڑی سیاسی اور معاشی اہمیت تھی۔ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے کہ سرزمین ہند پر یہودیوں کی کیا سرگرمیاں رہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں بہت سے انتظامی افسران۔ سفیروں۔ فوجی افسران اور تاجروں نے سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے۔ تاج برطانیہ کو مضبوط کرنے اور یہودیوں کے مقصد کو پورا کرنے کی خاطر جاسوسی کی۔ برطانوی خارجہ پالیسی کا اہم مقصد صیہونیوں کے ساتھ اشتراک تھا۔ لندن میں واقع ''اینگلو جیوئش ایسوسی ایشن'' نے برطانیہ اور اس کی نو نوآبادیوں میں یہودیوں کے مفادات کی حفاظت کی اور برطانوی دفتر خارجہ کی طرف سے اسے ہمیشہ تیار اور بھرپور تعاون ملا۔ قطع نظر اس کے کہ ایوان اقتدار میں موجود برطانوی حکومت کی جماعتی سیاست کیا تھی' یہودیوں کو اس نے پورا تعاون بہم پہنچایا۔(۱)

ایشیاء اور مشرق وسطٰی میں ''مذہبی احیاء'' کی کئی تحریکوں اور صیہونیت کے درمیان ہمیں پراسرار رابطے ملتے ہیں۔ ہندوستان کی احمدیہ تحریک۔ ایران کی بہائیت فری میسنری او، تھیوسوفسٹ تحریکوں کے یہودیوں کی مخفیہ تنظیموں کے ساتھ روابط تھے۔ یہودی آلہ کاروں کے ذریعہ میسوں اور تھیوسوفسٹوں کے ادارے برطانیہ۔ امریکہ اور ان کی نوآبادیوں میں قائم تھے۔ ۱۸۷۹ء میں کرنل اولکاٹ جو ایک بدنام ماضی والا فری میسن تھا اور غیر اخلاقی مواد پھیلانے کے الزام میں امریکہ میں قید کاٹ چکا تھا۔ مادام بلاواٹسکی کے ساتھ ہندوستان آیا جو ایک روسی جرنیل کی بیوہ تھی اور ایک مشکوک ماضی کی مالک تھی۔ انہوں نے مدراس میں تھیوسوفی وجدانی معرفت کا مرکز کھول کر بدھ مت کی دہریت کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ اپنے رسالے ''تھیوسوفسٹ'' میں انہوں نے ہندو مت اور بدھ مت کی تعریف کی اور پوری شدت سے عیسائیت اور عیسائی مبلغین کی مذمت کی۔ ہندوستان میں ایک مضبوط تحریک کی بنیاد رکھنے کے بعد وہ ۱۸۸۴ء میں یورپ واپس چلے گئے۔ سوئٹزرلینڈ۔ جرمنی اور اٹلی کے درمیان سفر کے موقع پر کسی جگہ

۱۔ Jewish Encyclopedia Vol I, KTV Publishing House, USA. P-601

بلاواٹسکی نے روسی خفیہ ایجنٹوں کو اپنی خدمات کی پیشکش کی جو انہوں نے ٹھکرا دی۔(۱) وہ فری میسوں میں بتیسواں درجہ رکھتی تھی اور ان میں اس کی بڑی عزت تھی۔ اسکی کتاب ''ایزز دیوی کی نقاب کشائی'' کو ایک 'اعلیٰ ماسونی شاہکار کہا جاتا ہے۔ اس کی شاگرد اینی بیسنٹ جو کہ ہندوستان میں ہوم رول کی تحریک کے بارے میں مشہور ہے' ایک اہم فری میسن اور اس کی قریبی رفیق کار تھی۔

انیسویں صدی کی 'اتحاد عالم اسلام' کی تحریک سید جمال الدین افغانی نے پروان چڑھائی۔ انقلاب ایران (۱۹۰۵ء)۔ ترکی کی نوجوان ترکوں کی تحریک (۱۹۰۸ء) اور مصر کی چند قوم پرست تحریکیں افغانی اور ان کے پیروکاروں سے متاثر ہو کر چلائی گئیں۔ افغانی ایک فری میسن تھے۔ وہ اس یہودی ادارے کو اپنے سیاسی نظریات کی اشاعت کے لیئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مفتی عبدہ بھی ایک فری میسن تھے اور مصر کے لارڈ کرومر کے خاص آدمی تھے۔ افغانی کو ان کی سیاسی مصروفیات اور ادارے کی خفیہ کارکردگی پر اعتراض کی بناء پر ماسونی لاج ''سٹار آف ایسٹ'' سے نکال دیا گیا۔(۲) ایران کی بابیت اور بہائیت یہودی حمایت کی بڑی زوردار پرچارک تحریکیں ہیں۔ عبدالبہاء نے بارہ جنوری ۱۹۱۲ء کو لندن میں مجلس احباب کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے بہائیت کا سراغ اٹھارویں صدی میں جرمنی میں معرض وجود میں آنے والی جماعت روشنائی یا Alluminate ''ایلومینائی'' سے جوڑا جو کہ فری میسنری کی پیش رو تحریک تھی۔ بہائیت اسلام کے خلاف کھل کر کام کرتی رہی۔ اس کے پیروکاروں نے صیہونیوں کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر لیئے۔ بہاءاللہ نے اپنے وعظوں اور تقریروں میں یہودیوں کے اسرائیل واپس آنے کی پیش گوئیاں کیں۔ آج کل اس تحریک کا ایک مضبوط مرکز اسرائیل میں ہے۔ ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب کے بعد بہائی اپنے مراکز کو ایران سے پاکستان منتقل کر رہے ہیں۔

۱۔ Daniel Grotto Kurska, Notes on Inside The Occult: The True Story of H.P. Blavatsky, Philadelphia, USA, 1975, P-5

۲۔ Elie kedouri, "Afghani and Abdu, New York, USA, 1966, P. 21 تفصیل کے لیے دیکھیں فری میسنری اسلام دشمن یہودی تنظیم، راولپنڈی

بہائیت شیعہ ایران میں پروان چڑھی اور قادیانیت یا احمدیہ تحریک سنی ہندوستان میں پھلی پھولی۔ قادیانیت کی ابتداء۔ ترقی اور مذہبی وسیاسی خیالات سے بخوبی یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش ایک صیہونی اور سامراجی سازش کا نتیجہ ہے۔ اسکے بانی نے عیسائیت کی مذمت کی۔ جہاد کو ہمیشہ آنے والے وقتوں کے لیئے حرام قرار دیا۔ اسلامی عقائد کو مسخ کیا اور تقریباً نوے کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ وہ اپنے آپ کو مجدد (مصلح)۔ مسیح موعود۔ مہدی نبی۔ رسول اور سب سے بڑھ کر بھگوان کرشن قرار دیتا ہے۔ وہ برطانوی شہنشائیت کے ساتھ حد درجہ وفاداری کی تلقین کرتا ہے اور اسے اپنے ایمانی اجزاء میں سے ایک جزو قرار دیتا ہے۔

ہندوستان کا سیاسی منظر

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد برطانیہ کا پورے برصغیر پر قبضہ ہوگیا۔ جنگ کا اہم پہلو ان علماء کا کردار تھا جوانہوں نے برطانوی غاصبوں کے خلاف منظم مزاحمت کی صورت میں ادا کیا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک بالاکوٹ ان کی اور ان کے رفقاء کی شہادت کے بعد ختم نہ ہوسکی۔ زندہ بچ جانے والے مجاہدین اور حریت پسندوں نے شمال مغربی سرحدی صوبہ کی پہاڑیوں کو اپنا مرکز بنا کر برطانوی راج کے خلاف جہاد جاری رکھا اور برطانوی فوجوں کو کئی لڑائیوں میں کچل کر رکھ دیا۔ جن میں سے ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلا اہم ہے۔ برطانوی دستوں کے خلاف مجاہدین نے حیران کن بہادری اور شاندار جرأت کا مظاہرہ کیا۔

سرحدوں پر ہزیمت اٹھانے کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں مجاہدین کی خفیہ تنظیم کو تباہ کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ یہ تنظیم ان مجاہدین کو اسلحہ اور رقوم کی فراہمی کی ذمہ دار ہے جس نے سرحدوں کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ ۱۸۶۴ء اور ۱۸۹۵ء میں انبالہ اور پٹنہ میں چلنے والے مقدمات کے بعد تقریباً ایک درجن انتہائی فعال مجاہدین کو سزائے حبس دوام بعبور دریائے شور کے طور پر کالا پانی

(جزائر انڈیمان) بھجوایا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ ملکہ معظم کے خلاف جنگ کی سازشوں میں شریک تھے۔ اسکے بعد ۱۸۶۸ء، ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء میں گرفتاریوں اور مقدمات کی ایک نئی لہر آئی اور راج مل۔ مالدہ اور پٹنہ میں مقدمات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مزید کالے پانی کی سزائیں سنائی گئیں۔⁽¹⁾ ظالمانہ مقدمات کے تواتر اور پولیس کی بے رحمانہ تفتیشوں کے بعد حکومت مجاہدین کو رسد کی فراہمی کا نظام درہم برہم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

ہنٹر رپورٹ

بیس ستمبر ۱۸۷۱ء کو عبداللہ نامی ایک پنجابی مسلمان نے کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نارمن کو قتل کر دیا۔ وائسرائے لارڈ میو کے کاغذات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان وہابی خیالات سے بالواسطہ طور پر متاثر تھا اور اس نے وہابیوں کے مرکز کے طور پر مشہور ایک مسجد سے دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ جسٹس نارمن مجاہدین کے سخت خلاف تھا۔ اس نے غیر قانونی حراست کی تمام اپلیں ۱۸۱۸ء کے ضابطہ III کے تحت مسترد کر دی تھیں اور پٹنہ کیس کی سزاؤں کے خلاف بھی اپلیں سننے سے انکار کر دیا تھا۔⁽²⁾

برطانوی حکومت نے مسلمانوں کے خلاف سختیاں کیں اور ان کو اپنا اصل دشمن گردانتے ہوئے بڑی شدت سے دبانے کی کوشش کی۔ انہوں نے ''باغی مسلمانوں'' کی چلائی ہوئی جہادی تحریکوں کو ختم کرنے کے لیئے تمام وحشیانہ حربے استعمال کیئے۔⁽³⁾ تیس مئی ۱۸۷۱ء کو وائسرائے لارڈ میو نے جو کہ ڈزرائیلی حکومت کا آئرش سیکرٹری تھا ایک مقامی سول ملازم ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر کو اس سلگتے مسئلہ پر ایک رپورٹ تیار کرنے کو کہا کہ ''کیا مسلمان برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کے لیئے اپنے ایمان کی وجہ سے مجبور

۱۔ The Moslim world, Vol.II No.2, April, 1912. P-76

۲۔ لارڈ میو کو سر جارج کیمبل کا خط مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۷۱ء اور ۳۰ نومبر ۱۸۷۱ء کو اے آرکائیل کی یادداشت کا اینڈکس نمبر ۲۔ میو کاغذات کا بنڈل وصولی نمبر ۲۸۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری لندن' حوالہ شدہ پی ہارڈی۔ برطانوی ہند کے مسلمان۔ کیمبرج ۱۹۷۸ء

۳۔ ۱۸۷۱ء کو نومبر تا دسمبر میں ارسال کردہ خطوط نمبر ۳۱۷۔ میو پیپرز نمبر ۳۱۔ بنڈل وہابی ۱۱' میو پیپرز کا نمبر ۲۹

ہیں"۔(۱) ہنٹر کو حقیقت حال تک رسائی کے لیئے تمام خفیہ سرکاری دستاویزات کی جانچ پڑتال کی اجازت دے دی گئی۔ ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں "ہندوستانی مسلمان۔ کیا وہ شعوری طور پر ملکہ کے خلاف بغاوت کے لیئے مجبور ہیں" کے عنوان سے اپنی رپورٹ شائع کی۔ اس نے اسلامی تعلیمات خصوصاً جہادی تصور۔ نزول مسیح و مہدی کے نظریات۔ جہادی تنظیم کو درپیش مسائل اور وہابی تصورات پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ

> "مسلمانوں کی موجودہ نسل اپنے معتقدات کی رو سے موجودہ صورتحال (جیسی کہ ہے) کو قبول کرنے کی پابند ہے، مگر قانون (قرآن) اور پیغمبروں (کے تصورات) کو دونوں طریقوں سے یعنی وفاداری اور بغاوت کے لیئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمان ہندوستان میں برطانوی راج کے لیئے پہلے بھی خطرہ رہے ہیں اور آج بھی ہیں اور اس دعویٰ کی کوئی پیش گوئی نہیں کرسکتا کہ یہ باغی اڈہ (شمال مغربی سرحد) جس کی پشت پناہی مغربی اطراف کے مسلمانوں کے جتھے کر رہے ہیں، کسی کی رہنمائی میں وہ قوت حاصل کرے گا جو ایشیائی قوموں کو اکٹھا اور قابو کر کے ایک وسیع محاربہ Crescentado کی شکل دیدے"۔

اس کے علاوہ مزید لکھتا ہے۔

> "ہماری مسلمان رعایا سے کسی بھی پرجوش وفاداری کی توقع رکھنا عبث ہے۔ تمام قرآن مسلمانوں کے بطور فاتح نہ کہ مفتوح کے طور پر تصورات سے لبریز ہے۔ مسلمانان ہند ہندوستان میں برطانوی راج کے لیئے ہمیشہ کا خطرہ ہو سکتے ہیں"۔(۲)

مذہبی انتہا پسندی

۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کے اعلان میں یہ کہا گیا تھا کہ مذہبی عقائد کی تبلیغ کے معاملے میں برطانوی حکومت غیر جانبدار رہے گی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کی مذہبی منڈی میں کئی مذہبی مہم جو اپنے مال کے نمونے لے کر آ گئے۔ "ہندوستانی مشرکین" کو انجیل مقدس کا درس دینے والے عیسائی مبلغین برطانوی نو

۱۔ F.H. Skrine, Life of Sir William Wilson Hunter. London, 1901, P-199

۲۔ W.W. Hunter, The Indian Musalmans, The Comrade Publishers Calcutta, 1945

نوآبادیات کی اپنی پیداوار تھے۔ ہندوؤں کی مذہبی انتہا پسند تنظیموں۔ آریہ سماج۔ برہمو سماج اور دیو سماج نے اپنے نظریات کے احیاء کے لیے پرجوش طریقہ کار اختیار کیئے۔ سکھ۔ پارسی۔ جین مت اور بدھ مت والے نسبتاً کم جوش وخروش سے اپنے عقائد پھیلاتے رہے۔ صرف آزاد خیال اور دہریے ایک آزاد معاشرے کے قیام کی وکالت کرتے تھے اور مذہبی آزادی کی مذمت کرتے تھے۔

مسلمانوں میں کئی فرقے اور ذیلی فرقے پھوٹ پڑے۔ جن میں مادہ پرست۔ اہلحدیث۔ اہل قرآن (چکڑالوی)۔ عدم تشدد پرست صوفی مشہور ہیں ۔ دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ تھے جو پہلے موجود تھے۔ پورا ہندوستانی معاشرہ کثیر تعدادی چھوٹے چھوٹے مخالفانہ گروہوں میں بٹ گیا تھا جو ایک دوسرے کے سخت خلاف تھے۔ اس فرقہ وارانہ تقسیم سے برطانوی سامراج کو ہندوستان میں اپنی حکومت کو مضبوط کرنے میں مدد ملی۔

۱۸۷۵ء میں مل شنکر نے جو کہ اپنے برہمن نام ''سوامی دیانند'' سے مشہور تھا۔ انتہا پسند تنظیم ''آریہ سماج'' کی بنیاد رکھی۔ وہ ایک متعصب ہندو تھا اور شمالی ہندوستان میں انتہا پسند ہندو مت کا ایک چلتا پھرتا معلم تھا۔ اس نے بت پرستی۔ کم سن بچوں کی شادیوں اور چھوت چھات کی جدید روشن خیالی کے نام پر مذمت کی اور ویدوں کی خالص تعلیمات پیش کیں۔(۱)

آریہ سماجیوں کے خیال میں ہندوستان میں ایک ویدی معاشرے کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام کا وجود تھا۔ سوامی ۱۸۸۳ء میں وفات پا گیا۔ وہ بدنام زمانہ کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کا مصنف تھا جو تمام غیر ہندو مذاہب کے خلاف تھی۔

راجہ رام موہن رائے (۱۷۷۲۔۱۸۳۳ء) نے ویدک معاشرے کی قدیمی خوبصورتی کو واپس لانے کے لیئے برہمو سماج کی بنیاد رکھی۔ وہ عیسائیت سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ ۱۸۳۳ء میں ایک سیاسی مقصد کے لیئے انگلستان گیا اور وہیں وفات پائی۔

۱۔ J.N. Farquhar, Modern Religious Movements in India, P-107

اس تحریک نے اس وقت زور پکڑا جب ایک بنگالی ہندو کیشب چندر سین (۸۴-۱۸۳۸ء) نے بڑے فصیحانہ انداز میں یسوع مسیح کی تعریف کرتے ہوئے عیسائی مبلغین کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ وہ ۱۸۷۰ء میں انگلستان گیا جہاں اس کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ وہاں اس کے کئی لیکچر کرائے گئے جن میں اس نے اپنے آپ کو ''مسیح علیہ السلام کا اوتار'' قرار دیا اور اپنے سماج کو ہندومت کا مصفیٰ کلیسا کہا۔ جگدیش چندر بوس اور رابندرناتھ ٹیگور وغیرہ برہمو سماجی تھے۔

پنڈت ایس این اگنی ہوتری نے ہندومت کے احیاء کے لیئے دیو سماج تحریک کی بنیاد رکھی۔ رام کرشنا مشن۔ پرارتھنا سماج اور (بال گنگا دھر تلک) مشن کا مقصد بھی زندگی کے تمام شعبوں میں ہندوؤں کی بالادستی کا قیام تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ تمام غیر ہندوؤں خصوصاً مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر ایک ہندو معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ تلک نے مرہٹہ رہنما شیواجی جو اورنگ زیب کا سخت مخالف تھا اس کی تمام رسومات کو زندہ کیا اور جنوبی ہندوستان میں اس کے اعزاز میں کئی تقریبات منعقد کرائیں۔

عیسائی مبلغین نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں حد درجہ قوت واثر حاصل کر لیا تھا۔ کمپنی کے میثاق ۱۸۱۳ء کی رو سے عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ایک لاٹ پادری تین ذیلی پادریوں کے ساتھ کلکتہ میں تعینات کیا گیا۔ اس کلیسائی ادارہ کے تمام اخراجات کی ذمہ دار ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' تھی۔ ہندوستان میں عیسائیت کے فروغ کی سرگرمیوں کو انگلستان کی ہر قسم کی حوصلہ افزائی حاصل تھی۔ ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے بورڈ آف گورنرز کے ایک رکن نے برطانوی دارالعوم میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

> ''پروردگار نے انگلستان کو ہندوستان کی وسیع وعریض سلطنت اس لیئے عطا کی ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے تک مسیح کا پھریرا لہرائے۔ ہر ایک کو اپنی تمام قوت اس امر پر لگا دینی چاہئے کہ تمام ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے عظیم کام میں کسی بھی لحاظ سے

کسی قسم کا تساہل یا تعطل پیدا نہ ہونے دے"۔ (۱)

۱۸۱۳ء کے اسی میثاق کی رو سے اسی کلیسائی محکمے کے تمام اخراجات کمپنی کو ہونے والے محاصل میں سے ادا کیئے جانے تھے اور ۱۹۴۷ء تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ ان مبلغین کو عیسائی تبلیغی سرگرمیوں کے حامیوں سے ملنے والے رضا کارانہ چندوں سے رقم ملتی رہی۔ (۲) ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں عیسائیت مکمل طور پر شہنشائیت اور تجارت کے ساتھ نتھی کر دی گئی تھی۔ سلطنت کے مفادات کے تحفظ کے لیئے "عیسائی تبلیغی مراکز" مسلح دربان کا کام دیتے رہے۔ عیسائیت۔ تجارت اور نوآبادیات کی تثلیث نے سامراجی مقاصد کی ہمیشہ نگہبانی کی۔ (۳) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ایک اہم وجہ چند جنونی عیسائی مبلغین کی شروع کردہ جارحانہ مہم بھی تھی۔ جنگ کے بعد اس مہم نے مختلف شکل اختیار کر لی۔ اس بات پر زیادہ زور دیا گیا کہ جن علاقوں میں تبلیغی مراکز بند ہو چکے تھے وہاں بھیجنے کے لیئے مقامی اہلکاروں کو خریدا جائے۔ "کلیسائی تبلیغی مجلس لندن" نے ہندوستان میں مبلغین بھجوائے اور ان کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیئے حکومت کی مدد حاصل کر لی۔ (۴) ہندوستان کے طول و عرض میں اکیس مختلف عیسائی کلیساء کام کر رہے تھے۔ عیسائی آبادی کا بڑا حصہ رومن کیتھولک تھا جن کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ اس کے بعد فرقہ معترضہ (ایک لاکھ بیس ہزار) فرقہ اصطباغی (اکیاسی ہزار) کلیسائے انگلستانی کے پیروکار (انچاس ہزار) تھے۔ کئی چھوٹے گروہ جیسے امریکی۔ آرمینیائی۔ متبعین۔ مجلس۔ کالویانی۔ غیر مقلدین۔ اسقفیائی۔ آزاد' لوتھری۔ اصول پسند۔ شام کے یونانی۔ ویزلیائی مبلغین نے بھی ہندوستانیوں کو عیسائیت کا پرچار کیا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک برطانوی اور دیگر یورپیوں سمیت ہندوستان میں

۱۔ Brain Gardner, The East India Company, London, 1971, P171

۲۔ ایضاً صفحہ 251

۳۔ Klaus Knorr, British Colonial Theories, (1570-1850) London, 1965, P- 388

۴۔ جان بیلی 'خدا کا بدلہ یا انگلستان کی ہندوستان میں مستقبل پر خطر ہے' (؟) مذاہب ہندوستان' کلیسائے انگلستان کا سہ ماہی ریویو ۴۳-۱۸۵۸ء
جان جیسپ ہندوستانی بغاوت ۲۲-۱۸۵۸ء

عیسائی آبادی تقریباً بیس لاکھ کے قریب تھی۔(۱)

مسلمانوں کا ردعمل

۱۸۵۷ء کے پرآشوب واقعہ کے بعد مسلمانان برصغیر اپنے سیاسی و معاشی حقوق کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے جبکہ انگریز انہیں دبانے پر تلے ہوئے تھے۔ سرسید احمد خان نے ان کی رہنمائی کی۔ ان کا نسخہ یہ تھا کہ جدید تعلیم حاصل کی جائے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے ان کے بتائے ہوئے طریقے کو قبول نہ کیا جو کہ انگریزوں سے متنفر تھے اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر ان کے خلاف جنگ آزادی کے لیئے برسرپیکار تھے۔ علماء نے ان کی تاج برطانیہ سے وفاداری کی وکالت' آزادمشرب تفسیر قرآن خصوصاً ان کے حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں نظریہ۔ نزول مہدی علیہ السلام۔ جہاد۔ ہندوستان کی دارالسلام کے طور پر حیثیت وغیرہ کی سختی سے تنقید اور مذمت کی۔ تمام مکاتب فکر کے علماء خصوصاً سید احمد شہیدؒ کے پیروکاروں (وہابیوں) نے اس موقف کا بھرپور اعادہ کیا کہ برطانوی سامراج نے ہندوستان پر بزور قوت قبضہ کیا اور یہ ''دارالحرب'' ہے اگرچہ کئی معاملات میں انہوں نے انگریز سے براہ راست اور کھلی ٹکر لینے سے احتراز کیا۔ کئی مفکرین مثلاً مولوی چراغ علی دکنی (۹۵-۱۸۴۴ء) نے ہندوستان کو نہ دارالحرب نہ دارالسلام بلکہ محض دارالامن قرار دیا۔(۲) وہ علماء جنہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا انہوں نے کبھی بھی انگریزوں کے ساتھ سماجی میل جول کی حمایت نہیں کی۔ وہ برطانوی راج کے مقام کے متعلق اپنے آپ کو کبھی بھی قائل نہ کر سکے۔ مسلمان علماء کی طرف سے عیسائی مبلغین کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیرانہ کے مولانا رحمت اللہ۔ آگرہ کے ڈاکٹر وزیر خان۔ لکھنو کے مولانا عبدالہادی۔ مولانا آل حسن اور مولانا محمد علی پھلواری نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں عیسائی مبلغوں کے اعتراضات کے عالی شان جواب دیئے۔ لیکن عیسائی مبلغین کے جارحانہ دھاوے کے

۱۔ ایچ جے ایس کاٹن New India لندن 1886ء اینڈ کس 'برطانوی ہند میں مردم شماری کی اطلاع' 17 فروری 1881ء جلد ا ص 33

۲۔ مولوی چراغ علی 'جہاد کا ایک تنقیدی اظہار' کلکتہ 1885ء ص 159-160

خلاف یہ زیادہ تر مدافعانہ جنگ تھی۔

غداروں کا خاندان

احمدیہ تحریک کے بانی مرزا غلام احمد کا تعلق پنجاب کے ایک مغل گھرانے سے تھا۔ سکھ حکمرانوں نے آپ کے پردادا مرزا گل محمد کو آبائی علاقے قادیان سے نکال دیا تھا۔ آپ نے اس وقت پنجاب کے حکمران راجہ رنجیت سنگھ کے ایک مخالف سردار فتح سنگھ کے دربار میں اپنے اہل و عیال سمیت پناہ لے لی۔ فتح سنگھ کے مرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے اسکے علاقے بھی قبضہ میں لے لیئے۔ مرزا غلام احمد کے باپ مرزا غلام مرتضٰی اور ان کے چچا مرزا غلام محی الدین نے سکھ فوج میں شامل ہو کر سکھوں کے مظالم کے خلاف شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کچلنے میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ مرزا مرتضٰی نے شمال مغربی ہند میں سید احمد شہید کے ساتھیوں اور ان کشمیری مسلمانوں کو شہید کیا جو سکھوں کے اقتدار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر ۱۸۱۸ء میں اور پشاور پر ۱۸۲۳ء میں قبضہ کیا۔ ۱۸۳۴ء میں ان کی ''بیش بہا'' خدمات کے عوض رنجیت سنگھ نے قادیان میں ان کے پانچ گاؤں بحال کر دیئے۔ اگلے سال رنجیت سنگھ نے وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد مرکزی قوت کمزور پڑنے لگی اور انگریزوں کا اثر و نفوذ بڑھنے لگا۔ مرزا مرتضٰی نے انگریزوں کی طرفداری کی اور وہ سکھ دربار میں انگریزوں کے قابل اعتماد آلہ کار بن گئے۔ جب سکھوں کو اس بات کا علم ہو گیا تو انہوں نے انہیں اور ان کے بھائی مرزا غلام محی الدین کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر یہ اپنے چھوٹے بھائی مرزا غلام حیدر کی مداخلت کے باعث بچ گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں خدمات سرانجام دینے والے وفادار گھرانوں کی دستاویز تیار کرتے ہوئے ''پنجاب کے رؤسا''(۱) نامی کتاب میں سرلیپل گریفن غلام مرتضٰی کی خدمات کے بارے میں مندرجہ ذیل خیالات پیش کرتا ہے۔

---

[1] مرزا غلام احمد قادیانی' کتاب البریۂ قادیان 1898ء ص 143

> "نونہال سنگھ۔ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضے ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں یہ جرنیل ونچورا کے ساتھ منڈی اور کلو کی طرف بھیجا گیا اور ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا۔ ہزارہ کے مفسدے میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے لڑا۔ اس موقعہ پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں۔ جب بھائی مہاراج سنگھ اپنی فوج لیئے دیوان مولراج کی امداد کے لیئے ملتان کی طرف جارہا تھا تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداران لنگر خان ساہیوال اور صاحب خان ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور مصر صاحب دیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ ان کو سوائے دریائے چناب کے کسی اور طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ آدمی ڈوب کر مر گئے۔"

مارچ ۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تو اس گھرانے کی جاگیریں بحال نہ کی گئیں اور سات سو روپے کی پنشن اور قادیان اور قریبی دیہاتوں کے مالکانہ حقوق مرزا غلام مرتضٰی اور ان کے بھائی کو دیئے گئے۔(۱) انگریزوں کے پنجاب کے الحاق کے دو ماہ بعد جون ۱۸۴۹ء میں مرزا غلام احمد نے پنجاب کے مالیاتی کمشنر جے۔ ایم۔ ولسن کو خط لکھا جس میں پنجاب کے الحاق کے موقع پر اس کے خاندان کی طرف سے کی گئی خدمات کے عوض مدد کی استدعا کی گئی تھی۔ گیارہ جون ۱۸۴۹ء کو ولسن نے جواب دیا۔

> "میں نے تمہاری درخواست کا بغور جائزہ لیا ہے۔ جس نے مجھے تمہاری اور تمہارے خاندان کی ماضی کی خدمات اور حقوق یاد دلا دیئے ہیں۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ برطانوی حکومت کے قیام سے لے کر تم اور تمہارا خاندان یقیناً مخلص۔ وفادار اور ثابت قدم رعایا رہے ہو اور تمہارے حقوق واقعی قابل لحاظ ہیں۔ تمہیں ہر لحاظ سے پرامید اور مطمئن رہنا چاہئے کہ حکومت برطانیہ تمہارے خاندانی حقوق اور خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرے گی اور جب بھی کوئی سازگار موقع آیا۔ ان کا خیال کیا جائے گا۔ تم بعینہ سرکار انگریزی کا ہوا

۱۔ see Abdul Rahim Dard Qadiani, Life of Ahmad, Lahore, 1948, P13.

خواہ اور جانثار رہو کیونکہ اسی میں سرکار کی خوشنودی اور تمہاری بہبود ہے“۔(۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے پنجاب کے وفادار خدمت گاروں کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے برطانوی آقاؤں کو اپنی خدمات پیش کر سکیں۔ ہماری تاریخ کے اس کڑے دور میں مرزا کے گھرانے کی طرف سے انگریزوں کو پیش کی گئی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے سر لیپل گریفن لکھتا ہے۔

> ”اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران بہت اچھی خدمات کیں۔ غلام مرتضےٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا جبکہ افسر موصوف نے تریمو گھاٹ پر نمبر۴۸ نیٹو انفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا۔ جنرل نکلسن صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا“۔(۲)

دلی میں حریت پسندوں کی طرف سے جنرل نکلسن کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عبدالرحیم درد بیان کرتا ہے۔

> ”جنرل نکلسن کے ذہن پر قائم شدہ وفادارانہ اور سرگرم تاثر جو مرزا کے گھرانے نے چھوڑا اور جس کا تذکرہ سر جان لارنس نے اپنی جنگ آزادی کی ”روداد“ ”جنرل نکلسن کے بغیر دلی فتح نہیں ہوسکتا تھا“ میں کیا ہے کی حقیقت حال اس نیچے دیئے گئے خط سے لگائی جا سکتی ہے جو اس نے اپنی موت کے ایک ماہ قبل اگست ۱۸۵۸ء کو مرزا غلام قادر کو لکھا۔
>
> ”جیسا کہ تم نے اور تمہارے گھرانے نے عظیم ترین اخلاص اور وفاداری سے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو کچلنے میں تریموں گھاٹ۔ میرتھل اور دوسری جگہوں پر حکومت کی امداد کی ہے اور اپنے آپ کو حکومت کا مکمل وفادار ثابت کیا ہے اور اپنی جیب سے پچاس سواروں اور گھوڑوں سے حکومت کی امداد کی ہے لہٰذا تمہاری وفاداری اور بہادری کے اعتراف میں تمہیں یہ پروانہ جاری کیا جاتا ہے جسے تم سنبھال کر رکھنا۔ حکومت اور اس کے اہلکاران ہمیشہ تمہاری خدمات۔ حقوق اور جو اخلاص تم نے حکومت کے بارے میں

۱۔ مرزا غلام احمد، کشف الغطاء، ضیاء الاسلام قادیان، 1898ء ص 5

۲۔ درد، صفحہ 14

دکھلایا ہے' کا ہمیشہ خیال رکھیں گے۔ باغیوں کو کچلنے کے بعد میں تمہارے گھرانے کی بہبود کی طرف خیال کروں گا۔ میں نے گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر نسبت کو لکھا ہے جس میں تمہاری خدمات کی طرف اس کی توجہ مبذول کروائی ہے۔"(۱)

۱۸۵۷ء کی بدنصیب جنگ کے خاتمے پر برطانوی آقاؤں کی جانب سے دوسو روپے مالیت کی ایک خلعت اور ایک سند سے نوازا گیا۔ گورنر کے دربار میں اسے ایک کرسی بھی عطا کی گئی۔

نیچے رابرٹ کسٹ کمشنر لاہور کی جانب سے بیس ستمبر ۱۸۵۸ء کو لکھے گئے اس توصیفی خط کا متن ہے جو اس نے مرزا غلام مرتضیٰ کو لکھا۔

''رابرٹ کسٹ صاحب بہادر

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشند۔

از آنجا کہ ہنگامہ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیر خواہی و مدد دہی سرکار دولت مدار انگلشیہ درباب نگاہ' داشت سواراں وبہم رسانی اسپاں بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی۔ اور شروع مفسدہ سے آج تک آپ بہ دل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا لہذا بدلے اس خیر خواہی اور خیر سگالی خلعت مبلغ دوصدروپیہ سرکار سے آپ کو عطاء ہوتا ہے اور حسب منشاء چھٹی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۶۷ مورخہ دس اگست ۱۸۵۷ء پروانہ ہذا با اظہار خوشنودی سرکار اور نیک نامی و وفاداری بنام آپ کے لکھا جاتا ہے۔ مرقومہ تاریخ بیس ستمبر ۱۸۵۷ء۔(۲)

سر ظفر اللہ بیان کرتے ہیں کہ مرزا غلام مرتضیٰ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں فوج میں شمولیت اختیار کی اور کئی لڑائیوں میں اعزازات حاصل کیئے۔ بعدازاں انہوں نے اور ان کے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر نے انگریزوں کے لیئے قابل تعریف خدمات سرانجام دیں۔ جن کو حکام نے باقاعدہ پسند کیا۔(۳) ۱۸۷۶ء میں مرزا غلام قادر نے وفات پائی۔(۴) ان کے مرنے کے بعد ان کے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر نے کمشنر

۱۔ ایضاً ص 15

۲۔ مرزا غلام احمد۔ شہادت القرآن۔ پنجاب پریس سیالکوٹ۔ 1893۔ صفحہ نمبر 9

۳۔ Sir Zafarullah, Essence of Islam, Vol-1, London, 1979, P-viii

۴۔ مرزا غلام قادر کے سوانحی خاکے کے بارے میں دیکھیئے قاضی فضل احمد کلمہ فضل ربانی' لاہور' 1893ء

مالیات پنجاب رابرٹ ایجرٹن کو اپنے والد کی موت کی اطلاع دیتے ہوئے اور برطانوی شہنشائیت کے لیئے اپنے خاندان کی خدمات پیش کرتے ہوئے خط لکھا۔ انہوں نے اپنی خدمات کی بناء پر کچھ مدد کی درخواست کی۔ مرزا غلام احمد کی کتاب کشف الغطاء میں انتیس جون ۱۸۷۶ء کو ایجرٹن کی طرف سے غلام قادر کو دیا گیا جواب یوں ہے۔

> ''سر رابرٹ ایجرٹن فنانشل کمشنر پنجاب
>
> مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر حفظہ' رئیس قادیان آپ کا خط دو ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحضور ایں جانب میں گزرا۔ مرزا غلام مرتضٰی صاحب آپ کے والد کی وفات سے ہم کو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضٰی سرکار انگریزی کا اچھا خیر خواہ اور وفادار رئیس تھا۔ ہم آپ کی خاندانی لحاظ سے اسی طرح عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کی جاتی تھی۔ ہم کو کسی اچھے موقع کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجانی کا خیال رہے گا۔
>
> المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء
> سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر
> فنانشل کمشنر پنجاب

سوانحی خاکہ

مرزا غلام احمد تیرہ فروری ۱۹۳۵ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں انہیں ایک نجی استاد کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے انہیں قرآن پاک اور فارسی پڑھائی۔ دس سال کی عمر میں ایک عربی استاد نے انہیں عربی زبان اور قواعد پڑھائے۔ سترہ سال کی عمر میں ایک تیسرا استاد رکھا گیا جس نے انہیں عربی۔ علم نحو۔ منطق اور طب کی تعلیم دی۔(۲) اوائل عمر میں ہی ان کے باپ نے ان کو اپنے نقش قدم پر چلا لیا جو کہ انگریزوں کی خدمت کر کے بڑے صبر کے ساتھ اپنی کھوئی ہوئی جائیداد کے دوبارہ حصول کے خواہشمند تھے۔ جس سے صرف اس گھرانے کی زرعی ضروریات ہی پوری ہوتی

---

[1] مرزا غلام احمد، کشف الغطاء قادیان 1898ء ص 5۔

[2] Muhammad Yaqub Khan, Quest After God (Glimpses of the life of Mirza Ghulam Ahmed, Anjuman Ahmadya Lahore

تھیں۔ مرزا غلام احمد نے قادیان کی کھوئی ہوئی جاگیروں کے حصول میں بیکار طور پر عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹائے۔(۱) وہ اس کام میں بری طرح ناکام ہوئے اور ان کے باپ نے انہیں بالکل بیکار شخص سمجھنا شروع کر دیا۔ آخرکار ۱۸۶۴ء میں ان کے باپ نے سیالکوٹ کچہری میں انہیں اہل مد (کلرک) کی معمولی نوکری دلوادی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ اپنے سیالکوٹ میں قیام کے دوران وہ قانون کے امتحان میں بیٹھے مگر اس میں بڑی بری طرح ناکام ہوگئے۔(۲) سیالکوٹ میں وہ چار سال تک (۶۸-۱۸۶۴ء) ٹھہرے رہے۔ وہاں ان کے عیسائی مبلغین خصوصاً سکاٹ لینڈ کے پادریوں کے ساتھ قریبی تعلقات پیدا ہوگئے جن کے ساتھ انہوں نے مذہبی اور سیاسی معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد عیسائی مبلغین پنجاب میں ہجوم در ہجوم آئے کیونکہ یہ خطہ برطانوی نوآبادیاتی حکمت عملی میں خاص اہمیت اختیار کر چکا تھا۔(۳) جنگ آزادی کے بعد کے دور میں عیسائی مبلغین نوآبادیاتی کھیل میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لیئے بڑی سرگرمی سے جنگ آزادی کی اہم مذہبی۔ سماجی۔ معاشی اور سیاسی وجوہات کا مطالعہ کر رہے تھے اور ہندوستانی سیاست میں ابھرنے والے رجحانات کا جائزہ لے رہے تھے۔(۴) ۱۸۵۸ء سے لے کر ۱۸۷۰ء کے درمیانی سالوں میں جنگ آزادی کی وجوہات پر مطالعات کیئے گئے اور ان سوالوں پر بحث کے لیئے بہت سے تبلیغی اجتماعات منعقد کیئے گئے۔ ایسا ہی ایک اجتماع دسمبر ۱۸۶۲ء میں پنجاب میں منعقد ہوا۔ اس میں پینتیس عیسائی مجالس اور ان کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ مقامی و فوجی افسران اور کثیر تعداد میں با اثر لوگوں نے شرکت کی اگرچہ سرکاری حلقوں میں کافی لے دے ہوئی کہ آیا

۱۔ دیکھیے تاریخ احمدیہ جلد اول تالیف دوست محمد شاہد۔ ربوہ

۲۔ مرزا بشیر احمد' سیرت المہدی جلد اول، قادیان' صفحہ نمبر 135

۳۔ See Frederick Henry Copper, The Crises in the Punjab from the 10 of may Untill the fall of Dehli, London, 1858

۴۔ For a detailed account see-i). The Indian Crisis, A special general meeting of the church Missionary Society at Exeter Hall, on Thursday, January 12th , 1958 , London, 1858 (ii) Recent Intelligence, Special Meeting on Indian Crisis, Church Missionary Record, New Series III 1858

ایسا اجتماع منعقد ہونا چاہئے کہ نہیں۔ (۱)

۱۸۶۹ء میں بغاوت کی وجوہات جاننے اور سلطنت کے احکامات کے لیئے تجاویز دینے کے لیئے مسیحی مبلغین پر مشتمل ایک نجی جماعت نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس گروپ نے بہت سی جگہوں کا دورہ کیا اور ان سیاسی و مذہبی مسائل کا جائزہ لیا جنہوں نے ہندوستان میں برطانوی راج کے لیئے ایک مستقل خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے لیئے اعلیٰ برطانوی حکام جو انتظامی اور فوجی عہدوں پر متمکن تھے۔ ان سے مشورے کیئے اجلاس منعقد کیئے اور خفیہ کے اہلکاروں کے ساتھ مباحثے کیئے۔ اس کے نتیجے میں ۱۸۷۰ء میں لندن میں ایک اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں اس گروہ کے نمائندوں کے علاوہ اہم تبلیغی عہدیداران نے شرکت کی۔ گروہ اور مبلغین نے اپنی علیحدہ علیحدہ رپورٹیں پیش کیں۔ مجھے یہ دونوں قسم کی اطلاعات ایک خفیہ اور رازدارانہ دستاویز کے طور پر نجی استعمال کیلئے ''ہندوستان میں برطانوی شہنشائیت کی آمد'' کے عنوان سے چھاپ دی گئیں۔ (۲) اس اطلاع میں سے ایک اقتباس نیچے دیا جاتا ہے جس میں ایک پیغمبر کی ضرورت بیان کی گئی ہے۔ (۳) جو برطانوی سامراجیت کے فاسدانہ سیاسی منصوبوں میں استعمال ہو سکے۔

> ''ملکی آبادی کی غالب اکثریت اپنے پیروں کی اندھا دھند پیروی کرتی ہے۔ اگر اس مرحلے پر ہم کسی ایسے شخص کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے جو اپنے آپ کو ظلی نبی کے طور پر پیش کر دے تو لوگوں کی کافی تعداد اسکے اردگرد اکٹھی ہو جائے گی۔ لیکن اس مقصد کے لیئے مسلمان عوام میں سے کسی ایک کو راضی کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو ایسے شخص کی نبوت حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھ سکتی ہے۔ ہم پہلے ہی ''مقامی حکومتوں کو غداروں کے ذریعے حکومتوں پر قابو پانے کی حکمت عملی'' سے کام لے چکے ہیں۔ مگر یہ ایک مختلف مرحلہ تھا کیونکہ غداروں کا تعلق عسکری نقطہ نظر سے تھا مگر اب

۱۔ The History of Church Missionary Society, London, 1899 Vol-II, P-250

۲۔ ابو مدثرہ' قادیان سے اسرائیل تک' لاہور 1979ء ص 24

۳۔ کلیسائی انگلستان کے رسالہ کی فائلیں' کلیسائے انگلستان کا سہ ماہی جائزہ' کلیسا کی تبلیغی باخبری اور کلیسا کی تبلیغی دستاویز' شہنشائیت کے پٹھو کی ضرورت کی تائید کرتی ہیں

> جبکہ ملک کی ہر نکر پر ہمارا اقتدار قائم ہے اور ہر جگہ پر امن وامان ہے۔ ہمیں ملک کے اندر اندرونی بے چینی پیدا کرنے کے لیئے اقدامات اختیار کرنے ہوں گے"۔

اس وقت جب برطانوی آلہ کار وفاداروں کی تلاش میں تھے۔ مرزا صاحب سیالکوٹ میں متعین سکاٹ لینڈ کے ایک مبلغ بٹلر ایم۔ اے سے قریبی دوستی پروان چڑھانے میں مصروف تھے۔ وہ دونوں اکثر ایک دوسرے سے ملتے اور مذہب اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کو درپیش مسائل پر بحث اور تبادلہ خیال کرتے۔ بٹلر نے انہیں کھلے عام عزت اوراحترام بخشا۔(۱) اگرچہ ایک غیر ملکی تبلیغی سربراہ اور برسراقتدار جماعت کے رکن سے ایسا بمشکل ہی متوقع تھا۔ مرزا محمود صاحب جو کہ مرزا کے صاحبزادے اور قادیانی گروہ کے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۶۴ء تک سرخیل رہے ہیں۔ اپنے باپ کے بٹلر سے تعلقات کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اس وقت پادریوں کا بہت رعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو حضرت صاحب کے ملنے کے لیئے خود کچہری آیا۔ ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لیے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے۔ کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں۔ یہ ثبوت ہے اس امر کا آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابل قدر ہے"۔(۲)

مرزا صاحب کے لیئے ۱۸۶۸ء کا سال فیصلہ کن ثابت ہوا۔ ایک عربی محمد صالح کا ہندوستان آنا ہوا جس کا سیاسی مقصد تھا۔ اس وقت وہابیوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے صورت حال خاصی تشویشناک تھی۔ انگریز کے لیئے پنجاب جیسے اہم خطہ میں ایک عرب محرک کی موجودگی گھمبیر مسائل کھڑے کرسکتی تھی۔ پنجاب پولیس نے اسے امیگریشن ایکٹ کی خلاف ورزی اور جاسوسی کے الزامات میں گرفتار کرلیا۔(۳) سیالکوٹ کچہری کے ڈپٹی کمشنر (پرکنز) نے تفتیش شروع کی۔ مرزا صاحب کی عربی کے ترجمان

۱۔ مرزا محمود احمد، سیرت مسیح موعود، ربوہ، ص ۱۵

۲۔ مرزا کا خطاب 'الفضل' قادیان' ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء

۳۔ ڈاکٹر بشارت احمد' مجدد اعظم' لاہور' ۱۹۳۳ء، ص ۲

کے طور پر خدمات حاصل کی گئیں۔ عرب کے ساتھ بحث کے دوران مرزا صاحب نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے جواز میں زور دار بحث کی اور اس کا دفاع کیا۔ اپنی بلاغت کے زور پر انہوں نے اپنے برطانوی آقا کی نظروں میں اپنی اہمیت ثابت کر دی۔ پرکنز نے کچہری کے ایک ملازم کی صورت میں ایک مفید اور وفادار آلہ کار تلاش کر لیا جو سلطنت کے مقصد کے لیئے استعمال ہوسکتا تھا۔ اگر اسے اس کام پر لگا دیا جائے۔ پرکنز ایک فری میسن تھا اور لاہور کے لاج آف ہوپ کا ایک رکن تھا۔ مرزا نے ۱۸۶۸ء میں بغیر کسی واضح وجہ کے سیالکوٹ کچہری میں اپنی ملازمت چھوڑ دی اور قادیان میں قیام پذیر ہوئے۔ جس روز مرزا صاحب نے قادیان کو روانگی اختیار کی اس دن احترام کے طور پر پرکنز نے کچہری میں تعطیل کر دی۔ (۱)

۱۸۶۸ء میں مرزا غلام احمد کی والدہ چراغ بی بی عرف گھسیٹی وفات پا گئیں۔ انہیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے مکمل طور پر اپنے والد کی رقم پر انحصار کرنا پڑا۔ انہیں عدالتوں میں حاضری کے لیے ڈلہوزی اور دوسری جگہوں پر سفر کرنا پڑتا۔ انہوں نے خاموشی سے تمام سختیوں کا مقابلہ کیا اور اپنے مذموم مقصد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ ۱۸۷۶ء میں مرزا غلام مرتضٰی کی وفات نے ان کے بیٹوں مرزا غلام قادر اور مرزا غلام احمد پر مزید مشکلات لاڈالیں۔ اپنی زندگی کے دوران مرزا غلام مرتضٰی نے اپنے جدی رشتہ داروں کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کیئے رکھا۔ جو قادیان میں واقع تھیں۔ ان کی وفات کے بعد غلام قادر کو وہ جائیداد مل گئی اور مرزا غلام احمد اس کے رفیق جرم بن گئے۔ ۱۸۷۷ء میں مرزا غلام مرتضٰی کی وفات کے ایک سال بعد مرزا قاسم بیگ کے بیٹے مرزا غوث نے جو کہ قادیان کی جدی املاک کے نصف کا اکیلا وارث تھا اور جس سے مرزا غلام مرتضٰی نے اس سے محروم کر رکھا تھا عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اسے پتہ تھا کہ مرزا برادران اسے اس کا حصہ دینے پر کبھی رضامند نہیں ہونگے۔ اس نے لاہور میں متعین ایک اسسٹنٹ کمشنر مرزا اعظم بیگ کو اپنی جائیداد کا حصہ فروخت کر دیا۔ اعظم بیگ کی مالی معاونت کے

۱۔ دسمبر 1972ء کے سالانہ اجتماع پر عبد المنان عمر کا خطاب 'احمدیہ انجمن لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۲

بعد اس نے پنجاب کی اعلیٰ عدالت جو دیوانی اور فوجداری مقدمات میں مجاز سماعت مرافعہ تھی، مقدمہ جیت لیا۔ مرزا بھائیوں کے پاس اپنے دفاع میں اس دلیل کے علاوہ کوئی ثبوت نہ بچا تھا کہ وہ آبائی جائیداد کی منتقلی اور فروخت کے لیئے اسلامی قوانین وراثت کی بجائے مغل رسومات وروایات کے پابند ہیں۔ مرزا غوث کو اس کے حقیقی جائیداد کے حصہ سے محروم کرنے کی مرزا غلام قادر اور مرزا غلام احمد کی یہ ایک عیارانہ چال تھی۔ مرزا غوث کی جائیداد کے حصہ کو ہتھیانے کے لیئے مرزا غلام احمد نے جو کہ بعد میں نبوت اور اسلام کی علمبرداری کے ٹھیکیدار بنے، اسلامی قوانین کی بجائے خاندانی رسومات کو ترجیح دی۔ روایات کے مطابق مرزا غوث صرف بیٹے کی شادی کرنے پر جائیداد فروخت کر سکتا تھا یا اور کسی قابل جواز ضرورت پر ایسا کر سکتا تھا۔ چونکہ وہ بے اولاد تھا اور دوسری کوئی ذاتی ضرورت پیش نہ تھی۔ وہ اپنی جائیداد دوسروں کو فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ عدالت نے مرزا بھائیوں کی یہ دلیل مسترد کر دی اور فیصلہ مرزا غوث کے حق میں کر دیا۔

طویل مقدمے بازی نے مرزا گھرانے کو مالی مصائب کے کنارے تک پہنچا دیا تھا۔ غلام قادر جائیداد کا نقصان اور ہار کی ذلت برداشت نہ کر سکا اور ۱۸۸۳ء میں وفات پا گیا۔ بقیہ جائیداد کا اختیار اس کی بیوہ کو حاصل ہو گیا۔ مرزا غلام احمد کی خاندانی معاملات میں بہت کم سنی جاتی تھی مگر وہ اپنی الگ ''سلطنت'' کے قیام میں مصروف تھے۔ مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ اپنے والد کی وفات کے بعد انہوں نے پر مصائب زندگی گزاری۔ وہ حقیقی طور پر ایک قلاش اور معنوی طور پر ایک مایوس آدمی تھے۔ ان کے بڑے بھائی نے تمام جائیداد کا اختیار سنبھالے رکھا اور اس کی آمدنی کو اپنی فلاح میں صرف کیا اور مرزا صاحب کو ایک رسالہ کے چندے کے طور پر چند روپے دینے تک سے انکار کر دیا۔ غلام قادر کی بیوہ بھی مرزا صاحب کے لیئے اتنی ہی سخت تھی اور ان سے سخت نفرت کرتی۔ مرزا غلام احمد کی بیوی حرمت بی بی نے بھی ان کے ساتھ بڑا سخت وقت گزارا کیونکہ مرزا صاحب بیماری۔ نفسیاتی عدم توازن اور مالی مشکلات کا شکار تھے۔ ان سالوں میں ان کے ساتھ جو سلوک ہوا اس نے ان کی مستقبل کی زندگی پر

بڑا اثر چھوڑا۔ جو اس کے بعد ان کے مستقبل کے دعووں میں بھی نظر آتا ہے۔

۱۸۸۰ء کے اخیر تک وہ اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی تدوین میں پورے طور پر مصروف رہے۔ ۱۸۸۳ء میں ان کے بڑے بھائی غلام قادر کی وفات نے ان کے لیئے کھلا میدان چھوڑ دیا اور وہ اپنے پسندیدہ مقصد یعنی نبوت کے دعوے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے۔ برطانوی راج کی اطاعت گزاری اور جہاد کی مذمت⁽¹⁾ ان کی تحریروں سے عیاں تھی ۔ وہ اپنے فرض منصبی کو پورے خلوص سے پورا کرتے رہے۔ اور ہندوستان میں اور دنیا کے دوسرے حصوں میں نوآبادیاتی راج کے استحکام کے لیئے سرانجام دی گئی اپنی خدمات پر متفخر رہے۔

ہوش مند کذاب

مرزا غلام احمد نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ اپنا کام شروع کرنے سے پہلے مرزا صاحب نے کچھ الہامات اور وحی کے نمونے پیش کیئے جن کے بارے میں آپ کا دعویٰ تھا کہ یہ خدا کی جانب سے ہیں۔ ان کے بیانات کی غیر مربوط اور حماقت آمیز نوعیت اور جسمانی و ذہنی بیماریوں مثلاً اضطراب۔ ذیابیطس اور اعصابی تناؤ میں مبتلا ہونے کے اقرار نے مذہب کے سنجیدہ طلباء کو مجبور کر دیا کہ وہ پہلے ان کے ذہن کی درستی کا تعین کریں۔ ایک ہندوستانی عیسائی استاذ دانیال نے ان سے قادیان میں ملاقات کی اور ان کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لیئے انہیں سات سوالات کیئے۔ قادیان کے رسالے ''ریویو آف ریلیجنز'' نے مرزا صاحب سے مشاورت کے بعد ان سوالات کا جواب چھاپ دیا۔⁽²⁾ رسالے نے مرزا صاحب کی جسمانی و ذہنی بیماریوں سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ آنحضور ﷺ نے ان تمام کو مسیح موعود کی نشانیاں بتلایا

۱۔ ۱۸۷۹ء میں اس کے قریبی دوست محمد حسین بٹالوی نے جہاد کے خلاف ایک کتاب لکھی اور انگریزوں سے انعام حاصل کیا۔ (ضمیمہ اشاعت السنۃ۔ لاہور۔ جلد نمبر ۵۔ نمبر ۹۔ ص ۲۶۱۔ ۲۶۲)

۲۔ ریویو آف ریلیجنز' قادیان' اپریل 1906ء

ہے۔(۱) لاہور کے ایک اور عیسائی عالم ڈاکٹر ایچ ڈی گرسوالڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مرزا صاحب دیانت دار مگر خود فریبی کا شکار ہیں۔(۲) قاہرہ کے تبلیغی مجلس میں ۱۹۰۶ء میں ایک عیسائی مبلغ نے کہا۔

> ''اب (۱۹۰۶ء میں) مرزا غلام احمد کی عمر ستر سال کے قریب ہے اور مذہبی لگن اور یقین کامل کے دعوے ان کے بہت سے ذاتی مقاصد کی تکمیل کے لیئے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے واضح دھوکہ دہی اختیار کر رکھی ہے۔ اگر یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ذاتی مقاصد کی تکمیل کے لیئے بدترین ہتھکنڈے اختیار کر رہا ہے''۔

مرزا صاحب کے رنگ برنگے ماضی۔ ان کے دعووں۔ تحریروں۔ وحی و الہامات۔ پیش گوئیوں وغیرہ کا تجزیہ یہ اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک باخبر کذاب تھے۔ سب کچھ جانتے ہوئے دھوکہ دے رہے تھے۔ انہوں نے خدا کے نام کو سامراجی ضروریات کا احساس کر کے ان کی تکمیل کے لیئے استعمال کیا۔ اس تمام کاروبار کا مقصد ذاتی عظمت اور مذہب کے نام پر دولت و شہرت اکٹھی کرنا تھا۔ قادیانیوں کی انجیل ''تذکرہ'' میں وہ لغویات اور احمقانہ پن ہے جو مقدس اشخاص کے سوانح یا تاریخ میں نہیں ملتا۔ ان کی وحی عربی۔ اردو۔ فارسی۔ انگریزی۔ عبرانی۔ ہندی اور پنجابی زبان میں ہے۔ زبان بھی گھٹیا۔ مبہم۔ عامیانہ اور غلط ہے۔ حقیقت میں اس کا بڑا حصہ لغو اور بے معنی فقرات پر مشتمل ہے جس کے کوئی واضح معانی نہیں ہیں۔ قادیانی ان بیانات کی کئی تاویلیں پیش کر کے مرزا صاحب کی نبوت ثابت کرتے ہیں۔ کچھ وحی اعداد اور خانوں کی شکل میں ہے اور بقیہ ایک غیر معروف اور ناقص زبان میں ہے جس کے بارے میں خود ان کا اپنا اقرار ہے کہ وہ انہیں سمجھ نہیں آتے۔ یہ الم غلم خیالات ان کے اندرونی احساسات' جذباتی بحران اور ذہنی پسماندگی کو منعکس کرتے ہیں۔ مرزا صاحب چونکہ تمام عمر مختلف اقسام کی بیماریوں مثلاً اعصابی تناؤ۔ سر چکرانا۔ ذیابیطس۔ درد شقیقہ۔ قولنج۔ تپ

۱۔ H.A. Walter, The Ahmadya Movement, Associated Press Calcutta, 1918, P-20.

۲۔ Dr. Griswold, Mirza Ghulam Ahmad, The Mehdi and Messiah of Qadian, Ludhiana, 1902.

دق۔ خفقان۔ مردمی کمزوری اور شدید اور مستقل پیچش میں مبتلا رہے اس لیئے ان کے ذہن میں کچھ عدم توازن کی کیفیات پیدا ہوگئی تھیں۔ وہ ذہنی طور پر غیر متوازن تھے مگر ہر طرح سے ایک فریب کار اور عمداً مکاری میں مبتلا تھے۔ وہ غیر ملکیوں کا آلہ کار بن چکے تھے کیونکہ اسی دروازے سے وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ وہ اپنے سیاسی مقصد میں بالکل واضح موقف رکھتے تھے۔ اس میں کبھی تضاد پیدا نہ ہوا۔ شروع سے آخر تک ایک رہا۔ ان کی تمام تحریروں کے بین السطور لب لباب برطانیہ سے وفاداری۔ جہاد کی مذمت۔ اسلامی دنیا کو سامراجی تسلط کے تحت رکھنے کی خواہش اور ہندوستان میں سامراج کے استحکام کے لیئے خدمات سرانجام دینا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے لیئے بڑی سخت زبان استعمال کرتے تھے جبکہ غیر ملکی آقاؤں کے لیئے ان کی زبان بڑی ملائم ہو جاتی۔ آپ کی ایک بھی وحی۔ پیش گوئی یا خواب ایسا نہیں جو کسی بھی طرح سے برطانوی مفادات کے خلاف جاتا ہو یا ایسا نو آبادیاتی طاقت کے طور پر کی گئی ان کی جارحیت اور بداعمالیوں کی مذمت کرتا ہو۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کی وحی کا ایک ایک لفظ خدا نے وحی کیا۔ ان کا خدا برطانیہ کا حامی اور اسلام کے خلاف دکھائی دیتا ہے جو مسلمانوں کی غلامی اور انگریزوں کے تسلط اور ان کی معاشی اور مادی خوشحالی پر خوش ہے۔ یہ بات بڑے کھلے انداز میں ٹھوس بنیادوں پر واضح ہو چکی ہے کہ احمدیہ تحریک کا وجود یہودیوں اور سامراجیوں کی پشت پناہی کا رہین منت تھا۔ یہودیوں کے خفیہ اثر اور دولت اور برطانوی حکومت کے خفیہ کلیسائی نظام کی مالی اعانت نے احمدیت کے نوخیز پودے کی آبیاری کرکے اسے تناور درخت بنا دیا۔ انہوں نے اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کے لیئے اپنے حواری و مددگار کی اعانت سے اسلام دشمن تحریک چلائی۔ ان کی اجتماعیت میں دراڑ ڈالنے کے لیئے مسلم دنیا کے اتحاد پر ضرب کاری لگائی۔

شاہکار تخلیق

سال ۱۸۷۲ء کے لگ بھگ مرزا صاحب نے ہندوستانی اخبارات و رسائل

میں اپنے آپ کو اسلام کے علمبردار کے طور پر متعارف کرانے کے لیئے مضامین روانہ کرنے شروع کیئے۔ بعدازاں انہوں نے آریہ۔ برہمو اور دیو سماج کے رہنماؤں کے ساتھ ویدوں کے فلسفے اور تناسخ ارواح کے سوال پر زوردار مباحثے شروع کیئے۔ وہ اپنے آپ کو اسلام کا دفاع کرنے والے اسلامی مبلغ کے طور پر پیش کرنے کے لیئے بیتاب تھے اور اس کے لیئے مسلمانوں کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ۱۸۷۴ء تک وہ ''براہین احمدیہ'' نامی کتاب کی تدوین میں مصروف رہے۔ ۱۸۸۴ء میں اس کتاب کی پہلی چار جلدیں چھپ گئیں۔ آپ کی متواتر اپیلوں پر بہت سے خوش حال مسلمانوں خصوصاً ریاست پٹیالہ کے دیوان سید محمد حسن۔(۱) نواب بھوپال۔ حیدرآباد دکن کے مولوی چراغ علی۔ لدھیانہ کے نواب علی محمد خان اور واہ کے رئیس سردار غلام محمد نے اس کتاب کی اشاعت میں ان کی مالی معاونت کی۔(۲) براہین احمدیہ کی پہلی جلد میں دو فارسی نظمیں اور ایک طویل اعلان ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگر اسلام کی حمایت میں درج ان کی دلیلوں کو کوئی جھٹلانے کی جرأت کرے تو اسے دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ یہ ایک احمقانہ اور بڑا دعویٰ تھا۔ بعدازاں ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے کہا کہ وہ اسلام کے حق میں ایک دلیل بھی نہ دے سکے۔(۳) انہوں نے یہ کتاب کاروباری نقطہ نظر اور اسلام کے داعی ہونے کی شہرت حاصل کرنے کے لیئے لکھی۔ پہلے کتاب کی قیمت پانچ روپے بتائی گئی لیکن بعدازاں اسے دوگنا اور پھر پچیس روپے تک بڑھا دیا گیا۔ آپ اس کی قیمت سو روپے مقرر کرنا چاہتے تھے مگر یہ خیال ترک کر دیا۔ مسلمانان ہند کو اپیلیں کی گئیں کہ وہ پیشگی رقومات بھیجیں۔ یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کتاب کی پچاس جلدیں آئیں

۱۔ ریاست پٹیالہ کا دیوان خلیفہ محمد حسن برطانوی حکومت کا طرف دار تھا۔ اسے اس شاہی مجلس کا اعتماد بھی حاصل تھا جو کہ پنجاب کی اس وفادار ریاست کے معاملات پر اختیار رکھتی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیئے اس نے مرزا صاحب کی بڑی مالی اور اخلاقی مدد کی۔ ۱۸۸۴ء میں مرزا صاحب پٹیالہ گئے جہاں ان کا سرگرم استقبال کیا گیا۔ ۱۸۸۶ء میں خلیفہ نے مرزا صاحب کو پٹیالہ آنے کی دعوت دی کہ چند اہم معاملات پر بات کرنا تھی اور تین ارکان پر مشتمل شاہی مجلس جس کے سربراہ سردار دیوا سنگھ تھے ان سے آپ کا تعارف کرایا گیا۔ مسیحیت کے دعویٰ کے بعد ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے ریاست کا تیسرا چکر لگایا۔ کچھ لوگوں کو شک تھا کہ اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لیئے رقم کے فراہمی کے لیئے خلیفہ انگریز اور مرزا صاحب کے مابین رابطے کا کام کرتا تھا' دیکھیئے مصباح الدین' خاتم النبیین' راولپنڈی' ۱۹۷۳ء

۲۔ مرزا غلام احمد' براہین احمدیہ' سفیر ہند پریس' امرتسر پنجاب ۱۸۸۰ء

۳۔ مرزا بشیر احمد' سیرت المہدی' جلد 1 ص ۹۳

گی جن میں اسلام کی حقانیت کے ڈھیر لگا دیئے جائیں گے۔ مگر وہ اس کی صرف پانچ جلدیں چھپوا سکے۔ پہلی چار ۱۸۸۴ء تک جبکہ پانچویں جلد تیئیس سال بعد ۱۹۰۸ء میں یعنی مرزا صاحب کی وفات کے بعد منظر عام پر آ سکی۔(۱) براہین احمدیہ میں ان کی بہت دلچسپ وحی۔ کشف اور الہامات کے نمونے درج ہیں۔ انہوں نے اپنے مستقبل کے فاسدانہ منصوبوں کی تکمیل کے لیئے ان الہامات کو خام مواد کے طور پر استعمال کیا۔ درحقیقت انہوں نے ابتداء ہی میں خفیہ طور پر نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔(۲) نہ تو اس وقت کوئی مناسب وقت تھا نہ ہی وہ اس احمدی ناٹک کے ابتدائی مرحلہ میں مسلمانوں کے غیض و غضب کو اٹھانے کی ہمت رکھتے تھے۔

اس کتاب کی تیسری جلد میں انہوں نے بڑے فصیح و بلیغ انداز سے برطانوی راج کی تعریف کی اور اپنے گھرانے کو برطانوی سامراج کے سب سے مخلص اور وفادار کے طور پر متعارف کرایا۔ انہوں نے پرزور طریقے سے اپنے آپ کو وحی کا حامل گردانا اور برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کو اللہ کی طرف سے ممنوع قرار دیا۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ انجمن اسلام لاہور (ایک نجی ادارہ جو مسلمانوں کے لیئے کام کرتا تھا) اور اس کی شاخوں کو ہندوستان کے مقتدر علماء سے جہاد کے خلاف فتاویٰ حاصل کرنے چاہئیں اور انہیں کتابی شکل میں ''علماءِ ہند کی جانب سے خطوط کا مرقع'' کے سرورق کے تحت چھاپ دینا چاہئے۔ اس کی پنجاب اور خصوصی طور پر ہندوستان کے شمال مغربی حصوں میں وسیع پیمانے پر تقسیم کرنی چاہئے تاکہ ہنٹر کی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' میں لگائے گئے الزامات کا جواب دیا جا سکے اور جہاد کے قائل مسلمانوں کے دلوں سے اس تصور کو اکھاڑا جا سکے۔(۳)

۱۔ ایضاً

۲۔ براہین احمدیہ کی تدوین کے وقت مرزا غلام احمد نے اپنا اصل مدعا یعنی دعویٰ نبوت کو چھپائے رکھا۔ انہوں نے بڑی عیاری سے اس کو مناسب وقت کے لئے موخر کر دیا۔ سترہ اگست ۱۸۹۹ء کو الحکم قادیان میں چھپنے والے ایک خط میں جو آٹھ اگست ۱۸۹۹ء میں لکھا گیا تھا مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ان کو وحی ہوئی کہ ''دنیا میں ایک نبی آیا جس کو دنیا نے قبول نہ کیا'' اس سے قبل جب وہ براہین احمدیہ کی تدوین میں معروف تھے دعویٰ نبوت کے خلاف مسلمانوں کے سخت ردعمل کی وجہ سے انہوں نے اپنی وحی کی نام نہاد دوسری قرآت بیان کی' دنیا میں ایک نذیر آیا' یہ بڑے واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ آپ کس درجہ محتاط تھے اور آپ کی وحی اور خوابوں میں کیا منصوبے پنہاں تھے۔ ''تذکرہ''۔ ص ۱۰۴

۳۔ براہین' جلد 3 ص الف

مسلمانان ہند نے مرزا کی نیت کو مشکوک جان کر ان کی ان تحریروں کے خلاف سخت ردعمل ظاہر کیا جن میں برطانوی راج کی مدح و توصیف اور دنیائے اسلام کے دیگر حصوں پر اس کے قیام کی خواہشات درج تھیں۔ کتاب کی چوتھی جلد میں انہوں نے تسلیم کیا کہ کئی لوگوں نے ان تحریروں پر سخت اعتراضات کیئے ہیں بلکہ گالیاں تک دی ہیں کہ وہ ہندوستان میں برطانوی راج کی وکالت کیوں کرتے ہیں۔(۱) تاہم انہوں نے دلیل دی کہ قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے مطالعہ کے بعد وہ اپنا ذہن تبدیل نہیں کر سکتے اور اپنے موقف پر قائم ہیں۔ اس کتاب کی بعض وجوہات کی بناء پر کچھ حلقوں کی جانب سے پذیرائی بھی ہوئی۔ کیونکہ غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ اسلامی احیاء کے ایک دعویدار کی طرف سے اپنے انداز میں اسلام کے دفاع کی یہ ایک کوشش ہے۔ تاہم محتاط مسلمان علماء نے مرزا غلام احمد کے بلند و بانگ دعووں کے خلاف اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ انہوں نے مرزا صاحب کو سیاسی آلہ کار۔ جھوٹا۔ فریبی اور منافق قرار دیا۔

براہین احمدیہ کی طباعت کے بعد انہوں نے اپنی نجی زندگی پر توجہ دی۔ ان کے پاس ایک آرام دہ زندگی گزارنے کیلئے کافی رقم اکٹھی ہو گئی تھی۔ یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ برطانیہ کے خفیہ فنڈ سے بھی آبیاری جاری رہی۔ ان کے کچھ قریبی رفقاء نے اس پر اعتراض کیا کہ ان کی محنت سے کمائی گئی اور کنجوسی سے بچائی گئی رقم جو کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے دی جاتی ہے وہ مرزا صاحب کی بیوی کے زیورات کی خریداری پر صرف ہو رہی ہے۔(۲) ایسی اکا دکا آوازوں کو دبا دیا گیا بلکہ مرزا صاحب کے دعوؤں میں ڈوب گئیں۔ ۱۸۸۴ء میں پچپاس برس کی عمر میں آپ کو دوسری شادی کا خیال آیا۔ پہلی بیوی سے ان کے دو بیٹے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد تھے۔ اگرچہ انہوں نے

۱۔ براہین جلد 4 ص الف

۲۔ فاروق قادیان' سات اکتوبر ۱۹۲۸ء' مرزا صاحب کے نہایت قریبی ساتھی اور جماعت کے ایک اہم رکن خواجہ کمال الدین بھی ان میں سے ایک تھے۔ (سید سرور شاہ' کشف اختلاف ص ۱۵) ڈاکٹر عبدالحکیم جو ایک وقت میں مرزا صاحب کے پر جوش پیروکار تھے' انہوں نے واضح طور پر مرزا صاحب کے رقم بٹورنے کے طریق کار کو افشاء کیا اور بتایا کہ وہ کس طرح اسلام کے نام پر رقم بٹورتے اور اسے ذاتی استعمال میں لاتے ہیں' الذکر الحکیم نمبر ایک تاچہ مبارک برادرز پٹیالہ سٹیٹ پنجاب ۷-۱۹۰۶

اپنی خراب صحت کا متعدد تحریروں میں بڑا واویلا کیا اور کہا کہ وہ بڑی بیماریوں مثلاً تپ دق۔ ذیابیطس اور درد شقیقہ وغیرہ میں مبتلا ہیں اور صنف مخالف میں ہر طرح کی دلچسپی کھو چکے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے اعلان کیا کہ خدیجہ کے ساتھ دوسری شادی کے لیئے ان پر وحی اتری ہے۔(۱) سترہ نومبر ۱۸۸۴ء کو انہوں نے نصرت جہاں سے شادی کر لی جو لاہور میں محکمہ آب پاشی میں معمولی ملازم میر ناصر نواب کی بیٹی تھی۔ میر صاحب عرصہ دراز تک مرزا کے مذہبی دعوؤں کی مخالفت کرتے رہے بعد میں رام ہو گئے۔ مرزا صاحب کو تیسری شادی کی بھی شدید خواہش تھی مگر محمدی بیگم کے ساتھ معاشقے نے انہیں ایک ایسی الہامی دلدل میں پھنسا دیا کہ وہ اس خیال کو زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکے۔

۱۸۸۵ء میں مرزا صاحب نے مجدد اور وقت کے مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگلے سال آپ ہوشیار پور تنہائی میں چلہ کشی کے لیئے چلے گئے۔ چلے کے مکمل ہونے پر انہوں نے بیس فروری ۱۸۸۶ء کو یہ اعلان چھپوا دیا کہ انہیں ایک ذہین اور خوبصورت بچہ عطا ہوگا۔ اس کا نام عمانویل اور بشیر ہوگا۔ وہ اول اور آخر کا روپ۔ سچائی اور عظمت کا مظہر ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ بذات خود عالم بالا سے اتر آیا ہو۔ نتیجتاً آپ کے بیٹے مرزا (بشیر الدین) محمود احمد نے دعویٰ کیا کہ وہ ہی موعودہ بیٹا ہے۔ آپ نے ۱۹۴۴ء میں ایک مرزا کی ایک مبہم تحریر دوسرے اپنی وحی کی بناء پر "مصلح موعود" ہونے کا دعویٰ کیا۔

یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ انہیں خدا نے بیعت اور جماعت بنانے کا حکم دیا ہے۔ بیعت ہونے کے لیئے دس شرائط قبول کرنا تھا۔ ان میں سے چوتھی شرط اگرچہ عمومی نوعیت کی تھی لیکن ہر احمدی کو پابند کرتی تھی کہ وہ حکومت برطانیہ کا وفادار رہے گا۔ انہوں نے رسمی طور پر لدھیانہ میں تیئس مارچ ۱۸۸۹ء کو بیعت لی۔ جماعت میں داخلے کی چوتھی شرط پر مرزا محمود اس طرح خیال آرائی کرتے ہیں۔

> "اپنے آغاز سے یہ جماعت حکومت کی وفادار ہے اور ہر طرح کی بدنظمی اور پریشانیوں سے دور رہی ہے۔ اس تحریک کے مقدس بانی نے اسے تحریک میں شمولیت کی بنیادی شرط

ا۔ تذکرہ، دوسرا ایڈیشن، ربوہ 1969ء، ص 37

کے طور پر مقرر کیا ہے کہ ہر رکن قانونی طور پر قائم حکومت کی مکمل اطاعت کرے اور بغاوت کی طرف لے جانے والے تمام راستوں سے پرہیز کرے۔ اس حکم کی تعمیل میں جماعت احمدیہ کے پیروکاروں نے ہمیشہ اپنے آپ کو احتجاج کی ہر طرح کی اقسام سے علیحدہ رکھا ہے اور دوسرے لوگوں کی ایک کثیر تعداد پر بھی اپنا اثر و نفوذ ڈالا ہے"۔(۱)

شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار

ہندوستان میں برطانوی راج کو مرزا صاحب خدا کی ایک نعمت عظیمہ خیال کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو پرزور تاکید کی کہ وہ ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں کیونکہ اسی میں ان کی نجات اور خدا کی رضامندی ہے۔ یہ صرف برطانوی سامراجیوں کا استحقاق تھا کہ وہ توپوں کے گولے چلائیں یا اسلحہ لہرائیں۔ اس کے برعکس بیکار مذہبی قباحت میں زبان چلانی اور قلم گھسیٹنا مسلمانان عالم کی ذمہ داری تھی۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔

> ''چونکہ میری زندگی کا زیادہ تر حصہ برطانوی حکومت کی وفاداری کے پرچار میں گزرا ہے۔ جہاد کی مذمت اور برطانوی حکومت کی وفاداری کے پرچار پر میں نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ اگر ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو پچاس الماریاں بھر جائیں"۔(۲)

ایک اور کتاب میں آپ سوال پوچھتے ہیں۔

> ''پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد۔ حفظ و امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیئے برابر سترہ سالوں (۱۸۸۰ء تا ۱۸۹۷ء) تک پورے جوش۔ سے پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں۔ کوئی نظیر ہے۔ کوئی نہیں"۔(۳)

۱۔ مرزا محمود احمد، تحفہ شہزادہ ویلز، شہنشاہ معظم ویلز کے شہزادے کی خدمت میں تحفہ، منجانب احمدیہ محکمہ نشر اشاعت، صدر انجمن احمدیہ قادیان، راج ہنس پریس، دلی، جنوری 1922ء ص 5

۲۔ مرزا غلام احمد، تریاق القلوب قادیان 1899ء ص 15

۳۔ مرزا غلام احمد ستارہ قیصریہ، قادیان 1899ء ص 3 ''ہمیں مرزا غلام احمد کی انگریز کے حمایت میں لکھی گئی تحریروں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر وہ ذاتی نوعیت کی ہوتیں۔ آخر اور کوئی لوگ انگریز سے کملی وفاداری کا اظہار کر رہے تھے۔ مگر آپ اپنے ہر اس فقرے کو جو آپ کے ہونٹوں سے نکلا ہے وحی و الہام کہتے ہیں ہمیں خدا کی وحی کی رو سے انگریز کی سامراجی ظالمانہ حکومت کی آنکھ بند کر کے اطاعت پر سخت اعتراض ہے
Phoenix, His Holiness, ص 63

قادیانیوں کا جماعتی آرگن ''ریویو آف ریلیجنز قادیان'' بڑے واضح انداز سے مرزا صاحب کی ان خدمات کا تذکرہ کرتا ہے جو انہوں نے برطانوی نو آبادیاتی نظام کے استحکام کے لیئے سرانجام دیں۔ جریدہ لکھتا ہے۔

> ''جماعت احمدیہ کے بانی کی تحریروں کو عظیم سفارتکاروں اور حکومت میں موجود دانشوروں نے بہت سراہا ہے''۔

پشاور ضلع کے مہتمم اور سپرنٹنڈنٹ سر فریڈرک کننگھم نے ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب کو لکھا۔

> ''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ اسلام کے نظریئے کی ایک منصفانہ اور روشن خیال تعبیر ہے جس میں آپ کے علم اور قوت فیصلہ کا برابر حصہ ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں کہ آپ جیسے شہرت یافتہ معلم کے بیان کا ہر اچھا محمڈن (مسلمان) خیر مقدم کرے گا۔ اپنے عقیدے کے محافظ کے طور پر اور اس ثبوت کے باعث کہ اسلام ایسے جرائم پر پردہ نہیں ڈالتا جو عیار یا جاہل لوگ مذہب کے لبادے میں کرتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ کے رسالے اور فتویٰ کی صوبہ سرحد میں وسیع پیمانے پر تشہیر کی جائے''۔(۱)

اسی طرح امریکی یونیورسٹی بیروت کے پروفیسر ٹوائے نے ''اسلامی خطرہ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ جس میں اس نے عام مسلمانوں کے خیالات پر ان اثرات کی تعریف کی گئی جو جماعت احمدیہ نے مرتب کیئے ہیں۔(۲)

جوبلی تقریبات

مرزا غلام احمد برطانوی نو آبادکاروں کے ساتھ وفاداری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ انہوں نے بیس جون ۱۸۹۷ء کو قادیان میں اپنی مربیہ اور کفیلۂ اعظم ملکہ وکٹوریہ کی ساٹھویں جوبلی کے لیئے ایک خاص تقریب کا اہتمام کیا۔ قادیانی

۱۔ دی ریویو آف ریلیجنز' قادیان' جلد 6 '1907ء

۲۔ دی ریویو آف ریلیجنز' جلد پنجم' شمارہ نمبر 5 مئی 1906ء ص 190

زعماء نے چھ زبانوں میں تقریریں کیں اور راج کی برکات پر روشنی ڈالی۔ ملکہ کی درازی عمر اور ہندوستان میں اس کے شاندار راج کی خوشحالی اور استقلال کی دعائیں مانگی گئیں۔ قصبے کے غریب لوگوں میں کھانا تقسیم کیا گیا جبکہ تمام گھروں، گلیوں اور مسجدوں میں چراغاں کیا گیا۔ بیس جون کو وائسرائے ہند لارڈ ایلگن کو مبارکباد کا تار بھجوایا گیا۔ اس مبارک موقع کی مناسبت سے ڈپٹی کمشنر کے ذریعے ملکہ وکٹوریہ کو کتاب تحفہ قیصریہ کا ایک خوبصورت مجلد نسخہ بھجوایا گیا۔ وائسرائے ہند اور پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کو بھی کتاب کے نسخے بھجوائے گئے۔[1] ملکہ عالیہ کو ارسال کردہ نسخے میں انہوں نے بڑے ہی عاجزانہ طریقے سے ایک مختصر حاشیے میں اپنے گھرانے کی ان سیاسی خدمات کا تذکرہ کیا جو ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے دور سے لے کر اسوقت تک جب انہوں نے سلطنت کی خاطر اپنے عظیم کام کا بیڑہ اٹھایا تھا، سرانجام دی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی خدمات گنوائیں اور اپنے آپ کو برطانوی سلطنت کے حد درجہ وفادار، خیر خواہ اور ذلیل خوشامدی کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے بڑی شدت سے ملکہ کی طرف سے جواب کا انتظار کیا اور جب ملکہ نے یہ تحفہ قبول کر لیا تو آپ کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور ملکہ کے اس احسان عظیم پر آپ نے اس کا بے تحاشا شکر ادا کیا۔[2] ملکہ وکٹوریہ کی چھتر دیں جوبلی کا دن ہندوستان میں برطانوی نوآبادکاروں کے لیئے نفرت کی ایک لہر لے کر آیا۔ اسی دن شام کو دو یورپیوں مسٹر رینڈ جو کہ ہندوستانی افسر شاہی سے تعلق رکھتا تھا اور لیفٹیننٹ ایرسٹ کو ایک سرکاری محل کے استقبالیہ سے واپس آتے ہوئے راستے میں ایک ہندو برہمن نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ ایک سیاسی نوعیت کا قتل تھا اور ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف غم و غصہ کا حد درجہ اظہار۔ بائیس جنوری ۱۹۰۱ء کو ملکہ وکٹوریہ نے وفات پائی۔ مرزا غلام احمد اپنی مربیہ ملکہ عالیہ معظمہ کی وفات پر

---

[1] میر قاسم علی، تبلیغ رسالت، جلد 4 ص 130

[2] مرزا غلام احمد، ستارہ قیصریہ، 1899ء ص 4، ملکہ معظمہ کے دربار عالی سے اپنے تحفے اور خدمات کی پسندیدگی کے چند جملوں کے لیئے وہ کتنے بے چین تھے۔ اس کا اندازہ ان کی اس وحی سے لگایا جا سکتا ہے جو چار اکتوبر 1899ء کو ان پر اتری "مجھ پر یہ وحی کی گئی کہ ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے شکریہ" (تذکرہ، ص 341 ایک کشف میں انہوں نے دیکھا کہ ملکہ آپ کے گھر قادیان آئی ہے، تذکرہ ص 327

بڑے رنجیدہ ہوئے اور آپ نے برطانوی حکومت کو مندرجہ ذیل برقی تار ارسال کیا۔

> ”میں اور میرے پیروکار اس گہرے غم کا اظہار کرتے ہیں جو ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی وفات کے باعث بہت بڑے نقصان کی شکل میں برطانوی سلطنت کو پہنچا ہے“۔(۱)

جاسوس ”نبی“

مرزا صاحب کی ایسی تحریریں پڑھ کر بعض اوقات کراہت سی محسوس ہوتی ہے۔ جس میں وہ برطانوی سامراج کی قصیدہ گوئی کرتے ہیں اور جب کبھی بھی وہ برطانوی راج کے متعلق بات کرتے ہیں بلاشبہ اپنے آپ کو ایک کاسہ لیس اور خوشامدی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔(۲) وہ اپنے آپ کو ان حدوں تک لے گئے کہ ایک برطانوی جاسوس کے طور پر خدمات سرانجام دینے پر تیار تھے۔ برطانوی حکومت کو اپنی سیاسی خدمات پیش کرتے وقت وہ ہندوستان کے ان علماء کے نام معلوم کرنے پر اتر آئے جو برطانوی ہند کو دارالحرب قرار دیتے تھے یا جہاد کو ایک ناگزیر ضرورت سمجھتے تھے۔ وہ اسلامی شریعت کی رو سے دارالحرب میں نماز جمعہ کی بجائے نماز ظہر ادا کرنے کے حامی تھے۔ برطانیہ کے ان خفیہ دشمنوں کو بے نقاب کرنے کے لیئے مرزا صاحب نے یکم جنوری ۱۸۹۸ء کو وائسرائے کو میموریل روانہ کیا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ جمعہ کو چھٹی کا دن قرار دیا جائے اور اس تجویز کی تائید کے لیئے تمام سرکردہ مسلمان علماء کے پاس بھجوا دیا جائے۔ اس کے حاشیے میں آپ نے یہ واضح کر دیا کہ جو اس کی توثیق نہیں کریگا وہ اپنے آپ کو حکومت کا مخالف اور انگریز کا دشمن ثابت کرے گا۔(۳) جاسوس پیغمبر نے گورنر جنرل ہند کو ایک درخواست بھیجی جس میں یہ پیشکش کی کہ وہ خدا کی طرف

۱۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں یہ خط موجود ہے دیکھیں حکومت ہند محکمہ داخلہ کی جانب سے لارڈ جارج فرانسس ہیملٹن معتمد برائے داخلہ برائے ہندوستان نمبر 24 بتاریخ 7-3-1901 ' مرزا غلام احمد [illegible] قادیان کی جانب سے برقی تار بتاریخ 24 جنوری 1901ء

۲۔ مرزا غلام احمد نے اپنی تحریروں کے 24 صفحات (1882-1884ء) کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے [illegible] مرزا [illegible] 24 فروری 1898ء کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سر ولیم میک ورتھ ینگ کے نام میموریل) اس کے بعد کی دہائی میں آپ نے اپنی سیاسی خدمات کا زبردست ڈھنڈورا پیٹا اور اپنے آقاؤں سے وفاداری اور عالم اسلام کی مذمت میں بہت بڑھ چڑھ کر اور [illegible] کی تائید حاصل کی

۳۔ (میر قاسم علی قادیان۔ تبلیغ رسالت (مرزا صاحب کے اشتہاروں اور اعلانوں کا مجموعہ) جلد 6 قادیان 1922، ص 6 ' اس کے علاوہ دیکھئے وائسرائے ہند کو آپ کی درخواست۔ یکم جنوری 1898ء

سے بھیجی گئی برطانوی حکومت کے بدخواہوں کو بے نقاب کرے گا اور بڑے خلوص سے التجاء کی کہ علماء کی طرف سے خطبہ جمعہ میں برطانوی راج کی برکات کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ بھی خواہش کی گئی کہ اگر گورنمنٹ چاہے تو قادیانی خفیہ ذرائع سے تیار کی گئی برطانیہ مخالف بیوقوف اور باغی علمائے ہند کی فہرست بھی حکومت کو پیش کر سکتے ہیں۔ دانا حکومت اسے ایک حکومتی راز کے طور پر سنبھال کر رکھے تا کہ اس پر مستقبل میں عملدرآمد کیا جا سکے۔ انہوں نے نمونہ تحریر کا ایک خاکہ جس میں نام' جگہ اور کیفیت وغیرہ کے خاکے بنے ہوئے تھے اس کے ساتھ منسلک کیا تا کہ برطانیہ مخالف علماء کے ناموں کا اندراج کیا جا سکے۔(۱)

اس جاسوسی کے علاوہ انہوں نے بڑے شاطرانہ انداز میں علماء کو غیر ضروری مذہبی مباحثات میں الجھائے رکھا۔ انہوں نے ان کے خلاف بڑی غلیظ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کی اور ان کی کردار کشی کرتے رہے۔ انہوں نے ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کے خلاف برسرپیکار جہادی علماء کے خلاف جنگ چھیڑنے کے بعد ہندو اور عیسائی مذاہب کے رہنماؤں کے ساتھ مباحثے شروع کر دیئے تا کہ برطانوی حکمت عملی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی مطابقت میں فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی کو ہوا دی جا سکے اور ہر مذہب کے لوگوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ اپنے تحفظ اور بقاء اور اپنے نظریات کی تشہیر کیلئے حکومت کا مکمل ساتھ دیں۔ علماء کو مذہبی مباحثات میں عیاری کے ساتھ الجھانے کے بعد مرزا صاحب علماء کے حملہ کا نشانہ برطانوی سامراجیت سے ہٹا کر ارتداد احمدیت پر منتقل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے اپنے مخالفین کے لیئے موت اور ذلت کی پیش گوئیاں کی اور جب ان کی پیش گوئیاں غلط ثابت ہوگئیں تو وہ اپنے بیانات کی تشریح میں احمقانہ طور پر دور کی کوڑیاں لائے۔ ان کو ہمیشہ شرمندگی اٹھانی پڑی۔ مرزا صاحب کے کردار کی بہت اہم بات ان کا ہر پیش گوئی کی تکمیل کے لیے بے

۱۔ تبلیغ رسالت' جلد 5 ص ۱۱

شری پر مبنی اصرار تھا۔ انصاف کے کسی بھی معیار پر یہ آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ منجم آپ سے بہتر پیش گوئیاں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اکثر قیاسات صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کی نبوت کا سب سے بڑا مواد ان کی پیش گوئیاں ہیں جو زیادہ تر ان کے معاشی مفاد یعنی منی آرڈروں کی وصولی۔ چندوں اور تحائف کا حصول اور ان کے دشمنوں کی ذلت اور موت اور مقدمے بازی میں ان کی کامیابی پر منتج ہوتی تھیں۔(۱)

ان کی دلچسپ پیش گوئیوں میں سے ایک ان کی محمدی بیگم سے شادی کی شدید تمنا ہے جو کہ ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک پرکشش اور خوبصورت لڑکی تھی۔ یہ پیش گوئی کی گئی کہ وہ ہر حال میں ان کی دلہن بنے گی مگر یہ نہ ہوسکا۔ آپ نے محمدی بیگم سے شادی کرنے والے بعض اشخاص کی موت کی پیش گوئی کی۔ انہوں نے اپنی پیش گوئیوں میں اسے آسمانی دلہن قرار دیا۔ خوف۔ تحریص اور دباؤ کے ہر حربے کے باوجود اس لڑکی کے والد نے مرزا صاحب کی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا۔ اس فسانہ رسوائی نے ہندو اور عیسائی مخالفین کو ہمارے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر بڑی ہوشیاری سے کیچڑ اچھالنے کا موقع فراہم کر دیا کیونکہ مرزا صاحب بھی اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار اور ہمارے حضور ﷺ کے ظل اور نبی ہونے کے دعویدار تھے۔ مرزا صاحب کی زندگی کے دوران ہی محمدی بیگم کی شادی مرزا سلطان محمود سے ہوگئی اور نہ تو مرزا سلطان نے مرزا صاحب کے الہامات کے مطابق وفات پائی اور نہ ہی محمدی بیگم بیوہ ہوکر آپ کے نکاح میں آئی۔

سرکار کی خفیہ سرپرستی

مذہبی اختلافات کو پروان چڑھانا سامراجی حکمت عملی کا ایک حصہ تھا۔ جس نے ہندوستانی معاشرے کو درجنوں چھوٹے چھوٹے متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ مختلف مذہبی تنظیموں کے درمیان اختلافات کو بڑھانے کے لیئے برطانوی انٹیلی جنس نے

۱۔ دیکھیے مرزا غلام احمد' حقیقت الوحی' قادیان' 1907ء

اپنے آلہ کاروں کے ذریعے اشتعال انگیز اور بدزبانی سے لبریز مواد پھیلانا شروع کر دیا۔ مذہبی مہم جوؤں نے اپنے مخالفین پر حملوں کے لیئے پریس کو بڑی آزادی سے استعمال کیا تاکہ انہیں بے فائدہ مذہبی تنازعات میں مشغول رکھا جا سکے۔

۱۸۸۶ء میں حکومت نے ہندوستان میں ۸۹۶۳ رسالوں کو مندرج کیا۔ جن میں سے ۱۴۸۵ اردو میں ۱۳۵۲ بنگالی میں ۸۴۳ ہندی میں ۶۷۹ انگریزی میں اور بقیہ دیگر زبانوں میں تھے۔ ان میں سے زیادہ تر مذہبی تنازعات سے بھرے ہوتے تھے۔(۱) مرزا غلام احمد نے ایک مخصوص انداز میں ہندو اور عیسائی مذہبی رہنماؤں کے خلاف مذہبی تنازعات شروع کیئے۔ انہوں نے ان کو مباہلوں کے لیئے للکارا۔ ان کی مذمت میں الہام اور وحی پیش کی اور ان کے خلاف غلیظ زبان استعمال کر کے انہیں اشتعال دلایا کہ وہ جوابی کارروائی کریں۔ ان کی اس ذلیل جنگ کا نتیجہ اسلام کے خلاف بہت سی توہین آمیز تحریروں کی صورت میں نکلا۔(۲)

حکومت پنجاب نے پنجاب میں موجود مختلف گروہوں اور فرقوں کے درمیان ان تنازعات کا قریبی جائزہ لیا۔ اعلیٰ برطانوی حکام کو مذہبی لڑائی بھڑکانے میں مرزا غلام احمد کی سرگرمیوں کی خصوصی رپورٹ دی گئی۔ ۱۸۹۳ء میں ضلع امرتسر کے ایک میڈیکل مشنری ہنری مارٹن کلارک کے ساتھ انہوں نے ایک مذہبی مباحثہ کیا جس کے نتیجے میں امرتسر میں مرزا صاحب اور پادری عبداللہ آتھم کے درمیان بحث چھڑ گئی جو کہ مسلمان سے عیسائی ہوا تھا اور سیالکوٹ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا۔ حکومت پنجاب کے محکمہ داخلہ کی روداد میں ایسی مباحث کا ایک تواتر دیا گیا ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مختلف عنوانات کے تحت ہوئی تھی۔ عیسائیوں کی طرف سے ہنری مارٹن اور عبداللہ آتھم جبکہ مسلمانوں کی نام نہاد نمائندگی کے لیئے مرزا غلام احمد قادیانی پیش ہوتے رہے۔ یہ مباحثہ کسی بھی فریق کی کامیابی کے بغیر چودہ دن جاری رہنے کے بعد ختم

ا۔ نیو یارک میں منعقدہ تبلیغی مجلس لندن کی اطلاع 1886ء ص 319

۲۔ مولانا ظفر علی ظفر ستیارتھ پرکاش اور مرزا غلام احمد لاہور

ہو گیا۔ مرزا صاحب نے فریق مخالف یعنی پادری آتھم کی پندرہ ماہ کے اندر اندر موت کی پیش گوئی کی۔ بقول ان کے یہ آپ کو خواب میں خدا کی طرف سے وحی کی صورت میں بتایا گیا تھا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ آتھم کی موت واقع نہ ہونے کی صورت میں ان کو بے شک بے عزت کیا جائے اور جھوٹی بات پر اڑے رہنے پر پھانسی دے دی جائے۔(۱)

چار ستمبر ۱۸۹۷ء کو پندرہ ماہ کی معیاد ختم ہو گئی اور آتھم نہ مرا۔ عیسائی پادریوں نے احمدیوں کا مذاق اڑایا اور قادیانی شاطر کی مذمت کی۔ مرزا صاحب بے حیائی سے اپنی اس پیش گوئی کی تکمیل پر اڑے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ آتھم نے دراصل سچائی کی طرف رجوع کر کے خود کو بچا لیا ہے۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے "ایک خطرناک جنونی" کے عنوان سے لکھا۔

> "پنجاب میں ایک مشہور جنونی ہے جس کا ہمیں پتہ چلا ہے کہ گورداسپور میں ہے اور اپنے آپ کو مسلمان اور مسیح موعود کہتا ہے۔ امرتسر میں ایک مقامی عیسائی شریف آدمی کے بارے میں موت کی پیش گوئیوں سے چند ماہ تک شہر میں ہیجان برپا کیئے رکھا لیکن بدقسمتی سے اس کے الہامی دعوے بری طرح سے اسی کو واپس مل گئے اور مرنے والا ابھی زندہ ہے۔ اس طرح کا جنونی شخص لازمی طور پر پولیس کی نگرانی میں ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی باہر پرچار کرنے کے لیئے جاتا ہے تو امن کو شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے کافی پیروکار ہیں جو جنون میں اس سے تھوڑے سے کمتر ہیں۔ یقیناً ایسے آدمی کے بے سود الہامات و تخیلات سے کسی سیاسی خطرے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے پاگل پن میں ایک طریقہ کار ہے۔ بلاشبہ اس میں تعلیمی قابلیت ہے اور اس کی تحریریں ضخیم جلدوں میں ہیں۔ یہ تمام باتیں ایک خطرہ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ راسخ العقیدہ لوگوں میں وہ ایک ملعون شخص ہے جس کی شہرت مدراس جیسی دور دراز جگہ پر بھی پہنچ گئی ہے۔(۲)

آتھم کی طرح مرزا صاحب نے ایک ریٹائرڈ پولیس ملازم پنڈت لیکھ رام

۱۔ حکومت پنجاب' روداد محکمہ داخلہ جنوری تا جولائی 1894ء منجانب جے جے سائم ناظم ہدایات عامہ پنجاب بجانب چیف سیکرٹری حکومت پنجاب نمبر 457' بتاریخ 22-2-1894' انڈیا آفس لائبریری لندن

۲۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ' 24 اکتوبر 1894ء

پشاوری آریہ سماجی کے ساتھ مباحثہ شروع کیا۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ لیکھ رام فروری ۱۸۹۸ء تک مر جائے گا۔ اس کو بنی اسرائیل کے ایک بچھڑے کے طور پر پیش کیا گیا۔ چھ مارچ ۱۸۹۷ء کو لاہور میں لیکھ رام پراسرار طور پر قتل ہو گیا جس سے پنجاب میں وسیع پیمانے پر فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب نے اپنے دعوے پر مزید زور دیا۔ ایک آریہ سماج رہنما لالہ لاجپت رائے اس واقعہ کے سلسلہ میں بیان کرتا ہے۔

> "آریہ سماج کی تاریخ میں مارچ ۱۸۹۷ء میں لیکھ رام کا قتل ایک یادگار واقعہ ہے وہ ایک پرلگن آریہ سماجی اور سوامی دیانند کا مخلص پیروکار تھا۔ پرتی ندھی سبھا نے اسے گزر اوقات کے لیئے کچھ رقم دے رکھی تھی۔ وہ غیر مہذب تھا۔ قتل کے بعد لاہور میں اس کی ارتھی جلائی گئی۔ قاتل کی نشاندہی کے لیئے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور کمیٹی کا کام لاجپت کے سپرد کیا گیا۔ پولیس اور سماج نے ملزم کو ڈھونڈنے کیلیئے اپنے اپنے آلہ کاروں کی ذمہ داری لگائی مگر مسلمانوں نے ان کے تمام منصوبے تلپٹ کر دیئے۔ دو یا تین آدمی گرفتار ہوئے مگر عدم پہچان کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا گیا۔ لوگ مکمل طور پر جان گئے تھے کہ اس کے پیچھے ایک بڑی وجہ بھی تھی۔ لاہور کے مسلمان قاتل کے ہمدرد تھے اور یہ قتل ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا جس میں لاہور کے مسلمان رئیس شامل تھے جنہوں نے قاتل کو پناہ دی اور اسے بھاگ جانے میں مدد دی"۔(۱)

نورا کشتی

آتھم کے سرپرست ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے یکم اگست ۱۸۹۷ء کو امرتسر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مرزا غلام احمد پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۷ کے تحت مقدمہ درج کروا دیا جس میں یہ الزام لگایا گیا کہ مرزا صاحب نے عبدالحمید نامی شخص کو بھیج کر اسے قتل کرانے کی کوشش کی ہے۔ مقدمہ بعد ازاں مسئلہ اختیار سماعت کی

۱۔ لاجپت رائے خود نوشت تحریریں مدیر وجے چندر جوشی دلی 1965 ص 75

بنیاد پر ضلعی منتظم گورداسپور کی عدالت میں چلا گیا۔ سماعت کے دوران پولیس نے مرزا غلام احمد کی طرف سے پیروی کے وقت عبدالحمید پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے پہلے بیان کو تبدیل کر دے۔ اس سے مقدمہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ مرزا کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کی جا سکتی تھی۔ یہ ایک جوڑ توڑ کا معاملہ تھا۔ انگریزوں نے اپنی تیار کردہ ساری کارروائی بڑی دلچسپی سے دیکھی۔ کرنل ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے بعدازاں عبدالرحیم درد کو بتایا کہ اس مقدمے کی ساری نگرانی حکومت پنجاب نے کی تھی۔(1)

ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ نے مرزا صاحب کے بارے میں قائم شدہ اس عام تاثر کو زائل کر دیا کہ آپ اپنے آلہ کاروں کے ذریعے اپنے مخالفین کو اپنی پیش گوئیوں کی تکمیل کے لیئے قتل کروا دیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو مباہلوں کی للکار دی اور ان کی تذلیل جاری رکھی۔ حتیٰ کہ چوبیس فروری ۱۸۹۸ء کو حکومت پنجاب نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کسی ایسی پیش گوئی کی اشاعت سے باز رہیں جس میں کسی شخص کی تذلیل مقصود ہو یا اسے خدائی قہر کا نشانہ بنایا جائے۔ اس حکم کا مقصد مذہبی غیض وغضب سے اٹھنے والی شدت کو روکنا تھا اور ان کے مخالفین کو ٹھنڈا کرنا تھا جو زیادہ تر محمد حسین بٹالوی کے پیروکار تھے۔ برطانوی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ یہ ایک عارضی اقدام تھا۔ برطانوی سلطنت کے وفادار آلہ کار مرزا صاحب نے بڑی وفاداری سے حکم کی تعمیل کی اور کچھ عرصہ تک انہوں نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔ اگر وہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہوتے اور خدا نے اپنی خواہش آپ پر منکشف کی ہوتی تو کبھی خاموش نہ رہتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی اپنے برطانوی آقاؤں کی دھن پر رقص کر رہے تھے۔ آپ محض برطانوی سامراجیت کے ترجمان تھے اور ان کا سوائے اس کے کہ برطانوی نو آبادکاروں کے سیاسی منصوبوں کی تکمیل کی جا سکے، کوئی خدائی نصب

1۔ عبدالرحیم درد، سابقہ حوالہ

العین نہ تھا۔

مذہبی مباحث پر ایک یادداشت

انیسویں صدی کے آخر میں عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں نے اسلام کے خلاف جاہلانہ اور جارحانہ حملوں کا سیلابی دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے مرزا صاحب کی طرف سے ان کے رہنماؤں پر کی گئی تنقید، آپ کی تحریروں اور پیش گوئیوں میں کی جانے والی اہانت کو بہانہ بنایا۔ برطانوی افسر شاہی کے خفیہ ہاتھ نے صورتحال کو مزید خراب کرنے میں خطرناک کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر احمد شاہ نامی ایک مرتد لندن میں رہائش پذیر تھا۔ اس سے پہلے انگریزوں نے اسے لداخ میں میڈیکل افسر مقرر کیا تھا۔ اس نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق ایک غلیظ کتاب لکھی۔ برطانوی محکمہ خفیہ نے آر۔ پی تبلیغی پریس گوجرانوالہ پنجاب میں کئی ہزار کاپیاں طبع کرائیں۔ کتاب کا نام "امہات المومنین" رکھا۔ اس کی ایک ہزار کاپیاں چھپوا کر تقسیم کی گئیں تاکہ مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا جا سکے اور ہندوستان کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کشیدگی اور نفرت کو اور زیادہ بھڑکایا جائے۔

اکیس اپریل ۱۸۹۸ء کو انجمن حمایت اسلام لاہور نے حکومت کو ایک یادداشت ارسال کی جس میں اس کتاب کی ضبطی کے احکامات کا مطالبہ کیا گیا۔(۱) مرزا صاحب نے مورخہ چار مئی ۱۸۹۸ء کو حکومت سے استدعا کی کہ حکومت اس کتاب کو ممنوع قرار نہ دے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان اس کا ایک جواب تیار کریں۔ انہوں نے انجمن کے اس اقدام پر تنقید کی اور حکومت سے ان کی یادداشت کو نظرانداز کرنے کو کہا۔(۲) ہندوستان میں مذہبی جوش و خروش بڑھتا گیا۔ مذہبی رہنماؤں نے اپنے مخالفین کی شخصیات و عقائد پر بے دردی سے حملے شروع کر دیئے اور کسی طرح کی شائستگی کا

۱۔ حکومت پنجاب، روداد محکمہ داخلہ نمبر 13 تا 26 فائل نمبر 135، جون 1848ء انڈیا آفس لائبریری لندن

۲۔ تبلیغ رسالت، جلد 7 ص 27، روداد محکمہ داخلہ، جون 1898ء انڈیا آفس لائبریری لندن

خیال نہ رکھا۔ اس تناؤ کے ماحول میں اکتوبر ۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب نے وائسرائے ہند لارڈ ایلگن کو ایک یادداشت ارسال کی۔ انہوں نے ایک ضابطہ اخلاق کی تجویز پیش کی جس کی رو سے مخالفین کو مذہبی تنازعات میں بدکلامی اختیار کرنے سے روکنا اور قانون کے دائرے میں لانا تھا۔(۱) انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ مذہبی تنازعات سے نکلنے والی حد درجہ حرارت برطانوی حکومت کے پرامن راج کے لیئے خطرہ کھڑا کر دے گی اور یہ سیاسی بے چینی کی طرف بھی لے جاسکتی ہے۔ مسلمان جنونیوں کو مذہبی اشتعال پر مبنی تحریریں برطانوی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر اکسا سکتی ہیں جس طرح ۱۸۵۷ء کی شورش میں ہوا تھا۔ اس یادداشت کا مقصد سیاسی بغاوت کو روکنا اور اپنے سامراجی آقاؤں کو تجویز پیش کرنا تھا کہ وہ ابھرتے ہوئے سیاسی حالات کی روشنی میں مذہبی معاملات میں اپنی غیر جانبدارانہ حکمت عملی پر نظر ثانی کریں۔ یہ تجویز برطانوی آقاؤں کے لیئے شدید محبت اور وفاداری کے تحت دی گئی تھی۔ برطانوی حکومت نے ان کی تجویز مسترد کر دی اور اس پر کوئی عملدرآمد نہ کیا۔(۲) مرزا کی اس تحریک کی سیاسی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالرحیم درد لکھتے ہیں۔

> ''اس تجویز پر عملدرآمد حکومت کے اپنے لیئے مفید تھا۔ سیاسی طور پر گمراہ عناصر لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کے لیئے مذہبی جھگڑوں کا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس بات کا احساس کرکے حکومت نے ۱۸۹۷ء میں بغاوت ایکٹ منظور کیا تھا مگر اس کے نفاذ کے باوجود ملک قانونی پابندی سے پھسل کر بے اطمینانی کی طرف جا رہا تھا۔ چونکہ ہندوستان مستقل طور پر ایک مذہبی سرزمین رہی ہے اور اس کے لوگ سیاسی مسائل کی بجائے مذہبی

۱۔ حکومت پنجاب محکمہ داخلہ کارروائی نمبر 174-182 فائل نمبر 135 اکتوبر 1848ء ''مرزا غلام احمد قادیانی کی یادداشت مذہبی تنازعات کے بارے میں''۔ انڈیا آفس لائبریری لندن۔ حکومت پنجاب کارروائی محکمہ داخلہ اکتوبر 1898ء۔ انجمن حمایت اسلام لاہور اور مونگیر کی جانب سے پیش کردہ یادداشت ''امہات المومنین'' نامی کتاب کی اشاعت کے خلاف مولوی ابوسعید محمد حسین کا لکھا ہوا ایک مضمون جس کے ساتھ مرزا غلام احمد کی یادداشت بھی تھی۔ جس میں کئی تجاویز دی گئی تھیں کہ کس طرح مذہبی مخالفین کو ضابطے کا پابند بنایا جائے کہ وہ جرم کے مرتکب نہ ہو سکیں۔ انڈیا آفس لائبریری لندن۔

۲۔ حکومت ہند۔ محکمہ داخلہ کہتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے پیش کردہ یادداشت پر گورنر جنرل کی کونسل کوئی اقدام اٹھانے کو تیار نہیں جو کہ ''امہات المومنین'' نامی کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہے۔ (مراسلہ نمبر 2602- بتاریخ 1898-12-31) کمشنر لاہور سے درخواست کی گئی کہ وہ مرزا صاحب کو اس بارے میں مطلع کر دے۔ حکومت پنجاب محکمہ داخلہ کی روداد فائل نمبر 35- اکتوبر 1898ء- انڈیا آفس لائبریری لندن۔

> مسائل پر بہت جلدی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں لہٰذا اس قانون سے بھی درحقیقت حکومت کو مثبت نتائج حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ ۱۸۹۷ء کے بغاوت ایکٹ سے بھی مذہبی لڑائیوں کی روک تھام نہ ہو سکی اور جب اس کی معیاد گزر گئی تو حکومت نے ایسی کسی دفعہ کی کوئی پرواہ نہ کی"۔(۱)

مرزا صاحب نے مخالفین کے خلاف اپنی گھٹیا اور گندی زبان کے استعمال کی دلچسپ توجیہہ پیش کی جسے آپ متواتر عیسائیت اور پادریوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے عیسائیت مخالف طرز عمل اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات پر رکیک حملوں کا یہ جواز پیش کیا کہ ان کی غیر شائستہ تحریریں سر پھرے مسلمانوں کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے تھیں۔ وہ ان تحقیر آمیز اور سخت تحریروں کو پڑھ کر مطمئن ہو گئے اور اپنے انتقام آور رویہ سے باز آ گئے جو بصورت دیگر ملکی امن کیلئے پرخطر ثابت ہو سکتا تھا۔ دوسرے انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ عیسائیت مخالف تحریریں مسلمان ممالک میں سیاسی اہمیت کی حامل قرار دی جاتی ہیں۔ ایسی تحریریں پڑھ کر مسلمان برطانوی حکومت کی مذہبی حکمت عملی کو پسند کرتے ہیں اور اس کے لیئے محبت بھرے جذبات رکھتے ہیں۔(۲) ان کا یہ خیال تھا کہ برطانوی مسلمانوں پر مائل بہ کرم ہیں اور ان کے اقتدار سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر بھاری مقدار میں قادیانی مذہبی لٹریچر مسلمان ممالک میں بھجوا دیا گیا تا کہ سامراجی پروپیگنڈا کیا جا سکے۔

مرزا صاحب یہ بات کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ عیسائی تبلیغی مراکز کی جڑیں سامراجی توسیع پسندی میں پیوست ہیں اور جب تک سامراج برداشت کرے اس کے مذہبی دم چھلے قائم رہ سکتے ہیں اور جب تک سامراج زندہ ہے، دجال نہیں مارا جا سکتا۔ انہوں نے سامراجیت کی تعریف کے نغمے گائے لیکن اس کے بچے کو مذموم قرار دیا۔ وہ گڑ کھاتے رہے اور گلگلوں سے پرہیز کرتے رہے۔(۳) مرزا غلام احمد کی سخت تحریروں

۱۔ عبدالرحیم درد The Life of Ahmad ' لاہور 1948ء۔ ص 433

۲۔ مرزا غلام احمد۔ تریاق القلوب۔ قادیان 1899ء۔ ص 317

۳۔ Phoenix, His Holiness, P-68

اور ناشائستہ طرز عمل پر مسلمان علماء کی ایک جماعت نے ان کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی ٹھانی۔(۱) جس سے ان کے لہجے کی سختی میں مزید اضافہ ہوا۔ تاہم مخالف حملے نے ان کو ان مولویوں کے خلاف قانون کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا جو ان کے لیئے سدّ راہ بن گئے تھے۔ دراصل مرزا صاحب حکومت کی مدد سے اپنے لیئے ایک دفاعی حصار قائم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی نبوت میں قوت برداشت کی کمی تھی۔ وہ انگریز کی بھرپور سرپرستی کے خواہاں تھے۔ تحریک احمدیت کا کوئی صحیح نصب العین نہ تھا۔ اسی لیئے مرزا صاحب اپنی بقاء کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف اور خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی نبوت آنے والے طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انگریزوں کے تلوے چاٹتے رہے اور تحفظ کے لیئے گڑگڑاتے رہے۔ وہ یہ امید رکھتے تھے کہ انگریز ان کی نبوت کو اپنے متبنّیٰ اور لے پالک بچے کی طرح پالیں گے اور ان کے سیاسی مفادات کا مذہبی انداز سے تحفظ کریں گے۔(۲)

۱۔ حکومت پنجاب محکمہ داخلہ کی کارروائی۔ فائل نمبر 29۔ مئی 1898ء ''مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کی ''جعفر زٹلی'' کے مدیر کے خلاف شکایت' انڈیا آفس لائبریری لندن

۲۔ Phoenix, His Holiness, ص 121

دوسرا باب

مذہبی دعوؤں کی سیاست

مرزا صاحب کا سارا کاروبار صرف اور صرف مذہب کی آڑ میں سیاست تھی جس کا اسلام کے احیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ انگریزوں کے آلہ کار اور مسلمانوں کے اتحاد کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ مجدد، مہدی، مسیح موعود، نبی، رسول اور کرشن اوتار کے دعوے صرف سیاسی تماشے تھے۔ ان کے سیاسی کاروبار کی نوعیت سمجھنے کیلئے ہم ان کے مہدویت کے دعوے سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

مہدی

احادیث کے مطابق مہدی ایک ہدایت یافتہ شخصیت ہونگے جو نبی کریم ﷺ کے طریق پر خلافت قائم کریں گے اور زمین کو اس وقت عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ جب اُسے زمین سے منتشر اور نکالا جا چکا ہوگا۔ وہ ''ایک جنگ جو اور اسلام کے عظیم سپاہی'' ہوں گے ۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے سیاسی مقاصد کو پروان چڑھانے کے لیئے کئی مذہبی مہم جوؤں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ سیاسی مقاصد کی خاطر ایران کے بابیوں اور ہندوستان کے قادیانیوں نے اس کا سب سے زیادہ استعمال کیا۔ جب کبھی مسلمانوں کی سیاسی قوت تنزل کا شکار ہوئی تو کوئی نہ کوئی مہدی اٹھ کھڑا ہوا۔ انیسویں صدی کے سیاسی حالات کے باعث مہدی کے تصور نے بڑی اہمیت حاصل کی۔ یہ تصور بحال کرنے اور کسی قوم کی امید زندہ رکھنے کے لیئے استعمال ہوتا تھا۔ یہ توقع کی جاتی تھی کہ مہدی علیہ السلام آ کر ماضی کی شان وشوکت بحال کریں گے اور

اسلامی دنیا کو ایک خوشگوار انجام تک لے جائیں گے۔

مرزا صاحب نے مہدی کا دعویٰ ۱۸۹۱ء میں کیا۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ان کی ذات میں مہدی کے متعلق تمام پیش گوئیاں مکمل ہوگئی ہیں۔ مگر مہدی کے جہادی پہلو کے متعلق سوچ کر وہ خوف سے کانپ جاتے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ''عدم تشدد کا حامی مہدی'' قرار دیا جو زمین پر جنگ کو روکنے آیا تھا۔ انہوں نے انگریزوں اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی سرتوڑ کوشش کی کہ مہدی کی عالمی فتوحات کی جو پیش گوئیاں ہیں وہ امن کی فتوحات ہیں جنگ کی نہیں۔ اپنی کتابوں میں انہوں نے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا کہ وہ ایک خونخوار جنگجو اور خونی مہدی کے تصور کو پروان چڑھا رہے ہیں جو غیر مسلم یہودیوں اور عیسائیوں کو قتل کرے گا۔(۱) ایسا کوئی مہدی نہیں آ سکتا جو جہاد شروع کرے۔ وہ ایک ابلاغ کار تو ہوسکتا ہے' سپاہی نہیں۔ انگریزوں کے خلاف جنگ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ خواہ ہندوستان میں یا اسلامی دنیا میں کہیں اور اس کی ضرورت پیش آئے۔

انیسویں صدی کے آخر میں نو آبادیاتی قومیں ایشیاء اور افریقہ میں نو آبادیوں کے لیئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ فرانسیسی سامراج نے تیونس پر قبضہ کر لیا اور برطانیہ' مصر لے گیا۔ مصر کے معاملات میں برطانیہ کی مداخلت ۱۸۷۵ء میں شروع ہوئی جب برطانوی وزیر اعظم ڈزرائیلی نے نہر سویز کے حصص خریدنے کے لیئے بات چیت شروع کی۔ اس کے بعد اگلی دہائی میں بھی انہوں نے ''پر امن نفوذ پذیری'' جاری رکھی۔ خدیو اسماعیل نے نو آبادیاتی شکنجے سے جان چھڑانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ۱۸۷۹ء میں مصری فوج میں ایک بغاوت ہوئی جو دبا دی گئی۔ دو سال بعد کرنل احمد اعرابی نے مصری معاملات میں برطانوی مداخلت کے خلاف چند فوجی افسران اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ مل کر ہتھیار اٹھا لیئے۔ گیارہ اور بارہ جون کو اسکندریہ میں بلوہ ہوا۔ ایک مہینے بعد برطانوی امیر البحر فریڈرک بی۔ کیمپ نے وہ کیا جسے بعد میں ولزلی نے ''سکندریہ پر

۱۔ مرزا غلام احمد۔ حقیقت المہدی۔ قادیان 1899ء۔ ص 6 اور محمد علی۔ مرزا غلام احمد۔ لاہور۔ 1967ء ص 5

احمقانہ اور مجرمانہ بمباری" کا نام دیا۔ لندن میں اعرابی کی جنگ آزادی کو ختم کرنے کے لیئے گلیڈ سٹون حکومت نے فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر ۱۸۸۲ء میں فوج کے نائب سالار ولزلی کو تل کبیر کی جنگ میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جو کہ نہر سویز اور قاہرہ کے تقریباً وسط میں ہوئی تھی۔ تاہم برطانوی فوجیں کامیاب رہیں اور کرنل احمد کی فوجیں جزیرہ میشلیو کی طرف ہٹ گئیں۔ ۱۸۸۳ء میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا اور اس حقیقت کے باوجود کہ مصر ترکی سلطنت کا حصہ تھا۔ برطانیہ نے اس پر اپنا نو آبادیاتی تسلط جاری رکھا۔

اعرابی کی نو آبادیاتی مخالف بغاوت کے دوران سوڈان میں ایک مذہبی رہنما (محمد احمد) المہدی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے وہ کچھ کیا جو اس سے پہلے کوئی بھی نہ کر سکا تھا۔ انہوں نے تمام قبائل کو متحد کیا اور ان تمام مصری دستوں کو متواتر شکستیں دیں جو انہیں گرفتار کرنے کے لیئے بھیجے گئے تھے۔ جلد ہی نیل کے مغرب میں مہدی کے درویشوں نے پورے سوڈان کا مکمل اختیار سنبھال لیا۔(۱)

۱۸۸۳ء میں دس ہزار فوجیوں کو لے کر برطانوی جرنیل ہکس نے درویشوں کے خلاف لڑنے کے لیئے صحرا میں بڑھنا شروع کیا۔ جذبہ جہاد سے سرشار مہدی کی فوجوں نے دس ہزار آدمیوں کی اس فوج کا مکمل صفایا کر دیا جس سے برطانوی حیران اور خوفزدہ ہو گئے۔ لارڈ فٹ موریس نے دارالامراء کو بتایا کہ جب سے فرعون کے ساتھی بحیرہ احمر میں ڈوب کر تباہ ہوئے اس وقت سے کسی فوج کی اتنی مکمل تباہی آج تک نہیں ہو سکی۔(۲) سوڈانیوں اور عرب ممالک کی کثیر تعداد نے یہ یقین کر لیا کہ آپ ہی اصل مہدی ہیں جن کی آمد کی خوشخبری حضور اکرم ﷺ نے دی تھی۔ برطانوی سامراجیوں نے درویشوں کے خلاف لڑنے کیلئے چارلس گورڈن کا انتخاب کیا۔ گورڈن نے عرب تائیوان کی چین میں تائی پنگ بغاوت کو کچل کر بڑا نام کمایا تھا۔ اس تحریک کا سربراہ خدا کا پیغمبر'

۱۔ مہدویہ برطانوی یا مصری تاریخ کا ایک باب یا حصہ نہیں بلکہ یہ اسلامی احیاء کے خودمختار تاریخی عمل کا حصہ ہے۔ دیکھیئے پی ایم ہولٹ۔ سوڈان میں مہدی ریاست۔ 89-1881ء آکسفورڈ 1958ء، اور محمد شکیبہ "سوڈان میں برطانوی حکمت عملی۔ لندن 1952ء

۲۔ لٹن سٹارکی۔ Eminent Victorians چٹوئی اور ونڈس۔ لندن 1974ء۔ ص 255

خدا کا بیٹا عالمی بادشاہ اور حضرت مسیح کا چھوٹا بھائی ہونے کا دعویدار تھا۔ وہ بھی مرزا کی طرح اپنے علمی مقاصد میں ناکامی پر سیاست کی طرف راغب ہوگیا۔ ۱۸۶۴ء میں گورڈن نے "مسیح کی بغاوت" کچل دی اور نان کن پر قبضہ کرلیا۔

مہدی کی فوجوں کے بڑھتے ہوئے عسکری دباؤ کے سامنے گورڈن نے اپنی چھاؤنیاں ہٹالیں اور برطانوی احکامات کے خلاف خرطوم پر اپنا قبضہ جاری رکھا جب تک کہ ۱۸۸۵ء میں مہدی کی فوجوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ درویشوں نے جنرل گورڈن کو مار ڈالا۔ ملکہ وکٹوریہ اصرار کرتی رہی کہ ہندوستانی دستوں کو عدن سے حرکت دی جائے کہ وہ گورڈن کو بچا سکیں۔ مشہور انگریزی شاعر لارڈ ٹینی سن نے گورڈن کے بارے ایک نظم لکھی اور برطانوی پریس نے اسے سیاسی ولی کا خطاب دے دیا۔ ریڈورز بلر نے تاہم یہ کہا کہ "یہ آدمی اونٹوں سے بھی کم حیثیت کا مالک تھا"۔(۱)

(The man was not worth the camels)

محمد احمد المہدی سوڈانی کو برطانوی فوجیں کبھی بھی نیچا نہ دکھا سکیں۔ دس سال کے عرصے کے بعد کچنر نے ۱۸۹۶ء میں سوڈان کو سامراجی دائرہ اختیار میں زبردستی لانے کے لیئے فوجی مہمات شروع کیں۔ ایک سال کے بعد مہدی کے خلیفہ کو بڑی خون ریزی کے بعد شکست ہوئی اور وہ ایک سال بعد شہید ہو گئے۔ کچنر نے مہدی کا مقبرہ تباہ کر دیا۔ ان کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینکوا دی گئیں اور یہ تجویز ہوا کہ ان کی کھوپڑی رائل کالج آف سرجنز کو بھجوائی جائے جہاں اس کی نپولین کی آنتوں کے ساتھ نمائش کی جا سکے۔ بعد ازاں وادی حلفہ میں یہ کھوپڑی رات کے وقت خفیہ طور پر دفن کر دی گئی۔

مہدی کی سوڈان میں جنگ آزادی نے عرب اور شام میں سنگین خطرے بھڑکا دیئے۔ مسلمانانِ ہند نے بھی برطانوی فوجوں کی ذلت آمیز شکستوں پر اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے مہدی سوڈانی کو عزت و احترام دیا۔ انہیں خطوط بھیجے اور انہیں قوموں کے نجات دہندہ کا درجہ دیا۔ ہندوستان میں یہ مکمل یقین تھا کہ مہدی سوڈانی تمام افریقہ

۱۔ رچرڈ گیرٹ ۔ جنرل گورڈن۔ آرتھر بیکر لمیٹڈ۔ لندن 1974ء ص 215

کو فتح کرنے کے بعد انڈیا بھی فتح کریں گے اور غیر ملکی شکنجوں سے مسلمانوں کو آزاد کرائیں گے۔(۱) جب مہدی سوڈانی کی تحریک پورے زوروں پر تھی۔ مرزا صاحب جہاد کی مذمت اور برطانوی سامراج کے روشن ترین خاکے تیار کر کے مذہبی مواد کی بھاری مقدار افریقہ کو بھجوا رہے تھے۔(۲) اپنی کتاب حقیقت المہدی میں انہوں نے جہادی اور خونی مہدی کی سخت مذمت کی(۳) اور دعویٰ کیا کہ پچھلے بیس سالوں سے (۱۸۷۹ء ۱۸۹۹ء) وہ تصور جہاد کے خلاف پرچار کر رہے ہیں۔ ایک خونی مہدی اور مسیح کی آمد کے نظریئے اور جہاد مخالف لٹریچر کی عرب ممالک خصوصاً ترکی، شام، کابل وغیرہ میں تقسیم جاری رکھی۔ اپنی کتاب کے ساتھ عربی اور فارسی میں ایک اٹھارہ صفحات کا ضمیمہ منسلک کر کے انہوں نے عرب ممالک کے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ ان کے مہدویت کے دعویٰ کو تسلیم کر لیں اور جہاد کے نام پر جنگیں بند کر دیں اور برطانوی حکومت کے بارے میں گہرا احترام اپنے دلوں میں بٹھا لیں۔(۴) ایک دوسری کتاب ''ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں تحفہ'' میں وہ ذکر کرتے ہیں۔

> ''والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد یہ عاجز دنیا کے شغلوں سے بالکل علیحدہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مشغول ہوا اور مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیئے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے۔ لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس کی دولت کا شکر گزار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو۔ فارسی اور عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ میں بھی شائع کر دیں اور روم

۱۔ اے ایگمن ہیک۔ دی جرنلز۔ میجر جنرل سی جی گورڈن۔ سی بی الخرطوم۔ کیگن پال ٹرنچ اینڈ کمپنی۔ لندن۔ 1885ء۔ ص 44

۲۔ دیکھیے مرزا غلام احمد۔ ستارہ قیصریہ۔ 1899ء۔ قادیان ص 403

۳۔ حقیقت مہدی۔ قادیان 1899ء

۴۔ ایضاً

> کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا، اشاعت کر دی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ہو رہی ہے اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکتا"۔(۱)

پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کے نام ایک درخواست میں لکھتے ہیں کہ

> "ایسی کتابوں کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہزار ہا روپیہ خرچ کیا گیا"۔(۲)

کیا اپنی جیب سے ہزاروں روپے خرچ کر کے برطانوی حمایت میں لٹریچر چھپوانے میں کوئی مقصد کارفرما ہے؟ کیا احمدی اس پر روشنی ڈالیں گے؟ یہ ہزاروں روپے (جن کی آج وقعت کروڑوں روپے بنتی ہے) کہاں سے آئے؟ ۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب نے انکم ٹیکس کے ایک مقدمہ میں اپنی سالانہ آمدنی سات سو روپے سے کم ظاہر کی تھی جس پر ضلع گورداسپور کے کلکٹر ٹی ٹی ڈکسن نے انہیں انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ مرزا صاحب اسے ایک خدائی نشان قرار دیتے ہیں۔(۳) برطانوی پروپیگنڈہ مہم میں خرچ کے لیئے ہزاروں روپوں کا کہاں سے انتظام ہو سکا؟ جواب بالکل صاف ہے۔ سیاست کے اس غیر ذمہ دارانہ کھیل کی مدد کے لیئے برطانوی خفیہ تنظیموں کی تفویض پر خفیہ مذہبی رقومات رکھی گئی تھیں۔ ہندوستان اور اس کے باہر برطانیہ کی حمایت میں پروپیگنڈہ مہم کی تدوین اور اسے جاری رکھنے کے لیئے فری میسن اور یہودی بھی انہیں رقومات دیتے تھے۔ مرزا صاحب نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں اس لٹریچر کے ساتھ چند عرب شرفاء کو بھی بھیجتے رہے ہیں۔(۴)

قادیان کی خفیہ تنظیم کے تربیت یافتہ یہ جاسوس اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ

۱۔ مرزا غلام احمد تحفہ قیصریہ۔ ص 27

۲۔ مرزا غلام احمد تحفہ قیصریہ۔ قادیان۔ 1897ء ص 27

۳۔ مرزا غلام احمد۔ ضرورت الامام۔ قادیان۔ 1899ء ص 8

۴۔ مرزا غلام احمد کی تیار کردہ یادداشت کی منظوری کے لیئے ملکہ معظمہ وکٹوریہ۔ ہندوستان کے منتظم اعلیٰ پنجاب کے نائب منتظم اور ہندوستان کے دوسرے اہلکاروں کو پیش کی گئی۔ تبلیغ رسالت۔ جلد 3 ص 196

قریبی تعلقات قائم رکھتے تھے اور زیادہ تر مبلغین کے لبادے میں کام کرتے تھے۔ غلام نبی قادیانی۔ عبدالرحمٰن مصری، عبدالحی عرب (۱) اور شاہ ولی اللہ قادیانی کو انیسویں صدی کے آخر میں تخریب کارانہ مقاصد کے لیئے مصر بھیجا گیا۔ ان کی خدمات قاہرہ میں برطانوی خفیہ والوں کو تفویض کر دی گئیں۔

ہمارے ذہنوں میں ایک اور اہم سوال ابھرتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ تھا کہ برطانوی ہند میں جہاد ممنوع اور غیر قانونی ہے مگر انہوں نے اسے بقیہ اسلامی دنیا کے لیئے مکمل طور پر غیر قانونی اور ممنوعہ کیوں قرار دیا۔ جہاں مسلمان یورپی سامراجیت کے خلاف اپنی بقاء کی شدید جنگ لڑ رہے تھے۔ کیا یہ سامراجی قوتوں اور ان کے یہودی حلیفوں کے واسطے اسلامی دنیا کی جہادی تحاریک کو تباہ و برباد کرنے کی ایک طے شدہ حکمت عملی نہیں تھی؟

یہودیوں کے لیئے مسیح

براہین احمدیہ (۱۸۸۰ء) کی تدوین کے وقت مرزا صاحب کا عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمانوں سے اتریں گے۔ گیارہ سالوں تک وہ اسی عقیدے پر قائم رہے۔ اگرچہ وہ خدا سے وحی حاصل کرنے کے دعویدار تھے۔ امام زمانہ اور ایک محدث (ظلی یا بروزی نبی) کا بھی دعویٰ کرتے تھے۔ بڑی حیران کن بات ہے کہ گیارہ سالوں (۱۸۹۱۔ ۱۸۸۰ء) تک وہ اپنی ہی وحی کے مطالب کو سمجھنے کے اہل نہیں ہوئے۔ آپ گیارہ سالوں ۱۸۸۰ء سے ۱۸۹۱ء تک مسیحیت اور ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک اپنی نبوت کے دعوے کو سمجھ نہ سکے۔ جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سینکڑوں مرتبہ خدا نے ان سے ہمکلامی کی اور شدید بارش کی طرح متواتر وحی نازل ہوئی جس میں ان کو ایک رسول اور نبی قرار دیا تھا لیکن وہ خدا کے احکامات کو مکمل طور پر پس پشت ڈال کر حیات مسیح مانتے رہے اور اپنی نبوت کو صرف محدثیت کہتے رہے۔ کیا وہ نبی اور مسیح تھے۔ نہیں آپ کے

۱۔ پروفیسر عبدالحی عرب حکیم نورالدین سے بہت متاثر تھا۔ وہ نیویارک طب کی تعلیم کے لیئے جانا چاہتا تھا مگر امریکی حکومت نے اسے ایرانی جاسوس سمجھتے ہوئے اجازت داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ لندن میں مقیم ہو گیا۔

سامراجی یہودی تماشہ کاروں کی سیاسی ضروریات نے ان سے یہ مذہبی قلابازیوں کے کرتب کروائے اور آپ ان کے اشاروں پر ناچتے رہے۔ ۱۸۹۱ء میں اپنی ایک وحی میں موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی کتابوں فتح اسلام[1] توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں صرف مسیح علیہ السلام کی طبعی وفات کا اعلان کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے بارے میں انہوں نے یہ دلیل دی کہ یہ دراصل ایک ایسے شخص کی آمد ہوگی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی خصوصیات پائی جاتی ہوں گی۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے بلکہ بچ گئے اور افغانستان اور کشمیر میں ''دس گمشدہ قبائل'' کی نسلوں کو تبلیغ کرنے کے لیئے ہندوستان آ گئے تھے۔ نتیجتاً انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ بھی سری نگر کشمیر میں دریافت ہو چکا ہے۔[2]

یہ ضروری ہوگا کہ اس جگہ ابن مریمؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا تقابل یہودیت میں طویل اور خصوصی اہمیت کے حامل مسیح موعود کے نظریہ سے کیا جائے۔ لفظ مسیح کی ابتداء عبرانی زبان سے ہوئی ہے جس کا معنی ہے (Anointed One) یعنی مسح شدہ جس کے سر پر تیل ڈالا گیا ہو۔ تمام بادشاہوں اور یہود کے سربراہوں کو اقتدار سونپتے ہوئے ان کے سروں پر تیل ڈال کر مقدس کیا جاتا تھا۔ جب یہودی ایرانیوں کے زیر تسلط تھے تو انہوں نے یہ خواب دیکھنے شروع کر دیئے کہ وہ دن آئے گا کہ جب داؤد علیہ السلام کی اولاد دوبارہ ظاہر ہوگی اور ایک مقدس بادشاہ اسرائیل کے تخت پر ایک بار پھر براجمان ہوگا۔ چنانچہ جب یہودی رومیوں کے زیر تسلط تھے تو انہوں نے دو مختلف ادوار پر مسیح کے بارے میں اپنے نظریے کو تبدیل کر لیا۔ یہودیوں کی ایک غالب اکثریت ایک طاقتور جنگجو کے ظاہر ہونے کی توقع کرنے لگی جو اگرچہ داؤدی خاندان سے نہ ہو۔ لیکن ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی قیادت کرے

---

[1] حکومت پنجاب' کارروائی محکمہ داخلہ - مارچ 1892ء انڈیا آفس لائبریری لندن کے مطابق ''فتح اسلام'' کے مصنف قادیان کے مرزا غلام احمد نے پوری دنیا کو یہ بتایا کہ وہ انسانیت کے حالات کو سنوارنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور روحانی قوت' اخلاقیات اور فطرت میں وہ یسوع مسیح کی طرح ہے اور عوام کو دعوت دی کہ وہ اس کی پیروی کریں''

[2] مرزا غلام احمد' مسیح ہندوستان میں- قادیان-1899ء ص 3

گا۔ روم کو تباہ کرے گا، یہودیوں کو آزادی دلائے گا اور انصاف خوشحالی اور امن کی سلطنت قائم کرے گا۔ مگر ایک چھوٹا سا گروہ بھی تھا جو مسیح کو ایک عام انسان سے زیادہ طاقت ور سمجھتے تھے جو عام ہتھیاروں کی مدد سے کافروں کو قتل کرے گا اور یہودیت کو کامیابی دلائے گا۔ کتاب انوخ جو پہلی صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی اس کے مصنف نے ایک ایسے مافوق الفطرت شخص کا کہا ہے جو زمین کی طرف جانے کے لیئے خدا کے اشارے کا منتظر ہے اور انسانیت کو گناہ، ناانصافی اور ظلم سے نجات دلائے گا۔ خدا نے عیسیٰ ابن مریم کو یہودیوں کی تکلیف دہ صورتحال سے نجات کے لیئے بھیجا مگر انہوں نے پونطس پلاطس جو یہودا کا رومی گورنر تھا کے ساتھ مل کر ان کو اپنے خیال میں مصلوب کر دیا اور انہیں ایک جھوٹا مسیح قرار دیا جو لعنتی موت مرا۔ اسلام کی آمد تک یہودی مسیح موعود کا اس امید پر انتظار کرتے رہے کہ وہ دنیائے اسرائیل پر حکمرانی کرے گا۔ قرآن اور احادیث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خدا نے مسیح ابن مریم کو قتل اور صلیب پر چڑھائے جانے سے بچا کر انہیں اپنی طرف اوپر اٹھا لیا۔ وہ آخری دنوں میں (قیامت کے نزدیک) یہودیوں اور عیسائیوں کے لیئے ایک زندہ نشانی کے طور پر اتریں گے وہ اسلام کے پیروکار ہوں گے۔ مسیح موعود یا مثیل مسیح کا کوئی حوالہ یا ذکر نہیں ہے۔ یہ بڑے کھلے انداز میں واضح کر دیا گیا ہے کہ آخری ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں آئے گا۔(۱)

مرزا صاحب نے قرآن پاک سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسیح مر چکے ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ حدیث میں بیان کردہ یسوع مسیح کی آمد کا مطلب ایک مسیح کا بروز ہے۔ یہ واضح ہونا چاہیئے کہ انہوں نے مسیح موعود کا دعویٰ حدیث سے نہیں لیا بلکہ یہ ان کی اپنی ایک وحی تھی جس نے ان کو یہ منصب سنبھالنے پر مجبور کیا۔ حدیث ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی تھی جسے وہ اپنی وحی کی تائید میں پیش کرتے تھے۔ ان کی وحی ان کیلیئے اور ان کے پیروکاروں کے لیئے ماننی لازم تھی۔ تاہم مسیح کی آمد اور مسیح موعودیت کا دعویٰ دو مختلف چیزیں ہیں۔ پہلے عقیدہ کی بنیاد

۱۔ مذہبی حوالہ جات کے لیئے دیکھیے علامہ سید انور شاہ کشمیری "عقیدہ الاسلام" پیر سید مہر علی شاہ۔ سیف چشتیائی اور مولانا مودودی "ختم نبوت" وغیرہ

حدیث مبارکہ میں ہے جبکہ دوسرے کی بنیادیں ایک یہودی نظریے میں موجود ہیں جو یہودی لٹریچر سے لیا گیا ہے اور اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہے۔ مرزا صاحب نے بڑی چالاکی سے اپنا چہرہ یعنی مسیح موعود جو دنیائے یہود کے سیاسی مقاصد کے لیئے تیار کیا گیا مسیح کے بروز کے طور پر پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ انہوں نے بڑی عیاری کے ساتھ علماء کو بے کار مذہبی تنازعات میں گھسیٹا اور اسلام کو یہود یائے جانے کے گناہ کا مذموم منصوبہ جاری رکھا۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے قادیانیت پر اپنے مشہور مضمون میں یہ زور دیا ہے کہ احمدیہ تحریک بڑی تیزی سے یہودیت کی طرف رواں دواں ہے۔(۱) کچھ عرب علماء نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ قادیانی تحریک کی یہودی اور سامراجی نوعیت کے رجحانات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ عباس محمود العقاد۔ الشیخ ابوزہرہ مصری۔ الشیخ محبّ الدین الخطیب اور الشیخ محمد المدنی نے اس عنوان پر بڑا کام کیا ہے۔ علامہ محمود الصواف نے اپنی مشہور کتاب ''المخالات الاستعماریہ لمکافاتہ الاسلام'' میں ثابت کیا ہے کہ قادیانی تحریک استعماریت کی ایک شاخ ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم غلاب جو کہ مراکشؒ کے ایک محقق ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر عالمانہ کام کیا ہے۔ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ احمدیہ تحریک یہودیت کی ایک ضمنی پیداوار ہے اور اس کے بنیادی عقائد انیسویں صدی کی یہودیت سے خوفناک حد تک مماثلت رکھتے ہیں۔(۲) جس طریقے سے قادیانیوں نے نظریہ جہاد۔ وحی ونبوت وغیرہ کو پیش کیا ہے یہ انیسویں صدی کے متعصب یہودی علماء کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ قادیانیت کی ترقی اور ارتقاء میں یہودیوں نے ہمیشہ گہری دلچسپی لی۔ شوڈ نے جو ڈاکٹر میکسن کی سربراہی میں یروشلم یونیورسٹی کے اندر یہودی روشن خیال طبقہ کے طور پر کام کر رہا تھا احمدیہ عقائد کی یہودی فلسفے کے ساتھ تطبیق پر اس طور سے تحقیقات کیں جیسا کہ انیسویں صدی کے یہودی سازشی فلسفیوں نے اعلان کیا تھا۔

۱۹۲۷ء میں آسٹریا کے ایک جج الیگزینڈر وائلڈ ہائم نے ''اسلام کی طرف

۱۔ لطیف احمد شیروانی حرف اقبال لاہور صفحہ نمبر 115

۲ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور نو فروری 1970ء

جدید صیہونی تحریک اور تحریک احمدیہ“ کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا۔ جو مارچ ۱۹۲۷ء کے شمارے میں قادیانیوں کے مشہور رسالے ”ریویو آف ریلیجنز“ میں چھپا۔ مسز ایشی رومیل جو کہ یروشلم یونیورسٹی میں ایک یہودی عالم تھی نے ۱۹۴۶ء میں تحریک احمدیہ پر سلسلہ وار مضامین لکھے۔(۱) جس میں یہودی فلسفیانہ نظریات کے ساتھ اس کی مماثلت کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا تھا۔ تحریک احمدیت کی یہودی حمایت کے رجحانات کو مرزا صاحب کی تحریروں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ذات کے خلاف وہ تمام احمقانہ الزامات عائد کیئے جو یہودی مصنفین عیسائیت کے ظہور سے لے کر اب تک ان پر لگاتے چلے آئے ہیں۔(۲) مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کو شعبدہ بازی اور جادو کا ایک سلسلہ قرار دیا۔ کسر صلیب کے نام پر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی پیدائش اور عیسائی عقائد پر تنقید کی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ پر شراب نوشی، یہودیوں کو گالیاں دینے، بزدلی، اپنی ماں کے ساتھ بدتمیزی، فاحشہ عورتوں کے ساتھ دوستی جیسے الزامات عائد کیئے۔ مرزا صاحب نے حضرت مریمؑ کی حیات مقدسہ پر بھی بہتان تراشی کی۔ حضرت عیسیٰؑ پر الزامات عائد کرنے اور ان کے مرتبہ کو گھٹانے کی ناپاک کوششوں کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو ہر لحاظ سے عیسیٰؑ سے برتر ثابت کیا۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے ایک ایسا عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے جو مسیح بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عیسیٰ اور عیسائیت پر ان کے حملوں کی نوعیت کو سمجھنے کے لیئے چند مندرجات پیش کیئے جاتے ہیں۔

1- مسیح کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا“۔(۳)

2- ”مسیح کا چال چلن کیا تھا، ایک کھاؤ پیو شرابی، نہ زاہد نہ عابد، حق کا پرستار، متکبر خود بین

۱۔ الفضل قادیان، 12 جون 1946ء

۲۔ آر، ٹریورز ہرفورڈ۔ یہودی لٹریچر میں مسیحا۔ 3 سکگر کی مسیحا اور اناجیل کی لغت۔ 2 ناصرۃ کا مسیحا مصنف ڈاکٹر ایس کراوس۔ یہودی انسائیکلوپیڈیا جلد 7 نیویارک اور اس طرح کی کئی دیگر تصانیف کو مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں نے بطور ماخذ استعمال کر کے عیسائیت پر حملے جاری رکھے

۳۔ مرزا غلام احمد، انجام آتھم۔ 1897ء قادیان ص 7

۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والا"۔(۱)

3۔ "یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے"۔(۲)

4۔ "یسوع اس لیئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ محض شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خوری کا ایک بدنتیجہ ہے"۔(۳)

اسلامی عقائد میں تحریف اور عیسائیت کی تکذیب کے ساتھ انہوں نے یہودی مذہبی نظریات کا احیاء کیا۔ انہوں نے اپنے گروہ کو بنی اسرائیل کا نام دیا اور اپنی وحی و الہامات میں اپنے آپ کو اسرائیل قرار دیا۔(۴)

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے فوراً بعد قادیانی مشرقی پنجاب سے پاکستان آ گئے۔ الفضل کہتا ہے کہ مسیح موعود کی وحی کے مطابق ایک وقت آئے گا کہ احمدی قادیان چھوڑ دیں گے۔ یہ یکسانیت احمدیوں کی ہجرت اور یہودیوں کے خروج کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیئے ہوگی۔(۵)

جھوٹے مسیح

ہم مرزا صاحب کے دعوائے مسیح موعود کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں گے تاکہ ان کے دعوے کی نوعیت کو تاریخی تناظر میں دیکھا جا سکے۔

یہودیوں کا مسیح موعود کی آمد کا نظریہ یہودیوں کے ہاتھوں میں ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ انیسویں صدی میں صیہونیت کے آغاز اور ترقی

۱۔ مکتوبات احمدیہ جلد 3 ص 21-24

۲۔ مرزا غلام احمد کشتی نوح قادیان 1901ء ص 65

۳۔ مرزا غلام احمد ست بچن ص 150

۴۔ الفضل لاہور 14 اکتوبر 1947ء

۵۔ ایضاً

کے ساتھ ہی اس عقیدے کو گرہن لگ گیا۔ پہلی صدی عیسوی سے لے کر صیہونیت کی ابتداء (۱۸۹۷ء) تک کئی خود ساختہ مسیح ظاہر ہوئے۔ مسیح کے ظہور کے ساتھ عموماً کسی بغاوت یا شورش کا آغاز ہوتا۔ ہر دعویدار کی خواہش ہوتی کہ وہ اقتدار حاصل کرے اور بھٹکتے یہودیوں کی ارض مقدس میں بحالی عمل میں لائے۔

مسلمانوں کی حکومت میں کئی خود ساختہ مسیحاؤں نے مسلمان ریاستوں کو گرانے کے لیئے قومی سیاسی تحریکیں شروع کیں۔ ۷۰۰ء کے لگ بھگ ابوعیسیٰ اصفہانی نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس نے یہودیوں کی ایک فوج اکٹھی کی تا کہ خلافت اسلامیہ کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکے اور یہودیوں کو فلسطین لے جائے۔ آخرکار جنگ ہوئی اور یہودیوں کو اس میں شکست فاش ہوئی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ابوعیسیٰ نے خودکشی کر لی مگر اپنی مثال پر چلنے کے لیئے دوسروں کی حوصلہ شکنی نہ کی۔ ایک چرواہے یودگان الرائی نے بھی اس قسم کی کوشش کی اور آخر میں شکست کھا کر مارا گیا۔ تقریباً اسی وقت شام میں سیرینس نامی ایک شخص نے یہودیوں کو اپنی قیادت میں فلسطین فتح کرنے کی دعوت دی۔ یہودی ہزاروں کی تعداد میں اس کے گرد اکٹھے ہو گئے مگر اس کے وعدوں کی ناکامی نے انہیں سوائے شدید صدمے کے اور کچھ نہ دیا۔

مسیح کے تصور کو صلیبی جنگوں کے زمانے میں ایک نیا رنگ ملا۔ ایک ہسپانوی یہودی ابولافہ نے مسیحا ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۲۸۱ء میں روم چلا گیا تا کہ پوپ کو قائل کر سکے۔ اس نے صلیبی جنگ میں یہودیوں کی مدد کی پیشکش بھی کی۔ سب سے دلچسپ یہودی نجات دہندہ شابتی زیوی تھا۔ ۱۶۴۸ء میں وسطی اور مشرقی یورپ کو سیاسی بحرانوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان واقعات سے مسیح کی آمد کے تصور کو تقویت ملی۔ یہودی سازشیوں کا یقین تھا کہ جنگ اور وباؤں کے بعد مسیح آئے گا اور وہ بڑی دلجمعی سے اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

ہسپانوی یہودی شابتی زیوی نے ۱۶۴۸ء میں مسیحا ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ جہاں

کہیں بھی گیا یہودیوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ اس نے بہت سے علماء کے ساتھ سمرنا سے سالونیکا کا سفر کیا۔ اس نے توریت کے ایک عہد نامے کے ساتھ شادی کا سوانگ بھرا اور اسے اپنی دلہن بنایا۔ سالونیکا سے وہ قاہرہ چلا گیا۔ جہاں اسے اپنے مقصد کے لیئے سازگار ماحول میسر آ گیا۔ ایک دولت مند یہودی رافیل جوزف شلیبی نے اسے خیرات تقسیم کرنے کے بہانے یروشلم بھیجا۔ وہاں وہ غزہ کے ناتھن سے ملا جو خود نبوت اور مسیحیت کا دعویدار تھا۔ اس نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اپنے آپ کو خدائے یہودا کے طور پر مشہور کرے گا اور زیوی کے مسیح ہونے کے بارے میں پروپیگنڈا کرے گا۔

زیوی نے سارہ سے شادی کر لی جو کہ مسیح موعود کی دلہن ہونے کی دعویدار تھی۔ یہ شادی شلیبی کے گھر واقع قاہرہ میں بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس شادی کی مسلیمہ کذاب کی سجاح کے ساتھ شادی سے بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے بھی محمدی بیگم کے ساتھ شادی کی بہتیری خواہش کی مگر اس کے باپ نے خدا کے نام پر دھوکہ اور دھونس میں آنے سے انکار کر دیا۔

زیوی کا انتہائی جوش و خروش سے استقبال کیا گیا۔ بہت سے یہودیوں نے اپنا مال و اسباب فروخت کر دیا اور فلسطین کی طرف چل پڑے۔ اپنی اس کامیابی پر نازاں ہو کر اس نے اعلان کیا کہ وہ قسطنطنیہ جا رہا ہے جہاں اسے دیکھتے ہی سلطان ترکی اپنا تخت اس کے حوالے کر دے گا اور وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ بن جائے گا مگر جب اس کا جہاز ترکی کی بندرگاہ پر پہنچا تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور قلعہ عبیدہ میں قید کر دیا گیا۔ قید خانے سے اس نے پولینڈ کے یہودیوں کو پیغامات بھجوائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ نحیمیہ کوہن کو اس کے پاس بھجوائیں جو کہ خود مسیحیت کا دعویدار تھا۔ کوہن نے زیوی سے ملاقاتوں کے بعد اعلان کیا کہ زیوی مسیح نہیں ہے۔ اپنے اس اعلان کے بعد پولینڈ کا یہ پیغمبر صرف ان حالات میں بچ سکتا تھا اگر وہ کسی محفوظ جگہ بھاگ جاتا۔ زیوی کو سلطان کی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیئے لایا گیا۔ اس نے تمام دعووں سے دستبرداری کا

اعلان کیا اور سلطان کے دربار میں ایک معمولی ملازمت قبول کرنے اور اسلام قبول کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کر دی۔ زیوی کے پیروکار اگرچہ دھوکہ کھا چکے تھے پھر بھی یہ دلائل دیتے تھے کہ مسلمان زیوی ایک انسانی ہیولا ہے اور وہ بذات خود مزید بہتر مواقع پیدا ہونے کے انتظار میں آسمانوں پر چلا گیا ہے۔(۱) اس نے یہودیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا ہے اور بڑی جلدی واپس آئے گا۔ وہ یہودی جو منافقانہ طور پر یہودیت کی ترقی کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے اور مسیح کی آمد کے منتظر تھے' انہوں نے اپنے آپ کو قادیانیوں کی طرح دونمہ نامی ایک خفیہ یہودی فرقہ میں منظم کر لیا۔

اٹھارہویں صدی کے برطانیہ میں رچرڈز برادرز نامی ایک انگریز نے مسیحیت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو شہزادہ اور یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کرنے والا ظاہر کیا۔ ایک خاتون جونا ساؤتھ کوآٹ نے معجزاتی حمل کے بعد مسیح موعود کی پیدائش کا اعلان کیا(۲) مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ تاہم برطانیہ کے بہت سے یہودیوں نے اس کا بہت احترام کیا۔ مرزا صاحب کے ہم عصروں میں سے امریکہ کا جان الیگزینڈر ڈوئی اور برطانیہ کے جے۔ ایچ پکٹ نے بھی مسیحائی کا دعویٰ کیا۔ یہ تمام اشخاص یا تو خفیہ طور پر یہودی تھے یا ان کے آلہ کار۔ ان سب کا اصل مقصد یہودی قوم پرستی کو ایک جہت اور ڈھانچہ فراہم کرنا اور معاند یورپی معاشروں میں ان کے لیئے ایک سازگار ماحول پیدا کرنا تھا۔ فری میسوں نے یہودی قومیت کی خاطر بڑے لطیف پیرائے میں ماسونی لاجیں قائم کر کے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یورپی نظریات پر کلیسائے عیسائیت کی زبوں حالی اور امریکہ میں یہودیوں کی ابھرتی ہوئی طاقت نے بڑا اثر ڈالا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ

مرزا صاحب نے نہ صرف حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کی طبعی موت کا اعلان

۱۔ گریزل۔ ص 516

۲۔ برطانوی انسائیکلوپیڈیا' مسیحا

کیا بلکہ ان کا نام نہاد مقبرہ بھی دریافت کر لیا۔(۱) پہلے گلیل (فلسطین) پھر طرابلس، پھر شام اور آخرکار ایک پیغمبرانہ وحی کے بعد سری نگر (کشمیر) میں اسے دریافت کیا۔(۲) مگر جو کوئی بھی وہاں گیا، مرزا صاحب کی چالبازی پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔(۳)

قادیانی قبر مسیح کی دریافت کو اپنی تحریک کی تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی وحی سے بھی یہ ثابت ہے اور یہی ان کے کذب کی دلیل ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام ہندوستان کیسے آئے۔ مرزا صاحب نے یہ دلیل دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا مگر وہ فوت نہیں ہوئے۔ (مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ صلیب پر بالکل چڑھائے ہی نہیں گئے تھے)۔ ان کو ان کے حواریوں نے صلیب پر سے غشی کی حالت میں اتارا اور چالیس دنوں تک ایک مرہم سے علاج کیا۔ جسے مرہم عیسیٰ کہا جاتا ہے پھر انہوں نے مشرق کی طرف فارس اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں قدم رکھا۔ اپنے حواری سینٹ تھامس کے ساتھ مسیح نے یہ سفر کیوں کیا؟ ان یہودیوں کو تبلیغ کرنے کے لیئے جنہیں اسیریا کے حکمران سارگن نے ۷۲۱ قبل مسیح میں جلاوطن کر دیا تھا۔ جب اس نے سمیریا کے شہر پر حملہ کیا تھا۔ مرزا صاحب نے یہودیوں کی دوسری اسیری کا بھی تذکرہ کیا جب بابل کے حکمران نبوکدنضر نے یروشلم پر ۵۶۸ قبل مسیح میں چڑھائی کی اور کہا جاتا ہے کہ چند باشندوں کو قید کر کے ساتھ لے گیا۔ ان اسیریوں میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے بہت سے افراد ''گم'' ہو گئے۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ کشمیری اور افغان ''اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل'' کی اولاد ہیں۔(۴)

۱۔ مرزا غلام احمد ۔ ست بچن۔ قادیان 1895ء ص 164

۲۔ مرزا غلام احمد الہدیٰ۔ قادیان۔ 1902) یہ ایک چونکا دینے والی دریافت تھی۔ سینکڑوں لوگ سری نگر کی ''خان یار گلی'' میں وہ مقبرہ دیکھنے کے لیئے گئے۔

۳۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک انتہائی قابل اعتماد پیروکار مولوی عبداللہ وکیل سے کہا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سری نگر میں مقبرے کے بارے میں شواہد اکٹھے کرے۔ اپنی کتاب راز حقیقت میں مرزا صاحب نے مولوی وکیل کا ایک خط دیا ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں دفن کیئے گئے۔ مولوی وکیل بعد ازاں ایک بہائی مبلغ بن گیا اور قادیانیت چھوڑ گیا۔ اس کے عقائد میں تبدیلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اس نے واضح طور پر اس فریب کا پردہ چاک کیا جو مرزا صاحب کی وحی کی تصدیق بھی لیئے ہوئے تھا۔ وہ یہ بات سمجھنے میں ناکام رہا کہ کیوں مرزا صاحب نے اس داستان پر اپنی مہر نبوت کی تصدیق لگا دی ہے جو کہ حکیم مولوی نور الدین بھیروی اور خلیفہ نور الدین آف جموں کی اختراع اور من گھڑت بات ہے (دیکھیئے مولوی عبداللہ وکیل کا پمفلٹ شعلہ نار۔ سری نگر) اور مفتی محمد سعادت شاہ ''تحقیقات یوزاسف۔ سری نگر

۴۔ مرزا غلام احمد۔ مسیح ہندوستان میں۔ قادیان 1894ء ص 161

حضرت عیسیٰؑ نے ان گمشدہ بھیڑوں کو تبلیغ کرنی تھی اس لیئے آپ نے ہندوستان کی طرف سفر کیا۔ یوز آسف ''یا یسوع کے نام سے یہ سفر کیا۔ اس لفظ کا مطلب ہے ''بنی اسرائیل کو جمع کرنے والا''۔ قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے رکن خواجہ نذیر احمد نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت مریمؑ نے بھی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا تھا۔(۱) اورمری میں وفات پائی جو کہ پاکستان کے دارالحکومت سے تقریباً پینتالیس کلومیٹر دور ہے۔ لفظ مری حضرت مریم علیہ السلام کے نام میری کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے اور ان کے نام کی وجہ سے مشہور ہے۔ بی بی مریم کی مری میں وفات کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے اور ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ خان یار سٹریٹ سری نگر کشمیر میں واقع ہے۔ ان کا حواری تھامس جنوبی ہندوستان چلا گیا اور وہاں ایک کلیساء کی بنیاد رکھی۔

اس ساری کہانی کا لب لباب اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ۷۲۱ قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے دس قبائل گم ہو گئے اور مشرقی ممالک خصوصاً افغانستان اور کشمیر میں آ کر بس گئے۔ اگر یہودیوں کی ان ممالک میں آبادکاری نہ ہوئی ہوتی تو حضرت عیسیٰؑ کبھی بھی ان ممالک کا سفر نہ اختیار کرتے اور فلسطین سے ہندوستان نہ آتے۔ یہی تمام گفتگو کا خلاصہ ہے۔ اسرائیلی قبائل بکھرنے کے بعد دوسری قوموں میں ضم ہو گئے۔ موجودہ اقوام ان کی اولاد ہیں۔ اس پروپیگنڈا کا مقصد یہودیوں کی قومیت کی تحریک ''اینگلو۔ اسرائیلیت'' کو تقویت دینا تھا جو صیہونیت سے قبل پوری دنیا میں پھیل گئی تھی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اینگلو۔ اسرائیلیت کی تحریک یہودیوں اور ان کے آلہ کاروں نے اس مفروضے پر شروع کی تھی کہ آشوریوں کے دس اسیر قبائل (۷۲۱ قبل مسیح) نے عارضی اقامت کے بعد مغرب کا رخ کیا جبکہ بابل کے اسیروں نے (۵۸۶ قبل مسیح) افغانستان سے ہو کر ہندوستان پناہ لی۔ غیر یہودی حکومتوں کے دباؤ نے

۱۔ خواجہ نذیر احمد۔ عیسیٰ زمین پر اور آسمان میں'' عزیز منزل لاہور۔ 1952ء ص 355۔ اور اسد اللہ کشمیری۔ ''حضرت مریم کا سفر کشمیر'' ربوہ

انہیں دنیائے تہذیب میں گم کر دیا۔ یورپی اقوام کو درخواست کی گئی (جو کہ دس گمشدہ قبائل کی اولاد بتائے گئے) کہ وہ کتاب مقدس کی پیش گوئیوں کی مطابقت میں ایک علیحدہ سرزمین کے حصول میں اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ تاہم پی۔ کے حتی نے یہ ثابت کیا ہے کہ دس قبائل کبھی بھی گم نہیں ہوئے اور یہ ایک نیم تاریخی فرضی داستان ہے۔(۱)

انگریزوں کے اسرائیلیوں کی اولاد ہونے کا نظریہ سب سے پہلے ۱۶۴۹ء میں جان سیڈلر نے اپنی کتاب ''حقوق سلطنت'' میں پیش کیا۔ اس نے انگریزی قانون اور یہودیوں وعبرانیوں کی رسومات کے مابین ایک متواتر مماثلت پیش کی۔ برطانوی بحریہ میں نصف مشاہرے پر کام کرنے والے ایک مخبوط الحواس افسر رچرڈ برادرز نے (۱۷۵۷۔ ۱۸۳۲ء) بہت جلد اسرائیل کی ارض مقدس کی بحالی اور اپنی شہزادہ یہود کے طور پر تعیناتی کی پیش گوئی کی۔ ۱۸۴۰ء میں جان ولسن نے اس نظریہ کو اپنایا اور اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔ اس کی پہلی کتاب ''ہماری اسرائیلی ابتداء'' اس نظریئے کی پہلی مطابقت آمیز توضیح ہے۔ اس نظریئے کی وکالت کرنے والے دیگر اشخاص میں سے انیسویں صدی کے ڈبلیو کارپینٹر (اسرائیلی مل گئے) ایف۔ آر۔ اے گلوور (انگلستان۔ آثار یہود) اور سکاٹ لینڈ کے سرکاری ماہر فلکیات سی۔ پیازی۔ سمتھ تھے جنہوں نے اہرام مصر کی پیمائشوں کے بعد یہ خیال اخذ کیا کہ برطانوی گمشدہ قبائل کی اولاد ہیں۔(۲)

۱۸۷۱ء میں ایڈورڈ ہائن نے ''مقامی برطانوی اقوام کی گمشدہ اسرائیل سے شناخت'' لکھی۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی ڈھائی لاکھ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ امریکہ میں اس تحریک کی قیادت ڈبلیو۔ ایچ پول اور جی۔ ڈبلیو گرین وڈ نے کی۔(۳) ہندوستان میں پہلی بنگال پیادہ فوج کے میجر ایچ۔ ڈبلیو۔ جے سینیئر نے اینگلو۔ اسرائیلی تشہیر بڑی شدومد سے شروع کی۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے ''کیا انگریز اسرائیلی ہیں

۱۔ پی کے حتی۔ تاریخ شام ص 96

۲۔ دیکھیں سوشیالوجیکل ریویو لندن۔ مارچ 1968ء اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس۔ جلد 1 اینگلو اسرائیل ازم ص 482

۳۔ ایضاً

'' کے عنوان سے کتاب لکھی۔(۱) اس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ انگریز اسرائیل کی اولاد ہیں اور خدا نے ابراہیمؑ سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا ہے اور اسرائیل سے کیئے گئے تمام عہد بھی پورے کرے گا۔ اینگلو اسرائیلی لٹریچر کی بھاری مقدار ''میسرز نیو مین کمپنی کلکتہ'' نے چھپوا کر ہندوستان میں تقسیم کی۔ سینیئر اس کتاب میں لکھتا ہے۔

> '' خدا نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جب تک سورج ' ستارے اور سمندر قائم ہیں۔ اسرائیلی اس کے سامنے ایک قوم کی حیثیت میں ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ وہ ابھی تک گم نہیں ہوئے لہٰذا اسرائیلیوں کو کرہ ارض کی ایک قوم ہونا چاہئے۔ یہ سوال تاہم قدرتی طور پر ابھرتا ہے کہ اسرائیلی کون سی قوم ہیں۔ اینگلو۔ اسرائیل کے سرگرم حامیوں نے منطقی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ کرہ ارض کی تمام اقوام میں صرف انگریز ہی تمام انعامات و اکرامات کے حامل ہیں اور وہ عہد جو خدا نے اپنے بندوں اسرائیلیوں کے ساتھ کیا تھا اور چونکہ خدا سچا ' وفادار اور عہد کو پورا کرنے والا ہے لہٰذا یہ عہد و کرامات کسی غیر یہودی قوم کے حق میں نہیں جا سکتے۔ چنانچہ یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انگریز ہی اسرائیلی ہیں۔ اور اس سچائی کو قبول کرتے وقت ہم اسرائیل کے بارے میں مستقبل کی شان و شوکت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد اول۔ یروشلم ' بابل ' نینوا ' مصر ' موآب اور یہودا کی تباہی کی پیش گوئی لغوی طور پر پوری ہو چکی ہے اور اسرائیل کو ملنے والی تمام سزائیں بھی معنوی طور پر پوری ہو چکی ہیں تو اسرائیل کی شان و شوکت کے تمام عہد بھی معنوی انداز میں لیئے جانے چاہئیں اور ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ (نظریہ) اس روحانی تشریح کے مطابق ہے جو کلیسا نے پیش کی''۔(۲)

سینیئر نے ''انہیں اپنے وطن میں جانا چاہئے'' کے عنوان سے منقولاتی شہادت (۳) سے ثابت کیا کہ بکھرے اسرائیلی اکٹھے ہونگے اور صیہون کی عظمت میں گیت گائیں

۱۔ میجر ایچ ڈبلیو جے سینٹر'' کیا انگریز اسرائیلی ہیں'' ایم ای چرچ پریس لکھنو۔ 1883ء

۲۔ سنیئر ص 62-61

۳۔ عیسیٰ xiii۔ جیر xxx۔ چیک viii۔ 13,12 وغیرہ)

گے۔(۱) انگریزوں کی نپولین اور روس کے ساتھ دشمنی اور ڈرائیفس کیس (ڈرائیفس ایک یہودی تھا اور فرانسیسی فوج میں لازم تھا' اسے جرمنوں کیلئے جاسوسی کے الزام میں معتوب کیا گیا تھا) کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہمدردی کا اعزاز بھی اینگلو اسرائیلی نظریات کو ملا۔ یہ بھی کہا گیا کہ انگریزوں کو اسرائیل کی ترجمانی کرنی چاہئے وگرنہ ان کی حمایت میں کیئے گئے کئی خدائی وعدے ادھورے رہ جائیں گے۔(۲)

حضرت عیسیٰ کے ''مقبرے کی دریافت'' کے بعد قادیانیوں نے اینگلو اسرائیلی نظریات کا پرزور پرچار کرنا شروع کر دیا۔ قادیانیوں کے مباحث اور دلائل دینے کے طریق کار اور اینگلو اسرائیلیوں کے طریق کار میں حیران کن مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگر کسی کو اینگلو اسرائیلی لٹریچر پڑھنے کو مل جائے اور وہ اس کا تقابلی مطالعہ مرزا غلام احمد کی ''مسیح ہندوستان میں''۔(۳) ''ریویو آف ریلیجنز'' قادیان (۸-۱۹۰۲ء) میں شیر علی کے مضامین۔ خواجہ نذیر احمد کی ''مسیح آسمان میں زمین پر''۔ جے ڈی شمس کی ''مسیح کی وفات کہاں ہوئی''(۴) مفتی محمد صادق کی ''قبر مسیح'' (قادیان ۱۹۰۶ء) اور قاضی محمد یوسف کی ''عیسیٰ درکشمیر''(۵) سے کرے تو پتہ چلے گا کہ قادیانی اور یہودی ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔

نوٹووچ کا قصہ

مرزا صاحب اور ان کے پیروکاروں کے بیان کردہ قصے جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر چڑھتے وقت بے ہوش ہو گئے تھے اسکی بنیاد بھی انہی داستانوں پر ہے جو یہودیوں نے گھڑی ہیں۔ اس قصہ کا ماخذ مرزا صاحب کے ایک ہم عصر نکولس نوٹووچ کی سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی ایک روایت ہے جو کہ پیدائشی طور پر روسی تھا۔ نوٹووچ نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے ہمس (تبت) کی ایک بدھ عبادت گاہ میں

۱۔ ایضاً ص 88

۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اور ایتھکس اینگلو۔ اسرائیلیت

۳۔ احمدیہ مشن فارن ڈیپارٹمنٹ ربوہ 1944ء

۴۔ جے ڈی شمس ''مسیح کی وفات کہاں ہوئی'' ربوہ 1965ء

۵۔ قاضی محمد یوسف۔ عیسیٰ در کشمیر۔ منظور عام پریس پشاور۔ 1946ء اس کے علاوہ دیکھئے۔ سید صادق حسین کشف الاسرار۔ قادیان 1911ء

بدھ بت کے قدیم مسودے ملے جن میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بچپن میں اپنے والد کے گھر یروشلم سے خفیہ طور پر بھاگ گئے اور تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ سندھ کی طرف سفر کیا اور آریاؤں میں آ کر رہے۔ وہ اکثر جین مت کے مندروں میں جاتے اور ان کے عقائد کا مطالعہ کرتے تھے۔ پھر وہ سیلون گئے اور وہاں سے جگ ناتھ (بنارس) چلے گئے۔ انہوں نے جڑی بوٹیوں، طب اور ریاضی کے علوم سیکھے۔ انہوں نے برہموں کے مذہبی نظریات کے علاوہ ان کے کچھ خفیہ راز بھی سیکھے۔

اس کتاب کا جب فرانسیسی [۱] وغیرہ میں ترجمہ ہوا تو یورپ اور ہندوستان میں کچھ دیر کے لیئے تہلکہ مچ گیا۔ ایک مشہور جرمن عالم پروفیسر میکس ملر نے جو ہندوستان میں قیام پذیر تھا، اپنے مضمون میں جو اس نے اکتوبر ۱۸۹۱ء میں ''انیسویں صدی لندن'' میں لکھا۔ یہ واضح کیا کہ یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے اور یہ خیال ظاہر کیا کہ نوٹو وچ کے اصرار پر بدھ لامہ نے جس کے پاس بتانے کے لیئے اور کچھ نہیں تھا، یہ کہانی گھڑ کر اسے سنا دی ہو۔ گورنمنٹ کالج آگرہ کے ایک پروفیسر جے۔ آرکیبالڈ ڈگلس نے ۱۸۹۵ء میں لداخ کا سفر کیا تاکہ اسے کوئی ایسی بدھ عبادت گاہ ملے مگر اسے کچھ بھی نہ ملا۔ ''انیسویں صدی'' کے اپریل ۱۸۹۶ء کے شمارے میں یہ تمام داستان بیان کی گئی اور نوٹو وچ کو ناقابل اعتماد مبہم جو خیال کیا گیا۔ [۲] حضرت عیسیٰؑ کو بدنام کرنے کے لیئے کئی خفیہ یہودی تنظیموں نے ایسے سفرناموں کی بنیاد پر واقعات گھڑے۔ ان کے لیئے نیم تاریخی دستاویزات کو بنیاد بنایا گیا۔ یہ ایک عیارانہ کوشش تھی جو کہ ثابت کرتی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ ایک جھوٹے مسیح تھے (نعوذ باللہ) جنہوں نے مشرق کی طرف اپنے مبینہ سفروں میں جڑی بوٹیوں کا علم حاصل کیا اور جادو کے کرشمے سیکھے اور انہیں فلسطین میں اپنے مسیحائی کے جھوٹے دعوؤں کیلیئے استعمال کیا مگر آخرکار صلیب پر چڑھا کر مار دیئے گئے۔

---

[۱] این نوٹو وچ Unknown life of Jesus پیرس 1899ء) انگریزی (الگزینا لورانگر۔ ''عیسیٰ کی گمنام زندگی'' رینڈ مکینلی کمپنی۔ لندن 1894ء

[۲] والٹر۔ اے ایچ ص 92

فری میسنری

امریکہ میں فری میسوں کی ایک تنظیم "روزیکروشین" نے بھی حیات مسیح کے بارے میں غلط داستانیں شائع کیں۔ فری میسوں کے اعلیٰ حلقوں اور روزیکروشین مکاتب میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ روزیکروشین نے حیات عیسیٰؑ کے متعلق جو مواد اکٹھا کیا ہے وہ فری میسوں کے مقتدر حلقوں کے پاس محفوظ بتایا جاتا ہے۔ "ایسنی برادر ہڈ" وہ تنظیم ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس کے پاس قدیم ترین روایات، تعلیمات، قوانین اور مسودات کا خزانہ موجود ہے۔ ان کا زمانہ دوسری صدی قبل مسیح سے لے کر دوسری صدی عیسوی کا ہے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ میں روزیکروشین کے سلسلے کے قائد ڈاکٹر لیوس سپنسر نے اپنی کتاب "حضرت عیسیٰؑ کی صوفیانہ زندگی" میں آپ کی بارہ سال کی عمر سے لے کر آپ کے گلیل میں مبلغ کے طور پر پیغام دینے کے واقعات اور حالات بیان کیئے ہیں۔(۱) وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کو اس قبر میں رکھا گیا جہاں ہوش میں آئے اور صحت یاب ہو کر وہ خفیہ طور پر گلیلی میں ایک محفوظ مقام پر چلے گئے۔ وہ جسمانی طور پر آسمانوں پر نہیں گئے بلکہ یہ ایک صوفیانہ اور نفسیاتی تجربہ تھا۔ وہ ایک اوتار بن گئے جو عام زندگی سے دور خاموش رہتا ہے۔ آپ کوہ کارمل (فلسطین) میں مدفون ہیں۔ آپ کا جسم کئی صدیوں تک ایک مقبرے میں رہا مگر آخرکار وہاں سے نکال کر اسے ایک خفیہ قبر میں اتار دیا گیا جس کی حفاظت و دیکھ بھال ان کی برادری کے ایسنی بھائیوں نے کی۔(۲)

مسیح کے مصلوب ہونیکا ایک چشم دید گواہ

"مصلوب کیئے جانے کا چشم دید گواہ" کا حوالہ اکثر قادیانی مصنف اپنی تحریروں میں دیتے ہیں۔ اس کتاب کے تعارف اور مقدمے میں لکھا ہے۔

۱۔(ڈاکٹر لیوس سپنسر The Mystical life of Jesus امریکی روزیکروشین سیریز سپریم گرانڈ لاج امریکہ)

۲۔(دیکھیں ایچ سپنسر The Secret Doctrines of Jesus سپریم گرینڈ لاج آف ایمورک کیلیفورنیا۔ امریکہ 1954ء چھٹا ایڈیشن)

عیسیٰؑ کی مصلوبیت کے سات سال بعد حضرت عیسیٰؑ کے ایک ذاتی دوست کا یروشلم سے ایک ایسین بھائی (ایسین آرڈر کہتا ہے کہ اس کا ترجمہ جس کا جدید ایڈیشن فری میسنری ہے حضرت عیسیٰ کے وقت فلسطین اور مصر میں وسیع پیمانے پر پھیلا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ بھی اس کے رکن تھے) کو خط ملا جو کہ اسکندریہ میں تھا یہ اس کی لاطینی کاپی کا انگلش ترجمہ ہے۔ اس کتاب کو جو امریکہ میں ۱۸۷۳ء میں چھپی تھی۔ اشاعت کے فوراً بعد ہی ترسیل سے روک دیا گیا تھا۔ اس کتاب کی تمام پلیٹیں توڑ دی گئیں اور یہ فرض کر لیا گیا کہ بقیہ کتاب کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا ہوگا۔ حقوق مسودہ کے قوانین کے مطابق جو نقول امریکی کانگریس کے لائبریرین کو جمع کروائی گئیں وہ بھی غائب ہو گئیں۔ خوش قسمتی سے ایک کتاب اس انجام بد سے بچ گئی۔(۱)

ٹی کے (T-K) جو کہ کتاب "عظیم کام" کا مصنف ہے' کتاب کے تعارف میں کہتا ہے کہ

"یہ کتاب امریکی ریاست میساچوسٹس کے ایک اہم فری میسن کی ملکیت تھی جو ۱۹۰۷ء کی گرمیوں میں حادثاتی طور پر اس کی بیٹی کے ہاتھ لگی۔ اس سے پہلے وہ مکمل طور پر محفوظ پڑی رہی۔ اس نے فری میسنوں کے کام میں میری دلچسپی دیکھتے ہوئے یہ نسخہ مزید پڑتال کے لیئے مجھے بھیجا۔ میں نے فوراً ہی اس کی اعلیٰ قدر و قیمت' اہمیت اور قابل لحاظ حیثیت کو پہچان لیا۔"(۲) پھر ہمیں بتایا گیا کہ یہ کتاب جرمنی میں ماسونی برادری کے پاس موجود لاطینی نسخے سے تقابل کے بعد ۱۹۰۷ء میں دوبارہ چھپی۔ بلاشبہ فری میسنری کے مخالف وحشی افراد کے ہاتھوں سے یہ محفوظ رہے گی۔(۳) اس میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماسونی برادری سے تعلق تھا۔ انہیں صلیب سے غشی کی حالت میں اتار لیا گیا تھا اور ایسین بھائی اس کے جسم کو محفوظ جگہ پر لے گئے۔ نکودیمس طبیب

۱۔ مصلوبیت کا ایک چشم دید گواہ۔ عیسیٰ کی مصلوبیت کے بعد حضرت عیسیٰ کے ایک ذاتی دوست کا یروشلم سے اسکندریہ کے ایک ایسینی بھائی کے نام خط"۔ القائی ہارمونک سیریز 2' دوسرا ایڈیشن۔ انڈو امریکن بک کمپنی۔ شکاگو امریکہ 1907ء۔ دوسری طباعت نفیس پرنٹرز لاہور 1977ء

۲۔ ایضاً ص 13

۳۔ ایضاً ص 14

نے ایک خاص مرہم لگایا جس سے آپ کے زخم چند دنوں میں ٹھیک ہو گئے۔ بعد میں آپ بھیس بدل کر دارالحکومت سے کوہ زیتون پر واقع ایک سفید لاج میں تشریف لے گئے۔ خط میں مذکور ہے کہ چھ ماہ بعد تنہائی میں آپ نے فلسطین میں وفات پائی۔

اس یہودی میسن نظریہ میں مزید رنگ آمیزی مرزا صاحب نے کی۔ انہوں نے ''مرہم عیسیٰ'' کا نام نکودیمس کی مرہم کی بجائے استعمال کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسیح کے زخموں کے علاج کے لیئے اس مرہم کو ان کے جسم پر لگایا گیا۔ اس مرہم نے مصلوبیت کے دوران لگنے والے تمام زخم جلدی ٹھیک کر دیئے۔ مرہم عیسیٰؑ کو طب یونانی میں مختلف نام دیئے گئے ہیں جو اس کی زخموں کو جلد ٹھیک کرنے والی خصوصیات کی وجہ سے ہیں اور کسی حکیم نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ یہ مرہم صرف حضرت عیسیٰؑ کے لیئے تیار کی گئی۔(۱)

یوز آسف

مرزا صاحب مزید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ نے اپنے سفر ہندوستان کے دوران ''یوز آسف'' کا نام اختیار کیا۔ یہ بھی اس نظریہ کا ایک دلچسپ پہلو اور یوز آسف کے نام کا عیارانہ استحصال ہے۔ مرزا صاحب جسے ''یوز آسف'' یا ''یود آسف'' کہتے ہیں وہ گوتم بدھ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں۔ ''للتا داسترا'' کی بدھ روایات کے مطابق جب گوتم بدھ نے مکمل گیان اور علم حاصل کرلیا تو وہ ایک بدھستوا (مکمل گیانی) بن گیا۔ یوذ آصف اسی بدھستوا کی بگڑی شکل ہے۔ بدھ کی معجزاتی پیدائش اور اس کے بدھستوا بننے کی کہانی دوسری صدی عیسوی میں ہندوستان سے وسطی ایشیاء میں پہنچی۔ نتیجتاً عباسی خلیفہ المنصور کے زمانے میں المقفع مکتب کے عرب علماء نے پالی سنسکرت اور فارسی علوم کو عربی میں منتقل کیا۔ (بود یا یوز آصف) بدھا کی کہانی بھی کئی عرب داستانوں میں داخل ہوگئی۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں تین کتابوں کا حوالہ دیا ہے، جن میں یہ کہانی معمولی ردوبدل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔(۲) کچھ وقت گزرنے کے بعد بدھ کے

۱۔ مولانا آر سی امرتسری ''الکاویہ والغاویہ''۔ امرتسر ص 83

۲۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۱ برلام اور یوذآصف۔ ص 1215

مکمل گیان حاصل کرنے کی کہانی مختلف شکل میں ہندوستان واپس آ گئی۔ جس میں نام عربی طرز کے ہوگئے اور واقعات بھی تبدیلی کا شکار ہوگئے۔

قادیانی مصنفین نے اپنی داستان کو ثابت کرتے وقت سنسکرت کے ماخذوں کا بھی سہارا لیا ہے۔ انہوں نے ہندو رشی سوتا کی ''بھوشیا مہا پُران'' کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے۔ یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ ہندومت میں پورانوں کی تعداد اٹھارہ ہے جو خالصتاً فرضی داستانوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں قصے کہانیاں، ہندو میتھالوجی، نصائح وغیرہ کی شکل میں ہے۔ سب سے پہلا ''پُران'' غالباً چوتھی صدی عیسوی میں مدون کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے ''بھوشیا پُران'' ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ کشمیر پرتاپ سنگھ کے حکم سے بمبئی میں چھپا تھا۔ اس پران میں ساکا قبیلہ کے راجہ شلواہن کی ایک سفید چہرے والے شخص سے ہُنوں کی سرزمین ہمالیہ میں کسی جگہ ملاقات کا تذکرہ ہے جہاں شلواہن نے اس سے اس کے مذہبی عقائد کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے جواب دیا۔

> ''اے بادشاہ! جنگلیوں کی دیوی (ماسی دیوی) اہاماسی نے پریشان لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا اور میں اس کے پاس نہ ماننے والے کی حیثیت سے پہنچا۔ میں نے دیوی ماسیا کا عطا کردہ مرتبہ پا لیا۔ اے بادشاہ! اس کے مذہب کے بارے میں سنو۔ جسے میں نہ ماننے والوں کے ذہن نشین کرواتا ہوں۔ ذہن کی صفائی اور گندے جسم کی طہارت اور کتاب نیگما کی دعا کی طرف متوجہ ہو کر انسان ابدیت کی پوجا کرے۔ انصاف، سچائی، ذہن کی یگانگت اور مراقبے کی حالت میں انسان کو سورج کی جنت میں عبادت کرنی چاہئے (یعنی سوریا منڈل جسے سورج کی ٹکیا کہہ سکتے ہیں) وہ آقا جو کہ سورج کی طرح اپنے رستہ سے نہیں ہٹ سکتا۔ کم از کم تمام مخلوق کی غلطیوں کو جذب کر لیتا ہے۔ اے بادشاہ! اس پیغام کے ساتھ ماسی دیوی غائب ہوگئی اور آقا کا بابرکت نقش، جو برکات عطا کرتا ہے اور ہمیشہ سے میرے دل میں ہے، میرا نام ''اہاماسیا'' تجویز کرتا ہے''۔(1)

یہ الفاظ سن کر بادشاہ نے اس بدعقیدہ پجاری کو نکال دیا اور اسے کافروں کی بے رحم سرزمین

1۔ مفتی محمد صادق۔ قبر مسیح۔ قادیان 1936ء ص 53

میں دھکیل دیا۔(۱)

ٹاٹا تحقیقاتی ادارے کے سنسکرت کے نامور عالم ڈاکٹر ڈی ڈی کوسمبی نے واضح کیا ہے کہ "ماسی دیوی" ایک افسانہ ہے اور ہندو مذہبی کتب میں "نیگما" کی مقدس کتاب کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ ایک کہانی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بدعقیدہ پجاری نے "اہاماسیا" کا رتبہ پایا اور "ماسی دیوی" کی پیروی میں "سورج کی پرستش" کا پرچار کیا۔ قادیانی علماء نے اہاماسیا کو "عیسیٰ مسیح" قرار دیا اور ماسی دیوی کو جبرائیل فرشتہ کہا ہے۔(۲) اس داستان کے تمام تضادات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا کہ راجہ شلواہن نے عیسیٰؑ سے ملاقات کی۔ جہاں آخر الذکر نے انڈیا کا دورہ کیا۔ خواجہ نذیر احمد نے اس "بھوشیا پران" کے اس اقتباس کو ڈاکٹر شیوناتھ شاستری سے ترجمہ کرایا اور سفید چہرے والے بدعقیدہ پجاری کو "یوسفاتذ" کے نام سے پکارا ہے۔(۳)

یہ کہانی خالصتاً ایک فرضی داستان ہے۔ "ماسیا دیوی" کا پجاری غالباً بدھستوا ہے۔ یہ ایک سورج پرست پیروکار ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے دوران اس داستان میں اضافے کیئے گئے۔ اس فرضی کہانی اور اس میں بیان کیئے گئے کرداروں کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح بھی نہیں بنتا جو کہ پہلی صدی عیسوی میں یروشلم میں مبعوث ہوئے اور خدا کے برگزیدہ نبی تھے۔ مرزا قادیانی اور ان کے پیروکاروں نے فرضی بدھستوا کے ناموں کو بدھوں کی دستاویزات سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں عیسیٰؑ ثابت کیا ہے۔ ایک بدھ راہب یا بدھستوا لی لی۔ شی لو کو "مسیحا" اور بدھ کی "بگواستیا" یا سفید چہرے والے بدھستوا کی پیش گوئی کا مطلب حضرت عیسیٰؑ لیا گیا۔ کیونکہ آپ کا چہرہ بھی سفید تھا۔(۴) سینٹ تھامس کے ہندوستان آنے کے دعویٰ کے بارے میں کوئی ثبوت میسر نہیں ہے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر "مسیح کا سفر کشمیر" لندن کانفرنس میں پڑھا گیا ایک خط 1979ء

۲۔ شیخ عبدالقادر۔ عیسیٰ ہندوستان سے کشمیر کے اوپر۔ 1979ء میں لندن کانفرنس میں پڑھا گیا مضمون

۳۔ مسیح جنت میں زمین Jesus in Heaven on Earth ص 369

۴۔ ایم آر بنگالی "مقبرہ مسیح" ربوہ 1971ء ص 51۔ اسکے علاوہ مرزا غلام احمد "مسیح ہندوستان میں" ص 28

پہلی صدی میں صدی میں یونانی فرمانروا گونڈو فارس کے دور حکومت میں سندھ کے علاقوں میں حواری تھامس کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں جعلی عیسائی کتب میں کہا گیا ہے۔(۱) مالا بار اور مدراس میں تھامس حواری کے نام کا کلیساء بنا۔ حالانکہ نہ تو تھامس ہندوستان آیا اور نہ ہی اس نے بنیاد رکھی۔ آثار قدیمہ کے تمام شواہد سے ان دعووں کی تکذیب ہوتی ہے۔ خواجہ نذیر کے دعوے کو بھی احمقانہ قرار دیا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ ہندوستان آئیں اور مری میں فوت ہوئیں۔ جہاں ان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے۔(۲) گوتم بدھ کی حصول معرفت کی کہانی کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو کہ بدھا کو آسف ثابت کرنے کے لیئے عربی اور فارسی ماخذوں میں موجود ہیں۔(۳) صلابت کے راجہ کی اولاد نہ تھی۔ کچھ عرصے بعد راجہ کے گھر معجزاتی طور پر ایک بچہ پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس کا نام یوذآسف (بدھا۔ بدھستوا) رکھا۔ ایک نجومی نے یہ پیش گوئی کی کہ شہزادہ کی عظمت اس دنیا کے لیئے نہ ہوگی چنانچہ بادشاہ اسے دنیا کے مصائب سے بے خبر رکھنے کے لیئے ایک علیحدہ شہر میں رکھنے لگا وہاں وہ پرورش پاتا رہا۔ آسف اپنی قید تنہائی میں گھل گھل کر مرتا ہے اور آزادی حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ ایک دن پھرتے ہوئے وہ دو انتہائی کمزور آدمیوں کو دیکھتا ہے اور بعدازاں ایک ضعیف اور منحنی شخص کو دیکھتا ہے اور انسانی کم مائیگی اور موت کو جان جاتا ہے۔ سرناتھ (سیلون) کا مقدس راہب بلوہر اس پریشانی میں ظاہر ہوتا ہے اور یوذآصف کو تمثیلوں میں سمجھاتا ہے۔ وہ اسے انسانی غرور اور زاہدانہ طریق کار کی برتری سمجھا دیتا ہے۔ بلوہر' شہرت' دولت' کھانے پینے میں مشغولیت اور جنسی آسائش اور لذتوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔

راجہ جانیسر بلوہر کا مخالف ہو جاتا ہے اور یوذآصف کی تبدیلی مذہب کا برا مناتا ہے۔ راکس نجومی اور تارک دنیا بلوہر کی کوششوں سے مذہب کے موضوع پر تنقیدی بحث میں جانیسر قائل ہو جاتا ہے۔ یوذآسف اپنی سلطنت شاہی کو ٹھکرا دیتا ہے

۱۔ دیکھیے سرجان مارشل۔ رہنمائے ٹیکسلا

۲۔ ''مسیح جنت میں زمین پر'' ص 353

۳۔ اس کے اردو ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو عبدالغنی۔ کتاب شہزادہ یوذآسف اور حکیم بلوہر۔ مفید عام پریس۔ آگرہ 1886۔

اور تبلیغی سفروں پر نکل جاتا ہے۔ بہت سی مہموں کے بعد وہ ''کُسی نارا'' کشمیر پہنچتا ہے جہاں وہ اپنے چیلے (آنندا) ابابودھ کو اپنے مذہب کا مستقبل سونپ کر مر جاتا ہے۔(۱)

یہ حوالہ کسی بھی طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں بلکہ یہ ایک ہندوستانی شہزادے بدھ (بود آصف) کے متعلق ہے جنہوں نے کُسی نارا (گورکھپور کشن نگر ہندوستان) میں وفات پائی۔ ان کا چیلا ابابودھ (آنندا) تھا۔ شیعہ عالم ابن بابویہ کی ''اکمال الدین'' (دسویں صدی عیسوی) اور باقر مجلسی کی ''عین الحیات'' میں بھی اسی کہانی کا یہ حصہ مذکور ہے۔ البتہ اتنا اضافہ ہے کہ بود آصف نے ایک معبد بدھ سٹوپا تعمیر کیا تھا جس میں اسے دفنایا گیا۔ تمام معتبر عرب مآخذوں اور تاریخی کتابوں مثلاً سعودی کی ''مروج الذہب''(۲) (۹۵۶ء) ابن الندیم کی الفہرست (۹۸۸ء)(۳) البلاذری کی ''فرق بین الفارق'' (۱۰۲۳ء)(۴) اور الخوارزمی کی ''مفاتیح العلوم''(۵) میں بدھا کے نام کو عربی میں تبدیل کر کے بود آصف یا بود آصب بتایا گیا ہے۔ اسے ایک ہندوستانی شہزادہ قرار دیا گیا ہے جسے خدا نے راستی کے پرچار کے لیئے بھیجا۔ اس کی جائے تدفین ہندوستان میں ''کشن نگر گورکھپور'' ہے۔ لفظ ''کشن نگر'' کو عربی میں تبدیل کر کے قشمیر یا کشمیر لکھا گیا ہے۔ بعد میں آنے والے کشمیری مورخین نے اسے وادی کشمیر کا نام دے دیا۔ کشمیر کے مسلمان مورخین(۶) نے شاید یہ کہانی انہی مآخذوں سے لی ہے تاہم کسی نے بھی ''بود آصف'' کو عیسیٰ علیہ السلام کہنے کی جرأت نہیں کی۔ تاریخ ہندوستان کے کچھ نیم تاریخی مآخذوں میں جو زیادہ تر سولہویں صدی کے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ بود آصف کو ماضی بعید میں کشمیر میں مبعوث کیا گیا۔ تاہم تاریخ ہندوستان یا کشمیر کا کوئی بھی مستند مآخذ یہ نہیں ثابت کرتا کہ حضرت عیسیٰؑ کشمیر آئے ہوں۔ خواجہ نذیر احمد

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص 1215
۲۔ المسعودی۔ ''مروج الذہب''۔ برحاشیہ ''نفح الطیب'' مصر جلد 2 ص 138
۳۔ ابن الندیم۔ الفہرست۔ مصر ص 486
۴۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص 1215
۵۔ الخوارزمی ''مفاتیح'' ص 3۴6
۶۔ دیکھیے خواجہ محمد اعظم۔ تاریخ اعظمی۔ صابر الیکٹرانک پریس لاہور۔ ص 87

نے ملا نادری کی کتاب ''تاریخ کشمیر'' سے ایک پیراگراف لے کر حضرت عیسیٰؑ کے ہندوستان آنے کے افسانوی دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔(۱) ملا نادری کشمیر کے راجہ زین العابدین (جسے عموماً بڈشاہ کہا جاتا تھا) کے دربار میں مذہبی عالم تھے، کشمیر کی تاریخ میں ان کا ذکر ہے کہ ملا نے تاریخ کشمیر تالیف کی مگر کسی نے اس کی موجودگی کی تصدیق نہیں کی۔ یہ ایک معدوم دستاویز ہے۔ خواجہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ۱۹۴۶ء میں سری نگر میں یہ کتاب دیکھی تھی اور اس کے انہترویں صفحے کی فوٹو کاپی حاصل کر لی تھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر آمد کا ذکر ہے۔ اس نے جی ایم محی الدین وانچو سے یہ کتاب لی جس کی یہ ملکیت تھی لیکن وہ اسے خرید نہ سکا۔ وہ اسے اچھی قیمت پر فروخت کرنا چاہتا تھا۔ متعدد گزارشات اور دعووں کے باوجود قادیانی مصنفین اصل مسودہ دکھانے کے قابل نہیں ہو سکے تاکہ مورخوں کو اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کر سکیں۔ یہ محض ایک احمدی دھوکہ ہے۔(۲)

مرزا صاحب کی دریافت سے پہلے ایک اہم کشمیری مورخ حسن شاہ نے لکھا کہ محلّہ خان یار سری نگر میں خواجہ نصیر الدین کے مقبرے سے ملحق ''یوز آسپ'' کا مقبرہ ہے جو زین العابدین کے دور حکومت (پندرہویں صدی عیسوی) میں مصر کے سفیر کی حیثیت سے کشمیر آیا۔(۳) وہ فوت ہو گیا اور کشمیر میں دفن ہوا۔ اس کا مقبرہ پندرھویں صدی میں تعمیر کیا گیا۔ آثار قدیمہ اور تاریخی شواہد خصوصاً تخت سلیمان پر کندہ تحریریں اور فارسی رسم الخط (خط ثلث) محلّہ خان یار سری نگر میں واقع اس مقبرے کے بارے میں تمام قادیانی دعووں کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ''یوز آسف'' اور ''بلوہر'' کی کہانی جب یورپ پہنچی تو اس نے عیسائی فرضی کردار برلام اور یوسفات کے لیئے نمونہ کا کام دیا۔

۱۔ خواجہ نذیر احمد ص 634

۲۔ ماہنامہ البلاغ کراچی ستمبر 1973ء

۳۔ پیرزادہ حسن شاہ ''تاریخ حسن۔ کوہ نور پریس۔ سری نگر 1965ء ص 50 (یہ کتاب 1889ء میں تالیف ہوئی اور اس وقت تک مرزا صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا) مزید دیکھیں مفتی شاہ سعادت۔ تحقیقات یوز آسف۔ سری نگر اور قاضی ظہور الحسن ناظم نگارستان کشمیر سرینگر 1941ء

انہیں عیسائی راہبوں کا درجہ دیا گیا اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔(۱) برلام کی یاد میں پامرلو (سسلی) کے مقام پر ایک کلیساء بھی تعمیر کیا گیا۔ مرزا صاحب نے بھی اسی گرجا کی تعمیر برلام کی یاد میں تسلیم کی ہے۔(۲) یہ امر حیران کن ہے کہ یورپ کے ابتدائی ازمنہ وسطیٰ میں برلام اور یوسفات کے افسانوی کردار بار بار یونانی، لاطینی، پراونسی، فرانسیسی، اطالوی، ولندیزی، قطلانی، ہسپانوی، انگریزی اور جرمنی زبانوں میں سامنے آتے ہیں۔ یہ کہانی مشرق وسطیٰ، عیسائی شمالی افریقہ اور روس کے صوبے جارجیا میں زبان زدعام رہی ہے۔ اس کے عیسائی پس منظر سے حبشی، آرمینی، کلیسائی، سلووینی اور رومانیائی تراجم کے ساتھ اور غیر عیسائی تراجم عربی اور عبرانی میں بھی تھے۔ کیا وجہ ہے کہ یہ قصہ اور اس کے ادبی تراجم اتنے مقبول ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ناول یا رومانوی تحریر شروع ہی سے ناصحانہ اور تفریحی شعری شکل میں تھی جس نے پنہاں بدیشی مذہب کی تبلیغ کی تھی۔ یہ ایک پرخیال مہم جویانہ کہانی تھی اور تبدیلی مذہب کی داستان جو ہمیشہ کے لیئے روحانی استفادے، رنگینی، تجسس، جوش اور دلچسپ قصے کی خصوصیات سے بھرپور ہوتی ہے۔ اس وسیع وعریض بیان کی ساخت ایسی تھی جس میں اضافہ وتفریق، فلسفیانہ مباحثہ، مذہبی پندو نصائح اور شاعرانہ عمدگی، کہاوتی اشعار، تشبیہات اور تماثیل موجود تھیں۔ اس نے قرون وسطیٰ کے تمام طبقات کو چاہے زیادہ پڑھے لکھے ہوں یا کم پڑھے لکھے برابر طور پر سامان تفریح مہیا کیا۔ برلام اور یوسفات کی کہانی دنیائے ادب کے ایک اعلیٰ نمونے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔(۳) ڈی ایم لانگ نے اپنی کتاب ”بلوہر کی دانش بدھا کی ایک عیسائی داستان“ میں لکھا ہے کہ یوز آصف کی ساری احمدیہ کہانی کی بنیاد برلام اور یوسفات کے قصے پر مبنی ہے جو عربی ترجمہ سے ماخوذ ہے اور بدھ کی داستان ہے۔(۴)

۱۔ کے ایس میکڈانلڈ۔ برلام اور یوسفات کی کہانی۔ تھمکر اینڈ سینک اینڈ کمپنی کلکتہ۔ 1985ء مزید دیکھئے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز اور اتھکس۔ برلام اور یوسفات۔

۲۔ مرزا غلام احمد۔ تحفہ گولڑویہ۔ قادیان 1900ء ص 14۔

۳۔ سیگفرائڈ اے شلز۔ دو عیسائی اولیاء؟ ہندوستانی بین الاقوامی مرکز سہ ماہی۔ جلد 8 شمارہ 2-1981ء۔

۴۔ ڈاکٹر ڈیوڈ مارشل لینگ۔ ”بلوہر کی دانش“ بدھا کی ایک عیسائی داستان۔ لندن 1957ء ص 127ء مزید دیکھئے۔ ریویو آف ریلیجز۔ ربوہ۔ فروری 1978ء گرٹ برنا کا لکھا مضمون۔

مقدس کفن اور پیالہ

احمدیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر نہیں مرے بلکہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا اور ایک لپیٹنے والی چادر "مقدس کفن" میں لپیٹ لیا گیا۔ مقدس کفن آج بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر نہیں گئے۔(۱) یہ کفن طورین (اٹلی) میں پایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تمام مبینہ مسودے امریکہ کی ایک فری میسن تنظیم کی ملکیت میں ہیں۔ جن میں کفن کی داستان مذکور ہے۔(۲) اسی طرح کی دلچسپی کی حامل کتاب "مقدس خون اور مقدس پیالہ" ہے جسے مائیکل بیگنٹ، رچرڈ لائی اور ہنری لنکن نے مرتب کیا۔(۳)

اس کتاب کو بکنے والی کتابوں کی فہرست میں دس پہلی کتب میں جگہ حاصل ہے کیونکہ اس کتاب نے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے متعلق دو ہزار سالہ رازوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ شمالی فرانس کے کوہ پائرینیز کی ترائی میں رینی لاشاتو کے ایک چھوٹے فرانسیسی گرجا کے قومی خزائن کی تلاش کے دوران ہنری لنکن نے قدیم مخفی پارچات ڈھونڈ نکالے جن میں مخفیہ تنظیموں کے خزائن تھے۔ جیسے نائٹ ٹمپلر، قدیم فرانسیسی بادشاہ کی اشیاء اور فری میسنی نوادرات۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت عیسیٰؑ نے شادی کی اور ان کی اولاد ابھی تک زندہ ہے۔ آپ پینتالیس عیسوی میں زندہ تھے مگر جگہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ قادیانی بھی اس یہودی ماسونی مطالعہ کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر کیا گیا، حوالہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کلیسائی تصورات کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ اسے احمدیت کے دعوؤں کی حمایت میں آخری شہادت تصور کیا گیا ہے۔(۴)

مختصراً عرض ہے کہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے دعوؤں میں یہودی

۱۔ حسن خان۔ "مقدس کفن" ربوہ 1978ء۔ ممتاز فاروقی۔ صلیب کے ٹکڑے۔ لاہور 1972ء

۲۔ الفضل ربوہ 10 جولائی 1977ء

۳۔ بیگنٹ۔ لائی اور لنکن "مقدس خون۔ مقدس رسالہ" ڈیلا کورٹ پریس نیویارک امریکہ 1982ء

۴۔ The Muslim Herald, London, مارچ 1982 ص 33

تعبیریں پائی جاتی ہیں جن کا مسیح کی آمد ثانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دعوے کے ذریعے انہوں نے انیسویں صدی کی یہودی قومیت پسندی کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا اور اسلام کو یہودیانے کی کوشش کی۔ انہوں نے صیہونیت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی اور ان کا مرتبہ گھٹانے کے لیئے غلیظ زبان استعمال کی اور ان کی ذات کے متعلق یہودیوں کے عائد کردہ الزامات دہرا دیئے۔ حضرت عیسیٰؑ کے سفر کشمیر اور کشمیر میں وفات کے افسانے کی تائید یہودی ماسوینوں کی تحریروں سے حاصل کی گئی۔ افسانوی داستانوں کا تانا بانا یہودیوں کی ایک تنظیم نے بنایا۔ تحریک اینگلو۔ اسرائیلیت کو ابھارنے اور مہمیز دینے کے لیئے انیسویں صدی میں یہود کی گمشدگی کا افسانہ گھڑ کر ان کی مظلومیت ثابت کی گئی تا کہ علیحدہ وطن کا جواز پیش کیا جا سکے۔ قادیانی حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بارے میں اب بھی اپنے دعوؤں کی تائید یہودی مآخذات سے ہی حاصل کرتے ہیں۔

مرزا صاحب کی یہ تاویل بھی نہایت احمقانہ ہے کہ سکھ مت کے بانی بابا گورونانک سچے مسلمان تھے۔(۱) علماء نے اس نظریے کی تردید کی ہے۔ ان کا یہ اہم نظریہ کہ عربی تمام زبانوں کی ماں ہے(۲) زباندانی کے ماہرین کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ آثار قدیمہ کے شواہد کی بناء پر انہوں نے عربی کو موجودہ عہد کی زبانوں میں شمار کیا ہے۔ ان شواہد کی بناء پر تاریخوں کی ترتیب اس طرح بنتی ہے۔ سمیری (۴۰۰۰ قبل مسیح) چینی (۱۵۰۰ قبل مسیح) سنسکرت (۱۲۰۰ قبل مسیح) اور عربی (۳۲۸ قبل مسیح)۔ تحریری عربی کی دیر سے دریافت ہوئی اس لیئے تمام زبانوں کی ماں نہیں ہو سکتی۔(۳)

علیحدہ مذہب

۱۹۰۱ء تک مرزا صاحب نے اپنے فرقے کو ایک علیحدہ وجود دینے کی منصوبہ

۱۔ مرزا غلام احمد ''ست بچن'' قادیان 1895ء

۲۔ مرزا غلام احمد۔ منن الرحمٰن۔ قادیان 1895ء

۳۔ پاکستان ٹائمز۔ لاہور۔ مئی 1987ء

بندی کی۔ انہوں نے نبوت کے دعووں کے ذریعے ہندوستان کے مسلمان معاشرے سے ایک نئی امت نکالنے کی کوشش کی اور انگریزوں کی طرف سے ستائش کی امیدیں باندھیں۔ انہوں نے ایک گھناؤنی پروپیگنڈا مہم کے ذریعے ہندوستان اور بیرونی دنیا میں سامراجی مفادات کی خدمت کی۔

ہندوستان کی مردم شماری (۱۹۰۱ء) کے مطابق پنجاب میں ۱۳۳۱ افراد نے یہ نیا عقیدہ قبول کیا۔(۱)

مردم شماری کی رپورٹ میں مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا نام ''مسلمان احمدیہ فرقہ'' لکھوایا۔ انہوں نے کئی تحریروں میں اس بات کو واضح کیا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اسلامی دنیا کے تمام مسلمان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ صرف ان کا فرقہ مسلمان ہے۔ انہوں نے احمدیوں کو ''تازہ دودھ'' کا نام دیا جبکہ اسلام کے دیگر پیروکاروں کو ''سڑا ہوا دودھ'' قرار دیا۔ انہوں نے اپنی جھوٹی نبوت کی بناء پر اپنے پیروکاروں کی حقیقی طور پر ایک علیحدہ امت ترتیب دی۔ ان کا کھلا اعلان نبوت نومبر ۱۹۰۱ء میں اس وقت کیا گیا جب انہوں نے اپنی نبوت اور رسالت کی تشریح میں ایک کتابچہ لکھا۔ احمدیت مسلم اتحاد کی توڑ پھوڑ اور اسے کھوکھلا کرنے کی ایک خطرناک کوشش تھی۔ پہلے مرزا صاحب نے اس وادی میں عیاری سے قدم رکھا اور صوفیانہ طرز کلام میں اپنے اصل دعوے کو چھپا دیا اس کے لیئے ظل یا بروز کی اصطلاحات استعمال کیں اور پھر مکمل نبوت کے دعوے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے۔ علماء کو ان کے پرفریب طریق کار کا پورا احساس نہ ہوا۔ مگر بعض لوگ جن میں علمائے لدھیانہ پیش پیش تھے۔ ان کی بدنیتی کو پہچان چکے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کی ۱۸۹۱ء میں پرزور مذمت اور تکفیر کی۔ مرزا صاحب مجدد

---

[1] ہندوستان کی مردم شماری کی اطلاع کے مطابق ۱۹۰۱ء میں احمدیوں کی تعداد پنجاب میں ۱۱۱۳ صوبجات متحدہ میں ۹۳۱ اور بمبئی پریذیڈنسی میں ۱۰۸۷ تھی۔ یہ تعداد درست نہیں۔ احمدیوں کی اصل توجہ پنجاب پر مرکوز تھی۔ (پنجاب کی مردم شماری کی ۱۹۰۱ء کی رپورٹ میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مرزا غلام احمد نے ایک مولوی کے طور پر ''بھنگیوں میں خصوصی تبلیغی کام'' شروع کیا ہے۔ اس بناء پر پنجاب میں مرزا صاحب کو ''چوہڑیاں دا پیر'' کہا جاتا تھا حالانکہ آپ کے رشتہ دار نے یہ کام شروع کر رکھا تھا۔ مرزا غلام احمد نے حکومت پنجاب کو استدعا کی کہ اس کے نام کے ساتھ ملا یا مولوی کا لاحقہ نہ لگایا جائے۔ حکومت پنجاب نے اسے مطلع کیا کہ اس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ ایسے الفاظ کو کاٹ ڈالا جائے جو اس کی شہرت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اور مسیحیت کا دعویٰ کر چکے تھے۔ مرزا صاحب کی ملت اسلامی کے استحکام کو توڑ کر ایک علیحدہ امت کے قیام کی مذموم کوشش اس درخواست میں دیکھی جا سکتی ہے جو انہوں نے جنوری ۱۹۰۱ء میں لیفٹیننٹ گورنر پنجاب میکورتھ ینگ کو بھجوائی۔ اس درخواست میں وہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ ایک بارہ رکنی وفد لیفٹیننٹ گورنر کی خدمت میں بھجوانا چاہتے ہیں جس کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تا کہ وہ ایک یادداشت پیش کر سکیں کہ مسلمانوں کی جس جماعت سے ان کا تعلق ہے ان کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ (۱)

اپنے خاندان کے وفادارانہ ماضی اور قابل ستائش خدمات کی بناء پر جو انہوں نے سامراجیت کے لیئے ادا کیں، انہوں نے خواہش کی کہ ان کو سرکاری طور پر ایک علیحدہ مذہب کا بانی تسلیم کر لیا جائے تا کہ وہ اپنے پیروکاروں کے لیئے جو عموماً درمیانے درجے اور نچلے طبقے کے لوگ تھے، سماجی و معاشی فوائد حاصل کر سکیں۔ پہلے انہوں نے حکومت کو تجویز پیش کی تھی کہ اپنی سرپرستی میں ایک عالمی مذہبی کانفرنس بلائے اور ان کو اس میں ایک ایمانی نشان دکھانے کی اجازت دے جس سے ان کے دعوے کی تصدیق ہو سکے۔ (۲) حکومت نے ان کی تمام عاجزانہ التجاؤں کو نظر انداز کر دیا۔ ان کو مطلع کر دیا گیا کہ "مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے مجوزہ وفد کو لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نہیں مل سکتے"۔ (۳) اگر وہ اسلام کا ہی احیاء کر رہے تھے تو ان درخواستوں کا کیا مطلب ہے اور یہ روش کس بناء پر اختیار کی گئی؟

۱۔ حکومت پنجاب۔ روداد محکمہ داخلہ نمبر 92-97 فائل نمبر 44۔ جنوری 1901ء۔ انڈیا آفس لائبریری لندن۔

۲۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ مجدد اعظم جلد 1 ص 639۔

۳۔ محکمہ داخلہ روداد۔ حکومت پنجاب نمبر 190۔ حکمنامہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب۔ بتاریخ 9 جنوری 1901ء۔ انڈیا آفس لائبریری لندن۔

تیسرا باب

سیاسی سازشیں

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قادیان برطانوی محکمہ خفیہ والوں کے مذہبی ہتھیار میں تبدل ہوگیا۔ مرزا صاحب نے مبلغین کے لبادے میں بیرون ملک جاسوس بھیجے۔ جنہوں نے برطانوی سامراجیت کے لیئے کام کیا۔ یہاں ہم قادیانی مخبروں کی گھناؤنی سرگرمیوں پر بحث کریں گے۔ جنہوں نے احمدیت کے سیاسی کردار کو مضبوط کرنے کے لیئے اندرون و بیرون ہند کارخاص اور مذموم خدمات انجام دیں۔

وسطی ایشیاء :

وسطی ایشیاء ہمیشہ سے ہی برطانوی عسکری و سیاسی نفوذ پذیری کا میدان رہا ہے۔ ۱۸۱۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اہلکار ولیم موَرکرافٹ نے وسطی ایشیاء میں خصوصی تربیت یافتہ آلہ کاروں کا ایک گروہ بھیجا۔ ایک برطانوی جاسوس مسٹر عزت اللہ نے عسکری رازہ حاصل کرنے کے لیئے خصوصی طور پر سفر کیا۔ الیگزینڈر برنز اور ایک کشمیری پنڈت موہن لال نے عسکری و سیاسی راز حاصل کرنے کے لیئے اس علاقہ کا دورہ کیا۔ انہوں نے ایک دستہ کی قیادت کی۔(۱) ایک یہودی ربی کے بیٹے جوزف وولف نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس نے ۱۸۴۴ء میں دو مقتول برطانوی جاسوسوں کرنل سٹوڈ ڈارٹ اور کیپ کنولی کے انجام کا پتہ چلانے کے لیئے بخارا میں ایک فوجی مہم شروع کی۔ حکومت ہند نے انہیں بخارا بھیجا۔ جہاں امیر بخارا نے انہیں پکڑ کر قید کرلیا اور بعد میں

۱۔ موہن لال۔ پنجاب۔ افغانستان۔ ترکستان۔ بلخ۔ بخارا۔ ہرات اور جرمنی۔ برطانیہ کا سفر پہلا ایڈیشن 1846ء۔ دوبارہ اشاعت البیرونی لاہور 1979ء۔

پھانسی دے دی گئی۔ پچھلی صدی کے ساٹھ کے اوائل عشرہ میں ہندوستان کی جنگ آزادی کی سنگدلانہ بیخ کنی کے بعد انگریزوں نے گرینڈ ٹرگنومیٹریکل سروے کے مہتمم کرنل واکر کی زیرسرکردگی وسطی ایشیاء میں اپنی مذموم سرگرمیاں دوبارہ تیز کر دیں۔ اس کام میں کرنل کی معاونت پنڈت من پھول' فیض محمد' بھائی دیوان سنگھ اور غلام ربانی نے کی۔(۱) اردو کے مشہور نقاد محمد حسین آزاد بھی ایک برطانوی جاسوس تھے۔ انہوں نے انگریز کے ایماء پر وسط ایشیاء میں ایک جاسوسی مشن کی ذمہ داری سرانجام دی۔(۲) فلپ نائٹلی اور کولن سمپسن نے اپنی بھرپور دستاویزی کتاب ''لارنس آف عریبیہ کی خفیہ زندگی'' میں جب روس اور برطانوی ہند کی رقابتوں پر بحث کی تو انہوں نے تصدیق کی کہ اس وقت جاسوسوں کا ایک گروہ وسطی ایشیاء میں کام کر رہا تھا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں ایشیائی روس اور برطانوی ہند کے مابین کشمکش میں کچھ حد تک کمی آ گئی۔ مگر مقاصد کے ایک جیسے حصول کے لیئے یہ جاری ضرور رہی۔ افغانستان' فارس' عراق' شام اور خلیج فارس میں قونصلوں' سیاحوں' تاجروں اور آثار قدیمہ کے ماہرین کی شکل میں جاسوسوں کا ایک گروہ دفتر خارجہ یا خفیہ اداروں کے لیئے فوجی' بحری' سیاسی اور معاشی معلومات کے حصول میں اس امید پر سرگرم عمل تھا کہ کسی جگہ کسی کے لیئے خدمت انجام دے سکیں گے۔ سرداروں پر اثرانداز ہونا' قبائل کو خریدنا' معاملات طے کرنا اور روسیوں اور فرانسیسیوں کی تحقیر کرنا ان کے مقاصد میں شامل تھا تاکہ برطانوی سامراجیت کو بچایا جا سکے۔(۳)

۱۸۹۹ء میں مرزا صاحب نے وسط ایشیاء میں جاسوسی کے لیئے ایک نام نہاد تبلیغی وفد بھجوانے کی منصوبہ بندی کی۔ جس میں مولوی قطب دین' میاں جمال دین اور مرزا خدا بخش شامل تھے۔ اس وفد کا بظاہر مقصد حضرت عیسیٰؑ کے مبینہ سفر ہندوستان

۱۔ دوندرا کوشیک۔ وسطی اشیاء۔ جدید دور میں۔ ماسکو 1970ء ص 38۔

۲۔ تفصیلات کے لیئے دیکھیئے آغا اشرف۔ وسط ایشیاء کی سیاحت۔ ہمدرد اکیڈمی کراچی۔ 1960ء انہوں نے آزاد کے مشن کی رپورٹ شائع کی۔ جو انہیں انڈیا آفس لائبریری لندن سے ملی۔

۳۔ فلپ نائٹلی اور کولن سمپسن۔ لارنس آف عریبیا کی خفیہ زندگی۔ لندن 1971ء ص 50۔

براستہ وسط ایشیاء کا پتہ چلاتا تھا۔ چار اکتوبر ۱۸۹۹ء کو مرزا صاحب نے ان کو الوداعی تقریب کے بعد رخصت کرنے کا اہتمام کیا اور کہا کہ وہ ایک عظیم مقصد کی خاطر جا رہے ہیں۔(1) تاہم یہ وفد روانہ نہ ہو سکا اور بعض افراد کو سیاسی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف مواقع پر افغانستان اور وسط ایشیاء بھجوایا جاتا رہا۔

افغانستان

افغانستان، برطانوی سامراج کے لیئے ہمیشہ سے سیاسی بغاوت کا مرکز رہا ہے۔ کابل میں قادیانی جاسوسوں کی مذموم سرگرمیوں کی تفصیلات بیان کرنے سے قبل اس معالمے کی تہہ تک پہنچنے کے لیئے ایک مختصر سا تعارفی خاکہ پیش کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں روس اور برطانیہ نے وسط ایشیاء کے لیئے ایک جارحانہ حکمت عملی اپنا لی۔ اس رقابت کا اصلی مقصد عسکری اہمیتوں کے ساتھ ساتھ معاشی مفادات کا تحفظ تھا۔ اس کے علاوہ پہلے سے مفتوحہ علاقوں پر قبضے کو مستحکم کرنا تھا۔ ہندوستان میں برطانوی نوآبادکاروں کو خدشہ تھا کہ کسی بھی غیر ملکی فوج کی ہندوستانی سرحدوں پر آمد کی صورت میں ان کے راج کے لیئے ایک عمومی نفرت ابل پڑے گی۔ وہ اپنا اثر و رسوخ پھیلانے میں بھی دلچسپی رکھتے تھے اور ممکنہ حد تک ملحقہ ممالک فارس' افغانستان' سنکیانگ اور برما پر مکمل قبضہ جمانے میں بھی کوشاں تھے۔

زار روس بھی اپنا علاقہ وسیع کر رہا تھا۔ ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۲ء کے مابین روس نے بخارا' ثمرقند اور خیوا کو اپنے اختیار میں کر لیا تھا۔ برطانوی حکومت کا یہ خیال تھا کہ روس جنوب کی طرف بڑھے گا اور ہندوستان پر حملہ آور ہو گا۔ اس خطرے سے بچنے کیلیئے پہلے برطانیہ اس پہاڑی ملک کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا تھا جو کوہ پامیر کی مرتفع چوٹیوں اور بحیرہ عرب کے مابین واقع تھا۔ دوسرے وہ تخت افغانستان پر اپنا حامی امیر بٹھانا چاہتا

---

[1] تاریخ احمدیت' جلد 3 ص 73

تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ کو خان آف قلات سے لے کر اسے ایک مضبوط فوجی مرکز بنا دیا گیا۔(۱) والیء افغانستان شیر علی نے کوئٹہ میں انگریزوں کی موجودگی کو پسند نہ کیا اور روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ برطانوی نوآبادکاروں نے اس کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ جنگ دو سال جاری رہی۔ شیر علی روس بھاگ گیا اور اس کی جگہ عبدالرحمٰن امیر بن گیا۔ انگریزوں نے اسے اس صورت میں تسلیم کرنے کی حامی بھری اگر افغان خارجہ پالیسی ان کے ہاتھوں میں دے دی جائے۔ نتیجتاً وہ بلوچستان، چترال اور گلگت کی پہاڑی چوٹیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۰۰ء میں چند افغان قبائل انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ افغانستان اور برطانوی ہند کے مابین حد بندی کے مسئلہ سے مطمئن نہ تھے۔ صورتحال اس وقت مزید بگڑ گئی جب کچھ افغانیوں نے برطانوی حکام کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ امیر کابل کی ہدایت پر ایک کتاب بعنوان "تقویم الدین در بارہ تحریک جہاد" افغانستان میں پھیلائی گئی۔(۲) اس کتاب نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور انگریزوں کو مزید سیاسی مصائب سے دوچار کر دیا۔

انگریزوں کی افغان حریت پسندوں کو ٹھنڈا کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ ۱۸۹۴ء کے لگ بھگ پنجاب کے خفیہ محکمہ جسے اس وقت "محکمہ ٹھگی و ڈکیتی" کہا جاتا تھا نے لیفٹیننٹ گورنر میکورتھ ینگ کو تجویز بھجوائی کہ کابل میں ایک قادیانی مرکز قائم کیا جائے تاکہ تمام بڑے قبائل کی طرف سے بڑی شد و مد سے شروع کیے جانے والے جہاد کو روکا جا سکے۔ کیونکہ جہاد کے عقیدے نے افغان معاشرے میں ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر ہیرالڈ ڈین نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔(۳)

۱۸۹۴ء میں خوست (کابل) کے مولوی عبداللطیف نے جو کہ انگریزوں کا

۱۔ پرسیول سپئر۔ آکسفورڈ تاریخ ہندوستان دہلی۔ 1976ء ص 252 اور رچرڈ ایس نیو یل۔ افغانستان کی سیاست۔ کارنیل یونیورسٹی پریس۔ لندن 1972ء ص 45۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 3 ص 185۔

۳۔ ایضاً ص 57۔

ایک قابل اعتماد آلہ کار تھا ڈیورنڈ کمیشن کے رکن کی حیثیت سے ہندوستان کا دورہ کیا جس کا مقصد افغانستان اور برطانوی ہند کے مابین حد بندی کرنا تھا۔ وہ خوست کے گورنر شیریں دل خان کا ہمراز اور اس کا دست راست تھا۔ جب کمیشن نے اپنا کام مکمل کر لیا تو مولوی عبداللطیف نے اپنے دو آلہ کاروں مولوی احمد نور اور مولوی عبدالرحمٰن کے ذریعے مرزا غلام احمد کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔ عبدالرحمٰن نے دو یا تین دفعہ قادیان کا چکر لگایا۔ وہ مرزا صاحب اور خواجہ کمال الدین کی تحریروں سے متاثر تھا۔ خواجہ صاحب ان دنوں پشاور میں مقیم تھے اور جہاد کے خلاف کتابچے چھپواتے تھے۔ مولوی عبداللطیف نے کابل میں تقسیم کرنے کے لیئے قادیانی مطبوعات لیں۔(۱) عبدالرحمٰن کو کابل پولیس نے گرفتار کر کے ۱۹۰۱ء میں جیل میں ڈال دیا جسے وہیں قید کی کوٹھڑی میں ہی پھانسی دے دی گئی۔

۱۸۹۶ء کے بعد کابل میں برطانوی جاسوسوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ مئی ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب نے امیر کابل عبدالرحمٰن کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے برطانوی راج کے شاندار کارناموں کی تفصیل بیان کی تھی اور ''اسلام کی خدمت'' کی مہم کے سلسلے میں اس سے مالی امداد طلب کی تھی۔ یہ خط مرزا صاحب کی زندگی میں نہ چھپ سکا۔ عبدالرحیم درد نے اسے ڈپٹی انسپکٹر پولیس بٹالہ محمد بخش کے کاغذات سے حاصل کیا اور اپنی انگریزی کتاب ''لائف آف احمد'' میں درج کیا ہے جو انہوں نے مرزا غلام احمد کی زندگی پر لکھی ہے۔(۲)

۱۹۰۲ء میں مولوی عبداللطیف اپنے دو شاگردوں سمیت کابل سے حج کے بہانے ہندوستان آیا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت وہ قادیان میں رہائش پذیر ہو گیا اور پنجاب کے محکمہ خفیہ کی راہنمائی میں کابل میں جاسوس بھیجنے شروع کر دیئے۔ قادیان میں وہ چند ماہ قیام پذیر رہا۔ کابل روانگی سے قبل اس نے کابل پولیس کے کمشنر بریگیڈیئر محمد حسین کو خط لکھا کہ آیا امیر اسے کابل میں واپس آنے کی اجازت دے گا یا

۱۔ سر ظفر اللہ - احمدیت کا لندن مشن 1976ء ص 84۔

۲۔ عبدالرحیم درد۔ ''حیات احمد'' ص 362۔

نہیں؟(۱) امیر نے اسے واپسی کی اجازت دے دی، تاہم کابل آتے ہی اسے گرفتار کر لیا گیا اور جہاد کے خلاف پرچار کرنے اور ارتداد پر مبنی عقائد اور کفر پھیلانے کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا۔

اسے ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے کفریہ عقائد کو ترک کر دے مگر اس نے انکار کر دیا۔ چار ماہ بعد ایک مذہبی عدالت نے اسے ایک مرتبہ پھر کفریہ عقائد ترک کرنے کو کہا مگر وہ پھر مکر گیا۔(۲) آخرکار اسے ارتداد کا مجرم قرار دے کر چار جولائی ۱۹۰۳ء کو سنگسار کر دیا گیا۔ ریویو آف ریلیجنز قادیان کا مدیر مولوی محمد علی قادیانی، مولوی لطیف کی سنگساری پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے۔

> ”صاحبزادہ عبداللطیف قادیان میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ اقامت کر کے جب اپنے ملک واپس پہنچے تو بڑے بڑے عمائد کابل کو اس پاک سلسلہ کی تبلیغ کی۔ اب ان عقائد میں سے جو سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات میں سے ہیں سب سے انفرادی مقصد خونی مہدی اور جہاد کا انکار ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مسیح موعود کے دعائے کی یہی بنیاد ہے۔ امیر افغانستان کو مروجہ عقیدہ جہاد سے یہ علیحدگی باعث خطر معلوم ہوئی۔ افغانستان میں قومی وحدت زیادہ تر تعلیم مسئلہ جہاد کی بنیاد پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ خونی مہدی کے عقیدے کو معمولی مذہبی اختلاف سے بڑھ کر اور گورنمنٹ کی خاطر مضر خیال کر کے امیر نے صاحبزادہ کو سنگسار کرا دیا“۔(۳)

ایک اطالوی انجینئر فرینک مارٹن جو ان دنوں کابل میں تعینات تھا، اس سارے واقعہ کا چشم دید گواہ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

> ”اس نئے آدمی (مرزا غلام احمد قادیانی) کی اگر تبلیغ کو سنا جاتا تو وہ اسلام کو خاصا بگاڑ دیتا اور جیسا کہ وہ پرچار کرتا تھا کہ مسلمان عیسائیوں کو اپنا بھائی سمجھیں اور کافر نہ سمجھیں، یہ امیر کے سب سے بڑے ہتھیار جہاد کو بے کار کر دینے کے مترادف تھا۔ اگر برطانیہ یا روس

۱۔ دیکھیں ریویو آف ریلیجنز - قادیان۔ نومبر - دسمبر 1903ء ص 443 اور مرزا غلام احمد - تذکرۃ الشہادتین۔ قادیان 1903ء ص 47۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 3 ربوہ 1962ء ص 338۔

۳۔ ”ریویو آف ریلیجنز“ قادیان۔ مئی 1906ء۔

> جارحیت کریں گے تو مزاحمت نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ امیر نے جب یہ سب سنا تو ملا (لطیف) کو کہلا بھیجا کہ وہ واپس آ جائے اور ملا نے ایسا ہی کیا۔ اس نے آتے ہی نئے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی اور جیسے ہی وہ کابل کی حدود کے اندر داخل ہوا اسے گرفتار کر لیا گیا اور کابل لے جایا گیا''۔(۱)

مرزا صاحب نے اس واقعہ کو برطانوی سامراجیت کے حق میں استعمال کرتے ہوئے کابل کی مذہبی اور سیاسی حکمت عملی کے خلاف ایک مکروہ مہم شروع کر دی۔ اپنی کتاب ''تذکرۃ الشہادتین'' میں انہوں نے برطانوی شہنشاہیت کی زبردست مدح سرائی کی اور اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید کی کہ وہ اپنی اور اپنی جماعت کی بقاء اور اس کے مفاد کی خاطر حکومت سے مکمل تعاون کریں۔ کئی دوسرے مواقع پر انہوں نے اپنی جماعت کو مندرجہ ذیل نصیحت کی۔

> ''سو تھوڑا غور کرو اگر تم اس حکومت کا ساتھ چھوڑ دو گے تو روئے زمین پر کون سی جگہ تمہیں اپنی حفاظت میں لینا قبول کرے گی۔ اسلامی حکومتوں میں سے ہر ایک تمہارے وجود پر سخت غضبناک ہے۔ تمہارے خاتمہ کے لیئے منصوبہ بنا رہا ہے اور بے خبری میں حملہ کرنے کے لیئے منتظر ہے کیونکہ ان کی نظر میں تم کافر و مرتد ہو گئے۔ لہٰذا اس نعمت الٰہیہ (حکومت برطانیہ) کو قبول کرو اور اس کی قدر کرو، لیکن انگریزی حکومت اللہ کی رحمت اور برکت کا ایک پہلو ہے یہ ایک ایسا قلعہ ہے جو خدا نے تمہاری حفاظت کے لیئے تعمیر کیا ہے۔۔۔۔ انگریز تمہارے لیئے ان مسلمانوں کے مقابلے میں ہزار درجہ بہتر ہیں جو تم سے اختلاف رکھتے ہیں کیونکہ انگریز تمہیں ذلیل کرنا نہیں چاہتے، نہ ہی وہ تمہیں قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں''۔(۲)

۱۔ فرینک اے مارٹن ''مطلق العنان آمر کے دور میں'' (Under the Absolute Amir) ہارپر اینڈ برادرز۔ لندن 1907ء ص 203۔

۲۔ میر قاسم علی۔ تبلیغ رسالت جلد 10 ص 123۔

ایران

مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یا جماعت کو ایرانی معاملات میں سنجیدگی سے ملوث نہ کیا کیونکہ وہاں پہلے ہی ایران کے بڑے شہروں میں بہائیوں نے خفیہ یہودی تنظیموں کی مدد سے سامراج کی حمایت میں ایک تحریک شروع کر رکھی تھی۔ تاہم ۱۹۰۶ء میں انہوں نے اپنی ایک وحی کی تشہیر کی کہ "زلزل در ایوان کسریٰ فتاد" (شاہ ایران کے محل میں سخت زلزل و تباہی آئی"۔ قادیانی مصنفین(۱) نے اسے شاہ ناصر الدین کے زوال اور اس کے بعد (۱۹۰۵ء) کی آئینی اصلاحات کے لیئے چلنے والی تحریک سے تعبیر کیا۔ فری میسوں اور یہودیوں کی امداد سے چلنے والی تخریبی تنظیموں خصوصاً بہائیوں نے دوسری دہائی کے اوائل میں ایران میں کئی سیاسی سازشوں میں حصہ لیا۔

ہندوستان

قادیان کے مدعی نبوت نے ہندوستان کے متعلق کئی سیاسی پیش گوئیاں کیں جن میں سے ایک تقسیم بنگال سے تعلق رکھتی تھی۔

۱۸۹۸ء میں لارڈ کرزن (۱۸۵۹-۱۹۲۵ء) ہندوستان میں وائسرائے بن کر آیا۔ اس نے صوبائی سرحدوں کے بارے میں ۱۹۰۲ء میں بحث چھیڑ دی جو نہ صرف بنگال بلکہ بہار، صوبجات مرکزیہ، مدراس، بمبئی اور سندھ کو بھی متاثر کرتی تھی۔ اگلے سال ایک منصوبہ منظر عام پر آیا جس کی رو سے اکثریتی طور پر بنگالی بولے جانے والے مسلمان مشرقی علاقوں کو کاٹ کر آسام سے ملانا تھا اور اس طرح تین کروڑ دس لاکھ آبادی والے نئے صوبے کا قیام تھا جس کی انسٹھ فیصد آبادی مسلمان تھی۔(۲) کچھ انتہا پسند ہندو بنگالی رہنماؤں نے اس منصوبے کی مخالفت کی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ برطانوی اہلکاروں کو قتل کر کے کالی ماتا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

۱۔ چوہدری علی محمد۔ مسیح موعود کی مجلس میں لائٹ پریس لاہور 1977ء ص 307۔

۲۔ پرسیول سپیئر۔ آکسفورڈ جدید ہندوستان کی تاریخ 1978ء۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ دہلی ص 315۔

لارڈ کرزن نے ہندو انتہا پسند تنظیموں کے تقسیم بنگال روکنے کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگست ۱۹۰۶ء میں نئے صوبے مشرقی بنگال اور آسام کے لیفٹیننٹ گورنر سر بیمپفیلڈ نے سراج گنج میں سکول کے بچوں کے احتجاج پر انتقام لینے کی تجویز کی مخالفت پر استعفیٰ دے دیا۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو نے یہ استعفیٰ قبول کر لیا۔ ہندو مظاہرین نے اسے اپنی فتح قرار دیا۔ لانسلیٹ ہیئر نے فلر کے بعد اقتدار سنبھالا۔(۱) بنگال کی بے چینی کے دوران مرزا صاحب نے پیش گوئی کی۔

> ”پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی۔“ (فروری ۱۹۰۶ء)

جب فلر نے استعفیٰ دے دیا تو یہ دعویٰ کیا گیا کہ قادیانی پیش گوئی پوری ہو گئی ہے اور قادیان کے رسالے ”الفضل“ نے بڑی مسرت سے سوال کیا۔

> ”کیا چھ ماہ پہلے کوئی یہ اندازہ بھی کر سکتا تھا کہ فلر استعفیٰ دے گا اور بنگالی احتجاج کرنے والے راضی ہو جائیں گے؟ کوئی بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ انگلستان میں ایک آزاد خیال حکومت تقسیم کے اس حکم کو واپس لے گی بلکہ کسی نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ حکومت ایسی صلح جویانہ حکمت عملی اختیار کرے گی“۔(۲)

۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقع پر جب تقسیم بنگال منسوخ ہو گئی تو اس پیش گوئی کی تشریح مختلف انداز میں کی گئی کہ

> ”مرزا صاحب نے تقسیم بنگال کی تنسیخ کی پیش گوئی کر دی تھی۔ کس طرح پراسرار طور پر واقعات نے ایسی شکل اختیار کی جو کہ ایک قادر مطلق کے خدائی ہاتھ کی تدبیروں کو ظاہر کرتی ہے۔ جس نے اس سیاسی کھیل کے آخری منظر کو بتا دیا اور یہ رسم تاج پوشی ۱۹۱۱ء میں ہونے والی تقریب میں ڈرامائی انداز میں اعلان سے پورا ہوا۔ تقسیم بنگال کو بنگال کے لوگوں

۱۔ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان جلد 5 نمبر 7۔ جولائی 1906ء ص 82۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنز قادیان۔ جلد 5 ص 363۔

> کے لیے صلے کے ایک نشان کے طور پر روک دیا گیا۔ حضرت مرزا غلام احمد کی وفات کے تین سال بعد یہ پیش گوئی کس طرح شاندار طور پر پوری ہوئی“۔(۱)

مسلمانوں کے لیئے ایک علیحدہ وطن کی تحریک میں تقسیم بنگال ایک اہم واقعہ ہے۔ ہندوؤں نے اس کی تنسیخ پر خوشیاں منائیں جبکہ مسلمان مایوس ہوئے۔ یہ ان کے لیئے ماتم کا دن تھا جبکہ ہندوؤں کے لیئے خوشیوں بھرا موقع تھا یا پھر قادیانیوں کے لیئے جن کو اپنے پیغمبر کی پیش گوئی کی تکمیل نظر آئی۔

مسلم لیگ

مرزا صاحب برطانوی سامراجیت کے ساتھ اس حد تک مخلص تھے کہ انہوں نے ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتوں انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کو ناپسند کیا اور ان کے سیاسی طریق کار کی مخالفت کی۔(۲) وہ سر سید کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ کالج اور ندوۃ العلماء کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سامراجی تسلط سے ہندوستان آزاد ہو جائے گا یا اپنے حقوق کی بحالی کے لیئے ایک غلام قوم کی چلائی ہوئی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

جنوبی افریقہ میں لڑائیاں

ولندیزی بوروں نے جو کیپ کالونی افریقہ سے ہجرت کر کے ۱۸۴۰ء میں نیٹال جنوبی افریقہ میں آباد ہو گئے تھے ۱۸۸۰ء میں برطانوی نو آبادکاروں کے خلاف لڑائی چھیڑ دی اور اس ملک کے الحاق کے خلاف دلیرانہ مزاحمت کی۔ اس ملک میں سونے اور ہیروں کی دریافت سے انگریزوں اور دوسری قوموں کے غول کے غول آنے لگے۔ لیکن بوروں کے دوسری قوموں کو حق رائے دہی سے انکار نے بہت زیادہ بے چینی

۱۔ میاں رحیم بخش۔ The Debt Forgotten لاہور 1960ء ص 52 اور مرزا محمود احمد۔ تحفہ شہزادہ ویلز ص 86۔

۲۔ الفضل۔ قادیان۔ یکم جنوری 1914ء۔

پیدا کر دی۔ بوروں نے دوسری قوموں کو حق رائے دہی کے بدلے برطانوی اقتدار کے خاتمے کا مطالبہ کر دیا۔ انگریزوں نے انکار کر دیا جس سے لڑائی چھڑ گئی۔ (۱۹۰۰۔ ۱۸۹۹ء) میں ٹرانسوال کے بوروں نے نیتال کے شمال مغرب پر حملہ کر دیا مگر برطانوی جنرل سائمنز نے گلینکو کے مقام پر انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ پھر انہوں نے جنرل وہائٹ کے زیر قبضہ لیڈی سمتھ پر حملہ کیا۔ لیڈی سمتھ پر انگریزوں کے دفاعی حصار نے بوروں کے ساحل کی طرف بڑھنے کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ آخر کار انگریزوں نے ٹرانسوال کو ۱۹۰۶ء میں حکومت خود اختیاری عطا کر دی۔ افریقہ میں لڑائی کے دوران مرزا غلام احمد برطانوی سامراج کی فتح کی دعائی کرتے رہے۔ ٹرانسوال پر جارحیت کے دوران زخمی ہونے والے بھاڑے کے ٹٹوؤں کے لیئے چندے جمع کیئے گئے۔ جب جنرل سائمنز نے بوروں کو ٹرانسوال سے واپس دھکیل دیا تو مرزا صاحب نے حکومت پنجاب کو مبارکبادی کا خط لکھا۔ تو مارچ ۱۹۰۰ء کو پنجاب کے گورنر نے حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کے سیکرٹری کو خط لکھا۔

> ''میری چٹھی نمبری c-۵۴ بتاریخ ۱۹۰۰- ۳-۶ حکومت ہند کی اطلاع پر مشتمل ہے۔ ان مبارکبادی پیغامات کی نقول درج ہیں جو افراد اور تنظیموں کی طرف سے جنوبی افریقہ میں برطانوی کامیابی پر دیے گئے ہیں۔ جن کے نام حاشیہ میں لکھے گئے ہیں اور مزید یہ کہ یہ تمام پیغامات میکورتھ ینگ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے خوشدلی سے قبول کیئے ہیں۔ (1) نواب محمد حیات خان حسن ابدال' (2) سیکرٹری انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور اور (3) مرزا غلام احمد رئیس قادیان' بٹالہ''۔(۱)

جب برطانوی جنرل وہائٹ نے لیڈی سمتھ پر بوروں کا حملہ روک دیا تو مرزا غلام احمد نے لیفٹیننٹ گورنر کی وساطت سے ملکہ معظّمہ کو برقی عریضہ ارسال کیا۔

''میں ملکہ معظمہ کو لیڈی سمتھ کی بازیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ براہ کرم اسے آگے

۱۔ منجانب مسٹر ڈبلیو۔ آر۔ ایچ۔ مرک۔ قائم مقام سیکرٹری حکومت پنجاب بجانب سیکرٹری حکومت ہند۔ محکمہ خارجہ بتاریخ 1900-3-9 انڈیا آفس لائبریری لندن۔

ارسال کر دیں''۔(۱)

دس فروری ۱۹۰۰ء کو آپ نے ٹرانسوال جنگ کی طرف توجہ دلانے کے لیئے اپنی جماعت کو ایک اشتہار بھجوایا جس میں انہوں نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ انگریزوں کی کامیابی کے لیئے دعا کریں اور زخمیوں کے لیئے دل کھول کر امداد دیں۔ ہندوستان کی تمام احمدیہ جماعتوں سے رقم کی وصولی کے لیئے رابطہ کی ذمہ داری مرزا خدا بخش کے ذمہ لگائی گئی۔(۲) حکیم نور الدین کی پاپائیت (۱۹۱۴-۱۹۰۸ء) کے زمانے میں مرزا خدا بخش نے احمدیہ تحریک پر دو جلدوں پر مشتمل ''عسل مصفّٰی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اس نے یہ بات زور دے کر کہی کہ۔

> ''ملکہ معظمہ قیصرہ ہند تجھ کو مبارک ہو۔ تو کیسی خوش نصیب تھی کہ مسیح کی روح نے تیرے زمانہ میں تیری ہی سلطنت کے اندر نزول کے لیئے جوش کیا اور تیرے لیئے اور تیرے ہی اقبال کا زیور ہوا۔ تجھ کو اور تیری اولاد کو خاص اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ یہ کل اقبال اس فانی فی اللہ مسیح موعود کے انفاس طیبات کی برکت کا نتیجہ ہے کہ تو دنیا کے سلاطین سے سبقت لے گئی۔ تجھ کو چاہیئے کہ تو اس مبارک قدم انسان کی قدر کرے اور اس کی خاص حمایت میں سعی کرے۔ کیا تجھ کو حال ہی میں تجربہ نہیں ہوا کہ ٹرانسوال میں جب شکست پر شکست تیری فوج کو ہو رہی تھی تو اس خدا کے فرستادہ نے اپنی جماعت کے لوگوں کو قادیان میں طلب کیا اور عید کے روز ایک وسیع میدان میں کھڑے ہو کر تیری فوجوں کی فتح کیلیئے دعا کی۔ پس ادھر دعا کا ہونا تھا' ادھر لارڈ رابرٹس بہادر کو فتوحات پر فتوحات ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ رابرٹس کی ذاتی لیاقت اور بہادری کا نتیجہ نہیں ہے یہ صرف اس مرد خدا کی دعا کا اثر ہے کہ بندوقوں اور توپوں سے زیادہ اثر کر گئی۔۔۔۔ اب بھی گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اس کے جانشین کی قدر کرے تاکہ وہ اس کے اقبال کے لیئے دعا کرے تاکہ وہ تمام آفات زمانہ سے محفوظ رہے''۔(۳)

۱۔ مرزا غلام احمد رئیس قادیان۔ بٹالہ۔ برقی عریضہ بتاریخ 24 مارچ 1900ء بجانب قابل احترام لیفٹیننٹ گورنر پنجاب۔ انڈیا آفس لائبریری لندن۔

۲۔ مرزا غلام احمد کا جماعت کے نام اشتہار۔ 10 فروری 1900ء ضیاء الاسلام پریس قادیان۔

۳۔ مرزا احمد بخش۔ عصل مصفّٰی۔ قادیان 1914ء ص 179۔

ایسی کوئی دعا ترکی، سوڈان، افغانستان یا کسی دوسرے اسلامی ملک کے مسلمانوں کے حق میں نہ کی گئی جو اپنے ممالک میں برطانوی فوجیوں کی ننگی جارحیت کا شکار ہوئے۔ اس سے تحریک کا سیاسی مزاج اور کردار واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

جاپان

۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ ان کو وحی ہوئی ہے "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت" ان کے پیروکاروں نے اس کی تشریح جاپان روسی جنگ (۱۹۰۵-۶ء) کی شکل میں کی جو رائس ماؤتھ میں صلح کے دستخطوں پر منتج ہوئی۔ روس نے آدھا سخالین جزیرہ جاپان کو دے دیا اور کوریا پر اس کا اقتدار تسلیم کر لیا۔(۱) جاپان نے اسے ۱۹۱۰ء میں اپنے ساتھ ملا لیا۔

روس

ایک دوسری پیش گوئی کا تعلق روس سے ہے۔ اس کا ایک دلچسپ پس منظر ہے۔ ایک اردو نظم میں مرزا صاحب نے ایک عظیم زلزلے کا ذکر کیا۔ قافیہ بندی کی لازمی شاعرانہ ضرورت کے تحت انہوں نے اپنے اشعار میں کہا۔ "زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار" یعنی کہ اس وقت زار روس جیسا حکمران بھی ایک کڑے امتحان سے گزرے گا۔(۲) اس مصرعے نے قادیانی مصنفین کو ایک موقع فراہم کر دیا کہ روس کے ۱۹۱۷ء کے انقلاب کا رشتہ اس پیش گوئی سے جوڑ دیں۔ یہ قادیانی شعر کی ایک عیارانہ اور بعید از عقل تشریح تھی۔ مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں ہمیشہ انگریزوں کے حق میں دعائیں کیں۔ جب کبھی بھی ان کا پالا روس سے پڑا۔(۳)

۱۔ محمود احمد۔ تحفہ شاہزادہ ویلز۔ قادیان 1921ء ص 37

۲۔ مرزا غلام احمد۔ درثمین۔ ربوہ ص 24۔

۳۔ میر قاسم علی۔ تبلیغ رسالت۔ جلد 1 ص 56۔

صیہونیت کی خاطر

۱۸۹۷ء میں ہرزل نے صیہونی تحریک شروع کی۔ صیہونیت کا مقصد اولین سلطان ترکی سے حکومت خود اختیاری کی بنیادوں پر زیادہ سے زیادہ یہودیوں کی آبادکاری کی قانونی رعایت حاصل کرنا تھا۔ سلطان عبدالحمید کے ساتھ ہرزل کی تین مسلسل ملاقاتیں۔ ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء میں ناکام ہوگئیں۔ ہرزل نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ ترکی اہلکار سمندری جھاگ کی طرح ہیں جن کی نیتوں کی بجائے صرف اظہارات سنجیدہ تھے۔ اسے انگریزوں سے بھی مشورہ کرنا تھا جن کے ساتھ اس کی پہلے ہی افریقہ میں ایک یہودی کالونی کے قیام کی بات چیت ہو چکی تھی۔ مگر فلسطین کے علاوہ یہودی کسی بھی منصوبہ یا تجویز سے متفق نہ تھے۔ افریقی منصوبے پر یہودی سیخ پا ہوگئے۔ چنانچہ صیہونیت سے ٹوٹنے والے بہت سے لوگوں نے ''یہودی علاقائی تنظیم'' کی بنیاد رکھی۔ یہودی علاقائی تنظیم نے سالونیکا۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ عراق اور انگولا میں ایک مناسب علاقے کی تلاش میں ناکامی پر اپنا کام بند کر دیا۔

۱۹۰۳ء میں برطانوی حکومت نے صیہونی کانگریس کو مشرقی افریقہ میں یہودی آبادکاری کے لیے وسیع علاقہ کی پیشکش کی مگر یہ پیشکش مسترد کر دی گئی کیونکہ صیہونیوں کی اکثریت ''ارض صیہون'' کے علاوہ کسی اور علاقہ کو اپنا وطن ماننے پر تیار نہ تھی۔(۱) بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں شکاگو میں صیہون قائم کرنے کی ایک تحریک نے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہودیوں کی بڑی تعداد نے جو کہ وسطی اور مشرقی یورپ سے آئے تھے اسے پرامید نظروں سے دیکھا۔ جان الیگزینڈر ڈوئی اس کا محرک تھا۔

امریکہ میں ایک صیہون پیدا کرنے کے جذباتی منصوبے کے ساتھ ڈوئی منظر عام پر آیا۔ اس نے اس کا نام عہد نامہ قدیم کی مناسبت سے ''سلطنت خداوند'' رکھا۔ ڈوئی ۱۸۴۷ء میں ایڈن برگ میں پیدا ہوا۔ جہاں اس نے مذہبی وزارت میں داخل

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اور ایتھکس۔ صیہونیت۔ مزید دیکھیے انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ یہودی اور صیہونیت۔

ہونے سے پہلے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ اسے جنوبی آسٹریلیا میں ایک کلیسائی خودمختاری کا حامی رکن مقرر کیا گیا۔ نتیجہ میں اس نے ''آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی خدائی مجلس شفاء'' کی بنیاد رکھی۔ وہ ۱۸۸۸ء میں امریکہ چلا گیا اور شکاگو صیہون میں ''عیسائی حواری کلیسا'' کی بنیاد رکھی۔ شکاگو کی جھیل مشی گن کے مغربی کناروں پر شہر صیہون بسایا گیا۔ وہ خود اس کا عمومی نگران بن گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ''ایلیاہ'' یعنی یہود کی فلسطین بحالی کرنے والا ''مسیح موعود'' کہنا شروع کر دیا۔ اس نے ایک اخبار کی اشاعت شروع کی جس کا نام ''صحت افزائی کے پتے'' رکھا۔ شہر صیہون میں کوئی تھیٹر یا ناچ گھر نہیں تھا۔ شراب خوروں اور سور خوروں پر سنگین سزائیں عائد کی جاتیں۔(۱) صیہون کی تحریک کا مقصد پوری دنیا میں موجود دیگر مسیحی کلیساؤں کا خاتمہ تھا۔ اکیس ستمبر ۱۹۰۲ء کو اتوار کے دن شہر صیہون میں شلوہ طابر نیکل کے نام پر ''میزبانوں کی بحالیء صیہون تنظیم'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس سے ڈوئی کو ''عہد نامہ کا پیغام دہندہ'' یعنی وہ پیغمبر جس کی پیش گوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی اور ایلیاہ یعنی یہود کی دوبارہ فلسطین بحالی کرنے والا تسلیم کر لیا گیا۔(۲)

خدائے صیہون کی سلطنت کے قیام کے بعد اور ایلیاہ کے مذہبی لبادے میں بحالی کے میزبان کے طور پر ڈوئی نے اپنے آپ کو ''یہودیوں کے نجات دہندہ'' اور ہرزلی صیہونیوں کے مخالف گروہ کے سرغنہ کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس متوازی یہودی ریاست کے خلاف صیہونیوں نے اپنے ہندوستانی آلہ کار (مرزا صاحب) کو ہدایت کی کہ وہ ڈوئی اور صیہون کی تباہی کی ایک شدید مہم شروع کر دے۔ انہوں نے ڈوئی کو مذہبی مباحثے میں الجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب نے اسے دعوت مباہلہ دی اور پیش گوئی کی کہ اس کے صیہون

۱۔ دیکھیے امریکی ریبا گرافی زیر ادارت جانسن اور دوس نیو یارک 1959ء اور ویبسٹر کی لغت آپ بیتی امریکہ۔

۲۔ والوکس برلان۔ جان الیگزانڈر ڈوئی اور عیسائی کیتھولک حواری کلیسا۔ یونیورسٹی آف شکاگو۔ 1906ء ص 2-9 غیر مطبوعہ مقالہ وائڈنر لائبریری۔ ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ۔

پر ایک آفت ناگہانی آنے والی ہے۔ ڈوئی نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔(۱) اگلے سال یہ سب کچھ مزید شدت سے کیا گیا مگر اب بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اس دوران یہودیت کے حامی حلقوں نے مرزا صاحب کی پیش گوئی کو امریکہ کے تقریباً بتیس سرکردہ اخباروں میں چھپوا کر اسے وسیع تشہیر دی۔ ڈوئی نے کمال عقل مندی سے اس روحانی جنگ یا دعوت مباہلہ سے دامن بچالیا اور مرزا صاحب کے ساتھ کسی بھی مباحثہ۔ دعایا الہامی مقابلے میں اپنے آپ کو ملوث نہ کیا۔

۱۹۰۵ء تک صیہونی ڈوئی کی تحریک کو اس کے اندر ہی سے تہہ و بالا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ڈوئی پر کثرت ازدواج اور رقومات کی خورد برد کا الزام لگایا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں اس کے پرانے ساتھی گلین ودلوا نے صیہون کا انتظام سنبھال لیا۔ ڈوئی کو نکال دیا گیا۔ اس نے مارچ ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ مرزا صاحب نے اسے ایک مناسب موقع جانا اور مشہور کر دیا کہ ان کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی ہے۔(۲) اگرچہ ڈوئی نے ان کو مکمل نظر انداز کیا اور ان کے ساتھ کسی قسم کے مباحثہ مباہلے وغیرہ سے احتراز کیا۔

مرزا صاحب جب اسے مذہبی مناقشات اور مباہلہ میں پھانسنے میں ناکام ہوگئے تو کہنے لگے کہ ڈوئی اور اس کی تحریک عوام کی نظروں میں گرگئی ہے۔ ڈوئی کی اپنی حماقتوں کے علاوہ مرزا صاحب کے وہ بیانات جن کو امریکہ میں وسیع پذیرائی ملی اس کے زوال کی بڑی وجہ بنے۔ اسی زمانے میں برطانیہ میں ہی ایک نبوت اور مسیحیت کا دعویدار تھا جس کا نام ''سٹوارٹ پگٹ'' تھا۔ وہ کسی بھی سیاسی تحریک میں ملوث نہیں ہوا۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۲ء میں اسے ایک سادہ خط لکھا جس میں اسے احمدیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کے خلاف کوئی بڑا محاذ نہ کھولا۔ نہ ہی برطانوی اخباروں میں قادیانی دعوت کو کوئی خاص پذیرائی میسر آسکی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مرزا

ا۔ میاں رحیم بخش۔ Dabet Fergtton احمدیہ انجمن لاہور' 1960ء ص 48۔

۲۔ دیکھیے مرزا غلام احمد۔ حقیقت الوحی قادیان 1907ء۔

صاحب کے آقاؤں کے مفادات کو ٹکٹ کے دعوے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مرزا صاحب اسی وقت اکھاڑے میں اترتے تھے جب ان کے آقاؤں کے مفادات خطرے میں ہوتے تھے۔ ڈوئی کے خلاف تحریک حقیقت میں ایک سیاسی خدمت تھی جسے غلام احمد مسیح موعود نے اپنے یہودی آقاؤں اور صیہونیت کے لیئے سرانجام دیا دوسرے لفظوں میں امریکہ میں یہودی ریاست کے منصوبے صیہون کو ناکام بنانے میں مدد دی۔

ترکی:۔

بیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں ترکوں کے ساتھ ہمدردی اور امداد نے برطانوی حکمرانوں کی نیندیں اڑا دیں۔ وہ روس اور ترکی کے مابین ۱۸۷۶۔ ۱۸۷۸ء کی جنگ سے خوفزدہ ہوگئے۔ ہندوستان میں اس کا بڑا سخت ردعمل ہوا اور کچھ مسلمانوں نے تو سلطان کو یہ تجویز بھی پیش کی کہ وہ مہدی سوڈان اور ایران کے ساتھ اتحاد کر کے ہندوستان پر چڑھائی کر دے۔ سلطان نے اس تجویز پر بہت کم توجہ دی۔ تاہم وہ ترکی کے مسئلہ پر ہندوستان سے آنے والی امداد سے باخبر تھا۔⁽¹⁾

برطانوی سامراج اس بات سے بھی پریشان تھا کہ مبادا امیر افغانستان اس وقت دندان آز تیز کرے جب برطانوی فوجیں شمالی مغربی سرحد پر افغان قبائل کے ساتھ برسر پیکار ہوں اور یہ پریشانی بھی ہوسکتی تھی کہ حیدرآباد ریاست بھی سرحد پر جہاد کی پکار پر لبیک کہہ دے۔ جولائی ۱۸۹۷ء میں لکھنو میں مولانا ہدایت رسول کو ایک کھلے اجتماع میں باغیانہ تقریر اور سلطان ترکی اور امیر افغانستان کو اسلام کی سربراہی کرنے پر مبارکباد پیش کرنے پر ایک سال قید کی سزا دی گئی۔⁽²⁾ لیفٹینینٹ گورنر اترپردیش انتھونی میکڈونل نے اطلاع دی کہ ایک کتاب تقسیم ہوئی ہے جس میں جہاد کی تبلیغ کی گئی ہے اور وائسرائے لارڈ ایلگن (۱۹۱۹۔ ۱۸۴۷ء) کو ایک صفحہ بھجوایا۔ جس میں سلطان ترکی کو

۱۔ سی جے ایلڈر۔ برطانوی ہند کی شمالی سرحد 1865-95ء۔

۲۔ ایلگن سے ہیملٹن۔ 20 نومبر 1895ء ہیملٹن کاغذات۔ انڈیا آفس لائبریری EURD 5091 ص 357 بیان کردہ پی ہارڈی۔ برطانوی ہند کے مسلمان" ص 177۔

''امیر المومنین'' اور ''بادشاہ مسلمانان'' قرار دیا گیا تھا۔ اس خط میں اس نے روہیل کھنڈ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی صلح کے آثار بھی بیان کیئے۔ بعد میں ایک خط میں میکڈونل نے اطلاعات دیں کہ رامپور میں بہت سے خبر رساں اور ترک موجود ہیں۔[1] ایک بڑی اطلاع میں وہ کہتا ہے کہ

> ''اس میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا کہ ترکی کے ساتھ بہت ہمدردی ہے اور موجود جذبات سے اسلامی احیاء کا تانا بانا بنا جا سکتا ہے۔ اس کا مجھے کچھ حد تک یقین ہے کہ اصل جذبہ باہر سے پیدا ہو رہا ہے اور کچھ خود بخود پیدا ہو رہا ہے۔ اور میرے خیال میں اس جذبے کو اسلامی مدارس میں ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ آگرہ کے کمشنر نے مجھے بتایا ہے کہ پہلے کی نسبت اب بہت زیادہ لوگوں نے ترکی ٹوپی پہننا شروع کر دی ہے اور شاید یہ وہ تنکا ہے جو چلنے والی ہوا کے رخ کی نشاندہی کر رہا ہے''۔(۲)

ترک۔ یونانی جنگ میں ترک سپاہیوں کے خاندانوں کی کفالت کے لیئے چندے جمع کیئے گئے اور ان کی فتح کی دعائیں مانگی گئیں۔ جب ۱۸۹۷ء میں تھیسالی میں یونانیوں کو شکست ہوئی تو پورے ہندوستان میں خوشیاں منائی گئیں۔ مسلمانوں کے ایک وفد نے ترک قونصل جنرل سے ملاقات میں گزارش کی کہ وہ سلطان جس کی لوگ بیعت کر چکے تھے ان تک یہ جذبات پہنچا دیئے جائیں۔(۳)

دنیائے یہودیت کے ایک گھٹیا آلہ کار کی حیثیت سے مرزا صاحب سامراجی جاسوسوں اور یہودی خفیہ تنظیموں کے ذریعے برطانوی حمایت اور جہاد مخالف اپنا روایتی مواد ترکی بھجوانے لگے۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ترکی سلطنت کی بڑھتی ہوئی کمزوری اور دنیائے عرب میں علیحدگی پسندانہ رجحانات مسیح موعود اور مہدی علیہ السلام کی آمد کی نشانیاں ہیں۔(۴)

۱۔ میکڈانلڈ سے ایلگن کی طرف 16 جولائی 1897ء میکڈانل کاغذات۔ بوڈلائن لائبریری آکسفورڈ ہسٹاریکل کمپنی۔ 335 فولڈرز 1722-33۔

۲۔ ایضاً 22 اگست 1897۔

۳۔ پی سی بوملورڈ۔ عدم تعاون اور تحریک خلافت کی تواریخ۔ دہلی 1925ء حکومت ہند کی مخصوص دستاویز ہے ہر صفحہ پر خفیہ رکھنے کی غرض سے نمبر لگا ہوا ہے۔ حوالہ اشتیاق حسین قریشی علماء میدان سیاست میں۔ ص 242۔

۴۔ مرزا غلام احمد۔ نشان آسمانی 1892ء ضیاء الاسلام پریس ربوہ 1956 ص 4۔

مئی **۱۸۹۹ء** میں حسین کامی بیک ترک قونصل لاہور آیا۔ اسے ترک خلیفہ کا نمائندہ سمجھتے ہوئے لاہور اسٹیشن پر ان کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ شاید برطانوی خفیہ محکمہ کی ہدایت پر کچھ بااثر لاہوری احمدیوں نے اسے قادیان جانے کی تجویز پیش کی۔ قونصل نے ان کی بات مان لی۔ ڈاکٹر بشارت احمد کے الفاظ میں یا تو اس کی کچھ سیاسی خواہشات تھی(۱) یا پھر یہ اتحاد اسلامی کے جذبات کے تحت تھا۔ اس نے مرزا صاحب کو خط لکھا اور ان کی رضامندی کے بعد وہ قادیان چلا گیا۔ اس نے مرزا صاحب کے ساتھ بند کمرے میں بات چیت کی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے درمیان کیا گفت وشنید ہوئی۔ تاہم بعد میں مرزا صاحب کی ہفوات سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس نے مرزا صاحب سے التماس کیا کہ وہ سلطان اور سلطنت عثمانیہ کی حمایت کریں۔ مرزا صاحب نے اس کا کھلے انداز سے انکار کر دیا اور جواب میں سلطان اور اس کی خلافت کی مذمت کی۔ انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے اور برطانوی راج کی مدح کے ڈونگرے برسائے۔ مسلمانان ہند نے اس ملاقات سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں اور اس کے نتائج کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ روزنامہ ''ناظم ہند لاہور'' کے مدیر نے ترک قونصل کو خط لکھا کہ اس ملاقات کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ قونصل کے جواب میں ایک بالواسطہ حوالہ تھا کہ مرزا صاحب نے برطانوی سامراج کیلئے کس طرح اسلام کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ ترک قونصل نے مرزا صاحب کو ''نمرود''۔ ''شداد''۔ ''شیطان''۔ ''بہت بڑا جھوٹا'' اور ''مجسمہ فریب'' قرار دیا۔(۲)

چوبیس مئی ۱۸۹۷ء کو مرزا صاحب نے اس کے خط کا جواب دیتے ہوئے ایک زوردار اشتہار چھپوایا جس میں واشگاف الفاظ میں اقرار کیا کہ وہ صرف برطانوی حکومت کے وفادار ہیں جو ہر قسم کے احترام اور تحسین کے لائق ہے اور جس کے بابرکت راج میں وہ اپنے ''خدائی کام'' میں مصروف ہیں۔ ترکی حکومت کی ''سرچشمہ ظلمت'' کے

۱۔ ڈاکٹر بشارت ص 510

۲۔ میر قاسم علی۔ تبلیغ رسالت جلد 4 ص 18

طور پر مذمت کی اور اس کی تباہی کو اسکا مقدر قرار دیا گیا۔ انہوں نے ایک ''وحی'' کی آڑ میں بتایا کہ ترکی کے سلطان عبدالحمید ثانی اور ان کے متعلقین کی حالت بہت بری تھی اور ان کا خوفناک انجام قریب ہے۔(۱) ایک قادیانی ترکی خلافت پر اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتا ہے۔

''سلطان ترکی کے دعوئٰ خلافت کو احمدی غلط سمجھتے ہیں اور اس کی بیعت کے منکر ہیں۔ جب ۱۸۹۷ء میں حسین کامی نائب قونصل ترکی نے قادیان کا چکر لگایا تو احمد نے اسے واضح انداز میں بتایا کہ سلطان کا خلافت پر کوئی استحقاق نہیں جس پر وہ نائب قونصل سیخ پا ہوگیا اور کئی غیر احمدی بھی۔ جس پر مرزا صاحب نے ایک اشتہار چھپوایا جس میں لکھا۔

''مجھے سلطان ترکی کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس کے قونصل سے ملنے کا شوق۔ میرے لیئے لیک ہی سلطان کافی ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے جبکہ سلطان ترکی کی حیثیت میرے سلطان کے سامنے ایک تنکے کی سی ہے تو اس کے قونصل کی کیا حیثیت ہوئی''۔

مرزا صاحب کہتے ہیں۔

''میرے نزدیک واجب التعظیم اور واجب الاطاعت اور شکرگزاری۔ کے لائق ''گورنمنٹ انگریزی'' ہے جس کے زیر سایہ امن کے یہ آسمانی کارروائی کر رہا ہوں۔ ترکی سلطنت آج کل تاریکی سے بھری ہوئی ہے اور وہی شامت اعمال بھگت رہی ہے۔ اور ہرگز ممکن نہیں کہ اس کے زیر سایہ ہم راستی کو پھیلا سکیں۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ سلطان کی حالت اچھی نہیں ہے اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں۔ یہی وہ باتیں تھیں جو سفیر مذکور کو اپنی بدقسمتی سے بہت بری معلوم ہوئیں۔ میں نے کئی اشارات سے اس بات پر بھی زور دیا کہ رومی سلطنت خدا کے نزدیک کئی باتوں میں قصوروار ہے اور خدا سچے تقویٰ اور عبادت اور نوع انسانی کی ہمدردی کو چاہتا ہے اور روم کی موجودہ حکومت بربادی کو چاہتی ہے۔(۲) میرے لیئے اس کی حفاظت میں کسی سچائی کو پھیلانا

۱۔ ڈاکٹر بشارت احمد' ص 512۔

۲۔ تبلیغ رسالت جلد آٹھ صفحہ 5۔

ناممکن ہے۔ مجھے خدشہ ہے اس فتویٰ سے بہت سے لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ مگر یہ صداقت ہے۔ میں نے کئی طریقوں سے اس حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اس قونصل کے ذہن پر جو قادیان آیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کئی وجوہات کی بناء پر خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ مگر میں نے اس کے ذہن میں جھانکا تو پایا کہ اسے میرے الفاظ برے لگے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب ترکی پر بہت زیادہ عرصہ تک اچھے دن نہیں رہیں گے۔ قادیان سے واپسی پر اس کے میرے بارے میں خیالات ترکی کے زوال کے بارے میں واضح اشارہ کرتے ہیں۔ میں نے اسے بتا دیا کہ اب یہ خدا کی مرضی ہے کہ جو کوئی مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ ہوگا' کاٹا جائے گا چاہے وہ بادشاہ ہوں یا رعایا اور میرے خیال میں یہ الفاظ اسے تیروں کی طرح چبھے۔ میں نے اسے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ وہ کہا جو خدا کی طرف سے مجھ پر وحی کیا گیا"۔

ایک دوسرے اشتہار میں مرزا صاحب کہتے ہیں۔

"سلطان کی طرف سے مسلمانوں کا سربراہ یا خلیفہ ہونے کا دعویٰ اس کا واہمہ ہے"۔(1)

مسلم پریس نے مرزا صاحب کی بدزبانی کا بڑی سنجیدگی سے نوٹس لیا اور سلطان کے خلاف ان کے خیالات پر تنقید کی۔ ان کی برطانیہ کے لیئے قصیدہ خوانی چھپ نہ سکی۔ روزنامہ سراج الاخبار جہلم نے لکھا کہ مرزا صاحب نہ صرف مسلمان علماء کے دشمن ہیں بلکہ اخوت اسلامی اور اسلامی دنیا کے بھی شدید ترین دشمن ہیں۔ جس طرح گلیڈ سٹون برطانیہ میں ترکی کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اسی طرح مرزا قادیانی ہندوستان میں سلطنت عثمانیہ کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ جنوری ۱۹۰۴ء میں مرزا صاحب نے پیش گوئی کی کہ

"روی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے مگر شکست کے بعد وہ اپنے دشمنوں کو شکست دیں گے"۔(1)

۱۔ ایم بشیر علی "احمدیوں کو ہزاریوں سے کیا ممتاز کرتا ہے" انجمن ترقی اسلام۔ دکن 1917 ص 15۔

ترکی کے خلاف قادیانیوں اور دیگر غیر مسلم تنظیموں نے پروپیگنڈا مہم شدید کر دی۔ ترکی خلافت کے زوال کی یہ وجہ بھی بنی۔ ۱۹۰۸ء تک ''نوجوان ترک'' جو یہودیوں اور فری میسوں کے پروردہ تھے۔ ترکی میں برسر اقتدار آ گئے اور سلطان کا اقتدار ختم ہو کر رہ گیا۔[۱]

عمومی جائزہ

برطانوی راج کے حامی ایک مغل جاگیردار کے عیار بیٹے کی چلائی ہوئی اسلام مخالف احمدی تحریک کا لب لباب برطانوی نوآبادیاتی نظام کے سیاسی مفادات کا تحفظ اور ان کے اقتدار کو دوام بخشنا تھا۔ انہوں نے یہودی تحریک قوم پرستی کو بھی مدد دی جو یورپی طاقتوں کی آشیرباد سے احمدیہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ بنیادی طور پر یہ تحریک سیاسی تھی جسے بعد میں ایک مذہبی ارتداد کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تاہم اس نے اسلام کے سیاسی ڈھانچے میں یہودیت کے عناصر داخل کر دیئے اور جھوٹی نبوت کی بناء پر ایک نئی امت پیدا کر دی۔

اپنی مبینہ نبوت کی بناء پر مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا۔ چاہے وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ درحقیقت کلمہ طیبہ سے انکار اور حضور اکرم ﷺ پر فوقیت حاصل کرنے کی ایک خفیہ کاروائی تھی۔

اپنے پیروکاروں سے مسلمانوں کو جدا کرنے کیلئے انہوں نے احمدی لڑکی سے مسلمان کی شادی خدا کے حکم سے ممنوع قرار دی۔(۲) انہوں نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے ساتھ روزمرہ کی نمازیں ادا کرنے سے منع کر دیا۔ اسی طرح ایک غیر احمدی کے جنازہ پڑھنے سے (خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو) وحی کی رو سے ممنوع قرار دے دیا۔(۳)

مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ سے دور کرنے کے لیئے ایک پُرفریب انداز میں

۱۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ ص 50۔

۲۔ مرزا محمود احمد The Truth About the Split قادیان 1939۔

۳۔ مرزا محمود احمد۔ انوار خلافت۔ قادیان ص 93 اور برکات خلافت ص 75۔

قادیان کو ''مقام مقدس'' قرار دیا گیا۔ اسے خانہ کعبہ (ارض حرم) اور مدینۃ النبی قرار دیا گیا۔ مرزا صاحب نے اس کا نام قرآن پاک میں لکھا ہوا پایا۔ کرسمس کے ہفتے میں قادیان میں سالانہ اجتماع کو احمدیوں کا ظلی حج بنا دیا گیا۔ مرزا صاحب نے قادیان بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھی۔ اس جگہ صرف ان قادیانیوں کی تدفین ہو سکتی تھی جو اپنی جائیداد کا دسواں حصہ قادیانی تجوری کی نذر کریں۔ انہوں نے قادیان میں تعمیر شدہ اپنے والد کی مسجد کی توسیع کی اور اسے اصلی مسجد اقصیٰ قرار دیا جو قرآن پاک میں مذکور ہے۔

مسلمان معاشرے میں انتشار پھیلانے اور برطانیہ کے سیاسی مفادات پورا کرنے والی تحریک میں انگریزوں نے قدرتی طور پر بھرپور دلچسپی لی۔ اس تنظیم کے لیئے خفیہ فنڈ مہیا کیئے گئے تا کہ یہ پھلے پھولے اور اپنا اثر دکھائے۔ یہ بڑی سنجیدگی سے یقین کیا جاتا ہے کہ چند مذہبی جوشیلوں کے علاوہ برطانوی حکمرانوں نے اس تنظیم کی تفویض پر ایک کثیر تعداد میں مصنفین کو مقرر کیا تا کہ اس نوزائیدہ تحریک کو اس بڑی تباہی سے بچایا جا سکے جو ایک غیر متوازن شخصیت کے حامل برطانوی آلہ ءکار کی نادانستہ حماقتوں اور جہالتوں کی وجہ سے اسے پیش آ سکتی تھی۔ قادیانی مشنریوں کو مذہبی لبادے میں عرب ممالک میں بھجوایا گیا اور برطانوی نو آبادیوں میں تعینات کیا گیا تا کہ برطانوی وزارت خارجہ کے مراکز کی ہدایات کی روشنی میں سیاسی کام جاری رکھے جا سکیں۔

بہائیت تحریک قادیانیت سے بہت حد تک مشابہت رکھتی ہے جو کہ یہود کی پروردہ ایک سیاسی تحریک ہے اور اپنے آپ کو کھلے عام اسلام کی مخالف قرار دیتی ہے۔ ان دونوں جماعتوں کے اسرائیل میں طاقتور مراکز ہیں۔ تحریک احمدیہ سُنّی ہندوستان میں پھوٹی اور بہائیت شیعہ ایران سے اٹھی۔ بہاء اللہ (متوفی ۱۸۹۲ء) نے اسلام کو مسخ کر کے ''مظہر خدا'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب نے کمال چالاکی سے اپنے آپ کو ایک پیغمبر اور نجات دہندہ کے طور پر پیش کیا اور بڑے غرور سے اسلامی معتقدات کو مسخ کیا۔ انہوں نے پرفریب انداز سے اپنی پنجابی عربی کے فقرات کو ٹھونس کر قرآنی آیات

کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ مرزا قادیان اور مرزا ایران دونوں نے خدائی الہامات کا دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ نے کمال مکاری سے ختم نبوت کا انکار کیا جبکہ مرزا صاحب نے منافقانہ انداز سے اس میں تحریف کر کے اپنے مبنی بر ارتداد عقائد کیلئے جگہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پہلے نے اسلام کی کھلی مخالفت کی جبکہ دوسرے نے ''منہ میں رام رام بغل میں چھری'' والی حکمت عملی اپنائی۔ دونوں نے عیسائی نظریات کی مخالفت کی مگر اس کے علمبرداروں اور سامراجیت پر نچھاور ہو گئے۔ معجزات عیسوی کے بارے میں دونوں کا موقف یکساں تھا۔ دونوں نے ''مسیح موعوذ'' اور انسانیت کے ''نجات دہندہ'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ دونوں نے حصول وحی اور عربی نویسی کی للکار دی۔ بہاء اللہ نے ایک ہی رات میں ''ایقان'' لکھی اور ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے ایک ہی نشست میں اپنا خطبہ الہامیہ پیش کیا۔⁽¹⁾ اور بھی بہت سے یکسانیت کے نکات ہیں جو ان تحریکوں کے ایک جیسے کردار کو اجاگر کرتے ہیں۔ سیاسی طور پر بہاء اللہ اور مرزا صاحب دونوں سامراج اور یہودیوں کے آلہ کار اور پروردہ تھے۔ انہوں نے خدا کے حکم کی آڑ میں جہاد کی مخالفت کی۔ یورپی توسیع پسندی کی تعریف کی۔ دنیائے اسلام کی مذمت کی اور ایک غیر ملکی راج کی غلامانہ تابعداری کا پرچار کیا۔⁽²⁾

دونوں نے عثمانی سلطنت کے زوال کے لیئے کام کیا اور ترک خلیفہ کے انجام بد کی پیش گوئیاں کیں۔ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی پیش گوئیاں کیں اور پورے خلوص اور لگن کے ساتھ اس کے لیئے کام کیا۔ مرزا صاحب نے اپنی مادر معظمہ ملکہ وکٹوریہ کی درازی عمر اور خوشحالی کی دعائیں کیں جبکہ بہاء اللہ نے اپنے آقا زار روس کے لیئے تعریف کے ڈونگرے برسائے۔ اس کے بیٹے عبدالبہاء نے فلسطین میں برطانیہ کے انتدابی نظام کو خوش آمدید کہا جو کہ پہلی جنگ عظیم کے آخر میں ''لیگ آف نیشنز'' نے ٹھونسا تھا۔ انہوں نے اپنی خدمات کے باعث سر کا خطاب حاصل کیا۔

۱۔ دیکھیے مولانا آسی امرتسری۔ الکاویہ الغاویہ۔ امرتسر فینکس ہز ہولی نیس۔

۲۔ باب اور بہائیت کے لیئے دیکھیں۔ بشیر احمد بہائیت اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم۔ اسلامک سٹڈی فورم راولپنڈی سی ایم ریلے۔ بہائی تحریک اور پروفیسر براؤنز کی اس عنوان پر تحریریں۔

دونوں نے سامراجیت سے امیدیں وابستہ کیں اور اس کی ضمنی پیداوار صیہونیت کی شکل میں اپنی بہتری اور بقاء کی آس لگائے رکھی۔ دونوں تحریکیں ابھی تک اسرائیل میں سامراجی، صیہونی سرپرستی میں اپنی مذموم سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

چوتھا باب

حکیم نور الدین ۔ قادیانی ناخدا (۱۴-۱۹۰۸ء)

چھبیس مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب لاہور میں مبینہ طور پر دائمی پیچش کی وجہ سے وفات پا گئے۔ (۱) ان کی وفات کے بعد ان کا قریبی ساتھی حکیم نور الدین بھیروی قادیان کی گدی پر "مسیح موعود" کے جانشین کے طور بیٹھے۔

حکیم صاحب (۱۹۱۴-۱۸۴۱ء) پیشے کے لحاظ سے ایک طبیب تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں طب اور مذہب کی تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ (۶۶-۱۸۶۵ء) مکہ میں گزارا۔ آپ بھیرہ کے ایک حجام گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو ضلع سرگودھا کی ایک سب تحصیل تھا۔ ۱۸۷۶ء میں انہیں مہاراجہ کشمیر رنبیر سنگھ کے دربار میں شاہی معالج کی ملازمت مل گئی۔ اس عہدہ کے حصول میں ریاست کے ہندو پولیس آفیسر لالہ متھرا داس اور مشہور کشمیری مورخ دیوان کرپا رام نے مدد دی۔ (۲) ۱۸۷۷ء میں انہوں نے دہلی دربار میں حاضری دی جس میں ملکہ وکٹوریہ کو قیصرہ ہند کا خطاب دیا گیا۔

حکیم صاحب ایک معاملہ فہم اور شاطر آدمی تھے۔ انہوں نے مختلف مواقع پر کشمیر کی سیر کے لیئے آنے والے برطانوی حکام سے روابط رکھے اور ان میں سے بعض کے ساتھ تعلقات پروان چڑھائے۔ برطانوی حکومت نے ان کو کشمیر دربار میں اپنا مخبر مقرر کر دیا۔ کشمیر دربار کے بارے میں دی گئی ان کی اطلاع کو حکومت بڑی اہمیت دیتی تھی۔ انیسویں صدی کے اختتام پر وسط ایشیاء میں روسی سرگرمیوں سے برطانوی پریشان

۱۔ ریویو آف ریلیجنز - قادیان جون 1908ء۔

۲۔ اکبر شاہ خاں۔ نجیب آبادی۔ حیات نور الدین۔ لاہور ص 140۔

تھے۔ حکیم صاحب نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ان معانقوں پر گہری نظر رکھی جو وہ زار روس کے ساتھ انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے کر رہا تھا۔

مہاراجہ نے روسی امداد کے حصول کے لیئے ایک چار رکنی وفد روس بھیجا۔ اس وفد کے رہنما کو دو ایلچیوں سمیت راستے میں ہی قتل کر دیا گیا۔ غالباً وسط ایشیاء میں سرگرم برطانوی جاسوسوں کے طاقتور حلقے نے انہیں ختم کر دیا اور مہاراجہ کی طرف سے تاشقند کے روسی حکام کو لکھا جانے والا خط بھی راستے میں ہی غائب ہوگیا۔ زندہ بچ جانے والے اشخاص عبدالرحمٰن خان اور سرفراز خان نومبر ۱۸۶۵ء میں تاشقند پہنچے۔ روسی جنرل چرنایوف نے ان کا استقبال کیا۔ مہاراجہ نے روس سے معاہدہ دوستی اور امکانی مدد کی درخواست کی تھی۔ یہ گفتگو ناکام ہوگئی کیونکہ زار حکومت ہندوستان میں آزادی کے مقصد کو پروان چڑھانے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔(۱) مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بابا کرم پرکاش کی سربراہی میں ۱۸۷۰ء میں ایک اور وفد تاشقند بھیجا تاکہ روسی فوجی مدد حاصل کر سکے مگر یہ وفد بھی کوئی کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔(۲)

رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد پرتاپ سنگھ (۱۸۸۵-۱۹۲۵ء) تخت کشمیر پر بیٹھا۔ اس کا چھوٹا بھائی رام سنگھ اور سب سے چھوٹا امر سنگھ تھا۔ معاہدہ امرتسر کے تحت پرتاپ سنگھ ریاست کے جملہ امور اپنی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا جبکہ برطانوی حکومت اپنی بالادستی برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ کشمیر میں ایک ریذیڈنٹ (برطانوی حکومت کا ایجنٹ جو وائسرائے کی طرف سے ریاست میں متعین ہوتا تھا) کا تقرر کیا گیا جس کا کام ریاست کے اندرونی حالات پر نظر رکھنا تھا۔ اس میں روسی توسیع پسندی اور داخلی تبدیلیوں کا جائزہ لینا شامل تھا۔ مہاراجہ نے انگریز ریذیڈنٹ کا تقرر بامر مجبوری قبول کر لیا۔ پہلا ریذیڈنٹ سر اولیور سینٹ جان تھا جس کے بعد پلاؤڈن اور کرنل پیری نسبت تعینات کیئے گئے۔ اپنی تقرری کے کچھ عرصہ بعد ہی نسبت نے چند خطوط پکڑے جو اس نے

۱۔ دیویندرا کوشک۔ جدید دور میں وسط ایشیا۔ ماسکو 1970ء ص 64۔

۲۔ ایضاً۔

پرتاپ سنگھ کے نام منسوب کیئے۔ یہ خطوط اس نے زار روس کو لکھے تھے۔ لندن اور (اس وقت کے دارالحکومت ہند) کلکتہ نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ معاہدہ امرتسر کو پس پشت ڈال کر انگریز نے ریاست کے برطانوی عملداری سے الحاق کا فیصلہ کرلیا۔ امر سنگھ نے جو کرنل نسبت کے ساتھ مل کر درپردہ حصول اقتدار کے لیئے سرگرم عمل تھا پرتاپ سنگھ سے زبردستی انتظامی امور سے دستبرداری کے پروانہ پر دستخط کرا لیئے۔(۱)

حکیم نورالدین نے برطانوی ریذیڈنٹ کے آلہ کار اور امر سنگھ کے ساتھی کے طور پر کام کیا۔ حکیم صاحب درباری سازشوں میں پوری طرح ملوث تھے۔(۲) انگریزوں نے پوری طرح ریاست کا الحاق کرلیا ہوتا مگر حالات کے دھارے نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ ایک قوم پرست اخبار ''امرت بازار پتریکا کلکتہ'' نے پرتاپ سنگھ کے دستخطوں سے وائسرائے ہند کو لکھا گیا ایک خط پہلی دفعہ چھاپ دیا۔ جس میں اس نے اپنے اوپر لگائے گئے تمام الزامات سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے واقعہ میں اس اخبار نے ایک اعلیٰ خفیہ تحریر چھاپ دی جس میں برطانوی سیکرٹری خارجہ نے حکومت ہند کو تمام سرحدی ریاستوں کے الحاق کا مشورہ دیا تھا۔ برطانوی حکومت پہلے مرحلے میں گلگت کو اپنے ساتھ ملانا چاہتی تھی۔ ایک ہندوستانی قوم پرست صوفی امبا پرشاد جو اپنے آپ کو گونگا اور بہرہ ظاہر کرتا تھا اور برطانوی ریذیڈنٹ کے دفتر میں ملازم تھا نے یہ خفیہ کاغذات اخبار کے حوالے کر دیئے۔ دو برطانوی پارلیمانی ارکان ولیم ڈگبی اور بریڈ لا نے مہاراجہ کے دفاع میں کئی مضامین لکھے۔(۳) آخرکار برطانوی حکومت مجبور ہو کر ریاست کے الحاق سے باز آ گئی۔

نورالدین نے امر سنگھ پر اپنا خاصا اثر و رسوخ قائم کرلیا تھا۔ انہوں نے اسے قائل کر لیا تھا کہ حصول اقتدار کے لیئے برطانوی امداد حاصل کرے۔ نورالدین نے کشتوار پر برطانوی راج کے قیام کے لیئے بھی ایک سازش کی داغ بیل ڈالی مگر یہ

۱۔ ولیم ڈگبی۔ مذمت شدہ بلا سماعت۔ لندن ص 164-168۔

۲۔ ممتاز احمد۔ مسئلہ کشمیر لاہور۔ ص 58۔

۳۔ ڈگبی ص 168۔

منصوبہ برطانوی سیاسی محکمہ نے ترک کر دیا۔ محرم علی چشتی بھی اس منصوبے میں ان کا شریک کار تھا جس کو بعد میں کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اس نے اخبار ''رفیق ہند لاہور'' کی ادارت شروع کر دی۔(۱)

۱۸۸۹ء میں انگریز نے کشمیر کے نظم ونسق کے لیئے ایک مجلس قائم کی اور مہاراجہ کے اختیارات محدود کر دیئے۔ مجلس میں رام سنگھ، امر سنگھ، ایک برطانوی آفیسر، پنڈت سورج کول اور پنڈت بھاگ رام شامل تھے۔ تمام انتظامی اختیارات امر سنگھ کے ہاتھ میں تھے جو اس مجلس کا سربراہ تھا۔ ۱۸۹۱ء تک یہ سلسلہ رہا۔ بعد میں پرتاپ سنگھ انگریز کو وفاداری کی یقین دہانی کروا کر اس مجلس کا سربراہ بن گیا۔ سورج کول نورالدین کو اس کی خفیہ سرگرمیوں اور برطانوی ریذیڈنٹ کے ساتھ تعلقات کی بناء پر سخت ناپسند کرتا تھا۔ جونہی پرتاپ سنگھ مجلس کا سربراہ اور امر سنگھ اس کا نائب سربراہ بنا اس نے فوری طور پر حکیم نورالدین کی چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست بدری کے احکامات جاری کر دیئے۔ حکیم صاحب کو چوبیس گھنٹے کے اندر ریاست کشمیر چھوڑنا پڑی۔ اس طرح حکیم صاحب جو کہ بدنام درباری سازشی اور برطانوی آلہ ء کار تھے بہت جلد ریاست چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں بھیرہ آ گئے۔ بعدازاں انہوں نے قادیان میں سکونت اختیار کر لی۔ راجہ امر سنگھ نے ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے اور انہیں خفیہ طور پر خطوط لکھتا رہا۔ اس واقعہ کے بعد بھی وہ ان کی عزت کرتا تھا۔(۲)

شیخ یعقوب علی قادیانی کہتا ہے کہ نورالدین کے مخالفین انہیں الزام دیتے ہیں کہ وہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی بجائے مہاراجہ امر سنگھ کو تخت نشین کرانے کے لیئے ایک سیاسی سازش کا تانا بانا بنتے رہے۔ یہی ان کی ریاست سے اخراج کی وجہ تھی۔(۳) مرزا محمود نے یہ دلیل گھڑی ہے کہ حکیم صاحب امر سنگھ کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پرتاپ سنگھ کو اس بات کا پتہ چل گیا۔(۴) ریاست سے نکلتے وقت حکیم صاحب دو لاکھ

۱۔ رفیق دلاوری۔ آئمہ تلبیس لاہور 1937ء ص 471۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 4 ربوہ۔ ص 437۔

۳۔ شیخ یعقوب علی عرفانی۔ حیات احمد۔ جلد 2 ص 423۔

۴۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 4 ص 144۔

روپے کے بھاری مقروض تھے۔ راجہ امر سنگھ نے ایک کاروباری ہندو کو بہت بڑا ٹھیکہ دے دیا جس کے منافع سے ان کا قرضہ ادا ہوا۔⁽¹⁾

حکیم صاحب مئی ۱۹۰۸ء کے آخر میں قادیان میں مرزائے قادیان کے جانشین بنے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے مثیل کہا جاتا ہے جو اسلام کے پہلے خلیفہ تھے۔ بمشکل ایک سال بعد ہی ان کے اور صدر انجمن احمدیہ کے جو کہ انجمن کے معاملات چلانے والی مرکزی جماعت تھی، تعلقات خراب ہوگئے جو بالآخر افتراق کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ انہوں نے کمال عیاری سے تمام معاملات کو سنبھالا۔ بااثر قادیانیوں نے ان کی مذمت کی۔ وہ نجی مجالس میں ان کی تحقیر کرتے اور انہیں جماعت کا مطلق العنان سربراہ قرار دیتے۔ ان کو مرزا صاحب کے گھرانے اور صدر انجمن احمدیہ کے چند اراکین کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ انہوں نے مصائب سے پر زندگی گزاری اور ان کے آخری ایام بڑی تنگی اور ذہنی اذیت میں گزرے۔

عظیم کھیل

مرزا صاحب کی طرح حکیم صاحب نے بھی برطانوی سامراجیت اور بین الاقوامی صیہونیت کی مدد کی۔ ان کی پاپائیت کے دوران ہندوستان اور بیرون ہند بہت سے سیاسی واقعات رونما ہوئے۔ تقسیم بنگال کی منسوخی (۱۹۱۱ء) اور سلطنت عثمانیہ کے علاقے بلقان کے معاملات نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کر دی۔ ۱۹۰۸ء میں بین الاقوامی صیہونیت کی سازشیں ترکی سلطنت کے خلاف اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔ کیونکہ وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے فلسطین حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جرمن، فرانسیسی، روسی اور برطانوی سامراج مرد بیمار کی موت کی امید میں اس طاقت کے خلاء کو پر کرنے کے منصوبے بنانے لگے جو ان کے خیال میں سلطنت عثمانیہ کی تحلیل کے بعد پیدا ہونا تھا۔ ترکی کی شکست و ریخت کی صورت میں برطانیہ کو ہندوستان کے

۱۔ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص 35۔

ساتھ معاشی اور عسکری رسل ورسائل کے ذرائع کو محفوظ بنانا تھا کیونکہ برطانیہ کی آدھی فوجیں وہاں مقیم تھیں۔ نہر سویز کی بھی حفاظت کرنا تھی۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیئے برطانیہ کی نظریں شام اور عرب پر لگی ہوئی تھیں۔⁽¹⁾ اس ساری صورتحال کا بہترین فائدہ اٹھانے کے لیئے سامراجی اور صیہونی جاسوسوں نے اپنی حرکتیں تیز تر کر دیں۔ فلپ نائٹلی اور کالن سمپسن یورپ اور ایشیاء کے اس سامراجی کھیل پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

> ''نوجوان انگریزوں کی نسلوں نے بادشاہ' ملک اور ہندوستان کی حفاظت کے بڑے کھیل میں حصہ لیا۔ انہوں نے دلی' لاہور' کابل' تہران' تبریز اور سمرقند میں بیٹھ کر اپنا کردار ادا کیا۔ کپلنگ نے اپنے ناول ''کم'' میں یہی کچھ لکھا مگر سچائی اپنے طور پر خوش کن تھی۔ ایرک نیوبائی نے بیان کیا کہ کس طرح مشہد میں برطانوی قونصل خانہ جو بند ہو چکا تھا اور ۱۹۵۶ء میں شمال مشرقی فارس میں خراسان کے صوبے میں اس نے وسطی ایشیاء کا ایک نقشہ تلاش کیا۔ جس پر رنگین پنسلوں کے کافی نشانات تھے اور ''کاراکوم'' کے صحرا میں ٹیلے بنائے ہوئے تھے جو روسی علاقے کے کافی اندر تھے اور جس پر خفیہ تحریر تھی کیپٹن ایکس(۲) جولائی ۱۹۸۴ء''

یہ تقریباً وہی زمانہ تھا جب صیہونی سازشیں اپنے عروج پر تھیں۔ سلطنت عثمانیہ کے خلاف ڈی۔ جی ہاگورتھ نے جو بدنام سیاسی خفیہ کا افسر تھا۔ لارنس آف عریبیہ کو برطانوی سلطنت کے لیئے جاسوسی کیلیئے عرب ممالک میں جانے پر راضی کر لیا۔ لارنس جو کہ ایک اینگلو۔ آئرش چھوٹے نواب کا ذہین بیٹا تھا۔ دوسرے جاسوسوں کی مدد سے صحرائے سینا میں خفیہ طور پر پہنچ گیا اور چند خفیہ نقشے بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ واضح تھا کہ جو کوئی صحرائے سینا کو قابو کر لے وہ نہر سوئز کو بھی قابو کر سکتا تھا۔ ترک برطانوی جاسوسوں کو اپنے علاقوں میں جاسوسی کی اجازت نہ دیتے تھے۔ چنانچہ لارنس اور اس کے دوست لیونارڈ وولی نے یہودیوں کی مدد حاصل کی۔ انہوں نے بہانہ کیا کہ وہ صحرائے سینا

۱۔ نائٹلی اور سمپسنز۔ لارنس آف عریبا کی خفیہ زندگی۔ سی نکلسن اینڈ کمپنی لندن 196 س9ء ص 48۔

۲۔ ایضاً۔

پر تحقیقی کام کریں گے۔ یہودیوں کی قائم کردہ ''فلسطین مطالعاتی فنڈ'' کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا۔ برطانوی انجینئرنگ دستے کے کپتان ایس۔ ایف۔ نیوکومب نے عسکری کام مکمل کیا۔ انہوں نے یہ جاسوسی مشن قاہرہ میں برطانوی ایجنسی کے کہنے پر شروع کیا۔(۱)

جاسوسی مشن

ستمبر ۱۹۱۲ء میں حکیم نورالدین نے ایک جاسوسی مشن عرب میں بھیجا جس میں مرزا محمود، مرزا ناصر نواب (محمود کا نانا اور ایک عرب شامل تھے)۔ حکیم صاحب بڑی ہوشیاری سے مرزا محمود کو تیار کر رہے تھے کہ وہ مستقبل میں ان کی جگہ سنبھالیں۔ ان کے ایماء پر مرزا محمود نے پہلے ہی ایک تنظیم ''انصار اللہ'' کے نام سے بنا لی تھی تا کہ وقت آنے پر اسے صدر انجمن احمدیہ کے خلاف استعمال کیا جا سکے اور مستقبل قریب میں اقتدار پر قبضہ کیا جا سکے۔ عبدالحی عرب عراق کا باشندہ تھا اور قادیان میں ایک برطانوی ایجنٹ کے طور پر قیام پذیر تھا۔ مرزا صاحب کی اپنی تحریروں کے مطابق انہوں نے برطانیہ کی حمایت اور جہاد کی مخالفت میں لٹریچر شریف عربوں کے ذریعے عرب ممالک میں روانہ کیا۔ یہ بھی ایک شریف عرب تھا۔ مرزا محمود نے حجاز، یروشلم اور مصر روانگی سے قبل مشن کا یہ مقصد بنا لیا کہ وہ اس سفر کے ذریعے احمدیت کے پرچار کے نئے افق تلاش کریں گے۔(۲) اس کے علاوہ کچھ اور بھی وجوہات ہیں۔ جن کا اظہار کرنا مناسب نہ ہوگا۔(۳) انہوں نے یہ زور دے کر کہا۔

چھبیس اکتوبر ۱۹۱۲ء کو مرزا محمود اور عبدالحی عرب پورٹ سعید پہنچے اور برطانوی اہلکاروں سے مذاکرات کیئے۔ تھوڑا عرصہ قیام کے بعد وہ مصر سے مکہ روانہ ہو گئے۔ میر ناصر انہیں جدہ میں ملے۔ انہوں نے حجاز میں اپنی مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کا آغاز

۱۔ ایضاً۔

۲۔ مرزا محمود۔ افتراق کی حقیقت ص 252۔

۳۔ عبدالقادر۔ حیات نور۔ ص 573۔

احمدیت کے بنیادی عقائد یعنی تنسیخ جہاد، مسیحیت، مرزا صاحب کی نبوت اور انگریزوں کی وفاداری وغیرہ کا پرچار شروع کیا۔ جب عربوں کو پتہ چلا کہ ایک قادیانی مرتد کا بیٹا انہیں مکہ کے مقدس شہر میں ایک جھوٹی نبوت کی طرف دعوت دے رہا ہے تو وہ سراپا احتجاج بن گئے اور شریف مکہ کی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ انہیں فوراً شہر سے نکالا جائے۔ تاریخ احمدیت میں مذکور ہے کہ مرزا محمود جہاں بھی جاتے لوگ ان کی طرف انگلیاں اٹھاتے اور ابن قادیانی پکارتے۔ مشہور اہلحدیث عالم میر ابراہیم سیالکوٹی اس سال حج کے لیئے مکہ مکرمہ میں تھے۔ انہوں نے اور بھوپال کے ایک شخص خالد نے قادیانی مشن کا پردہ چاک کیا۔ یہ لوگ بیس روز تک مکہ میں ٹھہرے۔

قادیانی مشن نے مقامی جاسوسوں سے روابط بڑھائے اور ان کے ساتھ متواتر رابطے رکھے۔ مرزا محمود شریف مکہ سے بھی ملے۔(۱) جو ترکوں کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہا تھا اور پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کا وفادار ثابت ہوا تھا۔ ترک خفیہ محکمہ نے قادیانیوں کی ان زیر زمین سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا۔ پولیس نے ان کو پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بدقسمتی سے وہ ہاتھ نہ آ سکے۔ مرزا محمود حجاز میں اپنی سرگرمیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> ”میں نے وہاں (مکہ) تبلیغ شروع کی اور خدا نے اپنے خاص فضل سے میری حفاظت کی۔ اس وقت حکومت ترکی کا وہاں چنداں اثر نہ تھا اب تو شاہ حجاز کی گورنمنٹ انگریزی کے زیر اثر ہونے کے باعث ہندوستان سے بدسلوکی نہیں ہوسکتی مگر اس وقت یہ حالت نہ تھی۔ اس وقت وہاں جس کو چاہتے گرفتار کر لیتے تھے مگر میں نے تبلیغ کی اور کھلے طور پر کی، لیکن جب ہم وہ مکان چھوڑ کر واپس ہوئے تو دوسرے دن اس مکان پر چھاپہ مارا گیا اور مالک مکان کو پکڑ لیا گیا کہ اس قسم کا یہاں کوئی شخص تھا“۔

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 4 ص 464۔

قادیان کا لارنس

اسی سال ستمبر ۱۹۱۲ء میں حکیم نورالدین نے خواجہ کمال الدین کو جو کہ صدر انجمن احمدیہ کا ایک اہم رکن تھا، انگلستان بھیجا۔ انہوں نے ووکنگ لندن میں ایک احمدیہ مشن قائم کیا اور اپنی مستقبل کی سیاسی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی برطانوی دفتر خارجہ اور عالمی صیہونی تنظیم کی رہنمائی میں کی۔

عرب ممالک سے تین رکنی جاسوسی وفد جب واپس آیا تو اپنی کارگزاری حکیم صاحب کو پیش کی۔ عرب ممالک کے متعلق ان کی رپورٹ کی بناء پر حکیم صاحب نے زین العابدین، ولی اللہ شاہ اور شیخ عبدالرحمٰن کو چھبیس جولائی ۱۹۱۳ء کو مصر بھیجا۔ یہ احمدی مبلغین کے روپ میں گئے مگر ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ برطانوی خفیہ محکمہ قاہرہ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ جون ۱۹۱۳ء میں انہوں نے چوہدری فتح محمد سیال اور شیخ نور احمد کو برطانیہ بھیجا تاکہ وہ خواجہ کمال الدین کے کام میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔[۱] ان دنوں قاہرہ کی برطانوی خفیہ تنظیم نئے جاسوسوں کو بھرتی کر کے انہیں شام، عرب اور عراق بھجوا رہی تھی۔ عیسائی مبلغین بھی عرب ممالک میں اپنے پنجے گاڑنے میں مصروف تھے۔ عیسائی مشنری خصوصاً ڈاکٹر زویمر جو ایک انتہا پسند عیسائی مبلغ تھا۔ ۱۹۱۳ء میں عرب گیا اس کے ساتھ قاہرہ کی مجلس اناجیل کا ایک آلہ کار بھی تھا۔[۲] وہ اس امکان کا اندازہ لگانے گئے کہ آیا وہاں ایک عیسائی مشن کھولا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بدنام زمانہ لارنس آف عریبیہ جو کہ صحرائے سینا میں پوری سرگرمی سے صیہونی مدد کے ساتھ فوجی راز حاصل کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے حکومت برطانیہ کو آمادہ کیا کہ شریف مکہ کی امداد کی جائے جو کہ ترکوں کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنا رہا تھا۔[۳] انگریزوں کو اندازہ تھا کہ مقامات مقدسہ پر ترکوں کے اقتدار کا خاتمہ ان کے عرب میں اقتدار کیلئے مہلک ثابت ہو سکتا

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 4۔ ص 492۔

۲۔ خبریں اور تحریری سلسلہ (ایک خفیہ ہندوستان کا تبلیغی پرچار) 7-6 دسمبر 1919ء ص 6۔

۳۔ نائٹلی اور سمپسن ص 68۔

ہے۔ مسلمان اپنی وفاداری کو جلد ہی تبدیل کر کے اس کے ساتھ ہو جائیں گے جو شخص مقامات مقدسہ کا نیا حکمران بنے گا۔

زین العابدین اور عبدالرحمٰن ۱۹۱۳ء میں مصر پہنچے۔ انہیں مصر میں برطانوی ریذیڈنٹ جنرل کچنر کے دفتر میں ہدایات دی گئیں۔ چند ماہ انہوں نے برطانوی محکمہ خفیہ قاہرہ میں کام کیا۔ جو عرب قوم پرستوں کو ترکی کے خلاف بغاوت کے لیئے تیاری میں بڑی شدت سے سرگرم عمل تھا۔ عبدالرحمٰن (مصری) قاہرہ میں ہی رک گیا جبکہ ولی اللہ شاہ بیروت چلا گیا جہاں اس نے عربی کا علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نوجوان عرب طلباء کے ساتھ تعلقات استوار کر لیئے۔(1) ہندوستان میں ترک حامی تحریک کے اجراء نے ترکوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے لیئے دوستی کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ ولی اللہ نے ان جذبات کو اپنے مذموم مقصد کے لیئے استعمال کیا اور صلاح الدین ایوبی کالج یروشلم میں معلم کا عہدہ حاصل کر لیا۔ بعد میں اسے دمشق کے سلطانیہ کالج میں نائب پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ اس نے ان کٹھن ایام میں جب ترکوں کے خلاف عرب بغاوت برپا ہونے والی تھی۔ بیروت' مصر اور یروشلم میں برطانوی مفادات کے لیئے تندہی سے کام کیا۔

ایک مشہور شامی عالم محمد منیر القادری نے اپنی مشہور کتاب ''القادیانیۃ'' میں پہلی جنگ عظیم کے موقع پر احمدیوں کی سازشوں کا ان الفاظ میں بھرپور تذکرہ کیا ہے۔

> ''یہ پوری ذمہ داری سے کہا جا سکتا ہے کہ قادیانیوں کی حرکات سے چشم پوشی مسلمانوں کے لیئے حد درجہ خطرناک ثابت ہوگی۔ خصوصاً ان کی جاسوسی سرگرمیوں کو نظر انداز کرنا۔ یہ پہلی جنگ عظیم کا وقت تھا جب برطانوی سامراجیوں نے ایک قادیانی جاسوس کو سلطنت عثمانیہ میں بھیجا۔ جس کا نام ولی اللہ زین العابدین تھا۔ اس نے ظاہر یہ کیا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کا خیر خواہ اور مسلمان ہے۔ ترک اس کے دھوکے میں آ گئے۔ انہوں نے اسے جمال پاشا کے پاس بھیجا جو پانچویں فوجی ڈویژن کے کمانڈر تھے انہوں نے زین العابدین کو قدس

---

[1] مرزا محمود احمد۔ منصب خلافت قادیان 1914ء ص 58۔

یونیورسٹی میں ملازمت دے دی۔ بعد میں جب جنرل ایلن بائی کی قیادت میں انگریزی فوج شام میں داخل ہوئی تو وہی ولی اللہ زین العابدین ان سے فوراً مل گیا"۔

مصالح العرب

برطانیہ کی جنگی حکمت عملی کو کامیاب بنانے کے لیئے نورالدین کی ہدایت پر قادیان میں دو اخبار جاری کیئے گئے۔ خواجہ کمال الدین نے امریکہ، افریقہ اور یورپ میں تقسیم کے لیئے برطانیہ سے "مسلم انڈیا" اور "اسلامک ریویو" جاری کیئے۔(۱) قادیان میں جاری "بدر" کا ایک ہفتہ وار ضمیمہ عربی زبان میں عبدالحی عرب نے شائع کیا۔ اس اخبار کو مصر، حجاز، عراق اور عرب ریاستوں میں متعین اعلیٰ حکام کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ اسے مرزا غلام احمد کی ایک وحی کی بناء پر "مصالح العرب" کا نام دیا گیا۔ اخبار نے سامراجی نقطہ نظر کو اجاگر کیا اور صیہونی مقصد کے لیئے بھرپور کام کیا۔ عرب بیورو قاہرہ نے بھی اسی مقصد کے پیش نظر قاہرہ سے "عرب بلیٹن" کا اجراء کیا جس کا مدیر ایک مصری افسر کارنوالس تھا۔ یورپی دفتر خارجہ، خفیہ یہودی تنظیموں اور فری میسن حلقوں نے ترکی کے خلاف مشرق وسطیٰ اور یورپ کے بعض حصوں میں وسیع پیمانے پر لٹریچر تقسیم کیا۔

ترکی کی سالمیت کے لیئے بلقانی جنگیں تباہ کن ثابت ہوئیں۔ لندن کے مبلغ خواجہ کمال الدین نے ترکوں کے نام ایک مراسلہ لکھا۔(۲) مرزا صاحب کی ترکی سلطنت کے زوال کی پیش گوئیوں اور مسلمانوں کی اس عظیم سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بارے میں ایک قادیانی الہام کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے کہا کہ "حضرت احمد کی پیش گوئی پوری ہو چکی ہے جو اس نے نو سال پہلے کی تھی"۔(۳) مرزا محمود کہتے ہیں کہ

"پیش گوئی کا دوسرا حصہ ان کی اسی عارضی فتح کے متعلق ہے جو کہ فاتحین اور

۱۔ عبدالقادر۔ ص 598۔

۲۔ خواجہ کمال الدین۔ ترکوں کے نام مراسلہ 158 ویسٹ سٹریٹ لندن یکم فروری 1913ء۔

۳۔ تاریخ احمدیہ جلد 4 ص 466۔

دوسری ریاستوں کے مابین اچانک چھڑ جانے والی جنگ سے ہوئی۔ شکست خوردہ ترک فوج نے چند دنوں میں ایڈریانوپل اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جہاں سے وہ بظاہر ہمیشہ کے لیئے نکالے جا چکے تھے۔ چنانچہ اس طرح یہ دلچسپ پیش گوئی پوری ہوگئی"۔ (۱)

مسئلہ خلافت

مسلمانان برصغیر نے پوری تندہی سے بلقانی جنگوں میں ترکوں کی امداد کی۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک کے زمانے میں کئی ترک ہندوستان آئے۔ کمال عمر بے اور عدنان بے ترکی کی انجمن ہلال احمر کی جانب سے ہندوستان آ کر بہت سے مسلمان زعماء سے ملے تا کہ اس مسئلہ پر ان کی مدد حاصل کی جا سکے۔ سمیع بے بھی ایسے ہی مقصد سے ہندوستان آیا مگر ہندوستان کے خفیہ اداروں نے اسے پہچان لیا کہ ترکی میں اقتدار پر قابض نوجوان ترکوں کا نمائندہ ہے۔ اس کا بھائی اشرف بے ترکوں کے لیئے حمایت حاصل کرنے کے لیئے مصر گیا مگر وہاں گرفتار ہوگیا۔ ہندوستانی انقلابیوں کے لیئے افغانستان ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ کابل کا ایک اہم روزنامہ "سراج الاخبار" ترکوں کے لیئے گہری ہمدردی کا اظہار کرتا تھا اس کا موقف تھا کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔ (۲)

قادیانیوں کی نظر میں مسئلہ خلافت کی بہت کم اہمیت تھی۔ برطانوی شہنشاہ معظم ان کا دنیاوی حکمران اور حکیم نور الدین انکا مامور خلیفہ تھا۔ قادیانی عقیدے کے مطابق سلطان ترکی باقی مسلمانوں کی طرح ایک کافر تھا۔ جس کی خلافت ایک ڈھونگ تھا۔ مرزا صاحب بطور نبی اور مسیح موعود پہلے ہی پیش گوئی کر چکے تھے کہ اس کی سلطنت ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

بلقانی جنگ کے دوران کچھ علماء نے مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ عیدالاضحیٰ کے

۱۔ مرزا محمود احمد۔ زندہ خدا کے زبردست نشان۔ قادیان اپریل 1917ء مزید دیکھئے مولوی محمد علی: **تحریک احمدیت** جلد 3 لاہور۔ 1918ء ص 49۔

۲۔ پی ایس۔ ہملورڈ ص 11-12۔ حوالہ اشتیاق حسین قریشی۔ علماء میدان سیاست میں۔ ص 224۔

موقع پر جانوروں کی قربانی کرنے کی بجائے یہ رقم ترکوں کو بطور چندہ دے دیں۔ حکیم نورالدین نے اس کے خلاف دسمبر ۱۹۱۲ء میں ایک فتویٰ جاری کیا(۱) لیکن اس فتویٰ کو بعض احمدیوں نے ناپسند کیا۔ یہ لوگ جو بعد میں لاہوری کہلائے یہ سیاست میں نرم رویہ رکھتے تھے۔

الفضل کا اجراء

۱۹۱۳ء میں ترکی خلافت کے خلاف مذموم پروپیگنڈہ مہم اس وقت مزید زور پکڑ گئی جب مسلمان پریس خصوصاً ''الہلال'' کلکتہ اور ''زمیندار'' لاہور نے ترکی کی حمایت میں متاثر کن تحریریں چھاپیں۔ سامراجی نکتہ نظر کو اجاگر کرنے کے لیئے مرزا محمود نے مشرق وسطیٰ سے واپسی پر الفضل قادیان کا اجراء کیا جو آنے والے سالوں میں قادیانی جماعت کا نمائندہ اخبار بن گیا۔ مرزا محمود کہتے ہیں۔

> ''سال ۱۹۱۳ء دو اہم واقعات کی وجہ سے مشہور ہے۔ حج سے واپسی پر میں نے قادیان میں نشرواشاعت کی مضبوطی کی ضرورت محسوس کی۔ مجھے اس کی ضرورت مولوی ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' نے محسوس کرائی جس کے بہت سے احمدی خریدار تھے۔ میرے خدشہ کی وجہ یہ تھی کہ کچھ احمدی اس اخبار کی زہریلی تحریروں سے متاثر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے اس مقصد کے لیئے اپنے آپ کو تیار کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح (حکیم نورالدین) کی اجازت حاصل کی کہ قادیان سے ایک نیا اخبار نکالا جائے جو مذہبی معاملات کے علاوہ عمومی دلچسپی کے معاملات پر بھی روشنی ڈالے اور اس طرح احمدیوں کی مذہبی ضروریات کو بھی پورا کرے اور تحریک احمدیہ کے مقاصد کا بھی ترجمان ہو۔(۲)

اس مقصد کے علاوہ لاہوری جماعت کے اخبار ''پیغام صلح'' لاہور کے مضامین کا جواب دینا بھی مرزا محمود کے پیش نظر تھا۔

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 4 ص 462۔

۲۔ مرزا محمود، The Truth About the Split ص 269)۔

کانپور مسجد کا سانحہ

سانحہ ٔ کانپور مسجد (اگست ۱۹۱۳ء) ہماری تحریک آزادی کی تحریک میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے احتجاج کی فوری وجہ مسجد کے ملحقہ ایک غسل خانے کا انہدام تھا جس کو سڑک چوڑی کرنے کے لیئے توڑ دیا گیا۔ مسلمانان کانپور مسجد کے غسل خانہ کے انہدام پر شدید مشتعل ہوگئے۔ احتجاج کے نتیجہ میں جان کا نذرانہ دینے والوں کو شہید کا درجہ دیا گیا۔ حکومت کے اقدام کے خلاف اخبارات میں نہایت سخت مضامین لکھے گئے۔

قادیانی جماعت نے حکومتی اقدام کی بھرپور تائید کی اور اسے اپنی پوری مدد بہم پہنچائی۔ (۱) الفضل قادیان نے مسلمانان ہند کے جذبات کو فرو کرنے کے لیئے مضامین لکھے۔ حکیم نورالدین نے حکومتی اقدام کی تائید کی اور احتجاج کرنے والوں کو مطعون کیا کہ وہ امن تباہ کر رہے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ غسل خانہ مسجد کا حصہ نہیں تھا اور اس سلسلے میں تحریک چلانے والے غلطی پر تھے اور دراصل منافقانہ طرز عمل اختیار کیئے ہوئے تھے۔ (۲) مولوی محمد علی نے جو بعد میں لاہوری جماعت کے سربراہ بنے ''پیغام صلح لاہور'' میں تین مضامین لکھے جن میں تحریک کانپور میں مسلمانوں کے مطالبات کی حمایت کی۔ حکیم صاحب نے ان کو سخت ناپسند کیا۔ الفضل قادیان میں ان مضامین کے جوابات آ گئے۔ قادیانی جماعت میں دراڑ کی ایک وجہ یہ بھی بنی۔ (۳)

لاہوری احمدی جماعت نے مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کے نزدیک تر موقف اختیار کیا۔ ان کے رسالے ''پیغام صلح'' لاہور نے ترکی خلافت کی حمایت میں مضامین چھاپے۔ انہوں نے مذہبی عقائد مثلاً نبوت مرزا، کفر و اسلام، شادی بیاہ، جنازہ وغیرہ کے مسائل کو نرم کر کے پیش کیا تا کہ احمدیوں کو اسلام کے دھارے میں دوبارہ لایا جا سکے۔ شاید یہ پہلا اخبار تھا جس نے سترہ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مولانا ظفر علی خان کی علاقہ

۱۔ الفضل۔ قادیان۔ 2 جولائی 1914ء۔

۲۔ مرزا محمود۔ ص 269۔

۳۔ ایضا۔ ص 272 نذیر محمد علی افتراق کے بارے میں اصل حقائق۔ لاہور 1960ء ص 97۔

بدری کے احکامات کے خلاف لکھا۔ اخبار نے پریس کو دعوت دی کہ وہ مولانا ظفر علی خان کی حمایت کریں۔ دوبارہ مئی ۱۹۱۵ء میں اس اخبار نے علی برادران کی حمایت کی۔ خلافت کے ایام میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ جبکہ قادیانی جماعت اپنی بے لوث وفاداری سے حکومت کی کاسہ لیسی میں سرگرم عمل رہی۔ قادیانی سیاست میں عدم مداخلت کی پالیسی کے دعویدار تھے لیکن ان کی تمام کارروائیاں سیاست پر مبنی تھیں۔(۱)

مارچ ۱۹۱۴ء میں اپنی جماعت کو منقسم چھوڑ کر حکیم صاحب وفات پا گئے۔ حکیم صاحب چاہتے تھے کہ ان کا چہیتا مرزا محمود ان کا جانشین خلیفہ بنے۔ آزاد خیال اور صدر انجمن احمدیہ کے اکابر اس بارے میں پہلے ہی باخبر تھے۔ خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی، ڈاکٹر بشارت احمد جیسے لوگوں کو حکیم صاحب نہ تو قادیان سے نکال سکے اور نہ ہی اپنی زندگی میں مرزا محمود کو قادیان کی گدی کے لیئے نامزد کر سکے۔

۱۔ لیوان سپنسر۔ احمدیہ تحریک۔ دہلی 1974ء ص 127۔

پانچواں باب

برطانوی آلہ کار

حکیم نورالدین کی وفات کے بعد بے اطمینانی اور افتراق کی جو چنگاری پچھلے چھ سالوں یعنی (۱۴-۱۹۰۸ء) سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی، بھڑک کر شعلہ بن گئی۔ میر ناصر نواب میر اسحاق اور انصاراللہ کے گروپ نے طاقت اور غنڈہ گردی کے مظاہرے کے بعد جماعتی انتخابات میں مرزا محمود کو قادیان میں بطور خلیفہ تخت نشین کرا دیا۔ ایسی بدنظمی کی مثال پہلے تحریک کی تاریخ میں ناپید تھی۔ حکیم صاحب جنہوں نے جماعت کے خلیفہ کی حیثیت سے مطلق العنانیت کا مظاہرہ کیا تھا، چاہتے تھے کہ مرزا محمود ان کا جانشین بنے۔ (۱) اگرچہ وہ اپنے "پیغمبر زادے" کی اخلاقی کمزوریوں سے بخوبی واقف تھے۔ جب مرزا محمود کا عنفوان شباب تھا اور طالبعلمی کا زمانہ تھا تو کئی شرمناک اور غیر اخلاقی داستانیں آپ کی ذات سے منسوب کی گئیں۔ جن میں ایک الزام زناکاری کا بھی تھا۔ مرزا غلام احمد کے کئی قریبی پیروکار اپنی نجی محفلوں میں اس مبینہ جنسی بے راہ رو کی حرکات کا تذکرہ کرتے۔ مرزا غلام احمد کو بھی اس کا علم تھا۔ اپنی وحی کی بناء پر مسئلہ حل کرنے کی بجائے انہوں نے زناکاری کے واقعہ کی تحقیقات کے لیئے قادیانی اکابر پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا۔(۲) نورالدین نے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگا

۱۔ میر منظور محمد قادیانی نے ۱۹۱۴ء میں حکیم صاحب کی ایک دستخط شدہ تحریر شائع کی۔ جس کے مطابق مرزا غلام احمد کی تحریروں کی رو سے "پسر موعود" کے لیئے مرزا محمود کی ذات پر ان کے پختہ یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ میر منظور محمد۔ پسر موعود۔ اللہ بخش پریس قادیان۔ مئی 1314ء ص 28 مزید اس کا کتابچہ ملاحظہ ہو "نشان فضل" قادیان۔ اگست 1914۔

۲۔ ممتاز احمد فاروقی۔ فتح حق احمدیہ انجمن لاہور۔ 1965ء ص 40۔

لیا۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے ایک گواہ کو خرید لیا اور دوسروں پر اثر انداز ہو کر انہیں توڑ لیا کیونکہ اس میں بلاواسطہ طور پر مامور زمانہ حضرت ''مسیح موعود'' کی عزت کا سوال تھا۔ چنانچہ زنا کی شہادت کے لیئے ضروری چار گواہوں کی عدم فراہمی کی وجہ سے معاملہ ٹھپ کر دیا گیا۔

جماعت کا خلیفہ بننے کے بعد ان کو صدر انجمن احمدیہ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ اراکین خصوصاً محمد علی پارٹی نے ان کے آمرانہ رویے پر کھلے عام تنقید کی۔ ۱۹۰۹ء میں قادیان کی ایک جماعت یہ مسئلہ طے کرنے میں لگ گئی کہ مسیح موعود کا اصل جانشین انجمن ہے یا خلیفہ۔ ۱۹۱۴ء کے انتشار کے بعد یہ گروہ ''لاہوری جماعت'' کہلایا۔ اس جماعت کا یہ موقف تھا کہ مرزا صاحب نے اپنی تصنیف ''الوصیّت'' (۱۹۰۵ء) میں جماعت چلانے کا ایک انتظامی ڈھانچہ پیش کیا تھا۔ اسی حوالے سے انہوں نے ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کو ایک فعال انجمن کے طور پر تشکیل دیا۔ عموماً اس کے تمام فیصلے حتمی اور موثر ہوتے تھے۔(۱) دوسرے گروہ نے جس کی قیادت مرزا محمود۔ میر ناصر نواب (نانا) اور میر اسحاق (ماموں) کر رہے تھے، انجمن کو بے جان تنظیم کہتے تھے۔ ایک اور گروہ انصار اللہ تیار کیا گیا جس میں چالیس سال سے زائد عمر کے افراد تھے جس کے ذمہ باغی گروہ ''خواجہ کمال الدین اینڈ پارٹی'' کے خلاف گندے اور مکروہ الزامات کی تشہیر تھی۔(۲) اس اندرونی اختلاف نے مرزا صاحب کی نبوت، غیر احمدیوں کے کفر اور دوسرے مسلکہ معاملات کو بھی اجاگر کر دیا۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مرزا صاحب کے مبہم وحی و الہامات اور غیر واضح تحریروں سے جس جماعت نے جو چاہا اخذ کر لیا۔ حکیم صاحب کی زندگی میں (۱۹۱۳ء کے آخر میں) لاہور سے دو گمنام کتابچے ''اظہار الحق اول'' اور ''اظہار الحق دوم'' شائع ہوئے۔ نامعلوم مصنف نے احمدیہ خلافت، انجمن کے اختیار، حکیم صاحب کی

۱۔ ممتاز احمد فاروقی۔ ''محمد علی مبلغ اعظم'' لاہور 1966ء ص 31۔

۲۔ محمد علی True Facts About the Split ص 99۔

آمرانہ روش اور جماعت کے پرانے ارکان کے بارے میں ان کے معاندانہ رویئے جیسے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی تھی۔ جماعت کے مختلف گروہوں نے ایک دوسرے پر الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ''پیغام صلح لاہور'' لاہوری جماعت کا نمائندہ تھا جبکہ ''الفضل قادیان'' قادیانی جماعت کی امنگوں کا ترجمان تھا۔ حکیم صاحب نے یہ سارا کھیل بڑی بے بسی اور حسرت سے ملاحظہ کیا۔ اس وقت وہ بیماری کی حالت میں بستر پر تھے۔(۱) انتہائی مایوسی کے عالم میں آپ نے خواجہ کمال الدین کو (جو اس وقت انگلستان میں تھے) خط لکھا جس میں یہ گریہ زاری کی۔

> انکی ایمانداری خطرے میں پڑی ہے۔ ان پر رقم کی خورد برد کے الزامات ہیں''۔ اس نے مزید کہا۔ ''نواب محمد علی (جوکہ مالیر کوٹلہ کا تھا اور مرزا کا داماد تھا) میر ناصر اور مرزا محمود احمد بیکار لوگ اور بلاوجہ جوشیلے ہیں' یہ بلا اب تک لگی ہے یا اللہ نجات دے آمین''۔(۲)

اس سے قبل ڈاکٹر محمد حسین کو ایک دوسرے خط میں انہوں نے لکھا۔

> ''میاں صاحب علیل۔ ضعیف معدہ۔ غیر مستقل مزاج اور دل کے کمزور ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ وہ جذباتیت کی رو میں بہہ جائیں۔ آپ ایک حاذق شخص ہیں۔ آپ کو سمجھ کیوں نہیں آرہی ہے۔ ایک دائمی مریض انسان بہت جلد زود رنج اور غصیلا ہو جاتا ہے۔ ان پر کوئی دوش نہیں ہے۔ البتہ آپ پر ضرور ہو سکتا ہے۔ اللہ آپ سب لوگوں کو خوش رکھے آمین (9 مئی 1913ء)(۳)

دوسری جگہ انہوں نے لاہوری اراکین کو اپنی حیثیت جتاتے ہوئے ان کی تذلیل و تحقیر کی۔ تاہم حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا محمود اور ان کی جماعت نے قادیان میں ایک انتخابی ناٹک رچایا۔ انصار اللہ نے غنڈہ گردی اور قوت کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی تھی۔ جو لوگ کچھ کہنے کے لیئے اٹھے انہیں زبردستی بٹھا دیا

۱۔ دیکھیں تاریخ احمدیت جلد 4 ص 6-5 محمد علی 99 قاضی محمد نذیر کی غلبہ حق ربوہ ص 126-127 ڈاکٹر بشارت احمد مراۃ الاختلاف۔ احمدیہ انجمن لاہور 1939ء۔

۲۔ ممتاز فاروقی' ص 36) (چھبیس نومبر 1913ء۔

۳۔ محمد علی۔ ص 96۔

گیا اور چپ کرا دیا گیا۔ مرزا محمود اس دن فاتح رہے۔ حکومت برطانیہ اور ہندوستان میں انجمن کی تمام شاخوں کو ان کی خلافت کے بارے میں مطلع کر دیا گیا۔ خلیفہ کا منصب سنبھالتے وقت مرزا محمود کی عمر پچیس برس تھی۔(۱)

برطانوی سامراجیوں کی تمام ہمدردیاں مرزا محمود کے حق میں تھیں۔ انہیں لاہوری پارٹی سے زیادہ ایک نرم رو اور انگریز نواز شخص کی ضرورت تھی۔ وہ منڈلی جس کے ہاتھوں میں پس پردہ اصل قوت تھی' اس کے چند اہم اراکین برطانوی افسران کے ساتھ خفیہ ساز باز رکھتے تھے۔ مرزا محمود اپنی اہلیت کا مظاہرہ پہلے ہی مسلمانوں کی تحریک آزادی کے خلاف مضمون لکھ کر کر چکے تھے جو اس وقت ہندوستان میں چل رہی تھی۔ حکیم صاحب کی خلافت کے دوران مشرق وسطیٰ میں ایک جاسوسی مشن پر بھی جا چکے تھے۔ برطانوی شاطر جانتے تھے کہ جماعت احمدیہ کا ایک نوجوان اور اطاعت شعار خلیفہ ان کی سیاسی چالوں کی مکمل حمایت کرے گا اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیئے ان کا بھرپور ساتھ دے گا۔

عرب دنیا کی مذمت

پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء کے دوران قادیان نے ترکی خلافت کی شدید مذمت کی۔ مرزا محمود نے بھی صیہونی آقاؤں کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے پہلی جنگ عظیم کے دوران افراد کی بھرتی اور مالی امداد سے بھرپور تعاون کیا۔ احمدیوں نے ہندوستان اور بیرون ملک ترکی خلافت کے خلاف ایک مکروہ پروپیگنڈہ مہم شروع کی کیونکہ وہ پہلی جنگ عظیم میں اتحادیوں کے مقابلے میں جرمنی کا ساتھ دے رہا تھا۔ چنانچہ ترکی کے فوری زوال اور تقسیم کی پیش گوئی بھی کر دی گئی۔ تحریک احمدیت کا کہنا ہے کہ۔

> ''آپ (مرزا محمود) نے عربی زبان میں ''الدین الحیّ'' کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا اور اسے عرب دنیا میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا۔ جس میں مرزا غلام احمد کی ترکی کی سلطنت کے

۱۔ تحریک احمدیہ۔ جلد 2 احمدیہ انجمن لاہور ص 31۔

> زوال کے بارے میں پیش گوئی درج تھی۔ آپ نے اسلامی دنیا کو مرزا غلام احمد کی نبوت کو قبول کرنے کی دعوت دی''۔(۱)

صیہونی حلقوں نے اس رسالے کی مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں تقسیم کا اہتمام کیا۔ بہت سے قادیانی ترک مخالف مواد لے کر مسلمان ممالک میں گئے جہاں انہوں نے اپنے سامراجی آقاؤں اور ان کے صیہونی شرکاء کار کے کہنے پر معاندانہ سرگرمیاں شروع کیں۔

پہلی جنگ عظیم

پہلی جنگ عظیم چار سال بلا وقفہ جاری رہی۔ ۱۹۱۴ء کے شروع میں یہ جنگ یورپ کی چند ریاستوں کے مابین تھی۔ بعد میں اس نے تقریباً تمام بنی نوع انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جرمنوں نے اپنی حمایت کے لیئے ترکی، نومبر ۱۹۱۴ء میں آسٹریا اور ہنگری اور اکتوبر ۱۹۱۵ء میں بلغاریہ کو ایک سازش کے تحت گھسیٹ لیا۔

مشرق میں پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے سے ایک یوم قبل جرمنوں نے ترکی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا۔ مگر تین ماہ تک ترک جنگ میں شامل نہ ہوئے۔ جرمن اسی تذبذب کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ قسطنطنیہ سے لنگر اٹھانے والے جنگی جہاز جرمنی نے ترکی کو فروخت کیئے تھے۔ ترک سپہ سالار انور پاشا کو کچھ بتائے بغیر جرمنوں نے ان جہازوں کے جرمن عملے کو حکم دیا کہ وہ روسی ساحلوں پر بمباری کریں۔ یہ چال کامیاب ہوگئی۔ پہلے روس نے اور بعد میں دوسرے اتحادیوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ چار طاقتوں کے مقابلے میں دنیا کی تقریباً پندرہ طاقتیں کھڑی تھیں۔ برطانیہ نے اس جنگ میں ایک نوآبادیاتی قوت کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا۔(۲)

مرزا محمود نے نو نومبر ۱۹۱۴ء کو جرمنوں کی حمایت میں ترکی کے جنگ میں شامل

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 169۔

۲۔ ایل لیولن وڈورڈ۔ برطانیہ عظمیٰ اور جنگ 1914ء میتھوئن اینڈ کمپنی لمیٹڈ۔ لندن 1967ء۔

ہونے پر ایک مضمون لکھا۔ انہوں نے ترکی کے اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کو ''ایک فعل بلا جواز'' قرار دیا اور پرزور اعلان کیا کہ مسیح موعود کی پیش گوئی کے مصداق ترکی خلافت المسلمین کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے۔[1] انہوں نے برطانیہ کی زبردست حمایت کے لیئے جماعت کو اکسایا اور اپنی اخلاقی امداد کے ساتھ ساتھ سامراجی جنگی فنڈ میں حصہ لیا۔[2] انڈین امپیریل ریلیف فنڈ میں جماعت نے کافی مالی امداد فراہم کی۔ قادیانی اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے مگر اپنی وفاداری میں برطانوی راج کے لیئے متحد تھے۔ الفضل نے تمام مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ حکومت کے وفادار رہیں۔ جنگ کے دوران وقتاً فوقتاً جماعت کی طرف سے ترکی سلطنت کے تباہ ہونے اور اس کی ایشیاء و یورپ سے نیست و نابود ہونے کی پیش گوئی کی جاتی رہی۔

جنگ کے زمانے میں حکومت برطانیہ مستقل خطرہ محسوس کرتی رہی کہ برطانوی سامراج کے خلاف ترکی کی جہاد کی اپیل ہندوستانی مسلمانوں میں بغاوت نہ پیدا کردے۔ یہ بغاوت اگر افغانستان کی جنگجو حکومت کی طرف سے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر حملے کی صورت میں ہو جائے تو اس کا مطلب برطانیہ کے لیئے ایک نئے محاذ کا اس وقت کھلنا تھا جب ہندوستانی فوج کی کثیر تعداد پہلے ہی مشرق وسطیٰ اور فرانس کے خلاف لڑنے کے لیئے بھجوائی جا چکی تھی۔ تقریباً تمام برطانوی افسر شاہی بشمول وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کو خطرہ تھا کہ حجاز سے اٹھنے والی کوئی بھی بغاوت ایسے مصائب کی تخلیق کے لیئے مہمیز کا کام کرے گی۔ چونکہ سلطان ترکی کی تعظیم ہندوستانی مسلمانوں کے ایمان کا حصہ تھی۔[3] اس خدشے کو روس کی فوجی کمزوری نے مزید طاقتور بنا دیا۔ روس کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ فارس میں موجود ترک فوجیں افغانستان کے راستے روس پر چڑھ دوڑیں گی۔ اس مسئلے میں ہندوستانی فوج کے برطانوی سپہ سالار سر بیکمپ ڈف کو

---

[1] تاریخ احمدیت جلد 5 ص 178۔

[2] ایضاً۔ ص 177۔

[3] وی آر رتھویل۔ برطانوی جنگ۔ مقاصد اور اس کی سفارت۔ کلیرنڈن پریس آکسفورڈ۔ لندن 1971ء ص 89۔

یقین تھا کہ افغانستان عالمی جنگ میں ترکی اور جرمنی کی مدد کرے گا۔

اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیئے برطانوی سامراجیوں نے مسلمانوں کے خدشات کو اس اعلان کے ساتھ ختم کرنے کی کوشش کی کہ حجاز کے "مقامات مقدسہ" کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ برطانوی وزیراعظم اسکوئتھ نے یقین دلایا کہ حملہ آوروں سے ان مقامات کا بچاؤ ان کی خارجہ حکمت عملی کا حصہ ہے۔[1] قادیانیوں نے دعائیں مانگیں کہ مقامات مقدسہ پر برطانوی اقتدار قائم ہو جائے اور اس بات پر زور دیا گیا کہ برطانوی اقتدار کی موجودگی میں دوران جنگ یہ جگہیں کسی بھی نقصان سے محفوظ رہیں گی۔ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان نے "سورہ الفیل" سے یہ تصدیق ڈھونڈ نکالی کہ یہ دراصل حکومت برطانیہ کا وعدہ ہے کہ عرب میں کسی بھی حملے کے خلاف وہ ان کا دفاع کرے گی۔

> "مگر رب کعبہ جس نے اپنی مقدس کتاب میں تمام حملہ آوروں کے خلاف اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے اس موقع پر ان عیسائی قوتوں کے وزراء کو تحریک کی کہ وہ ہر جنگ کے شروع سے پہلے پکا وعدہ کریں کہ نہ صرف وہ مسلمانوں کی مقدس جگہوں پر حملہ کریں گے بلکہ ہر حملہ آور کے خلاف ان کی حفاظت کریں گے۔ اگر کوئی حکمران ان خدائی احکامات کی تائید میں کبھی بولا ہے تو وہ برطانیہ عظمیٰ کا بادشاہ ہے۔ جس نے مذکورہ بالا عہد کیا۔ اس کے اس اعلان پر اظہار تشکر کرتے ہوئے ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر مکہ مکرمہ کے مقدس شہر پر کسی بھی حملہ آور کے خلاف برطانیہ کو آواز دی گئی تو خدا برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ ہوگا۔ اور اسی طرح دشمن کی فوجوں کے خلاف لڑے گا جس طرح نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے سال ابرہہ کی فوجوں کے خلاف لڑا تھا"۔ (۲)

قادیانیوں نے انگریزوں کو اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کر دیں۔ اگرچہ کثیر تعداد میں نہ سہی مگر ۱۹۱۵ء میں بعض افراد نے انٹیلی جنس ایجنسی میں ملازمت

۱۔ دنیائے مسلم۔ جلد 5 - 1915ء ص 308۔

۲۔ مسلمان دنیا۔ جلد 5 1915ء ص 309۔

حاصل کر لی اور برطانوی فوجی یونٹوں کے ساتھ مشرق وسطیٰ میں جاسوسی کے لیئے چلے گئے۔ مرزا محمد شریف خان قادیانی کو جو پشاور کی سرحدی فوج میں ایک اجرتی حوالدار تھا، جاسوسی کے لیئے آمادہ کیا گیا۔ مہتمم پولیس پشاور گریکسن نے اسے بطور سب انسپکٹر ترقی دی۔ اسے بعض قبائلیوں کے ذریعے بلوچستان کے سواحل پر اسلحہ کی ترسیل پر نظر رکھنے کے لیئے خلیج فارس بھجوا دیا گیا۔ وہ کامیاب واپس آیا اور اسے پشاور پولیس میں تھانیدار بنا دیا گیا۔ مسٹر گریکسن نے ایک اور قادیانی مرزا ناصر احمد کو سب انسپکٹر کے عہدے پر ترقی دے کر جاسوسی کے لیئے خلیج فارس بھیجا۔(۱)

چند قادیانی جاسوسوں نے احمدی مبلغین کے روپ میں ان انقلابیوں پر بھی نظر رکھی جو آزاد ہندوستان کے لیئے لندن، پیرس، برلن اور ٹوکیو میں سرگرم عمل تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے دوران جنگ ہندوستان کو آزاد کرانے کا پروگرام تیار کیا۔ ترکوں کے ساتھ رابطے کے لیئے وہ حجاز تشریف لے گئے۔(۲) انہوں نے انور پاشا (۱۹۲۲-۱۸۶۱ء) سے ملاقاتیں کیں۔ شریف مکہ کے آدمیوں نے ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی اور ان کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس وقت وہ شریف ترکوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر چکا تھا۔ ان کو انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے ان کو ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک مالٹا میں قید رکھا۔ ان کے ایک اور رفیق کار مولانا عبیداللہ سندھی افغانستان چلے گئے۔ جہاں انہوں نے ترک اور جرمن انقلابیوں کے ساتھ مل کر شمال مغربی سرحد پر قبائل میں تحریک جہاد شروع کرنے کی کوشش کی۔(۳)

جنگ کے پہلے دو سالوں کے دوران مغربی سرحدوں پر جنگ جمود کا شکار ہو گئی اور باسفورس کے بند دروازوں کے پیچھے روس اتحادیوں سے علیحدہ ہو کر مدد کے لیئے پکارنے لگا۔ اتحادیوں نے فیصلہ کیا کہ ہرمز کے راستے درہ دانیال کے مقام پر ترک

۱۔ قاضی محمد یوسف۔ امیر جماعت سرحد۔ تاریخ احمدیہ سرحد۔ منظور عام پریس پشاور 1959ء ص 149-148۔

۲۔ دیکھیئے مولانا حسین احمد مدنی۔ نقش حیات۔ جلد 2 دیوبند 1954ء ص 81-145۔

۳۔ سر مائیکل اوڈوائر۔ ہندوستان جیسا کہ میں اسے جانتا ہوں۔ لندن 1925ء ص 178 تا 180۔ نیز ویلنٹائن کیرول۔ ہندوستانی بے چینی۔ میکملن اینڈ کمپنی لندن 1910ء۔

دارالخلافہ پر حملہ کیا جائے۔ ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی پر ایک برطانوی فرانسیسی حملہ ناکام ہو چکا تھا۔ اتحادیوں نے اپنے حملہ کا رخ سلطنت عثمانیہ کے علاقہ جات بعید یعنی کوہ قاف میسوپوٹیمیا اور مشرق قریب کی طرف موڑ دیا۔

عراق

میسوپوٹیمیا (عراق) میں برطانوی دستوں کی روانگی کا بڑا مقصد ابادان میں تیل کی تنصیبات کا تحفظ تھا اس کے علاوہ عراقی عربوں اور خلیج فارس کے علاقوں کے شیخوں کو جو کہ برطانیہ کی زیر حفاظت تھے یہ بتانا تھا کہ وہ ترکی کے خلاف برطانوی امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال کیا گیا کہ ہندوستان کی حفاظت کیلئے عراق پر قبضہ ضروری ہے۔(۱)

عراق میں ہندوستان کی برطانوی افواج ترکوں کے خلاف لڑتی رہی تھیں۔ ترکوں نے پہلے تو ان کو پسپا کر دیا اور پھر ان سے ہتھیار ڈلوا لیئے۔ برطانوی فوج کی دس ہزار کی نفری کو قط کے مقام پر گھیرے میں لے لیا گیا اور ان کو بچانے کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ لندن میں جنگی زعماء نے لارنس آف عربیہ کو کہا کہ وہ عراق جا کر ترکوں کو خریدنے کی کوشش کرے۔ اس نے ترک جنرل خلیل پاشا سے رابطہ کیا اور اسے برطانوی فوجیوں کو چھوڑنے کے عوض دس لاکھ پاؤنڈ کا سونا لینے کی پیشکش کی۔ خلیل پاشا اس پر ہنس دیا۔ لارنس نے یہ رقم دگنی کر کے بیس لاکھ کر دی مگر خلیل پاشا نے صاف انکار کر دیا۔(۲) برطانوی سامراجی جارحیت کے خلاف عراق کو بچانے کے لیئے ترک بڑی بہادری سے لڑے۔ پھر بھی بغداد نہ بچایا جا سکا اور برطانوی فوجیں عراق کے تمام اطراف سے فاتحانہ طور پر گیارہ مارچ ۱۹۱۷ء کو بغداد میں داخل ہو گئیں۔ برطانوی فوجوں کی قیادت سٹینلے ماڈ کر رہا تھا۔

عراق کی لڑائی میں قادیانی برطانوی سپاہیوں کے شانہ بشانہ اپنی مذہبی لگن

۱۔ پیٹر مینسفیلڈ ۔ دی عربز ۔ 191۔

۲۔ نائٹلی اور سمپسن ص 61۔

اور جوش سے لڑے۔ مرزا محمود دعویٰ کرتے ہیں۔

> ”عراق کے فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہائے اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے“۔(۱)

مرزا محمود احمد کے برادر نسبتی میجر حبیب اللہ نے میڈیکل کور میں خدمات سرانجام دیں۔ اسے عراق میں اہم انتظامی عہدے پیش کیئے گئے۔ اسے سب سے بڑا سامراج کا آلہء کار سمجھا جاتا تھا۔ وہ زین العابدین ولی اللہ شاہ کا بھائی تھا جو کہ فلسطین میں موجود بدنام زمانہ سامراجی آلہ کار تھا۔

ہندوستان میں قادیانی جماعت نے سقوط بغداد پر خوشیاں منائیں اور اس سانحہ پر اپنے حد درجہ اطمینان کا اظہار کیا۔ سقوط بغداد پر تبصرہ کرتے ہوئے الفضل قادیان لکھتا ہے۔

> ”میں اپنے احمدی بھائیوں کو جو ہر بات پر غور کرنے کے عادی ہیں، ایک مژدہ سناتا ہوں کہ بصرہ اور بغداد کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری محسن گورنمنٹ کے لیے فتوحات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس سے ہم احمدیوں کو معمولی خوشی حاصل نہیں ہوئی بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں برس کی خوش خبریاں جو الہامی کتابوں میں چھپی ہوئی تھیں آج 1335ھ میں وہ ظاہر ہو کر ہمارے سامنے آ گئی ہیں۔(۲)

مرزا محمود اور قادیانی جماعت نے برطانوی سامراج کو خراج تحسین پیش کیا۔ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ برطانوی سامراجیوں نے مشرق وسطیٰ میں عسکری اہمیت کے علاقے ہتھیا لیئے تھے جس سے سامراجی سرپرستی میں انہیں اپنے مراکز کھولنے میں مدد ملے گی۔(۳)

۱۔ الفضل قادیان۔ 31 اگست 1923ء۔
۲۔ الفضل قادیان۔ 13 اپریل 1917۔
۳۔ الفضل قادیان۔ 17 ستمبر 1918ء۔

حجاز

حجاز میں شریف مکہ شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اسکے چار بیٹے علی، فیصل، عبداللہ اور زید تھے۔ ۱۹۱۴ء میں اس نے عبداللہ کو مصر میں برطانوی قونصل اور سامراجی آلہ کار لارڈ کچنر کے پاس برطانوی امداد کے حصول کے لیئے بھیجا۔ اس اجلاس کا کوئی عملی نتیجہ برآمد نہ ہوا مگر اس نے دو شخصیتوں کے مابین ایک تعلق قائم کر دیا۔⁽¹⁾

علی اور فیصل ترک افواج میں خدمات سرانجام دیتے رہے اور ان عرب افواج کی قیادت کرتے رہے تھے جنہیں ترکوں نے تربیت دی تھی۔ اپنے والد شریف مکہ کے حکم پر وہ ان افواج کو ترکوں سے دور صحرا میں لے گئے جہاں انہیں چھپا دیا۔ اسی وقت شریف مکہ نے مکہ میں عرب بغاوت کا آغاز کیا۔ اس نے اپنے گھر کی کھڑکی سے رائفل نکال کر ترکوں کی بیرکوں پر گولی چلائی۔ جیسے ہی ترکوں کے خلاف عربوں نے بغاوت کی' مکہ میں موجود برطانوی جاسوسوں نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔ لارنس آف عریبیہ شریف مکہ اور اس کے بیٹے سے یہ طے کرنے کے لیئے چل پڑا کہ برطانیہ کے سیاسی منصوبوں کو کون بہتر انداز میں پورا کر سکتا تھا۔ اس نے فیصل کو چن لیا۔ بغاوت پورے حجاز میں پھیل گئی اور ترکوں کے لیئے قبضہ برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔⁽²⁾

پہلی جنگ عظیم سے ایک سال قبل عیسائی مشنریوں نے حجاز میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کر دیئے تھے۔⁽³⁾ اسی طرح مرزا محمود نے صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عرب میں بڑی تعداد میں اپنے آلہ ء کار داخل کر دیئے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند مانٹیگو نے جو بنیادی طور پر یہودی تھا' عرب سرزمین پر جاسوسی کی کارروائیوں میں تیزی پیدا کی۔ قاہرہ کے عرب بیورو کے سربراہ گلبرٹ کلیٹن نے ۱۹۱۶ء

۱۔ پیٹر مینسفیلڈ۔ ص ۱۹۸۔

۲۔ دیکھئے ٹی ڈبلیو لارنس۔ Seven Pillars of Wisdom ٹرینٹی پریس لندن 1973ء ص 65 تا 71۔

۳۔ خبریں اور اطلاعات کا سلسلہ نمبر 8 دسمبر 1919ء ص 66 (خفیہ)۔

میں عرب انٹیلی جنس بیورو قائم کیا تھا جس سے قادیانیوں کو ہدایات ملتی تھیں۔ اس نئے قائم شدہ دفتر کا مقصد عرب بغاوت میں برطانیہ کے کردار کو منظم کرنا تھا۔

شام

سامراجی و صیہونی زعماء شام میں ترکی کے اقتدار کے خاتمہ کی بڑی دیر سے توقعات باندھے ہوئے تھے۔ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں شام میں ترکی کے سپہ سالار جمال پاشا کے ہاتھ چند ایسی دستاویزات لگیں جو شام میں فرانسیسی قونصل ایف۔ جی۔ پیکو چھوڑ گیا تھا۔ ان دستاویزات میں کچھ قوم پرستوں کو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ جمال نے ان میں سے کچھ لوگوں کو قید کر دیا۔ کچھ کو جلاوطن کر دیا اور کچھ کو پھانسی دے دی اور اس طرح تحریک کچل کر رکھ دی۔ جب جنگ عظیم کے الاؤ بھڑکے تو صورتحال بہت کشیدہ ہوگئی۔ لارنس نے شریف مکہ اور اس کے بیٹے فیصل کی مدد سے جنگی اہمیت کی حامل بندرگاہ عقبہ پر قبضہ کرلیا جس نے انگریزوں کو شام میں آگے بڑھنے کا موقع دے دیا۔(۱) برطانوی افواج نے آرکیبالڈ مرے کی قیادت میں ایک معمولی کامیابی حاصل کی۔ جون ۱۹۱۷ء میں غزہ کی دوسری جنگ کے بعد ایڈورڈ ایلین بائی کمانڈر بنا۔ اس نے ٹینکوں کی مدد سے مشرقی ساحلوں کے کنارے کنارے بڑھ کر جولان کی پہاڑیوں پر حملہ کرلیا اور آخرکار دمشق پر قبضہ کرلیا۔ گیارہ دسمبر ۱۹۱۷ء کو یروشلم بھی فتح ہوگیا۔ اس سے قبل تمیں اکتوبر ۱۹۱۷ء کو جرمنی سے بارہ دن پہلے ترکوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ شام میں ۱۹۱۴ء سے زین العابدین ولی اللہ شاہ جو کہ بدنام زمانہ قادیانی خفیہ جاسوس تھا' ایک ترک اتحادی کے بھیس میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ جنگ کے دوران وہ ترکی فوج میں بھرتی ہوگیا اور یہ ظاہر کرتا رہا کہ وہ ترکوں کی طرف سے لڑ رہا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب شام انگریزوں کے ہاتھ آ گیا اور ایلین بائی کی قیادت میں اتحادی فوجیں شام میں داخل ہوگئیں۔ ولی اللہ شاہ فوراً ان کی طرف ہوگیا۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے

۱۔ نائٹلی اور سمپسن۔ ص 96۔

کہ اس برطانوی مہم کے دوران اگرچہ ترکی کے ہیڈ کوارٹر تلکرم پر زبردست بمباری کی گئی مگر اتحادی دستے آگے نہ بڑھ سکے۔ صرف رائل ایئرفورس اور آسٹریلوی فضائی دستوں کے متواتر حملوں اور کئی مقامات پر سڑک کی بندش نے اتحادیوں کو آگے بڑھنے کے قابل بنایا۔(1) ولی اللہ ترک سپاہیوں کے ساتھ اگلے محاذ پر لڑ رہا تھا۔ جب جنگ ختم ہوئی اسے گرفتار کر لیا گیا۔ وہ شامی محاذ پر جنگ کے دوران اپنی سرگرمیوں اور گرفتاری کو حسب ذیل بیان کرتا ہے۔

> ''پہلی جنگ عظیم کے آخری سال یعنی اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخری ہفتہ میں جنرل ایلن بے کے حکم سے میں دمشق میں بطور ایک سیاسی اور جنگی قیدی کے حراست میں لیا گیا۔ مجھے اس وعدہ پر فلسطین لے جایا جانے لگا کہ ایک امر کی تحقیق کرنے کے بعد دمشق واپس کر دیں گے۔ جہاں میں سلطانیہ کا مدیر داخلی تھا اور میں نے ابھی تک اس کا چارج بھی کسی کو نہیں دیا تھا۔ مگر دمشق کے اسٹیشن پر جو میدان کی طرف ہے اور جہاں میں فٹن میں لے جایا گیا تھا' اسٹیشن ماسٹر سے مجھے اپنی گرفتاری کا علم ہوا۔ وہ مجھے جانتا تھا اس کے پاس میرے ساتھی انگریز فوجی افسر اس غرض سے گئے کہ ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کریں۔ چونکہ وہ اسٹیشن ماسٹر انگریزی نہیں جانتا تھا اس لیئے کاغذات میرے پاس لے آیا۔ ان میں یہ لکھا تھا کہ سید زین العابدین بطور جنگی اور سیاسی قیدی کے جنرل ایلن بی کے حکم سے گرفتار کیا گیا ہے۔ راستہ میں سفری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں ورنہ پہلے مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ بعض باتوں کے متعلق تحقیق کرنا ہے اور پھر تم دمشق واپس کر دیئے جاؤ گے۔ ان میں سے طول کرم کے معرکے میں میرے شریک ہونے کا بھی سوال تھا۔ جیسا کہ میجر ویوین سے مجھے معلوم ہوا تھا۔ جب دو روز قبل مجھ سے پہلی گفتگو کی۔ اس معرکے میں ایک انگریزی کمپنی کا سخت نقصان ہوا تھا اور مجھ پر یہ الزام تھا کہ میں اس میں شریک تھا اور یہ کہ میری ہی اطلاعات کی بناء پر وہ کمپنی جو گھات میں پہاڑوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی' ترکی فوج کے نرغے میں آ گئی اور کمپنی کو سخت نقصان پہنچا۔ نیز یہ کہ میں ۱۶-۱۹۱۵ء میں

۱۔ جی وی کیزی اور ایچ سکاٹ۔ جنگ عظیم کی تاریخ کا خاکہ۔ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ 1929ء ص 236۔

ایک فوجی مہم میں شریک ہوا تھا۔ میرا جواب ایک ہی تھا کہ میں احمدی ہوں اور ہمارا مذہبی اصل الاصول یہ ہے کہ جس حکومت میں رہو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔ غرض مجھے بھی یقین دلایا گیا تھا کہ تم دمشق واپس کیئے جاؤ گے اور خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ میرے متعلق تحقیقات دمشق میں بھی ہوگی اور مجھے کالج کا باقاعدہ چارج بھی دینا ہے۔ بعد کو میں اسٹیشن سے ایک کار میں کورٹ مارشل کے لیئے ملٹری کیمپ میں پہنچایا گیا۔ مگر وہاں میرے محافظ فوجی ساتھیوں کو جب ایک افسر کی طرف سے یہ حکم ملا کہ اسے بحفاظت تمام آفیسرز کے کیمپ میں لے جائیں تو میرے فوجی محافظ اور وارنٹ آفیسرز بھی حیران ہو گئے اور میں بھی حیران تھا۔ جس کیمپ میں مجھے لے گئے وہ اسیر فوجی ترک افسروں کی قیام گاہ تھی۔

چار پانچ دن کے بعد مجھے مغرب سے ذرا پہلے اسٹیشن پر لے گئے۔ اب میں نئے فوجی محافظوں کی معیت میں تھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ ''ہم کہاں جارہے ہیں؟ تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھا دمشق کے سوا اور کہاں ہوگا۔ رات اطمینان سے پوری نیند کے ساتھ بسر ہوئی۔ صبح کے وقت میں نے سمندر کی ٹھنڈی ہوا محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ ''ہم کہاں ہیں''۔ انہوں نے کہا۔ ''کنطارا'' میں اس لفظ سے کچھ نہ سمجھا اور خاموش ہو رہا۔ جب گاڑی سے اتر کر ریگستانی کنارے پر ایک کیمپ میں پہنچے تو وہاں مجھے معلوم ہوا یہ قنطرہ ہے یعنی وہ پل جو نہر سویز پر ہے۔ بیت المقدس ۱۹۱۷ء میں فتح ہوا۔ اور ایک سال بعد ۱۹۱۸ء میں دمشق فتح ہوا۔ اس ایک سال کے عرصے میں لد سے مصر کی طرف ریل کے ذریعے اتصال پیدا کرلیا گیا تھا۔ اس کا مجھے علم نہ تھا۔ قنطرہ سے ہم قاہرہ پہنچے جہاں قصرالنیل نامی قلعہ میں جو دریائے نیل کے کنارے واقع ہے' مجھے تقریباً سات ماہ نظر بند رہنا پڑا۔ وہاں دوسرے ترک اور بلغاری اور جرمن وغیرہ فوجی افسر نظر بند تھے۔ زاغلول پاشا بھی ایک دو دن کے لیئے وہیں نظر بند رکھے گئے تھے''۔ (۱)

جنگ کے بعد زین العابدین کو ہندوستان بھیج دیا گیا۔ مرزا محمود کو اس کی

۱۔ زین العابدین ولی اللہ شاہ۔ حیاۃ الآخرۃ۔ ربوہ 1952ء ص 50۔

گرفتاری کا مکمل علم تھا۔ اسکی رہائی کے لیئے وہ وائسرائے ہند سے بھی ملے۔(۱) جس کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ چھبیس مئی ۱۹۱۹ء کو وہ ہندوستان واپس پہنچا۔ قادیان میں اسے کافی سالوں تک معتمد نشر و اشاعت کا عہدہ ملا رہا۔

اعلان بالفور

یروشلم پر اتحادیوں کے قبضہ سے ایک ماہ قبل دو نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی حکومت نے بدنام زمانہ بالفور اعلان جاری کیا جو برطانوی حکومت کے سیکرٹری خارجہ نے ایک خط کی شکل میں برطانوی یہودی لارڈ روتھس چائلڈ کو لکھا تھا۔ عربوں کو یہودی مملکت کے قیام کے اعلان کا کچھ پتہ نہ تھا۔ برطانوی سامراجی عربوں کے ساتھ دوہرا کھیل رہے تھے۔ ایک طرف وہ عربوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے تھے تو دوسری طرف یہودیوں کو خوش کر رہے تھے۔ انگریزوں نے جنگ میں ترکوں کے خلاف امداد کے عوض عربوں کی آزادی گروی رکھ دی۔ اس کا مزید ثبوت اس خط و کتابت سے مل سکتا ہے جو شریف مکہ کے بطور عرب نمائندہ اور مصر میں برطانوی ہائی کمشنر ہنری میکموہن کے بطور انگریزی حکومت کے نمائندہ کے مابین ہوئی مگر انگریزوں نے صیہونیوں کو مطمئن کرنے کے لیئے عربوں کو دھوکہ دیا اور عرب دنیا میں ان کے شرمناک منصوبوں کو پورا کیا۔(۲)

مئی ۱۹۱٦ء میں برطانوی حکومت نے فرانسیسی حکومت اور زار روس کے ساتھ مل کر ایک معاہدہ کو حتمی شکل دی کہ فلسطین کو ترکی سلطنت سے علیحدہ کر دیا جائے اور اسے آزادی دیئے بغیر ایک مخصوص حکومت کے سپرد کر دیا جائے۔ اسے پکوٹ سائیکیز معاہدہ کہا جاتا ہے۔ نومبر ۱۹۱۷ء تک یہ معاہدہ خفیہ رہا جب روس میں اشتراکی حکومت قائم ہوئی تو وزارت خارجہ پیٹروگریڈ کے محافظ خانہ میں انہیں ایک نقل مل گئی جس کو انہوں نے عام کر دیا۔(۳)

عرب بغاوت کو روکنے کے لیئے ترکی نے سائیکیز پکو خفیہ معاہدے کی وسیع

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ۴ ص 485۔

۲۔ مسیح عدلوی کڑوی فصل۔ فلسطین۔ 1914ء اور 1979ء کے درمیان' کاروان بکس 1979ء ص 11۔

۳۔ ناٹلی اور کلسن۔ ص 90۔

تشہیر کی۔ سپہ سالار جمال پاشا نے شریف مکہ کے بیٹے فیصل کو ایک خفیہ خط لکھا جس میں اس معاہدہ کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ برطانوی حکام اس پر بڑے پریشان ہوئے۔ مگر وزارت خارجہ نے ونگیٹ کی ہدایت اور برطانوی سیکرٹری خارجہ اے۔ جے بالفور کی مرضی سے جدہ میں برطانوی نمائندہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ حسین (شریف مکہ) کو نہایت حیلہ سازی کے ساتھ حقائق کو توڑ مروڑ کر اور بددیانتی کے ساتھ ایک جواب دے جس سے ثابت ہو کہ سائیکیز پیکو معاہدہ کا کوئی وجود نہیں۔ یہ محض پروپیگنڈہ ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔(۱)

مسلمان دنیا کے خلاف سامراجی سازشیں تاریخ کا المناک باب ہیں۔ تاہم ہمارا معاملہ صرف مرزا غلام احمد اور ان کے جانشینوں تک محدود ہے جو فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری اور ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے پرجوش حامی تھے۔

اسرائیل کے بارے میں احمدیہ پیش گوئی

قادیانیوں کا ہمیشہ سے ہی نظریہ رہا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود کی پیش گوئیوں کے مطابق ایک یہودی ریاست قائم ہوگی۔ مرزا صاحب کی وحی والہامات کی کتاب تذکرہ میں فلسطین میں یہودیوں کے اکٹھے ہونے اور یورپی اقوام کے ان کے بارے میں مثبت رویہ اختیار کرنے کی پیش گوئی موجود ہے۔ ذیل میں ان کے کچھ پیغمبرانہ بیانات والہامات پیش کیئے جاتے ہیں جو ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں۔

”میں نے اسرائیل کو ضرر سے بچا لیا ہے۔ فرعون اور ہامان اور ان کی فوجیں غلطی پر تھیں۔

عربوں کے لیئے مفید راستے، عرب اپنے گھروں سے نکل پڑے“۔(۲)

”ریویو آف ریلیجنز“ ان پیش گوئیوں کو نقل کر کے لکھتا ہے۔

”میں نے اسرائیل کو ضرر سے بچا لیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس مصیبت (جنگ عظیم)

۱۔ ناگلی اور سمپسن ص 901۔

۲۔ تذکرہ۔ ص 561-562۔

کا نتیجہ یہودیوں کے فائدے میں نکلے گا"۔(۱)

پہلی جنگ عظیم کے دوران یہودی قوم پرست تحریک کی ابتداء کے بارے میں قادیانی جریدہ لکھتا ہے۔

> "اس جنگ عظیم کا ایک پہلو اسرائیل کے یہودیوں کے لیئے سازگار حالات پیدا کرنا تھا۔ یہ پیش گوئی واضح طور پر پوری ہوگئی۔ ابھی یہ جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ جنگ کے نتائج کے بارے میں مسٹر بالفور نے یہ اعلان کیا کہ اسرائیلی جو کہ ایک وطن کے بغیر تھے' ان کو ان کی قدیم مادر وطن فلسطین میں آباد کیا جائے گا۔ اتحادی قوتوں نے اسرائیلیوں کے ساتھ ماضی میں ہونے والی زیادتیوں کے ازالے کا وعدہ کیا۔ اسی عہد کی خاطر انہوں نے ترکی سے فلسطین لے کر اسے یہودیوں کا "قومی وطن" قرار دیا۔ یہودیوں کا ایک بہت پرانا مطالبہ پورا ہوگیا کہ ان کی قومی وحدت کو پروان چڑھانے والے حالات پیدا کیئے جائیں"۔(۲)

قادیانی جریدہ مزید کہتا ہے کہ اس پیش گوئی کا سب سے دلچسپ پہلو اس کا قرآن میں تذکرہ ہے کہ آخری دنوں میں یہودی فلسطین میں جمع ہو جائیں گے۔

> "آخری دنوں کے وعدے کا تعلق مسیح موعود کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اسرائیلیوں کا دوبارہ اجتماع مسیح موعود کے وقت میں ہوگا۔ قرآنی الفاظ "ہم تمہیں اکٹھا کریں گے" کا مطلب فلسطین میں یہودیوں کے موجودہ اثر کو ظاہر کرتا ہے۔ مختلف ممالک سے یہودیوں کو سفر اور آبادکاری کی سہولتیں مہیا کی جارہی ہیں۔ مسیح موعود کی پیش گوئی میں کہا گیا ہے۔ "میں بنی اسرائیل کی چارہ سازی کروں گا"۔ یہ اس مخالفت کے خاتمہ کو ظاہر کرتی ہے جو یہودیوں کے آزاد وطن کے خلاف اقوام عالم نے طویل عرصہ تک کی ہے"۔(۳)

قادیانیوں کی یہ پیش گوئی فلسطین میں یہودیوں کے اجتماع کو ظاہر کرتی ہے اور انصاف کے تمام اصولوں کے خلاف یہودی ریاست کی تخلیق کو ظاہر کرتی ہے۔ یہودیوں کو مرزا صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیئے جنہوں نے اعلان بالفور سے کئی سال قبل جیسے یں

۱۔ ریویو آف ریلیجنز۔ ربوہ۔ نومبر 1976ء ص 320۔

۲۔ تذکرہ۔ ص 563۔ ریویو آف ریلیجنز ص 320-321۔

۳۔ ایضاً۔ مزید دیکھئے مرزا محمود احمد۔ احمدیت کی طرف دعوت۔ ربوہ 1961ء۔ ص 276۔

صدی کے اوائل میں ان کے روشن مستقبل کی پیش گوئی کر دی۔ مرزا صاحب کے ایک ہم عصر بہاء اللہ نے جو کہ ایک صیہونی یہودی آلہ ءکار تھا' اپنی الواح۔ وحی اور بیانات میں یہودیوں کی ایک ریاست کے قیام کی پیش گوئی کی اور ان کی نام نہاد قومی امنگوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ ان کے بیٹے عبدالبہاء نے بھی ایسا ہی کیا۔(۱)

مانٹیگو سے ملاقات

جنگ عظیم کے دوران مرزا محمود یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند مانٹیگو سے ملے۔ انہوں نے ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کے بارے میں قادیانی نقطہ نظر کی وضاحت کی(۲) اور ہندوستانی سیاست میں ممکنہ قادیانی کردار پر بحث کی۔ الفضل قادیان اس ملاقات کو احمدیت کی تاریخ میں ایک سنگ میل قرار دیتا ہے۔ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ بہت اہم اور ضروری معاملات کے بارے میں تھی۔(۳)

ہندوستان میں مرزا محمود اپنی ہندوستانی حکمت عملی ترتیب دے رہے تھے تو مشرق وسطیٰ میں نئی سیاسی تبدیلیوں کی روشنی میں لندن میں احمدیہ مشن کا انچارج قاضی محمد عبداللہ برطانوی پریس میں یہودی وطن کے قیام پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے یورپی پریس میں یہودیوں کے حق میں ایک مہم چلا رکھی تھی اور جب یروشلم پر اتحادیوں کا قبضہ ہوگیا اور برطانوی فوجیں شام میں داخل ہوگئیں تو اس نے برطانوی پریس میں فلسطین کے سقوط پر ایک مضمون شائع کیا۔ اس نے برطانوی حکومت کو اس کی امن انصاف اور مذہبی رواداری کی حکمت عملی پر شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کے لیئے برطانوی راج ہی سب سے بہترین ہے۔ ایلن بائی نے یروشلم کو جو ''آزادی'' دلائی تھی اسے پہلی جنگوں کے پس منظر میں آخری جہادی

۱۔ ملاحظہ ہو بشیر احمد۔ بہائیت۔ اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم۔ راولپنڈی۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 20 نومبر 1917ء۔

۳۔ ایضاً۔

کارروائی قرار دیا گیا۔ اس مضمون کی ایک نقل صیہونیوں کے حامی برطانوی وزیراعظم لائڈ جارج کو بھجوائی گئی تاکہ اس کو یہودی وطن کے قیام کے بارے میں قادیانی موقف سے آگاہ کیا جا سکے۔ وزیراعظم کے سیکرٹری اور ایک کٹر یہودی سرفلپ ساسون نے اسے شکریے کا خط لکھا اور لائڈ جارج کی انتہائی پسندیدگی سے آگاہ کیا۔(۱)

جنگ کا خاتمہ

اکتوبر ۱۹۱۸ء میں ترکی نے اتحادیوں سے التوائے جنگ کی درخواست کر دی۔ جرمن اعلیٰ قیادت نے ایک ماہ بعد ایسا کیا۔ جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ مسلمانانِ ہند ترکی اور سلطان کے متعلق گہری ہمدردی رکھتے تھے۔ انہوں نے ترکی کی شکست و ریخت سے دوچار سلطنت کے کرب کو محسوس کیا جو بعد میں تحریک خلافت میں بدل گیا۔ دوسری طرف قادیانیوں نے سقوط حجاز، بغداد، شام اور قسطنطنیہ پر خوشیاں منائیں اور اس موقع پر چراغاں کیا۔ انہوں نے زوردار انداز میں برطانوی حکومت کو اپنی بے لوث وفاداری اور اپنی جماعت کی گہری اور پرخلوص مدد کا ہر کڑے وقت میں یقین دلایا۔(۲) الفضل نے ذیل میں قادیانی مافی الضمیر بیان کیا ہے۔

> ”درحقیقت برطانوی حکومت ایک ڈھال ہے جس کی حفاظت میں احمدی فرقہ پروان چڑھتا جا رہا ہے۔ اس ڈھال سے دور ہو کر دیکھو کہ کس طرح ہر طرف سے زہریلے تیر تمہیں چھید کر رکھ دیں گے۔ پھر ہم اس حکومت کے شکرگزار کیوں نہ ہوں۔ ہمارے مفادات اس حکومت کے ساتھ اس حد تک منسلک ہیں کہ اس کی تباہی ہماری تباہی ہوگی اور اس کی ترقی ہماری ترقی۔ جہاں کہیں بھی برطانوی حکومت پھلے پھولے گی ہمیں اپنے مشنوں کے لیئے میدان میسر آئے گا“۔

جنگ کے خاتمے پر مسلمانوں نے عمومی طور پر ”امن کے جشن“ منانے سے انکار کر دیا جس کے لیئے انہیں برطانوی معاندانہ کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلم لیگ کے امرتسر کے اجلاس میں یہ اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کو ایسی تقریبات سے اجتناب کرنا

۱۔ الفضل قادیان- 19 مارچ 1918ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت- جلد 5 ص 177۔

چاہیۓ کیونکہ ان کے مقامات مقدسہ مسلمانوں کی تحویل سے نکل چکے تھے اور ان کا مذہب ایسی تقریبات سے منع کرتا ہے اور جہاں کہیں بھی ان کے مذہب کے احکامات اور افسران کی خواہشات کا ٹکراؤ ہوا تو انہیں اول الذکر کی پیروی کرنی چاہیۓ جس کو کوئی بھی ارضی خواہشات نیچا نہیں دکھا سکتیں۔ ایک احتجاجی تحریک چلانے کے عزم کا بھی اظہار کیا گیا جس میں برطانوی فوج کا مقاطعہ بھی شامل تھا۔

ایک عیسائی تبلیغی رسالے کی خفیہ اطلاع کا حوالہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جس میں ''امن کی تقریبات'' کے بارے میں مسلمانوں کا ردعمل ظاہر کیا گیا تھا۔

> ''جیسے ہی ہم پریس میں جاتے ہیں تو جشن فتوحات کی نوعیت ہم پر واضح ہو جاتی ہے۔ آخری لمحات میں لکھنو سے ایک فتویٰ شائع ہوا کہ مسلمانوں کے لیئے ان تقریبات میں شمولیت حرام ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ کس طرح پکے مسلمان خوشیاں منا سکتے ہیں جبکہ ان کی آخری عظمت رفتہ ہاتھوں سے جا رہی ہے۔ امیر المومنین اور خلیفتہ الرسول اللہ کی خلافت ایک موم کا گولہ بن چکی ہے۔ نہیں بلکہ کہہ دو کہ یہ اسلام کو تباہ کرنے اور مٹانے کی تیاریاں ہیں۔ بلکہ یہ ماتم کا وقت ہے''۔(۱)(مولانا عبدالباری فرنگی محل)
>
> اس فتویٰ پر عمل شروع ہو چکا ہے۔ بہت سے دوسرے شہروں کی طرح اس شہر (لکھنو) میں بھی تمام گلیوں پر ایک اشتہار تقسیم ہو رہا ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترکہ مقصد کے لیئے بھاری مجمع کو بلانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں تاکہ مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری لکھنوی کے فرمودات کو عملی شکل دی جا سکے۔ مسلمان رہنماؤں نے اس میں حصہ لینے کے لیئے لوگوں کو دھمکانا تک شروع کر دیا ہے۔
>
> مسلمان پریس نے ''جشن فتوحات'' میں حصہ لینے والوں کو 'غدار اسلام' قرار دیا۔ ''ہم ان لوگوں کو جنہوں نے مسلمان ہونے کے دعوے کیئے اور علماء کے فتاویٰ کے باوجود ''امن تقریبات'' میں حصہ لیا۔ غدار اسلام سے اچھا کوئی لفظ نہیں استعمال کر سکتے۔ آیا وہ کافر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ علماء کا کام ہے کہ اس نکتہ پر اظہار خیال

۱۔ مولانا عبدالباری۔ لکھنو۔

کریں"۔(۱)

قادیانیوں نے اس موقع پر خوشیاں منائیں اور جشن امن کی تقریبات میں " بھرپور حصہ لیا۔ الفضل نے لکھا۔

"تیرہ نومبر ۱۹۱۸ء کو جس وقت جرمنی کے شرائط صلح منظور کر لینے اور التوائے جنگ کے کاغذ پر دستخط ہو جانے کی اطلاع قادیان پہنچی تو خوشی اور انبساط کی ایک لہر برقی سرعت کے ساتھ تمام لوگوں کے قلوب میں سرایت کر گئی اور جس نے اس خبر کو سنا' نہایت شاداں وفرحاں ہوا۔ دونوں سکولوں' انجمن ترقی اسلام اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں تعطیل کر دی گئی۔ بعد نماز عصر مسجد مبارک میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے گورنمنٹ برطانیہ کی فتح و نصرت پر خوشی کا اظہار کیا اور اس فتح کو جماعت احمدیہ کے اغراض و مقاصد کے لیئے نہایت فائدہ بخش بتایا۔(۲)

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی طرف سے مبارکباد کے تار بھیجے گئے اور حضور نے پانسو روپیہ اظہار و مسرت کے طور پر ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کی خدمت میں بھجوایا کہ آپ جہاں پسند فرمائیں خرچ کریں۔ پیشتر ازیں چند روز ہوئے ٹرکی اور آسٹریا کے ہتھیار ڈالنے کی خوشی میں حضور نے پانچ ہزار روپیہ جنگی اغراض کے لیئے صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں بھجوایا۔ فتح کی خوشی میں مولوی عبدالغنی صاحب نے بحیثیت سیکرٹری انجمن احمدیہ برائے امداد جنگ اور جناب شیخ یعقوب علی صاحب نے بلحاظ ایڈیٹر الحکم ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں مبارکباد کا تار بھیجا۔(۳) الفضل نے مزید لکھا کہ اس جنگ میں برطانیہ کی فتح مرزا محمود کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور خدا کا ایک بڑا فضل یہ ہوا ہے کہ حکومت برطانیہ کا اقتدار و اثر اور بھی زیادہ بڑھنے سے وہ ممالک بھی احمدیت کی تبلیغ کے لیئے کھل گئے ہیں جو اب تک بالکل بند تھے۔

۱۔ مسلمان۔ کلکتہ۔ جمعہ نو فروری 1909ء) خبریں اور اطلاعات کا سلسلہ نمبر 8-9 جنوری 1920ء۔

۲۔ الفضل۔ 16 نومبر 1918ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 238۔

جہاں بالخصوص احمدیت کی بڑی ضرورت تھی"۔(۱)

جسٹس منیر رپورٹ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کے ہاتھوں ترکی کی شکست اور سقوط بغداد پر قادیان میں منائے جانے والی خوشیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں شدید غم وغصہ پیدا کر دیا اور احمدیت کو انگریزوں کی لونڈی سمجھا جانے لگا۔(۲) اس بات کی مزید تصدیق مرزا محمود کے خطبات سے ہوتی ہے جو انہوں نے احمدیہ جماعت کے ساتھ برطانوی تعلقات کے موضوع پر دیئے۔

> "احمدیہ جماعت کے برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات دوسری جماعتوں کے ساتھ تعلقات کے برعکس ایک بالکل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ان کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ جتنا برطانوی راج وسیع ہوتا جائے گا' ہمیں بھی آگے بڑھنے کے اتنے ہی مواقع میسر آ جائیں گے اور اگر خدانخواستہ اس حکومت کو نقصان پہنچتا ہے تو ہم بھی اس کے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے"۔(۳)

احمدیہ جماعت کے لاہوری ترجمان نے لکھا کہ جنگ کے دوران قادیان ایک سیاسی مرکز بن گیا تھا اور ہندوستان کے اطراف و جوانب سے لوگ سیاسی معاملات پر رہنمائی کے حصول کے لیئے مرزا محمود کو خط بھیج رہے تھے۔ حتیٰ کہ دنیا کے دوسرے علاقوں جیسے افغانستان سے بھی لوگ قادیان آتے اور میاں صاحب نے ایک دیانت دار دلال کی طرح حکومت برطانیہ اور ان کے درمیان معاملات طے کرائے۔ قادیان ایک خالصتاً سیاسی مرکز ہے اور جو میاں صاحب کرر ہے تھے' بڑے بڑے سیاسی شاطر نہ کر سکتے تھے۔(۴)

۱۔ الفضل۔ قادیان۔ 23 نومبر 1918ء۔
۲۔ منیر رپورٹ۔ ص 196۔
۳۔ الفضل۔ قادیان۔ 27 جولائی 1918ء۔
۴۔ پیغام صلح۔ لاہور 5 دسمبر 1917ء۔

چھٹا باب

جنگ کے بعد

جنگ کے بعد ہندوستان میں سیاسی واقعات نے ایک نیا رخ لیا اور قوم پرستی کی تحریک کو ایک نیا انداز دے دیا۔ بیس اگست ۱۹۱۷ء کو جنگ کے دوران حکومت ہند نے ایک اعلان جاری کیا جس کے تحت ہندوستان میں ایک ذمہ دار حکومت کو اپنا مقصد قرار دیا۔ اس اعلان کے نتیجے میں حکومت نے ای ایس مانٹیگو یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند اور دیگر ممبران پارلیمنٹ کی ایک چھوٹی سی مجلس بنا دی جس میں سر ولیم ڈیوک، بی باسو، اور چارلس رابرٹس شامل تھے۔ ان کا کام تھا کہ وہ ہندوستانی حکومت اور سیاستدانوں سے صلاح و مشورہ کریں۔ مانٹیگو نے مختلف وفود سے ملاقات کی اور افراد اور تنظیموں کی آئینی تجاویز سنیں۔(۱) سامراج کی حاشیہ بردار جماعت احمدیت کو برطانوی اعلان سے بڑی پریشانی لاحق ہوئی اور انہیں اپنی بقاء خطرے میں نظر آئی۔ ریویو آف ریلیجنز نے اعلان کیا کہ احمدیہ جماعت کا ایک وفد سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سے ملنے جائے گا تاکہ اسے احمدیہ موقف سے آگاہ کیا جا سکے۔ یہ وفد دہلی میں وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ سے بھی ملے گا۔ اخبار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگ مقامی حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اس میں احمدیہ جماعت اپنے مفادات کی تباہی محسوس کرتی ہے۔(۲)

پندرہ نومبر ۱۹۱۷ء کو ظفر اللہ کی قیادت میں نو رکنی وفد نے دہلی میں سیکرٹری آف سٹیٹ مانٹیگو کو ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ اس میں برطانوی حکمت عملی پر جماعت

ا۔ لال بہادر۔ مسلم لیگ۔ بک ٹریڈرز لاہور۔ 1979ء ص 123۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان۔ اکتوبر۔ نومبر 1917ء۔

کی جانب سے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور حکومت خود اختیاری کو مذہبی اقلیتوں خصوصاً احمدیوں کے لیئے تباہ کن قرار دیا۔(۱) مرزا محمود نے بھی ایک ایڈریس تیار کیا جس میں انہوں نے اپنے خیالات کا مکمل اظہار کیا۔ وہ ایک وفد کے ساتھ گورنر جنرل اور سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سے ملنے دہلی گئے۔ اس خطاب میں انہوں نے وہ وجوہات اجاگر کیں جن کے باعث لوگوں کو ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس میں مندرجہ ذیل نکات پر زور دیا گیا تھا۔

1- انگریزوں کی طرف سے ان کی رعایا سے بدسلوکی۔
2- یورپیوں کی ہندوستانی لوگوں کے متعلق اختیار کی گئی سماجی زندگی میں جانبدارانہ حکمت عملی جیسے ریل کا سفر، ہتھیار رکھنا، عدالتی مقدمات وغیرہ۔
3- بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا شدہ سماجی و معاشی مسائل۔
4- تعلیم خصوصاً تکنیکی تعلیم کی کمی۔(۲)

ظفر اللہ کہتا ہے کہ سیکرٹری آف سٹیٹ اس خطاب سے بہت متاثر ہوا اور اس نے چند نکات کی وضاحت بھی طلب کی۔ اس نے ایڈریس میں دی گئی تجاویز پر محتاط نوٹ تیار کیئے۔ جن میں سے چند تجاویز اپنی رپورٹ میں شامل کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ ان تجاویز کو خصوصی طور پر نوٹ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ اہمیت نہ کھو دیں اور حتمی تجاویز میں شامل ہوں۔ خلیفۃ المسیح مرزا محمود کا عوامی زندگی اور سیاست میں پہلا قدم تھا۔(۳)

پنجاب میں مارشل لاء

جنگ میں ہندوستانیوں کی شرکت اور ۱۹۱۷ء کے مانٹیگو اعلان نے ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ توقعات پیدا کر دیں کہ آزادی کے لیئے مناسب اقدامات

ا۔ احمدیہ جماعت کا ایڈریس۔ دلی۔ 15 نومبر 1917ء میگزین پریس قادیان ص 13۔ مزید دیکھئے ملک صلاح الدین ایم اے اصحاب احمد۔ جلد 11 ربوہ 1962ء ص 73-75۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنز۔ دسمبر 1917ء۔

۳۔ سر ظفر اللہ۔ احمدیت۔ لندن۔ ص 238۔

اٹھائے جائیں مگر مانٹیگو' فورڈ آئینی اصلاحات جو ۱۹۱۹ء میں منظر عام پر آئیں' انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو مایوس کر دیا۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں برطانوی حکومت نے ابھرتی ہوئی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیئے رولٹ ایکٹ کا نفاذ کر دیا۔ جو بغاوت کمیٹی کی رپورٹ کا نتیجہ تھا۔ اس ایکٹ کی رو سے کسی بھی شخص کو جس پر بغاوت کا شک ہو یا ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث پایا جائے' بغیر مناسب مقدمہ چلائے سزا دی جا سکتی تھی۔ اس قانون کے تحت چند رہنماؤں کی گرفتاری نے حکومت اور عوام کے مابین براہ راست تصادم کی کیفیت پیدا کر دی۔ تیرہ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک ہولناک المیہ وقوع پذیر ہوا۔ جنرل ڈائر نے سپاہیوں کو پرامن مجمع پر گولی چلانے کا حکم دیا۔ جس کے نتیجے میں چارسو افراد مارے گیئے اور تقریباً دو ہزار زخمی ہو گئے۔ پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور ہندوستان کے کئی حصوں میں فسادات پھوٹ پڑے۔(۱)

ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کے لیئے قادیانیوں کے دلوں میں کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مارشل لاء کے دوران ان کے مبلغین پنجاب کے بڑے شہروں اور قصبوں میں پھرے اور امن کا راگ الاپتے رہے۔ انہوں نے مجاہدین آزادی کی جاسوسی کی اور انہیں گرفتار کروا دیا۔ ملک میں نام نہاد امن کی بحالی کے لیئے مارشل لاء افسران کو مکمل تعاون فراہم کیا۔(۲) اپریل کے احتجاجوں کے دوران مرزا محمود نے شملہ میں وائسرائے کو خط لکھا کہ قادیانی ہڑتالوں میں ملوث نہیں تھے۔ انہوں نے ہڑتال کے دوران اپنے پیروکاروں کو دوکانیں کھلی رکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے رولٹ ایکٹ کی وضاحت کے لیئے ایک کمیٹی ترتیب دی۔ جس نے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان میں انتظامی اصلاحات کے لیئے رولٹ ایکٹ ضروری تھا۔ سکھوں کے لیئے گورمکھی میں ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں ان کے ایک گرو کی پیش گوئی یاد دلائی گئی تھی کہ ہندوستان میں برطانوی راج قائم ہوگا اور یہ ایک انصاف پسند اور عادل حکومت ہوگی۔(۳)

۱۔ وائی بی ماتھر۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاست کی افزائش۔ ص 138۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 243۔

۳۔ لاوِن سپنسر احمدیہ تحریک۔ دلی۔ 1974ء ص 132۔

پنجاب حکومت نے اپنے سرکاری اعلانات میں احمدیہ جماعت کی زمانہ ء بدامنی میں سرانجام دی گئی خدمات کی بے پناہ تعریف کی۔(۱) ایک خطبہ جمعہ میں مرزا محمود نے احمدیہ جماعت کی خدمات کا ذکر کیا جو انہوں نے زمانہ ء بدامنی میں سرانجام دیں۔ آپ رولٹ ایکٹ کے نفاذ اور پنجاب میں انتشار پر جماعت کا موقف اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> ''جب برطانوی حکومت کے خلاف ہندوستان میں شدید احتجاج شروع ہوا تو اس نے ہندوستانی خیالات میں آگ لگا دی۔ ہندوؤں نے ہوم رول کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں نے ترک خلافت کے حق میں مظاہرے کیئے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لیئے کوئی ایک تنظیم بھی نہ رہی۔ اس خطرے کی گھڑی میں احمدیہ جماعت کے سوا ہر کوئی خوفزدہ تھا، جس نے ایک جماعت کی حیثیت سے انگریزوں کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ مجھے یاد ہے کہ بدامنی رولٹ ایکٹ کے بعد پھیلی۔ میں نے اپنی جماعت کے آدمیوں کو قادیان کے پڑوس میں گاؤں کے دولت مند اور بااثر لوگوں کی طرف بھیجا تا کہ انہیں سمجھا سکوں کہ وہ فسادات میں حصہ نہ لیں۔ جب ہم نے انہیں برطانوی حکومت مخالف بدامنی میں شرکت سے اجتناب کی نصیحت کی تو وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہم پر لپکے۔ مگر ہم انہیں اپنا موقف سمجھانے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے انہیں بڑی انکساری سے نصیحت کی اور عاجزانہ انداز میں انہیں بدامنی سے دور رہنے پر راضی کر لیا۔ انہوں نے علاقے میں امن کی ترقی میں مدد دی۔ اس کے علاوہ ہم نے پورے پنجاب میں اپنے آدمی بھیجے۔ یہ اتنا خطرناک وقت تھا جیسا کہ انگریز مصنفین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بغاوت کی ایک چنگاری بھی برطانیہ کا بے تحاشہ نقصان کر سکتی تھی۔ اس کے بدلے میں ہمیں کوسا گیا بلکہ لوگوں نے ہمیں پیٹا بھی، مگر ہم نے غداری نہیں کی۔ ہم پر امن رہے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی نصیحت کی''۔(۲)

ا۔ الفضل قادیان۔ 10 مئی 1919۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 4 اپریل 1936ء۔

مرزا محمود شہزادہ ویلز کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔

> ''اس وقت جب پنجاب میں مارشل لاء نافذ تھا اور صورتحال خطرے سے بھرپور تھی، یہاں تک کہ بعض واقعات میں سرکاری افسران کو اپنے عہدے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پناہ لینا پڑی تھی تو اس جماعت کے اراکین نہ صرف کہ خود وفادار رہے بلکہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو بھی پرامن رہنے کی تلقین کی۔ کچھ جگہوں پر بلوائیوں نے اس جماعت کے اراکین کو جانی و مالی نقصان پہنچایا مگر وہ ان کی وفاداری کو تبدیل نہ کر سکے''۔(۱)

پندرہ اپریل ۱۹۱۹ء کو لکھے گئے ایک خط میں مائیکل اوڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے مرزا محمود کے سیکرٹریوں میں سے ایک کو لکھا۔

> ''اپنے عہدے کے چھ سالہ دور میں اس جماعت نے اپنے قابل احترام سربراہ کی قیادت میں حکومت کے لیئے اپنی بھرپور وفاداری کا مکمل اظہار کیا ہے اور ملک کی ترقی اور بھلائی کے لیئے اپنی لگن ظاہر کی ہے۔ عزت مآب نے اس جماعت کی طرف سے وصول ہونے والے گراں قدر خیالات پر مسرت کا اظہار کیا ہے جو ان معاملات کے متعلق اٹھائے گئے سوالات پر مبنی ہیں اور جنگ کی انجام دہی اور اندرونی امن کے قیام کے سلسلے میں ہیں۔ وہ ان اہم امور کو اپنے جانشین کو مطلع کر کے خوشی محسوس کریں گے۔ وہ پرامید ہیں کہ ان کا جانشین لیفٹیننٹ گورنر اور اس کے معزز سربراہ کی طرف سے وہ تعاون اور حمایت حاصل کرے گا جو اسے مل رہی ہے''۔(۲)

جنگ افغانستان

پہلی جنگ عظیم کے دوران جرمن انگیخت کے باوجود افغانستان غیر جانبدار رہا۔ ۱۹۱۹ء میں اپنے باپ کے قتل کے بعد امان اللہ تخت نشین ہوا۔ اس نے افغانستان کے خارجہ معاملات پر برطانوی تسلط ختم کرنا چاہا جس کے نتیجے میں تیسری جنگ

۱۔ مرزا محمود۔ شہزادہ معظم ویلز کی خدمت میں تحفہ۔ قادیان 1921ء ص 9۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ ہندو مسلمان مسئلہ اور اس کا حل۔ 1927ء ص 26۔

افغانستان چھڑ گئی۔ چونکہ ۱۹۱۷ء میں روس کا اشتراکی انقلاب سیاسی منظر کو تبدیل کر چکا تھا لہٰذا افغانستان کے ساتھ جنگ نے برطانوی خارجہ پالیسی پر گہرے اثرات چھوڑے۔(۱) جنگ سات مئی ۱۹۱۹ء کو شروع ہوئی۔ برطانوی افواج نے جلال آباد کی طرف پیش قدمی کی مگر کئی پسپائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مارشل نادر خان نے قلعہ ٹھل پر قبضہ کر لیا اور انگریزوں کو مجبوراً کابل سے گفت وشنید کرنا پڑی جس کا نتیجہ معاہدہ راولپنڈی کی صورت میں نکلا۔ جس پر اگست ۱۹۱۹ء میں دستخط کیئے گئے اور ۱۹۲۲ء میں اس کی توثیق ہوئی۔ انگریزوں کو افغانستان کے خارجہ معاملات میں دخل اندازی ترک کرنا پڑی۔ جنگ کی بالکل ابتداء میں ہی قادیانیوں نے برطانیہ کے لیئے بھرتی ' مالی امداد اور سازو سامان کی فراہمی کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ کابل اس ملک کا دارالخلافہ تھا جہاں ان کے آدمیوں کو سنگسار کیا گیا تھا۔ الفضل قادیان بیان کرتا ہے۔

> ''اس وقت کابل نے گورنمنٹ انگریزی سے ناوانی سے جنگ شروع کر دی ہے۔ احمدیوں کا یہ فرض ہے کہ گورنمنٹ کی خدمت کریں کیونکہ گورنمنٹ کی اطاعت ہمارا فرض ہے لیکن افغانستان کی جنگ احمدیوں کے لیئے ایک نئی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ کابل وہ زمین ہے جہاں ہمارے نہایت قیمتی وجود مارے گئے اور ظلم سے مارے گئے اور بے سبب و بلاوجہ مارے گئے۔ پس کابل وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی تبلیغ منع ہے اور اس پر صداقت کے دروازے بند ہیں۔ اس لیئے صداقت کے قیام کے لیئے گورنمنٹ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ روکوں کو دفع کرنے کے لیئے گورنمنٹ کی مدد کرنا احمدیوں کا مذہبی فرض ہے۔ پس کوشش کرو تمہارے ذریعے وہ شاخیں پیدا ہوں جن کی حضرت مسیح موعود نے پیش گوئیاں کی ہیں''۔(۲)

افغان جنگ پر اپنی خفیہ اطلاع میں ایک عیسائی مشنری جریدے نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

---

(۱) الفضل قادیان۔ 10 مئی 1919ء۔

(۲) الفضل قادیان۔ 27 مئی 1919ء۔

> ”جنگ کے ذریعے قلعہ اسلام کی زمین بوسی پر شکریہ کا اظہار۔ آج انجیل کی تبلیغ کے لیئے دو ہی سرزمین بند ہیں، عرب اور افغانستان اور ان میں سے سابقہ اب کھل رہی ہے اور بغداد پہلے ہی ہمارے قبضہ میں ہے اور دوسرے کے بارے میں کون بتا سکتا ہے کہ امیر کابل کی چھیڑی ہوئی جنگ کا کیا نتیجہ نکلے گا“۔(۱)

لارڈ ریڈنگ کی خدمت میں جو ان دنوں ہندوستان کا ایک یہودی وائسرائے تھا۔ قادیانیوں نے ایک ایڈریس پیش کیا۔ اس میں جنگ افغانستان کے دوران اپنی خدمات گنواتے ہوئے کہا۔

> ”جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی تب بھی ہماری جماعت نے اپنی طاقت سے بڑھ کر مدد دی اور علاوہ اور قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی جس کی بھرتی بوجہ جنگ کے بند ہو جانے کے رک گئی ورنہ ایک ہزار سے زائد آدمی اس کے لیئے نام لکھوا چکے تھے اور خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے چھوٹے صاحبزادے اور ہمارے موجودہ امام کے چھوٹے بھائی نے اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔(۲)

۱۹۲۱ء میں گورنر پنجاب سر میلکم ہیلی کو جماعت احمدیہ نے ایک خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ جواب میں اس نے کہا۔

> ”میرے پیش رو سر ایڈورڈ میکلیگن کی طرح میں سیاسی معاملات میں اختیار کیئے گئے جماعت احمدیہ کے رویئے کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ایک جماعت کی حیثیت سے تم نے اس نظریے کے پیروکار ہونے کا ثبوت دیا ہے کہ سیاسی تحریک کو عقل اور لگن سے چلانا چاہیے تا کہ عوامی تحریک اور تشدد آمیز احتجاج میں ملوث نہ ہوا جائے۔ جنگ عظیم میں ایک جماعت کی حیثیت سے تم نے اپنے رویئے سے یہی ظاہر کیا ہے اور ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے ساتھ ہماری مشکل میں ایک منصفانہ مقصد کے لیئے تم نے ہر قسم کی قربانی کی تیاریاں کیں۔ تم نے

۱۔ خبریں اور تحریریں نمبر 8 سلسلہ نمبر 2 آٹھ جون 1919ء۔
۲۔ الفضل قادیان 4 جولائی 1921ء۔

> علاقائی بھرتی کی تحریک کے لیئے دلی اور عملی امداد فراہم کی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تمہاری سیاست میں عقلمندی کی جھلک ہے۔ میں معاشرے کے استحکام کی خاطر تمہاری کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں''۔ (۱)

روس میں تخریب کاری

جنگ عظیم نے مرزا محمود کو بہترین موقع فراہم کیا کہ وہ مختلف ممالک میں مبلغین کی صورت میں جاسوس بھیج سکے۔ انہیں خصوصی طور پر ان ممالک میں بھیجا گیا جہاں برطانوی و صیہونی سیاسی مفادات کے لیئے کام کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔ برطانوی سیاسی محکمہ کی قریبی اعانت سے مشرق وسطیٰ' افغانستان' ترکی اور روس میں تربیت یافتہ جاسوس بھیجے گئے۔ روس کو خصوصی اہمیت دی گئی کیونکہ اشتراکی حکومت کی سامراج مخالف حکمت عملی نے ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے لیئے سنجیدہ خطرات پیدا کر دیئے تھے۔

روس کی ممکنہ پیش قدمی کو روکنے کے لیئے برطانیہ نے وسطی ایشیاء کے عسکری اہمیت کے حامل ان علاقوں میں اپنا اثر و نفوذ بڑھانا شروع کر دیا تھا جو ہندوستانی انقلابیوں کے لیئے برطانوی مخالف سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے ایک اڈے کا کام دیتے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے بعد ہندوستانی انقلابیوں کا آہستہ آہستہ سیلاب امڈتا گیا۔ ۱۹۲۰ء کے آخر تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کابل اور پھر تاشقند کی طرف ہجرت کر گئے۔ انہوں نے روس سے عسکری تربیت حاصل کی تا کہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک مسلح جدوجہد شروع کر سکیں۔ (۲) وہ انقلابی جو روس سے واپس ہندوستان آئے۔ برطانوی حکومت نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں پشاور سازش کیس میں مختلف المیعاد سزائیں سنائی گئیں۔

۱۔ مرزا محمود احمد۔ ہندو مسلم مسئلہ اور اس کا حل۔ ص 3۔

۲۔ جوزف کاربل۔ کشمیر میں خطرہ۔ پرنسٹن یونیورسٹی پریس امریکہ۔ 1986ء ص 28۔

بیسویں صدی کے دوسرے عشرہ کے اوائل میں اشتراکی روس نے ازبک، ترکمان اور کاراکلپاہ دہقانوں کی یورش کو کچلنے کے لیئے ایک حکمت عملی وضع کی جبکہ انگریزوں نے وسطی ایشیاء میں سوویت منصوبوں کے جواب کے لیئے جاسوس بھیجنا شروع کر دیئے۔ امریکی قونصل، فرانسیسی آلہ کار کاستان اور ہندوستان محکمہ سیاست کے برطانوی کرنل بیلے نے ''اشک آباد'' میں اس بغاوت کی پشت پناہی کی جس میں بابی ملوث تھے اور جہاں بابیوں نے اپنا مضبوط مرکز قائم کر لیا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں کرنل بیلے تاشقند آیا۔ اسے قید اور پھانسی کی دھمکیاں ملیں جس پر وہ زیر زمین چلا گیا۔ ایک سال سے زائد عرصہ کی آنکھ مچولی کے بعد وہ بالشویکوں کی گرفتاری سے بچ نکلا۔ اس نے ان سے تعاون کا سوانگ رچایا۔ بعد میں اس نے انہیں اپنی گرفتاری کی للکار دی۔ جسے اشتراکیوں نے قبول کر لیا۔ وہ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں خفیہ طور پر ایران جا پہنچا حالانکہ گولیوں کی بوچھاڑ اس کی تعاقب میں تھی۔ (۱)

خیوا اور بخارا میں ایک مضبوط اتحاد اسلامی اور سوویت مخالف تحریک چل رہی تھی۔ مسلمانوں نے روسیوں کے غلاف مقدس جنگ چھیڑ دی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بخارا روسی قبضے میں چلا گیا۔ تمام اطراف سے برطانوی جاسوسوں نے وسطی ایشیاء کا رخ کر لیا تا کہ اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔ ترک جنرل انور پاشا اور جمال پاشا بالترتیب بخارا اور افغانستان میں تھے۔ برطانوی ان کی موجودگی کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ جمال پاشا اگست ۱۹۲۰ء میں تاشقند پہنچے۔ ہندوستان کی آزادی کے لیئے انہوں نے کابل جا کر ایک اسلامی انقلابی انجمن کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے افغانستان میں فوجوں کو منظم کیا۔ اکیس جولائی ۱۹۲۲ء کو آپ کو طفلس میں شہید کر دیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں انور پاشا بخارا پہنچے۔ ان کا مقصد بالشویکوں کے ساتھ مل کر اسلامی نظریات کی بنیاد پر برطانوی سامراجیت کو شکست دینا تھا۔ دریائے جیحوں کے علاقے تک ان کی کامرانیوں نے ہندوستان میں انگریزوں کے اندر ہیجان برپا کر دیا۔

۱۔ اولف کیرو ''سوویت سلطنت''، میکملن کمپنی لندن 1967ء ص 115۔

۱۹۲۲ء میں ایک حملے میں وہ بھی شہید ہو گئے۔(۱)

۱۹۲۱ء میں مرزا محمود نے مولوی محمد امین کو وسط ایشیاء میں ہندوستان کے انقلابی مراکز کی جاسوسی کے لیئے بھیجا۔ وہ پہلے ہی بخارا، ایران، افغانستان اور دوسرے عرب ممالک میں احمدیہ مراکز کے قیام کے بارے میں بیانات دے رہا تھا۔(۲) مولوی امین کی روس میں سرگرمیوں کے سلسلے میں فتح محمد سیال یوں مختصراً بیان کرتا ہے۔

> ''۱۹۲۱ء میں ہم نے اپنے دوست مولوی محمد امین خان صاحب کو بطور مبلغ بھیجا چونکہ حکومت برطانیہ اور روس کے تعلقات جنگ کے بعد خراب چلے آ رہے تھے۔ اس لیئے پاسپورٹ نہ مل سکا۔ مولوی صاحب نے ایران تک پیدل سفر کیا اور ایران کے راستے روس میں داخل ہوئے۔ روسی حکومت کے آدمیوں نے ان کو گرفتار کرلیا اور انگریزی جاسوس سمجھ کر جیل خانے میں ڈال دیا۔ مولوی صاحب موصوف دو سال مختلف جیل خانوں میں رہے اور ان کی سختیوں کو برداشت کرتے رہے کئی وقت ایسے آئے جب کہ انہوں نے مولوی صاحب کو گولی سے مار دینے کا ارادہ کیا۔ اس دو سال کے عرصے میں جیل خانوں سے بعض دفعہ رہائی پا کر چند ماہ ان کو ایسے ملے جس میں وہ لوگوں کو مل کر وہاں کے مسلمانوں کو مذہبی اور اخلاقی حالت کا اندازہ کر سکے اور ان کو تعلیم اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کر سکے۔ دو سال بعد وہ واپس تشریف لائے لیکن تھوڑے عرصے بعد ہمارے امام نے پھر دوبارہ ان کو بھیجا اور اب کی دفعہ ان کے ساتھ ایک اور نوجوان دوست مولوی ظہور حسین صاحب مولوی فاضل کو بھی بھیجا۔ یہ دونوں صاحب پھر ایران کے راستے روس میں داخل ہوئے''۔(۳)

روس میں قادیانی سرگرمیوں کا بغور مطالعہ منکشف کرتا ہے کہ برطانوی خفیہ کی سرگرم مدد سے ''احمدیہ دعوت'' کے نام سے ہندوستان میں انقلابیوں کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لیئے وہ وسطی ایشیاء میں ایک مضبوط مرکز کے قیام کے خواہش مند تھے۔ مرزا

۱۔ الیگزانڈر بنگسن اور شینٹل لیمر سیئر کیلیجے۔ ''سوویت روس میں اسلام'' پال مال پریس لندن۔ 1967ء ص 85۔

۲۔ مرزا محمود احمد کا خطاب۔ 17 مارچ 1919ء قادیان ص 104۔

۳۔ فتح محمد سیال ''جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات'' لاہور 1927ء ص 30۔

محمود کی تحریروں سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے بلکہ ''شہزادہ ویلز کی خدمت میں تحفہ'' کا اقتباس تو دراصل اسی فریب کی تصدیق کرتا ہے۔

مرزا محمود روس اور وسط ایشیاء میں قادیانی سرگرمیوں کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کناں ہیں۔

> ''شہزادہ مکرم! روس کے سلسلے میں اس (مسیح موعود) کی پیش گوئی یہ ہے کہ آخر میں روسی حکومت احمدیوں کے ہاتھ لگے گی۔ اس کی دوسری پیش گوئیوں میں ہے کہ ''اس کی (احمدی) جماعت بخارا میں بڑی تیزی سے پھیلے گی جو کہ اب زیادہ دور نہیں''۔(۱)

وسطی ایشیاء میں اپنے مستقبل کے سیاسی کردار کے متعلق قادیانیوں کی اعلیٰ امیدیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ ۱۹۲۳ء میں مولوی امین دوبارہ روس پہنچا۔ روسی حکومت نے اسے کئی مرتبہ برطانوی سامراج کے لیئے جاسوسی کے الزام میں دھر لیا۔ اسے اشک آباد اور سمرقند وغیرہ کی جیلوں میں رکھا گیا اور عرصہ سزا پورا ہونے پر اسے ایران یا افغانستان دھکیل دیا جاتا۔ مگر اس نے اپنے مذموم مقصد کو جاری رکھا۔ روس میں مولوی امین کے کام کے بارے میں مرزا محمود کہتے ہیں۔

> ''چونکہ برادرم محمد امین خان صاحب (قادیانی) کے پاس پاسپورٹ نہ تھا۔ اس لیئے وہ روس میں داخل ہوتے ہی روس کے پہلے ریلوے اسٹیشن قبضہ پر انگریزی جاسوس قرار دیئے جا کر گرفتار کیئے گئے۔ کپڑے اور کتابیں اور جو پاس تھا وہ ضبط کر لیا گیا۔ وہاں سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں آپ کو اشک آباد کے قید خانہ میں تبدیل کیا گیا۔ وہاں سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں آپ کو براستہ سمرقند' تاشقند بھیجا گیا اور وہاں دو ماہ تک قید رکھا گیا اور بار بار آپ سے بیانات لیئے گئے۔ تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ انگریزی حکومت کے جاسوس ہیں اور جب طاقت سے کام نہ چلا تو قسم قسم کی لالچوں اور دھمکیوں سے کام لیا اور فوٹو لیئے گئے تا عکس محفوظ رہے اور آئندہ گرفتاری میں آسانی ہو اور اس کے بعد کوشکی سرحد افغانستان پر لے جایا گیا۔ اور وہاں سے ہرات

۱۔ مرزا محمود احمد۔ شہزادہ معظم کی خدمت میں تحفہ'' شاہزادہ ویلز قادیان 1922ء ص 93۔

افغانستان کی طرف اخراج کا حکم دیا گیا۔ مگر چونکہ یہ مجاہد گھر سے اس امر کا عزم کر کے نکلا تھا کہ میں نے اسی علاقہ میں حق کی تبلیغ کرنی ہے۔ اس لیئے واپس آنے کو اپنے لیئے موت سمجھا اور روسی پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا اور بھاگ کر بخارا پہنچا۔ دو ماہ تک آپ وہاں آزاد رہے۔ لیکن دو ماہ بعد پھر انگریزی جاسوس کے شبہ میں گرفتار کیئے گئے اور تین ماہ تک نہایت سخت اور دل ہلا دینے والے مظالم آپ پر کیئے گئے اور قید میں رکھا گیا اور بخارا سے مسلم روسی پولیس کی حراست میں سرحد ایران کی طرف واپس کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس مجاہد کی ہمت اور اخلاص اور تقویٰ میں برکت دے چونکہ ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی۔ اس لیئے پھر کاکان کے ریلوے اسٹیشن سے روسی مسلم پولیس کی حراست سے بھاگ نکلا اور پیادہ بخارا پہنچا۔ بخارا میں ایک ہفتہ کے بعد پھر ان کو گرفتار کر لیا گیا اور حسب سابق پھر کاکان کی طرف لایا گیا اور وہاں سے سمرقند پہنچایا گیا۔ وہاں سے آپ پھر چھپ کر بھاگے اور بخارا پہنچے"۔(۱)

مولوی امین وسط ایشیاء میں اپنی "تبلیغی سرگرمیوں" کے بارے میں لکھتا ہے۔

> "روسیہ میں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیئے گیا تھا لیکن چونکہ احمدیہ اور برٹش حکومت کے باہمی مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اس لیئے جہاں میں اپنے سلسلہ کی تبلیغ کرتا تھا وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری کرنی پڑتی تھی کیونکہ ہمارے سلسلہ کا مرکز ہندوستان میں ہے تو ساتھ ہی ہندوستانی حکومت کے احسانات اور مذہبی آزادی کا ذکر لوگوں کے سامنے کرنا پڑتا تھا"۔(۲)

اکتوبر ۱۹۲۴ء کے دوسرے ہفتے میں تین قادیانی جاسوس مولوی محمد امین، مولوی عبدالمجید اور مولوی ظہور حسین قادیان سے روس کیلیئے روانہ ہوئے۔(۳) سفر پر روانگی سے پہلے برطانوی خفیہ محکمہ نے انہیں ہدایات دیں۔ مولوی ظہور اپنی بیماری کی وجہ سے شہر میں ٹھہر گئے اور مولوی امین آگے چلے گئے۔ دسمبر ۱۹۲۴ء میں مولوی ظہور بیماری سے صحت

۱۔ السنان میرں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 2 مورخہ 4 اگست 1922ء۔

۲۔ محمد امین صاحب قادیانی مبلغ کا مکتوب مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 5 مورخہ 28 ستمبر 1923ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 493۔

یاب ہوگیا اور روسی علاقے کی طرف بڑھ گیا۔ آرتھک ریلوے اسٹیشن پر وہ برطانوی جاسوس ہونے کے الزام میں پکڑا گیا۔ جب وہ بخارا جانے کے لیئے ریل پر سوار ہونے ہی والا تھا۔ روس کی خفیہ پولیس ''شہکا'' نے اس کا بیان قلم بند کیا اور احمدیہ جماعت کے برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات کے متعلق بہت سے سوالات کیئے۔ روس میں قادیانی مبلغین کی سرگرمیوں کے بارے میں مولوی ظہور کا اپنا بیان حسب ذیل ہے۔

> ''روسی افسر نے مجھ پر چند سوالات سیاست اور باقی مذہب کے بارے میں کیئے۔ اس نے مجھ سے برطانوی راج کے خلاف گاندھی، محمد علی اور شوکت علی کی شروع کردہ سیاسی تحریکوں کے بارے میں میرا موقف دریافت کیا۔ میں نے بتایا کہ ہم احمدی اپنے امام کی زیر ہدایت کام کرتے ہیں۔ ہم کسی تحریک میں حصہ نہیں لیتے اور نہ ہی ملک میں کسی کے خلاف امن سرگری میں حصہ لیتے ہیں جو بغاوت تک جا پہنچے۔ ہم جہاں بھی رہتے ہوں، امن قائم رکھنے میں اپنے حکمرانوں سے بھرپور تعاون کرتے ہیں''۔ (۱)

مولوی ظہور روسی جیلوں میں تقریبا دو سال تک رہا۔ ۱۹۲۶ء میں مرزا محمود نے برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ وہ روسی حکومت کی قید سے اسے چھڑائے۔ ماسکو میں برطانوی نمائندہ کو کہا گیا کہ وہ یہ معاملہ روسی حکام کے ساتھ اٹھائے۔ اس طرح اسکو رہائی ملی۔ وائسرائے ہند لارڈ ارون کو پیش کیئے جانے والے ایک ایڈریس میں قادیانی جماعت نے روسی قید سے مولوی ظہور کو چھڑوانے کے لیئے برطانوی سفارت کاری پر پرزور تشکر و امتنان کا اظہار کیا۔

> ''ہم اس موقع پر گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے ہر حالت میں ہماری حفاظت کی ہے اور پچھلے دنوں میں ہی جناب کے زمانہ وائسرائیلٹی میں ہمارے ایک مبلغ مولوی ظہور حسین صاحب کو جنہیں روسی حکومت نے نہایت سخت قید سے جس کا گہرا اثر ان کی صحت پر پڑا ہے نکال کر بحفاظت تمام مرکز سلسلہ میں پہنچایا ہے۔ جسکا ہم ایک دفعہ پھر اس موقع پر بھی شکریہ ادا کرتے ہیں''۔ (۲)

۱۔ مولوی ظہور حسین۔ ''آپ بیتی''۔ قادیان ص 34۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 8 مارچ 1927ء۔

یہاں یہ بھی ذکر ہو جائے کہ ۱۹۳۷ء میں درون خانہ حالات سے چند باخبر قادیانیوں نے جو مرزا محمود کی پاپائیت کے مخالف تھے، ایک تحریک شروع کی۔ انہوں نے مرزا محمود کے خلاف سنگین قسم کے اخلاقی الزامات لگائے اور ان کے ثبوت میں ٹھوس شہادتیں بھی پیش کر دیں۔ ان میں فخر الدین ملتانی اور عبدالرحمان مصری زیادہ اہم تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ مولوی امین کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس نے روس سے کی گئی خفیہ سیاسی سرگرمیوں کے افشاء کی دھمکی دی جن میں وہ خود بھی عرصہ دراز سے ملوث تھا۔ فتح محمد سیال نے جو کہ مرزا محمود کا بڑا چہیتا تھا۔ مولوی امین کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہ لائی جا سکی کیونکہ قادیان میں مرزا محمود کی آمریت میں ایک متوازی حکومت قائم تھی۔(۱)

ترکی

پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کے لیئے حکومت کرنے کے لیئے بحیرہ اسود کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا رہ گیا تھا مگر جب برطانوی شہہ پر یونان نے اناطولیہ کے بحیرہ روم کے سواحل پر چڑھائی کی تو ترکوں کی قوت نئے محور پر جاگ اٹھی۔ مصطفیٰ کمال جنگ کے دوران جوانمردی سے لڑا تھا۔ اس نے مشرقی اناطولیہ میں مزاحمتی قوتوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ انقرہ میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں اسے صدر چن لیا گیا۔ ترکی نے اگست ۱۹۲۰ء کے معاہدہ سیورے کی ظالمانہ شرائط کو مسترد کر دیا۔ جن کی رو سے ترکی کو اس کے خوشحال ترین صوبوں سے محروم کر کے بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ ۲۲-۱۹۲۰ء کی ترکوں اور یونانیوں کی شدید جنگیں یونانیوں کی مکمل شکست پر منتج ہوئیں۔ جب مصطفیٰ کمال کی فوجیں یونانیوں کو یورپی ترکی سے بھگا کر درہ دانیال کی طرف بڑھ رہی تھیں تو انگریزوں کے ساتھ لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

مرزا محمود نے احمدی مبلغین کے روپ میں اپنے آلہ کاروں اور جاسوسوں کو

۱۔ چوہدری افضل حق۔ تاریخ احرار۔ ص 189۔

ترکی کے اندر تخریبی کارروائیوں کے لیئے روانہ کیا۔ برطانوی خفیہ محکمہ کے ساتھ ساز باز کر کے آپ نے مصطفیٰ صغیر کو جو کہ بنارس کا ایک مسلمان تھا' بدنام زمانہ سی آئی ڈی سپرنٹنڈنٹ معراج دین کے ساتھ مصطفیٰ کمال کو قتل کرنے کے لیئے ترکی بھیجا۔ مصطفیٰ کمال پر قاتلانہ حملہ سے پہلے ہی وہ پکڑا گیا۔(۱) اس نے اپنا جرم تسلیم کر لیا اور ان ترکوں کے نام ظاہر کر دیئے جو اس مقصد کے لیئے حکومت برطانیہ نے خریدے تھے۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ افغانستان کے امیر حبیب اللہ کے قتل میں بھی ملوث ہے۔ اتاترک کے قتل پر اسے ایک لاکھ پاؤنڈ انعام ملنا تھا۔ برطانیہ کی اس سازش پر مسلمانوں نے شدید غم وغصہ کا اظہار کیا۔(۲) ترکوں کی تحریک قومیت ابھرنے کے ساتھ ہی برطانوی اثر ونفوذ تیزی سے کم ہونے لگا تو قادیانی مداخلت کار تیزی سے استنبول اور ترکی کی سرحدوں پر پہنچنا شروع ہو گئے مگر ان میں سے بہت سے پہچان لیئے گئے اور گرفتار کر لیئے گئے۔ مرزا محمود نے ترک حکام کے ہاتھوں قادیانیوں کی گرفتاری پر غم وغصہ کا اظہار کیا۔(۳)

معاہدہ سیورے (۱۹۲۰ء) نے معزول سلطنت عثمانیہ میں کردوں کے اکثریتی علاقے میں ایک کرد ریاست کے قیام کا بھی عندیہ دیا تھا۔ جب مصطفیٰ کمال نے معاہدہ سیورے منسوخ کیا تو یہ خواب بھی اپنی موت آپ مر گیا۔ تین سال بعد جب تیئس جولائی ۱۹۲۳ء کو معاہدہ لوزان عمل میں لایا گیا تو اس میں ایک ریاست کا حوالہ تھا۔ ۱۹۲۴ء میں اتاترک نے ترکی میں قائم خلافت کا منصب ختم کر دیا۔

۱۹۲۵ء میں کردوں نے بغاوت کر دی۔ نقشبندی سلسلہ کے ایک روحانی سردار شیخ سعد کی قیادت میں وہ خلافت کا احیاء چاہتے تھے۔(۴) مصطفیٰ کمال نے خطرے کا احساس کرتے ہوئے اعلان کیا کہ کرد بغاوت کے پیچھے برطانیہ کا ہاتھ ہے جس کا مطلب

۱۔ آغا شورش کاشمیری۔ "تحریک ختم نبوت" 1976ء لاہور۔

۲۔ مولانا انعام اللہ خان کمال اتاترک۔ لاہور۔ ص 124۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 11 اپریل 1921ء۔

۴۔ کیپٹن شیخ اے وحید The Kurds لاہور 1955ء ص 163۔

ہے کہ ترکی کا وجود خطرے میں ہے۔ بغاوت کچلنے میں دو ماہ لگ گئے۔ خصوصی فوجی عدالتیں جنہیں عدالت ہائے آزادی کہا جاتا تھا' قائم کی گئیں۔ شیخ سعد سمیت چھیالیس سرداروں کو پھانسی دے دی گئی۔

مصطفیٰ کمال نے اسمبلی کے اندر اس راز سے پردہ اٹھایا کہ

> ''اس سارے معاملے کے پیچھے برطانیہ تھا۔ جنگ عظیم میں برطانیہ نے کردوں کو ہمیشہ ترکی کو زک پہنچانے کے لیئے استعمال کیا تھا۔ ترکی کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی خاطر اس نے اپنے آلہ کاروں لارنس اور نویل کو بھیجا۔ معاہدے سیورے میں انہیں ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا لالچ دیا گیا تھا اور ایک بار پھر ان کے آلہ ء کار قبائل میں باغیانہ تقریریں کرتے اور اسلحہ تقسیم کرتے ہوئے پائے گئے۔ برطانیہ کو موصل اور اس کے تیل سے مطلب تھا۔ کرد موصل اور ایران کے تیل کے لیئے کنجی کی حیثیت رکھتے تھے۔ برطانیہ اس خفیہ حربے کے ذریعے ترکی کو موصل چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا اسی لیئے شیخ سعد غدار سلطان خلیفہ وحیدالدین کے حق میں آواز بلند کرتا رہا۔ تمام لوگ برطانیہ اور اس پرانے آلہ ءکار کے درمیان تعلقات سے بخوبی واقف ہیں اور حزب مخالف کے رہنماؤں نے اس دستے کے ساتھ شریک کار ہو کر جمہوریہ ترکی کو تباہ کرنے کی روش اپنا لی تھی۔ وہ خود غدار تھے اور پورے ملک میں عوام کو اکسانے میں سرگرم تھے۔ کردوں کی پٹائی ہوئی مگر ترکی اب بھی سنگین خطرات سے دوچار تھا۔ یہ خطرہ داخلی نوعیت کا تھا۔(1)

بغاوت کے پینتیس سال بعد ۱۹۵۸ء میں مرزا محمود نے راز آشکارا کیا کہ شیخ سعد نقشبندی نہیں دراصل احمدی سلسلہ سے وابستہ تھے' وہ کہتے ہیں۔

> ''کرد لیڈر سعد پاشا جس نے مصطفیٰ کمال کے زمانے میں بغاوت کی' احمدی تھا۔ اس کا کورٹ مارشل ہوا' اس کا بیان ترکی اخبارات میں شائع ہوا اور وہاں سے مصری اخبار نے نقل کیا''۔(۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ سعد کی تحریک برطانوی سامراج کی آشیر باد

۱۔ ایچ سی۔ آرمسٹرانگ۔ گرے وولف۔ دوبارہ طباعت گوشئہ ادب کوئٹہ۔ ص 66 -264۔

۲۔ الفضل ربوہ 18 فروری 1951ء۔

سے چلی اور اسکے پیچھے قادیانی جاسوس پوری طرح سرگرم تھے۔ اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ قادیانی آلہء کار ترکی میں کافی عرصہ تک سرگرم عمل رہے۔ سولہ اگست ۱۹۲۶ء کو الفضل قادیان نے رپورٹ دی کہ ترکی میں اکھاڑ پچھاڑ ترک حکام کی بدعہدی کو ظاہر کر رہی ہے اور مسیح موعود کی پیش گوئیوں کا امتحان بھی لے رہی ہے۔ اگرچہ اس وقت تک ترکی حکومت ایک نئی سلطنت میں تبدیل ہو چکی ہے اور ''پہلی حکومت ترکی کی خاک تک اکھاڑ کر پھینک دی گئی ہے''۔(۱)

تحریک خلافت

التوائے جنگ کے معاہدہ کے بعد اتحادیوں کی ترک دشمنی نے ایک نیا انتہا پسندانہ رویہ اختیار کرلیا۔ برصغیر کے مسلمان اس سے چوکنے ہوگئے۔ وہ ترکی کی سالمیت کے حق میں تھے۔ چھبیس جنوری ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا عبدالباری نے کی۔ ایک ''خلافت کمیٹی'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بائیس ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں ایک خلافت کانفرنس معرض وجود میں آئی۔ جس میں تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیئے طریق کار مرتب کرنے پر سوچ بچار کیا گیا۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جنگ عظیم کے خاتمے پر جشن فتح کا مقاطعہ کیا جائے اور احتجاجی جلسے منعقد کیئے جائیں۔ اگر ترکی پر کوئی غیر منصفانہ معاہدہ مسلط کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کا مقابلہ کیا جائے۔

تحریک خلافت میں قادیانیوں نے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ کل ہند مسلم کانفرنس کے لیئے مرزا محمود نے ایک مضمون لکھا۔ ترکی کے مستقبل کے سوال پر غوروخوض کے لیئے کانفرنس کا اجلاس اکیس ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنو میں منعقد ہوا۔ اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا کہ برطانیہ کے لیئے وفاداری میں کمی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ ایک مذہبی فریضہ ہے اور مسلمانوں نے برطانوی راج سے بہت سے فوائد حاصل کیئے ہیں۔

۱۔ الفضل قادیان۔ 16 اگست 1926ء

احمدی کسی بھی قیمت پر خلیفہ کے منصب خلافت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ خلیفہ کے اصل منصب کے لیئے اس عاجز یعنی مرزا محمود کے علاوہ کوئی بھی مستحق نہ تھا۔(۱) احمدیہ جماعت اپنا دنیاوی بادشاہ' شہنشاہ برطانیہ جارج پنجم کو سمجھتی تھی جو کہ شاہ آئرلینڈ اور شہنشاہ ہند بھی تھے اور روحانی سربراہ اور خلیفہ مرزا محمود تھے۔(۲)

مرزا محمود احمد نے کہا کہ

> ''اتحادی قوتوں میں سے اگر کسی نے ترکی کے لیئے اظہار ہمدردی کیا یا کوئی مدد کا خواہش مند تھا تو وہ صرف برطانیہ عظمیٰ تھی۔ یہی طاقت تھی جو امن کانفرنس میں شاہ حجاز کے موقف کو پیش کرتی رہی تھی اور جسے حکومت حجاز کے نیم سرکاری رسالے ''قبلہ'' نے ایک سے زیادہ دفعہ تسلیم بھی کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ مسلمانوں کو برطانوی سرکار کی تمام اچھی خدمات ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ چاہے وہ جو بھی قدم اٹھانا چاہیں۔ یہ سوچ لیں کہ ہم کہیں آخری دوست بھی عجلت میں گنوا نہ بیٹھیں اور ناشکری کے مرتکب ہوں''۔(۳)

مرزا محمود نے خلافت عثمانیہ کے خلاف برطانیہ کی کٹھور حکمت عملی کا یہ جواز پیش کیا کہ یہ مسلمانوں کی ہمدردی پر مبنی تھی۔ مسلمانوں کو یہ احساس کرنا چاہیئے کہ جب سے برطانیہ نے دوسری اقوام کی عسکری اور مالی امداد کا بیڑہ اٹھایا ہے جو کہ مسلمانوں کی ان خدمات سے کہیں زیادہ ہیں جو انہوں نے جنگ کے فاتحانہ اختتام کے لیئے ہیں اور شریک جنگ ریاستوں نے کچھ معاہدہ جات کیئے ہیں جن کی تکمیل کے لیئے بھی برطانیہ پر زور ڈالا جارہا تھا۔ ان تمام چیزوں نے برطانیہ کو مسلمانوں کے موقف کی اس حد تک وکالت سے روک دیا ہے جس کی آخرالذکر توقع رکھتے تھے۔ آخر میں انہوں نے نصیحت کی کہ ان حالات میں کہ کوئی گفت وشنید شروع نہ کی جائے اور نہ شروع کرنے دی جائے جس سے یہ تاثر پیدا ہو کہ برطانیہ مسلمانوں کے معاملات کو منصفانہ طریقے سے نہیں سلجھا رہا۔ مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرنا چاہیئے' جس سے برطانیہ کے ہاتھ مضبوط

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 249۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ ترکی کا مستقبل۔ قادیان 1919ء۔

۳۔ مرزا محمود احمد۔ ترکی کا مستقبل۔ قادیان 1919ء۔

ہوں اور ملک میں اندرونی مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ (۱) انہوں نے اپنے اخبار میں اس بات پر زور دیا۔

> ”اسے یاد رکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ کئی ایسے لالچی لوگ ہیں جو موجودہ صورت حال کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اور جہاں انہیں دعا دینی چاہئے وہاں دھمکی دیں گے اور دوستانہ استدعا کی بجائے غیر دوستانہ دباؤ ڈالیں گے۔ چونکہ برطانیہ پہلے ہی مسلمانوں کے موقف کی وکالت کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیئے مناسب لائحہ عمل یہی ہونا چاہئے کہ وہ اس پر شکر گزار ہوں جو ماضی میں ان کے لیئے ہوتا رہا ہے اور التماس کرنا چاہئے کہ مستقبل میں بھی اسی سمت پر کوششیں جاری رکھی جائیں۔ انگلستان میں کمیٹی کے لیئے کوئی کانفرنس، خطبہ، چندے، کتابوں اور رسالوں کی تقسیم یا رقم بھجوانے کی بجائے ایک معین کمیٹی بنانی چاہئے جو مجوزہ مفروضوں کی حمایت میں دلائل اکٹھے کر سکے“۔ (۲)

دسمبر ۱۹۱۹ء کے وسط میں ظفراللہ کی قیادت میں ایک احمدی وفد لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایڈورڈ میکلیگن سے ملا۔ برطانوی سرکار کو اپنی زبردست وفاداری اور جنگ عظیم اول (۳) کے دوران اپنی خدمات گنوانے کے بعد ایڈریس ترک مسئلہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے۔

> ”مذہبی طور پر ہمارا موقف یہ ہے کہ ہمارے لیئے سلطان ترک سے وفاداری کا کوئی جواز نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف مسیح موعود کا جانشین ہی مسلمانوں کا روحانی رہنما ہو سکتا ہے اور اپنے دنیاوی حاکم کے طور پر ہم صرف اسے تسلیم کرتے ہیں جس کے ماتحت ہم رہ رہے ہیں“۔ (۴)
>
> ”اس خطاب کی نقول برطانوی پارلیمان کے ممبران میں تقسیم کی گئیں تاکہ انہیں بھی وسیع پیمانے پر پھیلتی احمدیہ جماعت اور اس کے سیاسی نظریات سے آگاہی ہو جائے“۔ (۵)

تحریک خلافت کے عروج کے زمانے میں مرزا محمود نے یہ دعویٰ کیا کہ انہیں

۱۔ ایضاً۔
۲۔ ایضاً۔
۳۔ الفضل قادیان 22 دسمبر 1919ء۔
۴۔ سپنسر۔ احمدیہ تحریک۔ ص 133۔
۵۔ الفضل قادیان۔ 12 اپریل 1920ء۔

الٰہ آباد کی خلافت کانفرنس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مدعو کیا ہے۔ ایک طرف تو انہیں خلافت تحریک کے رہنماؤں کی جانب سے حملوں کا خدشہ تھا اور دوسری طرف اپنے بھائی بندوں کی طرف سے محبت اور نیک خواہشات اور اسلام کیلیئے خدمات کے جذبہ نے مجبور کیا کہ وہ اس نکتہ پر اپنے موقف سے انہیں آگاہ کر سکیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ لوگ اس کو کس مفہوم میں لیں۔ (۱)

انہوں نے ایک مضمون میں خلافت کے مسئلے پر اپنا موقف بیان کر کے اس مضمون کو ایک وفد کے ساتھ خلافت کانفرنس میں بھیجا۔ انہوں نے اس میں عرب دنیا میں رائج لیگ آف نیشنز کے انتدابی نظام اور فلسطین میں یوری آباد کاری کے متعلق کچھ سیاسی سوالات اٹھائے۔ احمدیہ تحریک پر تحقیقی مقالے میں پروفیسر لاوان نے بڑا مناسب سوال اٹھایا ہے کہ

> ''کیا کوئی احمدیت کے ابتدائی دور میں ایسا قدم اٹھانے کی سوچ سکتا تھا؟ مرزا غلام احمد یا حکیم نورالدین ایسا قدم اٹھا سکتے تھے؟ بدلتے حالات نے قادیانیوں کو ایسے سوال اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ان کی بنیادی پالیسی ایک ہی رہی۔ الٰہ آباد کانفرنس احمدیوں کی شمولیت' مستقبل میں مسلمانوں کے ممکنہ مظالم کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ احمدی حکومت کو خطوط لکھنے اور وفود روانہ کرنے کی حد سے آگے بڑھ چکے تھے۔ اب وہ قوم پرستوں' اتحاد اسلامی کے حامیوں اور خلافت کے علمبردار مسلمانوں کے مدمقابل آ گئے تھے''۔ (۲)

قادیانی اور عیسائی اپنی نجی محفلوں میں مسلمان ممالک کی محکومی پر اظہار اطمینان کرتے تھے۔ ایک خفیہ رپورٹ میں ایک عیسائی اخبار نے لکھا۔

> ''ہندو مسلمان تعلقات خلافت کے سوال پر مضبوط ہو رہے ہیں۔ یہ حیران کن امر ہے کہ دونوں کے برادرانہ تعلقات اس طور سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ سلسلہ

۱۔ لاوان۔ ص 134۔

۲۔ پنسر۔ ص 133۔

کہاں تک چلے گا اور آیا یہ واقعی بھائی چارہ ہے یا وقتی مفاد پرستی۔ مگر کئی عیسائی سمجھتے ہیں۔ قدیم کتب میں بتایا گیا زمانہ آ گیا ہے۔ غیر یہود حکومتیں جنہوں نے طویل عرصہ تک شہر مقدس یروشلم کو پامال کیا ہے، اب اس کی جگہ یہودیوں کی مقدس قوم لے گی"۔ (۱)

تحریک عدم تعاون

رولٹ بل کے منظور ہونے کے ساتھ ہی غیر معمولی واقعات جیسے سانحہ امرتسر معاہدہ سیورے اور خلافت تحریک کی وقوع پذیری نے عدم تعاون کے طریق کار کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ اگست ۱۹۲۰ء میں تحریک عدم تعاون اپنے زوروں پر تھی۔ لوگوں سے کہا گیا کہ وہ خطابات واپس کر دیں اور وہ تمام عہدے جو برطانوی حکومت نے عطا کیئے تھے اور گورنمنٹ کی منعقد کردہ تمام سرکاری و نیم سرکاری تقریبات سے لاتعلقی کا اظہار کر دیں۔ سرکاری اداروں سے طلبہ کا اخراج۔ برطانوی عدالتوں اور غیر ملکی سامان کا پرچار کیا گیا۔

شدید برطانیہ مخالف جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر قادیانیوں نے عدم تعاون کے نظریہ پر شدید تنقید کی اور ہندوستان کے مسلمانوں پر اس مہم کے اطلاق کا تفصیلی جائزہ لیا۔ (۲) مرزا محمود مسلمانوں کے ساتھ کسی ہمدردی کے تحت ایسا نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے برطانوی آقاؤں کے مفادات کے تحفظ نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ عدم تعاون کی مخالفت کریں۔

تحریک ہجرت

عدم تعاون کو تحریک ہجرت نے قوت بہم پہنچائی۔ مسلمان علماء کے ایک طبقے نے برصغیر سے افغانستان کی طرف ہجرت کا پرچار کیا۔ پہلے پہل کابل حکومت نے

۱۔ نیوز اینڈ نوٹس سلسلہ 8 نمبر 7 نومبر 1919ء۔

۲۔ جے ڈی شمس۔ پاکستان اور جماعت احمدیہ۔ ربوہ 1949ء ص 17۔

تحریک کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا مگر مہاجرین کا ہجوم دیکھ کر پالیسی بدل لی۔(۱) اور بہت سے لٹے پٹے مسلمان کابل سے واپس ہندوستان آنے پر مجبور ہو گئے۔ کچھ ان میں سے روس چلے گئے اور اشتراکیت کے علمبردار بن گئے۔ نتیجتاً انہوں نے ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی بنیاد رکھی اور برصغیر میں برطانوی راج کے لیے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ ان پرجوش انقلابیوں کے لیئے روس نے وسط ایشیاء خصوصاً تاشقند میں بہت سے تربیتی مراکز قائم کر دیئے۔(۲) ہجرت اور عدم تعاون کی تحریکوں کے دوران مرزا محمود نے احمدیہ سیاسی موقف کے اظہار کیلئے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ انہوں نے نظریہ جہاد کی مذمت کی۔ ہجرت کی شدید مخالفت کی اور ان تحریکوں کے حق میں دیئے گئے فتوؤں کی مذہبی اور قانونی حیثیت پر بہت سے سوال اٹھائے۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کے پرچارکوں کی مذمت کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اکسانے اور عوام کو دھوکہ دینے پر علماء اور مسلم رہنماؤں کے خلاف نہایت گھٹیا زبان استعمال کی۔(۳)

آخر میں انہوں نے مسلمانوں کو اپنے خیالات کے اظہار کیلئے پرامن طریقے اختیار کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ احتجاجی تحریکیں ختم کر دی جائیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ترک سلطان کو محض مسلمانوں کا ایک قابل احترام حکمران کہا جائے اور مسلمانان عالم کا خلیفہ نہ کہا جائے۔ انہوں نے پیشکش کی کہ اگر ان کی تجاویز قبول کر لی جائیں تو وہ پچاس ہزار روپے اور اپنے سارے بیرون ملک مبلغین کی خدمات پیش کرنے کے لیئے تیار رہیں۔(۴)

لارڈ ریڈنگ سے ملاقات

تیئیس جون ۱۹۲۳ء کو جماعت احمدیہ نے نئے وائسرائے لارڈ ریڈنگ کو خطبہء

۱۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین۔ علماء میدان سیاست میں۔ ص 243۔

۲۔ جوزف کوربل۔ کشمیر میں خطرہ۔ ص 283۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 3 اور 7 جون 1920ء۔

۴۔ الفضل قادیان۔ 4 اپریل 1936ء۔

استقبالیہ دیا جس میں اپنی بے لوث اور غیر مشروط وفاداری کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے لیئے چند آئینی تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے مشرق قریب کے مسئلے اور خلافت کے مستقبل کا حوالہ دیا اور یہ اشارہ کیا کہ مسلمان اس بدگمانی کا شکار ہیں کہ ترکی کی عملداری کا حجاز سے خاتمے کا مطلب یہ ہے کہ اسے یورپی طاقتوں کے زیر اثر کیا جائے گا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے نوآبادیات مسٹر چرچل نے ایک تجویز پیش کر رکھی تھی کہ اگر حجاز حکومت اندرونی امن و امان پر قابو پالے اور اپنی خارجہ حکمت عملی کو برطانیہ کے تابع کر دے تو اس کے عوض اسے سالانہ مالی امداد دی جائے گی۔ یہ مکمل محکومیت تھی، فرق محض یہ تھا کہ برطانیہ اب حجاز پر براہ راست حکومت کی بجائے بالواسطہ طور پر ایک مسلمان سردار کے ذریعے حکومت کریں گے۔ خطبہ استقبالیہ میں مزید کہا گیا۔

> ''اگر حجاز حکومت اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتی تو اسے ترکی کے ذریعے اختیار انہی شرائط پر دے دیا جائے جن شرائط پر مسٹر چرچل نے اسے برطانیہ کے اختیار میں دینے کی تجویز دی تھی''۔(۱) لارڈ ریڈنگ نے احمدیہ جماعت کی خدمات کو سراہا جو انہوں نے جنگ کے دوران سرانجام دیں اور ان کی وفاداری پر اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کیا''۔(۲)

سوراجیوں پر حملہ

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اوائل میں ہم قادیانیوں کو سوراجیوں اور کانگریس کی تحریکوں کی مذمت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے مہاتما گاندھی کی ''ستیا گرہ'' اور ''سوراج'' کی تحریکوں کی شدید مخالفت کی۔ ان کے اخبارات نے گاندھی جی پر شدید تنقید کی اور اسکے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ کی پرزور حمایت جاری رکھی۔ عوامی تحریکوں اور احمدیوں کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیئے مرزا محمود نے احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی نصیحت کی۔ انہوں نے انگریزوں کو استدعا کی کہ وہ

۱۔ سپنسر۔ ص 135۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 4 جولائی 1921ء اور ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان جون 1921ء۔

احمدیوں کی ایک ڈبل کمپنی قائم کر دیں۔ احمدیہ دستوں کے قیام سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوگی۔(۱) کیونکہ ان میں سے کچھ دستے اپنے مذہبی نظریات کی وجہ سے کھلے اور چھپے امتیازات کا شکار ہیں۔ قادیانی پریس نے قومی جذبات کے اظہار کے لیئے سیاسی نظموں' گیتوں اور نغموں کے استعمال پر بھی شدید تنقید کی۔ انہوں نے سوراج کے نظریے کو ہندوستانیوں کی آزادی حکومت کی بجائے اسے روحانی نجات کے معنی پہنا دیئے۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ عدم تشدد اور خود اختیاری کی طرح تھا۔ ہندو مسلم اتحاد نصف حقیقت تھی۔ اصل حقیقت خدا کی ذات تھی۔ جس کا مظہر اور اوتار مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ صرف ان کا پیغام (احمدیت) ہی سچائی پر مبنی ہے۔(۲)

۱۔ سپنسر۔ ص 135۔
۲۔ ایضاً۔

ساتواں باب

لندن یاترا

۱۹۲۴ء میں مرزا محمود احمد نے ویمبلے کے مقام پر برطانوی سلطنت کے زیر اہتمام عالمی مذہبی کانفرنس کی نمائش میں شرکت کے لیے لندن جانے کی تیاریاں کرلیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہیں مجوزہ سفر کے متعلق پہلے ہی وحی کی جا چکی تھی۔ ان کے خوابوں اور وحی کی کتاب ''المبشرات'' میں یہ الہامات بتائے جاتے ہیں جو ان کے لندن کے مجوزہ سفر سے تین ماہ قبل ہوئے۔(۱)

تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔

> ''حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی طرف توجہ فرمائی تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین (قادیانی یہ نام مرزا غلام احمد کو دیتے ہیں) اب ذوالقرنین کی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اس نے مغربی ممالک کا سفر کیا۔ ثابت ہوا کہ مسیح موعود یا اس کے جانشین کو ان ممالک کی طرف سفر کرنا پڑے گا یا ان کے نائب کے سفر یورپ کی اور حدیث شریف میں سفر دمشق کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔
>
> ذوالقرنین کے سفر کے متعلق واقعے پر مزید غور کرتے ہوئے حضور (مرزا محمود) نے معلوم کیا کہ یہ سفر بنیادی اغراض کے اعتبار سے تبلیغ کے لیے نہیں بلکہ مغربی ممالک میں اسلامی انقلاب کی تبلیغی سکیم تیار کرنے کے لیے کیا جائے گا''۔(۲)

مرزا محمود نے یہ بتایا کہ خدا نے انہیں ایک رویا میں ''ولیم فاتح'' کہا ہے۔(۳)

بارہ جولائی ۱۹۲۴ء کو یہ خود ساختہ ''ولیم فاتح'' اپنے بارہ سبز پگڑی والے

۱۔ ''المبشرات'' ادارۃ المصنفین۔ ربوہ۔ صفحہ نمبر 76۔

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد پنجم، صفحہ نمبر 393۔

۳۔ تاریخ احمدیت، جلد پنجم، صفحہ نمبر 394۔

پیروکاروں کے ساتھ انگلستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اپنے سفر کے دوران وہ پورٹ سعید کے علاوہ یروشلم اور دمشق بھی رکے۔

۱۹۲۴ء میں عالمی سیاسی اور معاشی حالات ابتر تھے۔ پوری دنیا میں عمومی بے روزگاری اور معاشی سرگرمیاں جمود کا شکار تھیں۔ برطانیہ میں ریمزے میکڈلنلڈ کی حکومت برسراقتدار تھی۔ مشرق وسطیٰ میں سیاسی نظام نوآبادیاتی قوتوں کے نرغے میں تھا۔ مصطفیٰ کمال کی قیادت میں ترکی ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ شام فرانسیسی نوآبادکاروں کے ساتھ اپنے مفتوحہ علاقوں کی واپسی کے لیے برسرپیکار تھا۔ عراق میں پرکسی کاکس نے فیصل کو ترغیب دی کہ وہ ۱۹۲۲ء کے ''اینگلوعراق معاہدہ'' کی توثیق کردے جو کہ برطانوی مخصوص مفادات کے تحت تھا۔ مصر میں برطانیہ کی مخالفت میں ایک بھرپور عوامی تحریک جاری تھی جس کے نتیجے میں سعد زاغلول ایک قوم پرست رہنما کے طور پر ابھرنے لگا تھا۔ ہندوستان بھی سیاسی اور معاشی بحران سے گزر رہا تھا۔ ہندوستان کے یہودی وائسرائے لارڈ ریڈنگ نے ہندوستان میں تحریک آزادی دبا دی تھی اور یہودی ہونے کے ناطے وہ مشرق وسطیٰ کی سیاست میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

فلسطین یورپی سازشوں کے لیے طبع آزمائی کا میدان بنا ہوا تھا اور برطانوی نو آبادکاروں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ ایلن بائی کی فلسطین میں پیش قدمی سے لے کر جون ۱۹۲۰ء تک برطانوی انتظامیہ اسے ''مفتوحہ دشمن علاقہ جات'' کے طور پر چلا رہی تھی۔ یہ سلسلہ جولائی ۱۹۲۰ء کے اوائل میں ختم ہوا جب ہربرٹ سیموئیل نے نوزائیدہ انتدابی علاقے فلسطین کے پہلے ہائی کمشنر کے طوپر ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انتداب کی شرائط کے تحت برطانیہ کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ ملک میں ایسی سیاسی، انتظامی اور معاشی فضا تیار کرے جو فلسطین کو ''یہودی قوم پرستوں کا وطن'' بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ عالمی صیہونی ایجنسی کی ایک نمائندہ جماعت کو برطانوی انتظامیہ کے ساتھ تعاون اور مشاورت کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا۔ اس جماعت کا صدر ویزمین اور ڈیوڈ بین گوریان اس کی قائم انتظامی کمیٹی کا صدر تھا۔ اس ایجنسی کے ہندوستان کے

وائسرائے لارڈ ریڈنگ اور انڈیا آفس سے قریبی تعلقات تھے۔ اس کا خارجی سیاسی محکمہ وکٹر ارلوسروف کے ماتحت تھا۔ عربوں نے مفتی امین الحسینی کی پرجوش قیادت میں صیہونیوں اور سامراجی حربہ کاروں کے تسلط کے خلاف ارض مقدس کی آزادی کی جدوجہد شروع کر رکھی تھی۔

برطانیہ کے فلسطین پر قائم اقتدار کے نتیجے میں اسے دفاعی اور سیاسی لحاظ سے مضبوط بنایا گیا۔ اس کا ربع صدی کا اقتدار نوآبادیاتی غلامی اور عرب خواہشات کی سرکوبی کی ایک بدترین مثال ہے۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں برطانوی حکام نے یہوی آبادکاری کا پہلا آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے سالانہ سولہ ہزار چھ سو یہودیوں کی آبادکاری کا کوٹہ مقرر کیا گیا۔ امین الحسینی کی بار بار نظر بندی اور فلسطینی عربوں کی بے دخلی عام تھی۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں یروشلم میں ایک مسیحی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ایک عیسائی اخبار کہتا ہے کہ

> ''اس کانفرس نے جو پہلی چیز ذمے لی وہ یہ تھی کہ پہلے عام حالات کا ایک وسیع جائزہ لیا جائے اور پھر فلسطینیوں کی زمینوں کے حصول کا اندازہ لگایا جائے''۔

عیسائی مندوبین کا کہنا تھا کہ

> ''ترکی میں خلافت کے خاتمہ، بالشویک پروپیگنڈہ کی وسعت اور بادشاہتوں کے خاتمہ نے اسلامی دنیا کو ایک ایسی صورت حال میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کی تلاش میں ہیں۔ ان کے مسائل مسلسل بڑھ رہے ہیں اور کسی جواز کے بغیر اپنے دفاع کے منصوبے بنا رہے ہیں''۔(۱)

مصر

اس سیاسی پس منظر میں مرزا محمود نے مشرق وسطی کی سرزمین پر انتیس جولائی کو قدم رکھا۔ قاہرہ پہنچ کر انہوں نے ایک قادیانی جاسوس شیخ محمود احمد عرفانی کے ہاں قیام کیا جو ۱۹۲۲ء سے مصر میں احمدیت کی تبلیغ کر رہا تھا۔ انہوں نے قاہرہ انٹیلی جنس

۱۔ نیوز اینڈ نوٹس۔ تسلسل 12۔ نمبر 5-4 مئی، جون 1924۔

بیورو کے ساتھ مذاکرات کیئے۔ مصر میں برطانوی ہائی کمشنر سے مشرق وسطی کے مسائل پر رہنمائی حاصل کی۔ مصری علماء نے قاہرہ میں قادیانی جماعت کے سربراہ کی موجودگی اور ان کی سرگرمیوں کی شدید مذمت کی۔

مرزا محمود کہتے ہیں۔

> ''مصر میں تین جماعتیں ہیں۔ ایک کی قیادت مصری وزیراعظم سعد زاغلول کے پاس ہے۔ دوسری وطنیوں سے متعلق ہے اور تیسری کا نام حزب احرار ہے۔ عبدالعزیز شاہ واعش قادیانیوں کا سخت مخالف ہے۔ ازہر کا گروہ اور صوفی سید ابوعلی اعظم مجھے ملے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کسی کو مسلمانان عالم کا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف ایک روحانی خلیفہ کے ہاتھ پر لوگ جمع ہو سکتے ہیں''۔(۱)

وہ ظاہری طور پر اپنی خلافت کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ مصر سے مرزا محمود یروشلم گئے جہاں ایک صیہونی تنظیم نے ان کا استقبال کیا۔

یروشلم

یروشلم میں پہنچتے ہی انہوں نے اعلان کیا کہ مسیح موعود کی وحی اور پیش گوئیوں کی بنا پر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہودی فلسطین کی آبادکاری میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مرزا محمود نے کہا کہ انہوں نے یہودیوں کی قابل رحم حالت دیکھ لی ہے وہ ''دیوار گریہ'' کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ یہ ایک بڑا دردناک منظر تھا جس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔

> ''میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کا حق بنتا ہے کہ انہیں ہیکل سلیمانی (مسجد اقصیٰ) کا ایک حصہ دے دیا جائے تاکہ وہ وہاں اپنی عبادات کے لیے ہیکل سلیمانی تعمیر کر سکیں۔ مزید برآں میرے ذہن میں وہ مسلمان بھی تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کو نہ مانا تھا۔ یہودیوں کی طرح ہو گئے تھے۔ میں نے ان کے اس گناہ اور اس کے نتیجے میں ملنے والی

۱۔ الفضل قادیان۔ 13 ستمبر 1924ء۔

سزا کے بارے میں خیال کیا ہے میں خوفزدہ اور متاثر رہا۔ یہ لوگ بلا خوف خدا کے غضب کو دعوت دے رہے تھے''۔(۱)

اسکے بعد وہ مزید کہتے ہیں۔

''میں فلسطین میں بڑے بڑے مسلمانوں سے ملا ہوں میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔ یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تلی ہوئی ہے''۔(۲)

''اگرچہ وہ کچھ عرصہ کے لیے آبادکاری میں کامیاب نہیں ہوسکے کیونکہ ان میں سے اکثریت کاروباری طبقے کی تھی اور انہیں زراعت کا بہت کم تجربہ تھا لیکن یہ چیز ان کے ارادوں کو ڈانواں ڈول نہ کرسکی اس لیے انہیں آبادکاری کی ابتدائی کوششوں میں کچھ نقصان ہو تو یہ اچنبھے کی بات نہیں''۔(۳)

''قرآن شریف کی پیش گوئیوں اور حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور ملک میں آبادکار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ (بعد کے واقعات نے حضور (مرزا محمود) کے الفاظ کی تصدیق کردی)''۔(۴)

''جہاں تک میرا خیال ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے شرائط طے کر لینی چاہیں۔ ان شرائط کے تحت اس ملک میں آباد ہوسکتے ہیں اور مسلمانوں کی برتری بھی قائم رہ سکتی ہے۔ میرے ذہن میں ایسا خاکہ ہے جس کا میں یہاں اظہار نہیں کرسکتا''۔(۵)

فلسطین کا ہائی کمشنر ہربرٹ سیموئیل (۱۹۶۳۔ ۱۸۷۰ء) اس وقت لندن میں تھا اور اس کی جگہ گلبرٹ کلیٹن کام کررہا تھا۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ گلبرٹ کلیٹن ایک متعصب صیہونی تھا اور جنگ کے زمانے میں قاہرہ میں فوجی خفیہ محکمہ کا سربراہ تھا۔

۱۔ الفضل قادیان: 13 ستمبر 1924ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 5، صفحہ 411۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 13 ستمبر 1924ء۔

۴۔ تاریخ احمدیت کے نیچے دیا گیا فٹ نوٹ از دوست محمد قادیانی۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر 5 صفحہ 411۔

۵۔ الفضل قادیان، تیرہ ستمبر 1924ء۔

وہ لارنس آف عریبیا کا قریبی ساتھی تھا اور شام میں اتحادیوں کے قبضے کے دوران ایلن بائی کا مشیر بھی رہ چکا تھا۔ درحقیقت مشرق وسطیٰ میں جاسوسی کا جال اسکا تیار کردہ تھا۔ جس نے عربوں کو صیہونی سامراجی شکنجے میں جکڑنے میں مدد دی۔ مرزا محمود کی اس کے ساتھ بے تکلف ملاقاتیں ہوئیں۔ یہودی ایجنسی کے سربراہ اور سیاسی محکمہ خارجہ کے سربراہ نے ان ملاقاتوں کے نتائج میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ کلیٹن نے احمدیہ عقائد میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا اور مسئلہ فلسطین کے کئی پہلوؤں پر ان کے ساتھ گفتگو کی۔

بارہ اگست کو فلسطین کی مجلس اعلیٰ کے صدر مفتی امین الحسینی نے مرزا صاحب کو چائے پر مدعو کیا۔ وہاں رئیس شہر بھی موجود تھے۔ مرزا محمود نے وہاں احمدیت کی نوعیت اور اس کی ترقی کے متعلق بتایا۔ دجال سے لے کر ختم نبوت تک کئی موضوعات پر سیر حاصل بحثیں ہوئیں۔ (۱) رئیس شہر نے مرزا صاحب کی بے ہنگم گفتگو پر شدید کراہت کا اظہار کیا۔

اس کے بعد مرزا محمود فلسطین کے ہائی کمشنر کلیٹن سے اپنی ملاقات کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

> "فلسطین کے گورنر ہائی کمشنر کہلاتے ہیں۔ اس وقت ہائی کمشنر ولایت گئے ہوئے میں ان کی جگہ سر گلبرٹ کلیٹن کام کر رہے ہیں۔ ان سے ملا تھا ایک گھنٹہ تک ان سے مکمل معاملات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ وہ ایک یورپی ہیں اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ انہوں نے ملکی ترقی کے لیے مستقبل میں ایک منصوبہ بنایا ہے جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ بہت مفید ثابت ہوگا۔
>
> افسوس اس بات کا ہے کہ وہ ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینا چاہتے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ دوسرے لوگ اس کام کو اس طرح بخوبی سرانجام نہ دے سکیں گے۔ مسلمانوں کو اپنے تعلیمی معاملات کے سلسلے میں شکایات ہیں۔ جسے درست تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے برطانوی حکومت کو ایک تجویز بھجوائی ہے کہ تعلیمی

۱۔ الفضل قادیان، 13 ستمبر 1924ء۔

معاملات پر ایک ذیلی کمیٹی ترتیب دی جائے جس کے پاس کچھ اختیارات بھی ہوں''۔(۱)

مرزا محمود مزید کہتے ہیں۔

''پہلی ملاقات میں ہی کلیٹن کو ہمارے سلسلے سے بہت ہی دلچسپی ہوگئی اور ہم نے دوسرے دن روانہ ہونا تھا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ ڈیڑھ بجے ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ تک دوسرے دن بھی ان کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور فلسطین کی حالت کے متعلق بہت سی معلومات ان سے حاصل ہوئیں۔ فلسطین کے حالات کے علاوہ کلیٹن نے ہندوستانی سیاست پر بھی بات کی''۔(۲)

مرزا محمود مزید کہتے ہیں۔

''میں نے انہیں کچھ تجاویز بھی پیش کیں جو انہوں نے بڑی خوشی اور احترام سے قبول کیں۔ وہ بہت خوش تھے اور ہماری روانگی کے وقت انہوں نے ہمیں فلسطین کا نقشہ دکھایا جس میں بحر مردار بڑا واضح تھا۔ میری درخواست کے بغیر ہی وہ دو چٹھیاں لے آئے۔ ایک ان میں سے دمشق کے قونصل اور دوسری اٹلی کے قونصل کے نام تھی۔ ان میں اس نے ہمارے لیے پر ستائش انداز اختیار کیا اور ہماری بہت زیادہ تعریف کی۔ انہوں نے ہمارے فلسطین میں مزید قیام میں بھی گہری دلچسپی ظاہر کی۔ مسٹر کلیٹن نے ریلوے حکام کو حکم دیا کہ وہ ہمارے دمشق کے سفر کے دوران تمام سہولیات بہم پہنچائیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ حیفہ کو بھی انہوں نے ایک خط لکھا کہ وہ ہمارا خیال رکھے''۔(۳)

دمشق

دمشق میں قادیان کے بدنام زمانہ لارنس زین العابدین کے وقت (۱۹۱۲ء) سے ہی کئی قادیانی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے وہاں اپنا مرکز قائم کرلیا تھا۔ مرزا محمود وہاں سنٹرل ہوٹل میں ٹھہرے۔ شامی مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے قادیانی جاسوس

۱۔ الفضل قادیان، 4 ستمبر 1924ء۔

۲۔ الفضل قادیان، 4 ستمبر 1924ء۔

۳۔ الفضل قادیان، 4 ستمبر 1924ء۔

نے احمدیت کے متعلق لٹریچر مفت تقسیم کرنا شروع کر دیا جو اس مقصد کے لیے خاص طور پر قادیان میں تیار کیا گیا تھا۔ شامی پریس نے اس مکروہ کاروائی پر سخت ردعمل کا اظہار کیا اور علماء کرام نے قادیانی طائفے کے دمشق سے اخراج کا مطالبہ کر دیا۔ مرزا محمود اپنی سرگرمیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> ''دمشق میں گئے تو اول تو ٹھہرنے کی جگہ نہ ملتی تھی مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے توجہ نہ کی۔ میں بہت گھبرایا اور دعا کی کہ اے اللہ پیش گوئی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہوگی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ہم ہاتھ لگا کر واپس چلے جائیں۔ تو اپنے فضل سے کامیابی عطا فرما۔ جب میں دعا کر کے سویا تو رات کو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہو گئے۔ عبد، مکرم، یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی اس سے میں نے سمجھا کہ تبلیغ کا سلسلہ یہاں کھلنے والا ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جب اٹھے تو لوگ آنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح سے رات بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہے اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہو جائے۔ پولیس بھی آ گئی اور پولیس آفیسر کہنے لگا کہ فساد کا خطرہ ہے۔ میں نے یہ دکھانے کے لیے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے مجمع کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند ایک نے گالیاں بھی دیں لیکن اکثر نہایت محبت کا اظہار کرتے اور ''ہذا ابن مہدی'' کہتے اور سلام کرتے مگر باوجود اسکے پولیس والوں نے کہا اندر بیٹھیں ہماری ذمہ داری ہے اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا۔ اس پر ہم نے برٹش قونصل کو فون کیا اس نے ایسا انتظام کیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آتے''۔(۱)

شامی مسلمانوں نے شام میں متعین فرانسیسی ہائی کمشنر میکسم لگان سے دمشق میں قادیانی طائفے کی موجودگی اور ان کی اشتعال انگیز کاروائیوں پر شدید احتجاج کیا اور انہیں دمشق سے فوری نکالنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے قادیانی لٹریچر کی ضبطی کا بھی مطالبہ کیا جو وہ شام میں تقسیم کر رہے تھے۔ مرزا محمود نے برطانوی قونصل کے ذریعے پورا زور

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 412۔

لگایا کہ دمشق میں ان کا قیام طویل ہو جائے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اٹھارہ اگست کو برطانوی قونصل مرزا محمود سے سنٹرل ہوٹل میں ملا اور مستقبل کی کاروائیوں کے بارے میں اسے ہدایات دیں۔ مرزا محمود شام کے گورنر صبحی بیک سے بھی ملا اور اسے تحریک احمدیہ سے متعارف کرایا۔ چند علماء و روساء جو اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے احمدیہ جماعت کی سخت مخالفت کی اور ان کے فوری اخراج کا مطالبہ کیا۔ مرزا محمود اپنی جمعہ کی ایک تقریر میں قادیانی مراکز کی بیرون ملک امداد میں برطانوی مدد اور دوسری نوآبادیاتی قوموں خصوصاً فرانس کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> ”جب میں انگلستان جاتے ہوئے شام گیا تو وہاں میں نے ایک تبلیغی رسالہ چھپوایا۔ مسلمانوں نے اس پر شور مچایا کہ اسے ضبط کر لینا چاہیے۔ اتفاقاً میں اس دن فرانسیسی گورنر سے ملنے گیا تھا جب میں وہاں پہنچا تو وہ نہایت ہی میٹھی زبان میں مجھ سے ہم کلام ہوا اور کہنے لگا آپ کیا پئیں گے؟ شربت پئیں گے؟ کافی پئیں گے؟ طبیعت کیسی ہے؟ آپ کی کیا تواضع کروں۔ بالکل وہی طریق تھا جو ہمارے ہاں مروج ہے۔ دوران گفتگو میں اس ٹریکٹ کا بھی ذکر آ گیا کہ لوگ اس کے خلاف بلاوجہ شور کر رہے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حکومت اسے ضبط کرنا چاہتی ہے تو وہ کہنے لگا کہ یہ بالکل غلط بات ہے ہمیں مذہبی معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ حکومت نے واقعہ میں اسے ضبط کر لیا تھا۔ جب بعض افسران کے پاس شکایت کی گئی کہ گورنر تو اس فعل کو ناجائز قرار دیتا ہے پھر یہ کس طرح ضبط ہوا تو انہوں نے بتایا کہ خود گورنر کے حکم سے ایسا ہوا ہے اور ہمارے آدمیوں کو بتایا گیا کہ جب وہ آپ کو شربت پلا رہا تھا اور یہ کہہ رہا کہ ہم مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا کرتے تو اس سے پہلے وہ اسے ضبط کر چکا تھا“۔(۱)

دمشق میں قیام کے دوران ایک عرب رسالے ”الف باء“ کے نمائندے نے چودہ اگست ۱۹۲۴ء (۹ محرم ۱۳۴۲ھ) کو مرزا محمود کا انٹرویو کیا جو حسب ذیل ہے۔

۱۔ الفضل قادیان، 22 نومبر 1934ء۔

سوال:	الخلافتہ الاسلام کیا ہے؟
جواب:	خلیفہ اسلامی جس کی اتباع تمام مشرقی و مغربی دنیا پر فرض ہے وہ میں ہوں۔ میں کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتا۔
سوال:	مشرق کا مستقبل کیا ہے اور آپ کا سلسلہ اسکی حالت سیاست پر کیا اثر ڈالے گا؟
جواب:	ہم سیاست میں دخل نہیں دیتے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا سلسلہ دنیا کے چاروں گوشوں میں پھیل جائے گا اس وقت تمام انسان بھائی بھائی ہوں گے اور کوئی انسان اس طرح حاکم و محکوم نہ ہوگا''۔

شامی اخباروں خصوصاً ''فتح العرب'' اور ''الف باء'' نے قادیانیت کا پردہ چاک کرنے کے لیے متاثر کن مضامین لکھے اور اس کے اسلام مخالف اور سامراج نواز کردار کو کھول کر بیان کیا۔ تاریخ احمدیت میں ہے۔

> ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخالف حالات کے باوجود مشن میں غیر معمولی طور پر کامیابی عطا فرمائی''۔(1)

اٹلی

سترہ اگست کو مرزا محمود اور ان کے ساتھی اٹلی پہنچے۔ انیس اگست کو وہ اطالوی فاشسٹ رہنما مسولینی سے ملے اور انہیں احمدیہ جماعت کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ انہوں نے پاپائے روم سے بھی تبادلہ خیال کا وقت مانگا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جریدے ''لا تریبونا'' کے نائب مدیر نے آپ کا انٹرویو کیا۔ اس نے چند سوالات ہندوستان کی سیاست پر کیئے۔ آپ نے بتایا کہ

> ''ہندوستان میں مختلف نسلی و مذہبی گروہوں میں ایک کثیر المذہبی معاشرے میں جہاں

1۔ تاریخ احمدیت جلد 5۔ صفحہ نمبر 412۔

بداعتمادی کی فضاء ہو وہاں اتحاد قائم نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے خلافت کے مسئلہ پر بھی تنقید کی اور دعویٰ کیا کہ اصلی خلیفہ وہی ہیں"۔(۱)

لندن

بائیس اگست کو وہ لندن پہنچے اور چیتھم ہاؤس میں اپنی رہائش رکھی۔ ایک برطانوی اخبار نے ان کی آمد کی اطلاع یوں دی۔

> "تقدس مآب، خلیفۃ المسیح، الحاج مرزا بشیر الدین محمود احمد، جو اسلام میں احمدیہ تحریک کے سربراہ ہیں جو کہ ویمبلے میں ہونے والی مذہبی کانفرنس میں اسلام کی نمائندگی کریں گے۔ بائیس اگست کو وکٹوریہ اسٹیشن لندن پہنچے۔ ایک غلط فہمی کی وجہ سے خلیفہ اس وقت پہنچے جب ان کے استقبال کے لیے آنے والوں میں سے آدھے افراد غیر حاضر تھے۔ تاہم جو موجود تھے انہوں نے نماز ان کے ہمراہ ادا کی اور جماعت کے ایک آدمی کے ذمہ سامان کی رکھوالی لگا کر وہ پہلے لڈ گیٹ ہل گئے اور وہاں سے سینٹ پال کے قبرستان گئے۔ یہ مسلمانوں کی ایک حدیث کی تکمیل کے لیے کیا گیا کہ دمشق سے آنے کے بعد مہدی "باب لد" یعنی لڈ گیٹ میں نماز ادا کریں گے۔ لندن میں آتے ہوئے خلیفہ دمشق رکے۔ لڈ گیٹ سے تقدس مآب سیدھے چیتھم ہاؤس گئے جہاں وہ اپنے سفر لندن کے دوران قیام کریں گے ان کی برکلن جانے کی تجویز ہے تا کہ ان مسلمان فوجیوں کی یاد میں تعمیر شدہ یادگار دیکھیں جو جنگ کے دوران مارے گئے"۔(۲)

تاریخ احمدیت کے مطابق برطانوی پریس میں مرزا محمود کو غیر معمولی پذیرائی ملی۔ ایک تنگ نظر رومی کیتھولک اخبار نے اسے ایک سازش سے تعبیر کیا۔(۳) صیہونیت کا پروردہ پریس مرزا محمود اور ان کی احمدیت کو برطانوی عوام میں متعارف کرانے میں پیش پیش تھا۔

۱۔ الفضل قادیان۔ 20 ستمبر 1924ء۔
۲۔ مشرق، مغرب اور ہندوستان بلندن۔ 11 ستمبر 1924ء۔
۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 417۔

ویمبلے کانفرنس

سلطنت میں موجود مذاہب پر کانفرنس مورخہ بائیس ستمبر سے لے کر تیئس اکتوبر ۱۹۲۴ء تک ''امپیریل انسٹی ٹیوٹ ساؤتھ کینسینگٹن'' میں ''سکول آف نیشنل سٹڈیز'' اور ''سوشیالوجیکل سوسائٹی'' کے زیر اہتمام سر ڈینی سن راس کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اسلام کے بارے میں مختص اجلاس کی صدارت ڈاکٹر مارگولیتھ نے کی۔ اس دوران تین تقاریر ہوئیں۔ خواجہ کمال الدین کا پرچہ بعنوان ''اسلام کے بنیادی اصول'' یوسف علی نے پڑھا جس میں قرآنی تعلیمات کی محتاط تاویلیں پیش کی گئی تھیں۔

اسلام کے سماجی پہلو کو بڑے بلیغ انداز میں پیش کیا گیا اور ان اخلاقی خصوصیات پر بھی اظہار خیال کیا گیا جو مذہب کے اتباع میں انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ اس مضمون میں مسلمان عورت کے اس مقام کو بیان کیا گیا جسے بلند کر کے اسلام نے اسے مرد کے برابر کر دیا۔ اس مضمون کا اختتامی عنوان مادی ترقی پر منتج ہوا۔

دوسرا مضمون بغداد کے شیعہ فاضل شیخ خادم دوجیلی نے پیش کیا۔ انہوں نے شیعہ عقائد کی تاریخ اور شیعہ عقائد کے اہم نکات پر روشنی ڈالی۔ پھر مرزا محمود کے مضمون بعنوان ''احمدیت یا حقیقی اسلام'' کی باری آئی۔(۱) جسے ظفر اللہ خان نے پڑھا اس سے قبل برطانوی رکن پارلیمنٹ تھیوڈور موریسن نے شرکائے کانفرنس سے انکا تعارف کرایا۔ اپنے مضمون میں مرزا صاحب نے تحریک احمدیت کا تعارف۔ مذہب کے اہم مقاصد اور ایک بین الاقوامی امن فارمولا پیش کیا۔(۲)

یہ فارمولا مندرجہ ذیل وسیع اصولوں پر مبنی تھا۔

۱۔ بین الاقوامی طرز عمل قابل قبول انفرادی اخلاقی معیاروں کے تابع ہونے چاہئیں اور ایک ''لیگ آف نیشنز'' قائم ہونی چاہیے۔

۲۔ بین الاقوامی امن کمیشن کے ارکان اقوام کے خلاف جارحیت کا کھل کر مقابلہ کریں۔

ا۔ مرزا محمود احمد۔ احمدیت یا سچا اسلام۔ قادیان مطبع دوم۔ 1937ء۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنز۔ ربوہ، مارچ 1963ء۔

۳۔ معاہدات کا مکمل طور پر احترام ہونا چاہیے مگر غیر منصفانہ معاہدات کے نفاذ کو غیر یقینی بنایا جائے۔

۴۔ غلطی کرنے والے فریق پر سخت شرائط عائد نہ کی جائیں۔

۵۔ قوم پرست جارحانہ حکمت عملیوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

۶۔ کوئی بھی طاقت اپنے پڑوسی کی ملکیت پر حرص ظاہر نہ کرے اور اس کے امن کو تباہ نہ کرے نہ ہی اس کے سرحدی حقوق میں دخل اندازی کی جائے۔

۷۔ کوئی بھی قوم احساس برتری کو اپنے اندر جگہ نہ دے۔

۸۔ حکومت اور عوام کے مابین امن قائم ہونا چاہیے۔

۹۔ کوئی بھی قوم کسی کمزور کی کسی بھی صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔

۱۰۔ قومیں، دو برادر اقوام کے مابین اختلاف میں جانبداری کا مظاہرہ نہ کریں اور اجتماعی طور پر اختلاف کو منصفانہ اور برادرانہ طریقے سے حل کیا جائے۔

۱۱۔ اقوام کو بین الاقوامی امن کے لیے قربانیوں سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔

۱۲۔ اقوام ایک دوسرے کے خلاف تعصب اور حسد کو بھول کر ایک دوسرے کے بارے میں منصفانہ برتاؤ کریں۔

۱۳۔ ہر قوم کو جارحیت کے خلاف لڑنے کے لیے بھرپور طور پر تیار رہنا چاہیے تاکہ کسی کا کمزور دفاع مسلح قوم کو اس کے علاقوں پر جارحیت سے باز رکھ سکے۔(۱)

قادیانی جاسوس سنگسار

لندن میں قیام کے دوسرے ہفتے میں مرزا محمود کو کابل میں ایک قادیانی مبلغ کی سنگساری کی اطلاع ملی۔ مولوی عبدالطیف کی طرح یہ قادیانی نعمت اللہ بھی افغانستان میں برطانوی جاسوس کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ افغان پولیس کو اس کی حرکات پر شک تھا

---

(۱) ریویو آف ریلیجنز۔ ربوہ، مارچ 1963ء۔

اور وہ اس پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ آخر کار اسے گرفتار کیا گیا اور ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ اس پر جاسوسی اور اسلام سے ارتداد کا جرم ثابت ہو گیا۔ اس پر مورخہ چھبیس اگست ۱۹۲۴ء کو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ (کابل کے اخبار میں افغان عدالت قانون اور اس کی دو بڑی عدالتوں سے تصدیق پر مبنی فیصلہ مورخہ چھ ستمبر 1924ء کو چھپا) قادیانیوں نے افغانستان میں اپنے ارتدادی مشن کی ترقی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ قادیانیوں کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ریاست میں جاری مذہب کے خلاف تبلیغ کی سزا موت ہے مگر انہوں نے امیر کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ ریاست کے استحکام کی خاطر افغان حکام مجبور ہو گئے کہ قادیانی تخریب کاروں سے نبٹیں۔(۱)

لندن کا ایک اخبار لکھتا ہے۔

> ”جب لندن میں نعمت اللہ خان کی سنگساری کی خبر پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح اور ان کی پارٹی کے لوگ اس نوجوان مقتول کے لیے رحم اور غم کے جذبات میں ڈوب گئے۔ ایسیکس سٹریٹ کے ایسیکس ہال میں ایک احتجاجی اجلاس بلایا گیا جو اس کے ایک سرے سے وکٹوریہ کے کنارے تک وسیع تھا۔ اس بڑے مجمعے کی صدارت ڈاکٹر والٹر والش نے کی۔(۲)

لندن میں قائم ووکنگ مشن کے سربراہ خواجہ کمال الدین کے فرزند خواجہ نذیر احمد بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے قرارداد کے متن پر فوری ردعمل کا اظہار کیا اور اسے ”یکطرفہ اور جانبدارانہ“ قرار دیا۔ اس سے لوگوں کو کہانی کا دوسرا رخ جاننے کا موقع ملا۔

> ظفر اللہ نے ”نوجوان شہید“ کی ظالمانہ، سنگساری پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور علماء اور امیر کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کی۔ انہوں نے اسے ایک ”وحشی حرکت اور کمینے پن اور دھوکہ دہی کی داستان“ قرار دیا۔(۱) لیگ آف نیشنز۔ امریکی صدر۔ ہندوستان اور مشرق قریب فرانس، اٹلی اور برطانیہ

۱۔ سردار اقبال علی شاہ۔ افغانستان اور افغانی۔ دوبارہ طباعت گوشہ ادب کوئٹہ۔ 1978 صفحہ نمبر 215۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 18 اکتوبر 1924ء۔

> کے وزرائے اعظم کو احمدیوں کے خلاف امان اللہ کی افغان حکومت کی اختیار کردہ ظالمانہ حکمت عملی سے آگاہی کے لیے برقی تار روانہ کیئے گئے۔ ظفر اللہ نے پیرس میں متعین افغان سفیر کو شدید احتجاجی مراسلہ روانہ کیا جو کہ برطانیہ کا بھی نمائندہ تھا۔ جسے انہوں نے پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔(۲) ظفر اللہ نے کابل میں ایک احمدی مبلغ کے طور پر کام کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، جنہیں مرزا صاحب نے منظور نہ کیا۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ ”احمدی مبلغ کے قتل کے ایک سال بعد جب امان اللہ اور اس کی ملکہ ثریا اپنے یورپی دورے سے واپس آئے تو ایک معمولی شخص کی قیادت میں ایک بغاوت کے ذریعے اس کی بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا اور بادشاہ اور ملکہ کو ذلت آمیز جلاوطنی اختیار کرنا پڑی۔ وہ روم میں جا کر گھٹیا قسم کی زندگی گزارنے لگا۔ اس کی بیوی اور بیٹی نے نفرت سے اسے چھوڑ دیا اور زندگی کے بقیہ سال اس نے تنہائی میں بسر کیئے۔(۳)

قادیانی پروپیگنڈے کے جواب میں افغان حکومت نے وضاحت کی کہ حکومت کے دستور میں دی گئی مذہبی آزادی تمام مذاہب کے پیروکاروں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے مگر یہ نام نہاد مسلمانوں کو ملحدانہ نظریات کے پرچار کی اجازت فراہم نہیں کرتی۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ قادیانی سیاست میں ملوث تھے اور ۱۹۲۴ء کی امان اللہ حکومت کے خلاف خوست میں بغاوت کو بھڑکانے کی سازشوں میں شریک تھے۔(۴)

ہندوستان کے لیے سیکریٹری آف سٹیٹ نے لندن میں مرزا محمود کو اطلاع دی کہ حکومت برطانیہ یہ معاملہ افغان حکومت سے غیر رسمی بنیادوں پر اٹھائے گی۔ ہندوستان میں جماعت کے قائم مقام خلیفہ مولوی شیر علی نے مسلم لیگ اور کانگریس کے صدر کو برقی تار روانہ کیئے جن میں اس قتل کی مذمت کی استدعا کی گئی تھی۔ گاندھی جی نے بھی اپنی

۱۔ الفضل قادیان۔ 16 اکتوبر 1924ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت لاہور صفحہ نمبر 219۔

۳۔ ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ صفحہ 51)

۴۔ امان، افغان۔ 5۔ نمبر 13۔ 1-5 سالانہ رجسٹر 1985 جاری کردہ لیون بی پاؤلا ڈا۔ بغاوت اور افغانستان میں اصلاحات 1919-20 کارنیل یونیورسٹی پریس۔ امریکہ 1923ء صفحہ نمبر 124۔

ذاتی حیثیت میں اس واقعہ کو "افسوسناک" قرار دیا۔ (۱)

لندن میں ایک عوامی اجتماع منعقد ہوا جس میں اس واقعے پر غم و غصے اور افسوس کی ایک قرار داد منظور کی گئی۔ اس قرار داد کی نقول افغانستان۔ امریکہ، فرانس، اطالیہ، جرمنی، جاپان، ترکی، مصر اور ہندوستان کی حکومتوں کو ارسال کی گئیں۔ اس قرارداد پر مندرجہ ذیل برطانوی دانشوروں نے دستخط کیئے۔ (۲)

۱۔ اے آر نکلسن (ایم اے ڈی لٹ۔ پروفیسر کیمبرج)
۲۔ ایچ جی ویلز
۳۔ سر اے کونان ڈوئیل (ایم ڈی لٹ)
۴۔ جی آر ایسمنڈ (مدیر "دی کوسٹ" لندن)
۵۔ سر سڈنی لی لینڈ (ڈی ڈی لٹ پروفیسر انگریزی ادب)
۶۔ سر اولیور لاج (ایف آر ڈی ایس سی)
۷۔ سر فرانسس ینگ ہیبنڈ (کے ای ایس۔ ایل ایل ڈی۔ ڈی ایس سی)

ہندوستان کے اسلامی پریس جس میں لاہور کے "سیاست" اور "زمیندار" امرتسر کے "وکیل" اور لکھنؤ کے "ہمدم" شامل تھے اس معاملے پر اظہار خیال کرتے رہے۔ انہوں۔ نے قادیان کی سیاسی سازش کی پردہ کشائی کی۔ اور سنگساری کی یہ وجہ بتائی کہ نعمت اللہ خوست کے باغیوں کا قریبی ساتھی تھا۔ کابل کی حکومت نے ہندوؤں، سکھوں اور دوسری اقلیتوں پر کبھی ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ امن سے رہ رہی ہیں۔ (۳) اور انہوں نے ریاست کے استحکام کے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی لیکن قادیانیوں کی سرگرمیاں مختلف نوعیت کی ہیں۔ برطانوی اخبارات جن میں "ڈیلی نیوز"، "ڈیلی ایکسپریس"، "ڈیلی کرانیکل" اور "ڈیلی ٹیلی گراف" پیش پیش تھے اس معاملے کو خوب

۱۔ الفضل قادیان فروری 1925ء۔
۲۔ الفضل قادیان 24 اپریل 1925ء۔
۳۔ الفضل قادیان 16 ستمبر 1924ء۔

اچھالتے رہے اور ''احمدیوں پر مظالم'' کے عنوان سے بیانات شائع کرتے رہے۔(۱)

ایک برطانوی اخبار ''انڈیا اینڈ فار ایسٹ'' نے امان اللہ کی کابل میں سیاسی و سماجی اصلاحات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا

> ''اس حقیقت سے عیاں ہے کہ مولوی نعمت اللہ جو اب مر چکا ہے ایک وقت میں امیر کی ہمدردی حاصل کیئے ہوئے تھا۔ جس کا جرم ایک مسلمان ممنوعہ فرقے سے تعلق تھا اور جس پر ایک سیاسی سازش میں شرکت کا الزام تھا اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ اس قسم کے اقدامات امیر کی ایک مایوس کوشش ہوسکتی ہے کہ اس طوفان جس کو وہ اٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہے اپنے عوام کی طرف اس کا رخ موڑ سکے گا''۔(۲)

قادیانیوں کی حیرت کی اسوقت کوئی انتہا نہ رہی جب لندن پریس نے حکومت برطانیہ شملہ کی طرف سے موصول شدہ ایک خط چھاپ دیا جس کے مطابق نعمت اللہ سیاسی معاملات میں ملوث تھا۔ جس کے نتیجے میں حکومت افغانستان نے اسے سنگسار کیا تھا۔ مرزا محمود کی پریشانی کے لیے یہ کافی تھا۔ قادیان سرعام رسوا ہو چکا تھا۔ مرزا محمود نے کوئی وقت ضائع کیئے بغیر لندن سے وائسرائے ہند کو برقی تار بھیجا جس میں لندن ٹائمز میں چھپنے والے شملہ کے برقی تار پر دکھ کا اظہار کیا۔ جس میں قادیانیوں پر افغانی سیاست میں ملوث ہونے کا الزام تھا۔ انہوں نے اسے ناقابل یقین معاملات کی ''غلط تعبیر'' قرار دیا اور کہا۔

> ''ہندوستان کے سیاسی محکمہ خارجہ نے پہلے ہی جون میں آنے والے واقعات کا اندازہ لگالیا تھا۔ اگر مولوی نعمت اللہ کا قتل اور امیر کابل کے خلاف بغاوت کا قصہ درست ہے تو کابل حکام نے غلام رسول اور عبدالحلیم کو اس واقعہ کے چار یا پانچ ماہ قبل کیوں گرفتار کیا۔ جب میں قادیان سے چلا تو غلام رسول پولیس تشدد سے مر چکا تھا اور عبدالحلیم ابھی قید میں تھا۔ مزید برآں افغان حکومت نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کو کیوں مجبور کیا کہ وہ

۱۔ الفضل قادیان 16 ستمبر 1924ء۔

۲۔ مشرق، مغرب اور ہندوستان۔ لندن 11 ستمبر 1924ء۔

کابل کے برطانوی سفارتخانے میں متعین ڈاکٹر فضل کریم احمدی کو واپس بلا لے۔ (نعمت اللہ نے فضل کریم کو اپنی حراست کے دوران کابل جیل سے خط لکھا تھا اور اپنی وفات تک اس کے ساتھ اپنے رابطے کو قائم رکھا۔)(۱)

”یہ تمام واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ان تمام امور کی پہلے سے منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔ میں یہ یقین کرنے کو تیار نہیں کہ حکومت احمدیوں کے ساتھ جن کا ہندوستان میں مرکز ہے اور جنہوں نے حکومت کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور غیر معمولی مشکل حالات میں اپنا ہر ممکن تعاون پیش کیا ہے۔ ہمدردی کی بجائے قتل کی سازش کی مضحکہ خیز داستان کی تصدیق اور اشاعت کر کے ان کے غم اور اذیت میں اور اضافہ کر دے گی“۔(۲)

آنے والے سالوں کے دوران قادیانی تخریب کاروں نے افغانی سیاست میں اپنا مجرمانہ کردار جاری رکھا۔ فروری ۱۹۲۵ء میں دو اور قادیانی گرفتار کیئے گئے جن پر افغان حکومت کے استحکام کے خلاف سازشوں کا الزام تھا۔ انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان قادیانی جاسوسوں کی پھانسی پر افغان وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا۔

”کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحلیم چہار آسانی اور ملا نور علی قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدے کی تلقین کر کے انہیں اصلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے۔ جمہوریہ نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنج شنبہ گیارہ رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے ان کے خلاف عدالت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے تھے۔ جن میں پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھوں بک چکے تھے اس واقعے کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی“۔(۳) لاہوری جماعت نے قادیانی مرتدین اور کابل

۱۔ الفضل قادیان۔ 11 ستمبر 1934ء۔

۲۔ الفضل قادیان 16 اکتوبر 1924ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 3 مارچ 1923)۔ مزید (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 467۔

میں جاسوسوں کی وفات پر قادیانی موقف کی تائید کی۔(۱)

امان اللہ خان کو سلطنت سے نکالنے کے لیے برطانوی جارحیت کے دوران قادیانیوں نے افراد اور دولت کے ذریعے اپنی بھرپور مدد فراہم کی۔ انگریزوں نے ''بچہ سقہ'' کو تخت پر براجمان کرانے کے لیے اسے آگے بڑھایا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں افغان جنگجو موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ قادیانی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''پندرہ اپریل ۱۹۰۳ء کی مرزا غلام احمد پیش گوئی کے مطابق سلطنت کابل میں پچاسی ہزار آدمی مارے جائیں گے''۔ جبکہ اس خانہ جنگی میں تقریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے تھے۔

نو مارچ کو جنرل نادر خان نے فرانس سے واپس آ کر ''بچہ سقہ'' کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ بدقسمتی سے آٹھ نومبر ۱۹۳۳ء کو اسے گولی مار دی گئی۔ مرزا محمود نے بڑی مسرت سے یہ اعلان کیا کہ

> ''مرزا غلام احمد کی پیش گوئی ''آہ! نادر خان کہاں چلا گیا پوری ہو چکی ہے''۔(۲)

کابل کے استحکام کے خلاف قادیانی سازشیں کبھی بھی ختم نہ ہوئیں۔ قادیان کے افغان مخالف بہروپ نے مختلف مواقع پر مختلف شکلیں اختیار کیں۔ وہ افغان حکمرانوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کی حکمت عملیوں کی سرعام مذمت کرتے تھے۔

لندن ''مسجد''

ڈاکٹر ہنری لائٹنر نے جو اورینٹل کالج لاہور کا سربراہ اور ایک مستشرق تھا لندن میں ایک مشرقی ادارہ کے قیام کا خیال ظاہر کیا جس کے ساتھ ایک مسجد بھی ملحقہ ہو۔ اسے اس مقصد کے لیے ہندوستان سے خطیر عطیہ جات موصول ہوئے۔

> ''عطیات دینے والوں میں سب سے اہم بیگم بھوپال اور ریاست حیدر آباد کے وزیر اعظم سالار جنگ تھے۔ ڈاکٹر لائٹنر نے لندن سے چوبیس میل دور سرے میں ووکنگ کے مقام

۱۔ مولوی محمد علی۔ ''تحریک احمدیہ اور جہاد۔ افغانستان'' سول پرنٹنگ پریس۔ لاہور 1925ء

۲۔ مرزا محمود احمد سرزمین کابل میں ایک تازہ عنوان کا ظہور۔ قادیان نومبر 1933ء۔

> پر ادارہ اور مسجد قائم کی۔ بیگم بھوپال کے اعزاز میں اس مسجد کا نام ''شاہجہاں مسجد'' اور اس کے ساتھ ہی ملحقہ ایک رہائشی عمارت تعمیر کی گئی جس کا نام ''سر سالار جنگ میموریل ہال'' رکھا گیا۔ ڈاکٹر لائٹر کی وفات کے بعد تمام جائیداد اس کے سب سے بڑے بیٹے اور خاندان کے سربراہ کے پاس چلی گئی۔ (۱)

مسجد اور ہال کی دیکھ بھال اسی خاندان کے پاس رہی مگر ان کا کوئی عملی استعمال نہ ہو سکا۔ سید امیر علی کے علاوہ کئی دیگر مسلمان عمائدین نے ان سے گزارش کی کہ چونکہ یہ جائیداد بنیادی طور پر مسلمانوں سے متعلق ہے لہذا یہ ان کے حوالے کر دی جائے۔ یہ ان کے لیے قابل قبول نہ تھا کیونکہ وہ اس جائیداد کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کرتے تھے۔ تاہم ایک معاہدے پر وہ راضی ہو گئے جس کی رو سے میموریل ہاؤس اور مسجد کو اس خاندان نے مسلمانوں کے حوالے کر دیا جبکہ ادارہ اور اس کے ملحقہ رقبہ کو اپنے تصرف میں رکھا۔ (۲)

۱۹۱۲ء میں حکیم نورالدین نے خواجہ کمال الدین کو قادیانی عقائد کی تبلیغ کے لیے انگلستان بھیجا۔ اس نے سید امیر علی سے گزارش کی کہ وہ مسجد اور ہاؤس کا انچارج اسے بنا دے تا کہ مسجد کو ایک عبادت گاہ اور میموریل ہاؤس کو امام کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ امیر علی نے اس سے اتفاق کر لیا اور ایک رسمی وقف نامہ ۱۹۱۳ء میں مرتب ہو گیا جسکی رو سے مسجد اور اس میموریل ہاؤس کا انصرام ان کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ (۳)

۱۹۱۴ء میں قادیانی جماعت دو متحارب فریقوں لاہوریوں اور قادیانیوں میں تقسیم ہو گئی۔ خواجہ کمال الدین نے قادیانی مبلغ فتح محمد سیال کو لندن کمیشن سے نکال دیا جسے مرزا محمود نے خواجہ کمال الدین کی حرکات پر نظر رکھنے کے لیئے لندن بھیجا تھا۔ احمدیہ لاہور کے ارکان نے اس کو اپنے عقائد کے پرچار کے لیے کئی سال تک استعمال کیا۔

۱۔ ظفر اللہ احمدیت۔ صفحہ 248۔
۲۔ ظفر اللہ احمدیت۔ صفحہ 248
۳۔ ظفر اللہ احمدیت۔ صفحہ 250۔

ووکنگ مسجد اب مسلمانوں کے تصرف میں ہے۔

قادیانی جماعت نے لندن میں اپنے الگ مرکز کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ ۶۳۱ میلروز روڈ لندن میں ایک یہودی(۱) سے مسجد کی تعمیر کے لیے ایک گھر اور ایک قطعہ زمین حاصل کیا گیا۔ مرزا محمود نے لندن سے روانگی سے قبل یہاں ’’مسجد‘‘ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں پنجاب کے سابقہ کمشنر خزانہ سر الیگزینڈر رڈریک۔ انڈیا آفس کی مسز رینی پین، جاپانی سفیر، جرمن ناظم الامور، ایتھوپیا اور البانیہ کے وزراء، سربیا کے قونصل اور وینڈز ورتھ کے میئر نے شرکت کی۔ ترکی وزیر نے بیماری کی وجہ سے معذرت کر لی۔

یہ اعلان کیا گیا کہ مسجد کی تعمیر پر دس ہزار روپے لاگت آئے گی جس کا انتظام ہو چکا ہے۔ تقریب کے موقع پر صرف محراب تعمیر کیا گیا۔(۲)

مرزا صاحب نے اس بات کو صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسجد کا مطلب خدا کی عبادت گاہ ہے اور یہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے بھی اسی طرح کھلی ہوگی جیسی مسلمانوں کے لیے ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ احمدیہ جماعت کی مخلصانہ کوششوں سے انصاف اور دوستی اور محبت کو پروان چڑھانے میں مدد ملے گی۔(۳) اخبار ’’یارکشائر آبزرور لندن‘‘ کی ایک اطلاع میں مذکور ہے۔

> ’’آج سہ پہر لندن کی پہلی مسجد کا سنگ بنیاد ساؤتھ فیلڈز میں رکھا گیا جو کہ احمدیہ جماعت کی زیر نگرانی مغربی ماحول کی مطابقت میں تھا۔ خلیفۃ المسیح نے صدارت کی جو اس جماعت کے سربراہ ہیں۔ جس کی بنیاد پنجاب میں چونتیس سال پہلے رکھی گئی تھی۔ آپ بانی سلسلہ احمدیہ کے تیسرے جانشین ہیں۔ آپ نے تقریب کی صدارت کی۔ اس مجمع نے رنگ برنگ منظر پیش کیا۔ میں نے بھی محسوس کیا کہ سبز پگڑیوں نے اس کی اہمیت اس

۱۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل۔ تاریخ مسجد فضل لندن قادیان 1927ء صفحہ 32-34۔

۲۔ دی مسلم ورلڈ اکتوبر 1925ء صفحہ 409۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ نمبر 427۔

طرح بنا دی کہ اس کے پہننے والوں اور سرخ ترکی ٹوپیوں والوں نے مکّہ کے حج کا سماں پیدا کر دیا"۔(۱)

ایک عیسائی تبلیغی رسالے کی ایک خفیہ رپورٹ یوں ہے۔

"عام مسلمان احمدیوں کو مرتد خیال کرتے ہیں مگر احمدیہ جماعت جو کچھ بھی ہے آہستہ آہستہ مغربی ممالک میں پروان چڑھ رہی ہے۔ اسلام کے لیے اس کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے شروع شروع میں عیسائیت کی حیثیت یہودیت کے لیے تھی۔ اور اس کا بانی بھی مہدی اور مسیح موعود کی پیش گوئی کا دعویدار ہے"۔(۲)

اخبار مزید لکھتا ہے۔

"مسلم ممالک میں بہت سے برطانوی باشندوں نے جو ہمارے زیر حکومت یا زیر اثر ہیں اس انداز لاتعلقی پر افسوس کا اظہار کیا ہے جس طرح حکومت نے حالیہ تجویز پر عمل کیا ہے کہ یہ لندن میں مذہب کے مطابق ایک مسجد کی تعمیر میں مدد فراہم کرے گی۔ فرانسیسی حکومت نے اپنی مسلمان رعایا کے لیے ایک ایسی ہی مسجد تعمیر کی ہے جس سے اس کے احترام میں خاطر خواہ اضافہ ہوا"۔(۳)

اکتوبر ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتے میں مرزا محمود واپس ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل انہوں نے کہا۔

"میرے خیال میں انگریز کے کاندھوں پر ایک عظیم ذمہ داری ہے وہ برطانوی سلطنت کا مرکز اور اسکے اتحاد کے ضامن ہیں۔ میرے خیال میں یہ رشتے اور مضبوط ہوں گے اور کبھی بھی توڑے نہیں جا سکیں گے۔ میں اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ اپنے ہم وطنوں کو جو برطانوی جزیروں اور سلطنت کے دوسرے حصوں میں رہتے ہیں باہم متحد کریں گے۔ برطانوی سلطنت میں اتحاد اور تعاون کی تحاریک کی مضبوطی اور تمام دنیا سے ان کے روابط بڑھانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کریں گے"۔(۴)

۱۔ دی مسلم ورلڈ اکتوبر نومبر 1925ء۔

۲۔ نیوز اینڈ نوٹس۔ یکم جنوری 1925ء۔

۳۔ نیوز اینڈ نوٹس۔ یکم جنوری 1925ء۔

۴۔ لندن اور مشرق قریب۔ نومبر 1924۔

افتتاحی تقریب

سامراجی مقاصد کی ترویج کے لیے لندن مسجد نے ایک مضبوط پروپیگنڈہ مرکز کا کردار ادا کیا۔ یہ بیک وقت کلیسا اور یہودی معبد تھی۔ ۱۹۲۶ء میں مسجد کی تعمیر کے بعد اس کی افتتاحی تقریب بھی ایک دلچسپ قصہ ہے۔ مرزا محمود نے اس مقصد کے لیے سب سے پہلے سابق شریف مکہ کے بیٹے امیر زید کا نام تجویز کیا۔ اس کے بعد عراق کے شاہ فیصل کے نام کا قرعہ نکل آیا۔ ان کو دعوت نامہ بھجوایا گیا مگر انہوں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔(۱) کسی بھی اہم عرب مسلمان کا نام تجویز کرنے میں مرزا محمود کی یہ نیت تھی کہ وہ اس عمارت کو ایک مسجد کے طور پر پیش کرے اور قادیانی جماعت کو اسلام کی ایک تبلیغی جماعت کے طور پر ظاہر کرے۔ یہاں سے ناکامی کے بعد اس نے اپنی توجہ سعودی عرب کے شہزادہ فیصل (شاہ فیصل شہید) پر مرتکز کر لی اور شاہ سعود کو لکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اس تقریب کے افتتاح کے لیے کہیں۔ انہوں نے شاہ سعود کے ایک قریبی دوست سینٹ جان فلبی کو جس کے تعلقات سعود خاندان کے ساتھ اتنے زیادہ منظر عام پر نہیں آئے تھے بھی گزارش کی کہ وہ اپنے دوست کو ترغیب دیں کہ وہ اس تقریب کے لیے اپنے بیٹے کو بھجوائیں۔(۲) یہاں یہ تذکرہ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جان فلبی کم فلبی کا باپ تھا جو بعد میں ایک بدنام دوہرے جاسوس کے طور پر سامنے آیا اور جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ روسیوں کی طرف داری میں جنگ عظیم دوئم کے بعد کے زمانے میں انگریزوں کو دھوکا دیتا رہا۔(۳)

ستمبر ۱۹۲۶ء میں امیر فیصل لندن کے سرکاری دورے پر گئے۔ مرزا محمود نے اعلیٰ برطانوی حکام جن میں جدہ میں برطانوی قونصل مسٹر جورڈن اور محکمہ امور خارجہ کے وکٹر مالیٹ شامل تھے۔ برقی تار ارسال کیئے اور شاہ سعود کو متواتر گزارش کی کہ وہ اپنے

۱۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ نمبر 548۔

۲۔ ڈاکٹر اسماعیل صفحہ نمبر 32-33۔

۳۔ بروس پیج۔ ڈیوڈ لیچ اور فلپ نائٹلی، جاسوس جس نے ایک نسل کو دھوکا۔ لندن 1980ء۔

بیٹے کو اس تقریب میں شرکت کے لیے کہیں۔ لندن کے مبلغ عبدالرحیم درد نے بار بار اعلانات شائع کیئے کہ رسم افتتاح پر امیر فیصل مہمان خصوصی ہونگے جبکہ مرحوم شاہ سے اس بات کی اس نے کوئی رسمی رضامندی اور یقین دہانی حاصل نہ کی تھی۔

شاہ سعود کو قائل کرنے کے لیے مرزا محمود اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے دھمکی دی کہ شاہ سعود نے اپنے بیٹے کو افتتاحی تقریب میں نہ بھیجا تو ان کی حکومت جو کہ پہلے ہی ایک عام آدمی کی ہمدردیاں کھو چکی تھی ہندوستان کے تعلیم یافتہ اور دانا طبقے کے غضب کو دعوت دے گی۔ (۱)

امیر فیصل نے مختلف برطانوی حلقوں کی پرزور ترغیب کے باوجود تقریب میں حصہ نہ لیا۔ مخزن لاہور کے مدیر اور پنجاب مجلس قانون ساز کے صدر سر عبدالقادر کی آمد نے امام درد کو منہ دکھانے کے قابل کردیا وہ لیگ آف نیشنز میں ہندوستان کی نمائندگی کے لیے آئے تھے۔ اسے فضل مسجد لندن کی افتتاحی تقریب کے لیے ترغیب دی گئی۔

تاریخ احمدیت میں مرقوم ہے۔

> "اگرچہ شہزادہ فیصل نہ آئے مگر فضل مسجد کی افتتاحی تقریب کے بعد جماعت احمدیہ نے وہ کچھ حاصل کرلیا جس کی منصوبہ بندی کی گئی تھی برطانوی پریس نے لندن مسجد اور احمدیہ جماعت کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی"۔ (۲)

لندن کے اخبار "مشرق قریب اور ہندوستان" نے اس غلط فہمی پر مسلسل اظہار خیال کیا جس کی بنا پر نوجوان امیر کو مسجد کے افتتاح کے لیے کہا گیا تھا۔ اور پھر ایسا نہ ہونے کے باعث اس رنگین اور تاریخی تقریب کی صدارت کے لیے آخری وقت پر ایک نیا انتخاب کیا گیا۔ یعنی یہ قرعہ خان بہادر شیخ عبدالقادر کے نام نکلا جو لیگ آف نیشنز میں ہندوستانی وفد کے رکن کے طور پر لندن میں تھے۔

امام عبدالرحیم درد نے خلیفہ کا پیغام پڑھ کر سنایا جس کا سب سے اہم حصہ یہ تھا

۱۔ ڈاکٹر اسماعیل صفحہ نمبر 86۔
۲۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ نمبر 548

کہ عیسائیوں اور مسلمانوں پر برابر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ زمین پر دوستی اور امن کے لیئے مل کر کوششیں کریں اس مقصد کے لیئے خدا کے نام پر تعمیر شدہ گھروں کو اس اتحاد کے مراکز بنایا جاسکتا تھا۔ اس خطاب میں اس نے کہا کہ وہ سمجھ نہیں پاتے کہ ابن سعود کے رویہ میں کس طرح تبدیلی آئی۔

شیخ عبدالقادر نے مسجد کے افتتاح کے وقت کہا کہ وہ اس قابل نہیں کہ یہ کام انجام دیں۔ پہلے تو یہ کہ وہ شہزادے نہیں دوسرے وہ ایسی تقاریب کو ناپسند کرتے ہیں۔ تاہم انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ حکومت برطانیہ فرانس کی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے برطانوی سلطنت کے دارالحکومت میں مسجد تعمیر کرے گی۔

پھر ایک غیر مسلم مہاراجہ بردوان کا چونکا دینے والا خطاب تھا۔ اس نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کی فضا میں رہ سکتے ہیں اس تقریب میں شمولیت کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اس نے اس بات پر بھی خوشی کا اظہار کیا کہ اسے ایک مسلمان تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے اور خان بہادر کی صدارت کو اس نے اس موقع کی مناسبت سے اسلام کی ہمہ گیری کا ایک مظہر قرار دیا۔ تقریب میں شرکت کرنے والوں میں سفارتکار۔ کاؤنٹ ور سے، لارڈ ویسٹی، لارڈ ایلش فیلڈ، سر پارک گاف رکن پارلیمنٹ، سر مائیکل اور لیڈی ایڈوائر، سر ولیم سمپسن، سر ہنری جیکسن رکن پارلیمنٹ، مسٹر سینٹ فلبی، لیفٹیننٹ کرنل پی ایس بی ولیمز، اور لیفٹنٹ کرنل کنلی فیون شامل تھے۔

یہ بات مدنظر رہے کہ کسی مسلمان ملک نے سرکاری طور پر نمائندگی نہ کی۔(۱)

اخبار نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسجد بذات خود مشرق اور مغرب کے مابین ایک اتحاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ احمدیہ جماعت کے ارکان نے اسلام اور عیسائیت کے درمیان ایک قسم کی یک جہتی کی کوشش کی ہے۔(۲)

۱۔ The Near East and India, سات اکتوبر 1926ء۔

۲۔ مشرق بعید اور ہندوستان۔ 7 اکتوبر 1926ء۔

آٹھواں باب

فلسطین مشن

لندن کے دفتر نو آبادیات کی ہدایات کی روشنی میں مرزا محمود نے مشرق وسطی کیلئے ایک مذموم منصوبہ تشکیل دیا۔ مرزا محمود اکتوبر ۱۹۲۴ء میں ہندوستان واپسی کے وقت ظفر اللہ خان کے ساتھ گرینڈ ہوٹل پیرس میں ٹھہرے۔ ستائیس اکتوبر کو وہ ''کیبرے ڈوینوں'' گئے۔ فرانسیسی کیبرے ہوٹلوں میں منعقد کیئے جاتے تھے جہاں ننگے ڈانس ہوتے تھے۔ اس کیبرے میں ''موت و حیات'' نامی کھیل چلایا جا رہا تھا۔ خلیفہ صاحب نے یورپی معاشرے کی عریانیت اور اس کے جنسی پہلو کو بھی دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ ظفر اللہ خان کو لے کر ایک ناچ گھر گئے جہاں انہوں نے فرانس کی فاحشہ لڑکیوں کے قابل اعتراض مناظر بھی ملاحظہ کیئے۔ ان سب چیزوں کا انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔[۱] جب سارا کھیل ختم ہوگیا تب وہ اس ناچ گھر سے باہر آئے۔[۲]

انتیس اکتوبر کو وہ پیرس میں برطانوی وزیر لارڈ کریو سے ملے اور اس کے ساتھ ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ لارڈ کریو نے ان کے موقف کو سراہا۔[۳] مصر میں مختصر قیام کے دوران مصری مسلمانوں نے مرزا محمود کے استقبال کے لیئے کیئے گئے انتظامات کو تہہ و بالا کر دیا۔ مرزا محمود کہتے ہیں۔

> ''جب میں ۱۹۲۴ء میں ہندوستان کیلئے واپس آ رہا تھا تو مصر کے احمدیوں نے اسکندریہ میں میرے استقبال کے انتظامات کے لیئے ایک اجلاس بلایا جہاں لوگوں نے ان پر

۱۔ الفضل قادیان 18 جنوری 1934ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 7 جولائی 1946ء

۳۔ الفضل قادیان 13 اپریل 1926ء۔

برطانوی آلہ کار ہونے کے الزامات عائد کرتے ہوئے بے خبری میں حملہ کر دیا۔ جن میں سے کچھ معصوم لوگ مارے گئے جبکہ بعض کا شدید مالی نقصان ہوا"۔

دورے سے حاصل کردہ مقاصد اور لندن میں اعلیٰ برطانوی حکام کی جانب سے دی گئی ہدایات کی روشنی میں مرزا محمود نے اپنا آئندہ کا سیاسی لائحہ عمل ترتیب دیا۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ کے معاملات میں خصوصی دلچسپی ظاہر کی جہاں قادیانیت ابھی تک جڑیں نہیں پکڑ سکی تھی۔ لہٰذا انہوں نے سامراجی مقاصد کی خاطر اپنی جماعت کو وہاں بھی داخل کرنے کی کوشش کی۔ عرب ممالک میں اپنی مذموم منصوبہ بندی کی خاطر انہوں نے احمدیہ مشن کے قیام کی تجویز تیار کی۔ اس مقصد کے لیئے جون ۱۹۲۵ء میں انہوں نے ولی اللہ شاہ اور جلال الدین شمس کو مشرق وسطیٰ بھیجا۔(۱) یہ دونوں سامراجی ایجنٹ شام پہنچے۔ جو ان دنوں فرانس کے زیر تسلط تھا۔ شمس مصر میں ٹھہر گیا جبکہ ولی اللہ کچھ برطانوی آلہ کاروں کو اہم خطوط پہنچانے کے لیئے عراق چلا گیا۔ اس نے عراق میں برطانوی ہائی کمشنر پرسی کاکس سے ملاقات کی تاکہ شاہ فیصل کو قائل کیا جا سکے کہ وہ احمدیت پر پابندی کو ہٹا لے جو حکومت نے عراق میں ان کی سرگرمیوں پر عائد کر رکھی تھی۔ نئے برطانوی ہائی کمشنر سر ہنری ڈابس کی سرگرم کوششوں اور ولی اللہ کے ایک پرانے دوست عراقی وزیر خزانہ رستم بے حیدر(۲) کی بھرپور حمایت سے شاہ فیصل آف عراق قادیانی جماعت پر پابندیاں نرم کرنے پر راضی ہو گئے۔ اپنے ایک خطاب میں مرزا محمود احمد قادیانی جماعت کے لیئے اس کی اہمیت اور اثرات پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

> "میرے نزدیک شاہ صاحب نے اس سفر میں جو بڑا کام کیا ہے وہ عراق کے متعلق ہے۔ سیاستاً یہ ایک ایسا کام ہے جو دوررس اثر رکھتا ہے۔ ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعے کوشش کر چکے تھے مگر پھر بھی اجازت نہ حاصل ہوئی تھی۔ وہاں سے ہمارے آدمی اس لیئے نکالے جا رہے تھے کہ تبلیغ کر رہے تھے۔ اپنے گھر میں جلسہ کرنا منع تھا۔ یہ کام

۱۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ ص 493۔

۲۔ شیخ محمود احمد عرفانی۔ قادیان۔ عالمگیر الیکٹرک پریس۔ لاہور۔ 1942 ص 288۔

> اس قسم کا ہے کہ سیاسی طور پر اس کے کئی اثرات ہیں۔ اس سے سمجھا جائے گا کہ احمدی قوم حکومتوں کی رائے بدلنے کی قابلیت رکھتی ہے"۔ (۱)

عراق میں سیاسی مقصد کے حصول کے بعد ولی اللہ دمشق چلا گیا۔ جہاں پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے اسے ترکوں کی جاسوسی پر مامور کیا تھا۔ وہ وہاں فرانسیسی ہائی کمشنر جنرل مورس سریال سے ملا اور اسے مصر میں قادیانی مرکز کے ذمہ لگائے جانے والے سیاسی کردار کی وضاحت کی۔ ۱۹۲۵ء تک شام میں فرانسیسی راج کی بنیادیں ہل گئیں جب سات روزہ بغاوت کا آغاز ہوا۔ انہوں نے دمشق میں قوم پرستوں کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا۔ فرانسیسی سامراجیوں نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیئے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ آخر کار ایک معاہدہ طے ہوگیا۔ عبدالرحمان شاہ نے شام کے لیئے ایک انقلابی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ (۲) اس ابتری کے دور میں شمس نے قادیانی عقائد کی خفیہ تبلیغ جاری رکھی۔ اس نے احمدیت کے تعارف کے لیئے ایک رسالہ "الحقائق الاحمدیہ" شائع کیا اور مرزا غلام احمد کی کتاب کشتی نوح کا عربی میں ترجمہ کر ڈالا۔ (۳) اس کی جہاد مخالف اور برطانوی حمایت میں تحریروں نے شامی مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ اس کی سرگرمیوں کے خلاف حکومت سے احتجاج کریں اور اس کے شام سے نکالے جانے کا مطالبہ کریں۔

شمس نے قادیان کو شام مشن کی سرگرمیوں کی رپورٹ ارسال کی اور تبلیغ کے دوران پیش آنے والی مشکلات کو بیان کیا۔ اس نے شام میں سیاسی بے چینی کے بارے میں اشارہ کیا اور انگریزوں کی بیرون ملک سفارتکاروں کے ذریعے بحال کی گئی امداد اور احمدی مبلغین کے ساتھ تعاون اور ان کی حفاظت پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ (۴) دسمبر ۱۹۲۷ء میں اسکی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں سے مشتعل ہو کر کچھ شامی قوم پرستوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا جس میں وہ بمشکل بچا۔ (۵) مرزا محمود نے اس حملے کا گہرا اثر قبول کیا

۱۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم ص 497۔
۲۔ پیٹر ہنسٹیلڈ ص 238۔
۳۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم ص 497۔
۴۔ الفضل قادیان۔ 16 اگست 1926ء۔
۵۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم ص 497۔

اور برطانوی اور فرانسیسی حکام خصوصاً شام میں فرانسیسی ہائی کمشنر ہنری پانسو کو خطوط لکھے۔ دوسری طرف شامی مسلمانوں نے اس کے اخراج اور مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر شام میں قادیانی مرکز کی بندش پر مسلسل دباؤ ڈالے رکھا۔⁽۱⁾ ۱۹۲۸ء میں مارشل لاء اٹھالیا گیا اور تاج الدین الحسنی کو کابینہ بنانے کی دعوت دی گئی۔ دس مارچ ۱۹۲۸ء کو انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا اور اس سے ایک روز قبل جلال الدین شمس کو چوبیس گھنٹے کے اندر ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا۔ مرزا محمود کی ہدایات پر وہ فلسطین چلا گیا اور اس کی جگہ ایک شامی احمدی کو امیر مقرر کر دیا گیا۔

مارچ ۱۹۲۸ء میں شمس فلسطین پہنچا۔ اللہ دتہ قادیانی کے الفاظ میں اس نے کوہ کارمل پر مقدس صحائف کی پیش گوئیوں کے مطابق احمدیہ مرکز قائم کیا۔⁽۲⁾ فلسطین ان دنوں برطانوی انتداب کے ماتحت تھا۔ فلسطین میں مرزا غلام احمد کے دور سے ہی احمدی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے فری میسنری' خفیہ یہودی مجالس اور سامراجی حمایت یافتہ قوم پرست تنظیموں کے ساتھ تعلقات قائم کیئے ہوئے تھے۔ تاریخ احمدیت کے مولف دوست محمد شاہد کے مطابق طرابلس کا محمد المغربی پچھلے تیئس برسوں سے (۱۹۰۵ء) سے احمدیہ عقائد کی تبلیغ میں مصروف تھا۔ مرزا غلام احمد نے بذات خود عرب دنیا میں جہاد مخالف اور برطانیہ کی حمایت میں لٹریچر کی تقسیم جاری رکھی تھی۔⁽۳⁾ (بہائیت کے موجودہ مرکز) حیفہ کے قریب عکہ میں شاذلیہ صوفی سلسلے کا ایک رکن شیخ ابراہیم قادیانی آلہ کار تھا۔ ۱۹۳۰ء تک چند خاندانوں نے قادیانی مذہب اختیار کرلیا۔ جن میں کبابیر کے صالح عبدالقادر عودہ نمایاں تھے۔ چنانچہ شمس کو اس کی آمد پر فلسطین میں بنی بنائی حمایت مل گئی۔ شمس فلسطین کے ہائی کمشنر سر ہربرٹ پلومر سے ملا اور دوسرے برطانوی حکام کے ساتھ غیر رسمی ملاقاتیں کیں۔ مرزا محمود نے انڈیا آفس۔ وائسرائے ہند لارڈ ارون اور لندن کے محکمہ نوآبادیات کو مطلع کیا اور فلسطین میں قادیانی مشن کے مستقبل کے سیاسی

۱۔ دیکھئے خالد احمدیت۔ جے ڈی شمس کی مختصر سوانح جلد اول۔ ربوہ 1968ء ص 173 تا 192۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 29 فروری 1944ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم ص 490۔

کردار کے سلسلے میں ہدایات حاصل کیں۔ فلسطین میں احمدی مشن کے رسمی قیام پر یہودی حلقوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ مشن جلد ہی پورے مشرق وسطیٰ کے لیے ہیڈ کوارٹر میں تبدیل ہوگیا۔ اپنی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے مصر، شام، عراق اور خلیج کے قادیانی مبلغین فلسطین مشن سے ہی رہنمائی حاصل کرتے تھے۔(۱) فلسطینی مشن کا سربراہ اکثر مشرق وسطیٰ کے دورے پر جاتا اور اپنی خفیہ اطلاعات قادیان کو ارسال کرتا۔

فلسطینی مرکز نے صیہونیت کے سیاسی مقاصد کی تکمیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ عجیب مضحکہ خیز بات ہے کہ یہودی احمدیت قبول کرلیں جو کہ انگریز کا لگایا ہوا پودا تھا۔ یہودیوں نے حقیقی مسیح علیہ السلام کو معاف نہیں کیا تھا وہ قادیان کے ایک جھوٹے مسیحا کو کیسے قبول کر لیتے؟ جو آدمی یہودی ذہن کو سمجھتا ہے وہ بڑی آسانی سے جان لے گا کہ یہودی صیہونی ریاست کے بنیادی نظریے کے خلاف سرگرم عمل کسی بھی مشن کو فلسطین میں قائم کرنے کی کبھی بھی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ انہوں نے ارض موعود میں یہود مخالف مذہبی تنظیموں کو پھلنے پھولنے کی اجازت نہیں دی۔ قادیانی اور بہائی مراکز اس سے مستثنیٰ تھے۔ قادیانی مرکز فلسطینی مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کے خلاف بہت خطرناک ثابت ہوا۔ اس کا مقصد ان کی تحاریک آزادی کو تباہ کرنا اور مسلمانوں کے درمیاں رجعت پسند پریشر گروپ کو مستحکم کرنا تھا۔ جس کے لیئے مقامی مبلغوں کو احمدی بنانے کی ضرورت تھی۔ اس مشن نے سامراجی تائید میں قائم ان سیاسی تحریکوں کو جو عرب ممالک میں چل رہی تھیں مزید مستحکم کیا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں جاسوسوں کی کھیپ روانہ کرنے کے لیئے مرکزی کردار ادا کیا۔ فلسطین مشن کو سامراجی سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیئے یہودی تنظیموں سے امداد ملتی تھی۔ یہودیوں کو احمدیت کے لبادے میں ایک مسخ شدہ اسلام یعنی جدید یہودیت کے پرچار پر بظاہر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔

۱۔ الفرقان۔ ربوہ فروری 1956ء ص 18۔

شمس نے آہستہ آہستہ اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ عرب مزاحمتی تحریکوں کو سبوتاژ کرنے کے لیئے اس نے جہاد مخالف لٹریچر تقسیم کیا اور ''الجہاد الاسلامی'' کے عنوان سے ایک رسالہ تالیف کیا جس میں یہ ثابت کیا کہ مسیح موعود یعنی مرزا غلام احمد کی آمد کے بعد جہاد ہمیشہ کیلئے منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ فلسطینی تحریک آزادی کی قوت محرکہ کو پامال کرنے کے مترادف تھا اور مرزا غلام احمد کے کتابچے ''انگریزی حکومت اور جہاد'' کا چربہ تھا۔ ان دنوں فلسطین شدید ہنگاموں کی لپیٹ میں تھا۔ یہودی تنظیموں نے ایسے لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تقسیم میں خصوصی دلچسپی ظاہر کی۔ یروشلم میں دیوار گریہ کے مقام پر مذہبی رسومات کی بجا آوری سے متعلق ایک جھگڑے کے بعد فلسطین میں بدامنی شروع ہوئی۔ جس نے بڑی تیزی سے ایک یہود مخالف تحریک کا رخ اختیار کر لیا۔ صیہونی دہشت گردوں کے خلاف تحریک جہاد منظم کرنے میں مفتی امین الحسینی نے عظیم کردار ادا کیا۔ قادیانیوں کی مذموم پروپیگنڈہ مہم کے جواب میں ''المجلس اسلامی اعلیٰ'' اور ''جمعیت الشبان المسلمین'' نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔(۱)

ایک دفعہ شمس پر عرب مجاہدین نے قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ نزدیکی یہودی آبادی میں بھاگ جانے میں کامیاب ہوگیا۔ فلسطین کے برطانوی انتدابی علاقے میں دوسری دہائی کے وسط کے لگ بھگ یہودیوں کے پروردہ قادیانی عناصر اور فلسطینیوں کے مابین مستقل چپقلش جاری رہی۔ اپریل ۱۹۳۱ء میں شمس نے صیہونی امداد کے ساتھ کبابیر میں ایک مسجد بنالی اور اپنی سرگرمیوں کے دائرہ کو خلیجی ریاستوں تک وسیع کر دیا۔

یروشلم کانگریس

۱۹۲۴ء میں دیوار گریہ (مسجد اقصیٰ کا وہ مقام جہاں معراج کی رات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے براق کو باندھا تھا) کے ہنگاموں کے بعد لیگ آف نیشنز نے معاملہ کے تصفیہ کے لیئے ایک کمیشن روانہ کیا۔ کمیشن نے رپورٹ دی کہ فلسطینی زمینوں

۱۔ دیکھئے تاریخ احمدیت جلد پنجم ص 580۔

پر حق ملکیت مسلمانوں کو حاصل ہے۔ یہودیوں نے مسلمانوں پر حملے جاری رکھے۔ مفتی اعظم فلسطین نے یہودی چالوں کے مقابلے اور مسلمانانِ عالم کی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے سات تا سولہ دسمبر ۱۹۳۱ء (۲۷ رجب) کو "ورلڈ مسلم کانگریس" کا اجلاس بلا لیا۔

کانگریس کا انعقاد "روضۃ المعارف" یروشلم میں ہوا۔ مسلمانانِ ہند کی نمائندگی علامہ اقبال، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا شوکت علی نے کی۔ مولانا غلام رسول مہر اور علامہ اقبال یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو گول میز کانفرنس لندن سے واپسی پر قاہرہ پہنچے۔ شبان المسلمون کے نمائندوں، جمعیۃ رابطہ الہندیہ (جس میں غالب اکثریت قادیانیوں کی تھی) ڈاکٹر عبدالحمید، سعید بے (ممبران پارلیمنٹ) علامہ رشید رضا، (مدیر المینار) ماسٹر امام دین سیالکوٹی، خورشید عالم، شیخ محمود حسین اور شیخ محمود احمد عرفانی (احمدی) نے ان کا استقبال کیا۔(1) عرفانی نے عربی زبان میں ایک اخبار کی ادارت سنبھال رکھی تھی جس کا نام "العالم الاسلامی" تھا اور جس میں سیاسی معاملات پر سامراجی نکتہ نظر کی ترجمانی کی جاتی تھی۔ اس اخبار نے عرب دنیا میں تصادم کی بنیاد رکھی اور بداعتقادی کے بیج بوئے۔ وہ رابطہ ہندیہ کا ایک سرگرم رکن تھا۔

دو دسمبر کو شمس قاہرہ پہنچا۔ وہ مسلمان رہنماؤں سے ملا اور ان کے ساتھ فلسطینی معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔ اگلے روز مسلمان مندوبین دمشق کیلئے روانہ ہوئے اور پچیس دسمبر کو کانگریس میں شرکت کے لیئے یروشلم پہنچ گئے۔ حضرت مفتی امین الحسینی اور دوسرے ورلڈ مسلم کانگریس کے زعماء نے یروشلم ریلوے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا۔ احمدیوں اور یہودیوں نے بھی اپنا اثر ڈالنے کے لیئے کانگریس میں شرکت کا فیصلہ کرلیا۔ فلسطین کے برطانوی ہائی کمشنر وانچوپ نے مسلمان نمائندگان سے کانگریس میں داخلے کی اجازت چاہی مگر احمدیوں اور یہودیوں کو کانگریس کے اجلاسوں میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔ پہلے دن کے اجلاس کے علاوہ صحافیوں کو کانگریس میں داخلے کی اجازت مل گئی مگر کسی احمدی یا یہودی صحافی کے کانگریس کے اندر جانے پر پابندی تھی۔ ایک عیسائی رسالے نے

ا۔ محمد حمزہ فاروقی۔ سفرنامہ اقبال کراچی ص 137۔

ایک یہودی کو اپنے نمائندہ کے طور پر اندر بھجوانا چاہا مگر اس کو نہ جانے دیا گیا اور مدیر کو کہہ دیا گیا کہ وہ کسی عیسائی یا مسلمان کو اس کی جگہ بھجوائے۔(۱)

تاریخ احمدیت کا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا محمود کو بھی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر انہوں نے اپنی نمائندگی کے لیئے شمس کو بھجوا دیا۔(۲) یہ ایک مکمل طور پر بے بنیاد اور مضحکہ خیز دعویٰ ہے کیونکہ مسلمان مندوبین نے احمدیوں اور یہودیوں پر گہری نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ لہٰذا شمس کو کانفرنس میں داخلہ کی اجازت نہ ملی۔ مولف تاریخ احمدیت تسلیم کرتا ہے کہ

> ''اگرچہ شمس کو اجازت نہ دی گئی لیکن اس سے احمدیہ جماعت کی بین الاقوامی حیثیت مسلم ہوگئی''۔(۳)

''ورلڈ مسلم کانگریس'' کامیاب رہی۔ عالم اسلام کی مشہور مذہبی و سیاسی شخصیات نے اس میں شرکت کی۔ عبدالعزیز (تیونس) موسیٰ جار اللہ (چین) رضا توفیق (ترکی) سعید الجزائری (الجزائر) رشید رضا (مصر) ضیاء الدین طبا طبائی (سابق وزیر اعظم ایران) شیخ سعید شامل (حضرت امام شامل رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے) اور بلقان' یوگوسلاویہ' افریقہ' جاوا' سری لنکا کے نمائندگان نے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی۔ جو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا۔ ایک سو تینتیس مندوبین کے علاوہ یروشلم اور فلسطین کے دیگر حصوں سے ایک کثیر تعداد میں حریت پسندوں نے شرکت کی۔(۴)

قادیانی آلہ کاروں نے یہودیوں کی اعانت سے حضرت مفتی اعظم کے خلاف ایک شرم ناک مہم شروع کر رکھی تھی کہ مفتی صاحب تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں اور اس طرح ان کے اثر میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ مفتی صاحب کے خلاف مہم میں نشاشابی خاندان کے مخالفین بھی شامل تھے۔ جو اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے

۱۔ دی مسلم ورلڈ۔ اکتوبر۔ دسمبر 1931ء۔
۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 601۔
۳۔ ایضاً۔
۴۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور۔ نومبر 1974ء۔

تھے۔(۱) مخالفین نے بیرونی دنیا کو کانگریس کے اصل مقاصد کی جگہ بڑی گھمبیر تصویر بنا کر پیش کی۔ یہ افواہیں بھی پھیلائی گئیں کہ حضرت مفتی اعظم چند دنوں بعد اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ اس متحدہ مسلم فرنٹ کے قیام سے صیہونی خاصے پریشان ہوئے جبکہ مسلمانان عالم کو اپنے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں سے آگاہی حاصل ہوئی۔ حضرت مفتی اعظم تمام مندوبین کو یہ قائل کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ صیہونی براق شریف (دیوارگریہ) کو یہودیت کے لیئے حاصل کر کے اسے پوری مسجد اقصیٰ تک لے جانے کی نیت رکھتے ہیں۔ کانفرنس کی قراردادوں میں ''تنظیم نوجوانان مسلمانان کے قیام' یروشلم میں مسلم یونیورسٹی اور فلسطین میں عرب کسانوں کی امداد'' شامل تھیں۔

نیا مبلغ

دسمبر کے آخری ہفتے میں ایک نیا مبلغ ہندوستان سے فلسطین روانہ ہوا۔ نئے مبلغ اللہ دتہ جالندھری کے فلسطین پہنچنے کے بعد جلال الدین شمس کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں اور لوگوں کے علاوہ چند عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی شرکت کی۔ انہوں نے شمس کی تعریف کی اور اسے شاندار خراج تحسین پیش کیا۔(۲)

ناگوار حکمت عملی

ستمبر ۱۹۳۱ء سے لے کر جنوری ۱۹۳۶ء تک اللہ دتہ فلسطین میں احمدی مبلغ کے طور پر کام کرتا رہا۔ اس نے اپنے صیہونی آقاؤں کی پالیسیوں کو کامیاب بنایا اور قادیان کے ان سیاسی نظریات کی خوب ترویج کی جن کا منبع جہاد کی تنسیخ اور برطانوی سامراج سے تعاون تھا۔ اس نے فلسطینی قوم پرستوں کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لیئے ایک نیم عسکری

ا۔ ابو مذرہ۔ ص 168۔

۲۔ الفرقان، ربوہ شمس نمبر۔ جنوری 1966ء۔

تنظیم قائم کی۔ جس میں مصر، شام اور فلسطین کے بدنام زمانہ دہشت گرد شامل تھے۔ علی الطفراق، احمد مصری، سلیم ربانی، عبدالرحمٰن برجاوی، صالح عودی، خضر آفندی اور درجنوں دوسرے بدنام دہشت گرد عرب ممالک میں سرگرم عمل تھے۔ ایک یہودی تنظیم کے ایماء پر انہوں نے قادیانیت کے ساتھ مل کر فلسطینی عربوں کی تنظیموں کی سرگرمیوں کو بری طرح متاثر کیا۔(۱)

۱۹۳۴ء میں اللہ دتہ مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے قاہرہ خفیہ محکمہ کے بدنام آلہ کار سعید بخت ولی سے ملاقاتیں کی۔ اس نے مصری علماء کی عیسائی مبلغین کے خلاف چلائی گئی تحریک کو سبوتاژ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس نے فلسطینی مشن کے لیے خدمات سرانجام دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ واپسی پر اللہ دتہ نے برطانوی حکومت سے استدعا کی کہ بخت ولی کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دی جائے۔ پہلے پہل حکومت متردد تھی مگر بعد میں رضا مندی ظاہر کر دی۔ بخت ولی ایک احمدی سکول میں استاد کے لبادے میں فلسطین میں قیام پذیر ہو گیا۔ اللہ دتہ کہتا ہے۔

> ”فلسطین حکومت کے ساتھ آٹھ ماہ کی طویل خط و کتابت کے بعد ہمارے دوست سعید بخت ولی کو فلسطین آمد کی اجازت ملی۔ وہ الازہر میں بھی زیر تعلیم رہا تھا۔ یکم اپریل ۱۹۳۴ء کو اسے احمدیہ سکول میں معلم مقرر کیا گیا“۔(۲)

اسی سال فرانسیسی حکومت نے شام سے قادیانی مبلغ کو نامعلوم وجوہات کی بناء پر نکال دیا۔ تاریخ احمدیت رقم طراز ہے۔

> ”اس سال (۱۹۳۴ء) میں شام میں (قادیانی) مبلغ منیر الحسنی کو فرانسیسی حکومت نے نکال دیا اور وہ حیفہ (فلسطین) پہنچ گیا“۔(۳)

فلسطین میں اپنے قیام کے دوران اللہ دتہ نے کبابیر میں احمدیہ مسجد مکمل کی اور وہاں ایک دارالکتب اور ایک مطبع قائم کیا۔ اپنے طباعتی مرکز کے کردار کے بارے

۱۔ ابو درشہ۔ ص 119۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 24 مئی 1934ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 502۔

میں وہ لکھتا ہے۔

> "اگرچہ ہم اقلیت میں ہیں مگر ہمارے مخالفین ہم سے خوفزدہ ہیں۔ عراق، شامی اور مصری پریس ہماری مخالفت اور ہمارے خلاف نفرت پیدا کرنے کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھتا ہے۔ احمدیت کے تعارف اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کے سدباب کیلئے پریس ہماری اولین ضرورت ہے"۔

فلسطین کے مذہبی و سیاسی حالات پر روشنی ڈالنے کے لیئے اور احمدی موقف کے اظہار کے لیئے ایک عربی رسالہ "البشریٰ" جاری کیا گیا۔ مرزا محمود نے اللہ دتہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

> "مولوی اللہ دتہ صاحب شام اور مصر میں اچھا کام کر رہے ہیں۔ وہاں احمدیت کے شدید مخالفت ہو رہی ہے۔ بعض احمدیوں کو پیٹا بھی گیا ہے۔ حکومت بھی مخالف ہے۔ حیفہ میں ایک بہت بڑی جماعت قائم ہے جس کی بہت سے افراد مولوی جلال الدین شمس کے وقت سے ہیں۔ مگر اللہ دتہ صاحب کام کو خوب پھیلا رہے ہیں"۔(۱)

گول میز کانفرنسوں کے حوالے سے سر ظفر اللہ خان مئی ۱۹۳۳ء میں لندن میں مقیم تھے۔ وہ مرزا محمود کو کانفرنس کی کارروائی، مسلمانوں کے سیاسی مسائل اور برطانوی ردعمل سے آگاہ کرنے کے لیئے متواتر خط لکھتے رہتے تھے۔ چھبیس مئی ۱۹۳۳ء کو لکھے گئے خط میں وہ کہتے ہیں۔

> "میں فلسطینی معاملات پر تبادلہ خیال کیلئے سیکرٹری نوآبادیات سے ملا ہوں۔ سر فضل حسین نے مجھے کہا ہے کہ میں برطانوی حکومت کو مطلع کروں کہ وہ عربوں کے سلسلہ میں ایک ہمدردانہ حکمت عملی اپنائیں کیونکہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ فلسطین کے معاملات کی تازہ ترین صورتحال سے حکومت ہندوستان کو بھی مطلع کیا جانا چاہیئے۔ میں نے اس معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر ان سے تبادلہ خیال کیا ہے اور ان کے علاوہ مجھے فلسطینی ہائی کمشنر سے بھی تبادلہ خیال کا موقع ملا ہے جو ان دنوں لندن میں

---

(۱) ابو مدثرہ۔ ص 121)

ہیں"۔(۱)

اپنے خط میں ظفر اللہ نے لندن سے واپسی پر قسطنطنیہ اور فلسطین جانے کے لیئے مرزا محمود سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے اپنے مجوزہ دورے میں بعض معاملات میں ان کی ہدایات بھی طلب کیں کیونکہ فلسطین میں ہائی کمشنر نے انہیں ان ضروری اطلاعات کی فراہمی کا خصوصی وعدہ کیا تھا جس سے انہیں حکومت کی حکمت عملی اور اس کے نفاذ کے طریقہ کار کے متعلق جاننے کی اہلیت ہو سکتی تھی۔(۲) سر ظفر اللہ نے اپنی آپ بیتی میں یہ افشاء کیا ہے کہ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے لندن میں سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سر سیموئیل ہور سے ملاقات کی اور اسے چند تجاویز بھی پیش کیں۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے یہ تجاویز سر لپا۔ ہے کے ۔ لسٹر سیکرٹری نوآبادیات کو پہنچا دیں۔ برطانوی ہائی کمشنر برائے فلسطین سر وانچوپ بھی ان دنوں لندن میں تھا۔ اس نے عربوں کی طرف سے یہودیوں کو زمینوں کی فروخت کے اطلاق کے بارے میں مطلع کیا۔ اگرچہ سر سیموئیل کی سفارش پر فلپ لسٹر ظفر اللہ کو ملنے کے لیئے راضی ہو گیا مگر اس نے عربوں کے لیئے برائے نام ہمدردی کا اظہار کیا۔(۳)

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۵ء کے درمیان فلسطین میں یہودی آباد کاروں کا سیلاب امڈ آیا۔ سب سے پہلے فلسطین میں یہودی آباد کاری مالی اور معاشی لالچ کی بناء پر شروع ہوئی حالانکہ بقیہ تمام دنیا اس وقت معاشی کساد بازاری کا شکار تھی۔ احمدیہ تبلیغ کے نام پر فلسطین کے قادیانی آلہ کاروں نے مسلح دستے تیار کر لیئے اور فلسطین کے تمام حصوں میں وسیع پیمانے پر جہاد مخالف اور برطانوی حمایت پر مبنی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ قادیان کو اللہ دتہ کی ارسال کردہ ایک اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلسطینی یہودی ہنگاموں کے دوران قادیانی عناصر پوری طرح سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے فلسطین میں برطانوی حکمت عملی کی حمایت کی جس کا مقصد عربوں کو دبانا تھا۔ اللہ دتہ نے اپنی ایک رپورٹ میں تسلیم کیا ہے

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 258-59۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 5 ص 259۔

۳۔ ظفر اللہ خاں۔ تحدیث نعمت۔ لاہور ص 486۔

کہ "یوم تبلیغ" پر اس نے دس وفدوں پر مشتمل پینتیس مبلغین کو موٹر سائیکلوں پر فلسطین کے دور دراز کے علاقوں میں خصوصی طور پر تیار کیئے گے لٹریچر کی تقسیم کے لیئے بھیجا۔ (۱)

۱۹۳۵ء کی آخری سہ ماہی میں فلسطین میں عرب سیاسی جماعتیں اس قابل ہو چکی تھیں کہ وہ صیہونیت کے خلاف کامیاب تحریک چلاسکیں۔ مرزا محمود نے لندن میں دفتر نوآبادیات سے رابطہ کیا اور لندن میں مقیم ایک قادیانی مبلغ مولوی یار محمد کو حیفہ روانہ کیا کہ وہ فلسطینی معاملات پر ایک مفصل رپورٹ تیار کرے۔ مولوی یار محمد نے فلسطین پہنچ کر اپنی رپورٹ کی تیاری کے لیئے صیہونی تنظیم کے اراکین اور فلسطین میں برطانوی ہائی کمشنر وانچوپ سے ملاقاتیں کیں۔

۱۹۳۶ء میں قادیان سے ایک نیا قادیانی مبلغ فلسطین بھجوایا گیا۔ فلسطین میں اپنے پانچ سالہ قیام کے دوران اللہ دتہ نے فلسطینی مجاہدین حریت کے خلاف مزاحمت کو منظم کیا۔ وسیع پیمانے پر اسلام مخالف لٹریچر تقسیم کیا گیا اور سیاسی سطح پر برطانوی، صیہونی طبقوں کو زیادہ سے زیادہ مدد فراہم کی گئی۔ مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے تمام طبقے قادیانی رسالے "البشریٰ" کے مضامین کو ناپسند کرتے تھے۔ الازہر یونیورسٹی کے سربراہ نے وزیر داخلہ سے مصر میں قادیانی لٹریچر کی تقسیم کے خلاف پرزور احتجاج کیا اور اس پر مکمل پابندی کا مطالبہ کیا۔ (۲) فلسطینی مشن نے قادیانیوں ھکے خزانے میں بھاری رقومات چندے کے طور پر جمع کرائیں۔ اس وقت (۱۹۳۶ء) فلسطین میں قیام پذیر قادیانیوں کی کل تعداد پانچ سو بتائی گئی مگر ان کے چندوں کی مالیت ہزاروں پونڈ تک جا پہنچی۔ اللہ دتہ کا اپنا اقرار نیچے بیان کیا جاتا ہے۔

> "فلسطین کی جماعت نہایت مخلص جماعت ہے۔ وہ ہزارہا روپے سالانہ چندہ دے رہے ہیں"۔ (۳)

یہ بات ہر خاص وعام کی سمجھ میں باآسانی آجاتی ہے کہ صیہونیوں نے اپنے

۱۔ الفضل قادیان۔ 13 ستمبر 1935ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 26 فروری 1936ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 29 فروری 1944ء۔

قادیانی آلہ کاروں کے استعمال کے لیئے بھاری رقومات رکھ دی تھیں تاکہ انہیں فلسطین کے اندر اور باہر اپنی تخریب کارانہ سرگرمیاں جاری رکھنے میں مدد مل سکے کیونکہ عرب ممالک میں حریت پسندوں کی طرف سے قادیانی آلہ کاروں کو حملے اور تشدد کے لاتعداد واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

۱۹۳۳ء میں عراق میں فیصل کی وفات کے بعد غازی برسر اقتدار آیا۔ مخالف سیاسی دھڑوں نے قبائلی عصبیت کو فروغ دیا۔ جس کے نتیجے میں تواتر کے ساتھ کابینہ بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ ۱۹۳۶ء میں جنرل بکر صدقی نے اقتدار حاصل کر لیا۔ عراقی ہائی کمشنر سر فرانسس ہمفرے کے ایماء پر قادیانی آلہ کار عراق میں سرگرم عمل تھے۔ ہندوستان میں خفیہ محکمہ کا سابق مہتمم حاجی عبداللہ، معراج دین اور شیخ احمد فرقانی عراق میں برطانیہ کے تیل کے مفادات کی نگرانی کر رہے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں عراقی مجاہدین آزادی نے شیخ احمد فرقانی کو قتل کر دیا۔ اسے عراقی مسلمانوں کی جانب سے دس سالہ مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ ۱۹۲۴ء میں مرزا محمود کے سفر لندن کے دوران بغداد میں ان کے ساتھ قیام پذیر رہا تھا۔ (۱)

فروری ۱۹۳۶ء میں اللہ دتہ قادیان روانہ ہوا۔ مرزا محمود نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ فلسطین میں اس کی خدمات کو سراہا گیا۔ فلسطینی مرکز کا نیا سربراہ محمد سلیم بنا۔ جس نے فلسطین میں آنے کے بعد یہودی تنظیم کے صیہونی ارکان کے ساتھ متواتر روابط رکھے تاکہ مستقبل کے لیئے لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔ ۱۹۳۶ء میں فلسطین میں آمد کے دو ماہ بعد حضرت سید امین الحسینی کی قیادت میں عرب سیاسی جماعتوں نے ''ہائیر عرب کمیٹی'' تشکیل دی۔ فلسطین میں یہودیوں کی تعداد کے بڑھتے ہوئے خطرے اور اس خوفناک خبر کے ردعمل میں کہ یہودی فلسطین میں خفیہ طور پر اسلحہ اکٹھا کر رہے تھے، اس مجلس اعلیٰ نے ہڑتال کی اپیل کی جو شامی اور عراقی رضا کاروں کی مدد سے ایک عوامی تحریک میں بدل گئی۔ (۲) ایک پیشہ ور خفیہ آلہ کار کیپٹن اوروون گیٹ جو مہدی سوڈانی

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد ہشتم ص 156۔

۲۔ سویز مینسفیلڈ۔ ص 250۔

کے جانشین کے قتل کا ذمہ دار بھی تھا اور قاہرہ کے فوجی خفیہ محکمہ کے ساتھ بھی منسلک رہ چکا تھا، اس نے یہودیوں کی نیم عسکری دہشت پسند تنظیموں کی قیادت کی، ان کو منظم کیا اور انہیں پیشہ ور تعزیری دستوں میں تبدیل کر دیا۔(۱) ان یہودی دستوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ عربوں کو زبردستی ان کی آبائی سرزمین سے بے دخل کر دیں۔ بن گوریان کے مشیر، اسرائیل بیر نے ان صیہونی تادیبی دستوں کی کارروائیوں کے سلسلے میں لکھا ہے کہ جنہیں ونگیٹ نے تربیت دی تھی (بیر ۳۸۔ ۱۹۳۶ء کی عرب یورش کے خاتمہ کی بات کرتا ہے)

> ''دوسری فوجوں کی نسبت ان خصوصی تادیبی دستوں نے زیادہ کام یہ کیا کہ وہ رات کو شب خون مارتے، عربوں کو دبانے کے علاوہ انہوں نے انگریزی انتظامیہ کو بھی مفلوج کر دیا۔ جیسا کہ فلسطین کے شاہی کمیشن نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ونگیٹ کے خصوصی دستے صرف گوریلا جنگ کو دبانے کے لیئے قائم نہ کیئے گئے تھے بلکہ خصوصی طور پر زیادہ قابل قدر مقصد کے تحفظ یعنی عراقی تیل کے پائپ لائن کا تحفظ ان کے پیش نظر تھا جو حیفہ تک پھیلی ہوئی تھی''۔(۲)

چونکہ قادیانی ان تخریبی کارروائیوں میں پوری طرح ملوث تھے۔ چنانچہ انہیں سرکاری طور پر اجازت حاصل تھی کہ وہ اپنے پاس بندوقیں رکھ سکتے تھے۔ قادیانی گماشتوں کی عرب مجاہدین آزادی کے ساتھ کئی باقاعدہ جھڑپیں ہوئیں ۔ قادیان کو ارسال کردہ ایک رپورٹ میں مولوی سلیم لکھتا ہے۔

> ''جماعت احمد کبابیر کے ایک نہایت ہی مخلص احمدی سید محمد صالح کے مکان پر چھ ماہ کے اندر اندر بعض بدقماش فتنہ پرداز (مفتی اعظم کے حریت پسندوں کے لیئے یہ الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔ مولف) رات کے وقت دو دفعہ مسلح حملہ کر چکے تھے اور گو ہر دو دفعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام و نامراد کیا تاہم ہمارے لیئے بہت ضروری ہوگیا تھا کہ یہ

۱۔ پارکس۔ تاریخ فلسطین لندن 1949ء ص 323۔

۲۔ یوری ایوانوف۔ محتاط صیہونیت۔ ص 78۔

حد امکان اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔ چنانچہ ہم نے ڈپٹی کمشنر ناردرن ڈسٹرکٹ حیفہ کی خدمت میں ایک مفصل چٹھی لکھی اور اسلحہ رکھنے کی اجازت چاہی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے متعلقہ پولیس کو ہدایت کر دی ہے کہ ہفتہ میں کم از کم دو دفعہ کبابیر کو اپنی گشت میں شامل کرے۔ حادثہ کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہیں۔ یہ جواب غیر تسلی بخش تھا اس پر دوسرا حادثہ مستزاد ہمیں زیادہ تگ و دو سے کام لینا پڑا۔ اسسٹنٹ کمشنر حیفہ سے ملاقات کر کے حالات بیان کیئے گئے اور احمدیت کی مختصر تاریخ سے انہیں آگاہ کیا گیا۔ وہ مذہباً مسلمان تھے اس لیئے توجہ سے ہمارا پیغام سنتے رہے۔ بالآخر آپ نے ہمیں اسلحہ رکھنے کی اجازت دے دی۔

قائم مقام اسسٹنٹ کمشنر دائرہ المہاجر حیفہ مذہبی یہودی ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے احمدیہ نقطہ نظر سے فلسطین کی موجودہ سیاسی شورش پر تبصرہ کیا گیا کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو امن و سلامتی کا حقیقی علمبردار ہے اور جس نے ہر حالت میں ہر قسم کے جانی دشمنوں کے حق میں بھی عدل و انصاف اور گنجائش رحم سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں انہوں نے وعدہ کیا کہ سلسلہ کا لٹریچر انہیں دیا گیا تو ضرور مطالعہ کریں گے۔

اللہ دتہ نے مختلف دیہات میں دورے کیئے اور تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا۔ بجیرہ، حیفہ، مغیہ، عکہ اور کھلی فضا میں عربوں کے خیموں میں پہنچ کر احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ انصاراللہ میں سے سید محمد صالح۔ سید عبدالقادر صالح۔ سید محمود صالح۔ سید عبدالمالک۔ شیخ حسین علی۔ شیخ عبدالرحمٰن برجاوی کی مساعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب دوستوں نے کم از کم دو سو پچاس ٹریکٹ و اشتہارات تقسیم کیئے۔ ان دوروں کے نتیجے میں مختلف دیہات سے بعض لوگ بغرض تحقیق مرکز میں آئے اور اچھی طرح تبلیغ کی گئی اور لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا"۔(1)

فلسطین میں یہودی مسئلے کے حل کے لیئے بہت سے کمیشن مقرر ہوئے۔

1۔ الفضل قادیان۔ 22 جولائی 1937ء۔

۱۹۳۶ء کے وسط میں برطانیہ نے فلسطین میں اپنی فوجوں کی تعداد دس ہزار سے تیس ہزار کر دی۔ بدامنی اس حد تک پھیل گئی کہ نئے رائل کمیشن کو ڈبلیو' آر۔ پیل کی سربراہی میں فلسطین آنا پڑا۔ کمیشن نے فلسطین کی تقسیم' یہودی ریاست کے قیام' یروشلم اور بیت اللحم کے قریبی علاقے کی غیر جانبدار حیثیت اور بقیہ علاقوں کی اردن میں تشکیل کی سفارش کر دی۔ اس خیال کو عرب اور یہودیوں دونوں نے مسترد کر دیا اور اگلے سال ووڈ ہیڈ کمیشن نے ان سفارشات کو ناقابل عمل قرار دے دیا۔(۱) عرب اور ہندوستانی پریس نے رائل کمیشن کے منصوبے کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ پنجاب اور صوبہ جات متحدہ کی اسمبلیوں میں تحاریک التواء پیش کی گئیں۔ جن کی حکومت نے مخالفت کی۔ ستائیس جولائی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے تقسیم فلسطین کی مذمت میں بیان جاری کر دیا جو پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا۔

۱۹۳۲ء میں جب حضرت مفتی امین الحسینیؒ نے برصغیر کا دورہ کیا تھا اور مسلمان رہنماؤں کو فلسطینی مسلمانوں کی حالت زار سے آگاہ کیا۔ ہندوستان کی مسلمان تنظیمیں خصوصاً مسلم لیگ' فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام پر مبنی برطانوی حکمت عملی کی مذمت کرتی آئی تھی۔ اپریل ۱۹۳۴ء میں منعقدہ مسلم لیگ کونسل پہلے ہی اپنے اجلاس میں جو کہ قائداعظم کی زیر صدارت ہوا' یہ تجویز منظور کر چکی تھی کہ ایک مضبوط اور موثر وفد وائسرائے سے ملے اور اس کے سامنے درست حقائق رکھے کہ کس طرح اعلان بالفور نے دنیا کے یہود کو فلسطین میں زمینیں خریدنے اور وہاں آباد ہونے میں مدد دی ہے جس سے وہاں کے اصل عرب باشندوں' مسلمانوں اور عیسائیوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے تاکہ ارض مقدس حاصل کی جا سکے۔(۲) ۱۹۳۷ء میں لکھنو میں ہونے والے اجلاس میں قائداعظم نے اپنے صدارتی خطاب میں رائل کمیشن کی سفارشات پر تنقید کی۔(۳) قائداعظم کی ہدایات پر چھبیس اگست ۱۹۳۸ء کو ''یوم فلسطین'' منایا گیا اور

۱۔ پیٹر مینسفیلڈ ص 250۔

۲۔ سید شریف الدین پیرزادہ۔ پاکستان کی بنیادیں۔ ص 332۔

۳۔ ایضاً۔

برطانوی سامراجیوں کی طرف سے فلسطین میں غیر منصفانہ، ظالمانہ اور غیر انسانی حکمت عملی پر عمل پیرا ہونے کے خلاف اجلاس منعقد کیئے گئے۔ اپنے عرب بھائیوں کی باوقار اور منصفانہ جدوجہد کی مکمل کامیابی کیلئے خصوصی دعائیں مانگی گئیں۔

الفضل قادیان نے مسئلہ فلسطین پر اپنے موقف کا اظہار کیا۔ رائل کمیشن کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے اس نے یہ سوال اٹھایا کہ

> ''کیا فلسطین کی تقسیم برطانیہ کی منصفانہ حکمت عملی کے عین مطابق ہوگی اور فلسطینیوں کو مطمئن کرے گی اسکا فیصلہ صرف مستقبل کرے گا''۔ (۱)

قادیانی اخبارات نے فلسطینی کانفرنس کے انعقاد اور ہندوستان میں ''یوم فلسطین'' منائے جانے پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے فلسطین کے لیئے چندے جمع کرنے قراردادیں منظور کرنے، فلسطین میں جاری برطانوی حکمت عملی کی مذمت اور ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کیلئے بیرون ملک وفدوں کے روانہ کرنے جیسے معاملات کوایک بیکار اور بے سود سلسلہ قرار دیا گیا جس کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی غیر ثمرآور معاملوں میں توانائیوں کا ضیاع اور اپنے ذاتی اغراض کے لیئے دولت کا حصول تھا۔ (۲)

شام میں عرب کانگریس

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے ۱۹۳۷ء کی آخری سہ ماہی میں فلسطین میں عظیم یورش ہوئی۔ عرب ہائیر کمیٹی نے فلسطین میں یہودی آبادکاری کے دباؤ کو بڑھانے کی برطانوی حکمت عملی کے خلاف احتجاج جاری رکھا۔ عربوں نے شدید یہود مخالف مظاہرے کیئے۔ عربوں کے خطرے سے نپٹنے کے لیئے قادیانیوں نے فلسطین میں موجود اپنے آلہ کاروں کو مزید سرگرم کر دیا۔ ۱۹۳۷ء میں محمد صادق مجاہد تحریک جدید کے

۱۔ الفضل قادیان۔ گیارہ جولائی 1937ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 30 ستمبر 1937ء۔

منصوبے کے تحت مولوی سلیم کو اسکے کام میں مدد بہم پہنچانے، فلسطین پہنچا۔(۱) اس سے پہلے وہ سیاسی نوعیت کے دوروں پر مصر اور شام جا چکا تھا۔

آٹھ ستمبر کو بلودان (شام) میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں فلسطین سمیت دنیائے عرب کے چار سو مندوبین نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی صدارت سابق عراقی صدر توفیق السعودی نے کی۔ کانگریس میں متفقہ طور پر قراردادیں منظور کی گئیں اور اعلیٰ عرب مجالس کو اس نے عرب اتحاد کی راہیں سجھائیں۔ اس کے بڑے مطالبات میں اعلان بالفور کی واپسی، برطانوی انتداب کی مذمت اور فلسطین کے عرب سرزمین کا ایک اٹوٹ انگ ہونے کا اعلان شامل تھے۔

مولوی سلیم اور اس کے قادیانی رفقاء کار نے بڑے محتاط انداز سے کانگریس کی کارروائی کو دیکھا۔ شام میں قادیانی مبلغ منیر الحسینی نے عرب مندوبین کے ساتھ رابطہ کرکے یہودیوں کے لیئے حمایت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسے فرانسیسی ہائی کمشنر دامیئن دے مارتل کی پشت پناہی حاصل تھی کیونکہ فرانس اپنے انتدابی علاقوں میں ایسی کانگریسوں کے انعقاد کا مخالف تھا۔(۲)

یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو عرب ہائیر کمیشن کے اراکین کو فلسطین میں گرفتار کرلیا گیا۔ پریس پر سنگین سنسر شپ لاگو کر دی گئی۔ عرب رہنماؤں میں سے زیادہ تر یا تو گرفتار کر لیئے گئے یا سیشلی کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے۔ حضرت مفتی اعظم بچ کر لبنان پہنچ گئے جہاں انہوں نے اپنی جلاوطنی کے دوران عرب گوریلوں کو ہدایات دینی جاری رکھیں۔ اس دوران فلسطین کا ہائی کمشنر سر وانچوپ مستعفی ہوگیا اور اس کی جگہ ہیرالڈ میکائل فلسطین کا ہائی کمشنر بنا۔

مرزا برادران مصر میں

۱۹۳۶ء میں عرب رہنماؤں نے فلسطین میں اپنی جدوجہد دوبارہ شروع کی۔

۱۔ الفضل قادیان۔ 14 ستمبر 1937ء۔

۲۔ ابو مدثرہ۔ ص 134۔

انگریزوں اور صیہونی دہشت گردوں نے حریت پسندوں کو دبایا۔ صیہونی تنظیم ہگانہ اس سلسلے میں پیش پیش تھی۔ ہگانہ کے ایک تشدد پسند دستے نے ارغون (قومی فوجی تنظیم) بنالی جو جلد ہی ایک مسلح دہشت گرد قوت بن گئی۔ ۱۹۳۶ء میں مصر میں کچھ نئی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وفد پارٹی نے برطانیہ کے سلسلے میں اپنا رویہ نرم کرلیا۔ اسے یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ برطانیہ اور شاہی محل دونوں کی مخالفت کر کے زیادہ دیر اقتدار میں نہیں رہ سکتی۔ دوسری طرف برطانیہ نے ان سیاست دانوں سے سودے بازی کا فائدہ اٹھایا جن کی عوامی مقبولیت کافی تھی۔ اس نے افریقہ پر مسولینی کے تسلط کا ہوا کھڑا کر کے مصر کے ساتھ ایک دفاعی معاہدے اینگلو' مصری معاہدہ پر دستخط کروا لیئے۔ (۱) جون ۱۹۳۸ء میں مرزا محمود نے اپنے بیٹے مرزا مبارک احمد کو بظاہر عربی زبان سیکھنے اور مصری کپاس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیئے مصر بھیجا۔ مصر روانگی سے قبل مرزا محمود نے اسے مصر' فلسطین اور شام میں مقیم احمدیوں سے ملنے کی تلقین کی کیونکہ ان علاقوں میں احمدیت اتنی زیادہ مضبوط نہ تھی۔ انہوں نے اسے نئے اراکین کی شمولیت کے ساتھ ان تنظیموں کی مضبوطی کے لیئے کام کرنے کی ہدایت کی۔ مرزا (۲) ناصر احمد جو بعد میں جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ بنے' انہوں نے اس زمانہ میں آکسفورڈ سے اپنی تعلیم مکمل کی تھی۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ مصر میں مرزا مبارک احمد کے ساتھ جا ملیں۔ ناصر احمد کو لندن ایئر پورٹ پر سر ظفر اللہ خان نے الوداع کیا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء میں مرزا محمود نے چوہدری محمد شریف کو فلسطین میں نیا مبلغ بنا کر بھیجا۔ اگرچہ عدن اور فلسطین میں غیر ملکیوں کے داخلے پر حکومت پہلے ہی بہت سخت پابندیاں لگا چکی تھی لیکن شریف کو پھر بھی اجازت مل گئی۔ مرزا محمود نے اسے عرب اقوام کے کردار کے مطالعہ کی ہدایت کی۔ (۳) قادیانی برادران مصر میں فلسطینی مسئلہ پر ہونے والی کانفرنس میں دلچسپی رکھے ہوئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں مجوزہ فلسطینی مسئلہ کے

۱۔ دیٹر مینیفیلڈ۔ ص 246۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 8 ص 484۔

۳۔ تحریک جدید ربوہ۔ جنوری 1974ء۔

سلسلہ میں ہونے والی کانفرنس میں مصر کے محمد علی آلوبہ پاشا نے ہندوستان سے مسلمان نمائندگان کو شرکت کی دعوت دی ۔ مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی نے کانفرنس میں چار مندوبین رحمان صدیقی، مولانا حسرت موہانی، مولانا عرفان اور چوہدری خلیق الزمان کو نامزد کیا۔ کانفرنس نے مختلف ملکوں کے عرب نمائندگان پر مشتمل ایک وفد لندن بھجوانے کا فیصلہ کیا تاکہ حکومت برطانیہ کو فلسطینی مسلمانوں کے موقف سے مطلع کیا جا سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کے لیئے رحمان صدیقی اور چوہدری خلیق الزمان کے نام تجویز ہوئے۔(۱)

مرزا برادران کے لیئے دوسرا دائرہ عمل مصر میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے پروان چڑھنے والی احمدیہ مخالف مہم کا مقابلہ کرنا تھا۔ مرزا ناصر احمد نے برطانوی مدد سے قاہرہ میں احمدیوں کی ہمدردلابی تشکیل دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ وہ احمدیہ عقائد کی وضاحت کے لیئے شیخ الازہر سے بھی ملے مگر انہیں قائل کرنے میں ناکام رہے۔ مصر میں اپنے تین ماہ کے قیام کے بعد دونوں بھائی ناکام و نامراد واپس ہندوستان آ گئے ۔ بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر وہ فلسطین نہ جا سکے تھے۔

اس بات کی کوئی شہادت میسر نہیں کہ مرزا برادران نے عربی زبان سیکھی یا کپاس کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں۔ عوام کی طرف سے احمدیہ مبلغین کو کبھی پذیرائی نہ مل سکی۔ بون یونیورسٹی جرمنی کے پروفیسر علامہ تقی الدین ہلالی نے الفتح قاہرہ میں یہ ثابت کرنے کے لیئے بڑے متاثر کن مضامین لکھے کہ احمدیت ایک ارتدادی تحریک ہے جسے عالم اسلام پر اپنے قبضہ کو دوام بخشنے کے لیئے دشمنان اسلام کی حمایت حاصل ہے۔ ۱۹۳۹ء میں قادیانی مخالف مہم کو ایک تازہ مہمیز اس وقت ملی جب قادیانیوں کے لاہوری گروہ کے دو البانوی نژاد طلباء کو الازہر میں داخلہ مل گیا۔ انہوں نے احمدی عقائد پر دو کتابچے لکھے اور شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی کے ساتھ نزاعی مسائل مثلاً حضرت عیسیٰ کی وفات وغیرہ کو چھیڑ دیا۔ یہ معاملہ مشہور کتاب قادیانی مذہب کے مولف اور

۱۔ چوہدری خلیق الزمان۔ شاہراہ پاکستان پر۔ کراچی ص 981۔

عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے پروفیسر علامہ الیاس برنی کے علم میں آ گیا۔ انہوں نے شیخ اور حلقہ اساتذہ کو احمدی لٹریچر کا وافر ذخیرہ بھجوا دیا۔⁽¹⁾ شیخ نے ایک مجلس قائم کر دی جس کی سفارشات کے نتیجے میں البانوی طلبہ کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ سید محب الدین خطیب مدیر الفتح نے قادیانیت کے سیاسی و مذہبی کردار کو آشکارا کرنے میں قابل قدر کام کیا۔⁽²⁾ لاہوری جماعت کے مصر میں مبلغ حامدی اسماعیل نے احمدیت سے توبہ کر لی۔ مصری پریس نے احمدیہ تحریک کی مخالفت میں قابل قدر مضامین لکھے اور عالم اسلام کو احمدیوں کے ارتدادی ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا۔

فلسطین میں چوہدری محمد شریف کو فلسطینی مجاہدین آزادی اور علماء کی طرف سے سامراجی مقاصد کے حصول میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ احمدیت میں ہے۔

> ''فلسطین میں چوہدری محمد شریف کا دور بدترین حالات میں گزرا' عرب یہودی دشمنی اپنی خطرناک حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کے قتل کا ایک منصوبہ بھی تیار کیا گیا جو ناکام ہو گیا''۔⁽³⁾

لندن کانفرنس

۱۹۳۹ء میں مسئلہ فلسطین کو طے کرنے کے لیئے لندن میں برطانیہ نے ایک گول میز کانفرنس بلا لی۔ اس میں مصر' عراق' سعودی عرب' اردن اور یمن کو مدعو کیا گیا۔ کانفرنس نے دنیائے عرب کے فلسطین میں مفادات کو تسلیم کر لیا مگر یہ ناکامی کا شکار ہو گئی۔ فلسطینی عربوں کے منصفانہ مطالبات اور صیہونیوں کے ''ارض اسرائیل'' کو یہودی وطن میں بدلنے کے اصرار کے باعث کوئی بھی قابل قبول تصفیہ ممکن نہ ہو سکا۔ حضرت

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 625 اور علامہ الیاس برنی۔ قادیانی مذہب جلد 7 لاہور ص 126۔

۲۔ 1957ء میں محکمہ تعلیم حکومت مصر نے ایک کتاب الفکر والخو الاشائع کی۔ یہ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور جماعت کی کتاب کا عربی ترجمہ تھا۔ سید محب الدین خطیب نے فروری 1957ء کے مجلۃ الازہر کے شمارے میں حکومت مصر پر شدید تنقید کی کہ اس کی طباعت کیوں ہوئی۔ دیکھیے ماہنامہ فاران کراچی۔ مئی 1958ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 504۔

مفتی اعظم کو کانفرنس میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔ ان کی جگہ ان کے چچا زاد بھائی جمال حسینی شریک ہوئے۔ تاہم فلسطین کے وفد نے دنیائے عرب کے لیئے آئندہ لائحہ عمل کا خاکہ وضع کیا۔(۱) لندن میں قادیانی مبلغ جلال الدین شمس نے یہودی مقاصد کیلئے کام کیا۔ اکتیس جنوری ۱۹۳۹ء کو عیدالاضحیٰ کے دن اس نے لندن مسجد کے احاطہ میں ایک اجتماع منعقد کیا۔ جس کی صدارت سر فرانسس ینگ ہسبنڈ نے کی۔ بریگیڈیئر جنرل سر پرسی سائیکیز نے اس میں تقریر کی۔ اس نے فلسطینی مسئلے کو پیچیدہ قرر دیا کیونکہ جرمنی اور اٹلی سے نکالے گئے یہودی وہاں جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ ویلز کے رقبہ جتنا ملک بھی ان کیلئے ناکافی تھا۔ اس نے اس توقع کا اظہار کیا کہ کانفرنس کے شرکاء اس مسئلہ کا کوئی حل تلاش کر لیں گے۔ لندن مسجد کی اس کانفرنس کے شرکاء میں برطانوی امراء' کلیسائے انگلستان کے اراکین' فوجی افسران' اراکین پارلیمنٹ' سر عبدالقادر' مجلس برائے ہند کے رکن اور فلسطین کے سابق ہائی کمشنر سر وانچوپ شامل تھے۔ اختتامی کلمات میں جلال دین شمس نے یہ انکشاف کیا کہ مرزا محمود احمد نے برطانوی وزیراعظم کو اس کی امن کے قیام کے لیئے مخلصانہ کوششوں پر ایک برقی تار کے ذریعے مبارکباد ارسال کی اور اس توقع کا اظہار کیا کہ جس طرح یورپ میں امن کے لیئے کوششیں کی گئی ہیں اسی طرح ہندوستان اور فلسطین میں بھی پائیدار امن کے لیئے کوششیں کی جائیں گی۔ اس نے کانگریس کی کامیابی کی خواہش کا اظہار کیا۔(۲) کانفرنس کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی ناکام ہوگئی۔ سیکرٹری خارجہ لارڈ ہیلی فیکس نے دوسری حکومتوں کے دباؤ کے تحت فلسطین میں انتقال اقتدار کیلئے پانچ سال سے لے کر دس سال کا عرصہ مقرر کیا۔ یہ تجویز عربوں کے لیئے ناقابل قبول تھی۔ ابتدائی طور پر اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ فوری انتقال اقتدار بعد میں ایک مکمل حکومت میں تبدیل ہو جائے گا۔

مئی ۱۹۳۹ء میں برطانوی حکومت نے ایک قرطاس ابیض شائع کیا جس میں

۱۔ سائیکو۔ اسرائیل چوراہے پر۔ ص 202۔

۲۔ فار ایسٹرن سٹار لندن 3 فروری 1934ء اور تاریخ احمدیت جلد 8 ص 556۔

فلسطین میں ایک آزاد دوقومی حکومت کے دس سال کے اندر قیام اور صیہونیوں کی اگلے پانچ سالوں میں تعداد چوہتر ہزار تک کرنے کا نظریہ پیش کیا گیا۔ صیہونیوں نے اس تجویز کو جرمنی کے ساتھ متوقع جنگ میں عربوں کے ساتھ مصالحانہ کوشش قرار دیا اور اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔(۱) مفتی اعظم فلسطین کی ہدایت پر عربوں نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

فلسطینی عربوں نے کئی مواقع پر قادیانی آلہ کاروں کے خلاف اپنے حملے جاری رکھے۔ علماء کی طرف سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا کہ جو قادیانی مرتد سامراج اور یہودی مسلح تنظیموں کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں ان پر کڑی نظر رکھی جائے اور ان قادیانیوں کو صیہونی مدد سے مسلمان رہنماؤں کو قتل کرنے کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا گیا۔ یہ نفرت اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب ایک نامور مسلمان رہنما کو قتل کر دیا گیا۔(۲)

۱۔ سائیکس 207۔

۲۔ دیکھئے تاریخ احمدیت جلد 8 ص 625۔

نواں باب

سیاسی عزائم

گاندھی کی تحریک عدم تعاون کے دنوں میں ہندو مسلم اتحاد ختم ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں موپلوں کی بے چینی اور ۱۹۲۲ء میں چورا چوری کے واقعات کے بعد ہندوستان کا سیاسی نقشہ بدل گیا۔ شدھی (مسلمانوں کو ہندو بنانے) اور سنگھٹن (مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیئے ہندوؤں کو منظم کرنے) کی تحریکیں شروع ہوگئیں۔ شدھی تحریک کا سب سے بڑا پرچارک سوامی شردھانند تھا جسے تحریک خلافت اورتحریک عدم تعاون کے دوران جیل بھجوا دیا گیا تھا۔ اس کی قید کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی اسے رہا کر دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوامی کے ساتھ لارڈ ریڈنگ نے موپلوں کی بغاوت کے بعد ملاقات کی تھی اور یہ اسی کا شاخسانہ تھا۔(۱)

شدھی کا حملہ

ان دونوں تحریکوں کی مخالفت کا بیڑہ جمعیۃ العلماء ہند نے اٹھایا۔ اس کام کے لیئے ''کل ہند انجمن تبلیغ اسلام'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پنجاب میں تحریک کی تنظیم شروع کی گئی۔ خواجہ حسن نظامی اور مولانا ظفر علی خان اور درجنوں دوسرے مسلمان رہنماؤں نے مسلمانوں کو اس ''زبردستی سے تبدیلی مذہب'' کے فتنے سے بچانے میں مدد دی۔ سوامی شردھانند اور اس کے چیلوں نے اپنی تحریروں میں اسلام پر ناروا حملے کیئے(۲) قادیانیوں نے یہ موقع اپنے اثر ورسوخ کو بڑھانے کیلیئے استعمال کیا۔ انہوں نے اس

۱۔ چوہدری خلیق الرحمان۔ شاہراہ پاکستان۔ 1961ء ص 20۔

۲۔ دیکھیئے ست سوامی الوبھاونند جی۔ ''کلیات سنیاسی'' (سوامی شردھانند کی نایاب تحریروں کا ترجمہ) الیکٹرک پریس دہلی 1928ء ص 185 تا 240۔

تحریک کا سہارا لے کر تبلیغی مہم کا آغاز کر دیا۔ اور اپنے آپ کو اسلام کے علمبردار کے طور پر پیش کیا تا کہ عام مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ قادیانی مبلغوں نے بڑی چالاکی سے مسلمانوں کو اس اجتماعی مقصد کے لیئے ساتھ ملانے کی تگ و دو کی مگر کسی بھی مسلمان تنظیم نے ان کی حوصلہ افزائی نہ کی۔

برطانوی خفیہ فنڈ کی مدد سے قادیانیوں نے تند و تیز تقریروں، گالیوں سے لبریز مضامین اور غلیظ رسالوں(۱) سے معاشرے کے مختلف طبقات میں نفرت انگیزی کا کام جاری رکھا۔ جس کے جواب میں مسلح ہندو تنظیموں کو اسلام کے خلاف گھٹیا لٹریچر پھیلانے کے لیئے برانگیختہ کیا۔ قادیانیوں نے دراصل برطانوی حکومت کے مقاصد کی بھرپور اعانت کی۔ برطانیہ دو بڑی قوموں میں انتشار کو پروان چڑھانا چاہتا تھا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بو کر قوم پرست عناصر کی اتحاد کی کوششوں کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا گیا(۲) سرکردہ علماء نے ملکانہ کے مسلمانوں کو قادیانیوں کے ارتدادی عقائد سے خبردار کرنے کے لیئے ایک فتویٰ جاری کیا۔(۳) مرزا محمود نے اپنے قادیانی پیروکاروں کو اپیل کی کہ چندوں کی صورت میں پچاس ہزار روپے مرکز کو روانہ کریں تا کہ وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں شدھی کے جواب میں ۱۵۰ مبلغین میدان میں بھیج سکیں۔(۴)

اس فرقہ وارانہ منافرت کو روکنے اور باہمی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیئے دلّی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے اپنے اپنے مناظرین منظر عام سے ہٹانے کے لیئے اتفاق کر لیا۔ ایک گروہ (قادیانی) پھر بھی میدان میں رہ گیا۔ حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری نے مرزا محمود کو اس کانفرنس میں نمائندہ بھیجنے کے لیئے برقی تار بھجوائے۔ ذوالفقار علی خان اور شیخ یعقوب علی عرفانی نے کانفرنس میں جماعت

۱۔ میر قاسم علی، بیسویں صدی کا مہارشی (حیات سوامی دیانند) قادیان ستمبر 1923ء (پہلا بار) دیانندی مشن۔ فاروق قادیان میں ایک کالم (جناب سوامی نند) قادیان ستمبر 1923ء (پہلا بار) دیانندی مشن۔ فاروق قادیان میں ایک کالم۔

۲۔ دیکھیئے الفضل قادیان 31 مئی اور 11 جون 1923ء۔ ماسٹر محمد شفیع اسلم، کارزار شدھی، حریف الفضل قادیان 21 ستمبر 1923

۳۔ الفضل قادیان۔ 12 مارچ 1923ء۔

۴۔ ایضاً۔

احمدیہ کی نمائندگی کی۔ وہ ان امن کوششوں سے متفق نہ ہوئے اور اعلان کیا کہ وہ ہندوؤں کے خلاف اس وقت تک تبلیغ جاری رکھیں گے۔ جب تک بیس ہزار مرتدین کو دوبارہ دائرہ اسلام میں لایا نہیں جاتا۔⁽¹⁾

تاہم یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جائے جو کانگریس کو ایک رپورٹ دے کہ شدھی کا پس منظر کیا تھا اور ایسے حالات کیوں رونما ہوئے۔ ذوالفقار علی خان قادیانی کمیٹی کا ممبر تھا۔ نہ ہی کمیٹی کسی پس پردہ عوامل کی نشاندہی کر سکی نہ ہی قادیانی بیس ہزار مرتدین کو دوبارہ دائرہ اسلام میں لانے کے بلند بانگ دعویٰ کو کسی طرح پورا کر سکے۔ یہ دھوکہ تھا۔ دراصل ان تمام نام نہاد قادیانی مبلغوں نے جب اپنے مفادات کو خطرے میں محسوس کیا تو بڑی تیزی سے منظر سے غائب ہو گئے۔

فرقہ وارانہ مسئلے پر احمدیہ نقطہ نظر

پندرہ فروری ۱۹۲۷ء کو مرزا محمود احمد نے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون کو خط لکھا جس میں ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلے پر اپنے خیالات اور تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ برطانیہ کو ہندوستان کے لوگوں کے حوالے حکومت اس وقت تک نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ اقلیتوں کو تحفظ نہیں مل جاتا۔ سیاسی نکتہ نظر سے انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے لیئے فرقہ وارانہ نمائندگی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ہندوستان کے اس وقت کے حالات کے پیش نظر جداگانہ حلقہ انتخاب کے قانون میں تبدیلی کو ملکی امن کے لیئے خطرہ قرار دیا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ جداگانہ حلقہ انتخاب کا موجودہ قانون اس وقت تک تبدیل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کسی اقلیت کے اسمبلی میں موجود تین چوتھائی اراکین ووٹ نہ دیں۔ سادہ اکثریت سے تبدیلی نہ کی جائے یہ اراکین تین بار متواتر اسمبلی کی مدت کے دوران ایسا کریں اور جب تک اقلیت کے متاثرہ ارکان اسمبلی کی تین چوتھائی تعداد اس کے اپنے اپنے صوبوں میں اس کے نفاذ پر

۱۔ ایضاً۔

متفق نہ ہو جائیں۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ایک قانون کے طور پر اقلیتی نمائندگان کو ان کی تعداد کے مطابق مناسب نمائندگی دی جائے اور اگر کسی کو اضافی نمائندگی دی جائے تو اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ گروہ کی تعداد اکثریت میں تو نہیں بدل جاتی۔

انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مذہبی اور سماجی معاملات میں آزادی ہو۔ دوسرے مذہبی گروہوں کے مذہبی احساسات کا احترام کیا جائے۔ انہوں نے قابل اعتراض تقاریر کو روکنے کی غرض سے پریس اور عوامی تقاریر سے متعلقہ قوانین کو بہتر بنانے کے لیئے بھی تجاویز پیش کیں۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد کے کتابچے ''امن کا پیغام'' میں دی گئی تجاویز کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیئے اپنا لیا جائے۔(۱) تیرہ دسمبر ۱۹۲۷ء کو عبدالرشید نے شدھی کے آریہ سماجی رہنما سوامی شردھانند کو قتل کر دیا جس کے نتیجے میں کئی جگہوں پر فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور سیاسی کشیدگی میں اضافہ ہو گیا۔ مرزا محمود نے سوامی جی کے اس قتل پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا اور عبدالرشید کو اسلام دشمن قرار دیا کیونکہ اس نے عقیدے کے دفاع میں تلوار اٹھائی تھی۔(۲) مزید برآں اسکے فعل کو حد درجہ شرمناک اور مذموم قرار دیا گیا کہ اس سے ملک کا امن تباہ ہو گیا اور اسلام پر حرف آ گیا۔(۳)

۱۹۲۳ء میں راجپال نامی ایک آریہ سماجی نے حضرت محمد ﷺ کے خلاف ایک انتہائی دل آزار کتاب شائع کی۔ حکومت پنجاب نے ناشر پر مقدمہ چلایا۔ مقدمہ فیلبوس نے سنا اور ملزم کو ایک انتہائی نامناسب کتاب چھاپنے کا مجرم گردانتے ہوئے دس ماہ قید با مشقت اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی۔ اپیل پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنل نکولس نے سزا کو برقرار رکھا مگر اس کی مدت گھٹا کر چھ ماہ کر دی۔ ہندو مقدمہ کو ہائی کورٹ میں لے گئے جہاں ایک عیسائی منصف کنور دلیپ سنگھ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ملزم کا جرم تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے زمرے میں نہ آتا تھا۔ ملزم کو

۱۔ مرزا محمود احمد۔ ہندو مسلم مسئلہ۔ قادیانی۔ فروری 1927ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ صفحہ نمبر 555۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ صفحہ نمبر 556۔

صاف بری کر دیا۔(۱)

مسلمانوں میں عمومی تاثر یہی تھا کہ یہ ایک سیاسی نوعیت کا فیصلہ ہے۔ لاہور کے ایک روز نامہ ''مسلم آؤٹ لک'' نے ''استعفیٰ'' کے عنوان سے اداریہ لکھا۔ اپنے چودہ جون ۱۹۸۷ء کے شمارے میں پرچے نے واضح کیا کہ جج دلیپ سنگھ افسوسناک حد تک تجربے کی کمی کی وجہ سے دھوکہ کھا گیا ہے۔ اخبار نے مطالبہ کیا کہ اس امر کی تحقیقات ہونی چاہئیں کہ وہ کون سے حالات تھے جن کے باعث ایسا غیر معمولی فیصلہ دیا گیا۔

اس اخبار کے ناشر نور الحق اور اس کے قادیانی مدیر سید دلاور شاہ بخاری کو توہین عدالت کا مجرم قرار دے دیا گیا۔ دلاور شاہ کی طرف سے سر ظفر اللہ بطور وکیل پیش ہوا۔ عدالت عالیہ کے بڑے بنچ نے اس مقدمہ کی سماعت کی اور اکثریتی فیصلہ کی رو سے مدیر اخبار کو چھ ماہ قید اور ساڑھے سات سو روپے جرمانہ جبکہ اس کے ناشر کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی۔(۲)

ایک ہندو رسالے ورتمان امرتسر نے مئی ۱۹۲۷ء کے شمارے میں ایک ایسا ہی جارحانہ مضمون چھاپا۔ اس دل آزار مضمون کو مرزا محمود نے ایک اشتہار کی شکل میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا کر مسلمانان ہند کے جذبات کو برانگیختہ کیا۔(۳) اس تشہیر سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین دشمنی کو مزید ابھارا گیا اور فرقہ وارانہ جنون کو اپنے عروج تک پہنچا دیا گیا۔ حکومت نے اس اشتہار کی تمام نقول ضبط کر لیں۔(۴) ہندو پریس نے مطالبہ کیا کہ مرزا محمود پر اس مضمون کی وسیع پیمانے پر تشہیر کے لیئے مقدمہ چلایا جائے کیونکہ وہ اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔(۵) مگر حکومت پنجاب نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔

مسلمانان ہند کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور اپنے آپ کو اسلام کے علمبردار

۱۔ الفضل قادیان۔ 3 جون 1927ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ صفحہ 582-83۔

۳۔ ایضاً صفحہ 580۔

۴۔ الفضل قادیان 28 جون 1927)

۵۔ (تاریخ احمدیت صفحہ 581۔

کے طور پر پیش کرنے کے لیئے مرزا محمود نے تجویز پیش کی کہ پہلے تمام اسلامی فرقوں (جن میں قادیانی شامل ہوں) پر مشتمل ایک وفد گورنر پنجاب سے ملاقات کرے اور روزنامہ ''آوٹ لک'' کے قادیانی مدیر کی رہائی کا مطالبہ کرے۔ دوسرے پنجاب، سرحد اور دہلی کے پانچ لاکھ افراد کے دستخطوں پر مشتمل ایک یادداشت حکومت کو پیش کی جائے جس میں مذاہب اور مذہبی سربراہوں کے مناسب احترام کی حفاظت کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ انہوں نے پنجاب ہائی کورٹ بنچ کے جسٹس دلیپ سنگھ کے اخراج اور اس کی جگہ مسلمان قانون دانوں میں سے کسی ایک قابل شخص کی تعیناتی کی تجویز پیش کی۔ جو پنجاب عدالت عالیہ کا مستقل جج ہو اور جسے چیف جسٹس سر شادی لال کے مدت عہدہ ختم ہونے کے بعد اپنی باری سے پہلے ترقی دے کر چیف جسٹس مقرر کر دیا جائے(۱) اس تجویز کا مقصد ظفر اللہ خان کے لیئے عدالت عالیہ کے منصف کے عہدہ کا حصول تھا۔(۲) جو اس کا شدید خواہشمند تھا۔ گورنر پنجاب سر میلکم ہیلی، ظفر اللہ کا حمایتی تھا جبکہ مسلمانان ہند اس مجلس میں علامہ محمد اقبال کی تقرری کے خواہشمند تھے۔ جس پر جسٹس شادی لال نے ساز باز کر کے اپنی پسند کا منصف مقرر کرالیا۔ پانچ اگست ۱۹۲۵ء کو سر فضل حسین نے میلکم ہیلی کو اپنے خط میں لکھا۔

> ''عدالت عالیہ کی ججی! لگتا ہے معاملہ ہمارے صوبہ سے آگے چلا گیا ہے اور یہ کتنے دکھ کی بات ہے۔ مجھے جناب عالی اور حکومت ہند کے انتخاب پر مکمل اعتماد ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب میں عبدالقادر، علامہ اقبال، شاہ نواز، شہاب الدین تمام کے تمام اعلیٰ صلاحیت کے وکلاء ہیں ان میں سے کوئی ایک اس عہدہ اور اپنے ساتھیوں کے فرائض کو سرانجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ میں تو اس حد تک بھی التجا کروں گا کہ ایک مسلمان کی تقرری کی بجائے باہر سے کسی مسلمان کی درآمدگی سے تنقید کے دروازے کھلنے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ پہلے کی نسبت ایک گھٹیا آدمی کی درآمد سے وسیع پیمانے پر بے چینی پھیلے

۱۔ الفضل قادیان 15 جولائی اور 22 جولائی 1927ء۔

۲۔ مرزا سلطان احمد۔ ''انکشاف حقیقت''۔ احمدیہ انجمن پشاور۔ صفحہ نمبر 7-1929ء۔

گی۔ نوجوانوں میں ڈاکٹر شجاع الدین اور ظفر اللہ بہت اچھے ہیں جبکہ نیاز محمد وکیل بھی مطلوبہ اہلیت رکھنے والا قانون دان ہے۔(۱)

ستائیس ستمبر ۱۹۲۸ء کو سر فضل حسین نے اپنے خط میں سر ظفر اللہ کو ترغیب دی کہ وہ ہائی کورٹ کی تقرری کروا لے۔(۲)

خلیفۃ المسیح کے سیکریٹری خارجہ مفتی محمد صادق نے ستائیس اگست ۱۹۲۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ اروِن کو ایک خط میں درخواست کی کہ انبیاء۔ اوتاروں اور بانیان مذاہب کے احترام کے تحفظ کے لیئے قانون میں ترمیم کی جائے۔(۳)

اسی دوران مدیر ''ورتمان'' لالہ گیان چند کو چھ ماہ قید بامشقت اور دوسو روپے جرمانہ اور بصورت عدم ادائیگی جرمانہ مزید تین ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ مضمون کے مصنف کو ایک سال قید بامشقت اور پانچ سو روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ یہ فیصلہ قائم مقام چیف جسٹس براڈ وے اور جسٹس سکیمپ نے سنایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جسٹس دلیپ سنگھ کی دفعہ ۱۵۳ الف کی کی گئی تشریح غلط تھی۔(۴) عدالت عالیہ الہ آباد نے بھی ایسے ہی جرم (۱۵۳الف) میں ''وچترن جیون'' کے مولف پنڈت کالی چرن شرما کے بارے میں فیصلہ سناتے ہوئے سزا دی

بانیان مذاہب کے احترام کی حفاظت کے لیئے قانون سازی کا مسلمانوں کا مطالبہ مزید قوت پکڑ گیا۔ چوبیس اگست ۱۹۲۷ء کو قانون ساز اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا جو بحث کے دو دن بعد ہی کتاب قانون سازی میں شامل کر دیا گیا۔ موجودہ قانون کی ترمیم کرنے والے تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵الف کا مسودہ مولانا محمد علی نے مرتب کیا۔ مرزا محمود وسط اگست ۱۹۲۷ء میں شملہ میں چھٹیاں گزار رہے تھے۔

۱۔ میاں فضل حسین کے خطوط۔ مدیر ڈاکٹر وحید احمد۔ تحقیقاتی مجلس پاکستان لاہور۔ سون 1976، صفحہ نمبر 13۔

۲۔ ڈاکٹر وحید احمد۔ تحقیقاتی مجلس پاکستان لاہور۔ سون 1976، صفحہ نمبر 511۔

۳۔ لاوان صفحہ نمبر 136۔

۴۔ الفضل قادیان 16 اگست 1927ء۔

مرزا محمود کی بانیان مذاہب کے حق میں تحریک کا ایک خفیہ مقصد اپنی اور مرزا غلام احمد کی حیثیت کا دفاع تھا۔ انہیں اسلام یا حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محبت کے جذبے نے بے چین نہیں کیا تھا بلکہ یہ ان کے اپنے مفاد میں تھا کہ وہ اپنے طور پر اپنے باپ کو مولوی عبدالکریم جیسے لوگوں کی طرف سے الزامات اور اتہامات کے شدید حملوں سے بچاسکیں۔ مباہلہ کا ایک مختصر پس منظر ہمیں معاملہ کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنے میں مدد دے گا۔

مباہلہ مہم

۱۹۱۹ء کے لگ بھگ جالندھر کے ایک لوہار فضل کریم نے مذہبی جوش میں آکر اپنے دو بیٹوں عبدالکریم محمد زاہد اور ایک بیٹی سکینہ کے ہمراہ قادیان میں سکونت اختیار کرلی۔ وہ پکا احمدی اور مرزا غلام احمد کے دعوؤں پر اندھا اعتقاد رکھنے والا تھا۔ اپنی متواتر محنت سے اس خاندان نے ایک سویاں بنانے والی مشین کا کارخانہ اور قادیان میں ایک آٹے کی چکی لگالی۔ سکینہ کی مرزا عبدالحق نامی ایک وکیل سے شادی کردی گئی۔

اگست ۱۹۱۹ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۲۳ء تک فضل کریم کے گھرانے کو قادیانی خلیفہ اور اس کے منظوران نظر نے بہت پریشان کیا کیونکہ وہ مرزا محمود اور اس کے گھرانے کے چند افراد کے رویئے پر شدید تنقید کرتا تھا۔ قادیان کی وزارت داخلہ نے انہیں واجبات کی عدم ادائیگی کے کئی معاملات میں الجھا کر دھمکیاں دیں اور ہراساں کیا مگر پھر بھی انہوں نے مرزا محمود کے رویہ پر اپنی تنقید جاری رکھی۔ اس کام میں نور ہسپتال قادیان کا ہیڈ کمپاؤنڈر شیخ عبداللہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوگیا۔ مرزا محمود نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے دونوں کو جماعت سے نکال دیا۔ قادیانی غنڈوں نے انہیں قادیان چھوڑ جانے کے لیئے دھمکیاں دیں۔ فضل کریم اور اس کے بیٹوں نے مسلمانان پنجاب کو اپنی دردناک داستان بیان کی۔(۱) لاہور جماعت کے ایک اہم رکن کہتے ہیں کہ

۱۔ دیکھئے قادیان کے فتنے کی حقیقت ستمبر 1927، فتنہ قادیان کی اصل حقیقت ۔ ستمبر 1927ء، کھلی چٹھی بخدمت خلیفہ قادیان 1927، انکشاف حقیقت 1927ء، (الفضل قادیان 13 دسمبر 1927ء کے شمارے میں اس کا جواب بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

> ''۱۹۲۷ء میں مستری عبدالکریم اور اس کے احباب و اقارب نے مرزا محمود پر زنا کا الزام لگایا اور اس کے خلاف ثبوت بھی مہیا کر دیئے۔ انہوں نے مرزا محمود کو مباہلہ کی دعوت بھی دی مگر مرزا محمود نے ایک معمولی بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ مرزا غلام احمد مسیح موعود نے دو شرائط رکھی تھیں جن کی رو سے فریقین کے مابین مباہلہ جائز ہے۔(۱)

عبدالکریم نے اپنے اخبار ''مباہلہ'' میں مرزا محمود احمد پر سنگین اخلاقی الزامات عائد کیئے۔ انہیں عیاش، شہوت پرست اور اخلاقی طور پر دیوالیہ قرار دیا۔ جنہوں نے دولت کے انبار لگا لیئے تھے اور مقدس لبادے میں انہیں ہڑپ کر گئے تھے۔(۲) انہیں مباہلے کے لیئے متواتر للکارا جاتا رہا مگر وہ مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے بچتے ہی رہے۔(۳) اس بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیئے قادیانی غنڈوں نے محمد امین، چوہدری فتح محمد سیال اور نیک محمد افغان کی قیادت میں مرزا محمود کے کہنے پر عبدالکریم اور اسکے گھرانے کو سخت ہراساں کیا۔ انہوں نے عدالت میں نالش کر دی اور حکومت پنجاب کو درخواست کی کہ انہیں قادیانی غنڈوں کے چنگل سے بچایا جائے مگر حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز اور اثر و نفوذ کی بناء پر مرزا محمود کے خلاف کچھ نہ کیا جا سکا۔ گورداسپور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کے تحت پہلے ہی ''مباہلہ'' کے مدیر پر پابندی عائد کر دی تھی کہ وہ مرزا محمود کے خلاف کوئی بھی اشتہار یا قابل اعتراض مواد شائع نہیں کرے گا۔ قادیانی جماعت کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور ان کے جذبات سرد کرنے کے لیئے قادیانی مبلغوں اور مفاد پرستوں نے کئی خواب اور پیش گوئیاں گھڑ کر پیش کر دیں۔(۴) اور اس سارے معاملے کو ایک گہری سازش سے تعبیر کیا گیا جسے متعصب علماء، تنگ نظر ہندوؤں اور لاہوری جماعت کے اراکین نے تیار کیا تھا۔(۵) یہ مباہلہ مہم تیزی سے نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ مرزا محمود نے حکومت

۱۔ ممتاز فاروقی فتح حق۔ صفحہ 40۔

۲۔ دیکھیئے ماہنامہ تائید الاسلام۔ لاہور مئی 1930ء۔

۳۔ دیکھیئے مرزا محمود احمد تقریر دلپذیر۔ بک ڈپو قادیان دسمبر 1928ء صفحات 28-30۔

۴۔ دیکھیئے میر قاسم علی ''فتنہ مستریاں فاروق پریس قادیان۔ 1928 اور اللہ دتہ مباہلہ کے جواب میں۔ اور ڈاکٹر بدر دین فتنہ مستریاں وغیرہ۔

۵۔ الفضل قادیان 19 اپریل 1929ء۔

پنجاب سے فوری اقدامات کرنے کی التجا کی۔

پنجاب حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیئے مرزا محمود نے بیرون ملک قادیانی مراکز کے سربراہوں کو حکم دیا کہ وہ اہم برطانوی اخباروں کو برقی تار ارسال کریں اور خود برطانوی عوام سے استدعا کی کہ وہ احمدیہ جماعت کی خاطر ہندوستانی حکام پر اخلاقی دباؤ ڈالیں تاکہ مخالفین کی جانب سے ان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم بند کی جاسکے۔ سالٹ پونڈ مرکز (افریقہ) کے سربراہ امام احمد نے ایک برطانوی اخبار کو یہ برقی عریضہ ارسال کیا۔

> ''رجعت پسندوں کی طرف سے ہندوستان میں احمدیہ جماعت کے سربراہ کے خلاف اشتعال انگیز پروپیگنڈہ مہم کی ہزاروں مغربی افریقی احمدی مذمت کرتے ہیں۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر ہماری مذہبی جماعت امن کے ساتھ مذہبی عقائد پر کاربند رہی ہے۔ مشکل وقت میں جب پولیس بھاگ جاتی تھی تو احمدیہ کارندے کانگریس کے چبوترے سے تعاون کی گزارشات کیا کرتے تھے جس کے نتیجے میں ان پر مظالم ہوئے اور ان کا سماجی مقاطعہ بھی کیا گیا۔ حکومت پنجاب شہنشاہ معظم کے قانون کے تابعدار لوگوں کی عزت کی حفاظت میں ناکام ہوگئی ہے۔ ہندوستان کو آج بھی اور کل بھی منظم وفادار جماعتوں کی ضرورت رہے گی۔ ہم برطانوی عوام سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہندوستانی حکام پر اپنا دباؤ ڈالیں''۔(۱)

مختصراً یہ کہ مرزا محمود نے اپنی جان بچانے کی خاطر اور اپنے آپ کو اسلام کا ایک ترجمان ثابت کرنے کے لیئے مباہلہ والوں کی جارحانہ اشاعتی سرگرمیوں کے خلاف قانون سازی کی ایک مہم شروع کی۔ ان کا اصلی رنگ اس وقت ظاہر ہوا جب اپریل ۱۹۲۹ء میں غازی علم دین شہیدؒ نے رسول کریم ﷺ کے عشق میں سرشار ہو کر لاہور میں راجپال کو واصل جہنم کردیا۔ ان کے خلاف قتل کا مقدمہ چلا۔ انہوں نے بڑے فخر سے اقرار جرم کیا، انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ آپ بڑی خوشی خوشی پھانسی گھاٹ گئے اور اکتیس دسمبر ۱۹۲۹ء کو شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔

۱۔ مشرق قریب اور ہندوستان۔ لندن 10 جولائی۔ 1930ء۔

مرزا محمود نے غازی علم دین شہید پر سخت تنقید کی(۱) جیسا کہ وہ سوامی شردھانند کے قاتل کے خلاف بھی کر چکے تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو مذہبی جنون اور پاگل پن کا نتیجہ قرار دیا۔ جس کسی نے بھی راجپال کے قتل پر اطمینان کا اظہار کیا اسے مجرم اور قوم دشمن قرار دیا گیا۔ انہوں نے اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے غازی علم دین کے خیر خواہوں اور ہمدردوں کو مشورہ دیا کہ وہ ان سے مل کر ان پر واضح کریں کہ انہوں نے ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے جس پر خدا کی سزا سے بچنے کے لیئے پچھتاوے کا اظہار کریں۔(۲)

اس کے برعکس مباہلہ کے عبدالکریم کے ایک قریبی دوست محمد حسین کو قاضی محمد علی قادیانی نے قتل کر دیا تو مرزا محمود نے بذات خود اسے بڑی عزت اور تکریم بخشی۔ عدالت مجاز نے اسے سزائے موت سنائی۔ عدالت عالیہ میں اپیل کی گئی۔ عدالت عالیہ نے مجاز عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ پھر پریوی کونسل کو اپیل کی گئی لیکن مسترد ہوگئی۔ سولہ مئی ۱۹۳۱ء کو اسے گورداسپور جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ مرزا محمود اس کی لاش کو کندھا دینے والوں میں شامل تھے۔ اسے دفن کے لیئے بہشتی مقبرہ میں لیجایا گیا اور اسے ''شہید احمدیت'' کہا گیا۔(۳) جبکہ عبدالرشید اور غازی علم دین شہیدؒ کو ان کے قتل کرنے پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور انہیں ''قابل اعتراض فعل کا مرتکب'' گردانا گیا۔

ہندوستانی انقلابیوں کے خلاف مہم

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برطانوی ہند میں انقلابی یا ''دہشت گرد'' تنظیمیں کسی نہ کسی صورت میں سرگرم عمل رہیں۔(۴) بلا تمیز گرفتاریاں اور پولیس کی کاروائیاں ان ''دہشت گرد تنظیموں'' کو باز نہ رکھ سکیں۔(۵) ۱۹۲۲ء میں تحریک عدم تعاون

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 6۔ صفحہ نمبر 149۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 6۔ صفحہ 149۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 6۔ صفحہ نمبر 314۔

۴۔ ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی نظام کی ابتداء اور اس کی توسیع کے ساتھ ہی ''دہشت گردی'' شروع ہوگئی تھی۔ نوآبادیاتی نظام نے چونکہ اپنی ابتداء تشدد اور سفاکی سے کی تھی اور مقامی آبادی کی معاشی، سیاسی اور سماجی خواہشات کو دبا دیا تھا چنانچہ فطری طور پر پرتشدد انقلابیت یا ''دہشت گردی'' نے جنم لیا۔

۵۔ آر سی موجمدار۔ تاریخ تحریک آزادی جلد ۵ بک ٹریڈرز لاہور۔ 1979ء صفحہ 488۔

کو مہاتما گاندھی نے ختم کر دیا لیکن ان کی قید کے بعد یہ سرگرمیاں زیادہ زور پکڑ گئیں۔ اسکا بڑا مرکز بنگال تھا۔ سرخ بنگال کے عنوان سے دستی اشتہارات کی وسیع پیمانے پر تقسیم اور ظالم پولیس افسران کے قتل اور سی آئی ڈی کے برطانوی افسران کے پے در پے قتل نے سامراجیوں کو دہشت زدہ کر دیا۔ کلکتہ اور کئی دوسری جگہوں پر بم ساز فیکٹریاں بھی پکڑی گئیں۔ ہندوستانی انقلابی تنظیموں نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ کار اتر پردیش تک بڑھا دیا۔ اور اپنے آپ کو ''ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن آرمی'' کی طرز پر ڈھال لیا۔(۱)

۱۹۲۷ء کے بعد انقلابیوں کی سرگرمیوں میں کمی آ گئی۔ گورنمنٹ نے محسوس کیا کہ ان پر عائد بے جا سختی میں نرمی کر دی جائے۔ ستمبر ۱۹۲۸ء تک حکومت نے بنگال فوجداری ترمیمی ایکٹ اور آرڈیننس ۱۹۲۵ء کے تحت نظر بند تمام افراد کو رہا کر دیا۔ یہ ایکٹ بھی خود بخود ۱۹۳۰ء میں ختم ہوگیا۔ مگر ایک پندھرواڑے کے اندر اندر انقلابی سرگرمیاں ایک دم شدید ہوگئیں۔ ان سرگرمیوں میں ہوٹلوں' کلبوں اور تبلیغی مراکز میں یورپیوں کا قتل' اہم عمارات کا جلاؤ اور ذرائع مواصلات میں رکاوٹ وغیرہ شامل تھیں۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں بنگال فوجداری ترمیمی ایکٹ دوبارہ نافذ کر دیا گیا اور بنگال ایمرجنسی پاور آرڈیننس ۱۹۳۱ء بھی جاری کر دیا گیا تاکہ بدامنی پھیلانے والوں اور ''دہشت گرد'' تنظیموں کو نکیل ڈالی جا سکے۔(۲)

۱۹۲۰ء کے وسط میں بنگال میں انقلابی جدوجہد کے خلاف مرزا محمود احمد نے بڑی شدومد سے مہم چلائی۔ ان کے آلہ ءکاروں نے برطانوی خفیہ محکمہ سے مل کر ان سرگرمیوں کو روکنے اور ان کی زیر زمین تنظیموں کو بے نقاب کرنے کے لیئے بڑے زور و شور سے کام کیا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بدامنی پھیلانے والے عناصر پر گہری نظر رکھنے کی نصیحت کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ خدا نے احمدیہ جماعت کو نہ صرف

۱۔ ایضاً ص 501۔

۲۔ مرجع ہذا۔ صفحہ 502

ہندوستان بلکہ اگر برطانیہ میں بھی ہو تو تخریبی منصوبوں کی بیخ کنی کے لیئے مقرر کیا ہے۔ احمدیوں کو ایسی سرگرمیوں کے خلاف لڑنے کے لیئے اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لانا ہونگی۔(۱)

بنگالی دہشت گردی کی روک تھام کرنے پر ایک بزرگ قادیانی مرزا محمود کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

> ''ان پر آشوب ایام میں جبکہ ملک میں خوفناک حد تک بدامنی پھیلانے والے جرائم میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ دن دیہاڑے قاتلانہ حملے اور سنسنی خیز ڈکیتیاں ہو رہی تھیں اور ہندوستان میں حکومت میں ہونے کے باوجود برطانوی اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کر رہے تھے۔ حضرت خلیفتہ المسیح (مرزا محمود) نے اپنے ہزاروں پیروکاروں کو ان سنگین جرائم کو کچلنے کیلیے تیار کرلیا۔ آپ نے نوجوانوں میں اس جذبے کو ختم کرنے کی سعی کی جو انہیں متواتر ان مظالم پر اکسا رہا تھا۔ انگریزوں، انکے خاندانوں حتیٰ کہ حکومت ہندوستان کو اس بات پر ان کا مشکور ہونا چاہیئے۔ ان افسران کی اطلاعات ان حالات کی تصدیق کرتی ہیں جن میں ہم نے بنگالی بدامنی کا مقابلہ کیا تھا۔ ان بدامنی کی قوتوں کے خلاف ہم لڑے مگر ان کے ناموں کے اظہار سے اس لیئے احتراز کیا کہ حکومت ان کو گرفتار کر سکے۔ ماضی کی ہماری خدمات کے ریکارڈ میں صرف ایک ایسا واقعہ ہے کہ ایک شخص کی سرگرمیوں کے بارے میں ہم نے حکومت کو اطلاع دی۔ وہ بھی اس لیئے کہ وہ شخص ہندوستان سے باہر تھا اور اسے ہمارے موقف سے آگاہ کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ جب ہم نے برطانوی حکومت کو اس کے بارے میں اطلاع دی تو وہ حکومت برطانیہ کے خلاف بہت بڑی سازش میں ملوث تھا۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ نے اس کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس ملک کی حکومت نے جہاں وہ قیام پذیر تھا اسے نکال دیا ورنہ وہ وہاں سے حکومت برطانیہ کو نقصان پہنچا سکتا تھا''۔(۲)

۱۔ الفضل قادیان۔ 7 جولائی 1932ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 4 اپریل 1934ء مزید دیکھیئے ''فضل عمر کے زریں کارنامے'' قادیان۔

سائمن کمیشن

۱۹۲۷ء میں حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۹ء کے ایکٹ کی بنیاد پر سر جان سائمن کی سربراہی میں ایک کمیشن بھیجا تا کہ ہندوستان میں آئینی تبدیلیوں کی سفارشات مرتب کی جاسکیں۔ اس کمیشن کے تمام سفید فام اراکین کی وجہ سے سارے ہندوستان میں غم وغصہ پایا جاتا تھا۔ پورے ملک میں ہڑتالیں اور بدامنی ہوئی۔ الفضل نے کمیشن کی آمد کا جواز ان الفاظ میں پیش کیا۔

> ’’اس حد تک ہندوستان میں تفرقے بازی بڑھ گئی ہے کہ کوئی ہندوستانی تنظیم پوری ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس ’’تمام سفید فام کمیشن‘‘ کا انتظام ہر لحاظ سے قابل توصیف ہے‘‘۔ (۱)

ہندوستانیوں میں کمیشن کی آمد سے پہلے سر فضل حسین نے ظفر اللہ کو لندن روانہ کیا۔ فضل حسین ظفر اللہ کو صوبائی مجلس قانون ساز کا رکن بنا کر اسے اپنی یونینسٹ پارٹی کا رکن بنوانا چاہتا تھا۔ ظفر اللہ خود کہتا ہے کہ فضل حسین نے اسے گزارش کی کہ وہ لندن جا کر اراکین پارلیمنٹ اور دوسری عوامی شخصیات کو مسلمانوں کے نکتہ نظر سے آگاہ کرے۔ ظفر اللہ نے یہ گزارش مان لی اور اس ذمہ داری کی تکمیل کیلئے دو ماہ لندن میں گزار دیئے۔ مرزا محمود کی ہدایات کی روشنی میں اس نے عبدالرحیم درد امام مسجد لندن سے گرانقدر مدد حاصل کی۔ واپسی پر لاہور میں اس نے کسی حد تک ایک مفصل رپورٹ فضل حسین کو پیش کی جس پر اس نے کافی اطمینان کا اظہار کیا۔ (۲)

مرزا محمود نے اپنے برطانوی آقاؤں کی محبت میں سرشار ہو کر اور ہندوستان کے مستقبل کے آئینی ڈھانچہ میں اپنی جماعت کے لیئے کچھ تحفظات حاصل کرنے کی غرض سے کمیشن کے ساتھ صوبائی ومرکزی سطح پر تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔ (۳)

قادیانی جماعت کے اراکین نے سیاسی اور آئینی معاملات پر اپنے موقف

۱۔ الفضل قادیان۔ 21 نومبر 1927ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ صفحہ 60۔

۳۔ سر ظفر اللہ۔ احمدیت صفحہ 239۔

کے بارے میں لمبی چوڑی یادداشتیں مرتب کیں اور کمیشن سے علی الترتیب گورداسپور اور لاہور میں ملاقاتیں کیں۔ کمیشن کو احمدیہ تحریک کی ابتداء اور اس کے سیاسی نظریات سے آگاہ کیا گیا۔ سرکردہ احمدیوں کے ایک گروپ نے کمیشن کے سامنے ہندوستان کے وفادار احمدیوں کے لیئے آئینی تحفظات کے لیئے چند تجاویز پیش کیں۔ احمدیہ یادداشت پر تقریباً پانچ لاکھ افراد نے دستخط کیئے تھے۔ کمیشن کے صدر جان سائمن نے سیاسی مسائل پر احمدیہ موقف سے آگاہ کرنے اور بھرپور عمومی تعاون پر احمدیوں کا شکریہ ادا کیا اور ہندوستان کی احمدیہ جماعت کی اہمیت کو قلمبند کر لیا۔ (۱)

کمیشن کے اراکین کے ساتھ احمدیہ استدلال کے ثمرات کے بارے میں مرزا محمود اتنا پر امید تھے کہ سولہ اپریل ۱۹۲۸ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں انہوں نے اسے ''آنے والے وقتوں میں دنیا پر ایک بے مثل فتح قرار دیا''۔ انہوں نے مسلمانوں کو عدم تعاون کے خطرات سے خبردار کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ وہ اپنا مقدمہ اس طور سے پیش کریں جو کمیشن کی سمجھ میں آ جائے۔ دوسری چیزوں کے علاوہ انہوں نے مندرجہ ذیل سیاسی مسائل پر اپنی رائے پیش کی۔

(الف) مسلمان اچھوتوں کے مسئلے کو اجاگر کریں اور کمیشن کے ارکان کے اذہان میں ان کے حقوق کی اہمیت بٹھائیں۔

(ب) ہندوستان میں خصوصی حالات کے تحت مسلمانوں کو جداگانہ طریقہ انتخاب پر اصرار کرنا چاہیئے جو انہیں ہندوستانی آئین میں مہیا کیا گیا ہو اور جسے صرف مسلمازں کی خواہش اور فیصلے کے بعد ہی رد کیا جا سکے۔

(ج) مسلمانوں کی بنگال اور پنجاب میں اکثریت برقرار رہنی چاہیئے اور آئندہ جن صوبوں کو خودمختاری دی جائے ان پر یہ قاعدہ لاگو ہونا چاہیئے۔

(د) اصلاحات کا دائرہ کار صوبہ سرحد تک بڑھا دیا جائے اور سندھ کو ایک خودمختار صوبہ کا درجہ دیا جائے۔

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 6 صفحہ 11۔

(ر) آئین میں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کسی فرقہ کو کسی بھی مرحلے پر کسی بھی معاملے میں مذہب، ثقافت یا معاشی اصلاحات کے نام پر دوسرے فرقہ کی آزادی سلب کرنے یا اسے روکنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

(س) عقیدے کی تبلیغ کو کسی بھی وقت کسی پابندی کے تحت نہیں رکھنا چاہیئے۔

(ق) اردو کو ان تمام صوبوں میں جہاں یہ ہردلعزیز ہے۔ سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے اور مسلمانوں کو اسے ذریعہ تعلیم کے طور پر اپنانے کی مکمل آزادی ہونی چاہیئے۔[1]

دہلی تجاویز

کل ہند مسلم لیگ جو کہ سائمن کمیشن کے مسئلے پر جناح اور سر شفیع لیگ کے دو دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے ان بنیادی مطالبات پر پرزور بحث کر چکی تھی۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں محمد علی جناح نے چند سرکردہ مسلمان زعماء کا دلی میں اجلاس بلایا۔ جن میں سے زیادہ تر مرکزی مجلس قانون کے رکن تھے، اجلاس کے آخر میں مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لیئے آئینی تجاویز پیش کی گئیں۔

(1)۔ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی۔

(2)۔ دوسرے صوبوں کی طرح سندھ اور بلوچستان میں اصلاحات متعارف کی جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمان ایسے صوبوں میں مشترکہ حلقہ انتخاب کے لیئے تیار ہونگے اور سندھ، سرحد اور بلوچستان میں ہندو اقلیتوں کو وہ تمام رعایائتیں دینے کے لیئے تیار ہونگے جو وہ ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کو دیں گے۔

(3)۔ پنجاب اور بنگال میں متناسب نمائندگی آبادی کے تناسب پر مبنی ہو۔

(4)۔ مرکزی قانون ساز مجلس میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو اور مخلوط حلقہ انتخاب ہو۔[2]

---

[1] دی ریویو آف ریلیجنز۔ فروری 1971ء۔

[2] کے کے عزیز۔ ''آل انڈیا مسلم کانفرنس'' 1926-35ء کراچی 1978ء ص 2۔

یہ تجاویز بیں مئی ۱۹۲۷ء کو شائع ہوئیں۔ مئی میں کانگریس کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی جس کا بنیادی مقصد ان تجاویز کو قبول کرنا تھا۔ تاہم دسمبر ۱۹۲۷ء میں کانگریس نے اپنے مدراس کے اجلاس میں ایک کل جماعتی کانفرنس میں "سوراج آئین برائے ہندوستان" مرتب کرنے کی قرارداد منظور کی۔ مجلس عاملہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ دوسری جماعتوں کی طرف سے تشکیل کردہ مجالس عمومی سے گفت وشنید کرے۔ جناح لیگ نے کلکتہ میں اپنے سالانہ اجلاس میں اپنی کونسل کو ایک سب کمیٹی قائم کرنے کا اختیار دیا جو دہلی تجاویز کی روشنی میں کانگریس کی مجلس عاملہ سے بات چیت کرے اور جداگانہ حلقہ انتخاب پر کسی سمجھوتے کے بغیر صرف سندھ' بلوچستان اور سرحد کے متعلق تجاویز کو تسلیم کرے جن کو قبول کرنے کے بعد لاگو بھی دیا جائے گا۔ شفیع لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں جداگانہ حلقہ انتخابات کی بحالی' سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور بلوچستان و سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔

نہرو رپورٹ

مدراس قرارداد کے نتیجے میں کانگریس نے تمام سیاسی گروہوں کو دعوت دی کہ وہ ایک "سوراج آئین برائے ہندوستان" کی تیاری میں تعاون کریں۔ جناح لیگ نے دعوت قبول کر لی اور شفیع لیگ نے علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیا۔(۱)

کل جماعتی کانفرنس کا پہلا اجلاس دلی میں بارہ فروری ۱۹۲۸ء کو ہوا اور دو ذیلی کمیٹیوں کی تقرری کے بعد ملتوی ہوگیا' جس میں سے ایک کے ذمہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے نتیجے میں مالی معاملات کی تحقیق اور دوسری کے ذمہ ہندوستان میں متناسب نمائندگی کے نظام کے مناسب اور قابل عمل ہونے کا جائزہ لینا تھا۔ جب کانفرنس کا دوبارہ اجلاس بمبئی میں ہوا تو یہ اس وقت تک کوئی اعلامیہ تیار نہ کرسکی تھی۔ تاہم موتی لعل نہرو کی سربراہی میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی جو کہ "آئین کے حوالہ سے اور

۱۔ کے کے عزیز "دی آل انڈیا مسلم کانفرنس" 35 -1928، کراچی 1972ء ص 2۔

مجموعی طور پر فرقہ وارانہ مسئلہ کے جائزے'' کے لیئے تھی۔ اگست ۱۹۲۸ء میں اس کمیٹی نے نہرو رپورٹ پیش کر دی۔(۱)

تین نومبر ۱۹۲۸ء کو کل ہند کانگریس کمیٹی نے نہرو رپورٹ کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا۔ اس رپورٹ پر ہندوستانی قانون ساز اسمبلی کے مسلمان ارکان، صوبائی مجالس قوانین ساز۔ کل ہند وفاق، یو پی آل پارٹیز مسلم کانفرنس، علی برادران، کل ہند خلافت کمیٹی حتیٰ کہ جمعیتہ العلماء ہند نے بھی اس پر شدید تنقید کی۔(۲) مرزا محمود نے اس رپورٹ پر تفصیلی تبصرہ لکھا جو الفضل کی دو اکتوبر ۱۹۲۸ء تا دو نومبر ۱۹۲۸ء میں سات قسطوں میں شائع ہوا اور بعد میں اسے ''نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق'' کے عنوان سے بیس نومبر ۱۹۲۸ء کو کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔(۳) یہ کتاب کم وبیش ان مطالبات کا خلاصہ تھی جو سر شفیع لیگ نے پیش کیئے تھے۔(۴) مرزا محمود نے یہ بات زور دے کر کہی کہ کل جماعتی کانفرنس جس نے نہرو ذیلی کمیٹی کو آئین سازی کی ذمہ داری دی تھی وہ مکمل طور پر نمائندہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ مثال کے طور پر اس نے اپنی کارروائی کے دوران کسی بھی مرحلے پر احمدیہ جماعت کے ساتھ رابطہ نہیں کیا حالانکہ احمدی تعداد کے لحاظ سے پارسیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔(۵) اس تجزیئے کا ایک اہم پہلو برطانیہ کو دی گئی وہ نصیحت جس کی رو سے وہ ایشیاء میں اپنی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرے کیونکہ مستقبل قریب میں یورپ سے اس کا بوریا بستر گول ہو رہا تھا۔(۶)

مسلم کانفرنس

نہرو رپورٹ کا ایک نتیجہ ''کُل ہند مسلم کانفرنس'' کا قیام تھا جس کے بڑے

۱۔ ایضاً ص 4۔
۲۔ ایضاً صفحہ 5۔
۳۔ سر ظفر اللہ۔ ص 240۔
۴۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 91۔
۵۔ مرزا محمود۔ ''نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق'' اسلامیہ سٹیم پریس لاہور 1928ء ص 5۔
۶۔ ایضاً ص 109۔

محرکین میں سر شفیع (پنجاب)۔ سر عبدالرحیم غزنوی۔ ڈاکٹر شفاعت احمد (یو۔ پی)۔ شفیع داؤدی (پٹنہ)۔ عبداللہ ہارون سندھ اور سر عبدالقیوم (سرحد) جیسے لوگ شامل تھے۔ کانفرنس نے مسٹر محمد علی جناح کو بھی شمولیت کی دعوت دی مگر آپ نے اسے مسلم اتحاد کو تباہ کرنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے معذرت کر لی۔(۱)

پہلی کل ہند مسلم کانفرنس میں جو دسمبر ۱۹۲۸ء کو سر آغا خان کی صدارت میں دہلی میں منعقد ہوئی مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں' اہم عوامی شخصیات' جوشیلے قوم پرستوں حتیٰ کہ قادیانیوں نے بھی شرکت کی۔ مرزا محمود کو ان کی جماعت کی نمائندگی کے لیئے رسمی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بیس قادیانی ارکان کو صوبائی نمائندوں کے طور پر بھیجا جن میں حکیم ابو طاہر (امیر جماعت احمدیہ کلکتہ)۔ حکیم خلیل احمد منگھیری (بہار)۔ ظفر اللہ (پنجاب)۔ بابو اعجاز حسین (دہلی)۔ اور مرکز قادیان کے نمائندہ محمد صادق شامل تھے۔(۲) کانفرنس نے اپنی قرارداد میں مسٹر جناح کے مخلوط طرز انتخابات' جس میں مسلمانوں کے تحفظات کی شرط شامل تھی کے برعکس جداگانہ حلقہ انتخاب کی ضرورت پر زور دیا۔ یہ بات اہم ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے جداگانہ انتخاب کو حتمی مقصد نہیں سمجھا بلکہ آخری حد تک جانے کا ایک متبادل ذریعہ خیال کیا اور دہلی تجاویز میں شامل شرائط کی تکمیل کے بغیر وہ اس نظام کو ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ دہلی تجاویز اور لیگ کے کلکتہ اجلاس کی قرارداد کی سب سے نمایاں شخصیت تھے۔ اس مسودہ میں مسلمانوں کے مطالبات کو باقاعدہ طور پر پوری قوم کے سامنے رکھا گیا تھا۔

اٹھائیس تا اکتیس مارچ ۱۹۲۹ء کو دہلی میں ہونے والے لیگ کے اجلاس میں محمد علی جناح کی قرارداد کے مسودے میں چودہ نکات پیش کر کے کل ہند مسلم کانفرنس کو مفلوج کر دیا گیا۔ اس کی مستقبل کی حیثیت ختم ہوگئی اور وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھی کیونکہ اسکی قرارداد بلکہ اس کی بنیاد کو چودہ نکات کی مقبولیت نے کمزور کر دیا۔ ان نکات نے سائمن

۱۔ کے کے عزیز۔ ص 33۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 107۔

کمیشن رپورٹ (۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۰ء) گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء)۔ قرطاس ابیض (۱۹۳۳ء) سلیکٹ کمیٹی کی کارروائی (۱۹۳۳۔ ۱۹۳۴ء) اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ پر اپنا انمٹ نقش چھوڑا۔

کچھ مصنفین کا خیال ہے کہ دہلی مسلم کانفرنس کی تجاویز کی بنیاد پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے نکات تیار کیئے تھے۔(۱) یہ درست نہیں ہے کیونکہ دہلی تجاویز ان متواتر واقعات کے نتیجے میں مرتب ہوئیں جو مسلمان مطالبات کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ یہ اعزاز جناب محمد علی جناح کو جاتا ہے جنہوں نے ایک شاندار دستاویز مسلمانوں کو تیار کر کے دی جس نے انہیں اپنے مستقبل کی راہیں متعین کرنے میں مدد دی۔

سول نافرمانی

دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگریس نے اپنے لاہور کے اجلاس میں برطانوی دولت مشترکہ کے باہر ہندوستان کی مکمل آزادی کی قرارداد منظور کی۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں مہاتما گاندھی نے نمک ستیا گرہ اور سول نافرمانی کی تحریکیں شروع کیں۔ جیسے ہی کانگریس نے یہ تحریکیں شروع کیں قادیانی جماعت نے انگریزوں کے کہنے پر ان کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ احمدیہ جماعت لاہور کے ایک اخبار نے لکھا۔

> ”آج کل کانگریس کو حکومت اور قادیانیوں دونوں سے مشترکہ پالا پڑا ہے۔ وہ ایک شدید صورت حال سے دو چار ہیں۔ قادیانی مبلغین گاؤں گاؤں پھر رہے ہیں تاکہ وہ اپنے خطابات اور تقریروں سے کانگریس کے حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کا جواب دے سکیں۔ عوام کو انگریزوں سے وفاداری کا سبق دیا جا رہا ہے۔ انگریزوں کو اولی الامر کے قرآنی حکم کی متابعت میں مامور من اللہ حکمران قرار دیا جا رہا ہے“۔(۲)

اخبار نے قادیانیوں کے نظام جاسوسی کی مذمت کی اور برطانوی سامراج کے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیئے ان کے شریک کار ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ناظر امور

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 106۔

۲۔ پیغام صلح لاہور 23 جون 1930ء۔

خارجہ (قادیان کے خارجہ معاملات کے محکمہ کے انچارج) مفتی محمد صادق کی طرف سے قادیانی جماعت کو ایک انتہائی خفیہ پیغام ارسال کیا گیا جس میں انہیں اپنے علاقوں میں سیاسی حالات پر نظر رکھنے اور مرکز کو کانگریس اثرات کے اتار چڑھاؤ کے متعلق آگاہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر کوئی سرکاری ملازم کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے یا اس کے نظریات سے اتفاق کرلے تو مرکز کو فوراً مطلع کیا جائے۔(۱)

قادیانی زعماء نے برطانوی سامراج کے ساتھ مذموم ساز باز جاری رکھی اور حکومت کو اپنی وفاداری کے کئی حوالے دیئے۔ مرزا محمود نے دعویٰ کیا کہ آخری پچاس سالوں (۱۸۸۴ء تا ۱۹۳۴ء) کے دوران حکومت کو جب کبھی سنگین صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ قادیانیوں نے پوری وفاداری سے ان کی خدمت کی۔ انہوں نے پہلی جنگ عظیم، رولٹ ایکٹ کی بدامنی اور تحریک ہجرت کے دوران حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں کا بڑی بہادری کے ساتھ مفت لٹریچر تقسیم کرکے مقابلہ کیا اور اس کے خلاف عوامی خطبات و اجتماعات منعقد کرکے بڑی جرأت مندی سے حکومت کی پالیسی کا دفاع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر سول نافرمانی کی تحریکوں، ریڈ شرٹ تحریک جو کمیونسٹوں کی انقلابی تحریک تھی اور بنگالی دہشت گردی کا بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ قادیانی خلیفہ نے ہمیشہ اپنے خطبات میں اس بات پر زور دیا کہ احمدیہ جماعت اپنی ابتداء سے ہی انگریزوں کی مستقل وفاداری سے خدمت کرنے پر خوش ہے بلکہ شہنشاہ معظم کی رعایا ہونے پر فخر کا اظہار کرتی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے پاس ان کو یا ان کی جماعت کے معتمدین کو برطانوی سرکاری حکام کے طرف سے لکھے ہوئے تعریفی خطوط کی ٹوکریاں بھری پڑی ہیں جن میں مختلف مواقع پر برطانیہ کے لیئے جماعت احمدیہ کی خدمات اور وفاداری کو شاندار خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ ان کی جماعت کے پاس تمغوں کی ٹوکریاں بھری پڑی ہیں جو احمدیوں نے حکومت کی خاطر اپنی جانیں قربان

۱۔ الفضل قادیان 22 جولائی 1930ء۔

کر کے حاصل کیئے۔ ان ٹوکریوں کا وزن ان کے دعوے کے مطابق ایک سرکاری اہلکار کے وزن سے زیادہ تھا۔(۱)

مرزا محمود یہ اقرار کرنے سے کبھی بھی نہیں ہچکچائے کہ احمدیہ جماعت نے ہمیشہ ہر اس سیاسی تحریک کی مخالفت کی جس نے برصغیر ہند میں برطانوی بالادستی کے لیئے خطرہ پیدا کیا ہو۔ انہوں نے ان تمام مخالف تحریکوں کا حوالہ دیا جن میں احمدیوں نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ یعنی ۱۹۰۷ء کی پہلی منظم مزاحمت، تقسیم بنگال کے بعد شروع ہونے والی بدامنی، تحریک مسجد کانپور (۱۹۱۳ء) اور پہلی (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء)۔ دوسری (۱۹۳۰ء) اور تیسری عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں (۱۹۳۲ء) ان سب کا بھرپور مقابلہ کیا گیا۔(۲)

ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ احمدیہ جماعت برطانوی سامراج کی پیداوار اور اس کے سیاسی مفادات کی نگہبانی کے لئے ایک خفیہ سیاسی تنظیم ہے۔ کانگریس کی اعلیٰ قیادت قادیانی جماعت کو برطانوی پٹھو قرار دیتی تھی۔ اس بات کو حوالے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے مرزا محمود نے اپنی جماعت کو یوں مخاطب کیا۔

> ”پھر یہ خیال کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے، لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ تھا کہ بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم علیحدگی میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کا انگریزی حکومت کے ساتھ اس قسم کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر سید محمود جو اس وقت کانگریس کے سیکرٹری ہیں، ایک دفعہ قادیان آئے اور انہوں نے بتایا کہ پنڈت جواہر لعل نہرو صاحب جب یورپ کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اسٹیشن پر اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کیں ان میں ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر یورپ میں یہ سبق حاصل کیا ہے کہ اگر انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے احمدیہ جماعت کو کمزور کیا جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر

۱۔ الفضل قادیان۔ یکم نومبر 1934ء۔

۲۔ ایضاً۔

شخص کا یہ خیال تھا کہ احمدی جماعت انگریزوں کی نمائندہ اور ان کی ایجنٹ ہے"۔ (۱)

مرزا محمود نے اپنی کئی تقریروں میں ہندوستان اور اس کے باہر برطانوی راج کے قیام اور اس کی مضبوطی کے لیئے انجام دی گئی احمدیوں کی خدمات کی نوعیت اور تعداد گنوائی۔ نہ صرف قادیانیوں نے برطانوی سامراج کے لیئے اپنی جانیں گنوائیں' بلکہ ہندوستان اور اس کے باہر برطانوی عروج کے لیئے خطرہ بننے والی سیاسی تحریکوں اور یورشوں کو روکنے کے لیئے کروڑوں روپے بھی خرچ کیئے۔ انہوں نے بڑے فخر سے دعویٰ کیا کہ جب برطانوی اہلکار حکومت سے اپنی خدمات کا معاوضہ لے رہے تھے تو انہوں نے اور ان کی جماعت نے ہندوستان میں برطانیہ مخالف تحریکوں کو کچلنے کیلیئے اپنی جیب سے کروڑوں روپے خرچ کیئے۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شہنشاہ معظم کی حکومت کے قیام و استحکام کی شدید خواہش نے انہیں پورے ہندوستان کا دشمن بنا دیا۔ (۲)

احمدیہ مشن لندن نے برطانوی نوآبادیوں میں برطانوی سامراجی مفادات کی نگرانی کی۔ اسے اعلیٰ برطانوی حکام اور سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کی نظروں میں ایک منفرد حیثیت حاصل تھی۔ لندن مشن کا سربراہ ہمیشہ مرزا محمود کا قریبی رازدار ہوتا تھا کیونکہ اسے ہمیشہ اہم سیاسی کام سپرد کیئے جاتے تھے جنہیں وہ خفیہ طور پر سرانجام دیتا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں لندن مشن کا سربراہ عبدالرحیم درد تھا جب اس کی جگہ مولوی فرزند علی کو نیا سربراہ مقرر کیا گیا تو ایک تقریب منعقد کی گئی۔ اس دوران عیدالاضحیٰ کے موقع پر عبدالرحیم درد نے ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا جس میں سرکردہ برطانوی شخصیات نے شرکت کی۔ اس تقریب کے سلسلے میں ایک برطانوی اخباری اطلاع کا حوالہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

> "اکتیس مئی ۱۹۲۸ء کو عیدالاضحیٰ کے دوسرے دن ساؤتھ فیلڈ میں احمدیہ مشن میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں سر ڈینی سن راس نے اسلام پر خطاب کیا۔ اس تقریب

۱۔ الفضل قادیان۔ 4 اگست 1935ء۔

۲۔ ایضاً۔

میں وائی کاؤنٹ ایلن بائی اور اسکی اہلیہ۔ لارڈ لیمہ۔ سر ولیم بل (رکن پارلیمنٹ) سر کلیمنٹ کن لاک کک (ممبر پارلیمنٹ) اور اس کی اہلیہ۔ سر پارک گوف (رکن پارلیمنٹ)، سر فریبک سینڈرسن (رکن پارلیمنٹ)، سر ہنری کوون اور اس کی اہلیہ، سر مردوک میکڈونلڈ (رکن پارلیمنٹ) اور اسکی اہلیہ، کیپٹن گیرو جونز (رکن پارلیمنٹ)، مسٹر جے۔ بی اور مس کوپر، کرنل اسپلین (رکن پارلیمنٹ)، مسٹر رہائس ڈیویز (رکن پارلیمنٹ، مسٹر اور مسز رجنالڈ ایلری۔ سر سٹین فورڈ لندن، ڈاکٹر ٹی ڈی احمد، مسٹر ایم نسیم، مسٹر ایچ۔ ڈی والسن، بشپ جیمز، جرمن سفارت خانے کے معتمد، فارس لیگیشن کے معتمد لیفٹیننٹ کرنل ای مرے، معتمد برطانوی ایمپائر لیگ، مسٹر جی۔ آر۔ ایس میڈ، مسٹر ایچ آر گب، سردار اقبال علی شاہ، سر ایڈورڈ میکلیگن، پنجاب کے سابق لیفٹیننٹ گورنر اور مہاراجہ بردوان نے شرکت کی۔

سر ایڈورڈ میکلیگن نے صدارت کی انہوں نے دلچسپ انداز سے کہا کہ امام عبدالرحیم درد نے عید کی تقریبات میں قدیم عیسائی روایات کا لحاظ رکھا اور غیر احمدی مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کو بھی دعوت دی۔ یہ اس عظیم حب الوطنی اور بے غرضی کی مثال ہے۔ جو جماعت احمدیہ نے پنجاب میں جنگ عظیم کے دوران پیش کی۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ امام لندن سے روانہ ہو رہے ہیں۔

سر ڈینی سن راس نے اسلام کے مطالعہ کے دوران مسلمانوں میں رہنے کے اپنے چند تجربات کا ذکر کیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں تاریخی تحقیقات کے اضافے کی تعریف کی۔

مہاراجہ بردوان نے ایسے ناقابل فراموش اجتماع میں اپنی موجودگی پر مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسی مجالس جن میں وہ اپنے مسلمان دوستوں سے مل سکیں مختلف عقائد کے لوگوں میں دوستی استوار کرنے میں ناکام نہیں ہو سکتیں۔ امام درد نے اپنے اس عقیدے کا حوالہ دیا کہ آسمانی باپ کی پرستش کرنے والے خواہ وہ مسلمان ہوں، عیسائی یا یہودی ایسے مواقع پر بخوبی مل سکتے ہیں۔ رواداری اس کے عقیدے کی بنیاد ہے۔ اس

> نے پھر اعلان کیا کہ صحت کی وجوہات کی بنیاد پر احمدیہ جماعت کے سربراہ نے اسے واپس ہندوستان بلالیا ہے اور اپنے جانشین مسٹر فرزند علی کا حاضرین سے تعارف کروایا اور یہ توقع ظاہر کی کہ جیسی شفقت اور معاونت اسے حاصل تھی فرزند علی کو بھی ملتی رہے گی"۔(۱)

لندن میں گول میز کانفرنسیں

سائمن کمیشن کی رپورٹ مئی ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ ہندوستان بھر میں اس سے مایوسی طاری ہوگئی۔ عوامی سطح پر اس کی مذمت کی گئی۔ ہندوستان کی سیاسی صورتحال پر بحث کے لیئے چند وفادار عناصر نے شملہ میں جولائی ۱۹۳۰ء میں ایک کل مسلم جماعتی کانفرنس بلائی۔ جس میں تمام برطانوی حکومت کے وفادار سیاسی رہنما' نواب اور جاگیردار شامل ہوئے۔ ہندوستانی پریس نے اسے "کل ہند ٹوڈی کانفرنس" یعنی انگریزوں کے پٹھوؤں کی کانفرنس کا نام دیا۔ سر ظفر اللہ کی استدعا پر مرزا محمود نے اس میں شرکت کی۔ انہوں نے رہنماؤں پر زور دیا کہ کوئی مزید قدم اٹھانے سے پہلے مسلمانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ وہ آئندہ لندن میں منعقد ہونے والی گول میز کانفرنسوں کا انتظار کریں۔ انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کچھ عناصر صورتحال کا فائدہ اٹھا کر موقع محل کو سول نافرمانی کی تحریک کی طرف لے جائیں گے۔(۲) بظاہر ان کا اشارہ کانگریس کی طرف تھا۔ لیبر حکومت نے ہندوستان کے لیئے خود اختیاری کے درجہ کا اعلان کیا اور برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کو مشاورت کے لیئے لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ اس موقع پر مرزا محمود نے سائمن رپورٹ کا ایک تجزیہ تیار کر کے شائع کروا دیا۔ اس کتابچے کا عنوان "ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل" تھا۔ لندن کی گول میز کانفرنس کے مسلم شرکاء میں اس کی خوب تشہیر کی گئی۔

ا۔ دی نیئر ایسٹ اینڈ انڈیا لندن۔ 7 جون 1928ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 238۔

اس کتابچے میں کہا گیا کہ ہندوستان ابھی آزادی کے قابل نہیں اور ہندوستان کی آزادی اور بقاء کی خاطر دوسری چیزوں کے علاوہ اس کی عسکری ضروریات کا خاکہ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔(۱) انہوں نے زور دے کر کہا کہ گول میز کانفرنس کے شرکاء کو سائمن کمیشن رپورٹ سے ابتداء کرنی چاہئیے اور ہندوستان کی آزادی کی خاطر متعلقہ سوالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ آخری سوال ایک اخلاقی ' سیاسی اور مذہبی جواب کا متقاضی ہے۔ مذہبی جواب ہندوستانیوں اور یورپیوں کے مابین وسیع مذہبی اختلافات کی بناء پر نہیں دیا جا سکتا مگر سیاسی اور اخلاقی جواب کی گنجائش بہر حال موجود ہے اور ان دونوں کے لیئے ان کا واضح جواب ''ہاں'' تھا۔ انگلستان اپنے سابقہ دعوؤں کی بناء پر سیاسی اور اخلاقی لحاظ سے آخرکار ہندوستان کی حتمی آزادی کا پابند تھا۔ احمدیت کے موضوع پر کام کرنے والے امریکی محقق لیوان نے لکھا ہے کہ

> ''محمود احمد کا موقف انقلابی موقف سے بہت ہی دور تھا کیونکہ انہوں نے اپنے اس جملے میں ہندوستان میں برطانیہ کی مستقل موجودگی کی حمایت پر زور دیا اور انہوں یہ بھی کہا کہ ''مختصر یہ کہ برطانیہ سے علیحدگی نہ صرف ناممکن ہے بلکہ یہ حالات کی خدائی سکیم کے بھی خلاف ہے''۔(۲) انہوں نے برطانوی حکومت کو فرقہ واریت پھیلانے کے جرم سے بری الذمہ قرار دیا اور سائمن کمیشن رپورٹ کی حمایت کی۔ برطانیہ سے ہندوستان کی علیحدگی کا محض خیال خدا کی مشیت کے خلاف بتایا گیا اور ایسا سوچنے والے کو ملک کا بڑا دشمن قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ مرزا محمود کے نزدیک ہندوستان کے لیئے نیم خود اختیاری کا درجہ (ڈومینین سٹیٹس) ایک لعنت کی حیثیت رکھتا تھا۔(۳)

مرزا محمود نے انگلستان کو ہندوستان میں متواتر فرقہ واریت کے الزام سے بری کرتے ہوئے سائمن کمیشن کی تجاویز خصوصاً ان میں اقلیتی گروہوں کے مفادات کے تحفظ کی تجویز کی بھرپور حمایت کی۔ دراصل انہوں نے ہندوستان میں مستقبل کے مجوزہ

۱۔ مرزا محمود۔ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل۔ قادیان 1930ء ص 139۔

۲۔ لیوان۔ ص 139۔

۳۔ مرزا محمود احمد۔ ص 142۔

آئینی ڈھانچے میں مسلمانوں کے ایک ''غلامانہ حیثیت'' کی تجویز پیش کی۔ فرماتے ہیں۔

> ''میں یہ بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر برطانوی اقوام دولت مشترکہ میں ہندوستان کو تاج برطانیہ کے ماتحت رہنا ہے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اسے رہنا چاہیئے تو میں تو کیا، کوئی بھی اس معاملے پر مضبوط ترین سیاسی اتحاد کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ تو پھر یہ ضروری ہے کہ آنے والے طویل عرصہ کے لیئے برطانوی عناصر کو رہنا چاہیئے۔ اب تک تمام برطانوی نیم خودمختار ریاستیں یا تو تمام کی تمام برطانوی خون سے نو آباد ہوئی ہیں مثلاً آسٹریلیا، نیوزی لینڈ یا جزوی طور پر برطانوی اور جزوی طور پر غیر برطانوی عناصر سے نو آباد ہوئی ہیں جیسا کہ کینیڈا اور جنوبی افریقہ۔ نیم خودمختار ریاستیں بڑی آسانی سے اپنی مادر مملکت سے قرابت داری اور زبان کی بنیاد پر تعلقات رکھ سکتی ہیں مگر ایک ہندوستان جیسی سرزمین جو کہ برطانیہ کے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے آباد ہے جو ان سے زبان، نسل، مذہب اور تہذیب میں بہت مختلف ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں کے مابین کسی نہ کسی طرح کے روابط برقرار رہنے چاہئیں تاکہ آزاد اور خودمختار ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کے بارے میں دوستانہ جذبات کو زندہ رکھنے کی حالت میں ہو اور اس کے حصول کے لیئے بہترین طریق کار یہ ہے کہ برطانوی اہلکاروں کی خدمات کا حصول جاری رہے وگرنہ ایک سلطنت کا احساس دم توڑ دے گا اور ہندوستان کے برطانوی عوام کی دولت مشترکہ سے قطع ہو جانے کا خدشہ موجود رہے گا جس کا نتیجہ میرے خیال میں پسندیدہ خود اختیاری حکومت کی بجائے بدترین غلامی کی صورت میں سامنے آئے گا''۔(۱)

پہلی گول میز کانفرنس

پہلی گول میز کانفرنس بارہ نومبر ۱۹۳۰ء کو لندن میں شروع ہوئی۔ کانگریس نے اس کا مقاطعہ کر دیا۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن سر فضل حسین نے اپنے سب

۱۔ ایضاً۔ ص 357۔

سے بڑے رفیق کار سر ظفر اللہ اور شفاعت احمد کو محمد علی جناح کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیئے لندن بھیجا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ظفر اللہ کا سرکاری اثر بڑھ گیا تھا کیونکہ ۳۱۔ ۱۹۳۰ء میں ’’دہلی سازش مقدمہ‘‘ میں وہ سرکاری وکیل تھا۔ اس مقدمے میں بھگت سنگھ اور دت جیسے انقلابی ملوث تھے۔(۱) انہوں نے ایک انقلابی تحریک چلائی۔ سر فضل حسین نے بیس مئی ۱۹۳۰ء کو اتر پردیش کے گورنر میلکم ہیلی کو ایک خط میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

> ’’تکلف برطرف‘ میں اس خیال سے متفق نہیں کہ جناح کانفرنس میں بولتا رہے اور کوئی بھی ایسا مضبوط دماغ کا آدمی موجود نہ ہو جو جناح کے نظریات کے خلاف احتجاج کر سکے۔ جبکہ یہ خیالات ہندوستانی مسلمانوں کے لیئے قابل قبول نہ ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی کھل کر کہہ دے کہ یہ مسلمانوں کے نظریات نہیں‘ یہ مشکل کام ہے اور ناخوشگوار بھی۔ اور ایک نمائندے کی جتنی اونچی حیثیت ہوگی اتنا ہی اسکے لیئے کانفرنس میں یہ کہنا مشکل ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ شفاعت احمد اور ظفر اللہ اس کام میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ جبکہ شفیع کی تردید رقابت کی حامل سمجھی جائے گی‘‘۔(۲)

پہلی گول میز کانفرنس میں کوئی بھی قابل ستائش پیش رفت نہ ہوسکی۔ محمد علی جناح نے کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کے بعد ایک فارمولا تجویز کیا جسے ہندو رہنما جیا کار نے مسترد کر دیا۔ گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس انیس جنوری ۱۹۳۱ء کو ختم ہوا جس میں برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ نے بیان جاری کیا۔ انہوں نے یہ اشارہ دیا کہ حکومت دو پہلوؤں والی مکمل خودمختاری کی تجاویز قبول کر سکتی ہے۔ ہندوستان میں ایک خوش کن تبدیلی پہلے ہی رونما ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے الہ آباد کے اجلاس (۱۹۳۰ء) میں شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا نظریہ پیش کر دیا تھا۔ ہندو پریس نے اس نظریہ

۱۔ لیوان۔ ص 144 اور ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ لندن 1983ء ص 55۔

۲۔ میاں فضل حسین کے خطوط۔ ص 77 اور عاشق حسین بٹالوی۔ اقبال کے آخری دو سال۔ ص 249۔

پر سخت تنقید کی اور اسے ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے طور پر مسترد کر دیا۔

لارڈ اروِن کے لیئے تحفہ

ہندوستان میں لارڈ اروِن کا عہد وائسرائلٹی ۱۹۳۱ء میں ختم ہوگیا۔ اسکی جابرانہ حکمت عملیوں کی وجہ سے ہندوستانی اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ قدامت پسندوں نے اسکے واپس بلائے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ اپنی روایتی حکمت عملی کے مطابق مرزا محمود نے اس کی لندن روانگی کے موقع پر اپنے آقا کی چاپلوسی کا ایک بار پھر مظاہرہ کیا۔ انہوں نے سر ظفراللہ' چوہدری فتح محمد سیال اور عبدالرحیم درد پر مشتمل ایک سات رکنی وفد اس کی خدمت میں ارسال کیا جس نے مرزا محمود کی لکھی ہوئی کتاب کی ایک خوشنما جلد اسے پیش کی۔ یہ کتاب ایک خوبصورت صندوقچہ میں رکھ کر پیش کی گئی۔ اسے مرزا محمود اور ہندوستان کے تمام صوبوں کے سو شہروں میں بسنے والے دس ہزار اراکین جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کیا گیا۔ اس میں احمدیت کی مختصر تاریخ کے علاوہ ماضی کی سیاسی بدامنی کے ادوار میں احمدیہ جماعت کی خدمات جلیلہ اور انگریزوں کے ساتھ تعلقات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس کتاب کی رو سے احمدیہ برطانیہ تعلقات اتنے قریبی تھے کہ لوگ یہ غلط تاثر لینے پر مجبور تھے کہ شاید احمدی انگریزوں کے جاسوس ہیں۔

لارڈ اروِن نے ہندوستان میں اپنے عہد حکومت کے دوران مرزا محمود کو جوابی خط میں احمدیہ جماعت کی گراں قدر سیاسی خدمات کی تعریف کی۔ اس نے ہندوستان چھوڑنے کے بعد بھی احمدیہ جماعت میں اپنی دلچسپی اور ہمدردی کی یقین دہانی کرائی۔(۱)

بے کیف لیگ اجلاس

یکم دسمبر 1931ء کو دوسری گول میز کانفرنس ختم ہوگئی اور ظفراللہ کوئی وقت

۱۔ مرزا محمود احمد ''تحفہ لارڈ اروِن'' اللہ بخش سٹیم پریس قادیان۔ مارچ 1931ء۔

ضائع کیئے بغیر دہلی میں لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لیئے ہندوستان کو روانہ ہوگیا۔ چند برطانیہ نواز عناصر نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لیئے انہیں بطور امیدوار پیش کیا۔ صدارت سے پہلے انہوں نے رہنمائی کے حصول کے لیئے مرزا محمود کو خط لکھا جو تاریخ احمدیت میں محفوظ ہے۔ ظفر اللہ لکھتے ہیں۔

> ''ادھر اس موقع پر ذمہ داری بھی بہت ہے۔ غالباً ایسا اہم سیاسی موقعہ پہلے نہ ہوا ہوگا اس لیئے خاکسار (ظفر اللہ) نے حضور (مرزا محمود) کی منظوری کی امید میں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے اسے منظور کرلیا ہے اور زیادہ تر اس رنگ میں اپنے خیالات کے لحاظ سے اسے قبول کیا کہ اس موقع پر مسلمانانِ ہند کو حضور کی زبان بن کر سیاسی مشورہ دوں اور کسی حد تک ان کی سیاسی رہنمائی کرسکوں۔ اسی لیئے معروض ہوں کہ حضور کمال ذرہ نوازی اور شفقت سے اپنا قیمتی وقت نکال کر ایڈریس کا مسودہ لکھوا دیں اور خاکسار کو بھجوا دیں۔ خاکسار اسے ترجمہ کرلے گا...... میرے نام کا اعلان ہوتے ہی جمعیت العلماء وغیرہ شور مچانا اور مخالفت شروع کر دیں گے اور کوشش کریں گے کہ اجلاس کے دنوں میں بھی مخالفت ہو اس لیئے کوشش کرنی چاہیئے کہ جماعت احمدیہ کے بہت سے ممبران شامل ہوسکیں تا کہ حاضری بھی اچھی ہو اور ریزولیشن وغیرہ بھی حسب منشاء پاس ہو جائیں...... ایڈریس میں سیاست حاضرہ میں مسلمانوں کی حالت' موجودہ سیاسی حالات پر تبصرہ اور آئندہ کے کام کے متعلق بھی ہوگا۔ آئندہ ایک باقاعدہ نظام اور اتحاد کے ساتھ کام کرنے پر اگر حضور پسند فرمائیں تو خصوصیت سے زور دیں''۔ (۱)

مسلم لیگ کا اجلاس جیون ہال دہلی میں منعقد ہوا۔ جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ مسلم لیگ کے بائیسویں اجلاس کی صدارت ایک قادیانی کرے گا تو انہوں نے پرتشدد مظاہرہ کرتے ہوئے ہال پر قبضہ کرلیا۔ ظفر اللہ کی مخالفت میں مظاہرہ نے شرکاء کو مجبور کر دیا کہ وہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ (۲) آخر کار یہ اجلاس نواب محمد علی کی رہائش

---

[1] تاریخ احمدیت جلد 4 ص 337-339۔

[2] تاریخ احمدیت۔ جلد 6 ص 340۔

گاہ پر سخت حفاظت میں منعقد ہوا۔ ظفراللہ نے اپنے صدارتی خطاب میں سیاسی معاملات جیسے ہندوستان کے لیئے نیم خود اختیاری حکومت، کل ہند وفاق، صوبائی خود مختاری، اقلیتوں کے لیئے آئینی تحفظات، کشمیری مسلمانوں کے حقوق اور ملک میں مختلف عناصر کی جانب سے دہشت آمیز اور انقلابی کارروائیوں کے ارتکاب پر اظہارِ خیال کیا۔⁽¹⁾

یہ ایک بے کیف اور نیم حاضری والا ایوان تھا جس میں بمشکل ایک سو بیس آدمی تھے۔ اس اجلاس میں سالانہ اجتماع کی مطلوبہ تعداد پچھتر سے پچاس تک کر دی گئی اور نئے ارکان کی کشش کے لیئے سالانہ چندہ چھ روپے سے کم کر کے ایک روپیہ کر دیا گیا اور رکنیت کی پانچ روپے فیس یکسر ختم کر دی گئی۔⁽²⁾ لیگ کے آئین میں دوسری اہم ترمیم جو کہ لیگ کے بنیادی مقاصد میں سے بیان کی گئی یہ تھی کہ ہندوستان کے لیئے پرامن اور قانونی طریقے سے ''سوراج'' یا آزادی کے حصول کے نصب العین کو تبدیل کرکے ''ہندوستان کے لیئے مکمل ذمہ دارانہ حکومت کا پرامن اور قانونی طریقے سے مسلمانوں کے لیئے تحفظات کے ساتھ حصول'' کر دیا گیا۔⁽³⁾ ڈاکٹر ایم۔ یو۔ ایس جنگ نے لفظ ''سوراج'' (آزادی) کے لفظ کو باقی رکھنے کی تجویز دی جبکہ مسٹر صابری نے اسے ''مکمل آزادی'' سے تبدیل کرنے کو کہا۔ اکثریت نے ان دونوں ترامیم کو مسترد کر دیا جبکہ ان کے حق میں صرف ارکان نے رائے دی۔ منظور ہونے والی قراردادوں میں سے ایک ایسی کمیٹی کے قیام کے بارے میں تھی جو ''کل ہند مسلم کانفرنس'' کی مجلس عاملہ سے گفت و شنید کے بعد دونوں جماعتوں کے مابین ایک اتحاد قائم کرے۔ مجلس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مارچ ۱۹۳۲ء تک لیگ کونسل کو پیش کرنی تھی جو انضمام کی تجویز اور نتیجے میں بننے والی تنظیم کے آئین کی تیاری کرتی۔ اس کمیٹی میں ظفراللہ صدر مسلم لیگ، ایس ایم

۱۔ شریف الدین پیرزادہ۔ فاؤنڈیشنز آف پاکستان ص 137۔
۲۔ موعوذ تشکیل۔ پاکستان۔ ص 56۔
۳۔ پیرزادہ۔ ص 181۔

عبداللہ، اور مرزا اعجاز حسین جائنٹ سیکرٹری لیگ کے طور پر شامل تھے۔ (۱)

سامراجی کھیل کے لیئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو استعمال کرنے کی یہ ایک گھناؤنی سازش تھی۔ قادیانی لیگ پر مکمل قابو پانے کے بعد اس کو مسلم کانفرنس میں ضم کر کے اس کی آزاد حیثیت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

پاکستان سکیم

انگریزوں نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر ظفر اللہ کا نام تینوں گول میز کانفرنسوں کے لیئے تجویز کیا۔ ان اجلاسوں کے اختتام پر ان کا نام جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں بھی شامل کیا گیا تاکہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے متعلق تجاویز کے قابل عمل ہونے کے بارے میں شہادتوں کی پرکھ کر سکے۔ جب کانفرنس اور لیگ کے نمائندے اس جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو پیش ہوئے تو چار صفحات پر مشتمل ایک اشتہار بعنوان ''ابھی نہیں تو کبھی نہیں'' یا ''ہم سب کو زندہ رہنا ہوگا یا ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جائیں گے'' گول میز کانفرنس کے شرکاء کی توجہ کا حامل بن گیا۔ یہ چوہدری رحمت علی کی تجویز تھی۔ ظفر اللہ نے پاکستان کے منصوبے کے بارے میں پارلیمنٹ کی جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو یکم اگست ۱۹۳۳ء کو یہ بیان دیا کہ یہ محض طالب علموں کا منصوبہ ہے اور اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے اس منصوبے کو ناقابل عمل اور بے بنیاد قرار دیا جس کا مقصد چند صوبوں کا وفاق تھا۔ (۲) تاہم بعد میں اس نے اپنے موقف کی وضاحت میں (۱۹۸۲ء) میں پچاس سال بعد کہا کہ

> ''چونکہ چوہدری رحمت علی کا منصوبہ پاکستان ہندوستان کے ایک حصے سے آبادی کا دوسرے حصے میں انتقال کے سوا کچھ نہ تھا اس لیئے انہوں نے اسے اپنی نوعیت میں بے بنیاد اور ناقابل عمل قرار دیا تھا''۔ (۳)

۱۔ پیرزادہ۔ ص 192۔

۲۔ ہندوستان کے اجلاس برائے آئینی اصلاحات منعقدہ 37-1932ء میں مشترکہ مجلس کے سامنے دی گئی شہادت کی کارروائی۔ جلد 2 ص 1496۔

۳۔ پاکستان ٹائمز لاہور۔ 13 فروری 1982ء۔

ظفر اللہ نے گول میز کانفرنسوں میں اپنے برطانوی آقاؤں کیلئے خدمات سرانجام دینے کا ایک شاندار ریکارڈ قائم کیا۔ اپنی انہی خدمات کی وجہ سے انہیں گول میز کانفرنسوں کے اختتام پر سر کے خطاب سے نوازا گیا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سر سیموئیل ہور نے انہیں شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے ہندوستان میں شاندار مستقبل کے متعلق اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا اور توقع ظاہر کی کہ وہ برطانیہ سے اپنی وفاداریاں جاری رکھے گا۔(۱) اس کو برطانیہ کے مستقبل انڈر سیکرٹری برائے ہند سر فنڈ لیٹر سٹیوارٹ سر مورلیس گوائر چیف ٹریژری کونسل جو بعد میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے اور دوسرے برطانوی حکام کی بھی حمایت حاصل ہوگئی۔(۲)

محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی

محمد علی جناح نے گول میز کانفرنس کے مباحثوں اور برطانوی آلہ کاروں کی سودے بازیوں سے تنگ آ کر لندن میں اس نیت سے قیام پذیر ہونے کا ارادہ کرلیا کہ وہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے سامنے وکالت کریں گے۔ چونکہ انہیں وفاقی منصوبے سے اختلاف تھا اس لیئے گول میز کانفرنس کی آخری نشستوں میں انہیں مدعو نہ کیا گیا۔ قادیانیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا محمود احمد نے احمدیہ مشن لندن کے امام عبدالرحیم درد کو ہدایت کی کہ وہ جناح صاحب کو واپس وطن آ کر سیاست میں حصہ لینے کی ترغیب دے۔(۱) درد نے مبینہ طور پر محمد علی جناح سے کئی ملاقاتیں کیں۔ نتیجتاً محمد علی جناح نے اپنا ذہن تبدیل کرلیا اور اس سے اتفاق کرلیا کہ ہندوستان واپس جا کر ہندوستان کے مسلمانوں کے لیئے سیاسی جدوجہد دوبارہ شروع کی جائے۔ اس کی ابتداء لندن سے کی گئی۔ سترہ اپریل ۱۹۳۳ء کو عید الاضحیٰ کے موقع پر عبدالرحیم درد نے لندن مسجد کے صحن میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں دو سو کے قریب سیاستدانوں اور مدبروں نے شرکت

۱۔ الفضل قادیان۔ 24 جولائی 1934ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ صفحہ 71۔

۳۔ سر ظفر اللہ احمدیت۔ ص 243 مزید دیکھئے ولی اللہ شاہ۔ ہماری ہجرت اور قیام پاکستان لاہور۔ 1949ء ص 21۔

کی۔ جن میں پیتھک لارنس، سر ایڈورڈ میکلیگن، پروفیسر اے۔ آر۔ گب۔ سر ڈینی سن راس وغیرہ شامل تھے۔ اس اجلاس کی صدارت سر نائرن سٹیوارٹ نے کی۔ مسٹر جناح نے اس میں ہندوستان کے مستقبل پر تقریر کی۔ انہوں نے اپنی بات اس فقرے سے شروع کی۔

''امام کی بلیغانہ ترغیب نے میرے لیئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی''۔

سنڈے ٹائمز لندن نے اپنے نو اپریل ۱۹۳۳ء کے شمارے میں لکھا۔

> ''میلروز روڈ ومبلڈن کی مسجد کے صحن میں ایک عظیم اجتماع تھا۔ جب مشہور ہندوستانی مسلمان مسٹر جناح نے ہندوستان کے مستقبل پر تقریر کی۔ مسٹر جناح نے قومی نکتہ نگاہ سے قرطاس ابیض پر ناگوار تبصرہ کیا۔ چیئرمین این سٹیوارٹ سنڈیمن نے اس موضوع پر چرچل والا رویہ اپنایا تو چند مسلمان طلباء نے دوران تقریر ناگوار خلل ڈال دیا جن کو آخر کار مسجد کے امام نے چپ کرایا''۔(۱)

قادیانیوں کے اس دعوے کا کوئی ٹھوس ثبوت میسر نہیں ہے۔(۲) بلکہ گول میز کانفرنسوں میں ظفراللہ کا رویہ اور بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے دوران قادیانی قیادت کا کردار قادیانی مصنفین کے بے سروپا دعووں کو مسترد کرنے کے لیئے کافی شہادت پیش کرتا ہے۔ محمد علی جناح ستمبر ۱۹۳۱ء میں واپس آئے اور کچھ دنوں کے لیئے بمبئی میں قیام کیا۔ انہوں نے ایک عوامی اجتماع سے خطاب کیا اور مسلمانوں کو اپنے اختلافات بھلانے کی تلقین کی۔ لیاقت علی نے ۱۹۳۳ء میں لندن جا کر ان کو قوم کی قیادت سنبھالنے کی ترغیب دی۔ ۱۹۳۴ء میں وہ دوبارہ ایک ماہ کیلئے ہندوستان آئے۔ اس آمد کا بڑا مقصد لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب کے علاوہ مسلمانوں کو کمیونل ایوارڈ قبول کرنے اور آئندہ انتخابات کی تیاری کی ترغیب دینا بھی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں جناح صاحب ہندوستان واپس آئے تا کہ مرکزی مجلس قانون ساز کے اجلاس میں شرکت کر

۱۔ ریویو آف ریلیجنز ربوہ مارچ 1984ء۔

۲۔ الفضل 27 اپریل 1933ء نے اس اجلاس کی اطلاع دیتے ہوئے ایسی کوئی بات نہیں لکھی۔

سکیں جس کی رکنیت انہیں اپنی غیر موجودگی میں اکتوبر ۱۹۳۴ء میں بلا مقابلہ حاصل ہو چکی تھی۔ ۱۹۳۴ء میں ہی انہیں مسلم لیگ کا مستقل صدر چن لیا گیا۔⁽¹⁾

بمبئی میں حتمی طور پر دوبارہ قیام سے پہلے جناح صاحب جاں بلب مسلم لیگ کو ایک موثر تنظیم میں بدلنے کے لیئے ذہنی طور پر آہستہ سے آمادہ ہوئے اور ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء کے درمیان کئی دفعہ صورتحال کا جائزہ لینے کے لیئے انہوں نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندوستان واپسی میں قادیانی ترغیب کا کوئی عنصر شامل نہ تھا۔ محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی کے بعد قادیانیوں نے کبھی انکے ساتھ تعاون نہ کیا۔ پنجاب کے رسوائے زمانہ یونینسٹوں کے ساتھ مذموم ساز باز کی وجہ سے انہوں نے مسلم لیگ کی ساری پالیسیوں کو عموماً اور پنجاب میں خصوصاً مخالفت کا نشانہ بنایا۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخر میں انہوں نے کانگریس کی کھلے عام حمایت کی اور ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں کی تشکیل پر خوشیاں منائیں۔

۱۔ (دی پارٹیشن آف انڈیا۔ پالیسیز اینڈ پرسپیکٹو۔ موقف سی ایم فلپ اور ایم ڈی وائن رائٹ۔ لندن 1970ء ص 35۔

دسواں باب

کشمیر میں قادیانی سازشیں

کشمیر پر قادیانیوں کی ہمیشہ سے نظر رہی ہے۔ مرزا محمود ایک جگہ کہتے ہیں کہ سکھ دربار کی طرف سے مقرر کردہ کشمیر کے گورنر امام الدین سے ان کے دادا مرزا غلام مرتضیٰ کی گہری دوستی رہی تھی۔ جب اسے سکھ دربار کی جانب سے کشمیر میں ذمہ داری سنبھالنے کی ہدایت ہوئی تو اس نے مرزا غلام مرتضیٰ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیئے اصرار کیا۔ سکھوں اور انگریزوں کے مابین ہونے والی جنگ (۱۸۴۶ء) کے دوران مرزا غلام مرتضیٰ امام الدین کے ہمراہ کشمیر میں تھا۔ انگریزوں نے پنجاب میں سکھوں کی قوت کو کچل کر رکھ دیا اور مارچ ۱۸۴۶ء میں معاہدہ امرتسر کی رو سے پچھتر لاکھ روپے کے عوض کشمیر گلاب سنگھ کو بیچ دیا۔ گلاب سنگھ کو کشمیر کا قبضہ لینے میں چند مشکلات درپیش تھیں۔ امام الدین نے کچھ عرصے تک کامیاب مزاحمت کی۔ لیکن ۱۸۴۶ء کے آخر میں برطانوی دستوں اور لاہور دربار کی مدد سے گلاب سنگھ کشمیر پر قابض ہوگیا۔ مرزا محمود مزید کہتے ہیں کہ امام الدین کشمیر کے اردگرد کی ریاستوں کے وفاق کے قیام کے چکروں میں تھا تاہم وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ پہاڑی ریاستوں کے نواب انگریزوں کے ساتھ مقابلے کی سکت نہیں رکھتے۔ مزید یہ کوئی عقلمندی بھی نہیں تھی کہ انگریزوں سے براہ راست دشمنی مول لی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ان وجوہات کی بناء پر مرزا محمود نے سیاست میں حصہ لیا۔(1)

دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کا اتالیق، سسر اور احمدیہ جماعت کا پہلا خلیفہ

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 435-36۔

حکیم نورالدین کشمیر کے دربار کا شاہی طبیب تھا۔ کشمیر کے آخری مہاراجہ ہری سنگھ کے باپ امر سنگھ کے بڑے بھائی مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس نے ریاست سے حکیم صاحب کے اخراج کے فوری احکامات جاری کر دیئے۔(۱) مگر اس کے اخراج کی اصل وجہ یہ نہیں ہے۔

اصل کہانی یہ کہ ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا پرتاپ سنگھ اس کا جانشین بنا۔ ۱۸۸۹ء میں انگریزوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ اس بہانہ سے کشمیر اور گلگت کے کچھ حصوں کا برطانوی ہند سے الحاق کر لیا جائے۔(۲) اس منصوبے کو ایک قوم پرست سادھو امبا پرشاد نے طشت از بام کر دیا جو گونگا اور بہرہ بن کر برطانوی نمائندہ مقیم کلکتہ کے دفتر میں ملازم ہو گیا۔ اس نے خفیہ سرکاری دستاویزات چوری کر کے کلکتہ کے اخبار "امرت بازار پتریکا" میں چھپوا دیں۔ جن میں اس سازش کا ذکر تھا۔ اس سے کلکتہ انتظامیہ اور برطانوی پارلیمنٹ کو بڑا دھچکا لگا۔ تاہم اس وقت ہندوستان کا دارالحکومت کلکتہ تھا۔ انگریزوں نے مہاراجہ کی خوب خبر لی اس کے اختیارات محدود کر دیئے اور ریاست کی انتظامیہ چلانے کے لیئے ایک مجلس تشکیل دے دی جس میں مہاراجہ کے دو بھائی رام سنگھ اور امر سنگھ کے علاوہ کچھ چیدہ چیدہ برطانوی اہلکار شامل تھے۔ انہیں وائسرائے کے نمائندہ کی پیشگی اجازت کے بغیر کوئی بڑا قدم اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ نومبر ۱۸۹۱ء میں مہاراجہ کو کچھ جزوی اختیارات واپس مل گئے۔ یہ اختیار ملنے کے فوراً بعد اس نے سب سے پہلے حکیم نورالدین کے ریاست سے اخراج کے احکامات صادر کیئے۔ حکیم برطانوی انٹیلی جنس کا کارندہ تھا۔ اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ پرتاپ سنگھ کی سیاسی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔ اس نے کشمیر میں مقیم برطانوی ریذیڈنٹ کو تمام درباری سازشوں سے آگاہ رکھا۔(۳)

اپنے سامراجی آقاؤں کی ہدایت پر اس نے اور محرم علی چشتی نے کشمیر کی سرحد

۱۔ ایضاً۔

۲۔ دیکھیے مولوی حشمت اللہ۔ تاریخ جموں لاہور۔ 1968ء۔

۳۔ ممتاز احمد۔ مسئلہ کشمیر لاہور۔ ص 58۔

پر (کشتواڑ میں) (۱) ایک طفیلی ریاست کے قیام کی سازش تیار کی تا کہ روسی جارحیت کی صورت میں یہ ایک بفر سٹیٹ کا کام دے سکے۔ یہ منصوبہ چند سیاسی وجوہات کی بناء پر پروان نہ چڑھ سکا۔ امر سنگھ حکومت کے حصول کی خواہش میں حکیم صاحب کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا۔ مرزا محمود نے کشمیری مسلمانوں کی کسمپرسی کو کشمیر کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی تیسری وجہ قرار دیا ہے جو انہوں نے اپنے کشمیر کے تین دوروں کے دوران محسوس کیا۔ کشمیر میں پہلی دفعہ وہ جولائی ۱۹۰۹ء میں محلّہ خانیار سری نگر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ دیکھنے گئے۔ ان کے دوسرے دورے کا مقصد سیاسی تھا کہ وہ کشمیر کو پڑاؤ بنا کر وسط ایشیاء میں اپنے آلہ کار بھجوانے کے امکان کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ ان دنوں برطانوی حکمت عملی یہ تھی کہ اشتراکی روس کی توسیع پسندی کا مقابلہ کیا جائے۔(۲) مولوی محمد امین اور مولوی ظہور حسین کئی دفعہ جاسوسی کے لیئے روس گئے اور روسی خفیہ پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ مرزا محمود نے وسط ایشیاء میں قادیانیوں کی مسلسل اور خفیہ سرائیت پذیری کے دنوں میں ایک احمدی ریاست کے قیام کی طرف اشارہ بھی کیا۔(۳)

جون ۱۹۲۹ء میں مرزا محمود تیسری دفعہ کشمیر گئے۔ ۱۹۲۹ء تک روسی انقلاب (۱۹۱۷ء) ایک خاص حد تک ترقی کر چکا تھا اور اس نے ہندوستان میں برطانوی سامراج کے لیئے شدید خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ اشتراکی روس نے ہندوستانی مسلمانوں کو بار بار اکسایا کہ وہ سامراج کا جواء اپنے گلے سے اتار پھینکیں اور روسی انقلاب کی مدد کریں۔ ان نعروں نے برطانیہ کی ناک میں دم کر دیا تھا۔ تاہم روس کی درآمدی ضروریات، مغرب سے قرضوں پر اس کا انحصار اور مارچ ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کے ساتھ ایک تجارتی معاہدے کی تکمیل نے روس کو مجبور کیا کہ وہ ایشیائی پالیسی میں لچک پیدا کرے۔ برطانوی مفادات کا خیال کرکے اور ہندوستان میں قائم برطانوی سامراج کی حکومت افغانستان کی آزاد ریاست کے خلاف عسکری یا سفارتی طریقے سے کسی بھی

۱۔ رفیق دلاوری۔ آئمہ تلبیس لاہور 1937ء ص 488۔

۲۔ جوزف کوربل۔ ڈینجر ان کشمیر۔ امریکہ 1986ء ص 274۔

۳۔ مرزا محمود۔ اے پریذیڈنٹ ٹو پرنس آف ویلز۔ ص 93 اور الفضل قادیان 12 مارچ 1922ء۔

طرح ایشیائی باشندوں کو اکسانے اور مسلح تصادم کرانے سے احتراز کرے۔ مگر اس کے باوجود روس اپنے اشتراکی نظریات کے باعث ہندوستان کے انقلابیوں کی کسی نہ کسی طریقے سے مدد کرتا رہا۔ ہندوستان کے انقلابیوں کا سب سے بڑا تربیتی مرکز تاشقند میں تھا۔ ۱۹۲۰ء میں سمرقند میں ایک تربیتی ادارہ بھی قائم کیا گیا جس میں تین ہزار پانچ سو ماہرین نے شرکت کی۔ جنہیں مناسب رقومات مہیا کر کے روس نے انقلابی سرگرمیوں کے لیئے ہندوستان بھجوایا۔ کابل میں سوویت سفیر رسکولنکوف نے وزیرستان کے قبائلیوں پر خصوصی توجہ دی۔(۱) ہندوستان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی روسی یقین دہانیوں کے باوجود برطانوی کمیونسٹ جماعت کے محکمہ نو آبادیات نے ہندوستانی کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کی رہنمائی جاری رکھی۔(۲) ۱۹۲۸ء میں تیسری بین الاقوامی چھٹی کانگریس کے بعد اشتراکیوں نے ہندوستان میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ابتداء میں انہوں نے بمبئی، بنگال اور صوبجات متحدہ (یوپی) کے مزدوروں کو ہڑتال پر اکسایا۔ (مقدمہ کانپور سازش ۱۹۲۴ء) اور ان کے رہنماؤں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ (میرٹھ سازش مقدمہ)۔ ۱۹۳۰ء میں ایک ڈرافٹ پروگرام تیار کرنے۔ ہندوستانی حکومت کا زبردستی تختہ الٹنے اور اس کی جگہ سوویت یونین کی حامی حکومت کے قیام کی ترغیب دی گئی۔(۳) ان اشتراکی اعلانات سے خوفزدہ ہو کر برطانیہ نے کشمیر کے فوجی اہمیت کے حامل علاقوں میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں میں گہری دلچسپی لینا شروع کر دی۔ وہ روسی اثر کے علاقوں میں اپنے وفادار آلہ کار بسانا چاہتا تھا۔

سامراج کے نہایت قابل اعتماد آلہ کار سوائے قادیانیوں کے کوئی بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا برطانیہ نواز سرگرمیوں، تخریب کاری اور جاسوسی کا شاندار ریکارڈ تھا۔ انکے ذریعے سے چلائی گئی کسی بھی تحریک کو آسانی سے جاری رکھا اور سنبھالا جا سکتا تھا۔ ان پر تمام معاملات میں اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان میں قومی آزادی کی تحریکوں کی

۱۔ کوربل۔ ص 281۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ کوربل۔ ص 281۔

مخالفت کر کے وہ اپنی اہمیت اور حیثیت پہلے ہی منوا چکے تھے۔ کانپور مسجد کی تحریک، سانحہ جلیانوالہ باغ، خلافت اور سول نافرمانی کی تحریکوں میں مجاہدین آزادی کی کوششوں کو ناکام کرنے میں وہ انگریز کے شانہ بشانہ رہے تھے۔ وہ اشتراکیوں اور ''بنگالی دہشت گردوں'' کے خلاف خصوصی طور پر سرگرم عمل تھے۔ کشمیر کی سرحدوں پر ان کی موجودگی نہ صرف اشتراکی یورشوں کو ختم کرنے بلکہ سنکیانگ سے انقلابیوں کی کشمیر میں آمد روکنے میں بھی ممد ثابت ہوسکتی تھی۔

کشمیر میں بدامنی

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخری سال کشمیر میں سیاسی صورتحال بگڑنے لگی اور حالات کافی دھماکہ خیز ہوگئے۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں کشمیر کے وزیر سیاسی معاملات سر البیون بینر جی نے ریاست کے بگڑتے حالات پر احتجاج کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا اور کشمیری مسلمانوں کی کسمپرسی پر دھواں دھار بیانات دیئے۔ ان بیانات کے بعد (جون ۱۹۲۹ء میں) مرزا محمود نے تیسری دفعہ کشمیر کا چکر لگایا تاکہ اپنے تخریبی منصوبے کو آخری شکل دے سکیں۔ انہوں نے قادیانی کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ ہر اس جماعت کی صفوں میں گھس جائیں جس کسی کے بھی مستقبل میں سیاسی قیادت میں آنے کے مواقع ہوں۔ کشمیر میں درجنوں قادیانی موجود تھے۔ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر مرزا محمود نے کشمیر کے طول و عرض میں تقریباً پچاسی قادیانی مراکز قائم کر دیئے تھے جن میں بڑے شاطر مبلغین کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورتحال سے فائدہ اٹھانے میں مصروف و مستعد تھے۔⁽¹⁾ مرزا محمود نے اس دور میں اپنی سیاسی سرگرمی کے بل بوتے پر مستقبل میں اپنی بیس کے طور پر ہندوستان میں کسی بھی جگہ ایک قادیانی ریاست کے قیام کا نعرہ بلند کر دیا۔⁽²⁾ بظاہر وہ کشمیر کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 6 ص 480۔

۲۔ الفضل قادیان 25 اپریل 1930ء۔

۱۹۳۰ء میں کشمیر میں سیاسی ابتری اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ قرآن پاک کی بے حرمتی اور جموں میں جمعہ کی نماز کے دوران خطبہ میں دخل اندازی نے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا۔ وہ ڈوگرہ حکمرانوں کی زیادتی کے خلاف احتجاج کے لیئے جامع مسجد سری نگر کے دروازہ پر اکٹھے ہو گئے۔ اجلاس کے اختتام پر پیشے کے لحاظ سے سیاحتی رہنما اور صوبجات متحدہ کے ایک نوجوان پٹھان عبدالقدیر نے آتش بیانی سے ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف تقریر کی۔ اس کو گرفتار کر کے اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔(۱)

تیرہ جولائی ۱۹۳۱ء کو سری نگر جیل کے دروازے پر ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے جہاں مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی۔ وہ سب عبدالقدیر کے بارے میں متفکر تھے۔ پولیس نے پرامن مظاہرین پر گولی چلا دی جس سے تیئیس شہید ہو گئے اور چالیس زخمی ہو گئے۔ پورے ہندوستان میں شدید غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانان ہند نے ڈوگرہ مظالم کے خلاف احتجاج کیا اور کشمیری مسلمانوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ ہم عصر مبصرین کشمیر کی آتش فشاں جیسی صورتحال کی وجوہات کے مسئلہ پر تقسیم ہو گئے۔ کشمیر دربار کے ترجمان اور کچھ برطانوی سیاستدانوں کا یہ خیال تھا کہ اس میں بالشویکی آلہ کار بیرونی عناصر کا ہاتھ تھا اور اس کا اظہار برطانوی دارالعوام کے ایک رکن لیفٹیننٹ کرنل سر سائیلو نے بھی کیا (۲) مگر گرمائی دارالحکومت میں اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس میں اندرونی ہاتھ ملوث ہے۔ ڈپٹی کمشنر امرتسر ای ایم جنکنز کے مطابق

> ”فساد کی جڑ ریاست میں ہے۔ پنجاب میں نہیں جو اس کے برعکس سوچتا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے“۔ (۳)

مصیبت کی جڑ سے اس کی مراد کشمیری معاشرے میں مسلمانوں کی تکلیف دہ صورتحال تھی۔

۱۔ آئن کوپلینڈ (پروفیسر موناش یونیورسٹی آسٹریلیا۔ اسلام اینڈ پولیٹکس موبلائزیشن ان کشمیر 34-1931ء پیسفک افیئرز۔ ستمبر 1981ء ص 231۔

۲۔ لیفٹیننٹ کرنل سروائر سائکز دارالعلوم میں۔ 22 فروری 1932ء برطانیہ۔ پارلیمنٹری ڈیبیٹس۔ جلد 262 کالم 11۔

۳۔ نوٹ مورخہ 14 فروری 1932ء نائب پولیٹیکل سیکرٹری کا یہ خیال تھا کہ اس اطلاع کی نقل کچھ ریذیڈنٹس کے تاثر کو درست کرنے میں مدد دے گی۔ منٹ مورخہ 23 فروری 1932ء۔ انڈیا آفس ریکارڈز 8-29-1 بیان کردہ کوپلینڈ۔

کشمیر کمیٹی

پچیس جولائی ۱۹۳۱ء کو مرزا محمود نے ہندوستان کے سرکردہ مسلمانوں کو نواب ذوالفقار علی خان کی رہائش گاہ واقع شملہ میں کشمیر کے معاملات پر مشاورت کی دعوت دی۔ شرکاء میں سر فضل حسین، خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر محمد اقبال، سر ذوالفقار علی، نواب کنج پورہ، شیخ رحیم بخش (ریٹائرڈ سیشن جج)۔ سید محسن شاہ (ایڈووکیٹ)، مولوی اسماعیل غزنوی، مولوی نور الحق (مدیر "مسلم آؤٹ لک" لاہور)۔ سید حبیب (مدیر "سیاست" لاہور) میرک شاہ، اے۔ آر ساغر اور عبداللطیف (سر عبدالقیوم آف سرحد کے بھائی) شامل تھے جبکہ ظہور احمد (قادیانی) نے بطور پریس سیکرٹری شرکت کی۔(۱)

مرزا محمود کی صدارت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجلس کے ڈکٹیٹر بننے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔(۲) عبدالرحیم درد اس کا سیکرٹری بن گیا۔ انہوں نے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لیئے آئینی جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا۔(۳) کشمیر کمیٹی کے قیام کے نتیجے میں کشمیر کے سیاسی معاملات میں قادیانیوں کی گہری دلچسپی کی آئین کوپ لینڈ یہ توجیہہ بیان کرتا ہے۔

> "اس توسیع پسند فرقے کو کشمیر نے قدرتی طور پر ایک وسیع میدان پیش کر دیا تھا۔ ضلع گورداسپور میں جہاں احمدیوں کا ہیڈ کوارٹر واقع تھا، کشمیر کی سرحدوں سے متصل تھا اور احمدیت نے اس عقیدہ کو قبول کر لیا تھا کہ سری نگر حضرت یسوع مسیح کی آخری آرام گاہ ہے جو کہ مسلمانوں میں بھی ایک پیغمبر کے طور پر قابل احترام تھے۔ تاہم جولائی کی تحریک میں احمدیہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے یہ خیال کیا کہ وقت آ گیا تھا کہ تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز ہو۔ عوامی حقوق کی علمبرداری کا نعرہ کشمیری مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں پر قابل

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 462۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ روزنامہ زمیندار لاہور کے تین اگست 1937ء کے قادیان نمبر کے شمارے کے مطابق کمیٹی کے بڑے مقاصد میں وائسرائے کی کشمیر کے معاملات میں مداخلت۔ برطانوی وزیر اعظم سے ملاقات۔ مہاراجہ کو کشمیری مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنا۔ کشمیری ریاست کے حکام کے مظالم کو بے نقاب کرنا اور سیاسی اسیروں کی رہائی کے اقدامات کرنا شامل تھے۔

قدر اثر ڈالے گا اور وہ اپنی نیک نیتی کی آڑ میں اپنی تبدیلی مذہب کی مہم کو خوب استعمال کر سکے گا۔ تاہم یہ بات ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہے کہ آیا اتنی بڑی پرخطر مہم کی کامیابی کے لیئے اس فرقہ نے سری نگر میں کوئی اہم عوامی رابطے کے حصول میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ تین آدمی قادیانیوں کے اہم ایجنٹ تھے ایک جمال الدین (خواجہ کمال الدین کا بھائی) دوسرا دربار کے پبلک انسٹرکشن کا منتظم اور تیسرا ہر جگہ موجود شیخ عبداللہ"۔ (۱)

کشمیر کمیٹی کا صدر دفتر قادیان میں قائم کیا گیا۔ مرزا محمود نے قادیان میں ایک پبلسٹی کمیٹی قائم کر دی اور تمام قادیانی اخبارات مرزا محمود کے متعلق تاثر دینے لگے کہ آپ سیاسی مدبر مسلمانوں کے خیر خواہ اور کشمیری مسلمانوں کے بہی خواہ ہیں۔ ان کے حقوق دلانے کیلئے کمر بستہ ہوگئے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم پریس کے ایک حصے نے بھی مرزا محمود کی شخصیت کو عمدہ طور پر پیش کرنے کے لیئے صفحات سیاہ کر دیئے۔ الفضل قادیان نے جو چاپلوسی کے ضمن میں یکتا تھا، چند قادیانیوں یا کشمیر کے قادیانی نواز عناصر کے بیان چھاپنے لگا۔ ان میں سے مرزا محمود کو کشمیر کے مظلوم عوام کے بے باک ترجمان کے طور پر پیش کیا گیا۔ قادیان کے گرگوں اور فضل حسین کے پروردہ جاگیرداروں کے ٹولے کی ہندوستان میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی یہ ایک بھیانک چال تھی۔ وادی کشمیر میں مرزا محمود کے پٹھوؤں نے کشمیر کمیٹی کے مخالفین کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کاروائیاں تیز کر دیں۔

مجلس احرار

کشمیر میں قادیانیوں کی چالبازیوں کو پنجاب میں مسلمانوں کی ایک نئی سیاسی تنظیم "مجلس احرار اسلام" نے آشکارا کیا۔ احراری زعماء پہلے تحریک خلافت کے حامی تھے، بعد میں کانگریس سے چند مسائل پر اختلافات کے بعد ان سے علیحدہ ہوگئے۔

۱۔ آئن کوپلینڈ۔ ص 236۔

گیارہ جولائی ۱۹۳۱ء کو حبیبیہ ہال لاہور میں ایک اجلاس میں انہوں نے اپنی الگ جماعت بنانے کا اعلان کیا۔ وہ مسلم لیگ کی حکمت عملیوں کے بھی مخالف تھے۔ اس جماعت کے مقاصد میں ہندوستان کے لیئے کامل آزادی کا حصول، ہندوستان کے دوسرے طبقوں کے ساتھ میل جول اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ شامل تھے۔ بادی النظر میں وہ سامراج مخالف اور ترقی پسند معلوم ہوتے تھے۔ اس جماعت کی سب سے بڑی محرک قوت چوہدری افضل حق تھے۔ احراریوں کے دیگر اہم قائدین میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور سید حبیب الرحمٰن لدھیانوی تھے۔ یہ سحر آفرین مقررین کی ایک کہکشاں تھی۔ انہوں نے ایک عام آدمی کی زبان میں گفتگو کی اور سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو للکارا۔ قادیانیت کو انہوں نے اس لیئے خصوصی نشانہ بنایا کیونکہ یہ برطانوی سامراج کی خدمت اور وفاداری کی انتہاؤں کو چھو رہی تھی۔ کشمیر کی سیاست میں قادیانیوں کے ملوث ہونے کو انہوں نے اپنی بھرپور توجہ کا مرکز قرار دیا۔ انہوں نے واضح طریقے سے یہ بتایا کہ کشمیر کمیٹی سامراجیوں کی پٹھو جماعت ہے اور ہندوستان میں برطانوی حلقوں کے سب سے زیادہ وفادار احمدی اپنے سامراجی آقاؤں کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ (۱)

آئن کوپ لینڈ وضاحت کرتا ہے:

> ”کشمیر کے بارے میں قادیانیوں نے دو رخی حکمت عملی اختیار کی۔ پہلی بات جس کے بارے میں انہوں نے کوئی راز نہ رکھا وہ کشمیر کمیٹی کا اختیار سنبھالنا تھا جو سر فضل حسین کی قائم کردہ لاہور میں موجود ایک لابی تھی۔ اس میں وہ کیسے کامیاب ہوئے جبکہ راسخ العقیدہ لوگوں کے دلوں میں تو ان کے بارے میں نفرت بدرجہ اتم موجود تھی۔ پھر بھی وہ اس میں کامیاب ہو ہی گئے۔ (۲) حکمت عملی کا دوسرا حصہ کشمیر کمیٹی کے وقار کو حکومت ہندوستان پر دباؤ ڈالنے کے لیئے استعمال کرنا تھا“۔

۱۔ عبداللہ ملک۔ پنجاب کی سیاسی تحریکیں۔ لاہور ص 166۔

۲۔ آئن کوپلینڈ - ص 236 مزید دیکھئے لیوان ص 149۔

کول بطور نیا دیوان

کشمیر کمیٹی کے قیام کے ساتھ ہی ہری کشن کول کو ریاست کشمیر کا نیا وزیر اعظم مقرر کر دیا گیا۔ پچیس جولائی کو مہاراجہ نے وزیر اعظم ویکفیلڈ کو کشمیر میں احتجاجی تحریک کی حوصلہ افزائی کرنے کے الزام میں برطرف کر دیا۔ کول نے جابرانہ حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے کئی سیاسی کارکنوں کو نظر بند کر دیا اور کئی مسلم سرکاری اہلکاروں کو ان کے عہدوں سے معطل کر دیا۔ بعدازاں کول کے ساتھ اس کا بھائی دیا بھی شامل ہو گیا جو پٹیالہ کا سابق دیوان اور انگریزوں کے نزدیک ایک بدنام سازشی کے طور پر مشہور تھا۔(۱)

مرزا محمود نے کشمیر کمیٹی کے لیئے آئندہ کے لائحہ عمل کو وضع کیا۔ چودہ اگست کو یوم کشمیر منایا گیا اور سیکرٹری کشمیر کمیٹی اور عبدالرحیم درد سر چارلس واٹسن(۲) پولیٹیکل سیکرٹری ہند کو کشمیر کے حالات سے مطلع کرنے شملہ چلا گیا۔ محمود احمد کا اصرار تھا کہ انگریزوں کو جلد یا بدیر کشمیر میں اپنی مسلمان رعایا کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے مداخلت کرنی چاہیئے۔ اس کا اصل کام یہ تھا کہ موخر الذکر تک اس کی آواز پہنچ جائے۔ قادیانی حکمت عملی پر مزید بحث کرتے ہوئے کوپ لینڈ بیان کرتا ہے۔

> ''احمدیوں کو فوری طور پر حاصل ہونے والے فوائد میں ایک ان کی کشمیر میں خفیہ کارروائیاں تھیں۔(۳) بقیہ کشمیر کمیٹی کو مطلع کیئے بغیر محمود احمد نے سری نگر میں شیخ عبداللہ کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کیئے اور انہوں نے کشمیریوں کی ایک نیم سیاسی تنظیم ''ینگ مینز ایسوسی ایشن'' کو چندہ دینے اور اس کا پروپیگنڈہ کرنے کا وعدہ کیا۔(۴)

عبدالرحیم درد نے کشمیر کی سرحد پر واقع گڑھی حبیب اللہ کے مقام پر مرزا محمود اور شیخ عبداللہ کے مابین ایک خفیہ ملاقات کا اہتمام کیا۔ انہوں نے شیخ کو ترغیب دی کہ وہ کشمیر کمیٹی کے حق میں آواز اٹھائے اور اس سلسلے میں اپنا نمائندہ کردار ادا کرے اور اس

۱۔ ایضاً۔ پولیٹیکل سیکرٹری تو ریذیڈنٹ 25 ستمبر 1931ء۔

۲۔ واٹسن کا حاشیہ بابت ملاقات مع عبدالرحیم درد اور مولوی رحیم بخش بتاریخ 21 اگست 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ 1/29/7777۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ ایضاً۔

کے صدر کو یہ موقع فراہم کرے کہ وہ انگریزوں کو کشمیری مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے خطاب کرے۔ (۱)

شیخ عبداللہ نے جلد ہی قادیانی عناصر کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا۔ اس نے محکمہ تعلیم میں اپنی ملازمت چھوڑ دی اور کل وقتی سیاسی کارکنوں سے مل کر سری نگر میں ایک چھوٹا سا دفتر کھول لیا۔ (۲)

> ’’آنے والے ہفتوں میں جموں اور ریاست کے دوسرے حصوں میں نئی تنظیم کی شاخیں کھولی گئیں اور نئے اراکین کا ایک سیلاب بھرتی کر لیا گیا جن میں کئی نوجوان انتہا پسند تھے جو کشمیر دربار سے جولائی کے ہنگاموں کا بدلہ لینے کے لیئے بے چین تھے مگر عبداللہ نے مرزا محمود کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا ہاتھ روکے رکھا‘‘۔ (۳)

احمدیت کی سرکاری تاریخ میں شیخ عبداللہ کے خطوط کی نقول دی گئی ہیں جن میں اس نے قادیان سے مالی امداد، رہنمائی اور مالی مدد کی درخواست کی ہے۔ (۴)

کشمیر کمیٹی کا پلیٹ فارم

مرزا محمود احمد نے حکومت ہند کے پولیٹیکل سیکرٹری سے جو کہ ریاستوں کے امور کا انچارج بھی تھا، ملاقات کی اور بعد میں وائسرائے لارڈ ولنگڈن سے یکم اگست ۱۹۳۱ء کو ملے۔ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ برطانوی حکام کشمیر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں۔ وائسرائے نے اس تجویز پر مناسب عمل کے لیئے وقت طلب کیا۔ تاہم اس نے مرزا محمود کی اس خواہش کو پسند کیا کہ کشمیر میں حالات کا جائزہ لینے کے لیئے نواب ذوالفقار علی، خان بہادر رحیم بخش، خواجہ حسن نظامی، درد اور مولانا اسماعیل غزنوی پر مشتمل ایک وفد بھیجا جائے۔ بعد میں علامہ اقبال کا نام بھی اس میں

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 6 صفحات 489-90۔

۲۔ ریذیڈنٹ ٹو پولیٹیکل سیکرٹری 8 جون 1933ء انڈیا آفس ریکارڈ 1031 / 29 / 1۔

۳۔ میمو بائی ریذیڈنٹ 28 ستمبر 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ 780 / 29 / 1۔

۴۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 490-92۔

شامل کرلیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تجویز کو کشمیری مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس کی پرزور مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اس مرحلہ پر یہ قبل از وقت ہے۔ اس سے کشمیر کی حکومت کو اپنی من مانی کرنے کا ایک بہانہ فراہم ہو جائے گا۔ اس کی بجائے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک تین رکنی وفد جس میں مرزا محمود بھی شامل ہوں، لندن جائے اور برطانوی عوام اور پارلیمنٹ کے اراکین کو کشمیر کے مسئلہ سے آگاہ کرے۔ انہوں نے وعدہ بھی کیا کہ اگر گول میز کانفرنس کے دوران انہیں جب بھی موقع ملا وہ کشمیر انتظامیہ پر کھلی تنقید کریں گے۔ مرزا محمود کہتے ہیں کہ چونکہ انہیں یقین تھا کہ مہاراجہ ان کی تجویز سے کبھی اتفاق نہیں کرے گا۔ لہٰذا انہوں نے علامہ اقبال کی تجویز کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ وہ اس موقع کی تاک میں تھے کہ کب وہ وائسرائے کو کشمیر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کو کہیں۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ وائسرائے کو ایک بار پھر کشمیر میں مداخلت کے لیئے راضی کریں۔ مرزا محمود کا یہ دعویٰ ہے کہ وائسرائے کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ جلد یا بدیر حکومت برطانیہ کشمیر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والی ہے۔(۱)

گول میز کانفرنس کے دوران لندن میں سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کے ساتھ سر آغا خان، سر شفیع، سر علامہ اقبال اور سر ظفر اللہ خان نے کشمیر کے معاملات پر گفتگو کے لیئے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان نے بعد میں کشمیر کمیٹی کے سربراہ (مرزا محمود) کو بتایا کہ ریاست کے ساتھ اس معاملہ پر خط و کتابت شروع ہو چکی ہے۔(۲)

بارہ اور تیرہ ستمبر ۱۹۳۱ء کو کشمیر کمیٹی کا اجلاس سیالکوٹ میں منعقد ہوا۔ ایک دوسرا اجلاس چوبیس اکتوبر ۱۹۳۱ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ کمیٹی نے برطانوی پریس میں کشمیر کی خبریں چھپوانے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ برطانوی پریس کے بعض حلقوں نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کی حمایت کی کہ کشمیر سے وزیراعظم کول کو نکالا جائے اور سیاسی

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 6 ص 499۔

۲۔ ایضاً۔ ص 508۔

اصلاحات متعارف کرائی جائیں۔ لندن مسجد کے امام فرزند علی نے لندن میں کشمیر کے لیئے ایک مہم کا آغاز کر رکھا تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں بھی یہ معاملہ کئی دفعہ اٹھایا گیا۔(۱)

برطانوی عوامی رائے مہاراجہ کے حق میں نہیں تھی کیونکہ اس نے گول میز کانفرنس کے موقع پر کانگریس کے حق میں زوردار تقریر کی تھی۔ اس کے اس طرز عمل سے برطانوی آقا ناراض تھے۔ وہ اپنی ریاست کی نیم خود مختاری کو بھول کر اپنی تخت نشینی کے زمانے سے کشمیر میں برطانوی ریذیڈنٹ کے ساتھ کافی مغرورانہ رویہ اپنائے ہوئے تھا۔(۲)

پنڈت کول نے کشمیری مسلمانوں کی تحریک کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے اپنے قریبی دوست پنجاب کے سر مہر شاہ کی خدمات حاصل کیں تاکہ مسلمانوں کے نمائندوں کے ساتھ اس کی ملاقات کا اہتمام کیا جاسکے۔ فریقین کا اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ مسلمان تحریک ختم کر دیں گے اور کول ان ہنگامی ضابطوں اور احکامات کو معطل کر دے گا جو پچھلے دو ماہ سے نافذ تھے اور مسلمان سرکاری اہلکاروں کو ان کے عہدوں پر دوبارہ تعینات کر دیا جائے گا۔(۳)

اگست میں حکومت نے چند کشمیری رہنماؤں کی رہائی کا اعلان کر دیا۔ تاہم انہوں نے حکومت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ جب تک ان کے مطالبات تسلیم نہیں کیئے جاتے ان کی رہائی کی کوئی تک نہیں بنتی۔ چنانچہ حکومت نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے مطالبات پر مشتمل ایک یادداشت مہاراجہ کشمیر کو پیش کریں۔ ابتدائی مسودہ غلام احمد عشائی (قادیانی) نے ترتیب دیا جسے کشمیر کمیٹی کو دکھانے کے لیئے عبدالرحیم درد لاہور لے گیا۔ ابھی اس مسودہ پر کام ہو رہا تھا کہ اکتیس ستمبر کو شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ سری نگر میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں احتجاج کو جاری رکھنے کے لیئے "وار کونسل" کا قیام عمل میں لایا گیا۔

تین اکتوبر ۱۹۳۱ء کو اپنی چھبیسویں سالگرہ کے موقع پر مہاراجہ نے سری نگر میں منعقدہ ایک دربار میں تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی اور نوٹیفکیشن نمبر ۱۹۔ل سمیت تمام

۱۔ محمد یوسف صراف۔ کشمیر فائٹ فار فریڈم۔

۲۔ پریم ناتھ بزاز۔ اے ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم ان کشمیر۔ ص 149۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 6 ص 515۔

ہنگامی قوانین کی واپسی کا اعلان کیا۔ سولہ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مسلمانوں کو اپنے مطالبات پیش کرنے کی اجازت مل گئی۔ کشمیر کمیٹی کی مرتب کردہ یادداشت مہاراجہ کو پیش کی گئی جو ایک گیارہ رکنی وفد نے آئینی اصلاحات کے ایک خاکے کے ساتھ پیش کی۔

کشمیر چلو

قادیانی منصوبوں کو طشت از بام کرنے میں مجلس احرار اسلام نے قطعاً وقت نہ ضائع کیا۔ احراری رہنماؤں چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا داؤد غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مظہر علی اظہر اور دوسرے کئی رہنماؤں نے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کے لیئے ایک اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔ (۱) ان کی تحریکِ مجلس کشمیر کے جاگیروارانہ مزاج کی بجائے شہری درمیانے درجہ کی عوامی نوعیت کی تھی۔

احراری رہنماؤں کی آتش افروز تقریروں نے کشمیری بھائیوں کے لیئے مسلمانان ہند کی ہمدردیوں کو ایک نئی جلا بخشی۔ ان تقاریر سے سامراج دشمن اور قادیانیت مخالف رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے قادیانیوں کو اپنی تقریروں میں زبردست تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے زور دے کر کہا۔ قادیانی برطانیہ کے تلوے چاٹنے والے لوگ ہیں۔ احرار نے شیخ عبداللہ کی بھی خوب درگت بنائی کیونکہ وہ کشمیر کمیٹی اور احمدیوں سے امداد لیتا رہا تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ تین اکتوبر ۱۹۳۱ء کو شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد برطانوی ریذیڈنٹ نے اپنی سرکاری اطلاع میں اسے ''قادیانی'' لکھا۔ (۲)

احرار رہنماؤں نے کشمیر کے واقعات کے پس پردہ انگریزوں کی سازشوں کو دیکھا اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے خفیہ عزائم سے خبردار کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ

۱۔ وائی بی ماتھر۔ گروتھ آف مسلم پالیٹکس ان انڈیا۔ ص 107 مزید دیکھئے چوہدری افضل حق۔ تاریخ احرار ملتان جاباز مرزا۔ کاروان احرار جلد 1-2 لاہور۔

۲۔ حکومت ہند۔ فائل 35 رپورٹ مرسلہ 3 اکتوبر 1931ء۔ انڈیا آفس ریکارڈ 780 / 29 / 1۔

قادیانی آہستہ آہستہ کشمیر میں اپنا اثر ورسوخ قائم کر رہے ہیں اور کشمیر کمیٹی کا نقاب پہن کر انگریزوں کے لیئے سامراجی کھیل کھیل رہے ہیں۔ احرار رہنماؤں نے اس بات سے بھی پردہ اٹھایا کہ لاہوری فریق کے خواجہ کمال الدین کے بھائی خواجہ جمال الدین نے اپنے عہدے بطور ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام تعلیمی اداروں کو لاہوری قادیانیوں سے پر کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔⁽¹⁾ قادیانیوں کو خلیفہ عبدالرحیم قادیانی کی بھی بالواسطہ کافی مدد حاصل رہی تھی جو خلیفہ نورالدین گجراتی کا بیٹا تھا۔ حکیم نورالدین بھیروی اور خلیفہ نورالدین گجراتی آپس میں گہرے دوست تھے۔ خلیفہ نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں جموں میں اپنے قیام کے دوران کشمیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ ثابت کرنے کے لیئے بہت سے ''شواہد'' اکٹھے کیئے تھے۔ خلیفہ رحیم مہاراجہ ہری سنگھ کا پریس سیکرٹری تھا۔ وہ کشمیر کے برخاست شدہ سربراہ سر جی۔ ای سی ویکفیلڈ کے نائب سیاسی و خارجہ سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرتا رہا تھا۔ یہ دونوں حضرات تحریک کے عروج کے دنوں میں انگریزوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں ملازمت سے نکال دیئے گئے تھے۔⁽²⁾ محمد یوسف صراف کشمیر میں احراری تحریک اور قادیانی عناصر سے پر کشمیر کمیٹی کے متعلق ان کے ردعمل پر لکھتے ہیں۔

> ''یہ حقیقت کہ کل ہند کشمیر کمیٹی کی سربراہی ایک قادیانی کے پاس تھی اور اس کا سیکرٹری بھی ایک قادیانی تھا اور یہ ساری مہم بھی قادیانی چندوں سے جاری و ساری تھی۔ احرار کے نزدیک مذہبی نکتہ نظر سے یہ ایک خطرناک بات تھی۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شدید ترین اختلافات تھے۔ احرار سمیت مسلمانوں کا ایک طبقہ تحریک کشمیر کے متعلق ایسی رائے نہ رکھتا تھا کیونکہ پنجاب میں اس تحریک کی اصل قوت اور قیادت احمدیوں کے پاس تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم نے قادیانیوں کو اس بات کا موقع بہم پہنچایا تھا کہ وہ عام مسلمانوں تک پہنچیں۔ ان کے دلوں کو گرمائیں اور اس طرح سے

ا۔ سپنسر لیوان۔ دی احمدیہ موومنٹ۔ دہلی 1974ء ص 146۔

۲۔ لیوان۔ ص 150-51۔

> وہ اپنا اچھا تاثر قائم کرنے کے اہل ہوں۔ چند عناصر ایسے بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ احمدی کشمیر میں اپنے لیئے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں جسے بنیاد بنا کر وہ شمالی ہندوستان میں اپنا مشن اور بالآخر سٹیٹ قائم کرنے کے لیئے استعمال کریں گے۔ ایسے لگتا تھا کہ احرار یہ بھانپ چکے تھے کہ تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری کی بنیادی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر احمدی صورتحال میں انقلاب پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے یا احرار کی بصیرت کے مطابق وہ ان حدوں تک جانے کے اہل نہیں تھے جو صورتحال کے متقاضی حالات کے لیئے ناگزیر تھیں۔ احرار کو یہ بھی یقین ہو چلا تھا کہ اس سے احمدیوں کو عوام سے رابطہ اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا موقع بھی مل گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کشمیر کمیٹی کے ساتھ تعاون کی بجائے آزادانہ حکمت عملی اپنانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے عوامی رضا کاروں کے ایک سیلاب کی ترسیل سے ریاست کو ہلانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ نہ صرف برطانوی حکومت کو اس میں ملوث کیا جائے بلکہ ریاست کے ذرائع بھی اس میں صرف ہونے لگیں۔ نتیجتاً ستمبر کے وسط تک ریاست میں کئی اطراف سے احرار رضا کار داخل ہونے لگے مگر ابھی تحریک زور نہ پکڑ سکی تھی۔ شیخ عبداللہ کو چار اکتوبر کو رہا کر دیا گیا اور کشمیر کمیٹی کی طرف سے یادداشت پیش کرنے کے لیئے راہ صاف کر دی گئی''۔ (۱)

بعض ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے مجبور ہو کر احرار نے کچھ عرصہ کے لیئے اپنی تحریک میں تعطل پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کول کی خواہش پر ان کے اور کشمیر حکومت کے درمیان بات چیت شروع ہو گئی۔ احرار رہنما مظہر علی اظہر نے اس وعدہ پر جتھہ بندی کو معطل کرنے سے اتفاق کر لیا کہ کشمیر دربار پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ بات چیت صرف ان کے ذریعے کرے گا۔ (۲) بعد میں دربار اس بات سے مکر گیا کہ ایسا کوئی سمجھوتہ ہوا تھا۔ (۳) احرار رہنماؤں نے دربار کے دوغلے پن کو بھانپ کر تیس اکتوبر

۱۔ صراف۔ ص 462۔

۲۔ ریذیڈنٹ کی طرف سے سیاسی معتمد کو 9 اکتوبر 1931ء انڈیا آفیشل ریکارڈز R/R/29/780۔

۳۔ آئن کوپلینڈ۔ ص 240 اور ریذیڈنٹ کی جانب سے سیاسی معتمد کو 9 اکتوبر 1931ء۔

کو سیالکوٹ کے راستے پہلا رضا کار جتھہ کشمیر کی سرحدوں پر روانہ کر دیا۔ یہ کشمیر چلو تحریک کا باضابطہ آغاز تھا۔ کانگریس کے اراکین اور گاندھی جی کی لندن سے بذات خود مذمت کے باوجود احرار نے مظہر علی اظہر کو کشمیر پروگرام کا ڈکٹیٹر مقرر کر دیا تا کہ تحریک جاری رکھی جا سکے۔(۱) مہاراجہ نے محسوس کر لیا کہ احرار کی تحریک روکنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اس نے بدنام زمانہ معاہدہ امرتسر (۱۸۴۶ء) کے تحت برطانوی ریذیڈنٹ کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد گورنر جنرل ہند لارڈ ویلنگڈن سے برطانوی دستوں کی امداد کی التجا کی۔ برطانوی ریذیڈنٹ پہلے ہی وسیع پیمانے پر بغاوت کی بو سونگھ چکا تھا۔ حکومت پنجاب سے کہا گیا کہ وہ کشمیر میں احراری دستوں کی آمد کو روکے۔(۲)

اس عوامی تحریک کو روکنا اس لیئے بھی مشکل ہو رہا تھا کیونکہ ''کشمیر چلو'' کے نعرے نے مظلوم لوگوں کے جذبے کو اجاگر کر دیا تھا۔ ہزاروں مسلمان سیالکوٹ، میر پور، آزاد پتن اور کوہالہ کی سرحدوں پر گرفتار ہو گئے۔ برطانوی پیش بینیوں کے برعکس تقریباً دو ہزار تین سو چھہتر افراد نومبر کے آغاز میں سرحدیں عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔(۳) تقریباً چالیس ہزار احرار رضا کاروں کو پابند سلاسل کر دیا گیا جبکہ اکیس نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ یہ ایک عوامی تحریک تھی جسے وسیع پذیرائی ملی۔(۴)

گلانسی کمیشن

برطانوی حکومت ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی دعویدار تھی۔ حکومت ہند کے سیاسی امور کے سیکرٹری سر چارلس واٹسن نے ایک انٹرویو میں عبدالرحیم درد کو بتایا کہ مسلمان رعایا کے لیئے درست اقدامات کی مہاراجہ سے توقع کی جا سکتی تھی۔(۵) عدم مداخلت کی حکمت عملی نہ صرف روایتی بلکہ مناسب بھی تھی اور

۱۔ ایضاً اور مزید دیکھیئے چوہدری افضل حق۔ تاریخ احرار۔ ملتان ص 38 اور ماسٹر تاج الدین انصاری۔ تحریک کشمیر اور احرار۔ ملتان ص 8۔

۲۔ کوپلینڈ۔ ص 234۔

۳۔ چیف سیکرٹری پنجاب کی طرف سے ریذیڈنٹ کشمیر کی طرف۔ 26 اکتوبر اور دو نومبر 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/780۔

۴۔ اشرف عطا۔ کچھ شکستہ داستانیں۔ کچھ پریشان تذکرے۔ لاہور 1966ء۔

۵۔ واٹسن کا درد کے ساتھ انٹرویو پر نوٹ اور ذوالفقار علی خاں۔ 27 جولائی 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/779۔

لندن میں گول میز کانفرنس کی کامیابی کے لیئے برطانوی راج اپنی مسلمان رعیت کو جو پنجاب میں تھے اور جن کی حمایت کانفرنس کے لیئے ضروری تھی نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف وہ اپنے ایک انتہائی قریبی اتحادی مہاراجہ کشمیر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جس کا رویہ مستقبل میں نوزائیدہ وفاقی آئینی منصوبے کو متاثر کر سکتا تھا۔ انگریزوں نے ان دو کشتیوں کے درمیان پھنس کر معاملے کو اس امید پر طول دینا شروع کر دیا کہ بحران اپنے طور پر ہی ختم ہو جائے گا۔

ستمبر تک اس حکمت عملی کی ناکامی سب پر آشکارا ہو گئی۔ مسلمانوں کی حالت زار بہتر نہ ہو سکی اور بدامنی بڑھتی گئی۔ جس کے باعث یہ خطرات پیدا ہو گئے کہ پنجاب کے نہری نظام اور ''وادی جنت نظیر'' میں چھٹیاں گزارنے والے یورپی سیاحوں کی جانیں محفوظ نہ تھیں۔ (۱)

معاہدے کا اعلان

پچیس ستمبر کو وائسرائے کی رہائش گاہ پر ایک اعلیٰ اختیاراتی کانفرنس کے بعد سر چارلس واٹسن نے مہاراجہ کشمیر سے وزیر اعظم دیا کشن کول سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے ملاقات کی اور کشمیری مسلمانوں کی شکایات کی تحقیقات کے لیئے سر جے۔ بی گلانسی کی خدمات حاصل کرنے کی پیشکش کی۔ شرکاء میں وائسرائے گورنر پنجاب، کمانڈر انچیف، سر جیمز کریرار، سر ہنری کریک لیفٹیننٹ جنرل سر کیتھ ویگران، سر والس اور ڈبلیو۔ ایچ۔ ایمرسن شامل تھے۔ (۲)

مرزا محمود کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ اعلان جو حکومت کشمیر نے کشمیری مسلمانوں کی شکایات کے سلسلے میں جاری کیا تھا وہ ان کی اور کشمیر کمیٹی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ہری کشن کول نے اس اعلان کا مسودہ تیار کیا اور اس کی ایک نقل برطانوی ریذیڈنٹ لیٹیمر کو بھجوائی

۱۔ معتمد سیاسی بجانب ریذیڈنٹ 25 ستمبر 1931ء انڈیا آفس ریکارڈ 780/29/1۔
۲۔ آئن کوپلینڈ - ص 242

جس پر اس نے (بارہ نومبر ۱۹۳۱ء) کو عبدالرحیم درد کے ساتھ ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جے بی گلانسی کی موجودگی میں درد نے اس کی حامی بھر لی اور وعدہ کیا کہ اگلے دن منعقد ہونے والے عوامی اجتماع میں وہ اعلان کی مخالفت نہیں کرے گا۔ (۱)

احرلد کی تحریک نے کشمیر کمیٹی کو اس قدر پچھاڑا کہ وائسرائے نے اس کی مشکوک کامیابی کے بارے میں مرزا محمود سے تذکرہ کیا۔ نتیجۃً تیرہ نومبر ۱۹۳۱ء کو مرزا محمود کے ایک خط کے جواب میں وائسرائے نے لکھا۔

> ''مجھے اس بات سے بہت دکھ ہوا ہے کہ تم میرے پچھلے جواب سے مطمئن نہیں ہو اور یہ محسوس کر رہے ہو کہ تمہاری اور تمہاری جماعت کی کشمیر کے امن میں دلچسپی کو پوری طرح عزت و تکریم نہیں ملی بلکہ حکومت ہندوستان کی طرف سے بہت کم توجہ اور اہمیت دی گئی ہے۔ عزت مآب وائسرائے کو یقین ہے کہ یہ سب کچھ محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ ان کی کبھی بھی یہ خواہش نہیں رہی کہ حکومت کسی طرح سے جماعت احمدیہ کی وفادارانہ مدد کی تحقیر کرے جو حکومت کو ہمیشہ ملتی رہی ہے''۔ (۲)

ہندوستان کی کسی ریاست کے معاملات میں مداخلت کرنے کے سوال پر اپنی بے بسی بیان کرتے ہوئے اس نے یقین ظاہر کیا کہ وہ اس پر اور کشمیر کمیٹی کے دیگر ارکان پر اطمینان بخش حل کے لیئے بھروسہ کرے گا۔ کمیٹی اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لائے گی تاکہ پرامن فضا قائم ہو جس کے نتیجے میں جلد اطمینان بخش حل نکل آئے۔ (۳)

احرار پر تنقید

قادیانیوں نے احرار رہنماؤں کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ بظاہر وہ اس عوامی تحریک سے پریشان تھے جس نے مہاراجہ حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مرزا محمود

۱۔ تاریخ احمدیت میں بیان کردہ مرزا محمود کا ایک غیر مطبوعہ مضمون جلد 6 ص 533۔

۲۔ مرزا محمود الموعود۔ 8 دسمبر 1944ء کو قادیان میں دیا گیا ایک خطاب۔ الشرکت ربوہ ص 169۔

۳۔ ایضاً۔

نے حکومت کشمیر کے خلاف ایک پروپیگنڈا مہم چلا کر اس دعوت کا جواب دیا جو حکومت نے احرار رہنماؤں کو گفت وشنید کے لیئے دی تھی۔ حکومت کشمیر نے احرار رہنماؤں کو دعوت دی کہ وہ اعلیٰ سرکاری حکام سے بات کرنے کے لیئے اپنے مطالبات پیش کریں۔ عبدالرحیم درد حکومت ہند کے پولیٹیکل سیکرٹری سے ملا اور کول کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ ان دنوں قادیانی بھرپور اعتماد سے بات کر رہے تھے کیونکہ ان کے اور حکومت کے مابین بڑا رابطہ یعنی سر ظفر اللہ خان گول میز کانفرنس کے سلسلے میں اپنے لندن میں قیام کے دوران کئی مواقع پر مرزا محمود سے خط و کتابت کر چکا تھا۔ اس نے مرزا محمود کو برطانوی حکمت عملی سے آگاہ کیا اور کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم سے مزید ضروری اقدامات کرنے کے لیئے اپنی تجاویز پیش کیں۔ دسمبر میں بڑی عجلت میں وہ مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لیئے لندن سے ہندوستان روانہ ہوا۔ اس نے مسلم لیگ کے بند اجلاس میں کشمیر کے معاملات پر بحث کی کیونکہ مسلمانوں نے انہیں ایک کھلے اجتماع کی اجازت نہیں دی تھی۔ انہوں نے تعاون پر زور دیا تا کہ کسی حل تک پہنچا جا سکے۔ (۱)

مفتی کفایت اللہ صاحب کا مشن

نومبر ۱۹۳۱ء کے آخر میں احرار نے جمعیتہ العلماء ہند کے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ وہ احرار کی جانب سے مہاراجہ کشمیر کے ساتھ کسی مصالحتی حل تک پہنچنے میں مدد فرمائیں۔ دو دسمبر ۱۹۳۱ء کو حضرت مفتی صاحب نے مولانا احمد سعید کی معیت میں مہاراجہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ احرار کے جیل میں مقید رہنماؤں سے صلاح کر لی جائے تا کہ ایک متفقہ موقف تک پہنچا جا سکے۔ سر فضل حسین کی کوششوں سے احرار رہنماؤں کو بورسٹل جیل لاہور لایا گیا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے لمبی بحث ہوئی۔ انہوں نے کشمیر کے لیئے ایک نمائندہ حکومت کے قیام پر زور دیا اور آئندہ کشمیر دربار کے کسی ذمہ دار

۱۔ ایوان۔ ص 152۔

نمائندہ سے بات چیت کی ضرورت بیان کی جو کشمیری مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کی یقین دہانی کرائے۔ (۱) احرار کے نمائندوں نے کول کے ساتھ معاملے کو سرگرمی سے اٹھایا مگر کول وہاں ڈنڈی مار گیا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے استدعا کی کہ وہ سر سکندر حیات اور سر ہنری کریگ سے ملاقات کر کے جیل میں مقید احرار رہنماؤں کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد کروائیں۔ پانچ جنوری ۱۹۳۲ء کو سر سکندر حیات وزیر مال پنجاب کی رہائش گاہ پر ایک ملاقات کی گئی۔ اس میں دوسروں کے علاوہ مرزا محمود، چوہدری افضل حق، نواب مظفر علی قزلباش اور ملک برکت علی نے مسلم لیگ کے نمائندے کے طور پر شرکت کی۔ سر سکندر حیات نے حکومت ہند کی جانب سے حکومت کشمیر کے اعلان کو پڑھ کر سنایا جس میں گلانسی کمیشن کے قیام کا ذکر تھا۔ احرار نے اس اعلان کو موقع پر ہی مسترد کر دیا جبکہ دوسروں نے اس کے قیام کی حمایت کی۔ سکندر حیات نے یہ بات سرکاری کی بجائے اپنی ذاتی حیثیت میں کی۔ چھ جنوری ۱۹۳۲ء کو حکومت پنجاب نے بورسٹل جیل لاہور میں احرار کی مجلس عاملہ کا دوسرا اجلاس بلانے کی کوشش کی۔ مجلس عاملہ نے دیگر بنیادی مسائل کے حل کے بغیر اس مسئلہ پر بات چیت سے انکار کر دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا ابوذر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سر فضل حسین، قادیانیوں اور دیگر شرکاء کے وفاداروں کی پس پردہ سازشوں نے معاملات کو سنگین بنا دیا کیونکہ انہیں نظر آ گیا تھا کہ کشمیر دربار کے ساتھ مذاکرات کے بعد احرار کا مستقبل بہت روشن ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے ان ملاقاتوں کو فوری طور پر ختم کرانے کی سازشیں کی۔ (۲)

صلح جو دیوان

وادی کشمیر کے علاوہ جموں، پونچھ اور ریاست کے کئی دیگر حصوں میں مسلمانوں نے ڈوگرہ راج کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ سخت تادیبی اقدامات اور

۱۔ ابوذر بخاری۔ احرار اور سرکار کی خط و کتابت۔ مجلس احرار ملتان۔ 1968ء ص 14-27۔

۲۔ ابوذر۔ ص 4۔

ایک بریگیڈ فوج کی کشمیر میں اضافی نفری کے باوجود یہ تحریک بڑھتی رہی۔ مہاراجہ کو برے انجام سے بچانے کے لیئے ہندوستانی ریاستوں کے چیمبر کے چانسلر نواب بھوپال نے ایوان کی خصوصی تنظیم کے ناظم کیلاش ہسکر کو سری نگر بھجوایا تا کہ ایک قابل قبول معاہدہ ہو سکے۔ اس نے مہاراجہ کو قائل کر لیا کہ وہ کول کو برطرف کر کے اس کی جگہ برطانیہ کے دوست اور ریاست ریوا کے سابق دیوان کرنل کالون کو کشمیر کا وزیر اعظم مقرر کر دے۔ مہاراجہ کو اس منصوبہ سے آگاہ کرنے کے بعد ہسکر بڑی سرعت سے دہلی واپس آیا اور نواب بھوپال کی معیت میں یہی تجویز وائسرائے لارڈ ویلنگڈن کے سامنے دوبارہ بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کی۔⁽۱⁾ سر تیج بہادر سپرو کو ایک خط میں ہسکر لکھتا ہے۔

> ”ہمارے ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہنے والے انٹرویو کا یہ نتیجہ نکالا کہ ہم نے وائسرائے کو غیر حتمی طور پر تمام تجاویز سے متفق کر لیا۔ اس نے پختہ وعدہ کیا کہ وہ مہاراجہ کے سر پر ہرگز پستول نہیں تانے گا اور وہ تمام عمل مہاراجہ پر چھوڑ دے گا۔ جہاں تک میں نے اسے یقین دلایا ضروری عمل مکمل ہو چکا تھا“۔ ⁽۲⁾

برطانوی ڈیپارٹمنٹ ہند میں منظور ہونے والے ہسکر، ویلنگڈن معاہدے کو لاہور میں بڑی سرد مہری سے وصول کیا گیا۔ پنجاب حکومت کو یہ شک تھا کہ آیا سیاسی اہلکار ”دو ہندوستانوں“ کی بڑی غلطی کا ارتکاب تو نہیں کر رہے۔⁽۳⁾ جن میں ایک برطانوی اور ترقی پسند جبکہ دوسرا مشرقی اور ان قدیم الخیال رجعت پسندوں کا نمونہ ہو جنہیں کشمیر کی اصلاح سونپ دی جائے۔⁽۴⁾ جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا مقامی حکومت کی غلطیوں کا خوب جواز پیش کیا گیا۔ کالون ایک صلح جو دیوان ثابت ہوا جس نے مکمل تبدیلی کی تجویز کو کلی طور پر مسترد کر دیا۔⁽۵⁾ اور مسلمان زعماء کے لیئے سخت گیر ثابت ہوا۔

۱۔ کوپلینڈ۔ ص 242۔

۲۔ ہسکر کی طرف سے سر تیج بہادر سپرو کی طرف۔ 7 فروری 1932ء سپرو پیپرز جلد 6/7 مائکرو فلم 2142۔ نیشنل لائبریری آف آسٹریلیا کینبرا۔

۳۔ سر نیرلس کیمبیر۔ ریذیڈنٹ حیدر آباد کی جانب سے سر موریس گائیوز کی جانب۔ 6 مارچ 1932ء کیمبیر کولیکشن انڈیا آفس لائبریری 131 جلد 31 مسٹر سپر کورٹ بٹلر پولیٹیکل سیکرٹری معتمد تھا 1908-9ء اور 1928-29ء میں ہندوستانی ریاستی مجلس کا چیئرمین رہا تھا۔ سر ہیلکم ڈارلنگ چیف کمشنر راولپنڈی کی طرف سے چیف کمشنر پنجاب کو 16 فروری 1932ء انڈیا آفس ریکارڈ R/1/24/870۔

۴۔ کالون کی جانب سے ریذیڈنٹ کو 17-18 مارچ 1932ء۔

۵۔ ریذیڈنٹ سے معتمد سیاست کو 10 اگست 1933ء 1031/29/R/10R۔

مزید برآں لیٹیمر Latimer نے بھی ہاں میں ہاں ملائی کہ جلد بازی سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا اسے برطانوی حاکم گلانسی کی مہربانی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اصلاحات کا مسودہ تیار کرے۔ آخر کار جب گلانسی کی رپورٹ مارچ ۱۹۳۲ء میں منظر عام پر آئی تو اس سے کوئی بھی مطمئن نہ تھا''۔(۱)

بائیس مارچ ۱۹۳۲ء کو ای جی ڈی کالون کو کشمیر کا وزیر اعظم مقرر کر دیا گیا۔ پندرہ دن بعد چودہ اپریل ۱۹۳۲ء کو ظفر اللہ خان کی سربراہی میں ایک بارہ رکنی کشمیر کمیٹی کے وفد نے نئی دہلی میں وائسرائے سے ملاقات کی تاکہ گلانسی کمیشن رپورٹ پر فوری عمل درآمد کیا جائے۔ گلانسی کمیٹی میں آئینی اصلاحات کے لیئے مسلمانوں کی نمائندگی بڑھا دی جائے۔ سیاسی اسیران کو رہا کیا جائے اور کشمیری مسلمانوں کی پنجاب میں ہجرت کی فوری روک تھام کے لیئے دباؤ ڈالا جا سکے۔ وائسرائے نے وفد کو نصیحت کی کہ وہ یہ معاملہ کشمیر حکومت کے سامنے اٹھائیں۔ تیئیس اپریل ۱۹۳۲ء کو کشمیر کمیٹی کا ایک وفد جموں میں کرنل کالون سے ملا اور اس کے سامنے بھی تقریباً یہی مطالبات رکھے۔(۲)

قادیانیوں کا کمیٹی سے اخراج

مئی ۱۹۳۳ء میں کشمیر کمیٹی کے گیارہ مسلمان ارکان نے مرزا محمود کو ایک خط لکھا جس میں کمیٹی کے آئین کی تیاری کے لیئے کمیٹی کا خصوصی اجلاس بلانے کی درخواست کی گئی تاکہ ایک غیر احمدی صدر بھی چنا جا سکے۔(۳)

قادیانی اس پیش رفت پر خوفزدہ ہوگئے۔ مرزا محمود نے یہ پیش بینی کر لی کہ وہ کشمیر کمیٹی کو اپنے سیاسی مقاصد کیلئے تادیر استعمال نہیں کر سکیں گے۔ سستی شہرت کے حصول کے لیئے انہوں نے کشمیر میں قادیانی آلہ کاروں کو ایک گھٹیا درجے کی تحریک چلانے کے لیئے اکسایا۔ انہوں نے شیخ عبداللہ کی قید کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔

۱۔ کوپلینڈ۔ ص 243۔

۲۔ محمد یوسف صراف۔ ص 461۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 7 ص 608۔

دوسری طرف انہوں نے سری نگر میں میر واعظ مولانا یوسف شاہ اور میر واعظ ہمدان گروپوں کو آپس میں لڑانے کی سازش تیار کی۔ اگر چہ یہ تنازعہ جون ۱۹۳۲ء کے آخر میں ختم ہو گیا مگر سری نگر میں دو قادیانیوں یعنی زین العابدین ولی اللہ جو قادیان کا بدنام زمانہ لارنس تھا دوسرا شیخ بشیر احمد جو کہ لاہور کا ایک وکیل تھا (دونوں مرزا محمود کے رشتہ دار تھے) کی آمد سے حالات بگڑ گئے۔ کشمیر میں برطانوی ریذیڈنٹ کو یہ احساس تھا کہ ان دونوں کی ریاست میں موجودگی سے کشیدگی دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے۔(۱)

انہیں کشمیر میں مرزا محمود نے بھیجا تھا۔ ولی اللہ نے کرنل کالون سے ملنا تھا جبکہ شیخ بشیر احمد کشمیریوں کے مقدمات لڑنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔(۲) بہر حال دونوں قادیانیوں کو ریاست کشمیر سے نکال دیا گیا۔ اسی دوران کشمیر کے وزیر اعظم کرنل کالون سے پنجاب کا ایک اور وفد ملا۔ جس نے مصالحتی بورڈ میں شمولیت کی غرض سے علامہ اقبال کو کشمیر آنے کی اجازت کا مطالبہ کیا۔ کالون نے جو کہ کسی بھی پنجابی مداخلت کی راہ کا سب سے بڑا روڑا تھا۔ یہ وعدہ کیا کہ اگر چھ ہفتوں تک کوئی احتجاج نہ ہوا تو وہ شیخ عبداللہ کو رہا کر دے گا لیکن کسی بھی حالات میں علامہ اقبال کو کشمیر آنے کی اجازت نہیں دے گا۔(۳)

حکومت کی یکم جولائی ۱۹۳۳ء کی اطلاعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور ملک برکت علی نے سری نگر کے ایک دورے کا منصوبہ بنایا تھا تا کہ احتجاج کو بھڑکایا جا سکے۔ علامہ اقبال کے بارے میں یہ افواہیں بھی تھیں کہ چند شدت پسند مسلمان جو علامہ اقبال کے حامی تھے وہ قادیانیوں کی طرف سے حال ہی میں تین رسالوں کی تشہیر و تقسیم کے جواب میں ایک رسالہ چھپوا کر تقسیم کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ مزید اطلاع یہ تھی کہ اگر کشمیر کمیٹی سے قادیانی نکال دیئے جائیں تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کارکنوں اور فنڈ سے کشمیر کاز کے لیئے کام کریں گے۔ سری نگر میں ہونے والی ایک نجی

۱۔ حکومت ہندوستان سیاسی اور خارجی فائل۔ ص 155۔

۲۔ ظہور احمد۔ کشمیر کی کہانی لاہور 1968ء ص 269۔

۳۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی و سیاسی فائل 257۔ کرنل کالون کی جانب سے مورخہ 29 جون 1933ء کو خفیہ اطلاع۔

ملاقات جس میں دوسروں کے علاوہ مولانا ظفرعلی خان اور مولانا داؤد غزنوی بھی شامل تھے، قادیانیوں کے کشمیر کمیٹی کے اخراج پر متفق تھے۔ ڈاکٹر اقبال کو دعوت دی گئی کہ وہ کشمیر کمیٹی کی قیادت سنبھالیں۔ (۱)

جولائی کے دوسرے ہفتے میں علامہ اقبال، ملک برکت علی اور محسن شاہ کے دستخطوں سے جاری ہونے والے ایک اشتہار نے وادی میں ہلچل پیدا کر دی۔ کشمیر میں ریذیڈنٹ کی ہدایت پر حکومت پنجاب نے علامہ اقبال کو نصیحت کی کہ وہ کشمیر کے معاملات سے الگ تھلگ رہیں۔ (۲) ڈاکٹر اقبال نے تحریک کو جاری رکھا۔ وہ مسلمان جو اس صورتحال کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے تھے انہوں نے ہجرت کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ دوسروں نے جو ریاست میں پرامن حالات دیکھنا چاہتے تھے، کمیٹی کے مستقبل کے لائحہ عمل کے متعلق کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ (کشمیر کمیٹی کا اس وقت کوئی حقیقی وجود نہ تھا) نتیجہ کے طور پر علامہ اقبال نے مہاراجہ پر سرکاری دباؤ ڈلوانے کا سوچا تا کہ وہ کشمیری مسلمان برادری کی دگرگوں حالت کا کچھ مداوا کرے۔ (۳)

نئی کل ہند کشمیر کمیٹی

علامہ اقبال کل ہند کشمیر کمیٹی کے نئے صدر بن گئے۔ خود غرض مرزا محمود صدارت چھن جانے کے ساتھ ہی کشمیری مسلمانوں کے لیئے تمام ہمدردیاں اور محبتیں فراموش کر بیٹھے۔ انہوں نے اپنی ہر قسم کی امداد بند کر دی اور احمدی کارکنوں اور وکلاء کو ہدایت کر دی کہ نئے صدر کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کریں۔ قادیانی عناصر نے علامہ اقبال اور کشمیر کمیٹی کے خلاف ایک زہریلی پروپیگنڈا مہم بھی شروع کر دی۔

سات جون ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے اپنے بیان میں کہا۔

۱۔ سیاسی فائل 150' کشمیر پر لاہور کی ڈائری۔ یکم جولائی 1933ء۔

۲۔ دفتری حکم 70-15267 ایس پی شملہ 11 جولائی 1933ء ٹی سی گاربیٹ کی جانب سے اقبال کو۔ لاوان ص 155۔

۳۔ ایضاً۔ ص 158۔

> ''حال ہی میں جموں اور کشمیر کے کئی مسلمانوں اور لاہور کے کئی دوسرے مسلمانوں نے مجھے کشمیر کے معاملات کے بارے میں مطلع کیا ہے۔ یہ بڑی آسانی سے معلوم ہو گیا کہ ان (قادیانیوں) کا مقصد برطانوی ہند کے مسلمانان کے خلاف مسلمانان کشمیر کے کانوں میں زہر گھولنا تھا۔ مجھے پتہ نہیں کہ ان لوگوں نے اتنا متجسسانہ کام کیوں شروع کیا۔ تاہم جو کوئی بھی ان اقدامات کی پشت پر ہے انہیں خبردار کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کشمیر کمیٹی کے ارکان بے وقوف نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اس خیال میں پھنسیں گے جو ان کے لیئے تیار کیا گیا ہے''۔(۱)

بیس جون ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ صدارت ایک عارضی انتظام تھا کیونکہ کمیٹی بذات خود کشمیر میں ابھرنے والی ایک خاص صورتحال کے نتیجے میں قیام پذیر ہوئی تھی۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ کمیٹی کے قادیانی اراکین اپنے مذہبی سربراہ مرزا محمود کے سوا کسی کے وفادار نہیں۔(۲) انہوں نے سر ظفر اللہ کے اس بیان کا حوالہ دیا جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ کسی کمیٹی کو نہیں جانتا۔ اس نے اور اس کے رفقاء کار نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اپنے خلیفہ مرزا محمود کے حکم اور اطاعت میں کیا ہے۔

چھبیس جون ۱۹۳۳ء کو کشمیر کمیٹی کے مسئلے پر سر فضل حسین نے سر ظفر اللہ کو اپنے خط میں لکھا۔

> ''مجھے خدشہ ہے کہ یہاں کشمیر کمیٹی کے متعلق کوئی سازش پنپ رہی ہے۔ مرزا صاحب مستعفی ہو گئے اور اقبال صدر بن گیا۔ اب اقبال نے بھی استعفیٰ دے دیا ہے اور پریس کو یہ بیان ذیا ہے کہ جس میں کشمیر کمیٹی میں مرزا صاحب کے پیروکاروں کے تخریب کارانہ رسوخ کو اپنے استعفیٰ کی وجہ بتایا ہے۔ وہ اور چند دیگر لوگ مختلف وجوہات کی بناء پر مختلف لوگوں کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائے ہوئے ہیں۔ میں نے ہمیشہ خواہش کی ہے کہ فرقہ

۱۔ لطیف احمد شیروانی۔ حرف اقبال۔ اقبال اکیڈمی لاہور 1977ء ص 231۔

۲۔ شیروانی۔ ص 233۔

> وارانہ مسئلہ کو پس پشت رکھا جائے۔ مگر چند مسلمان رہنما اپنی ذاتی وجوہات کی بناء پر اس عنصر کو سامنے لاتے ہیں تاکہ سیاسی دنیا میں اپنی حیثیت اجاگر کرسکیں۔ اب آپ کی طرف سے اختلاف کو وسیع کرنے کے لیئے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے کیونکہ محض اختلاف برائے اختلاف کو ہوا دی گئی تو وہ نقصان ہوگا جس سے ہم بچنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے لیئے ممکن ہو تو یہ سب کچھ مرزا صاحب سے بیان فرمادیں"۔(۱)

دو جولائی ۱۹۳۳ء کو لاہور میں ایک نئی "کل ہند کشمیر کمیٹی" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کا صوبائی صدر علامہ اقبال کو چنا گیا۔ ملک برکت علی سیکرٹری، مولانا ظفر علی خان آٹھ نائب صدور میں سے ایک تھے۔ پینتیس ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ چن لی گئی۔ اجلاس کے اختتام پر کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی کہ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کا قانونی کردار بحال کیا جائے۔ چند قادیانی تخریب پسند عناصر نے نوزائیدہ کشمیر کمیٹی کو سبوتاژ کرنے اور قادیانی خلیفہ مرزا محمود کو دوبارہ نیا صدر بنانے کی کوشش کی مگر بری طرح ناکام ہوگئے۔

کشمیریوں کے حق میں تحریک کے اتنی سرعت سے بے اثر ہونے پر آئن کوپلینڈ یہ تبصرہ کرتا ہے۔

> "کشمیریوں کے حقوق کی یہ تحریک بیرونی قوتوں کی مدد اور حوصلہ افزائی سے چلی۔ احرار کے تحریک کو چھوڑنے اور کل ہند کشمیر کمیٹی کے خاتمے کے بعد ۱۹۳۳ء کے بعد سے کمزور ہونا شروع ہوگئی تھی۔ برطانوی جبر اور مالی مشکلات کی بناء پر احرار تحریک سے الگ ہوگئے تھے (کیونکہ ۱۹۳۴ء تک بڑے احرار رہنما قید میں تھے) مگر کشمیر کمیٹی کی اصل مشکلات دھڑے بندیوں کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ جولائی ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور ملک برکت علی کی سربراہی میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ایک اتحاد بن گیا۔ جس کے لیئے مالی امداد کا وعدہ جمعیۃ العلماء ہند نے کیا تھا۔ اس حوصلہ افزاء تبدیلی سے مسلمانوں کے

۱۔ سر فضل حسین کے خطوط۔ ص 310-311۔

> تمام مکاتب فکر پر مشتمل نمائندوں نے ایک نئی کمیٹی بنا لی۔ (۱) جس کی احمدیوں نے سخت مخالفت کی۔ تاہم جب قوت کے اظہار کا وقت آیا تو اراکین کی کثیر تعداد علامہ اقبال کے ساتھ تھی۔ (۲) کمیٹی کے اعلیٰ اجلاس کے جواب میں مرزا محمود نے سیسل ہوٹل لاہور میں ایک اجلاس بلا لیا، مگر اس میں حاضرین کی تعداد بہت کم تھی۔ روزنامہ ہیرالڈ لاہور نے انیس جولائی ۱۹۳۳ء کو شرکاء کے نام تک دے دیئے۔ چنانچہ مرزا محمود خاسر و خائب ہو کر منظر سے ہٹ گئے۔ اسی دوران وہ بدترین تشہیری مہم جس کے باعث کمیٹی تقسیم ہو گئی تھی اس نے مرزا محمود کو اس تحریک کے بارے میں از سرِ نو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے شیخ عبداللہ کے ساتھ مشاورت کے بعد یہ بیان جاری کیا کہ دو سال تک احمدی کشمیری مسلمانوں میں احمدیت کی کوئی تبلیغ نہیں کریں گے نہ ہی وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی مذہبی مباحثہ کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ پہلے سے ہی نئی بننے والی کشمیر کمیٹی کی سربراہی سے انکار کر چکے ہیں۔ (۳) تنظیم کشمیر کمیٹی کی صدارت چھوڑنے سے غالباً نئی سیاسی جماعت کشمیر مسلم کانفرنس کو یہ فائدہ ہو گیا کہ شیخ عبداللہ کے مذہبی عقیدے کے متعلق خاموشی چھا گئی کیونکہ وہ قادیانی مشہور تھا مگر مالی طور پر قادیانیوں کی سرپرستی ختم ہو جانے سے کمیٹی بری طرح متاثر ہوئی''۔ (۴)

علامہ اقبال کی سربراہی میں بننے والی کشمیر کمیٹی کی سرگرمیوں پر حکومت گہری نظر رکھے ہوئے تھی۔ پورے موسم گرما میں علامہ اقبال یا ان کے رفقاء پر مقدمہ قائم کرنے کی تجاویز پر بحث ہوئی لیکن پنجاب حکومت ایسا نہ کر سکی۔ خوش قسمتی سے انگریزوں کے نزدیک کشمیر کمیٹی مائل بہ پرواز نہ ہو سکی۔ کمیٹی کے ارکان نے کبھی بھی کشمیر کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کر کے حکومت کشمیر کو موقع نہ دیا کہ وہ اس پر پابندی لگا دے۔ (۵)

۱۔ لاہور محکمہ خفیہ ڈائری۔ یکم جولائی 1933ء۔
۲۔ ایضاً۔
۳۔ مرزا محمود کا کتابچہ ''حقیقت حال۔ مئی 1934ء۔ انڈیا آفس ریکارڈز R11/29/11۔
۴۔ کوپلینڈ۔ ص 249۔
۵۔ دیوان صفحہ نمبر 156۔

کمیٹیاں ختم

جولائی ۱۹۳۲ء میں شیخ عبداللہ نے رہائی کے بعد کشمیر میں آئینی اصلاحات کے لئے سرگرم گلانسی کمیشن کی رپورٹ سے بددل ہوکر احتجاج شروع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی تحریک کو متحد کر کے کشمیری عوام پر اپنی گرفت مضبوط کر لے۔ وہ احرار رہنماؤں کے ساتھ دشمنی ختم کرنے کی غرض سے لاہور آیا(۱) مگر اسے خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ نومبر میں اس نے ''جموں کشمیر مسلم کانفرنس'' کے نام سے نئی جماعت بنا لی تھی اور خود اس کا صدر بن گیا تھا۔ اس وقت اتحاد کی سخت ضرورت تھی کیونکہ بدقسمتی سے کشمیری مسلمان سری نگر میں دو دھڑوں میں بٹ گئے تھے۔ میر واعظ مولانا یوسف شاہ کے گروہ کو ''وفاداران'' کہا جاتا تھا جبکہ عبداللہ ہمدانی کے گروہ کو ''قادیانی آلہ کار'' کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

سپنسر کہتا ہے کہ کشمیری انتظامیہ نے حکومت پنجاب پر زور دیا کہ وہ پنجاب کی کمیٹیوں کو ختم کرے۔ اکتیس جولائی ۱۹۳۳ء کو کشمیر کمیٹی کی منظور شدہ ''قرارداد شکایات'' پر کرنل کالون نے ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ''دہلی'' (حکومت ہند) سے کہا کہ وہ کشمیر کمیٹی پر واضح کر دے کہ مستقبل میں اگر کوئی احتجاج ہوا تو حکومت ہند کشمیر حکومت کی پشت پر ہوگی۔ اس کے علاوہ کالون نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اب احتجاج کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی کیونکہ گلانسی رپورٹ کی سفارشات پر پیش رفت جاری ہے۔ اگرچہ دہلی میں موجود حکومت کے اراکین یہ محسوس کر رہے تھے کہ مہاراجہ گلانسی اصلاحات پر بڑی سست روی سے عملدرآمد کرا رہا تھا۔ موجودہ ریذیڈنٹ کشمیر کرنل بیلی نے بھی کرنل کالون کی تائید کرتے ہوئے ''دہلی'' سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر کمیٹی جیسے پنجابی مسلمانوں کے

۱۔ محکمہ خفیہ پنجاب کی دفتری اطلاع۔ مورخہ 7 جولائی 1982ء اور مولانا معین الدین ترجمان مجلس احرار اسلام لاہور کی جانب سے معتمد مجلس احرار اسلام دہلی کی طرف۔ جولائی 1932ء انڈیا آفس ریکارڈ۔ R/1/29/929 ایسا لگتا تھا کہ احرار شیخ عبداللہ کے ساتھ بات کرنے پر آمادہ تھے۔ کیونکہ اس وقت وہ خود سخت خطرات سے دوچار تھے) اور دوسرے کچھ احرار رہنماؤں جیسے سید عطاء اللہ شاہ بخاری حال ہی میں کانگریس کے نزدیک آئے تھے جو شیخ عبداللہ کو دوسرے عبدالغفار خان کے طور پر قبول کرنے پر تیار تھے (ماتھر۔ ص 113۔

گروہوں کو ختم کر دے۔(۱)

کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ

اگر ۱۹۳۳ء میں جموں اور کشمیر کی تقسیم کے خفیہ منصوبے کی چند تفاصیل بیان کر دی جائیں۔ تو یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی برطانوی منصوبے کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کو وادی کشمیر اور گلگت سے دستبردار ہو جانا تھا۔ جہاں سر آغا خان کو حکمران بنانے کی تجویز تھی۔ اس کے بدلے میں مہاراجہ کشمیر کو پنجاب کا ضلع کانگڑہ دیا جانا تھا۔(۲) ۱۹۳۳ء کی گول میز کانفرنس کی جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں تقسیم کشمیر کی تجویز زیر بحث آئی۔ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند سر سیموئیل ہور نے اس منصوبے کا خیر مقدم کیا اور اس کے حق میں ہندوستان کے گورنر جنرل (وائسرائے) کو لکھا۔ مہاراجہ کشمیر سری نگر نے تقسیم کے اس منصوبے کی سخت مزاحمت کی۔ ۱۹۳۳ء کے سال میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں خصوصاً کشمیر انتظامیہ اور انگریزوں کے مابین پیدا ہونے والی مفاہمت کی فضا نے تقسیم کشمیر کے منصوبہ کو تعطل کا شکار کر دیا۔ سر آغا خان ہندوستان کے کسی بھی علاقے میں اسماعیلی سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ آج کل اسماعیلی شمالی علاقہ جات میں اس کے لیئے کوشاں ہیں۔

قادیانیوں کی معذرت

جون میں قادیانی تخریب کار زین العابدین ولی اللہ شاہ اور بشیر احمد ایڈووکیٹ کے کشمیر سے اخراج سے قادیانی جماعت کو بہت دھچکا لگا۔ احمدیوں کو سر برٹرینڈ گلانسی سے بہت گلہ تھا۔ قادیانی خلیفہ کے نمائندہ مولوی فرزند علی نے سر گلانسی سے کہا کہ اخراج کی وجوہات زین العابدین کے پہلے خط میں درج معتدل نظریات کے برعکس ہیں۔

۱۔ حکومت ہندوستان خارجہ سیاسی محکمہ۔ فائل نمبر 204 (خفیہ) اور فائل نمبر 150- کشمیر میں احتجاج کی مخدوش بحالی۔ سر محمد اقبال اور مجلس کشمیر کے اراکین کو ریاست کے خلاف احتجاج شروع کرنے کے بارے میں مراسلہ۔ خط مورخہ 11 فروری 1933ء ریذیڈنٹ کشمیر کی طرف سے سیالکوٹ سے دہلی۔

۲۔ انڈیا آفس ریکارڈ۔ معتمد ریاست برائے ہندوستان سر سموئیل ہور کے نجی کاغذات۔

گلانسی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ کشمیر حکومت نے صرف یہی محسوس کیا کہ اب زین العابدین کی وہاں ضرورت نہیں ۔ہے' بلکہ ایک سر پرستانہ انداز میں گلانسی نے فرزند علی کو مطلع کیا کہ اسے خدشہ تھا کہ زین العابدین مرزا محمود کی ہدایات کے برعکس کام کرے گا اور امن کے قیام کی حکمت عملی پر کاربند رہنے میں ناکام ہو جائے گا جو قادیانی تحریک کا خاصہ تھی۔(۱)

گلانسی نے کسی بھی قادیانی ورکر کی کشمیر میں موجودگی کو پسند نہ کیا اور وہ حکمت عملی اپنائی جس پر حکومت پنجاب پہلے سے ہی کاربند تھی کہ اس تنظیم کو کشمیر سے دور رہنا چاہیئے جہاں ایک زبردست فساد برپا ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ کہا کہ دربار اپنی بھرپور کوششیں کر رہا ہے کہ وہ اصلاحات جاری رکھے اور لوگوں کے مفادات میں کسی بھی قسم کی حوصلہ افزائی سے گریز کیا جائے جس سے بدامنی کا اندیشہ ہو۔(۲) گلانسی نے اپنی اطلاع میں یہ کہا کہ فرزند علی نے شیخ عبداللہ کو کمزور قرار دیا ہے جو شیخ عبداللہ کے بارے میں قادیانی غم وغصہ کا اظہار ہے کیونکہ وہ کسی بھی گروہ کی مدد کا خواہش مند ہے۔ گلانسی نے اطلاع دی کہ مولوی فرزند علی نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس گفتگو کے بارے میں مرزا محمود کو مطلع کرے گا۔ اس نے بڑے تضحیک آمیز انداز میں کہا کہ

> ''مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری گفتگو کے بارے میں اپنی اصلی یادداشت برقرار رکھے گا''۔(۳)

اکیس جولائی ۱۹۳۴ء کو فرزند علی اور زین العابدین گلانسی سے ملے۔ یہ ملاقات تینوں کے لیئے ناخوشگوار تھی کیونکہ گلانسی نے اپنی رپورٹ میں یہ تاثرات دیئے تھے کہ وہ زین العابدین سے زیادہ متاثر نہ تھا۔ اس نے اس پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ فرزند علی زین العابدین کو ساتھ لایا ہے ۔ احمدیوں کی شملہ سے روانگی سے قبل زین العابدین نے گلانسی کو لکھے گئے خط میں صورتحال کو اور زیادہ خراب کر دیا۔ اس نے

۱۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی وسیاسی فائل 427 پیرا 9 (خفیہ) سید زین العابدین اور بشیر احمد ایڈووکیٹ کی روانگی۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ حکومت ہندوستان۔ خارجہ اور سیاسی فائل (پیرا 9 خفیہ۔ ص 427) سید زین العابدین اور بشیر احمد ایڈووکیٹ کی روانگی۔

کشمیر میں اپنی موجودگی کے حق پر مزید زور دے کر کہا کہ آزاد گروپ چاہتا ہے کہ میر واعظ یوسف شاہ کا اگر بس چلے تو وہ ہر احمدی کو کشمیر سے نکال دے۔ شیخ عبداللہ کی حمایت میں زین العابدین نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس وقت جیل میں تھا جب محمد یوسف اور اس کی جماعت نے ریاست میں واقعی مشکلات پیدا کی تھیں۔ زین العابدین کے ان خیالات پر معذرت خواہانہ رویہ اپناتے ہوئے بعد میں فوراً ہی فرزند علی نے خط لکھ دیا۔

چار اگست کو شملہ میں گلانسی سے ملاقات کے لیئے ایک اور قادیانی صوفی عبدالقدیر کشمیر رکا۔ عبدالقادر ۱۹۳۱ء کی گاؤ کشی کی احتجاجی تحریک کے دوران اپنے رویہ پر معذرت کے بہانے آیا تھا۔ چونکہ مرزا محمود اس قسم کے احتجاج کا حامی نہیں تھا لہٰذا عبدالقدیر نے ضروری سمجھا کہ وہ اپنے ملوث ہونے کا جواز پیش کرے۔ اسی وقت اس نے گلانسی کو بھی مطلع کیا کہ کشمیر کمیٹی (غالباً قادیانی) شیخ عبداللہ کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔[۱] عبداللہ کی ایک ہی خصوصیت بتائی گئی کہ وہ اچھا مقرر ہے جو اس کی مقررانہ صلاحیت پر ایک طنز تھا۔[۲]

کشمیر اور پنجاب کی حکومتوں کو احمدیوں کے متعلق سب سے بڑا یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۴ء کے درمیان کئی غیر معتدل احمدی رسائل و جرائد کی تشہیر کی گئی تھی۔ ان میں سے جو مرزا محمود کے تحریر کردہ تھے ان میں کشمیر میں احمدیوں کے ملوث ہونے کے جواز پیش کیئے گئے تھے۔ سب سے زیاہ متنازعہ رسالہ جو ۱۹۳۴ء کے اوائل میں لکھا گیا ''حقیقت حال'' تھا، جس میں مرزا محمود نے شیخ عبداللہ کے لیئے اپنی متواتر امداد کا اظہار کیا تھا۔ مرزا محمود نے مسئلہ کشمیر کیلئے مختلف النوع قسم کے اقدامات کیئے۔ پہلے انہوں نے عبدالرحیم درد کو لندن بھجوایا کہ کشمیر کا معاملہ برطانوی پریس اور پارلیمنٹ کے سامنے اٹھایا جائے۔ اس نے میر پور میں مسلمانوں کو سیاسی قیدیوں کی رہائی کے لیئے رقوم فراہم کیں اور میر واعظ ہمدانی کے کشمیر سے اخراج کو منسوخ کرانے کی کوشش

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ایضاً۔

کی۔ مرزا محمود نے ظفر اللہ خان، زین العابدین اور دیگر افراد کو حکومت کے ساتھ اعلیٰ سطحی مذاکرات کے لیئے روانہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے بظاہر کشمیری مسلمانوں کو سول نافرمانی کے خلاف ہدایت کی مگر پھر بھی مرزا محمود کی عملی تجاویز غیر واضح تھیں۔ واضح ہدایت صرف یوسف شاہ کی آزاد پارٹی کی مخالفت پر مشتمل تھی اور مسلمانوں کو ۱۹۳۴ء تک مجلس قانون سازی کے انتخابات میں میر واعظ کی آزاد پارٹی کو ناکام بنانا تھا۔ مرزا محمود نے اپنے رسالہ ''حقیقت حال'' میں اسلامی اتحاد، امن و امان اور کشمیر کے ظالم افسروں کو دہلیز انصاف تک لانے کی استدعا کی۔ (۱)

مرزا محمود کی تردید کے باوجود ان تمام واقعات کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ احمدیوں نے کشمیر میں اپنی نام نہاد تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں تاکہ وہ یہاں قدم جما سکیں۔ سری نگر کے ایک اردو اخبار ''اسلام'' نے ایک سلسلہ وار مضامین میں قادیانیت اور اس کے برطانوی آقاؤں کے ساتھ ساز باز کو آشکارا کیا۔ سولہ جولائی ۱۹۳۴ء کو زین العابدین حکومت ہندوستان کے پولیٹیکل سیکرٹری آر۔ ای ونگیٹ سے ملا اور اس کی توجہ ان مضامین کی طرف دلائی (۲) اور مبارک احمد قادیانی کی کشمیر سے اخراج کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اس نے بتایا کہ میر واعظ یوسف شاہ اور آزاد پارٹی نے حکومت اور کشمیری مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف کر دیا ہے۔ اس نے ونگیٹ کو درخواست کی کہ وہ دربار کو سفارش کرے کہ ''احمدی امن پسند اور وفادار ہیں''۔ ونگیٹ نے کسی بھی کارروائی کا وعدہ کیئے بغیر اپنی سرکاری رپورٹ میں یہ لکھا کہ ''کرنل کالون اور کشمیر کے نئے ریذیڈنٹ کرنل لینگ کو اس رپورٹ سے مطلع کر دیا جائے''۔ (۳)

۱۔ حکومت ہندوستان۔ خارجی و سیاسی (سیاسی برانچ) فائل نمبر 1-19۔ شیخ محمد عبداللہ قادیانی کی سرگرمیاں۔ کرنل ایل ای لانگ کی اطلاع (کشمیر میں ریذیڈنٹ کی جانب سے شملہ میں گلانسی کی طرف۔ 17 مئی 1934ء اس میں حقیقت حال کی انتہائی مبہم ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

۲۔ زین العابدین نے ونگیٹ کو 17 مضامین اور رسائل کے مندرجات روانہ کئے جو زیادہ تر ''اسلام'' اخبار میں چھپے تھے۔ 29 جولائی 1933ء اور 19 جولائی 1934ء کے درمیان۔ جس میں مولانا یوسف شاہ کے کئی احمدیوں کے خلاف بیانات بھی تھے۔ فتنہ قادیانیت' قادیانیت کے طاعون زدہ چوہوں۔ جیسے رسائل نے قادیانیت کو بے نقاب کیا۔ اخبار نے شیخ عبداللہ کے نام سے مرزا محمود کا ایک خط حاصل کر کے شائع کیا جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ شیخ عبداللہ ایک فعال احمدی تھا (رسالہ ''حقیقت آشکارا ہو گئی) انڈیا آفیشل ریکارڈز۔ R/1/29/1031) مزید لیوان۔ ص 162-63۔

۳۔ ایضاً۔

ایک عمومی جائزہ

۱۹۳۱ء کے درمیانی عرصہ کے تمام واقعات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ برطانوی سامراج کے وفادار ترین آلہ کار قادیانیوں نے بظاہر کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں تحریک شروع کی جبکہ ان کا اصل مقصد کشمیر میں سرگرمی سے چلنے والے پچاسی احمدیہ تبلیغی مراکز کی مدد سے کشمیر میں ایک طاقتور مرکز یا ریاست کا قیام تھا۔ کشمیر کمیٹی سر فضل حسین کا ایک دماغی شوشہ تھا۔ مرزا محمود کے ہاتھوں میں سیاسی قوت کے حصول کے لیئے ایک اوزار تھا۔ ہندوستانی سیاست میں قادیانیوں کے داخلے کا راستہ ڈھونڈنا تھا اور سامراجی مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ دوسری طرف انگریز کشمیر میں روسی اثر ورسوخ کے آگے بند باندھنے کے لیئے قادیانیت کو فروغ دینا چاہتے تھے تاکہ ان کی وفادار جماعت ان کے لیئے کام کر سکے۔ تحریک کشمیر مدہم پڑی تو حکومت پنجاب کو حکومت ہندوستان نے امن و امان کے قیام کے لیئے ایک لاکھ اکسٹھ ہزار دو سو ساٹھ روپے ادا کیئے۔ مہاراجہ کشمیر کو مجبوراً انگریزوں سے امداد لینی پڑی تاکہ وادی میں امن و امان قائم رہے۔ ۱۹۳۵ء میں جب روس نے سنکیانگ پر قبضہ کرلیا تو انگریزوں نے مہاراجہ کشمیر سے روسی سرحدوں سے ملحقہ کشمیر کے علاقے ساٹھ سال کے لیئے پٹے پر حاصل کر کے کشمیر اور گلگت پر براہ راست اختیار حاصل کر لیا۔(۱) انگریزوں کے ذہن میں کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ بھی تھا جو کہ بعد میں ختم کر دیا گیا۔ تحریک احرار نے قادیانیوں کے سیاسی عزائم اور منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس تحریک نے کشمیر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری میں ایک فعال کردار ادا کیا۔(۲) پروفیسر لاوان کا کہنا ہے کہ

> ’’قادیانیوں کی سرگرمیوں پر موت کی گھنٹی چند دنوں کے بعد آ کر بجی۔ حکومت پنجاب کے ای۔ سی۔ گاربیٹ نے ونگیٹ کو مطلع کیا کہ مرزا محمود کے رسائل پر قانونی کارروائی

۱۔ بزاز۔ کشمیر میں جدوجہد آزادی کی تاریخ۔ ص 149

۲۔ پی لکھن پال۔ مسئلہ کشمیر پر ضروری اطلاعات و دستاویزات دلی 1965ء صفحہ 16۔ شیخ عبداللہ کی خودنوشت سوانح عمری ’’آتش چنار‘‘ (چوہدری اکیڈی لاہور 1986) میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں احرار اور قادیانیوں کا کشمیری تحریک میں کردار ظاہر کرتے ہیں

نہیں کی جا سکتی اور اس نے حکومت کو یہ بھی زوردار تجویز پیش کی کہ آئندہ حکومت احمدیوں کو کوئی انٹرویو نہ دے کیونکہ وہ ان مواقع کو تشہیری مقاصد کے لیئے استعمال کرتے ہیں۔ گاربیٹ کی تنقید مگر مفید رائے کو پنجاب اور دہلی کی دونوں حکومتوں نے ''حکمت عملی'' کے طور پر اپنا لیا۔ اس سے حکومت کا قادیانیوں کے خلاف مبہم کردار واضح ہو گیا جو پنجاب حکومت نے احرار کے ساتھ براہ راست مناقشات کے وقت (۳۶-۱۹۳۴ء) کے درمیان اپنایا تھا۔ احمدی جو یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ کشمیر میں ہمدردی کی بناء پر سرگرم ہیں اور حکومت کے حد درجہ وفادار ہیں۔ دراصل حد درجہ سیاسی انداز میں کام کر رہے تھے۔ ان کا طریق عمل کشمیر دربار کے لیئے برطانوی امداد کی پالیسی کی مخالفت میں جا رہا تھا۔(۱)

پروفیسر کوپ لینڈ تحریک کشمیر کے بارے میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں۔

''احمدیوں کو کئی نئے احمدی مل گئے مگر وہ اتنی تعداد میں نہ تھے جس کی مرزا محمود کو توقع تھی۔ جب انہوں نے کشمیر کے لیئے اپنے ابتدائی لائحہ عمل کا آغاز کیا تھا۔ اس کے علاوہ قادیانی قیادت کو شیخ عبداللہ اور ہمدانی کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے جو مخالفانہ پروپیگنڈے کا سامنا تھا اس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ مزید برآں قادیانیوں کے کشمیر میں کردار کے نتیجے میں انہیں برطانوی سرکار کی کافی ہمدردی حاصل ہوئی۔ جس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ حکومت پنجاب کے محکمہ استغاثہ نے احرار کی پٹھان کوٹ شاخ کے سیکرٹری کے خلاف جنوری ۱۹۳۴ء میں مقدمہ چلانے کی سفارش کی' کیونکہ اس نے احمدیوں کے خلاف ایک اشتعال انگیز رسالہ شائع کیا۔ دوسری مثال یہ تھی کہ اسی سال کے آخر میں مجلس احرار کو قادیان میں اس کے ہیڈ کوارٹر کے قریب ایک تبلیغی کانفرنس کے انعقاد کو حکومت پنجاب نے روک دیا۔''

احرار بھی کشمیر میں اپنی مساعی سے مکمل فائدہ نہ اٹھا سکے کیونکہ ان کی پرچم لہرانے کی کارروائی اور کشمیر چلو تحریک نے ان قدامت پسند پنجابی رہنماؤں پر کوئی تاثر نہ چھوڑا

۱۔ لاوان۔ ص 160۔

جن پر وہ انتخابی تعاون کے لیئے تکیہ کیئے بیٹھے تھے۔ بلاشبہ جو بھی عارضی شہرت احرار کو کشمیر میں ان کی کاوشوں پر حاصل ہوئی۔ وہ جلد ہی ۱۹۳۶ء کے شہید گنج مسجد کے جھگڑے میں حصہ لینے سے انکار پر ختم ہوگئی کیونکہ یہ سبق انہیں ابتدائی احتجاجی تحریک کے دوران حاصل ہوا تھا"۔ (۱)

۱۔ (کوپلینڈ۔ ص 255)

گیارہواں باب

احرار کانفرنس

مرزا محمود کو قادیان میں کلی اقتدار حاصل تھا۔ یہ ان کی اپنی سلطنت تھی۔ کسی شخص میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ ان کے اقتدار پر انگلی اٹھا سکے۔ خلیفہ کی نجی زندگی کے بارے میں بات کرنے کے سوالوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ قادیان میں ایک حکومت کی سی پوری خصوصیات موجود تھیں جو حکومت برطانیہ کے متوازی چل رہی تھی۔ لوگ اسے ریاست در ریاست کا نام دیتے تھے۔

قادیانی جماعت کی ساخت ایک حکومت کے تمام عناصر پر مشتمل تھی۔ تحریک کے افعال سرانجام دینے کے لیئے ایک بے جان انجمن (صدر انجمن احمدیہ) اور ایک خود سر سربراہ موجود تھا۔ جسے خلیفہ کہتے تھے۔ انجمن جماعت کے تمام انتظامی، تعلیمی اور دوسرے معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھی جن میں ان تمام مہمانوں کی آسائشوں کا خیال رکھنا بھی شامل تھا جو قادیان آتے۔ مذہبی اور دنیاوی تعلیمات کی خاطر جامعات اور سکولوں کی دیکھ بھال بھی اس کا کام تھا۔ تحریک کے انتظامات سے متعلقہ افعال کئی ایک سیکرٹریوں کے ذمہ تھا۔ یہ سیکرٹری جماعت کے سربراہ کے احکامات کی روشنی میں کام کرتے تھے۔ اس تنظیم کا اعلیٰ تنظیمی ساخت کا ڈھانچہ نیچے بیان کیا جاتا ہے۔

(i) ایک چیف سیکرٹری تھا جو کابینہ کے اجلاسوں کی صدارت کرتا اور مختلف سیکرٹریوں کے کاموں کی نگرانی کرتا۔

(ii) تبلیغی امور کا سیکرٹری تحریک کی تمام تبلیغی سرگرمیوں کا نگران تھا اور ہندوستان اور بیرون ملک قائم شدہ مراکز کی کارکردگی پر نظر رکھتا۔ وہ احمدیہ پریس اور

محکمہ طباعت کا بھی ناظم ہوتا تھا۔

(iii) سیکرٹری تعلیم تمام تعلیمی معاملات کو سرانجام دیتا تھا۔

(iv) سیکرٹری داخلہ کے پاس تمام سماجی، معاشی، عدالتی اور دیگر متفرق کاموں کی نظامت تھی۔

(v) سیکرٹری خارجہ کے پاس جماعت کے برطانوی حکومت کے ساتھ تعلقات اور دیگر جماعتوں کے ساتھ معاملات کی دیکھ بھال تھی۔

(vi) سیکرٹری دعوت و تعلیم کا کام مناسب لٹریچر کی تخلیق، ایک مرکزی احمدیہ لائبریری چلانا اور تحقیقی کام سرانجام دینا تھا۔

(vii) سیکرٹری تجارت، صنعتی اور تجارت کے محکموں کا ذمہ دار تھا۔

(viii) سیکرٹری خزانہ جماعت کے مالی معاملات کا ذمہ دار تھا۔

ان کے علاوہ ایک خلیفہ کا ذاتی سیکرٹری، ایک اکاؤنٹنٹ اور ایک حسابات کی جانچ پڑتال کا افسر تھا۔(۱) تنظیم کے لیئے آمدنی کے مندرجہ ذیل ذرائع تھے۔

(i) ہر کمانے والے رکن کی کل آمدنی کا چھٹا حصہ بطور خصوصی چندہ۔

(ii) قادیان میں موجود قبرستان جسے بہشتی مقبرہ کہا جاتا ہے اس میں تدفین کے لیئے جگہ حاصل کرنے کے لیئے تمام آمدنی کا دسواں حصہ بطور مخصوص چندہ۔

(iii) زکوۃ۔

(IV) فطرانہ، عید فنڈ، شادی فنڈ، یتامیٰ و غرباء کے لیئے صدقات، خیرات۔

مذہبی عبادت گاہوں کے لیئے توسیعی فنڈ، اور دیگر کئی چندے شامل تھے۔ ایک پائی تک کی رقم بھی مرزا محمود کے حکم کے بغیر صرف نہ ہو سکتی تھی۔ انہیں اور بھی نامعلوم ذرائع سے بھاری رقومات ملتی تھیں جنہیں وہ ہندوستان اور بیرون ممالک بنکوں میں اپنے یا اپنے کسی خاندان کے فرد کے نام سے جمع کرا دیتے تھے۔ یہ رقم سیاسی تحریکوں کو دبانے اور انٹیلی جنس کے لیئے استعمال ہوتی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قادیان

۱-The Way To Peace and Happines-انجمن احمدیہ حیدرآباد (دکن) ص 283۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے سیاست میں حصہ لے رہا تھا۔ کشمیر، مسلم لیگ، گول میز کانفرنسوں، سائمن رپورٹ جیسے سیاسی معاملات میں قادیان پوری طرح ملوث تھا۔ سر فضل حسین(۱) کی مساعی سے سر ظفر اللہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن بن چکا تھا۔ اگرچہ اس کی تقرری کے خلاف مجلس احرار اور پنجاب کے ایک ہردلعزیز مسلمان روزنامے ''زمیندار'' لاہور نے سخت احتجاج کیا تھا۔(۲) پنجاب میں برطانوی سامراج کی سرپرستی میں رجعت پسند گروہوں کا سیاسی رسوخ بڑھتا گیا۔ سارا اعزاز احرار کو جاتا ہے جنہوں نے ٹوڈیوں اور برطانیہ نواز عناصر کے خلاف شدید مہم چلائی۔ چونکہ سر فضل حسین قادیانیوں کا مربی اور ہمدرد تھا، چنانچہ احرار نے اسکے خلاف ایک بالواسطہ مہم چلائی اور اس کی یونیسٹ پارٹی کو قادیانیوں پر تنقید کے ذریعے نشانہ بنایا۔(۳)

احرار کو یہ پختہ یقین تھا کہ قادیانی برطانوی سامراج کے کھلے عام شریک کار ہیں اور مسلمانوں میں خفیہ طور پر ففتھ کالم کا کردار ادا کر رہے ہیں۔(۴) قادیانی بڑوں کی سینکڑوں تحریروں اور بیانات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ برطانوی سامراج کے سیاسی کارندے تھے۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ تھی کہ جب لارڈ ویلنگڈن دہلی میں نیا وائسرائے ہند بن کر آیا تو ایک بائیس رکنی قادیانی وفد کی طرف سے اس کو خطبہ استقبالیہ دیا گیا۔ اس میں قادیانیوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں حکومت برطانیہ کی مصمم وفاداری سے نہیں ہٹا سکتی۔ اگرچہ ان کے مخالف عناصر کی پیدا کردہ غلط فہمیاں، مخالفین اور مشکلات راہ میں آئیں۔(۵) وائسرائے ہند نے اس پر اپنے گہرے اطمینان کا اظہار کیا اور حکومت کے ساتھ تعاون کی احمدیہ حکمت عملی کو بہت پسند کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ قادیانی وفد کے جذبات کو شہنشاہ معظم تک پہنچا دے گا۔

۱۔ عبدالمجید سالک۔ یاران کہن۔ لاہور۔ 1987ء ص 82 اور نور احمد۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ لاہور۔ ص 165۔

۲۔ عنایت نسیم سوہدروی۔ ظفر علی خان اور انکا عہد لاہور 1982ء ص 394۔ جارج پنجم کو مولانا ظفر علی خان کا مکتوب مورخہ 24 نومبر 1934ء جس میں مسلمانوں کے اس مطالبے کی وکالت کی گئی تھی کہ ظفر اللہ خان کو کونسل سے نکال دیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اخبار کی ضمانت بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔

۳۔ عبداللہ ملک پنجاب کی سیاسی تحریکیں لاہور۔ ص 209۔

۴۔ چوہدری فضل حق۔ تاریخ احرار لاہور 1968ء ص 180۔

۵۔ الفضل قادیان 29 مارچ 1934ء۔

اس نے اس توقع کا اظہار کیا کہ قادیانی اپنی وفاداریاں جاری رکھیں گے۔ (۱) چوبیس ستمبر ۱۹۳۴ء کو سر ظفر اللہ نے لندن سے سر فضل حسین کو خط لکھا جس میں اس کی تقرری بطور رکن وائسرائے انتظامی کونسل پر مسلمانوں کے شدید احتجاج کا ذکر تھا۔ اسکے جواب میں سر فضل حسین لکھتے ہیں۔

> ”ہاں! تم بڑی جلدی یہاں ہو گے اور اس احتجاج کے بارے میں جان جاؤ گے۔ اس کی بنیاد جیسا کہ تم جانتے ہو، درجنوں مذہبی نظریات ہیں مگر اس کے پیچھے کارفرما روح یہ ہے کہ ان نظریات کا اتحاد دوسرے احمدیوں کے ساتھ انہیں ایک اکائی بنا دیتا ہے۔ اور دوسرے غیر احمدی مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے۔ اصل میں پہلے تو انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کا ۱۹۳۲ء میں تقرر ہوا۔ وہ اگرچہ عارضی طور پر تھا۔ دوسرے احمدی مبلغین نے اپنی حیثیت کا غلط استعمال کیا اور مسلمانوں کو احمدی بنایا۔ تیسرے یہ چیز ایک فرقہ کو عمومی شان عطا کرتی ہے جس کو کوئی دبانے کی کوشش کرتا ہے یا پھر حوصلہ افزائی ہوتی ہے جیسے ۱۹۳۲ء میں تم قادیان گئے تھے“۔ (۲)

اوبرائن کا نظریہ

قادیان میں احمدیہ جماعت کی پالیسیوں اور طرز عمل نے بعض برطانوی حکام کو اس بات کے اظہار پر مجبور کیا کہ قادیانی برطانیہ کی مدد سے قوت حاصل کرنے کے بعد قادیان میں ایک ریاست قائم کر سکتے ہیں۔ پنجاب کے ایک سابق کمشنر مسٹر اوبرائن نے کھلے طور پر احمدیوں کے اس سیاسی عزم کا اظہار کر دیا کہ موقع میسر آنے پر وہ اپنی ریاست قائم کر لیں گے۔ (۳) مرزا محمود نے اس سلسلے میں انکشاف کیا کہ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۸ء تک پنجاب کے گورنر سر ڈبلیو۔ ایم ہیلی نے احمدیہ ریاست کے قیام کے بارے میں چند خفیہ اطلاعات موصول کیں اور مزید تحقیقات کے لیئے اسے دو یا تین دفعہ خود

۱۔ الفضل قادیان 13 اپریل 1934ء۔

۲۔ سر فضل حسین کے خطوط۔ ص 380۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 7 ص 414۔

گورداسپور جانا پڑا۔(۱) ۱۹۳۲ میں گورنر پنجاب سے لے کر وائسرائے ہند تک تمام برطانوی حکام اوبرائن کے نظریہ پر یقین رکھتے تھے۔(۲) قادیان کا نونہال اب ایک ضدی جوان میں تبدیل ہو چکا تھا۔

قادیان کی نیم مذہبی سیاسی تنظیم پر پہلے حملہ کے طور پر چھ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو مجلس احرار نے اپنے دو کارکنان کو قادیان میں تبلیغ کے لیے بھیجا۔ قادیانی غنڈوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی تذلیل کی۔ احرار نے اس پر سخت احتجاج کیا اور مولانا عنایت اللہ چشتی کو قادیان میں کل وقتی مبلغ مقرر کر دیا۔(۳) ۱۹۳۴ء کے اوائل میں قادیان میں مجلس احرار کا دفتر قائم کر دیا گیا۔ قادیانی پریس نے احرار رہنماؤں پر حملے جاری رکھے جبکہ حکومت پنجاب نے چند روزناموں جیسے ''احسان'' اور ''زمیندار'' لاہور پر قادیانیوں کے خلاف مواد چھاپنے پر پابندیاں عائد کیں۔

احرار نے سب سے پہلے قادیان کی کسی قریبی جگہ پر ایک کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ کانفرنس اکیس اور تیئیس اکتوبر ۱۹۳۴ء کے دوران منعقد ہونی تھی۔ قادیان کے رہائشی ایشر سنگھ سے اس کی اجازت بھی حاصل کر لی گئی کہ اس کی زمین پر کانفرنس منعقد کر لی جائے۔(۴) قادیانی غنڈہ گردی پر اتر آئے اور انہیں کانفرنس سے باز رکھنے کے لیئے اس گاؤں میں کانفرنس کی جگہ کے گرد چار دیواری کھڑی کر دی۔ کسی دوسری جگہ کے حصول میں ناکامی پر احرار نے قادیان سے ایک میل دور رجادہ گاؤں کے DAV ہائی سکول کے احاطے میں کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ قادیانیوں کی توقعات کے برعکس مبادا احرار اپنے مذہبی حقوق میں ناجائز دخل اندازی کا دعویٰ نہ کریں۔ حکومت نے احرار

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ مولانا عنایت اللہ چشتی پہلے احراری کارکن تھے۔ جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بڑی دلیری اور بے خوفی سے تبلیغی مرکز چلایا۔ کچھ وقت تک ان کی اعانت ماسٹر تاج الدین انصاری کرتے رہے۔ آخر کار مولانا محمد حیات (کھودا) بھی ان سے جا ملے۔ مولانا چشتی نے بڑی خوبصورتی سے وہ واقعات بیان کئے ہیں جو قادیان میں تبلیغی مرکز کے قیام کا باعث بنے اور کس طرح لاتعداد مشکلات کا مقابلہ کر کے انہوں نے ''ختم نبوت'' کے کام کو جاری و ساری رکھا۔ دیکھیئے مولانا عنایت علی چشتی۔ مشاہدات قادیان۔ مکتبہ معاویہ۔ ملتان 1986ء۔

۴۔ وائی' بی ماتھر۔ ص 109 اور حکومت ہند۔ محکمہ داخلہ۔ ڈائری 34 / 7245 سی سی گاربیٹ کی طرف سے معتمد برائے حکومت ہند ایم جی ہیلیٹ کو خط۔ دہلی (خفیہ) یکم نومبر 1934ء ص 1۔

کو کانفرنس کے انعقاد کی اجازت دے دی۔ گورنمنٹ نے یہ سعی ء لاحاصل بھی کی کہ وہ احرار کو اختلافات سے باز رکھ سکے۔ متبادل اقدام کے طور پر حکومت نے قادیان میں امن و امان کے قیام کے لیئے سخت اقدامات کیئے۔ پنجاب کی نوکر شاہی کا یہ اصرار تھا کہ قادیان کے بالکل ملحقہ علاقے میں کانفرنس منعقد نہ ہو۔ قادیان سے کوئی جلوس نکالنے کی اجازت نہ ہو۔ احمدیوں کو جوابی مظاہروں کی اجازت نہ دی جائے اور دونوں فریق اپنی مستقل حفاظت سے خبردار رہیں۔(۱) احرار حملہ آور تھے۔ قادیانی دفاع کر رہے تھے اور حکومت پنجاب ان کے درمیان مصالحت کنندہ تھی۔ خلیفہ قادیان اور ان کے حامیوں کے لیئے قادیان میں اس سے شدید بے چینی پیدا ہوگئی۔ خصوصاً اس بات سے کہ احرار کا انداز ہمیشہ سے برطانوی مخالف اور تشدد پسندانہ رہا تھا۔(۲) مرزا محمود کی ہدایت پر قادیان کے محکمہ خفیہ کے سیکرٹری مرزا شریف احمد نے قادیان کی سلامتی کے نام پر تحریک کی تمام شاخوں کو خطوط لکھے کہ وہ ایک خاص تعداد میں (اڑھائی ہزار سے اوپر) مسلح رضاکار قادیان روانہ کریں تاکہ احراریوں کو ڈرایا اور دہشت زدہ کیا جا سکے۔(۱)

اگرچہ سی آئی ڈی کے سپرنٹنڈنٹ مرزا معراج دین نے مرزا محمود اور شریف احمد کو ترغیب دی کہ وہ خط کو واپس لے لیں مگر انہوں نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔ احرار کے حملے سے اپنے والد اور نبی کی جائے پیدائش قادیان کو بچانے کے لیئے پورے ہندوستان اور گورداسپور سے قادیانی رضاکار متواتر قادیان آتے گئے۔ ان حالات میں حکومت پنجاب کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ضابطہ فوجداری کے ترمیمی ایکٹ کے تحت مرزا محمود کو نوٹس دے کہ احرار کانفرنس کے انعقاد کے دوران وہ قادیان میں مسلح رضاکاروں کی آمد کو روکے۔ اس عرصے میں قادیان پہنچنے والے تحریک کے کسی رکن کو خوراک و رہائش فراہم نہ کرے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے اقدامات کا بھی کہا گیا تھا جو سرکش قادیانیوں اور احراریوں کے مابین کشیدگی کے خطرے کو کم کر سکیں۔ درج ذیل

۱۔ ماتھر۔ ص 109۔

۲۔ لیوان۔ ص 164۔

۳۔ حکومت ہند۔ محکمہ داخلہ کا خفیہ خط۔ ص 2 بحوالہ لیوان ص 183۔

سطور میں اس حکم کا متن دیا جاتا ہے۔(۱)

”حکم زیر دفعہ ۳(ا)(د) پنجاب فوجداری قانون ترمیمی ایکٹ ۱۹۳۲ء۔

ہرگاہ کہ حکومت پنجاب کو اطمینان ہے کہ اس بات کے قوی شواہد ہیں کہ تم مرزا بشیر الدین محمود آف قادیان ضلع گورداسپور لوگوں کو قادیان میں بلاتے رہے ہو کہ وہ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس کے دوران قادیان یا اس کے نزدیک اکیس سے تیئس اکتوبر ۱۹۳۴ء تک موجود رہیں اور ہرگاہ کہ تمہارا یہ فعل عوامی امن وسلامتی کے خلاف ہے لہٰذا حکومت پنجاب تمہیں زیر دفعہ ۳(ا)(ے) پنجاب فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ ۱۹۳۲ء کے تحت ہدایت کرتی ہے کہ

(1) ایسے تمام احکامات جو تم نے یا تمہارے حکم سے کسی بھی شخص نے پہلے دی گئی تاریخوں کے دوران قادیان آنے کے بارے میں دیئے ہیں، واپس لے لو۔

(2) کسی بھی شخص یا اشخاص کو انیس سے لے کر چوبیس اکتوبر ۱۹۳۴ء تک قادیان بلانے سے باز رہو۔

(3) قادیان میں چوبیس اکتوبر تک یا اس کے بعد کوئی اجلاس بلانے یا منعقد کرنے سے احتراز کرو۔

(4) چوبیس اکتوبر ۱۹۳۴ء کے بعد تک قادیان میں کسی بھی شخص کے جسے تم نے بلایا ہے استقبال کے انتظامات سے اور انہیں خوراک و رہائش کی فراہمی سے اجتناب کرو۔

تیرہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو میرے دستخط اور مہر سے جاری ہوا۔

جی گاربیٹ

چیف سیکرٹری، حکومت پنجاب

۱۹-۱۰-۱۹۳۴

یہ حکم نامہ ایک بم دھماکہ ثابت ہوا۔ اس نے خلیفہ کی ان لطیف خوش خیالیوں کو مجروح کیا جو وہ ہمیشہ انگریزوں کے لیئے اپنے ذہن میں رکھتے تھے اور جس سے محبت

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 7 ص 491۔

کا پرچار کرتے تھے۔ اپنی جماعت کو انگریزوں سے مکمل وفاداری کا درس دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی نجی محفلوں میں سر ہربرٹ ایمرسن گورنر پنجاب کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور اسے برطانوی راج کا "بدخواہ" قرار دیا۔ ان کیلئے اس نوٹس کی ذلت ہضم کرنا مشکل ہوگئی۔ وہ اپنی اس بے عزتی پر اس قدر پیچ پا اور برہم ہوئے کہ انہوں نے اپنے معمول کا خطبہ جمعہ بھی نہ دیا۔ "تقدس مآب" کا احترام خطرے سے دوچار تھا۔ یہ ناقابل یقین تھا کہ برطانوی حکام ان کے آقا' مربی اور سرپرست اس طرح بھی کر سکتے تھے۔(۱)

احرار کانفرنس

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے احرار کانفرنس قادیان کی صدارت کی۔ انہوں نے قادیانی عقائد کا پردہ چاک کیا اور اس تحریک کے بانی کے لتے لیئے۔ انہوں نے قادیانیوں کو برطانوی سامراج کے آلہ کار' بیرونی قوتوں کے دم کٹے کتے اور اپنے آقاؤں کے تلوے چاٹنے والے قرار دیا۔ سر فضل حسین کی سفارش پر سر ظفر اللہ کی وائسرائے کی انتظامی کونسل میں نامزدگی کے خلاف ایک قرارداد منظور کی گئی۔(۲) حکومت پنجاب کے مقبول اخبارات "زمیندار" اور "احسان" لاہور کے خلاف تادیبی کارروائی پر شدید تنقید کی گئی۔ اسمبلی انتخابات کے ایک نومسلم امیدوار کے ایل گابا کے حق میں انتخابی تقاریر بھی ہوئیں جو کہ لیگ اور مسلم کانفرنس کے حمایت یافتہ امیدوار خان بہادر حاجی رحیم بخش کے مقابلے میں انتخاب لڑ رہے تھے۔(۳)

قادیان میں احرار کی انتہائی کامیاب کانفرنس اور حکومت پنجاب کے مرزا محمود

---

[1] قادیانی موقف کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ سر ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گارڈ۔ ص 74-73۔

[2] تاریخ احمدیت جلد 7 ص 501۔ سر ظفر اللہ کا کہنا ہے کہ 1934ء کے گرما کے دوران جب وہ انگلستان میں تھے تو سیکرٹری آف سٹیٹ نے انہیں بتایا کہ وہ اور وائسرائے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ سر فضل حسین کا جانشین بنے جب موخر الذکر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں اپنا دور پورا کرے تو۔ ظفر اللہ نے کہا کہ وہ ان خواہشات کا احترام کرے گا۔ سرونٹ آف گاڈ۔ ص۔)

[3] گاربیٹ کی جانب سے ہیلٹ کو مراسلہ (لیوان۔ بحوالہ ص 183) احرار کے نامزد امیدوار کے ایل گابا کے انتخاب کے بارے میں سر شہاب الدین کی ایک تجویز کی تائید سر فضل حسین نے کی۔ دو اکتوبر 1934ء کو سر شہاب الدین کو لکھے گئے ایک خط میں وہ کتاب "آپ کے خط کے دوسرے پیرا میں دی گئی تجویز (یکم اکتوبر 1934ء) کافی وزنی نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ اس کو آگے چلا سکتے ہیں کہ "اگر گابا یہ واضح کر دے کہ وہ احرار کے ٹکٹ پر اسمبلی جانے پر تیار نہیں ہوتا بلکہ مسلم کانفرنس یا کسی غیر احرار کی جانب سے تیار ہوتا ہے"۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آپ کی پیشکش گابا کے لیئے قابل قبول ہے یا نہیں' اس کو بلا تاخیر ہو جانا چاہئے"۔ (میاں فضل حسین کے خطوط۔ ص 384۔

کونوئس جس نے ان کی شان وشوکت اور عزت کو پامال کر دیا تھا' برطانیہ کے اس بے رحمانہ رویئے پر ماتم کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے اپنے جمعہ کے خطبات میں اپنے خاندان کی ماضی کی خدمات گنوائیں اور اپنے آقاؤں کی یاددہانی کے لیئے تحریک کے ارکان کی برطانوی سامراج کے لیئے خدمات کا تذکرہ کیا۔(۱) سر فضل حسین کو ایک خط میں انہوں نے بڑی عیاری سے قادیان میں احمدیوں کو بلانے کے احکامات کے اجراء کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ مرزا محمود جو فخر الرسل ہونے کے دعویدار تھے، ان کا یہ شرمناک بہانہ تھا ان کا بھائی ان کے حکم کے بغیر کبھی ایسی چٹھی روانہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے مرزا محمود کی دروغ گوئی عیاں ہوگئی۔

پنجاب کے چیف سیکرٹری نے احرار کی اتنی کامیاب کانفرنس کی بعض وجوہات بیان کیں جن سے احرار کو یہ منفرد مقام حاصل ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس کا باعث قادیانیوں نے قادیان میں خود اپنی منفرد حیثیت کی وجہ سے کیا۔ جس سے احرار کو کافی تقویت حاصل ہوئی۔(۲) ۱۹۳۳ء میں احرار نے جب قادیان میں اپنا باقاعدہ دفتر قائم کرنے کا ارادہ کیا تو احمدیوں نے مجوزہ عمارت پر اپنا حق جتلاتے ہوئے اسے گرا دیا اور اس کی جگہ بیت الخلاء تعمیر کر دیئے۔ اس کے علاوہ قادیان کے غیر احمدی رہائشیوں کی طرف سے بھی شکایات موصول ہوئیں کہ انہیں احمدی تنگ کرتے رہتے ہیں۔ گاربیٹ کے خیال میں یہی وجوہات ہوسکتی ہیں کہ احرار اتنے زیادہ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ گاربیٹ کے بیان کے چھٹے پیرے میں اختتامی بیان سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

> ''اس کے علاوہ کشمیر کی احتجاجی تحریک میں قادیانیوں کے کردار کے علاوہ جماعت کے سربراہ اور ان کے پیروکار احمدی برطانوی حکومت کے سرگرم حامی رہے ہیں اور سول نافرمانی اور دوسری تخریبی تحریکوں میں انہوں نے امن وامان بحال کرنے والی قوتوں کا

۱۔ الفضل قادیان یکم نومبر 1934ء 14 مئی 1935ء۔

۲۔ گاربٹ کا ہولیٹ کو خط۔ ص 5 لاوان 125۔

ساتھ دیا''۔(۱)

ستائیس اکتوبر ۱۹۳۴ء کو سر فضل حسین نے احمدیوں کے بارے میں نرمی اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے گورنر پنجاب سر ایمرسن کو خط لکھا۔

> ''جب سے میں آپ سے ملا ہوں' میں نے (احرار کے خلاف پنجاب حکومت کے) مقدمہ کے بارے میں مرزا صاحب کے بیان کو پڑھا ہے۔ دریں اثناء مجھے ان کے سیکرٹری سے دو تین پیغامات بھی ملے ہیں جن میں صورت حال بیان کی گئی ہے۔ میرے خیال میں موجودہ جھگڑا ایک ہی وقت میں دو مقاصد کے حصول کا موقع فراہم نہیں کرتا۔ پہلا یہ کہ احمدیہ جماعت کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ جارح بن رہے ہیں اور یہ بھی محسوس کرایا جائے کہ وہ صوبے میں موجود دوسرے گروہوں یا جماعتوں کی طرح ہو جائیں۔ دوسرے احرار کی قوت اور ولولہ حاصل کرنے میں حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ دوغلی حکمت عملی اپنانے سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ احرار کی حوصلہ افزائی اور احمدیوں کی حوصلہ شکنی۔ جس میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی کہ دوست کمزور ہو جائیں گے اور دشمن مضبوط ہو جائیں گے۔ مناسب حکمت عملی یہ ہوگی کہ اس معاملہ کو سختی سے نپٹا جائے۔ احمدیوں کے خلاف احرار کی جارحیت کو سختی سے دبا کر اسے ختم کر دیا جائے اور پھر ایک مناسب وقفے سے احمدیوں کے ساتھ مقامی طور پر معاملہ کیا جائے تاکہ ان میں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے ساتھ یا ان کے قریب رہتے ہیں' جارحانہ ذہنیت پروان نہ چڑھے۔ میری نظر میں ایک تیر سے دو شکار کی کوشش غیر مستحکم اور کامیاب نہ ہو سکے گی۔ میں نے معاملہ پر غور کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جو اوپر کہا گیا ہے۔ اسے آپ کی طرف ارسال کر رہا ہوں کیونکہ آپ پہلے ہی اس معاملہ کو نمٹا رہے ہیں''۔(۲)

۱۔ ایضاً۔

۲۔ میاں فضل حسین کے خطوط۔ ص 385۔

نیشنل لیگ

جنوری ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتہ میں مرزا محمود نے ایک "آل انڈیا نیشنل لیگ" نامی بظاہر سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس کا مرکزی دفتر لاہور میں قائم کیا گیا اور شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ کو اس کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔ ایک نیم فوجی گروہ کو اس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ اس نیشنل لیگی دستہ کا پہلا سالار سر ظفر اللہ کے بھائی چوہدری عبداللہ کو مقرر کیا گیا۔(۱)

ان دونوں جماعتوں کا بڑا مقصد احمدیوں کے مخالف گروہوں خصوصاً احرار کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا مقابلہ کرنا تھا اور قادیان کی پوزیشن کو مضبوط کرنا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا مقصد حکومت پنجاب کو بھی اپنی قوت سے آگاہ کرنا تھا۔ احرار اور قادیان کے مابین براہ راست ٹکراؤ سے بچنے کے لیئے حکومت پنجاب نے قادیان اور اس کے نواحی علاقوں میں تیس جنوری ۱۹۳۵ء سے دو ماہ کے لیئے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا اور کسی بھی عوامی اجتماع کے انعقاد پر پابندی لگا دی گئی۔(۲) آمادہ ءفساد قادیانیوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جے ایم شری نگیش کے احکامات کو سیشن عدالت ضلع گورداسپور میں چیلنج کر دیا۔(۳) سیشن عدالت نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے احکامات کو برقرار رکھا۔ عدالت عالیہ میں اپیل دائر کر دی گئی لیکن اسی دوران تیس مارچ ۱۹۳۵ء کو دو ماہ کا عرصہ ویسے ہی گزر گیا۔(۴) احرار کی تنظیم کو بھی حکومت نے قادیان میں کسی قسم کا جلسہ منعقد کرنے سے منع کر دیا کیونکہ ان کے بارے میں بھی یہ کہا گیا کہ انہوں نے امن کی تباہی، جھگڑے اور خونریزی کی دھمکیاں دی تھیں۔ قادیانیوں کے وقار کو نہ تو چیلنج کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی سمیٹا جا سکتا تھا۔(۵)

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 7 ص 522۔

۲۔ پنجاب کی صورتحال پر خفیہ اطلاع۔ بیان کردہ لاوان۔ ص 184۔

۳۔ ایضاً۔ الفضل قادیان 17- 24 اور 28 فروری 1935ء)

۴۔ الفضل قادیان۔ 4 اپریل 1935ء (اہم قادیان وکلاء سر ظفر اللہ خان۔ شیخ بشیر احمد۔ مرزا عبدالحق۔ چوہدری۔ اسد اللہ خان۔ فضل دین قادیانی مقدمے کی پیروی کے لئے پیش ہوئے تھے۔

۵۔ دی مسلم ٹائمز لندن جلد 1 نمبر 16 صفحہ بیان کنندہ لیوان۔

کھوسلہ کا فیصلہ

اکیس۔ تیئس اکتوبر ۱۹۳۴ء کو احرار کانفرنس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اشتعال انگیز تقریر کرنے پر سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور دیوان سکھ آنند نے چھ ماہ قید کی سزا دی۔ شاہ صاحب سیشن کورٹ گورداسپور میں جے۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج کی عدالت میں چلے گئے۔ جے ڈی کھوسلہ نے سزا کی معیاد کم کر کے تاوقت برخاست عدالت کر دی اور احمدیہ تحریک اور اس کے بانی مرزا غلام احمد کے متعلق سخت مگر حقیقت پسندانہ کلمات درج کیئے۔ مسٹر کھوسلہ نے لکھا۔

> ''اپنی دلیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے وہ ایسے ہتھیار استعمال کرتے ہیں جن کو ویسے بیان کرنا انتہائی ناخوشگوار ہوگا۔ ہر شخص کو جو ان کے دائرہ میں آنے پر رضامند نہ ہو۔ وہ مقاطعہ اور اخراج کی دھمکی دیتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ سخت دھمکی دیتے ہیں اور ان کے لوگوں کی تبدیلی مذہب کے عمل میں یہ دھمکیاں ہی کارفرما ہوتی ہیں۔ شاید اپنے فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لیئے قادیان میں رضاکارانہ فوج قائم کی گئی ہے''۔(۱)

مسٹر کھوسلہ نے مزید لکھا کہ

> ''اپنے عقائد کی تشہیر اور اپنی جماعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیئے احمدی (مرزا محمود کے مرید) ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے ہیں جو عمومی طور پر قابل اعتراض خیال کیئے جاتے ہیں۔ جو لوگ ان کی راہ پر چلنے کے لیئے تیار نہ ہوں ان کا سماجی و معاشی مقاطعہ ہو جاتا ہے اور انہیں قصبے یا مذہب میں سے نکال دیا جاتا ہے اور بعض اوقات انہیں خوفناک اور خطرناک نتائج کی دھمکیاں دی جاتی ہیں''۔(۲)

اس فیصلے نے قادیان میں دیوانی و فوجداری عدالتوں کے قیام کی تصدیق کر دی۔ جماعت سے اختلاف کرنے والوں کو دھمکانے کے لیئے نیم فوجی دستے استعمال

---

(۱)۔ پنجاب [illegible]ء رپورٹ۔ ص 50 -649۔

(۲)۔ ایم اے فاروقی۔ فتح حق۔ ص 46

ہوتے تھے۔ بھگت سنگھ، غریب شاہ اور مستری عبدالکریم کو موت کی دھمکیاں دی گئیں۔ مولوی عبدالکریم کے ایک دوست محمد حسین کو قاضی محمد علی قادیانی نے قتل کر دیا۔ محمد امین قادیانی جاسوس جو اشترا کی روس کے خلاف وسط ایشیاء میں جاسوسی سرگرمیوں میں مصروف کار رہا تھا) کو فتح محمد سیال نے جو کہ مرزا محمود کا ایک قابل اعتماد چیلا تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے خلاف کچھ نہ ہوا۔ قادیان کی ریاست میں پولیس بے بس تھی۔ یہ ایک متوازی حکومت تھی جس کا اپنا ایک سربراہ، ایک کابینہ اور انتظامی وعدالتی نظام تھا۔(۱)

مسٹر کھوسلہ نے مرزا غلام احمد کے اپنے مریدوں کو لکھے گئے خطوط کی روشنی میں قادیانیت اور اس کے بانی کو بالکل مناسب جگہ پر اپنے فیصلہ میں رکھا۔ اس نے یہ اخذ کیا کہ مرزا صاحب توانائی بخش شراب ٹانک وائن کے عادی تھے اور جنسی قوت بخش ادویہ استعمال کرتے تھے۔(۲) (اس فیصلہ کا متن اس کتاب کے آخر میں درج ہے)

کچھ باتیں حذف

کھوسلہ کے فیصلہ نے قادیان اور قادیانیت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ قادیانی فیصلے کو عدالت عالیہ میں لے آئے۔ اس مقدمہ کی سماعت جسٹس کولڈ سٹریم نے کی جبکہ قادیانیوں کے مقدمہ کی پیروی سر تیج بہادر سپرو نے کی۔(۳) اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ حکومت پنجاب اور حکومت ہند قادیانیوں کی طرفدار تھیں۔ گیارہ نومبر ۱۹۳۵ء کو جسٹس کولڈ سٹریم نے اپنا فیصلہ دیا۔ حکومت پنجاب اور احمدیہ جماعت کی درخواست پر سیشن جج گورداسپور کے دیئے گئے فیصلہ میں کچھ مشاہدات کو زیر دفعہ ۵۶۱۔ الف ضابطہ دیوانی حذف کرنے کے لیئے کہا گیا۔ یہ مقدمہ تاج برطانیہ بنام سید عطاء اللہ شاہ بخاری رہنما مجلس احرار اسلام تھا جس سے قادیان کو کچھ تشفی ملی۔(۴) دس ستمبر کو کھوسلہ

۱۔ ایم اے فاروقی۔ فتح حق۔ ص 41 دیکھئے سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری اور کھوسلہ کا فیصلہ۔ طابع و ناشر محمد علی قادیانی۔ اسلامی پریس گوجرانوالہ۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ تفصیلات کے لیے دیکھیں۔ الفضل قادیان۔ 25-27 اور 29 مارچ 1935ء۔

۴۔ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان۔ دسمبر 1935ء۔

کے فیصلہ کے تقریباً چھتیس قابل اعتراض نکات لاہور ہائی کورٹ میں پیش کیئے گئے۔ ان پر بحث کے ایک ماہ بعد حکومت پنجاب نے اپنی طرف سے ایک درخواست مرتب کی جس میں مسٹر کھوسلہ کے بیانات کی تردید کی استدعا کی گئی۔ جسٹس کولڈ سٹریم نے اس کے بعض حصوں کو ''مبالغہ آمیز'' قرار دیا اور احمدیت کو ایک ''سانپ کے دانت'' کے ساتھ تشبیہہ کے بارے میں کہا گیا کہ اس مقدمہ کی شہادت میں ایسا کوئی مواد موجود نہیں۔ اس نے اس اصطلاح والے پیرا کو حذف کر دیا اور یہ لکھا۔

> ''تاہم قادیانی ان تمام بیرونی تنقیدوں سے بے خبر رہے اور اپنے آبائی علاقہ قادیان کی حفاظت میں مصروف رہے اور ان حالات میں جتنا وہ پھل پھول سکتے تھے، پھلے پھولے۔ اس امتیازی حفاظت نے جو ان کو ملی ان کے درمیان فخر پیدا کیا جو قادیانیوں میں غرور کی حد تک پہنچ گیا''۔ (۱)

بلاواسطہ دباؤ

احرار رہنما کبھی بھی قادیان سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہ آ سکے تھے۔ انہوں نے مخاصمت کا ایک نیا منصوبہ سوچا۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں انہوں نے ایک احراری کارکن محمد حنیف عرف حنیفا کو تیار کیا کہ وہ مرزا محمود کے چھوٹے بھائی مرزا شریف احمد پر حملہ کر کے اسے سر عام رسوا کرے۔ یہ منصوبہ کامیاب رہا۔ حنیف نے دن دیہاڑے بھرے بازار میں مرزا شریف کو ایک ہاکی سے پیٹا۔ احمدیوں نے ایک احراری کارکن کی اس جسارت پر اس کے خلاف پرتشدد ردعمل کا اظہار کیا۔ اس واقعہ پر غم و غصہ کے اظہار کے لیئے کئی احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں۔ سر ظفر اللہ اپنی ماں کو لے کر وائسرائے کی رہائش گاہ پر گیا تاکہ پنجاب انتظامیہ کے زیر سایہ احمدیوں کی حالت زار کو بیان کر سکے۔ اس کی والدہ محترمہ اس کے خاندان کی پہلی خاتون تھی جس نے مرزا غلام احمد کے ۱۹۰۴ء کے دورہ سیالکوٹ کے موقع پر ان کی نبوت کا اقرار کیا تھا۔ وہ مرزا صاحب کے بیٹوں

۱۔ ایضاً۔

سے بڑا پیار کرتی اور ان کی عقیدت مند تھی۔ وائسرائے اور لیڈی ولنگڈن کے ساتھ ملاقات کے دوران اس نے دہائی دی۔

''میرا احمدی جماعت سے تعلق ہے۔ مسیح موعود احمدیت کے بانی تھے۔ انہوں نے ہمیں انگریزوں سے محبت کا درس دیا اور ان کے راج کے لیئے دعائیں کرنے کی نصیحت کی جنہوں نے ہمیں مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ میں ہمیشہ برطانوی راج کے لیئے دعا گو رہی ہوں مگر پچھلے دو سالوں سے حکومت پنجاب ہمارے ساتھ بہت ناانصافی کا رویہ اپنائے ہوئے ہے اور ہماری جماعت اور ہمارے امام کو ایسی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ اگرچہ میں مسیح موعود کی نصیحت کے مطابق برطانوی راج کے لیئے دعاؤں پر مجبور ہوں مگر اب ان دعاؤں میں وہ لگن یا جذبہ نہیں رہا۔ اب ہم اداس ہیں۔ چند دن پہلے ایک احراری غنڈے نے مسیح موعود کے بیٹے پر حملہ کیا جو ہمارے امام کا چھوٹا بھائی ہے۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ یہ معاملہ پنجاب گورنر کے دائرہ اختیار میں ہے۔ قبل اس سے کہ وہ اس کے دکھوں کے مداوے کے لیئے کچھ کرتا' انہوں نے لیڈی ولنگڈن کو قائل کر لیا۔ جس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ یہ معاملہ گورنر پنجاب کے پاس اٹھائے گی اور گورنر ایمرسن کو ہدایت کرے گی کہ وہ کسی بھی احمدی مخالف یا برطانوی مخالف تنظیم کے بارے میں جانبدارانہ رویہ ترک کر دے''۔ (۱)

ظفر اللہ کہتا ہے کہ

''لیڈی ولنگڈن کا اپنے خاوند پر بڑا اثر تھا۔ وہ میرے (ظفر اللہ کے) لیئے بھی اتنی ہی قابل احترام تھی اور اس کی والدہ کے ساتھ بھی بڑی شفقت سے پیش آتیں اور اپنے خاوند کی ریٹائرمنٹ کے بعد کئی سالوں تک اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر اسے سرفراز کرتی رہی۔ (۲)

یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ لارڈ ویلنگڈن اپنی کامیابی کی بڑی وجہ اپنی

۱۔ سر ظفر اللہ خان۔ ''میری والدہ'' لاہور۔ بار سوم 1971ء اور الفضل قادیان 22 مئی 1936ء ظفر اللہ کی ماں کی وفات پر مرزا محمود کا خطاب۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ ص 93۔

بیوی (دھوپی) کو قرار دیتا تھا۔ وہ اپنے خاوند سے نو سال چھوٹی تھی۔ اسکی لوگوں کو گانٹھنے کی صلاحیت اپنے خاوند سے کہیں زیادہ تھی۔ ایک دفعہ اس نے یہ تسلیم کیا کہ آج تک وہ کسی ایسے شخص سے نہیں ملی جسے وہ پہلی ہی دفعہ اپنے شیشے میں اتارنے میں کامیاب نہ ہوئی ہو۔(۱)

جونز لکھتا ہے کہ

> ''اگرچہ لوگ لیڈی ویلنگڈن کو سراہتے تھے مگر کئی ایسے تھے جو اس کے خود پرستانہ اور غیر شائستہ طریقوں کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ وائسرائے کی ایک دعوت میں ایک اعلیٰ افسر کو بڑا اطمینان ہوا جب وائسرائے کی بیوی کھانے کے کمرے سے جانے کے لیئے اٹھی تو اس نے اپنا رومال ہوا میں پھینک کر زور سے کہا ''دھوپی'' اس کے اس طرز عمل پر سزا کے طور پر اسے اپنے عہدے کی سند ایک تقریب میں دینے کی بجائے ایک چپڑاسی کے ذریعہ دی گئی''۔(۲)

انگریزوں کو یہ فکر لاحق تھی کہ احرار قوت پکڑ کر ایک حقیقی خطرہ بنتے جا رہے تھے۔

> ''آنے والے دنوں اور ہفتوں میں انگریزوں نے قادیان کی سرگرمیوں کا احتیاط سے جائزہ لیا اور اپنے اور احمدیوں کے درمیان مزید تناؤ پیدا کر لیا۔ بڑھتی ہوئی سیاسی بیداری اور قادیانی تحریک کا سیاست میں ملوث ہونا اس وقت ظاہر ہو گیا جب احمدیوں نے پنجاب قانون ساز اسمبلی کے لیئے اپنے امیدوار کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ قدم ظاہری طور پر ان سیاسی سرگرمیوں کے خلاف تھا جس میں احرار پہلے ہی ملوث تھے''۔(۳)

قادیانیوں نے لندن کے سیاسی حلقوں میں اپنی وفاداری کی بنیاد پر حکومت پنجاب اور ایمرسن کو بدنام کرنے کی مہم شروع کی۔ تخریبی مہم سے تنگ آ کر گورنر پنجاب

۱۔ مارک بنس جونز۔ ہندوستان کے وائسرائے۔ سینٹ مارٹنز پریس نیویارک 1982ء ص 264۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ جنوری 1935ء کے پہلے نصف کے بارے میں پنجاب کی صورت حال پر خفیہ اطلاع تحقیقات کی تفصیلات دستاویز نمبر ایچ ڈی نمبر 7-128 / 34 /- سیاسی میں درج ہیں۔

ایمرسن نے سر ظفر اللہ کو جو حکومت اور جماعت کے مابین اہم رابطے کا کام کر رہا تھا یہ ترغیب دی کہ وہ مرزا محمود اور حکومت پنجاب کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد کرے۔ وہ ان دونوں میں ماضی کے تعلقات کی بحالی میں مکمل طور پر کامیاب رہا۔ تاہم بعد کے واقعات نے یہ ظاہر کر دیا۔ جیسا کہ ظفر اللہ کہتا ہے کہ

> ”تحریک احمدیت کے منصوبوں کے متعلق گورنر کے ذہنی شبہات مکمل طور پر دور نہ ہوئے تھے“۔(1)

اگر چہ حکومت پنجاب نے احرار کو پوری طرح دبایا تھا مگر احرار رہنماؤں نے ایک اور منصوبہ تیار کیا جس کا مقصد قادیانیوں کو کھلی لڑائی کے لیئے تیار کرنا تھا مگر مسجد شہید گنج کے بدقسمت واقعہ نے حالات کا پلٹا ایک دفعہ پھر قادیان کے حق میں کر دیا تھا۔ مسجد شہید گنج کے مسئلے پر پنجاب میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان تصادم ہوا۔ احرار نے اس تحریک میں حصہ نہ لیا۔ ۱۹۳۵ء میں سکھ مسلم فسادات نے حکومت پنجاب کو ہلا کر رکھ دیا۔ مرزا محمود نے شہید گنج کے واقعہ کو احرار قیادت کو بدنام کرنے اور ان کی کردار کشی کرنے میں بڑی ہوشیاری دکھائی۔ قادیانیوں نے احرار رہنماؤں کے خلاف وسیع پروپیگنڈہ مہم چلائی۔ اس کے لیئے انہوں نے زر کثیر صرف کیا بلکہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں جوش خطابت میں ان کو ”مباہلہ“ کی دعوت دے ڈالی جسے انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں مرزا محمود نے اپنی اس للکار کو پھر دہرایا۔ ایک شاطرانہ انداز سے یہ جاننے کے لیئے کہ مسلمان احمدیوں کے متعلق کیا سوچتے ہیں اور احرار کی مقبولیت اور ان کی ہر دلعزیزی کا درجہ کیا ہے' مباہلہ کا چیلنج کر دیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مقصود تھا کہ احرار مخالف مہم چلانے میں قادیانیوں کو کن مسائل کا سامنا ہوگا۔ پہلے قدم کے طور پر قادیانیوں نے اتحاد ملت پارٹی (نیلی پوش) کے کارکنوں کو ہر ممکن تعاون مہیا کیا۔ اس پارٹی کی قیادت مولانا ظفر علی خان کے پاس تھی۔ مولانا شہید گنج کے معاملے میں احرار کے خلاف ہو چکے تھے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود احرار نے قادیانیوں سے مباہلہ

۱۔ سر ظفر اللہ ”سرونٹ آف گاڈ“ ص 73۔

کے لیئے تیئس نومبر ۱۹۳۵ء کی تاریخ مقرر کر دی اور اعلان کر دیا کہ وہ قادیان جا کر خلیفہ کی رہائش کو زمین بوس کر دیں گے۔ دراصل ''مباہلہ مہم'' کے نام سے وہ قادیان میں ایک اور احرار کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے۔ اپنی آتش بیانی سے وہ ایک بار پھر عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ سب کچھ مرزا محمود احمد کو دہشت زدہ کرنے کے لیئے کافی تھا جو احرار کے مقاصد سے بخوبی آگاہ تھے۔ اپنی للکار کی حماقت کا انہیں جلد اندازہ ہوگیا اور انہوں نے مباہلہ کے نام سے احرار کے ساتھ براہ راست مناقشے سے بچنے کے لیئے حکومت پنجاب سے مدد کی التجا کی۔ تاہم انہیں یہ احساس تھا کہ اگرچہ احرار نے شہید گنج مسجد کی تحریک میں حصہ نہ لے کر اپنی مقبولیت کم کر دی تھی، مگر پھر بھی وہ ختم نبوت کے نام پر عوام کو اپنی طرف موڑ کر راغب کر سکتے تھے۔ حکومت پنجاب نے قادیان اور اس کی اطراف میں عوامی اجتماعات پر پابندی عائد کر دی۔ قادیان کے قرب و جوار میں نماز جمعہ پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ احرار رہنماؤں نے یہ پابندی مسترد کر دی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مورخہ چھ دسمبر ۱۹۳۵ء کو گرفتاری دے دی۔ اس کے بعد ہر جمعہ پر علی الترتیب چار ممتاز علماء مولانا ابو وفا شاہ جہانپوری، مولانا محمد حسین سیفی، مولانا بشیر احمد اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے دفعہ ۱۴۴ کو توڑا اور گرفتار ہوئے۔ پانچ جنوری ۱۹۳۶ء کو حکومت پنجاب کو قادیان میں جمعہ کے اجتماعات پر سے پابندی اٹھانی پڑی۔ مولانا لال حسین اختر نے اس یادگار نماز جمعہ کی امامت کی اور بڑے دلکش انداز میں قادیانی ارتداد کو للکارا۔(۱)

۱۔ جانباز مرزا۔ کاروان احرار۔ جلد 2 ص 298 تا 307۔

بارہواں باب

قادیانی اور کانگریس

کانگریس کی قیادت جانتی تھی کہ قادیانی برطانیہ کے پروردہ عناصر ہیں۔ وہ ہمیشہ غیر ملکی حکمرانوں کے وفادار اور اپنے مطمع نظر میں بڑے رجعت پسند ہیں۔ انہیں احساس تھا کہ مسلمان ان کے مذہبی عقائد اور سیاسی نظریات کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسا گروہ ہیں جنہیں مسلمانان عالم نے اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ بعض کانگریسی رہنما احمدیوں کو خاص وجوہات کی بناء پر مختلف تناظر میں دیکھتے تھے۔ اس کی بنیاد سیاسی تھی۔ چونکہ قادیانی ہندوستان میں پیدا ہوئے اور پھلے پھولے' اس لیئے یہ ایک سودیشی (قومی) تحریک تھی اور بھارت ماتا کی دھرتی سے اٹھی تھی۔ اسلام کی طرح بدیشی نہیں تھی۔ ان کانگریسی زعماء نے اس کے ذریعے اسلام کو ہندوستانی رنگ میں رنگنے کی طرح ڈالی۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کی مکہ اور مدینہ کی محبت کو قادیان کی محبت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں قوم پرستی کے رجحانات کو ابھرتے دیکھ کر کچھ انتہا پسند ہندوؤں نے ہندوستان میں قادیانیت کی ترقی کو سراہا۔ دراصل ۱۹۲۷ء کے آخر سے قادیانی زعماء ایک ''قومی پیغمبر'' کے نظریئے کے پرچار میں لگے ہوئے تھے اور لوگوں کو دعوت دے رہے تھے کہ وہ ''قادیان کے احمد'' پر ایمان لے آئیں تا کہ اپنے قومی پیغمبر پر ایمان لانے سے ان کی نجات ہو جائے۔ مفتی محمد صادق ناظر امور خارجہ نے یہ نظریہ نہ صرف ہندوستان بلکہ امریکہ میں بھی پیش کیا۔(۱)

۱۔ الفضل قادیان 6 دسمبر 1927ء کلکتہ میں مفتی محمد صادق کی تقریر۔

ایک ہندو قوم پرست ڈاکٹر شنکر داس مہرہ کا کہنا تھا کہ تحریک احمدیت نے ہندوستان میں قومی مقاصد حاصل کرنے کے لیئے بنیاد فراہم کی ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں سے عربی پیغمبر (ﷺ) کی محبت کو محو کرنے کی کوشش کی ہے۔ جتنی احمدیوں کی تعداد بڑھے گی اتنا ہی ہندوستانیوں کی زیادہ تعداد قادیان کو اپنے مکہ کی طرح سمجھیں گے اور ہندوستان کی محبت ان کے دلوں میں بڑھے گی۔ مکہ اور مدینہ ان کے لیئے محض روایتی شہر بن کر رہ جائیں گے۔ ہر قادیانی خواہ وہ عرب، ترکی، ایران یا دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہو، روحانی ہدایت اور سکون کے لیئے قادیان کی طرف رخ کرتا ہے۔ ارض قادیان اس کے لیئے ارض نجات ہے۔ اسی میں ہندوستان کی مہانتا (بڑائی) مضمر ہے۔ اس تحریک کا بانی بھی ایک ہندوستانی تھا اور اس کے تمام جانشین جو اس کڑے وقت میں فرقہ کی رہنمائی کر رہے ہیں، تمام ہندوستانی ہیں۔(۱)

ڈاکٹر شنکر داس نے اپنے طویل مضمون میں قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کے ردعمل کا تجزیہ کرتے ہوئے بالآخر یہ نتیجہ نکالا۔

> ''مسلمان جانتے تھے کہ قادیانیت عربی تہذیب اور اسلام کے خلاف ہے۔ تحریک خلافت کے دوران قادیانیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا کیونکہ وہ ترکی یا عرب کے بجائے خلافت قادیان میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ تاہم یہ عام مسلمان کے لیئے مایوس کن ہوسکتا ہے جو اتحاد عالم اسلامی یا اتحاد عالم عربی کا خواب دیکھتا ہے۔ مگر ایک قوم پرست کیلئے یقیناً بہت خوش کن ہے''۔(۲)

قادیانیت بے نقاب

قادیانی تحریک کے لیئے بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے وسطی سال بڑے شدید تھے۔ ''زمیندار'' لاہور میں مولانا ظفر علی خان کی خوبصورت استعاروں سے پر نظمیں اور درخشندہ تحریریں اور شگفتہ نظمیں اور مضامین شائع ہو رہے

ا۔ مولانا الیاس برنی۔ ''قادیانی مذہب'' ص 67 ڈاکٹر شنکر داس مہر کا بندے ماترم میں مضمون۔ لاہور 22 اپریل 1932ء۔

۲۔ ایضاً۔

تھے۔ روزنامہ ''سیاست'' لاہور کے مدیر سید حبیب جلالپوری(۱) اور ایک ریٹائرڈ جج مرزا ظفر علی نے قادیانی عقائد پر تنقید کی۔ قادیانیوں کے خلاف بہاولپور کے عدالتی فیصلے اور جی ڈی کھوسلہ کے فیصلے نے عوامی رائے عامہ پر گہرا اثر چھوڑا۔ ان باتوں سے قادیانیوں کو خاصا رسوا ہونا پڑا۔ احرار کے شعلہ بیان مقررین نے قادیانیوں کے مذہبی اور سیاسی منصوبوں کو بے نقاب کرنے کے لیئے ملک کے مختلف حصوں کے دورے کیئے۔

قادیانیت کی سب سے بہترین پردہ کشائی ڈاکٹر محمد اقبال نے کی۔ انکے متاثر کن بیانات اور زبردست علمی و عقلی دلائل نے سامراجیت کی اس آلہ ءکار سیاسی و مذہبی تنظیم کی خوب پردہ دری کی۔ علامہ اقبال کو کس چیز نے قادیانیت کے خلاف اس جہاد پر ابھارا۔ یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

ڈاکٹر اقبال قادیانیت کے آغاز سے اس سے ایک حد تک واقف تھے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مولوی محمد علی کے مطابق ۱۹۰۸ء میں انہیں سر فضل حسین کے ہمراہ مرزا غلام احمد سے ملاقات کرنے کا موقع ملا تھا۔ سر فضل حسین نے مرزا غلام احمد سے پوچھا کہ جو لوگ انکے دعوؤں کو نہیں مانتے وہ کافر ہیں؟ مرزا صاحب نے نفی میں جواب دیا۔ احمدیت ان کے خاندان میں سرایت کر گئی تھی۔ ان کے والد اور بڑے بھائی احمدیت سے متاثر ہو گئے تھے۔ اگرچہ بعد میں ان کے والد گرامی نے اپنے آپ کو قادیانیت سے مکمل طور پر لاتعلق کر لیا۔ ڈاکٹر اقبال نے کبھی قادیانیت قبول نہ کی تھی۔ وہ اس تحریک کے ابتدائی دنوں میں اس کے متعلق کسی حد تک نرم رویہ رکھتے تھے کیونکہ اس کی اصلیت اس وقت تک مکمل طور پر ظاہر نہ ہوئی تھی۔ تیسری دہائی کے ابتدائی سالوں میں علامہ اقبال پوری طرح جان چکے تھے کہ قادیانی ہندوستان اور تحریک کشمیر میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور ان کے سیاسی عزائم کیا ہیں۔ وہ خود آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے رکن تھے اور کمیٹی میں مرزا محمود کی صدارت کے ایک بڑے تائید کنندہ تھے تاکہ مناسب

---

(۱) سید حبیب مدیر روزنامہ سیاست لاہور نے اپریل۔ اگست 1933 کے دوران اپنے اخبار میں قادیانیت پر سلسلہ وار مضامین لکھے۔

برطانوی مداخلت سے کشمیریوں کے لیئے مہاراجہ کے ساتھ کوئی معاملہ طے پا سکے۔ چند ماہ میں ہی انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ احمدیت کا چہرہ بڑا مکروہ ہے جو اس نے جذبہ ایثار کے بہروپ میں چھپا رکھا ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ اس تحریک کے خطرناک اثرات نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں بلکہ پورے عالم اسلام پر پڑیں گے۔ انہوں نے اس تحریک کی پچھلی پچاس سالہ کارکردگی (۱۹۳۵۔ ۱۸۸۰ء) میں جس طرح یہ تبدیلی کے مراحل سے گزری اس کا اصل چہرہ دیکھا۔ اور ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے انہوں نے اسے ایک اسلام مخالف، رجعت پسند اور مذہبی احیاء کے باریک ظاہری پردے کے بھیس میں سامراج نواز تنظیم پایا۔

گورنر پنجاب کی ایک تقریر نے علامہ اقبال کو قادیانیت پر اظہار رائے کا فوری موقع فراہم کر دیا۔ گورنر نے مذہبی معاملات میں رواداری کا پرچار کیا تھا۔ دراصل وہ احمدیت کے خلاف احرار کے شدید ردعمل کیطرف اشارہ کر رہے تھے۔ دو مئی ۱۹۳۵ء کو علامہ اقبال نے پریس کو قادیانی مسئلہ کے سیاسی و سماجی مضمرات سے متعلق اپنا تاریخی بیان جاری کیا۔(۱) انہوں نے وضاحت کی کہ ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کے وجود کی بنیاد صرف اس کا مذہبی نظریہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام کے اندر سے نکلے اور اپنی بنیاد کے لیئے ایک نئی نبوت کا دعویٰ کرے اور جو اس کی مبینہ وحی کا انکار کرے۔ ان مسلمانوں کو وہ کافر قرار دے تو پھر ہر مسلمان کو اسے استحکامِ اسلام کے لیئے ایک شدید خطرہ خیال کرنا چاہئے۔ ایسا لازمی طور پر ہونا چاہیے کیونکہ اسلامی معاشرے کا استحکام صرف نظریہ ختم نبوت سے ہی محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔

انہوں نے موبدانہ (یہودی، عیسائی، پارسی وغیرہ) تمدن میں اجرائے نبوت کے نظریئے کی نوعیت بتاتے ہوئے اسے زرتشتی، یہودی، عیسائی، کلدانی اور صابی مذاہب سے ثقافتی طور پر منسلک قرار دیا۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ مذہبی مہم جوؤں نے

۱۔ قادیانیت اور راسخ العقیدہ مسلمان' اقبال کے بیانات اور تقاریر۔ تدوین اور ترتیب۔ لطیف احمد شیروانی۔ اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور۔ 1973ء ص 162-161۔

نبوت کی بناء پر نئے مذاہب قائم کیئے اور لوگوں کو ہمیشہ انتظار کی کیفیت میں رکھا۔ اسلام کسی صورت میں ان تحریکوں سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔

علامہ اقبال نے قادیانیت کی نسبت بہائیت کو زیادہ مخلص قرار دیا کیونکہ بہائی اسلام سے کھلے طور پر باغی ہیں جبکہ قادیانی بظاہر اسلام کے اہم معتقدات کو برقرار رکھتے ہوئے اندرونی طور پر اس کی روح اور فلسفے کے بالکل مخالف ہیں۔ احمدیت کا ایک حاسد خدا کا تصور جس کے پاس اس کے مخالفین کے لیئے لاتعداد زلزلوں اور بیماریوں کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے، ایک پیش گوئی کرنے والے نجومی کے طور پر نظریہ نبوت، اس کا روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتا ہے گویا یہ تحریک یہودیت ہی کی طرف رجوع ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے مغرب کے نظریہ رواداری پر تنقید کی اور واضح کیا کہ برطانوی ہند میں مسلمان معاشرے کا استحکام اس یہودی معاشرے کے استحکام سے بھی زیادہ غیر محفوظ ہے' جو رومیوں کے دور اقتدار میں حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ ہندوستان میں کوئی بھی مذہبی مہم جو ایک نیا دعویٰ کرسکتا ہے اور اپنی اغراض کے لیئے ایک نیا مذہبی گروہ تشکیل دے سکتا ہے اگر وہ حکومت کو اپنی وفاداری اور اس کے پیروکار ٹیکس دینے کا یقین دلا دیں۔ انہوں نے حکومت کو یہ تجویز پیش کی کہ وہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ اقلیت قرار دے جو کہ قادیانیوں کے مذہبی معتقدات اور ان کی پالیسی سے مطابقت رکھتا ہے۔ آخر میں یہ نتیجہ نکالا کہ ''ہندوستانی مسلمان انہیں اسی طرح برداشت کرلیں گے جس طرح وہ دوسرے مذاہب کو کررہے ہیں''۔ (۱)

مسلمانان ہند نے ڈاکٹر اقبال کی تجویز کا خیر مقدم کیا مگر لاہوری اور قادیانی جماعت کے عذر خواہوں کی جانب سے اس پر تنقید شروع ہوگئی۔ (۲) مرزا محمود نے اپنا

۱۔ تقاریر اور تحریریں۔ ص 173۔

۲۔ الفضل قادیان 15 مئی 1935ء میں امیر عالم پٹیالوی کا مضمون (ریویو آف ریلیجنز قادیان کا جولائی 1935ء کا شمارہ پیغام صلح لاہور کے مئی اور جون 1935ء کے شمارے۔

چوبیس مئی ۱۹۳۵ء کا خطبہ جمعہ ڈاکٹر اقبال کے بیان پر صرف کر دیا۔ (۱) اس میں تمام غیر متعلق اور غیر منطقیانہ تبصرے تھے جن میں کوئی قابل ذکر دلیل موجود نہ تھی۔ نتیجۃً مرزا صاحب نے ایک مضمون لکھا (۲) جس میں ایک احمقانہ تکرار کے ساتھ اپنے روایتی قادیانی دلائل پر تکیہ کیا۔ قدرتی طور پر یہ طرز عمل ان کے موقف کے خلاف گیا۔ امیر جماعت لاہور مولوی محمد علی نے بھی اپنے نرم موقف پر مبنی ایک جواب لکھا اور اپنی جماعت کے وجود کا کھوکھلا جواز پیش کیا۔ (۳)

ہندوستانی پریس نے اسلام کے سیاسی ڈھانچے سے قادیانیوں کی علیحدگی پر اپنے موقف اور تبصرے شائع کرنا شروع کر دیئے۔ سٹیٹسمین کلکتہ نے اپنے چودہ مئی ۱۹۳۵ء کے شمارے میں علامہ اقبال کے بیان پر ایک اداریہ لکھا۔ اس اداریئے میں اٹھائے گئے سوالات پر علامہ اقبال نے بڑا متاثر کن جواب دیا۔ انہوں نے لکھا کہ قادیانیوں کے سامنے صرف دو راستے ہی کھلے ہیں۔ یا تو بلاتکلف بہائیوں کی پیروی کریں یا پھر اپنے نظریہ ختم نبوت پر اصرار نہ کریں اور اس نظریہ کو اس کی مکمل اصلیت کے ساتھ قبول کریں۔ قادیانی اپنے سیاسی مفادات کے حصول کی خاطر اور حکومت کی خدمت کیلئے اسلام کے دائرہ کے اندر رہنے پر مصر ہیں کیونکہ ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ وہ قانون ساز مجلس کیلئے ایک سیٹ بھی حاصل کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ قادیانیوں کو علیحدہ جماعت قرار دینے کے لیئے ضروری اقدامات کرے اور ان کی طرف سے رسمی مطالبہ کا انتظار نہ کرے۔ آخر ۱۹۱۹ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوؤں سے سکھوں کی علیحدگی کے مسئلے پر کسی مطالبے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ آخر حکومت قادیانیوں کی طرف سے کسی رسمی مطالبے کی منتظر کیوں ہے؟ (۴)

۱۔ دیکھیے الفضل قادیان 30 مئی 1935ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 18 جولائی 1935ء۔

۳۔ دیکھیے محمد علی۔ اقبال اور قادیان لاہور ایڈیشن 1967ء مزید دیکھیے اختر حسین گیلانی۔ تحریک احمدیت اور علامہ اقبال۔ انجمن احمدیہ لاہور 1944ء۔

۴۔ تقاریر اور تحریریں۔ ص 173- 174۔

احمدیہ لٹریچر کا ایک تنقیدی جائزہ[1] یہ امر منکشف کرتا ہے کہ قادیانی کبھی بھی ڈاکٹر اقبال کے قوی دلائل یا احمدیہ تحریک پر ان کے حقیقت پسندانہ تجزیئے اور عالم اسلام پر اس کے مضمرات کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکے۔ اصل معاملہ سے کنی کتراتے ہوئے علامہ اقبال کے ناقد قادیانیوں نے وقتاً فوقتاً ان پر بے جا الزامات عائد کیئے اور زیادہ تر اس قسم کی گوہر افشانیاں ان کی وفات کے بعد منظر عام پر آئیں۔ ''زندہ رود''(۲) میں اقبال کے ہونہار فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے ان تمام الزامات کی مناسب انداز میں تردید کر دی ہے جو کہ عظیم شاعر اور مفکر اسلام کی حیات و نظریات پر ایک عمدہ تقابلی جائزہ پیش کرتی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ایک وقت میں علامہ اقبال نے مرزا غلام احمد کو ہندوستان کا ممتاز ترین دینی ''مفکر'' قرار دیا تھا۔(۳) مگر یہ ۱۹۰۰ء کی بات ہے جب مرزا صاحب نے کھلے عام نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور وہ بڑی مہارت سے اس نظریئے کے درجہ قبولیت کو پرکھنے کے لیئے اس کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

ڈاکٹر اقبال نے یہ خیالات عبدالکریم الجیلانی کے پیش کردہ ''نظریہ وحدت الوجود'' پر بحث کرتے ہوئے ایک رسالے میں تحریر کیئے۔ یہ مضمون ۱۹۰۰ء میں بمبئی کے ''دی انڈین اینٹی کویٹی'' میں شائع ہوا تھا۔ سر رچرڈ ٹمپل کی ادارت میں چھپنے والا یہ رسالہ مشرقیت پر تحقیق پیش کرتا تھا۔

تقریباً ایک دہائی کے بعد ۱۹۱۱ء میں علامہ اقبال نے سٹریچی ہال علی گڑھ میں اپنے خطاب میں قادیانیت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''پنجاب میں مسلم کردار نے اس مبینہ فرقہ قادیانی کی صورت میں گہرا اظہار کیا ہے۔(۴)''

یہ خطاب بعد میں ''مسلمان معاشرہ۔ ایک عمرانی مطالعہ'' کے زیر عنوان چھپا اور اسے اردو زبان میں ''ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر''(۱) کے عنوان سے مولانا ظفر علی

۱۔ دیکھیے الفضل قادیان 25 فروری 1936، ریویو آف ریلیجنز قادیان مارچ 1936، تاریخ احمدیت جلد 8۔

۲۔ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود جلد 2 لاہور۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 189۔

۴۔ ایضاً۔

خان نے منتقل کیا۔ اس پرمغز خطاب میں علامہ اقبال نے قادیانی فرقے کو مندرجہ ذیل حوالے سے مخاطب کیا۔

> ”ہمارا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کے لیئے ایک تواتر حیات حاصل کرلیں اور اس کا ایسا کردار بن جائے جو کسی بھی قیمت پر اسی سے وابستہ رہے اور جو اس کی پسندیدہ روایات اور اداروں میں جو کچھ بھی بھلا یا برا ہے مکمل طور پر اپنے آپ میں جذب کر لے۔ ہندوستان میں مسلمان معاشرے کے ایک محتاط مطالعہ سے یہ نکتہ ظاہر ہوتا ہے جس پر معاشرے کی اخلاقی اقدار کی تمام لکیریں سمٹ رہی ہیں۔ پنجاب میں مسلم انداز تشخص اس مبینہ قادیانی فرقے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے جبکہ صوبہ جات متحدہ میں تھوڑے سے علمی ماحول کے فرق کی وجہ سے اس قسم کے ضروری کردار کو ایک بلند شاعرانہ آواز (اکبرالٰہ آبادی) نے بیان کردیا ہے“۔(۲)

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر اقبال نے اپنے اس خطبے میں اہم تبدیلیاں کیں اور اس کے متن پرنظر ثانی کی۔ ان کا تشریحی حاشیہ قادیانیت کے متعلق دلچسپ تجزیہ پیش کرتا ہے۔ قادیانی ان کے خطاب کو ہمیشہ اپنے مقصد کے لیئے حوالے کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ اس حاشیہ کو وہ حذف کر جاتے ہیں جو سب سے آخر میں علامہ اقبال نے اس پر لکھا تھا۔ ڈاکٹر اقبال واضح کرتے ہیں۔

> ”یہ خطبہ ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ میں دیا گیا۔ ۱۹۱۱ء سے اس تحریک کی روح کے انکشافات کی روشنی میں قادیانیوں کے بارے میں بیانات پرنظر ثانی ہونی چاہئے۔ بیرونی طور پر قادیانی اب بھی مسلمان ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ بے شک وہ ظاہری اطوار میں بڑے کٹر ہیں مگر ان کی تحریک کی روح جو اکثر منکشف ہوتی ہے وہ مکمل طور پر اسلام کے خلاف ہے۔ ظاہری طور پر وہ مسلمان بنتے ہیں اور ایسا نظر آنے میں بڑے فکرمند رہتے ہیں مگر اندرونی طور پر ان کی ذہنیت مکمل طور پر مجوسی ہے۔ یہ اغلب امکان ہے کہ یہ تحریک حتمی

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 190-189۔

۲۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال۔ اقبال اکیڈمی لاہور 1982ء ص 459۔

طور پر بہائیت میں ضم ہو جائے جہاں سے اس نے فکری قوت حاصل کی ہے"۔(۱)

جہاں تک قادیانی واہموں کا تعلق ہے علامہ کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ ربع صدی قبل وہ اس تحریک سے اچھے نتائج کی توقع رکھتے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مسلمان اکابر جیسے مولوی چراغ علی نے بانی تحریک کے ساتھ تعاون کیا تھا اور کتاب "براہین احمدیہ" کے لیئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔

> "مگر کسی بھی تحریک کی اصلی روح اور اس کے اجزاء ایک دن میں ظاہر نہیں ہوتے۔ یہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں دہائیاں لے جاتے ہیں۔ اس تحریک کے اندر دو فریقین کی محاربت اس حقیقت کی شاہد ہے کہ وہ لوگ بھی جو اس کے بانی کے قریبی حلقہ سے تعلق رکھتے تھے اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ تحریک کس طرح ظہور پذیر ہوگی؟ ذاتی طور پر اس تحریک سے میں اس وقت بدظن ہوا جب اس میں ایک بانی اسلام ﷺ سے بھی برتر نبوت کا دعویٰ پیش کیا گیا اور مسلمانانِ عالم کو کافر قرار دے دیا۔(۲)
>
> بعد میں میرے شکوک ایک مثبت بغاوت میں تبدیل ہو گئے جب میں نے اپنے کانوں سے تحریک کے ایک پیروکار کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں بڑی تحقیر آمیز زبان استعمال کرتے سنا۔ درخت اپنی جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرا موجودہ رویہ متضاد ہے تو ٹھیک ہے ایک زندہ اور فہم رکھنے والے شخص کا یہ استحقاق ہے کہ وہ اپنے پہلے نظریئے کو بدل لے۔ جیسا کہ ایمرسن کا قول ہے کہ "صرف پتھر ہی اپنی تردید نہیں کرتے"۔(۱)

علامہ اقبال کی کردار کشی کے لیئے قادیانی ناقد یہ الزام لگاتے ہیں کہ ۱۹۲۵ء

---

[1] دستخط محمد اقبال۔ 21 اکتوبر 1935ء) (دیکھئے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ تصانیف اقبال ص 449 ڈاکٹر اقبال نے یہ حاشیہ اپنے قلم سے لکھا تھا اس کی فوٹو کاپی ڈاکٹر ہاشمی کی کتاب سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے اس کا اصل مسودہ علامہ اقبال میوزیم لاہور میں ہے۔ (ایم ایس نمبر 208 اے ایم/1972ء)

[2] بدر۔ قادیان 25 اکتوبر 1906ء) مرزا صاحب کا ایک ساتھی قاضی ظہور اکمل اس کے بارے میں اپنے اشعار میں بیان کرتا ہے کہ "محمد پھر اتر آئے ہیں۔ اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں محمد دیکھتے ہوں جس نے اکمل۔ غلام احمد کو دیکھے قادیان میں۔ مرزا دعویدار تھا کہ اس کے معجزات حضرت محمد ﷺ کے معجزات سے بڑھ گئے ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ ص 40 اور براہین جلد 5 ص 60) مرزا محمود کہتا ہے پیغمبر ﷺ سے بھی اعلیٰ درجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) مگر ابھی تک کوئی بھی ان سے آگے بڑھنے کے قابل نہیں ہوا۔ (11 فروری 1944ء) کو مرزا محمود کا خطاب' اخبار الفضل قادیان۔

میں علامہ اقبال پنجاب ہائی کورٹ کے جج بننے کے خواہش مند تھے مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر انہوں نے وکالت چھوڑ کر کشمیر کی سٹیٹ کونسل میں ملازمت کی کوشش کی۔ وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۹۳۵ء میں پھر ایک اور موقع آیا جب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں سر فضل حسین کی نشست خالی ہوگئی۔ علامہ اقبال اس کونسل کے ممبر بننا چاہتے تھے مگر سر فضل حسین کی سفارش پر انگریزوں نے اس پروقار عہدہ کی پیشکش سر ظفر اللہ کو کر دی۔ قنوطیت کے عالم میں اور احرار کے اثر خصوصاً سید انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ترغیب پر انہوں نے احمدیت پر شدید حملے شروع کر دیئے۔ (۲)

> ''بلاشبہ یہ علامہ اقبال کا حق تھا کہ انہیں پنجاب ہائی کورٹ میں جج کے عہدہ پر مقرر کیا جاتا مگر وہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شادی لال کے متعصبانہ رویہ اور فرقہ واریت کی پالیسی کا شکار ہو گئے''۔ اس وقت کے وقوع پذیر ہونے والے تمام واقعات کے چشم دید گواہ کے۔ ایل گابا اپنی پر معنی خود نوشت سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال کو عدالت عالیہ پنجاب کی ججی کیلئے یقینی امیدوار خیال کر لیا گیا تھا۔ کئی دفعہ توقع کی گئی کہ انکا نام آگے پیش کیا جائے گا مگر چیف جسٹس سر شادی لال کی اپنی ایک تنگ نظر فرقہ وارانہ حکمت عملی تھی۔ وہ اہم مسلمانوں کا عدالت عالیہ کے بنچ میں تقرر نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے غیر معروف مسلمانوں کو منتخب کیا۔ مثلاً اس نے ایک ڈسٹرکٹ جج مرزا ظفر علی کو چنا جسے عرف عام میں لوگ ان کی سادگی کے باعث ''ڈفر علی'' کہتے تھے۔ شادی لال اسے پسند کرتا تھا۔ ایک اور آغا حیدر تھے جسے وہ صوبہ جات متحدہ سے لے کر آیا کیونکہ شادی لال کے مطابق اسے پنجاب سے کوئی مناسب شخص نہ مل سکا جس کا بطور جج تقرر کیا جا سکے''۔ (۳)

سر شفیع شادی لال کا مربی تھا۔ جب وہ پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس مقرر ہوا تو اس نے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میاں خاندان کی مخالفت کی۔ خصوصاً

۱۔ قادیر اور کریں۔ ص 169۔

۲۔ دیکھئے اعجاز احمد' مظلوم اقبال اور ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود۔

۳۔ کے ایل گابا۔ دوست اور دشمن۔ جمیل پبلشنگ ہاؤس لاہور۔ ص 164۔

میاں شاہنواز جو میاں شفیع کا داماد تھا۔ علامہ اقبال شاہنواز کے اچھے دوست تھے۔ شادی لال نے علامہ اقبال کو اس معاملے میں گھسیٹنے کی کوشش کی مگر علامہ اقبال نے کورا جواب دے دیا۔ شادی لال کے معاندانہ رویہ نے اقبال کو مجبور کر دیا کہ وہ وکالت چھوڑ کر کشمیر کونسل میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔(۱) شادی لال کی بدنیتی مشہور ہندوستانی مصنف وید مہتہ کی بیان کردہ روایت سے بھی ظاہر ہے۔ ان کا مضمون نیویارک امریکہ کے تیئس جولائی ۱۹۷۹ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ شادی لال نے وید مہتہ کے والد کو بتایا کہ کس ہوشیاری سے اس نے عدالت عالیہ کی مسلم نشست پر اپنے مرضی کے بندے کا انتخاب کیا اور اس کی چالوں کی بناء پر ہی گورنر پنجاب نے ججی کے لیئے ڈاکٹر اقبال اور شاہنواز کے ناموں پر غور نہیں کیا۔(۲)

آغا شورش کاشمیری نے یہ انکشاف کیا ہے کہ میاں خاندان باغبانپورہ لاہور کی چالوں کی وجہ سے ڈاکٹر اقبال عدالت عالیہ لاہور میں ججی کی نشست حاصل نہ کر سکے۔ یہ بات علامہ اقبال نے بذات خود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو شورش کاشمیری کی موجودگی میں اس وقت بتائی جب وہ ایک دفعہ شاہ صاحب کے ہمراہ علامہ اقبال سے ملنے لاہور گیئے۔ (۳)

یہ معاملہ بھی دلچسپ ہے کہ مرزا محمود نے اگست ۱۹۲۷ء میں جب برطانوی حکومت کو بانیان مذاہب کے وقار کے تحفظ کی یادداشت روانہ کی تو اس کا مقصد سر ظفر اللہ قادیانی کیلئے عدالت عالیہ کے جج کی نشست حاصل کرنا تھا۔(۴) علامہ اقبال نے وائسرائے کی انتظامی کونسل کی رکنیت کے حصول کی کبھی کوشش نہیں کی۔ مسلمانان ہند کی یہ شدید خواہش تھی کہ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں سر فضل حسین کی جگہ کسی ایسے آدمی کو رکنیت ملے جو ان کا صحیح ترجمان ہو۔ مسلمان پریس خصوصاً ''زمیندار'' لاہور نے اس کے

۱۔ ڈاکٹر جاوید اقبال زندہ رود۔ ص 403۔

۲۔ ہفت روزہ لاہور - لاہور 3 اکتوبر 1982ء۔

۳۔ ہفت روزہ چٹان لاہور 22 اپریل 1974ء

۴۔ مرزا سلطان احمد - انکشاف حقیقت احمدیہ انجمن پشاور 1929ء ص 7۔

خلاف ایک بھرپور مہم چلائی۔ اگرچہ یہ ناگزیر تھا کہ سر ظفر اللہ ہی وائسرائے کا حتمی انتخاب ہوتا کیونکہ نہ صرف وہ برطانیہ کا وفادار اہلکار تھا بلکہ اپنے مذہب کی رو سے بھی برطانوی سامراج کی خدمت کا پابند تھا۔ کئی مواقع پر اس نے اپنے آپ کو شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ثابت کیا۔ وہ سر فضل حسین کا بھی انتخاب تھا جبکہ دوسری طرف علامہ اقبال کو سر فضل حسین پسند نہ کرتا تھا کیونکہ وہ اسکی پسندیدہ یونیسٹ پارٹی جس کو ظفر اللہ اور قادیان پال پوس رہے تھے' تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ یہ بھی حیران کن بات ہے کہ برٹش بیورو آف سنٹرل انٹیلی جنس نے علامہ اقبال کے خلاف رپورٹ دی۔ رپورٹ میں انہیں ''ہندوستان کے گھنا بدمعاش'' کہا۔(۱) کیا ایسے نام نہاد بدمعاش کو وائسرائے کی انتظامی کونسل کا رکن مقرر کیا جا سکتا تھا جب نہایت وفادار قادیانی موجود تھا؟

پنڈت نہرو کی تنقید کا جواب

یہ بھی تاریخ کا عجیب واقعہ ہے کہ احمدیوں کو ہندوستان میں کانگریس کے قوم پرست' لادین اور اشتراکی رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کی شکل میں ایک بڑا ہمدرد مل گیا۔ پنڈت جی جب الموڑا جیل میں قید تھے تو انہوں نے اقبال کے قادیانیت کے خلاف مضامین پڑھے۔ پنڈت جی نے ان مضامین پر مختصر تبصرے لکھے جن کا مقصد سیاست میں اپنا الو سیدھا کرنا تھا۔ علامہ اقبال کے احمدی ناقدین ان تبصروں کو بڑا مقدس خیال کرتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال پوری طرح جانتے تھے کہ احمدیت سامراجیت کی ایک ضمنی پیداوار ہے اور ہمیشہ سیاست میں برطانوی پالیسی کی حمایت کرتی رہی ہے۔ کانگریس کی چلائی ہوئی کئی تحریکوں کو اس نے سبوتاژ کیا مگر پھر بھی نظریہ ضرورت کے تحت آغا خانی اسماعیلیوں کو بدنام کرنے اور مسلم لیگ اور آغا خان کے امیج کو خراب کرنے کے لیئے قادیانیوں کی حمایت کرنے پر تل گئے۔

اپنے مختصر مضامین میں پنڈت نہرو نے اقبال کی تحریروں میں اپنی دلچسپی ظاہر

۱۔ ہفت روزہ چٹان لاہور 22 اپریل 1974ء۔

کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ انہوں نے ان مضامین میں ایک ایسی دنیا متصور کی جسے پہلے سمجھے میں انہیں بہت مشکل پیش آ رہی تھی۔ انہوں نے علامہ اقبال کو اسلام پر قابل تکریم اتھارٹی قرار دیا اور یہ تسلیم کیا کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نمائندہ ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کے تحریر کردہ مضمون ''قادیانی اور راسخ العقیدہ مسلمان'' کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یہ مضمون الموڑا جیل میں بڑی گہری دلچسپی سے پڑھا جو احمد یہ مسئلے کے حوالے سے استحکام اسلام کے متعلق تھا۔(۱) انہوں نے اپنے خیالات بیں اگست ۱۹۳۵ء کو ''ماڈرن ریویو'' کلکتہ کو ارسال کیئے جو نومبر ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں منظر عام پر آئے۔ پنڈت نہرو نے عرب دنیا میں قوم پرستی کی اٹھتی لہر کو خالصتاً مذہبی نکتہ نظر کی بنیاد پر رونما ہونے والی تبدیلی قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ قوم پرستانہ خیالات اپنا کر اقوام اسلامی استحکام کے نظریہ سے کافی دور جا چکی ہیں اور قادیانیوں کا مسئلہ ان واقعات عالم کی وجہ سے غیر اہمیت کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ ڈاکٹر اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پنجاب میں بظاہر ایک ایسے قائد کی ضرورت ہے جو قادیانی خطرے کا سدباب کر سکے۔ مگر اس سے بڑے خطرے کی وہ کیا توجیہہ پیش کرتے ہیں؟ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ آغا خان ہندوستانی مسلمانوں کے قائد ہیں۔ کیا وہ ان معنوں میں اسلام کے استحکام کی علامت ہیں جن میں علامہ اقبال نے بیان کیا ہے؟(۲)

اکیس اگست ۱۹۳۵ء کو لکھے گئے ایک اور نوٹ میں پنڈت جی نے آغا خان کو الگ طور پر تنقید کا نشانہ بنایا اور سوال کیا کہ کیا یہ فرقہ مذہبی نظریہ کے استحکام میں شریک کار ہے؟(۳) پنڈت نہرو کا تیسرا مضمون ''تمام مذاہب کے راسخ العقیدہ افراد متحد ہوں'' کے عنوان سے اگست ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتے میں لکھا گیا اور ماڈرن ریویو کلکتہ کے دسمبر ۱۹۳۵ء کے شمارے میں شائع ہوا۔(۱) ان مختصر مضامین سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ پنڈت نہرو ان سے یہ تاثر دینے کی کوشش میں تھے کہ کانگریس کی حامی مجلس احرار نے جو قادیان مخالف مہم

ا۔ جواہر لعل نہرو کی منتخب تحریریں۔ جلد 4 اورینٹ لانگ مین لندن 1975ء ص 463 ماڈرن ریویو کلکتہ۔ نومبر 1935ء ص 504-505۔

۲۔ منتخب تحریریں۔ ص 468۔

۳۔ ایضاً۔ ص 470۔

شروع کر رکھی ہے اسے کانگریس کی کوئی حمایت حاصل نہیں ہے۔ وہ مسلم لیگ کی آئینی اور مالی حالت کو کمزور کرنے کی سعی کرنا چاہتے تھے۔ آغا خان پر الگ سے تنقید کر کے وہ اسماعیلیوں کو بھی احمدیوں کے ساتھ غیر مسلموں کے زمرے میں لا رہے تھے۔

احمدیہ مسئلہ پر ان مضامین کے باعث پنڈت نہرو کو مختلف سیاسی اطراف و جوانب سے کافی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ جے ڈی جینکنز نے اپنے خطوط میں جو ''ٹائمز آف انڈیا'' میں اٹھارہ اور چوبیس جولائی ۱۹۳۶ء میں چھپے۔ پنڈت نہرو کے اس مضمون کو ''انتہائی خطرناک''، ''مکمل طور پر قابل اعتراض''، ''انتہائی جارحانہ''، ''رسوا کن''، ''حیران کن''، ''اغلاط سے بھرپور'' اور ''نامعقول اور فضول گوئی'' پر مبنی قرار دیا۔ اس نے پنڈت نہرو پر الزام عائد کیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور اس طرح دو مذاہب کے درمیان شدید تلخیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کے خلاف کاروائی کی جائے۔(۲)

ڈاکٹر اقبال کو مختلف مذاہب فکر کے مسلمانوں کی طرف سے لاتعداد خطوط موصول ہوئے جن میں ان سے پنڈت نہرو کے مضمون کا جواب لکھنے کی درخواست کی گئی تھی۔ زیادہ تر لوگ یہ چاہتے تھے کہ احمدیوں کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے موقف کی واضح تشریح کی جائے۔ جنوری ۱۹۳۶ء میں انہوں نے لکھا

> ''میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ قادیانیت پر میرا بیان جدید خطوط پر ایک مذہبی نظریے کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں تھا جس نے پنڈت نہرو اور قادیانیوں دونوں کو پریشان کر دیا ہے کیونکہ مختلف وجوہات کی بناء پر داخلی طور پر یہ دونوں غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی استحکام کو یہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ ایک ہندوستانی قوم پرست جس کے سیاسی نظریات نے اس کی حقیقت پسندی کی حس کو ختم کر دیا ہے وہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے خود

۱۔ ایضاً۔ جلد 7 ص 75-474

۲۔ ایضاً جلد 6۔ صفحہ 375۔

> اختیاری کی خواہش کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ میرے خیال میں وہ یہ غلط سوچتا ہے کہ ہندوستانی قوم پرستی کی طرف یہی راستہ لے جاتا ہے کہ ملک کی تمام ثقافتوں کو دبا کر ایک ایسا ثقافتی ملغوبہ تیار کیا جائے جو سب کے لیئے قابل قبول ہو۔ ان ذرائع سے حاصل شدہ کسی نوع کی قومیت پسندی کا مقصد سوائے تلخی اور ظلم کے کچھ نہیں ہوگا۔ یہ بھی اتنا ظاہر ہے کہ قادیانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری سے پریشانی محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی وقار میں اضافے سے پیغمبر عربی ﷺ کی امت سے ایک اور امت کی پیدائش کے منصوبے کی ناکامی یقینی ہے۔ میرے لیئے یہ کم حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیئے اندرونی اتحاد کی میری کوششوں اور ان کی تاریخ کے اس بحرانی دور میں میرا تخریبی قوتوں کے خلاف انتباہ جو اصلاحی تحریکوں کا روپ اختیار کیئے ہوئے ہیں اس نے پنڈت جی کو ایک موقعہ فراہم کیا ہے کہ وہ ان قوتوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔(۱)

ڈاکٹر اقبال نے نہایت عمدہ طریقے سے احمدیت کی نوعیت اور اس کے مقابلے میں اسلام میں ختم نبوت کے نظریات کی ثقافتی اہمیت اجاگر کی اور مرزا غلام احمد کی نبوت کے پرفریب دعویٰ کی قلعی کھولی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ احمدیت کی اصل حقیقت قرون وسطیٰ کے تصوف کی دھند کے دبیز پردوں میں دبی ہوئی ہے۔ یہ تحریک اپنی نوعیت میں سیاسی ہے اور برطانوی سامراج کی حاشیہ بردار ہے۔

انہوں نے پنڈت جواہر لال کے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے جواب میں کہا۔

> ”پنڈت جواہر لال نہرو نے تمام مذاہب کے راسخ العقیدہ کو نصیحت کی ہے کہ وہ متحد ہو کر اسے موخر کردیں جسے وہ ہندوستانی قوم پرستی کا نام دیتے ہیں۔ یہ ستم ظریفانہ نصیحت احمدیت کو ایک اصلاحی تحریک قرار دیتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ جہاں تک اسلام کا ہندوستان میں تعلق ہے احمدیت انتہائی اہمیت کے حامل سیاسی و مذہبی معاملات میں ملوث ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی فکر کی تاریخ میں احمدیت کا کام یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ

۱۔ تقاریر و تصانیف صفحہ 177۔

سیاسی غلامی کو ایک ''وحی'' کی بنیاد فراہم کرے۔ خالصتاً مذہبی معاملات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اور صرف سیاسی معاملات کی بنیاد پر رہتے ہوئے میرا خیال ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو رجعت پسندانہ قدامت پسندی کا مورد الزام ٹھہرائے۔ میں بلاشبہ کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے احمدیت کی اصلی حقیقت جان لی ہوتی تو وہ ہندوستانی مسلمانوں کے اس مذہبی تحریک کے خلاف رویے کو سراہتے جو ہندوستان کے مصائب کے بارے میں خدائی احکامات کے حصول کی دعویدار ہے''۔ (۱)

آخر میں انہوں نے پنڈت نہرو کی ان تحریروں کی مخالفت کی جن میں قادیانیوں اور اسماعیلیوں کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے بتایا گیا تھا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ قادیانیوں کے برعکس اسماعیلی اسلام کے بنیادی اصولوں پر یقین رکھتے ہیں۔ (۲)

اکیس جون ۱۹۳۶ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو کو علامہ اقبال نے خط میں لکھا کہ

کہ قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔

۲۱ جون ۱۹۳۶ء

ڈیئر پنڈت جواہر لال!

کل آپ کا مرسلہ خط ملا، جس کے لیئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں نے جب آپ کے تحریر کردہ مضامین کا جواب لکھا تو میرا گمان تھا کہ آپ کو احمدیون کے سیاسی رویہ کا علم نہیں۔ میرے ان جوابات کے لکھنے کی بنیادی وجہ فی الحقیقت اس بات کو ظاہر کرنا اور خاص طور پر آپ پر یہ واضح کرنا تھا کہ مسلمانون کے اندر جذبات وفاداری کیسے پیدا ہوئے اور یہ کہ احمدیت نے ان کے لیئے الہامی بنیاد کس طرح فراہم کی؟ ان مضامین کی اشاعت کے بعد میرے لیئے یہ انکشاف انتہائی حیران کن تھا کہ خود مسلمانون کا پڑھا لکھا طبقہ بھی ان تاریخی وجوہات سے ناواقف ہے جنہوں نے احمدی تعلیمات کو تشکیل کیا۔

۱۔ تصانیف و تقاریر صفحہ نمبر 199۔

۲۔ ایضاً۔

> علاوہ ازیں پنجاب اور دوسرے علاقوں میں بسنے والے آپکے ساتھی بھی آپ کے ان مضامین کے باعث بے چینی محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں آپ کی ہمدردیاں احمدیہ تحریک کے ساتھ تھیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ان مضامین سے احمدی ازحد خوشی محسوس کرتے تھے (اور) احمدی پریس خاص طور پر آپ کے خلاف اس غلط فہمی کو پھیلانے کا موجب تھا۔ بہرحال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میری آپ کے متعلق رائے غلط تھی۔ میں بذات خود مذہبی معاملات میں نہیں الجھتا مگر احمدیوں سے خود انہی کے میدان میں مقابلہ کرنے کی خاطر مجھے اس بحث میں حصہ لینا پڑا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان مضامین کو لکھتے وقت ہندوستان اور اسلام کی بہتری میرے پیش نظر تھی اور میں اپنے ذہن میں اس امر کے متعلق کوئی شبہ نہیں پاتا کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں''۔(۱)

قادیانیت پر ڈاکٹر محمد اقبال کی تحریروں نے مسلمانوں کے اذہان پر گہرا اثر چھوڑا اور قادیانی انتداد کے خلاف ہندوستان اور اسلامی دنیا میں ایک قابل لحاظ نفرت پیدا ہوگئی۔ یہ قادیانیت کے خلاف علامہ اقبال کے جہاد کا ہی نتیجہ تھا کہ ۱۹۳۵ء میں اپنے سالانہ اجلاس میں انجمن حمایت اسلام لاہور نے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں سر ظفر اللہ کی ایک ''مسلمان'' کے طور پر رکنیت کے خلاف قرارداد منظور کی۔(۲) ڈاکٹر محمد اقبال نے اجلاس کی صدارت کی اور مولانا ظفر علی خان نے یہ قرارداد پیش کی جس کی پرجوش حمایت کی گئی۔ اگلے سال ۱۹۳۶ء میں انجمن سے قادیانی ارکان کی چھٹی کرادی گئی۔ یہ دھچکا (۳) احمدیہ جماعت کے سینئر رکن مرزا یعقوب بیگ جو انجمن احمدیہ کی مجلس عمومی کا بھی رکن تھا مہلک ثابت ہوا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مولوی محمد علی کو بھی یہ جان کر صدمہ ہوا۔ انہوں نے ان اداروں سے اخراج کو روکنے کے لیئے لاہوری جماعت کے مذہبی عقائد کے دفاع کی کوشش کی تاہم ہر اس موقع پر بڑی خفت

۱۔ پرانے خطوط کا مجموعہ جو زیادہ تر جواہر لال نہرو کے لکھے گئے۔ ایشیا پبلشنگ ہاؤس لندن 1958 صفحہ نمبر 88-187۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 8 نمبر 171۔

۳۔ پیغام صلح۔ لاہور 3 نومبر 1993۔ بحوالہ قاضی محمد نذیر غلبہ حق ربوہ۔

اٹھانا پڑی جب انہوں نے اپنے سابقہ عقیدہ یعنی نبوت مرزا کی وضاحت پیش کی۔ یہ وضاحت مرزا صاحب کی زندگی میں اختیار کیئے گئے موقف کے منافی تھی۔ اس مسئلہ پر مولوی محمد علی ہمیشہ بڑی دلچسپ توجیہات پیش کرتے رہے۔(۱)

پنڈت نہرو کا استقبال

تیسری دہائی کے وسط میں قادیانی کانگریس کے بہت قریب آ گئے۔ مرزا محمود نے کانگریس کے رہنماؤں کے پاس نمائندے بھجوا کر سیاسی مسائل پر ان کی رہنمائی طلب کی۔ قادیانی نیم فوجی ''نیشنل لیگ'' نے ہندوستان میں اپنے وسیع جال کی قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور ۱۹۳۷ء میں ہونے والے انتخابات کی زبردست تیاری کی۔ سامراج نواز رجعت پسندانہ سیاسی جماعت جس میں جاسوسوں، کاسہ لیسوں، برطانوی آلہ کاروں اور آزادی کے دشمن شامل تھے ترقی و آزادی پسند سیاسی جماعت کانگریس جس کا خمیر سیکولرازم سے اٹھا تھا ان دونوں میں اتحاد سیاست کے طلباء کو ایک دلچسپ موضوع فراہم کرتا تھا۔

کانگریس کے ساتھ تعلقات مضبوط کرنے کی خاطر اٹھائیس مئی ۱۹۳۶ء کو پنڈت نہرو کی لاہور آمد پر کل ہند نیشنل لیگ اور قادیانی رضا کاروں نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ انہیں ہاروں سے لاد دیا گیا اور ''فخر قوم''، ''فخر ملک'' کے نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا۔(۲)

قادیانی رضا کاروں نے کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر درج تھا۔

''فخر قوم! خوش آمدید''

''ہم شہری آزادی کی یونین میں شامل ہیں''

''جواہر لعل نہرو زندہ باد''

۱۔ محمد علی ''میری تحریر میں لفظ ''نبی'' کا استعمال 4 فروری 1929ء، انجمن اشاعت لاہور۔ مزید فروری سے دسمبر تک اس کے خطبات جمعہ 1935ء۔ پیغام صلح لاہور۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 31 مئی 1936ء۔

کانگریسی رہنما اس استقبال سے بڑے متاثر ہوئے جو تقریباً پانچ سو کے قریب افراد نے کیا۔ نیشنل لیگ کے صدر کو ایک مقتدر قادیانی نے بتایا کہ اگر احمد یہ جماعت ساتھ دے تو کانگریس یقیناً جیت جائے گی۔ (۱)

احمد یہ جماعت لاہور کا رسالہ ''پیغام صلح'' قادیانیوں کی طرف سے کیئے گئے پنڈت نہرو کے لاہور میں استقبال کے بارے میں لکھتا ہے۔

> ''یہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں۔ خلیفہ قادیان کانگریس کا بدترین اور شدید ترین دشمن تھا۔ قادیانی جماعت نے کانگریس کی تحریکوں کی مخالفت کر کے اور ان کی جاسوسی کر کے حکومت کی مدد کی۔ آج کل وہ کانگریس کے ایک انتہا پسند اور اشتراکی رہنما کو بڑی سرگرمی سے خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ افسوس! کہ یہ تبلیغ چھوڑ کر بڑے بھونڈے انداز میں سیاست میں حصہ لے رہے ہیں''۔ (۲)

پنڈت نہرو جسے نیشنل لیگ نے بڑے پرتپاک طریقے سے خوش آمدید کہا ایک وقت میں یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں برطانوی راج کے خاتمے کے لیئے یہ ناگزیر ہے کہ قادیانی قوت کو کچل دیا جائے کیونکہ یہ سامراج کے حاشیہ بردار ہیں۔ (۳) کچھ قادیانی واقعی اس استقبالی ڈرامے کو ناپسند کرتے تھے اور پنڈت کو ''فخر قوم'' کہنے پر سخت معترض تھے لیکن مرزا محمود احمد نے اپنے خطبے میں اس کو درست قرار دیا۔ کیونکہ جب علامہ اقبال نے احمدیت پر تنقید کی تھی تو انہوں نے شایان شایاں جواب دیا۔ (۴)

۱۹۳۷ء کے انتخابات

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت انتخابات کا انعقاد ۱۹۳۶ء کے موسم سرما میں ہونا تھا۔ پنجاب میں ۱۹۲۳ء میں سر فضل حسین کی قائم کردہ یونینسٹ پارٹی کا جاگیرداروں، برطانوی نواز گروہوں اور قادیانیوں میں بڑا اثر تھا۔ پنجاب میں مسلم لیگ کی کوئی حیثیت

۱۔ پیغام صلح۔ لاہور 12 اکتوبر 1937ء۔

۲۔ پیغام صلح لاہور۔ 3 جون 1936ء۔

۳۔ الفضل قادیان 6 اگست 1935ء۔

۴۔ اعمال صالح۔ مرزا محمود کے خطبات مطبوعہ کردہ دفتر تحریک جدید قادیان 1936ء صفحہ 63۔

نہ تھی۔ ۱۹۳۶ء کے اوائل میں جب قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی اور پنجاب میں جماعت کو منظم کرنا شروع کیا تو سر فضل حسین دھاڑا ''پنجاب کے معاملے میں بمبئی کا وکیل دخل اندازی سے باز رہے''۔ لیگ انتخابات لڑنے کے لیئے ایک پارلیمانی بورڈ بنا رہی تھی۔

قادیانی یونینسٹوں کے سرگرم حامی تھے۔ تئیس اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اپنی ڈائری میں سر فضل حسین نے لکھا

> ''مرزا صاحب قادیان سے ملاقات کی۔ مرزا سرگرم ہے اور سیاسی زندگی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کی طبیعت کا جھکاؤ سیاست کی طرف ہے''۔ (۱)

انتخابات کے دوران میاں فضل حسین کی ہدایات پر قادیانیوں نے مسلم لیگ کی مخالفت، اس کی فرقہ واریت پر مبنی حکمت عملی کی بناء پر کی۔ (۲)

احرار فضل حسین اور یونینسٹ پارٹی کی کھلی مخالفت پر اتر آئے تھے۔ تاہم انہوں نے انتخابات کے دوران مسجد شہید گنج کے حوالے سے احرار کے اثر کو زائل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ احرار نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں شرکت سے حکومت پنجاب انہیں کچل دے گی۔ دوسری طرف انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ اس سکھ مخالف تحریک میں حصہ نہ لینے پر وہ مسلمانوں کی ہمدردیاں کھو بیٹھیں گے۔ (۳) قادیانیوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لیئے اس صورت حال کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور انتخابات کے اکھاڑے سے احرار کو مکمل طور پر نکال باہر کرنے کے لیئے اور ان کی کردار کشی کے لیئے ہزاروں روپے خرچ کر ڈالے۔ اپنے پسندیدہ سیاسی نتائج کے حصول کے لیئے مرزا محمود نے پنجاب پریس کے ایک فریق کو خریدنے کے لیئے بے تحاشہ رقم خرچ کی۔ انہوں نے کانگریس سے تعلقات بنانے اور پنجاب انتظامیہ پر دباؤ ڈالنے کے لیئے ایک ہندو قوم پرست ہفت روزہ ''دی پیپل'' پر خفیہ سرمایہ کاری کی۔ اس اخبار کا

۱۔ میاں فضل حسین کی ڈائری اور حاشیے۔ مدون کردہ ڈاکٹر وحید احمد۔ لاہور صفحہ 189۔

۲۔ الجمعیت دہلی 13 مئی 1936ء اسکے علاوہ احسان لاہور 22 مئی 1936ء۔

۳۔ جانباز مرزا۔ کاروان احرار جلد صفحہ 136 تا 150۔

مدیر رام پال اکثر قادیان جا کر مرزا محمود سے رقم اور سیاسی حکمت عملی وضع کرنے کے لیئے ہدایات وصول کرتا تھا۔ رام پال کے بعد لالہ فیروز چند اس اخبار کا مدیر منتظم مقرر ہوا اور ڈاکٹر گوپی چند بھارگوا اس کا منتظم مقرر ہوا۔ یہ اخبار ایک نئی انتظامیہ کے ساتھ روزنامہ میں بدل گیا اور قادیان کی سیاسی پالیسی کا ہمنوا رہا۔(۱) اسکی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمانوں کی مختلف تنظیموں کے درمیان نفرت کے بیج بوئے جائیں تا کہ ان کے اتحاد میں دراڑیں ڈال کر لیگی قیادت کو مطعون کیا جا سکے۔

تقسیم سے قبل لاہور کے ایک جہاندیدہ صحافی جمنا داس اختر کا کہنا ہے کہ مرزا محمود نے اخبار کی نئی وقف کمپنی کے تقریباً پچاس ہزار سے زیادہ کے حصص خریدے جو اس اخبار کو چلا رہی تھی۔(۲) مرزا صاحب کانگریس کا کھل کر ساتھ دینا چاہتے تھے اور ۱۹۳۶ء میں قادیان کے سالانہ جلسہ میں اس طرز کا ایک بیان داغنا چاہتے تھے مگر شاید ظفر اللہ یا اپنے کسی برطانوی دوست کی ترغیب سے ایسا کرنے سے باز رہے۔ یہ بیان سر فضل حسین کی حکمت عملی کے مطابق بھی نہ تھا جو پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے استحکام کا خواہشمند تھا اور قادیان کی سرگرم امداد پر بھروسہ کرتا تھا۔ مسلم لیگ پنجاب میں انتخابات کے لیئے حمایت کی تلاش میں تھی۔ ۱۹۳۶ء میں محمد علی جناح نے لاہور کا دورہ کیا۔

۱۹۳۶ء میں احرار رہنماؤں اور محمد علی جناح کے درمیان ایک ملاقات ہوگئی تا کہ مجلس احرار اور مسلم لیگ کے درمیان انتخابی اتحاد قائم کیا جا سکے۔ اس سے قادیان کو عظیم پریشانی لاحق ہوئی۔ قادیانی حمایت یافتہ اخبار دی پیپل نے محمد علی جناح کو تنبیہہ کی کہ وہ احرار کے ساتھ کسی بھی انتخابی معاہدے سے باز رہے۔ اخبار نے احرار کے پنجاب میں سابقہ سیاسی کردار پر تنقید کی اور محمد علی جناح کو نصیحت کی کہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔ وہ امن میں رہنا چاہتے ہیں۔(۱) اس سے پہلے الفضل قادیان نے

۱۔ مرزا محمود حسین کا مضمون بعنوان۔ ''قادیانی اور کانگریس'' جو کہ ایک ماہر قادیانی صحافی اور ایک وقت میں مرزا گھرانے کا اتالیق رہ چکا تھا۔ بحوالہ نوائے وقت لاہور 24 ستمبر 1977ء۔

۲۔ نوائے وقت لاہور میں جمنا داس اختر کا کالم 16 ستمبر 1977ء۔

مسلمانان پنجاب کو نصیحت کی تھی کہ وہ مسٹر جناح کے خلاف آواز بلند کریں اور انہیں یونیسٹ پارٹی میں شمولیت کی ترغیب دیں۔

> ''ہم مسٹر جناح کی کوششوں کے بارے میں کوئی خوشگوار بات نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت (مسلم لیگ) اپنی حماقتوں کے اثر سے خود ہی ٹوٹ پھوٹ جائے گی''۔(۲)

قادیانیوں کو اس وقت سکون کا سانس ملا جب احرار لیگ اتحاد پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ سترہ مئی کے الفضل نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ مسٹر جناح پنجاب میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ:

> ''وہ لاہور سے خالی ہاتھ، ہلکا پھلکا روانہ ہو گیا اور کسی مشہور رہنما نے اسے الوداع تک نہ کہا''۔

پہلے احرار اور ظفر علی خان کی ''اتحاد ملت پارٹی'' نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا بعد میں قطع تعلق کر کے انتخابات میں مسلم لیگ کی مخالفت کی۔(۳) پنجاب کے انتخابات کے دوران مرزا محمود نے کافی رقم خرچ کی اور ظفر اللہ نے یونیسٹ پارٹی کے لیئے سرگرمی سے کام کیا۔(۴) قادیانی مبلغین نے پنجاب کے کئی دیہی علاقوں کے دورے کیئے اور مظلوم عوام کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ شہری علاقہ جات کے مفادات کی بجائے یونیسٹ دیہی علاقوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ اس کے علاوہ اس پارٹی کو پنجاب میں انتخابات جیتنے کے لیئے ہندو جاٹوں اور سکھ زرعی کاشتکاروں کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔

کانگریس وزارتیں

۱۔ الفضل قادیان 24 مئی 1936ء بیان کردہ دی سول لاہور۔ مزید دیکھئے الفضل 28 اپریل تا 27 مئی 1936ء۔

۲۔ الفضل قادیان 13 مئی 1936۔

۳۔ ریاض حسین۔ اقبال کی سیاست۔ لاہور صفحہ نمبر 96۔

۴۔ دیکھئے ڈائری اور تحریریں از میاں فضل حسین۔ مدون کردہ ڈاکٹر وحید احمد اور سر فضل کی سوانح عمری مؤلف میاں عظیم حسین۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے نتیجے میں کانگریس نے مدراس، بمبئی۔ مدھیہ پردیش (صوبہ جات مرکزی)، اتر پردیش (صوبہ جات متحدہ)، بہار، اڑیسہ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اپنی وزارتیں قائم کرلیں۔ جبکہ آسام میں مخلوط وزارت قائم ہوئی۔ پنجاب اور بنگال کانگریس حکومت کے دائرے سے باہر رہے۔ لیگ کی اکثریت بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد میں نہیں تھی حالانکہ وہ ان علاقوں میں زیادہ تھے۔ پنجاب میں اسے صرف ایک نشست ملی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی نے حکومت بنائی۔ چودہ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو سر سکندر حیات نے لیگ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے ”سکندر، جناح معاہدہ“ کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم پنجاب کے سیاسی طریق کار میں کوئی تبدیلی نہ آئی کیونکہ یونینسٹ کابینہ کے غیر مسلم اراکین کو یقین دلایا گیا تھا کہ پارٹی کی حکمت عملی میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئے گی۔

قادیانی پریس نے ملک میں کانگریسی وزارتوں کے قیام پر اطمینان کا اظہار کیا۔ نیشنل لیگ کے صدر شیخ بشیر احمد نے مرزا محمود کو خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کانگریس وزارتوں کی تشکیل کا حوالہ دیا اور حکومت کی وزارت سازی کی پیش کش کو منظور کرنے پر اظہار اطمینان و مسرت کیا۔(۱) اخبار نے اپنے خلیفہ سے عاجزانہ استدعا کی کہ وہ نیشنل لیگ کی رہنمائی کریں تاکہ وہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا کر سکے اور ہندوستان کے الجھے ہوئے معاشی و سیاسی مسائل کو سلجھا سکے۔(۲) مرزا محمود پنجاب میں مسلم لیگ کی شکست پر شاداں و فرحاں تھے۔ اپنے ایک خطبے میں انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں لیگ کی حکمت عملی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا۔

> ”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری وسیع پیمانے پر مخالفت ہوئی ہے۔ حتی کہ مسلم لیگ جو میری مالی امداد کے بغیر اپنے اجلاس بھی منعقد نہ کرسکتی تھی اسکی پنجاب شاخ نے بھی احمدیوں کو اپنی رکنیت سے خارج کردیا۔ ان کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ اس طرح وہ

۱۔ پیغام صلح لاہور 8 اکتوبر 1937ء۔
۲۔ ایضاً)

> ووٹ حاصل کر سکیں گے۔ مگر خدا نے ان کو سزا دی اور پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ صرف ایک نشست حاصل کر سکی۔ دوسرے الفاظ میں وہ بھی ہمارے ہی جیسے ہیں۔ یہ ہماری عظیم فتح اور مسلم لیگ کی ذلت آمیز شکست ہے۔(۱)

کانگریس اور مسلم لیگ کا بجنور (اتر پردیش) کے ضمنی انتخاب میں کانٹے دار جوڑ پڑا۔ یہ مسلمانوں کا اکثریتی حلقہ انتخاب تھا۔ کانگریس کی طرف سے حافظ محمد ابراہیم جبکہ مسلم لیگ کی طرف سے عبدالسمیع امیدوار تھے۔ پنڈت نہرو' عبدالغفار خان' مولانا آزاد' ڈاکٹر سید محمود' سر وزیر حسین اور مفتی کفایت اللہ کانگریس کے امیدوار کی مہم چلا رہے تھے۔ دوسری طرف محمد علی جناح' مولانا شوکت علی' مولانا حسرت موہانی' بیگم محمد علی اور مولانا ظفر علی خان نے مسلم لیگ کے امیدوار کی خاطر ووٹ مانگے۔ بجنور کے انتخابات دو مخالف تنظیموں کے لیئے عزت کا مسئلہ بن چکے تھے۔ لیگ کی تمام تر کوششوں کے باوجود کانگریس اس نشست پر جیت گئی۔

الفضل قادیان نے ''کانگریس کی شاندار فتح اور لیگ کی بجنور کے انتخابات میں ناکامی کی وجہ'' کے زیر عنوان ایک اداریہ لکھا۔ اخبار نے مسلم لیگ پر تنقید کرتے ہوئے اسے ایک بدنظم اور غیر موثر تنظیم قرار دیا جس کی کوئی عوامی حمایت نہ تھی۔ اخبار نے کہا کہ انتخابات میں شکست اس کا مقدر تھی۔(۲)

قادیانی جماعت کے لاہوری فریق نے کانگریس کے ساتھ تعاون کی قادیانی حکمت عملی پر تنقید کرتے ہوئے مرزا محمود کے پیروکاروں کو یاد دہانی کرائی کہ کس طرح انہوں نے ماضی میں برطانوی سامراج کی زبردست مدد کی اور کانگریس کی تحریکوں کے خلاف جاسوسی اور انتشار پر مبنی کارروائیاں منظم کرنے میں شرمناک کردار کرتے رہے۔ ''پیغام صلح'' لاہور نے مرزا محمود کی ان تقاریر و تحریروں کا خصوصی حوالہ دیا جو وہ پچھلے بیس سالوں سے برطانوی سامراج کی حمایت میں انجام دے رہے تھے۔ اخبار نے کانگریس

۱۔ فاروق قادیان۔ 11 نومبر 1938ء۔

۲۔ الفضل قادیان' 11 نومبر 1937ء مزید پیغام صلح۔ 9 دسمبر 1937ء۔

کی تمام اہم سیاسی تحریکوں کو ناکام کرنے کے سلسلے میں مرزا محمود کے اعترافات کے حوالے دیئے۔ اس نے قادیانی پریس کی انتخابات میں کانگریس کی کامیابیوں پر جشن منانے کی روش پر بھی اظہار افسوس کیا۔ (۱)

۱۹۳۷ء کے اواخر میں کانگریس کے قادیانیوں کیساتھ تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہوگئے۔ ''پیغام صلح'' نے لکھا کہ قادیانی بڑی تیزی سے کانگریس کے ساتھ تعلقات مضبوط بنا رہے ہیں۔ چھبیس نومبر ۱۹۳۷ء کو قادیانی جماعت نے اہم کانگریسی رہنماؤں لاڈو رانی زتشی صدر پنجاب کانگریس اور کامریڈ گیانی اندر جی کو قادیان بلایا۔ ناظر اعلیٰ قادیان فتح محمد سیال کی زیرصدارت ایک اجلاس منعقد ہوا اور ''وسیع عوامی رابطہ مہم'' کے مسئلہ پر تقاریر ہوئیں۔ کانگریس کی عوامی رابطہ مہم کا مقصد کانگریس کے نظریہ اور نصب العین کیلئے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا۔ اس میں احمدیوں کے کانگریس کے ساتھ اتحاد پر بھی بحث ہوئی۔ آخر کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ احمدیہ جماعت کانگریس میں شمولیت اختیار کرے گی۔ ایک احمدی بزرگ کے بقول ''آنے والے سالوں میں تقسیم ہند تک قادیانی اس پرکار بند رہے''۔ (۲)

جولائی ۱۹۳۸ء میں الفضل نے اداریہ لکھا جس کا عنوان تھا ''جماعت احمدیہ اور کانگریس''۔ اس میں لکھا کہ

> ''جب سے جماعت احمدیہ نے اپنے قومی وسیاسی حقوق کے حصول کے لیئے اپنا رویہ بدلا ہے اور ملکی خدمت کے لیئے کسی جماعت سے ملنے کی خواہش کی ہے' عام لوگ بھی اندازوں میں مصروف ہیں۔ اپنے سولہ جولائی کے شمارے میں ''پرتاپ'' لاہور نے لکھا کہ جماعت احمدیہ کل ہند مجلس کانگریس کے ساتھ خط و کتابت کر رہی ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ سرکاری ملازمین کے علاوہ تمام احمدی کانگریس میں شمولیت اختیار کرلیں۔ کانگریس کی اعلیٰ قیادت مہاتما گاندھی اور سبھاش چندر بوس نے احمدیوں کو یقین دہانی کرائی کہ

۱۔ پیغام صلح۔ لاہور 30 نومبر 1937ء۔

۲۔ غلام نبی مسلم۔ قیام پاکستان کیلئے انجمن احمدیہ جماعت لاہور کی جدوجہد۔ لاہور۔ 1970ء ص 20۔

> کانگریس انکی نئے احمدی بنانے کی مذہبی سرگرمیوں میں مداخلت نہیں کرے گی"۔ الفضل قادیان نے تصدیق کی کہ "جماعت کے متعلقہ شعبہ کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے اور وہ کانگریس کی اعلیٰ قیادت کے ساتھ خط و کتابت میں مصروف ہیں مگر ابھی تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے"۔ (۱)

اپنے سولہ جولائی کے شمارے میں "احسان" لاہور نے یہ انکشاف کیا کہ حال ہی میں قادیان میں قائم شدہ کانگریس کے اجلاس میں تین قادیانی شامل ہوئے۔ اخبار نے سوال کیا کہ چونکہ قادیانی حکومت کی اطاعت کو اپنے عقیدے کا حصہ سمجھتے ہیں جس کی تصدیق قادیانی لٹریچر کے طومار سے ہوتی ہے۔ کانگریس کو اس وقت شدید مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا جب کسی بھی وقت اسے کوئی سول نافرمانی کی تحریک چلانی پڑی۔ قادیانی بھی اس مشکل میں گرفتار رہیں گے کہ انہیں حکومت مخالف تحریک کا ساتھ دینا پڑے گا۔ اس پر الفضل نے جواب دیا۔

> "پہلے تو جب ایسی حکومت ہوگی تو سول نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ دوسرے اگر کانگریس حکومت کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہے اور احمدی اس کے رکن ہونگے تو وہ رکنیت چھوڑنے کی نصیحت نہیں کریں گے کیونکہ ان کو اکثریت کی امداد حاصل ہوگی۔ ان کو بتایا جائے گا کہ انہیں اپنے حقوق کی خاطر لڑنا چاہیئے۔ اور کسی اصولی موقف پر اختلاف کی صورت میں احمدی دوسروں کی طرح استعفیٰ دے دیں گے"۔ (۲)

مقدس دہشت

ایک دفعہ پھر ہم قادیان کا رخ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ احمدیہ تحریک کی تاریخ کا یہ ایک سیاہ باب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا محمود کے تنخواہ دار غنڈے ان تمام سچی اور باخبر آوازوں کو خاموش کرا دیتے تھے جنہوں نے ان کی نجی زندگی پر تنقید کرنے کی جرأت کی۔ پھر بھی ان کے کئی پیروکاروں نے ان پر زنا کاری کے الزامات

۱۔ الفضل قادیان 19 جولائی 1938ء۔

۲۔ ایضاً۔

عائد کیئے۔ شیخ عبدالرحمان مصری کو جو کہ ان کا اعلیٰ درجے کا مرید اور مدرسہ احمدیہ قادیان کا مہتمم تھا کو حالات نے مجبور کر دیا کہ وہ انہیں تین خطوط لکھے کہ وہ اپنے کردار کی وضاحت کریں اور اپنے سابقہ کرتوتوں پر معافی مانگیں۔ وگرنہ مصری صاحب کے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ وہ احمدیہ جماعت کے قائم کردہ کمیشن کے سامنے سارا معاملہ تحقیقات کے لیئے رکھیں مگر خلیفہ محمود احمد نے یہ تنبیہہ نظرانداز کر دی اور اپنی غلط حرکتوں پر اڑے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شیخ عبدالرحمان اور ان کے چند دوستوں پر جو کہ ان کی اعانت کرتے تھے، مظالم کرنے شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ کچھ پر تو قاتلانہ حملے بھی کیئے۔(۱) مقاطعوں۔ حملوں۔ عورتوں کی بے حرمتی۔ گھروں کے جلانے کی ہولناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانیاں قادیانیت کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرتی ہیں۔(۲)

شیخ مصری کو قاتلانہ حملے کے خوف سے قادیان چھوڑنا پڑا۔ بعد میں انہوں نے قادیانی جماعت کو چھوڑنے اور خلیفہ محمود کے ساتھ کیئے گئے عہد کو توڑنے کی وجوہات بیان کیں۔ ۱۹۳۷ء میں یہ بیان حلفی مصری صاحب نے ایک عدالت کے سامنے دیا تھا جو پنجاب کی عدالت عالیہ نے اپنے حکم میں درج کیا۔

> ''موجودہ خلیفہ (محمود احمد) سخت بدچلن ہے۔ یہ تقدس کے پردے میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لیئے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ سے یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔''

فخرالدین ملتانی جو کہ ایک معزز قادیانی کا بیٹا اور مرزا محمود کا انتہائی وفادار مرید تھا۔ اس نے ''تقدس مآب'' کے خلاف آواز بلند کی۔ جسے مرزا عزیز احمد قادیانی نے قتل کر دیا۔ مقدمہ اپیل میں عدالت عالیہ میں چلا گیا۔ قاتل کو تمام براہ راست اور بالواسطہ مدد مہیا کی گئی۔ ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر نے مرزا محمود کو مولوی فرزند علی کے ذریعے

۱۔ ممتاز احمد فاروقی۔ ص 41 تاریخ احمدیت کے مولف دوست محمد نے یہ انکشاف کیا ہے کہ مصری نے فری میسنری کی طرح ایک خفیہ تنظیم قائم کر لی تھی اس کا حوالہ مرزا کی وحی میں دیا گیا ہے کہ فری میسن کبھی بھی مجھے قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے (تاریخ احمدیت جلد 8 ص 367۔

۲۔ احسان الٰہی ظہیر ''مرزائیت اور اسلام'' لاہور 1972ء ص 60-156۔

پیغام بھجوایا، جس میں نصیحت کی گئی تھی کہ قاتل کو اس قدر کھلے عام مدد مہیا نہ کی جائے۔ اس طرح سے وہ محمد علی نوشہروی (جو مباہلہ کے عبدالکریم کا دوست اور محمد حسین کا قاتل تھا) کی طرح ایک ہیرو شمار ہونے لگے گا اور دوسروں کو بھی شہہ ملے گی کہ وہ بھی ایسے جرائم کا ارتکاب کریں۔ مرزا محمود نے محتاط رویہ اپنالیا کیونکہ ہر کسی کو یقین تھا کہ یہ سازش انہوں نے تیار کی تھی۔ اپنی وفات سے قبل ملتانی نے ایک بیان دیا تھا کہ اس کی زندگی کو ختم کرنے کے مرزا محمود اور ولی اللہ شاہ ذمہ دار ہونگے۔(۱) قاتل عزیز احمد اور اس کے ساتھیوں کو بچانے کی خاطر اسے یہ ترغیب دی گئی کہ وہ یہ اقبال جرم کرلے کہ ملتانی کی اشتعال انگیز تحریروں اور بیانات کی وجہ سے اس اکیلے نے اسے قتل کیا ہے اور یہ اس کا ذاتی فعل تھا۔(۲) اسے عدالت نے سزائے موت کی سزا سنائی۔ اسکی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں قادیانیوں نے شرکت کی۔ مرزا محمود کے بقول

> ''اس قربانی کی روح کو جو اس نے کسی دنیاوی مقصد کی بجائے خدا کی رضا کے لیئے دی تھی، گلہائے عقیدت نچھاور کرنے اور خراج تحسین پیش کرنے کے لیئے لوگ آئے''۔(۳)

پیغامی شطرنج

احمدی جماعت کے لاہوری فریق نے مرزا محمود سے درخواست کی کہ وہ احمدیت اور اس کے بانی کی خاطر اپنے مخالفین کو اپنے کردار کے بارے میں مطمئن کریں۔ انہوں نے قادیانیوں کو اکسایا کہ وہ اس کے خلاف دیگر الزامات کے علاوہ ''رفو سکینڈل مہم'' اور مرزا محمود کے ۱۹۲۴ء میں مغربی معاشرے کی عریانی ملاحظہ کرنے کے لیئے پیرس کے ایک

۱۔ فاروق قادیان۔ 21 جولائی 1939ء۔

۲۔ دیکھیئے فخر الدین ملتانی۔ (i) مظلومین قادیانیوں پر گالیوں کی بوچھاڑ۔ سردار پریس ہال بازار، امرتسر۔ 12 جولائی 1937ء۔ (ii) صدائے مظلوم سردار پریس ہال بازار امرتسر۔ 14 جولائی 1937ء۔ (iii) الغب نعیم وتعیم۔ سردار پریس امرتسر۔ 14 جولائی 1937ء۔ (iv) صدائے مہاجر۔ امرتسر۔ 12 جولائی 1937ء۔ (v) فحش کا مرکز۔ امرتسر۔ 12 جولائی 1937ء۔ اس کے علاوہ قادیانیوں کی زیادتیوں کے بارے میں 'مرزا بشیر الدین محمود کی طرف ایک کھلا خط' شائی برقی پریس امرتسر 28 مئی 1938ء۔ سے احمدیہ انجمن سانہ (پٹیالہ) کے معتمد بمراغ کے قادیانی حبیب احمد نے لکھا تھا۔

۳۔ فاروق قادیان۔ 18 مارچ 1934ء

رقص گھر میں جانے کے اقرار جرم کی بناء پر ان کے کردار و افعال کا محاسبہ کریں۔

''روفو'' ایک اطالوی دوشیزہ تھی جو لاہور کے سیسل ہوٹل میں ''کیبرے رقص'' کی خاطر ملازم تھی۔ تین مارچ ۱۹۳۴ء کو مرزا محمود اسے نامعلوم وجوہات کی بناء پر قادیان لے گئے۔ جب ہوٹل کی انتظامیہ نے پریس میں اعلان کیا کہ اب وہ یکدم غائب ہو جانے کی وجہ سے رقص نہیں کرے گی تو اس کے پرستاروں نے اس کی تلاش شروع کر دی اور بالآخر اسے ''قصر خلافت'' قادیان میں ڈھونڈ نکالا۔ یہ واضح نہ ہو سکا کہ وہ ایسی مقدس جگہ پر ایسے مقدس آدمی کے ساتھ کیوں گئی۔ جمعہ کے ایک خطبہ میں مرزا محمود نے یہ انکشاف کیا کہ انہوں نے اسے قادیان آنے کی دعوت دی تھی تاکہ وہ ان کی بیویوں اور بیٹیوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دے۔[1] بعد میں روفو مرزا محمود کو بلیک میل کرنا چاہتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ محمد منیر ایڈووکیٹ (جو بعد میں ہائی کورٹ لاہور کے چیف جسٹس بنے) کے پاس مرزا محمود کے خلاف زنا کا مقدمہ درج کرانے پہنچ گئی مگر لاہور کے چند بااثر افراد کی وساطت سے معاملہ ٹھپ ہو گیا۔ اسے زبان بندی کی ایک معقول رقم مل گئی۔ اسے بتایا گیا کہ اس بات کی گواہی ملنی مشکل ہو گی۔ لاہوری جماعت کے ہفت روزہ ''لائٹ لاہور'' نے قادیان میں تبدیلیوں کا ایک خوبصورت تجزیہ تیار کیا اور ان میں کچھ اہم اقدامات کی تجویز پیش کی مگر بظاہر یہ سب اقدامات قادیانی جماعت کے خودسر سربراہ کو قبول نہیں تھے۔ اخبار نے لکھا۔

> ''حال ہی میں قادیان میں چند بدقسمت واقعات ظہور پذیر ہوئے جنہیں دیکھ کر دلی دکھ ہوا کہ کس طرح ایک عظیم تحریک جو اسلام کے پائیدار احیاء کی خاطر اٹھی تھی، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ اس کی وجوہات کچھ ایسی ہیں کہ ان کو تحریر میں لانا مشکل ہے۔ اتنا کہنا کافی ہو گا کہ خلیفہ صاحب (موجودہ مرزائے قادیان) کے دو پیروکاروں نے خلیفہ صاحب کے ذاتی کردار پر سنگین الزامات عائد کیئے۔ یہ الزامات غلط ہیں یا درست اس کا

---

[1] الفضل قادیان 18 مارچ 1934ء۔

فیصلہ ایک مناسب تشکیل کردہ ٹریبونل ہی بتا سکتا ہے۔(۱) مگر یہ حقیقت کہ یہ (الزامات) ان لوگوں کی طرف سے آئے ہیں جو خلیفہ صاحب کے دست راست رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ایسے ادارے کا سربراہ رہا ہے جہاں تحریک کے مبلغین کو تربیت دی جاتی ہے۔ اس سوال کو خارج از امکان کر دیتا ہے کہ انہیں نرم دلی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس لیئے ان کو فوراً مسترد کر دیا جائے۔ درحقیقت یہ لوگ جنہوں نے الزام لگائے مرزا صاحب کے اتنے قریب تھے کہ ان کی اپنی دیانتداری، تقویٰ اور سنجیدگی کی بناء پر پورے عالم میں جانے جاتے تھے۔ کئی لوگوں کی نظروں میں یہ الزامات کھلے طور پر خلیفہ صاحب پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کو خلیفہ صاحب کی نظر میں اولین حیثیت حاصل ہونا چاہیئے بلکہ ہر وہ شخص جو اپنی عزت کا تحفظ چاہتا ہے اس کو اپنے کردار سے ان داغوں کو دھونا چاہیئے۔ ایسا صرف ایک مناسب طور پر تشکیل دیئے گئے ٹریبونل کے ذریعے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ خلیفہ صاحب اور ان کے پیروکاروں کو اس تجویز کا خیر مقدم کرنا چاہیئے تھا کہ الزامات متہم پر لوٹائے جا سکتے۔ مگر اس سیدھے اور صاف رستے کو اختیار کرنے کی بجائے جو کہ عقل و وقار کا راستہ ہیں۔ ان الزامات کے بارے میں قادیانی خلافت کے ردعمل کیا ہیں۔

پہلی چیز جو خلافت نے کی وہ یہ پروپیگنڈہ مہم تھی کہ یہ ساری شرارت تحریک کی لاہور جماعت کی ہے۔ قادیانی خلافت نے ابتداء سے ہی لاہوری جماعت کے خلاف شدید نفرت پروان چڑھا رکھی ہے اور ہر وہ آزردہ کرنے والی چیز جس سے چھٹکارا ممکن نہیں ایسا اس کونے پر ٹانگ دی جاتی ہے۔ ان الزامات کو بھی اس طرح سے دھونے کی کوشش کی مگر سوال یہ ہے کہ آیا یہ حقیقت کہ یہ الزامات کسی کی انگیخت پر عائد کیئے گئے ہیں۔ ان الزامات کی شدت کو کسی بھی طرح سے کم نہیں کرتے۔ الزامات موجود ہیں اور صرف ایک مناسب تشکیل کردہ ٹریبونل ہی انہیں دھو سکتا ہے۔ تاہم ٹریبونل جیسا کہ دکھائی دیتا ہے ایک چیز تھی۔ جسے وہ نہیں چاہتے تھے اور اسے ختم کرنے کا انہوں نے پورا اختیار برتا۔

۱۔ حکیم عبدالعزیز قادیانی۔ معتمد انجمن انصار احمدیہ نے اصرار کیا کہ ایک آزاد کمیشن قائم کیا جائے جو ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے بیانات کی روشنی میں تحقیقات کرے جو مبینہ طور پر مرزا محمود کی ہوس ناکیوں کا شکار ہوئے۔ (انجمن انصار کا رسالہ نمبر 3 ' الفضل قادیان ص 20 ستمبر 1937ء۔

> انہوں نے پروپیگنڈہ مہم کی ساری کلیں اس طرف موڑ دیں کہ اسلامی شریعت میں خلیفہ خدا کا مقرر کردہ ہوتا ہے اور وہ صرف خدا کو ہی جواب دہ ہوتا ہے۔ کوئی انسان اس کے رویے پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہمارے دو سابقہ اہم مضامین میں دی گئی قرآنی آیت کو مرضی کے معانی پہنانے کے لیئے بگاڑ کر پیش کیا گیا۔(۱) اس تحریف کی رو سے تو خلیفہ صاحب خدا اور پیغمبر کی مسند پر براجمان دکھائی دیتے ہیں۔
>
> ان الزامات کی تردید کے لیئے پھلایا گیا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ایک خاص قرآنی آیت کے مطابق خلیفہ غلطی نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اس منطق پر افسردہ ہے۔ یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ذاتی تجربات کی بناء پر خلیفہ صاحب کے خلاف سنگین الزامات عائد کر رہے ہیں اور ان الزامات کو غلط ثابت کرنے کے لیئے وہ قرآن کی آیت پیش کر رہے ہیں۔ قرآنی آیت کی کوئی بھی توضیح جو حقیقت سے ٹکرائے غلط تشریح ہوگی۔ حقائق کو دیگر تمام چیزوں پر فوقیت حاصل ہونی چاہیئے اور حقائق کو ہمیشہ ایک مناسب تشکیل کردہ ٹریبونل کے ذریعہ ہی پرکھا جانا چاہیئے''۔(۲)

احمدیوں کی لاہوری جماعت کے سربراہ مولوی محمد علی نے اپنے بیان مورخہ نو دسمبر ۱۹۳۸ء میں ان معاملات پر دکھ کا اظہار کیا۔

> ''وہ (مرزا محمود) تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ انکے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ قادیان اور مسیح موعود پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ اگر میں میاں صاحب کی جگہ ہوتا تو میں مولوی عبدالکریم (کے مباہلہ کے جواب میں) مباہلہ کو قبول کرتا اور حلف لے کر فوراً اس الزام کو اپنی خاطر نہ سہی قادیان اور مسیح موعود کی خاطر تردید کرتا۔ یہ بریت اور بے گناہی کا سیدھا راستہ تھا جو میاں صاحب نے نہیں اپنایا۔ مصری صاحب کا مطالبہ کچھ البتہ مشکل تھا۔ مگر اس مطالبے کو مسترد کرنے سے جو بے عزتی ہوئی ہے اس کو آسانی سے قبول کر کے معاملے کی تحقیق کے لیئے ایک آزاد کمیشن مقرر کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔

۱۔ ''دی لائٹ'' لاہور میں چھپے۔

۲۔ دی لائٹ لاہور۔ یکم ستمبر 1937ء۔

> میاں صاحب کے پیروکار ہر حال میں اس کمیشن کے ارکان ہوتے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے مذہبی پیشوا کے متعلق شہادت کی باریک بین پرکھ کے بغیر ان کے خلاف فیصلہ دیتے۔ اس کے برعکس ان کا فیصلہ ہی ہونا تھا جیسا کہ ان کے پیشوں سے ظاہر ہے کہ اگر وہ میاں صاحب کو قابل اعتراض حالت میں بھی دیکھ لیتے تو وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتے''۔(۱)

لاہور کے ''پاک بندوں'' کی بات سننے کی بجائے مرزا محمود نے الٹا ان پر الزامات لگانے شروع کر دیئے تاکہ انہیں چپ کرایا جاسکے۔ انہوں نے امیر جماعت لاہور مولوی محمد علی کو دھمکی دی کہ وہ ان کے خلاف غلیظ مہم بند کر دے ورنہ وہ ان کے خلاف اس سے بھی شدید جوابی مہم شروع کر دیں گے۔ ایک خطبے میں مرزا محمود نے ان الفاظ میں دھمکی دی۔

> ''تیس نومبر ۱۹۳۰ء کے لاہور کے پیغام صلح میں مولوی محمد علی کہتا ہے کہ صرف مسیح موعود کے مخالفین ہی اس پر الزامات لگاتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس ان (مرزا محمود) پر نہایت سنگین الزامات عائد کر رہے ہیں۔ لوگوں نے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے خاندان پر بھی الزامات لگائے ہیں مگر ہم نے ان کی حوصلہ شکنی کی اور انہیں دبا دیا۔ اگر ہم بھی لاہور جماعت کے خلاف ایسا ہی حملہ کرتے تو انہیں کہیں بھی جائے پناہ نہ ملتی''۔(۲)

اگرچہ مرزا محمود نے بڑے شاطرانہ انداز سے اپنے پیروکاروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی ان کے قریبی لوگ قادیان کے ہلڑ باز لونڈوں کی زیادتیوں کے باوجود ان کے کردار پر الزامات عائد کرتے رہے۔ چند ایک ''ضمیر کے قیدیوں'' نے احتجاج کیا اور جماعت کو ہمیشہ کے لیئے خیرباد کہہ دیا۔ تاہم قادیانی آلہ کاروں اور پنجاب پولیس کی مدد سے خلیفہ صاحب نے اپنے خلاف چلنے والی مہم کو بے رحمی سے کچل دیا۔ پھر بھی مرزا صاحب کو روزانہ اپنے پیروکاروں کی طرف سے درجنوں گمنام خطوط

۱۔ ایم اے فاروقی۔ ص 5۔

۲۔ فاروق۔ قادیان 14 دسمبر 1938ء۔

ملتے رہتے تھے۔ یہ خطوط ان کی نام نہاد بے راہ روی پر شدید ردعمل لیئے ہوئے ہوتے۔ آپ کی ذات پر ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت کے انبار اکٹھا کرنے اور ایک پرتعیش زندگی گزارنے کے الزامات عام تھے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے چار بیٹے جماعت کے فنڈ سے لندن پڑھنے کے لیئے بھجوا دیئے تھے۔ انہوں نے اکثر ان الزامات کی تردید کی اور کہا کہ اپنے بیٹوں کو بیرون ملک بھجوانے کی خاطر انہوں نے اپنی کچھ زمین فروخت کی تھی۔ ان کے گھر کے افراد پر بھی الزامات عائد کیئے گئے۔ آپ کے آنجہانی بھائی سلطان احمد اور آپ کے قریبی ساتھی سر ظفر اللہ کے بارے میں ایک گمنام خط کے مندرجات کو ایک خطاب میں مرزا محمود نے یوں پیش کیا۔

> ''اگر مرزا سلطان احمد جیسا زانی شخص بہشتی مقبرہ میں دفن ہے تو کیا یہ جگہ اب بھی مقدس رہ گئی ہے جس کے باسی جنت میں جائیں گے اور اگر ظفر اللہ جیسے غلیظ آدمی بھی بہشتی مقبرے میں دفن ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں تو پھر اسے بہشتی مقبرہ کہنے کی کون جسارت کرے گا''۔[1]

مرزا محمود نے اپنے پیروؤں کو خاموش کرانے کے لیئے یہ دلیل دی کہ منافقین نے نہ صرف ان کے خلاف یہ الزامات عائد کیئے ہیں بلکہ حکیم نورالدین مسیح موعود اور حتیٰ کہ پیغمبروں[2] پر بھی ایسے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ اگرچہ یہ بات مکمل طور پر درست نہیں تاہم لاہوری جماعت نے مرزا محمود کی نام نہاد بے راہ روی کے واقعات میں دلچسپی لی اور ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جو قادیانی جماعت کو رسوا کر سکتے تھے۔ تقریباً تمام قادیانی منحرفین نے لاہور میں پناہ لی۔ دوسروں کے علاوہ مستری دین محمد کے بیٹے شیخ غلام محمد نے احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ایک عرصہ تک رہائش رکھی۔ وہ اپنے آپ کو ایک مامور اور مصلح موعود قرار دیتا تھا جس کی پیش گوئی مرزا غلام احمد نے کی تھی۔ اس کی کتاب ''بیعت رضوان کی حقیقت'' نے مرزا محمود کے مرزا صاحب کی پیش گوئی

۱۔ فاروق قادیان 7 ستمبر 1938ء۔

۲۔ ایضاً۔

پسر موعود” ہونے کے مرزا محمود کے دعویٰ کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔ (1) اس نے ۱۹۳۸ء کے بعد مرزا محمود کے خلاف اپنی مہم کو اور شدید کر دیا۔ غالباً اس نے ایسا جماعت احمدیہ لاہور کی شہہ پر کیا کیونکہ ۱۹۳۹ء میں قادیان میں خلافت جوبلی تقریبات جاری تھیں۔ احمدیہ جماعت نے اس کی اشتعال انگیز پیش گوئیوں اور بیانات پر کئی احتجاجی قراردادیں منظور کیں۔ ان قراردادوں کی نقول حکومت پنجاب کو مناسب کارروائی کے لیئے بھجوائی گئیں۔ مرزا محمود نے نجی محفلوں میں اپنے مبلغین کو ہدایت کی کہ وہ لاہور جماعت کے ارکان کے خلاف جوابی کارروائی کریں اور انہیں خفیہ طور پر اور محتاط انداز میں ترکی بہ ترکی جواب دیں۔

۱۔ دیکھیں فاروق قادیان 21 مارچ 1939ء۔

تیرہواں باب

جاسوسوں کی زیر زمین دنیا

ہم نے کچھ غیر ملکی سرزمینوں میں قادیانی جاسوسوں کے کردار پر بحث کی ہے۔ قادیانی مبلغین نے کچھ ممالک میں شیطانی کھیل کھیلے۔ مذہب کے لبادے میں انہوں نے اپنے آپ کو مکروہ کاموں میں الجھائے رکھا اور بیرون ملک سامراج کی گرفت مضبوط کرنے میں مدد کی۔ قادیان کے بیرون ملک مشن برطانوی خفیہ ایجنسی MI-5 کے خفیہ ہتھیار تھے۔ قادیان میں ایک شعبہ جاسوسی تھا جو برطانوی نو آبادیات میں جاسوس بھرتی کرتا اور اس پر اسرار جال کے سربراہ مرزا محمود تھے۔ ۱۹۳۴ء تک قادیانی جاسوسی نظام بڑی حد تک پھیل چکا تھا۔ پہلے اس کا دائرہ اثر محدود تھا اور چند گنے چنے افراد ہی بیرون ممالک کام کرتے۔ زین العابدین' ولی اللہ (شام۔ فلسطین) عبدالرحمٰن اور غلام نبی (مصر) مولوی عبداللطیف اور نعمت اللہ (افغانستان) مولوی امین اور ظہور حسین (وسطی ایشیاء) ان جاسوسوں میں سے تھے جنہیں برطانوی خفیہ محکمہ کی شراکت سے احمدیہ مبلغین کے روپ میں بیرون ممالک جاسوسی کے مراکز چلانے کے لیئے بھجوایا گیا۔ برطانوی سفارت خانوں و مراکز' سرکردہ یہودی فرموں' صیہونی تنظیموں اور دوسرے خفیہ اداروں کے ساتھ انہوں نے قریبی روابط رکھے تا کہ اپنی جاسوسی اور تخریب کارانہ سرگرمیوں کو آگے بڑھایا جا سکے۔ اپنی خفیہ کرتوتوں کو سرانجام دینے کے لیئے انہیں مختلف خفیہ تنظیموں سے بے بہا مالی امداد ملتی تھی۔

نیا منصوبہ

۱۹۳۴ء کے آخری مہینوں میں مرزا محمود نے ایک انیس نکاتی منصوبے کا اعلان کیا جسے ''تحریک جدید'' کا نام دیا گیا۔ جس کا بنیادی مقصد ''تبلیغی سرگرمیوں'' کو

وسعت دینا تھا۔ اس میں قادیانیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ لباس، خوراک وغیرہ کے معاملے میں سادگی اختیار کریں اور ایک ایسی مستقل مد قائم کریں جس سے تبلیغی سرگرمیوں میں وسعت کی مہم کو جاری رکھا جا سکے۔ ابتداء میں اس تحریک کا عملی عرصہ تین سال پر محیط تھا۔ مگر یہ عرصہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے مستقل کر دیا گیا۔ اس منصوبے کی مالی مدد کے لیئے انہوں نے اپنی جماعت سے کہا کہ چند سال کے اخراجات کے لیئے ساڑھے ستائیس ہزار روپے فراہم کرے۔ جماعت نے ان کی اپیل پر بڑا اچھا ردعمل ظاہر کیا اور انہیں ایک لاکھ سات ہزار روپے فراہم کر دیئے۔ انہوں نے ان کے جذبے کو جوان رکھنے اور روحانی تربیت کے لیئے مزید کئی مطالبات جماعت کے سامنے رکھ دیئے۔ ایک ٹرسٹ فنڈ قائم کر دیا گیا اور نوجوان احمدیوں کو یہ نصیحت کی گئی کہ وہ بیرون ملک جا کر وہاں کام کے ساتھ ساتھ رضاکارانہ طور پر احمدی تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیں۔ قادیان سے ان کو صرف چند ماہ کے لیئے امداد ملے گی۔(1)

اس منصوبے کے تحت، برطانوی نوآبادیوں میں بیرونی مشنوں کا ایسا جال قائم کیا گیا جس کا سالانہ بجٹ کروڑوں روپے تک پہنچ گیا۔ قادیانی مبلغ ہر اس ملک کی زمین و زبان کے ماہر ہوتے جس میں انہوں نے یہ سرگرمیاں شروع کرنی ہوتیں۔ وہ مختلف جگہوں پر اپنے آپ کو پیش کرتے۔ عام اور اہم لوگوں سے ملتے۔ تازہ ترین واقعات سے باخبر رہتے۔ جاسوسی کی خاطر سماجی و پیشہ وارانہ تنظیموں میں گھس کر اطلاعات اکٹھی کرتے اور اپنی جانوں پر کھیل کر سامراجی مفادات کے تحفظ کی خاطر تخریبی کارروائیوں میں ملوث رہتے۔

گھٹیا حرکات کا ماہر

احمدیہ تبلیغ کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنے کے لیئے اور اس کی نوعیت کو سمجھنے کے لیئے مرزا محمود کے خطبہ کا ایک حصہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

1۔ سر ظفر اللہ احمدیت۔ ص 272۔

''دوسرے کئی ممالک میں احمدیوں کی ایک کثیر تعداد بستی ہے۔ خصوصاً امریکہ میں جہاں پچیس تیس احمدی مراکز ہیں اور وہاں سینکڑوں احمدی ہیں۔ دوسرا ڈچ انڈیز' یعنی سماٹرا اور جاوا۔ ان ممالک میں بھی ہزاروں احمدی ہیں۔ بلکہ ڈچ انڈیز میں خصوصیت سے ایسے احمدی ہوئے ہیں جو بالشویک ازم کے پیرو تھے مگر اب احمدیت کے ذریعے وہ اپنے خیالات سے توبہ کرکے لوگوں کو امن پسندی کی تعلیم دے رہے ہیں جن کی وجہ سے وہاں کی حکومت انہیں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر سیاسی خدمات

پھر یہ قدرتی بات ہے کہ ہمارے وعظوں لیکچروں' کتابوں' اخباروں اور رسالوں میں چونکہ بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ انگریز عادل و منصف ہیں۔ وہ اپنی رعایا کے تمام فرقوں سے حسن سلوک کرتے اور امن قائم کرتے ہیں۔ اس لیئے غیر ممالک کے احمدی بھی ہمارے لٹریچر سے متاثر ہوکر کہتے ہیں کہ گو ہم انگریزوں کے ماتحت نہیں لیکن چونکہ ہمارا مرکز ان کی تعریف کرتا ہے اس لیئے وہ برے نہیں بلکہ منصف مزاج حکمران ہیں۔ اس ذریعہ سے ہزاروں آدمی امریکہ میں' ہزاروں آدمی ڈچ میں اور ہزاروں آدمی باقی غیر ممالک میں ایسے تھے جو گو اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار تھے مگر انگریزوں کے متعلق بھی کلمہ خیر کہا کرتے تھے۔ امریکہ جسے کسی وقت جرمن ایجنٹوں نے انگریزی گورنمنٹ کے خلاف کرنے کے لیئے اپنی تمام کوششیں صرف کردی تھیں وہاں احمدی ہی تھے جو اپنی جماعت کا لٹریچر پڑھنے سے جس میں انگریزوں کی تعریف ہوتی' آپ ہی آپ ان خیالات کا ازالہ کرتے تھے۔ اسی طرح ڈچ انڈیز جاپان کے قرب کی وجہ سے جسے اس وقت ایشیائی آزادی کا خیال گدگدار رہا ہے اور اس میں صرف برطانوی حکومت کو وہ حائل سمجھتا ہے وہاں بھی انگریزوں کے خلاف جب اس قسم کی کوئی تحریک اٹھتی تو وہاں کے رہنے والے احمدی جہاں ڈچ حکومت کی وفاداری کی تعلیم دیتے وہاں کہتے کہ انگریزوں کو بھی برا نہ کہو۔ وہ بھی نیک مزاج اور انصاف پسند ہیں۔

غیر حکومتوں کے باشندے اور غیر قوموں کے افراد بھلا اتنی ہمدردی انگریزی قوم سے کہاں رکھ سکتے ہیں کہ وہ اس کی غلطیوں کی بھی تاویل کریں اور انہیں بھی حسن ظن سے دیکھیں۔ وہ تو اس آواز کی گونج سے متاثر ہوا کرتے تھے جو قادیان سے اٹھتی اور دنیا کے تمام ممالک میں پھیل جایا کرتی تھی اور ان کی زبانیں طوطے کی طرح رٹنا شروع کر دیتیں جو ہم کہتے ہیں۔

انگریز کے ایجنٹ

چوتھی بات جو میرے (مرزا محمود) لیئے نہایت ہی اہم ہے اور جسے ہم کسی صورت میں نظرانداز نہیں کر سکتے۔ یہ ہے کہ ایشیاء کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے جس میں آزادی کی روح پیدا ہو چکی ہے اور جو اپنی آزادی کے راستے میں سب سے زیادہ مخل انگریزوں کو سمجھتا ہے۔ تم مت خیال کرو اخبارات میں نکلتا رہتا ہے کہ ترکی حکومت انگریزوں کی خیر خواہ ہے یا افغانی حکومت کے انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں یا جاپانی یا چینی حکومت انگریزوں سے دوستی رکھتی ہے۔ ان اخباری اطلاعات سے دھوکہ مت کھاؤ ہم اپنی رپورٹوں سے جانتے ہیں کہ بیشتر حصہ تعلیم یافتہ طبقہ کا ایسا ہے جو خواہ ایران کا ہو خواہ عرب کا۔ خواہ جاپان کا ہو خواہ ترکستان کا۔ انگریزی حکومت کا خطرناک دشمن ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ انگریزی حکومت نے ہی اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالی ہوئی ہے۔ جاپان کا تعلیم یافتہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اگر انگریز نہ ہوتے تو ہمارے ایشیاء پر ہم حاکم ہوتے۔ چین کے لوگ سمجھتے ہیں کہ کئی حکومتیں، جو جاپان کے مقابلہ میں ہماری مدد کے لیئے تیار ہو سکتی تھیں محض انگریزوں کی وجہ سے مدد کرنے سے رکی ہوئی ہیں۔ افغانستان کے اندرونی حالات اور انگریزوں سے متعلق انکی رائے کا پتہ حضرت صاحب زادہ عبداللطیف صاحب شہید کے واقعہ سے لگ سکتا ہے۔ یہی حال ایران اور عرب کا ہے.......... ایسی حالت میں جبکہ لوگوں پر یہ اثر تھا کہ احمدی انگریزی قوم کے ایجنٹ ہیں تو تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت ہماری باتیں سننے کے لیئے تیار نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے گو یہ مذہب کے نام سے تبلیغ کرتے ہیں مگر

دراصل انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ اثر اتنا وسیع تھا کہ جرمنی میں جب ہماری مسجد بنی تو وہاں کی وزارت کا ایک افسر اعلیٰ بھی ہماری مسجد میں آیا یا اس نے آنے کی اطلاع دی۔ اس وقت مصریوں اور ہندوستانیوں نے مل کر جرمنی حکومت سے شکایت کی کہ احمدی حکومت انگریزی کے ایجنٹ ہیں اور یہاں اس لیئے آئے ہیں کہ انگریزوں کی بنیاد مضبوط کریں۔ ایسے لوگوں کی ایک تقریب میں ایک وزیر کا شامل ہونا تعجب انگیز ہے۔ اس شکایت کا اتنا اثر پڑا کہ جرمنی حکومت نے اس وزیر سے جواب طلبی کی کہ احمدی جماعت کے کام میں تم نے کیوں حصہ لیا"۔(۱)

اس استقبالیے کے دوران کیا ہوا یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ ایک سرکردہ روزنامہ کا نامہ نگار لکھتا ہے۔

"جرمنی میں مشن کے سربراہ مبارک علی نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں کی۔ کئی مصریوں نے چلا چلا کر کئی دفعہ دخل اندازی کی۔ "تم مکروہ انگریزی زبان کیوں بولتے ہو؟" ایک دوسرا چلایا۔ "جو کچھ کہہ رہے ہو سب جھوٹ ہے۔ یہ ایک مسجد نہیں انگریزی چھاؤنی ہے جو انگریزوں کے پیسے سے تعمیر کی گئی ہے"۔ اس سے مختلف اسلامی تحریکوں کے پیروکاروں کے درمیان لفظی تکرار شروع ہوگئی۔ آخرکار پولیس کو مداخلت کرنا پڑا اور مداخلت کاروں کو باہر نکالنا پڑا"۔(۲)

اسی نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ

مصری قومی جماعت کی مجلس نے متحدہ جرمن پریس کو ایک خط میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ احمدیہ جماعت ایسے انگریز اور ہندوستانیوں کا مرکب ہے جو خالصتاً برطانوی نوآبادیاتی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے تاکہ اسلامی دنیا پر اپنا گہرا اثر قائم کیا جاسکے"۔ مجلس نے مزید کہا کہ "مسلمان اور قوم پرست ہونے کے ناطے یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اس خطرناک تحریک کے آگے بند باندھ دیں، وگرنہ ہم بھی برطانوی جہنم میں دھکیل دیئے

۱۔ الفضل قادیان 6 اگست 1935ء۔

۲۔ "دی مسلم ورلڈ" جنوری 1924ء۔

جائیں گے"۔(۱)

اپنے طویل خطبے کے آخر میں مرزا محمود لکھتے ہیں

> "پھر یہ خیال کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ تھا کہ بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم علیحدگی میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ آپ کا انگریزی حکومت سے اس قسم کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر سید محمود جو اس وقت کانگریس کے سیکرٹری ہیں۔ ایک دفعہ قادیان آئے اور انہوں نے بتایا کہ پنڈت جواہر لال صاحب جو یورپ کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اسٹیشن سے اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر یورپ سے یہ سبق حاصل کیا ہے کہ انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے احمدیہ جماعت کو کمزور کیا جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ احمدی جماعت انگریزوں کی نمائندہ اور ان کی ایجنٹ ہے"۔(۲)

برطانوی تحفظ

بیرون ممالک میں قادیانی مبلغین کے سیاسی کردار پر بحث کرنے سے پہلے ہم برطانوی سامراج کی قادیانی مبلغین کے بارے میں اپنائی گئی حکمت عملی کی وضاحت کریں گے جیسا کہ مرزا محمود نے اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا ہے۔ دوسری نو آبادیاتی طاقتوں کے مقابلے میں برطانوی حکومت کی مہیا کردہ امداد کا موازنہ کرتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں:

> اگر ہم اسلام اور احمدیت کے نقطہ نظر سے دیکھیں اور ہم غور کریں کہ کس کے جیتنے میں احمدیت کو فائدہ ہے تو اس صورت میں بھی یقیناً یہی نظر آئے گا کہ انگریزوں کی فتح اسلام و احمدیت کے لیئے مفید ہے...... حکومت انگریزی کو ایک بہت بڑی مہم درپیش ہے

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل قادیان 6 اگست 1935ء۔

اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس معاملہ میں حکومت کی امداد کریں کیونکہ اس حکومت کے ساتھ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ وابستہ ہے۔ اگر یہ حکومت جاتی رہی تو یہ تمام فوائد بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ہمارا یہ پچاس سالہ تجربہ ہے کہ دنیوی حکومتوں میں سب سے بہتر حکومت برطانیہ ہے۔ دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ کیونکہ ہم نے جاوا اور سماٹرا میں تبلیغ کی اور ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ ہماری راہ میں روک نہیں بنے بلکہ انہوں نے ہمارے مبلغوں کے ساتھ انصاف کی حد تک تعاون کیا۔ اور ان دونوں سے اتر کر بعض اور حکومتیں بھی ہیں جن میں یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ بھی شامل ہے..... ہم یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کے ممنون احسان بھی ہیں کہ انہوں نے ہمارے بعض پرانے مبلغوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ سماٹرا اور جاوا میں بیسیوں جگہ احمدیہ جماعتیں قائم ہیں اور حکومت کے افسران سے تعاون کرتے ہیں بلکہ انکے دو قونصل مجھ سے ملنے قادیان بھی آئے تھے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ چونکہ آپ کی جماعت کے کئی لوگ ہمارے ملک میں آباد ہیں اس لیے میں نے چاہا کہ آپکے مرکز کو بھی دیکھ لیا جائے۔ ایک تو خصوصیت سے حکومت ہالینڈ نے یہاں بھیجا تھا تا کہ وہ مرکز کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کرے۔ غرض یہ کہ دو حکومتیں تو صاف طور پر نظر آتی ہیں۔ باقی حکومتوں کا یہ حال ہے کہ ان کے ملک میں ہمارا مبلغ چار مہینے رہتا ہے تو وہ اسے پکڑ کر باہر نکال دیتی ہیں۔ پھر وہ اگلی حکومت کے علاقے میں جاتا ہے اور وہاں سے دو چار ماہ کے بعد اسے نکلنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر وہ اگلی حکومت میں جاتا ہے اور وہاں بھی اسے یہی کہا جاتا ہے کہ نکل جاؤ ہمارے ملک سے' کیا تم چاہتے ہو کہ دنیا میں ان قوموں کی حکومت ہو جو احمدی مبلغین کو کان پکڑ پکڑ کر اپنے ملک سے باہر نکال دیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے؟(۱)

لاہوری مرزائی ڈاکٹر بشارت احمد لکھتے ہیں:

دنیا کے اکثر ممالک میں یہ قادیانی لوگ جاسوس سمجھے جانے لگے۔ خواجہ کمال الدین مرحوم

۱۔ فاروق قادیان۔ 14 اکتوبر 1939ء۔

> فرماتے تھے۔ ''جس ملک میں میں گیا' وہاں کے لوگوں کو یہی کہتے سنا کہ یہ قادیانی لوگ گورنمنٹ کے خفیہ جاسوس ہیں۔ یہ بات غلط ہو یا صحیح' مگر لوگوں کے قلوب پر یہ اثر کیوں پڑا۔ اس لیئے کہ میاں صاحب (مرزا محمود) گورنمنٹ کی خاطر ایسی خفیہ کارروائیاں کیا کرتے تھے جن کا انہوں نے خود اپنی تقریر میں اعتراف کیا ہے''۔ (۱)

سنگاپور

مرزا محمود نے ۱۹۳۵ء میں غلام حسین ایاز کو تحریک جدید کے منصوبے کے تحت سنگاپور بھیجا۔ وہ وہاں چند دن ہی رہا کہ جمعیۃ دعوۃ الاسلام سنگاپور کی شدید مخالفت کی وجہ سے اسے ملایا فرار ہونا پڑا۔ (۲) مولانا عبدالعلیم صدیقی (مولانا شاہ احمد نورانی کے والدگرامی) نے اس کے شیطانی منصوبوں کو بے نقاب کیا۔

جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد جاپان نے فلپائن' ملایا' سنگاپور وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب جاپان نے شمالی ملایا پر چڑھائی کی اور وہاں برطانوی فوجوں کو شکست دی تو کیپٹن موہن سنگھ نے جاپان کے تعاون سے انگریزوں سے لڑنے کے لیئے ایک فوج ترتیب دی۔ پندرہ فروری ۱۹۴۲ء کو سقوط سنگاپور کے بعد برطانوی حکومت کی طرف سے کرنل ہنٹ نے جاپانی حکومت کے نمائندے میجر فیوجی ہارا کو کیپٹن موہن سنگھ کے علاوہ چالیس ہزار جنگی قیدی واپس کیئے۔ راش بہاری بوس جو کہ پہلے ہی جاپان میں قیام پذیر ہو چکا تھا اور کیپٹن موہن سنگھ کی ترغیب پر کئی ہندوستانی سپاہی ''آزاد ہند فوج'' میں شامل ہو چکے تھے۔ جب آزاد ہند فوج (انڈین نیشنل آرمی یا آئی این اے) مشرق بعید میں برطانوی سامراج سے نبرد آزما تھی تو اس سنگین دور میں قادیانی مبلغ کا 'کیا کردار تھا' اسکی تفصیل الفضل یوں بیان کرتا ہے۔

''۱۹۴۲ء کے شروع میں جب جاپانی سنگاپور آئے تو پروپیگنڈا شروع ہوا کہ ہندوستانی

۱۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ ''مرآۃ الاختلاف'' لاہور 1938، ص 62۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد۔ 8 صفحہ 201۔

فوجیوں کی ایک فوج بنائی جائے اور جاپانیوں سے امداد لی جائے۔ ماہ مئی کے قریب موہن سنگھ نے I.N.A بنائی اور لیگ بنائی۔ جو فوجی اس کے مخالف تھے۔ انہوں نے کیمپوں کو چھوڑ کر اندرون شہر میں پناہ لینی شروع کی اور کئی دوست مولوی (ایاز) صاحب سے امداد کے طالب ہوئے۔ مختلف اوقات میں مولوی صاحب نے قریباً بیس فوجیوں کو مختلف مکانوں میں چھپا رکھا تھا جو لوگ شامل نہیں ہوتے تھے ان پر بہت ظلم وستم کیا جاتا تھا۔ کئی فوجیوں سے جبراً دستخط لیئے گئے۔ جب مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو ان کے کیمپ میں جا کر انہیں سمجھایا اور مولوی صاحب کے کہنے پر انہوں نے درخواست دی کہ ہم اس تحریک سے بیزار ہیں اور مذہباً اس میں شامل نہیں ہو سکتے جو مخالفت کرتا اس کو فوراً کنسنٹریشن (Concentration) کیمپ میں بھیج دیا جاتا تھا۔ ان احمدیوں کو بھی وہاں بھیج دیا گیا۔ ان کیمپوں میں جو جو ظلم کیئے جاتے تھے سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔

چونکہ مکرم مولوی صاحب کو حضرت مسیح موعود کے الہامات اور حضور کے رویاء و کشوف کی بناء پر پورا یقین تھا اور اللہ تعالیٰ نے خود مولوی صاحب کو بھی اس تحریک کے شروع ہونے ' پھیلنے' اس کے مضر اثرات اور ناکام انجام کی خبر دے دی تھی اس لیئے آپ نے اس کی سرگرم مخالفت شروع کر دی۔ اس پر حامیان آئی این اے اور جاپانی جناب مولوی صاحب کے درپے آزار ہو گئے۔ تمام افراد جماعت کو طرح طرح سے تنگ کیا گیا۔

ایک دفعہ مولوی صاحب کو ایک کیمپ میں مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا۔ کافی دن مقدمہ چلتا رہا لیکن جب تک کوئی خلاف فیصلہ ہو اللہ تعالیٰ نے موہن سنگھ کا ہی فیصلہ کر دیا۔ اور آئی این کے ریکارڈ جلا دیئے گئے۔ جاپانیوں نے دوبارہ فوجیوں کو پی او ڈبلیو (pow) کیمپوں میں بھیج دیا۔ سویلین منتشر کرائے گئے۔ اس کے بعد جب راش بہاری بوس اور سبھاش چندر بوس کی کوششوں سے آئی این اے بنی اور اس تحریک نے بہت قدم پھیلا لیئے تو مولوی صاحب موصوف نے بھی اپنی مخالفت کو تیز کر دیا۔ کونسل تک میں سوال اٹھایا گیا کہ غلام حسین ایاز جو سخت خلاف پروپیگنڈہ کر رہا ہے اور اتنا

> مخالف ہے کیا وجہ ہے ابھی تک گرفتار نہیں کیا گیا؟ .... مولوی صاحب نے pow کی سامان خوراک کپڑوں اور نقدی کے ساتھ مقدور بھر امداد کی جو جاپانیوں کی نظر میں خطرناک جرم تھا اور آئی این اے کے ایک سرگرم ممبر اور افسر کو اپنے ساتھ ملا کر (INA) کے اندر مخالفین کا جتھہ تیار کیا۔ ایک کیمپ میں تین سو جوانوں کا ایک اور کیمپ میں بیس آدمیوں کی ٹولی بنائی گئی تھی ان کے علاوہ سویلین بھی دو سو کے قریب ہوں گے۔ سنگاپور میں آئی این اے کا ایمونیشن ڈپو اسی پارٹی کے قبضہ میں تھا۔ اگر موقع آ جاتا اور سنگاپور پر حملہ ہوتا تو دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتنی طاقت تھی۔ اس نے کیا کچھ کیا۔
>
> ۱۹۴۵ء کے شروع میں برٹش گوریلا دستوں سے تعلق پیدا کرنے کے لیئے ایک آدمی سرمبن کولامبر بھیجا اور ان کا ایک نمائندہ بھی ملنے کے لیئے آیا۔ جسے جاپانی ڈیفنس اور اپنی تیاری کی تفصیلات دی گئیں۔ اس نے ایک تجویز پیش کی کہ جب سنگاپور پر متوقع حملہ ہو تو آپ کیمونسٹ جھنڈا لے کر باہر آئیں مگر اس کا فوراً انکار کر دیا گیا اور کہا گیا کہ ہم تو (برطانیہ کا جھنڈا) یونین جیک لے کر نکلیں گے۔ آخر نمائندہ نے یہ بات مان لی۔ یہ نمائندہ چینی تھا اور کیمونسٹ خیالات سے متاثر معلوم ہوتا تھا''۔(۱)

جاپان نے سنگاپور پر تسلط قائم کر لیا اور تمام اندراجی، سیاسی، مذہبی تجارتی سوسائٹیوں پر پابندی لگا دی۔ انجمن احمدیہ ایک رجسٹرڈ تنظیم نہیں تھی اس لیئے بچ گئی البتہ مختلف پارٹیوں کے چیدہ اور سرغنہ آدمی گرفتار کر لیئے گئے۔ تاہم قادیانی جاسوس اپنی مکروہ سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیئے زیر زمین چلے گئے۔ مولف تاریخ احمدیت ایک قادیانی جنگی قیدی کے حوالے سے رقم طراز ہے کہ

> ''مولوی ایاز کے لیئے یہ انتہائی صبر آزما دور تھا۔ خصوصاً جاپانیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی وجہ سے آپ پر بہت سختیاں کی گئیں۔ پولیس نے گورنمنٹ کے ریکارڈ میں ان کا نام بلیک شیٹ میں سب سے اوپر لکھوایا ہوا تھا''۔(۲) ایک اور قادیانی کی شہادت

۱۔ الفضل قادیان۔ 6 فروری 1946ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 206۔

> درج کرتے ہوئے مولف مذکور نے انکشاف کیا ہے کہ ''مولوی صاحب کے خلاف ہر روز رپورٹیں پہنچتی رہتی تھیں اور ہر وقت جاپان ملٹری پولیس اور سی آئی ڈی مولوی صاحب کے پیچھے لگی رہتی تھی''۔ (۱)

جاپان

تحریک جدید جاپان کے دوسرے قادیانی مبلغ صوفی عبدالقدیر نیاز نے جون ۱۹۳۵ء میں جاپان کے لیئے روانگی اختیار کی۔ اس نے وہاں ایک مشن قائم کیا اور کچھ خفیہ سامراجی تنظیموں کی مدد سے اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ تاریخ احمدیت کے مطابق حکومت جاپان کو آپ کی نسبت شروع ہی سے بعض سیاسی شکوک تھے۔ جاپان پولیس کی طرف سے آپ کی کڑی نگرانی کی گئی آپ زیرحراست لے لیئے گئے۔ آخرکار انہیں برطانویوں کے لیئے جاسوسی کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ (۲) یہ الفضل قادیان نے تسلیم کیا ہے کہ

> ''صوفی عبدالقدیر نیاز احمدی مجاہد کو حکومت جاپان نے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا مگر اب رہا کردیئے گئے ہیں''۔ (۳)

صوفی قدیر کی مدد کے لیئے مرزا محمود نے (بدنام زمانہ مناظر اللہ دتہ جالندھری کے بھائی) عبدالغفور جالندھری کو جاپان روانہ کیا۔ وہ عبدالغفور کو مشن کی تنظیم کی خاطر چھوڑ کر جولائی ۱۹۳۸ء میں قادیان واپس آ گیا۔ جاپانی مشن کی سرگرمیوں کا اندازہ قادیان کو بھیجی گئی اس رپورٹ سے بخوبی ہو جاتا ہے جو اگست ۱۹۳۹ء میں عبدالغفور نے بھجوائی۔

> ''بعض نئے دوستوں کو تبلیغی خط لکھے۔ جاپانی زبان کی تعلیم جاری ہے۔ مسٹر ٹومیٹا (ایک مقامی آلہء کار) آئے۔ علاقہ کوبے میں انگریزوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں کا حل

۱۔ ایضاً۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 7 ص 218۔

۳۔ الفضل قادیان 20 نومبر 1937ء۔

بتایا۔ بتاتے تھے کہ جلوس میں دس لاکھ آدمی شامل تھے‘‘۔(۱)

دوسری جنگ عظیم کے دوران جب جاپانی جاسوس ہندوستان میں سرگرم تھے تو برطانوی خفیہ محکمہ نے مرزا محمود احمد کو ترغیب دی کہ وہ صوفی نیاز اور عبدالغفور جالندھری کی خدمات کو جاپان میں تخریبی کارروائیوں کے لیئے مستعار دے۔ مرزا محمود کہتے ہیں کہ ایک اعلیٰ خفیہ افسر نے صوفی عبدالقدیر نیاز سے جاپان اور اس کی وہاں سرگرمیوں کے متعلق اطلاعات فراہم کرنے کو کہا۔ اس خفیہ کے اہلکار نے صوفی کو دھمکی بھی دی کہ وہ تمام اطلاعات بیان کردے وگرنہ ’’قوانین تحفظ ہند‘‘ کے تحت اسے گرفتار کرلیا جائے گا۔ بعد میں صوفی کا نام مشکوک اور غنڈہ عناصر میں درج کرلیا گیا اور وہ پولیس کی زیر نگرانی رہا۔ کچھ اعلیٰ حکام اور اعلیٰ خفیہ اہلکار ان معاملات پر مامور تھے۔ اسی طرح مولوی عبدالغفور کو پولیس نے امرتسر بلایا اور جاپان میں اس کے مرکز کی نوعیت دریافت کی اور اسے ایک جاپانی جاسوس کے طور پر جاپان جانے کی ترغیب دی گئی۔ مرزا محمود نے اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا کہ

> اگر جاپان اور امریکہ‘ روس اور اٹلی‘ سپین اور جرمنی وغیرہ کی حکومتوں کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ احمدی مبلغ انگریزوں کے جاسوس ہوتے ہیں تو وہ انہیں تبلیغ کی کیا اجازت دیں گے ایسی صورت میں تو جب کوئی مبلغ ان کے ملک میں جائے گا‘ وہ اسے پکڑ کر باہر نکال دیں گے‘‘۔(۲)

جاوا

جاوا میں بہت سے قادیانی تخریب کار تھے۔ ان میں عبدالمسیح‘ مولوی رحمت علی‘ شاہ محمد اور ملک عزیز احمد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں کے لیئے زیر زمین سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ مولوی عبدالواحد کو مرزا محمود نے

۱۔ فاروق قادیان۔ 14 اگست 1939ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 9 ص 271۔

تحریک جدید کا مبلغ مقرر کیا۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں جاوا جاپان کے قبضہ میں چلا گیا۔ جاپانی خفیہ پولیس نے کئی قادیانی جاسوسوں کو تخریب کاری اور جاسوسی کے الزامات میں گرفتار کر لیا۔ بائیس فروری ۱۹۴۶ء کو عبدالواحد نے مرزا محمود کو ایک خط لکھا جو ہند چینی میں کام کرنے والے قادیانی مشن کی سیاسی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

”جاپانیوں کے غلبہ کے زمانے میں اس شبہ کی بناء پر کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی جاسوس ہے‘ مورخہ آٹھ مارچ ۱۹۴۲ء کو بندہ (عبدالواحد) اور عبدالسمیع اور محمد یحییٰ صاحب جو جماعت احمدیہ گاروت کے پریذیڈنٹ تھے۔ ہم تینوں کو دو بجے رات کے جاپانیوں نے پکڑ کر بنڈنگ کے حراست خانہ میں ڈال دیا۔ اس واقعہ کے چار روز بعد جماعت احمدیہ تاسک ملایا کے چھ عہدیداران اسی حراست خانہ میں لائے گئے۔ پھر بارہ روز کے بعد برادرم سید شاہ محمد صاحب مجاہد اور برادرم ملک عزیز احمد خان صاحب مجاہد بھی کیمپ سے پکڑ کر اسی ڈال دیئے گئے۔ جاپانی کن پیائی یعنی جاسوسی پولیس نے ہم سے مندرجہ ذیل امور کے متعلق کئی کئی رنگ میں سوالات کیئے:

1۔ جماعت احمدیہ کے بانی کون ہیں؟

2۔ جماعت احمدیہ کی غرض و غایت کیا ہے؟

3۔ جماعت احمدیہ کے عقائد کیا ہیں؟

4۔ صدر انجمن احمدیہ کے نظم و نسق کے مفصل حالات کیا ہیں؟

5۔ بیعت کا کیا مفہوم ہے؟

6۔ چندہ کا کیا مطلب ہے؟

7۔ انڈونیشیاء کی جماعتوں کا قادیان سے کیا تعلق ہے؟

آخر کن پیائی کے اعلیٰ افسر نے کہا کہ تمہاری جماعت کا نظام جانے والا دنیا کے بہترین دماغ کا مالک ہے مگر شاید تم لوگوں کو معلوم نہ ہو اس کے پیچھے انگریزوں کے ہاتھ ہیں۔ اگرچہ ہماری طرف سے بار بار کہا گیا کہ انگریزوں کا اس میں کوئی دخل نہیں مگر وہ اس

بات پر اڑا رہا کہ صدر انجمن احمدیہ کے اوپر برطانوی ہاتھ کام کر رہا ہے۔ تر اسی روز قید رکھنے کے بعد ہمیں چھوڑ دیا گیا۔(۱)

جاوا کے ایک اور قادیانی مبلغ مولوی محی الدین کے پراسرار غائب کر دیئے جانے کے بارے میں مرزا محمود فرماتے ہیں:۔

> ''پہلے سماٹرا اور جاوا پر جاپان نے قبضہ کر لیا پھر انڈونیشین کی خودمختار حکومت قائم ہوئی' پھر انگریزوں نے ڈچ کو داخل کرنے کی کوشش کی۔ اب وہاں ری پبلیکن حکومت قائم ہے۔ بہت سے ابتلاء بھی ہماری جماعت پر آئے۔ جاپانی قبضہ کے زمانے میں احمدیوں کے ساتھ سختی بھی کی گئی۔ پہلے تو اس طرف توجہ نہیں کی گئی لیکن آہستہ آہستہ جب جاپانیوں کا ڈر دور ہوا اور ان کے پاس شکائتیں پہنچنے لگیں تو احمدیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔ لیکن جب وہ اپنے ارادوں کو جماعت احمدیہ کے خلاف پوری مضبوطی سے قائم کر چکے تو یک دم اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت کو تباہ کر دیا اور انڈونیشیاء میں ری پبلیکن حکومت قائم ہوگئی۔ اس ری پبلیکن حکومت کے زمانہ اور اس سے پہلے زمانہ میں بھی جبکہ افراد محض انفرادی طور پر اپنے حقوق کے تحفظ کے لیئے کوشش کرتے تھے' ہماری جماعت نے ری پبلیکن تحریک کا ساتھ دیا تھا اور ملک کی آزادی کے لیئے اس نے ہر رنگ میں کوشش کی تھی۔ اس لیئے جاپانی حکومت کے جانے کے بعد جب ری پبلیکن حکومت قائم ہوئی تو عام طور پر ہماری جماعت کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ افسروں کا رویہ ہماری جماعت کے ساتھ بہت بہتر رہا اور انہوں نے ہم سے اپنے تعلقات قائم رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ جاوا میں اب بھی ہمارے مبلغین کام کر رہے ہیں۔ گو انہیں آہستگی سے کام کرنا پڑتا ہے لیکن بہر حال ان کے کام میں کوئی خاص روک نہیں پائی جاتی اور جیسا کہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے بعض اعلیٰ حکام حتیٰ کہ بعض وزراء تک بھی ہمارے مبلغوں سے ملتے ہیں ان سے مشورہ بھی کرتے ہیں اور ان کے ذریعے ہندوستان پیغام بھی بھجواتے ہیں۔ وہاں ہماری جماعت کے ایک معزز دوست مولوی محی الدین صاحب بہت اعزاز رکھتے

۱۔ الفضل قادیان 22 مارچ 1942ء۔

ہیں۔ اور ری پبلکین حکام میں بھی ان کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر اب مولوی رحمت علی صاحب اور بعض دوسرے دوستوں کی چٹھیوں سے معلوم ہوا ہے کہ رات کو چھاپہ مار کر ان کو کوئی قید کر کے لے گیا ہے۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں لگ سکا کہ ان کو کون قید کر کے لے گیا ہے۔ ایک ماہ بلکہ ڈیڑھ ماہ کے قریب عرصہ ہوگیا ہے ابھی تک ان کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کو کس نے پکڑا ہے"۔(۱)

جاپانی خفیہ پولیس نے ایک اور بدنام زمانہ قادیانی جاسوس محمد صادق کو گرفتار کیا۔ اس پر برطانویوں کے لیئے جاسوسی کا الزام تھا۔ ایک مقدمے کے دوران یہ ثابت ہوگیا اور اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔(۲) تاریخ احمدیت کہتی ہے کہ محمد صادق کا نام جاپانی حکومت کی بلیک لسٹ میں لکھا گیا تھا۔(۳)

انڈونیشیا

اگست ۱۹۴۵ء میں انڈونیشیاء کے عوام نے ایک ری پبلکین کے قیام کا اعلان کر دیا۔ مغربی سامراجی طاقتوں نے انقلاب کا گلا گھونٹنے کی کوششوں میں بڑی تیزی دکھائی۔ چونکہ ولندیزیوں نے اس وقت جرمنی کے فاشسٹ قبضہ سے ابھی ابھی رہائی حاصل کی تھی اس لیئے وہ انڈونیشی محبّ وطن عناصر کے خلاف مسلح جدوجہد کی سکت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ ظالمانہ کردار بھی برطانیہ کو ادا کرنا پڑا۔

ستمبر ۱۹۴۵ء کے آخر میں برطانوی ہند کی فوجیں اسی بہانے سے جکارتہ میں اتریں کہ انڈونیشی دستوں کو غیر مسلح کیا جاسکے۔ اپنے روایتی ہتھکنڈوں کو استعمال کرتے ہوئے برطانوی اور ولندیزی دخل اندازوں نے پہلے جمہوریہ سے مذاکرات شروع کیئے تاکہ محب وطن لوگوں کی نشاندہی کی جاسکے اور پھر یکدم مذاکرات کو تاخت و تاراج

۱۔ الفضل قادیان 13 نومبر 1942ء۔

۲۔ الفضل قادیان 24 جنوری 1946ء۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 5 ص 519۔

کر کے ایک سنگدلانہ مسلح حملہ شروع کر دیا۔(۱)

مولوی محمد صادق قادیانی مبلغ پائیدانگ (سماٹرا) نے چار جنوری ۱۹۴۶ء کو مرزا محمود کو چار سوالات ارسال کیئے جو غیر ملکی تسلط کے خلاف انڈونیشیوں کی تحریک آزادی کے متعلق تھے۔ یہ سوال و جواب درج ذیل ہیں۔

''سوال: پہلے انڈونیشیاء میں ڈچ حکومت تھی اسکے بعد جاپانی حکومت قائم ہوئی پھر جاپانی حکومت بھی ختم ہوگئی۔ چونکہ اتحادی فوجوں کے آنے میں دیر ہوئی اس لیئے انڈونیشیاء کے لوگوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ آزادی کا اعلان اور حکومت کا قیام اتحادیوں کے مشورہ کے بغیر ہوا۔ اس لئے اتحادیوں نے آج تک انڈونیشین آزادی اور حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا اسلام کی رو سے انڈونیشیاء واقعی آزاد قرار پاتا ہے اور کیا انڈونیشن حکومت واقعی وہ حکومت ہے جس کی اطاعت رعیت پر فرض ہے یا کہ باغی جمیعت ہے۔

جواب: واقعی حکومت تو وہی ہوگی جس کو ملک کی اکثریت قبول کرے گی۔ باقی اگر ملک کی اکثریت آزاد حکومت بنائے تو شرعاً باغی نہیں کہلائے گی بلکہ حق پر سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ملک کو کلی طور پر فتح کر کے سابق حکومت کے قبضہ سے نکال لیا گیا تھا۔ باقی رہا سوال مصلحت اور حکمت کا اسے وہاں کے لوگ خود سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مغربی حکومت کلی آزاد حکومت نہیں بننے دے گی۔ اس لیئے سمجھوتہ کرنا مفید ہے۔

سوال: آزادی کی تحریک اور دوسرے سیاسی امور میں احمدی حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً انڈونیشین حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر ڈچ لوگ دفتروں اور کارخانوں پر قابض ہو گئے تو ہم ان سے بائیکاٹ اور سٹرائیک کریں گے۔ کیا ایسے بائیکاٹ اور سٹرائیک میں شریک ہونا جائز ہے؟

جواب: اگر انڈونیشین حکومت واقعی اکثریت کی حکومت ہے تو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ وہ جائز ہے۔ اس صورت میں اس کے احکام کی تعمیل شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔

۱۔ ڈی سیفعوف۔ دوسری جنگ عظیم اور ایشیاء کی جدوجہد آزادی۔ نئی دہلی 1975ء۔

سوال: اگر ڈچ لوگ اس علاقے میں داخل ہوں اور انڈونیشین ان کا مقابلہ کریں تو جماعت احمدیہ کو کس طرف ہونا چاہیئے۔

جواب: میں کہہ چکا ہوں کہ مصلحت اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کر کے صلح کر لی جائے' کیونکہ سب مغربی حکومتیں منہ سے کچھ بھی کہیں' ڈچ کے ساتھ ہونگی۔ لیکن اگر فی الواقعہ ملک میں اکثریت کی حکومت قائم ہو چکی ہے تو چونکہ وہ جائز حکومت ہے۔ احمدیوں کا اس کا ساتھ دینا جائز ہی نہیں پسندیدہ ہوگا۔ مگر یہ فعل انڈونیشین کا ہوگا خلاف حکمت''۔(۱)

ہندوستان میں عوام نے انڈونیشی محبان وطن کی بھرپور حمایت کی۔ ہندوستان میں بڑے عوامی اجتماعات منعقد ہوئے۔ ڈچ سامراج کی حمایت کے لیئے ہند کی برطانوی افواج کے استعمال کے برطانوی فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیا۔ پچیس اکتوبر ۱۹۴۶ء کو پورے ہندوستان میں وسیع پیمانے پر ''یوم انڈونیشیا'' منایا گیا۔ ہندوستانی قلیوں نے انڈونیشیاء کو لے جانے والے عسکری سازوسامان کو بحری جہازوں پر لادنے سے انکار کر دیا۔ ''رائل انڈین نیوی'' کے ملاحوں نے بمبئی میں بغاوت کر دی اور انڈونیشیاء سے انگریزی ہندی دستوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۴۷ء کے وسط میں برطانوی دستوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ انڈونیشیاء سے پسپائی اختیار کریں۔

حبشہ

اگست ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر نذیر احمد کو احمدی مبلغ کے طور پر حبشہ بھجوایا گیا۔ ان دنوں اطالیہ اور حبشہ کے مابین جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ قادیانی آلہ ءکار نے تبلیغی مشن کے نام سے ایک احمدی مرکز قائم کر لیا اور وہاں روایتی چالبازی سے قادیانیت کا پرچار شروع کر دیا۔ مئی ۱۹۳۶ء میں اطالیہ نے حبشہ پر قبضہ کر لیا اور شاہ ہیلسالاسی برطانیہ فرار ہو گیا۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں ڈاکٹر نذیر احمد بھی مشرق وسطیٰ کی طرف بھاگ گیا

۱۔ الفضل قادیان 25 فروری 1946ء۔

اور فلسطین جا پہنچا جہاں ایک زبردست صیہونی مخالف تحریک حضرت مفتی امین الحسینیؒ کی زیر قیادت چل رہی تھی۔

۱۹۴۰ء میں وہ مکہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور پھر قادیان جا پہنچا۔ جنگ کے زمانے میں مرزا محمود احمد نے اسے دوبارہ حبشہ اور عدن کی طرف روانہ کیا جو ان دنوں زبردست برطانیہ مخالف تحریک کے چنگل میں تھا۔ عربوں نے اس برطانوی جاسوس کا جلد ہی کھوج نکال لیا اور اس کی ملک بدری کا مطالبہ کر دیا۔ ایک دفعہ عربوں اور صومالیوں نے اس کی ''مسجد'' پر چھاپہ مارا تا کہ اس کا قصہ تمام کیا جا سکے۔ مگر سی آئی ڈی نے اسے بچا لیا۔ تاریخ احمدیت میں اس کے بارے میں یوں درج ہے۔

> ''ایک دن عربوں اور صومالیوں نے مسجد کو گھیرے میں لے لیا تا کہ خاکسار (ڈاکٹر نذیر) کو کالعدم کر دیا جائے۔ اسی اثناء میں سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک آدمی میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور انگریزی میں کہنے لگا۔ ''ہم کو حکم ہوا ہے کہ آپ کو گھر سلامتی کے ساتھ پہرے کے اندر پہنچا دیں کیونکہ پبلک مسجد کے اندر اور باہر ڈنڈے اور چاقو لیئے کھڑی ہے۔ ان کی نیت آج آپ کے متعلق خطرناک ہے''۔ میں نے کہا گورنمنٹ کی حکم عدولی میں نہیں کر سکتا۔ بہت اچھا''۔(۱)

عدن کے علماء نے گورنر کو قادیانی مبلغ کی خطرناک سرگرمیوں پر مشتمل کئی میمورنڈم ارسال کیئے اور اس کو فی الفور ملک سے نکالنے کا مطالبہ کیا۔

مشرقی یورپ

مشرقی یورپ کے ممالک میں قادیانیوں نے خصوصی کام سرانجام دیئے۔ ہٹلر کی یورپ کے بارے جنگی حکمت عملی اور جرمنی میں نازی اقتدار سے تمام صیہونیت نواز ممالک پریشان تھے۔ مشرقی یورپ کے ملکوں میں قادیانی مشن ۱۹۳۵ء سے ہی سرگرم عمل تھے۔ جنوری ۱۹۳۶ء میں مرزا محمود نے احمد خان ایاز کو بڈاپسٹ (ہنگری) بھیجا۔ وہاں وہ

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 264۔

پینتیس افراد کو مرتد بنانے میں کامیاب ہوگیا۔(۱) وہاں اس نے برطانوی عناصر کی مدد سے بڈاپسٹ، میں ابتری پیدا کرنے والے رجعت پسند اور باغی عناصر سے ساز باز کر لی۔

فروری ۱۹۳۷ء میں مرزا محمود نے ابراہیم ناصر کو ہنگری مشن کی ذمہ داری سنبھالنے کا حکم دیا اور ایاز کو ہدایت کی کہ وہ پولینڈ چلا جائے۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے یہ فیصلہ مفتی اعظم پولینڈ کی اس درخواست پر کیا تھا جو مفتی اعظم پولینڈ ڈاکٹر یعقوب شنکفتاک نے اپنے دورہ ہندوستان میں ان سے ملاقات کے دوران کی۔ (۲) پہلے ابراہیم ناصر کو امریکی مشن کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیئے کہا گیا تھا مگر حکومت امریکہ نے چند غیر واضح وجوہات کی بناء پر اس کا امریکہ میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ ناصر نے ہنگری میں اپنے کام کو وسیع پیمانے پر چلانے کیلئے خوب برطانوی امداد وصول کی۔ وہ نومبر ۱۹۳۸ء میں قادیان واپس آ گیا۔

جب اپریل ۱۹۴۶ء میں ایاز نے ہنگری سے آ کر پولینڈ میں اپنا کام شروع کیا تو پولینڈ کی خفیہ پولیس نے اسے خفیہ جاسوس پا کر اس کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنا شروع کر دی۔ جونہی اس کی مدت اقامت ختم ہوئی۔ اس کے قیام میں مزید توسیع سے انکار کر دیا گیا۔ اس نے اپنے مدت قیام میں اضافے کی سرتوڑ کوشش کی مگر حکومت پولینڈ نے توسیع دینے سے انکار کرتے ہوئے اسے فوراً ملک چھوڑ جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں وہاں مرکز قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ وارسا کی خفیہ تنظیم نے جو (STB) کہلاتی تھی اسے جلد از جلد ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

البانیہ اور یوگوسلاویہ

اپریل ۱۹۳۶ء سے ہی قادیانی آلہ ء کار البانیہ اور یوگوسلاویہ میں اپنے مراکز چلا رہے تھے۔ جب محمد دین کو قادیان سے البانیہ روانہ کیا گیا اس وقت وہاں شدید

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 242۔

۲۔ ایضاً۔

ابتری کی صورت تھی اور احمد زوغو بے کی حکومت کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ سیاسی ضروریات کے تحت محمد دین نے جہاد مخالف لٹریچر تیار کر کے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا اور برطانوی سامراج کے ترانے الاپنے لگا۔ البانیہ کے مسلمان رہنما اس کی ان حرکتوں پر چوکنے ہو گئے۔ اسے ایک برطانوی جاسوس سمجھ کر البانیہ سے نکال دیا گیا۔ قادیان نے اسے بلغراد جانے کا حکم دے دیا جہاں پہلے ہی ایک برطانوی جاسوس شریف دوتسا سامراجی مقصد کی تکمیل کے لیئے سرگرم عمل تھا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں انہوں نے البانیہ کے نزدیک کسووا میں ایک مرکز قائم کیا۔ کسووا ان دنوں انتظامی طور پر یوگوسلاویہ کے ماتحت تھا۔ یوگوسلاویہ کے خفیہ محکمہ نے قادیانی آلہ ء کاروں کی سرگرمیوں پر شک کرتے ہوئے پانچ جون ۱۹۳۸ء کو محمد دین کو ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا۔(۱) وہ وہاں سے بلغاریہ اور پھر اٹلی چلا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ مصر پہنچا اور مارچ ۱۹۴۱ء میں واپس قادیان لوٹ گیا۔ تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔

> ''مولوی محمد دین حضرت خلیفۃ المسیح ثانی (مرزا محمود) کی آواز پر ۱۹۳۵ء میں البانیہ گئے جہاں کے فرمانروا احمد زوغو اور علاقے سرحدی پٹھانوں کی مانند تھے۔ ۱۹۳۶ء میں لوگوں نے پولیس میں رپورٹ کر دی کہ نووارد جہاد سیف کا قائل نہیں اور لوگوں میں اس کے خلاف خیالات کا اظہار کرتا ہے''۔ اچانک ایک روز پولیس نے مولوی صاحب کو ہمراہ لے کر طویل گفتگو کی اور نقل و حرکت پر پابندی لگا دی اور کہا کہ افسران بالا کے احکام کا انتظار کریں۔ چند دنوں بعد پولیس نے مولوی صاحب کو البانیہ سے یوگوسلاویہ کی سرحد میں داخل کر دیا۔ آپ مرکز کی ہدایت پر البانیہ اور یوگوسلاویہ کے خط فاصل کے علاقے میں تبلیغ کرتے رہے۔ ہنگری کے شریف دوتسا کے مشورے سے ایک شخص سے شراکت کر کے چائے کی دکان کھول لی جو تبلیغی اڈے کے طور پر استعمال کی گئی۔ شریف دوتسا بلگراد میونسپل کمیٹی کے ممبر تھے اور ان کا چھوٹا بھائی فوج میں لیفٹیننٹ تھا''۔ (۲)

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 310۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 317۔

قادیانی مولف مزید لکھتا ہے کہ

''حالات نے یکدم یوں پلٹا کھایا کہ البانیہ کی پولیس کے کاغذ بلگراڈ پولیس کے پاس پہنچ گئے۔ مولوی صاحب اس وقت مرکز سے باہر تھے۔ پولیس کے شبہ کو تقویت کی گنجائش نکل آئی اور انہوں نے بار بار چکر لگانے شروع کیئے اور آخرکار گرفتار کر کے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر بلغراد سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شریف دوتسا اور اس کا بھائی اس سیاسی معاملہ میں کچھ مدد نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ان کو الگ رہنے کی ہدایت کی۔(۱) اور صرف یہ کہا۔ ''اگر آپ میرے شریک کار سے میری رقم نکلوا دیں تو سفر کی آسانی رہے گی''۔ ہوا یہ کہ وہ شخص پولیس کی آمد دیکھ کر سب کچھ فروخت کر کے دکان بند کر کے بھاگ گیا۔ پولیس نے مولوی صاحب کو یونان کی سرحد میں داخل کر دیا جہاں سے وہ اٹلی میں ملک محمد شریف کے پاس چلے گئے۔

شریف دوتسا کو جولائی ۱۹۳۶ء میں البانیہ کی کمیونسٹ حکومت نے ان کے خاندان سمیت قتل کرا دیا۔ البتہ اس کا لڑکا بہرام بعض قادیانی فوجیوں کی مدد سے سامراجی غلبہ و تسلط کے قیام کے لیئے البانوی حکومت سے برسرپیکار رہا۔ اس کا ذکر مرزا محمود نے ایک خطبہ میں کیا''۔(۲)

ہسپانیہ

تحریک جدید کے منصوبے کے تحت فروری ۱۹۳۶ء میں محمد شریف گجراتی ہسپانیہ روانہ ہوا۔ ہسپانیہ میں ان دنوں ابتری پھیلی ہوئی تھی اور اطالوی، جرمنی اور برطانوی قوتیں خانہ جنگی میں ملوث تھیں۔ جنرل فرانکو حکومت کے حصول کے لیئے کوشاں تھا۔ تاریخ احمدیت کہتی ہے۔

''حالات زیادہ مخدوش ہو گئے تو برطانوی سفیر میڈرڈ نے آپ کو سفارت خانہ بلایا

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 12 جولائی 1946ء۔

۳۔ تاریخ جلد VIII ص 293۔

اور برٹش رعایا کے ساتھ آپ کو بھی حکما دارالحکومت میڈرڈ سے لندن بھجوایا"۔(۳) ایک ہفتہ لندن گزارنے اور تازہ ہدایات حاصل کر کے ملک شریف جبرالٹر روانہ ہوئے۔ جہاں حکومت کی خاص پابندیوں کے باعث اسی جہاز میں فرانس کی ایک بندرگاہ میں اترے۔ آپ نے مرزا محمود سے قادیان رابطہ قائم کیا۔ مرزا صاحب نے حکم دیا کہ اٹلی چلے جائیں۔ سپین میں قادیانی مبلغ نے میڈرڈ بار ایسوسی ایشن کے صدر کو قادیانی بنایا اور ان کا نام کونٹ غلام احمد رکھا۔ قادیانی کونٹ نے ایک طویل عرصہ تک کمیونسٹوں کی تحریکات پر نظر رکھی اور برطانوی سفارت خانے کے آلہ کار کے طور پر کام کیا اور پھر سپین سے فرار ہو کر البانیہ چلا گیا"۔(۱)

قادیانی مبلغ ملک شریف لکھتا ہے۔

"کونٹ غلام احمد کو سپین سے نکلنا پڑا۔ عرصہ کے بعد البانیہ پہنچے جہاں اپنی عمر کا باقی ماندہ حصہ بسر کر کے عین اس وقت آپ کی وفات ہوئی جبکہ میں جنگ عالمگیر ثانی کے دوران دشمن کے قیدی کیمپوں میں بے کسی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ آپ کی اہلیہ آمنہ کو میڈرڈ پولیس نے گرفتار کر کے ہر روز ڈراؤ دھمکاؤ کے ساتھ گولی سے اڑا دینے کی دھمکیاں دیں اور یہی بتایا جاتا رہا کہ اگلی صبح آپ کو گولی مار کر اڑا دیا جائے گا"۔

اطالیہ

جنگ عظیم کے دوران قادیانی مبلغ اپنی شرمناک سرگرمیوں کے باعث اٹلی کی قید میں رہا۔ جب اتحادیوں کو فتح حاصل ہوئی اور ان کی افواج اٹلی کے شہر فلارنس میں داخل ہوئیں تو مبلغ مذکور نے ایک ہندوستانی کمانڈر سے رابطہ پیدا کر کے رہائی حاصل کی۔ اس کی قادیانی بیوی سلیمہ خاتون بھی قید میں تھی۔ اسے بھی رہا کر دیا گیا۔ بعد میں دونوں انڈین آرمی ایجوکیشن کے تحت فلارنس یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے۔

قادیانی مبلغ اپنی خدمات اور کارکردگی کی بدولت اٹلی میں کام کرنے والے

۱۔ تاریخ جلد VIII ص 293۔

اتحادی کمیشن کے ساتھ اپریل ۱۹۴۷ء تک کام کرتا رہا۔ اس دوران مرزا محمود نے دو نئے مجاہد مسٹر محمد ابراہیم خلیل اور مولوی محمد عثمان اٹلی روانہ کیئے اور ملک شریف کو دوبارہ اٹلی کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ یہ دو ''مجاہد'' سسلی کے مخصوص سیاسی حالات کے باعث میسینہ (Massina) بھیجے گئے۔ لیکن وہاں کی حکومت نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر انہیں ملک چھوڑ دینے کا حکم دیا۔(۱) بعدازاں اس حکم کو مقامی حکام اعلیٰ سے مل کر منسوخ کرالیا گیا اور جلد ہی اٹلی مشن بند کر دیا گیا۔

قادیانی مبلغ کی ایک رپورٹ ملاحظہ کریں جس سے حقیقت تبلیغ آشکارا ہوتی ہے۔ ناظم تحریک جدید کو اٹلی سے لکھتا ہے کہ عیسائی فرقے سینما کے ذریعے تبلیغ کرتے ہیں۔

> ''میرا ارادہ ہے کہ تحریری تقریری اور نمائشی ذرائع سے احمدیت کی تبلیغ کی جائے۔ زمانہ گزشتہ کے مذاہب اور ان کے لیڈرز تمام نمائش میں آجائیں۔ (سینما کے رنگ میں معلوم ہوتا ہے) تحفہ پرنس آف ویلز پڑھنے پر مجھے ایک کتاب فلم کے اصول پر لکھنے کا خیال ہے۔ اس کا نام "British Empire Forever" (برطانوی حکومت ہمیشہ کے لیے) ہوگا۔ اس میں حکومت انگلشیہ کی رعایت کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بین الاقوامی تمدن اور اخلاق صرف احمدیت کی پیروی میں ہے''۔(۲)

خفیہ پولیس کی نگرانی

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ مارچ ۱۹۳۶ء میں سپین کا قادیانی مشن بند ہو چکا تھا اور مبلغ سپین ملک محمد شریف گجراتی اٹلی میں مقیم تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مرزا محمود نے لندن سے وسط ۱۹۴۶ء میں تحریک جدید کے دو مبلغ مولوی کرم الٰہی ظفر اور مولوی محمد اسحاق کو سپین کے دارالحکومت میڈرڈ روانہ کیا تاکہ اس مشن کو دوبارہ کھولیں لیکن یہ مشن خاص پولیس کی نگرانی میں کام کرتا رہا۔ مولف تاریخ احمدیت لکھتا ہے:۔

۱۔ ایضاً۔

۲۔ تاریخ جلد 8 ص 299۔

> ''۱۹۴۵ء میں جرمنی کی شکست کے بعد جب بین الاقوامی سیاست نے پلٹا کھایا تو اس ملک (سپین) کی خارجہ پالیسی میں کسی قدر لچک پیدا ہوگئی اوراس نے اسلام کے نام سے انتہائی نفرت کے باوجود شام' شرق اردن' سعودی عرب اور ترکی وغیرہ مسلم ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کر لیئے اس طرح خدا کے فضل وکرم سے اگر چہ مبلغین احمدیت کو بھی سپین میں داخلہ کی اجازت مل گئی مگر خفیہ پولیس مشن کی خاص نگرانی پر متعین کر دی گئی''۔

امریکہ

جنگ عظیم اول سے قبل مشرق قریب کے کئی مسلمان امریکہ چلے گئے اور وہاں نیو یارک' بوسٹن' فلاڈلفیا' پیٹسبرگ' ڈیٹرائٹ' شکاگو' ملواکی' سینٹ لوئی' سان فرانسسکو اور لاس اینجلس جیسے بڑے کاروباری مراکز میں قیام پذیر ہوگئے۔ پہلا قادیانی مرکز ڈیٹرائٹ کے نواح میں ہائی لینڈ پارک میں قائم کیا گیا جہاں امریکہ کی کل مسلمان آبادی تقریباً پچاس ہزار سے زائد تھی۔ ڈیٹرائٹ میں سات سے آٹھ ہزار مسلمان قیام پذیر تھے۔ وہ وہاں فورڈ موٹر کمپنی میں ملازم تھے۔ اخبار ''مسلم ورلڈ'' لکھتا ہے۔

> ''ایک امیر کبیر محمد قاروب نامی شخص نے مسجد تعمیر کی اور اسے اگست ۱۹۲۱ء میں ڈیٹرائٹ مشی گن میں عبادت کیلئے کھول دیا۔ شمالی امریکہ میں مسلمانوں کے لیئے یہ واحد عبادت گاہ تھی اور مغربی دنیا میں اسلام کی علامت تھی۔ یہ عرب مصر سے مفلسی کی حالت میں ڈیٹرائٹ آیا تھا۔ اس نے موٹریں بنانے کے کارخانے میں مزدوری کی اور زمینوں کی خرید وفروخت میں سرمایہ لگایا۔ اس طرح اس نے کافی سرمایہ اکٹھا کر لیا۔ بدقسمتی سے چند ماہ بعد ہی ایسا نظر آنے لگا کہ مسجد کو یا تو بند کرنا پڑے گا یا مسمار کرنا پڑے گا جس کی وجہ مسلمانوں کی صفوں میں افتراق اور مسجد کے معاملات میں ان کی عدم دلچسپی تھی۔ مسٹر قاروب نے یہ تجویز پیش کی کہ عمارت کو زمین بوس کر کے اس کی زمین کو فروخت کر دیا جائے۔ اس نے اس کی تعمیر میں تقریباً پچپن ہزار ڈالر خرچ کیئے تھے۔ ہائی لینڈ پارک نے اس جگہ کو اپنے ٹیکس کے تخمینہ میں لے کر مسٹر قاروب کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس مسجد پر

ٹیکس ادا کریں کیونکہ شہر کے ٹیکس حکام نے یہ دلیل دی کہ یہ ایک خالی جگہ ہے اور عبادت کیلئے استعمال نہیں ہو رہی۔

قاروب نے مسجد کے لیئے ایک منصوبہ تیار کیا جو سات جون ۱۹۲۱ء کو پایہء تکمیل کو پہنچا۔ جس پر عظیم الشان تقریبات منعقد ہوئیں۔ جن کا اہتمام مفتی محمد صادق قادیانی' اور دو مقامی مسلمانوں خلیل بزی اور معمار مسجد کے بھائی حسن قاروب نے کیا تھا"۔

مرزا محمود نے مفتی محمد صادق کو جنوری ۱۹۲۰ء میں امریکہ روانہ کیا تھا۔ امریکی محکمہ تارکین وطن نے اسے کچھ وقت کے لیئے اس بناء پر حراست میں رکھا کہ وہ ایک ایسے مذہب کا پیروکار تھا جو تعدد ازواج کو جائز قرار دیتا ہے۔ وہ شکاگو میں قیام پذیر ہو گیا۔ "مسلم ورلڈ" مزید لکھتا ہے۔

"قاروب اپنے اخراجات پر مفتی محمد صادق کو ڈیٹرائٹ لایا جہاں اس نے قادیانی عقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت محمد ﷺ عظیم پیغمبر ہیں۔ آخری پیغمبر نہیں۔ قادیانی مبلغ نے یہ درس دیا کہ قادیان کا پیغمبر "احمد" مسیح موعود' مہدی اور وقت کا مصلح ہے۔ اس نے یہاں اپنے مقصد کو یوں ظاہر کیا کہ وہ یہودیوں' عیسائیوں اور دیگر تمام لوگوں کو دائرہ احمدیت میں داخل کرنا چاہتا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے احمدی عقائد کی سختی سے تردید کی جس کی بناء پر یہ عبادت گاہ بدنام ہو گئی۔ مفتی صادق نے اپنے متبعین سے اجازت لی اور شکاگو جا کر اپنے عقائد کا پرچار شروع کر دیا۔

مسٹر قاروب نے مسجد کے گرانے کے اپنے منصوبے کا اظہار نہایت بددلی سے کیا۔ وہ اس بات سے مایوس تھا کہ اس میں کوئی بھی عبادت کے لیئے نہ آتا تھا۔ آخرکار اس نے عمارت کو گرانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اسے بے ہودہ کاموں کے لیئے استعمال میں نہ لایا جا سکے۔ کیونکہ عمارت تو خدا کی عبادت کے لیئے مخصوص تھی۔ قاروب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ (احمدی) ہم سے حضور ﷺ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو یہ ان کا اپنا معاملہ

اور حق ہے۔ میں تو ضمیر کی آزادی پر مکمل یقین رکھتا ہوں"۔ (۱)

جب تفرقہ بازوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ "مسجد کی جگہ پر ہمیشہ مسجد ہی ہوگی" اور معاملہ کو عدالتوں میں لے گئے تو مسجد شہر ڈیٹرائٹ کی بلدیہ کو فروخت کر دی گئی تا کہ وہاں ایک تفریحی مرکز قائم کیا جا سکے۔ اسی دوران قادیانیوں نے شکاگو میں ایک رہائشی گھر کو مسجد میں تبدیل کر کے چھوٹے سپیکر میں اذان دے دی۔ ارتداد کی مہم میں صرف حبشیوں کو پھانسا گیا۔ ایک سہ ماہی رسالہ "دی مسلم سن رائز" پہلے ڈیٹرائٹ اور بعد ازاں شکاگو سے شروع کیا گیا۔ جب غیر یقینی کی فضا ختم ہوگئی (۲) تو ۱۹۲۳ء میں مفتی واپس قادیان چلا گیا۔ اس رسالے کو چھ سال کے تعطل کے بعد قدرے باقاعدگی سے دوبارہ جاری کیا گیا۔ طباعت کا بیڑہ نئے قادیانی مبلغ صوفی، ایم۔ آر بنگالی نے اٹھایا۔ (۳)

مشرق وسطیٰ

اگرچہ مشرق وسطیٰ خصوصاً شمالی افریقہ دوسری جنگ کا بڑا مرکز تھا لیکن عرب اس میں براہ راست ملوث نہ تھے۔ جو عالمی طاقتیں جنگ میں ملوث تھیں وہ عربوں کے حریت پسندانہ جذبات سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں۔ سوائے اس تھوڑی سی حد تک کہ وہ ان کی جنگی کوششوں کو روکتی یا ان میں رکاوٹ ڈالتی تھیں۔ جب جنگ چھڑ گئی تو "جیوئش ایجنسی کی ایگزیکٹو" نے انقلابی قوتوں پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ صیہونی اپنے جھنڈے اور نام کے ساتھ برطانیہ کی مدد۔ کے لیئے ایک لڑاکا فوج بنانا چاہتے ہیں جس کی منظوری دی جائے۔ صیہونی اس طرح اپنی قوت کے بل بوتے پر عربوں سے متعلق اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انگریزوں نے ایک یہودی بریگیڈ کے قیام کے لیئے رضامندی ظاہر کر دی مگر عربوں کے خوف کی وجہ سے انہیں علیحدہ جھنڈے کی اجازت نہ دی۔

۱۔ دی مسلم ورلڈ۔ جنوری 1922ء۔

۲۔ دی مسلم ورلڈ۔ اکتوبر 1926ء۔

۳۔ See Charles S Braden, Islam in America International Review of Missions, New York, 1959 P 309-317

ڈیوڈ اور جان کمچے نے اپنی کتاب ''خفیہ راستوں'' میں لکھا۔

> ''یہودی جاسوس نازی جرمنی میں جرمن یہودیوں کو نہیں بچانے آئے تھے۔ وہ تو ان نوجوان مردوں اور عورتوں کی تلاش میں تھے جو فلسطین جانا چاہتے تھے اور جا کر جدوجہد کے پیش رو بننے اور اس کے لیئے لڑنے کیلئے تیار تھے''۔(۱)

صیہونی دہشت گردوں نے اسلحہ اسمگل کیا اور عربوں کی آبادیوں پر حملے کیئے۔ انہوں نے معصوم عربوں کو قتل کیا اور فلسطین میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران بہت سے قوم پرست گروہوں نے اتحادیوں کی شکست اور محوری قوتوں کی فتح کی امید لگا رکھی تھی۔ مفتی اعظم فلسطین فرانس کے زیر اقتدار لبنان میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ برطانیہ نے مفتی صاحب کی گرفتاری کے لیئے اپنا سیاسی دباؤ ڈالا۔ فرانس متفق ہو گیا مگر مفتی صاحب عراق کی طرف بچ نکلے۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں وہ بطور سیاسی پناہ گزین بغداد پہنچے۔ برطانیہ نے ان کی ''عرب ہائر کمیٹی'' کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا کیونکہ وہ صیہونی اور برطانوی مخالف قوتوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

عراقی وزیراعظم نوری سعید برطانیہ کا بڑا حاشیہ بردار تھا۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں رشید علی گیلانی اور چار دوسرے فوجی افسران نے جنہیں ''سنہری چوکور'' کہا جاتا ہے نوری سعید کی غیر مقبول اور برطانیہ نواز سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور جنگ کے دوران ملک کو غیر جانبدار قرار دیا۔ رشید مفتی صاحب کا گہرا دوست تھا۔ برطانیہ جنگ میں بری طرح پھنس چکا تھا پھر بھی نومبر ۱۹۴۰ء میں اس نے عراقی وزیراعظم کے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا۔ ''سنہری چوکور'' نے دوبارہ فوجی انقلاب کے ذریعے رشید کو اقتدار دلا دیا اور نوری سعید اردن کی طرف بھاگ گیا۔

جب رشید کی کابینہ نے برطانوی دستوں کو بصرہ میں اترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تو برطانیہ نے مداخلت کی اور اس کی فوجوں نے عراق کا محاصرہ کر لیا۔

ا۔ وائی انانوف۔ Contious Tiolism صیہونیت ص 30

عراق میں قادیانی مرکز نے پوری تندہی سے اتحادیوں کے لیئے کام کیا۔ مفتی صاحب نے رشید کابینہ کے لیئے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔(۱) وہ دوسرے عرب ممالک سے بھی اس لیئے حمایت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمان نوری حکومت کے خاتمہ پر خوش تھے کیونکہ وہ برطانیہ کا حامی تھا اور رشید کے انقلاب پر راضی تھے۔ قادیانی پریس پہلے ہی رشید اور مفتی صاحب کے خلاف نفرت انگیز مہم شروع کر چکا تھا۔ مرزا محمود نے آل انڈیا ریڈیو پر ایک پیغام نشر کیا جس میں عرب ممالک میں برطانیہ مخالف فوجی انقلابات کی شدید مذمت کی اور ان کی روک تھام کی ضرورت پر زور دیا تا کہ مقامات مقدسہ کا تحفظ کیا جا سکے۔(۲)

اکیس مئی ۱۹۴۱ء کو عراق پر قبضہ ہو گیا۔ نئی عراق حکومت نے اتحادیوں سے تعاون کیا کیونکہ عراق ایران پر حملے کے لیئے بنیاد بن سکتا تھا۔ برطانوی آلہ ء کار اور ان کے خاص پٹھو قادیانی عراق میں مفتی صاحب کو گرفتار کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے۔ مفتی صاحب اپنی یادداشتوں میں یہ انکشاف کرتے ہیں کہ برطانوی جاسوسوں خصوصاً آدمانس جو کہ عراقی وزارت داخلہ میں برطانوی مشیر تھا نے انہیں گرفتار کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ یہودیوں کی دہشت گرد تنظیم ارغون کے سالار رازیل نے عراق میں آ کر آپ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں ناکام ہو گیا۔(۳) کرسٹوفر سائیکیز نے ڈاکٹر یہودا باور کی ذاتی یادداشتوں کے حوالے سے لکھا ہے۔

> ”اسی مہینے میں انہی خفیہ حکام (یہودی دہشت گرد تنظیموں) جن کو برطانوی فوج سے ممتاز کرنا مشکل تھا۔ انہوں نے ایک اور فلسطینی یہودی مہم کا آغاز کیا اور اس دفعہ یہودی تنظیم ہگانا کی طرف سے بھرتی نہ کی گئی بلکہ فیصلہ کن حد تک ناممکن تنظیم اسٹرل سے (جو کہ قومی عسکری تنظیم تھی) کی گئی تا کہ بغداد سے مفتی کو پکڑا جا سکے جہاں بیٹھ کر وہ رشید علی کی ابھرتی ہوئی قوت کی اعانت اور اس کے عروج کیلئے ہدایات دے رہا تھا۔ ۱۹۴۱ء کے

ا۔ کرسٹوفر سائیکیز کراس روڈ ٹو اسرائیل ص 229۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 9 ص 227۔

۳۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور 1974ء

> دوران ہگانا کے عملے نے جاسوسی اور خفیہ پروپیگنڈہ مہم کا بیڑہ اٹھایا۔ شام اور لبنان میں بعض اوقات برطانوی ہدایات پر اور بعض اوقات انگریزوں کی امداد سے ہگانا کے دفتر واقع حیفہ کے حکم سے ایسا کیا گیا۔ حیفہ دفتر کو عمانویل ویلنسکی اور ایک سابقہ راما پروفیسر ریشر چلا رہے تھے۔ ان دونوں کا تعلق حیفہ کے آفس تھا۔ جب جولائی ۱۹۴۱ء میں انگریزوں نے شام اور لبنان پر چڑھائی کی تو فوج کے بعد ایک ہگانا پلٹن نے بعد میں تباہیاں پھیر دیں"۔(۱)

۱۹۴۱ء میں مفتی صاحب ایران چلے گئے اور بعدازاں افغانستان کی دعوت پر وہ کابل میں قیام پذیر ہونا چاہتے تھے۔ مفتی صاحب حریت کے متوالے افغانوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ وہ افغان وزیر خارجہ فیض محمد خان کے سابقہ دوست تھے۔

برطانوی خفیہ محکمہ نے کئی جاسوسوں کو افغانستان بھجوایا تاکہ مفتی صاحب کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جاسکے۔ برطانوی مخالف افغانستان میں ان کی موجودگی اور قبائلی علاقے کے لوگوں کو بھڑکانے کی ان کی اہلیت نے ان کے لیئے کافی پریشانی پیدا کر دی۔ ولی اللہ اور اللہ دتہ کی ہدایات پر قادیانی جاسوس صوبہ سرحد پہنچ گئے۔ امیر جماعت احمدیہ سرحد قاضی محمد یوسف پشاوری نے ان تمام منصوبوں کی نگرانی کی۔ کابل میں برطانوی قونصل خانہ میں ایک بدنام قادیانی سفارتکاری کی آڑ میں کام کر رہا تھا۔ اس کا نام فضل کریم تھا۔ اس نے مفتی صاحب کو پکڑ کر برطانیہ کے حوالے کرنے کی سازش تیار کی۔ برطانوی حکومت آپ کو پکڑ کر جنگ کے دوران جیل میں رکھنا چاہتی تھی۔(۲) انگریزوں کا تیار کردہ منصوبہ بے نقاب ہو گیا اور مفتی صاحب اطالیہ چلے گئے۔

ظفر اللہ کا خطاب

جنگ کے دوران مشرق وسطیٰ میں امریکہ نے بڑا محتاط رویہ اختیار کیا۔ مئی

۱۔ وائکیز۔ ص 229۔

۲۔ سیارہ ڈائجسٹ۔ نومبر 1974ء کابل میں برطانوی قونصل خانے میں ہمیشہ ایک قادیانی جاسوس رہتا تھا۔ ملک مظفر احمد نے تیسری دہائی کے وسط میں قونصل خانہ میں کام کیا۔ اسکے حالات جاننے کے لئے ملاحظہ ہو قاضی محمد یوسف پشاوری۔ تاریخ احمدیہ سرحد 1959ء ص 203۔

۱۹۴۲ء میں امریکی صیہونی تنظیم نے بالٹی مور لائحہ عمل کا اعلان کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ فلسطین میں یہودیوں کی کھلے عام آبادی، فلسطین کی ایک یہودی ریاست میں تبدیلی، اور ایک یہودی فوج کے قیام پر کام کیا جائے۔

سر ظفر اللہ کا کہنا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران اسے لارڈ لٹن صدر فلسطین فوزینٹ کمپنی سے ملنے کا موقع ملا۔ اس نے رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل آفیئرز کے زیر اہتمام چیتھم ہاؤس لندن میں مسئلہ فلسطین پر تقریر کی۔ اس نے امید ظاہر کی کہ صیہونیوں اور عربوں کے درمیان ایک سمجھوتہ طے پا سکتا ہے جس کا اس نے خاکہ بھی پیش کیا۔ جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو ظفر اللہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بائبل کے ان کلمات کو قدرے تبدیل کر کے یوں پیش کیا کہ:۔

> ''جن کو خدا نے اکٹھا کیا ہے انسانوں کو انہیں جدا نہیں کرنا چاہیے''۔

کو اس طرح کہا کہ

> ''جن کو خدا نے جدا کیا ہے، انسان انہیں نہ ملائیں''۔

اس طرح اس نے مسئلہ فلسطین پر سنجیدہ بحث کے مواقع کو ختم کر دیا۔(1)

فلسطین میں سرگرمیاں

قادیانی رضا کاروں نے فلسطین میں یہودی دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ مل کر وارداتیں شروع کر دیں۔ انہوں نے برطانوی اور اتحادیوں کے حق میں لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تقسیم کی اور اپنی سرگرمیوں کو ایک نئے جذبے سے شروع کر دیا۔ فلسطین میں قادیانی مبلغ چوہدری شریف نے اپنی رپورٹ میں لکھا۔

> ''ماہ مئی میں حسب ہدایت نظامت دعوۃ و تبلیغ غیر مسلموں میں یوم تبلیغ منایا گیا۔ اس روز احباب کبابیر و حیفا کے حسب سابق وفود بنائے گئے اور فلسطین کے مندرجہ ذیل مشہور

۱۔ ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت۔ ص 470۔

> مقامات ناصرہ۔ یافا۔ تل ابیب، بیت المقدس، بیت اللحم، خلیل، حیفا، لصیہ، کفر کنا میں اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس موقع پر سات ہزار کے قریب مختلف اشتہارات و کتب تقسیم کیں...... جبل زیتون پر بھی وفات مسیحؑ کے متعلق ایک اجتماع میں گفتگو کی گئی...... اگرچہ ایک غنڈے (حریت پسند فلسطینی۔ مولف) نے وہاں شرارت کرنی چاہی مگر الحمد للہ کہ وہ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہو سکا۔
>
> آتے وقت خاکسار نے نابلس میں بھی قیام کیا اور دعوت حق پہنچائی۔ وہاں پر حال ہی میں دو نوجوانوں نے بیعت کی ہے۔ انہوں نے خاکسار کی دعوت اور اپنے دیگر اعزہ کو پیغام حق پہنچایا۔ اہالیان نابلس کی ذہنیت عجیب واقعہ ہوئی ہے۔ ثورہ میں فتنہ پردازی کا مرکزی نقطہ یہی شہر اور اس کے نواحی دیہات تھے۔ خاکسار کے آنے جانے کے بعد وہاں کے علماء کی طرف سے احمدی احباب کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دی گئیں اور اب بھی ان کی مخالفت زوروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احمدی احباب کا حافظ و ناصر ہو اور ان کو ہر قسم کے مکروہات سے محفوظ رکھے۔ الغرض یہ سفر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر لحاظ سے بہتر رہا"۔(۱)

دوسری جنگ عظیم کے دوران قادیانیوں کو مشرق وسطیٰ میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کی بناء پر قابل مذمت قرار دیا گیا۔ مرزا محمود نے ستمبر ۱۹۳۷ء میں محمد صادق امرتسری کو وہاں کے قادیانی مبلغ کی امداد کے لیئے بھیجا۔ وہ اکثر دمشق، قاہرہ، بغداد اور لبنان جاتا تھا۔ کئی مواقع پر اسے پاسپورٹ کے حصول میں بڑی دشواری پیش آئی۔ اسے بغداد سے اس وقت نکال دیا گیا جب وہ دیگر احمدیوں کے ہمراہ برطانیہ کے ہسپانوی فضائی مرکز میں قیام پذیر تھا۔(۲)

صادق امرتسری اپنی یادداشتوں میں تحریر کرتا ہے۔

> "ستمبر ۱۹۳۸ء میں وہ تیسری دفعہ دمشق گیا۔ تقریباً تین ہفتوں کے قیام کے بعد وزارت

۱۔ ورلڈ ہسٹری زیر لفظ سیکنڈ ورلڈ وار (تاریخ احمدیہ جلد 9 ص 392۔

۲۔ محمد صادق امرتسری۔ روح پرور یادیں لاہور 1931ء ص 135۔

> خارجہ دمشق نے اسے ایک ہفتے کے اندر اندر شام چھوڑنے کا حکم دیا۔ جماعت احمدیہ شام نے اپنی پوری کوشش کی کہ اسے فلسطین یا لبنان جانے کی اجازت مل جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ (1) عراقی سفارتخانے نے اسے سیاحتی اجازت دینے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ وہ اسے ایک سیاسی جاسوس سمجھتے تھے۔ تاہم وہ عراقی سفیر سے اس کی رہائش گاہ پر ملا اور ہندوستان جانے کیلئے ایک یوم کا سیاحتی اجازت نامہ حاصل کر لیا"۔

دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی دور میں مرزا محمود نے اسے لندن جانے کا حکم دیا۔ جہاں سے اس کی تعیناتی سیرالیون میں کر دی گئی۔ بہت سے شامی اور لبنانی عرب مغربی افریقہ میں قیام پذیر تھے۔ جنگ کے دوران ایک لبنانی مسلمان شامی سیاسی رہنما استاد موسیٰ الترابین ضرارا سیرالیون میں ایک پناہ گزین بن کر آئے۔ وہ فرانسیسی سامراج کے خلاف لبنانیوں کو اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بیک وقت احمدیت کے خلاف بھی تحریک شروع کر دی۔ حکومت سیرالیون نے ان کے خروج کے حکم جاری کر دیئے۔

احمدی ارتداد سے مسلمانوں کو بچانے کے لیئے انہوں نے عربی زبان میں ایک طویل نظم لکھی جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ پر شدید تنقید کی اور احمدیوں کو برطانوی جاسوس اور یہود نواز عناصر قرار دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس جماعت کی قیادت سے خبردار کیا جو اچھائی کے بھیس میں برائی کے بدترین نتائج کے حصول کے لیئے سرگرم عمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس جماعت کو یہودیوں نے قائم نہیں کیا تو پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہودی نواز اقوام ان کی پشت پر ضرور ہیں"۔ (۲)

ظفر اللہ کا دورہ فلسطین

دوسری جنگ عظیم کے اختتامی سالوں کے دوران ظفر اللہ فلسطین گیا۔ جنگ کا

۱۔ ایضاً۔

۲۔ محمد صادق امرتسری۔ روح پرور یادیں لاہور 1981ء ص 185۔

پانسہ اتحادیوں کے حق میں پلٹ چکا تھا اور صیہونیوں نے ایک آزاد اسرائیل کی ریاست کے قیام کا بڑے زور وشور سے مطالبہ کر دیا تھا۔ واپسی پر وہ دمشق رکا تا کہ بدنام زمانہ قادیانی جاسوس شیخ عبدالقادر المغربی کے ساتھ چند سیاسی معاملات پر گفتگو کر سکے۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اوائل میں وہ صیہونی رہنماؤں سے فلسطین میں ملا اور یہودی تنظیم کے صدر ڈاکٹر کوہن کے ساتھ طویل تبادلہ خیال کیا۔ وہ یروشلم کے ایڈن ہوٹل میں ٹھہرا۔ شام میں قادیانی مبلغ محی الدین حسنی نے کئی عرب رہنماؤں کو اکٹھا کیا اور انہیں لے کر ہوٹل میں ملاقات کیلئے آیا۔ چونکہ یہ جگہ غیر محفوظ متصور کی گئی تھی لہٰذا وہ فلسطین کے مسئلہ پر کھلی اور آزاد بحث کے لیئے "ولا روز میری ہوٹل" چلے گئے۔ جو عربوں کی ملکیت تھا۔ فلسطین کے ایک سرکردہ قانون دان ہنری قطان نے اسے عربوں کے نکتہ نگاہ سے آگاہ کیا۔⁽¹⁾

سر ظفر اللہ کہتا ہے

> "اسرائیلی سرگرمیوں کو دیکھ کر میرا تاثر یہ تھا کہ جس سرعت سے یہ لوگ اپنے پاؤں جما رہے ہیں، اس کا نتیجہ عربوں کی پسپائی ہوگا۔⁽²⁾

فلسطین سے واپسی پر اس نے مسئلہ فلسطین پر ینگ مین کرسچین ہال لاہور میں ایک تقریر کی۔ ستائیس جنوری ۱۹۴۶ء کو اس تقریب کا اہتمام احمدیہ بین الکلیاتی تنظیم نے کیا تھا جس کی صدارت ایف۔ سی کالج لاہور کے وائس پرنسپل ڈاکٹر ای۔ ڈی۔ لوکاس نے کی۔ ظفر اللہ نے جو کہ ان دنوں ہندوستان کی وفاقی عدالت کا جج بھی تھا۔ مسئلہ فلسطین کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی جس میں پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کے عربوں کو کیئے گئے وعدے، بالفور کا اعلان، یہودی آبادکاریاں اور قرطاس ابیض کی صیہونی مخالفت وغیرہ شامل تھے۔ اور اس بات پر زور دیا کہ یہودی فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ اس مقصد کے لیئے ان کی

۱۔ ہنری قطان یروشلم کے مکتب قانون میں استاد تھا۔ انہوں نے فلسطینی مسئلے پر کئی کتابیں لکھیں ان کی کتاب "یروشلم" لندن 1981ء بڑی دلچسپی کی حامل ہے۔

۲۔ سر ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت 489۔

پشت پناہی کر رہے ہیں کیونکہ یہودیوں نے ان ملکوں میں کافی سیاسی رسوخ اور ان کی معیشت پر قابو حاصل کر لیا ہے۔ ایک سیکرٹری آف سٹیٹ اور دو کابینہ کے وزراء کے علاوہ برطانوی دارالعوام کے پچیس ارکان یہودی ہیں۔ اس نے یہ دلیل بھی دی کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری روک بھی دی جائے تو بھی عربوں کو یہودیوں کی طرف سے سیاسی و معاشی خطرات لاحق رہیں گے۔(۱)

سر ظفر اللہ نے اس خطاب میں عربوں کے بارے برطانوی یا امریکی پالیسی پر تنقید نہیں کی۔ نہ ہی اس نے صیہونی خطرے کے مقابلے میں اس الجھے ہوئے مسئلہ کا کوئی حل پیش کیا۔ اس نے فلسطین میں صیہونیوں کے قدم جم جانے کی صورت میں اپنی جماعت کے روشن مستقبل کی نوید دی۔

سعودی عرب

ہم البانیہ اور بلغراد مشن کے سلسلے میں محمد دین قادیانی کے تبلیغی اور سیاسی کارناموں پر نظر ڈال چکے ہیں۔ اسے بلغراد سے نکالا گیا تو وہ ملک شریف کی مدد سے اطالیہ میں قیام پذیر ہو گیا۔ وہاں سے وہ مکہ کے لیئے روانہ ہوا اور ایک مکان کرایہ پر لے کر برطانوی قونصل خانے کی ہدایت پر اپنا کام شروع کر دیا۔ اس نے اپنی اصلیت ظاہر نہ کی اور کسی نہ کسی طرح شاہ سعود کا ہندی ترجمان بننے میں کامیاب ہو گیا۔(۲) اس نے قادیان کو کئی راز اونے پونے فراہم کیئے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ قادیانی بڑی مدت سے سعودی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ مہم چلائے ہوئے تھے کیونکہ شاہ سعود نے اپنے بیٹے شاہ فیصل (شہیدؒ) کو لندن مسجد کے افتتاح سے روک دیا تھا۔(۳) سعودی حکومت نے ہمیشہ قادیانیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی اور ان کی پوشیدہ عملی کارستانیوں کو پنپنے نہ دیا۔ ۱۹۲۹ء میں ایک سیاسی منصوبے کی تکمیل کے لیئے

۱۔ الفضل قادیان۔ 37 جنوری 1946ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 8 ص 313۔

۳۔ الفضل قادیان 23 مارچ 1935ء۔

مرزا محمود نے مولوی رحمت علی قادیانی کے ہمراہ پاڈانگ (سماٹرا) کے قادیانی جاسوس دامنگ داتو کو مکہ روانہ کیا۔ انہیں ارتداد کی تبلیغ اور سلطنت کے استحکام کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بناء پر گرفتار کرلیا گیا۔(۱) اس واقعہ کے بعد سعودی حکومت اور بھی چوکس ہوگئی۔

محمد دین شاہ سعود کے نزدیک تر ہونے کی کوششوں میں مصروف تھا لیکن ایک برطانوی جاسوس کے طور پر سعودی پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ تاریخ احمدیت میں مذکور ہے۔

> ''ایک روز کسی نے پولیس کو یہ اطلاع دے دی کہ ہندی اور عرب لوگ اکثر اس ہندی مولوی کے پاس آتے ہیں۔ یہ انگریزوں کا جاسوس معلوم ہوتا ہے' پھر کیا تھا پولیس نے فوراً مولوی صاحب کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا۔ یہ جیل حیوانوں کے لیئے بھی موزوں نہ تھی چہ جائیکہ اس میں انسانوں کی بسر اوقات ہوتی تھی...... ایک ہفتہ بعد ہندوستانی قونصل صاحب مقیم جدہ کی کوششوں سے رہائی حاصل ہوئی''۔(۲)

قادیان واپسی پر اسے کسی دیگر مقصد کے لیئے ڈربن (جنوبی افریقہ) بھیجا گیا۔ وہ ایک نیوی کے جاسوس جہاز میں جا رہا تھا کہ اسے جرمنی کی ایک تارپیڈو کشتی نے تباہ کر دیا۔

افریقہ

قادیانی افریقہ میں پہلی جنگ عظیم کے دوران اپنے سامراجی آقاؤں کی خدمت کے لیئے پہنچے۔ ابتداء میں وہ مشرقی افریقہ میں اپنے عقیدے کا پرچار محدود پیمانے پر کرتے تھے۔ برطانوی سامراجیوں نے انہیں افریقہ میں پاؤں جمانے کیلئے ہر ممکن امداد فراہم کی۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' قادیان ایک قادیانی مبلغ فضل دین کی

۱۔ الفضل قادیان 16 دسمبر 1937ء

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 8 ص 313۔

رپورٹ درج کرتا ہے۔ جو پیشے کے لحاظ سے ایک جانوروں کے ڈاکٹر کا معاون تھا اور پہلی جنگ عظیم کے دوران کمپالا (یوگنڈا) میں قیام پذیر تھا۔

> ''جنگ میں کام کرنے والے احمدی قادیان کے پیغام کو عیسائی یورپ تک پہنچانے کی اپنی سی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی یہی معاملہ ہے۔ بھائی فضل دین جو کہ معالج حیوانات کا معاون ہے نے کمپالا (یوگنڈا) سے لکھا ہے ''عیدالفطر کے موقع پر تقریباً چار ہزار عرب اور سہالی مرد وزن اکٹھے ہو گئے۔ میں نے مجمع کو قادیان چندہ بھیجنے کی درخواست کی۔ مجمع نے بڑی فراخ دلی سے میری استدعا کا جواب دیا۔ مجھے یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ حکومت نے بڑی مسرت سے ''مسجد'' کی تعمیر کے لیئے ایک قطعہ اراضی عطا کر دیا ہے اور چار ہزار ایکڑ کا ایک اضافی قطعہ بھی دیا ہے کہ مسجد کے دیگر اخراجات پورے کیئے جا سکیں۔ جب مسجد مکمل ہو جائے گی تو ایک امام کا بھی تقرر کر دیا جائے گا''۔(۱)

۱۹۲۱ء میں عبدالرحیم نیر لندن سے نائیجریا چلا گیا تا کہ وہاں ایک مرکز قائم کیا جا سکے۔ احمدیہ مرکز کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ''کیمبرج ہسٹری آف انڈیا'' میں مذکور ہے کہ یہ برطانیہ کی مدد سے افریقہ میں قائم کیا گیا۔

> ''مغربی افریقہ کے ساحلوں پر احمدیہ فرقہ پہلی بار پہلی جنگ عظیم کے موقع پر لاگوس پہنچے۔ جہاں لاگوس اور فری ٹاؤن کے کئی نوجوانوں تک بذریعہ خطوط رسائی حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں پہلی بار ہندوستانی مبلغ وہاں پہنچا۔ اگر چہ یہ لوگ کسی عقیدے کا پرچار نہیں کر سکے لیکن ان کا ارادہ مسلم آبادی کے اندرونی علاقوں میں قدم جمانا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر جنوبی نائیجریا' جنوبی گولڈ کوسٹ اور سیرالیون ہی میں سرگرم عمل رہے۔ ان لوگوں نے ان مسلمانوں کے دستوں کو مضبوط کیا جو کہ مملکت برطانیہ کے حد درجہ وفادار تھے وہ ان اسلامی تنظیموں کو علاقوں میں اسلام کے جدید تقاضوں سے ہمکنار کرتے رہے۔ مگر اس کے ارکان کی تعداد تھوڑی ہی رہی اور اندرونی افتراق کی وجہ سے ان کی موثر قوت نہ ابھر

۱۔ دی مسلم ورلڈ۔ ستمبر 1916ء۔

> سکی۔ ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے اندر جدید مغربی علوم متعارف کرائے۔ انہوں نے "امامت" کی حیثیت اور "آئین کی ضرورت" پر بھی دلائل مہیا کیئے۔ انہوں نے "مالیات" میں بھی نظم وضبط پیدا کیا۔ مثلاً انہوں نے پرتکلف تقاریب پر پابندی لگائی اور مرد و زن کے اختلاط کی پرانی بدعقیدگی سے بھی ٹکراؤ مول لیا"۔(۱)

افریقہ کی برطانوی نوآبادیوں میں قادیانی مراکز پھلتے پھولتے رہے۔ بریگیڈیئر گلزار کا کہنا ہے کہ قادیانی مشن صرف انہیں علاقوں میں پروان چڑھے جو برطانوی نوآبادی حکومت کے علاقوں میں واقع ہے۔(۲)

جے۔ پی ٹرنگھم اپنی کتاب "افریقہ میں اسلام" میں بیان کرتا ہے کہ افریقہ میں قادیانی مبلغوں کو برطانیہ کی سرپرستی حاصل تھی۔(۳)

۱۔ (دی کیمبرج ہسٹری آف اسلام۔ جلد 2 متعین کردہ پی۔ ایم۔ ہولٹ۔ اے این کے ایس لیمبٹن اور برنارڈ لیوس، کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ لندن 970 صفحہ 400۔

۲۔ (بریگیڈیئر گلزار احمد تذکرہ افریقہ۔ صفحہ 28۔

۳۔ (اردو ڈائجسٹ لاہور۔ جولائی 1974ء

چودھواں باب

قادیانی اور تحریک پاکستان

جنگ عظیم کی حمایت

دوسری جنگ عظیم چھڑنے کے ساتھ ہی مرزا محمود نے انگریزوں کو احمدیہ جماعت کی بھرپور مدد کا یقین دلایا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ برطانیہ کی فتح کے لیئے دعا کریں اور ان کے ''منصفانہ اور شاندار'' راج پر اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ نہ تو جرمن نہ ہی روسی احمدیوں کے لیئے اتنا دست تعاون بڑھا سکتے تھے جتنا کہ انگریزوں نے بڑھایا۔ اگر احمدیوں کو اپنے لیئے حکمرانوں کا انتخاب کرنا پڑے اور ان میں عقل ہو تو وہ انگریزوں کا ہی انتخاب کریں گے۔ انہوں نے کانگریس کو نصیحت کی کہ جنگ کے دوران وہ برطانیہ کی بھرپور مدد کریں کیونکہ وہ ''سامراجی مقاصد کی خاطر ہندوستانی ذرائع کے استعمال'' کی مخالفت کر رہے تھے۔ انہیں برطانیہ کی مدد کرنی چاہیئے' چاہے وہ برے ہیں یا اچھے۔ اگر ہندوستانی ان کی مدد نہیں کریں گے تو نہ صرف وہ اپنے آپ کو شدید مشکلات میں مبتلا کر لیں گے بلکہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس کا خمیازہ بھگتیں گی۔ (۱)

مسلم لیگ نے حکومت کی مشروط مدد کی۔ اٹھارہ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک قرارداد منظور کی گئی کہ ''مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت'' مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر ہندوستان میں کوئی آئینی اصلاح نہیں کی جائے گی''۔ اس شرط پر حکومت کی مدد کی جائے گی۔

الفاروق۔ قادیان 14 ستمبر 1931ء۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں مرزا محمود نے اپنی خلافت کے پچیس سال پورے کر لیئے۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں ''خلافت جوبلی تقریبات'' کے موقع پر انہوں نے اعلان کیا۔

> ''یہ کوئی معمولی جنگ نہیں ہے، ہماری جماعت اس سے متاثر ہوگی۔ انہیں برطانیہ کو ہر ممکن مدد فراہم کرنی چاہیئے''۔ ہر احمدی جماعت سے ایک ناظم جنگ مقرر کیا جا رہا ہے۔ جس کا کام جنگ سے متعلقہ مرکز (قادیان) کی ہدایات پہنچانا اور احمدیوں کو اس کی مدد کے لیئے تیار کرنا ہوگا۔ اسلام اور احمدیت کے لیئے یہ مدد فرض عین ہے''۔(۱)

مرزا محمود نے جنگ کی حمایت میں ہندوستانی عوامی حمایت کو تحریک دینے کے لیئے مختلف قسم کے دلائل دیئے۔ ۱۹۴۲ء کے ایک سالانہ جلسے کے موقع پر انہوں نے کہا۔

> ''جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو میں نے کئی مواقع پر یہ کہا ہے کہ جرمنی کی فتح کی صورت میں ہم بدترین مشکلات کا شکار ہونگے اور ہندوستان کے معاملات میں بہتری کے لیئے لازم ہے کہ برطانیہ کی فتح ہو۔ ہم میں سے کچھ کی یہ سوچ بڑی مناسب ہے کہ اگر ہم محکوم رہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ ہم اس طاقت کے محکوم رہیں یا کسی اور کے، لیکن یہ بڑا غلط فہمی پر مبنی نکتہ نظر ہے۔ برطانیہ عظمیٰ دنیا کے قدیم علاقوں پر حکمران ہے۔ وہ چین کی حدود تک پہلے ہی اقتدار کے مزے لوٹ رہا ہے۔ بقیہ دنیا پر امریکہ اپنی معاشی قوت سے حاوی ہے۔ یہ اس آدمی کی مانند ہیں جو کہ پہلے ہی پر شکم ہیں اور جن سے زیادتی یا ظلم کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ عموماً قدیم طاقتیں مذہب کے معاملات میں دخل نہیں دیتیں اور ان معاملات میں اگر انتہائی طور پر سیاسی یا معاشی مجبوری نہ ہو تو خفیہ اور بالواسطہ دباؤ نہیں ڈالتے''۔(۲)

برطانوی جنگی مساعی میں غیر مشروط امداد و تعاون کے سب سے بڑے علمبردار قادیانی تھے۔(۳)

۱۔ سر ظفر اللہ۔ احمدیت۔ صفحہ 7-286۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ ''اسلام کا نیا ورلڈ آرڈر۔ تشہیر طباعت۔ ربوہ 1969ء صفحہ 36 (قادیان 28 دسمبر 1942ء کو قادیانی جماعت کے سالانہ اجتماع سے خطاب کا انگلش ترجمہ۔ سر ظفر اللہ نے کیا۔

۳۔ جے۔ ڈی شمس اور محمد یعقوب ''گزشتہ و موجودہ جنگ کے متعلق پیش گوئیاں۔ لندن 1943ء۔

انہوں نے برطانوی بدعہدیوں سے پیدا ہونے والی بدگمانیوں کو دھونے کی کوشش کی۔ ہندوستان کے عوام جانتے تھے کہ برطانوی وعدے صرف جنگ میں فتح حاصل کرنے کی غرض سے پیش کی گئی رشوت ہے۔ جونہی جنگ ختم ہوگی برطانیہ اپنے وعدوں سے پھر جائے گا۔ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کی صورت میں قادیانیوں نے یہ امیدیں وابستہ کر لی تھیں کہ وہ ہندوستان کے حاکم بن جائیں گے۔ مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ جتنی دیر دوسری جنگ عظیم جاری رہتی ہے' احمدی ہندوستان میں حکومت کی تیاری کر لیں۔(1) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے واقعہ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جس طرح اللہ نے دو تہائی۔ کے خزانے کی ان کی بلوغت تک پہنچنے تک حفاظت کی تھی اسی طرح یہ آفتیں طویل ہو رہی تھیں تا کہ احمدی انگریزوں سے اپنا اقتدار حاصل کرنے کے لیئے مناسب اور کافی تربیت حاصل کر لیں۔

احمدیہ فوج:

جنگ سے ایک سال قبل مرزا محمود احمد نے اپنی جماعت کو تیار کیا کہ وہ عسکری تربیت حاصل کریں۔ انہوں نے نوجوان احمدیوں کو فوج یا پولیس میں بھرتی ہونے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ:

> ''پنجاب کے احمدیوں کو ایک ذمہ داری ادا کرنا ہے کیونکہ وہ پنجاب میں نسبتاً اکثریت میں ہیں۔ دوسرے پنجاب برطانوی فوج کو افرادی قوت فراہم کرتا ہے اور احمدیت ان خاندانوں تک پہنچ چکی ہے جو فوج میں بھرتی کے لیئے آدمی فراہم کرتے ہیں۔ مزید برآں احمدیت کا گڑھ پنجاب میں ہے اور پنجاب میں اس کے کئی مراکز ہیں۔ جماعت کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو کسی بھی برے وقت کے لیئے تیار کرے۔ جماعت کو چاہیئے کہ اس علاقائی فوج میں شمولیت اختیار کرے جو حکومت نے امن و امان کے قیام کے لیئے

1۔ ظفر اللہ۔ احمدیت صفحہ 288

> قائم کی ہے۔ پنجاب رجمنٹ علاقائی فوج ۱۱ اور ۱۵ میں اس کے قیام سے لے کر ایک احمدیہ کمپنی موجود رہی"۔ (۱)

۱۵/۱۵ پنجاب رجمنٹ میں چار کمپنیاں شامل تھیں۔ جو (i) پنجابی مسلمان (ii) جاٹ۔ (iii) عیسائی اور (iv) احمدیوں پر مشتمل تھیں۔ جنگ کے دوران ایک اور رجمنٹ ۸/۱۵ بھی تیار کی گئی۔ احمدی اپنے علیحدہ وجود میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ پنجابی مسلمان کمپنی میں شامل نہ ہوئے۔ مرزا شریف احمد کو احمدیہ کمپنی کا کپتان مقرر کیا گیا۔ اس کے بیٹے مرزا داؤد احمد کو احمدیہ کمپنی خیبر ایجنسی میں ۴۲۔ ۱۹۴۱ء میں کرنل کے طور پر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں وہ چار باغ قلعہ خیبر ایجنسی کا کپتان انچارج تھا۔ برطانویوں کو شمال کی طرف سے روسی حملے کا شدید خطرہ تھا اور اس لیئے شیعواری قبائل کی سیاسی یورش سے نمٹنے کے لیئے خصوصی اقدامات کیئے گئے۔ قادیانیوں کا شمال مغربی علاقے میں تقرر اسی لیئے تھا۔ ایک سرکردہ قادیانی خلیفہ صلاح الدین احمد کہتا ہے کہ:

> "علاقائی فوج کی احمدیہ کمپنی مرزا شریف احمد کی زیر کمان تھی۔ چوہدری عبداللہ خان اعزازی لیفٹیننٹ نائب کمانڈر تھا۔ اس کی وفات کے بعد صلاح الدین نے فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ انہی دنوں میجر گورینک برطانیہ سے آیا اور اس یونٹ میں اسکی تعیناتی ہوگئی۔ اس نے احمدیہ کمپنی کی سرگرمیوں پر سخت نظر رکھی۔ چند دنوں کے بعد اس نے یہ انکشاف کیا کہ اسے برطانیہ میں بتایا گیا تھا کہ احمدیہ کمپنی پر گہری نظر رکھی جائے کیونکہ احمدیہ جماعت بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح اٹھ رہی ہے"۔ (۲)

قادیان کے محکمہ تعلقات خارجہ نے احمدیوں کے تمام ملک کے حصوں سے بھرتی کا انتظام کیا اور علاقائی فوج میں ان کے نام لکھوانے میں قطعاً سستی نہ کی۔ اپنی علیحدہ شناخت باقی رکھنے کیلیئے انہوں نے بھرتی کے فارموں میں اپنی قومیت "احمدی" لکھی۔ (۳)

۱۔ الفضل قادیان۔ 13 ستمبر 1939ء۔

۲۔ سیرت مرزا شریف احمد۔ چوہدری عبدالعزیز، مجلس خدام احمدیہ ربوہ 1962ء صفحہ 136۔

۳۔ الفضل۔ قادیان 9 مارچ 1939ء۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران احمدیوں کی طرف سے انجام دی گئی خدمات کی ایک جھلک لندن کے قادیانی مبلغ جے۔ ڈی شمس کی طرف سے شہنشاہ معظم کو ارسال کردہ۔ سال نو (۱۹۴۶) کے موقع پر ایک خطاب سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''شہنشاہ معظم کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ ہماری جماعت نے برطانیہ کی فتح کیلئے ہر ممکن مدد فراہم کی ہے۔ تقریباً ۱۵ ہزار احمدی فوجیوں اور دو سے تین سو تک کمشنڈ اور غیر کمشنڈ افسران نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا ہے۔ ہماری جماعت کی کل آبادی کے تناسب سے یہ ایک بڑی تعداد ہے''۔(۱)

اس کے بعد قادیانی مبلغ مرزا غلام احمد کی ایک وحی کا حوالہ دیتا ہے۔ (نومبر ۱۹۰۰ء) جس میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے مرزا صاحب کو الہام کیا کہ:

> ''چونکہ برطانوی ان کے لیئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے میں (خدا) نے ان کی مدد کی ہے۔ وہ جو خدا کی طرف دیکھتے ہیں انکو کسی قسم کا خوف نہیں''۔

شمس آخر میں کہتا ہے کہ:

> ''یہ ہمارا راسخ عقیدہ ہے کہ ان وحی والہامات کی بناء پر خدا نے برطانیہ کو پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں شکست سے بچایا ہے''۔(۲)

قرارداد لاہور

تئیس مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے قرارداد لاہور منظور کی۔ جو بعد میں پاکستان کی بنیاد بنی۔ ۱۹۸۱ء کے اواخر میں مسلمانوں کی تاریخ کے کڑے وقت میں ظفر اللہ کے کردار پر ایک تنازعہ اٹھا جس کا یہاں پر بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اکیس دسمبر ۱۹۸۱ء کو پاکستان کے ایک پرانے سیاست دان ولی خان نے ہفت روزہ ''چٹان'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ تئیس مارچ ۱۹۴۰ء کو پیش کی جانے والی

۱۔ باؤنڈری کمیشن کو احمدیہ یادداشت (1947) میں 200 قادیانی فوجیوں کی لسٹ دی گئی ہے۔ تقسیم پنجاب۔ جلد 1 لاہور 1984ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 9 مارچ 1946ء۔

قرارداد لاہور کا متن ظفر اللہ قادیانی نے مرتب کیا تھا۔ قومی پریس میں انہوں نے ایک تنازعہ کھڑا کر دیا۔ ولی خان نے اپنے موقف کی بنیاد فروری ۱۹۴۰ء میں ظفر اللہ کی وائسرائے ہند کو دی گئی ایک آئینی تجویز کی بنیاد پر رکھی جب وہ ایگزیکٹو کونسل کا ایک ممبر تھا۔ ولی خان نے اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کی تحریروں سے اپنے موقف کی وضاحت کی۔(۱) ولی خان کے موقف کے جواب میں ظفر اللہ قادیانی نے اپنی حیثیت کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ''اُس نے وہ تجویز بطور رکن ایگزیکٹو کونسل وائسرائے پیش کی تھی۔ فروری ۱۹۴۰ء کے وسط میں اُس نے ایک تجویز پیش کی کہ ہندوستان کو ''حکومت خود اختیاری'' کا درجہ دے دیا جائے۔ مگر اس میں اُس نے دو تجاویز پیش کی تھیں۔ ایک ''پاکستان سکیم'' تھی۔ دوسری ''منصوبہ تقسیم ہند'' تھا۔ پاکستانی سکیم کا خیال چوہدری رحمت علی نے پیش کیا تھا جس میں تمام کی تمام آبادی کا تبادلہ تھا اور جو ''ناقابل عمل'' اور ''بے بنیاد'' تھا جبکہ تقسیم ہند کا منصوبہ قابل عمل تھا۔ پاکستانی سکیم ایک ''شمالی مشرقی وفاق'' پر مشتمل تھی جس میں پنجاب' سندھ' سرحد اور سرحدی قبائل شامل تھے۔ بقیہ ہندوستان اگر چاہے تو اپنے آپ کو ایک یا ایک سے زیادہ وفاقوں میں تشکیل دے سکتا تھا۔ اس منصوبہ کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ

> ''شمال مشرقی وفاق'' اور ''شمال مغربی وفاقوں'' کے براہ راست تاج برطانیہ سے تعلقات ہو سکتے تھے اور یہ وفاقوں کا ایک وفاق ہوتا جس میں بقیہ تمام ہندوستان شامل ہوگا''۔(۲)

سر ظفر اللہ نے اپنا یہ نوٹ وائسرائے لارڈ لنلتھگو کو چھ مارچ ۱۹۴۰ء کو ارسال کیا۔ جس نے اسے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند لارڈ زیٹلینڈ کو ان خیالات کے ساتھ بھجوا دیا۔

> ''آخری بیگ میں' میں ظفر اللہ کا ڈومینین سٹیٹس (حکومت خود اختیاری) پر ایک نوٹ بھیج رہا ہوں جو کہ میرے خیال میں ایک انتہا پسندانہ موقف کا عکاس ہے۔ میں یہ اس لیئے

---

(۱) ولی خان کی کتاب کو قسط وار روزنامہ ''فرنٹیئر پوسٹ'' نے شائع کیا تھا اور بعد میں ۱۹۸۷ء میں یہ کتاب بعنوان "Facts Are Facts" کی صورت میں چھپی۔

(۲) پاکستان ٹائمز میں سر ظفر اللہ کا وضاحتی مضمون 13 فروری 1982ء۔

> کہہ رہا ہوں کہ اس وقت تک (ظفر اللہ) کے ساتھ اس پر بحث کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس میں جو تجاویز ہیں ان میں سے کچھ کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ رسمی طور پر کونسل کے رکن کے نام سے ظاہر ہوں گی۔ میرے خیال میں ان تجاویز کی تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے کل ظفر اللہ سے کہا کہ وہ ان کی مزید تفصیل بتائیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ پہلے تو یہ صرف ابتدائی مسودہ ہے۔ دوسرے اگر ان کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی جائے اور اس تجویز کو عوامی سطح پر زیر بحث لایا جائے تو میں اسے اپنی خواہش کے موافق استعمال کر سکتا ہوں اور اس کی ایک نقل میں آپ کو بھی ارسال کروں گا۔ اور تیسرے یہ نقول جناح تک پہنچ چکی ہیں اور میرا خیال ہے حیدری کو بھی مل چکی ہیں‘ چوتھے جبکہ ظفر اللہ اس کی تصنیف کا اقرار نہیں کر سکتا ہے تو اس کا یہ مسودہ مسلم لیگ کو دینے کے لیئے تیار کیا گیا ہے تا کہ اس کو مکمل تشہیر دی جا سکے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مکمل سمجھنے کا مجھے موقع مل گیا ہے اور میری یہ ترجیح ہوگی کہ اس پر اپنے تاثرات پھر کسی وقت دوں۔ مگر یہ ایک ٹھوس اور پرزور شاہکار ہے اور میں اس میں آپ کے ذاتی ردعمل میں دلچسپی رکھوں گا‘‘۔ (۱)

ولی خان کا یہ موقف ہے کہ اس ’’منصوبہ تقسیم‘‘ کو جو کہ ظفر اللہ کے دماغ کی تخلیق تھی صرف پندرہ دن بعد مسلم لیگ نے اپنا لیا اور تیئیس مارچ ۱۹۴۰ء کو اپنے لاہور کے اجلاس میں پیش کر دیا۔ جیسا کہ وائسرائے کی تحریر میں ہے۔ ولی خان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کی معاونت سے ایک قادیانی نے تقسیم ہند کا نظریہ پیش کیا جو ۱۹۴۰ء کے بعد مسلم لیگ کا مطمع نظر و منشور بن گیا۔

ظفر اللہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ:

> ’’مسلم لیگ کی تیئیس مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد اور اس کے نوٹ میں دیا گیا ’’منصوبہ تقسیم‘‘ ایک ہی ہے‘‘۔

’’پاکستان‘‘ کا نام باضابطہ طور پر مسلم لیگ کے نو اپریل ۱۹۴۶ء کے مسلم لیگ

۱۔ چٹان۔ لاہور۔ 21 دسمبر 1981ء

کے اجتماع کے بعد استعمال کیا جانے لگا۔ (پاکستان ٹائمز راولپنڈی ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء)۔ تاہم ولی خان کے اخذ کردہ نتائج غلط ہیں۔ ظفراللہ بیان کرتے ہیں۔

> ''در پردہ الزام کہ میرا نوٹ لارڈ لنلتھگو کی ایماء پر اس کی اعانت سے لکھا گیا تاکہ نظریہ پاکستان جو مسلمانوں کے ذہنوں میں مقبولیت حاصل کر رہا تھا اس کی اہمیت کم کی جائے تو مجھے بڑا افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ مکمل طور پر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے''۔ لارڈ لنلتھگو کے میرے اس نوٹ لکھنے میں یا اس کے کسی فرد میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اس نوٹ کی تمام ذمہ داری میری ہے''۔(۱)

لارڈ لنلتھگو کی لارڈ زیٹلینڈ کے ساتھ خط و کتابت کے محتاط مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سر ظفراللہ نے ''مطالبہ پاکستان'' کو چنداں اہمیت نہیں دی۔ پچیس مارچ ۱۹۴۰ء کو ''قرارداد لاہور'' کے اگلے دن ہی لارڈ لنلتھگو نے لارڈ زیٹلینڈ کو لکھا۔

> ''میں جناح کے ان مطالبات کو زیادہ اہمیت کے حامل نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کو لاتعداد مذہبی علاقوں یا جیسا کہ وہ جملہ استعمال کرتا ہے کہ حکومت ہائے خود اختیاریوں میں تبدیل کر دیا جائے اور میں خود یہ اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس وقت اس کا رویہ یہ ہے کہ چونکہ کانگریس ایسی تجاویز پیش کر رہی ہے جو ناقابل قبول ہیں' اس لیئے وہ بھی اسی طرح کا ناقابل عمل مطالبہ پیش کرے گا۔ جس کا غالباً اسے خود بھی احساس ہے مگر اس کی موجودگی میں جب کانگریس کے دعوؤں کے خلاف مسلمانوں کے رویہ کی تجدید ہوگی تو ان میں سے کچھ ان الزامات کی وجہ سے ہٹا لیئے جائیں گے جو ان کے خلاف اب تک لگتے آئے ہیں کہ ان کے پاس کوئی تعمیری نظریہ سرے سے ہے ہی نہیں''۔(۲)

سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند لارڈ زیٹلینڈ نے پانچ اپریل ۱۹۴۰ء کو لارڈ لنلتھگو کو جواب دیا کہ:

> ''میرے خیال میں کہ آنے والے مباحثے میں' میں اپنی نارضامندی ظاہر کرنے کا پابند

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ 13 فروری 1982ء۔
۲۔ لارڈ لنلتھگو کے کاغذات۔ انڈیا آفس لائبریری' بحوالہ ہفت روزہ ''معیار'' کراچی 13-7 جنوری 1984ء۔

> ہوں گا۔ ان تجاویز سے جو حال ہی میں کل ہند مسلم لیگ نے اپنی لاہور کی موجودہ کانفرنس کے دوران پیش کی ہیں، مجھے بہت زیادہ شک ہے کہ ان تجاویز پر پوری طرح غور بھی کیا گیا ہے اور اگر ہندوستان میں لاتعداد السٹر قائم کر دیئے جائیں تو اس صورت میں نہ صرف اس سارے سلسلے کو توڑنے پھوڑنے کے مترادف ہوگا جس کی تیاری برسوں سے ہوتی رہی ہے بلکہ میں تو یہ بھی خیال کروں گا کہ اس سے کانگریس کی طرف سے شدید مخالفت ہوگی اور ان کی طرف سے بھی جو کہ دراصل کانگریس کے ساتھ منسلک نہیں ہیں"۔ (۱)

پاکستان کا مسئلہ برطانوی دارالعوام میں بھی زیر بحث آیا۔ اٹھارہ اپریل ۱۹۴۰ء کی بحث سے ارکان کی تقسیم ہند اور مسلمان ریاستوں کی ایک آزاد زنجیر جو کہ شمال مغرب سے لے کر ہندوستان کے مشرق تک پھیلی ہوئی مخالفت صاف ظاہر ہوتی ہے"۔ (۲)

> یہ تجویز "مایوسی پر مبنی تھی، زیادہ اسکی منظوری کا مطلب اس ناکامی کو تسلیم کرنا تھا کہ ہندوستان اور برطانیہ کی تمام کوشش کے باوجود برطانیہ کے لیئے ہندوستان کا اتحاد ممکن نہیں اور نہ ہی لائق تحسین ہے۔ (۳)

قادیانی کونسل کا اجلاس

۱۹۴۰ء کے عشرے میں مسلمانوں کی قومی خواہشات اور ان کے ملی احساسات کے متعلق قادیانیوں کا رویہ منفی رہا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قادیانی پاکستان یا ہندوستان میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے حامی نہ تھے۔ قرارداد پر ان کا کچھ ردعمل نہ تھا۔ مارچ ۱۹۴۰ء کے آخری ہفتہ میں قادیان میں بیسویں مجلس مشاورت کے اجلاس میں احمدیہ محکمہ خارجہ کی ذیلی کمیٹی کی رپورٹ زیر بحث آئی۔ محکمہ خارجہ کے سربراہ زین العابدین نے اس بات پر بحث کی کہ آیا احمدیوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہیئے یا

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ کے۔ کے۔ عزیز۔ برطانیہ اور پاکستان۔ یونیورسٹی آف اسلام آباد پریس۔ 1976ء۔ صفحہ 28۔

کانگریس کا۔ انہوں نے اور پیرا کبر علی نے گزشتہ واقعات بیان کیئے۔ کثرت رائے سے یہ معاملہ اگلے اجلاس یعنی ۱۹۴۱ء کے لیئے موخر کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس وقت تک کانگریس اور لیگ کے ساتھ کسی مشترکہ معاہدہ تک فیصلہ کیا جائے۔ حضرت امیر المومنین (مرزا محمود قادیانی) نے اکثریت کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا۔(۱)

مرزا محمود نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ کانگریس کا ساتھ دیں تا کہ کانگریسی قیادت کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد سیاسی ماحول بڑی تیزی سے تبدیل ہو گیا۔ مسلمانوں کی اکثریت کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو رہی تھی۔ پاکستان کا تخیل مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ مسلمانان ہند کے معاشی اور سیاسی مسائل کا حل صرف قیام پاکستان ہی ہے۔ انگریزوں نے بھی ہندوستانی مسئلہ کے حل پر سنجیدگی سے توجہ دینی شروع کر دی۔ ایسی کوئی شہادت میسر نہیں کہ قادیانیوں نے نظریہ پاکستان کی طرف التفات کیا ہو نہ ہی انہوں نے لیگ کی کوئی عملی مدد کی۔ ان کی تمام توانائیاں جنگ اور بیرون ممالک اتحادیوں کے لیئے جاسوسی پر صرف ہو رہی تھیں۔

کرپس مشن

۱۹۳۹ء میں کانگریس حکومتیں مستعفی ہو گئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ برطانوی حکومت نے دوسری جنگ عظیم میں ہندوستانیوں کو ان کی رضامندی کے بغیر جنگ میں ملوث کیا ہے۔ بائیس دسمبر کو لیگ نے ”یوم نجات“ منایا کہ انہیں کانگریسی وزارتوں سے خلاصی نصیب ہوئی۔

اگست ۱۹۴۰ء میں لارڈ لنلتھگو نے یہ پیشکش کی کہ دوسروں کے علاوہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کو توسیع دی جائے گی اور ایک مشاورتی وار کونسل کا قیام عمل میں

۱۔ فاروق۔ قادیان۔ 28 مارچ 1940ء۔

لایا جائے گا۔ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس کے کئی عوامل تھے جن میں جاپان کی جنگ میں شرکت اور اس کی تیز ترین کامیابیاں' امریکی صدر روز ویلٹ کا دباؤ اور اندرون ہند روز افزوں عوامی رائے کہ ہندوستان کا مسئلہ حل ہونا چاہیئے ۔ ان امور نے برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کے متعلق اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرے۔

مارچ ۱۹۴۲ء میں سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان میں اپنی اس پیشکش کے ساتھ آیا جو بیس مارچ ۱۹۴۲ء کو چھپی۔ جس میں جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دی جانی تھی مگر اس میں صوبوں کے لیئے حق خود اختیاری پر بھی رضامندی ظاہر کی گئی تھی۔ مجوزہ انتظامات کے تحت صوبے ہندوستان کے ساتھ رہنے یا وفاق ہندوستان سے باہر رہنے میں آزاد تھے اور وہ صوبے جن میں مسلمان اکثریت میں تھے وہ اپنا ایک وفاق یعنی آخرکار پاکستان بنا سکتے تھے۔ کرپس نے یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ محکمہ دفاع کے استثناء کے ساتھ بقیہ تمام محکمہ جات مکمل طور پر ہندوستانیوں کے پاس رہیں گے اور گورنر جنرل محض ایک آئینی سربراہ کے طور پر کام کرے گا۔ مگر بعد میں ایک مرحلے پر انہوں نے اپنا بیان واپس لے لیا۔ انہوں نے کانگریس کی نظروں میں حکومت برطانیہ کی ایمانداری کو مشکوک بنا دیا۔ کانگریس چاہتی تھی کہ گورنر جنرل کی انتظامی مجلس کابینہ کے طور پر کام کرے۔ مگر اس پر حکومت برطانیہ رضامند ہونے کے لیئے تیار نہ تھی۔

جنگ کے دوران ظفر اللہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن تھا۔ اُس نے ایک مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ اُس نے وائسرائے کو مشورہ دیا کہ مجلس کونسل میں توسیع کی جائے تاکہ اس میں ہندوستانی مکمل اکثریت میں ہوں۔ وائسرائے کی سفارش پر حکومت اس تجویز سے متفق ہوگئی اور ستمبر ۱۹۴۱ء کے بعد سے لے کر مرکزی انتظامیہ میں ہندوستانیوں کی آواز کافی موثر ہوئی۔ سر ایڈورڈ بیلٹھال جو کہ ہندوستان میں برطانوی مفادات کا نگران تھا اس کو بھی اس توسیعی کونسل میں شامل کر لیا گیا۔ اس کونسل کی توسیع

کے ایک سال کے اندر اندر ظفر اللہ سپریم کورٹ آف انڈیا کے بنچ میں شامل ہو گیا۔ (۱)

دوسری جنگ عظیم کے چھڑ جانے کے نتیجے میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں محکمہ وار سپلائی قائم کر دیا۔ ظفر اللہ جو کہ وائسرائے کی کونسل کا رکن برائے قانون تھا کو وار سپلائی کونسل کا چیئر مین بنا دیا گیا۔ اس میں ان تمام برطانوی نو آبادیوں کے بندے شامل تھے۔ جو سویز کے جنوب و مغرب میں واقع تھیں جنگ کے دوران (نومبر ۱۹۳۹ء میں) وائسرائے نے اسے لندن بھیجا کہ ڈومینین وزراء کی کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کرے جو برطانوی وزیر اعظم نویل چیمبرلین نے جنگ سے پیدا شدہ صورتحال پر بحث کے لیئے بلائی تھی۔ ظفر اللہ ابھی لندن میں ہی تھا کہ وائسرائے نے اسے ہدایت کی کہ وہ لیگ آف نیشنز میں ایک وفد کی قیادت کرے۔ لیگ کا یہ اجلاس فن لینڈ کی شکایت پر روس کی جارحیت کے خلاف بحث کے لیئے بلایا گیا تھا۔ ظفر اللہ نے پوری قوت سے روس کی مذمت کی جس کے نتیجے میں روس کو لیگ سے نکال دیا گیا۔ (۲)

جنگ کے دوران مرزا محمود کو اپنی ترقی کے خواب متواتر آتے رہے۔ خصوصاً ان مواقع پر جہاں پر اتحادی فوجوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ وہ ان کی کامیابی کی مسلسل دعائیں کرتے رہے۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ مرزا محمود کو وقتاً فوقتاً جنگ کے مستقبل کے واقعات الہام یا رویاء کے ذریعے معلوم ہو جاتے تھے۔ جیسے شمالی افریقہ میں فوجی حکمت عملی اور اطالیہ اور سسلی میں اتحادیوں کی لنگر اندازی وغیرہ۔ ظفر اللہ ان سب باتوں سے وائسرائے کو مطلع کر دیتا تھا۔ جو ان معاملات میں گہری دلچسپی ظاہر کرتا تھا بلکہ بعض اوقات وہ اُس سے پوچھ لیتا کہ جماعت کے سربراہ کی طرف سے کوئی اطلاع وصول ہوئی ہے یا نہیں۔ (۳)

۱۔ سر ظفر اللہ۔ The Agony of Pakistan۔ لندن صفحہ 20۔
۲۔ سر ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ صفحہ 110۔
۳۔ ایضاً۔ صفحہ 111۔

چین میں ایجنٹ جنرل

فروری ۱۹۴۲ء میں چین کے مطلق العنان حکمران جنرل چیانگ کائی شیک دہلی کے سرکاری دورے پر آئے۔ وائسرائے اور ان کے درمیان جو دوسرے معاملات طے ہوئے۔ ان میں یہ بھی تھا کہ ہندوستان کو چنگ کنگ میں براہ راست سفارتی تعلقات قائم رکھنے چاہئیں جوژان زی کیا نگ کے بالائی علاقوں میں تھا اور جہاں جاپانی دباؤ پر دارالحکومت منتقل کر دیا گیا تھا۔ انڈیا کے نمائندے کا نام ''ایجنٹ جنرل'' ہوتا تھا اور اس کا مرتبہ سفیر کے برابر تھا۔(۱)

پچیس مارچ ۱۹۴۲ء کو وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے ظفر اللہ کو خط لکھا کہ وہ چین میں چنگ کنگ کے شہر میں شہنشاہ معظم کے سفارتخانے میں ایجنٹ جنرل کا عہدہ سنبھال لے اور چھ ماہ تک وفاقی عدالت۔ کے منصف کا عہدہ بھی اپنے پاس رکھے۔ یہ ایک بہت عمدہ عہدہ تھا اور معدودے چند لوگ ہی تھے جن کو وائسرائے اس عہدہ کی پیشکش کر سکتا تھا۔ چین میں ایجنٹ جنرل کی تقرری کا مطلب یہ تاثر دینا تھا کہ ہندوستان کی صورت میں چین کا ایک اتحادی موجود ہے جو جاپان کے خلاف پانسہ پلٹنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

ظفر اللہ نے چین میں سامراجی مفادات کا بڑے بہتر انداز میں تحفظ کیا۔ اُس کے ششماہی مدت عہدہ کے آخر پر چیانگ کائی شیک نے لارڈ لنلتھگو کو چھبیس ستمبر ۱۹۴۲ء کو ایک خط لکھا جس میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

> ''ہم نجی اور عوامی سطح پر ظفر اللہ سے جدا ہونے پر غمگین ہیں۔ انہوں نے اپنے نسبتاً کم مدتی قیام کے دوران ہندوستان اور چین کے درمیان سیاسی اور ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنایا''۔

چنگ کنگ میں برطانوی قونصل نے بھی ظفر اللہ کو ''برطانوی سلطنت کا بہترین نمائندہ'' کہا جو اس نے چین کے لیئے کبھی بھیجا ہے۔ اس لحاظ سے بھی جو ان کا اثر تھا۔ اور اس لحاظ سے بھی اس اثر کی جو سمت مقرر کی گئی۔(۲)

۱۔ ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ صفحہ 115۔

۲۔ انتقال اقتدار۔ جلد 8 صفحہ 783۔

ظفر اللہ ہندوستان کے پولیٹیکل سیکرٹری سر اولف کیرو کو اپنی ہفتہ وار سیاسی رپورٹیں روانہ کرتا تھا۔ جو چین کے اشتراکی رہنماؤں کی یعنی ماؤزے تنگ اور چو این لائی کے متعلق تھیں۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں چین سے واپسی پر اُس نے وائسرائے کو اطلاع دی کہ چین کے اشتراکی ماسکو کے تربیت یافتہ لوگ ہیں اور چین میں بڑے منظم طور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ جاپان کی شکست کے بعد اقتدار میں آ سکتے تھے۔ مظلوم کسان ان کو اپنا نجات دہندہ خیال کرتے ہیں۔ (۱)

غلام محمد کیلئے ظفر اللہ کی سفارش:

چار اگست ۱۹۴۲ء کو ظفر اللہ نے وائسرائے ہند کو چین سے ایک خفیہ اور ذاتی خط لکھا۔ اُس نے وائسرائے کی کونسل میں ایک اور مسلمان کی تقرری کی تجویز پیش کی۔ ان کی تجاویز مندرجہ ذیل تھیں۔

(i) ”وائسرائے کی انتظامی کونسل کے رکن برائے امور داخلہ سر ریجنالڈ میکسویل کی مدت عہدہ کے اختتام پر اس جگہ ایس اکبر حیدری کی تعیناتی کر دی جائے۔

(ii) سر مرزا اسماعیل کی مناسب وقت پر تعیناتی کے لیئے غور کیا جائے۔

(iii) اگر پہلی اور دوسری بات نامنظور ہو تو جناب معظم (وائسرائے) مسٹر غلام محمد کے تقرر پر بھی غور کر سکتے ہیں جو محکمہ سپلائی میں ایڈیشنل سیکرٹری رہا تھا اور اب نظام حیدر آباد حکومت کا فنانس ممبر ہے۔ مسٹر غلام محمد نسبتاً ایک نوجوان آدمی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں بڑی اہلیت و قوت ہے جو عملی طور پر اس کے انتخاب کا جواز مہیا کرتی ہے“۔ (۲)

سر ظفر اللہ نے اپنے خط میں دفاع پر ہندوستانی افسروں کی مجوزہ حیثیت کے بارے میں بھی سوال اٹھایا۔ جب اگر انتقال اقتدار کی کوئی صورت نکلے۔ وائسرائے ہند نے مسلمانوں کی نمائندگی کے بارے میں اُس کے نکتے کو پسند کیا اور ان کو سی این سی

۱۔ ظفر اللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔

۲۔ ظفر اللہ کا لارڈ لنلتھگو کو خط۔ 4 اگست 1942ء۔ جلد 2۔ صفحہ 562۔

جنرل ہارٹلے کے اس نوٹ کے ساتھ انہیں روانہ کر دیا جو انہوں نے اس موضوع پر لارڈ لنلتھگلو کے لیئے تیار کیا تھا۔(۱)

کونسل میں ہندوستانی نمائندگی

چین چھوڑنے سے پہلے ظفر اللہ نے وائسرائے کو ہندوستان کے آئینی مسائل کے بارے میں ایک یادداشت پیش کی۔ اُس نے تجویز پیش کی کہ وقت آ گیا تھا کہ پوری وائسرائے کی کونسل ہندوستانیوں پر مشتمل ہو اور شریف آدمی کے ساتھ کیئے گئے معاہدے کے مطابق ایک کابینہ کے طور پر کام کرے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کسی فیصلے کو اس وقت تک ویٹو نہ کرے جب تک ایسے حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ ہندوستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ وائسرائے ہند نے سیکرٹری آف سٹیٹ کو یہ یادداشت تبصرے کے لیئے بھجوا دی۔ لیکن یہ تجویز اس لیئے روبہ عمل نہ ہو سکی کہ مہاتما گاندھی نے مرن برت رکھ لیا اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے دو ارکان نے گاندھی جی کے ساتھ اظہار ہمدردی، کے طور پر کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔(۲) چین سے واپسی پر ظفر اللہ پیسیفک کانفرنس میں شرکت کے لیئے کینیڈا چلا گیا۔

بحرالکاہل کانفرنس

نومبر 1942ء کے آخر میں انسٹی ٹیوٹ آف پیسفک ریلیشنز کے کانفرنس کے زیر اہتمام کیبک (کینیڈا) میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ ظفر اللہ اور ہندو نمائندہ مدالیار جو دونوں وائسرائے کی کونسل کے اراکین تھے ان کے علاوہ بیگم شاہنواز کو ہندوستانی وفد میں شامل کیا گیا۔ اس کانفرنس کے تمام مباحثات مکمل طور پر تحقیقی و علمی نوعیت کے تھے۔ ہندوستان سے متعلقہ اس میں کوئی بات زیر بحث نہ تھی۔ اس لیئے اس کانفرنس سے کوئی

۱۔ Transfer of Power ۔ جلد 2 ۔ صفحہ 834۔

۲۔ سر ظفر اللہ ۔ Agony of Pakistan ۔ صفحہ 20 ۔

عملی نتیجہ اخذ نہ ہوسکا۔(۱) کانفرنس کو چار گول میز کانفرنسوں میں تقسیم کیا گیا۔ یعنی معاشی امور یا ہندوستان، چین اور سیاسی یا عمومی معاملات۔ کینیڈا کے نمائندے مسٹر ٹار ایک گول میز کانفرنس کے صدر تھے۔ معاشی گول میز کانفرنس کا صدر ظفراللہ تھا اور ہندوستانی گول میز کانفرنس کا نمائندہ سرمد الیار تھا۔ مسٹر کھنہ نے ہندوستان کا معاملہ بڑے پرزور اور جذباتی انداز میں اٹھایا۔ بیگم شاہنواز نے بڑی عمدگی سے مسلمانوں کا معاملہ پیش کیا اور ہندوستان میں جاری سیاسی صورتحال کی اصل تصویر کشی کی۔(۲)

امریکہ میں ہندوستانی ایجنٹ جنرل سرگرجا شنکر باجپائی تھے۔ واشنگٹن میں ظفراللہ کے قیام کے دوران انہوں نے امریکی صدر روز ویلٹ سے ان کی ملاقات کا اہتمام کرادیا۔ روز ویلٹ نے انہیں بتایا کہ وہ چرچل پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ تاہم اس کے لیئے وہ کوئی بھی موقع ضائع نہیں کرے گا۔ چرچل کو قائل کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ ہندوستان کو آزادی دے دے۔(۳)

ظفراللہ کے بیرون ملک دورے کے دوران لارڈ لنلتھگو نے سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند کو ایک نوٹ میں خبردار کیا کہ وہ ان کی اور مدالیار کی مقررہ حد سے بڑھ کر آ گئی حد۔ ہندوستانی افسروں کی تقرریوں اور ہائی کورٹ کے سلسلے میں سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے۔ اس نے وضاحت کی کہ برطانوی اداروں کی ہندوستانیت کی تجویز کے پیچھے اس کا مقصد اپنی جماعت، اپنے دوستوں یا ہندوستان کے کسی حصے کے لیئے کوئی حیثیت حاصل کرنا ہے۔(۴)

دسمبر ۱۹۴۲ء میں سپنس (Spens) ہندوستان کا چیف جسٹس بنا۔ لارڈ لنلتھگو کہتا ہے۔

''مختلف جانب سے اس پر اطمینان کا اظہار ہو رہا ہے کہ نظر انتخاب ظفراللہ پر نہیں پڑی

۱۔ سر ظفراللہ۔ سرونٹ آف گاڈ۔ صفحہ 125۔

۲۔ جہاں آرا شاہنواز، Father and Daughter۔ لاہور 1971ء صفحہ 184۔

۳۔ سر ظفراللہ تحدیث نعمت۔ صفحہ 450۔

۴۔ Transfer of power جلد 8 ص 407۔

> جو کہ سیاسی سرگرمیوں میں اس حد تک آگے چلا گیا ہے جو کہ ایک جج کے شایان شان نہیں ہوسکتیں۔ وائسرائے نے ہندوستانی چیف جسٹس کے لیئے وردھا چاری کا نام تجویز کیا کیونکہ وہ ظفر اللہ کو اس کے لیئے اہل نہیں سمجھتا تھا‘‘۔(۱)

واشنگٹن میں برطانوی سفیر لارڈ ہیلی فیکس کی طرف سے ظفر اللہ کو پیغام موصول ہوا کہ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان مشاورت کے لیئے اسے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ جنوری ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتے میں وہاں پہنچا اور مارچ کے پہلے ہفتے تک وہاں قیام پذیر رہا۔ پندرہ جنوری ۱۹۴۳ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ وائسرائے کو لکھتا ہے۔

> ’’بدھ کے روز ہم نے ظفر اللہ کو سرکاری ظہرانہ دیا جس میں جنگی کابینہ کے ارکان اور کئی وزراء شریک ہوئے۔ یا تو ظفر اللہ کو دیکھنے اور سننے کے مشتاق تھے (حالانکہ ان میں سب سے زیادہ اسے پہلے ہی جانتے تھے) یا پھر اچھے کھانے اور حتیٰ کہ شراب ملنے کی توقع تھی‘ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ تاہم وہ ظفر اللہ کی مختصر مگر فی البدیہہ تقریر سے بڑے محظوظ ہوئے‘ جس میں اُس نے ہندوستانی صورتحال پر ہلکا سا اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا کہ ہندوستان کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ دولت مشترکہ میں رہے اور اس کے باہر جانے کا خطرہ تب ہی پیدا ہوگا‘ اگر ہم نے اس کو مجبور کر دیا یا اگر ہم اپنے وعدوں سے پھر گئے۔
>
> مجھ سے بات کرتے ہوئے اُس نے عمومی طور پر ہندوستانی ترقی پسندانہ انتظامیہ‘ افواج اور عدلیہ کی اہمیت پر تبادلہ خیال کیا‘ تاکہ ہندوستانی مقاصد کے لیئے تجربہ کار اور معتدل لوگ میسر آ سکیں اور یورپیوں کی جگہ لے سکیں جو کہ بصورت دیگر جاہل اور مفرد سیاست دانوں سے پر ہو رہی تھیں۔
>
> قانون کی پانچ ماہ کی چھٹیوں کے دوران وہ چاہتا ہے کہ کسی ایک یا دوسری قسم کا کوئی مفید کام کر سکے اور اس کے متعلقہ اس نے صرف یہی تجویز پیش کی کہ:
>
> ’’ہوسکتا ہے کہ دوبارہ امریکہ کا دورہ کرے اور وہ کرے جو اسے زیادہ موثر لگے یعنی

۱۔ لنلتھگو سے ایمرے کی طرف۔ 8 دسمبر 1942ء۔ Transfer of Power جلد 8۔ صفحہ 352۔

> خاموشی سے تعلیمی اور پیشہ ورانہ جماعتوں کے چھوٹے گروپوں سے ملے جن کا موقف امریکہ میں سب سے زیادہ موثر ہے"۔ (۱)

بیس جنوری ۱۹۴۳ء کو ایک اور خط میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے وائسرائے لارڈ لنلتھگو کو بتایا کہ ظفر اللہ اعتدال پسندوں کی ایک جماعت بنانا چاہتا ہے جو اپنا موثر وزن اس وقت ڈال سکیں گے جب ہندوستانی آئین کی تشکیل کے لیئے تحریک چلے گی اور جب ہندوستان یہ فیصلہ کرے گا کہ اسے دولت مشترکہ میں رہنا ہے یا نہیں۔ (۲) ظفر اللہ نے لندن میں آئینی مسئلہ پر ایمپائر پارلیمانی ایسوسی ایشن کو بھی خطاب کیا۔ اس نے کہا:

> "اگر جنگ کے بعد پیدا ہونے والی بین الاقوامی صورتحال میں ہماری شراکت ختم ہوگئی تو "یہ ہندوستان اور ہمارے لیئے تباہی کا باعث ہوگا" کیونکہ جنگ کے دوران تو دونوں یعنی برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان کسی معاہدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مگر ہم پیش رفت کرکے عقل مند ہونگے بجائے اس کے کہ ہم احتجاج کرکے اشتراک پیدا کریں اور اس طرح ہم ذمہ دار آدمیوں کی ایک جماعت تیار کرنے کے قابل ہوسکیں جو بعد میں آہستہ آہستہ اپنا اثر استعمال کرسکیں گے"۔ (۳)

لارڈ لنلتھگو کو سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند لارڈ ایمرے نے فروری ۱۹۴۳ء میں خط لکھا کہ:

> "ظفر اللہ اپنا سارا فارغ وقت اس بات پر صرف کرنے میں بڑا مشتاق ہے کہ وہ اعتدال پسندوں کی جماعت کا ایک ایسا مرکزہ قائم کرے جو برطانوی سلطنت میں رہتے ہوئے دنیا میں ہندوستان کے مستحکم مستقبل کے لیئے ہندوستان کے لیئے ایک پائیدار آئین تلاش کرسکیں"۔

وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری نے حاشیہ میں یہ لکھا:

۱۔ Transfer of Power۔ جلد 8 صفحہ 512۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً صفحہ 526۔

> ''مجھے یہ نہیں نظر آتا کہ کیا ان باتوں سے قانون کی آزادی برقرار رہ سکتی ہے اور یہ بات عوام کے بھروسے کے مطابق ہو سکتی ہے کہ ایک وفاقی عدالت کا جج، قومی اور آئینی سیاست میں اتنا سرگرم عمل ہو۔ نہ ہی مجھے ظفر اللہ کی جہت یا تعلیم پر اتنا بھروسہ ہے، وہ ایسے معاملہ میں نہ جانے کہاں اٹک جائے۔ تاہم سیکرٹری آف سٹیٹ کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پر جو چاہتا ہے کرے۔ وہ ہندوستان کے سلطنت برطانیہ کے ساتھ رہنے کی ضرورت پر درست طور پر قائل ہے اور مدالیار اور عزیز الحق کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے''۔(۱)

صلح کی تجویز

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد کانگریس نے آٹھ اگست ۱۹۴۲ء کو ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی قرارداد منظور کی۔ مہاتما گاندھی کو گرفتار کرلیا گیا اور کانگریس پر پابندی لگا دی گئی۔ لیگ کا کہنا تھا کہ اس تحریک کا مقصد دراصل برطانوی حکومت کو مجبور کرنا تھا کہ وہ اس ملک کی انتظامیہ ہندوؤں کو سونپ دیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس میں حصہ لینے سے منع کیا۔ قادیانیوں نے اس تحریک آزادی سے ایک نیا خطرہ محسوس کیا۔ انہوں نے بلاتوقف مسلم لیگ کی حکمت عملی کی مخالفت کر دی۔ مرزا محمود نے قیام پاکستان اور آزاد ریاست کے مطالبے کو ''ہندوستانی غلامی کو مزید پکا کرنا'' قرار دیا۔(۲)

دسمبر ۱۹۴۴ء میں سر ظفر اللہ نے جو اس وقت ہندوستان کی وفاقی عدالت کا جج تھا، نے مرزا محمود کے حالات زندگی کا ایک نقشہ پیش کیا۔ اپنے پمفلٹ میں ان کے سیاسی خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''ان کا خیال ہے کہ ہندوستان اپنی سیاسی، معاشی اور اخلاقی نجات اسلام کے ذریعے حاصل کرے گا۔ اس طرح وہ کسی علاقائی منصوبہ پاکستان میں یقین نہیں رکھتے۔ ان کا

۱۔ ایمرے کی طرف سے لنلتھگو کو خط۔ 26 فروری 1943ء۔ انتقال اقتدار۔ جلد 3۔ صفحہ 738۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 11 جون 1944ء۔

خیال ہے کہ آخرکار تمام ہندوستان پاکستان ہوگا اور یہ "اکھنڈ ہندوستان" ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ دو تصورات کے مابین جو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے وہ محض ہندوستانی عوام کے لیئے برطانوی غلامی کو طول دیتا ہے"

بارہ جنوری ۱۹۴۵ء کو مرزا محمود نے قادیان میں اپنی جماعت کو خطاب کیا۔ آپ نے ہندوستان کے ساتھ برطانوی تعلقات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"وقت آ گیا ہے کہ برطانیہ ہندوستانیوں کو اعتماد میں لے۔ یہ خدا کی مرضی ہے کہ اس نے امن عالم کو برطانیہ سے منسلک کر دیا ہے۔ چند خامیوں کے باوجود خدا نے انگریزوں کو بے مثل خوبیاں عطا کی ہیں۔ ہم خدا کے حکم سے کیسے روگردانی کر سکتے ہیں یا نظریں چرا سکتے ہیں۔ ہم ہمیشہ سے ہی حکومت اور خصوصاً برطانیہ سے تعاون کرتے آئے ہیں کیونکہ یہی کچھ ہے جو ہم نے قرآن سے سیکھا ہے۔ اگرچہ ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے یا ہمیں خطرات لاحق ہوں۔ ہم عموی طور پر ہر حکومت کے ساتھ تعاون جاری رکھیں گے۔ اب یہ برطانیہ کے مفاد میں ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ معاہدہ کرے۔ یہ برطانیہ کے لیئے ایک استحکام کا ذریعہ ہے۔ ایک وسیع منڈی مہیا کرتا ہے۔ برطانوی فوج کو افرادی قوت دیتا ہے اور درحقیقت یہ تاج برطانیہ میں ایک ہیرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے مسیح موعود کو ہندوستان میں بھیجا ہے۔ ہندوستان مستقبل قریب میں مسیح موعود کے پھریرے تلے ہوگا۔ دنیا کی کوئی قوت ہندوستانیوں کو خواہ ہندو، سکھ یا مسلمان ہوں، مسیح موعود کی غلامی میں آنے سے نہیں روک سکتی"۔ (۲)

آخر میں انہوں نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ وہ "محبت اور باہمی ہمدردی کے اس پیغام کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچا دیں۔

دولت مشترکہ کانفرنس

سر ظفر اللہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے آخری دور میں اپنے کردار پر

۱۔ سر ظفر اللہ۔ سربراہ تحریک احمدیہ۔ "بیکر اینڈ وٹ لمیٹڈ۔ لندن صفحہ 26۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 17 جنوری 1945ء۔

روشنی ڈالتا ہے۔ ۱۹۴۵ء کے موسم بہار میں چیتھم ہاؤس' سینٹ جیمز اسکوائر لندن میں ہونے والی ''دولت مشترکہ ممالک کے تعلقات'' کی کانفرنس میں شرکت کے لیئے وہ ''ہندوستانی ادارہ برائے بین الاقوامی تعلقات'' کے وفد کو لے کر گیا۔ اس وقت بھی وہ وفاقی عدالت کے جج کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اختتامی اجلاس میں اُس نے دولت مشترکہ کی آزادی کی خاطر اور اپنی معاشی تباہی کی قیمت پر امن عالم کی خاطر ہندوستان کے کردار پر روشنی ڈالی۔ پھر اُس نے ہندوستان کے آئینی بحران کے سلسلے میں روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

> ''دولت مشترکہ کے مدبرین نے کہا! کیا یہ بات آپ کو معلوم نہیں کہ یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ہندوستان کے پانچ لاکھ آدمی میدان جنگ میں دولت مشترکہ کی آزادی کی خاطر سرگرم عمل ہوں اور پھر بھی آزادی کی بھیک مانگتے پھریں۔ کیا خیال ہے آپ کا کہ انہیں کتنی دیر اور انتظار کرنا پڑے گا؟ ہندوستان رواں دواں ہے۔ آپ اس کی مدد کریں یا اسے روکیں لیکن کوئی اس کو روک نہیں سکے گا۔ ہندوستان دولت مشترکہ میں رہتے ہوئے آزاد ہوگا۔ اگر آپ اس کی اجازت دیں گے وہ اسے اس کی مناسب جگہ دیں جو اس کا حق بنتا ہے۔ وہ دولت مشترکہ کے علاوہ آزاد ہوگا اگر آپ کے پاس کوئی اور متبادل نہ ہو تو......''۔ (۱)

یہ برطانوی عوامی رائے عامہ تھی جو ان دنوں تشکیل پا چکی تھی۔ شاید ایک بہت ہی کم اقلیت ایسے جنونیوں کی ہوگی جو چرچل کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے آزادی مخالف تھے۔ آٹھ مارچ ۱۹۴۵ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند ایمرے نے وائسرائے ویول کو لکھا کہ:

> ''ظفراللہ کی سب سے بڑی دلیل کہ ہندوستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی دولت مشترکہ میں اس کی شمولیت مشکوک ہوتی جائے گی۔ اس نکتہ پر آپ باہم اختلاف نہیں کر سکتے''۔ (۲)

۱۔ سر ظفر اللہ۔ The Agony of Pakistan۔ صفحہ 23۔

۲۔ ٹرانسفر آف پاور۔ جلد 5۔ صفحہ 667۔

جہاں تک ہندوستان کے لیئے عبوری آئین کا مسئلہ ہے' میں ہندوستان کے لیئے کوئی بہتر عبوری آئین کا نہیں سوچ سکتا کیونکہ موجودہ آئین جس میں معمولی قطع برید کر دی جائے تو قانون جدید خطوط پر آ سکتا ہے اور معاشی تحفظات سے بھی نجات مل سکتی ہے۔ (۱)

ظفر اللہ کا آئینی منصوبہ

۱۹۴۵ء میں سر ظفر اللہ اور سر سلطان احمد نے ہندوستانی مسائل پر غور وخوض کے لیئے برطانیہ حکومت کو ایک آئینی منصوبہ پیش کیا۔ ظفر اللہ کا پیش کردہ منصوبہ ایک یادداشت کی صورت میں مشتہر کیا گیا۔ (انڈین کمیٹی پیپر) سولہ فروری ۱۹۴۵ء کو سر سلطان احمد نے بھی اپنا آئینی منصوبہ پیش کر دیا۔ آپ بعد میں وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بنے۔ ان منصوبوں پر سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کی زبانی ان آئینی مسائل کا نکتہ نظر ملاحظہ کریں۔

> "میں آپ کی اطلاع کے لیئے یہ نوٹ مشتہر کر رہا ہوں۔ جس میں ظفر اللہ خان نے آئینی مسائل کے ضمن میں فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے ممکنہ ذرائع پر اپنا اظہار خیال کیا ہے۔
>
> سر ظفر اللہ گول میز کانفرنس میں شریک رہے اور جائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں شامل تھے۔ آپ بعد میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بنے۔ اب وہ وفاقی عدالت کے جج اور اب یہاں ادارہ بین الاقوامی تعلقات کے زیر اہتمام ہونے والی دولت مشترکہ کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کر رہے ہیں۔ یہ ایک پنجابی ہے اور بڑے تیز ذہن کا مالک ہے جو ایک معتدل مسلم نکتہ نظر پیش کرتا ہے مگر بدقسمتی سے اس کی ذاتی پیروکار نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ یہ ایک غیر قدامت پسند فرقے سے تعلق رکھتا ہے"۔ (۲)

سیکرٹری آف سٹیٹ نے ظفر اللہ کے منصوبے کا سلطان احمد کے منصوبے سے موازنہ کرتے ہوئے زور دیا۔

۱۔ ایضاً۔

۲۔ انتقال اقتدار جلد 5۔ صفحہ 550۔

> ''ظفر اللہ اور سلطان کے منصوبوں کے کئی نکات ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بہت کم میں اختلاف ہے۔ پاکستان کی کوئی بھی وکالت نہیں کرتا۔ دونوں نے وفاقی مرکز کی سفارش کی ہے جس کے پاس محدود اختیارات ہوں اور بقیہ اختیارات اکائیوں کے پاس ہوں۔ اکائیوں پر دونوں کا اختلاف ہے۔ سر سلطان احمد کا خیال ہے کہ سرحدوں کی دوبارہ حد بندی کی جائے جبکہ سر ظفر اللہ کا خیال ہے کہ صوبوں کی موجودہ سرحدیں برقرار رہیں بلکہ انہیں پچیس سال تک نہ چھیڑا جائے۔ دونوں معمولی اختلاف کے ساتھ وفاقی انتظامیہ اور وفاقی افواج میں کم سے کم نمائندگی کے حامی ہیں۔ سر ظفر اللہ انتظامیہ میں پچاس فیصد حصہ مانگتا ہے جبکہ سلطان چالیس فیصد پر مطمئن ہے (بقیہ چالیس فیصد ہندوؤں کیلئے دس فیصد نچلی جاتیوں کے لیئے اور دس فیصد دیگر کیلئے) موخر الذکر مقامی ملازمتوں میں اس تناسب پر مطمئن ہے مگر وفاقی ملازمتوں میں پچاس فیصد حصہ مانگتا ہے۔ ظفر اللہ کا خیال ہے کہ مسلمان دس فیصد وفاقی ملازمتیں اور مقامی ملازمین میں تیسرا حصہ چاہتے ہیں۔ کسی نہ کسی لحاظ سے ان فرقہ وارانہ تجاویز میں ہندو ان کے مخالف ہونگے جو کہ ایک کمزور مرکز کی مخالفت کریں گے۔ ظفر اللہ ہندوستان میں موجودہ حکومت کی عبوری تنظیم نو کے امکان کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں دیتا۔ سر سلطان احمد کا خیال ہے کہ صوبائی حکومتوں کے قیام سے پہلے ہندوستان کے آئین کی ترتیب نو ہونی چاہیے''۔ (۱)

ظفر اللہ کا منصوبہ لندن میں زیر بحث آیا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے ایک آئین تشکیل دیا جائے۔ ظفر اللہ کا خیال تھا کہ ہندوستانیوں کا کسی بات پر اتفاق رائے نہیں ہوگا اور حکومت کو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں رہتے ہوئے ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کی طرف کوئی حل نکالنا پڑے گا۔

---

(1) Transfer of Power-- جلد 5 صفحہ 551۔

ویول منصوبہ

جولائی ۱۹۴۴ء کو گاندھی جی کو جیل سے رہا کر دیا گیا۔ انہوں نے وائسرائے سے مذاکرات شروع کیئے جو بار آور ثابت نہ ہو سکے۔ جبکہ دوسرے مسائل پر بھی کوئی اتفاق رائے نہ ہوا۔ گاندھی جناح خط و کتابت بھی ناکام رہی۔ حکومت برطانیہ نے لارڈ ویول کو مشاورت کے لیئے لندن بلوایا۔ ویول منصوبے سے پیشتر ظفر اللہ لندن چلا گیا۔ ہندوستان کے قائمقام گورنر جنرل سر جے کولویل نے بائیس مئی ۱۹۴۵ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند ایمرے کو لکھا۔

> ’’ظفر اللہ کے سفر برطانیہ کے بارے میں آپ نے ۱ اپبل (وائسرائے کے ڈپٹی سیکرٹری) کے ٹرن بال (سیکرٹری آف سٹیٹ کے پرائیویٹ سیکرٹری) کو بھجوایا گیا برقی عریضہ دیکھا ہے۔ یہاں لوگ اس شک میں مبتلا ہیں کہ وہ سیاسی مقاصد کی خاطر گیا ہے اور میں اور سپنس (عدالت عظمٰی کا چیف جسٹس) اس پر سخت ناراض ہیں۔ اگرچہ پچھلی دفعہ جب ظفر اللہ لندن میں تھا تو اُس نے ایک قوم پرست بن کر بات کی اور قومی پریس سے کافی داد وصول کی تھی مگر میرا خیال ہے کہ وہ اور فیروز خان نون دونوں اکٹھے لندن اس امید پر گئے ہوں گے کہ کسی بھی قابل قبول آئینی تجویز کی مخالفت کر سکیں جو انہیں پسند نہ ہو‘‘۔ (۱)

ویول ہندوستان میں ایک منصوبہ برائے آزادی لے کر ہندوستان آیا تھا۔ اس نے اپنے منصوبے کا اعلان بارہ جون ۱۹۴۵ء کو کر دیا۔ اس نے شملہ میں کانگریس اور لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ ایک میٹنگ کی تا کہ ہندوستان کا آہنی جمود ٹوٹے اور ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کیا جا سکے تا کہ جاپان کے خلاف جنگ کے نتائج میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔ مرکز اور صوبوں سے ہندوستانی سیاسی زندگی سے وابستہ رہنماؤں کو وائسرائے کی کونسل میں اس تناسب سے نمائندگی دی جائے۔ کہ تمام طبقوں کی متناسب نمائندگی ہو اور ہندو جاتیوں اور مسلمانوں کی

۱۔ فیروز خان نون وائسرائے کی کونسل میں وزیر دفاع تھے۔ ۱۹۴۴ء میں انہیں مہاراجہ کشمیر کے ہمراہ جنگی کابینہ میں برطانوی ہند کی نمائندگی کیلئے بھجوایا گیا تھا۔ مہاراجہ والیان ریاست کی نمائندگی کرتا تھا۔ (دیکھئے فیروز خان نون' لاہور۔ 1966۔ صفحہ 180) (انتقال اقتدار جلد 5۔ صفحہ 1056۔

برابر نمائندگی ہو یہ منصوبہ ناکام ہوگیا کیونکہ لیگ نے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے پر اصرار کیا جس پر ویول نے اتفاق نہ کیا۔

بائیس جون ۱۹۴۵ء کو مرزا محمود نے اپنے خطبہء جمعہ میں اس منصوبے کی بڑی تعریف کی اور ہندوستانی سیاسی رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ مزید کسی تاخیر یا سوچ بچار کے اسے قبول کر لیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ اس منصوبے کے ماننے پر وہ انگریزوں کے ساتھ کسی سمجھوتے پر آ جائیں گے۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنا بھلا کریں گے بلکہ آئندہ نسلوں پر بھی احسان عظیم کریں گے۔(۱) انہوں نے سیاسی رہنماؤں پر تنقید کی جو معاملات کی تفصیل پر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کر رہے تھے۔ جبکہ برطانیہ نے ہندوستان کو آزادی عنایت کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔(۲) اس کے خطاب کا انگریزی ترجمہ ان مسلمان رہنماؤں میں تقسیم کیا گیا جو وائسرائے کی کانفرنس میں شرکت کے لیئے شملہ گئے تھے۔ کانفرنس ناکام ہوگئی اور کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے درمیان کوئی بھی قابل قبول سمجھوتہ نہ طے پا سکا۔

انتخابات (۴۶-۱۹۴۵):

(۴۶-۱۹۴۵ء) جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی ایٹلی کی لیبر حکومت نے انتخابات کا پروگرام جاری کر دیا۔ ہندوستان میں انتخابات ۴۶-۱۹۴۵ء کے درمیانی موسم سرما میں ہونے تھے۔

مسلم لیگ محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن چکی تھی۔ قادیانیوں کو اس کا بخوبی علم تھا۔ مرزا محمود جو اپنے وقت کے بدنام سیاسی موقع پرست سمجھے جاتے تھے' نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ اکیس اکتوبر ۱۹۴۵ء کو انہوں نے ''آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ کی پالیسی'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگ کی مدد کرے۔ یہ بھی

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 10۔ صفحہ 263۔

۲۔ ایضاً۔

بڑی دلچسپ بات ہے کہ اسی مضمون میں ''منصوبہ پاکستان'' کی مخالفت کی جس کی بنیاد پر مسلم لیگ اپنی انتخابی مہم چلا رہی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''پس اس وقت (شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء) تک میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے، ہمیں مسلم لیگ یا مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے گو ہم دل سے پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان ہی کے قائل تھے جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا رغبت کے ساتھ شامل ہوں اور اب بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے۔''(۱)

پورے ہندوستان میں قادیانی ایک غیر اہم اقلیت تھے۔ مزید برآں وہ اتنے بکھرے ہوئے تھے کہ انتخابات پر اثر انداز نہ ہوسکتے تھے۔ ان کا اپنی جائے پیدائش یعنی پنجاب میں بہت معمولی اثر تھا۔(۲) مرزا محمود کے مطابق قادیانیوں کی کل تعداد چار یا پانچ لاکھ کے قریب تھی جن میں صرف پچاس ہزار کے قریب ووٹ دینے کے اہل تھے۔ پنجاب میں صرف چھ ہزار کے قریب رائے دہندگان تھے جو کہ سیالکوٹ، وزیر آباد، شکر گڑھ اور بٹالہ کی تحصیلوں میں مرتکز تھے۔ ان کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلم لیگ، یونینسٹ یا کسی دیگر جماعت کے لیئے ان کی حمایت کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی تھی۔ کوئی بھی جماعت ان کے ساتھ تعاون کر کے عام مسلمانوں کے غضب کو دعوت نہیں دے سکتی تھی جو آئندہ انتخابات میں اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ مرزا محمود نے آنے والے انتخابات میں قادیانیوں کو درپیش مشکلات کے متعلق اپنی اندرونی کابینہ میں بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ مقامی جماعتوں کے سربراہوں اور انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ طے کیا جائے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ، زمیندارہ لیگ یا یونینسٹ پارٹی میں سے کسی ایک نے بھی قادیانیوں کو ٹکٹ نہیں دیا۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ سیاسی جماعتیں دیگر حلقہ ہائے انتخابات میں حمایت کے عوض چند

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 10۔ صفحہ 276۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 13 نومبر 1946ء۔

امیدواروں کی حمایت کر رہی تھیں جیسے یونینسٹ نواب محمد دین (سیالکوٹ) کی مدد کرے گی اور چوہدری انور حسین (اجنالہ) اور مسلم لیگ عبدالغفور قمر (شکر گڑھ) سے تعاون کا ہاتھ بڑھائے گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک عجیب صورت بن گئی ہے کہ مسلم لیگی اور یونینسٹ احمدیوں کی چند مقامی حلقہ ہائے انتخابات میں شدید مخالفت کر رہے ہیں جبکہ کچھ دوسرے حلقوں میں ان کی مدد کر رہے تھے۔ انہوں نے احمدیت کے مفاد کی خاطر اپنی جماعت کو قادیان کی بدلتی ہوئی حکمت عملی میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی تلقین کی۔(۱) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لیگی قیادت قادیانیت کو ایک ارتداد اور قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے تھے۔ تیس جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور کے مسلم لیگ کے اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدیوانی نے یہ قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت حاصل کرنے سے روک دیا جائے مگر سیاسی وجوہات کی بناء پر انہیں ایسا نہ کرنے دیا گیا۔ مرزا محمود نے بھی لیگی قیادت سے قادیانیت کی حمایت میں ایک مفید فیصلہ لینے کی کوشش کی مگر ناکام ہو گئے۔ انہوں نے پیر اکبر علی کی ذمہ داری لگائی کہ وہ اس معاملے کو لیگی زعماء کے ساتھ اٹھائے مگر لیگی قیادت نے اس کو بہت مایوس کیا۔

اٹھائیس جنوری ۱۹۴۶ء کو قادیان نے پنجاب اسمبلی کے امیدواروں کے لیئے اپنی رسمی حمایت کا آئندہ آنے والے انتخابات کے لیئے اعلان کیا(۲)۔ اس میں مسلم

۱۔ الفضل قادیان۔ 29 جنوری 1946ء۔

۲۔ شہری علاقوں میں (i)۔ خواجہ غلام محمد (جنوبی شہری) (ii) سردار شوکت حیات (جنوب مشرقی) (iii) ملک برکت علی (شہری مشرقی) (iv) کرامت علی۔ (شمال مشرقی) (v) سر فیروز خان نون (راولپنڈی) (vi) شیخ محمد امین (ملتان) (vii) ملک وزیر محمد (لاہور) (viii) بیگم تصدق حسین (لاہور) (ix) محمد رفیق (لاہور) (x) بیگم شاہنواز (لاہور) (11) شیخ صادق حسن (امرتسر) دیہاتی (12) چوہدری علی اکبر (کانگڑہ اور ہوشیار پور مشرقی) (13) محمد سلام (جالندھر) (14) نواب افتخار حسین ممدوٹ (فیروز پور) (15) میاں افتخار الدین (قصور) (16) چوہدری غلام فرید (گورداسپور) (17) چوہدری محمد حسین (شیخوپورہ) (18) خان بہادر روشن دین (شاہدرہ) (19) رانا عبدالحمید (پاکپتن) (20) چوہدری فضل الٰہی (گجرات) (21) چوہدری بہاول بخش (گجرات) (22) سردار بہادر خان (ڈیرہ غازی خان) (23) غلام جیلانی گورمانی (لیہ) (24) سید بدھن شاہ (خانیوال) (25) عبدالحمید (مظفر گڑھ) (26) چوہدری جہان خان (گجرات) اور (27) غلام رسول تارڑ (گجرات) سولہ یونینسٹ امیدوار (1) سردار شوکت حیات (ملتان اور مغربی پنجاب) (2) راؤ محمد امراؤ خان (انبالہ اور شملہ) (3) سر مظفر علی قزلباش (لاہور) (4) سردار حبیب اللہ خان (چونیاں) (5) چوہدری غلام جیلانی (سیالکوٹ) (6) چوہدری انور حسین (اجنالہ) (7) چوہدری غلام جیلانی (سیالکوٹ) (8) نواب محمد دین قادیانی (نارووال) (9) چوہدری غلام محمد (حافظ آباد) (10) چوہدری حسین علی (ننکانہ) (11) نوابزادہ اصغر علی (گجرات) (12) ملک خضر حیات ٹوانہ (خوشاب) (13) راجہ یعقوب خان (پنڈ دادنخان) (14) ملک فتح شیر لنگڑیال (منٹگمری (ساہیوال)۔ (15) شیخ فیض محمد (ڈیرہ غازی خان) (16) محمد ابراہیم برق (علی پور تین آزاد امیدوار (i) پیر اکبر علی (فیروز پور) (ii) میجر راجہ عبداللہ (وزیر آباد) اور (iii) فتح محمد سیال (بٹالہ۔ قادیان)

۳۔ چوہدری نور خان ذیلدار (چکوال)

لیگ کے ستائیس امیدوار۔(۲) اور ایک زمیندارہ لیگ کا نامزد امیدوار(۳) مشترکہ حلقہ نیابت کی نشستوں میں ملک خضر حیات یونینسٹ (ملتان اور مغربی پنجاب کے جاگیردار) اور سردار جگجیت سنگھ مان (وسطی جاگیردار) کیلئے ان کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔(۱)

فروری کے اوائل میں قادیان نے چند دیگر امیدواران کی حمایت کا اعلان کیا۔ ان میں چار مسلم لیگی(۲) اور ایک آزاد امیدوار(۳) شامل تھے۔(۴)

مرزا محمود ایک ایسے موقع پرست اور ابن الوقت تھے جن کے کوئی مثبت نظریات اور اصول نہ تھے۔ انہوں نے آئندہ ہونے والے انتخابات میں اپنی جماعت کے لیئے فوائد سمیٹنے کیلئے الیکشن کے اکھاڑے میں چھلانگ لگا دی۔ یعنی مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان ایک سیاسی ضرورت تھی لیکن ان کی حمایت مختلف جماعتوں کے لیئے مخصوص تھی یہ موقع پرستی کی بدترین مثال تھی جو کہ ہمیشہ سے ہی قادیان کا طرہ امتیاز تھا۔(۵) پنجاب کے چند حلقہ ہائے انتخابات میں سطحی طور پر زبانی حمایت کے برعکس جس کی انہیں قطعاً ضرورت نہ تھی۔ قادیانیوں نے بیک وقت کئی مسلم لیگی نامزد امیدواروں کے خلاف یونینسٹوں اور آزاد امیدواران کے اشتراک سے پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی۔ اس چیز نے مسلم لیگ کے سیاسی کارکنوں کے لیئے بڑی مضحکہ خیز صورتحال پیدا کر دی اور انہیں اپنی انتخابی مہم کو صاف انداز میں چلانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

مزید برآں مرکز (قادیان) اور مقامی جماعت کی طرف سے مختلف امیدواروں کے لیئے اعلان نے بڑی الجھن پیدا کر دی۔ کئی جگہوں پر مقامی جماعتوں نے مرکز (قادیان) کی ہدایات کو ٹھکراتے ہوئے اپنی مرضی کے امیدواروں کی حمایت

۱۔ الفضل قادیان۔ 28 جنوری 1946ء۔

۲۔ شیخ فضل حق پراچہ (بھلوال)۔ سردار نصر اللہ خان (علی پور)۔ میاں عبدالحق (اوکاڑہ) ولی محمد گوہیر (نکودر۔ پھلور) دس یونینسٹ (نواب علی بخش ٹوانہ (سرگودھا)۔ رانا محمد حسین (ہوشیار پور)۔ سید حسین شاہ گردیزی (کبیروالہ) ملک محمد نواز (لودھراں) سید نصیر الدین شاہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) ملک رب نواز ٹوانہ (لائلپور) صاحبزادہ فیض الحسن آلومہاروی (ڈسکہ) راجہ خیر مہدی (جہلم)۔ سر نواب مخدوم حسین قریشی (لدھیانہ) رائے محمد اقبال (لدھیانہ)

۳۔ چوہدری عصمت اللہ لائلپور سے ایک قادیانی وکیل۔

۴۔ الفضل قادیان۔ 29 جنوری تا 3 فروری 1946ء۔

۵۔ پیغام صلح۔ لاہور 27 فروری 1946ء۔

۶۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1946ء۔

کی۔(۲) اس کی ایک روایتی مثال گوجرانوالہ کے احمدی رائے دہندگان کی تھی۔ انہوں نے مرزا محمود کے احکامات کی پرواہ نہیں کی اور اپنی مرضی کے امیدوار کی حمایت جاری رکھی جس پر مرزا محمود کو ناراض ہو کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ احمدی اپنی مرضی کے امیدواروں کو ووٹ دیں مگر قادیان کی مجلس شوریٰ سے ان کی نمائندگی کو معطل کر کے انہیں اس کی سزا دی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ گوجرانوالہ سے کوئی احمدی مستقبل میں انہیں نہیں مل سکتا۔(۱)

نارووال کے حلقہ انتخاب میں احمدیوں نے اپنے احمدی امیدوار خان بہادر نواب محمد دین کی حمایت کی جو کہ یونینسٹوں کا امیدوار تھا اور مسلم لیگی امیدوار میاں ممتاز محمد دولتانہ کے خلاف نامزد امیدوار تھا۔ اسی طرح ڈسکہ' سیالکوٹ' حلقہ انتخاب سے پہلے یہ اعلان کیا گیا کہ لیگی امیدوار چوہدری نصیر الدین کے خلاف یونینسٹ امیدوار ذیلدار غلام جیلانی کی حمایت کی جائے گی۔ بعد ازاں اس فیصلے کو تبدیل کر کے ایک مسلم احراری صاحبزادہ فیض الحسن آلو مہاروی کی حمایت کی گئی جو یونینسٹوں کے نامزد کردہ تھے۔ ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج ظفر اللہ قادیانی اور ڈسکہ کے خان بہادر قاسم علی جنوری ۱۹۴۶ء میں صاحبزادہ صاحب کو قادیان لے کر آئے تاکہ ان کے ساتھ کوئی سودے بازی کی جا سکے۔(۲) مرزا محمود نے ان کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے جماعت کو حکم دیا کہ وہ انہیں ووٹ دیں۔ الفضل میں احراری رہنما صاحبزادہ فیض الحسن کی انتخابی حمایت کے اعلان سے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی اور کئی قادیانیوں نے بار بار ان کی وضاحتیں طلب کیں کیونکہ یہ سب کچھ ان کے لیئے ناقابل یقین تھا۔

بھلوال کے حلقہ انتخاب میں مرزا محمود نے ایک یونینسٹ امیدوار کی حمایت کا اعلان کیا۔ مرزا محمود کی کرائی گئی یقین دہانیوں کی بناء پر علاقہ کے با اثر جاگیردار قادیانی ملک صاحب خان نون نے انہیں مکمل یقین دہانی کرائی کہ اس امیدوار کی بھرپور مدد کی

۱۔ الفضل قادیان۔ 26 جنوری 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1946ء۔

جائے گی۔ اس کی کامیابی کے کم امکان دیکھ کر مرزا محمود نے شیخ فضل حق پراچہ لیگی امیدوار کی مدد کا اعلان کر دیا۔ اسکے ساتھ ساتھ صاحب خان نون کو یہی ہدایت دی کہ وہ یونینسٹ امیدوار کی حمایت جاری رکھے۔ (۱)

انتخابات میں ہمیشہ سے بدلتی حکمت عملی سے پیدا شدہ صورتحال سے نمٹنے کے لیئے مرزا محمود نے حصار، روہتک، گڑگاؤں، کرنال۔ میانوالی، جھنگ اور راولپنڈی کی مقامی جماعتوں کو ہدایت کی کہ وہ خاص جماعت کے امیدواروں کی حمایت کرنے کی بجائے کثرت رائے کی بنیاد پر وہ قابل قبول سمجھوتے کر لیں۔ (۲) کئی مواقع پر قادیانیوں کی غیر واضح حکمت عملی کی بناء پر ان کے حلقہ ہائے انتخابات میں یونینسٹ امیدواروں کی حمایت کی گئی۔ قادیان کا اصل مفاد پٹیالہ کے حلقہ انتخاب میں تھا جہاں ایک آزاد قادیانی امیدوار اور مرزا محمود کا چہیتا فتح محمد سیال یونینسٹ میاں بدر محی الدین اور سید بہاء الدین مسلم لیگی امیدوار کے خلاف انتخاب لڑ رہا تھا۔ اسے غیر مسلم جاگیردار امراء اور برطانیہ کی بالواسطہ سرپرستی حاصل تھی۔ سیال انتخاب جیت گیا۔ اس کی کامیابی پر مرزا محمود نے اپنے ہندو اور سکھ دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر قادیانی امیدوار کی حمایت کی تھی۔ (۳) مرزا محمود نے یہ واضح کیا کہ پنجاب اسمبلی کے اس احمدی رکن کا اصل کام یہ ہوگا کہ وہ اس طرح کام کرے کہ ہندو، مسلمان اور سکھ مشترکہ طور پر صوبے کی ترقی کے لیئے کام کریں جو کہ یونینسٹ جماعت کی پالیسی تھی۔ (۴)

لائلپور (فیصل آباد) کے حلقہ انتخاب میں چوہدری عصمت اللہ قادیانی نے لیگ کے نامزد امیدوار سے مقابلہ کیا اور عبرتناک شکست کھائی۔ جس سے یہ بات بڑی واضح ہو کر سامنے آئی کہ مسلم لیگ کی حمایت کے قادیانی دھوکے محض فریب ہیں۔ یہ ایک

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل قادیان۔ یکم فروری 1946ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 22 فروری 1946ء۔

۴۔ الفضل قادیان۔ یکم مارچ 1948ء۔

یکطرفہ اعلان تھا جس کا مطلب عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور اپنی خفیہ سازشوں پر پردہ ڈالنا تھا۔ کئی مواقع پر اس نے لیگ کے نعرے یعنی ایک اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کو بھی نقصان پہنچایا اور کانگریس کے حامی قوم پسند عناصر نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا۔ سولہ احرار یا احرار حامی امیدواروں (۱) کیخلاف غلیظ اور نہایت گھٹیا مہم چلائی گئی جو پنجاب انتخابات میں حصہ لے رہے تھے۔ (۲)

ان انتخابات میں احرار کی ساکھ گر گئی اور وہ اپنی شہرت کھو بیٹھے کیونکہ وہ مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف تھے۔ اس سے قادیانیوں کو اپنے سب سے بڑے دشمنوں کو بدنام اور ذلیل کرنے کا موقع مل گیا۔ احرار رہنماؤں کی کردار کشی کی مہم میں قادیان کی طرف سے بے تحاشا پیسہ بہایا گیا۔ قادیانیوں نے اپنی تمام کوششوں کا رخ مرزا محمود کی اس پیش گوئی کی طرف موڑ دیا کہ

> ''احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جو ان کے یکدم زوال سے تعلق رکھتی ہے''۔

الفضل احرار کی انتخابات میں مکمل شکست پر خوشیاں مناتا رہا۔ (۳)

پنجاب کے انتخابات کے اختتام پر مسلمانوں کے سامنے قادیانیوں سے متعلق بڑی دلچسپ اور حیران کن باتیں سامنے آئیں۔

(1) مرزا محمود کے بعض امیدواروں کی مکمل حمایت کے حکم کے باوجود کئی قادیانی اکابر نے ''حضرت خلیفۃ المسیح'' کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کے امیدواروں کی حمایت کی۔ انہوں نے یونینسٹوں کی انتخابی مہم کے لیئے باقاعدہ رقم اور مدد لی اور قادیان کی ڈگمگاتی حکمت عملی کو اپنے ذاتی خواہشات کے لیئے استعمال کیا۔ مرزا محمود نے اپنے خطبات میں اس صورتحال پر افسوس

۱۔ شیخ حسام الدین (امرتسر)۔ ماسٹر تاج الدین انصاری (شہری) میاں عبدالنبی (شہری)۔ مظہر علی اظہر (شہری) سیالکوٹ۔ مولوی مہر نواز (ملتان) غلام فرید (گورداسپور) چوہدری عبدالرحمٰن (جالندھر) چوہدری محمد عبداللہ (ناروال) کاظم علی (خانیوال) نصر اللہ خان (مظفر گڑھ) عبدالحئی) (اٹک) خوشی محمد (سمندری) عبدالغفور (ٹوبہ ٹیک سنگھ) محمد علی (جالندھر) فیض محمد خان (علی پور) اور سردار محمد شفیع (چونیاں)۔

۲۔ پاکستان اور دوسرے فرقہ وارانہ مسائل پر احرار کے نکتہ نظر کو جاننے کے لیئے دیکھیے۔ مولانا مظہر علی اظہر۔ ''ہمارے فرقہ وارانہ فیصلے کا استدراج لاہور۔ 1946ء۔

۳۔ الفضل قادیان 26 فروری 1946ء۔

۴۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1944ء۔

کا اظہار کیا۔ (۴) ان حلقہ ہائے انتخاب میں جہاں مقامی جماعت نے اکثریت کی بناء پر فیصلے کیئے اور مرکزی قادیان نے ان کی حمایت کی۔ وہاں بھی قادیانی رائے دہندگان نے تمام ہدایات کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنی پسند کے امیدواروں کو ووٹ دیئے۔ (۱)

(2) کئی قادیانیوں نے مرزا محمود کے پنجاب کی انتخابی مہم میں حصہ لینے کے طریق کار پر سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ ذیلدار غلام جیلانی کی بجائے احراری رہنما صاحبزادہ فیض الحسن کی کھلی حمایت شدید تنقید کا نشانہ بنی حالانکہ پہلے قادیان نے جیلانی کی حمایت کا واضح اعلان کر دیا تھا۔ (۲) صاحبزادہ کی حمایت کو تنگ نظری اور ظفر اللہ اور ملک خضر حیات کے آگے خواہ مخواہ کی اطاعت سے تعبیر کیا گیا۔

(3) متواتر بدلتی وفاداریوں اور چند امیدواروں کی غیر اعلانیہ امداد نے قادیان کو بے نقاب کر دیا جو بے تکے سمجھوتوں کی بناء پر کی گئی۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ مرزا محمود بلاشبہ ایک چالباز، اصول پسندی سے عاری موقع پرست سیاست دان اور خود غرض آدمی ہیں۔ انتخابات کے بعد قادیان میں باغی عناصر کی آوازوں کی گونج سنائی دیتی رہی۔ یہ الزامات بھی سامنے آئے کہ احمدیوں کی خون پسینے کی کمائی جو انہوں نے اپنے مذہب کی ترویج کے لیئے پیش کی تھی سیاسی کاموں میں بے تحاشا صرف کی گئی۔ (۳)

مرزا محمود نے اپنے تنخواہ دار مبلغوں اور مخلص پیروکاروں کے ذریعے ایسی ابھرتی آوازوں کو خاموش کرا دیا۔

صوبائی اسمبلیوں میں کانگریس نے آسام، صوبہ سرحد اور ہندو اکثریتی علاقوں میں اکثریت حاصل کر لی۔ لیگ نے تمام صوبائی اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لیئے مختص

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 31 جولائی 1946ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 20 مارچ 1946ء۔

چار سو بانوے میں سے چار سو اٹھائیس نشستیں حاصل کر لیں۔ بنگال اور سندھ میں ان کی وزارتیں بن گئیں مگر پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ کی سربراہی میں یونینسٹوں، اکالی سکھوں اور کانگریس کی مخلوط حکومت بنی۔ پنجاب اسمبلی میں جماعتوں کی صورتحال کچھ یوں تھی۔ مسلم لیگ (تہتر) اور یونینسٹ (بارہ) بعدازاں چار یونینسٹ لیگ میں شامل ہو گئے۔

انتخابات کے بعد قادیان سے یہ شاطرانہ بیان سامنے آیا کہ انہوں نے کانگریس کے تینتیس امیدواروں کی حمایت کی جن میں سے بتیس کامیاب ہو گئے اور پنجاب میں نو یونینسٹ امیدواروں کی حمایت کی گئی جن میں سے چھ کامیاب ہوئے۔(۱) اصل میں انہوں نے اپنے دعاوی کے مطابق اکتیس مسلم لیگیوں، چھبیس یونینسٹوں۔ چار آزاد اور ایک زمیندارہ لیگ کے امیدوار کی حمایت کی جبکہ عملی طور پر ان کی دھوکہ دہی پر مبنی حکمت عملی میں یونینسٹوں کی حمایت کا عنصر غالب تھا اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کے اعلانات و انتخابی معاہدے کسی وقعت کے حامل نہ تھے۔

مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لیئے مختص تمام نشستیں مسلم لیگ نے حاصل کر لیں جبکہ باقی ماندہ منتخب نشستیں کانگریس لے گئی۔ قادیانیوں نے مرکزی اسمبلی کے لیئے مسلم لیگ کے امیدوار مولانا ظفر علی خان کو ووٹ ڈالے چونکہ ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ مرزا محمود نے بنگال، بہار، صوبجات متحدہ، وسطی صوبہ جات بمبئی، صوبہ سرحد وغیرہ میں قادیانیوں کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں ان کے مختصر سے ووٹوں کی کوئی اہمیت نہ تھی یہ لفظی شعبدہ بازی تھی تاکہ اپنے دوغلے پن کو چھپایا جا سکے۔ یہ پالیسی انتخابات کے اعلان (۱۹۴۵ء) سے جاری تھی۔

نہرو کی ظفر اللہ کے لیئے حمایت

جدوجہد آزادی کے آخری مرحلے میں قادیانی اور کانگریسی رہنماؤں کے تعلقات بڑے قریبی تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے برطانوی ہند کی جانب سے

۱۔ الفضل قادیان۔ 28 فروری 1946ء۔

ظفر اللہ کا نام بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت کے لیئے پیش کر دیا۔ برطانوی حکومت نے اس کی پوری تائید کی۔ یو کے نیشنلسٹ گروپ نے اسے برطانوی فہرست میں شامل چار امیدواروں میں ایک کے طور پر نامزد کیا۔ مگر اقوام متحدہ میں امریکی وفد نے آخری مرحلے پر اس کے لیئے اپنی حمایت واپس لے لی اور پولینڈ کے امیدوار کی حمایت کر دی۔ اس طرح ظفر اللہ اس مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نہرو کے ذہن میں ظفر اللہ کا نام ہندوستان کے مستقبل کے چیف جسٹس کے طور پر بھی موجود تھا۔(۱)

کیبنٹ مشن

انیس فروری ۱۹۴۶ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا گیا کہ ہندوستانی مسئلہ کے حل کیلئے ایک تین رکنی کابینہ مشن ہندوستان کا دورہ کرے گا۔ مشن چوبیس مارچ ۱۹۴۶ء کو دہلی پہنچا اور اس نے ایک متفقہ حل کیلئے تمام ہندوستانی جماعتوں کے ساتھ طویل مذاکرات کیئے۔ پندرہ اپریل ۱۹۴۶ء کو الفضل قادیان میں ”پارلیمانی مشن اور ہندوستانیوں کا فرض“ کے عنوان سے مرزا محمود نے ایک مضمون لکھا۔ جس میں انہوں نے کہا:

> ”مجھ سے احمدیوں نے پوچھا ہے کہ احمدیوں کو ان کے خیالات کے اظہار کا موقع کیوں نہیں دیا گیا۔ میں نے اس کا جواب ان احمدیوں کو یہ دیا ہے کہ ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے (گو مسیحیوں کی انجمن کو کمیشن نے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی ہے) دوسرے جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے جو حال دوسرے مسلمانوں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ تیسرے ہم ایک چھوٹی اقلیت ہیں اور پارلیمنٹری وفد اس مقصد سے بات کر رہا ہے جو ہندوستان کے مستقبل کو بنا یا بگاڑ سکتے ہیں۔ دنیوی نقطہ نظر سے ہم ان جماعتوں میں سے نہیں ہیں۔ اس لیئے باوجود اس امر کے کہ جنگی سرگرمیوں کے لحاظ سے اپنی نسبت آبادی کے مدنظر ہم تمام دوسری جماعتوں سے زیادہ قربانی کرنے والے تھے۔ کمیشن کے نقطہ نگاہ سے ہمیں کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ چوتھے یہ کہ خواہ کمیشن کے سامنے ہمارے آدمی پیش

۱۔ سر ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 16 اپریل 1946ء۔

ہوں یا نہ ہوں ہم اپنے خیالات تحریر کے ذریعے بروقت پیش کر سکتے ہیں"۔(۲)

انہوں نے مشن کے ارکان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ اگر ایسی صورتحال پیدا کی گئی جس میں اقلیت کو ان کے مکمل حقوق نہ ملے تو اس کی ذمہ دار حکومت برطانیہ ہوگی۔ آخر میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہندو مسلم مسائل کو ایک منصفانہ طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہی سلطنت برطانیہ کے اصول پر کاربند رہے اور انہیں اس وقت کی قائم کردہ انٹرنیشنل لیگ یا اقوام متحدہ کے اصولوں سے کہیں اعلیٰ سمجھا۔ نظام میں تبدیلی ہو سکتی تھی لیکن اس کو ایک غیر ملکی محکومی نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ہم اس میں حصہ دار ہوں، لیکن اپنی اس بات پر وہ پھر بھی قائم رہے کہ سلطنت برطانیہ اور ہندوستان کے مختلف حصوں کے درمیان ایک باہمی سمجھوتہ ہونا چاہیے۔ اس سمجھوتے کی بنیاد پر ہندو اور مسلمان اسی طرح اکٹھے رہ سکتے تھے جس طرح وہ ماضی میں صوبوں سے رہتے آئے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو یقین دلایا کہ ان کا دل ان کے ساتھ ہے اور ان کی یہ شدید خواہش ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ایک سمجھوتہ طے پا جائے جس کی بناء پر یہ سوتیلے بھائی سگے بھائیوں کی طرح رہ سکیں۔ آخر میں انہوں نے کہا۔

> "میں اس امر کے حق میں ہوں کہ جس طرح ہندوستان کے متحد رکھنے کی کوشش کی جائے، خواہ ہماری جدائی اصل جدائی نہ ہو بلکہ جدائی اتحاد کا پیش خیمہ ہو"۔(۱)

اس مضمون کو ایک کتابچے کی شکل دے کر اسے مولانا ابو الکلام آزاد، مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح کو ارسال کیا گیا۔ اسے مسلم کنونشن دہلی اور اردو پارک دہلی میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں بھی تقسیم کیا گیا۔(۲)

عارضی حکومت:

بارہ اگست ۱۹۴۶ء کو لارڈ ویول نے کانگریس کے صدر پنڈت نہرو کو مسلم لیگ

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 10 صفحہ 380۔ اور الفضل قادیان 6۔ اپریل 1946ء۔
۲۔ الفضل قادیان۔ 16 اپریل 1946ء۔

کے ساتھ مل کر ایک عارضی حکومت کے ممکنہ قیام کی دعوت دی۔ قائداعظم نے اس کابینہ میں شمولیت سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ کابینہ مشن کے منصوبے کو مسلم لیگ نے قبول کر لیا تھا مگر کانگریس نے نامنظور کر دیا تھا۔ چنانچہ منطقی طور پر مسلم لیگ کو موقع ملنا چاہیئے کہ وہ ایک عبوری حکومت قائم کرے۔ چنانچہ لیگ نے یہ فیصلہ کیا کہ ”راست اقدام“ کی قرارداد منظور کی جائے۔ انہوں نے برطانیہ اور کانگریس کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ انہوں نے مسلمانوں سے کیا گیا وعدہ توڑا ہے۔ سولہ اگست کو ”یوم راست اقدام“ منایا گیا۔

دو اگست کو مرزا محمود نے مسلم لیگ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے مسلمانوں کے واحد نمائندہ ہونے کے دعوے کو ترک کر دے اور اس میں غیر مسلم اقلیتوں، پارسیوں، سکھوں اور عیسائیوں کو بھی شامل کرے۔ لیگ کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ دوسری تنظیموں کو بھی شامل کرنے کے لیئے لچکدار رویہ اپنائے۔(۱) اور اپنے آپ کو ایک مذہبی کی بجائے ایک سیاسی پارٹی ظاہر کرے۔ یہ سب کچھ شاید لیگ میں قادیانیوں کیلئے جگہ بنانے کے لیئے کیا جا رہا تھا۔

قادیانیوں نے لیگ کے راست اقدام پر تنقید کی۔ انہوں نے اس بناء پر اس کی مذمت کی کہ ”قادیانی اسے تسلیم کرنے کے پابند نہیں کیونکہ یہ ان کے مذہبی عقائد کے خلاف ہے۔ وہ ایسا کرنے کے پابند اس لیئے بھی نہ تھے کہ ان کا لیگ کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاہدہ نہ تھا۔(۲)

اگست ۱۹۴۶ء کے آخر میں مرزا محمود نے بشیر احمد ایڈووکیٹ لاہور کو ہدایت کی کہ وہ وہ نیشنل لیگ کے نیم فوجی دستوں کی تنظیم نو کرے تا کہ اس وقت کے حالات میں وہ اپنا موثر کردار ادا کر سکیں۔(۳) اس کا مقصد راست اقدام کے مقابلے میں حکومت برطانیہ کی حمایت اور قادیانیوں کا مسلح حملوں سے بچاؤ تھا۔ قادیانی پہلے ہی بابو سو بھاش کی آزاد ہند فوج کے ہندوستان میں موجود جاسوسوں کو ڈھونڈنے میں سرگرم عمل تھے اور

۱۔ الفضل قادیان۔ 2 اگست 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 19 ستمبر 1946ء۔

۳۔ الفضل قادیان 2 ستمبر 1946ء۔

انہوں نے برطانوی محکمہ خفیہ کی اعانت کے لیئے ہندوستان میں اپنا مضبوط جاسوسی نظام قائم کرلیا ہوا تھا۔ اس کا دائرہ کار مشرق البعید خصوصاً جاپان تک پھیلا ہوا تھا۔

دہلی منصوبہ:

پنڈت نہرو کی بنائی ہوئی حکومت نے دو ستمبر ۱۹۳۶ء کو اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ الفضل نے لکھا کہ

> ''کانگریس نے دانش مندانہ قدم نہیں اٹھایا ہے۔ اسے چاہیئے تھا کہ ہندو مسلم مصالحت کے لیئے وہ مسلمانوں کو اعتماد میں لیتی۔(۱)

تئیس ستمبر ۱۹۴۶ء کو مرزا محمود ایک سیاسی مشن پر دہلی روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ مرزا بشیر احمد، عبدالرحیم درد، ڈاکٹر حشمت اللہ، مرزا شریف احمد، چوہدری اسد اللہ (ظفر اللہ کا بھائی) ذوالفقار علی، چوہدری مظفر دین اور صوفی عبدالقدیر شامل سفر تھے۔ وہ اہم سیاسی رہنماؤں، قائداعظم، گاندھی جی، مولانا آزاد، نواب بھوپال، پنڈت نہرو اور چند ایک غیر ملکی صحافیوں سے بھی ملے۔ وہ وائسرائے سے بھی ملنا چاہتے تھے مگر ان کی مصروفیات کی وجہ سے اسے ملنے کی اجازت نہ ملی۔ تاہم اس وقت کے سیاسی جمود کے بارے میں اپنے نکتہ نگاہ سے آگاہ کرنے کے لیئے انہوں نے وائسرائے کو چند خطوط لکھے۔ جس میں انگریزوں سے استدعا کی گئی تھی کہ لیگ اور کانگریس کو انتقال اقتدار کے وقت پرانے وفادار احمدیوں کا بھی خیال رکھا جائے۔ عبدالرحیم درد وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری سے ملے اور انہیں مرزا محمود کا خط پہنچایا۔(۲)

۱۹۴۶ء کے اواخر میں الفضل نے قادیانیوں کو شدت سے احساس دلایا کہ وہ مسلمانوں کو دائرہ احمدیت میں لانے کی سعی کریں۔ ہر احمدی کو کم از کم ایک مسلمان کو احمدی بنانے کا نشانہ دیا گیا۔(۳) الفضل نے احمدیوں کو اپنے روایتی انداز میں یہ بھی

۱۔ الفضل قادیان۔ 4 ستمبر 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 4 ستمبر 1946ء۔

۳۔ الفضل قادیان 4 ستمبر 1946ء

سمجھانے کی کوشش کی کہ خدا نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ قادیانیوں کے لیئے نئے زمین و آسمان قائم کرے گا۔ یہ کام وہ اپنے مسیح موعود' اس کے خلفاء اور جماعت کی وساطت سے کرے گا۔(۱) ایسے بیانات کا مقصد ہندوستان کے کسی حصے میں ایک قادیانی ریاست قائم کرنا تھا۔

دہلی میں قیام کے وقت مرزا محمود صوبہ سرحد کے سابقہ پولیٹیکل ایجنٹ خان بہادر علی قلی خان سے بھی ملے۔ اتر پردیش کے سابقہ گورنر نواب چھتاری نے بھی انہیں ان کے ''مشن'' کی کامیابی کے لیئے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور ایک برقی عریضہ ارسال کیا۔ سر آغا خان نے بھی یورپ سے انہیں اسی قسم کا برقی عریضہ ارسال کیا۔(۲) مرزا محمود کی ''دہلی یاترا'' کا ایک بڑا مقصد برطانوی خفیہ محکمہ کے اہلکاروں سے ملاقاتیں کرنا بھی تھا۔ یہ بات ''مسلمہ'' ہے جو کہ ایک انتہائی خفیہ خط میں ملتی ہے جو برطانوی محکمہ خفیہ کے افسر اعلیٰ کو پنجاب کے اعلیٰ افسر خفیہ کی طرف سے لکھا گیا۔ اس کی تاریخ آٹھ جولائی ۱۹۴۷ء ہے۔ اس کا ہم بعد میں تذکرہ کریں گے۔

الفضل نے اپنے انیس ستمبر ۱۹۴۶ء کے شمارے میں مسلم لیگی قیادت کو نصیحت کی کہ وہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا محمود احمد سے استدعا کریں کہ وہ راست اقدام جیسے سیاسی مسائل کے سلسلے میں ان کی راہنمائی کریں۔ ان کی قیادت کے ذریعہ سے مسلمان بغیر خون بہائے اور ملک میں بے چینی پیدا کرنے کے بغیر اپنے سیاسی حقوق حاصل کر سکتے تھے۔ اخبار نے یہ بات واضح کی کہ اس نے یہ تجویز ٹیک نیتی کی بناء پر پیش کی ہے۔ تاہم ان کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ سال ۱۹۴۸ء تک ان کے امام (مرزا محمود) کی پیش گوئی کے مطابق جماعت احمدیہ ایک خاص پوزیشن کی حامل ہوگی۔(۳) مرزا محمود کے اس ''مشن'' کی نوعیت اور مسلم لیگ کے اندر قادیانی جماعت کے جگہ حاصل کرنے کی خواہش کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے دلی

۱۔ الفضل قادیان 4 ستمبر 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان ۔ 15 اکتوبر 1946ء۔

۳۔ الفضل قادیان ۔ 19 ستمبر 1946ء

سے چھ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو قائداعظم کو لکھا جب انگریزوں نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کرلیا تھا۔ اس خط کا متن حسب ذیل ہے۔

۸۔ یارک روڈ۔ نئی دہلی

۶۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیئر مسٹر جناح

السلام علیکم!

مجھے یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی کہ آخرکار موجودہ گفت وشنید تصفیہ کے آخری مراحل میں ہے۔ اس دوران میں اس رائے پر پختگی سے قائم رہا ہوں کہ ہمیں ہرگز اپنے نصب العین کو بھولنا نہیں چاہیئے اور نہ اسکے حصول کے لیئے اپنی جدوجہد ہی میں کمزوری دکھانی چاہیئے، لیکن ہمہ وقت سمجھوتے کیلیئے بھی تیار رہنا چاہیے کیونکہ اسلام ایسے موقعوں پر سمجھوتہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ ایسا سمجھوتہ باعزت ہو اور ہمارے آگے بڑھنے کے لیئے آئینی جدوجہد کا راستہ کھلا رہے۔ تاکہ ہم مستقبل میں اپنے مطمع نظر کے حاصل کرنے میں فائز المرام ہوسکیں۔ یہی وہ امر ہے جسے عرف عام میں ”زیر احتجاج“ قبول کرنا کہتے ہیں۔ چونکہ عبوری حکومت کو نیک و بد کرنے کے وسیع اختیارات دے دیئے گئے ہیں اس لیئے قدرتی طور پر مجھے بے حد تشویش ہوئی کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان حکومت میں شامل کیئے جائیں۔ تاہم مجھے مسرت ہوئی کہ آپ نے موقع کی نزاکت کو بڑی عقلمندی اور فراست سے سنبھال لیا اور بااثر دوستوں کے تعاون سے یہ ممکن ہوسکا۔

اگر کوئی مزید رکاوٹ اچانک پیدا نہ ہوگئی اور تصفیہ بالخیر طے پا گیا (جس کی ہمیں امید ہے اور میں دعاگو بھی ہوں) تو مجھے آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانی ہے کہ مسلم لیگ کی تنظیم وتوسیع کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے نئے مندرجہ ذیل پانچ امور پر اساس قائم کی جائے:

1- مرکز کی تنظیم و ترتیب میں استحکام پیدا کیا جائے۔ صوبوں اور اضلاع کی تنظیم میں مضبوطی اور زیادہ سے زیادہ نیابت دی جائے۔

2- مستقل فنڈز قائم کرنے کی سکیم بنائی جائے اور دیرپا آمد کے لیئے یقینی صورت پیدا کی جائے۔

3- مرکز اور صوبائی سطح پر مسلم پریس کو مضبوط کیا جائے۔

4- لیگ کی مرکزی تنظیم کا ایسا نظام قائم کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو تجارت اور صنعت کے میدان میں ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔

5- غیر ممالک سے تعلقات وسیع اور استوار کیئے جائیں۔

لاریب کام کرنے کا نہایت وسیع میدان موجود ہے۔ تاہم اگر اب سیدھی بنیادی ابتداء کی داغ بیل ڈال دی جائے تو مستقبل میں ترقی و خوشحالی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس تنظیم کی وسعت پذیری ایک اور رنگ میں بھی خوش آئند ہو سکتی ہے وہ یہ کہ موجودہ دور میں ایک کافی تعداد قابل اور صاحب دانش و فہم مسلمانوں کی ایسی ہے جو اسلام اور مسلمانان ہند کی خدمت کے لیئے بطیب خاطر اور ذوق شوق سے اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس توسیع شدہ تنظیم کو چاہیئے کہ ایسے آمادہ بہ کار لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لیئے دروازے وا کر دے۔ ورنہ رفتہ رفتہ یہ لوگ برگشتہ ہو جائیں گے۔ بلکہ ان میں سے بعض غیر مطمئن ہو کر شر پسندی اور فساد کا موجب بن سکتے ہیں۔

میں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا کہ اسی روز جس دن میں نے آپ سے ملاقات کی تھی، میں نے ہز ایکسی لینسی وائسرائے کو ایک خط بھجوا دیا تھا۔ جس میں انہیں لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کے ساتھ مجھے اور میری جماعت کو پورا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

آپ کا مخلص

دستخط (مرزا بشیر الدین، محمود احمد)(1)

---

(1) تحریک احمدیت جلد 21 اپنڈکس۔

مرزا محمود کی ''دلی یاترا'' کا واحد مقصد اپنی جماعت کے لیئے کوئی مقام حاصل کرنا تھا۔ نہ تو وہ کانگریس کی قیادت پر اثر انداز ہو سکے، نہ ہی لیگ ان کے لیئے کوئی نرم گوشہ رکھتی تھی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی دعاؤں کی بدولت سیاسی قائدین کے دل نرم ہو گئے ہیں اور وہ عبوری حکومت کے مسئلے پر کسی سمجھوتے پر پہنچ گئے ہیں۔ قادیانیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مرزا محمود نے محمد علی جناح کے ساتھ مذاکرات کا ماحول پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور نواب بھوپال کی اعانت اور تعاون کے لیئے اس کے باعث راہ ہموار ہوئی اور مسلم لیگ کے لیئے دروازہ کھلا کہ محمد علی جناح کے لیئے قابل قبول شرائط پر اسے عبوری حکومت میں شمولیت کے لیئے کہا۔(۱) یہ مکمل طور پر غلط بات ہے اس چیز کا ثبوت نہ تو احمدیوں کی دستاویزات سے ملا ہے اور نہ ہی کسی دیگر آزاد ذرائع سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ مرزا محمود نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ گاندھی اور نہرو نہ تو ان کی بات سننے کے لیئے تیار تھے اور نہ ہی ان کی اس خود ساختہ ''مصالحتی تحریک'' پر کوئی ادنیٰ توجہ دیتے تھے۔(۲) لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کے لیئے نواب بھوپال کی بے لوث مساعی تحسین کے لائق ہیں۔ وہی اس سلسلے میں کوشاں رہے۔(۳)

اکتوبر ۱۹۴۶ء میں آخر کار مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں وائسرائے کی ترغیب پر مسلمانوں کے عمومی مفادات کے تحفظ کی خاطر شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی مگر اس نے کابینہ مشن کی مجوزہ آئینی اسمبلی میں اس وقت شمولیت سے انکار کر دیا جب تک کہ کانگریس اس منصوبے کو مکمل طور پر واضح طور پر اور بغیر کسی تحفظ کے قبول کرے۔ تین جماعتوں کانگریس لیگ اور اکالی دل کی لندن میں عجلت میں بلائی گئی کانفرنس بھی ثمر آور ثابت نہ ہو سکی۔

۱۹۴۶ء کے آخر تک بنگال، بہار اور پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ عبوری حکومت مکمل طور پر ناکامی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کانگریس نے لندن اور

۱۔ سر ظفر اللہ احمدیت۔ صفحہ 244۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 19 مئی 1947ء۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 13 نومبر 1946ء۔

ہندوستان میں تار ہلانے شروع کر دیئے اور آخرکار وائسرائے کی واپسی کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان سے روانگی کا وقت (جون ۱۹۴۸ء) مقرر کر دیا۔ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان بھیجا تا کہ وہ انتقال اقتدار کی تفصیلات پر کام کرے۔

تیرہ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت پر رضا مندی ظاہر کر دی اور اگلے ہی دن مرزا محمود قادیان چلے گئے۔ انہوں نے اپنے دلی کے دورے کے متعلق اپنی جماعت کو ایک خطاب میں اس دورے کی تفصیلات بتائیں جو ان کی سیاسی خواہشات اور ان میں ناکامی پر روشنی ڈالتی ہیں۔

> ''بلاشبہ یہ حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اس سلسلہ میں مشاورت کرے اور ہمارے مفادات کا خیال رکھے۔ ہم ہندوستان میں سات سے لے کر آٹھ لاکھ تک کی تعداد میں ہیں مگر اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ ہماری آواز سنائی نہیں دیتی۔ لیگ ہماری شمولیت پر خوش نہیں جبکہ کانگریس کے ساتھ ہم ملنا نہیں چاہتے۔ دوسری طرف پارسی صرف تین لاکھ کی تعداد میں ہیں اور حکومت نے مرکز میں ایک پارسی وزیر لیا ہوا ہے۔ ان کے وجود کو سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور ہم اس سے دوگنی تعداد میں ہیں اور ان سے زیادہ بھی ہیں (پھر بھی ہمیں وہ سیاسی حیثیت حاصل نہیں) میں نے دلی میں برطانوی حکام کو مطلع کیا کہ اگرچہ ہم شکایت نہیں کرتے۔ پھر بھی حکومت نے یہ منصفانہ فیصلہ نہیں کیا۔ انہوں نے پارسیوں کے سیاسی وجود کو تسلیم کیا ہے احمدیوں کے نہیں۔ میں نے اسے کہا ہے کہ میں ایک پارسی کے بدلے میں دو احمدی پیش کر سکتا ہوں۔ چونکہ ہماری جماعت احتجاج نہیں کرتی اور خاموش رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مفادات کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ میرے نمائندے نے بھی اسے یہ جواب دیا کہ بلاشبہ احمدی ایک مذہبی جماعت ہیں تاہم انہیں ہندوستان میں رہنا ہے اور یہاں کے سیاسی حالات سے متاثر ہوئے بغیر وہ نہیں رہ سکتے۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پارسی اور عیسائی

> مذہبی گروہ ہیں اور انہیں سیاسی کی بجائے مذہبی بنیادوں پر نمائندگی دی گئی ہے۔ ہم تمام ہندوستان میں منقسم ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے حقوق کا عشر عشیر بھی حاصل نہ کر سکے''۔ (۱)

اگر احمدی پارسیوں کی طرح اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دے کر یہ واضح حکمت عملی اپنا لیتے تو آزاد ریاستوں میں ان کے سیاسی حقوق زیادہ محفوظ رہتے۔ قادیانی موقع پرست مرزا محمود نے ستائیس اکتوبر ۱۹۴۶ء کو قائداعظم کو قادیان سے مسلم لیگ کے عبوری حکومت میں قلمدان وزارت سنبھالنے پر ایک دوسرا خط لکھا۔

> ''وزارتوں کے قلمدانوں کی تقسیم ہو چکی ہے۔ اگرچہ ان کی مساویانہ تقسیم ناممکن ہے پھر بھی آپ کی کامیاب کوششوں پر آپ کو لازی طور پر مبارکباد دی جانی چاہیئے۔ اہم قلمدان وزارت مثلاً دفاع' خارجہ امور' داخلہ وغیرہ کانگریس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں سے ایک یعنی دفاع یا رسدرسانی کو لازمی طور پر مسلم لیگ کے پاس ہونا چاہیئے تھا تاہم لیگی نمائندے آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کے حقوق کی مکمل حفاظت کے لیئے پختہ عزم سے کام کریں گے۔ اللہ آپ کے اس عظیم کام میں آپ کی مدد کرے اور آپ کو سیدھے راہ پر لے جائے۔ آمین''۔ (۲)

۱۔ الفضل قادیان۔ 13 نومبر 1946ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 11۔ اپنڈکس۔

پندرھواں باب

خالصتان اور قادیانی ریاست

کابینہ مشن کی آمد کے ساتھ ہی قادیانیوں نے اپنے مستقبل کے متعلق اپنی توقعات میں اضافہ شروع کر دیا۔ مرزا محمود نے منصوبہ پاکستان کی تحقیر کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ کابینہ مشن کی آمد کا مقصد ہندوستانیوں کو وہ سب کچھ عطا کرنا تھا جس کی ہندوستانی خواہش کرتے تھے۔(۱) تاہم قادیانی اس بات پر سخت بے چین تھے کہ انگریزوں نے آزاد مملکتوں میں اپنے وفاداروں کی پوزیشن پر کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے مقدر کو ہمیشہ انگریزوں کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا اور انگریزوں کے اس فیصلہ نے انہیں خوف میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ اب مکمل طور پر کانگریس یا لیگ کے رحم و کرم پر رہیں گے۔ وہ اپنی محفلوں میں لیبر حکومت کو برا بھلا کہتے تھے۔ جسے ہندوستان میں انتقال اقتدار کی اس قدر جلدی تھی۔

پنجاب میں سکھوں اور قادیانیوں دونوں نے انگریزوں سے رابطہ کیا کہ آزادی کے بعد ان کے مستقبل کے تحفظ کا منصوبہ مرتب کیا جائے۔ سردار بلدیو سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ پندرہ۔ سولہ مئی ۱۹۴۶ء کو لارڈ ویول سے ملے کہ سکھوں کو ان کا ایک اپنا وطن خالصتان دے دیا جائے۔(۲) وہ ''منصوبہ خالصتان'' لے کر اسے دوبارہ چھ جون کو وائسرائے سے ملے۔ ویول نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔

> ''اس سہ پہر کو ہم سکھوں سے ملے۔ تارا سنگھ اور بلدیو سنگھ سے۔ مجموعی طور پر میرا خیال ہے کہ بہت اچھی ملاقات رہی۔ ہم نے انہیں بتا دیا کہ احتجاج اور بدامنی ان کے لیئے

۱۔ الفضل قادیان 25 اپریل 1946ء۔

۲۔ ویول وائسرائے کا رسالہ۔ مدون۔ پینڈرل مون۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ کراچی 1974ء صفحہ 271۔

> نقصان دہ ہوگی اور برداشت نہیں کی جائے گی اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اگر وہ پرامن رہ کر اپنا اثر استعمال کریں گے تو پنجاب میں کوئی حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مصیبت یہ ہے کہ سکھوں کو ابھی تک یہ نہیں بھولا کہ ایک وقت میں وہ پورے پنجاب کے مالک رہے ہیں مگر سیاسی سوجھ بوجھ کی بجائے وہ اپنی مبالغہ آراء خصوصیات اور اہمیت پر بضد ہیں"۔[1]

سکھوں نے پنجاب میں خالصتان کی آزاد ریاست پر زور دیا اور قادیانیوں نے قادیان کو "ویٹی کن ریاست" کی حیثیت دلوانے کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔ دونوں نے اپنی ماضی کی خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے انگریزوں کے ساتھ اپنی وفاداری کی تجدید کی ۔ قادیانیوں نے سکھوں کے آزاد ریاست کے مطالبے کی حمایت کر دی اور ایک مشترکہ نصب العین کے لیئے ان کی شراکت کے حصول کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔[2] قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک علیحدہ جماعت قرار دیتے ہوئے اس کام کے لیئے ایک یادداشت تیار کی تاکہ لیبر حکومت کو پیش کی جاسکے۔ انہوں نے انگریزوں کو عاجزانہ استدعا کی کہ ان کے مستقبل کے تحفظ کے لیے اس خود کاشتہ پودے کو پنپنے دیا جائے۔ انہوں نے قادیان کے لیئے ویٹی کن کی طرح ایک آزاد ریاست کا مطالبہ کیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ ان کا متبرک ترین مقام معظمہ تھا جیسا کہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ وہاں پر (قادیانیوں کا جنت کے لیئے پاسپورٹ) بہشتی مقبرہ تھا۔ اور احمدیت کا بانی اور ان کے ساتھی وہاں دفن تھے۔ قادیان کا نام قرآن میں تھا جیسا کہ مرزا صاحب نے اپنی ایک وحی کی بنیاد پر اسکا دعویٰ کیا۔[3] مزید قرآن میں مذکور مسجد الاقصیٰ کا مطلب سوائے "مسیح موعود کی مسجد واقع قادیان" کے کچھ نہیں تھا[4] یہ مرکز خلافت بھی تھا۔ یہ سب کچھ "تقدس مآب قادیانی پوپ" کی ریاست کے قیام کے لیئے

---

[1] ایضاً۔

[2] الفضل قادیان۔ 19 جون 1946ء۔

[3] اشتہار منارۃ المسیح۔ 28 مئی 1900ء۔

[4] تذکرہ صفحہ 345۔

کافی جواز مہیا کرتا تھا۔ قادیانی ریاست کا قیام نہ تو جغرافیائی طور پر قابل عمل تھا نہ ہی سیاسی طور پر ممکن ۔ اگرچہ قادیانیوں نے انگریزوں کو یقین دہانی کرائی تھی کہ یہ ایک بفر ریاست ہوگی جو سامراجی مقاصد کو آگے بڑھائے گی مگر پھر بھی لیبر حکومت نے اس پر سنجیدگی سے کوئی توجہ نہ دی۔ لندن احمدیہ مشن کی وساطت سے احمدیہ یادداشت کی ایک نقل اٹیلی حکومت کو بھجوائی گئی۔ عبدالرحیم درد نے اس کی ایک دوسری نقل وائسرائے لارڈ ویول کے پرائیویٹ سیکرٹری کو پہنچائی جب ستمبر ۱۹۴۶ء میں مرزا محمود دہلی میں قیام پذیر تھے۔

سکھ رہنماؤں خصوصاً گیانی کرتار سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب کی چھ ریاستوں کو ملا کر اسے سکھوں کا وطن بنانے کا مطالبہ جاری رکھا۔(۱) انہوں نے کہا کہ اگر پنجاب کو متحد ہی رکھنا ہے تو سکھوں کو اور ہندوؤں کو بالترتیب تیس تیس . اور مسلمانوں کو چالیس فیصد نمائندگی دی جائے مگر اس کی ناکامی کے نتیجے میں وہ نظریہ تقسیم بنگال کو لے کر آگے بڑھیں گے۔

پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اس نے چوبیس جولائی ۱۹۴۷ء کو لیگ کی اعلیٰ کمان کے سات ارکان کو گرفتار کرلیا اور لیگ نیشنل گارڈز کو غیر قانونی قرار دے دیا جس سے اس کی حکومت کے خلاف عمومی تحریک شروع ہوگئی۔ مرزا محمود نے لیگ کی اس شروع کردہ احتجاجی ہڑتال میں حصہ لینے سے قادیانیوں کو منع کر دیا۔(۲) پنجاب میں مسلم لیگ کی تحریک کے دوران وزیراعظم اٹیلی نے بیس فروری ۱۹۴۷ء کو ایک مشہور بیان جاری کیا جس میں پنجاب کی صورتحال کا اشارہ کرتے ہوئے یہ عندیہ دیا گیا کہ برطانوی سیاسی انتقال اقتدار کے لیئے جون ۱۹۴۸ء سے پہلے تیار ہیں۔(۳) لیگ نے اسے کابینہ مشن پلان کی ایک ترقی یافتہ صورت قرار دیتے ہوئے

۱۔ سوروپ سنگھ سدھو۔ لاہور 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان یکم جنوری 1947ء۔

۳۔ الفضل نے اپنے 25 فروری 1947ء کے شمارے میں جماعت احمدیہ کو خوشخبری دی۔ مرزا محمود نے یہ پیش گوئی کی کہ جون 1948ء تک خدا ایسے خصوصی حالات پیدا کردے گا جس میں جماعت احمدیہ استحکام پکڑے گی۔

ان مسلمان صوبوں کو انتقال اقتدار کا وعدہ کیا جنہیں اب تک آئینی اسمبلی میں نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔ ہندو اور سکھ حلقوں نے خضر کی مخلوط حکومت کی حمایت کا خفیہ فیصلہ کر لیا۔ مرزا محمود ہندو مسلم اتحاد کا وہی پرانا راگ الاپتے رہے۔ انہوں نے ایک خواب کی بناء پر یہ اعلان کیا کہ انگریز زیادہ دیر تک ہندوستان کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ نہ ہی انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ہندوستان مضبوطی سے متحد رہ سکے گا۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ مسیح موعود کی آمد کا اصل مقصد مذہب کو سیاست سے جدا رکھنا تھا۔⁽¹⁾

آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر حکومت نے اس بہانے پر حکومت سے استعفیٰ دے دیا کہ برطانوی حکومت یہ چاہتی تھی کہ صوبوں میں حکومتیں اپنے مسائل پر خود قابو پائیں۔ سر ظفر اللہ کا کہنا ہے کہ اُس نے خضر کو مستعفی ہونے کی ترغیب دی تھی۔ مرزا محمود کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے خضر حیات کو خط لکھا تھا اور ظفر اللہ کو ترغیب دلانے کے لیئے بھجوایا تھا۔ قادیان کے خارجہ امور کے ناظر عبدالرحیم درد کا یہ دعویٰ ہے کہ بعد ازاں وہ قائداعظم سے ملا تو ان کے الفاظ یہ تھے۔ ''اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا''۔⁽²⁾

لیگ کل جماعتی حکومت بنانا چاہتی تھی مگر ہندوؤں اور سکھوں نے حزب اختلاف میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ الفضل نے قائداعظم کو مشورہ دیا کہ خضر کا مستعفی ہونے پر شکریہ ادا کیا جائے اور ماضی کو فراموش کر دیا جائے۔ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ لیگ کی حکومت، تعاون کے اصولوں پر قائم کی جائے۔⁽³⁾

پنجاب کی تقسیم

کانگریس کی مجلس عاملہ کا آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء کو دہلی میں اجلاس ہوا جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ پنجاب کے فرقہ وارانہ مسائل کا ایک ہی حل ہے کہ اسے دو

۱۔ الفضل قادیان۔ 27 فروری 1947ء۔

۲۔ جے۔ ڈی شمس۔ قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ۔ صفحہ 49۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 5 فروری 1947ء۔

صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ قادیانیوں نے اپنی قوت کے مرکز قادیان اور اپنے معاشی و سماجی مفادات کو بچانے کی خاطر پنجاب کی تقسیم کی مخالفت کی۔ مرزا محمود نے پنجاب کی قادیانی جماعتوں کو ہدایت کی کہ وہ تقسیم پنجاب کے خلاف درج ذیل خطوط پر قراردادیں منظور کریں۔

(i) مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کو مسلمان علاقے میں شامل کیا جائے اور اسکے لیئے یا تو ضلعی حد بندیاں تبدیل کر دی جائیں یا پھر تواتر کا لحاظ کیئے بغیر چھوٹے چھوٹے آزاد جزائر بنا لیئے جائیں۔

(ii) مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کو اسلامی علاقے قرار دینے کے بعد اچھوتوں اور عیسائیوں کے الحاق کے لیئے ریفرنڈم کروالیا جائے۔

(iii) نہروں، بجلی گھروں اور پہاڑی صحت افزاء مقامات کے صدر مقاموں کو پنجاب میں شامل کیا جائے اور اس میں آبادی کے تناسب کا پچھلے پندرہ سالوں سے لحاظ نہ کیا جائے۔

قادیان کے ناظر اعلیٰ نے اس قرارداد کی نقول قائداعظم کو ارسال کیں۔ (۱) اسی قرارداد کی دیگر نقول برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی۔ قائد حزب اختلاف چرچل اور محمد علی جناح کو بھجوائی گئیں جن میں لکھا تھا۔

> ''احمدی پنجاب کی تقسیم کے صد درجہ مخالف تھے کیونکہ جغرافیائی اور معاشی لحاظ سے یہ ایک قدرتی اکائی ہے۔ تقسیم ہند کا قاعدہ اس پر لاگو نہیں ہوتا''۔ (۲)

ایم ایم احمد کے والد مرزا بشیر احمد نے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا عنوان تھا ''خالصہ ہوشیار باش'' اس میں تقسیم پنجاب کی معاشی، مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر مخالفت کی گئی تھی (۳) انہوں نے زور دیا کہ

> ''احمدی ایک متحدہ ہندوستان کے خواہش مند ہیں تاہم اگر ہندوستان کو تقسیم ہونا ہی ہے تو

۱۔ الفضل قادیان 29 اپریل 1947ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 10 صفحہ 345۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 9 مئی 1947ء۔

> پنجاب کو اس سے بچانا چاہیئے تا کہ مسلمان سکھ اور ہندو بھی اس علاقے پر اپنی سرزمین ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کا غالب امکان ہے کہ مستقبل میں پنجاب کے متحد رہنے کے بیچ ہندوستان کی تقسیم کو ختم کر دیں اسے دوبارہ متحد کر دیں"۔ (۱)

مرزا محمود نے معاشی اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم پنجاب کی مخالفت کی۔ آپ نے اپنے خطاب کے آخر میں دعا کی"۔

> "اے میرے رب! اس ملک کو سمجھ دے۔ اول تو یہ ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں۔ آمین"۔ (۲)

قادیان کو بچانے کی کوشش میں مرزا محمود نے چند سکھ رہنماؤں خصوصاً سردار وریام سنگھ سے گفت وشنید شروع کر دی۔ (۳) مرزا بشیر احمد نے ان سے ملاقات کی تا کہ سکھ رہنماؤں کا متحدہ اور آزاد پنجاب کے لیئے تعاون حاصل کیا جا سکے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بہر حال قادیانی زعماء نے یہ امید قائم رکھی کہ قادیان کے برطانوی دولت مشترکہ میں رہنے میں انہیں برطانوی حمایت میسر ہوگی۔ برطانوی گورنر جینکنز پنجاب کو متحد اور اسے برطانوی دولت مشترکہ میں رکھنے کے لیئے کوشاں تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری جارج ایبل نے اس حوالے سے ایک منصوبہ تیار کیا تھا۔ وہ اسے لندن لے گیا۔ برطانوی حکومت نے اسے اصولی طور پر منظور کر لیا مگر کانگرسی رہنما وی پی مینن کے مطابق نہرو نے اسے مسترد کر دیا اور اس کی جگہ مینن کے تیار کردہ منصوبے کے مسودے کو مان لیا گیا۔ ابتدائی منصوبے کے مطابق انتقال اقتدار کا رخ صوبوں کی جانب ہونا تھا اور جانشین حکومتوں کا از خود کوئی انتظام موجود نہ تھا۔ صوبائی ریاستوں کی جانشینی کا منصوبہ اس وقت ختم کر دیا گیا جب انگریزوں نے یہ محسوس کر لیا کہ پنجاب نہیں بلکہ تمام برصغیر برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہوگا۔ (۴)

۱۔ ایضاً۔

۲۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 10۔ صفحہ 369۔

۳۔ الفضل لاہور۔ 12 جون 1955۔

۴۔ ایس ایم اکرام۔ لاہور۔ 1977ء۔ صفحہ 432۔

لارڈ اسمے کا سوانح نگار سر رونالڈ ونگیٹ کہتا ہے کہ جب پنجاب میں اسمے سر ایون جینکنز سے ملا کہ ہوسکتا ہے کہ پاکستان کو منظور کرنا پڑے اور اس کا مطلب برصغیر کی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم ہو سکتی تھی اور اسے ہمیں ہندوستان اور پاکستان کی علیحدہ حکومتوں کے حوالے کرنا پڑ جائے تو جینکنز کا جواب یہ تھا۔

> ''یہ پنجاب کی موت ہے۔ یہ ظاہر تھا کہ تقسیم پنجاب کے نتائج برے ہوں گے مگر جینکنز اسے قائل کرنے میں ناکام رہا کہ یہ المناک ہو سکتے تھے''۔(۱)

سکھوں کا خالصتان کا مطالبہ اپنی موت آپ مر گیا۔ وائسرائے ہندوستان کی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ معاملہ کرنے پر راضی نہ تھا اس لیئے اس نے اس مطالبہ کی حمایت نہ کی ۔(۲) کانگریس نے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر سکھوں کی ہمدردیاں جیت لیں۔ اس طرح مرزا محمود نے قادیان کے لیئے ویٹی کن کا درجہ حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کی۔ جغرافیائی طور پر مجوزہ قادیانی ریاست ایک محصور اور لینڈ لاک علاقہ بنتا تھا جو نہ تو اپنی آزادانہ حیثیت برقرار رکھ سکتا تھا نہ ہی مستقبل میں برطانوی سامراج کے کسی کام آ سکتا تھا۔

مرزا محمود نے بڑی تندہی سے قادیان کو بچانے کی کوشش کی۔ ان کی اصل خواہش کی تکمیل متحدہ ہندوستان یا کم از کم متحدہ پنجاب کی صورت میں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے سامراجی آقاؤں کے دروازے کھٹکھٹائے۔ سکھوں کی منتیں کیں۔ کانگریس کے آگے سجدہ ریز ہوئے اور آخرکار اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر مسلم لیگ کا رخ کیا۔ اس برطانوی آلہ ءکار کے لیئے یہ ایک کڑا وقت تھا جو ایک وقت میں اپنے غیر ملکی آقاؤں کے ساتھ مل کر ہندوستان کے مقدر کا فیصلہ کرتے تھے۔

متحدہ ہندوستان کی قادیانی خواہش

تحریک پاکستان کے آخری حصہ میں مرزا محمود احمد اور دوسرے قادیانی زعماء

۱۔ سر رونالڈ ونگیٹ ۔ لارڈ اسمے۔ ہوچنسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ ۔ لندن 1970ء۔ صفحہ 147۔

۲۔ ایچ وی ہڈسن ۔ عظیم تقسیم ۔ لندن 1969ء صفحہ 238۔

نے مطالبہ پاکستان یا تقسیم ہند کی شدید مخالفت کی اور اپنی حفاظت کے لیئے انگریزوں کی طرف دیکھا۔ اس حقیقت کا ثبوت اہم مواقع پر دیئے گئے ان کے خطبات اور ان کے پیروکاروں کے ان مضامین سے ملتا ہے جو وقتاً فوقتاً قادیانی پریس میں چھپتے رہے۔ ۱۹۴۶ء کے ابتدائی مہینوں میں یہ رجحان بڑا تیز تھا مگر جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان کا ظہور ممکن نظر آنے لگا تو یہ فرو ہونا شروع ہوگیا اور قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان قوم کے ساتھ نتھی کرنا شروع کر دیا جس کے ساتھ ان کا مستقبل وابستہ تھا۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں سندھ سے واپسی پر مرزا محمود نے ''ڈیلی گزٹ'' کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

> س:۔ آپ کا پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟
>
> ج:۔ میرا پاکستان ہندوستان تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تمام دنیا پر محیط ہے اور اگر آپ موجودہ پاکستان کے بارے میں پوچھ رہے ہیں تو میرا خیال ہے کہ سیاست میرے دائرہ عمل سے باہر ہے۔(۱)

ان کے دورے کے دوران حیدر آباد کے فوجی افسران کی طعام گاہ میں انہیں استقبالیہ دیا گیا۔ میجر تھانیا، سیکنڈ کمانڈ بلوچ رجمنٹ، میجر ایم۔ ایم۔ احمد کیپٹن ولسن۔ لیفٹیننٹ سین اور دیگر ہندوستانی و یورپی افسروں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔(۲) اور آپ کے ساتھ غیر رسمی گفتگو کی۔

مئی ۱۹۴۶ء میں ان کے بھائی مرزا بشیر احمد نے ہندوستانی مسئلہ کے لیئے ایک آئینی تجویز پیش کی۔ انہوں نے دلیل دی کہ پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کی تجدید صرف صوبوں کی مکمل اور حقیقی خودمختاری اور مناسب تحفظات کے ساتھ مرکز میں حقوق کی برابری کے ذریعے ہوسکتی ہے۔(۳) اس مجوزہ منصوبے میں کوئی نئی بات شامل نہ تھی سوائے اس کے کہ ہندوستان کو متحدہ رکھا جائے۔ مرزا محمود نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نامہ

۱۔ الفضل قادیان۔ 25 اپریل 1946ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 13 مئی 1946ء۔

نگار کو ایک دوسرے انٹرویو میں کہا کہ اگر آئینی معاملات اور تقسیم پر لیگ اور کانگریس کے مابین کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا تو وہ صرف اس جماعت کا ساتھ دیں گے۔ جس کا نصب العین منصفانہ ہوگا۔(۱) اور کس جماعت کا نصب العین منصفانہ ہے اسکا جواب نہیں دیا گیا۔

۱۹۴۶ء کے وسط میں الفضل نے اپنے شماروں میں ہندو مسلم اتحاد کی رٹ لگائے رکھی۔ اس کی ہدایت مرزا محمود نے دے رکھی تھی جو اپنے روایتی الہام، کشف اور خواب کی زبان میں اپنی جماعت کو قائل کرنے میں مصروف تھے کہ وہ نئے ہندوستانی نظام میں ایک بہتر مستقبل کے لیئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے متواتر خوابوں اور کشف نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

"خدا ہندوستان کو ہندو مسلم اتحاد یا ہندوستانی آزادی کی طرف دھکیل رہا ہے"۔(۲)

برطانوی حکمت عملی کے سرکاری ریکارڈ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں برطانیہ نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی۔ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خصوصی طور پر مخالفت کی کہ اس اعلیٰ درجہ کی اسٹیبلشمنٹ خصوصاً مسلح افواج کے ادارے کو تقسیم کیا جائے۔(۳) مزید برآں وہ کانگریسی قیادت سے بڑے واضح طور پر متاثر تھا اور اس رابطہ کو اس کی متمول بیوی کے جواہر لعل نہرو کے ساتھ تعلقات نے اور بھی آسان کر دیا تھا۔

قادیانی ایک متحدہ اور غیر منقسم ہندوستان پر پختہ یقین رکھتے تھے اور اس عقیدہ کی بنیاد اپنے اکابر کی وحی الہامات یا تحریروں کو قرار دیتے تھے۔ مرزا محمود کے بیانات سے وقتاً فوقتاً اس کی تائید ہوتی رہتی تھی۔ سال ۱۹۴۷ء میں جناح صاحب کی زیر قیادت ہندوستان میں قیام پاکستان کے لیئے ایک زبردست تحریک چلی۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں مرزا محمود سندھ گئے۔ واپسی پر روزنامہ "ہندوستان ڈیلی گزٹ" کے نمائندہ مسٹر لال وانی اور "سٹیٹسمین" کلکتہ کے نمائندہ نے ان کا انٹرویو کیا۔ ان میں سے ایک سوال پاکستان

۱۔ الفضل قادیان۔ 30 مئی 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 18 اکتوبر 1946ء۔

۳۔ دیکھیے جان ٹیرین۔ "ماؤنٹ بیٹن کی حیات واوقات۔ لندن۔

پر تھا۔

''سوال:۔ کیا پاکستان عملی طور پر ممکن ہے؟

جواب:۔ سیاسی اور معاشی نکتہ نگاہ سے یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ تاہم میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ ملک کو تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج کی دنیا میں ترقی کا انحصار اتحاد پر ہے۔ ذرائع مواصلات بھی تعاون کی ضرورت پر زور دیتے ہیں''۔(۱)

۱۹۴۷ء میں پاکستان کے موضوع پر دیئے گئے ان کے خطبات کا یہاں تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تین اپریل ۱۹۴۷ء کو اپنی جماعت سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ایک خواب بیان کیا اور روایتی احمدیہ طریقے سے اس کی تعبیر پیش کی اور اس کی تعبیر کہ ہندوستان متحد تھا اور یہی اس کا مقدر تھا۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ احمدیہ عقائد کی تبلیغ کا مرکز ہندوستان ہو۔

> ''اس مقصد کے حصول کے لیئے ہمیں اقوام کو متحدہ رکھنے کی سعی کرنی چاہیئے جیسا کہ خدا نے مجھے اس خواب میں بتایا ہے۔ ہندوستان کا اتحاد ہمارا اولین مقصد ہونا چاہیئے۔ اسکی مدد ہم اپنے تحفظ کی خاطر نہیں بلکہ اسکا مقصد ان کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ دیگر مسلمان بھی ہماری طرح محفوظ رہیں''۔(۲)

چار اپریل ۱۹۴۷ء کو مرزا محمود نے ان لوگوں پر کڑی تنقید کی جو کہ تقسیم ہند سے امن قائم کرنے کے خواہاں تھے اور امن کے قیام کے لیئے متحدہ ہندوستان کو امر لازم قرار دیا۔(۳) پانچ اپریل کو الفضل قادیان نے بڑے موثر انداز میں واضح کیا کہ احمدی غیر منقسم ہندوستان پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی تقسیم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنے ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے احمدی سربراہ نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے لیئے کام کریں تا کہ ہندو مسلم سوال کو ختم کیا جا سکے اور ہندوستان کی

۱۔ الفضل قادیان۔ 12 اپریل 1947ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ الفضل قادیان۔ 10 اپریل 1947ء۔

تمام قومیں اتحاد سے رہنے کے قابل ہوسکیں۔ اس سے ملک تقسیم کی آفت سے بچ جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ یہ ایک سخت مشکل کام ہوسکتا ہے مگر اس کے نتائج شاندار ہونگے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ خدا کی مرضی ہے کہ ہندوستان کی تمام اقوام متحد ہوں تاکہ احمدیت وسیع پیمانے پر ترقی کرسکے۔ اپنے اس خواب کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں انہوں نے اپنے آپ کو اور مہاتما گاندھی کو ایک بستر پر لیٹے دیکھا تھا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ:

> ''بہت کم عرصہ کے لیئے شاید ہندوؤں اور مسلمانوں میں علیحدگی ہو جائے مگر یہ تقسیم خالصتاً عارضی ہوگی اور ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ مجوزہ تقسیم جلد ہی ختم ہو جائے''۔

مرزا محمود کا یہ خطاب قادیان کے سرکاری ترجمان اخبار الفضل قادیان میں ''اکھنڈ ہندوستان'' کے عنوان سے شائع ہوا۔(۱) سولہ مئی ۱۹۴۷ء کو اپنی مجلس عرفان میں مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

> ''میں پہلے ہی یہ بات واضح کرچکا ہوں کہ یہ خدا کی مرضی ہے کہ ہندوستان متحد رہے۔ تاہم اگر ہندوستان کی اقوام ان کے درمیان موجود غیر معمولی نفرت کی وجہ سے عارضی طور تقسیم ہو بھی جائیں تو یہ ایک علیحدہ چیز ہے۔ اکثر اوقات معالج جسم کے ایک مردہ عضو کے کاٹ دینے کا بددلی سے مشورہ دیتا ہے مگر وہ ایسا تب کرتا ہے جب اس کا کوئی متبادل نہ رہ جائے۔ اگر اسے پتہ چل جائے کہ نئے عضو کی پیوندکاری ہوسکتی ہے تو کوئی سادہ لوح ہی اس کی کوشش نہیں کرے گا۔ چنانچہ یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کس نہ کسی طرح متحد ہو جائیں۔(۲)

خالی خولی حمایت

جریدے ''ریاست'' دہلی کے مدیر دیوان سنگھ مفتون نے ایک خط میں احمدیوں

۱۔ الفضل قادیان۔ 5 اپریل 1947ء۔

۲۔ الفضل قادیانی 16 مئی 1947ء۔

کو ایک مسلمان ریاست پاکستان کے قیام سے پیدا ہونے والے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ کابل میں ہونے والے سلوک کو یاد کرایا۔ اس نے انہیں تجویز پیش کی کہ وہ پاکستان کے معاملے میں اپنے آپ کو مکمل طور پر علیحدہ رکھیں۔ اس بات سے مرزا محمود کو ہندو قیادت کی قادیانی خواہشات کے بارے میں سرد مہری پر تنقید کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ماضی میں ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ سماجی و معاشی میدانوں میں ناروا رویئے نے مسلمانوں کو پاکستان کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ انہوں نے ستمبر ۱۹۴۶ء میں دہلی میں کانگریسی قیادت گاندھی جی اور نہرو کے ساتھ ہونے والی اپنی ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے ہندوستان کے مستقبل کے متعلق ان کی تجاویز پر کانگریسی زعماء کی بے توجہی اور سرد مہری پر اظہار افسوس کیا۔ آپ نے دلیل دی کہ:

> ''جو کچھ میں نے کہا وہ مکمل طور پر انہوں نے مسترد کر دیا۔ موجودہ کشیدہ صورت حال کا حتمی نتیجہ یہی ہے''۔

پھر انہوں نے پاکستان کی مخالفت نہ کرنے کے موقف کے جواز کو مندرجہ ذیل بنیادوں پر پیش کیا۔

> ''پہلے تو ہم پاکستان کی حمایت اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے اور انہیں ضرور ملنا چاہیئے۔ ہم اگر ایک منصفانہ مقصد کے لیئے پھانسی پر بھی لٹکا دیئے جائیں تو ہمیں اس پر مطمئن رہنا چاہیئے۔
>
> دوسرے ہمارے متعلق ہندوؤں کا رویہ کیا تھا۔ بہار کے حالیہ ہنگاموں میں احمدیوں کو بھی قتل کیا گیا۔ ایک سکھ رہنما نے قادیان کو مکمل طور پر گرا کر اسے دریائے بیاس میں پھینک دینے کی دھمکی دی۔ مختصراً ہندوؤں نے ہمیں دبانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا تو اب ہم ان کے ساتھ کیسے تعاون کر سکتے ہیں۔
>
> تیسرے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا رہا ہے اور

> ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی طرف دست تعاون بڑھانا چاہیئے۔ اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ ہندو یا مسلمان جس کسی کو بھی موقع ملا تو ہمیں ختم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں گے"۔(۱)

کیا اس کے معنی پاکستان کے لیئے کم از کم زبانی امداد ہے یا عوام کی نظروں میں دھول جھونکنا ہے۔ آنے والے مہینوں میں مرزا محمود کے تمام بیانات نے پاکستان کی حمایت کے تمام دعوؤں کی نفی کر دی۔ دو جون ۱۹۴۷ء کو اپنی مجلس عرفان قادیان میں انہوں نے واضح کیا۔

> "ہندوستانیوں کے دلوں میں موجود نفرت اس حد تک پہنچ گئی ہے جہاں پر تقسیم ناگزیر دکھائی دیتی ہے۔ موجودہ حالات نے کوئی ایسا متبادل نہیں چھوڑا۔ سوائے اس کے کہ اس نفرت کو نکال دیا جائے۔ جب دشمنی اور نفرت گھٹ جائیں گی تو وطن سے محبت جاگے گی اور ہندو مسلمانوں کو دوبارہ اکٹھا کرنے کے کام آئے گی"۔(۲)

ایک سکھ اخبار "شیر پنجاب" کی تنقید کے جواب میں مرزا بشیر احمد نے تقسیم پنجاب کے سلسلے میں اپنی خواہش کا یوں اظہار کیا۔

> "ہمیں خدا کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ تا آنکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ اب ہم یہ کہتے ہوئے مزاحمت نہیں کر سکتے۔" کاش ہندوستان متحد ہوگا! کاش کہ پنجاب اب بھی متحد رہ جاتا!"(۳)

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ پاکستان کے بن جانے کے بعد بھی مرزا محمود "اکھنڈ بھارت" متحدہ ہندوستان کے نظریہ کے سرگرم حامی تھے۔ اپنی جماعت کو اپنے پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کے خطاب میں انہوں نے ہندوستان کے متحد رہنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعا کی۔

> "خدا امن، بھائی چارے اور معاملہ شناسی کے ذریعے ایسے حالات پیدا کرے کہ ہم اس

۱۔ الفضل قادیان۔ 19 مئی 1947ء۔

۲۔ الفضل قادیان۔ 5 جون 1947ء۔

۳۔ الفضل قادیان 20 جون 1947ء۔

ملک کو ایک بار پھر متحد دیکھ سکیں اور اسے اسلام کا گہوارہ بنا سکیں''۔ (۱)

حد بندی کمیشن

مسلم لیگ نے تین جون کا وہ منصوبہ منظور کر لیا جس کے مطابق پنجاب اور بنگال کو تقسیم کیا جانا تھا۔ تیس جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی قانون دان سر سرل ریڈ کلف کی زیر سربراہی ایک حد بندی کمیشن قائم کیا گیا۔ پنجاب میں اس کے ارکان میں دو مسلمان جسٹس محمد منیر اور جسٹس دین محمد اور دو غیر مسلم جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ شامل تھے۔ ظفر اللہ مسلم لیگ کا اہم مشیر تھا۔ اس کی مدد کے لیئے قانون دانوں کی ایک جماعت تھی۔ جن میں سید شمیم حسین قادری، ملک عبدالعزیز اور ایس۔ اے رحمان شامل تھے۔ مسلم لیگ کے ایک جہاندیدہ رہنما میاں امیر الدین کا کہنا ہے کہ ظفر اللہ کی تعیناتی لیگی قیادت کی فاش غلطی تھی۔ جس کے ذمہ دار لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی تھے۔ (۲)

حد بندی کی حدود کے تعین کے لیئے مسلم لیگ کے مقدمے میں بنیادی مسئلہ حدود کی تقسیم کی اکائی کا تعین کار تھا جو کہ ضلع، تحصیل، گاؤں ذیل یا تھانہ ہو سکتی تھی۔ حد بندی کے لیئے دونوں کی اپنی اپنی علیحدہ ذہنی سوچ تھی۔ ظفر اللہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس وقت کی لیگی قیادت کے ساتھ جس میں پنجاب مسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ کے علاوہ میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات بھی تھے۔ اس مسئلہ پر رابطہ کیا مگر ان میں سے کوئی بھی اسے اس وقت پالیسی لائن دینے پر تیار نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے خود ہی اپنے ساتھی وکلاء کی مشاورت سے تحصیل کو حد بندی کی ایک اکائی کے طور پر منتخب کر لیا۔ (۳)

قادیانی پہلے سے ہی حد بندی کی اکائی کے لیئے تحصیل پر زور دے رہے تھے۔

۱۔ الفضل قادیان۔ 15 اگست 1947ء۔

۲۔ میاں امیر الدین کا ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور کو انٹرویو مورخہ 6 اگست 1984ء۔

۳۔ سر ظفر اللہ، تحدیث نعمت صفحہ 505۔

جون ۱۹۴۷ء میں جب مرزا محمود نے سکھ قوم کو خطاب کرتے ہوئے اتحاد کی اپیل کی تھی تو انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی تھی کہ حد بندی کی تقسیم کی اکائی تحصیل ہونی چاہیئے۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور اکائی لی گئی تو جتنی چھوٹی اکائی ہوگی تو اتنے ہی برے نتائج برآمد ہونگے۔(۱) مرزا بشیر احمد نے ''پنجاب حد بندی کمیشن کی توجہ کے چند بنیادی نکات'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا اور تقسیم کے لیئے تحصیل کو ایک بہتر اکائی قرار دیا۔(۲)

تحصیل کو اکائی کے طور پر لینے سے یقینی طور پر پاکستان کی جغرافیائی حدود کے لیئے دوررس اثرات مرتب ہوئے تھے۔ عمومی طور پر خیال کیا جا رہا تھا کہ مسلم لیگ پنجاب کے مغربی اور مشرقی حصوں کے درمیان حد مقرر کراتے وقت آبادی کو بنیاد قرار دے گی۔ مغربی پنجاب میں صرف سترہ لاکھ اکاسی ہزار سکھ اور اکیس لاکھ اکاون ہزار ہندو تھے جبکہ اس کے مقابلے میں مشرقی پنجاب میں سینتالیس لاکھ ستانوے ہزار مسلمان موجود تھے۔ مغربی پنجاب کی ہندو اور سکھ آبادی کے مجموعے کے مقابلے میں مشرقی پنجاب میں آٹھ لاکھ پچاسی ہزار مسلمان اکثریت موجود تھی۔ اس بناء پر مغربی پنجاب کا یہ حق بنتا تھا کہ گورداسپور ضلع جو کہ ابتدائی برطانوی منصوبے کے مطابق پہلے ہی مغربی پنجاب کو دیا جا چکا تھا۔ اسکے علاوہ تمام اکثریتی آبادی والے ملحقہ علاقے خصوصاً اجنالہ' زیرہ' فیروز پور' نکودر اور جالندھر کی تحصیلیں جن میں پہلی دو میں مسلمانوں کی آبادی ساٹھ فیصد اور باقی تین میں اکاون فیصد سے زیادہ تھی۔ مغربی پنجاب کو ملنے تھے۔(۳)

ظفر اللہ نے مسلم لیگ کی یادداشت میں یہ بات زور دے کر کہی کہ تحصیل کو تقسیم کی بنیادی اکائی ہونی چاہیئے۔ یہ بات جانتے ہوئے کہ پٹھان کوٹ ایک ہندو اکثریتی علاقے کی تحصیل ہے اور اس طرح وہ مشرقی پنجاب کو مل جائے گی اور ہندوستان کو اس طرح جموں و کشمیر کی ریاست تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔ اسکا مقصد کشمیر کو

۱۔ الفضل قادیان 19 جون 1947ء۔

۲۔ الفضل قادیان 19 جولائی 1947ء۔

۳۔ ایم۔ ایس۔ طوسی ''مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کراچی 1978ء صفحہ 343۔

ایک رکابی میں رکھ کر ہندوستان کو پیش کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا جیسا کہ سید نور احمد(۱) کا کہنا ہے کہ تحصیل کو بنیادی اکائی قرار دینے کے فیصلے نے پٹھان کوٹ کی قسمت کا فیصلہ مشرقی پنجاب کے حق میں کر دیا۔ گورداسپور ایک مسلمان اکثریتی علاقہ تھا مگر اس کی تحصیل پٹھان کوٹ میں ہندو اکثریتی آبادی تھی۔ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ واحد زمینی راستے پٹھان کوٹ کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے بعد ظفر اللہ نے ''دوسرے عوامل'' کی بناء پر یہ دلیل دی کہ حد بندی کے خط میں معمولی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیگ کی یادداشت نے جب اس بات پر زور دیا تھا کہ تقسیم کے لیئے قابل قبول اکائی تحصیل ہو سکتی تھی تو یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ حد بندی کا خط اس طرح کھینچا جائے کہ مسلمان اکثریتی ملحقہ تحصیلیں اور ملحقہ غیر مسلم اکثریتی تحصیلیں دوسرے علاقے میں چلی جائیں۔ تقسیم کی حد کے ساتھ اگر ملحقہ طور پر مسلمانوں یا غیر مسلموں کے اکثریتی علاقے ایک تحصیل کی حد سے بڑھ رہے ہوں تو یہ اکثریتی حیثیت والے علاقے پڑوسی تحصیل کے مسلمان اکثریتی یا غیر مسلمان علاقوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں جس طرح بھی معاملہ مناسب سمجھا جائے۔ اس مرحلے کے مکمل ہونے کے بعد کمیشن ان عوامل پر بھی غور کر سکتا تھا جو حد بندی خطوط کھینچے جانے کے بعد مقامی طور پر معمولی تبدیلیوں کے خواہاں ہوں۔ یہ بات یادداشت میں کہی گئی۔(۲)

یادداشت میں یہ بھی کہا گیا دوسرے عوامل کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے گا کہ مغربی پنجاب سے گورداسپور کی تحصیل پٹھان کوٹ کو علیحدہ کر کے مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔ گورداسپور کی بقیہ تمام تحصیلوں اور مغربی پنجاب میں شامل کیئے گئے تمام سولہ اضلاع کی تحصیلوں میں مسلمانوں کی کلی اکثریت ہے۔ امرتسر ضلع کی تحصیل اجنالہ جس میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے اور وہ لاہور سیالکوٹ اور گورداسپور کے اضلاع سے ملحقہ ہے مغربی پنجاب میں شامل کر دیا جائے گا۔(۳)

۱۔ سید نور احمد مارشل لاء سے مارشل لاء تک لاہور' صفحہ نمبر 318۔

۲۔ تقسیم پنجاب پر مسلم لیگ کی یادداشت ملاحظہ ہو۔ جلد اول لاہور 1984ء)۔

۳۔ پارٹیشن آف پنجاب جلد اول۔ نیشنل ڈاکومینٹیشن سنٹر لاہور 1984ء صفحہ 291-290۔

ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ میں مادھوپور میں واقع اپر باری دوآب کے نہری نظام کے ہیڈورکس کے حوالے میں ''دوسرے عوامل'' پر زور دیتے ہوئے یہ درخواست کی گئی کہ باری دوآب کے بالائی حصے میں آبادی کو کسی بھی آفت سماوی سے بچانے کے لیئے یہ ضروری ہوگا کہ مغربی پنجاب میں اس حصے کو بھی شامل کر دیا جائے جو مادھوپور سے دو میل آگے کھینچے گئے خط پر واقع ہے اور اپر باری دوآب نہر کے مشرق میں جاتا ہوا اس نقطے پر مل جاتا ہے جہاں پٹھان کوٹ تحصیل ضلع گورداسپور سے جا ملتا ہے۔ (۱)

مختصراً سر ظفراللہ کی تجویز کردہ حد بندی خطوط میں پٹھان کوٹ تحصیل کا آدھا جنوبی حصہ شامل تھا۔ جس میں اپر باری دوآب نہر کا مادھوپور کا ہیڈ ورکس بھی تھا۔ یہیں سے ستلج بیاس زاویے کا مرکزی نقطہ بنتا تھا۔ جس کے بعد شوالک کی پہاڑیوں کی چوٹیاں آتیں اور جنوب مغرب میں جاتے ہوئے یہ روپڑ ہیڈ ورکس تک پہنچتا جہاں سے یہ لدھیانہ اور فیروز پور کے اضلاع جو کہ ستلج کے جنوب مغربی کناروں پر واقع تھے کو ملاتا ہوا مغرب کی طرف مڑ جاتا۔ ظفراللہ نے اپنی تحریک کے جواز میں اس بات پر زور دیا کہ اگر عیسائی مسلمانوں کا ساتھ دیتے تو اس نقطہ نظر کو اپنا کر مسلمانوں کی اکثریتی تحصیلیں فیروز پور اور زیرہ (ضلع گورداسپور) نواں شہر اور جالندھر (ضلع جالندھر) اور تحصیل دسویہ (ضلع ہوشیار پور) مغربی پنجاب میں آ سکتی تھیں۔ صرف ان تحصیلوں کو پانے کی موہوم امید کی خاطر اس نے کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پٹھان کوٹ کی انتہائی اہم اور حساس ترین تحصیل کو گنوا دیا۔ (۲)

درست خدشات

حد بندی کے اس مہلک تعین کی سوچ نے ان مسلمان منصفین کو بھی ششدر کر دیا جو پٹھان کوٹ کے مستقبل کے بارے میں پہلے ہی آگاہ تھے۔ جسٹس منیر کا کہنا ہے

۱۔ تقسیم پنجاب جلد اول قومی دستاویزی مرکز لاہور 1983، صفحہ 291-290۔

۲۔ سید نور احمد مارشل لاء سے مارشل لاء تک لاہور۔ صفحہ نمبر 318۔

کہ وہ اور جسٹس دین محمد ریڈکلف کے ساتھ مذاکرات کے آغاز سے ہی جانتے تھے کہ گورداسپور ہندوستان کو مل جائے گا اور انہوں نے اپنے خدشات کا بالکل ابتداء ہی میں ان لوگوں کے سامنے اظہار کر دیا تھا جو مسلم لیگ کی طرف سے ان کی معاونت کے لیئے مقرر تھے۔(۱)

اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ریڈکلف نے وائسرائے کی ہدایت پر پہلے سے طے شدہ ایک فیصلہ دیا۔ اپنے اس سیاسی فیصلے میں اس نے تمام طے شدہ انتظامی اکائیوں کو مسترد کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب طریقہ ءکار اختیار کیا۔ پہلے اس نے ایسے علاقے کو چنا جسے باری دوآب نہر سیراب کرتی تھی جو لاہور' امرتسر اور گورداسپور کے تین اضلاع تک پھیلا ہوا تھا اور جب اسے بتایا گیا کہ مسلمان تو پہلے ہی اس علاقے میں اکثریت ہیں تو اس نے سودے بازی کے انداز میں اس کا کچھ حصہ نکال دیا اور ملکیت اور انصاف کے تمام اصولوں کی دھجیاں اڑا دیں۔(۲)

اصل سوال یہ ہے کہ لیگ کی یادداشت میں اپنایا گیا موقف ہی ناقص اور ضرر رساں نوعیت کا تھا۔ پٹھان کوٹ تحصیل بغیر کسی تنازعہ کے ہندوستان کو اس لیئے دے دی گئی تھی کہ ہیڈ ورکس اور کشمیر پر اس کا اختیار بحال ہو جائے۔ جسٹس منیر نے ۱۹۵۴ء میں اپنی تحقیقاتی رپورٹ بابت مغربی پاکستان میں چند علاقہ جات کی پاکستان میں شمولیت نہ ہونے کے متعلق کہا کہ ظفر اللہ نے یہ مقدمہ بڑی محنت سے لڑا ہوگا۔ جس پر وہ اس کا ممنون بھی ہے۔(۳) مگر مقدمہ لڑنے کا انداز بڑا غلط تھا۔ ظفر اللہ نے حد بندی معاملات کے جغرافیائی اور دفاعی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا اور شاید ایسا جان بوجھ کر کیا اور بیکار دلائل میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔

۱۔ چوہدری نذیر حسین۔ چیف جسٹس محمد منیر۔ مجلس تحقیق پاکستان لاہور 1973ء صفحہ نمبر 15۔

۲۔ جسٹس دین محمد۔ ریڈکلف کی شعبدہ بازی۔ پاکستان ڈائجسٹ کراچی۔ مارچ اپریل 1976ء صفحہ نمبر 29۔

۳۔ منیر رپورٹ صفحہ 197۔

احمدیہ یادداشت:

قادیانیوں نے پنجاب حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے مقدمے کی عجیب و غریب وکالت کے بعد اس طرح کی ایک متوازی خطرناک چال چلی۔ انہوں نے کمیشن کو اپنی ایک علیحدہ یادداشت پیش کر دی۔ احمدیہ جماعت کی جانب سے سابقہ نیشنل لیگ کے سربراہ مرزا بشیر احمد نے یہ یادداشت پیش کی۔ قادیانیوں کو اپنی اس یادداشت کی تیاری میں بڑی محنت کرنا پڑی۔ اس کے لیئے قادیان میں ابتدائی تیاریاں مکمل کی گئیں۔ چیف سیکرٹری قادیان مرزا بشیر احمد کی نگرانی میں ایک ''امن و اتحاد'' دفتر کھولا گیا۔ مرزا ناصر احمد جو جماعت کے تیسرے سربراہ تھے، زین العابدین، فتح محمد سیال اور چند دیگر اہم افراد کو اس میں شامل کیا گیا۔ لندن سکول آف اکنامکس کے پروفیسر او۔ ایچ۔ کے۔ سپیٹ[1] جو کہ دفاعی امور کا بھی ماہر تھا۔ احمدیہ مقدمے کے مختلف پہلوؤں پر غور کے لیئے لندن سے بلوایا گیا۔ احمدیت کی تاریخ میں احمدیہ یادداشت کا مکمل متن دیا ہوا ہے۔[2] قومی دستاویزاتی مرکز لاہور نے پنجاب حد بندی کمیشن کا جو ریکارڈ مرتب کیا ہے اس میں بھی تمام یادداشتوں کا متن اور متعلقہ مباحثات موجود ہیں۔[3] احمدیہ یادداشت میں بشیر احمد قادیانی نے دلیل دی کہ تقسیم کی اکائی جو چاہے ہو قادیان مغربی پنجاب میں آتا ہے۔ عددی اکثریت کو تقسیم کی اکائی مان کر اور قادیان کی خصوصی مذہبی حیثیت کی حمایت میں ''دوسرے عوامل'' کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے تجویز پیش کی کہ قادیان کو مغربی پنجاب کے ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل امور کی بناء پر قادیان کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

1- اسلام میں یہ عالمی تحریک احمدیت کا فعال مرکز ہے۔
2- ہندوستان کے کسی بھی مذہبی مقام سے اس کا تقدس زیادہ ہے۔

---

[1] او۔ ایچ۔ کے۔ سپیٹ نے اپنی کتاب ''انڈیا اور پاکستان'' میں قادیان کو ''ویٹی کن کی چھوٹی صورت'' قرار دیا ہے۔

[2] تاریخ احمدیت۔ جلد 10 صفحہ 414-39۔

[3] تقسیم پنجاب جلد 1 -2-3 قومی دستاویزاتی مرکز۔ لاہور 1984ء۔

3- مذہبی ہدایات اور تبلیغی تربیت کے لیئے لوگ دنیا بھر سے اس کا رخ کرتے ہیں۔

4- احمدیہ تحریک کے مقدس بانی کا لکھا ہوا زیادہ تر احمدیہ لٹریچر اردو زبان میں ہے جو پاکستان کی زبان ہے اور ہندوستان میں غیر مقبول ہے۔

5- احمدیہ جماعت کی چوہتر فیصد شاخیں پاکستان میں واقع ہیں۔

6- احمدیہ جماعت کے زیادہ تر مالی اثاثے پاکستان میں ہیں۔

7- وہ ضلع جس میں قادیان واقع ہے واضح طور پر مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے اور مغربی اضلاع سے متصل ہے۔

8- امن اور جنگ کے دوران اس جماعت کی خدمات اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ چنانچہ اس جماعت کے مفادات کو کسی دیگر مذہبی برادری کے مفادات پر قربان نہ کیا جائے۔(۱)

قادیانی وکیل نے اس خدشہ کا بھی اظہار کیا کہ دیگر عوامل کا پہلو سکھوں کے مطالبات کے حق میں کہیں استعمال نہ ہو جائے۔ اسکے جواب کے لیئے اس نے احمدیہ جماعت کی فوجی خدمات کا سکھوں کی خدمات سے موازنہ کرتے ہوئے دعویٰ کیا۔

> ''ذمہ دار برطانوی حکام کے چند اعلانات کی رو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ ''دیگر عوامل'' سکھوں کو فائدہ پہنچانے کے لیئے استعمال کیا گیا ہے۔ خصوصاً ان کے لیئے جنہوں نے حکومت برطانیہ کو خدمات کثیر دی ہیں۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تعداد کے لحاظ سے احمدیہ جماعت سکھوں کی نسبت بہت کم ہے۔ مگر اس جماعت کی دو عظیم جنگوں کے دوران بے غرضانہ خدمات کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے احمدیہ خدمات کسی طرح بھی سکھوں کی خدمات سے کم نہیں۔ قادیان جس کی آبادی صرف چودہ ہزار ہے۔ اس نے جنگ کے لیئے چودہ سو سے زائد رنگروٹ مہیا کیئے تھے جو دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی جانب سے لڑے۔ احمدیہ جماعت بہت چھوٹی جماعت ہے' پھر بھی اس کے دوسو سے زائد افراد نے رائل (فوج میں) کمیشن حاصل کیا اور اس لحاظ سے بلاشبہ یہ جماعت تمام ہندوستانی برادریوں سے ان کی عددی قوت کو مدنظر رکھتے ہوئے امتیازی

۱۔ تقسیم پنجاب جلد 1 صفحہ 428۔

حیثیت کی حامل ہے"۔ (۱)

کیا علیحدہ یادداشت پیش کرتے وقت قادیانیوں نے لیگ سے مشورہ کیا؟ کیا قادیانی علیحدہ یادداشت پیش کرنے میں ازخود کامیاب ہوئے؟ اس کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا؟ مرزا محمود کا یہ دعویٰ ہے کہ کانگریس نواز علماء خصوصاً احرار رہنماؤں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی ایک طاقتور پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی تھی۔ جس سے مسلمانوں کی عددی قوت میں کمی ہو سکتی تھی۔ یہ بھی خدشہ محسوس کیا گیا کہ ہندو اور سکھ وکلاء احمدیہ جماعت کی اسلامی حیثیت پر انگلی اٹھا سکتے تھے اور اگر ذرا آگے جایا جائے تو مسلمانوں کی آبادی سے احمدیوں کو نکالنے سے مسلمان اکثریتی گورداسپور ایک غیر مسلم اکثریتی ضلع بن جاتا۔ احرار کی اس مبینہ کوشش کا توڑ کرنے کی خاطر بقول مرزا محمود احمد احمدیہ جماعت نے مسلم لیگ کو استدعا کی تھی کہ وہ اپنے اوقات میں سے کچھ وقت احمدیہ جماعت کو دے تاکہ کمیشن کو ایک علیحدہ یادداشت کے ذریعے ان کی حیثیت کو واضح کیا جا سکے۔ مرزا محمود نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ مسلم لیگ نے احمدیوں کو علیحدہ یادداشت پیش کرنے کی خصوصی اجازت دی تھی اور پنجاب لیگ کا صدر نواب ممدوٹ۔ لاہور کا ایک سابقہ کمشنر خواجہ عبدالرحیم، چوہدری اکبر علی اور دوسرے لیگی ارکان اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ (۲)

مسلم لیگ گورداسپور نے بھی کمیشن کو پیش کرنے کے لیئے ایک علیحدہ یادداشت مرتب کی۔ اسے غلام فرید رکن اسمبلی، شیخ کبیرالدین (مسلم لیگ کا سابقہ نمائندہ) شیخ شریف حسین ایڈووکیٹ، شیخ محبوب عالم (احراری رہنما) اور مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ نے تیار کیا تھا لیکن انہیں کمیشن کو یہ یادداشت پیش کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ لیگ نے صرف احمدیوں اور عیسائیوں کو اپنی علیحدہ یادداشتیں پیش کرنے کی اجازت دی۔ (۳)

۱۔ تقسیم پنجاب۔ جلد 1۔ صفحہ 429۔

۲۔ مرزا محمود کا خطاب۔ 27 دسمبر 1950ء۔

۳۔ دوست محمد شاہد۔ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار۔ ربوہ۔ صفحہ 61۔

مرزا محمود یہ انکشاف بھی کرتے ہیں۔

> ’’میں جسٹس منیر کو اس کی رہائش گاہ پر ملا۔ گورنر سندھ دین محمد بھی وہیں آ گئے۔ میرے ساتھ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ جو بعد میں جج بنے اور عبدالرحیم درد تھے۔ ہم نے اس یادداشت کے قانونی پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا اور اس کی نقول ان کے حوالہ کیں‘‘۔(۱)

علیحدہ یادداشت کا نقصان

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قادیانی مسلم لیگ کے موقف سے متفق تھے تو انہوں نے کمیشن کو ایک علیحدہ یادداشت کیوں پیش کی؟ دوسرے وہ اور لیگ دونوں اگر قادیان کو مغربی پنجاب میں شامل کرنا چاہتے تھے تو اس کی کیا ضرورت تھی؟ مسلم لیگ کا مقدمہ تیار کرنے میں ظفراللہ کی اعانت خود مرزا محمود نے کی تھی۔ اس مسودے کی تیاری میں پروفیسر سپیٹ کی مشاورت بھی شامل تھی۔ جس نے حد بندی کے دفاعی اور سیاسی و جغرافیائی پہلوؤں پر مفید مشورے دیئے۔(۲) جسٹس دین محمد اس یادداشت میں پیش کیئے گئے احمدیہ موقف پر ششدر رہ گئے اور انہوں نے ظفراللہ سے اس بارے میں ایک نجی محفل میں سوال بھی کیا۔(۳) مسٹر جسٹس منیر احمد بھی قادیانی وکیل بشیر احمد کو ایک علیحدہ یادداشت کے ساتھ کمیشن کے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اسے ایک ’’انتہائی بدقسمت واقعہ‘‘ قرار دیا جو مسلم لیگ کے موقف کے خلاف گیا۔

ایک مضمون میں جسٹس منیر نے لکھا۔

> اب ضلع گورداسپور کی طرف آیئے۔ کیا یہ مسلم اکثریت کا علاقہ نہیں تھا' اس میں شک نہیں کہ اس ضلع میں مسلم اکثریت بہت معمولی تھی لیکن پٹھان کوٹ تحصیل اگر بھارت میں شامل کر دی جاتی تو باقی ضلع میں مسلم لیگ کا تناسب خود بخود بڑھ جاتا۔
>
> مزید برآں مسلم اکثریت کی تحصیل شکر گڑھ کو تقسیم کرنے کی مجبوری کیوں پیش آئی۔ اگر

۱۔ مرزا محمود کا خطاب۔ 27 دسمبر 1950ء صفحہ 3۔

۲۔ ظفراللہ۔ تحدیث نعمت۔ صفحہ نمبر 5۔

۳۔ سید نور احمد۔ صفحہ 318۔

> اس تحصیل کو تقسیم کرنا ضروری تھا تو دریائے راوی کی قدرتی سرحد یا اس کے ایک معاون نالے کو کیوں نہ قبول کیا گیا بلکہ اس مقام سے اس نالے کے مغربی کنارے کو سرحد قرار دیا گیا جہاں یہ نالہ ریاست کشمیر سے صوبہ پنجاب میں داخل ہوتا ہے۔ کیا گورداسپور کو اس لیئے بھارت میں شامل کیا گیا کہ اس وقت بھی بھارت کو کشمیر سے منسلک رکھنے کا عزم وارادہ تھا۔
>
> اس ضمن میں ایک بہت ناگوار واقعہ کا ذکر کرنے پر مجبور ہوں۔ میرے لیئے یہ بات ہمیشہ ناقابل فہم رہی ہے کہ احمدیوں نے علیحدہ نمائندگی کا کیوں اہتمام کیا۔ اگر احمدیوں کو مسلم لیگ سے اتفاق نہ ہوتا تو ان کی طرف سے علیحدہ نمائندگی کی ضرورت ایک افسوسناک امکان کے طور پر سمجھ میں آ سکتی تھی۔ شاید وہ علیحدہ ترجمانی سے مسلم لیگ کے موقف کو تقویت پہنچانا چاہتے تھے لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے شکر گڑھ کے مختلف حصوں کیلئے حقائق اور اعدوشمار پیش کیئے۔ اس طرح احمدیوں نے یہ پہلو اہم بنا دیا کہ تا کہ بعین اور نالہ بسنتر کے درمیانی علاقہ میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اس دعویٰ کیلئے دلیل میسر کر دی کہ اگر نالہ اجھ اور نالہ بعین کا درمیانی علاقہ ازخود بھارت کے حصے میں آ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقہ ہمارے (پاکستان) کے حصے میں آ گیا لیکن گورداسپور کے متعلق احمدیوں نے اس وقت سے ہمارے لیئے سخت مخمصہ پیدا کر دیا۔(1)

ظفر اللہ جو اس وقت ہیگ ہالینڈ میں بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج تھا' اُس نے اس کا جواب بھیجا جو آٹھ جولائی ۱۹۶۴ء کو پاکستان ٹائمز کے کالم ''ایڈیٹر کے نام خطوط'' میں شائع ہوا۔ اُس نے اپنے موقف میں اپنی حیثیت کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ:

> وہ احمدیوں کے نمائندہ نہیں تھے بلکہ مسلم لیگ کے وکیل تھے۔ احمدیوں کا مقدمہ مغربی پاکستان کی عدالت عالیہ کے سابق جج شیخ بشیر احمد نے پیش کیا تھا جو احمدیوں کی جانب سے جسٹس منیر کو ایک علیحدہ یادداشت پیش کرنے کا جواب دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔

۱۔ جسٹس محمد منیر۔ ایام رفتگاں۔ پاکستان ٹائمز لاہور۔ 24 جون 1964ء۔

تاہم اس کی ضرورت اس لیئے پڑی کہ غیر مسلموں نے احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر رکھی تھی کہ کچھ مسلمان احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ اس طرح احمدی گورداسپور میں مسلم اکثریت کے ساتھ شامل نہ ہو سکتے تھے۔ اگر احمدیوں کو مسلمانوں میں نہ گنا جاتا تو مسلمان اس ضلع میں اکثریت میں نہ ہوتے''۔ (۱)

اپنے ایک خط میں احمدیوں کی جانب سے علیحدہ یادداشت پیش کرنے پر احمدیوں کی صفائی میں شیخ بشیر احمد (قادیانی وکیل) نے لکھا۔

''سکھوں کی جانب سے پیش کردہ یادداشت میں اس امر پر بڑی وضاحت سے زور دیا گیا تھا کہ چونکہ گورو گوبند سنگھ کی جائے پیدائش (گوبند پور) گورداسپور ضلع میں واقع ہے لہٰذا مسلمانوں کی محض ۵۴ء۱ فیصد اکثریت کو اس لحاظ سے مسترد کیا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مسٹر ریڈکلف کو اپنے ذہن کے مطابق مسلمان اکثریتی علاقوں کی غیر مسلم اکثریتی علاقوں سے علیحدہ حد بندی کرنی تھی اور ایسا کرتے وقت اسے ''دیگر عوامل'' کا بھی خیال رکھنا پڑا تھا۔ دلائل ان بنیادوں پر آگے بڑھے تھے۔ یہ دلیل بھی دی گئی کہ صرف یہ بات ہی گورداسپور کو پاکستان کی بجائے انڈین یونین میں شامل کرنے کے لیئے کافی تھی۔ اس دعویٰ کے جواب میں مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ احمدیہ جماعت ایک علیحدہ یادداشت پیش کرے اور حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کو دیئے گئے دلائل کے وقت سے پینتالیس منٹ انہیں بھی کمیشن کو مخاطب کرنے کے لیئے دے دیئے گئے۔ چوہدری ظفر اللہ مسلم لیگ کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے اور احمدیہ جماعت کے خصوصی دعاوی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے تھے''۔

بشیر احمد مزید کہتا ہے کہ:

''احمدیوں نے ایک نکتہ یہ بھی پیش کیا کہ قادیان ایک بین الاقوامی اسلامی مرکز تھا اور تحریک کا بانی بھی یہاں دفن ہے' وغیرہ۔ گورداسپور کو محض مسلمانوں کی ۴ء۱ فیصد آبادی کی اکثریت کی بناء پر پاکستان میں شامل نہیں کیا جانا چاہیئے۔ بلکہ اس وجہ سے بھی ایسا کیا

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ 8 جولائی۔ 1964ء

جانا چاہیئے۔ اس نے مزید دلیل دی کہ قادیان کو دوسرے مقامات مقدسہ سے ممتاز حیثیت حاصل ہے اور اگر اسے ہندوستانی یونین کا حصہ بنا دیا گیا تو تبلیغی سرگرمیوں کو اس سے سخت دھچکا پہنچے گا''۔(۱)

پاکستان ٹائمز میں جسٹس منیر کی یادداشتوں کے جواب میں بہت سے خطوط تھے جو سب کے سب اس موضوع پر تھے کہ پاکستان کی بنیاد دینی تھی یا معاشی۔(۲)

ان کے جواب میں جسٹس منیر نے اخبار کو ایک مشترکہ جواب بھجوایا جس میں انہوں نے اپنے موقف کے جواز میں قائداعظم کی ایک تقریر کا حوالہ دیا جو آپ نے چھبیس اگست ۱۹۴۸ء کو اسمبلی میں کی تھی۔ بہرحال اس نے احمدیہ وضاحت کو قبول نہیں کیا اور کبھی نہ جان سکا کہ احمدیوں نے اپنی علیحدہ نمائندگی کیوں پیش کی جس نے حد بندی کمیشن کے مسلمان ججوں کے لیئے گورداسپور کے معاملہ میں فیصلہ کرتے وقت اتنی خفت کا سامان پیدا کیا۔

یہ اب طے شدہ بات ہے کہ ریڈکلف کا فیصلہ پہلے سے تیار ہو چکا تھا اور ''دیگر عوامل'' کی اصطلاح کو دانستہ مبہم رکھا گیا تھا تاکہ مبالغہ آراء دعوؤں کی حوصلہ افزائی ہو اور حد بندی کے دوران کی گئی زیادتیوں کی پردہ پوشی ہو سکے۔ ظفر اللہ قادیانی(۳) جسٹس منیر(۴) جسٹس دین محمد(۵) اور چوہدری محمد علی(۶) سب نے ایوارڈ کو مکمل طور پر خلاف حقیقت اور سیاسی فیصلہ قرار دیا۔ اگر گورداسپور کا ضلع ہندوستان کو نہ دیا جاتا تو اسے کبھی بھی کشمیر کا راستہ نہ ملتا اور نہ پاکستان کو جنگ لڑنا پڑتی۔(۷) تاہم ظفر اللہ کے تقسیم کی بنیاد کے انتخاب یعنی تحصیل اور احمدیوں کی علیحدہ نمائندگی قادیان کی بدنیتی کا مظہر ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بٹالہ تحصیل جس میں قادیان واقع ہے' اسے بچانے کے لیئے

۱۔ پاکستان ٹائمز 8 جولائی 1964ء۔

۲۔ اس کے آفرینش پاکستان کے بارے میں لادینی نظریات کے لیئے ملاحظہ ہو ''جناح سے ضیاء تک'' لاہور 1980ء۔

۳۔ سر ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت۔ صفحہ 507۔

۴۔ جسٹس محمد منیر۔ ایام یادرفتگان۔ پاکستان ٹائمز۔ 24 جون 1964ء۔

۵۔ جسٹس دین محمد ریڈکلف کی شعبدے بازی۔ پاکستان ڈائجسٹ کراچی۔ مارچ اپریل 1976ء۔

۶۔ چوہدری محمد علی۔ تخلیق پاکستان۔

۷۔ لارڈ برڈ ووڈ۔ برِاعظم کا فیصلہ۔ لندن 1935ء۔ صفحہ 235۔

ظفر اللہ نے پٹھان کوٹ کی تحصیل (بالفاظ دیگر ریاست جموں و کشمیر) ہندوستان کے حوالے کر دی۔ مسلم لیگ کے میمورنڈم سے یہی تاثر ملتا ہے۔

برطانوی خفیہ سازشیں

ریڈکلف کا فیصلہ اس برطانوی سازش کا حصہ تھا۔ اسکا مقصد نوزائیدہ ریاست پاکستان کے وجود کو ختم کرنا تھا۔ برطانوی سامراجیوں کی بری نیت کے اور بھی کئی شواہد موجود ہیں۔ اس کے سیاق میں برطانوی خفیہ محکمہ کے افسر اعلیٰ کو ڈی آئی جی جیننکز کا لکھا ہوا خط کافی غور طلب ہے۔

آٹھ جولائی ۱۹۴۷ء کو تقسیم سے تقریباً ایک ماہ قبل مسٹر جیننکز ڈی آئی جی نے ایک سربمہر خط جس پر ''انتہائی خفیہ'' لکھا ہوا تھا' پنجاب سی آئی ڈی کے سب انسپکٹر دبیر حسین رضوی کے حوالہ کیا تا کہ وہ اسے وائسرائے کی رہائش گاہ میں دہلی پہنچا دے۔ (یہ ایک قادیانی تھا) مس ممتاز شاہنواز جو کہ ایک لیگی خاتون رہنما تھی کی ترغیب پر یہ خط کھولا گیا۔ اس لفافے میں ایک اور سربمہر خط تھا جس پر یہ پتا لکھا ہوا تھا۔ ''مسٹر لیڈل' چیف آف برٹش سیکرٹ سروس''۔ اسے کھولا گیا اور اس کی ایک نقل قائداعظم کے حوالے کر دی گئی۔ تین ہفتوں کے بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ چار ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان ٹائمز لاہور نے یہ خط اپنے ادارتی حاشیے کے ساتھ شائع کر دیا۔ یہ خط اور اس پر تاثرات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خط مسٹر احمد کے کردار کے بارے میں روشنی ڈالتا ہے جو اس نے پاکستان کی نئی قائم شدہ ریاست میں ادا کرنا تھا۔ (یہ عمومی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ احمد مرزا محمود احمد کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا اور اس میں بیان کیا گیا اجلاس جو کہ دہلی میں ہوا۔ یہ وہ اجلاس ہے جب آپ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں اپنی جماعت کے لیئے عبوری حکومت میں جگہ حاصل کرنے گئے۔ دیکھئے۔

خط میں لکھا ہے:

---

[1] ابو مدثرہ۔ قادیاں سے اسرائیل تک صفحہ 188۔

''پاکستان کے بارے میں سب کچھ طے پا چکا ہے تاہم دیگر حالات انتہائی مبہم ہیں۔ پاکستان کی حتمی شکل کے بارے میں فیصلہ نہیں ہوا اور یہ بھی علم نہیں کہ اس میں حکومت کی ہیت کیا ہوگی۔ یہ تو بدیہی اثر ہے کہ مسٹر جناح ایک آمر کی حیثیت اختیار کر جائیں گے اور پوری قوت ایک منتخب ٹولے کے ہاتھ میں مرکوز ہوگی لیکن ان میں سے ہر ایک کا منصب کیا ہوگا اس کا فیصلہ ابھی تک نہیں ہوا۔ حالات کے پیش نظر ایسا موزوں وقت نہیں آیا جب ان افراد کی نشاندہی کی جا سکے یا ان سے روابط استوار کیئے جا سکیں کیونکہ کچھ پتہ نہیں کون لوگ سامنے آنے والے ہیں۔

میرے خیال میں رابطہ افسر لائن پر عمل کرنا درست ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بہترین راستہ ہے لیکن احمد کو علم ہے کہ دہلی میں متعلقہ امور پر بحث کے دوران اسی انتظام کے بارے میں اتفاق رائے پایا گیا تھا۔ امید ہے کہ احمد کو پاکستان میں بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ چنانچہ وہ گزشتہ تصورات نظریات سے پسپائی کو پسند کرے گا۔ یہ بھی امکان ہے کہ حد بندی کمیشن مسلمانوں کو اس سے بھی زیادہ برہم کر دے گا جتنے کہ وہ اب ہیں۔ میری دلچسپی پاکستان کی حد تک ہے اور میرا خیال ہے تمہیں یاد ہوگا کہ جب آپ لاہور میں تھے تو میں نے آپ کے ساتھ چند امکانات پر تبادلہ خیال کیا تھا۔ مجھے اب تک یہی مخمصہ ہے کہ آیا میں پاکستان کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کا عہدہ لینے کے لیئے تیار ہو سکوں گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ میں بلیک لسٹ میں نہیں ہوں۔ بہر حال شخصی مناسبت کا نکتہ ایک دوسرا معاملہ ہے جو مستقبل قریب میں واضح ہو جائے گا''۔(۱)

پاکستان ٹائمز کے اسی شمارے میں یہ اداریہ بھی چھپا۔

جاسوس منڈلی:

''قائداعظم نے نشری تقریر میں حد بندی کمیشن کے فیصلے کو غیر منصفانہ، نا قابل فہم اور بددیانتی پر مبنی قرار دیا ہے۔

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ 25 دسمبر 1976ء۔

ہمیں (پاکستان ٹائمز) کو یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ حد بندی کمیشن اس سازش کا حصہ ہے جو برطانوی پاکستان کے خلاف کر رہے ہیں اور سر سرل ریڈ کلف کے علاوہ دیگر تخریب کاروں نے ہماری ریاست کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ ہمارے پاس اس سوچ کی بہترین وجوہات موجود ہیں کہ برطانوی اعلیٰ حکام ہمارے لوگوں یا ہمارے رہنماؤں کے ساتھ کوئی کھیل نہیں کھیل رہے اور سر ایون جینکنز کی کرتوتیں اس قدر ہیں کہ ان پر تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ سنسنی خیز تفصیلات جو ہم نے ابھی تک دریافت کی ہیں وہ قائداعظم کے خدشات کو ظاہر کرتی ہیں اور ہمارے اس یقین کو پختہ کرتی ہیں کہ ہمارے مستقبل کا بڑا کچھ ابھی تک ہمارے اب تک کے ظالموں کی خفیہ اور زیر زمین کارروائیوں میں الجھا ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جب برطانوی ہمارے رہنماؤں سے انتقال اقتدار کے مذاکرات کر رہے تھے۔ اس وقت برطانوی حکام ملک میں سازشوں کا جال بن رہے تھے تاکہ ہمارے اندر خفیہ تنظیموں اور ففتھ کالم کو منظم کیا جا سکے۔ یہ منصوبے اتنے خفیہ تھے کہ پنجاب کے برطانوی گورنر کو بھی سازشیوں نے اپنی سازشوں میں شریک نہیں کیا۔ ایک نامہ نگار نے ہمیں سنسنی خیز دستاویز بھجوائی ہے جسے ہم اس شمارے میں اسی طرح شائع کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم برطانوی خفیہ محکمہ اور پنجاب کے خفیہ کے سربراہ کے مابین اس خط و کتابت کے پس منظر سے آگاہی نہیں رکھتے‘ نہ ہی ہمیں یہ پتہ ہے کہ اس کی روانگی کے بعد کیا وقوع پذیر ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ برطانوی اور ہندوستانی خفیہ محکموں کے درمیان پراسرار سرگرمیاں جاری رہیں جس کا ہمارے رہنماؤں کو قطعاً علم نہ تھا جو کہ بعد میں اقتدار کے مجوزہ مالک بننے والے تھے۔ اس میں کئی اہم انکشافات اور کئی واضح سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ مثلاً مسٹر جینکنز کی گفت و شنید کا کیا مقصد تھا اور ”صحیح آدمیوں“ سے اس کی کیا مراد تھی۔ یہ شریف آدمی ”احمد“ کون ہے جسے پاکستان میں اہمیت حاصل ہونا تھی اور مسٹر جینکنز اور اس کے بڑوں کے ساتھ اس کے کیا معاملات طے پائے تھے۔ اس نے کس کے مفاد میں کن کے درمیان رابطے کا کام دینا تھا۔ مسٹر جینکنز کو

یہ کیسے پتہ چلا جبکہ باقی بے خبر تھے کہ حد بندی کمیشن مسلمانوں کو برہم کرے گا۔ کیا ہم یہ فرض کرلیں جیسا کہ ہم پہلے ہی پیش گوئی کر چکے ہیں کہ یہ دانستہ طور پر غیر منصفانہ اور غیر جمہوری تھا۔ صرف غیر منصفانہ فیصلہ ہی ہندوستان اور پاکستان کے درمیان زیادہ سے زیادہ دشمنی اور بدمزگی پیدا کرسکتا تھا اور انصاف مسلمان کے خلاف اس لیئے کیا کہ وہ دونوں فریقوں میں کمزور تھا۔ پھر مسٹر جیکنز کس قسم کی خدمات اس مسئلے میں چاہتا ہے جس کی وہ بے صبری سے امید کر رہا ہے اور کس مسلم لیگی نے اسی نام کے خبیث اعظم کے رابطے کروائے جواب تک پاکستان میں گورنر کے اہم عہدے پر متمکن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اس عہدے پر کچھ دیر اور بھی ٹھہرے گا اور وہ اپنے اور اپنے مکتوب الیہ کے درمیان لندن میں تیز ترین مواصلات کے بارے میں بے چین ہے۔ ہم پہلے ہی مسٹر جینکنز کے ٹونے کی پیدائش اور تفصیلات کے بارے میں بے خبری کا کہہ چکے ہیں لیکن اس دستاویز کی جو تشریح ہم کر سکتے ہیں' وہ یہ ہے کہ وہ اور اس کے امدادی پاکستان میں جاسوسی کا ایک حلقہ قائم کرنے کی فکر میں ہیں جو کہ برطانیہ کی ایک شاخ ہوگا اور حکومت پاکستان کی پشت پر ہوگا اور ہمارے لوگ یقیناً اس قسم کی یورشوں اور فتنہ پردازیوں سے بیزار ہوں گے۔ خصوصاً کسی ایسی غداری یا دھوکے کے دہرائے جانے کے بارے میں جس کا تجربہ ہم نے حالیہ دنوں میں کرلیا ہے"۔(۱)

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ لاہور 25 دسمبر 1976ء۔

سولہواں باب

قادیان اور اسرائیل

اقوام متحدہ کے سامنے مسئلہ فلسطین آنے سے ایک ماہ قبل پاکستان اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ ہم یہاں ”یہودیوں کی قومی جدوجہد“ کے آخری مرحلے کے دوران ظفر اللہ اور قادیان کے کردار پر بحث کریں گے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ظفر اللہ نے صیہونی تحریک کے لیئے سرگرمی دکھائی۔ وہ فلسطین گیا۔ ڈاکٹر کوہن سے ملا جو یہودی تنظیم کا سربراہ تھا اور بعد میں اُس نے اعلان کیا کہ ”یہودی آبادکاری“ کے نتیجے میں فلسطینی عربوں کو پسپائی ہوگی۔(۱)

برطانوی امریکی کمیٹی

فلسطینی مسئلہ اس وقت بڑی تیزی سے یہودیوں کے حق میں ہوگیا جب نئی سامراجی قوت امریکہ نے اس کی بین الاقوامی سطح پر مکمل اور بھرپور مدد کی۔ امریکی صدر روز ویلٹ نہ صرف ”صیہونی خواہشات“ کے ساتھ ہمدردی رکھتا تھا بلکہ اس نے جنگ عظیم کے دوران مشرق وسطیٰ کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لی اور اس علاقے میں وہ امریکہ کے بڑھتے ہوئے تیل کے مفادات کے بارے میں بھی باخبر تھا۔ لندن میں صیہونی رہنماؤں نے ۱۹۳۹ء میں جاری کردہ مسئلہ فلسطین پر برطانوی قرطاس ابیض کی اشاعت کو منسوخ کرنے کی استدعا کی اور فلسطین میں فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کے داخلے کی سفارش کی۔ لیبر حکومت کے اقتدار میں آنے کی بعد ان کی خواہشات اور بھی شدت اختیار کر گئیں۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ ارنسٹ بیون جو کہ فلسطین کے لیئے

۱۔ سر ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت۔ صفحہ 488۔

برطانیہ کی حکمت عملی کا ذمہ دار تھا۔ بعض وجوہ کی بناء پر فلسطین کے فوری طور پر یہودی ریاست قرار دیئے جانے کے حق میں نہ تھا۔

اگست ۱۹۴۵ء میں امریکی صدر ٹرومین نے صیہونی مطالبے کی حمایت کر دی اور فلسطین میں فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کو بسانے کا مطالبہ کر دیا۔ اسی وقت امریکی کانگریس نے یہ مطالبہ بھی پیش کر دیا کہ فلسطین کی استطاعت کے مطابق یہودیوں کو غیر محدود آبادکاری کی اجازت دے دی جائے۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں فلسطین میں یہودی داخلے کے مسئلہ کی دیکھ بھال کے لیئے ایک برطانوی، امریکی کمیٹی قائم کر دی گئی۔ اس میں چھ امریکی اور چھ برطانوی ارکان تھے۔ قبل اس کے کہ یہ کمیٹی فلسطین میں اپنا کام شروع کرتی، مرزا محمود نے شیخ نور احمد منیر کو اکتوبر ۱۹۴۵ء میں فلسطین بھیجا تاکہ چوہدری شریف کے کام میں اس کا ہاتھ بٹائے[1] جو کہ برطانوی ہائی کمشنر فلسطین ہیرالڈ میکمیکائل کا گماشتہ تھا۔

احمدی یہودی مسئلہ میں براہ راست فریق نہ تھے مگر قادیانی مبلغ چوہدری شریف نے امریکی، برطانوی کمیٹی کو ایک یادداشت پیش کی۔ شاید وہ انہیں مسئلہ فلسطین پر احمدیہ نکتہ نظر سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کمیٹی کے دو ارکان رچرڈ کراس مین جو کہ لیبر گورنمنٹ کا ممبر پارلیمان تھا اور ولیم فلپ جو کہ اطالیہ میں امریکی سفیر رہ چکا تھا۔ قادیانیوں سے قدیمی شناسائی رکھتے تھے۔ قادیان کو ارسال کردہ رپورٹ میں چوہدری شریف بیان کرتا ہے کہ وہ صدر کمیٹی سے ملا اور بارہ جنوری ۱۹۴۵ء۔ کے مرزا محمود کے خطبے کی ایک نقل اسے پیش کی۔ اس میں برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان صلح کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔[2] قادیانیوں کے نکتہ نظر کی مزید وضاحت کے لیئے ان ارکان کو ایک کتابچہ دیا گیا۔ جس میں جنگ عظیم میں محوری قوتوں کی شکست اور اتحادیوں کی فتح کے بارے میں مرزا محمود کے الہامات۔ رویاء اور خوابوں کا تذکرہ درج تھا۔ کمیٹی کو

---

[1] تاریخ احمدیت۔ جلد 5۔ صفحہ نمبر 504۔

[2] الفضل قادیان 11 جون 1946ء۔

احمدیہ جماعت کی قدیم خدمات اور وفاداری کے ثبوت میں قادیانی مبلغ نے مرزا محمود کی مشہور کتاب ''تحفہ شہزادہ ویلز'' ۱۹۲۱ء کے نسخے بھی پیش کیئے۔ اس کو عرب ممالک میں بھی مفت تقسیم کیا گیا۔ اس میں قادیانیوں کے سیاسی نظریات اور ان کی برطانوی راج کے لیئے بے لوث وفاداری کا یقین دلایا گیا تھا۔ چاہے وہ ہندوستان میں ہو یا فلسطین میں۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں کمیٹی نے اپنی رپورٹ تیار کی۔ اس نے انتداب کے تسلسل اور فلسطین میں فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کی آمد کی سفارش کی۔ صیہونی دہشت گرد تنظیمیں پہلے ہی اپنی سرگرمیوں میں شدت پیدا کر چکی تھیں۔ درحقیقت انہیں فلسطین کا اختیار حاصل ہو چکا تھا۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں انہوں نے کنگ ڈیوڈ ہوٹل اور اس میں موجود برطانوی حکومتی دفاتر کو دھماکے سے اڑا دیا تھا۔

الفضل نے اپنی شہ سرخی میں انگریزوں کو یہ ''دیانتدارانہ نصیحت'' کی کہ وہ یہ دیکھیں کہ فلسطین میں یہودیوں کی بزور قوت آبادکاری چنگاری ثابت ہوگی۔ جسے کچھ لوگ شعلوں میں تبدیلی کرنے کی کوشش کریں گے اور پوری دنیا کو نگل لیں گے۔ اگر امریکہ کو مسلمانوں کی زود رنجی کا کوئی خیال نہیں ہے تو کم از کم برطانیہ ان کا ضرور خیال رکھے کیونکہ اس کے زیادہ تر مفادات انہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ (۱)

تخریب کاری:

قادیانیوں نے ان کڑے ایام میں اپنی ارتدادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ''ایام تبلیغ'' منانے کی آڑ میں وہ فلسطین کے تمام حصوں میں پہنچے۔ قادیان کو بھجوائی گئی رپورٹ میں چوہدری محمد شریف یوں رقم طراز ہے۔

> ''بوجہ ہڑتال عام یہاں ستائیس اپریل کو یوم التبلیغ منایا گیا۔ اس روز ہمارے احمدی احباب نے بصورت وفود فلسطین کے مندرجہ ذیل شہروں حیفہ' ناصرہ' عکہ' طبریا' بیسان'

۱۔ الفضل قادیان۔ 8 جولائی 1946ء۔

> شفا عمرو، صفد، یافا۔ بیت اللحم بیت المقدس، تل ابیب، ترشحا میں تبلیغ اسلام کی اور پانچ ہزار کے قریب اشتہارات و کتب تقسیم کیئے۔ اس دفعہ خدا تعالیٰ کے فضل سے کوئی خاص ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا"۔
>
> اواخر دسمبر میں خاکسار (چوہدری محمد شریف) اور برادرم شیخ نور احمد صاحب بیت المقدس گئے تھے۔ چار پانچ روز تک برادرم موصوف کا بیت المقدس کے احباب سے تعارف کرا کر ضروری کاموں کی وجہ سے واپس آ گیا۔ برادر عزیز وہاں ایک ہفتہ اور مقیم رہے اور بیت المقدس اور خلیل کے بڑے بڑے عمائد کو سلسلہ کا پیغام پہنچایا۔ جن میں محمد علی العجر ی پریذیڈنٹ خلیل میونسپلٹی، شیخ عبداللہ طہبوب مفتی خلیل اور جملہ مشائخ صخرہ و مسجد اقصیٰ بیت المقدس اور مسٹر سی ایل سکینک پروفیسر جیوش یونیورسٹی (جس نے کوئی مزعومہ کتبہ متعلقہ صلیب مسیح دریافت کیا ہے) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خلیل میں ایک دوست السید عبدالرزاق المجتسب باللہ نے آپ کے ذریعہ بیعت بھی کی۔
>
> دوسرا سفر آپ کا عکہ کا تھا جہاں آپ کو ایک ضروری کام کے لیئے بھیجا گیا۔ وہاں کے اوباش لوگوں (یعنی مجاہدین آزادی اور مفتی اعظم کے جانبازوں ۔۔ مولف) نے آپ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر الحمدللہ آپ بخیریت حیفہ پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عکہ کے شر پسندوں سے محفوظ رکھا۔(1)

ان دنوں جب یہودی فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام کی ہر ممکن کوششیں کر رہے تھے تو جلال الدین شمس کا مشرق وسطیٰ مشن کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا۔ اس نے ان جگہوں کا دورہ کیا جہاں صیہونی نیم فوجی تنظیمیں عربوں پر مسلسل حملے کر کے انہیں خوفزدہ کر رہی تھیں۔ اس نے یروشلم میں عرب رہنماؤں کے ساتھ مسئلہ فلسطین پر گفتگو کی۔ فلسطین سے قادیان بھجوائی گئی اطلاعات میں سے ایک میں شیخ نور محمد یوں رقم طراز ہے۔

> "مکرم مولوی شمس صاحب اکتیس اگست کو قاہرہ سے حیفہ تشریف لائے۔ مقامی حالات کے مطابق جماعت حیفہ اور کبابیر نے استقبال کیا۔ تین ستمبر کو مکرم شمس صاحب مکرم

ـ الفضل قادیان۔ 14 جون 1946ء۔

چوہدری محمد شریف فاضل اور خاکسار (شیخ نور احمد منیر) بیت المقدس ایک اہم مقصد کے پیش نظر روانہ ہوئے۔ اس سے قبل عاجز (نور احمد) ایک مہینہ بیت المقدس میں گزار کر اس اہم مقصد کے حالات اور تفصیلات معلوم کر چکا تھا۔ القدس میں مکرم الحاج علم دین صاحب سیالکوٹی نے ہماری رہنمائی کی۔ جس کے لیئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ مولوی صاحب نے یہاں السید عونی عبدالہادی بے سے بھی ملاقات کی اور قضیہ فلسطین کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ان کو بعض مشورے دیئے۔ (۱)

قادیانی مبلغ شیخ نور احمد آگے لکھتے ہیں کہ حیفہ سے شمس صاحب شام گئے۔ وزیر خارجہ شام سے ملاقات کی۔ عراق کے ایک سابق وزیر اعظم سید سدیدی سے بغداد میں گفتگو کی۔ اور قادیانی تنظیم الجمیعۃ الہندیہ کے افراد سے بعض امور پر تبادلہ خیالات کیا ان واقعات کو مبلغ مذکور کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

> ''سات اکتوبر کو صبح کے وقت مکرم شمس صاحب السید منیر الحسنی صاحب اور خاکسار دمشق کے لیئے روانہ ہوئے۔ حکومت کی وزارت خارجہ نے مجھے (نور احمد) تین مہینے کی تحقیق کے بعد صرف ایک ماہ کے لیئے شام میں ٹھہرنے کی اجازت دی۔ چونکہ اہل شام کو حال ہی میں آزادی ملی ہے اور یہاں کے مقامی سیاسی حالات دگرگوں ہیں۔ اس لیئے اجنبی آدمی پر خاص نگرانی کی جاتی ہے...... یہاں کئی ایک سیاسی پارٹیاں ہیں جو اپنا کام کر رہی ہیں۔ حال ہی میں تیں جاسوسوں کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ مکرم شمس صاحب نے مختصر قیام میں وزیر اعظم شام اور وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔ (۲)
>
> بغداد کی آمدہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ مکرم شمس صاحب کو سید توفیق سدیدی سابق وزیر اعظم عراق سے ملاقات کا موقع ملا۔ اور ریجنٹ سموالا میں عبداللہ سے بھی آپ نے ملاقات کی۔ الجمعیۃ الہندیہ نے آپ کے اعزاز میں ٹی پارٹی دی''۔

سولہ اکتوبر کو شام کے قادیانی مبلغ امیر الحصنی کو ساتھ لے کر شمس قادیان کے لیئے

۱۔ الفضل قادیان 23 ستمبر 1946ء۔

۲۔ ایضاً۔

روانہ ہوا تا کہ مرزا محمود احمد سے تازہ ہدایات حاصل کر سکیں۔ سر ظفراللہ کے دورے کی روشنی میں قادیان میں ایک لائحہ عمل زیرِ غور تھا جسے ان قادیانیوں کی آمد کے بعد حتمی صورت دی گئی اور اس کی تکمیل کے لیئے امیر الحسنی کو واپس شام روانہ کیا گیا۔

ایسا نظر آتا ہے کہ قادیانی عربوں کو فلسطین کے مسئلے پر ایک وفاقی منصوبہ فروخت کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ جسے ایک امریکی سفیر ہنری گارڈی اور برطانوی لارڈ آف پریذیڈنٹ آف کونسل لارڈ تھیوڈور موریسن نے پیش کیا تھا۔(۱) اس منصوبے کے تحت فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ بڑے حصے پر عربوں کی حکومت، نیگیو، بیر شیبا سے نیچے براہ راست انگلستان کے زیرِ تسلط اور پندرہ سو مربع کلومیٹر کا علاقہ یہودی وطن کے لیئے علیحدہ کر دیا جانا تھا۔ عالمی صیہونی تنظیم نے اسے مسترد کر دیا۔ الفتوّہ اور النجادہ، صیہونی بربریت کے خلاف مزاحمت کر رہی تھیں۔ عراق، شام اور لبنان فلسطین کے مستقبل کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کر رہے تھے۔

سولہ اکتوبر کو شامی قادیانی مبلغ امیر الحسنی کے ہمراہ شمس قادیان روانہ ہوا۔ حسنی قادیان میں چند روز ہی رہا اور نئی ہدایات لے کر پھر واپس شام چلا گیا۔

> ”لاہور پہنچنے پر ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار نے شمس صاحب سے ملاقات کی اور فلسطین کے مسئلہ پر آپ کے تاثرات معلوم کیئے۔ آپ نے بتایا کہ اس مسئلے کا حل کنفیڈریشن کے قیام میں مضمر ہے۔ واضح رہے یہ منصوبہ اس سے قبل یہودی لارڈ پریذیڈنٹ آف کونسل مسٹر ماریسن (Morrison) پیش کر چکے تھے لیکن صیہونی تنظیم نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ شمس صاحب نے یہ گمراہ کن تاثر بھی دیا کہ بقول ان کے ”انگریز مسئلہ فلسطین کے بارے میں مسلمانوں کے حق میں نظر آتے ہیں“۔(۲) یہ دعویٰ حقائق کے منہ پر طمانچہ رسید کرنے کے مترادف تھا۔ یہودی کی کھلی جارحیت اور سامراج کی شرمناک چیرہ دستیوں کے باوصف ایسا بیان ایک فریب کار کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

۱۔ الفضل قادیان 25 اکتوبر 1946ء) مرزا محمود نے تھیوڈور موریسن کے ساتھ اس وقت بڑے قریبی تعلقات وضع کر لیئے تھے۔ جب 1924ء میں وہ جلسہ مذاہب عالم میں تقریر کرنے کے لیئے لندن گئے تھے۔ موریسن نے سامعین سے ان کا تعارف کرایا تھا (الفضل 21 اکتوبر 1924) دوسری جنگ عظیم کے دوران اپنے ایک الہام میں مرزا محمود نے موریسن کا نام لیا۔

۲۔ الفضل قادیان 10 اکتوبر 1946۔

> شمس اور منیر الحصنی سے ملاقات کے بعد مرزا محمود نے فوراً ایک نئے قادیانی مبلغ رشید احمد چغتائی کو فلسطین روانہ کیا تاکہ صیہونی سازش کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔“

روسی امداد کی رویاء:

اینگلو امریکن کمیٹی کی ناکامی کے بعد برطانیہ نے عرب ریاستوں کے نمائندوں اور یہودیوں کو لندن بلایا تاکہ وہ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔ لیکن کوئی تصفیہ نہ ہوسکا۔ بلکہ دونوں فریق ایک دوسرے سے ملنے اور ایک میز پر بیٹھنے کو تیار نہ تھے۔ تاہم وہ ایک بات پر متفق ہوگئے۔ وہ یہ کہ برطانوی افواج فلسطین سے نکل جائیں اور عرب اور یہودی آپس میں نبٹ لیں ادھر امریکہ اور روس دونوں برطانوی انتداب پر بدستور حملے کر رہے تھے۔

مشرقی یورپ کے یہودی، عالمی صیہونی تنظیمیں اور خود روس میں اعلیٰ عہدوں پر فائز یہودی افسر، روسی سربراہ مارشل سٹالن اور کمیونسٹ پارٹی پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ فلسطین میں آزاد یہودی ریاست کے قیام کے مطالبے کی حمایت کا واضح اعلان کرے۔ مارشل سٹالن بذات خود یہودی تھا اور اس امر کا غالب امکان تھا کہ وہ یہودی مفاد کے خلاف قدم نہیں اٹھائے گا۔

مئی ۱۹۴۷ء میں مرزا محمود نے ایک دلچسپ سیاسی رویاء شائع کیا۔ جس میں یہود کو متوقع روسی امداد کا یقین دلایا گیا تھا۔ اس میں انہوں نے یہ اشارہ دیا کہ روس اور برطانیہ میں اتفاق رائے ہو جائے گا۔ جس سے عرب ممالک میں تشویش بڑھ جائے گی۔ برطانوی صیہونی سامراج کے سیاسی کاہن مرزا غلام احمد کے پسر مرزا محمود احمد فرماتے ہیں۔

> ”پرسوں یا ترسوں رات کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو بڑے زور کے ساتھ میرے قلب پر یہ مضمون نازل ہو رہا تھا کہ برطانیہ اور روس کے درمیان ایک Modified Treaty ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں بڑی بے چینی اور تشویش پھیل گئی۔ فرمایا ماڈیفائیڈ کے معنی ہوتے ہیں سمویا ہوا وسطی۔ میں سمجھتا ہوں کہ

> یہ الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ غالباً بیرونی دباؤ اور بعض خطرات کی وجہ سے برطانیہ مخفی طور پر روس کے ساتھ کوئی ایسا سمجھوتہ کرے جس کی وجہ سے روسی دباؤ مشرق وسطیٰ پر بڑھ جائے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں عراق، فلسطین اور شام کے ممالک آتے ہیں ۔یعنی ان ممالک کے اندر روس اور برطانیہ کے سمجھوتہ کر لینے کی وجہ سے گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہوگی کہ انگریز جو سختی کے ساتھ روس کی مخالفت کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ سمجھوتہ اس سے کس بناء پر کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ جو ہمیشہ روس کے مفاد کے راستے میں حائل رہتے تھے ۔اب بعض سیاسی حالات یا اغراض کے ماتحت اس کی مخالفت کو چھوڑ دیں گے اور ادھر روس بھی جو بعض باتوں میں برطانیہ اور امریکہ سے چپقلش رکھتا تھا۔ اب ان کی مخالفت کو ترک کر دے گا"۔(۱)

اقوام متحدہ میں اور بین الاقوامی سطح پر روس نے صیہونیوں کی قیام اسرائیل کی سازش میں ہر ممکن مدد فراہم کی۔

اقوام متحدہ میں:

جب فلسطین کا معاملہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا تو اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد روانہ کیا گیا۔ اس کے اراکین میں مرزا اے۔ ایچ اصفہانی (واشنگٹن میں پاکستانی سفیر) میر لیاقت علی، عبدالستار پیرزادہ اور بیگم تصدق حسین شامل تھے۔ وفد کی قیادت پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ قادیانی نے کی۔ ظفر اللہ پچیس دسمبر ۱۹۴۷ء کو وزیر خارجہ بن گیا تھا۔ فلسطین کے متعلق اقوام متحدہ میں پاکستان نے جو موقف اختیار کیا وہ یہ تھا کہ بالفور اعلان اور لیگ آف نیشنز کا انتداب غیر قانونی تھے۔ عوام کی خواہشات کے برعکس تھے اور تقسیم اقوام متحدہ کے منشور کے خلاف تھی۔(۲)

ایڈہاک کمیٹی نے جس کے حوالے جنرل اسمبلی نے مسئلہ فلسطین کیا تھا، اس

۱۔ الفضل قادیان 30 مئی 1947ء مزید دیکھئے (مرزا محمود کی وحیوں اور پیش گوئیوں کی کتاب) المبشرات۔ ربوہ۔ صفحہ 293۔

۲۔ دیکھئے جنرل اسمبلی میں ظفر اللہ کی تقریریں۔ سرکاری ریکارڈ 126 پلینری میٹنگ۔ 28 نومبر 1947ء صفحہ 1366 تا 1379۔

مسئلہ پر بحث کے لیئے دو ذیلی کمیٹیاں تشکیل دے دیں۔ دونوں ذیلی کمیٹیاں اس طرح تشکیل دی گئیں کہ پہلی ذیلی کمیٹی کے تمام اراکین تقسیم کے حق میں تھے اور دوسری ذیلی کمیٹی کے تمام اراکین تقسیم کے مخالف تھے۔ چنانچہ ان دونوں ذیلی کمیٹیوں کی طرف سے کسی مصالحتی حل کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس صورتحال کے ازالے کے لیئے دوسری ذیلی کمیٹی کے چیئرمین نے جو کہ کولمبیا کا نمائندہ تھا' ایڈہاک کمیٹی کے چیئرمین سے استدعا کی کہ اس ذیلی کمیٹی کے دو رکن عرب ریاستوں کی بجائے دو غیر جانبدارانہ رویہ رکھنے والی ریاستوں سے لے کر ان کی نامزدگی کر دی جائے جو اس سے مستعفی ہونے میں رضامندی رکھتی ہوں۔ ایڈہاک کمیٹی کے چیئرمین کے انکار پر کولمبیا نے چیئرمین کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور اس کی جگہ ظفراللہ کو ذیلی کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔(۱)

پہلی ذیلی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یروشلم کو بین الاقوامی حیثیت دینے' بقیہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے جو عرب اور یہودی حصوں پر مشتمل ہوں مگر ان کی معاشی کمیٹی ایک ہی ہو۔ جیسے امور پر مبنی سفارشات پیش کیں۔ دوسری کمیٹی نے تمام فلسطین کے لیئے ایک وحدانی ریاست اور یہود اور فلسطینیوں کے حقوق کے آئینی تحفظات کی سفارش کر دی۔

مسئلہ فلسطین اور قادیانی سرگرمیاں:

اگرچہ مرزا محمود قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے تھے اور انہیں پاکستان میں اپنا مرکز قائم کرنے میں سخت دشواریوں کا سامنا تھا۔ پھر بھی انہوں نے فلسطینی مسئلہ سے نظر نہیں ہٹائی۔ جب معاملہ اقوام متحدہ میں زیر بحث تھا انہوں نے نائیجریا کے قادیانی مبلغ حکیم فضل رحمٰن کو ہدایت کی کہ وہ فوری طور پر فلسطین جائے۔ ولی اللہ شاہ کو مشرق وسطیٰ اور جلال الدین قمر کو مشرقی افریقہ بھجوایا کہ وہ انہیں معاونت فراہم کریں۔ حکیم فضل رحمٰن اکتیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بیروت پہنچا۔ فلسطین میں قادیانی مبلغ شیخ نور احمد لکھتا ہے۔

"حکیم صاحب یکدم بیروت پہنچے اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ میں وزیراعظم لبنان

---

(۱) کے۔ سرور حسن۔ پاکستان اینڈ اقوام متحدہ۔ نیویارک 1960، صفحہ 166۔

جمیل بیک کے عم زاد سے ملنے لبنان گیا ہوا تھا۔ لبنان سے واپسی پر میں حکیم صاحب سے ملا۔ چونکہ انہیں پاکستان پہنچنا تھا۔ اس لیئے وہ جلد از جلد فلسطین جانا چاہتے تھے۔ تاہم وہ چار نومبر کو فلسطین چلے گئے۔ جماعت کبابیر نے انہیں خوش آمدید کہا۔ حکیم صاحب نے یروشلم، ناصرۃ اور عکہ کے شہروں کا دورہ کیا۔ وہ عرب لیگ کمیٹی کے ممبران سے ملنا چاہتے تھے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے ان سے نہ مل سکے۔ وہ دس دن فلسطین میں رہے اور پھر دمشق چلے گئے"۔(۱)

نور احمد مزید بیان کرتا ہے کہ وہ ایک بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں بیروت گیا۔ دمشق سے اس کی غیر حاضری کے دوران حکیم صاحب نے فوجی افسران کے علاوہ کئی بیرسٹروں اور وکلاء سے ملاقاتیں کیں۔ بائیس نومبر ۱۹۴۷ء کو حکیم صاحب کراچی کے لیئے روانہ ہو گئے۔(۲)

اقوام متحدہ میں فلسطین کا مسئلہ زیر بحث تھا اور فلسطین میں عرب مظلوموں کا قتل عام جاری تھا۔ لاہور میں مرزا محمود احمد اپنی مجلس علم و عرفان (اٹھائیس اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں مرزا غلام احمد کے اس الہام کی تفسیر میں جو فلسطین میں قادیانی مسجد محمود کے محراب پر کندہ ہے...... یدعون لک ابدال...... شام کے ابدال تیرے لیئے دعا کرتے ہیں۔ بڑے درد بھرے انداز میں اپنے مریدوں کو بتا رہے تھے کہ اس الہام کی رو سے جماعت احمدیہ کے ایک حصہ کو شام جانا پڑے گا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کے الہام اور مرزا محمود کی تفسیر کے تحت قادیانی کسی وقت جب کہ پاکستان میں حالات سازگار نہ رہیں، اسرائیل چلے جائیں گے۔

الفضل لاہور لکھتا ہے:

"حضور (مرزا محمود) نے حضرت مسیح موعود کے الہام یدعون لک ابدال شام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ایک دوست نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے ابتلاؤں

۱۔ الفضل لاہور 12 نومبر 1947ء۔

۲۔ الفضل لاہور۔ 12 نومبر 1947ء۔

والے الہامات کے ساتھ اس الہام کا بھی ذکر ہے۔ حضور نے فرمایا۔ یہ الہام پہلے ہی میرے مدنظر ہے۔ یہاں (پاکستان) کے حالات مخدوش ہیں۔ ممکن ہے کسی وقت ہم میں سے ایک حصہ کو شام جانا ہی پڑے۔ اس الہام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ابدال شام ہمارے لیئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ دوسرا یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ ابدال شام ہمیں بلاتے ہیں"۔ (۱)

ترمیم شدہ منصوبہ:

سر ظفراللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مسئلہ فلسطین پر موقف کی مطابقت میں منصوبہ تقسیم کی مخالفت کی۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ قائداعظم نے ہمیشہ خصوصاً ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۸ء تک، فلسطین کے مسئلہ پر ملکی کانفرنسوں انٹرویو' اخباری بیانات کے ذریعے اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں' کونسلوں اور مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں قراردادوں کے ذریعے حمایت کی۔ پاکستان کا نقطہ نظر بڑا واضح تھا۔ (۲) رائٹر کے نامہ نگار ڈنکن ہوپر (پچیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک سوال کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا:

> "اقوام متحدہ میں ہمارے وفد کے سربراہ سر ظفراللہ نے فلسطین میں ہونے والی تازہ ترین تبدیلیوں پر ہمارے موقف کی بڑی واضح تشریح کی ہے"۔ (۳)

یہ ایک حیران کن امر ہے کہ جب اقوام متحدہ میں منصوبہ تقسیم پر بحث جاری تھی۔ ظفراللہ نے اس میں ترامیم پیش کرنی شروع کر دیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر اس میں تھوڑی سی ترمیم ہو جائے تو بہتر ہے وہ بنیادی طور پر منصوبہ تقسیم سے متفق تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ انہوں نے سیکنڈے نیوین ممالک کے نمائندوں کے ایماء پر ایسا کیا تاکہ تقسیم کے منصوبہ کو لنگڑا لولا کر دیا جائے۔ سر ظفراللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے محض اراکین کمیٹی کا ردعمل معلوم کرنے کے لیئے ترمیم کی تجویز پیش کی تھی جو ترامیم ہم سب نے پیش کیں ان

۱۔ الفضل لاہور۔ 30 اکتوبر 1947ء۔

۲۔ قائداعظم اور عالم اسلام۔ تدوین وتالیف عتیق ظفر شیخ اور محمد ریاض ملک۔ کراچی۔ 1978ء صفحات 50-125۔

۳۔ ایضاً۔

کو رائے شماری کے بعد فوراً قبول کر لیا گیا۔ فلسطینی وفد کے سربراہ سید جمال الحسینی نے بڑی عجلت میں اس سے رابطہ کر کے اس سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ظفر اللہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے حقیقت حال واضح کی اور ڈنمارک کے نمائندے کی چال سے مطلع کیا۔(۱) جمال الحسینی نے حد درجہ حیرانگی سے پوچھا کہ اگر اس کی مجوزہ تمام ترامیم منظور ہو جائیں تو کیا تم بھی منصوبہ تقسیم کی حمایت میں رائے دو گے؟

ظفر اللہ: ہرگز نہیں ہم پھر بھی پر زور مخالفت کریں گے لیکن اتنا تو ہوگا کہ تقسیم کے منصوبے کمزور ہو جائیں گے۔ اگر منصوبہ منظور ہو بھی گیا تو اتنا برا نہیں ہوگا جتنا اس وقت ہے۔

جمال الحسینی: ہمارے لیئے تو بڑی مشکل ہوگی۔

ظفر اللہ: آپ عرب ریاستوں کے نمائندوں کو کہہ دیں کہ بے شک ترمیم کے حق میں رائے نہ دیں غیر جانبدار رہیں۔

جمال الحسینی: مشکل تو پھر بھی حل نہیں ہوئی۔

ظفر اللہ: کیا مشکل ہے؟

جمال الحسینی: مشکل یہ ہے کہ اگر تقسیم ہمارے حقوق کو واضح طور پر غصب کرنے والی نہ ہو تو ہمارے لوگ اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور ہمیں سخت نقصان پہنچے گا۔ تم مہربانی کر کے اور کوئی ترمیم پیش نہ کرو۔

ظفر اللہ: میں خاموش ہو گیا۔

ظفر اللہ کی اصل نیت کیا تھی؟ کیا وہ ایک متحدہ فلسطین کے لیئے ایک وحدانی طرز حکومت کی بجائے ایک ترمیمی منصوبہ تقسیم کی حمایت کر کے مسئلہ فلسطین کو تباہ کرنے کے درپے تھا؟ مسئلہ فلسطین پر پاکستانی موقف کو اس نے کس حد تک اجاگر کیا؟ یہ سوال ایک مناسب جواب کا متقاضی ہے۔

ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں یورپ میں یہودیوں کی کسمپرسی پر ان کے ساتھ

۱۔ ظفر اللہ۔ تحدیث نعمت۔ صفحہ 522۔

اظہار ہمدردی کیا۔ اس نے یہ وکالت کی کہ ان کے مسئلے کا درست حل یہ تھا کہ جن ملکوں میں وہ بستے تھے ان میں ان کا دوبارہ انجذاب ہو جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو انہیں نئے وسیع ممالک میں بسنے کے مواقع مہیا کیئے جائیں جو چھوٹے سے فلسطین کی بجائے بہت زیادہ رقبہ اور وسائل کے حامل ہیں۔(۱)

منصوبہ تقسیم کے حامی اس منصوبہ کی کامیابی کو ہر قیمت پر دیکھنا چاہتے تھے۔ چھبیس نومبر ۱۹۴۷ء کو ہونے والے اجلاس عام میں رائے شماری ہونا تھی۔ مگر ظفر اللہ کے مطابق اگر اس دن اسے رائے شماری کے لیئے پیش کر دیا جاتا تو تقسیم کے منصوبہ کی کامیابی ممکن نہ تھی۔ مگر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ (اٹھائیس نومبر کو) یوم تشکر پر اقوام متحدہ کا عملہ کام نہیں کرے گا۔ (دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے دن کو یوم تشکر کے طور پر منایا جاتا ہے) لہٰذا معاملے کو موخر کر دیا جائے۔ جب التواء کے بعد معاملہ اصل رائے شماری کے لیئے پیش ہوا تو کچھ ریاستوں نے جن کے نمائندے تجویز تقسیم کے مخالف تھے امریکہ کے دباؤ کے باعث اس کے حق میں ہو گئے اور انتیس نومبر کو جنرل اسمبلی نے تقسیم کی قرارداد کی منظوری دے دی۔ منصوبہ تقسیم کے لیئے مطلوبہ دو تہائی اکثریت حاصل کر لی گئی جسے امریکہ اور سوویت یونین دونوں کی حمایت حاصل تھی۔(۲) سر ظفر اللہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ تمام تبدیلیاں صدر ٹرومین کی ذاتی مداخلت پر وقوع پذیر ہوئیں۔(۳) اظہار تشکر کے وقفے کے دوران جب امریکہ منصوبہ تقسیم کی کامیابی کے لیئے مطلوبہ اکثریت کے حصول کی خاطر وقت لے رہا تھا تو ایک نامہ نگار نے ظفر اللہ سے سوال کیا۔ ”عربوں اور یہودیوں کے مابین کامیاب گفت وشنید کی بنیاد کیا ہو سکتی ہے؟“ اُس نے جواب دیا۔ ”اگر دونوں مجھے ثالث تسلیم کر لیں۔ اس معاملے کو صحیح طریق پر حل کر سکتا ہوں“۔(۴) یہ واضح نہیں ہو سکا کہ کیوں اور کس حیثیت

۱۔ کے سرور۔ صفحہ 170۔

۲۔ ایضاً۔ مزید دیکھیئے۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 12۔ صفحہ 267۔

۳۔ برق۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی۔ لندن 1973۔ صفحہ 138۔

۴۔ الفضل۔ لاہور۔ 30 نومبر 1947ء۔

میں اُس نے ثالثی کے لیئے اپنی خدمات پیش کیں اور فلسطین کے مسئلے پر پاکستان کے واضح موقف سے اس کی کتنی مطابقت ہے؟

اسرائیل کی تخلیق پر احمدیہ ردعمل کیا تھا۔ الفضل لاہور نے یہودی ریاست کی تخلیق اور تقسیم کی غیر منصفانہ قرارداد پر ایک چھوٹا سا کالم لکھا۔ اسے عربوں کے لیئے ایک عظیم شکست قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دو روشن پہلوؤں کو بھی واضح کیا۔ پہلا یہ کہ اب مغرب کے متعلق اچھی امیدیں قائم کرنے کی بجائے عرب ممالک کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اپنے پاؤں پر کس طرح کھڑا ہونا ہے۔ ثانیاً عرب ممالک کو اتحاد کے فوائد کا بھی احساس ہو جائے گا۔ (۱)

قادیانی اخبار نے تقسیم فلسطین کی نہ تو کبھی مذمت کی نہ ہی کسی بھی طریقے سے سامراجی و صیہونی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ اس کے برعکس مرزا محمود نے ''قیام اسرائیل'' کو اس پیش گوئی کا مصداق قرار دیا جو پہلے سے قرآن احادیث اور انجیل مقدس میں موجود تھی۔ (۲) قادیانی اکابر اس بات پر بھی زور دیتے رہے کہ مرزا محمود نے ایک خواب میں یہ سب دیکھا ہے جو اقوام متحدہ میں ہوا۔ انہوں نے ''ترمیم شدہ معاہدے'' کی پہلے سے پیش گوئی کر دی تھی اور واضح طور پر یہودی ریاست کے لیئے سوویت حمایت کو ثابت کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اسرائیل کی تخلیق کے بعد ان کی اس پیش گوئی کی شاندار تکمیل ہوئی ہے۔ (۳)

ظفر اللہ کا کردار:

پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں ظفر اللہ کے لیے لازمی تھا کہ وہ مسئلہ فلسطین پر پاکستانی موقف کو پیش کرے۔ آئی ایچ اصفہانی کا کہنا ہے کہ

۱۔ الفضل لاہور۔ 3 دسمبر 1947ء۔

۲۔ الفضل لاہور۔ 11 دسمبر 1947۔

۳۔ الفضل لاہور۔ 12 دسمبر 1947ء۔)

۴۔ ایم اے جناح اصفہانی خط و کتابت۔ ایڈیٹرز۔ زیڈ۔ ایچ زیدی۔ کراچی 1973ء صفحہ 138۔

ظفراللہ نے عمدگی سے ایسا کیا۔(۴) دراصل ظفراللہ پاکستان کا مندوب تھا قادیان کا ترجمان نہیں تھا مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب کبھی ''یہودی عزائم'' کی حمایت میں قادیانی کردار کو بے نقاب کیا جاتا ہے تو وہ پاکستانی پریس کے تبصروں کا حوالہ دیتے ہیں ۔ یہ تبصرے ظفراللہ کی اقوام متحدہ میں تقریر پر کیئے گئے تھے۔ اس طرح وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مسئلہ فلسطین پر پاکستان اور قادیانیوں کا موقف ایک ہی تھا۔ یہ سب کچھ محض اصل حقائق کو چھپانے کے مترادف ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کے بعد ظفراللہ نے پاکستان کے موقف کو عرب ممالک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے قادیانیت کی ترویج کے لیئے استعمال کیا۔ اقوام متحدہ سے واپسی پر وہ دانستہ شام میں احمدیہ جماعت کے پاس کچھ وقت گزارنے کے لیئے ٹھہرا۔(۱) دمشق کے ہوائی اڈے پر شامی زعماء کے علاوہ قادیانی مبلغ نور احمد منیر اور دیگر افراد اس کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

سر ظفراللہ نے اس موقع پر قادیانی جماعت کے وقار کو بلند کرنے کے لیئے ان سے بے تکلفانہ گفتگو کی اور شامی اکابر کے مقابلے میں قادیانیوں سے زیادہ گرم جوشی سے ملا۔ شامی وزراء چوکنے اور متحیر ہوگئے۔ ہوائی اڈے پر اس کا پاکستانی نمائندے کی حیثیت سے استقبال کرنے والوں میں فخامتہ الرئیس السید شکری القوتلی بک کے ذاتی نمائندے سید سہیل العشی، شامی وزراء کی طرف سے استاذ عارف حمزہ، السید غالب میوزو بک جنرل سپرنٹنڈنٹ پولیس، عرب لیگ کی طرف سے استاذ معین بک الماضی اور عزت بک دروزہ شامل تھے۔ سر ظفراللہ نے ہوائی اڈے پر اتر کر شامی رہنماؤں اور استقبال کرنے والوں سے سرسری مصافحہ کیا اور قادیانی جماعت سے بڑی گرم جوشی سے ملا اور بھرپور بے تکلفی اور اپنائیت کا اظہار کیا۔ مصافحے اور معانقے کیئے۔

۱۔ ظفراللہ کہتا ہے کہ مسٹر فارس خوری جو کہ اقوام متحدہ میں شام کے مندوب تھے۔ انہوں نے واپسی پر دمشق رکنے کے لیئے کہا تھا تا کہ وہ چھ عرب ممالک کے وزرائے خارجہ، اقوام متحدہ کے اراکین کو وہ سب کچھ بتا سکے جو پس پردہ مسئلہ فلسطین پر طے پا چکا تھا۔ (سروِنٹ آف گاڈ۔ صفحہ 144۔

قادیانی مبلغ نور احمد اپنی رپورٹ میں تحریر کرتا ہے کہ:

"اس موقع پر عرب لیگ کے نمائندے نے پولیس افسر سے کہا۔ "من ھولاء" یہ کون لوگ ہیں۔ مگر ان کو یہ علم نہ تھا کہ مکرم چوہدری صاحب ہماری خواہش کے مطابق یہاں تشریف لا رہے ہیں اور آپ کی آمد ہمارے لیئے سرور کا موجب ہے اور انہی جذبات و احساسات کے پیش نظر ہر چھوٹا بڑا جماعت کا دوست آپ سے معانقہ کر رہا تھا اور اس نظارہ نے تمام حاضرین کو حیران کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مکرم چوہدری صاحب ایک اجنبی کی حیثیت سے یہاں تشریف لا رہے ہیں چنانچہ دمشقی اخبارات نے جہاں اس موقع پر یہ ذکر کیا کہ آپ کا سرکاری طور پر استقبال کیا گیا وہاں جماعت کے استقبال کا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا گیا اور اہالیان دمشق کو جماعت کے علمی اور سیاسی مقام کا علم ہوا"۔

فخامتہ الرئیس شکرہ القوتلی (شام کے صدر۔ مولف) نے کہا کہ انہیں (سر ظفر اللہ) کو دعوت دی کہ مورخہ ۱۳/۱۲/۴۷ کو دوپہر کا کھانا تناول فرمائیں اور ساتھ ہی عاجز کو بھی کہا۔ نیز آپ حکومت کے مہمان ہیں اور آپ کے لیئے ہوٹل میں کمرہ کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ مکرم چوہدری صاحب نے اس عاجز (قادیانی مبلغ نور احمد۔۔۔ مولف) کو کہا کہ میری طرف سے پریذیڈنٹ کو ان الفاظ میں عرض کر دیں۔

"میری درخواست ہے کہ مجھے اپنے احمدی بھائیوں کے پاس قیام کی اجازت دی جائے مگر آپ کی خواہش کے احترام میں آج کی رات ہوٹل میں گزاروں گا"۔

عاجز (قادیانی مبلغ۔۔ مولف) نے اس فقرے کا معنوی ترجمہ کر دیا۔ اس پر السید شکر القوتلی نے بڑی حیرانی اور تعجب سے دریافت کیا کہ کن کے پاس آپ کا قیام ہوگا؟ اس پر عاجز نے ان کو تفصیل سے بتایا کہ ہم نے چوہدری صاحب کا انتظام کیا ہوا ہے؟

"پریذیڈنٹ کے دفتر سے فارغ ہونے کے بعد ہم دمشق کے بڑے خوبصورت ہوٹل اورینٹل پیلس میں آ گئے جہاں مکرم چوہدری صاحب کے لیئے حکومت کی طرف سے انتظام کیا گیا تھا۔ شام کے کھانے پر پریذیڈنٹ کے خاص نمائندے نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد آپ جماعت کے دوستوں سے گفتگو کرتے رہے اور جو

دوست نہ آ سکے ان کی خیر و عافیت کے متعلق بھی دریافت کرتے رہے۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے پروگرام کے مطابق آپ مکرم الحاج بدرالدین الحصنی (قادیانی) کے مکان پر تشریف لے آئے''۔(۱)

لبنان میں ظفر اللہ قادیانی مفتی اعظم فلسطین سے ملا اور وہاں اعلیٰ حکام کے ساتھ مسئلہ فلسطین پر تبادلہ ء خیال کیا۔ وزیر اعظم لبنان جمال بیک کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ جس میں چند دیگر قادیانی بھی موجود تھے۔ صدر کے ساتھ ملاقات کے دوران چند اہم سیاسی مسائل زیر غور آئے۔ بیروت میں لبنانی پارلیمان کے صدر شیخ محمد جسار کی بیوہ ام جازم سیاسی سرگرمیوں میں مشغول تھی۔ اس نے اور اس کے شوہر نے سیاسی وجوہات کی بناء پر قادیانیت قبول کر لی تھی۔

ظفر اللہ نے واپسی پر مرزا محمود کو تجویز پیش کی کہ عرب ریاستوں میں نئے مشن قائم کیئے جائیں تا کہ مسیح موعود کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچے۔ چنانچہ آنے والے سالوں میں اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیئے انہوں نے مشرق وسطیٰ میں اپنے مبلغین روانہ کیئے۔

اسرائیل میں سرگرمیاں:

صیہونی ریاست اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد فلسطین کے باشندوں نے صیہونیوں کے خلاف مکمل اعلان جنگ کر دیا۔ فلسطین کے عربوں کی حمایت میں شام' لبنان' اردن اور مصر کے عرب ممالک کھل کر میدان میں آ گئے۔ سعودی عرب اور یمن نے جنگ میں اپنی شمولیت کا اعلان عرب ممالک کی حمایت کر کے کیا۔ عرب ریاستوں کے بہت سے علاقوں کو مسلح تصادم کے بعد اسرائیلی ریاست میں شامل کر دیا گیا۔ انتیس نومبر ۱۹۴۷ء کا اقوام متحدہ کا ایک عرب ریاست کے قیام کا فیصلہ نامکمل ہو کر رہ گیا۔ اسرائیل نے فلسطین کا تقریباً ۴/۵ حصہ زبردستی قابو کر لیا۔ چوہدری محمد شریف نے اسرائیل کی اس جارحیت کو ''فتوحات'' کا نام دیتے ہوئے اسرائیل سے پاکستان یہ اطلاع بھجوائی۔

۱۔ الفضل لاہور۔ 21 دسمبر 1947ء۔

> ''تیئس اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے حیفہ فتح کرلیا۔ چوبیں اور پچیس مئی کو انہوں نے ملحقات پر قبضہ کرلیا۔ اس سلسلے میں پچیس تاریخ کو ماؤنٹ کرمل پر واقع عرب آبادی کا صبح ہوتے ہی چاروں اطراف سے مسلح فوجوں نے محاصرہ کرلیا اور ہمارے سامنے دو شرائط پیش کیں۔ ہجرت کرنا چاہیں تو ہتھیاروں اور جس قدر سپاہی آپ کے پاس مقیم ہیں وہ ہمارے سپرد کردیں۔ ہم نے ارشاد نبوی من قتل دون حاله و عرضه فهو شهيد (جو شخص اپنی دولت یا جاگیر کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے) پر عمل کر رکھا تھا۔ سپاہی کوئی ہمارے ہاں آیا نہ تھا۔ مغرب تک گوشہ گوشہ تلاش کرکے تفتیش کرکے آل کلیئر دیئے گئے۔ (۱)

مرزا محمود نے اسرائیل میں قادیانی مرکز کی اہمیت کا بخوبی احساس کرلیا تھا۔ فلسطین میں برطانوی انتدابی نظام کے خاتمے کے ایک روز قبل اس نے لاہور سے اسرائیل میں موجود قادیانی جماعت کو ایک خصوصی پیغام بھجوایا۔ انہوں نے کبابیر کی قادیانی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ یہودیوں کو اپنی زمین فروخت نہ کریں۔ تاریخ احمدیت کا مؤلف دوست محمد شاہد رجسٹر کاروائی مشاورتی اجلاس رتن باغ لاہور کے پندرہ مئی ۱۹۴۸ء کی ایک غیر مطبوعہ کارروائی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اسرائیل کے قادیانیوں کو مندرجہ ذیل پیغام بھجوایا۔

> ''شام والوں کو لکھا جائے کہ کسی نہ کسی طرح کبابیر والوں کو اطلاع دیں کہ تنگی کے دن صبر سے گزاریں اور کسی قیمت پر بھی کبابیر کی زمین یہود کے پاس فروخت نہ کریں''۔ (۲)

صیہونی تنظیموں نے عرب دیہاتوں کی تباہی اور وحشیانہ قتل و غارت گری کرکے بدلہ لیا۔ بچوں اور ضعیفوں کو بے رحمانہ طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہودی دہشت پسند تنظیموں نے پورے گاؤں دیر یاسین کی آبادی کو بے رحم طریقے سے قتل کردیا۔ نہتے فلسطینی انتہائی دہشت اور ناامیدی کے عالم میں اپنی جانیں بچانے کے لیئے بھاگ

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 13 صفحہ 121۔

۲۔ ایضاً صفحہ 222۔

کھڑے ہوئے۔ انہی ایام میں احمدی مبلغوں کو فلسطینی پناہ گزینوں کی زبوں حالی سے فائدہ اٹھانے کا زبردست موقع مل گیا۔ وہ پناہ گزینوں کی بستیوں کا دورہ کرتے اور انہیں مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ وہ ساتھ ساتھ صیہونیوں کے لیئے جاسوسی کرتے اور انہیں فلسطینیوں کی مزاحمتی کارروائیوں سے آگاہ کرتے۔

اگست تا اکتوبر ۱۹۴۸ء کے دوران کی اسرائیل سے پاکستان کو بھجوائی گئی اطلاع میں رشید احمد چغتائی کہتا ہے۔

> ''فلسطین کے شہر صور اپنے حیفہ کے احمدی بھائیوں تک پہنچنے کے سلسلے میں گیا۔ جہاں فلسطینی پناہ گزینوں میں تبلیغ کی۔ احمدی بھائیوں کی خواہش پر دو یوم یہاں قیام کیا۔ تبلیغ کے علاوہ ان کی تربیت کے لیئے بھی وقت صرف کیا۔ یہاں انتیس آدمیوں کو تبلیغ کی ایک شخص سے خاص طور پر تبادلہ خیالات دو روز تک چار سے چھ گھنٹے تک ہوتا رہا۔ انہیں بعض کتب بھی مطالعہ کے لیئے دی گئیں۔ (۱)

قادیانیوں نے خیموں اور کھلے آسمان تلے رہنے والے بے بس پناہ گزینوں کی کسمپرسی کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ شرمناک حرکات جاری رکھیں۔ چوہدری شریف نے اسرائیل سے پاکستان میں پندرہ اپریل ۱۹۴۸ء سے لے کر جون ۱۹۴۹ء تک کے عرصے کی رپورٹ ارسال کی۔ وہ لکھتا ہے:

> ''ہماری آنکھوں کے سامنے شہر گر گئے' آبادیاں ویران ہوگئیں۔ ان ایام میں جب چاروں طرف گولیاں برستی تھیں اور ہر رات معلوم ہوتا تھا کہ صبح ہم پر طلوع ہوگی یا نہیں۔ دعوت احمدیت کا کام باوجود محصور ہونے کے جاری رکھا''۔ (۲)

ناقابل عمل تجویز:

سولہ مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین سے برطانوی فوجوں کے انخلاء کے وقت مرزا محمود

۱۔ الفضل قادیان۔ لاہور۔ 12 مارچ 1949ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد 13۔ صفحہ 131۔

نے مسئلہ فلسطین پر اردو میں ایک پمفلٹ لکھا۔ مشرق وسطیٰ میں اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کے لیئے اس کا عربی ترجمہ عراق سے شائع کرایا گیا۔ اس کتابچے کا مرکزی خیال یہ تھا کہ:

> ''یہودی ارض فلسطین پر کتب مقدسہ کی پیش گوئیوں کے مصداق قابض ہوئے ہیں۔ ان کی نیت اسلام کے مقدس مقامات پر قبضہ کرنے کی ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا دشمن سوویت یونین ہے۔ اس کی پالیسیاں امریکہ کی نسبت اسلام کے لیئے کئی گنا خطرناک ہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی جائیدادوں کا کم از کم ایک فیصد حکومت کو دے دینا چاہیئے۔ اس طرح ایک ارب روپے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اسلامی دنیا اس مثال کی پیروی کرے گی اور اس طرح پانچ سے چھ ارب روپے اسلحہ کی خریداری کے لیئے مغربی ممالک کی مخالفت کے باوجود اکٹھے ہو جائیں گے۔ اسلام کے مقامات مقدسہ خطرے میں ہیں' انہیں بچانے کے لیئے مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیئے''۔

آخر میں اس بات پر زور دیا گیا کہ بلاشبہ قرآن اور احادیث کی پیش گوئیوں میں یہ بات درج ہے کہ:

> ''یہودی ایک بار پھر فلسطین میں آباد ہو جائیں گے لیکن ہمیشہ کی حکومت عبادالصالحون کی ہے۔ اس پیش گوئی کا عرصہ تقویٰ سے کام لے کر تنگ کر دیں۔ شاید اس قربانی سے مسلمانوں کی بے دینی دین سے ان کی بے ایمانی ایمان سے اور ان کی سستی چستی سے اور ان کی بدعملی سعی پیہم سے بدل جائے''۔(۱)

یہ پمفلٹ نہ تو اسرائیل کی مذمت میں ہے۔ نہ ہی عربوں کے خلاف وحشیانہ پالیسیوں سے متعلق ہے۔ ایک فیصد جائیداد کے جمع کرانے کی تجویز نہ صرف ناقابل عمل ہے بلکہ مضحکہ خیز بھی۔ تقسیم ہند کے وقت مسلمان مہاجرین کے پاس نہ تو کوئی جائیدادیں تھیں' نہ ہی کوئی سر چھپانے کی جگہ۔ قادیانی خلیفہ اسرائیلی جارحیت کی مذمت کیئے بغیر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ عربوں کے مفاد میں آواز اٹھا رہے ہیں۔ ان کا ایک مقصد

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 13 صفحہ 389۔

مستقبل میں استعماری اڈے قائم کرنے کے لیئے عرب ممالک میں قدم جمانا تھا۔ احمدی اپنے آپ کو ہمیشہ ''متقی'' اور ''منتخب'' افراد شمار کرتے تھے جو کہ آخرکار اسرائیل میں آباد ہوں گے۔(۱) مسیح موعود کی پیش گوئیوں پر پکا ایمان رکھنے والے قادیانیوں نے مرزا غلام احمد کی وحی'' میں نے اسرائیل کو ضرر سے بچالیا''۔ ''فرعون اور ہامان۔ دونوں کی فوجیں غلط راستے پر ہیں''۔ ''عربوں کے لیئے مفید راستہ۔ اپنے وطن سے سفر پر نکل پڑے'' کا تعلق'' فلسطین میں یہودیوں کی بحالی'' سے جوڑ دیا۔ ''ریویو آف ریلیجنز۔ ربوہ'' وضاحت کرتا ہے۔

> ''اس پیش گوئی کا مصداق بڑے واضح انداز سے تکمیل پذیر ہو چکا ہے۔ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) ابھی ختم نہیں ہوئی تھی جب مسٹر بالفور نے جنگ کے نتیجے کے طور پر یہ اعلان کیا کہ اسرائیل کے لوگ جو کہ ''بے وطن'' ہیں' ان کے آبائی وطن ''فلسطین'' میں بسایا جائے گا۔ اتحادی قوتوں نے اسرائیلی لوگوں سے وعدہ کیا کہ ماضی میں ان کے ساتھ ہونے والی بے انصافیوں کا ازالہ کیا جائے گا۔ ان اعلانات کی مطابقت میں فلسطین کو ترکی سے لے کر اسے یہودیوں کا وطن قرار دیا گیا۔ فلسطین کی انتظامی شکل اس طرح تبدیل کی گئی کہ اسے یہودیوں کا وطن بنانے میں آسانی رہے۔ یہودیوں کا قدیم مطالبہ کہ 'ان کی قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے والے حالات پیدا کیئے جائیں' پورا کر دیا گیا''۔

قادیانی رسالہ مزید لکھتا ہے:

> ''مسیح موعود کی وحی یہ بھی کہتی ہے۔ ''میں بنی اسرائیل کو آسائش دوں گا''۔ اس چیز نے بھی یہودیوں کی حالت میں عظیم تبدیلی کر دی۔ اس نے یہودیوں کے آزاد وطن کے لیئے اقوام عالم کی اب تک کی مخالفت کے خاتمہ کا بھی عندیہ دے دیا''۔(۲)

احمدیہ جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد ۱۹۸۰ء میں یورپی دورے پر تھے۔ پکاڈلی لندن کے کیفے رائل میں ایک پریس کانفرنس کے دوران ایک سوال کے

۱۔ الفضل قادیان۔ 7 نومبر 1921ء۔

۲۔ ریویو آف ریلیجنز۔ ربوہ۔ نومبر 1976ء مزید دیکھئے مرزا محمود احمد۔ Invitation ربوہ 1968ء صفحہ 122۔

جواب میں کہ آیا:

> ”وہ اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں“؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ”میں تاریخ کی اس حقیقت کہ اسرائیل قائم ہے کو قبول کرنے سے انکار نہیں کرتا“۔ (۱)

اور ان کی وفات کے بعد ربوہ کی ”گدی“ پر مرزا طاہر احمد بیٹھے۔ انہوں نے کمال ہوشیاری سے اس مسئلے پر اپنے نکتہ نظر کا اظہار کیا۔ اس موضوع پر ان کا کتابچہ ”ربوہ سے تل ابیب تک“ خاصی دلچسپی کا حامل ہے۔

خلیجی جنگ (۱۹۹۱ء) کے دوران انہوں نے کئی چونکا دینے والے خطابات کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے سیاسی ابتلاء میں بڑی طاقتوں کے کردار کا تجزیہ بھی کیا۔ انہوں نے اسرائیل کے ماضی میں یورپی اقوام کے ساتھ قریبی تعلقات کا بطور خاص ذکر کیا۔ (۲) یہ ایک احمدیہ مخالف پروپیگنڈہ مہم کو تحلیل کرنے کے لیئے کوشش ناتمام تھی یا بے وقت کی راگنی کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں ہمیشہ یہودی لابی اور مغربی ممالک کی متواتر حمایت و تائید حاصل رہی۔ ان کے خطابات سے یہ حقیقت چھپ نہ سکی کہ احمدیت کے یہود سے رابطے ہیں اور مغربی دنیا ان کی پشت پناہ ہے۔

۱۔ ریویو آف ریلیجنز۔ لندن۔ فروری 1984ء صفحہ 40۔

۲۔ خلیج کا بحران۔ مرزا طاہر کے خطابات۔ 1991۔

سترھواں باب

پاکستان میں قادیانی سازشیں

پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق مرزا محمود نے اکتیس اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان چھوڑنے کی تجویز پیش کی۔ اپنی جماعت کو ایک خطبے میں انہوں نے واضح کیا کہ جب انہوں نے مرزا غلام احمد کی ایک وحی ملاحظہ کی جو انہیں اٹھارہ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ہوئی تھی تو انہوں نے ہجرت کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ یہ الہام ”داغ ہجرت“ تھا جس میں احمدیوں کی قادیان سے ہجرت کا حوالہ ملتا ہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں واقعات تیزی سے بدلنے لگے اور برطانوی فوج کے ایک کرنل نے مرزا محمود کو بتایا کہ اکتیس اگست ۱۹۴۷ء کے بعد پنجاب میں مسلمان مصائب کا شکار ہو جائیں گے۔(۱)

مرزا محمود پاکستان میں:

قادیان کو آتش و وحشت میں چھوڑ کر لاہور جانے کے لیئے مرزا محمود نے ایک فوجی جیپ میں سفر کا منصوبہ بنایا جسے میجر جنرل نذیر احمد نے مہیا کرنا تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو بعد میں ”پنڈی سازش کیس“ میں ملوث ہوا۔ اس مجوزہ جیپ کی عدم دستیابی کی وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹے کی کار لی اور کیپٹن عطاء اللہ کی حفاظت میں وہ اپنی بیوی اور بہو کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ جمعہ کے ایک خطبے میں انہوں نے قادیان سے لاہور ہجرت کے تمام واقعہ کو بیان کیا۔

> ”جب حضرت مسیح موعود کے الہامات کے مطالعے سے میں نے سمجھا کہ ہجرت یقینی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجھے قادیان چھوڑ دینا چاہیئے تو اس وقت لاہور فون کیا گیا کہ کسی نہ

۱۔ تاریخ احمدیت۔ جلد 10 صفحہ 747۔

کسی طرح ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے لیکن آٹھ دس دن تک کوئی جواب نہ آیا۔ آخر حکومت نے ٹرانسپورٹ نہ دی۔ اس وقت مسیح موعود کا ایک الہام "بعد گیارہ" نظر آیا۔ اس سے میں نے گیارہ تاریخ سمجھی۔ آخر کیپٹن عطاء اللہ نے نواب محمد دین کی کار لی اور مرزا منصور احمد کی جیپ کے علاوہ دیگر دوستوں کی کاریں لیں اور گیارہ بجے کے بعد مرزا صاحب کے الہام کے مطابق قادیان سے لاہور پہنچے"۔ (۱)

یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ قادیان سے لاہور کی طرف سفر کے دوران انہوں نے اپنی شناخت چھپانے کے لیئے برقعہ پہن رکھا تھا۔ ایک کہانی یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک ہندو جوگی کا روپ دھار لیا اور خفیہ طور پر ایک جہاز کے ذریعے لاہور روانہ ہو گئے اور اپنے پیچھے قادیانی آبادی کو سرکش ہندو اور سکھ حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ (۲)

یہ تمام داستانیں فرضی ہیں۔ انہوں نے دوران سفر اپنی شناخت نہیں چھپائی تھی۔ قادیانیوں کے قادیان سے اخراج کے بارے میں مرزا غلام احمد کی وحیوں کی بناء پر ایک لاہوری قادیانی مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتا ہے۔

> "حضرت مرزا صاحب کو قادیان کے متعلق الہام ہوا۔ اخرج منہ للیزیدیون (تذکرہ 181) یعنی یزیدی صفت لوگ اس بستی میں پیدا ہوں گے۔ اب یزیدی خاص قوم یا قبیلہ کا نام نہیں بلکہ یزید پلید کی رعایت سے اس کے پیروکاروں کو یزیدی کہا جاتا ہے۔ کوئی ایسا خلیفہ ہوگا جو یزید کی طرح خلافت حقہ اسلامیہ کا دعویدار ہوگا۔ پھر خدا تعالیٰ ایسے سامان کرے گا کہ یہ خلیفہ مع اپنے پیروؤں کے قادیان سے نکال دیا جائے گا۔ جیسا کہ اخرج کے لفظ سے ظاہر ہے اور اس کی تخصیص کرنے کے لیئے حضرت مرزا صاحب کو بلائے دمشق (تذکرہ 710) کا بھی الہام ہوا تھا۔ واضح ہو کہ یزید کا پایہ تخت دمشق تھا۔ اس قسم کی ایک بلا قادیان میں بھی پیدا ہو جائے گی"۔ (۳)

۱۔ الفضل قادیان 31 جولائی 1949ء۔

۲۔ مرزا محمد حسین۔ فتنہ انکار ختم نبوت۔ لاہور 1978ء صفحہ 192۔

۳۔ ممتاز احمد فاروقی۔ فتح حق صفحہ 48۔

۱۹۴۷ء کا قادیان

تقسیم کے بعد قادیانی رضاکاروں نے قادیان میں اپنی بقاء کی آخری جدوجہد جاری رکھی۔ (۱) انہوں نے اپنے آپ کو ہلکے ہتھیاروں سے مسلح کر لیا اور اردگرد کے علاقوں میں مشقیں کرنے کے علاوہ مسلح سکھ دستوں کے ساتھ مسلح تصادم بھی شروع کر دیا۔ اٹھائیس اگست کو ظفر اللہ قادیانی لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملا اور اُس سے قادیان کو بچانے کی ضرورت کو پُرزور انداز میں پیش کیا۔ (۲) کلکتہ کا قادیانی مبلغ مولوی سلیم قادیان کی حفاظت کی خاطر پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ملا۔ ہندوستانی حکام نے یہ الزام لگایا کہ قادیانی سکھ دیہاتوں پر حملہ آور ہو کر وہاں کے باسیوں کو دہشت زدہ کرتے رہے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے علم میں آئی کہ قادیان میں اسلحہ کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ جبکہ قادیانیوں نے قادیانی رضاکاروں کے متعلق کہا گیا کہ وہ ذاتی حفاظت کے لیے ہتھیار استعمال کرتے رہے ہیں۔ (۳)

حکومت ہندو نے فوجداری دفعہ تین سو دو کے تحت چند نامور قادیانیوں، فتح محمد سیال (ناظر تبلیغ) اور سید ولی اللہ (ناظر امور عامہ) کو گرفتار کر لیا جبکہ قادیان اور اس کے گردونواح میں پائی جانے والی سکھ، قادیانی کشیدگی کو کم کرنے کے لیئے چوہدری عبدالباری (ناظر مالیات) کو سیفٹی آرڈیننس کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

مرزا محمود نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ احمدی قادیان سے اس وقت تک وابستہ رہیں گے جب تک کہ حکومت ہندو ایک تحریری حکم کے ذریعے ان کو وہاں قیام سے منع نہ کر دے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وقت آ گیا ہے دونوں ریاستوں کی حکومتیں اس نازک مسئلہ پر سوچ بچار کریں کہ مقدس مذہبی مقامات مثلاً سرہند شریف، اجمیر شریف، دہلی، قادیان اور ننکانہ صاحب کی کس طرح

۱۔ مرزا بشیر احمد۔ ''مظالم قادیان کا خونی روزنامچہ'' لاہور۔ 1949ء۔

۲۔ تاریخ احمدیت جلد۔ 10 صفحہ 74۔

۳۔ تاریخ احمدیت جلد 11۔ صفحہ 219-195۔

حفاظت کی جائے۔ دونوں حکومتیں اس بات پر اتفاق کریں کہ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اجازت دیں گی کہ وہ مالی و جانی تحفظ کی یقین دہانی کے ساتھ اپنے متبرک مقامات پر ٹھہر سکیں۔ مرزا محمود نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے گاندھی جی اور کئی برطانوی اراکین پارلیمان کو قادیان آنے کی دعوت دی ہے تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کر سکیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ فوج اور پولیس کی کھلی مخالفت کے باوجود یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ قادیان کو خالی نہیں کیا جائے گا اور وہاں اتنی تعداد میں لوگ رکھے جائیں گے جنہیں آسانی سے خوراک بہم پہنچائی جا سکے اور جو مناسب حفظان صحت کے حالات میں وہاں رہ سکیں۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ قادیان کے مسئلہ کو تنہا نہ سمجھا جائے بلکہ قومی سطح پر اس کے لیئے منصوبہ تیار کیا جائے۔(۱)

قادیانی قیادت نے پنڈت نہرو' گاندھی جی' مولانا آزاد اور دیگر برطانوی سول و فوجی حکام پر دباؤ جاری رکھا تا کہ قادیانیوں کے قادیان میں مستقبل میں قیام کے لیئے ہندوستانی حکومت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ طے پا جائے۔ جنوری اور فروری ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل لیک سکسیس نیو یارک میں کشمیر پر پاکستانی اور ہندوستانی موقف زیر بحث تھا۔ پندرہ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستانی مندوب ظفراللہ نے اپنی تقریر میں قادیان میں احمدیوں کے قتل عام کے بارے میں واضح ذکر کیا۔ ہندوستانی مندوب سر گوپال سوامی آئینگر نے ان تمام الزامات کی تردید کی۔ چوبیس جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنی تقریر میں ظفراللہ نے ایک بار پھر اپنے نبی کے مولد' قادیان کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

> ''ہندوستانی مندوب نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ میرے قادیان میں جو کچھ بیتی ہے اس کے حوالے سے میں نے سکیورٹی کونسل کے ارکان کے ذہنوں میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے علاقہ کا حوالہ کسی خاص شکایت یا زیادتی کے انداز سے نہیں دیا۔ (جہاں لاکھوں انسانوں کو اپنی جاگیروں او

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ لاہور۔ 17 اکتوبر 1947ء۔

> گھروں سے ہاتھ دھونا پڑے اور مشکلات و مصائب کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا تو وہاں پر ایک قصبے میں ہونے والے ایک شخص کے نقصان کا حوالہ بلا جواز تھا) میں نے اسے ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ وہاں کیا ہوا مگر حکومت ہندوستان اب بھی انکار کر رہی ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔
>
> اصل واقعہ یوں ہوا کہ ستائیس ستمبر اور یکم اکتوبر کے پانچ دنوں کے دوران فوج اور سکھوں نے میرا (ظفر اللہ) کا مکان لوٹ لیا۔ اتفاق سے دہلی کا ایک اخبار میری نظر سے گزرا۔ جس میں قادیان میں فسادات کی دوسری قسط درج تھی۔ جہاں اتفاق سے ایک مذہبی تنظیم کا صدر دفتر ہے جس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں یہ تذکرہ بھی کرتا چلوں کہ میری اور اس تحریک کے دوسرے اہم زعماء کی استدعا پر حکومت ہندوستان نے ہماری حفاظت کی خاطر دستے بھجوائے اور اضافی پولیس بھی تعینات کرائی“۔(۱)

ہندوستان ٹائمز نے بعد میں اس بات کا انکشاف کیا کہ پنڈت نہرو کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے احمدی اور ان کے خلیفہ فوج کی حفاظت میں پاکستان جانے کے لیئے بخیریت سرحد پار کرنے کے قابل ہوئے۔ وہاں سے سرحد صرف بیس میل دور ہے۔ تاہم تین سو تیرہ صحت مند احمدی جوانوں کو وہاں چھوڑ دیا گیا کہ وہ ہندوستان میں انجمن کے کام کی دیکھ بھال کریں۔(۲)

وہ لوگ جو قادیان میں رہ گئے' انہیں قادیانی درویش کہا جاتا ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے الہامات میں یہ دعویٰ کیا کہ ایک فرشتے نے انہیں نان عطا کیا اور بتایا کہ یہ اس کے اور اس کے درویشوں کے لیئے ہے۔ ان لوگوں کو ”اصحاب صفہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستانی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے کے بعد سولہ نومبر ۱۹۴۷ء سے ”درویشی کا یہ دور“ شروع ہوا۔ ان کی تعداد بدلتی رہتی ہے مگر تین سو تیرہ سے کم کبھی نہیں ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں ان کی تعداد دو ہزار ہو گئی تھی۔(۳) یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے

۱۔ سکیورٹی کونسل ریکارڈ۔ تقاریر سر محمد ظفر اللہ خان۔ پاکستانی مندوب۔ 24 جنوری 1948ء۔

۲۔ ہندوستان ٹائمز 31 اکتوبر 1974ء) بحوالہ ”عالمی پریس سے“۔ تالیف بی۔ اے رفیق۔ لندن قادیانی مرکز۔

۳۔ الفرقان ربوہ نومبر 1966ء۔

کہ کچھ درویش بیرونی قوتوں کے جاسوس ہیں اور اپنے آپ کو مقامات مقدسہ کے محافظ کے طور پر چھپاتے رہے ہیں۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک و بھارت جنگوں کے بعد ان کے کردار پر تنقید کی جاتی رہی۔ تقسیم کے بعد قادیان کے نقشے کو ہندوستان ٹائمز نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> ”ان دنوں (۱۹۴۷) میں قادیان کا دورہ کرنے والے اہم رہنماؤں میں (مہاتما گاندھی کی ہدایات پر) حسین شہید سہروردی، مردولا سارا بھائی اور جنرل تھمایا تھے۔ جنہوں نے احمدیوں کو تسلی دی۔ بعد میں ونوبا بھاوے اچاریہ نے بھی قادیان کا چکر لگایا“۔(۱)

تاہم پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والے ہندوؤں اور سکھوں نے قادیان میں احمدیوں کی چھوڑی ہوئی دکانوں، زمینوں اور مکانوں پر قبضہ کر لیا۔ تعلیم الاسلام ڈگری کالج کو لاہور میں خالی کیئے گئے ”سکھ نیشنل کالج“ میں تبدیل کر دیا گیا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کو کلاس والا خالصہ ہائی سکول بنا دیا گیا جو اس سے قبل گجرات میں تھا اور نصرت گرلز ہائی سکول کو ویدکور آریہ گرلز ہائی سکول کا نام دے دیا گیا۔ ”احمدی کالج برائے تربیت مبلغین“ کو نہ چھیڑا گیا۔ انجمن کے زیر انصرام چلنے والے نور ہسپتال کو ریاستی حکومت نے اپنی تحویل میں لے کر اسے عام لوگوں کے لیئے ہسپتال میں تبدیل کر دیا“۔

ربوہ:

مرزا محمود نے عارضی طور پر رتن باغ لاہور میں ڈیرہ لگایا۔ بعد میں ظلی قادیان قائم کرنے کے لیئے جسے ربوہ کہا جاتا ہے تگ و دو شروع کی۔ ۱۹۴۸ء کی آخری سہ ماہی میں پنجاب کے ضلع جھنگ میں ۱۱۰۳۴ ایکڑ اراضی حاصل کر لی گئی۔ مرزا محمود نے یہ دعویٰ

ا۔ ہندوستان ٹائمز 31 اکتوبر 1947ء) مہاتما گاندھی کے نمائندہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ تھے۔ جنہوں نے 23 اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حسین شہید سہروردی کے ساتھ قادیان کا دورہ کیا۔ وہاں وہ امیر جماعت قادیان مرزا بشیر احمد، مرزا ناصر احمد، ملک غلام فرید، مولوی جلال الدین شمس اور مرزا منور احمد سے ملے۔ اس سے قبل کرشنا مورتی اور ڈاکٹر سوفسٹ سارا بائی کے ساتھ 19 اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قادیان آئے اور احمدیوں کو اپنی مکمل امداد کا یقین دلایا۔ ملک صلاح الدین ایم۔ اے ”تابعین اصحاب احمد“۔ جلد 7۔ لاہور آرٹ پریس لاہور 1971ء صفحہ 66-65۔

کیا کہ تقسیم سے دو سال قبل انہیں ایسا نظر آیا کہ قادیان پر کسی ایسی قوت نے حملہ کیا ہے کہ انہیں قادیان چھوڑنا پڑا ہے۔ انہیں احمدی جماعت کے ساتھ یہ بھی الہام ہوا کہ قادیانیوں کو نیلا گنبد میں پناہ ملی۔ چنانچہ لاہور میں نیلا گنبد نامی علاقہ ہے جو اس کے قریب ہی واقع مسجد کے نام پر مشہور ہوگیا جس کا گنبد نیلی ٹائلوں سے بنا ہوا ہے۔ خلیفہ صاحب نے یہ سوچ لیا کہ اس منظر نے مستقبل میں لاہور میں پناہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاہم جب قادیانیوں کا جبری طور پر انخلاء وقوع پذیر ہوگیا تو خلیفہ صاحب کو روحانی اشارے ملے کہ ان کی جماعت کو لاہور میں قبول نہیں کیا جائے گا تو پھر انہیں جائے سکونت کے حصول کا مسئلہ درپیش آیا۔ انہیں اطلاعات ملیں کہ موجودہ ربوہ کی جگہ خریدی جاسکتی ہے جو کہ دو اطراف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ مرزا محمود کو ان کے مشیروں نے یہ یاد دہانی کرائی کہ ان کے طبع شدہ الہامات میں جو منظر بیان کیا گیا ہے وہ پہاڑیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ مزید برآں اب ان پر منکشف ہو چکا تھا کہ نیلا گنبد کا مطلب ''کھلا آسمان'' تھا۔ بعض احساسات کے بعد خدا نے ان کی منزل ان پر منکشف کر دی۔ خلیفہ صاحب ایک جدید موسیٰ علیہ السلام کی طرز پر اپنے بنی اسرائیل کو ہندوستان سے پاکستان کی ''ارض موعود'' پر لے آئے۔ (۱)

ربوہ تقسیم کے بعد کئی سال تک کم وبیش ایک آزاد احمدی ریاست کے طور پر رہا۔ ابتدائی دہائیوں میں ربوہ کی انتظامیہ نے ایک متوازی حکومت چلائی۔ دوسرے افسروں کا تو کیا کہنا جھنگ کا ڈپٹی کمشنر بھی مرزا محمود کی پیشگی اجازت کے بغیر مقرر نہیں ہوسکتا تھا۔ ربوہ کالج میں غیر احمدی عملہ متعین نہیں ہوسکتا تھا۔ چونکہ ربوہ کی اراضی احمدیہ انجمن کی ملکیت تھی لہٰذا کوئی بھی ان کی اجازت کے بغیر کسی قطعہ اراضی کی خرید وفروخت' مکان کی تعمیر یا کاروبار نہیں کرسکتا تھا۔ احمدیوں کے اثر و اختیار کو جھٹلانے کی کوئی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ جماعت سے اختلاف کرنے والوں کو سخت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑتا' جن میں ''سماجی مقاطعہ''۔ ''بدسلوکی''۔ ''حملے' اور رسوائی شامل تھی۔ اس وقت کا

۱۔ دی مسلم ورلڈ۔ اپریل 1955ء) ایس ای ہرش۔ "پاکستان میں احمدیت" صفحہ 148۔

گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی واضح طور پر احمدیوں کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ اسی کی سازش سے ربوہ کی زمین انہیں برائے نام قیمت پر فروخت کر دی گئی۔ قادیانیوں کو جلد از جلد آباد کرنے کے لیئے بڑی عجلت میں ربوہ کی زمین پٹے پر دی گئی۔ یہ جگہ ان کے حفاظتی نکتہ نگاہ سے بھی بڑی اہم تھی۔ چنیوٹ کی طرف یہ کسی بھی حملہ کی صورت میں محفوظ رہتی تھی کیونکہ دریا نے اسے چنیوٹ سے جدا کر دیا ہے۔ اپنے صدر دفاتر کے لیئے جگہ کا انتخاب کرتے وقت انہوں نے ان پہلوؤں کو پوری طرح مدنظر رکھا تھا۔

حصول قادیان کی تمنا:

اگرچہ مرزا محمود نے ربوہ میں مرکز قائم کر لیا مگر حصول قادیان کے لیئے وہ ہمیشہ بے تاب رہے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو یہ ذہن نشین کرا دیا کہ وہ جلد ہی قادیان واپس لے لیں گے اور انہیں نصیحت کی کہ وہ پاکستان اور ہندوستان کے دوبارہ اتحاد کی کوششیں جاری رکھیں۔ منیر رپورٹ میں مذکور ہے:

> ''جب ملک کی تقسیم سے مسلمانوں کے لیئے ایک علیحدہ وطن کی دھندلی تصویر افق پر ابھرنے لگی تو احمدیوں نے بھی آنے والے حالات کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنا شروع کر دیا۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان ان کی چند تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ توقعات قائم کیئے ہوئے تھے کہ وہ برطانیہ کی جانشینی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر جب پاکستان کی خیالی تصویر حقیقت کا روپ دھارنے لگی تو انہیں نئی ریاست کے نظریہ کے ساتھ دائمی مصالحت مشکل محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے آپ کو دوہری مصیبت میں پایا کیونکہ وہ ایک لادین ہندو ریاست ہندوستان کا انتخاب نہیں کر سکتے تھے' نہ ہی پاکستان کا' جہاں تفرقے بازی کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکتی تھی۔ ان کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور اگر تقسیم ہو گئی تو وہ دوبارہ اتحاد کی سعی کریں گے''۔ (۱)

۱۔ منیر رپورٹ صفحہ 196۔

احمدی حلقوں میں قادیان کے چھن جانے کے نقصان کو بڑی بری طرح محسوس کیا گیا مگر قادیان کی واپسی کو مرزا صاحب کی پیش گوئیوں کی تشریح کی صورت میں بیان کرنے پر وہ اطمینان حاصل کر لیتے تھے۔ قادیانی مہاجرین کی حالت زار کا یہودیوں کے خروج سے موازنہ کیا جاتا تھا۔ احمدی یہودیت کے لیئے مرزا غلام احمد پہلے ہی موسیٰ ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔ مرزا صاحب کے بہت سے ارشادات اور خوابوں کے حوالے دے دے کر یہ باور کرایا جانے لگا کہ احمدی جلد ہی مسیح موعود کی ارض مقدس قادیان کو لوٹ جائیں گے۔(۱) مرزا محمود کا یہ عقیدہ تھا کہ اب مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے اور یہ قادیان میں موجزن ہے۔(۲) قادیان خدا کے پیغمبر کا پایہء تخت ہے۔(۳) یہ ارض حرم(۴) اور احمدیوں کا مدینہ ہے۔ مرزا غلام احمد نے اسے ''جائے حفاظت'' اور یروشلم قرار دیا جہاں مسیح کا ایک مینارہ واقع ہے جسے مرزا صاحب نے خود اپنی ایک پیش گوئی کی تکمیل کی خاطر تعمیر کرایا۔ مسیح موعود کی مسجد وہ مسجد اقصیٰ ہے جس کا قرآن میں حوالہ موجود ہے۔(۵) قادیان کی دوسری اہم مسجد ''مسجد مبارک'' ہے۔(۶) بہشتی مقبرہ بھی وہیں موجود ہے۔(۷) ان سب باتوں نے اسے ایک مقدس مقام اور ''شعائر اللہ'' بنا دیا ہے۔

ہر احمدی کو یہ حلف اٹھانا پڑتا تھا کہ وہ اپنے اصل مقصد یعنی قادیان واپسی کے خیال کو کبھی فراموش نہیں کرے گا اور اسے قادیان واپسی کے لیئے پیش آنے والی ہر قربانی کے لیئے اپنے خاندان کو تیار کرنا پڑتا تھا۔ مرزا محمود کا ایک خواب(۸) بڑے واضح انداز میں ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر ذریعے سے قادیان کو واپس لینا چاہتے تھے۔(۹)

لاہور میں آمد کے بعد سے لے کر ۱۹۶۵ء میں وفات تک انہوں نے یہی

۱۔ الفضل لاہور۔ 26 نومبر 1947ء۔

۲۔ مرزا محمود احمد۔ حقیقت الرویاء۔ صفحہ 35۔

۳۔ مرزا غلام احمد۔ دافع البلاء۔ قادیان صفحہ 11۔

۴۔ مرزا غلام احمد۔ درثمین۔ قادیان۔

۵۔ مرزا غلام احمد۔ اشتہار چندہ برائے مینارۃ المسیح۔ قادیان 28 مئی 1900ء۔

۶۔ تذکرہ صفحہ 127۔

۷۔ مرزا غلام احمد۔ ''الوصیت قادیان صفحہ 25۔

۸۔ مورخہ 11 جون 1951ء۔

۹۔ ضمیمہ۔ تحریک جدید۔ ربوہ۔ دسمبر 1971ء۔

رٹ لگائے رکھی۔ ان کی پیش گوئیوں نے بڑے اہتمام سے ظاہر کیا کہ احمدی یقیناً قادیان واپس لے لیں گے اور یہ یا تو پرامن ذرائع سے ہوگا یا پھر گورداسپور کی پوری آبادی کو احمدی بنا کر یہ مقصد حاصل کیا جائے گا۔ کیا مجذوبانہ بڑھتی۔ یہ بھی کہا گیا کہ اگر ضرورت محسوس کی گئی تو احمدی جنگ چھیڑنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ اپنے عقیدے کی تکمیل کے لیئے ہر احمدی کو ہدایت کی گئی کہ انہیں آخرکار اپنے ابتدائی اور اصل مرکز کی طرف لوٹنا ہے۔ اگر اس وقت احمدیوں کے پاس قوت نہیں ہے تو اس سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس بھی قوت نہیں تھی۔ جب انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ اس نصیحت کو اپنے ایمان کا حصہ بنالیں کہ کوئی چھوٹی یا بڑی حکومت یا حکومتوں کا مجموعہ ان کے اصل مقصد سے انہیں دور نہیں رکھ سکے گا۔

> ''اگر یہ حکومتیں دخل دینے کی جرات کریں گی تو آسمان سے فرشتے اتریں گے اور احمدیوں کو ان کے زندہ مرکز قادیان میں واپس لے جائیں گے''۔

انہوں نے دعویٰ کیا۔(۱)

آزادی کے دس سال بعد انہوں نے پیش گوئی کی۔

> ''مایوس مت ہو! خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ ایسے حالات پیدا کر کے تمہاری مدد کرے گا (کہ تم قادیان واپس چلے جاؤ) کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہودیوں کو تیرہ سو سال انتظار کرنا پڑا اور آخرِکار وہ اس قابل ہوگئے کہ اپنے آپ کو فلسطین میں بسا سکیں۔ مگر تمہیں تیرہ سال بھی انتظار نہیں کرنا پڑے گا بلکہ دس سال بھی نہیں اور خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کردے گا''۔(۲)

مرزا محمود نے ایک طرف تو اپنے پیروکاروں کو قادیان جانے کی خوشخبری دی اور دوسری طرف وہ خفیہ طور پر رابطے کر کے سکھ قیادت پر زور دیتے رہے کہ وہ قادیان کی حفاظت اور سلامتی کا خیال رکھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ کسی بھی سیاسی بحران میں

۱۔ الفضل لاہور۔ 25 اکتوبر 1947ء۔

۲۔ الفضل ربوہ 15 مارچ 1957ء۔

سکھوں کا بھرپور تعاون حاصل کر سکیں۔ قادیانی زعماء نے بابا گورو نانک کی جائے پیدائش ننکانہ صاحب شیخوپورہ پاکستان کو خصوصی حیثیت دینے کے سکھوں کے مطالبے کی حمایت کی۔ جب اکتوبر ۱۹۴۷ء میں گیانی کرتار سنگھ نے ننکانہ صاحب کے لیئے ''ویٹی کن'' کی حیثیت کا مطالبہ کیا تو الفضل نے اس کی مکمل تائید کی۔ اسے ایک ''منصفانہ اور جائز مطالبہ'' قرار دیا گیا۔ اگرچہ یہ مطالبہ بہت دیر بعد سامنے آیا تھا۔(۱)

قادیان میں اپنی جائیدادوں کے قانونی دعویٰ کے حصول کے لیئے پاکستان کے احمدیوں کو ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ قادیان اور اس کے نواحی علاقوں ننگل بھینی، کھارا وغیرہ میں چھوڑی گئی جائیدادوں کے بدلے میں پاکستان میں کسی قسم کا کلیم داخل نہ کریں۔ ان پر واضح کر دیا گیا تھا کہ چونکہ وہ سیاسی حالات سے مجبور ہو کر عارضی طور پر پاکستان آئے ہیں اور دو یا تین کوششوں کے بعد وہ لازمی طور پر قادیان واپس حاصل کر لیں گے اس لیے قادیان میں اپنی جاگیروں کے دعویٰ کے لیئے وہ پاکستان میں اپنے کلیم داخل نہ کریں۔(۲)

یہ بھی واضح کیا گیا کہ خلیفہ صاحب اور مرزا غلام احمد کے خاندان کے دیگر افراد کی میتیں ربوہ میں امانت کے طور پر دفن کی گئی ہیں۔ بعد میں مناسب وقت پر قادیان لے جائی جائیں گی۔ مرزا غلام احمد کی اہلیہ محترمہ نصرت جہاں کی قبر پر کندہ عبارت اور مرزا محمود اور دیگر خاندان نبوت کی قبروں پر کندہ عبارات ہر قادیانی کو مرزا محمود کی وصیت یاد دلاتی ہیں کہ بہشتی مقبرے قادیان میں رسمی تدفین کے لیئے ان کی لاشیں قادیان لے کر جانا از حد ضروری اور مذہبی فریضہ ہے۔

ربوہ کے اکابر کے ذہنوں میں ہمیشہ سے ننکانہ اور قادیان کے مقدس مقامات کے متعلق ایک معاہدہ کا امکان گردش کرتا رہتا ہے۔ وہ ہندوستانی پنجاب میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کو بنظر غائر دیکھتے رہتے ہیں۔ تقسیم کے فوراً بعد قادیانیوں نے سکھ قیادت

۱۔ الفضل لاہور۔ 25 اکتوبر 1947ء۔

۲۔ الفضل لاہور۔ 7 دسمبر 1947ء۔

سے رابطہ کیا تا کہ باہمی تعلقات استوار کیئے جائیں۔ ۱۹۵۳ء میں پاکستان سے احمدیوں کا ایک خیر سگالی وفد ظفراللہ کے بھائی کی قیادت میں قادیان گیا اور ننکانہ صاحب کے گورودوارہ پاکستان سے قادیان کی سکھ برادری کو پیش کرنے کے لیئے ''پوتر جل'' کی شیشیاں اور گرنتھ صاحب کے نسخے لے کر گیا۔ اس کے بدلے میں انہیں قرآن کے نسخے دیئے گئے۔ یہ تواضعات دونوں گروہوں کی ذمہ دار قیادت کے باہمی تعلقات کو استوار کرنے کی خواہش کو ظاہر کرتی ہیں۔⁽¹⁾

کانگریس کے بزرگ سیاست دان ڈاکٹر شنکر داس مہرہ جو بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندوؤں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں قادیانیوں کی سرگرمی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ احمدیت پر ایک مضمون لکھ کر ''سٹیٹسمین کلکتہ'' کو روانہ کیا جو اس کے بائیس فروری ۱۹۴۹ء کے شمارے میں چھپا۔ اس نے حکومت ہندوستان کو تجویز پیش کی کہ وہ احمدیہ جماعت کے ساتھ اتحاد قائم کرے تا کہ ہندوستان کی پرانی شان و شوکت بحال کی جا سکے۔ یہ تحریک توجہ کی مستحق ہے کیونکہ اس کا بانی ایک ہندوستانی تھا۔ ان کا مکہ قادیان تھا اور اسے مسلمان دنیا کی سیاسی خواہشوں کے ساتھ کوئی حقیقی ہمدردیاں نہیں''۔ اس نے دلیل دی۔⁽²⁾

چھبیس دسمبر ۱۹۴۹ء کو ناظر اعلیٰ قادیان کے نام ایک خط میں اس نے تحریک کے سودیشی کردار سے بہت سی امیدیں وابستہ کیں اور اس کی مدح و تعریف کی کہ ہندوستان کی دو برادریوں یعنی ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں احمدیت اہم کردار ادا کرے گی۔⁽³⁾

ظفراللہ بطور وزیر خارجہ:

قادیانیوں نے اس وقت اپنی سیاسی سوچ اور جماعتی خواہشات میں انقلابی

۱۔ برکات احمد راجیکی۔ تحریک احمدیت۔ قادیان صفحہ 6۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔

تبدیلی پیدا کر لی جب پچیس دسمبر ۱۹۴۷ء کو ظفر اللہ کو پاکستان کے وزیر خارجہ بننے کی پیشکش کی گئی۔ (قادیانی اس کے لیئے محض پنجاب کی وزارت اعلیٰ کے حصول کے لیئے زور لگا رہے تھے) تقسیم کے بعد ظفر اللہ کے لیئے حالات اس وقت سے سازگار تھے جب اُسے اس سے پہلے حد بندی کمیشن کے سامنے پاکستان کا مقدمہ پیش کرنے کے لیئے کہا گیا جہاں اُس کی اپنی جماعت نے اپنے آپ کو ایک علیحدہ حیثیت سے پیش کیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کو گورداسپور (بلکہ مکمل کشمیر) سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بعد میں اس کا بطور وزیر خارجہ تقرر ہمارے ذہن میں بعض سوالات ابھارتا ہے۔ تقسیم کے وقت ظفر اللہ نواب بھوپال کا آئینی مشیر تھا۔(۱)

قائداعظم کی خواہش تھی کہ حسین شہید سہروردی مرکزی حکومت میں وزارت خارجہ سنبھال لیں۔ مگر وہ اس بات سے ناراض تھے کہ خواجہ ناظم الدین کو اس وقت کے مشرقی پاکستان کا وزیراعلیٰ مقرر کر دیا گیا ہے۔ حسین شہید نے یہ پیشکش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ وہ ان مسلمانوں کی مدد میں مصروف ہیں جو آزادی کے فوراً بعد بھڑک اٹھنے والے غیر متوقع فسادات میں پھنس گئے تھے۔(۲)

ظفر اللہ کی تقرری کی پاکستانی پریس کے ایک دھڑے نے اس بناء پر مخالفت کی کہ وہ ایک متعصب قادیانی تھے اور انہوں نے کبھی مسلم لیگ میں شمولیت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی ہر کوشش کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔(۳)

۱۔ نواب آف بھوپال اس وقت ہندوستانی ریاستوں کے چیمبر آف پرنسز کے چانسلر تھے۔ وہ اپنی بیٹی کے حق میں دستبردار ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے پہلے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے رابطہ کیا اور استدعا کی کہ "بھوپال" صورتحال ہندوستان سے الحاق کیئے جوں کی توں بغیر رکھی جائے۔ مگر اس کے انکار پر نواب صاحب نے اپنے آئینی مشیر ظفر اللہ کو بھیجا کہ وہ الحاق کی شرائط طے کرے۔ اسے بتایا گیا کہ اس کی معیشت میں تبدیلی ممکن ہو سکتی ہے۔ نواب بھوپال برطانوی ہند کے سیاسی شعبہ کے سربراہ اور وائسرائے کے سیاسی مشیر سر کانریڈ کورفیلڈ کے دوست تھے۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ریاستی حکمرانوں کے متعلق تقریباً ۴ ٹن کاغذ ضائع کرا دیئے تھے۔ جن میں انتہائی خفیہ خطوط اور برطانیہ کی ہندوستان میں سامراجی حکمت عملی کے بارے میں اہم ہدایات موجود تھیں۔ ظفر اللہ نے پاکستان اور ہندوستان کے نئے آئینی ڈھانچوں میں راجوں مہاراجوں کے لیئے ایک منفرد مقام کے حصول کے لیئے کام کیا۔ تاہم نواب بھوپال نے نتیجتاً قائداعظم کی رضامندی سے اپنی ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔

۲۔ آؤٹ لک۔ کراچی۔ 6 جولائی 1974ء۔ سہروردی اس وقت سرت چندربوس کے ساتھ مل کر آزاد خودمختار بنگال کی تحریک چلا رہے تھے۔ دیکھیے اہلینڈ ودے "جدید ہند میں اسلام"۔ مایا پرکاشن کلکتہ۔ 1981ء صفحہ 42-230۔

۳۔ حوالہ شدہ الفضل لاہور۔ 31 دسمبر 1947ء۔

ظفر اللہ کے ماضی سے مکمل باخبری کے باوجود قائداعظم نے اسے اس عہدہ کی پیشکش کر دی۔ سر محمد اسماعیل کا کہنا ہے۔

> ''ولنگڈن کی وائسرائے کے دوران جب ظفر اللہ ایگزیکٹو کونسل کا ممبر تھا۔ مسٹر جناح کو سیاسی میدان میں ان کی واضح اہمیت کے باوجود گول میز کانفرنسوں کے آخری مراحل میں انہیں دانستہ طور پر باہر رکھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود قائداعظم نے پاکستان کے خارجہ امور کا قلمدان اس کے حوالے کر دیا۔ یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیئے کافی ہے کہ قائداعظم کتنے عالی ظرف تھے''۔ (۱)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظفر اللہ کی تعیناتی کے لیئے قائداعظم اس لیئے مجبور تھے کہ وہ انگریزوں کے بہت قریب تھا اور وہ بیورو کریٹ جنہوں نے اس کے تقرر کی سفارش کی تھی، ان کے خیال میں اس وقت ماؤنٹ بیٹن کی نوزائیدہ ریاست کے خلاف کھلی دشمنی کا موثر جواب دینے کی ضرورت تھی۔ شاید یہ فیصلہ کرتے وقت برطانیہ کا پاکستان کے بارے میں رویہ قائداعظم کے ذہن میں ہو۔ پاکستان کی تخلیق کے وقت ملک کو درپیش مسائل کا نہ صرف برطانیہ ذمہ دار تھا بلکہ اس کے معاملات میں ان کا ہاتھ بھی تھا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی مخالفت تو کھلے طور پر تھی۔ اس لیئے کوئی ایسا شخص چاہیئے تھا جو اپنے ذاتی رسوخ سے وائٹ ہال میں غیرحل شدہ معاملات کو حل کر سکے۔ چنانچہ ظفر اللہ کا انتخاب اس لیئے تھا۔ ویسے جماعت احمدیہ کا تحریک پاکستان میں منفی کردار واضح تھا۔ انہوں نے اس تحریک میں حصہ نہیں لیا تھا اور سر ظفر اللہ اس کا ایک نہایت اعلیٰ فرد تھا۔ (۲)

پاکستان کی ابھرتی ہوئی خارجہ پالیسی میں پالیسی ساز، بیورو کریٹ گروپ جو سب سے زیادہ طاقتور اور موثر تھا اس میں اعلیٰ درجے کی سول سرونٹس اور پاکستان کی فوج کے اعلیٰ افسروں پر مشتمل لوگ تھے۔ شروع شروع میں نہ تو پاکستان کے پاس ایک منظم دفتر خارجہ تھا اور نہ ہی تربیت یافتہ اور سازوسامان سے آراستہ فارن سروس تھی۔ ان سالوں میں

۱۔ سر مرزا اسماعیل ''میری عوامی زندگی'' صفحہ 100۔

۲۔ پاکستان ٹائمز۔ لاہور 24 نومبر 1980ء۔

برطانوی ہند کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے پرانے اور تجربہ کار افراد پاکستانی دفتر خارجہ کی کلیدی آسامیوں پر چھائے ہوئے تھے۔ ان میں چند برطانوی بھی تھے جو پرانی انڈین سول سروس (I.C.S) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان برطانوی افسران نے جن میں کریگھ کوائن' فلیچر' ڈکسن اور ریڈ پاتھ شامل تھے' پاکستانی خارجہ پالیسی مرتب کی اور اس کی سمت متعین کی۔ دفتر خارجہ اور اس کے عملے کی سیاسی سوچ کے دھارے کا رخ مقرر کیا۔

قائداعظم کی وفات اور چند برطانوی افسروں کی روانگی کے بعد پاکستان کی خارجہ پالیسی کا مکمل نظام پاکستان کے چند اعلیٰ افسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا جو اس وقت کے سیاسی گرگے تھے اور داخلی طور پر جاری حصول اقتدار کی کشمکش میں پوری طرح ملوث تھے۔ (۱)

اسکندر مرزا' چوہدری محمد علی (دونوں بعدازاں اعلیٰ ترین عہدہ کے حصول میں کامیاب ہوئے) محمد اکرام اللہ سیکرٹری دفتر خارجہ کے عہدے پر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء تک فائز رہے) عزیز احمد اور اس کے علاوہ چند دوسرے سول سرونٹس مثلاً اختر حسین جو محکمہ سپلائی کے افسر تھے۔ آغا ہلالی جو محکمہ تعلیم ہیلتھ کے کرتا دھرتا تھے اور کینیڈا سے آئے تھے۔ بعد میں دفتر خارجہ کی اہم ترین شخصیات میں شمار ہونے لگے۔ چند اعلیٰ فوجی افسران مثلاً ایوب خان دفتر خارجہ کے اس خاص اعلیٰ گروپ میں شامل ہوگئے اور خارجہ پالیسی کے عملی طریق کار میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ خصوصاً قائداعظم کی وفات کے بعد یہ سلسلہ زور پکڑ گیا۔ یہ بات ریکارڈ پر آ چکی ہے کہ ۱۹۵۱ء میں ہی ایوب خان نے پاکستان کی مغربی فوجی بلاک میں شمولیت کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

یہ بات واضح نہیں کہ قائداعظم اس نوزائیدہ ریاست کے دیگر اعلیٰ حلقوں کی طرح قادیانی اعلیٰ قیادت کے مذہبی عقائد سے واقف تھے۔ خصوصاً اس ریاست کے مستقبل کے بارے میں پیغمبرانہ پیش گوئیوں سے آگاہ تھے۔ جس کے قیام میں انہوں نے سخت تگ ودو کی تھی۔ اسکے باوجود انہوں نے ہدایت جاری کی کہ خارجہ حکمت عملی کے

Pakistan A Political Polity مدیر کے عارف۔ ویگارڈ بک لیمیٹڈ۔ 1984ء صفحہ 49۔

وہ پہلو جو پالیسی سے متعلق ہوں انہیں یا تو احکامات کے لیئے ان کو بھیجا جائے یا پھر وزیراعظم لیاقت علی خان کو بھجوائے جائیں۔ مگر درحقیقت یہ فیصلہ کرنا وزیر خارجہ کا کام کہ کون سا معاملہ خارجہ پالیسی سے متعلق ہے اور کون سا روزمرہ کا معمول ہے۔ (۱)

رابطہ مہم:

ظفراللہ کے پاکستان کی وزارت خارجہ کے قلمدان سنبھالنے کے ساتھ ہی احمدیہ جماعت کے خلیفہ مرزا محمود پاکستانی سیاست میں سرگرمی سے دخل اندازی شروع کر دی۔ ستمبر ۱۹۴۷ء سے لے کر جنوری ۱۹۴۸ء تک الفضل لاہور میں انہوں نے اپنے تصنیف کردہ مضامین کا ایک سلسلہ دفاعی قوت اور نوزائیدہ ریاست پاکستان کی معاشی قوت وخود انحصاری کے متعلق شائع کرایا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان کو سیاسی و معاشی میدانوں کے علاوہ دفاع کے دائرے میں ہندوستان کے ساتھ تعاون کے لیئے ہر ممکن قدم اٹھانا چاہیئے۔ (۲)

پاکستان کی معاشی سیاسی اور دفاعی استعداد کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فوجی کالج اور علاقائی فوج بنانے کی تجویز پیش کی- لاء کالج لاہور میں ''پاکستان کے مستقبل'' پر اپنی چوتھی تقریر میں انہوں نے ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی ضرورت پر زور دیا' انہوں نے وضاحت کی کہ پاکستانی فوج کی تعداد اسی ہزار ہے جن میں پیادہ فوج' توپخانہ اور چھاتہ بردار بھی شامل ہیں' جن میں صرف چالیس ہزار یا اس کا پچاس فیصد لڑاکا قوت ہے- پاکستان کے مکمل سرحدی علاقوں اور اس لڑاکا فوج کے تناسب کی بناء پر پاکستانی سرحد کے ایک میل کی حفاظت کے لیئے تینتالیس سپاہی آتے ہیں جن میں صرف اکیس لڑ سکتے ہیں' انہوں نے جرمنی کی مثال دی کہ جس نے ایک میل کے دفاع کے لیئے ایک ہزار فوجی تعینات کیئے تھے- انہوں نے پاکستانی دفاع کو

۱۔ امپیکٹ انٹرنیشنل۔ یو کے۔ 27 ستمبر 1974ء۔

۲۔ (الفضل لاہور۔ 4 دسمبر 1947ء)

بہت کمزور قرار دیا کیونکہ اس کے پاس بہت کم تربیت یافتہ افسران تھے۔ محفوظ دستے نہ تھے اور معمولی توپخانہ تھا اس کے علاوہ اسلحہ بہت ہی کم تھا۔ چھاتہ بردار بٹالین ختم ہونے والی تھی، ملک میں کوئی بھی اسلحہ ساز فیکٹری نہ تھی۔ ان مسائل کی طرف اشارہ کر کے انہوں نے زور دے کر کہا کہ ہندوستان اور پاکستان کو اپنے دفاعی نظام کو مشترکہ طور پر ترتیب دینا چاہیئے۔(۱) انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ برصغیر پاک و ہند کو چاہے دس لاکھ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو بھی یہ ایک ہی وجود ہوگا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کو اپنی دفاعی حکمت عملی میں ایک مشترکہ مقصد پروان چڑھانا چاہیئے۔(۲)

ایک مشترکہ دفاعی منصوبے کی وکالت کے بعد وہ مسلم لیگ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اے پی پی کو ایک انٹرویو میں مرزا محمود نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ کے دروازے پاکستان کے تمام غیر مسلموں کے لیئے بھی کھلے رہنے چاہئیں تاکہ اس جماعت کو جمہوری اور بین الاقوامی مسلمہ اصول کی بنیادوں پر دوبارہ منظم کیا جا سکے۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کو ہندوستان یا پاکستان میں اپنا وجود برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانان ہند کو ''انڈین نیشنل کانگریس'' میں شامل ہو جانا چاہیئے''۔(۳)

اس وقت کے مغربی پاکستان کے سیاسی حلقوں میں اپنے آپ کو متعارف کرانے کے لیئے انہوں نے مارچ ۱۹۴۸ء میں ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ سیالکوٹ، جہلم، کراچی، پشاور، راولپنڈی اور کوئٹہ جا کر منتخب اجتماعات سے خطاب کیا۔ سول و فوجی حکام سے ملے اور مشہور سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کی۔(۴) انہوں نے پاکستان کے اہم سیاسی مسائل جیسے کشمیر کا مسئلہ، دفاعی حکمت عملی، اور نئی قائم شدہ مسلم ریاست پاکستان کے مستقبل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

اپریل ۱۹۴۸ء کے اوائل میں سرحد کے دورے کے دوران وہ لنڈی کوتل میں شنواری

۱۔ الفضل لاہور، 21 دسمبر 1947ء۔

۲۔ الفضل لاہور، یکم دسمبر 1947ء، جنگ کراچی 24 دسمبر 1947ء۔

۳۔ الفضل لاہور، 19 دسمبر 1947ء۔

۴۔ تاریخ احمدیت، جلد 12، ص 280 تا 310۔

اور آفریدی قبائلی سرداروں سے ملے۔ انہوں نے پشاور میں دو اجتماعات میں تقاریر کیں اور اتمان زئی میں ڈاکٹر خان صاحب اور عبدالغفار خان سے ملاقات کی۔ (۱)

افغانستان کے پاکستان کے ساتھ تعلقات نومبر ۱۹۴۷ء سے ہی کشیدہ تھے جب ظاہر شاہ کے نمائندہ کے طور پر سردار نجیب اللہ پاکستانی حکام سے بات چیت کے لیئے کراچی آئے۔ کابل واپسی کے بعد افغانستان نے پختونستان کا نعرہ با آواز بلند لگا دیا۔ قادیانیوں کو کابل سے قدرتی، نفسیاتی اور دلی نفرت تھی کیونکہ ان کے مبلغین کو وہاں جاسوسی کے الزام کے تحت مختلف اوقات میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ کابل کے متعلق پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کی تشکیل میں ظفر اللہ کے تعصب نے پائیدار رنگ بھرا۔

پشاور سے واپسی پر مرزا محمود راولپنڈی رکے جہاں انہوں نے ایک سینما ہال میں ایک منتخب مجمع سے خطاب کیا اور مسئلہ کشمیر پر بات کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اگر حکومت پاکستان کی خواہش ہو تو وہ مسئلہ کشمیر پر اہم کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ شیخ عبداللہ ان کی بہت عزت کرتا ہے۔ تقریر کے دوران عوام نے ہال کے باہر مظاہرہ کیا۔ احتجاج کرنے والوں پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔

پنڈی سے وہ کوئٹہ چلے گئے، چودہ جون ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ کی احمدیہ جماعت نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ منتظمین میں ایم کاظمی ایرانی قونصل، قلات ریاست کے وزراء، اعلیٰ سول و فوجی حکام، سر فلپ ایڈورڈ پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ، مرزا بشیر احمد ایس او کوئٹہ، مسٹر بالانگ مہتمم پولیس، مسٹر بیک ڈی ایس پی۔ خان بہادر ملک بشیر احمد انڈر سیکرٹری ایڈجوٹنٹ جنرل، نواب رئیسائی، آغا سرور شاہ کمشنر کالونی ریونیو کمشن، نواب کرم خان کانسی، محمد خان جوگیزئی، میر ڈوڈا خاں اور مسلم لیگ کے کئی اہم ارکان شامل تھے، انہوں نے اسلامی آئین کے مسئلے پر گفتگو کی اور کشمیر میں لڑنے والے رضا کاروں کی امداد کی ضرورت پر زور دیا۔ (۲) اپنے احمدی پیروکاروں کے لیئے ان کا یہ پیغام تھا جو حکم کا درجہ رکھتا تھا کہ طاقت اور

۱۔ ایضاً، صفحہ 321۔

۲۔ تاریخ احمدیت، جلد 12 ص 343۔

اقتدار حاصل کرو۔ اگر پرامن ذرائع سے حاصل نہ ہو سکے، تو یہ قوت سے حاصل کرو انہوں نے احمدیوں کو نصیحت کی کہ وہ احمدی بنانے کی بھرپور ارتدادی مہم شروع کر دیں۔ بعدازاں ان بیانات کے ردعمل میں علماء نے قادیانیت کے لتے لینے شروع کر دیئے۔

حیدر آباد:

گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کی رحلت واقع ہوگئی۔ قوم کے لیئے یہ نقصان عظیم تھا۔ لوگ اپنے عظیم رہنما کی وفات کا ماتم کر رہے تھے کہ خبر آ گئی کہ ہندوستانی فوجیں حیدر آباد دکن میں داخل ہو گئی ہیں۔

برطانوی راج کے دوران حیدر آباد کو ایک خاص حیثیت حاصل تھی۔ نظام کو سامراجی آشیر واد حاصل رہی تھی سوائے دوسری دہائی کے وسط میں جب انہوں نے اندرونی معاملات میں خودمختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی حیثیت مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ وائسرائے لارڈ ریڈنگ نے اس پر فوری ردعمل کا اظہار کیا اور ستائیس مارچ ۱۹۲۶ء کو ایک کونسل قائم کر دی تا کہ ریاست کے معاملات کو چلایا جا سکے۔ اس کونسل میں چار برطانوی افسر شامل تھے۔ کونسل کو اختیارات حاصل ہونے کے بعد نظام کی قوت تقریباً ختم ہو کر رہ گئی۔ وہ اس ہندو اکثریتی ریاست کے برائے نام سربراہ بن کر رہ گئے۔⁽¹⁾

نظام کے دو بیٹے پرنس برار اور معظم جاہ آپس میں بدست و گریبان تھے۔ برار نے اپنے ذاتی استعمال کے لیئے ایک بڑی رقم ہندو ساہوکاروں سے قرض حاصل کر رکھی تھی اس نے برطانوی افسران کے ساتھ سازباز کی تا کہ کسی مناسب وقت پر برسر اقتدار آ سکے۔ سکندر آباد گھرانے کے قادیانی حیدر آباد کی سیاست میں ملوث تھے انہوں نے نظام کے محل میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے، جو قادیان کو تمام محلاتی سازشوں سے باخبر رکھتے۔ قادیان نے شہزادہ برار کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۴۸ء کے آخر میں جب ہندوستان نے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا تو ایک خطبے میں مرزا محمود احمد نے یہ انکشاف کیا کہ شہزادہ برار نے کوئی اکیس سال قبل (۱۹۲۷ء

۱۔ رئیس احمد جعفری، حیدر آباد جو کبھی تھا۔ لاہور 1960ء ص 73۔

میں) ہندو مہا سبھائیوں کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا۔ اس نے ان سے رقم وصول کی اور مناسب وقت پر طاقت کے حصول کے بعد انہیں چند مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ اس معاہدے کی بھنک شہزادے کے کسی (غالباً قادیانی) مصاحب کے کان میں پڑ گئی۔ اس نے کاغذات میں سے یہ معاہدہ چوری کر کے مرزا محمود کے حوالے کر دیا۔(۱) قادیانی خفیہ محکمہ نے اس معاہدے کے پس منظر کا کھوج لگا لیا کہ چونکہ شہزادہ کو خزانہ عامرہ سے جیب خرچ نہیں ملتا تھا' اس لیئے اس نے ہندو ساہوکاروں سے کچھ رقم مستعار لی جنہوں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے خفیہ معاہدہ کر لیا۔ مرزا محمود کہتے ہیں کہ انہوں نے اس معاہدہ کی اطلاع برطانوی حکومت کو کر دی۔ جس پر برطانوی حکومت نے نظام کو حکم دیا کہ وہ شہزادے کو ماہانہ دس سے بیس ہزار روپے دیا کرے۔ مرزا محمود مزید کہتے ہیں کہ وہ حیدر آباد کے بدلے کشمیر کا سودا کرنے کے حق میں ہیں۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ حیدر آباد کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے اسے انڈین یونین کا حصہ بننا چاہیئے اور کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہونا چاہیئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائیں کہ (کشمیر اور حیدر آباد کے یہ) دونوں مسائل ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کا اکٹھا حل ہونا چاہیئے۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو حیدر آباد دے کر اس سے کشمیر لے لیا جائے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ بعض اوقات قوم کے رہنما عوامی خواہشات کے آگے اس قدر جھک جاتے ہیں کہ وہ درست راستہ نہیں اختیار کر پاتے۔ انہوں نے شہزادہ برار اور قاسم رضوی کی اہلیت پر شک ظاہر کیا کہ وہ معاملہ طے کر سکیں گے یا نہیں۔(۲)

پاکستان کے مسلمانوں نے یہ بھی دیکھا کہ ظفر اللہ نے قائداعظم کو غیر مسلم قرار دیتے ہوئے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ قادیانی کھلے عام نوے کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے اس میں قائداعظم کے لیئے کوئی استثنیٰ نہ تھا۔ اس بات سے پورے پاکستان میں

۱۔ مرزا محمود احمد کا خطاب' الفضل لاہور 21 ستمبر 1948ء۔

۲۔ ایضاً۔

قادیانیوں کے خلاف نفرت پیدا ہوئی مگر قادیانیوں نے اس کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی۔ پاکستان کے استحکام کو کھوکھلا کرنے کی مذموم سرگرمیوں میں انہیں سامراجی قوتوں کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔

قادیانیوں کا یہ پختہ ایمان تھا کہ ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران (اور یہ عقیدہ ابھی تک قائم ہے) کہ وہ انگریزوں کے زیر سایہ ہی پنپ سکتے ہیں اور اپنے نظریات پھیلا سکتے ہیں، نہ کہ مکہ، شام نہ ہی کابل میں۔ محض برطانوی حکومت کے زیر سرپرستی ایسا کر سکتے ہیں جن کی ترقی وخوشحالی کے لیئے احمدیت کا بانی ہمیشہ دعا گو رہا۔(۱) اب انہیں پاکستان کی صورت حال اپنے حق میں بہتر محسوس ہوئی۔ مرزا محمود نے اپنے سیاسی دوروں کے دوران اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ

> ''وہ کم آبادی والے وسیع وعریض بلوچستان کی آبادی کو احمدی بنانے پر توجہ دیں تا کہ احمدی اس قابل ہوں کہ کم از کم ایک صوبے کو تو اپنا کہہ سکیں''۔(۲)

انہوں نے متنبہ کیا کہ ایک یا دو محکموں میں بھیڑوں کی طرح جمع ہونے کی بجائے تمام کلیدی شعبوں میں پھیل جائیں۔ جہاں تک فوج میں جانے کا تعلق ہے تو اگر کبھی یہ فرض کیا جائے کہ پاکستان میں دس ہزار احمدی ہیں تو ان میں سے نو ہزار کو فوج میں ہونا چاہیئے۔

فوجی تیاری بڑی اہم چیز ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر تم نے فوجی علوم نہ سیکھے تو اپنا کام کیسے کرو گے؟''بعد میں پاکستان میں جمہوریت کی پامالی اور بدعنوانی۔ جمہوری عمل میں عدم تسلسل، اسلامی قوانین کے نفاذ کی راہ میں پیدا کردہ رکاوٹوں اور ملک میں پہلے عوامی اور پھر فوجی نوکر شاہی کا ملک میں بطور برسر اقتدار طبقہ ابھرنا۔ ان سب کے پیچھے قادیانیوں کی پس پردہ گہری سازشوں کو دخل تھا اور ان امور کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیئے۔''(۳)

عمومی طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں احمدیوں کی پالیسی مندرجہ ذیل نکات پر مرکوز تھی۔

۱۔ تبلیغ رسالت مدون میر قاسم علی، جلد 6، ص 69۔

۲۔ الفضل، لاہور 13 اگست 1948ء۔

۳۔ امپیکٹ، لندن، 27 ستمبر 1974ء۔

(i) پاکستان میں ایک بیس قائم کی جائے۔ مرزا محمود کی کشمیر اور بلوچستان پر نظر تھی۔

(ii) مسلح افواج میں سرایت کی جائے۔

(iii) تقسیم کو ختم کر کے قادیان کو دوبارہ حاصل کیا جائے گا۔

(iv) ظفر اللہ کی مدد سے افریقہ اور عرب ممالک میں نئے تبلیغی سیل قائم کیئے جائیں۔

کشمیر:

کشمیر میں قادیانی سازشوں کی ایک طویل تاریخ ہے۔ پچھلے ابواب میں مختصراً قادیانی کردار پر بحث ہو چکی ہے، جن میں کشمیر کمیٹی میں قادیانی کردار کا تذکرہ تھا۔ ۱۹۳۳ء میں قادیانی تخریب کاروں نے ''کل ہند انجمن کشمیر'' قائم کی تاکہ سامراجی طاقتوں کی اعانت سے اپنے مذموم عزائم کو پورا کیا جاسکے۔ عوامی ذہن پر اثر انداز ہونے کیلئے ایک قادیانی جریدے ''الاصلاح'' کا سری نگر سے اجراء کیا گیا۔ ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک کشمیر کی سیاست میں قادیانیوں کا کردار واضح طور پر مہاراجہ کی حمایت میں تھا۔(۱)

شیخ عبداللہ نے ۱۹۴۶ء میں ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک شروع کی جو ڈوگرہ حکمران کے خلاف تھی اور جس کا انداز ۱۹۴۲ء کی کانگریس کی ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک سے ملتا جلتا تھا۔ عبداللہ نے ''نیشنل کانفرنس'' کا چبوترہ اس مقصد کیلئے استعمال کیا۔ اس کو ۱۹۳۹ء میں ''مسلم کانفرنس'' کے مقابلے کے لیئے بنایا گیا تھا۔ مرزا محمود نے شیخ عبداللہ کی مہاراجہ کشمیر کے خلاف چلائی گئی ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کی سخت مخالفت کی اور مہاراجہ کشمیر کی پالیسی کی تائید اور ستائش کی۔(۲) کشمیری مسلمانوں کی تحریک حریت اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اس وقت ان کو موثر حمایت کی ضرورت تھی۔ مرزا محمود نے کشمیریوں کے لیئے تمام ہمدردیاں فراموش کر دیں۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ وہ کشمیریوں کو قادیانی بنانے کے لیئے اپنی تمام توجہ مرکوز کریں اور اپنے اس امر پر پختہ یقین کا اظہار کیا کہ تمام کشمیری مجموعی طور پر احمدیت قبول کرلیں گے جس طرح کہ اسنور، چک سسنرج اور رشی نگر

۱۔ الاصلاح، سری نگر، 4 جولائی 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان، یکم فروری 1946ء۔

وغیرہ کے دیہاتوں میں ہو چکا ہے۔

کشمیر میں احمدی مشن کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے الفضل لکھتا ہے۔

> ''پچھلے سال (۱۹۴۵ء میں) حضرت مصلح موعود نے مشاورتی کمیٹی کے اجلاس میں کمال مہربانی سے اجازت دی ہے کہ کشمیر کی اہمیت اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے اس ریاست میں تبلیغی مرکز قائم کیا جائے۔ وہاں دارالتبلیغ اور مسجد کے قیام کی اشد ضرورت تھی۔ حکومت کشمیر نے بخوشی ہمیں دارالتبلیغ مسجد اور مہمان خانہ کیلئے چار کنال اراضی مہیا کر دی ہے۔ جب ہم نے زمین حاصل کر لی تو احمدی مبلغ کو حضرت مصلح موعود نے مبارکباد کا پیغام بھجوایا''۔(۱)

قادیانیوں نے کشمیر اسمبلی کے انتخابات میں فتح کدل کے حلقہ انتخاب سے جماعت احمدیہ سری نگر کے صدر غلام نبی گلکار کی کامیابی پر جشن منائے۔ جموں کے احمدیوں نے مرزا محمود کی بدلتی ہوئی پالیسی کے متعلق تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے قادیان جا کر کشمیر کی جدوجہد آزادی کے نازک مرحلے پر مرزا محمود کی سرد مہری پر اظہار تاسف کیا۔ مرزا محمود نے ۱۹۳۰ء کی دہائی کے دوران تحریک کشمیر میں اپنے کردار کی مفصل وضاحت کرتے ہوئے اس وقت کی کشمیری قیادت پر تنقید کی کیونکہ انہوں نے مہاراجہ کے خلاف تحریک شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ

> ''مہاراجہ اور اس کے خاندان کے خلاف الزامات عائد کیئے جا رہے ہیں۔ یہ غلط بات ہے اور ہم اس تحریک کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ ہماری تمام تر ہمدردیاں مہاراجہ کشمیر کے ساتھ ہیں۔ تاہم ان کو بھی اپنی رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے''۔(۲)

کشمیر کی قادیانی جماعت کے بعض افراد قادیان میں مرزا محمود سے ملنے آئے۔ انہوں نے ان کے ایڈریس کے جواب میں کہا۔

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے کشمیر کی سیاست میں حصہ لیا ہے اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والی تمام جماعتوں کو حمایت کی پیشکش کی ہے اگر وہ ان کی زیر ہدایت کام کرنے پر

۱۔ الفضل قادیان 10 جنوری 1946ء۔

۲۔ الفضل قادیان 20 جون 1946ء۔

> راضی ہوں تو" ہم ان کے ساتھ تعاون پر رضا مند ہیں اور اسی طریقے سے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے"۔

انہوں نے اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا جو انہوں نے ۱۹۴۲ء میں دیکھا تھا یہ کشمیر کے مہاراجہ کے بارے میں تھا۔

> "اگلے دن پھر وہی خواب آیا' مرزا غلام احمد مسیح موعود نے بھی اس قسم کا خواب مہاراجہ پٹیالہ کے بارے میں دیکھا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوا کہ پنجاب کی سیاست کے ساتھ کشمیر اور پٹیالہ کا کوئی تعلق ہے۔ تاہم احمدیت پھیلانے کی متواتر کوششیں کر رہے ہیں اور ہماری جماعتوں نے کشمیر کو گھیر لیا ہے"۔ (۱)

پاکستان اور ہندوستان کی ریاستوں میں انتقال اقتدار کے ساتھ ہی چھوٹی راجدھانیوں پر سے برطانوی غلبہ چھٹنے لگا۔ تقسیم سے بہت پہلے ہی ہندوستانی رہنماؤں نے کشمیر کے حصول کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ ریڈکلف ایوارڈ سے مسلمان آبادی کا اکثریتی ضلع گورداسپور ہندوستان کے پاس چلا گیا جس سے ہندوستان کو وادی کے ساتھ مواصلاتی رابطہ مہیا ہو گیا جو بصورت دیگر نہ ہو سکتا تھا۔

حکومت آزاد کشمیر:

قیام پاکستان کے بعد کے ابتر حالات کے باعث پاکستانی قیادت مسائل میں گھرے ہونے کی بناء پر کشمیر میں ہندوستان کی جارحانہ اقدامات کا بھرپور جواب دینے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ قبائلیوں کے رضا کار دستے نے جو ڈوگرا راج سے ریاست کو چھڑوانے کی تگ و دو کر رہے تھے' ناقص منصوبہ بندی اور ذرائع کے ناکافی ہونے کی وجہ سے موثر پیش قدمی نہ کر سکے۔ ڈوگروں کے ظالمانہ راج کے خلاف پونچھ کے عوام نے ایک دلیرانہ جدوجہد شروع کر دی۔ مرزا محمود نے کشمیر کے محاذ پر لڑنے کے لیئے کوئی وقت ضائع کیئے بغیر ایک قادیانی بٹالین بنا ڈالی۔ قادیانیوں نے ہمیشہ جہاد کی مخالفت کی تھی اور ان کے مسیح موعود کی آمد کا

۱۔ الفضل قادیان' 11 اپریل 1947ء۔

مقصد ہی آنے والے وقتوں میں جہاد کو ممنوع قرار دینا تھا۔ یہ ان کے عقیدے کا جزو تھا اور اس پر ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران وہ سختی سے کاربند رہے۔ مگر اب سیاسی مصلحت نے مرزا محمود کو مجبور کر دیا کہ وہ کشمیر کی ابتر صورتحال میں احمدیوں کے مفادات کی نگہبانی کے لیئے کشمیر کی سرحد پر فرقان بٹالین روانہ کرے اور قادیان سے متعلق عسکری مفادات کی نگرانی کرے۔ پونچھ اور وادی میں پہلے ہی بہت سے قادیانی جاسوس سرگرم عمل تھے جو مرزا محمود کی زیر ہدایت خفیہ کارروائیوں کے لیئے کشمیر گئے ہوئے تھے۔

قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ کشمیر میں جدوجہد آزادی ۴۸-۱۹۴۷ء کے دوران غلام نبی گلکار نے راولپنڈی میں پہلی جلاوطن آزاد کشمیر حکومت قائم کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ چھ اکتوبر کو مہاراجہ ہری سنگھ کو گرفتار کرنے کے لیئے سری نگر روانہ ہوا۔[1] سری نگر میں خفیہ طور پر ایک تیرہ رکنی کابینہ بنائی گئی جس میں تعلیم' صحت' دفاع اور قانون کے وزیر مقرر کیئے گئے تھے' ان کے اصل نام ظاہر نہ کیئے گئے۔ یہ ایک قادیانی تصوراتی کابینہ تھی۔ گلکار کو سری نگر میں گرفتار کر لیا گیا جسے وہاں چند ماہ قید میں رہنا پڑا۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں۔

> ''ریڈیو پاکستان کے اعلان کے مطابق (کشمیر میں قائم) عارضی حکومت کا سربراہ انور تھا۔ یہ انور کون ہے؟ اب تک تین آدمی منظر عام پر آئے ہیں' جن میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انور ہے۔ مگر باخبر لوگوں کو یقین ہے کہ انور غلام نبی گلکار کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں جو کہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا رکن اور کشمیر کی جدوجہد آزادی کا پرانا کارکن اور آزاد کشمیر کی عارضی انقلابی حکومت کا سربراہ ہے۔ جیسے ہی یہ عارضی حکومت منصۂ مشہود پر آئی اس وقت اس کے سربراہ نے ایک بچگانہ اور حیران کن حرکت کی۔ وہ مہاراجہ کو گرفتار کرنے کی نیت سے اور شیخ عبداللہ کو اس کے کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کے نظریئے کے خوفناک نتائج کے بارے

---

[1] تاریخ احمدیت جلد 7' ص 696) یہ بات حیران کن ہے کہ ۱۹۴۷ء میں اکتوبر' نومبر کے کسی شمارے میں الفضل لاہور نے غلام نبی گلکار کی آزاد حکومت کشمیر کے قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ایک غیر معروف شخص سردار گل احمد کوثر' مدیر' ''ہمارا کشمیر'' مظفر آباد نے اپنے اخبار میں چار اکتوبر 1953ء کو ایک مضمون شائع کیا جسے قادیانی مصنفین اپنے دعوے کی تائید میں بڑے بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں' مزید دیکھئے تاریخ احمدیت' جلد 11' ص 322۔

> میں متنبہ کرنے کیلئے سری نگر چل پڑا۔ یہ خود ساختہ صدر گرفتار کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ اپنی گرفتاری سے قبل وہ عبداللہ سے ملا اور اس سے گفتگو بھی کی مگر اس نے اپنی شناخت ظاہر نہ کی‘‘۔(۱)

یہ زیر زمین کابینہ جو مبینہ طور پر گلکار نے بنائی تھی ساری کی ساری قادیانی یا قادیانی نواز عناصر پر مشتمل تھی۔ صرف عبدالغفار ڈار (نائب پبلسٹی آفیسر) اور خواجہ عبدالمنان (چیف انجنیئر) جیسے لوگوں کے ناموں کے علاوہ بقیہ کسی کا نام ظاہر نہ کیا گیا تھا۔(۲)

قادیانیوں کے اس دعویٰ میں قطعاً صداقت نہیں کہ گلکار نے پہلی آزاد کشمیر کی عارضی حکومت کی بنیاد رکھی۔ چار اکتوبر کو جموں کے ایک مشہور کشمیری رہنما نذیر حسین شاہ نے آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو ’’انور‘‘ کے ایک فرضی نام کے تحت کیا گیا تھا۔(۳) انہوں نے خود راقم کو بتایا کہ چونکہ وہ ترک جرنیل انور پاشا سے محبت کرتے تھے۔ اس لیئے انہوں نے اس عظیم مقصد کیلئے انکا نام اختیار کیا۔ نتیجۃً غلام نبی گلکار نے اس لقب کو اپنے نام کا حصہ بنا لیا حالانکہ گلکار نے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کی ہمیشہ مخالفت کی اور خود مختار کشمیر کے نظریئے کی وکالت کی۔ کشمیر کے آزاد علاقے میں آزاد کشمیر کی حکومت چوبیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائم کی گئی اور سردار ابراہیم کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔(۴)

چھبیس اکتوبر کو ہندوستان نے کشمیر پر ایک بھرپور حملہ کر دیا اس سے قبل مہاراجہ نے کانگریس کے ساتھ نام نہاد الحاق کا معاہدہ کیا۔ جدید تحقیق کے مطابق اس کا وجود نہیں ملتا۔ جب یہ بات قائداعظم کے علم میں لائی گئی تو انہوں نے جنرل گریسی کو حکم دیا کہ وہ کشمیر میں فوجیں داخل کرے۔ وہ پاکستانی فوج کا قائم مقام سی این سی تھا مگر برطانوی کمانڈر نے ان احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیا حالانکہ اس کا برطانوی ہم منصب ہندوستان کی طرف سے

۱۔ بزاز ص 621 ’مزید دیکھئے لارڈ برڈ وڈ‘ ’کشمیر اور دو قومیں‘ لندن 1956ء ص 81۔

۲۔ دیکھئے اسداللہ کشمیری قادیانی ’معمار آزادی کشمیر غلام نبی گلکار‘ راولپنڈی ص 25۔

۳۔ تحصیل باغ آزاد کشمیر کے گاؤں حل سرنگ کے لیفٹیننٹ سید انور شاہ اور میجر خورشید انور جن کی کمان میں 21 اکتوبر 1947ء کو قبائلیوں نے مظفر آباد پر حملہ کیا تھا وہ بھی اس کے دعویدار ہیں۔

۴۔ مزید دیکھئے مولانا تاج محمود ’آزاد کشمیر کی قرارداد پر مرزائیوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا مسکت جواب‘ مرکزی تحریک ختم نبوت پاکستان 1973ء۔

ریاست جموں و کشمیر پر ایک مسلح حملے میں مصروف تھا۔ فیلڈ مارشل آکنلیک کا سوانح نگار فلپ وارنر بیان کرتا ہے۔

> ''(ہندوستان کی مسلح افواج کے کمانڈران چیف جنرل لوکارٹ کے حکم پر ہندوستانی افواج کے حملے کے فوراً بعد) آکنلیک فوراً لاہور پہنچا۔ یہاں پر جنرل سرڈگلس گریسی نے (جو پاکستانی مسلح افواج کے کمانڈران چیف میسروی کے چھٹی پر جانے کی بناء پر قائم مقامی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا) اسے مطلع کیا کہ محمد علی جناح نے اسے بتایا ہے کہ کشمیر کی طرف مختلف مقامات پر فوجی دستے روانہ کردوان کی ہدایات میں سری نگر پر قبضہ کرنا بھی شامل تھا۔ ظاہر ہے کہ پاکستانی گورنر جنرل کشمیر کو اتنی آسانی سے ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ آکنلیک نے بڑے واضح انداز میں جناح کو بتادیا کہ کشمیر کے بارے میں وہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں یہ بالکل بے قاعدہ بات ہے کیونکہ کشمیر اب قانونی طور پر بھارت کا حصہ بن چکا ہے۔ اس نے خاموشی سے بتایا کہ اگر جناح نے اس پر اصرار کیا تو وہ ذاتی طور پر پاکستانی فوج میں موجود تمام برطانوی افسران کو واپس بلا لے گا۔ اس دھمکی نے جناح کو مشتعل تو کیا مگر اسی وقت خاموش بھی کر دیا۔ اس کے بعد آکنلیک نے یہ تجویز پیش کی کہ جناح صاحب ایک کانفرنس میں نہرو، ماؤنٹ بیٹن، مہاراجہ کشمیر اور اس کے وزیر اعظم سے مل لیں اس تجویز سے اتفاق کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس وقت نہرو بیمار تھے اور جا نہیں سکتے تھے اگرچہ اس بات پر اتفاق کرلیا گیا تھا کہ کشمیریوں کے اصل احساسات کا جائزہ لینے کے لیئے ایک رائے شماری کرائی جائے گی''۔(۱)

کشمیر اقوام متحدہ میں:

یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان اقوام متحدہ میں یہ شکایت لے کر چلا گیا کہ پاکستان ریاست کشمیر میں لڑائی کے لیئے اپنے باشندوں اور قبائلی لوگوں کو شہ اور امداد دے رہا ہے۔ ابھی سلامتی کونسل میں یہ معاملہ زیر بحث ہی تھا کہ ریاست کشمیر میں ہندوستان نے اپنی

۱۔ فلپ وارنر' آکنلیک ایک اکیلا سپاہی' لندن 1981ء ص 225۔

کارروائیوں میں شدت پیدا کر دی جس نے پاکستان کو ضروری دفاعی اقدامات کی خاطر حفاظتی نکتہ نظر سے محدود تعداد میں دستے بھیجنے پر مجبور کر دیا۔

اقوام متحدہ میں گوپال سوامی آئینگر نے ہندوستان کی نمائندگی کی جبکہ ظفر اللہ نے سلامتی کونسل میں پاکستانی نکتہ نظر پیش کیا۔ ظفر اللہ کے دلائل کا لب لباب یہ تھا کہ ''الحاق یا مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام اور پڑوسی ہندو اور سکھ ریاستیں ایک وسیع سازش میں مصروف ہیں جن کی وجہ سے یہ واقعات رونما ہو رہے ہیں''۔(۱) اُس نے اس بات پر اپنی تقریر ختم کی کہ بھارتی فوج کے نام نہاد الحاق کے فیصلے میں ناکامی کے باعث ہندوستان نے سلامتی کونسل کے آگے مسئلہ پیش کر دیا ہے۔ اگرچہ اس میں کسی حد تک صداقت کا عنصر بھی شامل تھا۔ تقریر کے ابتدائی مرحلے میں ظفر اللہ نے معاملے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ ڈرامائی اور چونکا دینے والے الزامات لگائے گئے جن سے ہندوستانی قیادت کے شیطانی مظالم آشکارہ ہوتے ہوں اور جو خون سے اپنی پیاس بجھا رہی ہو۔ اس سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو متاثر نہ کیا جا سکا۔ اس کے علاوہ ظفر اللہ معمولی بات کو بہت طول دیتا تھا۔ بہت زیادہ طوالت دینے کا رجحان بھی نقصان دہ ثابت ہوا۔(۲)

بارہ اپریل ۱۹۴۸ء کو راولپنڈی میں اپنے خطاب میں مرزا محمود نے یہ بات پہلے ہی واضح کر دی تھی کہ سلامتی کونسل کا فیصلہ پاکستان کے خلاف ہوگا۔ فیصلہ بین الاقوامی عوامل کے تابع ہوگا اور دس ظفر اللہ بھی مل کر اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں گے۔(۳) انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ گوپال سوامی آینگر نے امریکہ اور برطانیہ کو یہ یقین دہانی کرا دی ہے کہ ہندوستان روس کے ساتھ کسی جنگ میں انہیں مطلوبہ رعایتیں فراہم کرے گا۔(۴)

سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کا کمیشن برائے پاک و ہند مقرر کیا تا کہ وہ حقائق کی تفتیش

۱۔ دیکھئے ظفر اللہ' سرونٹ آف گاڈ ص 152' 149۔

۲۔ لارڈ برڈووڈ' دو اقوام اور کشمیر لندن۔ ص 88۔

۳۔ تاریخ احمدیت' جلد 12' ص 324۔

۴۔ ظفر اللہ کہتے ہیں کہ سلامتی کونسل رائے شماری کی قرارداد پر غور و خوض کر رہی تھی کہ دولت مشترکہ کے معاملات کے وزیر فلپ نوئل بیکر نے گوپال سوامی اور گرجا شنکر واجپائی سے بات کی اور انہیں کہا کہ وہ وزیر اعظم نہرو کو اس بات پر قائل کر لیں کہ وہ قرارداد کی تعمیل کرے' اس کو یہ امید دلائی گئی وزیر اعظم کو قائل کر لیا جائے گا مگر وزیر اعظم برطانیہ ایٹلی کی جانب سے نوئل بیکر کو برقی پیغام موصول ہوا کہ ''دست بردار ہو جاؤ'' قرارداد میں یہ اعلان ہوا کہ اس کے وفد کو مشاورت کیلئے دوبارہ دلی واپس بلا لیا گیا۔'' (سرونٹ آف گاڈ ص 163۔

کرے اور دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کرائے۔ سات جولائی ۱۹۴۸ء کو جب کمیشن پاکستان پہنچا تو ظفر اللہ نے آسانی سے تسلیم کرلیا کہ آٹھ مئی سے پاکستانی دستے کشمیر میں لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ اس حقیقت کا سبھی کو علم تھا مگر پاکستانی حکومت اب تک اس کا انکار کرتی آئی تھی۔ کمیشن کے نظروں میں یہ ''صورتحال میں ایک ڈرامائی اور مادی تبدیلی'' تھی۔ کمیشن نے پاکستانی حکومت کے ساتھ خط و کتابت میں بھی اسے ایسا ہی قرار دیا۔ اگست ۱۹۴۸ء میں پاکستان نے یہ بھی تسلیم کرلیا کہ آزاد کشمیر کی فوجیں پاکستان کی فوج کے دائرہ کمان میں ہیں۔(۱) اس سے معاملے کی نوعیت ہی بدل گئی اور ہندوستان نے اس صورتحال کا اپنے حق میں ناجائز فائدہ اٹھایا۔(۲)

اقوام متحدہ کے کمیشن نے طویل مذاکرات کے بعد فریقین کے درمیان معاہدہ طے کیا جسے اقوام متحدہ کی قرارداد تیرہ اگست ۱۹۴۸ء اور پانچ جنوری ۱۹۴۹ء کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے جنگ بندی منظور کرلی گئی' جو کہ مسئلہ کشمیر کے لیئے مہلک ثابت ہوئی۔ ظفر اللہ کی غیر معمولی طور پر طویل تقاریر نے معاملہ کو اور الجھا دیا۔ پاکستان ''غیر مسلح کیئے جانے کی تجویز'' پر ہندوستان کے ساتھ لفاظی کی جنگ کی دلدل میں پھنس گیا اور اصل مقصد یعنی رائے شماری کے لیئے ایک ایڈمنسٹریٹر قائم کیا جائے۔ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

میاں افتخار الدین جو کہ ایک بزرگ مسلم لیگی رہنما تھے انہوں نے پانچ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو پاکستان کی آئینی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران ظفر اللہ کے کردار پر بڑے واضح اور متاثر کن انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہا۔

> ''کیا ہمیں یہ صاف نظر نہیں آتا کہ ان (برطانوی اور امریکی سامراجیوں) کا مفاد اس میں ہے کہ وہ مشرق کے لوگوں پر اپنا تسلط قائم رکھیں جن پر وہ پرانے طریقوں سے حکومت نہیں کر سکتے ان پر اب وہ بالواسطہ طور پر اپنے آلہ کاروں کے ذریعے حکومت کریں گے اور ہم نے اپنے آپ کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر جھکا دیا ہے اور ہماری حکومت نے دانستہ یا نادانستہ طور پر

۱۔ ڈبلیو نارمن براؤن' اقوام متحدہ اور پاکستان و ہندوستان' امریکہ ص 189۔

۲۔ مسئلہ کشمیر پر ہندوستانی نکتہ نظر کے لیئے ملاحظہ ہو بھگوان سنگھ' کشمیر کی سیاسی سازشیں' لائٹ اینڈ لائف مطبوعات' لکھنؤ ہندوستان 1973ء۔

اپنے آپ کو ان کا آلہ کار ثابت کرتے ہوئے جھکا دیا ہے۔ یہ ہی وہ کردار ہے جو ہم نے اس مسئلہ پر ادا کیا ہے۔ جناب آپ اس آدمی (ظفر اللہ) کے بارے میں سوچیں جس کی میں بات کرر ہا ہوں اور میں کسی فرد کی مخالفت نہیں کرر ہا اور جب تک حکومت کی حکمت عملی یہ رہے گی جواب تک رہی ہے تو بظاہر بہترین آدمی (اقوام متحدہ) جائے گا اور اپنی ناکامی ظاہر کر دے گا مگر یہ تو پاکستانی حکومت کی شدت جذبات، نیت اور ذہنیت کا علاماتی اظہار ہوگا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ظفر اللہ تیس یا چالیس سالہ تجربے کا مالک اور ایک قابل وکیل تو ہوسکتا ہے اور برطانوی راج پر یقین کامل رکھنے والا ہوسکتا ہے اور "شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار" ہو سکتا ہے جس نے ان تیس سالوں کے دوران ایک لمحے کے لیئے بھی یہ نہیں سوچا کہ وہ آئے اور ملک کی آزادی کا سوال پیش کرے۔ اس نے ساری زندگی برطانوی حکومت کی خدمت کی ہے، اگر اسے رقم مل جائے تو یہ بہاولپور، بھوپال یا حکومت ہند کی خاطر بول سکتا ہے اور ہندوستانی حکومت کے نمائندہ کے طور پر پیش ہوسکتا ہے اگر اسے ادائیگی کی جائے اور اس طرح اس نے چین میں جا کر کیا اور اس طرح اس نے حکومت پاکستان کی نمائندگی کی جس کے لیئے اسے ادائیگی ہوئی۔ اگر حکومت اسے رقم دے تو یہ متحدہ ہندوستانی حکومت کی نمائندگی بھی کر دے گا اگر خدانخواستہ کل پاکستان انڈین یونین بن جائے تو اسے صرف رقم کی ضرورت ہے، اس شخص کو ہم نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیئے بھجوایا ہے کہ یہ بہترین وکیل ہے جو ہمیں میسر آ سکتا تھا۔ اس وکیل نے باؤنڈری کمیشن میں سرحدی مسئلے پر ہماری وکالت کی اور ہم سب جانتے ہیں کہ ریڈ کلف نے ہمیں کیا دیا؟ یہی وکیل قابل نفرت یونینسٹوں کا فکری رہنما تھا جو سب سے زیادہ تنگ نظر اور رجعت پسند عناصر تھے۔ برصغیر کی آج تک سیاست کی بدصورت ترین پیداوار تھے۔ یہ شخص کشمیر کے عوام کے جذبہ آزادی کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ان کے لیئے نہیں لڑ سکتا۔ یہ شخص صرف بال کی کھال تو اتار سکتا ہے مگر کوئی حکمت عملی دینے سے قاصر ہے۔

جناب والا! یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص لازمی طور پر برطانوی مفادات کا نگہبان

ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بحث کو طویل کیا جائے۔ تمام معاملات کو طوالت دی جائے تا کہ دونوں پاکستان اور ہندوستان مدد کے لیئے برطانیہ اور امریکہ کو پکاریں۔ ہمارا معزز وزیر امریکہ سے زیادہ برطانیہ کا آلہ کار ہے۔ تاہم یہ تو بات سرراہ آ گئی۔ بات یہ ہے کہ اس حکمت عملی سے ہمیں کشمیر نہیں مل سکتا۔،،(۱)

فرقان بٹالین:

جون ۱۹۴۸ء میں مرزا محمود نے کشمیر کے معاملات میں اپنا الو سیدھا کرنے کے لیئے فرقان بٹالین تیار کی۔ مجلس شوریٰ کے ایک خصوصی اجلاس میں انہوں نے اعلان کیا کہ چند فوجی افسروں نے انہیں ترغیب دی ہے کہ کشمیر کی جنگ میں حصہ لینے کے لیئے انہیں جموں کے محاذ پر کم از کم ایک پلاٹون بھجوانی چاہیئے۔ اس وقت کے سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد سے ہدایات وصول کر کے انہوں نے مرزا مبارک احمد کی زیر کمان پینتالیس احمدیوں کی ایک پلاٹون کو معراج کے روانہ کیا تا کہ جموں کے محاذ پر لڑا جا سکے۔ ایک قادیانی ہفت روزہ ''لاہور'' کا یہ دعویٰ ہے کہ حکومت پاکستان نے مرزا محمود سے درخواست کی تھی کہ وہ کشمیر کے محاذ پر ایک بٹالین بھجوائے۔ مرزا ناصر احمد (فاتح الدین) کی زیر سربراہی ایک انتظامی کمیٹی قائم کی گئی۔ جس نے قادیانی رضا کار بھرتی کیئے اور جون ۱۹۴۸ء تک کرنل (ریٹائرڈ) سردار محمد حیات قیصرانی کی زیر کمان فرقان بٹالین تیار ہو گئی جنہوں نے جہلم کے قریب سرائے عالمگیر کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ سردار قیصرانی کے بعد مرزا مبارک احمد اس کا کمانڈر مقرر ہوا۔ فرقان کیمپ کو زبیر کا نام دیا گیا اور کمانڈنٹ آفیسر کو ''عالم کباب'' کا نام دیا گیا (مستقبل کے مصلح موعود کے لیئے یہ نام مرزا غلام احمد کی وحی میں موجود ہے' مرزا محمود نے یہ دعویٰ ۱۹۴۴ء میں کیا) کرنل قیصرانی کے علاوہ میجر وقیع الزمان۔ (کمانڈر ثانی) میجر حمید احمد کلیم' میجر عبدالحمید' میجر عبداللہ مہر اور کپتان نعمت اللہ شریف کو بھی بٹالین میں اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

۱۔ میاں افتخار الدین کی تقاریر و بیانات' مرتب عبداللہ ملک' لاہور 1971ء ص 266۔

اس بٹالین نے باغسر محاذ سے دس جولائی ۱۹۴۸ء کو وادی سعد آباد کی طرف پیش قدمی شروع کی اور اس کے تقریباً دو میل چوڑے اور پانچ میل لمبے حصے پر جنگ بندی کے بعد قبضہ کرلیا۔ کشمیر کی اس جنگ کے دوران نو قادیانی مارے گئے(۱) جب جنگ جاری تھی تو مرزا محمود نے چند بااثر قادیانیوں کو لاہور بلایا تاکہ وادی کے اندر ایک تحریک شروع کی جاسکے۔ خلیفہ عبدالرحیم قادیانی مہاراجہ کشمیر کا سابقہ ہوم سیکرٹری تھا۔ اُس کا بیٹا خلیفہ عبدالمنان پیشے کے اعتبار سے انجینیئر تھا۔ اس کو لاہور بلا کر نصیحت کی گئی کہ وہ اس قادیانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے وادی میں کسی سے رابطہ قائم کرے۔ خلیفہ کہتا ہے۔

> ''اس کے بعد آپ (مرزا محمود) کہنے لگے۔ ''مجھے وادی میں ایک قابل اعتبار شخص چاہیئے جو کہ جنگ کی لائن پر فوجی کارروائیوں کے لیئے دستیاب ہو...... میں (عبدالمنان) نے فوراً کہا ''جی ہاں! حضرت صاحب، میرے ذہن میں ایک ایسا آدمی ہے مگر اس وقت وہ سری نگر میں ہے۔'' ''کیا وہ آسکتا ہے؟'' انہوں نے دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا ہاں مگر میرے پاس اس سے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے''۔ ''تم اسے خط لکھو اور میرے حوالے کردو''۔ میں نے اسے پیغام لکھا جو اسے سری نگر میں پہنچ گیا اور وہ فوراً بھیس بدل کر روانہ ہوگیا۔ کشمیر کی ایمرجنسی انتظامیہ نے اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کیئے ہوئے تھے۔ چند دنوں میں لاہور پہنچ کر وہ رتن باغ حاضر ہوگیا اور اپنے فرض منصبی پر کام شروع کردیا اور پھر سال ہا سال تک اس پر کام کرتا رہا۔''(۲)

فرقان بٹالین نے اپنی زیادہ تر سرگرمیوں کا مرکز وادی سعد آباد سیکٹر کو بنائے رکھا۔ یہ لڑاکا کی بجائے ایک جاسوسی فوج تھی۔ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے کشمیر کے معاملات میں قادیانیوں کے ملوث ہونے پر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری سردار آفتاب احمد نے کشمیر کی جنگ کے دوران قادیانیوں کے کردار کی مذمت کی اور انہیں جاسوسی کرنے اور سامراجیوں کا کھیل کھیلنے کا ذمہ دار قرار دیا۔(۳)

۱۔ ہفت روزہ ''لاہور''۔ لاہور 31 مارچ 1975ء اس کے علاوہ تاریخ احمدیت، جلد 2676۔

۲۔ خلیفہ عبدالمنان، کشمیر کی کہانی لاہور، 1970ء ص 120۔

۳۔ شمس العلماء، مفتی عتیق اللہ شاہ، مفتی اعظم پونچھ'' آزاد کشمیر میں مرزائیوں کے ہتھکنڈے'' ضمیمہ صادق، آزاد کشمیر۔ 5 جنوری 1951ء ص 16۔

ستائیس دسمبر ۱۹۵۰ء کو اپنے خطاب میں مرزا محمود نے بیان کیا۔

> ”مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری سردار آفتاب احمد نے الزام لگایا ہے کہ احمدیوں نے فرقان بٹالین کو کشمیر میں ایک سازش کے تحت لڑنے کے لیئے بھیجا ہے۔ انہوں نے ہندوستانی فوج کو خفیہ راز فراہم کیئے اور ان کی اطلاعات کی بناء پر دشمن کے جنگی جہازوں نے پاکستان کے اہم ٹھکانوں پر بمباری کی۔ پنجاب کے تمام اخبارات نے اس خبر کو شہ سرخیوں میں جگہ دی۔ ہم نے حکومت کو یہ شکایت کی کہ ”حکومت نے ہمیں دو سال تک کشمیر کے اندر رہنے کی اجازت کیوں دی؟“ حکومت نے سردار آفتاب سے بیان واپس لینے کو کہا اور وزارت کشمیر نے ایک مسوداتی بیان تیار کر کے اسے کراچی بھجوایا تا کہ پہلے بیان کی تردید کی جا سکے، مگر سردار آفتاب کا بیان ایک بگڑی شکل میں صرف راولپنڈی کے سب سے کم اشاعتی روزنامے ”تعمیر“ میں شائع ہوا۔ نومبر ۱۹۵۰ء میں کچھ دیر کے بعد مسئلہ کشمیر کے لیئے ثالثی کے لیئے آنے والے سر اوون ڈکسن مشن کی آمد پر سردار آفتاب نے پھر وہی الزامات دہرائے، اگرچہ اس وقت تک یہ رضا کار فوج کشمیر سے واپس بلائی جا چکی تھی۔“(۱)

سترہ جون ۱۹۵۰ء کو فرقان بٹالین کو ختم کر دیا گیا۔ پاکستانی فوج کے بریگیڈیئر کے ایم شیخ نے ایک تقریب میں بٹالین کے کمانڈران چیف کا فرقان فوج کی طرف پیغام پڑھ کر سنایا جو اس لیئے خاص طور پر منعقد کی گئی تھی۔

سترہ جون ۱۹۵۰ء کے پیغام میں جنرل گریسی کمانڈر ان چیف نے فرقان بٹالین کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ بدنام زمانہ جنرل ڈگلس گریسی کی طرف سے بٹالین کو بھجوائے گئے پیغام کا متن حسب ذیل ہے۔

> ”جون ۱۹۴۸ء میں کشمیر کی آزادی کے لیئے آپ کی رضا کارانہ پیشکش کو شکریئے کے ساتھ قبول کیا گیا اور فرقان بٹالین معرض وجود میں آئی۔ ۱۹۴۸ء کی گرمیوں میں تربیت کے تھوڑے عرصے کے بعد آپ میدان جنگ میں اپنی جگہ سنبھالنے کے لیئے تیار تھے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں آپ کو کمانڈر ایم اے ایل ایف کی زیر کمان دے دیا گیا۔

۱۔ مرزا محمود کا خطاب، مورخہ 27 دسمبر 1950ء شعبہ اشاعت ربوہ۔

آپ کی بٹالین خالصتاً رضا کاروں پر مشتمل تھی جو نوجوان کسانوں، طلباء، اساتذہ، کاروباری افراد اور زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل تھی۔ وہ تمام کے تمام پاکستان کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ آپ نے کوئی انعام قبول نہیں کیا اور اس رضا کارانہ قربانی کے لیئے کوئی تشہیر قبول نہ کی۔ آپ کا مقصد واقعی عظیم تھا۔

آپ نے ہم سب کو اپنے تعلیمی شوق اور اس جذبے سے متاثر کیا جو آپ اپنے ساتھ لائے تھے، آپ اور آپ کے افسروں نے بڑی جلدی ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا جو ایک نوخیز یونٹ کو درپیش ہوتی ہیں، کشمیر میں ایک اہم سیکٹر آپ کے سپرد کیا گیا اور جلد ہی آپ نے اس اعتماد کا اپنے آپ کو اہل ثابت کر دیا جو آپ پر کیا گیا تھا اور جنگ میں آپ نے دشمن کے شدید زمینی و فضائی حملوں کے باوجود ایک انچ تک پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔

آپ کے دونوں انفرادی اور اجتماعی رویئے اور آپ کا نظم و ضبط بلاشبہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔

اب چونکہ آپ کا مقصد پورا ہو چکا ہے اور آپ کی بٹالین کو ختم کرنے کے لیئے احکامات آ چکے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی ملک کی خاطر سرانجام دی گئی خدمات پر آپ سب کا شکریہ ادا کروں۔ خدا حافظ۔(۱)

بلوچستان

مرزا محمود نے پاکستان آ کر اپنے سیاسی نصب العین کو خفیہ نہیں رکھا۔ بائیس جولائی ۱۹۴۸ء کو وہ ایک سیاسی مقصد کی تکمیل کے لیئے بلوچستان گئے جہاں ایک خفیہ آزاد بلوچستان تحریک چل رہی تھی جس کو برطانیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ انہوں نے بلوچستان کو ایک قادیانی صوبہ بنانے کا اعلان کیا تاکہ اسے بیس بنا کر پاکستان کے دوسرے علاقوں میں سرایت کیا جائے۔

یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ”عظیم بلوچستان“ کا منصوبہ دوسری جنگ عظیم کے دوران محوری طاقتوں کے حامی عناصر نے تیار کیا تھا۔ ہٹلر ہندوستان پہنچ کر برطانوی

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد 6، ص 675۔

سامراج کو بڑا دھچکہ پہنچانا چاہتا تھا۔ بابو سبھاش چندر بوس کے ذریعے آزاد ہند فوج بنوا کر جرمنی نے عراق اور خلیج فارس کے ذریعے بلوچستان پہنچنے کی اشد ضرورت محسوس کی۔ یہ منصوبہ ریاست قلات میں تیار کیا گیا۔ عظیم تر بلوچستان کے منصوبے پر ایک کتاب بھی شائع کی گئی جس کی تمام کاپیاں انگریزوں نے ۱۹۴۲ء میں ضبط کر لیں۔(۱) دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی انگریزوں نے بلوچستان کی دفاعی اہمیت کی بناء پر اس کے معاملات میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی۔ کیونکہ یہ روسی توسیع پسندی کے خلاف فصیل ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیئے انہوں نے آزاد بلوچستان عناصر کی حوصلہ افزائی کی۔ کوئٹہ کا پولیٹکل ایجنٹ ڈی وائی فیل اور کانگریسی جماعت بلوچستان میں ایک سازش کو پروان چڑھا رہے تھے۔(۲) انگریز نے خان آف قلات کو برطانوی حمایت کا مکمل یقین دلایا اور اس کی ریاست کی نیپال کی طرح ایک آزاد حیثیت کو تسلیم کرنے کی حامی بھر لی۔ وہاں برطانوی دستے پچاس سال تک قیام کر سکتے تھے، جس طرح مصر میں کرتے رہے تھے۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیئے بلوچستان کے اسسٹنٹ گورنر جنرل کرنل جیفری پرائیر نے خان قلات کو ماؤنٹ بیٹن کا پیغام پہنچانے کے لیئے بلوچستان کا دورہ کیا۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ ''آزاد بلوچستان منصوبے'' کی حمایت حاصل کرنے کے لیئے ایک کل بلوچستان کانفرنس بلائی جائے۔ خان نے اس منصوبے سے قائداعظم کو آگاہ کر دیا انہوں نے فوراً ماؤنٹ بیٹن سے بات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسسٹنٹ گورنر جنرل جیفری کو مندرجہ ذیل خفیہ پیغام بھجوایا۔

> ''بلوچ کانفرنس روک دو۔ خان آف قلات بہت زیادہ ناقابل اعتبار شخص ہے۔''(۳)

ریاست قلات کے الحاق کے بارے میں امریکی مدبر ڈبلیو ولکاکس لکھتا ہے۔

> تقسیم کے وقت خان آف قلات نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تاکہ بلوچستان کے لیئے ایک آزاد خود مختار حیثیت حاصل کر لی جائے۔ جون ۱۹۴۷ء کے آخر میں بلوچستان کا شاہی جرگہ پہلے ہی پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ دے چکا تھا مگر ریاست قلات کے انضمام کا

۱۔ اردو ڈائجسٹ لاہور اکتوبر 1969ء۔

۲۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچستان میں تحریک پاکستان اسلام آباد ص36 تا 40۔

۳۔ اردو ڈائجسٹ لاہور اکتوبر 1969ء۔

> مسئلہ ابھی تک حل طلب تھا۔ انیس دسمبر ۱۹۴۷ء کو قلات کے وزیر خارجہ ڈی وائی فیل نے دیوان عام میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ تمام تر کوششوں کے باوجود ریاست کے الحاق پاکستان کے بارے میں کوئی معاہدہ طے نہیں پا سکا۔ جہاں تک ان کے مستقبل کے تعلقات کا معاملہ ہے قلات کی ریاست نے مواصلات اور خارجہ امور پاکستان کے حوالے کرنے کی تجویز پیش کی تھی مگر پاکستان ریاست کے غیر مشروط الحاق پر مصر تھا اور اس نے مکران اور لسبیلہ کے حکمرانوں کو بھی شہ دی کہ وہ قلات کے حکمران کی خود مختاری کو للکاریں“۔(۱)

پاکستان سے چند دن قبل خان آف قلات نے چند انگریزوں کو وزیر خارجہ کے طور پر اور اس کی فوجوں کی کمان کے لیئے ملازم رکھا۔ بارہ اگست ۱۹۴۹ء کو ”نیویارک ٹائمز“ نے یہ اطلاع دی کہ

> ”پاکستان نے قلات کو دوسری ہندوستانی ریاستوں سے مختلف حیثیت دے دی ہے۔ اس کو آزاد خود مختار ریاست تسلیم کر لیا ہے۔“

اگلے روز ”ٹائمز“ نے قلات اور مکران کے آزاد ریاستوں کے طور پر نقشے چھاپ دیئے۔ پندرہ اگست کو خان نے قلات کی آزادی کا دعویٰ کر دیا(۲) ڈگلس فیل وزیر خارجہ نے ریاست کے آزاد درجے کو قائم رکھنے کے لیئے برطانیہ سے رابطہ کیا اور خان کے بھائی اور چچا نے کابل سے مدد طلب کر لی۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں لیاقت علی خان نے پشاور میں قلات کے وزیر دفاع سے ملاقات کی۔ قائداعظم نے خان قلات سے اور دیگر سرداروں سے سبی شاہی جرگہ سے خطاب کے لیئے جاتے ہوئے ملاقات کی۔ پچیس فروری کو قلات کی قومی پارٹی نے ایک ”عدم الحاق بل“ تیار کیا جو ایوان عام میں پیش کیا گیا اور فیل امداد کی تلاش کے لیئے لندن چلا گیا۔ ڈان کراچی نے مندرجہ ذیل شہ سرخی لگائی۔

۱۔ الفضل لاہور 20 دسمبر 1947ء۔

۲۔ ڈبلیو ڈبلیو ول کاکس، پاکستان ریاست کا استحکام، امریکہ 1983ء ص 76۔

> ''خان قلات براہ راست انگریزوں سے تعلقات قائم کرے گا''۔ (۱)

نتیجۃً پاکستان نے بلوچستان میں فوج کشی کا فیصلہ کرلیا۔ مکران، خاران اور لسبیلہ کے الحاق کو تسلیم کرتے ہوئے قلات کو سمندر اور ایرانی سرحد سے جدا کر دیا۔ ستائیس مارچ ۱۹۴۸ء کو خان آف قلات نے پاکستان کے ساتھ غیر مشروط طور پر الحاق کا فیصلہ کرلیا۔

قلات کے الحاق کے بعد خان کے ایک رشتہ دار شہزادہ کریم کو مکران کی گورنری سے علیحدہ کر دیا گیا۔ وہ افغانستان بھاگ گیا تاکہ پاکستانی فوج کے ساتھ لڑنے کے لیئے افغان قبائلیوں کی ایک فوج بھرتی کر سکے۔ فیل اور اینڈرسن نے اس باغی رہنما کی معاونت کی اور خان قلات سے مالی امداد حاصل کی۔ سولہ جون کو کریم اور دوسرے باغیوں کو پاکستانی فوج نے گرفتار کرلیا۔ (۲) خان آف قلات نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں ایجنٹ برائے گورنر جنرل وزیر خارجہ اور کرنل ایس پی شاہ کو کالی بھیڑیں قرار دیا۔ جنھوں نے قلات کے پاکستان میں انضمام کی مخالفت کی۔ (۳) اس تمام سیاسی پس منظر میں مرزا محمود کی کوئٹہ کی جولائی ۱۹۴۸ء کی یاترا کی نوعیت کا با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی تقریر جو کہ بلوچستان میں احمدی ریاست کے قیام کے بارے میں تھی توجہ کی حامل ہے۔ (۴)

> ''برٹش بلوچستان' جواب پاکی بلوچستان ہے' کی کل آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے۔ یہ آبادی اگرچہ دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے مگر بوجہ ایک یونٹ ہونے کے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں جیسے افراد کی قیمت ہوتی ہے یونٹ کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کا کانسٹی ٹیوشن ہے۔ وہاں اسٹیٹس سینٹ کے لیئے اپنے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی اسٹیٹ کی آبادی دس کروڑ ہے یا ایک کروڑ ہے۔ سب اسٹیٹس کی طرف سے برابر ممبر لیئے جاتے ہیں' غرض پاکی بلوچستان کی آبادی پانچ چھ لاکھ ہے اور اگر ریاستی بلوچستان کو ملا لیا جائے تو اس کی آبادی دس لاکھ ہے لیکن چونکہ یہ ایک یونٹ ہے

۱۔ ڈان' کراچی' 28 فروری 1948ء۔

۲۔ ڈبلیو، ل کاکس۔ ''پاکستان'' امریکہ' 1963ء' ص 75 تا 81۔

۳۔ میر احمد یار ''اندرون بلوچستان'' رائل بک کمپنی' کراچی' 1975ء ص 156۔

۴۔ الفضل' لاہور' 13 اگست 1948ء۔

اس لیئے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زیادہ آبادی کو تو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلدی احمدی بنایا جا سکتا ہے...... یادرکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری (Base) مضبوط نہ ہو۔ پہلے بیس مضبوط ہو تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ بس پہلے اپنی (Base) مضبوط کرلو۔ کسی نہ کسی جگہ اپنی (Base) بنالو کسی ملک میں ہی بنا لو...... اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے"۔(۱)

مرزامحمود کا اعتراف:

منیر کمیٹی ۱۹۵۴ء نے مرزامحمود سے قادیانی ریاست کے بلوچستان میں قیام کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کیئے۔

سوال کیا آپ نے کوئٹہ میں اپنے جمعہ کے خطبہ کے دوران یہ تقریر (ExDE ۳۲۴) کی جو الفضل کے تیرہ اگست ۱۹۴۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی؟

مرزا:۔ ہاں بالکل!

سوال جب تم نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ استعمال کیئے تو اس سے تمہارے یہ کہنے کی نیت کیا تھی "یادرکھو! ہمارا تبلیغی مقصد کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمارے پاس مضبوط مرکز نہ ہو۔ تبلیغ کیلئے ایک مضبوط مرکز ناگزیر ہے۔"؟

مرزا یہ الفاظ تو اپنی تشریح خود کررہے ہیں۔

سوال جب تم نے یہ کہا "جب ہم یہ سارا صوبہ احمدی بنالیں گے تو کم ازکم ایک صوبے کو تو اپنا کہہ سکیں گے۔" اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

مرزا اس کی دو وجوہات تھیں۔

i) قلات کے موجودہ نواب کا دادا احمدی تھا (مرزامحمود نے اس کا ثبوت بھی دیا۔

۱۔ الفضل لاہور۔ 13 اگست 1948ء۔

انہوں نے ایک خط کی نقل شائع کی جو خان آف قلات کے دادا میر خداداد خان نے مورخہ گیارہ جون ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد کو لکھا تھا جس میں دعا کی درخواست کی گئی تھی۔ مرزا کے بارے میں اسے حسین بخش آف لورالائی سے پتا چلا تھا۔ (۱)

ii) بلوچستان ایک چھوٹا صوبہ ہے۔

سوال کیا آپ نے جمعہ کے خطبہ میں یہ الفاظ کہے جو الفضل مورخہ بائیس اکتوبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئے۔ (Ex.D.E- ۲۱۰)؟

''میں یہ جانتا ہوں کہ اب یہ صوبہ کبھی بھی ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا' یہ ہمارا شکار ضرور ہوگا۔ اگر دنیا کی تمام قومیں بھی متحد ہو جائیں تو اس خطے کو ہم سے نہیں چھین سکتیں۔''

مرزا ہاں بالکل! مگر اس کے لفظی معنوں پر نہیں جانا چاہیئے'' میں نے مستقبل کا حوالہ دیا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ چونکہ ایک احمدی اہلکار وہاں قتل ہوا تھا تو یہ صوبہ لازمی طور پر احمدیوں کا ہوگا''۔ (۲)

منیر رپورٹ میں مذکور ہے:

> ''اس سلسلے میں مرزا بشیر الدین محمود کی کوئٹہ والی تقریر جو الفضل میں تیرہ اگست ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی ہے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس میں اس نے اپنے ٹولے کو بلوچستان میں پروپیگنڈا مہم تیز کرنے کے لیئے کہا ہے تا کہ یہ صوبہ مستقبل کے اقدامات کے لیئے ایک بیس بن جائے اور ۱۹۵۱ء کے کرسمس کے موقع پر صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں ان کے خطاب پر جو سولہ جنوری ۱۹۵۲ء میں الفضل میں چھپا۔ اکتفا کیا جاتا ہے جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو بے صبری سے کہا کہ وہ اپنی ارتدادی کارروائیوں کو اور تیز اور شدید کر دیں' تا کہ جو لوگ اب تک ''کافر'' ہیں وہ احمدیت کے دائرہ میں ۱۹۵۲ء کے اواخر تک آ جائیں۔''

۱۔ مرزا محمود 'اسلامی نظریہ' ربوہ 1953ء) اس سے کسی طور پر بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میر خداداد خان احمدی تھا۔

۲۔ تحقیقاتی عدالت میں امام جماعت احمدیہ کا بیان' شعبہ اشاعت' ربوہ' ص 30۔

> گیارہ جنوری ۱۹۵۱ء میں الفضل میں چھپنے والے خطبے جس میں احمدیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ کسی ایک محکمے میں نہ مرتکز ہوں یعنی فوج میں بلکہ دیگر تمام محکموں میں ''پھیل جائیں'' کا بھی حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کئی احمدی اہلکاران نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی اطلاع اپنے صدر دفتر میں روانہ کی ہیں ان کا بھی حوالہ دیا گیا ہے''۔ (۱)

پنڈی سازش کیس

نو مارچ ۱۹۵۱ء کی نصف شب چیف آف جنرل سٹاف میجر جنرل اکبر خان، بریگیڈیئر ایم لطیف اور کچھ دیگر لوگوں کو ملک میں پر تشدد کارروائیوں کے ذریعے افراتفری پھیلانے اور اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کرنے پر گرفتار کرلیا گیا۔ ظفر اللہ کے ہم زلف میجر جنرل نذیر احمد قادیانی کو جو اس وقت امپیریل ڈیفنس کالج لندن میں ایک تربیتی کورس پر گیا ہوا تھا۔ واپس بلوا کر گرفتار کرلیا گیا۔

> ایک اشتراکی مصنف کے مطابق ''راولپنڈی سازش کا بے ہنگم سلسلہ پہلے سے عیاں تھا۔ اس کا سب سے بڑا محرک پاکستانی فوج کا چیف آف سٹاف میجر جنرل اکبر خان تھا۔ اکبر نے کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑی تھی اور محسوس کرتا تھا کہ سیاسی قیادت نے اسے دغا دیا ہے۔ وہ ایک ترقی پسند مصر کے صدر ناصر کا حامی اور سخت گیر خیال کیا جاتا تھا اور اس کے حامیوں میں قومی مہم جو اور فاشسٹ خیال رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ ننھی کیمونسٹ پارٹی آف پاکستان بھی اس ملغوبے میں شامل تھی۔ سجاد ظہیر نے مجھے (طارق علی کو) بتایا کہ جنرل اکبر سے میری ملاقات ایک کاک ٹیل تقریب میں ہوئی۔ وہاں جنرل نے موضوع سخن چھیڑ دیا اور منشور اور ممکنہ لائحہ عمل تیار کرنے کو کہا۔ کیمونسٹ پارٹی کی قیادت نے پیشکش قبول کر لی اور فوجی افسران کے ساتھ کئی اجلاس منعقد کیئے۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ منصوبے کو کچھ وقت کے لیئے موخر کر دیا جائے۔ مگر ایک سازش نے یہ خدشہ محسوس کرتے ہوئے کہ آخر کار حقیقت کھل جائے گی، مخبر بن کر سازش بے نقاب کر دی۔ فوجی افسران اور کیمونسٹوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ (۲)

۱۔ منیر رپورٹ ص 200۔

۲۔ طارق علی ''پاکستان، فوجی اقتدار یا عوامی حکومت'' جوناتھن کیپ لندن 1970ء ص 45۔

سازش کی یہ توجیہہ کہ ''چونکہ کشمیر میں پاکستانی فوج کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا گیا تھا اور جنگ بندی کی غلطی کی گئی تھی اس لیئے انہوں نے حکومت کا تختہ الٹنے کا فیصلہ کیا'' عموماً تسلیم نہیں کیا جاتا۔ (۱)

ظفر اللہ پوشنی اور ایئر کموڈور جنجوعہ جو اس سازش میں بذات خود ملوث تھے انہوں نے اسے مفروضہ قرار دیا ہے۔ ظفر اللہ پوشنی کے مطابق اصل مطمع نظر یہ تھا کہ اس حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے جو بدعنوان' اقربا پرور۔ نااہل اور برطانوی سامراجی اثر سے مغلوب اپاہج لوگوں پر مشتمل تھی۔ (۲) پنڈی سازش کیس کے ایک اور شریک کار بریگیڈیئر صدیق نے بعد میں انکشاف کیا کہ ظفر اللہ قادیانی نے سلامتی کونسل میں جنگ بندی کا عندیہ عین اس وقت (جنوری ۱۹۴۹ء میں) دیا جب بھارت کو کشمیر میں چند اہم کامیابیاں حاصل ہو چکی تھیں۔ ہم نے جنگ بندی قبول کر لی اور اپنی جنگ میں کامیابیوں کا کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہ کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ سکندر مرزا نے لیاقت کی مخالفت کی۔ وہ ایوب خاں کو کمانڈر انچیف کی وردی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ جو بہت اچھے دوست تھے۔ ایوب خاں کے فوجی اثر کے ذریعے اس نے اپنے مخالفین کو راہ سے ہٹا کر اقتدار حاصل کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ (۳)

اس سازش کا ایک دوسرا ظاہری مقصد یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک سوویت منصوبہ نہیں بلکہ برطانیہ کی محرکہ سازش تھی۔ (۴)

i) قادیانی برطانوی سامراج کے آلہ کار تھے اور کامیاب فوجی انقلاب میں ان کے مفادات مضمر تھے۔ اس لیئے انقلاب لانے والے فوجی افسران کیمونسٹ نہیں ہو

۱- ''حکایت'' لاہور میں ستمبر 1972ء میں میجر جنرل اکبر خان کے مضمون کا حوالہ' حسن عسکری رضوی۔ ''پاکستان میں فوج اور سیاست'' پراگریسو پبلیشرز' کراچی 1976ء ص 85۔

۲- دی آؤٹ لک' کراچی' 3 فروری 1973ء مزید دیکھیے اردو ڈائجسٹ لاہور میں کرنل ریٹائرڈ حسن خان کا ''پنڈی سازش کیس'' کے بارے میں مضمون' اکتوبر 1982ء۔

۳- ہفت روزہ ''حرمت 1-7 اپریل 1984ء' پنڈی سازش کیس پر تحقیقاتی رپورٹ' مزید دیکھیے' ڈیفنس جرنل میں دیا گیا میجر جنرل اکبر خاں کا انٹرویو' جون' جولائی 1985ء۔

۴- 1950ء کے اوائل میں پاکستانی فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹرز کا قبضہ سنبھالنے کے قادیانی شدت سے خواہشمند تھے' سنٹرل آرڈیننس ڈیپارٹمنٹ راولپنڈی کے اب مالی مشیر فضل محمود خان قادیانی نے 24 فروری 1949ء کو مرزا محمود کو ایک خط لکھا اور اپنے شیطانی منصوبے کے متعلق چند تجاویز پیش کیں' دیکھیے میر غلام نبی ناسک۔ ''مرزائیت کے ناپاک ارادے'' راولپنڈی 1951ء) یہ ایک معرکۃ الآرا ٹریکٹ تھا جس کی اشاعت کے بعد پر جوش احرار رہنما میر ناسک کو بڑے مصائب برداشت کرنے پڑے۔

سکتے، برطانیہ نواز ہو سکتے ہیں۔

(ii) برطانوی ہند کی کمیونسٹ پارٹی دوسری نو آبادی برطانوی جماعتوں کی طرح حکومت برطانیہ کی کم توجہی اور سیاسی لاپروائی کا حصہ ہو سکتی ہے نہ کہ "ماسکو کی تیار کردہ" پارٹی۔ مزید برآں کیمونسٹ پارٹی کے اندر ہمیشہ برطانوی خفیہ والوں کا ایک حصہ موجود رہتا تھا۔(۱)

(iii) ایک ایسے وقت میں جبکہ لیاقت علی بذات خود اپنے آپ کو امریکہ اور برطانیہ سے دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے ایک سوویت حمایت یافتہ سازش کا خیال بہت احمقانہ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے برطانیہ کو بتا دیا تھا کہ پاکستان کو معمولی نہ سمجھا جائے اور انہوں نے اس وقت کے امریکی منصوبے مڈل ایسٹ ڈیفنس آرگنائزیشن میں شمولیت کے لیئے تمام پیشکش اور دباؤ مسترد کر دیا تھا۔ دوسری طرف لیاقت علی کی معزولی پاکستان کو مغربی اتحادوں میں دھکیلنے کے مترادف تھی جن سے پاکستان کو نہ تو کبھی کوئی فائدہ ہوا نہ ہی پاکستان ان سے لاتعلق رہ سکا۔(۲)

یہ سب کچھ اس یقین دہانی کے لیئے ہے کہ یہ ایک برطانوی سازش تھی روسی نہ تھی۔ اور قادیانی اس میں پوری طرح ملوث تھے۔ آنے والے واقعات نے ہمارے موقف کی تائید کر دی۔ (سجاد ظہیر نے کتاب پنڈی سازش کیس میں تمام اہم ریکارڈ شائع کر دیا ہے)

لیاقت علی خان کا قتل:

چار سال کے عرصے میں ہی لیاقت علی خان کو کشمیر اور بلوچستان میں احمدی ریاست کے قیام کے بارے قادیانی پیش گوئیوں اور بیانات کا علم ہو گیا۔ اکھنڈ بھارت یا متحدہ ہندوستان

۱۔ ہندوستان کی کیمونسٹ پارٹی نے قومی تحریکوں کو تباہ کرنے کے لیئے دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کے ساتھ خفیہ ساز باز کی، ایک مشہور ہندوستانی مصنف ارون شوری نے کئی چونکا دینے والے حقائق پیش کیئے ہیں "السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا" کے چار شماروں 18 مارچ تا 18 اپریل 1984ء میں دستاویزی ثبوت کے ساتھ کیمونسٹ سامراجی گٹھ جوڑ کی 1940ء کی دہائی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

۲۔ امپیکٹ لندن 8، 21 اکتوبر 1982ء۔

کے بارے ان کی حکمت عملی اور خواہشات کے متعلق شناسائی کے بعد انہوں نے ایک خصوصی انٹیلی جنس سیل قائم کرنے کا حکم دیا تاکہ حساس عہدوں پر فائز قادیانیوں کی ایک فہرست تیار کی جاسکے اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاسکے۔(۱) اسی سال فوجی افسران کی سازش (پنڈی سازش کیس) پکڑی گئی جس کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ اگلے سال لیاقت علی خان کو دن دہاڑے قتل کر دیا گیا۔ قاتل کو بھی موقع پر ہی ڈھیر کر دیا گیا اور اس وقت سے لے کر اب تک یہ ایک ناقابل فہم معمہ بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لیاقت علی اپنی کابینہ میں وسیع پیمانے پر ردوبدل کرنے والے تھے۔ ایک یہودی اخبار ’’یروشلم پوسٹ‘‘ نے اپنے تیئس اکتوبر ۱۹۵۱ء کے شمارے میں لیاقت علی خان کے قتل پر ایک دلچسپ اداریہ لکھا اس نے پہلے گذشتہ مئی ۱۹۵۱ء میں کراچی میں ’’اتحاد اسلامی کانفرنس‘‘ کے انعقاد کی بات کی جس میں لیاقت علی خان نے مرحوم مفتی اعظم امین الحسینی کو اسکا سیکرٹری جنرل بنانے پر دستخط کیئے۔ اس لیئے ممکن ہے اس نے ایسا کر کے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہوں۔(۲) اخبار جو تاثر دینا چاہتا تھا وہ کچھ یوں ہے کہ ’’اگرچہ مفتی صاحب لیاقت علی خاں کے قتل میں براہ راست ملوث نہیں ہیں لیکن اس حیثیت کے آدمی کی حمایت نے مقامی مسلمان جوشیلوں کو ابھارا کہ وہ اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکیں‘‘۔(۳) تاہم اگر مفتی صاحب کے عقیدتمندوں کے ہاتھوں لیاقت علی خان کا قتل ہوتا تو بھی اخبار یروشلم پوسٹ یہ تبصرہ کیئے بغیر نہ رہ سکا ’’کہ قتل کے بعد اتنے آرام سے سیاسی تبدیلیاں ہوئیں اور حالات نے اس انداز سے جلدی میں پلٹا کھایا‘ جیسے کہ متوقع ہنگامی حالت کے لیئے پہلے سے منصوبہ بندی کی جاچکی ہو‘‘۔(۴)

اگست ۱۹۸۳ء میں ہماری تاریخ کے اس اہم سوال پر ممتاز دولتانہ نے چونکا دینے والے

۱۔ امپیکٹ انٹرنیشنل برطانیہ‘ 27 ستمبر ۱۹۷۴ء۔

۲۔ دی امپیکٹ لندن 8‘ 21 اکتوبر 1982ء۔

۳۔ جیمز سولمان وانسنٹ جو کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی کا ایک جاسوس تھا اس نے ہفت روزہ تکبیر کراچی کو ایک خصوصی انٹرویو میں بتایا کہ ایک جرمن مرتد کینزی نے لیاقت علی کو قتل کیا تھا سید اکبر جو کہ مبینہ قاتل سمجھا جاتا ہے وہ تو محض ایک دھوکہ تھا (جنگ لاہور‘ 9 مارچ 1986ء) کینزی نے قادیانیت قبول کی‘ عبدالشکور بنا‘ کوئٹہ میں سکونت اختیار کی اور شادی ربوہ میں کی ظفر اللہ قادیانی کے گھرانے کے ساتھ اس کے قریبی تعلقات تھے۔

۴۔ دی امپیکٹ لندن 8 تا 21 اکتوبر 1982ء۔

انکشافات کیئے، جب انہوں نے لیاقت علی خان کے قتل میں نواب مشتاق احمد گورمانی، جنرل محمد ایوب خاں، غلام محمد، چوہدری ظفر اللہ خاں (جو کہ لیاقت علی خان کے قتل کے وقت نیویارک میں تھا) اور سردار بہادر خاں کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے میاں ممتاز دولتانہ کہتے ہیں کہ لیاقت علی خاں غلام محمد کو کابینہ سے نکال کر سردار عبدالرب نشتر کو ڈپٹی وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے۔ وہ حسین شہید سہروردی کی وفاقی کابینہ میں نامزدگی اور ابراہیم اسماعیل چندریگر کو پنجاب کا گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

جب لیاقت علی خاں نے راولپنڈی میں منعقدہ سولہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے عوامی جلسہ میں اپنی ان انتظامی تبدیلیوں اور دیگر اہم امور کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا تو انہیں ایک لفظ بھی کہنے سے پہلے گولی مار دی گئی۔ سردار عبدالرب نشتر کو جب اس سانحہ کی اطلاع ملی تو وہ فوراً راولپنڈی پہنچے تو انہیں اس کمرہ میں داخل نہ ہونے دیا گیا، جس میں نام نہاد کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ حالانکہ وزیر اعظم کی وفات کے ساتھ یہ کابینہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ یہ وہ نام نہاد کابینہ کا اجلاس تھا جس میں غلام محمد کو گورنر جنرل نامزد کیا گیا اور خواجہ ناظم الدین کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ میاں ممتاز نے کہا کہ پوری مسلم لیگ اور اس کے سیکرٹری جنرل چوہدری محمد علی سردار عبدالرب نشتر کو نیا وزیر اعظم بنانے کے حق میں تھے مگر لیگ کے موقف پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ جو کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کے تصور کو پہلا دھچکا تھا۔ میاں صاحب کے مطابق اس وقت سردار عبدالرب نشتر نے بھی کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ تاریخ کے اس کڑے وقت میں کوئی سیاسی تنازعہ کھڑا کرنے کے حق میں نہ تھے اور میاں صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اپنے قتل کے دو یوم قبل چودہ اکتوبر کو پنجاب کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے میرے ساتھ انہوں نے اپنی انتظامی تبدیلیوں پر تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔(۱)

غیر حقیقت پسندانہ خارجہ حکمت عملی:

پاکستان ایک آزاد خارجہ حکمت عملی نہ اپنا سکا اور ظفر اللہ کی وجہ سے سامراجی مفادات

۱۔ روزنامہ مسلم 25 اگست 1983ء۔

کے ساتھ بندھا رہا۔ ہماری آزادی کے بعد ابتدائی سالوں میں پاکستان کے سوویت یونین کے ساتھ تعلقات کشیدہ اور سرد رہے۔ روس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لیئے پہلی سنجیدہ کوشش وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں کی گئی اور وہ بھی خلوص کی بجائے مسئلہ کشمیر پر مغربی قوتوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیئے کی گئی۔ ظفر اللہ نے روسی نائب وزیر خارجہ آندرے گرومیکو سے نیویارک میں سفیروں کے تبادلے کی تجویز پیش کی۔ مگر اس سے مغربی ممالک کے رویہ پر کوئی اثر نہیں پڑا کیونکہ پاکستان کے نمائندے نے اپنے سفارتی کاغذات ماسکو میں اکتیس دسمبر ۱۹۴۹ء کو پیش کیئے جبکہ اس کے روسی ہم منصب کی پاکستان میں آمد مارچ ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ تعلقات قائم کرنے کا دوسرا موقعہ اس وقت آیا جب ماسکو نے لیاقت علی خاں کو روس کے دورے کی دعوت دی مگر اپنے بااثر وزیر خارجہ کی وجہ سے وہ واشنگٹن دورے پر چلے گئے جو کہ سامراج کا آلہ کار اور پاکستان کو طویل عرصے سے مغربی بلاک میں شامل کرنے کے لیئے راستہ ہموار کر رہا تھا۔ دراصل وہ یورپ اور امریکہ میں اپنے قادیانی مراکز کھولنا چاہتا تھا تا کہ مرزا غلام احمد اور اس کے جانشین مرزا محمود کی پیش گوئیاں پوری کی جاسکیں۔(۱)

لندن میں تیس سالہ آئینی عرصے کی پابندی کے بعد خفیہ دستاویزات کے منظر عام پر آنے سے یہ انکشاف ہوا کہ سال ۱۹۴۹ء میں لیاقت علی کو روس کے دورے کی دعوت ملی۔ چین پہلے ہی اشتراکی (سرخ) ہو چکا تھا۔ روسی دعوت نے وائٹ ہال کو ہوشیار کر دیا اور کامن ویلتھ ریلیشنز آفس کے پاکستان ڈیسک میں برطانوی نمائندوں کے خطوط اور پاکستانی وغیر ملکی پریس کی اطلاعات کا سیلاب آ گیا۔ دستاویزات کی رو سے یہ سال ایک اور وجہ سے بھی اہم ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب دولت مشترکہ کے دفتر نے (ستمبر ۱۹۴۹ء میں) ہندوستان کی خارجہ حکمت عملی کا جائزہ تیار کیا، جس کے مطابق یہ برصغیر کی تقسیم پر رضامند نہ تھی اور نتیجے میں اس نے پاکستان کی مخالفت کی"۔(۲)

۱۔ نوائے وقت، لاہور، یکم فروری 1972ء

۲۔ ڈان، کراچی، یکم فروری 1985ء

ہندوستان کے رہنماؤں نے ماسکو کی کشش محسوس کی۔ نہرو نے پہلے اپنی بہن وجے لکشمی پنڈت کو بھیجا اور اس کے بعد کریملن ماسکو میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کو ہندوستانی نمائندے کے طور پر بھجوایا۔ نئی دہلی جون ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے وزیر اعظم کو روسی دورے کی دعوت نے غیر معمولی طور پر پریشان کر دیا۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ پاکستان کو ایک بڑی اسلامی مملکت کے طور پر خیال کر کے روسی شاید پورے مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں اور عربوں کے ایک سوویت حامی الحاق کی کوشش کریں گے۔

برطانیہ کا تجزیہ یہ تھا کہ پاکستان نہ تو اشتراکی گود میں چلا جائے نہ ہی ایسی پیشکش کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ انہوں نے امریکہ کو ترغیب دی کہ وہ لیاقت علی کو واشنگٹن آنے کی دعوت دے تاکہ ماسکو کے کسی بھی دورے کے ڈنگ کو نکالا جاسکے۔ دستاویزات سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ برطانوی کوششوں کی حمایت ایک غیر متوقع جگہ سے ہوئی۔ قبل اس کے کہ دفتر خارجہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے رسمی رابطہ کرتا مسٹر غلام محمد نے جو کہ پاکستان کا وزیر خزانہ تھا اور اس وقت واشنگٹن میں تھا اس نے برطانیہ کے ہاتھوں سے معاملہ لے کر یہ تجویز پیش کی کہ پاکستانی وزیر اعظم کے دورہ واشنگٹن کے خیال کی حمایت کی جائے۔ اس دورے کی دعوت ڈپٹی سیکرٹری ریاست جارج میگلکھی نے دی جو دسمبر ۱۹۴۹ء میں کراچی کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ واشنگٹن میں برطانوی سفارت خانے نے بعد ازاں دفتر خارجہ کو آخر نومبر میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے موصولہ خفیہ اطلاع کی بناء پر یہ رپورٹ دی۔

> ”دستاویزی انکشافات کے مطابق کامن ویلتھ ریلیشنز کے سیکرٹری نوئل بیکر نے ۱۴ٹلی کو (چودہ جون کو) بتایا کہ برطانوی حمایت کے جذبات کو ابھارا جائے۔ اس کے لیئے کشمیر میں رائے شماری میں تاخیر کی جائے۔ بیکر نے دفتر خارجہ کو بھی نصیحت کی کہ وہ کشمیر کے مسئلے میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ کر کے اور ”ہندوپاک اقوام متحدہ کمیشن“ میں اکثریتی ووٹ کے حصول کی کوشش کرے تاکہ ثالثی کے اصول تسلیم کر لیئے جائیں“۔

دستاویزات میں مذکور ہے کہ بعد ازاں ایسا ہی کیا گیا۔ لیاقت علی خان کا ماسکو کا دورہ کبھی

نہ ہو سکا' کیوں؟ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں نے کراچی میں امریکی سفارت خانے کے ایک استقبالیے میں یہ واضح طور پر کہا کہ روس نے دعوت دی۔ ہم نے مان لی۔ اب پاکستان نے اگلا قدم روس پر چھوڑ دیا ہے۔ اس بات کی رپورٹ پاکستان میں برطانوی ہائی کمشنر گریفیٹی سمتھ نے اکیس جولائی کو لندن کو بھجوائی۔ اس نے ظفر اللہ کے اس بیان کا حوالہ دیا کہ

> ''انہوں نے ہمیں کہا ہے۔ ہم نے قبول کر لیا ہے۔ اب اگلا قدم ان پر ہے۔ جس کی تحریک روسیوں نے ظاہری طور پر نہ کی''۔(۱)

جنگ کوریا

پاکستان نے امریکی اتحادی کے طور پر کوریا کے بحران پر امریکی حکمت عملی کی بھرپور حمایت کی بلکہ پاکستان کی فوج کا ایک بریگیڈ بھجوانے کی پیشکش کی جسے امریکہ نے جدید ہتھیاروں سے مسلح کرنے کی پیشکش کی تھی۔ مزید برآں پاکستان نے نہ صرف جاپانی امن معاہدے پہ دستخط کر دیئے بلکہ کانفرنس کے ایوان میں اسکی مکمل حمایت کی۔ اس کڑے وقت میں پاکستان کی بے لوث مدد نے امریکیوں کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا۔(۲)

دو سال بعد ڈلز نے بطور سیکرٹری آف سٹیٹ پاکستان کی گندم کیلئے درخواست کی یہ کہتے ہوئے حمایت کی کہ جاپانی امن معاہدے کے کڑے وقت میں روس نے اس معاہدے کو یہ رنگ دینے کی کوشش تھی کہ ''یہ جاپان پر امریکہ کی سربراہی میں چند مغربی قوتوں کی طرف سے مسلط کیا جا رہا ہے'' اور اس مشکل وقت میں پاکستان نے اسکی قیادت مہیا کی جس کی وجہ سے ایشیائی ممالک کی ایک معتدبہ تعداد شریک ہوئی''۔(۳)

۱۔ ڈان' کراچی' یکم فروری 1986ء۔

۲۔ ظفر اللہ کہتے ہیں کہ کانفرنس کی صدارت سیکرٹری آف سٹیٹ ڈین ایکی سن نے کی اور جان فاسٹر ڈلز جس نے معاہدے کے لیئے مذاکرات کیئے تھے اور امریکہ کی جانب سے اس کا انچارج تھا اس نے اس کا بھرپور شکریہ ادا کیا۔ (سروسنٹ آف گاڈ ص 176۔

۳۔ پاکستان گندم ہاؤ ریں کمیٹی برائے زراعت و جنگلات کے روبرو سماعت کی ایوانی اطلاع صفحات 5659 تا 5661' پندرہ جون 1953ء ص 8 اور 9۔

چین

پاکستان نے ۱۹۵۰ء میں عوامی جمہوریہ چین کی اقوام متحدہ میں نمائندگی کے حق میں ووٹ دیا مگر اس کے بعد ۱۹۶۰ء تک اقوام متحدہ میں چین کی نشست کے التواء کے لیئے امریکی پیش کردہ قراردادوں کی حمایت کی(۱) مرزا محمود اپنے الہامات رویاء اور خوابوں کی خفیہ زبان میں اشارہ دیتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ حکومت پاکستان نے ایک بیان میں ظفر اللہ کو شاندار خراج تحسین پیش کیا ہے جس کے باعث پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت مستحکم ہوئی ہے۔ یہ واضح ہو رہا تھا کہ اقوام متحدہ، امریکی یا برطانوی حلقوں میں ہندوستان اہمیت حاصل کرنے ہی والا تھا کیونکہ اس نے روس کا چین میں اثر روک دیا تھا مگر اسی وقت ظفر اللہ نے اپنی خدمات پیش کر دیں اور واضح کیا کہ یہ خدمت تو پاکستان بھی سرانجام دے سکتا تھا۔(۲)

مسلمان ریاستیں

پاکستان نے انڈونیشیا۔ لیبیا۔ اری ٹیریا اور صومالی لینڈ کی آزادی کی بھرپور حمایت کی مگر ان ریاستوں میں سے کسی نے بھی پاکستان کے ساتھ ثقافتی کے علاوہ کوئی تعلقات نہ رکھے۔(۳) ہمارے برطانیہ نواز سیاسی رویوں کی وجہ سے دیگر مسلم ریاستوں کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات افسوسناک ہی رہے۔ جب ۱۹۵۱ء کے موسم گرما و خزاں میں ایران۔ پھر مصر اور پھر عراق، برطانیہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو پاکستان کو بڑی خفت کا سامنا پڑا۔ اس نے ان ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کی پالیسی اپنا رکھی تھی، مگر بیک وقت اس کے فوری اقدامات ان ممالک کے مفادات کے خلاف تھے۔ ایران نے برطانیہ کے تیل کے حقوق منسوخ کر دیئے اس سے پاکستان کو تیل کی بہم رسانی خطرے میں پڑ گئی۔ مصر نے برطانیہ

۱۔ پاکستانی فارن پالیسی عملی ہندوستانی مطمح نظر، مرتب کے عارف۔ دینگارڈ بک لمیٹڈ لاہور، ص 81۔

۲۔ الفضل ربوہ، 25 جنوری 1950ء اور الہامات ص 294۔

۳۔ ایضاً ابن برادن ص 352۔

سے نہر سویز کے معاہدے کو توڑنے کی کوششیں کی اس سے پاکستان کی مغرب سے تجارت کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ مزید یہ کہ پاکستان اقوام متحدہ میں بھارت کے خلاف برطانوی مدد کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں فریقوں کو راضی رکھنے کی کوشش کی۔(۱)

سولہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو مصری پارلیمان نے یک طرفہ طور پر برطانوی' مصری معاہدہ ۱۹۳۶ء کو منسوخ کر دیا اور شاہ فاروق نے بادشاہت سنبھال لی۔ مصر میں ہر طرف ایک شادمانی کا سا سماں تھا۔ اخبارات نے دعوے کیئے کہ "سلطان اور عوام نے برطانوی سامراج کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالا ہے۔" اسماعیلیہ اور پورٹ سعید میں برطانیہ مخالف مظاہرے پھوٹ پڑے اور مصری گوریلا دستوں اور برطانوی فوج کے درمیان نومبر ۱۹۵۱ء سے جنوری ۱۹۵۲ء تک مسلح تصادم ہوئے۔ وفد حکومت برطانوی دستوں کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیئے تیار نہ تھی۔ ستائیس جنوری ۱۹۵۲ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور شاہ فاروق نے نحاس پاشا کی حکومت ختم کر دی۔ اگلے چھ ماہ میں چار وزراء اعظم بنائے گئے۔ بائیس جولائی ۱۹۵۲ء کو آزاد افسران نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔(۲)

فروری ۱۹۵۲ء میں جب مصر میں برطانیہ مخالف مہم جاری تھی' ظفر اللہ نے لندن سے واپسی پر قاہرہ کا ایک دوستانہ دورہ کیا۔ مصری قوم پرستوں نے اس پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے یوں محسوس کیا کہ "برطانوی وزیر اعظم کا ایک ایلچی شاہ فاروق کو یہ ترغیب دینے آیا ہے کہ نہر سویز کی بیس پر مکروہ سامراجی صورتحال جوں کی توں برقرار رکھی جائے اور برطانوی اخراج نہ کیا جائے"۔

ظفر اللہ نے شاہ فاروق اور وزیر اعظم علی مہر پاشا سے ملاقاتیں کیں۔ اس کی آمد کے فوراً بعد مفتی مصر الشیخ حسنین محمد مخلوف نے ایک فتویٰ جاری کر کے قادیانی کفر کو بے نقاب کیا۔ ظفر اللہ کو ایک کافر قرار دے کر اس کی مذمت کی گئی اور عرب ریاستوں اور اسلام کے استحکام کے خلاف احمدیہ تحریک کے شرمناک کردار پر بھرپور تنقید کی گئی۔ عرب پریس نے اسے وسیع

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ڈیرک ہاپ ووڈ' "مصر"۔ ایلن اور انون' امریکہ' 1985ء ص 33۔

پیمانے پر تشہیر دی۔ ظفر اللہ کی ان سرگرمیوں کا نتیجہ اسلامی دنیا سے ہمارے تعلقات کے بگاڑ کی شکل میں برآمد ہوا۔ کچھ عرب ممالک نے پاکستان کی مغرب نواز حکمت عملی پر افسوس کا اظہار کیا اور عرب قوم پرستی کے حوالے سے تنقید کی۔ ظفر اللہ نے بطور پاکستانی وزیر خارجہ قاہرہ میں پاکستانی سفیر سے کہا کہ وہ اس فتویٰ کے خلاف حکومت مصر سے سرکاری طور پر احتجاج کرے۔ مصری وزیر اعظم نجیب ہلالی یہ معاملہ شاہ فاروق کے علم میں لائے اور استدعا کی کہ وہ اس کے خلاف ایک بیان پر دستخط کر دیں لیکن شاہ نے صاف انکار کر دیا۔ تاریخ احمدیت کہتی ہے کہ اس بات پر ہلالی نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا (اٹھائیس جون ۱۹۵۲ء)⁽¹⁾ مرزا محمود نے روزنامہ "الیوم" قاہرہ کو خط لکھا جس میں احمدی عقائد کی وضاحت کی گئی۔ انہوں نے اپنی قادیان واپسی کی پیش گوئی کی وضاحت کی جسے اخبار نے یوں قرار دیا کہ یہ ہندوستان پر ایک حملے کے بعد وقوع پذیر ہو گی۔ انہوں نے مصری اور عرب پریس کو استدعا کی کہ وہ پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے فروغ کے لیئے کام کرے۔⁽²⁾

ظفر اللہ نے دعویٰ کیا کہ وہ نہر سویز سے برطانوی فوجوں کے انخلاء کے مسئلے پر برطانوی سیکرٹری آف سٹیٹ برائے امور خارجہ انتھونی ایڈن سے ملا اور ان سے سویز سے برطانوی افواج کے انخلاء پر بات کی۔ اس نے متعدد بار قاہرہ اور لندن کا دورہ کیا تا کہ پیش آمد دشواریوں کو دور کیا جا سکے۔ قاہرہ میں امریکی سفیر کیفرے اس کی معاونت پر رضامند تھا اور یہ معاونت بڑی مفید ثابت ہوئی۔ ایڈن نے ظفر اللہ کی برطانوی وزیر اعظم چرچل کے ساتھ ملاقات کا بھی اہتمام کیا۔ قبل اس کے کہ ظفر اللہ چرچل سے مل سکتا۔ سویز میں برطانوی فوجوں کے کماندار برائن رابرٹسن نے اس کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی۔ جنرل رابرٹسن نے ظفر اللہ پر واضح کیا کہ سویز میں برطانوی فوجوں کی موجودگی اپنی حیثیت کھو چکی ہے لہذا اسے واپس چلا جانا چاہیئے۔ مزید برآں مصر میں انقلاب عوامی جدوجہد کے نتیجے میں بپا ہوا ہے۔ لہٰذا اسے برقرار رہنا چاہیئے۔

۱۔ تاریخ احمدیت، جلد 17، ص 307۔

۲۔ مرزا محمود کا "الیوم" کو خط۔ مصر، شائع کردہ انجمن ترقی اسلام ربوہ، جولائی 1952ء۔

ظفر اللہ برطانوی وزیراعظم چرچل سے ملا اور مسئلہ سویز پر اس کے ساتھ گفتگو کی۔ اس کا ردعمل مثبت تھا۔ آخرکار برطانوی فوجوں کے مصر سے انخلاء کا ایک معاہدہ ہوگیا جو کہ مصر کے انقلابی حکام کے ساتھ طے کیا گیا۔ ظفر اللہ کا یہ دعویٰ ہے کہ جمال عبدالناصر نے اس معاملے میں اس کی خدمات کو پسند کیا اور ذہن میں رکھا۔(۱) حالانکہ ان کی یہ سرگرمی اپنے پرانے برطانوی آقاؤں کے حق میں تھی۔ برطانیہ نے مصریوں کے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف معاہدات کیئے‘ پہلا معاہدہ ستائیس جولائی ۱۹۵۴ء کو ہوا۔ مصری فوجوں کے لیئے یہ ایک نعمت ثابت ہوا جو اس وقت ایک سول عسکری حزب مخالف اخوان المسلمون کے ساتھ برتری کی جنگ لڑ رہی تھیں۔ اگرچہ اب تک اس نے مصر کو برطانیہ کے ساتھ ایک قسم کے عسکری معاہدہ میں باندھ رکھا تھا مگر عام مصری نکتہ نظر یہ تھا کہ سامراج پر یہ مصر کی بڑی فتح ہے۔ جو کہ ملک میں تقریباً چہتر سال سے برطانوی فوجوں کی موجودگی کے خاتمے سے ہوئی۔ تیرہ جون کو برطانوی دستے پورٹ سعید سے چلے گئے۔ اور وہاں پر بحریہ کے دفتر میں جمال عبدالناصر نے اٹھارہ جون کو رسمی طور پر مصری پرچم کشائی کی۔(۲)

صیہونیوں کا حاشیہ بردار

> ظفر اللہ کا یہ یقین تھا کہ اسرائیل کی صیہونی ریاست ایک حقیقت ہے
> اور یہ وجود میں آ چکی ہے چاہے ہم اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں۔
> پاکستان ٹائمز میں ایک دلچسپ خط شائع ہوا۔(۳)

اقوام متحدہ کے ایوانوں میں اسرائیلی مندوبین کے ساتھ ظفر اللہ کو مختلف سیاسی مسائل پر بحث کا موقع ملا۔ ہندوستان کے صیہونی بمبئی سے ایک ماہانہ رسالہ ''ہندوستان اور اسرائیل''

۱۔ ظفر اللہ سرونٹ آف گاڈ ص 186۔

۲۔ پی۔ جے واٹیکولس۔ ''جدید تاریخ مصر'' لندن 1976ء ص 90‘389۔

۳۔ ''حال ہی میں کراچی میں ایک سوال کے جواب میں پاکستان کے وزیر خارجہ محمد ظفر اللہ خاں نے کہا کہ ایک حقیقت پسند کے طور پر اسے یہ بات ماننا پڑے گی' چاہے کسی کا اس مسئلے پر کوئی نکتہ نظر ہو کہ حقیقت میں اسرائیل کی ریاست وجود میں آ چکی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر اللہ ''تسلیم شدہ حقیقت کو جانتا ہے۔ وزیر موصوف کی اس منطق سے عیاں ہے کہ اگر مسلمانوں سے کوئی علاقہ زبردستی چھین لیا جائے تو اس پر خاموش ہو جانا چاہیئے۔
پاکستان ٹائمز' 30 جون 1949ء سید غلام سرور (گجرات) کا خط۔

نکالتے تھے۔ اس کا مدیر ''ڈبلیو ایف پولاک'' اور نائب مدیر ایچ ای شیبلم تھے۔ پولاک مہاتما گاندھی کا قریبی دوست تھا۔ وہ ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے لیئے اسرائیل کا ٹریڈ کمشنر بھی تھا۔ اس اخبار کا مقصد ہندوستان اور اسرائیل کے مابین دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا تھا۔ اس نے ظفر اللہ کا اے ابان کے ساتھ فوٹو شائع کیا جو کہ اقوام متحدہ میں اسرائیل کا مستقل مندوب تھا۔ ظفر اللہ کو اس میں دوستانہ ماحول میں بات چیت کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا ان تصاویر کے نیچے اخبار نے مندرجہ ذیل سطور چھاپیں۔

> ''اگر چہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان ابھی تک سفارتی تعلقات قائم نہیں ہوئے ہیں لیکن اقوام متحدہ نے دونوں ممالک کے سفارتکاروں کو ایک خیر سگالی پلیٹ فارم فراہم کیا ہے جس پر یہ دونوں ممالک پر اثر انداز میں ایشیائی مسائل پر تبادلہ خیال کر سکتے ہیں''۔(۱)

---

[1] ہندوستان اور اسرائیل، بمبئی جون 1958ء۔

اٹھارواں باب:

تحریک ختم نبوت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ قادیانیوں نے اپنے مرکز قوت کو قادیان سے سرگودھا کے قریب ربوہ میں منتقل کرلیا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ربوہ کو ''ویٹی کن'' جیسی خصوصی حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہ ایک ''ریاست در ریاست'' تھی جس کے سامراجیوں کے ساتھ مضبوط روابط کے ساتھ ساتھ صیہونی اسرائیل کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ قادیانیوں کی تمام منصوبہ بندیاں، رابطے اور انتظامات ربوہ سے ہی ہوتے تھے۔ انتظامیہ میں ان کے اثر کی بناء پر کسی حکومت نے سنجیدگی سے ان کی سیاسی سرگرمیوں کو نہ چھیڑا تھا۔

اپنے نظریئے کے ایک حصے کے طور پر قادیانیوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انسانی کمزوریوں کا فائدہ اٹھایا۔ معصوم اذہان کو انتشار کا شکار کیا اور انہیں جعلی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ جب آزادی کے ابتدائی ایام میں پاکستان اپنی بقاء کے لیئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا تو سامراج کا یہ نیا ایڈیشن افسر شاہی۔ مسلح افواج اور دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی جڑوں میں بیٹھنے کی تیاریاں کرر ہے تھے۔ ان اداروں کی کلیدی اسامیوں پر قبضے کے بعد اپنے ماتحتوں کو احمدی بنانے کی کوششوں میں لگے رہے۔ یہ خالصتاً خدا اور انسان کے درمیان مذہبی معاملہ نہ تھا اور نہ ہی یہ قائداعظم کی پالیسی کے مطابق تھا۔ یہ ''شدھی'' کی طرح کی ایک منظم اور اجتماعی تحریک تھی یہ ایک طرح کا استحصال۔ جارحیت اور مذہبی استداد تھا۔ سیکولرازم کے پرچارک یا ''روشن خیال جمہوری سلطنتیں'' نہ تو ایسے جارحانہ عزائم رکھتی ہیں اور نہ ان پر دھیان دیتی ہیں۔ نتیجۃً قادیانیوں کو عوامی اذہان کے ساتھ کھل کھیلنے کا بلا روک ٹوک موقع مل گیا۔ انہیں خوب سیاسی اثر ونفوذ حاصل ہوگیا جس سے وہ ہر ایسے شخص یا تنظیم کو شکست دینے کے قابل ہوگئے جو ان کے منصوبوں یا خواہشات کے خلاف کام کرے۔(۱)

۱۔ دی مسلم اسلام آباد 27 مئی 1984۔

لیاقت علی کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا اور ایک سابق افسر شاہی کا رکن غلام محمد پاکستان کا گورنر جنرل بن گیا۔ سیاسی قیادت میں یہ تبدیلی ایسے وقت میں رونما ہوئی جب چار سالہ ریشہ دوانیوں کے بعد سیاسی ربط اور جذبات حقائق پر غالب آ گئے تھے اور پاکستان میں بے چینی کے اثرات نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آئین کی ابھی تشکیل نہ ہوئی تھی۔ آئین ساز اسمبلی علاقائی دھڑے بندیوں کا اکھاڑہ بن چکی تھی۔ صوبوں اور مرکز کے مابین ٹھن چکی تھی اور صوبے آپس میں بھی دست و گریبان تھے۔ معیشت روبہ زوال تھی کیونکہ کوریائی جنگ کے حالات سرد پڑنے شروع ہو چکے تھے۔ غذا کی قلت تھی۔ با اثر سیاسی جماعت کے طور پر مسلم لیگ اپنا اثر کھوتی جا رہی تھی اور سیاستدان خصوصاً پنجاب میں سازشوں اور یورشوں میں مصروف تھے۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی اور ہر طرف بے یقینی کی صورتحال طاری تھی۔ آباد کاری اور مسئلہ کشمیر کے سوال پر کوئی قابل ذکر کامیابی نہ حاصل ہوئی تھی اور ہندوستان کے ساتھ نہری پانی کا مسئلہ پاکستان کی سلامتی پر سایہ فگن ہونا شروع ہو گیا تھا۔ (۲)

پاکستان کی نوزائیدہ ریاست میں مرزا محمود کے سیاسی کردار پر پاکستان کے عوام کے اندر بددلی پھیلتی جا رہی تھی۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ریاست کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیئے قادیانی سامراجیوں کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ قادیانیوں کی کشمیر اور بلوچستان کے بارے میں سازشوں اور ''پنڈی سازش کیس'' میں ان کے ملوث ہونے سے ان کے مستقبل کے تمام سیاسی منصوبے افشاء ہو چکے تھے۔ یہ بھی یقین کیا جا رہا تھا کہ قادیانی بہر طور سے لیاقت علی خان کے قتل میں ملوث تھے جو ان کے خفیہ منصوبوں کو جان چکے تھے اور اپنی کابینہ میں ردو بدل کرنے والے تھے۔ لوگ ظفر اللہ کے برطانوی سامراجی وفادار نوکر ہونے کے کردار کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس کی مجوزہ خارجہ حکمت عملی کو حقیقت پسندانہ قرار دیتے تھے۔ جب اسے حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ اور اقوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلہ کی وکالت کے لیئے بھیجا گیا تو اس نے دونوں جگہ مسلمانوں سے دغا کیا۔ اسکی بے کار لفاظی نے

ا۔ ڈی پی سنگھل پاکستان ص 80۔

سوائے کشمیری مسلمانوں کو مصائب اور اس مسئلہ کو سرد خانے میں ڈالنے کے کچھ نہ دیا۔

تحریک کی ابتداء

احمدیوں کے خلاف تحریک نے ابتدائی شکل تو ۱۹۴۸ء کے وسط میں پکڑ لی تھی مگر اپنے عروج کو ۱۹۵۳ء میں پہنچی۔ قیام پاکستان کے ایک سال بعد مرزا محمود نے مغربی پاکستان میں رابطہ مہم شروع کی۔ جب وہ کوئٹہ پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے ایک مرید کو جو کہ ایک فوجی افسر تھا مار دیا گیا ہے۔(۱) گیارہ اگست ۱۹۴۸ء کو مسلم ریلوے ایمپلائیز ایسوسی ایشن نے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ علماء نے مجمع کو ختم نبوت کے موضوع سے روشناس کرایا۔ جلسہ گاہ میں میجر محمود قادیانی مشکوک حالت میں گھومتا پھرتا پایا گیا۔ جلسہ کے منتظمین فوراً خبردار ہو گئے اور قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کرتا اسے ہلاک کر دیا گیا۔

چند ماہ کے اندر اندر تمام مکاتب فکر کے علماء نے ربوہ کے خلاف مہم شروع کر دی۔ ان کے خطابات کا سب سے بڑا موضوع یہ تھا کہ مرزا غلام احمد ایک برطانوی آلہ کار تھا اور اسے استحکام اسلامی میں دراڑیں ڈالنے کے لیئے تیار کیا گیا تھا۔ اسلامی مملکت پاکستان میں قادیانیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ تقسیم سے قبل مرزا محمود نے اپنے پیروکاروں کو بتا دیا تھا کہ پاکستان معرض وجود میں نہیں آئے گا اور اگر ایسی کوئی ریاست بن بھی گئی تو احمدی منقسم شدہ ملک کے دوبارہ اتحاد کی کوششیں کریں گے۔ ظفر اللہ ملک سے مخلص نہیں ہے لہٰذا اسے نکالا جائے۔ قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ چند علماء تو اس انتہا تک بھی چلے گئے کہ قادیانیوں کو سنگسار کر دیا جائے جو کہ مرتدین کی سزا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں لکھے گئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے کتابچے ''الشہاب'' کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے زور دیا تھا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔(۲)

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 12 ص 321۔

۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ''الشہاب'' مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور 1953ء۔

تحریک ختم نبوت کے بڑے رہنماؤں میں سے مجلس احرار اسلام کے رہنما پیش پیش تھے۔ تقسیم سے پہلے مجلس احرار کا زیادہ سیاسی رجحان کانگریس کی جانب تھا۔ تاہم بارہ جنوری ۱۹۴۹ء کو دفاع کانفرنس لاہور کے بعد انہوں نے اپنی تمام سیاسی سرگرمیوں کو ختم کرنے اور آئندہ اپنے آپ کو صرف اور صرف مذہبی سرگرمیوں تک محدود رکھنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی معاملات میں وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں مجلس احرار نے متذکرہ بالا مشہور مطالبات کے حق میں کئی کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ قادیانیوں نے اس ہر دلعزیز تحریک احتجاج پر خاص توجہ نہ دی جو بعد میں کئی معاملات پر نازک موڑ اختیار کر گئی۔ قادیانی مبلغین کو جوتے مارے گئے اور ان کے جلسوں کو الٹا دیا گیا۔ اس کے باوجود پاکستان کے بڑے شہروں میں انہوں نے اپنے اجلاس جاری رکھے۔

۱۹۵۱ء میں پنجاب میں انتخابات منعقد ہوئے۔ احرار کے ساتھ کیئے گئے معاہدہ کے برخلاف مسلم لیگ نے چند احمدیوں کو بھی ٹکٹ دے دیا لیکن تمام کے تمام ہار گئے۔ (۱) جس پر احرار نے یوم تشکر منایا۔

سترہ اور اٹھارہ مئی ۱۹۵۲ء کو انجمن احمدیہ کراچی نے ایک عوامی احتجاج کا اعلان کیا۔ سب سے بڑا مقرر ظفر اللہ تھا۔ اس اجتماع سے چند دن قبل خواجہ ناظم الدین نے ظفر اللہ کے ایک متنازعہ جلسہ میں شرکت پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔ ظفر اللہ نے خواجہ ناظم الدین پر واضح کر دیا کہ وہ انجمن احمدیہ کے ساتھ مخلص ہے اور اگر اسے کچھ دن پہلے کہہ دیا جاتا تو وہ اس اجلاس میں شرکت سے اجتناب کر لیتا اور اب وہ اپنے اس اخلاص کی بناء پر اس جلسہ میں تقریر کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہے اور اگر وزیر اعظم نے شرکت نہ کرنے کا اصرار جاری رکھا تو وہ استعفیٰ دے دے گا۔ (۲)

ظفر اللہ نے کراچی میں اس جلسہ سے خطاب کیا اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"احمدیت وہ پودا ہے جسے خدا نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے اور یہ پودا اس قدر جڑیں پکڑ

۱۔ کے کے عزیز، پارٹی پالیٹکس ان پاکستان، اسلام آباد 1976ء ص 162۔

۲۔ منیر رپورٹ ص 75۔

> چکا ہے کہ جس سے اسلام کے تحفظ کی وہ ضمانت مہیا ہو گئی ہے جس کا وعدہ قرآن میں ہے کہ اگر اس پودے کو ختم کر دیا گیا تو اسلام مزید زندہ نہ رہ سکے گا بلکہ اس سوکھے سوئے درخت کی طرح ہو جائے گا جس کی دوسرے مذاہب پر کوئی قابل ذکر بالادستی نہیں ہوگی"۔(۱)

اس اجلاس کے انعقاد پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور کراچی اور پنجاب میں زبردست مظاہرے شروع ہو گئے۔

کراچی کے واقعہ پر قومی پریس نے ملا جلا ردعمل ظاہر کیا۔(۲) تاہم تبلیغ کے اس جارحانہ انداز نے کشیدگی میں اور اضافہ کیا جس سے قادیانی مخالف تحریک میں اور شدت پیدا ہو گئی۔ ظفر اللہ کی تقریر کے بعد ایک کل جماعتی مسلم کانفرنس کا کراچی میں انعقاد ہوا اور چار مطالبات پیش کیئے گئے۔

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ کے عہدہ سے برطرف کیا جائے۔ احمدیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے اور ان مطالبات کو منوانے کی خاطر پاکستان کی تمام اسلامی جماعتوں کا کنونشن طلب کیا جائے۔

مجلس عمل:

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زیر صدارت ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور ان کی زیر سرکردگی ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جس نے کنونشن کے اگلے اجلاس کے انتظامات سرانجام دینا تھے۔ اہم رہنماؤں پر مشتمل ایک کونسل تشکیل دی گئی۔ اس میں اکابر علماء بھی شامل تھے جو اس بورڈ کے اراکین تھے جو پاکستان کے آئینی اسمبلی کی مشاورت کے لیئے بنایا گیا تھا۔ مجلس عمل علماء جولائی ۱۹۵۲ء میں تشکیل دی گئی جس کا کام مطالبات کی منظوری کے لیئے لائحہ عمل ترتیب دینا تھا۔ یہ علماء تین مارچ ۱۹۵۰ء کو پاکستان کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے بھی مل چکے تھے تا کہ انہیں قادیانی مسئلے کی نزاکت سے آگاہ کیا جا سکے۔ انہیں قاضی احسان احمد شجاع

۱۔ منیر رپورٹ ص 76' مزید تاریخ احمدیت جلد 15 ص 123۔
۲۔ التبلیغ ربوہ 21 جون 1952ء۔

آبادی نے جو کہ احراری رہنما تھے مطالعے کے لیئے قادیانی لٹریچر بھی پیش کیا- ناظم الدین اسے پڑھ کر ششدر رہ گئے-(۱)

حکومت اس مسئلے کو اپنی بدتدبیری سے الجھا رہی تھی اور چند رعایات دے کر علماء کو خاموش کرنے کی کوشش کر رہی تھی- مشہور مصنف بائنڈر نے خواجہ ناظم الدین کے رویئے کا تجزیہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے-

> ''ناظم الدین نے اگرچہ یہ فوراً ہی اتفاق کر لیا تھا کہ احمدی مرتد ہیں اور شاید وہ یہ اتفاق بھی کر لیتا کہ یہ غیر مسلم ہیں اگر وہ آئینی طور پر ایسا کرنے کے قابل ہوتا- اگرچہ وہ اس سے بھی متفق تھا کہ حکومت کو احمدیوں کے مسئلے پر سختی نہیں کرنی چاہیئے' مگر وہ علماء کی بے چینی پر بھی خوش نہیں تھا- چنانچہ وزیراعظم نے چیدہ چیدہ علماء کو اپنے گھر میں بلایا اور اس مسئلے پر ان کے ساتھ تفصیلی گفت وشنید کی- اس نے امید کا اظہار کیا کہ دوسرے معاملات میں دی گئی رعایتوں کو علماء اس کے بدلے میں قبول کر لیں گے- اس نے کراچی اور لاہور کے علماء کو تقسیم کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف کرنے کی بھی کوشش کی- علماء کی دو تنظیموں کے اختلافات کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی- تعلیمات بورڈ اور انتہا پسند علماء کے مابین تفریق سے بھی مطلب براری کرنی چاہی- اس پورے تنازعے کے دوران ڈان اخبار جو کہ خواجہ ناظم الدین کا سرگرم حامی تھا نے اپنے اداریوں کو ان علماء کی خبروں سے بھرے رکھا جو ان پر تنقید کی وجہ سے اسے مطعون کر رہے تھے اور اپنے اخبار کی زیادہ جگہ کو جدید ترین رجحانات سے لبریز کیئے ہوئے تھا''-(۲)

جولائی ۱۹۵۲ء میں پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد نے جس میں ''الفرقان ربوہ'' کا مدیر اللہ دتہ جالندھری- عبدالرحیم درد- جلال دین شمس- شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ اور عبدالرحمان خادم شامل تھے- لاہور میں سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ملاقات کی- مولانا مودودی نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنے عقائد کے فطری نتیجے یعنی غیر مسلم حیثیت کو قبول کر لیں- ان قادیانی زعماء کا

۱- دیکھیئے منیر رپورٹ' ص 125-

۲- دیکھیئے ڈان' 11 جولائی 15 اگست- 1' 21' 24 ستمبر 1952ء

صرف یہی مقصد تھا کہ اس ملاقات کو اپنے مذموم مقاصد کے لیئے استعمال کیا جائے۔ مولانا مودودی کو ان کی بدنیتی کا مکمل علم تھا۔ انہوں نے اپنا انٹرویو صرف اس شرط پر دیا تھا کہ اسے شائع نہیں کیا جائے گا۔(۱)

پھر قادیانی وفد وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا۔ وہاں سردار عبدالرب نشتر۔ نواب مشتاق احمد گورمانی اور فضل الرحمٰن بنگالی بھی موجود تھے۔ ختم نبوت پر ان کے موقف اور ان کے مطالبات کے نتائج بھی ان پر واضح کیئے گئے۔ وہ وزیر اعظم کو قائل نہ کر سکے۔

چونکہ اعلیٰ نوکر شاہی کے حلقوں تک قادیانیوں کی رسائی انتہائی آسان تھی لہٰذا انہوں نے احرار کے خلاف مہم بڑی شدومد سے شروع کر دی۔ یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ احرار کا سیاسی ماضی مشکوک ہے اور وہ پاکستان کے مخالف اور کانگریس نواز عناصر ہیں۔ احمدیہ مخالف تحریک کو ایک سیاسی داؤ قرار دیا گیا جس کا مقصد صرف اور صرف بدامنی پھیلانا اور برصغیر کی تقسیم کو ختم کرنا تھا۔ اس کے برعکس قادیانیوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ پاکستان کے حامی ہیں اور یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لے کر کانگریس اور انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ جیتی ہے۔(۲)

پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے حساس مسئلے پر قادیانیوں کا خیال تھا کہ اس وقت کے پاکستان میں جاری حالات میں اسلامی آئین کا نفاذ بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے لیئے ماحول سازگار نہیں تھا اور علماء نے اس مسئلہ پر زمین ہموار نہیں کی تھی۔(۳)

مرزا محمود کی خفت:

ختم نبوت کی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیئے مرزا محمود نے ''لندن ڈیلی میل'' کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ

> ''میں پوری طرح قائل ہوں کہ موجودہ احمدیہ مخالف احتجاج کے پیچھے ہندوستان کا خفیہ ہاتھ

۱۔ الفرقان ربوہ نومبر 1970ء مزید دیکھئے تاریخ احمدیت جلد 15 ص 274۔

۲۔ الفرقان ربوہ فروری، مارچ، اپریل 1953ء۔

۳۔ الفرقان ربوہ اکتوبر 1953ء۔

> ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے اس بات کے مثبت ثبوت ان کے پاس موجود ہیں اور وہ انہیں مناسب وقت پر مناسب حکام کے سامنے پیش کرنے کو تیار ہیں۔(۱)

جب اس بات کا پر زور مطالبہ ہو رہا تھا کہ ان مثبت ثبوت کو عوام کے سامنے لائیں تو انہوں نے بجائے ثبوت پیش کرنے کے جسے وہ یقیناً نہیں کر سکتے تھے سول اور ملٹری گزٹ لاہور کو ایک وضاحت جاری کر دی۔

> ''آپ کے (بائیس جولائی ۱۹۵۲ء کے) شمارے میں میرے ایک انٹرویو کے بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ انٹرویو کرنے والے میاں محمد شفیع (م۔ ش) انتہائی تجربہ کار اور دیانتدار آدمی ہیں انہوں نے کسی طرح یہ تاثر لے لیا کہ ہمارے پاس اس بات کا پہلے سے پکا ثبوت موجود ہے کہ احرار ہندوستان سے مدد لے رہے ہیں۔ میرے کہنے کا دراصل مقصد یہ تھا کہ مجھے چند لوگوں نے اطلاع دی تھی کہ ان کے پاس یہ ثبوت ہے کہ احرار کو سرحد پار سے امداد مل رہی ہے مگر یہ کہ میرے پاس کوئی حتمی قوت نہیں ہے کہ میں اس کی تصدیق کر سکوں۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے پاس اہم اشارات ہیں کہ چند احراری کارکنان چند ہندوستانی جماعتوں سے امداد لے رہے تھے اور ہم ان اشارات کی کھوج پر تھے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم اہم نتائج پر پہنچ جائیں گے تو ہم انہیں مناسب وقت پر مناسب حکام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ بدقسمتی سے میں اپنے موقف کو واضح طور ظاہر نہیں کر پایا اور دو چیزیں آپس میں خلط ملط ہو گئیں''۔(۲)

قادیان بے نقاب:

احمدیہ مخالف تحریک جلد ہی زور پکڑ گئی۔ عوام کے ہر دلعزیز مطالبات کے لیئے پورے ملک میں مظاہرے اور جلسے ہونے شروع ہو گئے۔ حکومت نے تحریک کچلنے کے لیئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں مگر بے سود۔ پنجاب میں دولتانہ حکومت اس وقت ہل کر رہ گئی جب مجلس عمل

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 15 اپنڈکس۔
۲۔ تاریخ احمدیت جلد 15 اپنڈکس۔

نے راست اقدام کا فیصلہ کرلیا اور وزیر اعظم کو مطالبات تسلیم کرنے کی آخری تاریخ کا نوٹس دے دیا گیا۔ جماعت اسلامی ان مطالبات کی حمایت میں ہر ممکنہ اقدام کررہی تھی۔(۱)

اگرچہ جماعت اسلامی پاکستان کے آئینی مسائل کے حل کے لیئے زیادہ سرگرم عمل تھی اور اوائل ۱۹۵۲ء سے اسلامی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کررہی تھی۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کے ساتھ ہی قادیانیوں کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا تھا۔ مولانا مودودی یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ قادیانیوں کے خلاف تحریک ان کی نفاذ اسلام کی کوششوں کو پیچھے ڈال دے۔(۲)

مولانا مودودی نے مسلمانوں کے مطالبات اور ان کی توجیہہ کے لیئے ''قادیانی مسئلہ'' نامی کتابچہ لکھا۔ انہوں نے احمدیہ تحریک کے سیاسی و مذہبی مقاصد کو واضح طور پر بے نقاب کیا۔ اپنے پرزور دلائل کی بناء پر ان کو بڑی پذیرائی ملی۔ قادیانی جماعت کے لاہوری ترجمان نے اس اہم مسئلہ کا جواب دینے کی احمقانہ کوشش کی مگر یہ الٹ پڑا۔(۳) مولانا مودودی نے یہ واضح کیا کہ

> ''قادیانی مسئلہ اس لیئے نہیں اٹھ کھڑا ہوا کہ مسلمان اپنی رجعت پسندی یا جنون کی رو میں بہہ کر کسی گروہ کو ملت سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ قادیانیت جس کی ابتداء مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیح موعود اور نبوت پر رکھی گئی' ان مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ جو ان کے دعاوی پر ایمان نہیں لاتے۔ مرزا غلام احمد اور ان کے پیروکاروں کی تحریروں کی بناء پر انہوں نے ثابت کیا کہ احمدیت ایک علیحدہ مذہب ہے اور احمدی سامراج کے پٹھو اور جاسوس ہیں جن کے ذمے لگایا گیا ہے کہ وہ سامراجی راج کے خلاف مسلمانوں کی مزاحمت کو کمزور کردیں اور اس کے وجود کی ابتداء سے ہی اس کا سب سے بڑا مقصد سامراجی مفادات کو پروان چڑھانا ہے۔ اب وہ پاکستان میں ایک سامراجی قوت کی تشکیل کے لیئے کام کررہے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے درست طور پر ۱۹۳۵ء میں انگریزوں سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ انہیں غیر مسلم

۱۔ مولانا مودودی کا انٹرویو' بیان کراچی' 11' 26 مارچ 1973ء مزید دیکھیئے کلیم بہادر ''پاکستان کی جماعت اسلامی'' پراگرایسو بک لمیٹڈ' لاہور 1983ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ جماعت احمدیہ لاہور ''قادیانی مسئلہ کا جواب'' طارق پرنٹنگ ایجنسی لاہور' 1953ء۔

اقلیت قرار دے ڈالے۔ لیکن یہ مذہبی اور سماجی طور پر علیحدہ رہتے ہوئے بھی مذہبی طور پر دائرہ اسلام میں رہنے کے لیئے متجسس ہیں کیونکہ وہ اس لبادے میں رہ کر ہی ملازمتوں میں اپنا حصہ وصول کر سکتے ہیں۔“

مولانا مودودی نے مزید کہا کہ

”ظفر اللہ کے دفتر خارجہ سے نکالے جانے والے مطالبہ کی صرف یہ وجہ نہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کو وزیر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ ظفر اللہ نے ہمیشہ اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر قادیانی تحریک کو پروان چڑھانے اور اسے ترقی دینے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کی تقسیم سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد اس نے اپنی حیثیت کا زیادہ سرگرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر قادیانیت کے مفادات کے لیئے کام کیا ہے۔ چنانچہ اس کی سرکاری حیثیت مسلمانوں کے لیئے ایک مستقل شکایت کا باعث ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ظفر اللہ کابینہ میں نہ ہوتا تو امریکہ ہمیں گندم کا ایک دانہ بھی نہ دیتا۔ (امریکی حلقوں نے کمال ہوشیاری سے ایک قحط کی سی صورتحال پیدا کر دی اور سی آئی اے کی مدد سے پریس میں ایسی مہم چلائی گئی کہ خوراک کی قلت کے باعث پاکستان میں قحط آیا کہ آیا اس سے ذخیرہ اندوزی کے رجحان میں اضافہ ہوا اور خوراک کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ ناظم الدین حکومت نے مایوس ہو کر امریکہ سے مدد کی بھیک مانگی مگر حکومت امریکہ کی جانب سے خوراک کی امداد کا وعدہ تک نہ کیا گیا حتیٰ کہ اپریل ۱۹۵۳ء میں ناظم الدین حکومت کو ختم کر دیا گیا بعد میں ایک ہفتے کے اندر اندر امریکہ کا خوراک کی فراہمی کا وعدہ آ گیا۔ مگر امریکہ کی طرف سے دراصل خوراک کی ترسیل اس وقت تک نہ ہوئی جب اگلے سال کی شاندار فصل نہ آ گئی۔ قحط کا ہوا کھڑا کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ خوراک کی صورتحال زیادہ خراب نہ ہو اور یہ سال اسی طرح چلتا رہا حتیٰ کہ اگلے سال کی فصل آ گئی اور پاکستان کو اس کی وعدہ کی گئی خوراک نہ پہنچی“۔ (۱)

میں (مولانا مودودی) کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے۔ اس سے بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایک امریکی پٹھو وزارت امور خارجہ کو چلا رہا ہے اور

۱۔ مدیران حسن گردیزی اور جمیل رشید ڈیکارڈ بکس لمیٹڈ لاہور 1983ء۔

ہماری خارجہ حکمت عملی دس لاکھ ٹن غلے کے ہاتھوں گروی پڑی ہوئی ہے۔ تو اس حالت میں ہمیں امریکہ کی سیاسی غلامی کی بیڑیاں کاٹ پھینکنے کے لیئے قادیانی تحریک کو اپنے مطالبے کی بنیاد بنانے کی بجائے ظفر اللہ قادیانی کی برطرفی پر زور دینا چاہیئے۔(۱)

مارشل لاء

مارچ کے ابتدائی ایام میں عوامی تحریک اس زور سے ابھری کہ اس نے سول حکومت کو ناکارہ کر کے رکھ دیا۔(۲) تمام سرکردہ علماء کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس کڑے وقت میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ نے ایک بیان جاری کیا جو حقیقی طور پر مطالبوں کی تائید میں تھا کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور قادیانی رہنماؤں مثلاً ظفر اللہ وغیرہ کو برطرف کر دیا جائے۔ اگرچہ جسٹس منیر نے اسے میکیاولی سیاست کا ایک نمونہ قرار دیا مگر یہ قادیانیوں کے لیئے کسی بم سے کم نہ تھا۔ اُسی روز یعنی چھ مارچ ۱۹۵۲ء کو پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور تحریک کو کچلنے کے لیئے فوج بلالی گئی۔ یہ نفاذ مئی ۱۹۵۳ء تک رہا۔

ظفر اللہ قادیانی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ناظم الدین کو پیشکش کی تھی کہ وہ استعفیٰ دینے کو تیار ہے اگر یہ اس کے لیئے کسی بھی طور مفید ہو مگر ناظم الدین نہ مانا۔ پھر وہ اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لیئے امریکہ چلا گیا جہاں اسے ناظم الدین کی طرف سے برقی پیغام موصول ہوا کہ وہ یوم راست اقدام سے قبل پاکستان واپس نہ آئے۔ پنجاب کے گورنر ابراہیم اسماعیل چندریگر اور وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ نے یہ پیش بینی کی تھی کہ امن و امان کے حوالے سے صورتحال مزید خراب ہو جائے گی۔ گورنر نے وزیر اعلیٰ کو فون کیا کہ لاہور میں صورتحال اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ کئی عوامی اداروں کا کنٹرول عوام نے براہ راست اپنے

۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی "قادیانی مسئلہ" اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور 1979ء ص 82۔

۲۔ ظفر اللہ قادیانی کا یہ دعویٰ ہے کہ ان معاملات میں مشرقی پاکستان نے ذرہ بھر دلچسپی ظاہر نہیں کی حتیٰ کہ مغربی پاکستان میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے الگ تھلگ رہے یہ ایک غلط دعویٰ ہے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے کل پاکستان اجلاس میں لیگ کی کونسل کو ایک مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے' مگر لیگ نہ مانی' دیکھیں تاریخ احمدیت جلد 15 ص 350۔

ہاتھ میں لے لیا ہے۔ کابینہ نے سیکرٹری دفاع سکندر مرزا سے پوچھا کہ وہ جنرل اعظم خاں سے فوری رابطہ کر کے دریافت کرے کہ آیا وہ شہر میں امن و امان بحال کر سکتا ہے یا نہیں' اعظم نے بتایا کہ اگر اسے ایسا کرنے کو کہا گیا تو وہ ایک گھنٹے میں امن و امان بحال کر دے گا اور اس نے ایسا کر بھی دکھایا۔(۱)

مارشل لاء کے نفاذ میں بدنام زمانہ سکندر مرزا نے جو کچھ کیا وہ بالکل عجیب ہے۔ اس نے جنرل آفیسر کمانڈنگ اعظم خاں کو مارشل لاء نافذ کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں وزیراعظم کی ضروری اجازت اور مرکزی کابینہ سے بھی اجازت نہ لی جو کہ اس وقت چھ مارچ ۱۹۵۳ء کو برسر اجلاس تھی۔ جب فوجی کارروائی شروع ہوئی تو پھر اسے روکنا مشکل تھا۔

ختم نبوت کی تحریک کے دوران قادیانیوں نے بہت مکروہ کھیل کھیلا۔(۲)

انہوں نے چند بے ضمیر صحافیوں۔ بیوروکریٹ۔ وکلاء اور سیکولر عناصر کو ہزاروں روپے خرچ کر کے خرید لیا تاکہ اس عوامی ہر دلعزیز تحریک پر جوابی وار کیا جا سکے۔(۳) سامراجی قوتوں نے پاکستان کی نوکر شاہی میں موجود اپنے گماشتوں کے ذریعے ان کی بھرپور پشت پناہی کی۔ صیہونی لابی اور یہودیت نواز غیر ملکی پریس نے احمدیہ موقف کی پرزور حمایت کی اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ ظفر اللہ نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے ذریعے پاکستانی صاحبان اقتدار پر شدید دباؤ ڈلوایا کہ وہ قادیانی مخالف عوامی تحریک کو بے رحمانہ طریقے سے کچل دیں۔

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد فوجی عدالتیں قائم ہو گئیں' اور شہر کو فوج کے انتظامی اختیار میں دے دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ کے علاوہ کئی علماء کو گرفتار کر لیا گیا۔ سید مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ یہاں پر پھر ایک بار فوجی حکام اپنے چارٹر سے انحراف کر گئے جو صرف امن و امان کی

۱۔ ظفر اللہ تحدیث نعمت' ص 585 اور سرونٹ آف گاڈ ص 199۔

۲۔ شورش کاشمیری "تحریک ختم نبوت" لاہور' قادیانی موقف کے لیئے ملاحظہ ہو' ملک فضل حسین 'فسادات 1953ء کا پس منظر' لائلپور 1957ء اور تاریخ احمدیت جلد 15۔

۳۔ دیکھیں التبلیغ ربوہ کے 1950ء سے لے کر 1952ء تک کے شمارے قادیانیت کی لاہوری شاخ کے موقف کے بارے میں چوہدری محمد حسین چیمہ ایڈووکیٹ گجرات (جو کہ صوبہ پنجاب کی ضلعی مسلم لیگ کا رکن بھی تھا) "موجودہ ایجی ٹیشن پر ایک تبصرہ" لاہور 1962ء۔

بحالی کا تھا۔ پوری قوم نے اس کی مذمت کی اور وزیراعظم نے بھی اس پر غم و غصے کا اظہار کیا۔ عرب دنیا کی طرف سے بھی بڑا سخت ردعمل سامنے آیا۔ گورنر جنرل پاکستان کو مجبور کیا گیا کہ وہ سزائے موت کو عمر قید میں بدل دے۔ مولانا مودودیؒ نے رحم کی اپیل نہ کی بلکہ اپنے مقدر پر مطمئن رہے۔

یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو مارشل لاء کی خلاف ورزی کرنے اور تشدد کے الزام میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل مرزا ناصر احمد اور مرزا شریف احمد کو آٹھ دیگر قادیانیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا مگر اٹھائیس مئی ۱۹۵۳ء کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اسلحہ و گولہ بارود کی برآمدگی کے لیئے ربوہ چھاپہ مارا۔(1) مرزا محمود اتنے سادے نہیں تھے کہ وہ ربوہ میں اسلحہ کا ذخیرہ کرتے' وہ ایک اور ہی کھیل کھیلنے کے چکروں میں تھے۔

ڈیفنس جرنل کے مدیر بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اے آر صدیقی نے بڑے مناسب انداز میں ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کے حالات کا تجزیہ کیا ہے اور نہایت متعلقہ سوالات پوچھے ہیں۔

اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سکندر مرزا نے بذات خود جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل اعظم خان کو وزیراعظم کی لازمی اجازت حاصل کیئے بغیر مارشل لاء نافذ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مزید یہ کہ مارشل لاء کے نفاذ کا واحد مقصد پنجاب میں امن و امان کی بحالی تھا جسے اس کے نفاذ یعنی چھ مارچ ۱۹۵۳ء کے پندرہ دن بعد تک حاصل کر لیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ سترہ مئی تک نافذ رہا تھا کہ کچھ دیگر سیاسی فوائد بھی حاصل کیئے جا سکیں جن میں وزیراعظم کی برطرفی اور اس کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال سے نبرد آزما ہونا بھی تھا۔

مارشل لاء انتظامیہ نے واضح طور پر اپنے اختیارات سے تجاوز کیا۔ پریس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ سخت سنسر شپ عائد کر دی گئی۔ کئی اخبارات بند کر دیئے گئے اور ان کے مدیروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اب تک یہ بات واضح نہ تھی کہ مارشل لاء نے کیوں ہر طرح کے کاموں کو اپنے شکنجے میں لے لیا۔ ان میں کردار سازی۔ سماجی و تعلیمی اصلاحات اور روزمرہ صحت و صفائی کے معاملات شامل تھے۔ بہت سے چھوٹے فوجی افسران اپنے اختیارات

۱۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور 2 اپریل 1953ء۔

سے تجاوز اور بدتہذیبی میں ملوث پائے گئے جنہیں یا تو نظر انداز کر دیا گیا یا معمولی تنبیہ کے بعد چھوڑ دیا گیا۔

مولانا مودودیؒ اور مولانا عبدالستار نیازی کو فوجی عدالت سے سزائے موت کا حکم مارشل لاء کی حدود سے سراسر تجاوز تھا۔ یہ ایک مذموم فعل تھا جسے کوئی قانونی جواز حاصل نہ تھا اور اس سے قوم دہشت زدہ اور وزیراعظم سخت برہم ہوا تھا۔ فوج کو پہلی دفعہ سول انتظامیہ کی ”مٹھاس“ کا مزہ چکھنے کو ملا۔ اسے قومی بحران میں اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا اور بعد میں بھی قومی سیاست و معاملات میں اپنا کردار ادا کرنے کا شوق پیدا ہوا۔“(۱)

مارشل لاء انتظامیہ کو چیف آف جنرل سٹاف جنرل احیاء الدین جو ایک پکا قادیانی تھا کی ذات سے بڑی حوصلہ افزائی ملی۔ وہ اس تحریک کو کچلنے کے لیئے سخت تشدد کا استعمال کرنے کے حق میں تھا۔ وہ وزیر خاں مسجد لاہور سے احتجاجی مظاہرین کو ”صاف“ کرنے کے حق میں تھا، جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد میں بند کر لیا تھا۔ مگر اس منصوبہ کو وسیع تر سیاسی عواقب کی بناء پر ختم کر دیا گیا۔ میجر جنرل احیاء الدین قومی معاملات پر بڑی تنگ نظری کا حامل تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ احمدیہ جماعت کو ہر قیمت پر تحفظ دیا جائے۔(۲)

تحقیقاتی عدالت:

پنجاب کی بدامنی کی وجوہات جاننے کے لیئے ایک تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی۔ چیف جسٹس محمد منیر اور جسٹس رستم کیانی نے اپنی بدنام رپورٹ شائع کر دی۔ مرزا محمود تحقیقاتی عدالت کے سامنے تیرہ سے پندرہ جنوری ۱۹۵۴ء کو پیش ہوئے اور اپنی شہادت قلمبند کرائی۔(۳) اس سے قبل دو جولائی ۱۹۵۳ء کو عدالت کے سامنے ایک تحریری بیان جمع کرایا جو کہ صدر انجمن احمدیہ کی جانب سے تھا۔(۴) جس میں مذہبی و سیاسی معاملات پر قادیانی نکتہ نظر

۱۔ دی نیشن لاہور 23 ستمبر 1987ء۔

۲۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) امراؤ خاں۔ ”ایک جرنیل کی سرگزشت“ لاہور 1985ء ص 92۔

۳۔ تحقیقاتی عدالت میں امام جماعت احمدیہ کی شہادت: سعید آرٹس پریس حیدرآباد۔

۴۔ مرزا محمود احمد اسلامی نظریہ حیات“ الشرکتہ الاسلامیہ ربوہ 1954ء۔

کی وضاحت کی گئی تھی۔ عدالت نے قادیانیت اور اسلام کے سات بڑے اختلافات کے بارے میں بھی سوالات پوچھے۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیلوں نے انتیس اگست ۱۹۵۳ء کو اپنے جوابات داخل عدالت کرائے۔(۱)

عدالت کے سامنے اپنی شہادت میں مرزا محمود نے اصل حقیقت حال اور قادیانی عقائد کو جھوٹی تفصیلات اور مسخ شدہ توجیہات کے پردے میں پیش کیا۔ انہوں نے عدالت کو دھوکہ میں رکھنے کی شاطرانہ کوشش کی۔ ۱۹۱۴ء میں قادیانی گدی سنبھالنے کے بعد وہ متواتر یہی کہہ رہے تھے کہ مرزا غلام احمد حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کی طرح (نعوذ باللہ) سچا پیغمبر تھا۔ غیر احمدی کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ کوئی احمدی روزانہ کی نمازوں میں مسلمان کے ساتھ نہیں مل سکتا نہ ہی ان کی نماز جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے اور قرآن میں ''احمد'' کے نام سے مطلب غلام احمد قادیانی تھا۔ وغیرہ وغیرہ(۲) مگر عدالت کے سامنے انہوں نے ایک مختلف انداز اختیار کیا اور ججوں کو دغا دینے کے لیئے مصالحتی رویہ اختیار کیا۔ لوگوں نے ان کے اس رویئے پر بہت اظہار افسوس کیا وہ ایک دم نچلی سطح پر آ گئے تھے اور وہ موقف اختیار کر لیا تھا جو ایک عرصے سے جماعت لاہور نے اختیار کیا ہوا تھا۔(۳) قادیانی جماعت کے کسی فرد کو یہ جسارت نہ ہوئی کہ وہ اپنے 'الوالعزم' خلیفہ المسیح کی مصلحت کوش اور بے ضمیری پر سوال کرتا اور پوچھتا کہ اگر جماعت احمدیہ قادیان کا یہی مسلک ہے تو لاہور جماعت کو چالیس سال سب و شتم کا نشانہ کیوں بنایا گیا۔ مختصراً مرزا محمود اپنے بہت سے عقائد و نظریات میں لچک پیدا کر کے اپنے آپ کو بچانے میں لگ گئے۔ قادیانی موقف پر ایک لاہوری احمدی نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔(۴)

مولانا مودودیؒ نے تحقیقاتی عدالت میں اپنے دوسرے بیان میں مرزا محمود کے بیان پر تنقید کی۔ انہوں نے کہا

۱۔ عدالتی تحقیقات کے سات سوالات کے جوابات' دار التجلید' لاہور۔

۲۔ دیکھیے مرزا محمود کی کتب ''حقیقت اختلاف'' ''برکات خلافت''۔ آئینہ صداقت' حقیقت نبوت وغیرہ۔

۳۔ عدالتی تحقیقات میں مولانا مودودی کا دوسرا بیان' جماعت اسلامی لاہور' 1945ء ص 12 تا 36۔

۴۔ محمد احمد فاروقی' محمد علی اسلام کا عظیم مبلغ' لاہور' 1966ء ص 88۔

"عدالت میں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے اس کے وکیل نے عدالت کے دیئے ہوئے سات سوالوں کے جواب میں جو بیان دیا ہے، میں نے اس بیان کو پورے غور کے ساتھ پڑھا ہے۔ میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ اس بیان سے پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا اور اس کے باوجود نزاع واختلاف کے وہ تمام اسباب جوں کے توں باقی رہتے ہیں جواب تک خرابی کے موجب رہے ہیں۔ اس بیان میں قادیانیوں نے پوری ہوشیاری کے ساتھ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی اصلی پوزیشن کو تاویلوں کے پردے میں چھپا کر ایک بناوٹی پوزیشن عدالت کے سامنے پیش کریں تا کہ عدالت اس سے دھوکا کھا کر ان کے حق میں مفید مطلب رپورٹ بھی دے دے اور وہ اپنی سابق روش پر علیٰ حالہ قائم بھی رہ سکیں۔ ان کی سابق تحریروں اور انکے اب تک کے طرز عمل سے جو شخص کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو وہ یہ محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اس بیان میں اپنی پوزیشن بدل کر قریب قریب وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو لاہوری احمدیوں کی پوزیشن تھی۔ لیکن یہ تبدیلی وہ صاف صاف یہ کہہ کر اختیار نہیں کرتے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نزاع ختم کرنے کے لیئے اپنے عقیدے اور مسلک میں یہ تغیر کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اسے اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ ہماری پوزیشن ابتداء سے یہی رہی ہے، حالانکہ یہ صریح غلط بیانی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ عملاً اپنی سابق پوزیشن کی توثیق کر رہے ہیں اور آئندہ بھی اس پر قائم رہنا چاہتے ہیں، البتہ عارضی طور پر ان تحقیقات کے دوران انہوں نے ایک مناسب وقت پوزیشن اختیار کر لی ہے جو تحقیقات کا دور گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔(۱)

قادیانی ان فسادات کے کہاں تک ذمہ دار تھے؟ منیر رپورٹ بیان کرتی ہے۔

"مسلمانوں کے سواد اعظم کے ساتھ ان (قادیانیوں) کے اختلافات نصف صدی سے بھی زیادہ قدیم ہیں اور تقسیم سے قبل وہ اپنی نشریاتی مہم اور ارتدادی کارروائیوں کو بغیر کسی رکاوٹ یا رخنے کے جاری رکھے ہوئے تھے۔ تاہم ساری صورتحال کا نقشہ تقسیم کے بعد بدلا اور احمدی اپنے آپ کو یہ سوچ کر احمق بنا رہے تھے کہ اگر اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب یا اسلام کے اندر

۱۔ مولانا مودودی "قادیانی مسئلہ" ص 179۔

> مختلف فرقوں کی تبلیغ کی عوام الناس میں تجدید نہ کی گئی تو ان کی حرکتوں کا کوئی برا نہیں منائے گا اور وہ بلا روک ٹوک نئی ریاست میں اپنا کام جاری رکھیں گے‘ تو تبدیل شدہ حالات میں بھی ان کی حرکات اور جارحانہ نشریات اور غیر احمدی مسلمانوں کے بارے میں ان کی جارحیتیں جاری رہیں۔ ہم تاہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ اگرچہ قادیانی ان فسادات میں براہ راست ملوث نہیں ہیں لیکن ان کے رویئے نے اس تحریک کا بہانہ پیدا کر دیا ہے۔ اگر ان کے خلاف جذبات اتنے شدید نہ ہوتے تو ہم نہیں سمجھتے کہ احرار مختلف الذہن مذہبی تنظیموں کو ان پر حاوی کرنے میں کامیاب ہو سکتے“

منیر رپورٹ پر بڑی بحث ہوئی اپنے مخصوص طرز عمل کے باعث ججوں نے بعض ایسے سوال بھی اٹھائے جو غیر متعلق تھے ان کی بعض قیاس آرائیاں یہ تھیں۔

> ”اگر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بننے دیا گیا تو تمام غیر مسلم خود بخود ظلم کا نشانہ بن جائیں گے۔ مختلف مسلمان فرقے آپس میں برادر کشی پر اتر آئیں گے۔ قدیم الخیال قوانین کا نفاذ ہو جائے گا جو تہذیب کے معیار سے متصادم ہوں گے اور پاکستان کو بین الاقوامی برادری سے اس کی فرسودہ ثقافت اور رجعت پسند حکومت کی بناء پر اچھوت بنا کر نکال دیا جائے گا۔“

مغربی مستشرقین اور عیسائی مبلغین نے بھی اسلام پر اتنے سخت حملے نہیں کیئے تھے جتنے کہ منیر رپورٹ نے کیئے۔ یہ المیہ ہے کہ اس کا لکھنے والا ایک مسلمان تھا جس کی وجہ سے اس کے نقصانات کئی گنا بڑھ گئے“۔(۱)

منیر رپورٹ پر پاکستان میں شدید رد عمل ظاہر ہوا اور اسے انتہائی متعصب گمراہ کن اور جانبدارانہ قرار دیا گیا۔ لادینوں۔ اشتراکیوں اور صیہونیوں نے اسے اسلامی ریاست کے خلاف اپنے دشنام آمیز پروپیگنڈے میں استعمال کیا۔ پاکستان کی وجہ تخلیق اور ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا جواز پیدا کرنے کے لیئے غیر مسلم مصنفین نے اسے حوالے کے طور پر استعمال کیا۔(۲)

۱۔ مریم جمیلہ ”مودودی کون ہے“ لاہور 1973ء ص 16۔

۲۔ دیکھئے ڈاکٹر ایم اے سکار نڈیکار ”ہندوستان کی تہذیبی جدیدیت میں اسلام“ ایسٹرن پبلشرز۔ ہندوستان ص 254 تا 287۔

ایک یہودی مورخ پروفیسر پی کے ہٹی نے جسٹس منیر کو ایک ذاتی خط لکھا بعد میں جب ان سے ملا تو کہا

"میں بھی پاکستان سے کچھ ایسی ہی توقع کر رہا تھا۔"

مرحوم شاہ ایران نے بھی جسٹس منیر سے گفتگو کرتے ہوئے رپورٹ کے بنیادی خلاصے سے اتفاق کیا اور کہا کہ

> ماضی میں باب، بہاء اللہ اور خوبصورت شاعرہ قرۃ العین کے دنوں میں ایران کو بھی ایسے ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔"

جسٹس منیر کہتے ہیں کہ ایک صحافی نے یہ لکھا کہ

> "اس نے دو کتب ایک ہی نشست میں پڑھیں۔ ان میں سے ایک "لیڈی چیٹر لیز لور" تھی جبکہ دوسری "منیر رپورٹ" تھی۔ واہ کیا خوبصورت تقابل ہے؟"(۱)

لیڈی چیٹرلے کا عاشق ایک فحش ناول ہے۔ جماعت اسلامی نے جسٹس منیر کی رپورٹ کا فوری جواب دیا۔(۲) ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب "نظریہ پاکستان ۱۹۷۱ء" میں منیر کی ہفوات اور تخلیق پاکستان پر اس کے نظریئے کی خوب خبر لی ہے۔(۳)

عواقب ونتائج:۔

۳۔ ۱۹۵۳ء کے واقعات جنہوں نے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تھا ان سے کیا حاصل ہوا؟ احمدیہ مخالف تحریک کے بارے میں اشتراکی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ یہ پاکستان کے اس متوسط طبقہ کی برہمی کی عکاس ہے جو امریکہ کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ جب کہ برطانیہ کے ساتھ قدیم تعلقات قائم تھے۔ امریکہ نے بھی حکومت سے برطانیہ نواز عناصر کو نکالنے کی کوشش کی اور ان کی جگہ "مطیع" سیاستدانوں کو داخل کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے قانون ساز اسمبلی سے

۱۔ جسٹس محمد منیر "جناح سے ضیا تک"۔ وینگارڈ بک لمیٹڈ لاہور 1980ء ص 43۔

۲۔ منیر رپورٹ کا تجزیہ۔ جماعت اسلامی، کراچی 1956ء مزید دیکھئے محمد نعیم صدیقی "تبصرہ" لاہور 1955ء اور مولانا میکش "محاسبہ" لاہور 1955ء

۳۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال "نظریہ پاکستان" مزید دیکھئے "منیر رپورٹ: ص 71۔

خطاب کرتے ہوئے کہا

> "احمدیہ مخالف احتجاج دراصل ایک سیاسی تحریک ہے، جس کو پاور پالیٹکس سے شہ ملی"۔

کہنہ مشق ہندوستانی صحافی ڈاکٹر جمنا داس اختر کا کہنا ہے۔

> "احمدی برطانوی سامراجی مفادات کو پروان چڑھانے کے کھلے مجرم تھے اور ایسے ملحدانہ عقائد کو پھیلانے کے ذمہ دار تھے جو اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھے۔ یہ بھی شک کیا جاتا ہے کہ اس کھیل میں امریکی مفادات نے بھی بڑاا ہم کردار ادا کیا۔ کیونکہ اس وقت امریکہ حکومت سے برطانیہ حامی عناصر کے اخراج اور ان کی جگہ مزید "تابعدار" سیاستدان لانے کی فکر میں تھا"۔(۱)

قادیانیوں کے نزدیک اس تحریک نے ان کی پوزیشن کو مزید مضبوط کر دیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ جماعت "ناقابل تسخیر" تھی۔ اس سے مسیح موعود کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کرنے میں مدد ملی۔ جلال الدین شمس جو اسرائیل میں احمدی مبلغ رہ چکا تھا بیان کرتا ہے۔

۱۹۵۳ء کے فسادات سے حضور (مرزا غلام احمد) الہامی پیشگوئی:

"وَاِذْ کَفَفْتُ عَنْ بَنِی اِسْرَائِیْلَ، اِنَّ فِرْعَوْنَ وَھَامَانَ
وَجُنُوْدَ ھُمَا کَانُوْ خٰطِئِیْنَ اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً"

نہایت وضاحت سے پوری ہوئی۔ جس میں جماعت احمدیہ کو بنی اسرائیل سے مشابہت دی گئی ہے جنہیں فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تباہ کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بنی اسرائیل کو تباہی سے بچا لیا۔ اسی طرح جب جماعت احمدیہ کو مخالفین نے ۱۹۵۳ء میں اپنے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ذریعہ ذلیل اور تباہ کرنا چاہا اور اس غرض کے لیئے انہوں نے چھ مارچ ۱۹۵۳ء کی جو تاریخ مقرر کی تھی اس دن مخالفین کی حالت کا نقشہ تحقیقاتی عدالت برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء نے اپنی رپورٹ میں یوں کھینچا ہے کہ اس دن "سول کے حکام جو عام حالات میں قانون و نظام کے ذمہ دار ہوتے ہیں کاملاً بے بس ہو چکے تھے اور ان میں دو مارچ کو پیدا ہونے والی صورت حالات کا مقابلہ کرنے کی کوئی خواہش اور اہلیت

۱۔ جمنا داس اختر "بنگلہ دیش کا قصہ" "The Saga of Bangladesh" دہلی 1971ء ص 81۔

> باقی نہ رہی تھی۔ نظم حکومت کی مشینری بالکل بگڑ چکی تھی اور کوئی شخص مجرموں کو گرفتار کر کے یا ارتکاب جرم کو روک کر قانون کو نافذ العمل کرنے کی ذمہ داری لینے پر آمادہ یا خواہاں نہ تھا۔ انسان کے بڑے بڑے مجموں نے جو معمولی حالات میں معقول اور سنجیدہ شہریوں پر مشتمل تھے ایسے سرکش اور جنون زدہ ہجوموں کی شکل اختیار کر لی تھی جن کا واحد جذبہ یہ تھا کہ قانون کی نافرمانی کریں اور حکومت وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی معاشرے کے ادنیٰ اور ذلیل عناصر موجودہ بدنظمی اور بہتری سے فائدہ اٹھا کر جنگل کے درندوں کی طرح لوگوں کو قتل کر رہے تھے اور ان کی املاک کو لوٹ رہے تھے اور قیمتی جائیداد کو نذر آتش کر رہے تھے۔ محض اس لیئے کہ یہ ایک دلچسپ تماشہ تھا یا کسی خیالی دشمن سے بدلہ لیا جا رہا تھا۔ پوری مشینری جو معاشرہ کو زندہ رکھتی ہے پرزہ پرزہ ہو چکی تھی اور مجنون انسانوں کو دوبارہ ہوش میں لانے اور بے بس شہریوں کی حفاظت کرنے کے لیئے ضروری ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت تدابیر اختیار کی جائیں۔
>
> اور اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے جماعت احمدیہ کی حفاظت کرنے کے لیئے جیسا کہ فرمایا تھا:
>
> ''اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً''
>
> کہ میں اچانک فوجوں کو لے کر تیری حفاظت کے لیئے آؤں گا۔ محکمہ افواج کے دل میں ڈال دیا کہ وہ فوراً مارشل لاء قائم کر دیں۔ چنانچہ ٹیلیفون پر کراچی سے لاہور متعین کمانڈر کو مارشل لاء نافذ کرنے کا اچانک اور غیر متوقع طور پر حکم ہوا اور فوج نے نہایت حزم و احتیاط لیکن جرأت مندانہ اور دلیرانہ مضبوط اقدام کے ساتھ شر پسند طاقتوں کو بہت جلد زیر کر لیا اور جماعت احمدیہ کو جبکہ وہ بنی اسرائیل کی طرح مظلوم تھی اپنے وعدہ کے مطابق ہلاکت اور تباہی سے بچا لیا''۔(۱)

جناح عوامی لیگ کے سربراہ حسین شہید سہروردی نے چھبیس جون ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا

۱۔ جے ڈی شمس۔ ''مسیح موعود کی پیشگوئیاں'' صدر انجمن احمدیہ ربوہ مرزائی پیشگوئی کے لیئے دیکھیں۔ ظفر اللہ قادیانی کا ''تذکرہ'' کا انگریزی ترجمہ ص: \305

> ''پنجاب میں ایک مذہبی تحریک ابھری جسے بڑی قوتوں نے طاقت سے دبا دیا اور علماء کو پابند سلاسل کر دیا اب وہی قوتیں ہمیں اشارہ دے رہی ہیں کہ مسلمان گمراہ ہو گئے تھے اور اب ہمیں کہا جا رہا ہے کہ انکو گلے لگا لیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمیں بھی دوسروں کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ''

مرزا محمود نے جمعہ کے ایک خطبہ میں اس پر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر کو ایک تازہ تنبیہ قرار دی۔

> ''خدا نہ صرف احمدیہ جماعت کو بچائے گا بلکہ حکومت پاکستان کو بھی جس کو حملوں کا نشانہ محض اس لیئے بنایا گیا ہے کہ اس نے اپنی احمدی رعایا کے ساتھ انصاف کیا ہے اور ان کا تحفظ کیا ہے۔ پاکستانی حکومت کا صرف یہ قصور ہے کہ وہ ملک میں امن قائم کرنا چاہتی ہے اور تخریبی عناصر کو کچل دینا چاہتی ہے جو لوگوں کو احمدیہ تحریک کے خلاف بھڑکا کر حکومت پر قبضہ کرنے کے خواہاں ہیں۔ خدا اپنے بندوں کو فتنہ پردازیوں سے محفوظ رکھے گا اور بدخواہوں کی تمام بری خواہشوں سے پناہ میں رکھے گا اور انہیں کبھی بھی پھلنے پھولنے یا ترقی کرنے کا موقع نہیں دے گا''۔ (1)

قادیانی اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے اور اس تحریک کے عواقب سے خاصے مطمئن تھے' امریکی سی آئی اے اور سامراجی تنظیموں نے انہیں مشرق وسطیٰ اور نو آزاد افریقی ریاستوں میں پھلنے پھولنے کے لیئے مزید امداد مہیا کر دی۔ پاکستانی عوام کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہو گیا ہے۔ عوام کے جذبات پر اس کا ایک مایوس کن اثر پڑا جنہوں نے ایک عظیم مقصد کے لیئے اپنی جانوں کی قربانی دی تھی۔

مسلم لیگ کو اس سے بڑا دھچکہ لگا اور آئندہ انتخابات میں اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے دولتانہ کو وزارت اعلیٰ پنجاب اور خواجہ ناظم الدین کو وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونے پڑے جو گورنر جنرل غلام محمد' کمانڈر انچیف ایوب خاں اور سیکرٹری دفاع سکندر مرزا کی تکون کے آگے اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے تھے۔ عوام کے ذہنوں میں

۱۔ (ایضاً)

فوج کا امیج تباہ ہو گیا۔ دسویں پیادہ ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل اعظم خاں نے پر امن مجمع پر گولیوں کی بارش سمیت تمام قسم کا ظلم و ستم روا رکھا۔ فوج کو اقتدار کا چسکا اور مارشل لاء کے ذریعے برسر اقتدار آنے کی عادت پڑ گئی۔ نوکر شاہی اور پولیس نے ربوہ کی ''خدام احمدیہ'' اور دیگر قادیانی نیم عسکری تنظیموں کی مکمل حوصلہ افزائی کی اور انہیں ضرورت کے وقت اپنا کردار ادا کرنے کی ''دعوت'' دی۔ جس سے قادیانی مسلح قوتوں اور ان کی چیرہ دستیوں کا بڑا غلغلہ بلند ہوا۔

۱۹۵۳ء کے بعد قادیانی بزنس۔ نوکر شاہی اور فوج میں اور بھی اہم عہدوں پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم قادیانیت مخالف تحریک نے ناظم الدین کے بعد ظفر اللہ کے وزیر اعظم بننے کے واضح امکانات کو وقت سے پہلے ختم کر دیا۔

آنے والے سالوں میں قادیانیوں نے اپنی سیاسی ترجیحات تبدیل کر لیں۔ انہوں نے عام مسلمانوں کے ساتھ کھلے تصادم کی بجائے فوج اور نوکر شاہی کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے۔

بوگرہ حکومت:

گورنر جنرل غلام محمد کے ہاتھوں اپریل ۱۹۵۲ء میں وزیر اعظم ناظم الدین حکومت کی برطرفی ایک غیر جمہوری فیصلہ اور طاقت کے غلط استعمال کی ایک افسوسناک مثال تھی۔ ناظم الدین کو اب بھی اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی۔ (۱)

ظفر اللہ لکھتے ہیں۔

> ''گورنر جنرل نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہا کہ وزیر اعظم کی پس و پیش اور صورتحال سے سختی سے نہ نمٹنے کے طرز عمل نے اس بحران میں اور اضافہ کیا ہے جس میں ملک گرفتار ہو چکا تھا۔ وزیر اعظم سے استعفیٰ طلب کیا گیا جس کا انہوں نے انکار کر دیا۔ اس بات پر گورنر جنرل نے اسمبلی برطرف کر دی۔ اس نے مسٹر محمد علی بوگرہ (مشرقی پاکستان) کو جو کہ واشنگٹن میں

ا۔ مکل نیکر'' ہندوستان اور پاکستان کا سیاسی تجزیہ'' لاہور، 1965ء ص 76۔

> پاکستان کا سفیر تھا اور اتفاق سے اس وقت کراچی میں تھا حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسٹر محمد علی نے اس کام کا فوری بیڑہ اٹھایا اور اپنے مجوزہ ساتھیوں کی فہرست گورنر جنرل کو پیش کر دی۔ نئی حکومت کے اراکین نے سابقہ حکومت کی چار بجے شام برطرفی کے صرف چار گھنٹے بعد یعنی آٹھ بجے شام نئی کابینہ نے حلف اٹھالیا''۔(۱)

ظفر اللہ حسب سابق وزیر خارجہ ہی رہا۔

حکومت کی اس تبدیلی اور تمام سیاسی بحران کو ایک قادیانی مبلغ نے اپنے روایتی انداز میں مرزا محمود کے ایک الہام (۱۶-۱۷ مارچ ۱۹۵۱ء) کی روشنی میں پیش کیا ہے:

> ''میں سندھ اور پنجاب سے دونوں اطراف سے متوازی نشانیاں دکھاؤں گا'' قادیانی مبلغ نے اس الہام کی پاکستانی بحران کے تناظر میں توضیح کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۳ء کی احتجاجی تحریک کے بعد مغربی پنجاب کی وزارت کی برطرفی اور گورنر جنرل غلام محمد کے ہاتھوں آئین ساز اسمبلی کے خاتمے نے حیران کن اور شاندار طریقے سے اس الہام کو سچا ثابت کر دکھایا ہے''۔(۲)

ناظم الدین کی اس طرح کی برطرفی دراصل پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت کے اتار چڑھاؤ اور اگلے پانچ سالوں تک سیاسی عدم استحکام کی شروعات تھی۔ یہ پارلیمانی طریق کار کے بالکل برعکس تھا اور اس طرز عمل کے سیاسی قانونی اور نفسیاتی اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ بوگرہ بہت حد تک ایک غیر معروف سیاستدان تھے۔ عوام اور سیاسی حلقوں کے لیئے ان کی تعیناتی بڑی حیران کن تھی اور ہر جگہ اس شبے کا اظہار کیا گیا کہ پہلے اسے کراچی بھجوایا جانا اور پھر اسے وزیر اعظم بنا دیا جانا پاکستانی' امریکی تعلقات کی ''بہتری'' کا پیش خیمہ ہے۔(۳)

نئے وزیر اعظم کی نامزدگی کے صرف تین دن بعد ہی امریکی صدر آئزن ہاور نے کانگریس سے درخواست کی کہ پاکستان کو لاکھوں ٹن گندم بھجوانے کا اختیار دیا جائے۔ ((اور

۱۔ سرظفر اللہ The Agony of Pakistan ص 107 حریف "سرونٹ آف گاڈ" ص 200-203۔

۲۔ مرزا محمود المبشرات' ص 293۔

۳۔ ڈی پی سنگھل' ص 82۔

یہ خوراک دراصل اس وقت تک نہ پہنچ سکی جب تک کہ اگلے سال کی شاندار فصل نہ آ گئی۔ (۱)

اس وقت امریکہ کیمونزم کے خلاف سخت حکمت عملی پر عمل پیرا تھا اور ایشیا میں دوستوں کی تلاش میں تھا۔ پاکستان امریکہ کے پیش کردہ دفاعی معاہدوں میں شامل ہو گیا۔

مئی ۱۹۵۳ء میں کراچی میں مسٹر ڈلز اور مسٹر سٹین کی آمد کے بعد گرامی قدر مہمان ترکی میں امریکی سفارتخانے کا ڈپٹی چیف تھا۔ اس کے بعد ایوان کی صلح کمیٹی کے سات ارکان کی غیر اعلانیہ آمد ہوئی۔ پھر ۱۹۵۳ء کے ہی ستمبر میں جنرل ایوب خان واشنگٹن علاج کے بہانے چلے گئے اور وہاں انہوں نے دوران ''علاج'' صدر آئزن ہاور سے بھی ملاقات کی۔ ایوب خان نے امریکہ کو یہ عندیہ دیا کہ اگر وہ اسے اسلحہ دے تو پاکستان اسے اڈوں کی سہولت کے علاوہ نئے اڈوں کی تعمیر کی اجازت بھی دے گا اور اپنی شرائط پر مشرق وسطیٰ کے دفاعی معاہدے (MEDO) میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کر دی۔

نئی چال

تحریک ختم نبوت کے بعد قادیانیوں نے پاکستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے سول اور فوجی افسران کے ساتھ مل کر مرکز میں اپنے معاشی وسیاسی مفادات کا تحفظ کیا اور اپنی کوششوں کا رخ ملک میں آئینی عمل کو تہہ و بالا کرنے کی جانب موڑ دیا۔

ملک کو بحران کا سامنا تھا اور سیاسی توازن مسلم لیگ کے خلاف جا رہا تھا۔ اسے ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان میں اے کے فضل حق اور سہروردی کی زیر قیادت یونائیٹڈ فرنٹ کے ہاتھوں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ یونائیٹڈ فرنٹ نے سہروردی کی وزارت قائم ہونے کے بعد کراچی کی بالادستی سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ (۲) مئی ۱۹۵۴ء میں مشرقی بنگال کی حکومت مرکز کے مقرر کردہ گورنر جنرل اسکندر مرزا کے حوالے کر دی گئی جو اس وقت سیکرٹری دفاع بھی تھا۔ چنانچہ پنجاب کی طرح مشرقی بنگال میں بھی

۱۔ گردیزی اور رشید: ص سابقہ۔

۲۔ پی سنگھل ص 85۔

مرکز کی اس طرح مداخلت ہوئی۔ پنجاب کے لیگی سیاستدانوں پر یہ الزام تھا کہ وہ پنجاب میں مذہبی فسادات کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدامنی پر قابو نہ پا سکے تھے جبکہ مشرقی بنگال میں یونائیٹڈ فرنٹ کے سیاستدان جنہیں صوبائی انتخابات میں ایک واضح اکثریت حاصل ہوئی تھی اور جنہوں نے صوبے بھر میں عوامی سطح تک نسلی بنیاد پر تحریک پیدا کی تھی اس کو بھی فارغ کر دیا گیا۔ دونوں جگہوں پر فوج نے مداخلت کی۔ پنجاب میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا جبکہ مشرقی بنگال میں سول انتظامیہ کو ایک فوجی افسر کے حوالے کر دیا گیا۔ (۱)

اب ہم آئین میں تشکیل کے سوال پر آتے ہیں۔

آئین ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی ترمیمی رپورٹ بیس کے مقابلے میں گیارہ ووٹوں سے منظور کر لی۔ وزیراعظم پاکستان نے اعلان کیا کہ آئین کے مسودے پر بحث پچیس دسمبر ۱۹۵۴ء کو مکمل کی جائے گی اور نیا آئین قائداعظم کے یوم پیدائش پر منظور کیا جائے گا۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو ''پاکستان عوامی جمہوریہ'' بن جائے گا۔ اس کے بعد اسمبلی ستائیس دسمبر ۱۹۵۴ء تک کے لیئے ملتوی کر دی گئی۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں بوگرہ اور جنرل ایوب خان امریکہ کے ساتھ ایک طویل المیعاد فوجی و معاشی معاہدہ پر گفتگو کے بعد واشنگٹن سے واپس آئے۔ چوبیس اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دونوں اسمبلیاں اور کابینہ توڑ دیں جو ایک صریح غیر جمہوری فعل تھا۔ ایک نئی کابینہ تشکیل دی گئی جس کا وزیراعظم بوگرہ ہی رہا۔ نو رکنی کابینہ میں جنرل ایوب خان، ڈاکٹر خاں، حسین شہید سہروردی اور جنرل اسکندر مرزا بھی شامل تھے۔ ان تمام نو ارکان میں سے کوئی بھی تحلیل شدہ اسمبلی کا رکن نہیں تھا۔ فوج کو انتظامیہ کے قریب لایا گیا اور نوکر شاہی جو کہ پاکستان میں پہلے ہی ایک قوت تھی اور بھی طاقتور ہو گئی۔ (۲)

گورنر جنرل کے آئینی اسمبلی توڑنے کے غیر جمہوری اور آمرانہ فعل پر قادیانیوں نے خوشیوں کے ڈنکے بجائے اور اسے ایک عقلمندانہ، دانشمندانہ اور اچھے وقت پر اٹھایا گیا قدم

۱۔ خالد بن سعید، پاکستان میں سیاست پریگر پبلشرز امریکہ 1980ء: ص 41۔
۲۔ مکمل: ص 26۔

قرار دیا۔ اگر یہ قدم نہ اٹھایا جاتا تو صورتحال مزید خراب ہو سکتی تھی۔ قادیانی جماعت کے ترجمان الفضل ربوہ کے مطابق

> ''اس قدم کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ نئے انتخابات ہوں گے اور ایک نئی اسمبلی وجود میں آئے گی۔ اخبار نے انتہا پسند رہنماؤں کو تنبیہ کی کہ وہ قوم کی تقدیر سے اس طرح نہ کھیلیں جس طرح اخوان مصر میں کھیل رہے تھے۔''(۱)

مرزا محمود نے اپنے ایک خطاب میں گورنر جنرل کے اقدام پر گہرے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ راز بے نقاب کیا کہ اس قدم کے اٹھائے جانے کے تین یوم قبل انہوں نے حکمران طبقے کی قوت کے ٹوٹنے کے امکان کی طرف اشارہ کیا تھا جو ملک میں شرارتیں پیدا کر رہے تھے تاکہ اس بحران سے ملک کو بچایا جا سکے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ پیش گوئی حیران کن انداز میں پوری ہوئی ہے۔(۲)

گورنر جنرل کے اس غیر جمہوری اقدام کا جواز پیش کرتے ہوئے مرزا محمود نے زور دیا کہ آئینی اسمبلی پہلے ہی اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے۔ انہوں نے کابینہ میں ڈاکٹر خان جیسے غیر لیگی ارکان کی شمولیت کا خیر مقدم کیا اور اسے ایسا شخص قرار دیا جو ملک و اسلام کا حامی تھا۔ انہوں نے مسلم لیگی اراکین پر تنقید کی جنہوں نے احمدی مخالف رویہ اپنایا ہوا تھا۔(۳)

اسلامی تحریکوں کی مخالفت:

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں اسلامی ممالک میں قادیانیوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ عرب دنیا اور پاکستان میں جاری اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کے لیئے انہوں نے ایک زبردست پروپیگنڈا مہم شروع کی۔ ایران۔ عراق اور مصر جیسے ممالک میں ترقی پسند اسلامی تحریکوں کو دبانے کے لیئے صیہونی تنظیمیں پہلے ہی سرگرم عمل تھیں۔ امریکہ نے ایشیاء کے نو آزاد ممالک میں ایک نئی سامراجی طاقت کو تخلیق کرنے کے منصوبے کے لیئے طفیلی

۱۔ الفضل ربوہ 5 نومبر 1954ء۔

۲۔ المبشرات۔ ربوہ۔ ص 298۔

۳۔ الفضل ربوہ۔ 5 نومبر 1954ء

چھاؤنیاں تعمیر کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ مصر (ناصر کی زیر قیادت) اور شام اس نئے مغربی دفاعی منصوبے میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر مصدق کے زیر اقتدار ایران بھی برطانوی سامراج کو نکال باہر کرنے پر آمادہ تھا۔ امریکہ نے عراق کی ہاشمی سلطنت کو جو کہ برطانوی سامراج کی پیداوار تھی وسیع تر مشرق وسطیٰ دفاعی معاہدے کی کنجی کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں اس نے ''بغداد پیکٹ''۔ ایران سے مصدق حکومت کا خاتمہ اور مشرق وسطی سے اشتراکی عناصر کی بیخ کنی میں کامیابی حاصل کر لی۔

اسرائیل میں قادیانی مشن نے صیہونی پالیسی کی پیروی کی۔ اس نے مشرق وسطی میں ایک مذہبی اور نیم سیاسی نوعیت کی تحریک شروع کی۔ چونکہ عرب ممالک نے اپنی سرزمین پر قادیانیوں کو مراکز قائم کرنے کی اجازت نہیں دی تھی لہذا وہاں یا تو وہ خفیہ طور پر کام کرتے تھے یا افریقہ چلے جاتے جہاں پہلے ہی انہوں نے برطانوی امداد سے اپنے لیئے جنت قائم کر لی تھی۔

قادیانی حملے کا سب سے بڑا نشانہ مصر کی تحریک اخوان المسلمون تھی۔ قادیانی اسے ایک ''اشتراکی فسطائی تحریک'' قرار دیتے تھے جو ان لوگوں کو پسند تھی جو اسلام کو نہیں جانتے تھے مگر اسے چاہتے تھے اور جو عرب دنیا کو مغربی غلامی سے نجات، دلانا چاہتے تھے۔ قادیانیوں کے بقول اس تحریک کے لیئے دور اندیش قائدین اور ملک کے پڑھے لکھے طبقے کی نظروں میں کوئی پسندیدگی نہ تھی۔ (۱)

ایک شہ سرخی میں الفضل نے اخوان کے سویز معاملات میں مداخلت پر شدید تنقید کی اور الزام لگایا کہ یہ لوگ مصر کی سالمیت کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ جس طرح عبداللہ بن سباء یہودی نے مصر کی سرزمین سے کامیابی حاصل کی تھی۔ (۲)

قادیانی اخبار نے اخوان پر گالیوں کی مسلسل بوچھاڑ شروع کر دی اور ان کی سویز کے معاملات میں دخل اندازی کی حکمت عملی کی مذمت کی جس سے برطانوی مفادات متاثر ہو

۱۔ المصلح، کراچی 12 اکتوبر 1957ء۔

۲۔ الفضل لاہور 10 اکتوبر 1954ء۔

رہے تھے۔ انہیں غیر اسلامی کردار کے حامل گردان کر مصر میں توڑ پھوڑ۔ بدامنی اور لاقانونیت پیدا کرنے کے ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ ان کو فسطائی طریقوں سے حکومت کے حصول اور حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کے ذمہ دار قرار دیا' جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔(۱)

اس مفروضے کی بنا پر کہ پاکستان کی جماعت اسلامی بھی اخوان کی ہی ایک نقل ہے' اخبار نے جماعت اسلامی کے پچھلے سالوں کے دوران پاکستان میں ادا کیئے گئے کردار پر شدید تنقید کی اور یہ الزام لگایا کہ اخوان کی طرح جماعت اسلامی بھی دراصل سیاسی جماعت ہے جو جنونی حرکات کرتی رہی ہے'

> ''اگر یہ کسی اور جماعت کے ساتھ اشتراک میں کامیاب ہوگئی تو بالکل ویسے ہی کرے گی جو اخوان مصر کی انقلابی حکومت کے خلاف کر رہی ہے اور اس طرح کا اشتراک بھی اسی قسم کے انجام سے دوچار ہوگا''۔(۲)

ایسی ہی ملامت ان اسلامی تنظیموں کے خلاف بھی شروع کی گئی جو عرب دنیا کی معاشی و سیاسی نجات کے لیئے جدوجہد کر رہی تھیں۔ انڈونیشیا کی دارالسلام اور ایران کی فدائیان اسلام بھی اس حملے کا نشانہ بنیں۔ ان جماعتوں پر فسطائی کردار کا الزام لگایا گیا جو طاقت اور خونریزی پر یقین رکھتی تھیں۔

> ''اسلامی دنیا کو ان کی تخریبی کارروائیون کا سدباب کرنا چاہیئے''۔(۳)

الفضل لاہور نے انڈونیشیا کی ''مسجومی پارٹی'' کی تعریف کی کیونکہ اس کے رہنما نے ظفر اللہ کی حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا۔(۴)

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسجومی پارٹی جس نے بظاہر اسلامی روپ دھار رکھا تھا کثیر الخیال عناصر کا منصوبہ تھی۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے یہ راز بے نقاب کیا ہے کہ فروری ۱۹۵۱ء میں مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس کے موقع پر انہوں نے محسوس کیا کہ انڈونیشیا کے

۱۔ الفضل' لاہور-10 اکتوبر 1954ء۔

۲۔ الفضل' لاہور-19 نومبر 1954ء۔

۳۔ الفضل' لاہور-6 نومبر 1954ء۔

۴۔ الفضل' لاہور-11 جنوری 1955ء۔

تمام مندوبین مسجومی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وفد کا قائد شمس الرجالی واضح طور پر قادیانیت کیطرف میلان رکھتا تھا۔(۱)

قادیانیوں نے صیہونیوں اور اپنے سامراجی آقاؤں کی ہدایت پر پاکستان کی سیاست میں دخل اندازی جاری رکھی۔ انہوں نے اسلامی آئین کے مطالبے اور پاکستان میں دینی طبقے پر تنقید میں اضافہ کر دیا۔ الفضل لکھتا ہے

> ''ہم لیگ آئین تشکیل دے سکتے تھے کیونکہ ہمارے رہنما اس نعرے سے زیادہ فکرمند تھے جو غلط لوگوں نے لگایا تھا اور ان کے مطالبوں پر بھی تشویش کا اظہار کرتے تھے۔ ہم اس کی بجائے عزم راسخ کے ساتھ سیدھے راستے پر چلے''۔(۲)

الفضل مزید لکھتا ہے

> ''ضروری ہے کہ ایسا مطالبہ کیا جائے کہ پاکستان کا آئین منصفانہ بنیادوں پر استوار ہو اور کسی بھی شخص یا جماعت خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی اس کے خلاف کوئی شکایت نہ رکھتا ہو۔ یہ پاکستان کے تمام لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہو''۔(۳)

تخلیق پاکستان کی آٹھویں سالگرہ چودہ اگست ۱۹۵۵ء کے موقع پر الفضل نے ملکی سیاست میں مسلم لیگ کے کردار پر تنقید کی

> ''یہ اپنی ہردلعزیزی کھو چکی ہے' کیونکہ اس کے چند رہنما اسلام دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے ہیں۔''

اخبار نے ان عناصر پر بھی تنقید کی جو آئین کی تشکیل کی رٹ لگا رہے تھے مگر خود ہی آئین کی تشکیل کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔(۴)

عدالت کے فیصلے کے مطابق گورنر جنرل نے نئی آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کے احکامات جاری کر دیئے۔ نئی آئین ساز اسمبلی کے اہم اقدام ستمبر ۱۹۵۵ء میں منظور کردہ ''ویسٹ

۱۔ مولانا مسعود عالم ندوی'' دنیائے اسلام کی موجودہ اسلامی تحریکیں'' اسلامک پبلیکیشنز لاہور 1972ء۔

۲۔ الفضل ربوہ 3 اکتوبر 1955ء۔

۳۔ الفضل ربوہ 23 جولائی 1955ء۔

۴۔ الفضل ربوہ 14 اگست 1955ء۔

پاکستان ایکٹ'' جس کی رو سے تمام ریاستوں کراچی اور چاروں صوبوں پنجاب۔ سرحد۔ بلوچستان اور سندھ کا ایک اکائی ''ون یونٹ'' میں ادغام تھا۔ الفضل نے مغربی پاکستان کے ایک اکائی بننے کو اپنی شہ سرخی میں جگہ دی۔ اس نے دو اکائیوں مغربی اور مشرقی پاکستان کے قیام کے امکان پر بحث کی جو ایک مرکز کے تحت ہوں اور اسے ایک آسان اور عملی تجربہ قرار دیا۔ اخبار نے ان رہنماؤں پر شدید تنقید کی جو اسلامی نظریئے کی بنیاد پر ملک کے دونوں حصوں کے اتحاد کی ضرورت پر زور دے رہے تھے۔

> ''ہم افسوس سے کہہ رہے ہیں چند اسلامی ممالک میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کی جس طرح کوششیں ہو رہی ہیں اور سیاسی جماعتوں کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے اس طرح نہ تو اسلامی حکومتوں کا قیام ہوگا اور نہ ہی ان کا پرچار کرنے والے پاکستان میں اپنے مفادات حاصل کر سکیں گے۔ سیاسی جماعتیں اپنے مذہبی خیالات دوسروں پر ٹھونسنا چاہتی ہیں جبکہ اسلام جماعتوں کی سیاست کی اجازت نہیں دیتا۔ اس دلیل میں کوئی وزن نہیں کہ اسلامی نظریہ اتحاد کی بنیاد فراہم ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ ارباب بست و کشاد نہ تو مسلمان ہیں نہ ہی انہیں اسلام کا کوئی خیال ہے جب تک یہ اسلام کے ان علمبرداروں کی وضع کردہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوں''۔ (۱)

غلام محمد (۲) جو کہ ایک فاتر العقل اور جسمانی عوارض میں مبتلا بوڑھا اور پیشے کے لحاظ سے امریکہ نواز بیوروکریٹ تھا اور تمام غیر جمہوری احکامات اور غیر قانونی حکومت کی بنیادیں رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے بوجہ خرابی صحت ۱۹۵۵ء میں پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے سے استعفٰی دے دیا۔ اس کے استعفٰی پر الفضل نے اس سے اظہار ہمدردی کیا اور اس کی بہت تعریف کی۔

> ''ملک غلام محمد نے پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے سے استعفٰی دے دیا ہے۔ اپنی مدت عہدہ کے دوران جس لگن اور جرأت کے ساتھ انہوں نے پاکستان کی خدمت کی وہ قائداعظم کے بعد صرف انہیں میں پائی جاتی ہے۔ رہنماؤں میں قائداعظم کے بعد وہ ہردلعزیزی میں'

۱۔ الفضل لاہور۔ 25 نومبر 1954ء۔

۲۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ تقسیم سے قبل ظفر اللہ نے اس کا نام وائسرائے کی انتظامی کونسل کے لیئے تجویز کیا تھا۔ ان دنوں وہ نظام حیدرآباد کا ملازم تھا۔

سب سے نمایاں نظر آتا ہے جس کی دوست دشمن سبھی تعریف کرتے تھے۔ چند دن پہلے کچھ رہنماؤں کی وجہ سے پاکستان کو بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ناگزیر دکھائی دے رہا تھا کہ ملک لاقانونیت میں جکڑا جائے مگر انہوں نے اپنی عقلمندی سے ملک کو بحران سے بچالیا۔

اگر وہ اپنا آہنی ہاتھ نہ استعمال کرتے تو پاکستان کو خطرات لاحق ہو سکتے تھے اگرچہ چند شرپسند عناصر نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا مگر معاشرے کے تمام سنجیدہ طبقات نے ان کی تائید کی۔

جب ایک مورخ پاکستان کے ابتدائی دور کی تاریخ لکھے گا تو ہمارا پختہ یقین ہے وہ غلام محمد کا نام ان میں شامل کرے گا جو واقعی پاکستان کے خیر خواہ تھے اور جنہوں نے اسے بحران سے نکالا۔ انہوں نے کسی غرض اور خوف کے بغیر شدید مخالفت کے باوجود اپنے فرائض منصبی انتہائی جرأت اور دلیری سے ادا کیئے۔ واقعی بے مثال خوبیوں کے ساتھ انہوں نے درست طور پر اپنے آپ کو قائداعظم کا جانشین ثابت کیا۔ انہوں نے اپنے استعفیٰ پر بالکل درست طور پر لکھا ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس کا فیصلہ مورخ کرے گا۔ وہ جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں ان پر ضمیر کی کوئی چبھن نہیں ہے۔ ان کے ذہن میں ہمیشہ قوم کی فلاح موجود رہی۔ ان کے الفاظ کی تصدیق ان کے اعمال کردیں گے۔ یہ خالی الفاظ نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہیں۔ انہیں خرابی صحت کی بناء پر استعفیٰ دینا پڑا ہے تاہم ملک کے تمام حقیقی خیر خواہ اور قوم کی یہ خواہش تھی کہ وہ ملک کی مزید خدمت کرتے''۔(۱)

الوداعی ٹھوکر

۱۹۵۳ء میں روس۔ امریکہ اور پاکستان میں حکومتوں کی تبدیلی سے بین الاقوامی سیاسی منظر پر نئے نقوش نمودار ہوئے۔ آئزن ہاور کے صدر بننے اور جان فاسٹر ڈلز کے سیکرٹری آف سٹیٹ بن جانے سے واشنگٹن میں سیاست کو نئی جہت ملی۔ بوگرہ کی وزارت عظمیٰ سے

۱۔ الفضل لاہور۔ 22 ستمبر 1955ء۔

پاکستان مزید تیزی سے امریکہ کی جھولی میں جا گرا۔ دو اپریل ۱۹۵۴ء کو کراچی میں پاکستان اور ترکی کا فوجی معاہدہ ہوا۔ ایک ماہ بعد انیس مئی کو پاکستان اور امریکہ نے کراچی میں امداد باہمی اور سلامتی کے معاہدوں پر دستخط کیئے جنوب یا جنوب مشرق میں کسی بھی سوویت روس کے اثر کو روکنے کے لیئے سامراجیت نے منیلا میں آٹھ ستمبر ۱۹۵۴ء میں ایک معاہدہ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اس معاہدے کو سینٹو کا نام دیا گیا اور اس پر دستخط کرنے والوں میں امریکہ۔ برطانیہ۔ فرانس اور آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ تھائی لینڈ۔ پاکستان اور فلپائن شامل تھے۔

سینٹو کا مقصد صرف اشتراکیت کے خلاف تحفظ فراہم کرنا تھا۔ پاکستان چاہتا تھا کہ اسکا دائرہ کار غیر اشتراکی ممالک تک بھی بڑھا دیا جائے۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ اُس نے سیکرٹری آف سٹیٹ ڈلز سے اس معاملے پر بحث کی مگر بے سود ثابت ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کا خصوصی احترام کرتے تھے۔ دونوں قانون سے تعلق رکھتے تھے اور ''جاپانی امن کانفرنس'' میں ڈلز نے ظفر اللہ کو کانفرنس کی بہترین تقریر کرنے پر گرمجوشی سے سراہا تھا اور اس کے بدلے میں ظفر اللہ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ڈلز کے ارفع و اعلیٰ خیالات اور شریفانہ تصورات کی تعریف کی۔(۱)

امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ نے سینٹو کے دائرہ اثر کی بابت سٹیٹ کی منظوری کے بغیر کوئی قدم اٹھانے پر اظہار افسوس کیا۔ ظفر اللہ کے مطابق چونکہ حکومت پاکستان سے مزید ہدایات حاصل کرنے کا وقت نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے سینٹو کے قیام کی دستاویز پر یہ کہتے ہوئے دستخط کر دیئے۔

> ''دستخط کیئے جاتے ہیں تاکہ یہ حکومت پاکستان کو بھجوایا جائے جو آئینی طریقہ کار کے مطابق اس پر فیصلہ کرے''۔(۲)

اس کی جو حتمی تحریری شکل ہمارے سامنے آئی اس میں یہ الفاظ موجود نہیں، انیس جنوری ۱۹۵۵ء کو پاکستان نے معاہدہ کی تصدیق کر دی اور آئندہ سالوں میں اس کا پرجوش رکن بنا

۱۔ جنرل اسمبلی مباحثہ 18 ستمبر 1953ء۔

۲۔ ظفر اللہ تحدیث نعمت ص 60، سرونٹ آف گاڈز ص 214۔

رہا۔ (۱)

ایک مشہور صحافی معظم علی کا کہنا ہے کہ انہوں نے فیلا کانفرنس کے تمام معاملات سے بوگرہ کو مطلع کیا۔ جس پر انہوں نے فوراً کابینہ کا اجلاس بلایا اور ظفر اللہ کو برقی پیغام بھجوایا اور ہدایت کی کہ معاہدہ کی اس شق کو قبول نہ کیا جائے۔ (۲)

مگر ظفر اللہ اس معاہدہ پر پہلے ہی دستخط کر چکا تھا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیئے نیو یارک چلا گیا تھا۔

ظفر اللہ نے سینٹو CENTO کے لیئے بھی راہیں ہموار کیں۔ سی آئی اے کے ہاتھوں مصدق حکومت کا تختہ الٹے جانے کے بعد وہ ایران گیا اور شاہ ایران سے ایک خصوصی ملاقات کی۔ (۳)

ستمبر ۱۹۵۵ء میں پاکستان "معاہدہ بغداد" میں شامل ہو گیا۔ معاہدہ میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ اگر ضروری ہوا تو رکن ممالک کی افواج پاکستانی علاقہ استعمال کر سکیں گی۔ اس طرح امریکہ پشاور میں بڑا ہوائی اڈہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جو واقعی اس کے لیئے نادر جاگیر تھی اور اس کا حصول امریکہ کا ۱۹۵۴ء سے ہی مقصد تھا۔ (۴)

عراق میں ایک فوجی انقلاب کے بعد اس معاہدہ کو سنیٹو کا نام دے دیا گیا جس کے ارکان میں ترکی۔ ایران۔ پاکستان اور برطانیہ شامل تھے۔

> "اس معاہدہ کا سب سے اہم مقصد پاکستانی فوج کو ایک گماشتہ قوت بنانا تھا جو مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کا تحفظ کر سکے"۔ (۵)

ان معاہدات سے پاکستان عرب دنیا سے کٹ کر رہ گیا اور اسلامی حلقوں سے اس کی خارجہ پالیسی پر شدید تنقید شروع ہو گئی۔ اسے ایک مغرب نواز اور امریکہ کا حاشیہ بردار ملک قرار دیا جانے لگا جو ایشیا کے علاقے میں سامراجی مفادات کا ترجمان تھا۔

۱۔ ایس ایم برکی "پاکستان کی خارجہ پالیسی" سن 1973ء ص 168۔

۲۔ ہفت روزہ "چٹان" لاہور 29 نومبر 1971ء۔

۳۔ سرونٹ آف گاڈ ص 204۔

۴۔ شیریں طاہر خیلی "ریاست ہائے متحدہ اور پاکستان" پریگر پبلشرز نیو یارک امریکہ 1982ء ص 6۔

۵۔ طارق علی ص 75۔

عالمی عدالت انصاف کا جج

تقسیم سے ایک سال قبل (۱۹۴۶ء میں) ظفر اللہ کو برطانوی ہند نے بین الاقوامی عدالت کے جج کے امیدوار کے طور پر نامزد کیا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے ان کا نام تجویز کیا تھا۔ امریکی حکومت نے آخری مرحلے پر پولینڈ کے امیدوار کی حمایت میں ظفر اللہ کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا اس لیئے وہ منتخب نہ ہوسکا مگر ان دنوں کے برعکس ۱۹۵۴ء میں امریکہ کی شدید خواہش تھی کہ اسے عالمی عدالت انصاف کے جج کی حیثیت میں دیکھے۔

ظفر اللہ واضح امریکی حمایت سے عالمی عدالت انصاف کا جج بن گیا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ فروری ۱۹۵۲ء میں سر بی این راؤ بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج مقرر ہوا۔ اپنی مدت عہدہ پورا کرنے سے پہلے ہی نومبر ۱۹۵۳ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے خالی اسامی پر کرنے کے لیئے نام مانگے لیکن وزیر اعظم پاکستان نے ظفر اللہ کو اس نشست پر مقابلہ کرنے کے لیئے فارغ نہ کیا۔ مئی ۱۹۵۴ء کے آخر میں ظفر اللہ ورلڈ بنک کے ساتھ پانی کے مسئلے پر مذاکرات کے لیئے واشنگٹن گیا۔ وہاں اس کی ملاقات امریکی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کرنل ہینک بارو ڈ سے ہوئی جنہوں نے اسے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ملاقات کا وقت دے دیا۔ ہینک نے ظفر اللہ کو بتایا کہ انہیں علم تھا کہ وہ پاکستان کی وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے کر عالمی عدالت میں جانا چاہتا تھا۔ اسی دوران نامزدگی وصول کرنے کی میعاد گزر چکی تھی۔ اس لیئے حکومت امریکہ نے اپنے طور پر ان کا نام اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ میں جج عالمی عدالت کے امیدوار کے طور پر بھجوا دیا۔

ظفر اللہ مطمئن ہوکر واپس لوٹ گیا۔ پھر اس نے اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ سے استدعا کی کہ وہ اس کی ایک اور مشکل میں مدد کریں۔ وہ یہ تھی کہ نومبر ۱۹۵۳ء میں راؤ کی وفات کے بعد ہندوستان اپنے امیدوار کی خاطر ووٹ مانگ رہا تھا اور اس طرح عالمی عدالت انصاف کے جج کی نشست کے حصول کے لیئے مضبوط لابی اور ٹھوس حمایت کی اشد ضرورت پڑ گئی تھی۔

امریکی حکومت اور اس کے تمام اتحادی خصوصاً اسرائیل ظفر اللہ کی تعیناتی کے حق میں تھے۔ اس کا مدمقابل امیدوار جسٹس پال تھا جو کہ کلکتہ ہائی کورٹ کا جج تھا اور جاپانی جنگی جرائم کے ٹریبونل کا رکن رہ چکا تھا۔ اس نے اپنے اکثر رفقاء کار سے اس مسئلے پر اختلاف کیا تھا۔ ظفر اللہ کے مطابق اس نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ لکھا کہ جنگی جرائم کی سماعت بذات خود ایک جنگی جرم تھا۔ اس بات سے قدرتی طور پر امریکہ شدید ناراض تھا۔ درحقیقت اس نے امریکہ کو ”قاتل قرار دیا تھا“۔ (۱)

اس اصولی اختلاف رائے کی وجہ سے جسٹس پال کے ایک امریکی پٹھو کے مقابلے میں کامیابی کے مواقع بہت کم تھے۔

سفارتی پیمانے پر پاکستانی مشنوں نے بیرون ملک ظفر اللہ کی حمایت کے حصول کی سرتوڑ کوششیں کیں۔ ۱۹۵۲ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس کے شروع ہوتے ہی ایسی صورتحال پیدا ہوگئی کہ سلامتی کونسل کے پانچ ارکان جنہوں نے ہندوستانی امیدوار کو اپنی حمایت کا یقین دلا دیا تھا انہوں نے سینٹو کے اتحادی ہونے کی وجہ سے حمایت واپس لے لی۔ جب سلامتی کونسل میں چھ ووٹ پاکستان کے حق میں اور پانچ ہندوستان کے حق میں تھے جبکہ اسمبلی میں پاکستان کے حق میں انتیس اور ہندوستان کے حق میں بتیس ووٹ پڑے۔ اسمبلی کے ووٹ فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکے کیونکہ فیصلہ کن اکثریت کے لیئے تینتیس ووٹوں کی ضرورت تھی۔ اس لیئے اس عمل کو دہرانا پڑتا تھا۔ اسی دوران یہ معلوم ہوا کہ پاکستانی امیدوار کو سلامتی کونسل میں مکمل اکثریت حاصل ہوگئی ہے۔ اسمبلی میں دوبارہ ووٹ پڑنے سے ظفر اللہ تینتیس ووٹ لے کر منتخب ہوگیا۔ (۲)

یہ سب کچھ امریکہ کی اعانت اور مغربی ممالک کی وجہ سے ہوا۔ جی ڈبلیو چوہدری کے مطابق ہیگ میں ظفر اللہ کو جج کا عہدہ انعام کے طور پر عطا کیا گیا تھا، جو کہ سیٹو میں پاکستان کی شمولیت کے لیئے ظفر اللہ کی خدمات کے عوض امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ فاسٹر ڈلز نے

۱۔ ظفر اللہ سرونٹ آف گاڈ، ص 213۔

۲۔ سرونٹ آف گاڈ، ص 217۔

دیا تھا۔(۱)

داخلی انتشار

۱۹۵۴ء میں علم الدین شہید کے ایک ''بروز'' عبدالحمید نے مرزا محمود پر چاقو سے حملہ کر دیا تا کہ انکا سر کاٹ دے۔ کہنہ سال اور علیل مرزا محمود پہلے ہی بہت سی بیماریوں بشمول فالج کا شکار تھے۔ یہ افواہ بھی اڑی کہ مرزا صاحب اس زخم سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ حملے کے بعد جس اذیت ناک درد کا وہ شکار ہو چکے ہیں اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے چھٹکارا پا جائیں گے۔ ربوہ میں ایک طرح کی اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی جو آہستہ آہستہ قوت پکڑ گئی۔ کئی بااثر قادیانی زعماء خلافت کے پر کشش اور منافع بخش عہدے کے خواہشمند تھے۔ قیادت کے حصول کی یہ تحریک جو مرزا صاحب کے سامنے جاری تھی اس کو انکے گھرانے کے افراد نے شہ دے رکھی تھی۔

اپریل ۱۹۵۵ء کے آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ علاج کی غرض سے یورپ جا رہے ہیں۔ بہت سے قادیانیوں کا خیال تھا کہ خلیفہ کا داخلی بحران کے زمانے میں یہ اہم سیاسی مشن ہے۔ مرزا محمود کے مخالفین نے جنہیں مرزا محمود کے پیروکار ''منافقین'' کہتے تھے اپنی قوت کے اظہار کے لیئے ''قادیانی خلافت'' کے خلاف کھلی جنگ چھیڑ دی تھی۔ قادیانی پریس نے انکی سرگرمیوں کا ایک سے زائد موقع پر اپنے روایتی مبہم انداز میں حوالہ دیا۔ دوسری طرف منحرفین نے احمدی ''راسپوٹین'' کی بداعمالیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اپنے مرکز قوت ربوہ کے سقوط کی پیش گوئی کر دی۔ خلافت کے آلہ کاران کی سرگرمیوں کی مذمت کے لیئے میدان میں آ گئے اور انہوں نے قادیانیوں کو ان کے مذموم ہتھکنڈوں خصوصاً خلافت کے زوال کے لیئے کوششوں سے آگاہ کیا۔(۲)

ان منحرفین نے بعد میں ''حقیقت پسند جماعت'' بنالی اور لاہور منتقل ہو گئے۔

خلافت کی مخالف تحریک نے زور پکڑ لیا مغربی کے بعد یہ مشرقی پاکستان میں بھی شروع

۱۔ جی ڈبلیو چوہدری ''ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور بڑی طاقتیں'' ص 89۔

۲۔ الفضل ربوہ 23 اپریل 1955ء۔

ہو گئی۔ مرزا محمود نے جماعت احمدیہ مشرقی پاکستان کو خط لکھا جہاں خلیفہ کی حیثیت کے بارے میں خصوصی بددلی پھیلتی جا رہی تھی۔ انہوں نے جماعت کے پرانے اراکین دولت احمد (براہمن بڑیا) شاہ جہاں (ڈھاکہ) اور ڈپٹی خلیل الرحمٰن کو نصیحت کی کہ وہ انتشار پیدا نہ کریں۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کی جماعت کو عمومی طور پر ہدایت کی کہ وہ ان شر پسند عناصر سے لاتعلق ہو جائیں۔(۱)

مئی ۱۹۵۵ء کے پہلے ہفتے میں وہ شام کے لیئے روانہ ہوئے جہاں وہ ایک ہفتے تک قیام پذیر رہے۔(۲)

انہوں نے اسرائیل میں قادیانی مبلغ چوہدری محمد شریف سے رابطہ کیا اور اسرائیلی صدر بن زیوی اور وزیر خارجہ موشے شروٹ کو پراسرار ذرائع سے چند اہم پیغامات بھجوائے۔ سات مئی کو وہ لبنان چلے گئے اور وہاں مختصر قیام کے بعد یورپ کو روانہ ہو گئے۔ ظفر اللہ جو کہ سامراجیت کا ایک بہت بڑا نمائندہ تھا اس سفر میں ان کے ہمراہ تھا۔ اُن کے ساتھ ہونے سے پہلے ظفر اللہ اردن کے شاہ حسین سے ملا اور اس کے ساتھ ''عرب مفادات'' کے متعلق معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔(۳)

ظفر اللہ کے معاشقے

بشریٰ ربانی نامی ایک لبنانی لڑکی دمشق میں قیام پذیر تھی۔ شام کے حسنی گھرانے کی کوششوں سے اس کے بڑے قادیانی ہو گئے تھے۔ محمد قاذق نام کا ایک نوجوان بشریٰ کا کزن تھا جو اس سے محبت کرتا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں ان کا نکاح ہو گیا اور وہ خلیجی ریاستوں میں دولت کمانے کے لیئے چلا گیا۔ بشریٰ کے محبت بھرے خطوط اسکی تسکین کا باعث تھے لیکن اس نے یکدم اسے خطوط لکھنے بند کر دیئے۔ قاذق نے اس کے لیئے اپنے محبت بھرے خطوط جاری رکھے کیونکہ بشریٰ کو بھلانا اسکے لیئے ناممکن تھا۔ کافی عرصے بعد بشریٰ نے اسے ایک

۱۔ تاریخ احمدیت' جلد 17' ص 496 اور الفضل ربوہ 21 اپریل 1955ء۔

۲۔ الفضل ربوہ' 21 مئی 1955ء۔

۳۔ الفضل ربوہ' 6 مئی 1955ء۔

خط لکھا جس میں قاذق کو دعوت دی کہ وہ مسیح موعود کے خلیفہ ثانی حضرت مرزا بشیر الدین کی تکریم بجالانے کے لیئے دمشق آئے اور اس کے ساتھ ہی سر ظفر اللہ خان کی بھی جو ۱۹۵۵ء میں اس کے ساتھ ہی دمشق آئیں گے۔

"الیوم" قاہرہ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قاذق نے بشریٰ کے ساتھ اپنی محبت اور نکاح کی کہانی بیان کی اور پھر بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ بشریٰ کے بھائی محمود نے قاذق پر طلاق کے لیئے زور ڈالا کیونکہ وہ لوگ پہلے ہی بشریٰ کی ظفر اللہ کے ساتھ شادی کا اہتمام کر چکے تھے۔ بشریٰ کے والدین کو پینتالیس ہزار پاؤنڈ کی خطیر رقم اور دمشق کے ایک مہنگے علاقے "بستان الخضر" میں ایک خوبصورت گھر خرید کر دے دیا گیا تھا۔(۱)

ظفر اللہ بشریٰ کی محبت میں اس وقت گرفتار ہوا جب وہ قادیانی مرکز دمشق میں مرزا محمود کو سلام عقیدت پیش کرنے کے لیئے حاضر ہوئی جو اپنے علاج کے لیئے یورپ جا رہے تھے۔ اس نے بشریٰ کے بھائی کو دمشق میں پاکستانی سفارتخانے میں نوکری کی پیشکش بھی کی۔ جب بشریٰ اس "مقدس جھانسے" میں اپنی منگنی کے لیئے آئی تو ظفر اللہ نے اسکی انگلی میں انگوٹھی پہنائی اور ایک ہیروں کا ہار اس کے گلے کی زینت بن کر چمکنے لگا۔ دمشق کے پاکستانی سفارتخانے میں یہ شادی سرانجام پائی۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ظفر اللہ کی پہلی شادی اس کی کزن اقبال بیگم کے ساتھ ہوئی۔ اقبال بیگم کی وفات کے بعد اسکی بہن رشیدہ بیگم ظفر اللہ کی بیوی بنی۔ وہ بھی چند سال بعد وفات پا گئی۔ تیسری شادی بہار کی بدر بیگم کے ساتھ ہوئی جس کے بطن سے ظفر اللہ کی واحد اولاد "امتہ الحیٰ" نے جنم لیا۔ بدر بیگم نے بعد میں ظفر اللہ سے طلاق لے لی۔

شام کے مفتی نے ظفر اللہ کی بشریٰ ربانی کے ساتھ شادی کی مذمت کی اور اس کے خلاف ایک فتویٰ جاری کیا۔ ایک دوسرے شامی عالم شیخ محمد خیر القادری نے پاکستانی سفارتخانے دمشق میں اس شادی کے اہتمام پر سخت احتجاج کیا۔ انہوں نے اس شادی کو غیر

۱۔ ماہنامہ "شخصیات" کراچی ستمبر 1970ء ص 14-15۔

قانونی اور قوانین اسلام کے خلاف قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ظفر اللہ کا تعلق ایک غیر مسلم فرقے ''قادیانیہ'' سے ہے جسے برطانوی سامراج نے اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل اور جہاد کی تنسیخ کے لیئے جنم دیا تھا۔ (۱)

یہ شادی انجام کار ناکامی پر منتج ہوئی جو ظفر اللہ کی زندگی کا تلخ ترین واقعہ ثابت ہوا۔ بشریٰ عمر میں اس کی بیٹی سے بھی چھوٹی تھی۔ وہ بعد ازاں ایک لبنانی عیسائی شاعر مائیکل نائمی کے بیٹے سے شادی کی خاطر ظفر اللہ کو چھوڑ کر چلی گئی جو خلیل جبران کا ہم پلہ شاعر سمجھا جاتا ہے۔ بشریٰ نے نائمی کی سوانح حیات بھی لکھی۔ ظفر اللہ صنف نازک سے محبت میں بڑا ''معصوم'' واقع ہوا تھا۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب بشریٰ اپنے دوسرے عاشق کے ساتھ رہنے کے لیئے چلی گئی تھی۔ اس سارے چکر میں کوئی جذباتیت نہیں تھی یہ مکمل طور پر ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا جو کہ جذبات کی بجائے عقل پر استوار تھا۔ (۲)

لندن کانفرنس:

مرزا محمود نے زیورچ۔ ہمبرگ اور لندن میں احمدیہ کانفرنسوں کا انعقاد کیا تاکہ اپنی جماعت کی نشوونما کے لیئے نئی حکمت عملی ترتیب دے سکے اور مغربی قوتوں کا وسیع تر تعاون حاصل کر سکے۔ لندن میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں تمام مراکز کے چیدہ چیدہ نمائندے شامل ہوئے۔ اس میں مذہبی۔ معاشی اور سیاسی مسائل کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کے احیاء اور اپنی پہچان کے لیئے عرب دنیا میں جاری تحریکوں پر غور کیا گیا۔

ظفر اللہ کہتا ہے

> ''خلیفۃ المسیح نے ۱۹۵۵ء میں اپنے دورہ یورپ کے دوران یورپ میں بہت سے مراکز کی کارکردگی معلوم کی اور مختلف یورپی ممالک میں کام کرنے والے مبلغین کی لندن میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں ان کی سرگرمیوں اور ترقی کا جائزہ لیا گیا۔ مستقبل میں ان کی ذمہ

۱۔ ''ریاست'' دہلی 28 مئی 1956ء۔

۲۔ ہفت روزہ ''میگ'' کراچی 12 تا 18 ستمبر 1986ء۔

داریوں سے متعلق ہدایات دی گئیں اور رہنمائی فراہم کی گئی"۔ (۱)

پچیس ستمبر ۱۹۵۵ء کو بیروت۔ شام۔ سوئٹزرلینڈ۔ اطالیہ۔ ہالینڈ اور لندن کی یاترا کے بعد مرزا محمود ربوہ لوٹ آئے۔

صیہونی امداد:

مشرق وسطیٰ کے بارے میں مرتب شدہ نئی حکمت عملی کی روشنی میں مرزا محمود نے جلال الدین قمر کو پاکستان سے اسرائیل بھیجا تاکہ وہ وہاں جا کر اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالے۔ چوہدری محمد شریف جو کہ ۱۹۳۳ء سے اسرائیل میں تھا پاکستان کے لیئے روانہ ہو گیا۔ اس سے قبل ۱۹۵۱ء میں شیخ نور احمد اور رشید چغتائی اپنے مکروہ منصوبوں پر کام کرنے کے بعد اسرائیل سے پاکستان واپس آ چکے تھے۔ یہ تمام کے تمام مبلغ ربوہ میں رہتے تھے۔ جلال الدین قمر جب اسرائیل میں تھا تو اس کا کنبہ ربوہ ہی میں قیام پذیر تھا۔ (۲)

جب چوہدری محمد شریف پاکستان کے لیئے روانہ ہونے لگا تو اسرائیلی وزیر اعظم بن زیوی نے اسے ایک خصوصی پیغام بھجوایا کہ وہ پاکستان روانگی سے قبل اس سے مل کر جائے۔ اس کا احمدی مبلغ سے ملنے کا اشتیاق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ صیہونیوں اور قادیانیوں کے درمیان قریبی تعلقات اور کس قدر خفیہ مفاہمت پائی جاتی تھی۔ اٹھائیس نومبر ۱۹۵۵ء کو شریف اسرائیلی وزیر اعظم سے ملا۔ جمعے کے ایک خطبے میں مرزا محمود نے اپنی جماعت کو بڑے فخریہ انداز میں بتایا کہ اسرائیلی وزیر اعظم قادیانی مبلغ سے ملنے کا بڑا شائق تھا۔ (۳)

چوہدری شریف کی اسرائیل سے پاکستان آمد کے بعد الفرقان ربوہ نے "فلسطین میں تبلیغ اسلام" کے عنوان سے خصوصی ایڈیشن شائع کیا۔ اس کا مدیر اللہ دتہ لکھتا ہے

۱۔ سر ظفر اللہ "احمدیت" ص 333۔

۲۔ ابو مدثرہ، ص 203۔

۳۔ تاریخ احمدیت، جلد 5 ص 507۔

> ''مولانا محمد شریف فلسطین مشن کے انچارج ہوئے۔ آپ نے ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک اس مشن میں فریضہ تبلیغ انجام دیا۔ ابھی حال میں واپس آئے ہیں آپ مع اہل و عیال واپس آئے ہیں اور ان کی جگہ اس مشن کے انچارج مولانا جلال الدین قمر مقرر ہیں۔''(۱)

مسلح صیہونی تنظیمیں اپنی ''ارض موعود'' میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں پر ہمیشہ سخت رد عمل ظاہر کرتی تھیں۔ اپنی نظریاتی ریاست میں وہ ''مسیح کے پیغام'' کی اشاعت کو کبھی برداشت نہیں کرتی تھیں۔ اسرائیل میں عیسائیوں کے تبلیغی کاموں پر تنازعہ رہا مسلح یہودی مذہبی گروہوں نے انکو برداشت نہ کیا اور کئی بار بدمزگی پیدا کی۔ اسرائیل میں عیسائی مرکز کی اطلاع میں یہ کہا گیا ہے کہ

> ''تبلیغی مراکز پر حملے کیئے گئے اور کتابوں کی دکانوں پر حملہ کر کے ''عہد نامہ جدید'' کے نسخوں کو آگ لگانے کی کوششیں کی گئیں''۔(۲)

مگر احمدی مشن کے ساتھ اسرائیل میں کبھی ایسا سلوک نہ ہوا حالانکہ وہ اسرائیل میں ''اسلام'' کی تبلیغ کے دعویدار تھے۔ احمدیوں اور اسرائیل کے یہودیوں کے مابین تعلقات ہمیشہ خوشگوار اور برادرانہ رہے۔

مرزا مبارک احمد کی کتاب ''ہمارے بیرون ملک مشنز'' سے حاصل کیئے گئے اس اقتباس سے اسرائیلی احمدی یگانگت کی ایک جھلک ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مرزا مبارک احمد مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ہے۔

> احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد۔ ایک مشن ہاؤس۔ ایک لائبریری۔ ایک بک ڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے ''البشریٰ'' کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری ہے جو تیس مختلف ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اس مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کے تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے ان کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہمارے مشن کے لوگ حیفہ کے میئر سے ملے اور ان سے گفت و شنید کی۔ میئر

۱۔ الفرقان ربوہ فروری 1956ء۔

۲۔ مارننگ نیوز کراچی 26 ستمبر 1973ء۔

> نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیئے کبابیر میں حیفہ کے قریب وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میئر صاحب ہمارا مشن دیکھنے کے لیئے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار معززین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا پروقار استقبال کیا گیا۔ جس میں جماعت کے سرکردہ ممبر اور سکول کے طالب علم بھی موجود تھے۔ ان کی آمد کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں انہیں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میئر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں بھی تحریر کیئے۔ ہماری جماعت کے موثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب ہمارے مبلغ چوہدری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان واپس تشریف لا رہے تھے۔ اس وقت اسرائیل کے صدر نے ہمارے مشنری کو پیغام بھیجا کہ چودھری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر چودھری صاحب نے ایک قرآن حکیم کا نسخہ جو جرمن زبان میں تھا صدر محترم کو پیش کیا۔ جس کو خلوص دل سے قبول کیا گیا۔ چودھری صاحب کا صدر صاحب سے انٹرویو اسرائیل کے ریڈیو سے نشر کیا گیا اور ان کی ملاقات کو اخبارات نے جلی سرخیوں میں شائع کیا''۔ (۱)

حقیقت پسند پارٹی:

جب مرزا محمود اپنی یورپ یاترا سے واپس لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ کئی با اثر قادیانی جن میں مرزا غلام احمد کے جانشین اور ''احمدیوں کے نفس ناطقہ'' حکیم نور الدین کے دو بیٹے بھی شامل تھے ان کی ربوہ میں چیرہ دستیوں اور آمریت کے خلاف مہم چلا رہے تھے اس بات سے مرزا محمود کو بڑی جھنجلاہٹ اور خفت اٹھانا پڑی کیونکہ حکیم نور الدین کے بیٹوں عبدالمنان عمر اور عبدالوہاب کو قادیانی حلقوں میں ان کی ''علمیت و تقویٰ'' اور ان کی مرزا صاحب کی خاندانی و ذاتی قربت کی وجہ سے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ (۲)

وہ دونوں ان کے برادر نسبتی بھی تھے۔

۱۔ مرزا مبارک احمد ''ہمارے بیرون ممالک مراکز'' نصرت آرٹ پریس ربوہ 1988ء ص 314۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 5 ستمبر 1956ء۔

احمدیہ تحریک کی تاریخ کا یہ ایک دلچسپ باب ہے کہ مرزا محمود کے کئی قریبی رفقاء کار نہ صرف ان کے مخالف ہو گئے بلکہ انہوں نے ان کی ذات پر کئی قسم کے سنگین الزامات بھی عائد کیئے۔ احمدی منحرفین نے جو کہ اپنے آپ کو حقیقت پسند کہلواتے تھے۔ ربوہ کے ''علیل اور نیم پاگل خلیفہ'' کی کئی کمزوریوں کا پردہ چاک کیا۔ ان پر جو متعدد الزامات عائد کیئے گئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(i) مرزا محمود نے انجمن احمدیہ کی پونجی اپنے ذاتی استعمال میں خرچ کی اور اشاعت اسلام کے نام پر اکٹھی کی جانے والی رقم کو فضول خرچی میں اڑا دیا۔(۱)

(ii) انہوں نے بے تحاشہ سرمایہ کاریاں کیں۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں جائیدادیں خریدیں۔ اپنے رشتہ داروں کے لیئے سرکردہ صنعتی اداروں کے حصص خریدے اور اپنے لیئے ایک عظیم الشان مالی سلطنت تعمیر کر لی۔ ان کے اور ان کے وسیع خاندان کے مختلف افراد کے پاس غیر ملکی سرمایہ کاری کے زیادہ تر حصص تھے۔ وہ قانونی طور پر بھی ربوہ میں مقیم اپنی ساری جماعت کی جائیدادوں کے مالک ہیں۔(۲)

(iii) مرزا محمود جنسی بے راہ روی میں ملوث تھے اور انہوں نے اخلاقی بے ضابطگی کے کئی جرائم کیئے۔ ان کے تنخواہ دار ایجنٹ انہیں نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں جنسی تسکین کے لیئے مہیا کرتے تھے۔ قادیانی لڑکیوں کی طرف سے متواتر عائد کیئے جانے والے الزامات نے انہیں مجرم ثابت کر دیا تھا۔ بعض نے اپنی شناخت ظاہر نہ کی مگر ایک کثیر تعداد نے جوان کے مبینہ جنسی حملوں کا شکار ہو چکی تھی۔ اپنے مکمل نام اور پتے ظاہر کیئے۔ ان لڑکیوں نے قرآن پاک کی قسمیں اٹھا کر انہیں مباہلے کے لیئے للکارا کہ اگر وہ ان پر غلط الزام لگا رہی ہوں تو ان پر خدا کا قہر و غضب نازل ہو۔(۳)

لیکن پھر بھی مرزا محمود ایک ''معصوم عن الخطاء'' ہونے کے دعویدار ہو کر اس بات پر مصر تھے کہ وہ کسی کو جوابدہ نہیں۔

۱۔ راحت ملک'' دور حاضر کا مذہبی آمر'' البلاغ پریس لاہور 1956ء ص 64۔
۲۔ مرزا محمود کی مالی بدعنوانیاں'' حقیقت پسند پارٹی'' البلاغ پریس لاہور' ص 8۔
۳۔ تاریخ محمودیت کے چند اہم مگر پوشیدہ اوراق'' حقیقت پسند پارٹی' گیلانی پریس لاہور۔

(iv) یہ کہ مرزا محمود کے آلہ کار خلیفہ کے مخالفین پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ان پر حملے کیئے گئے۔ بدسلوکی کی گئی اور بعض اوقات تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا جیسا کہ فخر الدین ملتانی کے ساتھ ہوا۔ مقاطعہ۔ جلاوطنی۔ ذہنی اذیت اور قریبی اقارب کے خلاف افواہیں پھیلا کر ذلیل کرنے کے ہتھکنڈے وغیرہ ان لوگوں پر آزمائے جاتے تاکہ وہ ''محمودی آمریت'' کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔ خواتین کو بدترین ممکنہ طریقوں سے ذلیل کیا جاتا۔ ''خدام احمدیہ'' کے ارکان عورتوں کی تذلیل کرتے اور آگے سے سر اٹھانے والوں کو ان سرکش نوجوانوں کے قاتلانہ حملوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ قادیانی بربریت کے سب سے بڑے شکار (حکیم نورالدین کے بیٹے) عبدالمنان اور عبدالوہاب تھے۔(۱)

ملک عزیز الرحمٰن۔ پروفیسر فیض الرحمان فیضی۔ راجہ بشیر احمد رازی۔ چوہدری غلام رسول۔ چوہدری عبدالحمید (ڈاڈا)۔ محمد یونس ملتانی۔ راحت ملک۔ عبداللطیف۔ عبدالرب برہم۔ چوہدری صلاح الدین ناصر۔ ایم مجید۔ مرزا حیات تاثیر۔ یوسف ناز اور علی محمد اجمیری کو منافقین اور مردود قرار دے کر جماعت احمدیہ سے خارج کر دیا گیا۔ ان میں سے کئی اپنی مرضی سے بھی ربوہ چھوڑ گیئے۔(۲)

(v) یہ کہ مرزا محمود نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کی اہلیت کے بغیر کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا۔ ایک دیانتدار شخص اقربا پروری اور ذاتیات میں نہیں الجھتا۔(۳)

(vi) یہ کہ مرزا محمود خفیہ و عیاں طریقوں سے مرزا ناصر احمد کی آمریت کے لیئے راہیں ہموار کر رہے تھے۔(۴)

یہ الزام ۱۹۶۵ء میں انکی وفات کے بعد سچ ثابت ہوا۔ مرزا ناصر جماعت کے سربراہ بنے۔

(vii) یہ کہ مرزا محمود ایک خلیفہ اور خدا کی طرف سے مصلح موعود ہونے کے دعویدار ہیں

۱۔ قادیانی نقطۂ نظر کے لیئے دیکھیئے (مرزا عبدالحق ''مولوی عبدالمنان کے کیس کی اجمالی تفصیلات''۔ ربوہ 25 نومبر 1956ء) اسکے علاوہ (دوست محمد شاہد ''خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک'' ربوہ 1956ء۔

۲۔ حقیقت پسند پارٹی' ربوہ راج کے محمودی منصوبے سندھ ساگر اکیڈمی' لاہور۔

۳۔ راحت ملک' ص 111۔

۴۔ ایضاً' مزید سنگین الزامات کے لیئے کتابچہ ''مرزا محمود ہوش میں آؤ'' ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جسے ربوہ میں خفیہ طور پر تقسیم کیا گیا اور بعد میں حقیقت پسند پارٹی نے اسے چھپوایا۔)۔

جو کہ مکمل طور پر ایک بے بنیاد دعویٰ ہے وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ان پر الہام اور وحی آتی ہے۔ چونکہ انہوں نے جھوٹے دعوے کیئے ہیں۔ لہٰذا خدائی عذاب ان پر نازل ہوا اور وہ فالج اور دیگر کئی امراض کا شکار ہو گئے۔⁽¹⁾

(viii) یہ کہ مرزا محمود نے ۱۹۵۳ء کے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے عدالت کو دھوکہ دیا اور عوامی رائے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی خاطر اپنی اصل نیت اور عقائد کو چھپایا۔ وہ اپنے وقت کے عظیم موقع پرست تھے۔⁽²⁾

وہ ابھرتی ہوئی سیاسی قوت سے اتحاد قائم کرنے کا موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

مرزا محمود نے اپنے اختیار کو قائم رکھنے کے لیئے ہر حربہ استعمال کیا۔ ان کے پیروکار منحرفین کے منصوبوں کو آشکارا کرنے کے لیئے ان کی جاسوسی کرتے۔ ان نام نہاد شرارتی اور منافق عناصر کی سرگرمیوں پر غم وغصہ کے اظہار کے لیئے احمدی تنظیموں کے ارکان نے درجنوں قراردادیں منظور کیں۔ ان افراد کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انہیں احمدیہ جماعت لاہور کی حمایت حاصل تھی۔⁽³⁾

یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ منحرفین نے مرزا محمود کو قتل کرانے کے لیئے ایک سابقہ قادیانی درویش اللہ رکھا کو تیار کیا ہے۔ اس دعوے میں کوئی صداقت نہیں تھی مگر مرزا محمود نے اس الزام کی رٹ لگائے رکھی۔ شاید وہ اس وقت مبینہ طور پر مالیخولیا میں مبتلا ہو چکے تھے۔ قادیانی جماعتوں نے اللہ رکھا کے خلاف بھی قراردادیں منظور کیں۔⁽⁴⁾

احمدیہ مبلغوں اور خلافت کے آلہ کاروں نے مرزا محمود کو ایک ایسی خدائی مذہبی شخصیت جو تقریباً نبی رسول کے قریب قریب تھی تک پہنچا دیا اور حقیقت پسندوں کے خلاف اجلاس

۱۔ سبط نور ''چند قابل غور حقائق'' لاہور 1961ء) مزید دیکھئے (عبدالرب برہم ''بلائے دمشق اور خلافت اسلامیہ'' روزنامہ بزنس پریس لائلپور فیصل آباد۔

۲۔ صالح نور ''خلیفہ ربوہ کے دو مذہب'' پرواز پریس لائلپور فیصل آباد) اور (''احمدیت سے محمودیت تک'' حقیقت پسند پارٹی لاہور) اور (''احمدیت کا دم واپسیں'' حقیقت پسند پارٹی لاہور۔

۳۔ مرزا محمود ''نظام اسلام کی مخالفت'' خطبہ بتاریخ 27 دسمبر 1956 ضیاءالاسلام پریس ربوہ۔

۴۔ الفضل ربوہ 3 تا 29 جولائی 1956ء) مزید دیکھئے (الفرقان ربوہ یکم ستمبر 1956ء۔

منعقد کیئے تاکہ داخلی خلفشار کو روکا جا سکے۔

حقیقت پسند پارٹی کا پہلا صدر راجہ رازی تھا جو دفتر احمدیہ میں اہلکار آبادی علی محمد کا بیٹا تھا۔ پارٹی نے قادیانی گروؤں کے اصل کردار اور سچے اسلام کے دعویداروں کی اخلاقی حیثیت کو آشکارا کرنے کے لیئے بہت سا مواد شائع کیا۔ اصل حقائق اس قدر تلخ ہیں کہ یہاں بیان نہیں کیئے جا سکتے۔ تحریک احمدیت کا کوئی بھی سنجیدہ طالب علم قادیانیت کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اسے حقائق بیان کرنا ہی ہوں گے اگرچہ وہ کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہوں اور معتقدین کو کتنے ہی ناگوار کیوں نہ گزریں۔(۱)

محلاتی سازشیں:

غلام محمد کے معذور اور ریٹائر ہونے کے بعد ملک کے دو بڑے بیوروکریٹوں اسکندر مرزا اور چوہدری محمد علی نے بڑے شاطرانہ طریقے سے بالترتیب صدر اور وزیر اعظم کے عہدہ تک اپنی راہیں ہموار کر لیں۔ مگر جلد ہی میدان سیاست سے باہر ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب نوکر شاہی اپنی طاقت کے عروج پر تھی اور ملکی سیاست کو محلاتی سازشوں کے مترادف قرار دیا جا سکتا تھا۔

سکندر مرزا نے بطور صدر سیاستدانوں کو آپس میں تقسیم کرنے کے پرانے طریقوں پر عمل پیرا ہو کر تمام قوتوں کو بے باکانہ طور پر اپنے شخصی راج کے قیام اور استحکام کے لیئے استعمال کیا۔ اس نے بیک وقت چوہدری محمد علی سے چھٹکارا حاصل کیا اور اپنی توجہ بنگالیوں کی طرف مبذول کی جو شخصی آمریت پر بے لاگ تنقید کرتے تھے۔ مشرقی پاکستان کی اسمبلی کے سپیکر کے ذریعے ایک مصنوعی بحران پیدا کیا گیا جس نے یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت کو نااہل قرار دیکر بجٹ سازی سے روک دیا اور اسمبلی کو غیر معینہ مدت کے لیئے ملتوی کر دیا۔ اس بات سے مرکزی حکومت کو یونائیٹڈ فرنٹ کی صوبائی وزارتوں کو ختم کرنے کا بہانہ مل گیا۔ چھبیس مئی ۱۹۵۶ء سے صوبے میں صدر راج کا نفاذ کر دیا گیا۔

۱۔ مزید دیکھئے "مرزا احمد حسین" "فتنہ انکار نبوت" لاہور 1976ء۔

یکم جولائی سے مشرقی پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت کو بحال کر کے ابوحسین سرکار نے یونائیٹڈ فرنٹ کی وزارتوں کی تشکیل کی۔ تاہم اس صوبائی حکومت کے ذریعے اور ایک جعلی بحران کو جنم دیا گیا۔ وزیراعلیٰ کی خواہشات کے برعکس اسمبلی کو موقوف کر دیا گیا اور اکتیس اگست ۱۹۵۶ء کو دوسری دفعہ صدر راج کا نفاذ کر دیا گیا۔

اس دوران مغربی پاکستان میں چاروں صوبوں کے ایک یونٹ میں انضمام کے خلاف تحریک احتجاج شروع ہو چکی تھی۔ بیس مارچ ۱۹۵۷ء کو مغربی پاکستان کی کابینہ مستعفی ہو گئی اور فوری طور پر صدر راج کے نفاذ کا شکنجہ کس دیا گیا۔ اسے چار ماہ بعد اٹھایا گیا جب صوبہ سرحد کے سابقہ آئی جی پولیس سردار عبدالرشید ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ وزیراعلیٰ بنے۔(۱)

گیارہ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اسکندر مرزا کو حسین شہید سہروردی سے چھٹکارا پانے میں کامیابی حاصل ہو گئی جو دونوں حصوں میں انتہائی ہردلعزیز ہو کر صدر مرزا کے اختیار کے لیئے خطرہ بنتا جا رہا تھا۔ چنانچہ ایک اور بحران ناگزیر طور پر تیار ہو گیا۔ سہروردی کی مخلوط جماعت ری پبلکن پارٹی نے ون یونٹ کے مسئلہ پر حکومت کی مدد سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ سہروردی نے صدر سے استدعا کی کہ اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لیئے اسمبلی کا خصوصی اجلاس بلایا جائے۔ صدر نے اس سے انکار کر دیا اور سہروردی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔

اس کے بعد جلدی جلدی ابراہیم اسماعیل چندریگر اور فیروز خان نون کی کابینائیں ایک کے بعد آئیں۔ آخر میں اسکندر مرزا نے جمہوریت کو آخری دھکا رسید کیا۔ سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اس نے ایک آمر کا کردار ادا کیا۔ مارشل لاء کا اعلان کیا۔ صوبائی و مرکزی حکومتیں برطرف کر دیں۔ آئین کو تباہ کر دیا۔ اسمبلیاں تحلیل کر دیں اور فوجی کمانڈر جنرل محمد ایوب خاں کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا گیا۔ ایوب خاں نے اسے بھی لات مار کر دائرہ اقتدار سے باہر پھینک دیا۔

ان سالوں (۵۸-۱۹۵۴ء) میں پاکستان امریکی حکومت کا ایک اتحادی تھا۔ عرب دنیا

۱۔ آؤٹ لک کراچی 14 اپریل 1973ء۔

میں یہ اپنا وقار کھو بیٹھا تھا۔ کیونکہ یہ سینٹو اور سیٹو کا رکن تھا' مصر کے صدر ناصر نے ان معاہدات پر شدید تنقید کی۔ سوویت یونین نے پاکستان کو مغرب کے جارحانہ رویوں میں حصہ دار بننے کا مورد الزام ٹھہرایا اور مسئلہ کشمیر جیسے معاملات پر ہندوستانی موقف کی کھل کر تائید کی۔ سہروردی کی حکومت نے پاکستان کے تاثر کو کافی آلودہ کر دیا تھا کیونکہ جب جمال ناصر اور مصری فوجوں نے مصر کا کنٹرول سنبھالا تو پاکستان نے عرب ممالک کے خلاف صیہونی سامراجی حملے کے جواب میں سرگرم امداد سے معذوری کر لی تھی۔(۱)

۱۹۵۷ء میں قادیانی پاکستانی سیاست میں نوکر شاہی اور مغرب نواز حلقوں کے ذریعے کافی سرگرم رہے۔ وہ پاکستانی سیاست میں اتنے زیادہ ملوث تھے کہ حکومت کو اس تجویز پر غور کرنا پڑا کہ انہیں ایک سیاسی تنظیم قرار دیا جائے۔ ایک باخبر نامہ نگار نے جو پاکستانی انٹیلی جنس کے اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ''مسلم'' اسلام آباد میں یہ راز افشاء کیا۔

> ''مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں پنجاب سی آئی ڈی نے ایک تجویز تیار کی کہ جماعت احمدیہ کو سیاسی تنظیم قرار دے دیا جائے کیونکہ یہ اس وقت کی پنجاب حکومت کی نظروں میں مشکوک قرار پا چکی تھی۔ اس جماعت کے ذیلی اراکین کی ایک تنظیم کو حکومت نے غیر قانونی قرار دیا اور سرکاری ملازمین کو سختی سے منع کر دیا گیا کہ وہ اس کے ساتھ تعلق نہ رکھیں۔ یہ ذیلی تنظیم ''احمدیہ انٹیلی جنس سٹاف'' کہلاتی تھی اور اس نے حکومت کے مختلف محکموں میں اپنے حلقے قائم کیے ہوئے تھے۔ اس کے نتیجے میں مسلح افواج میں احمدی افسران کی ایک فہرست لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں تیار کی گئی۔ حکومت کے نوٹس میں یہ بات بھی آئی کہ قادیانی افسران خفیہ اجلاس بھی منعقد کرتے تھے''۔(۲)

جماعت کی ان خفیہ کارستانیوں نے ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد نئی جہتیں اختیار کر لیں۔ ایوب خان نے اس تحریک کی نشو و نما میں سرپرستی کی تا کہ یہ اپنے استبدادی پنجے بیرون ملک تک پھیلا سکے۔

۱۔ ڈان' کراچی' 11 اگست 1967۔

۲۔ دی مسلم' اسلام آباد' 24 مئی 1984ء۔

انیسواں باب

قادیانیت کا پھیلتا جال

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۵۹ء کے ایوب خان کے فوجی انقلاب کو سی آئی اے کی پشت پناہی حاصل تھی۔ (۱)

ستائیس اکتوبر ۱۹۵۸ء سے لے کر جون ۱۹۶۲ء تک ملک پر مارشل لاء مسلط رہا جسے ملک کی کسی اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ سیاسی رہنماؤں کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ پریس پر شدید قدغن عائد کر دی گئی اور عوامی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

قادیانیوں کو فوجی آمریت ایک نعمت غیر مترقبہ کے طور پر ملی۔ اس سے انہیں اپنے آپ کو مستحکم کرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے بیرون ممالک مزید تبلیغی مراکز قائم کر لیئے جس طرح کہ وہ ماضی میں برطانوی سامراج کے زیر سایہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے تیزی سے پھیلتے ہوئے عوامی تنظیموں اور معاشی اداروں میں کلیدی آسامیاں حاصل کرنے کیلئے فوجی حکمرانوں اور نوکر شاہی کی اعانت حاصل کر لی۔ پاکستان اور بیرون ملک اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے انہیں یورپی طاقتوں اور عالمی صیہونیت کی مکمل پشت پناہی حاصل رہی۔

ایوب خان امریکہ کے ساتھ بہتر تعلقات کا راگ الاپتا رہا۔ اس نے مارشل لاء کے ایک سال بعد ہی امریکہ کے ساتھ ایک دوطرفہ دفاعی معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ امریکہ کو فوجی اڈے، مہیا کر دیئے گئے اور اسے سوویت یونین کی جاسوسی کیلئے پاکستانی علاقوں کے استعمال

۱۔ طارق علی ص 88) ایوب خان کے بھائی بہادر خاں کی شہادت کے مطابق 1958ء میں ایوب خان کے فوجی انقلاب میں سی آئی اے کا مقصد کارفرما تھا) ("پاکستان کی خارجہ پالیسی" مدیر کے عارف- لاہور 1984ء ص 110۔

کی مکمل اجازت تھی۔(۱)

احمدیوں پر اعتماد:

ایوب خان تمام اہم معاملات میں قادیانیوں پر اندھا دھند اعتماد کرتا تھا۔ معاشی منصوبہ بندی کے حساس معاملے اور بین الاقوامی معاملات کے میدان میں اس نے ان کی حوصلہ افزائی کی تا کہ وہ اہم منصب حاصل کر لیں۔ خارجہ پالیسی کے امریکہ کی طرف جھکاؤ کا جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ ۱۹۵۲ء میں امریکہ کی طرف سے ملنے والی معاشی امداد دس ملین ڈالر سے کم تھی جو ۱۹۶۳ء میں بڑھ کر ۳۸۰ ملین ڈالر ہو گئی تھی۔ پاکستان نے اس کا جواب ''کارہائے دوستی'' سے دیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) جو کہ ایک بدنام زمانہ بیوروکریٹ تھا پہلے فنانس سیکرٹری اور بعد میں پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئر مین بن گیا۔ وہ صیہونیوں کے در پردہ گروپوں جیسے ''فورڈ فاؤنڈیشن'' اور ''ہارورڈ ایڈوائزری گروپ'' کی اعانت سے پاکستانی معیشت میں علاقائی عدم توازن کا ذمہ دار تھا۔ ان گروپوں نے منصوبہ بندی کمیشن اور صوبائی محکمہ جات برائے منصوبہ بندی میں ماہرین معیشت کا ایک ریلا داخل کر دیا تا کہ پاکستان کیلئے پانچ سالہ منصوبے تیار کیئے جا سکیں۔ اس ناقص منصوبہ بندی سے مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان معاشی ناہمواریاں پیدا کی گئیں جس کا نتیجہ ملک کے مشرقی حصے کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔

ظفر اللہ اقوام متحدہ میں:

۱۹۶۱ء میں بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج کے طور پر ظفر اللہ دوبارہ منتخب نہ ہو سکا۔ اس نے لندن میں قیام پذیر ہو کر کچھ تبلیغی سرگرمیاں جاری کرنے کا منصوبہ بنایا مگر امریکہ نے صدر ایوب کو تجویز پیش کی کہ ظفر اللہ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقبل مندوب مقرر کر دیا جائے کیوں کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان بڑے بڑے سیاسی مسائل کی حکمت عملی جو کہ

۱۔ رابرٹ لاپورٹ جونیئر ''قوت اور استحقاق'' کیلیفورنیا یونیورسٹی۔ امریکہ 1975ء ص 150۔

دنیا کے ایوان میں زیر بحث تھے مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ جولائی ۱۹۶۱ء میں ایوب خان نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران لندن میں قیام کیا اور ظفر اللہ سے کہا کہ وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی ذمہ داریاں سنبھالنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ نیو یارک سے واپسی پر ایوب نے ظفر اللہ کو بتایا کہ اس نے اقوام متحدہ میں اس کی بطور مستقل مندوب تعیناتی کی سیکرٹری جنرل ڈیگ ہیمر شولڈ سے بات کی ہے، سیکرٹری جنرل اس سے بڑے مسرور ہوئے اور اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کیا' بارہ اگست ۱۹۶۱ء کو ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ وہ مغربی لابیوں کی اعانت سے نتیجۃً اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس ۱۹۶۲ء کا صدر بھی بنا۔

اسمبلی کے سترہویں اجلاس کی صدارت کیلئے سری لنکا کے مستقل مندوب اور روس میں اس کے سابقہ سفیر پروفیسر مالا لاسیکرا ظفر اللہ کا قریب ترین اور مضبوط ترین حریف تھا۔ پروفیسر نے زیادہ تر سوویت یونین اور مشرقی یورپی ممالک کی امداد پر انحصار کیا۔(۱) جبکہ ظفر اللہ کو غیر اشتراکی بلاک کی مکمل اعانت حاصل تھی۔ اسے امریکی مستقل مندوب برائے اقوام متحدہ یوسٹ نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی مکمل امداد کا یقین دلایا تھا۔ امریکی صدر کینیڈی اور پاکستانی صدر ایوب خان نے بھی اس اجلاس سے خطاب کیا۔

ستائیس اپریل ۱۹۶۲ء کو سلامتی کونسل کے سامنے پاکستان کی طرف سے ظفر اللہ نے مسئلہ کشمیر پیش کیا۔ ہندوستان کی نمائندگی کرشنا مینن نے کی۔ سلامتی کونسل کی قرارداد میں کہا گیا کہ ہندوستان اور پاکستان کشمیر سے متعلقہ گفت وشنید دوبارہ شروع کریں۔ اس تجویز کو امریکہ اور برطانیہ کی مکمل آشیر واد حاصل تھی۔ بائیس اگست ۱۹۶۲ء کو سلامتی کونسل کے رکن روس نے اس قرارداد کو ویٹو کر دیا۔(۲)

بین الاقوامی عدالت انصاف کی صدارت:

اسمبلی کے سترہویں اجلاس کے اختتام پر پاکستان نے ظفر اللہ کو اکتوبر ۱۹۶۳ء میں

۱۔ ظفر اللہ "سرونٹ آف گاڈ" ص 238۔

۲۔ این براؤن "اقوام متحدہ' ہندوستان اور پاکستان" ص 196۔

ہونے والے انتخاب برائے صدارت بین الاقوامی عدالت انصاف کے امیدوار کے طور پر نامزد کیا۔ ۱۹۶۴ء میں وہ نو سالہ میعاد کے لیئے عدالت کے نئے ججوں میں سے ایک کے طور پر منتخب ہو گیا۔ اُس نے عالمی عدالت میں تقریباً ساڑھے پندرہ سال گزارے جو کہ اس عدالت کی تاریخ میں تیسری طویل ترین مدت ہے اور وہ پہلا ایشیائی ہے جو عالمی عدالت کا صدر بنا۔

ظفر اللہ لکھتے ہیں۔

> ’’فروری ۱۹۶۱ء میں جب انہوں نے عدالت کی پہلی مدت میعاد ختم کی تو وہ صدر کے بعد سب سے سینئر جج تھے۔ جب وہ فروری ۱۹۶۴ء میں دوبارہ جج مقرر ہوئے تو سب سے آخر میں چلے گئے، سر پرسی سپینڈر کو صدر اور جج ویلنگٹن کوکو نائب صدر منتخب کر لیا گیا‘‘۔(۱)

عالمی عدالت میں اس کے قیام کے ایک جائزہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی عدالت انصاف میں سب سے زیادہ کم تحریریں چھوڑی ہیں۔ اس کے برعکس مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل میں اس نے بڑی لمبی لمبی تقریریں کیں۔ اپنے ذاتی خیالات جو اس نے ڈیکلریشنوں کے ساتھ نتھی کیئے بہت مختصر تھے اور بعض اوقات تو ایک فقرے تک محدود ہوتے تھے۔ نمیبیا کے لیئے مشاورتی رائے میں اس نے سب سے طویل یعنی سات صفحات پر مشتمل توضیحی نوٹ لکھا۔(۲)

اس کی وجہ یہ تھی کہ بین الاقوامی قانون پر اس کا علم مستحکم بنیادوں پر استوار نہ تھا اور نہ ہی وہ کسی تعلیمی ادارے میں بطور ریسرچ سکالر کام کر چکا تھا جیسا کہ اس نے خود اعتراف کیا ہے۔ اس نے بین الاقوامی قانون پر ایک کتاب بھی نہ پڑھی تھی۔ دوسری بات یہ ہے اس کی ابتدائی تربیت وکیل کے طور پر ہوئی تھی۔ اس کا تصنیفی رجحان حقائق بیان کر دینا تھا۔ جب کہ ریسرچ سکالر جب جج بن جاتے ہیں تو ان میں زیادہ سے زیادہ وضاحت سے بات کو بیان کرنے کا رجحان ہوتا ہے۔

۱۔ سروِنٹ آف گاڈ‘‘ ص 274۔

۲۔ ’’دی مسلم‘‘ 6 ستمبر 1985 ڈاکٹر اعجاز حسین کا مضمون ظفر اللہ خان ایک جج۔

جنوبی افریقہ کا مقدمہ:

عالمی عدالت میں یوں تو اس کا قیام مناسب رہا لیکن ایک بات مابہ نزاع تھی۔ ۱۹۶۶ء میں جنوب مغربی افریقہ کے مقدمہ میں اس کا کردار اس کے دامن پر سیاہ دھبہ ہے۔ اسکا پس منظر یہ ہے کہ وہ اس بنچ میں نہ بیٹھا جس میں مقدمہ پیش ہوا۔ اس کی غیر حاضری کے باعث مقدمہ جنوبی افریقہ کے حق میں ہوا۔ فیصلہ کن ووٹ آسٹریلیا کے عالمی عدالت کے صدر پرسی سپینڈر نے ڈالا اس نے جنوب مغربی افریقہ کے حق میں ووٹ ڈالا کیونکہ اس سے پہلے ووٹنگ فیصلہ کن نہ رہی۔ عام خیال یہ تھا چونکہ ظفر اللہ کا تعلق تیسری دنیا سے ہے اس لیے وہ عالمی مسائل پر ایسا قانونی نقطہ نظر رکھتا ہوگا جو عالمی عدالت کے نقطہ نظر سے مختلف ہے۔ یہ تقریباً یقینی بات سمجھی جاتی تھی کہ ظفر اللہ کا مقدمہ میں شامل نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ جنوبی افریقہ کے خلاف فیصلہ دے گا۔ اس کی مقدمے میں عدم شرکت سے اس کے خلاف سخت تنقید کی گئی (جو بالواسطہ طور پر پاکستان کے خلاف تھی) یہ زبردست تنقید عمومی طور پر تیسری دنیا کے ممالک کی طرف سے اور خصوصی طور پر افریقی ممالک کی طرف سے کی گئی۔(۱)

ظفر اللہ اس کی یہ توجیہہ پیش کرتا ہے۔

> ''جرمن جنوب مغربی افریقہ (نمیبیا) کا مقدمہ میرٹ پر سنا جانا تھا۔ جنوبی افریقہ نے ایک بنیادی اعتراض یہ اٹھایا کہ درخواست دہندہ ریاستیں ایتھوپیا اور لائبیریا کو اس کے نفس مضمون سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ اس درخواست کی سماعت کے لیئے اس کے قانونی جواز پر قائم رہیں۔ عدالت نے اس اعتراض کو مسترد کر دیا۔ صدر نے ایک قابل اعتراض چال کے ذریعے پاکستانی جج (ظفر اللہ) کو مقدمہ کی سماعت میں بیٹھنے سے منع کر دیا''۔(۲)

ڈاکٹر اعجاز حسین نے اس مسئلے پر ظفر اللہ سے ایک گفتگو کی۔ وہ کہتے ہیں۔

۱۔ دی مسلم'' اسلام آباد 6 ستمبر 1985ء (ڈاکٹر اعجاز حسین کا مضمون'' ظفر اللہ ایک جج۔

۲۔ سر ظفر اللہ سرونٹ آف گاڈ۔

''اس مقدمے میں ظفر اللہ کی عدم شرکت کی وجوہات کے تجزیہ کے مقصد کے لیئے مندرجہ ذیل حقائق ذہن میں رکھنے ضروری ہیں۔ اس مقدمے کی سماعت کے پہلے ہی دن عدالت کے صدر نے سادہ طریقے سے اعلان کر دیا کہ ظفر اللہ اس مقدمے کے فیصلے میں حصہ نہیں لے گا۔'' اس عدم شرکت کی کوئی توضیح پیش نہ کی گئی بلکہ پاکستان کے وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ایک خط میں اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ عالمی عدالت میں بطور جج انتخاب سے قبل لائبیریا اور ایتھوپیا نے ظفر اللہ کو ایڈہاک جج نامزد کیا تھا۔ بالفاظ دیگر اسے صدر نے حصہ لینے سے منع کر دیا تھا نہ کہ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کونسل کے آئین کی رو سے صدر کسی بھی جج کو کسی بھی بنیاد پر عدالتی عمل میں حصہ لینے سے روک سکتا ہے۔ کیونکہ اسے اس قسم کا اختیار حاصل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا متعلقہ جج اس فیصلے پر کاربند رہنے کا پابند ہوتا ہے یا وہ اسے چیلنج کر سکتا ہے۔ آئین کی شقیں سترہ اور چوبیس ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہیں۔

ان شقوں کے مطابق جج یا صدر عالمی عدالت کسی خاص مقدمہ میں کسی بھی بنیاد پر عدم شرکت اختیار کر سکتا ہے تاہم سربراہ کی ہدایت کوئی حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتی۔ جج اور صدر میں اختلاف کی صورت میں عدالت بذات خود حتمی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔

موجودہ مقدمہ کو دیکھیں تو کیا صدر نے جو کیا آرٹیکل ۲۴ (۴) کی مطابقت میں کیا۔ ظفر اللہ کو اس مقدمہ کی سماعت سے باز رکھنے کیلئے کوئی نوٹس جاری کیا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو کیا ظفر اللہ نے صدر کا فیصلہ تسلیم کر لیا اور آخر کار اگر ظفر اللہ نے صدر کے فیصلے میں اختلاف ظاہر کیا تو کیا عدالت نے معاملے کو آرٹیکل نمبر ۲۴ (۳) کی مطابقت میں نمٹایا۔

اگست ۱۹۷۸ء میں لندن اور پھر جنوری ۱۹۸۲ء میں لاہور میں مضمون نگار (ڈاکٹر اعجاز حسین) کی ظفر اللہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کو اس قسم کا نوٹس دیا گیا تھا اور ایک احتجاجی خط کے ذریعے ظفر اللہ نے اس کو چیلنج بھی کیا' صدر نے اسے بعد میں مطلع کیا کہ اس خط کے مندرجات پر عدالت کے اراکین نے فرداً فرداً بحث کی جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ

> (ظفر اللہ) اس عدالت میں بیٹھنے کا اہل نہیں ہے۔ جب ظفر اللہ نے اپنے رفقاء کار سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ظفر اللہ نے اس معاملے کو یوں سمیٹا کہ صدر نے اس سے غلط بیانی سے کام لیا کہ اس معاملے میں دیگر اراکین عدالت کا کیا موقف تھا۔ جب ڈاکٹر اعجاز حسین نے ظفر اللہ سے یہ دریافت کیا کہ اس نے صدر کے موقف کو چیلنج کیوں نہ کیا تو اس نے صرف یہ جواب دیا کہ اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ تمام معاملات کو ''ذلت آمیز'' سمجھتا تھا۔ (۱)

دراصل ظفر اللہ نے اپنا آئینی حق استعمال نہ کیا۔ عدالت انصاف میں بڑی گرما گرم بحث رہی۔ اصل بات یہ تھی کہ اس کی نظریں عدالت انصاف کی صدارت پر مرکوز تھیں اس لیئے اس نے ایسا کیا۔ نتیجۃً جب وہ عالمی عدالت کا صدر بن گیا۔ تو سلامتی کونسل نے عالمی عدالت سے مشاورت کی استدعا کی کہ نمیبیا کی قانونی صورتحال کیا ہے۔

ظفر اللہ کہتا ہے۔

> ''ستم ظریفی یہ تھی کہ جسے عالمی عدالت انصاف کا جج سر پرسی سپینڈر اس مقدمے کی سماعت سے خارج کرنا چاہتا تھا اب اس عدالت کا سربراہ بن چکا تھا۔ اس مقدمہ میں ظفر اللہ کی شرکت پر جنوبی افریقہ نے اعتراض کیا اور کسی بنیادی وجہ کی تخصیص کیئے بغیر یہ سوال اٹھایا کہ سابقہ موقع پر اسے شریک ہونے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کونسل برائے جنوبی افریقہ کا آرٹیکل ۱۷ (۲) اس مقدمے میں اس کی شرکت کی راہ میں سد راہ ہے مگر اس غلط توجیہہ کا فائدہ حاصل کرنے کیلئے جو سر پرسی سپینڈر نے کی تھی، جب یہ اعتراض اٹھایا گیا تو عدالت نے اس پر غور نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ صدر کی غیر موجودگی میں اور متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اعتراض کی کوئی وجہ نہ ہے۔ مکمل سماعت اور مروجہ طریق کار اپنانے کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ سنایا کہ جنوب مغربی افریقہ (نمیبیا) کے انتظامی انتداب کے سلسلے میں جنوبی افریقہ کا جائز اختیار ختم ہو چکا ہے، اور نمیبیا میں جنوبی افریقہ کے مزید قیام کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے''۔ (۲)

۱۔ دی مسلم 6 ستمبر 1985ء۔

۲۔ سر ظفر اللہ سرونٹ آف گاڈ۔ ص 291۔

جماعت اسلامی کی مخالفت:

ایوب حکومت کی اعانت کے باعث قادیانیوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی مذہبی وسیاسی تحریکوں کے خلاف سرگرمیاں شروع کریں۔ جماعت اسلامی ان کا پسندیدہ نشانہ تھی۔ احمدیہ جماعت کی مجلس مشاورت کی سالانہ رپورٹ برائے ۱۹۶۳ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت اسلامی کے خطرہ سے نمٹنے کے لیئے مزید ذرائع پیدا کیئے جائیں۔ ختم نبوت کے موضوع پر مزید لٹریچر تقسیم کیا جائے اور مشرقی پاکستان میں ایک سال کے لیئے موثر مبلغ مقرر کیا جائے۔ مزید یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت احمدیہ مشرقی پاکستان کا امیر فوری طور پر چیف سیکرٹری۔ آئی جی پولیس۔ ضلعی مجسٹریٹ اور انچارج پولیس کو احمدیہ جماعت کے خلاف کسی مزاحمت کا شک گزرنے کی صورت میں فوراً مطلع کرے گا۔ امیر کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ ذیلی پولیس افسران سے بھی رابطہ رکھے۔(۱)

سولہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بعنوان ''مولانا مودودی اور پاکستان کی مخالفت'' بنگالی زبان میں مدون کیا گیا اور جماعت کے مبینہ پاکستان مخالف کردار کو اجاگر کرنے کے لیئے اس کی پانچ ہزار کاپیاں مشرقی پاکستان میں تقسیم کی گئیں۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ احمدیہ جماعت کے مخالفین نے ہمیشہ ''ختم نبوت'' کے نام سے ملک میں افراتفری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس خطرے سے نمٹنے کیلئے

i) مخالفین کی سرگرمیوں سے حکام بالا کو باخبر رکھا جائے جن کا مقصد ملک میں بدامنی پھیلانا ہو۔

ii) اس شرارت کے پس منظر سے آگاہی کے لیئے افسران کے پاس جانے کا اہتمام ہونا چاہیئے تاکہ ملکی امن کے لیئے اس کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا جاسکے۔

iii) علاقائی وقومی اخبارات کے ذریعے اس 'شرارت' کو دبانے کی کوششیں کی جانی چاہئیں۔

۱۔ رپورٹ: مجلس مشاورت ربوہ۔ 22-24 مارچ 1963 مدیوہ فیصلہ نمبر 14 بتاریخ 7 اکتوبر 1968ء ص 23۔

iv) ختم نبوت پر چوہدری ظفر اللہ کے بیان کو ایک رسالے کی شکل میں شائع کیا جائے اور اسے پولیس کے حکام بالا۔ وزراء اور اراکین پارلیمنٹ کو روانہ کیا جائے۔

v) اس سلسلے میں نظارت اصلاح وارشاد مناسب عملی اقدامات کرے۔(۱)

پاکستان میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے اثرورسوخ کو روکنے کے لیئے مذہبی تنظیموں کو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ دفتر خارجہ میں قادیانی اہلکاروں اور ان کے بہی خواہوں نے کمال ہوشیاری سے پاکستان کے عرب ممالک کے ساتھ تعلقات کو فروغ نہ پانے دیا۔ نوکر شاہی میں ان عناصر نے ایک سرمایہ داریت کو پروان چڑھانے کی حکمت عملی اختیار کی اور پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے مطابق قادیانیوں کیلئے فوج کی صفوں میں گھسنے کا یہ ایک سنہری موقع تھا۔

انتخابات ۱۹۶۵ء

ایوبی دور حکومت، ربوہ کے لیئے برطانوی سامراجیت کے دور کی طرح تھا۔ قادیانی اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ خیال کرتے تھے۔ پاکستان اور بیرون ملک انہوں نے بڑی ترقی کی۔ ۱۹۶۵ء میں ایوب خان نے انتخابات کروانے کا اعلان کیا۔ مارشل لاء ختم ہو گیا اور حزب اختلاف کی جماعتوں نے متحدہ حزب اختلاف (کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز) کے نام سے ایک اتحاد محترمہ فاطمہ جناح کی زیر قیادت بنایا۔ قادیانیوں نے کھلے عام ایوب خان کا ساتھ دیا۔ ایوب خان کی انتخابی مہم چلانے کے لیئے ربوہ میں ایک خصوصی سیل قائم کر دیا گیا۔ نیشنل عوامی پارٹی جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کونسل کی شہرت کو داغدار کرنے اور ان کے قائدین کی کردار کشی کے لیئے قادیانیوں کی پشت پناہی سے فرضی تنظیموں نے سینکڑوں اشتہارات۔ رسالے۔ جرائد اور کتابچے شائع کروا کر تقسیم کیئے۔ بیرون ملک قادیانی مشینری نے دفتر خارجہ کی اعانت سے اسی قسم کی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ قومی پریس میں قادیانیوں کی گماشتہ تنظیموں کی جانب سے طویل اشتہارات آنے لگے جن میں محترمہ فاطمہ جناح کی اہلیت کو اس بنیاد پر چیلنج کیا گیا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ سرکاری کنونشن

۱۔ ایضاً۔

لیگ کی طرح سے ایوب کی انتخابی مہم چلانے کے لیئے روپیہ اکٹھا کیا گیا- اپنی ذاتی محفلوں میں قادیانی اکابر ایوب خان کے لیئے جماعت احمدیہ کی خدمات کو ایشیاء کے ڈیگال کیلئے حقیر تحفہ قرار دیتے تھے-

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء

۱۹۶۵ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی- ہندوستان نے کشمیر میں افواج پاکستان کی توجہ تقسیم کرنے کیلئے لاہور کے نزدیک بین الاقوامی سرحد پر ایک بڑا حملہ کر دیا- کس طرح یہ جنگ شروع ہوئی اس کے حقیقی کردار کون کون سے تھے؟ اس میں قادیانی کس حد تک ملوث تھے؟ جنگ کے دوران ان کے عزائم کیا تھے؟ یہ سوالات ایک مفصل جواب کے متقاضی ہیں- اس قومی بحران میں قادیانیوں کے کردار کو سمجھنے کیلئے حقائق کا ایک مختصر تجزیہ پیش خدمت ہے- یہ ایک عمومی خیال ہے کہ صدر ایوب- جنرل موسیٰ کمانڈر انچیف- جنرل یحییٰ خان- جنرل اختر ملک اور عزیز احمد سیکرٹری وزارت خارجہ نے ایک احمقانہ منصوبے کے تحت ملک کو ایک بلا مقصد جنگ میں دھکیل دیا- ''ڈیفنس جرنل آف پاکستان'' کے مدیر اے آر صدیقی کے مطابق اوائل ۱۹۶۵ء میں کوئی ایسی ناگزیر صورتحال نہ تھی- جو پاکستان کو بے تکی اور ناقابل فہم جنگ پر مجبور کر دے- پاکستان نے رن کچھ میں دو اہم چوکیاں حاصل کر لیں- ان کے نتیجے میں پاکستان نے کشمیر میں ''آپریشن جبرالٹر'' کے نام سے گوریلا کارروائیاں شروع کر دیں- بریگیڈیئر صدیقی کے مطابق آپریشن جبرالٹر پاکستانی فوجی کارروائی کا اعلیٰ نقطہ تھا- ''چونکہ اس آپریشن کی کارروائی کا سیاسی وحربی ڈھانچہ موجود نہ تھا لہذا اس نے پاکستان کو ایسے کٹھن مرحلے پر لا کھڑا کیا جہاں سے وہ صرف اس ہندوستانی حملے کا دفاع کر سکتا تھا-(۱)

چھمب میں پاکستانی آپریشن (گرانڈ سلام) شاید اس کا سب سے بڑا جنگی حربہ تھا جو کہ ناکامی سے دوچار ہوا- اس کے خالق پہلے میجر جنرل اختر ملک اور بعد میں جنرل یحییٰ خان

۱- دی مسلم اسلام آباد 23 ستمبر 1979ء-

تھے اختر ملک جرأت مند لیکن تخیلاتی جنرل تھے۔ تاہم یہ منصوبہ زیر عمل آنے سے قبل ہی دم توڑ گیا جیسا کہ الطاف گوہر نے اصغر خان کی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے۔(۱)

> ’’یکم ستمبر ۶۵ء سے لے کر جنگ بندی کے روز تئیس ستمبر تک ہندوستان پاکستان کو کوئی علاقائی جھڑپوں میں کشمیر سے لے کر راجستھان تک ملوث کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس بات نے پاکستان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی قوت کو پھیلا دے اور شدید مگر بے ثمر دفاعی حملوں میں اپنی قوت ضائع کر دے جہاں سے اسے کسی بھی جگہ علاقائی بالادستی حاصل نہ ہو سکی‘‘۔(۲)

عسکری منصوبہ سازوں کے مطابق

> ’’۱۹۶۵ء کی جنگ، پاکستان کے لیئے ایک تباہ کن موڑ تھی جس نے پاکستان کے حکمران طبقے کے لیے ترجیحات محدود کر دیں اور مشرقی پاکستان کے لیئے علیحدگی کی تحریک کی راہیں ہموار کیں، اس لیئے سقوط پاکستان کے حقیقی امکانات پیدا کر دیئے‘‘۔(۳)

جنرل موسیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور سیکرٹری خارجہ عزیز احمد نے آزاد کشمیر میں افواج کے کمانڈر میجر جنرل اختر حسین ملک کی شہ پر حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ وادی میں ابتر صورتحال کا فائدہ اٹھائے اور فوج کو ہدایت دے کہ وہ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں حملہ آوروں کو بھجوائے تاکہ وہ وہاں گوریلا کارروائیاں شروع کر سکیں اور مستقل بنیادوں پر مقامی باشندوں کی اعانت کرے کہ وہ ایک ایسی تحریک شروع کر سکیں جو آخر کار قابض قوت کے خلاف ایک بغاوت بن کر پھوٹ پڑے۔ ان کے مطابق اس وقت کے ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو کے اٹھائے گئے اقدامات تسلی بخش نہ تھے بلکہ اس نے قابضین فوج کو چوکنا کر دیا جس کے نتیجے میں بھارت نے اپنے ظالمانہ اور حفاظتی اقدامات کو اور بھی سخت کر دیا۔(۴)

۱۔ محمد اصغر خاں۔ ’’دی فرسٹ راؤنڈ‘‘ لندن 1976ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ’’لیون کینیڈی‘‘۔ ’’تیسری دنیا میں فوج‘‘ لندن 1974ء۔

۴۔ جنرل ریٹائرڈ محمد موسیٰ۔ ’’1965ء کی پاک و ہند جنگ اور میرا موقف‘‘ لاہور۔ ص 2۔

قادیانی سازش

جنگ سے ایک ماہ قبل جب پاکستانی گوریلے مقبوضہ کشمیر میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ احمدیوں نے لندن میں تین سے سات اگست کو پہلا یورپی کنونشن منعقد کیا۔ یورپی ممالک کے تمام قادیانی مشنوں کے مندوبین نے اس میں حصہ لیا۔ اس وقت ظفر اللہ جو بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج تھا اس نے اس کا افتتاح کیا۔ احمدیوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی جماعت نے پچھتر مختلف ممالک میں اپنے مشن قائم کیئے ہوئے ہیں جن میں صرف برطانیہ میں اٹھارہ ہیں۔ مندوبین نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اگر جماعت احمدیہ برسر اقتدار آ گئی تو وہ امراء پر ٹیکس لگائے گی۔ دولت کی تقسیم کرے گی۔ سود کا خاتمہ اور شراب پر پابندی عائد کرے گی۔(۱)

آغا شورش کاشمیری مرحوم کا کہنا ہے کہ اس وقت کے مغربی پاکستان کے گورنر نواب آف کالا باغ نے انہیں بتایا کہ قادیانی ہر قیمت پر واپس قادیان جانے کے لیئے بے تاب ہیں وہ قادیان کا حصول چاہتے تھے چاہے پر امن ذرائع سے ہو یا جنگ کے ذریعے سے ممکن ہو۔ ایک دن جنرل اختر ملک قادیانی نے نتھیا گلی مری میں نواب کالا باغ سے ملاقات کی۔ جس میں نواب کو ترغیب دی کہ وہ ایوب خاں پر دباؤ ڈالیں کہ کشمیر پر ایک بھرپور حملہ کی اشد ضرورت ہے۔ اختر ملک نے نواب کو یقین دلایا کہ پاکستان کشمیر حاصل کر لے گا۔ نواب اس یاوہ گوئی کو سن کر ششدر رہ گیا۔ تاہم اس نے اس مسئلہ پر ایوب کے ساتھ گفتگو کرنے سے اس بنیاد پر معذرت کر لی کہ نہ تو وہ کوئی فوجی امور کا ماہر تھا نہ ہی وہ جنگی چالوں کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ چنانچہ نواب نے اسے تجویز دی کہ وہ براہ راست ایوب خاں سے اس مسئلہ پر بات کر لے۔ اس پر اختر ملک نے اسے بتایا کہ ایوب اس سے متفق نہیں ہوا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ ہندوستانی افواج اس صورت میں پاکستان کی بین الاقوامی سرحدات کی خلاف ورزی کریں گی۔ نواب نے اختر ملک کو بتایا کہ ایوب پہلے ہی اس سے ناراض

۱۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی۔ 14 اگست 1965ء۔

ہے کیونکہ چند امریکیوں نے اسے یہ غلط تاثر دیا ہے کہ نواب کالاباغ اقتدار پر قبضے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ وہ یہ شک کرے گا کہ اعوان اس کے اقتدار کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں (ملک امیر محمد خاں نواب آف کالاباغ او جنرل اختر ملک دونوں ذات کے اعوان تھے)(۱)

انہی دنوں نواب کو پاکستان سی آئی ڈی نے ایک پمفلٹ مہیا کیا جو قادیانی جماعت نے کشمیر میں وسیع پیانے پر تقسیم کیا تھا۔ جس میں لکھا تھا۔

> ''انشاء اللہ جموں اور کشمیر کی ریاست آزاد ہوگی اس کی فتح اور شان و شوکت احمدیت کے ہاتھوں ہوگی''۔ (مصلح موعود کی پیش گوئی)(۲)

نواب نے یہ محسوس کر لیا کہ جنرل اختر ملک اس پیش گوئی کو ثابت کرنے کے چکروں میں ہے۔ شورش نے اس واقعہ کا روزنامہ نوائے وقت کے مدیر مجید نظامی مرحوم سے تذکرہ کیا تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ انہوں نے اس کا تذکرہ ڈاکٹر جاوید اقبال (علامہ اقبال کے فرزند گرامی) سے بھی کیا۔ وہ بھی قادیانی منصوبے پر حیران ہوئے اور یہ راز افشاء کیا کہ جولائی ۱۹۶۵ء میں ظفر اللہ انہیں امریکہ میں ملا تھا اور استدعا کی تھی کہ ایوب خاں کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ کشمیر پر چڑھائی کا سنہری موقع ہے۔ پاکستانی فوج لازمی طور پر کامیاب ہو جائے گی اور پاکستانی سرحدوں کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے ظفر اللہ کا پیغام ایوب خان تک پہنچا دیا۔ ایوب خان نے ڈاکٹر جاوید اقبال سے درخوست کی کہ اس بات کا علم کسی دوسرے کو نہ ہونے پائے۔(۳)

یہ بات واضح ہے کہ قادیانی۔ سامراجی اور صیہونی تنظیموں کی ساز باز سے پاکستان کی فوجی شکست کی صورت میں یہ سازش کر چکے تھے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پاکستان کے ٹکڑے کیئے جائیں اور بلقان کی طرح مغربی پاکستان کو بھی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن پاکستانی افواج نے جوانمردی و شجاعت سے ہندوستانی منصوبوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ اگست کے آخر میں ہندوستان نے جنگ بندی لائن کے ساتھ

۱۔ شورش کاشمیری۔ ''تحریک ختم نبوت''۔ 1976ء ص 207۔

۲۔ جے ڈی شمس کا تدوین کردہ ایک رسالہ ''مسئلہ کشمیر، چین اور بھارت کی چپقلش'' ربوہ 1962ء بھی آزاد کشمیر میں تقسیم کیا گیا۔

۳۔ شورش کاشمیری ''ختم نبوت'' ص 209۔

متعدد جھڑپوں کے بعد اپنی باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک بڑے حملے کے بعد آزاد کشمیر میں پاکستان کی تقریباً نو انتہائی اہمیت کی حامل چوکیوں پر قبضے کا دعویٰ کیا۔ ان میں عسکری اہمیت کا حامل درہ حاجی پیر بھی شامل تھا۔ ہندوستانی دستوں کی مزید جارحیت کو روکنے کیلئے آزاد کشمیر کے دستوں نے پاکستانی فوج کی مدد سے جموں۔ بھمبر سیکٹر کے علاقے چھمب پر قبضہ کر لیا۔ پانچ ستمبر کو پاکستانی افواج نے اکھنور کے نزدیک جوڑیاں پر قبضہ کر لیا۔ یہ وہ سڑک تھی جو جموں کو سری نگر اور پونچھ سے ملاتی تھی اور وادی کے ساتھ ہندوستان کا زمینی رابطہ سخت خطرات کی زد میں آ گیا۔ یہ جنگ سترہ دن تک جاری رہی۔

جنگ ستمبر کے دوران قادیانیوں نے کشمیر کے مستقبل سے متعلق لاتعداد ایسے کتابچے شائع کیئے جو مرزا غلام احمد اور مرزا محمود کی پیش گوئیوں پر مشتمل تھے۔ یہ بات بڑے پر امید انداز سے کہی گئی کہ خدا نے مستقبل کے واقعات پہلے ہی اپنے مسیح موعود مرزا غلام احمد اور اس کے پیارے بیٹے اور جماعت کے خلیفہ مرزا البشیر الدین محمود کو بتا دیئے اور موجودہ واقعات کو ان پیغمبرانہ اقوال کے پس منظر میں دیکھا جا سکتا تھا۔(۱)

احمدیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان پیش گوئیوں کی بنیاد پر کہ نو سال قبل ۱۹۵۶ء میں چینی ہندوستانی سرحدی جھڑپیں اور ہندوستان میں پاکستانی افواج کے داخلے (آٹھ سال قبل) کو خدا نے مرزا محمود پر آشکارا کر دیا تھا۔ یہ خدائی نشانات اب پورے ہو چکے ہیں۔(۲)

جنگ ستمبر کے وقت مرزا محمود بستر مرگ پر تھے وہ کئی بیماریوں کا شکار ہو کر تقریباً دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔ پس پردہ سازشی عناصر میں ان کا مستقبل کا جانشین مرزا ناصر احمد۔ ظفر اللہ۔ ایم ایم احمد اور فوجی افسران کا ایک چھوٹا سا گروہ شامل تھا۔

قادیانی کتابچے ''موجودہ حالات اور بعض خدائی نوشتے'' جسے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا میں مرزا غلام احمد کی پیش گوئی شامل تھی کہ قادیانی کشمیر کے راستے قادیان میں فاتحانہ طور پر داخل ہوں گے۔ احمدی زعماء کی سیاسی خواہشات جو خوابوں

۱۔ ''موجودہ حالات اور بعض خدائی نوشتے'' شعبہ اصلاح و ارشاد جماعت احمدیہ۔ کاروان پریس راولپنڈی۔ اکتوبر 1965ء۔

۲۔ ایضاً۔

اور تخیلات کے پیرائے میں تمثیلی انداز میں بیان کی گئیں' ذیل کی سطور میں درج ہیں۔

"فتح نمایاں

1- اٹھائیس اپریل 1965ء رویاء میں دیکھا کہ ایک سفید کپڑا ہے۔ اس پر کسی نے ایک انگشتری رکھ دی ہے۔ اس کے بعد الہامات ذیل ہوئے۔ فتح نمایاں' ہماری فتح'

صدقت الرویاء انی مع الا فواج اتیک بغتة⁽¹⁾

2- شاستری کی پیش گوئی غلط نکلی:

انتیس اپریل ۱۹۰۵ء رات دو بجنے میں سات منٹ باقی تھے کہ میں نے دیکھا کہ یکا یک زمین ہلنی شروع ہوئی اور پھر ایک زور کا دھکا لگا۔ میں نے رویاء ہی میں گھر والوں کو کہا کہ اٹھو زلزلہ آیا ہے اور یہ بھی کہا کہ مبارک کو لے لو۔ اسی حالت رویاء میں یہ بھی خیال آیا کہ شاستری کی پیشگوئی غلط نکلی"۔ (۲)

قادیان کی واپسی کا نظارہ

نومبر ۱۸۹۸ء کو میں (مرزا غلام احمد) نے خواب میں دیکھا کہ قادیان کی طرف آتا ہوں اور نہایت اندھیرا ہے اور مشکل راہ ہے اور میں رجماً بالغیب قدم مارتا جاتا ہوں اور ایک غیبی ہاتھ مجھ کو مدد دیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں قادیان میں پہنچ گیا اور جو مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے وہ مجھ کو نظر آئی۔ پھر میں سیدھی گلی میں جو کشمیریوں کی طرف سے آتی ہے چلا۔ اس وقت میں نے اپنے تئیں ایک سخت گھبراہٹ میں پایا کہ گویا اس گھبراہٹ سے بے ہوش ہوتا جاتا ہوں اور اس وقت بار بار ان الفاظ سے دعا کرتا ہوں کہ رب تجل رب تجل (اے میرے رب تجلی فرما' اے میرے رب تجلی فرما) اور ایک دیوانہ کے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہے وہ بھی رب تجل کہتا ہے اور بڑے زور سے میں دعا کرتا ہوں پھر میں نے دو کتے خواب میں دیکھے۔ ایک سخت سیاہ اور ایک سفید' اور ایک شخص ہے کہ وہ کتوں کے پنجے کاٹتا ہے' پھر الہام ہوا کنتم

۱- تذکرہ ص 359۔

۲- تذکرہ ص 359۔

خیر امۃ اخرجت للناس (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیئے نکالی گئی ہے) (۱)

قادیان واپس ملنے کا خدائی وعدہ

۱۔ انتیس جولائی ۱۸۹۷ء **ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔ انی معالافواج اتیک بغتۃ یا تیک نصرلی۔ انی انا واتعلی** مخالفوں میں پھوٹ۔ ""یعنی وہ خدا جس نے خدمت قرآن تجھے سپرد کی ہے پھر تجھے قادیان میں واپس لائے گا۔ میں اپنے فرشتوں کے ساتھ ناگہانی طور پر تیری مدد کروں گا۔ میری مدد تجھے پہنچے گی۔ میں ذوالجلال بلند شان والا رحمان ہوں۔ میں مخالفوں میں پھوٹ ڈالوں گا"۔(۲)

۲۔ "**مثنیٰ وثلاث ورباع** (دو دو اور تین تین اور چار چار) تو امن اور برکت کے ساتھ اپنے گاؤں میں جائے گا اور میں تجھے پھر بھی یہاں لاؤں گا"۔(۳)

۳۔ چھبیس جولائی ۱۹۰۴ء: رویا دیکھا کہ ہم قادیان گئے ہیں۔ اپنے دروازے کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایک عورت نے کہا السلام علیکم۔ اور پوچھا کہ "راضی خوشی آئے۔ خیر و عافیت سے آئے"۔(۴)

vi) مرزا محمود کے ہی ایک دوسرے خواب کی بناء پر (جو روزنامہ الفضل میں تیس مئی ۱۹۵۷ء کو ظاہر ہوا) ہندوستان میں پاک افواج کے داخلے کو ایک خدائی نشان اور احمدیہ جماعت کے لیئے خوشیوں کا پیش خیمہ ظاہر کیا گیا۔(۵)

پاکستان کو بلقان کی طرح تقسیم کرنے میں ناکامی کے بعد قادیانیوں کا قادیان واپسی کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوگیا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پاک افواج نے مادر وطن کا دفاع

۱۔ تذکرہ۔ ص 833-834۔

۲۔ تذکرہ ص 315۔

۳۔ تذکرہ ص 801۔

۴۔ تذکرہ ص 519۔

۵۔ ایضاً ص 10۔

بڑی بے جگری سے کیا تھا۔ ایوب خان کو بہر حال یہ احساس ہو گیا کہ قادیانی بیرونی آلہ کار ہیں جو پاکستان کے کبھی بھی وفادار نہیں ہو سکتے۔ اس پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ یورپی طاقتوں کے مہرے ہیں۔ جو کبھی بھی اس کے مخالف ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کے خلاف فوری قدم اٹھانا اس کے لیئے مشکل تھا۔ دو فروری ۱۹۶۶ء کو قادیانی صحافیوں کی سات رکنی ٹیم نے چھمب جوڑیاں کا دورہ کیا اور سیالکوٹ کے جنگی بارڈر کے علاقوں میں پھرے۔ الفرقان ربوہ کے مدیر اللہ دتہ جالندھری جو اس ٹیم کے ارکان میں سے ایک تھا نے لکھا کہ پاک و ہند کی سترہ روزہ جنگ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ کشمیریوں کے برے ایام گنے جا چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ معاہدہ تاشقند سے حالات میں تبدیلی آئے گی۔ تاہم یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی مدد بڑی جلدی اور زیادہ موثر طریقے سے آ جائے۔(۱)

اذیت ناک انجام:

آٹھ نومبر ۱۹۶۵ء کو مرزا محمود طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ مرزا ناصر احمد احمدیہ جماعت کے نئے سربراہ (خلیفہ) بنے۔ ان کی وفات کی اذیت ناک کیفیات کا نقشہ ممتاز احمد فاروقی نے یوں کھینچا ہے۔

> ''ابھی مرزا محمود کے (مامور من اللہ اور مصلح موعود) کے دعوے کو یعنی موکد بعذاب حلف پر گیارہ برس (۱۹۴۴ء سے ۱۹۶۵ء) بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان و ربوہ کو عذاب الٰہی نے آن پکڑا۔ اس کا آغاز فالج کے حملے سے ہوا۔ جیسا کہ متعدد ڈاکٹروں کی رائے تھی اور اس امر کی طرف اشارہ میاں محمود احمد صاحب نے خود اپنی بعض تحریروں میں کیا جو انہوں نے ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں کیں اور فالج کے مرض کو حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے دکھ کی مار (کتاب انجام آتھم۔ ص 61) کہا ہے اور اپنے دشمنوں کے لیئے مجنون اور مفلوج ہونے کی بددعا بھی کی ہے۔ اب میاں محمود احمد صاحب کئی سال سے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور تکلیف اور کرب سے

۱۔ الفرقان ربوہ مارچ 1966ء۔

چلاتے ہیں۔ تختے کی مانند کبھی کبھی سٹیج پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی خاص خاص جلسوں کے موقع پر کبھی الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور اکثر رونے لگ جاتے ہیں۔ خود میاں محمود احمد صاحب کے بیٹے ڈاکٹر منور احمد نے اپنے باپ کی صحت کے متعلق جو رپورٹ اخبار الفضل مورخہ انیس اگست ۱۹۶۱ء کے دوسرے صفحہ پر دی ہے۔ اس سے ان تمام علامات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

اعصابی بے چینی بصورت نسیاں اور جذبات کی شدت یعنی رقت جو مقدس ہستیوں یا مقدس مقامات کے ذکر پر عموماً بیدار ہو جاتی ہے کم و بیش جاری ہے۔ چند دن ان علامتوں میں قدرے فرق محسوس ہوتا ہے تو پھر چند دن زیادتی محسوس ہوتی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ لیٹے رہنے کے باعث ٹانگوں میں کھنچاوٹ اور اکڑاؤ بھی بدستور ہے۔ کوئی ممکن کوشش حضور کو چلانے کی کامیاب نہیں ہو رہی۔

چونکہ قادیانی یا ربوی جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا اس لیئے وہ اب ایک مریض اور از کار رفتہ انسان کو خلیفہ بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خدا نے اپنے ہاتھوں سے اسے معزول کر دیا ہے۔ کچھ سال ہوئے کسی شخص نے میاں محمود احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور گردن میں گہرا زخم آیا تھا۔ یہ بھی خدائی عذاب کا ایک نشان تھا۔ ویسے بھی جماعت ربوہ ایک کونسل کے سپرد ہے جس کے پریذیڈنٹ مرزا ناصر احمد (خلف میاں محمود احمد) ہیں اس لیئے مقام عبرت ہے کیونکہ خدا کے فرستادہ لیڈر کبھی مجنوں اور مفلوج ہو کر نکمے نہیں ہو جاتے"۔(۱)

لندن کا نبی

مرزا غلام احمد اور مرزا محمود احمد کی زندگیوں کے دوران مسیح موعود۔ نبوت اور رسالت کے کئی قادیانی دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ ایسے مدعیان کی تعداد تقریباً تیس سے زائد بنتی ہے۔ انہی میں سے ایک خواجہ محمد اسماعیل بھی تھا۔ ۱۹۱۶ء میں وہ قادیان میں پڑھتا رہا اور اسلامیہ کالج لاہور سے گریجوایشن کرنے کے بعد ایک نجی فرم میں ملازم ہو گیا۔ ۱۹۳۳ء میں وہ حتمی

۱۔ ممتاز احمد فاروقی۔ "فتح حق" ص 39۔

طور پر قادیان میں مقیم ہو گیا اور مرزا محمود کا ایک مخلص مرید اور محافظ بن گیا۔ اس نے چند کتابچے "آسمانی بادشاہت"۔ "اتحاد العالمین" وغیرہ بھی لکھے اور آخر کار "مہدی اور پیغمبر دوران" ہونے کا دعویدار بن بیٹھا۔ ان دعوؤں کی بناء پر اسے قادیان سے نکال دیا گیا جہاں سے وہ آٹھ یوڈوڈ لنڈن' ایس' ڈبلیو 2 میں قیام پذیر ہو گیا۔ اس نے کئی دفعہ مرزا محمود احمد اور مرزا بشیر احمد کو مباہلے کے لیئے للکارا۔ قادیانی پاپائیت کی مذمت کی اور ربوہ کے خلاف نظریاتی جنگ شروع کر دی۔ اس نے خدا سے وحی والہام پانے کا دعویٰ کیا اور متعدد الہامات اور پیش گوئیاں کیں۔ جن میں مرزا محمود کی ذلت آمیز موت کے علاوہ ان پر "بدکردار"۔ "فرعون" اور "کاذب" ہونے کے الزامات عائد کیئے۔ جب مرزا محمود ۱۹۶۵ء میں وفات پا گئے تو اس نے قادیانی انداز میں بڑی خوشیاں منائیں اور مرزا قادیانی کے طے کردہ طریق پر اپنے دعووں کی سچائی کو ثابت کرنے کیلئے کتابچے شائع کرائے۔ ربوہ کو چپ کرانے کیلئے اس نے مرزا غلام احمد کے اسلحہ خانے کے تمام ہتھیار استعمال کر ڈالے۔ اس سے قادیانی اکابر کو بڑی خفت اٹھانا پڑی مگر وہ اس نام نہاد الٰہی ذلت کو قبول کرنے پر مجبور تھے۔(۱)

محمودی راج کے پچاس سال:

احمدیہ جماعت پر مرزا محمود کو پچاس سال تک مکمل کنٹرول حاصل رہا۔ وہ ایک مسلمہ سامراجی آلہ کار۔ یہودی چاکر اور تاج برطانیہ کے نہایت وفادار خادم تھے۔ تاہم انہوں نے احمدیوں کو ایک مضبوط جماعت کے طور پر منظم کیا اور غیر ملکی قوتوں کے ساتھ تعاون کی حکمت عملی کی وجہ سے انہوں نے دولت کے انبار حاصل کر لیئے۔ انہوں نے اپنے کنبے کو پروان چڑھایا۔ زرعی جاگیریں حاصل کیں اور ان میں سرمایہ کاری کی تجارتی اور صنعتی کمپنیوں کے وسیع پیمانے پر حصص خریدے۔ انہوں نے اپنے ذاتی کاروبار کو وسعت دی۔ ان کے ذاتی صنعتی یونٹوں احمدیہ سٹور۔ گلوب ٹریڈنگ کمپنی۔ گیٹ فیکٹری۔ سٹار ہوزری۔ دار الصعنت۔

۱۔ دیکھیں خواجہ محمد اسماعیل: (i) "انذار عذاب اور مہلت" (ii) الفرقان" (iii) حقیقت آزادی" (iv) "الحق" (v) "جماعت ربوہ کی تبلیغ کا راز" (vi) السابقون پبلیکیشنز منڈی بہاؤ الدین' قادیانی اسے ایک ذہنی مریض قرار دیتے ہیں' (الفرقان' ربوہ 1972ء) دراصل وحی کی پھٹکار سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا قادیانیوں کے پاس سادہ ترین راستہ یہی تھا۔

ہمالیہ گلاس فیکٹری۔ ویدک یونانی دواخانہ۔ سندھ ویجی ٹیبل آئل اور الائیڈ کمپنی شامل ہیں۔ انہوں نے بے تحاشہ دولت اکٹھی کر لی۔ آپ نے برطانوی نو آبادیات میں قائم تبلیغی و جاسوسی جال کے ذریعے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی ہر پکار پر لبیک کہا۔ وہ ایک اوسط درجے کے عیار سیاستدان۔ ایک بددیانت سودے باز اور اپنے وقتوں کے عظیم موقع پرست انسان تھے۔ وہ اپنے مخالفین کو دبانا اور اپنے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو کچلنے کا فن بخوبی جانتے تھے۔ ہز ہائی نس۔ مبینہ طور پر ''راسپورٹین'' تھے اور قادیان کے ''مُنیا محل'' کے ''پیا جان'' تھے۔(۱)

انہیں اپنی سادہ لوح جماعت پر اتنا اختیار حاصل تھا کہ ان کی تمام تر کوتاہیوں پر وہ بیک آواز الاپتے کہ ''خلیفہ معصوم عن الخطاء ہے''۔ وہ ایک خطاء سے مبراء اور خدا کے برگزیدہ خلیفہ سمجھے جاتے تھے۔ اسلام کے سیاسی ڈھانچے میں ناقابل مرمت دراڑ ڈالنے اور مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت پر لوگوں کو پکا کرنے کا ''سہرا'' ان کے سر ہے۔

اجرائے ''نبوت'' اور دیگر احمدیہ عقائد کی تائید میں دلائل اخذ کرنے کی غرض سے بہت سے قادیانیوں نے بہائیت سے استفادہ کیا اور پھر اسے قبول کر لیا کیونکہ قادیان بہائی ماخذوں پر بہت زیادہ تکیہ کرتا تھا۔ مولوی عبداللہ وکیل، ماسٹر فقیر اللہ، محفوظ الحق علمی اور چند دیگر قادیانی بہائی مبلغ بن گئے۔ مرزا محمود نے ان کے اعتقادات اور احمدیوں میں ان کے پرچار پر سخت تنقید کی۔(۲)

مرزا محمود گند آلود چالوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے اسرائیل میں احمدیہ مشن کے قیام میں اپنی جماعت کا روشن تر مستقبل محسوس کر لیا۔ ان کا نصف صدی کا دور خلافت نو آبادیاتی آقاؤں اور ان کے صیہونی شراکت کاروں کی خدمت کرتے گزرا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ

۱۔ مرزا محمد حسین نے یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کی فریب خوردگی کا شکار، قنوطی اور مائل بہ جبر جنسی مزاج کے حامل تھے۔'' (مرزا محمد حسین ''فتنہ انکار ختم نبوت'' لاہور۔

۲۔ اوائل 1924ء میں قادیان میں بہائی عقائد بڑے مقبول تھے۔ محفوظ الحق جو کہ ایک بہائی تھا۔ قادیانی بن کر الفضل قادیان کا مدیر بن گیا۔ وہ ''بہائی۔ قادیانیت'' کا سب سے بڑا پرچارک تھا۔ اس تحریک نے قادیان میں خفیہ طور پر جڑیں مضبوط کر لیں اور قادیانی خلافت کے لیئے ایک خطرہ بن گئی۔ مرزا محمود نے اپنے بھائی بشیر احمد کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا اور بعض قادیانیوں کو قادیانیت کے بارے میں بہائیت کا پرچار کرنے پر اپنی جماعت سے نکال دیا۔ الفضل قادیان۔ 23 اپریل 1924ء۔

برصغیر میں احمدیوں کا ایک مضبوط مرکز اور ایک احمدیہ ریاست قائم کر جائیں جن کے لیئے انہوں نے عمر بھر برطانوی سامراجی مقاصد کی تکمیل کی جدوجہد کی۔ وہ ان کے نوآبادیاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر بہت زیادہ جھکے۔ مگر اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور دیگر مسلمان ممالک میں نوآبادیاتی نظام کے خلاف چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے ساتھ انہیں کوئی حقیقی ہمدردی یا تعلق نہیں تھا۔ قادیانیوں نے اپنے آپ کو برطانیہ کے خادموں اور چاپلوسوں کا ایک ایسا جتھہ ثابت کیا جو سامراجی بالادستی کے لیئے کام کر رہا تھا۔ جب کبھی ہندوستان میں کوئی سیاسی بحران نمودار ہوا یا انگریز کے خلاف تحریک ابھری' قادیانیوں نے انگریز کی مدح وستائش میں وسیع پیمانے پر خوشامدانہ لٹریچر کی بھرمار کر دی غیر ملکی راج کے جواز اور قیام میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ ہر نئے وائسرائے ہند اور پنجاب کے نئے گورنر کو خطبہ استقبالیہ دینے اور اپنے سیاسی نظریات اور برطانوی راج کیلئے اپنی انتہائی ہمدردی کے اظہار میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اکثر مواقع پر سامراج کے نفس ناطقہ سر ظفر اللہ نے نئے آقاؤں کی مدح و توصیف میں قادیانی وفد کی قیادت کی۔

۱۹۱۴ء میں قادیان میں مسند اقتدار سنبھالنے سے قبل مرزا محمود نے ۱۹۱۳ء میں سانحہ کانپور کی احتجاجی تحریک کی مخالفت کی۔ پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے دوران انہوں نے انگریزوں کی طرف ہر قسم کا دست تعاون دراز کیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں اٹھنے والی آزادی کی تمام قومی تحاریک کو انہوں نے اور ان کی جماعت نے سبوتاژ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خصوصاً سول نافرمانی کی تحاریک میں انہوں نے کمال سرگرمی دکھائی۔

۱۹۳۴ء میں احرار نے اس خیال کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے کہ قادیانی ناقابل تسخیر ہیں ان کے قلعے قادیان پر دلیرانہ حملہ کیا۔ چاہ کن را چاہ در پیش کے مصداق قادیانی اپنے دام میں خود الجھ گئے کیونکہ پنجاب کے مسلمانوں کے ولولہ انگیز جذبات نے ان کے دلوں میں احرار کی انتہائی شدید ہردلعزیزی پیدا کر دی تھی۔ اپنے الّو کو سیدھا کرنے کیلئے انہوں نے کشمیر کی سیاست میں ٹانگ اڑائی۔ دراصل وہ ریاست کے اندر ایک مضبوط احمدی مشن قائم

کرنے کے خواہاں تھے۔ اس سلسلے میں وہ چند کشمیریوں کو مرتد بنانے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن احراریوں نے انکے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں شدید مخالفت کا سامنا نہ کر سکنے پر انہوں نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں چالاکی سے اپنا رخ کانگریس کی طرف موڑ لیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس نے چند صوبوں میں وزارتیں قائم کر لیں تو قادیانیوں نے کانگریس کی تعریف اور مسلم لیگ پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔ قادیانی پریس نے مسلم لیگ پر مکروہ حملے کیئے اور اس کی دیانت پر انگلیاں اٹھائیں۔ انہوں نے پنجاب کے یونینسٹوں سے ساز باز کر کے لیگ اور اس کی قیادت کے خلاف کام کیا۔ جب پاکستان مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرکز بن گیا اس وقت مرزا محمود نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی کیونکہ ایک مسلم ریاست کا قیام ان کے لیئے سُم قاتل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ متحدہ یا اکھنڈ ہندوستان کے زبردست پرچارک تھے اور ہمیشہ رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مقدر آزمانے کے لیئے ایک نیا بہروپ دھار کر قادیان سے لاہور بھاگ آئے۔ انہوں نے نوزائیدہ مسلم ریاست پاکستان کے خلاف سازشیں کیں اور ملکی استحکام کو داؤ پر لگا کر قادیان واپس لینے کی سازشیں کیں۔ ان کی پاپائیت کا نصف صدی کا دور متواتر باہمی افتراق اور ان کے اور ان کے اہل خانہ کے خلاف کش مکش کا دور رہا۔ مسند اقتدار سنبھالنے کے بعد (۱۹۱۴ء میں) ان کی سب سے بڑی کامیابی خواجہ کمال الدین پارٹی کو قادیان سے نکال کر اپنے باپ کی گدی پر قبضہ کرنا تھا۔ قادیان میں نہایت بااثر احمدیوں مثلاً محمد علی۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ مرزا یعقوب بیگ وغیرہ کو آزادانہ انداز میں چاروں شانے چت کر دیا گیا۔ انہوں نے آخر کار لاہور میں پناہ لی اور اپنی جماعتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کیلئے علیحدہ انجمن بنالی۔ مرزا محمود نے لاہوری جماعت کے خطرے کا سامنا کیا اور ان کے منصوبوں کا توڑ پیش کیا۔ انہوں نے اپنی چھوٹی سی قادیانی ریاست کو درپیش تمام خطرات کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں انہیں مستریوں کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا' جنہوں نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔ اپنے گماشتوں کی مدد سے انہوں نے بڑی کامیابی سے

ان کی مباہلہ مہم کا سامنا کیا۔ ۱۹۳۷ء میں ملتانی اور مصری کی زبردست تحریک اور آخر میں حقیقت پسند پارٹی کے برانگیختہ حملوں نے اگرچہ ان کی رسوائی میں بہت اضافہ کیا لیکن انہوں نے ان کے آگے ہتھیار نہ ڈالے۔ جماعت کی اکثریت ان کے ساتھ رہی۔ مرزا محمود نے اپنی جماعت کو متحد رکھنے کے لیئے مکمل طور پر طاقت کا استعمال کیا۔ وہ اپنے خلاف معمولی سے معمولی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی بھی ان سے اختلاف صرف اپنی جماعت اور قادیان سے اخراج کی قیمت پر ہی کر سکتا تھا۔ مخالفین سے نمٹنے کے لیئے ان کا اندرونی جاسوسی نظام بڑا منظم تھا۔ ان کے متبعین کا اعتماد بحال کرنے میں بھی یہ نظام بڑا فعال کردار ادا کرتا تھا۔ انہوں نے قادیانی مناظرہ بازوں کی ایک خصوصی کھیپ تیار کی جو علماء کو مناظروں کے لیئے للکارتے اور احمدی عقائد کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیئے انہیں بے سود مذہبی مباحثوں میں الجھائے رکھتے۔ انہوں نے برطانوی حکمت عملی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کو مزید پروان چڑھایا اور قادیانیوں کو یہ باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ خلافت کے نام پر قائم یہ نظام احمدیہ جماعت کی ترقی اور فروغ کے لیئے ضروری تھا۔ ہر سرگرم قادیانی مرزا محمود کا تصور اجاگر کرنے میں اپنا حقیر حصہ ڈالتا۔ اندرونی بحرانوں کے دور میں انہوں نے مرزا محمود کے ہیولے کو سنوارنے کے لیئے مرزا قادیانی کی پیش گوئیوں اور اوٹ پٹانگ الہامات کی بڑی دھوم دھام سے اشاعت کی۔ ان کے گماشتے مثلاً اللہ دتہ جالندھری۔ جلال دین شمس۔ حافظ روشن علی۔ قاضی محمد نذیر۔ غلام رسول راجیکی۔ فن مناظرہ بازی کے ماہر تھے جبکہ ان کے کردار کے دیگر اوصاف میں خلافت کا پروپیگنڈا۔ چاپلوسی۔ خوشامد شامل تھے۔ اگرچہ مرزا محمود کے حواریوں نے انہیں پسر موعود یا مصلح موعود ثابت کرنے کے لیئے شروع ہی سے زور لگایا جس کا تذکرہ مرزا غلام احمد قادیانی نے سبز اشتہار میں کر دیا تھا پھر بھی انہوں نے اپنی مبینہ وحی کا سہارا لے کر اس منصب کو اختیار کیا۔ یعنی جماعت کا سربراہ بننے کے بعد ان کو تیس سال (۱۹۴۴ء تک) انتظار کرنا پڑا۔ اس دعوے کے بعد ان کی تصویر کشی احمدیت کے ناخدا کے طور پر پیش کی گئی۔ اپنے متبعین کے اذہان میں انہوں نے انتہائی

غلامانہ ذہنیت بھر دی۔ ۱۹۵۴ء میں جب منیر کمیٹی کے سامنے انہوں نے اصل عقائد کے برعکس انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرم تر موقف اپنایا اور عدالت کو دھوکہ دینے کے لیئے لاہوری جماعت کے موقف سے ملتا جلتا موقف اختیار کیا تو ان کی اس منافقت پر بہت ہی کم لوگوں نے آواز اٹھائی۔

یقیناً کچھ ایسے احمدی بھی تھے جو ان کے سیاست میں ملوث ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ذاتی مقاصد کے لیئے حصول زر کے مشکوک ذرائع کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کے خلاف بغاوت کے لیئے اٹھ کھڑے ہوں۔ ان کے ذاتی مفادات، معاشی فوائد اور خاندانی و سماجی روابط انہیں ''معصوم عن الخطاء مصلح موعود'' کے خلاف ایک لفظ بھی بولنے سے روک دیتے تھے۔

مرزا قادیانی نے اپنے خاندان کی پرتعیش زندگی کی خاطر اپنی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر اپنی سلطنت قائم کی۔ جس کا سب سے زیادہ فائدہ مرزا محمود نے اٹھایا۔ وہ تعدد ازدواج کے پرجوش قائل تھے۔ انہوں نے تمام عمر چار بیویاں رکھیں۔ اپنے نصف صدی کے آمرانہ دور کے اختتام پر انہوں نے کئی ایسے معتقدین چھوڑے جو ان کی اندھی محبت میں ان کی مدح کے گیت الاپتے رہے۔

بیسواں باب

مرزا ناصر احمد کا دور اقتدار

آٹھ نومبر ۱۹۶۵ء کو قادیانی جماعت کے تیسرے جانشین مرزا ناصر احمد نے مسند اقتدار پر قدم رکھا۔ مرزا محمود نے پہلے سے ہی ان کا بطور جانشین انتخاب کر لیا تھا۔ لاہوری جماعت کے ارکان خصوصاً عبدالرحمان مصری نے ۱۹۳۵ء سے ہی یہ الزام عائد کر رکھا تھا کہ قادیان کی گدی پر مرزا ناصر احمد کی تخت نشینی کے امکانات ہیں۔ مرزا محمود احمد ان کو گدی پر بٹھانے کے لیئے تیار کر رہے ہیں۔ مرزا ناصر احمد سولہ نومبر ۱۹۰۹ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کیلئے آکسفورڈ چلے گئے۔ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۴ء تک وہ جامعہ احمدیہ قادیان کے پرنسپل رہے اور بعد میں تعلیم الاسلام کالج قادیان کے بانی پرنسپل مقرر ہوئے۔ انہوں نے حد بندی کمیشن ۱۹۴۷ء میں احمدیہ یادداشت کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ جنگ کشمیر ۱۹۴۸ء کے دوران سعد آباد وادی میں لڑنے والی فرقان بٹالین کی تنظیمی مجلس کے بھی رکن تھے۔ ربوہ کے بعض علاقوں میں ان کی داستان حیات کی بعض لچھے دار باتیں سالانہ اجتماعات پر زبان زد عام ہوتیں کچھ داستانیں ناقابل یقین سمجھی جاتیں۔ کچھ باغی عناصر کا کارنامہ قرار دی جاتیں لیکن ان تمام کے ساتھ کثیر تعداد میں شہادتیں موجود تھیں۔ جس دن مرزا ناصر احمد مسند اقتدار پر براجمان ہوئے تمام داستان گو زیر زمین چلے گئے۔ اپنے والد کی طرح انہوں نے اپنے منحرف پیروکاروں پر دہشت کی ایک فضا طاری کر دی۔ ان کے نجی خدام کی افواج اہل ربوہ کی سرگرمیوں کی مستقل جاسوسی کرتیں اور ان کی ''سلطنت'' کے اردگرد جاری سرگرمیوں کی انہیں اطلاعات بہم

پہنچاتیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو سیاست میں بھی ملوث رکھا اور مدد اور رہنمائی کے لیئے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے دست نگر رہے۔

مرزا ناصر احمد کو وراثت میں ایک مالی سلطنت اور پیروکاروں کی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ایک منظم تنظیم ملی۔ احمدی اپنے سرخیل کی آواز پر لبیک کہتے اور اپنے عقیدہ کی ترویج کیلیئے قادیان کے خزانہ میں بڑے بڑے عطیات پیش کرنے کو تیار رہتے۔ جماعت کی ترقی اور دنیا میں ان کے تنظیمی طریقہ کار پر ایک نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خلافت کا نظام جسے مرزا محمود نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ترتیب دیا تھا کس طرح تشدد آمیز طریقے سے جاری تھا۔

تنظیمی طریق اور فروغ

احمدیہ جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ جسے مرزا محمود نے ترتیب دیا تھا ان اصول وضوابط سے یکسر مختلف تھا جو مرزا غلام احمد کی کتاب ''الوصیۃ'' میں بیان کیا گیا تھا۔ چونکہ مرزا محمود اس بات کے دعویدار تھے کہ وہ خدا کی طرف سے ماموراور مصلح موعود ہیں جو اپنے والد کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں لہذا وہ ہر ایسا قدم اٹھا سکتے تھے جسے وہ جماعت کی ''ترقی'' اور ''استحکام'' کے لیئے ضروری سمجھتے تھے۔ اس کا دارومدار بیرونی آقاؤں کی پشت پناہی کے مطابق مطلق العنان قیادت اور جماعت کے مخصوص اقلیتی کردار پر منحصر تھا۔ احمدیہ جماعت کے اس تنظیمی ڈھانچے کے خدوخال دیکھے جاتے ہیں جسے خود مرزا محمود نے مرتب کیا تھا۔

تنظیم:

اس گروہ کی مرکزی تنظیم کی نمائندگی صدر انجمن احمدیہ کرتی ہے۔ یہ ناظر اعلیٰ (چیف سیکرٹری) جو کہ صدارت کے فرائض انجام دیتا ہے اور کئی دیگر ناظروں جو کہ مختلف محکموں کے سربراہ ہوتے ہیں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان بڑے ناظروں میں ناظر بیت المال۔

ناظر امور عامہ۔ ناظر امور خارجہ (جس کا کام حکومت اور دیگر مذاہب سے معاملات طے کرنا ہوتا ہے) ناظر تعلیم و تربیت۔ ناظر اصلاح و ارشاد۔ ناظر تالیفِ و اشاعت اور ناظر ضیافت شامل ہیں۔ ان نظارتوں کے علاوہ ایک مجلس مشاورت بھی ہوتی ہے اس ادارے کو مرزا محمود نے اپنے سادہ لوح پیروکاروں کو جماعتی امور میں شراکت کے غلط تاثر کیلئے قائم کیا تھا۔

مجلس مشاورت:

مرزا محمود نے ۱۹۲۲ء میں خلیفہ کی مشاورت کے لیئے ایک مجلس قائم کی۔ یہ جماعت منتخب اور نامزد مندوبین پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کے اراکین کی حتمی تعداد مقرر نہیں ہے مگر یہ پانچ سو اور چھ سو کے درمیان ہے۔ تقریباً پچھتر فیصد لوگ منتخب ہو کر آتے ہیں۔ بقیہ اراکین کو خلیفہ نامزد کرتا ہے تاکہ وہ اس جماعت کے ایسے حلقوں کی نمائندگی کر سکیں جن کی پہلے سے کوئی موثر نمائندگی نہیں ہوتی یا جن کو انفرادی طور پر دعوت دی جاتی ہے یا جن کی مشاورت خلیفہ کو درکار ہوتی ہے۔ عموماً اس کا سال میں ایک اجلاس ہوتا ہے یا جب کوئی خصوصی معاملات زیر بحث لانے ہوں۔ یہ خلیفہ کو مشورے دیتی ہے۔ سالانہ میزانیئے پر بحث کرتی ہے اور معاملات کے تجزیئے کے لیئے قائم کردہ مجلس کی اطلاعات پر غور کرتی ہے۔ مگر خلیفہ کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اور اسے ہر حال میں قبول کرنا پڑتا ہے۔

میزانیہ:

ہر سال ایک میزانیہ تیار کیا جاتا ہے جسے صدر انجمن احمدیہ تیار کرتی ہے۔ اس میں شروع مالی سال کے اخراجات و آمدن کے تخمینے لگائے جاتے ہیں اور اسے رواں مالی سال کے اختتام سے قبل ناظر بیت المال خلیفہ کی مجلس مشاورت کو پیش کرتا ہے۔ مجلس مشاورت کی ذیلی کمیٹی اس کی چھانٹی کرتی ہے۔ پھر مجلس اس کی توثیق کے لیئے خلیفہ کو سفارش کرتی ہے۔ اس قسم کی جدتوں کے ساتھ جو مجلس اس میں کرنا چاہے۔ پھر خلیفہ معاشی مجلس کو ہدایت کرتا

ہے کہ اخراجات کی تجاویز کی مزید چھانٹی کی جائے۔ وہ حتمی طور پر خود میزانیے کی توثیق کرتا ہے۔ مالی سال کے دوران غیر معمولی اخراجات کی ضرورت پیش آجائے اور اضافی امداد کے لیئے موقع بہ موقع خلیفہ سے اجازت حاصل کی جاتی ہے۔ مگر خلیفہ کی ہدایات کے پیش نظر ایسی تمام زائد از اخراجات رقومات کو اگلے اجلاس میں مجلس کے روبرو لازمی طور پر پیش کرنا ہوتا ہے۔

عدالتی نظام:

مرزا محمود نے ایک عدالتی نظام بھی قائم کیا تھا جس کا نام محکمہ ''قضاء'' تھا۔ یہ ۱۹۲۵ء میں روبہ عمل آیا تھا۔ اس نظام کے تحت قاضی انفرادی طور پر دائرہ اختیار کا تعین کرتا ہے۔ قاضیوں کے بورڈ کو اپیل بھی کی جاتی ہے اور اپیل ثانی خلیفہ کو کی جاتی ہے۔ اگر خلیفہ بذات خود فریق بن جائے یا کسی مقدمے کے نتائج میں دلچسپی رکھتا ہو تو اپیل کے بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ قضاء کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایسے دیوانی تنازعات کو طے کرتی ہے جو ملکی قانون کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے یا جنہیں عام عدالتیں نمٹاتی ہیں۔(۱)

اگر کسی وجہ سے یہ ضروری خیال کیا جائے کہ عام عدالت سے رجوع کیا جائے تو ایسا صرف جماعت کے متعلقہ محکمہ سے اجازت کے حصول کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اس عدالتی نظام کا ایک خصوصی وصف یہ ہے کہ چونکہ منصف خود مقدمات کے فیصلے کر رہے ہوتے ہیں لہٰذا ان فیصلوں کے لاگو کرنے کا انتظام محکمہ قضاء کے پاس نہیں ہوتا بلکہ یہ ناظر امور عامہ کے محکمہ کے ایک حصہ کے پاس ہوتا ہے۔ قضاء نے عدالتی فیس بھی عائد کی تھی جو بعد میں معطل کر دی گئی۔ ربوہ ہیڈ کوارٹر کے باہر جماعت کے ارکان پر قابو رکھنے کیلیے مرزا محمود اپنی طرف سے امیر مقرر کرتے تھے یا ان شاخوں کے ذریعے جو صدر انجمن احمدیہ سے متعلق ہوتیں۔ جہاں کہیں بھی چند احمدی پائے جائیں انہیں ایک انجمن بنانے کا کہا جاتا تھا۔ امیر تمام مقامی

۱۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ (1935ء) میں مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ میں قادیان میں موجود اس عدالتی نظام کی نوعیت بیان کی گئی ہے

ارکان کو منظم کرتا ہے اور مرکز کی ہدایات کے تناظر میں اپنے گروہ کے معاملات کو چلاتا ہے۔

احمدیہ تنظیمیں:

مرزا محمود نے تمام جماعت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ خواتین کی ایک انجمن ہے جسے ''لجنہ اماء اللہ'' کہا جاتا ہے جو ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی تھی اور ایک تنظیم نوجوان لڑکیوں کی ہے جسے ''نصارات احمدیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ مرد ارکان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ''اطفال احمدیہ'' (جن کی عمریں نو سال اور پندرہ سال کے درمیان ہوتی ہیں۔) ''خدام الاحمدیہ'' (جن کی عمریں پندرہ سال سے چالیس سال کے درمیان ہوتی ہیں) اور ''انصار اللہ'' (جن کی عمریں چالیس سال سے زائد ہوتی ہیں۔)

چندہ جات:

مرزا محمود نے جماعت کی مالی بنیادوں کو استوار کرنے پر خصوصی توجہ دی تھی۔ ہر رکن پر یہ لازم ہے کہ وہ مرکزی انجمن کو چندے کے طور پر اپنی آمدنی کا کم از کم سوا چھ فیصد ادا کرے اور کافی تعداد میں لوگ اپنی آمدن کا کم از کم دس فیصد ادا کرتے ہیں۔ لازمی چندے کے علاوہ مختلف مدات میں مختلف چندے ہیں۔ کچھ کٹر احمدی ''بہشتی مقبرہ'' میں تدفین کے لیئے صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کا دسواں حصہ نذر کر دیتے ہیں۔

بیرون ممالک مراکز:

مرزا محمود کی دلچسپی کے میدانوں میں غیر ملکی مشنوں کا قیام خصوصی توجہ کا حامل تھا۔ ان کی زیر قیادت دو بڑی تنظیمیں صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کام کر رہی تھیں۔ یہ محکمہ خلیفہ کی اجازت سے مبلغین کو باہر بھجواتا ہے اور مشنوں کی ضروریات اور ان کے مسائل پر نظر رکھتا ہے۔ اپنی مقامی تنظیموں کو چلانے کیلئے یہ مراکز اپنے اہلکاران مثلاً صدر۔ نائب صدر۔ مختلف فرائض کی سر

انجام دہی کیلئے معتمدین کا انتخاب کرتا ہے۔ امیر براہ راست خلیفہ مقرر کرتا ہے جو اس کا ذاتی نمائندہ اور براہ راست انہیں جواب دہ ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کے مرکزی اہلکار ایک مرکزی مجلس تشکیل دیتے ہیں جو ان مشنوں کی باقاعدہ کارکردگی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ (۱)

مالی بنیاد:

مارچ ۱۹۱۴ء میں حکیم نور الدین کی وفات کے بعد جب قادیان میں مرزا محمود برسر اقتدار آئے تو احمدیہ جماعت کا مکمل میزانیہ بائیس سو روپے تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور چند سالوں میں ہی لاکھوں تک پہنچ گیا۔ میزانیئے کی تیزی سے توسیع میں مندرجہ ذیل عوامل کارفرما تھے۔

i) برطانوی حکومت کی امداد جو احمدیوں کی فوج میں بھرتی، سول سروس میں منفعت بخش عہدوں پر تعیناتی اور خصوصی نظر عنائت مثلاً تعمیراتی کاموں اور سپلائی کے ٹھیکے دیئے جانے پر مبنی تھی۔

ii) قادیان کو خفیہ فنڈز سے رقومات کی منتقلی جس سے ہندوستان اور بیرون ہندوستان سیاسی تحریکوں کا مقابلہ کیا جائے۔ **iii)** جائیداد اور کاروبار میں کی گئی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی آمدنی۔ انگریزوں نے انہیں برائے نام قیمت پر سندھ۔ پنجاب اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں وسیع جاگیریں۔ عنایت کی تھیں۔ **iv)** بیرونی (خفیہ) ایجنسیوں سے حاصل ہونے والی رقومات۔

۱۴-۱۹۱۳ء میں باقاعدہ چندوں اور مقررہ آمدنی سے حاصل ہونے والی رقم اکیس ہزار سات سو چورانوے روپے تھی جو ۲۴-۱۹۲۳ء میں بڑھ کر دو لاکھ اڑتیس ہزار نو سو اکانوے روپے ہو گئی۔ ۳۴-۱۹۳۳ء میں یہ رقم دو لاکھ چوہتر ہزار پانچ سو چھتر روپے رہی اور دوسری جنگ عظیم (۳۹-۱۹۳۸ء) کے دوران یہ رقم بڑھ کر تین لاکھ تیرہ ہزار تین سو سترہ روپے ہو گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے دور ۴۶-۱۹۴۵ء میں یہ رقم سات لاکھ چالیس ہزار چار

۱۔ تحریک جدید ربوہ دسمبر 1973ء۔

سو روپے تک پہنچ گئی۔ تقسیم کے بعد ۴۸-۱۹۴۷ء میں جب مرزا محمود نے پاکستان میں اپنا مشن قائم کیا تو یہ رقم چھ لاکھ اڑتیس ہزار تین سو اٹھانوے روپے تھی۔ اگلی دہائی یعنی ۵۰-۱۹۵۹ء میں آمدنی میں تیزی سے اضافہ ہوا اور چندے کی تمام رقم بارہ لاکھ دس ہزار چھ سو بانوے روپے ریکارڈ کی گئی۔ مرزا محمود کی وفات کے وقت یہ رقومات انیس لاکھ تک پہنچ چکی تھیں جو احمدی خزانہ عامرہ میں بڑی مقدار کو ظاہر کرتی ہیں۔(۱)

تحریک جدید پروگرام ۱۹۳۴ء میں شروع کیا گیا۔ اس سے چندوں میں یکدم اضافہ ہو گیا۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں اس کا کل میزانیہ ستانوے ہزار آٹھ سو اٹھاسی روپے تھا۔ ایک دہائی کے بعد یہ بڑھ کر ایک قابل ذکر اضافہ یعنی دو لاکھ انسٹھ ہزار چھ سو چھہتر روپے تھا۔ ۴۸-۱۹۴۸ء میں یہ تین لاکھ بارہ ہزار آٹھ سو چھتیس سے بڑھ کر ۵۸-۱۹۵۷ء میں یہ تین لاکھ چوبیس ہزار نو سو بتیس روپے ہو گیا۔ ۱۹۶۴ء میں یہ تقریباً تین لاکھ ساٹھ ہزار روپے کے قریب تھا۔(۲)

یہاں اس بات کی وضاحت ہوتی چلے کہ یہ اعداد و شمار جماعت کی اصل مالی حیثیت کو ظاہر نہیں کرتے۔

افریقی مشن

مرزا محمود نے پہلی جنگ عظیم سے ہی افریقہ پر نظر رکھ لی تھی۔ برطانوی سامراج کی سرگرم مدد کے ساتھ قادیانیوں نے اس کے کئی حصوں میں اپنے مراکز قائم کر لیئے۔ افریقہ پر سامراجی قوتوں کی نظر اس لیئے بھی تھی کہ قدرت نے اس علاقے کو بیش بہا قدرتی ذخائر سے نوازا تھا۔ کرہ ارض پر اس کی جغرافیائی حیثیت جنگی اہمیت کی حامل ہے۔ اس علاقے میں اپنا دائرہ اثر بڑھانے کی خاطر عالمی قوتیں ہمیشہ آپس میں دست و گریباں رہیں تاہم برطانوی سامراج اسکے زیادہ تر حصوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے نو آبادیاتی

۱۔ مخصوص چندوں میں باقاعدہ رقومات اور غیر منقولہ جائیداد کی خصوصی عطیات شامل ہوتی تھیں۔ باقاعدہ چندوں میں زکوۃ کی رقم اور سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی رقومات وغیرہ ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ عمومی چندہ اور سالانہ جلسہ کیلئے چندے بھی شامل ہوتے تھے۔

۲۔ ماہانہ خالد ربوہ "خلافت ثانیہ نمبر"۔ دسمبر 1964ء۔

مقاصد کیلئے اس کے قدرتی ذخائر سے استفادہ کرتا رہا۔

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اوائل میں قومی آزادی کی تحریکوں کے دباؤ میں یورپی نو آبادکاروں کو افریقہ سے نکلنا پڑا مگر افریقی و ایشیائی ممالک میں سامراجی استحصالی نظام کے طور پر جدید نو آبادیاتی نظام اب بھی رائج ہے۔ یورپی طاقتوں نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نئی پالیسیاں وضع کیں تاکہ نو آزاد ریاستوں پر معاشی بالادستی اور سیاسی اثر و رسوخ قائم کریں۔ انہوں نے بہت سے ممالک پر عسکری و سیاسی دباؤ رکھنے کے لیئے سیاسی و معاشی دست نگری کے نظام کو تقویت دی ہے۔ اسرائیل کو مشرق وسطیٰ میں عربوں کے خلاف نہ صرف ایک چوکی کے طور پر برقرار رکھا جاتا ہے بلکہ اسے افریقہ کے مظلوم عوام کے خلاف بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں سامراجیت کا طریق کار ذرا مختلف رہا ہے۔ جہاں مشرق وسطیٰ میں اسرائیل ننگی جارحیت اور تشدد کی حکمت عملی پر گامزن رہا ہے۔ وہاں افریقہ میں سامراجی پشت پناہی سے اسرائیل کی حکمت عملی زیادہ تر پوشیدہ۔ بالواسطہ اور عیارانہ رہی ہے۔ اسی نے مختلف مواقع پر افریقہ کے ترقی پذیر ممالک کو تکنیکی و معاشی امداد کی پیشکش کی۔ اس حکمت عملی کے تحت خصوصاً ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اسرائیلیوں نے کئی نو آزاد افریقی ممالک سے قریبی معاشی و ثقافتی تعلقات استوار کیئے ہیں۔ خصوصاً جہاں جہاں مغرب نواز حکومتیں برسر اقتدار تھیں۔ انہوں نے ان ممالک کو تکنیکی امداد اور معاشی مدد فراہم کی۔ تعلیمی اداروں۔ سڑکوں اور بندرگاہوں کی تعمیر میں حصہ لیا۔ بعض ممالک میں انہوں نے فوجی میدانوں میں بھی تعاون کی پیشکش کی۔ بہت سے اسرائیلی فوجی ماہرین نے افریقی سرزمین پر ”مشیر“ بن کر کام کیا اور بہت سے افریقی ممالک نے اپنے فوجی عملے کو تربیت کے لیئے اسرائیل بھجوایا۔

مگر افریقہ میں اسرائیلی یورش کا سب سے اہم پہلو جنوبی افریقہ اور سابقہ رہوڈیشیا کی نسل پرست حکومت کے ساتھ قریبی شراکت کاری تھی۔ نسل پرستی کی مخالف اور نو آبادیاتی مخالف آزادی کی تحاریک کو کچلنے کے لیئے اسرائیلی فوجی مشاورت انہیں ہمیشہ میسر رہی۔

قادیانیوں کو افریقہ میں سامراجی و صیہونی لابی کی مکمل پشت پناہی حاصل رہی۔ وہ ان

کے وفادار اور قابل اعتبار آلہ کار ہیں۔ احمدیہ تبلیغی مراکز سامراج کے قلعے اور افریقہ میں جاسوسی کے لیئے علاوہ اسرائیل کے نظریاتی و سیاسی اثر و رسوخ کو مستحکم کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ یہ افریقی ممالک کو اسرائیل کے سیاسی اتحادی بنانے اور عرب ریاستوں کے خلاف صیہونی جارحیت کے حق میں مدد حاصل کرنے کیلیئے سرگرم عمل ہیں۔ اسرائیلی صیہونی افریقی ممالک میں کاروباری۔ سیاسی۔ سماجی اور مذہبی حلقوں میں اس لیئے شامل ہونا چاہتے ہیں کہ ان کو اپنے زیر اثر لاسکیں۔ ان کے حملوں کا بڑا نشانہ افریقی تعلیم یافتہ لوگ۔ نوجوان طبقہ۔ کاروباری تنظیمیں۔ معاشی تنظیمیں اور ابھرتی ہوئی سیاسی قیادت ہے۔ اسرائیلی مشیروں۔ تکنیکی ماہروں۔ فوجی افسران۔ سفیروں اور موساد کے جاسوسوں کے ساتھ قادیانیوں کے ذاتی روابط اور بے تکلفانہ تعلقات ہیں۔ گھانا۔ آئیوری کوسٹ۔ نائیجیریا اور سیرالیون میں اسرائیل کی خاطر قادیانیوں نے اہم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں مرزا محمود نے اعلان کیا کہ

> ''خدا نے افریقہ کے ممالک کو احمدیت کیلیئے مختص کر دیا ہے۔ احمدیت کا مستقبل افریقہ کے ساتھ وابستہ ہے''۔(۱)

اس کے نتیجے میں مرزا محمود نے نائیجیریا۔ گھانا۔ سیرالیون۔ لائبیریا۔ ٹوگولینڈ۔ آئیوری کوسٹ۔ گیمبیا۔ کینیا۔ یوگنڈا اور ٹانگانیکا میں اپنی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں کو منظم کیا اور ان کے ذریعے سے اپنے اثر و رسوخ کو کانگو۔ رہوڈیشیا اور نیاسالینڈ تک پہنچا دیا۔ جنوبی افریقہ میں حکومتی پابندیوں کی وجہ سے وہ ربوہ سے مبلغ نہ بھیج سکے مگر مقامی قادیانی خلیفہ کی ہدایات کے تحت وہاں کام کرتے رہے۔

۱۹۱۴ء میں لندن میں صرف ایک قادیانی مشن قائم کیا گیا تھا مگر ۱۹۶۴ء میں تحریک جدید کے تحت اکتیس ممالک میں چھیاسٹھ مشن کھل گئے' جن کو ایک سو باون قادیانی چلا رہے تھے۔ ان میں سے انہتر ربوہ سے بھجوائے گئے تھے جبکہ تراسی مقامی تھے۔(۲)

۱۔ الفضل ربوہ' 8 فروری 1961ء۔

۲۔ مرزا مبارک احمد' اشاعت اسلام' ربوہ۔ جولائی 1964ء ص 8۔

یہ مراکز برطانیہ۔ سپین۔ سوئٹزر لینڈ۔ سکینڈے نیویا۔ برٹش گنی۔ سنگاپور۔ بورنو۔ موریشس۔ اسرائیل۔ شام۔ عدن۔ فجی۔ ہالینڈ۔ مغربی جرمنی۔ لبنان۔ لاطینی امریکہ۔ نائیجیریا۔ سری لنکا۔ ملائیشیاء۔ انڈونیشیا اور افریقہ میں کام کر رہے تھے۔ ۱۹۶۴ء میں قادیانی عبادت گاہوں کی کل تعداد دو سو اکانوے تھی جن میں سے زیادہ تر افریقہ میں تھیں۔ انسٹھ احمدیہ تعلیمی ادارے تھے جن کی نصف کے قریب تعداد افریقہ میں تھی۔ نائیجیریا اور سیرالیون میں تین طبی مراکز بھی کام کر رہے تھے۔ مرزا محمود نے بیرون ملک جماعت کے عقائد کی تشہیر کیلئے پریس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ جس کے نتیجے میں جماعت کے سترہ اخبار جاری ہوئے۔ ان میں حیفہ اسرائیل سے نکلنے والا عربی زبان میں ''البشریٰ'' بھی شامل تھا۔(۱)

عرب اسرائیل جنگ:

۱۹۶۵ء کی آخری سہ ماہی میں بعض قادیانی رضا شاہ کے ایران سے اسرائیل چلے گئے۔ انہوں نے خلیجی ریاستوں میں صیہونی مفادات کا تحفظ کیا اور اس سلسلے میں انہیں جیوئش ایجنسی تہران اور ورلڈ جیوئش کانگریس کے تہران میں واقع دفتر کی معاونت حاصل تھی۔ ایک یہودی مصنف جیکب ایم لنڈاؤ بیان کرتا ہے کہ اکتیس دسمبر ۱۹۶۵ء کو اسرائیل میں تین لاکھ ستائیس ہزار غیر عرب یہودی تھے اور چند سو احمدی تھے جو کہ تہران سے آئے تھے۔(۲)

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ عربوں کی شکست پر منتج ہوئی۔ پاکستان نے اسرائیلی جارحیت کی پرزور مذمت کی اور فلسطینیوں کے حق میں آواز بلند کی۔ پاکستان کے اندر اور بیرون ملک رہنے والے قادیانیوں نے اس بہانے سے کہ ''سیاست سے ان کا کوئی تعلق نہیں'' اس مسئلہ پر پراسرار خاموشی اختیار کیئے رکھی۔ انہوں نے نہ تو اسرائیل کی جارحیت کی مذمت کی نہ ہی فلسطینیوں کے حق میں کسی زبانی جمع خرچ کی تکلیف گوارا کی۔ اسرائیل میں

ا۔ خالد/خلافت۔ نومبر/دسمبر 1964ء ص 79۔

۲۔ جیکب ایم لنڈاؤ ''اسرائیل میں عرب ایک سیاسی مطالعہ'' لندن 1969ء ص 4۔

قادیانی مشن نے صیہونیت کی ہر ممکن مدد کی کیونکہ یہ ان کے ایمان کا جزو تھا کہ وہ ہر اس حکومت کی مدد کریں جس کے زیر سایہ وہ رہ رہے ہوں خواہ وہ حکومت یہودیوں کی ہو یا سکھوں کی یا کوئی نسل پرست حکومت ہو۔ اس حکمت عملی کی مطابقت اور صیہونیت نواز نظریات کی بناء پر کبابیر (اسرائیل) میں مقیم قادیانیوں سے کہا گیا کہ وہ عربوں کے خلاف صیہونی فتح پر دبے لفظوں میں اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار کریں۔(۱)

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد چھ جولائی ۱۹۶۷ء کو مرزا ناصر احمد یورپ کے دورے پر روانہ ہوئے۔ جماعت کا سربراہ بننے کے بعد یہ ان کا پہلا بیرونی دورہ تھا۔ ظفر اللہ اور ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن آف پاکستان ایم ایم احمد لندن میں انہیں ملے۔ ایک ''احمدی انقلاب'' کیلئے حکمت عملی ترتیب دینے کی خاطر یہ قادیانی اکابر لندن میں اکٹھے ہوئے تھے۔ روزنامہ چٹان لاہور نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے فوری بعد مرزا ناصر احمد کے یورپ کے دورے کے عواقب ونتائج پر اداریہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا کہ اس دورے کے دوران ایک نامہ نگار نے انہیں عرب اسرائیل جنگ پر ردعمل ظاہر کرنے کو کہا مگر انہوں نے پس وپیش سے کام لیا۔ چٹان نے یہ حقیقت کشائی کی کہ کچھ غیر ملکی قوتوں نے مرزا ناصر احمد کو دعوت دی تھی کہ وہ بعد از جنگ معاملات پر بحث کرے اور عرب۔ اسرائیل دشمنی کو اسلام کی بجائے عربوں کے ایک مسئلے کے طور پر اجاگر کرے۔(۲)

زرمبادلہ میں حصص:

ایوبی دور میں قادیانیوں کو ہر قسم کی ریاستی سرپرستی حاصل رہی۔ ان کو پاکستانی خزانہ عامرہ سے زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اگرچہ سٹیٹ بنک آف پاکستان نے بڑے سخت ایکسچینج کنٹرول رولز نافذ کر رکھے تھے پھر بھی انہیں اپنے بیرون ملک مراکز کو زرمبادلہ کی بھاری مقدار روانہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس زمانے

۱۔ شورش کاشمیری/مرزائیل/لاہور 1968ء/ص16۔

۲۔ ایضاً ص19۔

میں پاکستان میں معاشی کساد بازاری تھی لیکن پاکستان کی مستحکم کرنسی کو دیکھا جائے (کیونکہ ان دنوں چار روپے پچھتر پیسے کا ایک ڈالر آتا تھا) تو قادیانی عقائد کی اشاعت کے لیئے اس قدر سرمائے کا مختص ہونا قادیانیوں پر ایوبی حکومت کا ایک بہت بڑا احسان تھا۔ ان دنوں پاکستان کی ادائیگیوں کے توازن کی حالت بڑی خراب تھی اور اس سلسلے میں پائی پائی کی ضرورت تھی۔ پاکستان زرمبادلہ کی رقم باہر بھجوانے کی اجازت کے مسئلے پر پاکستان کی قومی اسمبلی میں شدید لے دے ہوئی۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے بعض ارکان نے قادیانی مسئلہ کے متعلق کئی معاملات اٹھانے چاہے مگر انہیں اس کی اجازت نہ دی گئی۔ تاہم قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو مہیا کیئے گئے زرمبادلہ کا مسئلہ بڑی شدت سے زیر بحث آیا۔ قومی اسمبلی میں وزیرخزانہ کی طرف سے دیئے گئے سوالات کے جوابات نہ صرف مبہم بلکہ سراسر فضول تھے۔ چار جون ۱۹۶۸ء کو انہوں نے قومی اسمبلی کو ایک تحریری جواب میں یہ مطلع کیا کہ تین سے چار سال کے دوران مختلف فرقوں کو زرمبادلہ کی شکل میں سوا پندرہ لاکھ روپے کی رقم مہیا کی گئی جن میں سے بڑا حصہ یعنی نو لاکھ روپے قادیانیوں کو عطا ہوا۔ (حالانکہ ان کی کل تعداد چند لاکھ بھی نہیں تھی)

پاکستان کے وزیرخزانہ ایم این عقیلی نے احمدیوں کو دیئے گئے زرمبادلہ کی رقم کی تفصیل بیان کی جو حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	سال	۔	ربوہ کے احمدیوں کو دیئے گئے زرمبادلہ کی رقم کی مقدار
۱	۱۹۶۴ء	۔	۷۰،۰۰۰ روپے
۲	۱۹۶۵ء	۔	۷۰،۰۰۰ روپے
۳	۱۹۶۶ء	۔	۵۲،۵۰۰ روپے
۴	۱۹۶۷ء (جنوری تا مئی)	۔	۴۵،۰۳۶ روپے

لاہوری احمدیوں کو بھی ان کی نام نہاد تبلیغی سرگرمیوں کے لیئے ان کے بیرون ملک مشنوں کو تقریباً اتنی ہی رقم فراہم کی گئی۔ اس کے علاوہ تحریک جدید ربوہ کو اس کے افریقی

مراکز کیلیئے ۱۹۶۷ء میں ایک لاکھ چودہ ہزار انسٹھ روپے کی رقم عطا کی گئی۔

یہ سن کر رکن قومی اسمبلی، حسن اے شیخ نے یہ ضمنی سوال اٹھایا "کیا پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ احمدیوں کی سرگرمیوں کو اسلام کی تبلیغ سمجھتے ہیں"؟

اس پر پارلیمانی سیکرٹری نور الاسلام سکدر نے جوابدیا "ہاں"۔ حسن اے شیخ نے پھر پوچھا۔

"کیا سلطنت پاکستان پر یہ واجب ہے کہ وہ قادیانیوں کو اس قسم کا پروپیگنڈہ کرنے کی اجازت دے"؟

سکدر نے جواب دیا۔

"جناب! میرے محکمہ کا اس چیز سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔

ایک دوسرے رکن چوہدری محمد اقبال نے پوچھا۔

"کیا حکومت اس حقیقت سے باخبر ہے کہ افریقہ میں اسلامی تبلیغی سرگرمیوں کی بہت گنجائش ہے اور آیا حکومت ان مذہبی اداروں کو زرمبادلہ کی فراہمی پر تیار ہے جو وہاں تبلیغی کام کرنے پر رضامند ہیں؟" نور الاسلام سکدر نے جواب دیا۔

"اس چیز پر اس وقت غور کیا جائے گا جب اس کی درخواست آئے گی" بریگیڈیئر محمد عباس عباسی رکن قومی اسمبلی نے پوچھا۔

"زرمبادلہ فراہم کرتے وقت کس قاعدہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ کیا اس قسم کی امداد کی استدعا کے بارے میں بیرون ملک ہمارے سفارتخانوں سے بھی مشورہ کیا جاتا ہے؟"

نور الاسلام سکدر نے جواب دیا۔

"مجھے اس کے جواب کے لیئے نوٹس درکار ہے"۔

مولانا عبدالحفیظ محسن الدین رکن قومی اسمبلی نے سوال کیا۔

"پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ نے بیان کیا ہے کہ "انجمن احمدیہ تحریک جدید" اور "انجمن احمدیہ اشاعت اسلام" مسلمانوں کی تنظیمیں ہیں۔ میں وزیر خزانہ سے یہ پوچھنا

چاہوں گا کہ اس معاملے میں ان کا کیا خیال ہے جبکہ پوری دنیا کے مسلمانوں نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کیا وزیر خزانہ احمدیوں کو مسلمان خیال کرنے پر تیار ہیں؟"

وزیر خزانہ نے جواب دیا۔

"جناب! اس پر رائے دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

مولانا محسن الدین نے کہا۔

"جب احمدی اسلام کے کسی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے تو انہیں کسی بھی قسم کی مالی مدد دینے کا کیا جواز ہے؟"

اس سوال کا وزیر خزانہ یا پارلیمانی سیکرٹری کسی نے بھی جواب نہیں دیا تاہم سپیکر نے یہ کہا کہ

"اس سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔"

بیگم مجیب النساء اکرم نے پوچھا۔

"کیا حکومت اپنی طرف سے دیئے گئے زر مبادلہ کے خرچ پر کوئی نگرانی رکھتی ہے یا بیرون ممالک میں اس کی چھان بین کے لیئے کوئی مشینری تشکیل دی ہے۔"

وزیر خزانہ نے نفی میں جواب دے دیا۔

بیگم اکرم نے پھر پوچھا۔

"کیا چیک کرنے کی ذمہ داری حکومت کی نہیں کہ رقم اپنے صحیح مصرف میں استعمال ہو رہی ہے یا ذاتی مفادات پر خرچ کی جا رہی ہے؟"

وزیر خزانہ نے جواب دیا۔

"اخراجات کے لیئے شرائط عائد کی گئی ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ جب زر مبادلہ جاری کر دیا جاتا ہے تو اس پر کنٹرول رکھنا "مشکل ہو جاتا ہے۔"

اجمل چوہدری کے ایک سوال کے جواب میں وزیر خزانہ نے جواب دیا۔

"سائلان یہ استدعا کرتے ہیں کہ تبلیغی مقاصد کے لیئے کچھ مبلغ باہر جا رہے ہیں۔ کچھ

تقاریر وغیرہ ہوں گی۔ اس بناء پر غیر ملکی کرنسی جاری ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دیکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ رقم واقعی اس مصرف پر ہی استعمال ہوتی ہے جس کے لیئے یہ دی گئی تھی''۔ (۱)

امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی چوہدری احمد جان نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے اراکین میں قادیانی مؤقف کی وضاحت کیلیۓ ایک کتابچہ تقسیم کیا۔ انہوں نے بیرون ممالک قادیانیوں کی سرگرمیوں کا مختصر تذکرہ کیا اور حکومت سے مزید زرمبادلہ کا مطالبہ کیا کہ

> ''ان کو فراہم کیا گیا زرمبادلہ حقیر تعداد میں اور تبلیغی سرگرمیوں کے بڑھتے اخراجات کے مقابلے میں بہت کم تھا''۔ (۲)

لاہوری احمدیوں نے بھی اپنی صورتحال کی وضاحت کے لیئے یہ کہا کہ مرزا صاحب محض ایک مجدد تھے لہٰذا انہیں کافر نہ کہا جائے۔ امیر جماعت لاہور صدر الدین نے زور دے کر کہا کہ

> صدر فیلڈ مارشل ایوب خاں قادیانیوں کی ووکنگ مسجد لندن میں اپنی سینڈھرسٹ میں تربیت کے دوران آیا کرتے تھے اور وہاں نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ (۳)

۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں ایوبی حکومت بہت زیادہ زیر عتاب آ گئی لوگوں نے ایوب کو ''قادیانی'' اور ''مرزائی ایجنٹ'' کہنا شروع کر دیا۔ سیاسی کے علاوہ بہت سے معاشی عوامل بھی اس کے اقتدار کے خاتمہ کا باعث بنے۔ حکومت کے خلاف غم و غصہ میں اضافہ کرنے کے لیئے قادیانی مسئلہ بہت بنیادی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ قادیانیوں کے لیئے مراعات مہیا کرنے پر ایوبی حکومت ایک عام مسلمان کی تمام ہمدردیاں کھو بیٹھی تھی۔

تحریک کی ابتداء

ایوبی آمریت نے قادیانیوں کو تحفظ دیا اور اندرون پاکستان و بیرون ملک اپنے مفادات کے تحفظ کے لیئے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے خلاف جذبات بھڑکتے گئے اور

۱۔ ''پیک پاکستان'' ڈھاکہ 10 جون 1968ء۔

۲۔ ''بیرون ممالک میں احمدیہ مراکز کے کارنامے'' احمدیہ مشن راولپنڈی ص 1۔

۳۔ دی لائٹ لاہور 8 جون 1968۔

پاکستانی سیاست میں ان کے بڑھتے ہوئے رسوخ کے خلاف علماء نے آواز اٹھانی شروع کر دی۔ قادیانی اس قدر اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے کہ انہوں نے اپنے خلاف عوامی ردعمل اور تنقید کو محض یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ تو ملا کی روایتی تنگ نظری اور تعصب ہے۔ علماء کی یلغار کے مقابلے میں بے رحم مارشل لاء آرڈیننسوں اور ڈیفنس آف پاکستان رولز نے انہیں کافی تحفظ فراہم کیا۔ بہت سے علماء کو فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے کے الزامات میں گرفتار کر لیا گیا۔ جنہوں نے قادیانیت کی مخالفت کی۔ قادیانی مخالف پریس کو دبا دیا گیا اور کئی اخبارات کے مدیروں اور ناشران کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ اعزاز ہفت روزہ ''چٹان'' کو جاتا ہے جس نے اپنے جانباز مدیر آغا شورش کاشمیری مرحوم کی گرفتاری اور ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سخت نوٹسوں کے باوجود قادیانیوں پر دلیرانہ تنقید جاری رکھی اور ان کی خفیہ سازشوں کو بے نقاب کرنے کا سلسلہ برقرار رکھا۔⁽¹⁾

انہوں نے تمام مشکلات کا بہادری سے مقابلہ کیا اور ختم نبوت کے اعلیٰ وارفع مقصد کے لیئے دلیری سے لڑے۔ مذہبی تنظیموں اور سیاسی جماعتوں مثلاً مجلس احرار۔ مجلس تحفظ ختم نبوت اور جماعت اسلامی نے قادیانی سازشوں کو افشاء کرنے اور اس سامراجی سیاسی آلہ کار تنظیم کی درست انداز سے عکاسی کرنے کیلئے بے بہا خدمات سرانجام دیں۔

قادیانیوں نے مغربی پاکستان کے گورنر جنرل موسیٰ خان سے رابطہ کیا اور یکم اپریل ۱۹۶۶ء کو مغربی پاکستان کے ہوم سیکرٹری سے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت تمام مدیروں۔ ناشران اور طابعین کے لیئے ایک چٹھی جاری کرانے میں کامیاب ہو گئے جس میں انہیں نصیحت کی گئی تھی کہ وہ ایسا کوئی بھی مواد شائع نہ کریں ''جو کسی بھی فرقے کے عقائد۔ ابتداء۔ الہامات یا پیش گوئیوں کے بارے میں ہو۔'' اس کے فوراً بعد ایک دوسرا حکمنامہ جاری ہوا جس کا مقصد محض قادیانی جماعت کو تحفظ دینا تھا۔⁽²⁾

ستائیس جولائی ۱۹۶۷ء کو مغربی پاکستان کے گورنر نے چٹان لاہور کے مدیر کو حکم جاری

۱۔ دیکھیے شورش کاشمیری "تحریک ختم نبوت" لاہور 1976ء ص 174 تا 210۔

۲۔ چٹان لاہور 7 اگست 1967ء۔

کیا۔ جس میں انہیں ایسی اشتعال انگیز فرقہ وارانہ تحریروں کو شائع کرنے یا ان میں ملوث ہونے سے باز رہنے کو کہا گیا تھا جو امن عامہ کے خلاف ہوں اور انہیں منع کر دیا گیا کہ

> ''وہ ایسا کوئی مواد نہ شائع کریں جو کسی بھی فرقے کی ابتداء پیش گوئیوں۔ وحی والہامات۔ عقائد پر روشنی نہ ڈالتا ہو۔ جو مختلف فرقوں کے درمیان نفرت۔ بداعتقادی یا دشمنی کے جذبات پیدا کریں۔ ایسے مواد کی طباعت پر سنسر عائد کر دیا گیا جو فرقوں کی ابتداء۔ پیش گوئیوں۔ وحی و الہامات یا عقائد کے بارے میں ہو یا ان کے تقابلی خصوصیات یا مراتب کے بارے میں خبروں۔ آراء۔ تجزیات یا دیگر کسی بھی شکل میں ہو۔'' (اخبار پہلے ہی آٹھ صفحات قادیانی تحریک پر چھاپ چکا تھا۔ جس میں راقم کا ایک مضمون بھی تھا جسے ضائع کر دیا گیا۔)

ربوہ کے ایماء پر ڈالے گئے ہر طرح کے دباؤ اور تمام مشکلات کے باوجود چٹان نے ختم نبوت کے مقاصد کا بیڑہ اٹھائے رکھا۔ آخر کار اکیس اپریل ۱۹۶۸ء کو ہفت روزہ چٹان کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا اور اس کے پریس کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ سب کچھ اس وقت کی بدنام زمانہ مثلث یعنی گورنر مغربی پاکستان جنرل موسیٰ خاں۔ وزیر اطلاعات احمد سعید کرمانی اور ایوب خان کے سب سے زیادہ وزیر اطلاعات چہیتے الطاف گوہر کے عیارانہ اشتراک کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے پاکستان میں احمدیہ مخالف عناصر کو دبانے کیلئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ کرمانی کی شورش سے ذاتی مخاصمت تھی۔ وہ اکیس اپریل ۱۹۶۸ء کو یونیورسٹی ہال لاہور میں اس وقت کے چیف جسٹس مغربی پاکستان کی زیر صدارت ہونے والے یوم اقبال کے اجلاس کو خراب کرنا چاہتا تھا۔ شورش مجلس اقبال کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے کرمانی کے کرائے کے غنڈوں کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ کرمانی نے گورنر کے ساتھ مل کر اپنے اثر ورسوخ کی بناء پر شورش کو گرفتار کرا دیا۔ ان کا پریس ضبط ہو گیا اور ہفت روزہ چٹان بند ہو گیا۔ سابقہ حکومت مغربی پاکستان کے ایک سیکرٹری ایس آئی حق نے ایک بیان میں یہ راز افشاء کیا کہ

> ''یہ سیاسی کوتاہ اندیشی کا ایک قابل ذکر نمونہ تھا۔ پنجاب میں اس کا بدترین ردعمل ہوا۔ جب احکامات کے اجراء کے بعد مجھے بتایا گیا تو میں نے کہا کہ یہ سزا بہت زیادہ سخت ہے اور پہلے

موقع پر تنبیہ یا زبان بندی کے احکامات جاری ہونے چاہئیں تھے۔ باقی سب عوام کو پتا ہے۔ اس سے عدالت عالیہ اور حکومت کے درمیان ایک بڑی چپقلش کا آغاز ہوا۔ آغا شورش کاشمیری نے طویل بھوک ہڑتال شروع کر دی اور دونوں مواقع پر میری مداخلت پر انہیں موت کے شکنجے سے نکالا گیا۔ مسٹر کرمانی کے کہنے پر گورنر موسیٰ سختی سے اس بات پر قائم تھا کہ شورش کو پس زندان مرنے دیا جائے"۔(1)

چھ مئی کو اپنی گرفتاری سے قبل آغا شورش نے لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کی لاہور میں کانفرنس کے دوران ایک شاندار تقریر کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے طرز خطابت پر قادیانیوں کی سیاسی چالوں کو بڑے بلیغانہ انداز میں بے نقاب کیا۔ شورش نے حسب ذیل چونکا دینے والے انکشافات کیے۔

i) ''قادیانی کھلے عام پاکستان کی سیاست میں دخل اندازی کر رہے ہیں اور یہ سی آئی اے اور صیہونیت کے آلہ کار ہیں۔

ii) ایم ایم احمد قادیانی صنعتکاروں کو پروان چڑھا رہا ہے جس طرح امریکہ میں یہودی کرتے رہے ہیں۔ اس نے سرکردہ بنکوں انشورنس کمپنیوں اور قرضہ دینے والے اداروں مثلاً IDBP-ADBP-PICIC وغیرہ میں قادیانیوں کی تقرریاں کی ہیں۔

iii) پریس کے ایک حصے کو رقم اور عورتوں کے ذریعے سے خرید لیا گیا ہے تا کہ احمدیہ مخالف خبروں کو روکا جا سکے اور علماء کو دق کیا جا سکے۔

iv) ایوب اور اس کے مشیر نوکر شاہی کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ ظالم آمرانہ حکومت نے عوام کو سیاسی و معاشی طور پر کچل کر رکھ دیا ہے۔

v) مرزا محمود اور ناصر احمد نے عرب ریاستوں میں اسرائیل کی خاطر جاسوسی کیلئے قادیانیوں کو داخل کر دیا ہے۔ قادیانیوں کی ایک بڑی تعداد کو فوج میں کمیشن دلوا دیا گیا ہے۔ مسلح افواج میں کام کرنے والے احمدیوں کے معاملات کی دیکھ بھال کیلئے ربوہ کی ہدایت پر ایک خصوصی سیل قائم کر دیا گیا ہے۔ قادیانی افسران نے اپنی سرگرمیوں کا محور فضائی افواج میں سرایت کو

ا۔ شورش کاشمیری "موت سے واپسی" لاہور 1971ء ص 291۔

> بنا لیا ہے۔ پاکستانی فضائی افواج کو اسرائیل اور سی آئی اے کے مفادات کو پروان چڑھانے کے نظریئے سے عرب ریاستوں میں کام تلاش کرنے کیلئے ایک سیڑھی کے طور پر استعمال کیا جانا شروع کر دیا گیا ہے۔
>
> iv) قادیانیوں نے پاکستان میں بڑے اہم اور حساس عہدوں تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ پروفیسر عبدالسلام پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کا چیئر مین (اور صدر کا مشیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی) ہے۔ ایم ایم احمد منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئر مین ہے۔ بشیر احمد چیئر مین PICIC ہے۔ وائس ایئر مارشل ایم اختر پی آئی اے کا چیف ہے۔"

اس تقریر کے بعد شورش کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔⁽¹⁾

شورش کے خلاف مقدمہ:

مغربی پاکستان کی عدالت عالیہ کے ایک ڈویژن بنچ نے آغا شورش کاشمیری کی طرف سے دائر شدہ حبس بیجا کی درخواست کی سماعت شروع کی۔ اس بنچ میں جسٹس بشیر الدین احمد اور جسٹس شوکت علی شامل تھے۔ ایک دوسرے ڈویژن بنچ نے چٹان کے ڈیکلریشن کی بحالی کی درخواست کی سماعت شروع کی جس میں جسٹس محمد گل اور جسٹس کرم الٰہی چوہان شامل تھے۔ فاضل ججوں نے مورخہ بائیس جولائی ۱۹۶۸ء کو چٹان کے مقدمے میں اپنے فیصلے میں لکھا۔

> "سائل کے فاضل کونسل کے دلائل کا سب سے بڑا موقف یہ تھا کہ احمدی اسلام کا فرقہ نہیں ہیں اور سائل کا ایسا کہنا آئین کی رو سے جائز ہے۔ مگر فاضل کونسل نے اس حقیقت سے بھی چشم پوشی کی ہے کہ آئین نے احمدیوں کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ پاکستان کے شہری ہونے کی بناء پر وہ اپنے آپ کے دائرہ اسلام میں ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ سائلان جس چیز کا اپنے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں دوسروں کو اس چیز سے کیسے دور رکھ سکتے ہیں۔ یہ بات ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ یقیناً ان کو دہشت زدہ کر کے نہیں۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ سائلان اور ان کے

۱۔ آغا شورش کاشمیری تحریک ختم نبوت لاہور 1976ء ص 178۔

> ہم خیال قانون میں احمدیوں کو اس اقرار سے روک سکتے ہیں۔ باوجودیکہ اسلام کے دوسرے فرقوں کے ساتھ نظریاتی اختلاف کے ساتھ وہ کسی بھی دوسرے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کی طرح وہ بھی اسلام کے اتنے ہی اچھے پیروکار ہیں''۔(۱)

قادیانی جماعت نے اس اقتباس کو وسیع پیمانے پر تشہیر دی۔ تاہم آغا شورش کاشمیری نے ایک مضمون میں بیان کیا کہ علماء کے فتوے اور مسلمانان عالم نے اپنا یہ متفقہ فیصلہ دے دیا ہے کہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اس مسئلے پر دو رائے نہیں ہو سکتیں۔(۲)

عدالت عالیہ کا بنچ جو جسٹس بشیر الدین احمد اور مسٹر جسٹس شوکت علی پر مشتمل تھا اس نے بیگم آغا شورش کاشمیری کی رٹ سماعت کے لیئے منظور کر لی۔ حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ داخلہ کے جائنٹ سیکرٹری مسٹر طارق اسماعیل خان نے بعد میں یہ انکشاف کیا کہ گورنر سماعت کرنے والے بنچ کے ججوں سے سخت ناراض تھا۔ وہ صوبائی حکومت کو اس بات کا اہل سمجھتا تھا کہ وہ ججوں کو قابو کر سکتی تھی۔ احمد سعید کرمانی نے میاں محمد اختر رکن صوبائی اسمبلی کے ذریعے ان (ججوں) کو انتہائی بے ہودہ پیغام بھجوایا۔

۱۹۶۸ء میں جسٹس شوکت علی کو گورنر کی ناراضی سے آگاہ کر دیا گیا کہ انہوں نے پٹیشن خارج کیوں نہ کی جبکہ چیف جسٹس نے جسٹس بشیر الدین احمد کو ہدایت کی کہ وہ متنازعہ حکم نہ جاری کریں یعنی متعلقہ وزیر (کرمانی) کی طلبی نہ کی جائے۔ جسٹس شوکت علی کا یہ نظریہ ہے کہ زیر سماعت رٹ کی منظوری کے بعد صوبائی حکومت نے اس رٹ کی کراچی یا پشاور منتقلی کی درخواست دی۔ اس درخواست کے پس پردہ یہ نیت کارفرما تھی کہ اس بنچ سے یہ مقدمہ منتقل کروا لیا جائے۔

یہ افواہ بھی پھیلائی گئی کہ اس بنچ کے ججوں میں سے کسی ایک کو عدالت مجاز سماعت صنعتی مرافعہ کا چیئرمین مقرر کیا جا رہا ہے۔ مگر صدر پاکستان (ایوب خاں) نے گورنر کی تجویز کی منظوری نہیں دی۔

۱۔ ''کیا احمدی مسلمان ہیں'' (PLD 1969ء لاہور ص 289 سے لیا گیا ایک اقتباس) شائع کردہ عبدالحق قادیانی لاہور ص 1۔

۲۔ چٹان 10، 16 مارچ، مزید الفرقان ربوہ، مارچ 1969ء۔

اس بنچ کے ججوں کو دی گئی دھمکی پر پورے ملک میں لے دے ہوئی اور کراچی کے دو اخباروں روزنامہ ''نیوز'' اور روزنامہ ''جنگ'' نے اس سلسلے میں اداریے لکھے۔ (1)

دسمبر ۱۹۶۸ء کے دوسرے ہفتے میں سندھ ہائی کورٹ کے چیمبر میں شورش کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ بنچ نے انصاف کا دامن تھامے رکھا۔ تاہم ایڈووکیٹ جنرل راجہ سید اکبر کے رویہ اور یاوہ گوئیوں نے عدالت عالیہ کے بنچ کو مجبور کر دیا کہ وہ سماعت سے معذوری ظاہر کر دے۔ بنچ کو اشتعال دلانے کے لیئے راجہ سید اکبر کی یہ دانستہ کوشش تھی۔ سماعت کے دوران طوفانی مناظر دیکھنے میں آئے۔ حکومت کے افسوسناک رویئے کے خلاف شورش نے بھوک ہڑتال کر دی۔

تین فروری ۱۹۶۹ء کو جسٹس شوکت علی نے چیف جسٹس مغربی پاکستان کو خط لکھا جس میں کہا۔

> ''نہ ہی عدلیہ کی تاریخ میں اور نہ ہی بیرونی بالادستی کے دوران ججوں کی اس طرح تذلیل کی گئی ہے۔ جیسی کہ اس بنچ کے ججوں کے ساتھ ہوئی جس کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت آغا عبدالکریم شورش کاشمیری کی غیر قانونی حراست کی درخواست کی سماعت سونپی گئی۔ اس رٹ کی سماعت کی ابتداء سے ہی بنچ پر اثر انداز ہونے کی ہر قسم کی کوشش کی گئی۔ جب بنچ کے ارکان نے ایسا ہر قسم کا دباؤ مسترد کر دیا تو اس قسم کی دھمکیاں بھی پہنچائی گئیں کہ ججوں کو تنگ کیا جائے گا۔ جب ایسی دھمکیوں پر بھی کان نہ دھرا گیا تو بنچ کے ارکان کے اثاثوں کی چھان بین شروع کر دی گئی۔
>
> کراچی میں رٹ کی سماعت کے دوران جب ہم نے سماعت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو حکومت کے قانونی اہلکار کا رویہ کم از کم یوں کہنا چاہئے کہ نہ صرف بدتمیزی پر مبنی تھا بلکہ ججوں کو اشتعال دلانے کی کوشش بھی تھی۔ یہ دانستہ طور پر اختیار کیا گیا تھا تاکہ کسی بھی اشتعال انگیزی کی صورت میں حکومت ایک دفعہ پھر اس مقدمے کی منتقلی کی کوشش کرے جیسا کہ پہلے ہو چکا تھا

۱۔ شورش کاشمیری ''موت سے واپسی'' لاہور' 1972ء ص 287 (''جسٹس شوکت علی جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان کا بیان''۔ لاہور' مورخہ 28 جون 1969ء۔

> مگر اس سمت میں بھی حکومت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار ہم نے سماعت سے معذوری کا فیصلہ کرلیا۔ جب ہمیں یہ پیغام ملا کہ ہم سماعت جاری رکھ سکتے تھے مگر ہمیں یہ کہا گیا کہ کسی معاملے میں بھی کوئی متنازعہ حکم خصوصاً صوبائی حکومت کے وزیر خزانہ و اطلاعات کو بطور گواہ طلب کرنے کے بارے میں نہ جاری کریں۔ جب ہم نے سماعت سے معذوری ظاہر کردی تو لاہور میں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا وزیر نے صدر مملکت کو ایک بیان میں یہ فرمایا تھا کہ اگر کسی جج نے وزیر موصوف کی طرف چھوٹی انگلی بھی اٹھائی تو اس کا سر قلم کردیا جائے گا۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے بارے میں حکومت کا ایسا رویہ پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا۔ ہمیں تکلیف پہنچائی گئی۔ ہراساں کیا گیا اور دھمکیاں دی گئیں۔ ہم نے یہ سب کچھ ججوں کے اس اجلاس میں بیان کیا جو اس بنچ کی تشکیل کے سلسلے میں بلایا گیا تھا جو ایڈووکیٹ جنرل کے خلاف توہین عدالت کی سماعت کرے۔ اس کے بعد ہمیں یہ بتایا گیا کہ صوبائی حکومت نے سپریم جوڈیشل کونسل کو ایک ریفرنس بھجوایا ہے جس کی ہمیں اب سمجھ آئی ہے اور جواب مسترد کیا جا چکا ہے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہم نے عدلیہ کی آزادی کو کھوکھلا کرنے کے ہتھکنڈوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہوتے تو ہم اپنے عہدے کے لیئے اٹھائے گئے حلف پر پورا نہ اتر سکتے۔ ہم یہ بات سختی سے محسوس کرتے ہیں کہ ان حرکتوں سے حکومت نے بنچ کے لیئے بلاخوف و اعانت انصاف کے معاملے کو مشکل بنا دیا ہے۔ ہم خواہش کرتے ہیں کہ تمام ججوں کے اجلاس میں اس معاملے پر غور کیا جائے اور نہ صرف اس عدالت اور ملکی عدلیہ کے وسیع تر مفاد میں چیف جسٹس آف پاکستان کی مشاورت سے یہ معاملہ سربراہ مملکت کے آگے اٹھایا جائے بلکہ مقدمہ بازی کرنے والے عوام کے مفاد میں بھی جو بلا امتیاز تلافی کے خواستگار ہیں جہاں کہیں بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ منتظم اعلیٰ نے خلاف قانون رویہ اختیار کیا ہے“۔(1)

شورش سول ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ ایڈووکیٹ جنرل کے رویئے کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے انہوں نے بھوک ہڑتال کردی۔ ملک کے دونوں حصوں مشرقی و مغربی پاکستان میں لوگوں نے شورش کی رہائی کیلئے ایک بڑی تحریک شروع کردی۔ بگڑتی ہوئی

---

(1) شورش ص 290۔

امن وامان کی صورتحال سے مجبور ہو کر حکومت نے پچیس دسمبر ۱۹۸۸ء کو شورش کو رہا کر دیا۔ کراچی سے لاہور تک شورش کا شاندار استقبال کیا گیا۔

مارچ ۱۹۶۸ء میں ایوب کو ایک شدید دھچکہ لگا اور اس کی صحت بہت حد تک خراب ہو گئی۔ جب پاکستان میں ''عشرہ ترقی'' منایا جا رہا تھا تو مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں بڑھتی ہوئی بدامنی کی وجہ سے ملکی حالات انتہائی مخدوش ہو چکے تھے جو نومبر ۱۹۶۸ء میں ایوب کے خلاف بغاوت کی صورت اختیار کر گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو سابقہ وزیر خارجہ نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اس تحریک کا قائد بنا لیا۔ اس سلسلے میں وہ ایوب خاں کے سابقہ ملٹری سیکرٹری میجر جنرل پیرزادہ سے مل گیا جو ۱۹۶۴ء سے ایوان صدر سے اخراج کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا خواہشمند تھا۔ ملٹری جنتا کے اندر ولی عہدی کی کشمکش شروع ہو چکی تھی۔

ایک طرف ملک میں ایوب کے خلاف شدید قسم کی تحریک جاری تھی اور دوسری طرف پاکستانی سیاست میں بڑی سرگرم قسم کی سی آئی اے اور صیہونی آلہ کاروں کی دخل اندازی جاری تھی۔ اپوزیشن کے اتحادوں مثلاً پاکستان ڈیموکریٹک فرنٹ' ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی نے پارلیمانی نظام۔ براہ راست انتخابات اور مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان ناانصافیوں کے خاتمے کا مطالبہ کر دیا۔ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں نے بھی ایوب خان کی مخالفت شروع کر دی۔ شدید مخالفت اور مظاہروں سے مجبور ہو کر ایوب خاں نے نواب زادہ نصر اللہ کو کہا کہ وہ کسی تصفیے پر پہنچنے کے لیئے گول میز کانفرنس کا اہتمام کریں۔ پاکستان مسلم لیگ (کونسل) کے ممتاز دولتانہ اور چند دوسرے رہنماؤں نے شیخ مجیب الرحمان کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا جس کو تسلیم کرتے ہوئے مجیب کو رہا کر دیا گیا۔ بھٹو نے گول میز کانفرنس کے رہنماؤں کے خلاف سخت بیانات دیئے اور گول میز کانفرنس میں شرکت نہ کی۔ گول میز کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ دار پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ تھیں۔

گول میز کانفرنس کے دوران صیہونی دخل اندازی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ مشرقی پاکستان کے ایک سنجیدہ اور شریف النفس سیاستدان مولوی فرید احمد نے اپنی کتاب ''سورج بادلوں کی

اوٹ میں'' میں قادیانی صیہونی سازش پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے روزانہ کے واقعات کو اپنی ڈائری میں بیان کیا ہے۔

اپنی روزانہ کی ڈائری میں تین مارچ ۱۹۶۹ء کو وہ لکھتے ہیں۔

''مشرقی پاکستان ہاؤس میں شفیع الاعظم' امان اللہ اور متین سے ملا۔ ان کے ساتھ طویل بحث ہوئی اور کھیل میں مصروف قوتوں کے منصوبوں پر بات ہوئی۔ شفیع الاعظم ششدر رہ گیا۔ وہ دوسری دنیا میں رہ رہا تھا اور اسے سازش کی وسعت سے کافی الجھن ہوئی۔ متین نے کراچی میں موتمر العالم الاسلامی کے عنایت اللہ کو فون کیا اور اسے کراچی آنے کو کہا۔ پوچھنے پر اس نے مجھے بتایا کہ ہم الفتح گوریلوں کی مدد کر رہے ہیں۔ اس نے ایم ایم احمد کے ذریعے مصروف کار یہودیوں کے بارے میں بات کی۔ اس کا خیال ہے کہ ہماری منصوبہ بندی کا مرکز تل ابیب ہے۔ قادیانیوں اور یہودیوں کا اتحاد اتنا واضح تھا کہ آنکھوں سے اوجھل کرنا مشکل تھا''۔(۱)

وہ مزید کہتے ہیں:

''عطا حسین مجھے لینے کے لیئے آیا۔ وہ مجھے سیدھا سعودی سفارت خانے لے گیا اور سعودی سفیر سے ملا۔ ہم چار تھے یعنی سعودی سفیر۔ ترجمان منان۔ عطاء حسین اور میں۔ اسلام آباد واپسی پر عطا نے سفیر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک اسلامی جماعت پر کروڑوں ڈالر خرچ کیئے جا چکے ہیں مگر سفیر اس بات کا قائل نظر آتا تھا کہ وہ کام کرنے میں ناکام رہی ہے اور اس کی حکومت اب کسی دوسری جماعت کی تلاش میں تھی جو اس چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔ میں نے اسے بین الاقوامی صیہونیوں کا تجزیہ پیش کیا جو قادیانیوں کے ذریعے کام کر رہی تھی اور ان کی اس کوشش کے خوفناک نتائج سے آگاہ کیا۔ وہ مجھے بڑے غور سے سنتا رہا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ میرے خیالات کی صورت اور سچائی سے کافی مطمئن تھا''۔(۲)

بائیس مارچ ۱۹۶۹ء کو انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا۔

۱۔ فرید احمد' سورج بادلوں کی اوٹ میں' ایسوسی ایٹڈ پرنٹرز ڈھاکہ 1969ء ص 98۔

۲۔ مولوی فرید احمد' ص 104۔

"ڈھاکہ۔ دن ایک بج کر دس منٹ تک لال باغ جامعہ قرانیہ میں علماء کے ساتھ میٹنگ تھی۔ کھانے اور نماز کی وجہ سے نہ جا سکا۔ تین بجے وہاں گیا۔ مولانا صدیق احمد۔ حافظ جی حضور۔ مولانا معصوم۔ ہارون اور دیگر احباب وہاں موجود تھے۔ ان سے عالمی سیاست میں پاکستان کے اثرات پر خطاب کیا اور پاکستان کے خلاف عالمی صیہونی سازش کا ذکر کیا جو اب اسرائیل کے خلاف جنگ کی پشت پناہی میں مصروف ہے اور حکومت میں موجود قادیانیوں میں ان کے آلہ کار ہیں۔ میں نے علماء کے سامنے لائحہ عمل کا خاکہ رکھا کہ وہ کس طرح سائنسی طریقے سے اس کو روبہ عمل لا سکتے ہیں"۔(۱)

آرمی چیف جنرل یحییٰ خان بھٹو کا ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا۔ اس نے ایوب خان کو مجبور کیا کہ وہ پچیس مارچ ۱۹۶۹ء کو اقتدار اس کے حوالے کر دے۔ اس غیر جمہوری اقدام کا پاکستان پر شدید اثر پڑا۔ ۱۹۶۲ء کے آئین کے تحت ایوب خان کو اقتدار پاکستان کی قومی اسمبلی کے سپیکر عبدالجبار خاں کے حوالے کرنا تھا۔

۱۔ (ایضاً' 149)

اکیسواں باب

پوشیدہ ساز باز

یحییٰ کے دور حکومت میں قادیانیوں کو بے پناہ مراعات میسر رہیں۔ ایم ایم احمد ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن صدر یحییٰ کا مشیر برائے اقتصادیات مقرر ہو گیا اور اس کی اندرونی کابینہ کے ایک اہم رکن کے طور پر کام کرتا رہا۔ ظفر اللہ قادیانی نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ امریکہ اور صدر یحییٰ کے اہل کاروں کے درمیان رابطے کا کام جاری رکھا۔ قادیانی بیورو کریٹس نے ملک کے مستقبل کے سیاسی ڈھانچے میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیئے نئی حکومت سے تعلقات استوار کر لیئے۔ یہودیوں کی قائم کردہ فورڈ فاؤنڈیشن جس کا مرکز اسلام آباد میں تھا اس کے مشیروں کے ساتھ ایم ایم احمد کے قریبی تعلقات قائم تھے۔ ان نام نہاد مشیروں نے یحییٰ حکومت کے ابتدائی سالوں میں ہی پاکستان چھوڑ گئے جب ان کی سرگرمیوں پر قومی پریس نے خوب تنقید کی۔ مغربی و مشرقی پاکستان کے درمیان معاشی عدم مساوات اور علاقائی عدم توازن پیدا کرنے میں امریکی کردار پر وسیع پیمانے پر بحث ہو چکی تھی۔ رابرٹ لاپورٹے پاکستان میں مقیم امریکی اہلکاروں کے ملک میں صوبائی و علاقائی عدم توازن پیدا کرنے کے شرمناک کردار پر بڑے مناسب انداز میں قلم اٹھایا۔ پورٹے نے پاکستان میں مقیم امریکی اہلکاروں کی لاہور اور ڈھاکہ میں جغرافیائی تقسیم کے حوالے سے یہ ظاہر کیا ہے کہ امریکی مشرقی پاکستان کے بارے میں بڑے واضح طور پر تعصب کا شکار تھے۔ ڈھاکہ میں نسبتاً کم اہلکار کام کرتے تھے۔ مشرقی پاکستان میں ترقی کے بارے میں ان کا رویہ مکمل طور پر عدم التفات پر مبنی تھا۔ وہ امریکہ میں ہمیشہ سے موجود طاقتور صیہونی لابی کی

انگلیوں پر ناچتے تھے۔ یہ لوگ جو بے حد طاقتور اور بے تحاشہ دولتمند تھے اسرائیل کے ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر کام کرتے تھے۔ امریکہ کے بڑے بڑے اخبارات نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندی کی تحریکوں کی حمایت کی اور وہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت کے ٹوٹنے کے امکانات پر بڑے مسرت بھرے انداز میں پُر امید تھے۔ صیہونی ہندوستانی لابی کی معاونت میں کام کرر ہے تھے۔

فورڈ فاؤنڈیشن

یحیٰی حکومت کے ابتدائی سال میں نام نہاد امریکی اقتصادی مشیروں کو مجبوراً ملک چھوڑنا پڑا کیونکہ ان کے کرتوت عوام کی نظروں میں آ چکے تھے۔ ہماری تاریخ کے اس افسوسناک دور کی تفصیلات کو ہفت روزہ ''آؤٹ لک'' کراچی کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''پاکستان کے ٹوٹنے میں ان فاؤنڈیشنوں خصوصاً فورڈ فاؤنڈیشن نے جو کردار ادا کیا ہے اس کی ایک جھلک اس طرح ملتی ہے۔ ایک خفیہ رپورٹ بعنوان ''مشرقی پاکستان میں کشمکش، پس منظر اور پیش منظر'' حال ہی میں (۱۹۷۲ء) میں ایک کتاب ''بنگلہ دیش کا چیلنج'' میں چھپی۔ یہ رپورٹ اپریل ۱۹۷۱ء میں لکھی گئی تھی اور ان بین الاقوامی رابطوں پر دلچسپ روشنی ڈالتی ہے جو مشرقی پاکستان کے بحران اور پاکستان کے ٹوٹنے میں بڑی طاقتوں کے مفادات کے پس منظر میں ابھرے۔ یہ رپورٹ تین امریکی دانشوروں ایڈورڈ ایس میسن(۱) رابرٹ ڈرفمین اور سٹین اے مینگلن نے لکھی تھی۔ (۲) کم از کم ان میں سے دو تو وہ ہیں جنہوں نے فورڈ فاؤنڈیشن کی طرف سے لگائی گئی ذمہ داریوں کی خاطر پاکستان میں دو دو سال گزارے تھے۔
>
> اس رپورٹ میں پاکستان کے ممکنہ ٹوٹنے کے بین الاقوامی تعلقات پر متوقع اثرات بیان کیئے گئے تھے۔ یہ ایسی واحد رپورٹ نہ تھی جو امریکہ میں تالیف ہوئی یہ بھی پتہ چلا تھا کہ اس قسم کی تحقیق فلاڈیلفیا کی یونیورسٹی میں بھی کی گئی جس کی سرپرستی امریکی حکومت اور نجی

۱۔ یہ شخص 1954-55ء میں پاکستان میں موجود تھا اور پہلے پانچ سالہ منصوبہ تیار کرنے والے 8 رکنی گروہ کا سربراہ تھا۔

۲۔ مینگلن ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا اور صدر کینیڈی سے ایوب خان نے اس کے لیئے خصوصی درخواست کی تھی کہ وہ سیم تھور کے مسائل پر خصوصی مشاورت مہیا کرے۔

فاؤنڈیشنوں نے کی تھی۔ بہت پہلے انہی خطوط پر رانا کارپوریشن نے بھی ایک مطالعے کی اجازت حاصل کی تھی۔ ان تحقیقاتی اطلاعات کے نتائج نے امریکی سٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ بنگلہ دیش کے ایک آزاد قوم کے طور پر قیام کی مدد کرے"۔(۱)

مشاورتی گروہ

پاکستان کے ابتدائی سالوں میں فورڈ فاؤنڈیشن نے ایک آٹھ رکنی مشاورتی گروپ پر سرمایہ کاری کی جس نے حقیقت میں ملک کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ مرتب کیا تھا۔ سی بی مارشل کی شکل میں سابقہ وزیراعظم سہروردی کو ایک امریکی سیاسی مشیر میسر آ گیا تھا۔ ایوب خان کے دنوں میں امریکہ کے فوجی امدادی گروپ کو جی ایچ کیو کے ہر کونے تک رسائی حاصل ہو گئی تھی۔ حتیٰ کہ ایک امریکی لیفٹیننٹ کرنل۔ صدر اور کمانڈر انچیف تک آسانی سے پہنچ جاتا تھا۔ جہاز یو-2 کی جاسوسی پروازیں پشاور سے بظاہر حکومت پاکستان کی رضامندی یا علم کے بغیر ہی اڑائی جارہی تھیں۔ معاشی مشیروں کا یہ آٹھ رکنی گروپ ۱۹۷۰ء کے وسط میں آخر کار ملک چھوڑ گیا۔ بائیس نومبر ۱۹۶۹ء کے شمارے میں (فورم آف ڈھاکہ) نے اس گروپ کے کردار کے بارے میں جو تبصرہ کیا وہ حسب ذیل ہے۔

> "ایسا نظر آتا ہے کہ ہارورڈ مشاورتی گروپ خر کار پاکستان سے نکل رہا ہے۔ یہ گروہ ہمیں بظاہر منصوبہ بندی کا طریق کار سمجھانے کے لیئے تیرہ سال قبل پاکستان آیا تھا مگر جلد ہی ڈیوڈ بنل کی قیادت میں (جو بعد میں کینیڈی کی کابینہ کا رکن بھی بن گیا) پانچ سالہ منصوبہ کی تکمیل میں ملوث ہو گیا۔ اس گروپ کی مالی امداد فورڈ فاؤنڈیشن کرتی تھی جبکہ انتظامی امور ہارورڈ یونیورسٹی کے پاس تھے جس نے سالہا سال تک صوبائی محکمہ جات منصوبہ بندی اور منصوبہ بندی کمیشن میں اقتصادی ماہرین کا ایک سیلاب داخل کر دیا۔ ایوب کے دس سالہ دور حکومت میں وہ مملکت کی اقتصادی آزادی کے فلسفے میں تبدیلی میں بری طرح ملوث ہو گئے اور انہوں نے مقامی سرمایہ دارانہ نظام کو پروان چڑھایا۔ یا جسے ان کی ٹیم کے رہبروں میں سے ایک

۱۔ آؤٹ لک، کراچی 22 جولائی 1972ء۔

گستاو پاپانیک نے لٹیرے نواب قرار دیا تھا اپنی ایک بہت ہی توصیفی کتاب میں جو اس نے ایوبی دور میں ترقی پر لکھی تھی ان کی فلسفیانہ کارروائی کی فوری قبولیت کے بدلے میں وہ امداد دینے والوں اور امریکی پڑھے لکھے طبقے دونوں میں ایوبی حکومت کے بے باک سفیر بن گئے اور ہارورڈ نے ایک ہلکی پھلکی کانفرنس بھی اس موضوع پر کر ڈالی جس میں امداد دینے والوں اور سرکردہ معیشت دانوں کی ایک بڑی تعداد کو دعوت دی گئی تاکہ ایوب اور اس کے تیسرے پانچ سالہ منصوبے کو اپنی نوازشات کا مورد بنالیں۔

ایوبی حکومت کے زوال نے ان پر آخری کاری ضرب لگائی جس سے نہ صرف ان کا پاکستان میں کردار بلکہ ان کی پیشہ وارانہ ساکھ بھی متاثر ہوئی کیونکہ وہ دنیا کو ایوبی حکومت کی پائیداری اور اس کے کارناموں کو پوری مہارت اور محنت سے بیچ رہے تھے۔ پاکستان میں اپنی بچی کھچی ساکھ بچانے کی خاطر انہوں نے مشرقی پاکستان کے خطے کو زیادہ حصہ دینے کے بلیغانہ نعرے کا ساتھ دیا۔ اس میں بھی ایک ستم ظریفی تھی جس نے ان کی سیاست میں بے تکلف شمولیت کو ظاہر کیا جس سے بعدازاں عدم مساوات کے نظریات پروان چڑھے۔ دراصل اس گروہ کا لیڈر رچرڈ گلبرٹ جس کو ایوب کے زوال کے فوراً بعد اپنے سابقہ عہدے پر کام کرنے کے لیئے انڈونیشیا سے اسلام آباد بھیجا گیا۔ جس نے ذاتی طور پر موجودہ چیف اکانومسٹ (۱۹۷۲ء) محبوب الحق کی امیدواری کو پروان چڑھایا اس عہدے کے لیئے مشرقی پاکستان کے امیدوار ڈاکٹر آر ایچ کھنڈکر کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

ان کے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے سے منصوبہ بندی کمیشن کے اعلیٰ حلقوں میں قدرتی طور پر نفرت پیدا ہوئی۔ مگر ان کے خلاف اصل مزاحمت جو تمام کونوں سے ظاہر ہوئی، وہ جماعت اسلامی کی طرف سے تھی۔ جماعت کے چند جوشیلے کارکنان نے یہ حقیقت افشاء کی کہ منصوبہ بندی کمیشن کے اس گروہ کے دس ارکان میں سے آٹھ یہودی النسل تھے۔ جماعت کے عناصر نے اس معاملے کو اچھالا اور اس گروہ کو اسرائیلی آلہ کار مشہور کرتے ہوئے انہیں ذاتی طور پر دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اس زخم رسیدہ تجربہ سے ان کے موقف میں پاکستان اور ان

> حلقوں میں جہاں وہ پہلے معزز گنے جاتے تھے وہ ہتکی ہوئی جس نے انہوں نے اپنا سامان سمیٹنے اور اگلے جون (۱۹۷۰ء) میں گھر جانے پر مجبور کر دیا"۔(۱)

ایم ایم احمد کے ان اسرائیلی اہلکاروں کے ساتھ بڑے قریبی روابط تھے۔ اس کے ڈپٹی چیئر مین ہونے کے دور میں دوسرے۔ تیسرے اور چوتھے پانچ سالہ منصوبے تیار کیئے گئے (۲) معاشی منصوبہ بندی کی میکانیت کے ذریعے اس نے استحکام پاکستان کو کھوکھلا کرنے کے امریکی اور یہودی منصوبے کے حصے کے طور پر مشرقی اور مغربی حصوں اور مختلف طبقات کے درمیان آمدنی کی عدم مساوات کی حوصلہ افزائی کی۔

بنگال سٹوڈنٹس لیگ کے صدر المجاہدی نے منصوبہ بندی کمیشن کی ڈپٹی چیئر مین شپ سے ایم ایم احمد کی فوری برطرف کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ایم ایم احمد نے ہمیشہ مشرقی پاکستان کو نظر انداز کیا ہے اور اپنی اقتصادی حکمت عملی سے مشرقی و مغربی اقتصادی عدم مساوات کو پیدا کیا ہے۔(۳) سید مودودی نے بھی ایم ایم احمد کی برطرفی کا مطالبہ کر دیا اور مشرقی پاکستان سے ایک اقتصادی منصوبہ ساز کی تقرری کا مطالبہ کیا۔ اقتصادی ترقی کے پروگرام سے مشرقی پاکستان کے لوگ مطمئن نہیں تھے۔ اس صوبے کے لیئے مختص کیئے گئے فنڈ مناسب طور پر استعمال نہیں ہو رہے تھے بلکہ مرکزی انتظامی مشینری کی عدم دلچسپی کی بناء پر تقریباً نصف سے بھی کم رقم استعمال نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ قومی اقتصادی منصوبہ بندی کسی ایسے اہلکار کے سپرد کی جائے جسے اپنے فرائض کی لگن ہو۔(۴)

یحیٰ کے مارشل لاء کے بعد پاکستانی معاملات میں امریکی مداخلت خوفناک حد تک بڑھ گئی۔ لندن میں قائم اشتراکی اخبار "دی سن" میں ذوالفقار علی بھٹو نے یحیٰ حکومت کو ایوبی آمرانہ حکومت سے کہیں بہتر قرار دیا۔(۵) پیرس میں کنسورشیم ممالک کے اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن ایم ایم احمد نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا

۱۔ آؤٹ لک کراچی 22 جولائی 1972ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ جنگ کراچی 11 اپریل 1970ء۔

۴۔ امروز لاہور 27 جون 1970ء۔

۵۔ نوائے وقت لاہور 10 اپریل 1969ء۔

کہ پاکستان کے بارے میں امریکی رویہ نرم ہو چکا ہے۔ جب اس کی وجہ بیان کرنے کو کہا گیا تو اس نے جواب میں کہا کہ لوگ خود ہی اندازہ لگالیں۔(۱) امریکی سٹیٹ سیکرٹری ولیم راجرز نے یحییٰ سے ملاقات کی اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا(۲) چند ماہ بعد اپنے ایشیائی دورے کے دوران صدر نکسن نے یحییٰ سے ملاقات کی نکسن کے دورہ کے ایک ہفتے کے بعد جوزف فارلینڈ پاکستان میں نئے امریکی سفیر کے طور پر آگئے۔(۳)

عام انتخابات:

جولائی ۱۹۷۰ء کے آخر میں یحییٰ نے اعلان کیا کہ انتخابات اٹھارہ ماہ کے اندر اندر ہوں گے اور مارشل لاء کے ضابطوں میں آہستہ آہستہ ڈھیل دی جائے گی۔ سیاسی اجتماعات اور اندرون خانہ اجلاس کی اجازت دے دی گئی۔ تاہم عوامی اجتماعات اور جلوسوں پر پابندی عائد رکھی گئی۔ اس نے کہا کہ اٹھائیس اکتوبر عام انتخابات کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے۔ انتخابات ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر ہوں گے جس سے ایک قومی اسمبلی چنی جائے گی جو ایک سو بیس دنوں کے اندر اندر ملک کے لیئے ایک دستور اپنے پہلے اجلاس میں مرتب کرے گی۔ اگر یہ ایسا کرنے میں ناکام رہی تو اسمبلی تحلیل کر دی جائے گی اور نئی منتخب کی جائے گی۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں رسمی طور پر صدارتی حکم سے مغربی پاکستان کو چار صوبوں میں تحلیل کر دیا گیا۔(۴)

ظفر اللہ کی تجویز:

۱۹۷۰ء کے اوائل میں قادیانیوں نے پاکستانی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اکیس جنوری ۱۹۷۱ء کو روٹری کلب لاہور کی طرف سے دیئے گئے ایک استقبالیے میں ظفر اللہ نے اپنی تقریر میں دستور مرتب کرنے کے سلسلے میں کئی تجاویز پیش کیں۔ اس نے یہ تجویز پیش کی

۱۔ جنگ کراچی 22 مئی 1969ء۔

۲۔ امروز لاہور 25 مئی 1969ء۔

۳۔ امروز لاہور' 29 اگست 1969ء۔

۴۔ دیکھئے' ہربرٹ فیلڈ مین ''انجام اور ابتداء'' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن 1975ء ص 58'59۔

کہ مستقبل کے آئین کو تیار کرنے کے لیئے بنیادی اصول وضع کرنے کی خاطر ہر سیاسی جماعت کے ایک سے تین نمائندوں پر مشتمل ایک مشاورتی گروپ بنا لیا جائے۔ سیاسی جماعتوں کو چاہیئے کہ وہ پر امن انتخابات کے انعقاد کے لیئے ایک مشترکہ طریق کار طے کر لیں۔ اُس نے اس بات پر زور دیا کہ آئین کی تیاری کے لیئے بنیادی اصول پہلے وضع کر لیئے جائیں۔ اُس نے اس نکتے پر خصوصی زور دیا کہ مستقبل کا آئین کسی ایک جماعت یا گروہ کے نظریات کا آئینہ دار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس طرح یہ قابل عمل نہیں رہے گا۔ اُس کا کہنا تھا کہ یحییٰ خان نے بنیادی آئینی مسائل کے حل کی راہ ہموار کر دی ہے یعنی دونوں حصوں کے درمیان عدم مسابقت اور ون یونٹ کو ختم کر دیا گیا ہے۔ سیاستدان ایک وفاقی آئین پر متفق ہو چکے ہیں۔ صوبائی خودمختاری کے مسئلہ کو مشاورتی گروپوں کے ذریعہ سے حل کیا جا سکتا ہے۔ (۱)

دائیں اور بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتوں کے رہنماء پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت پر شدید تنقید کر رہے تھے۔ نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مولانا عبدالحمید بھاشانی نے یہ انکشاف کیا کہ سی آئی اے نے پاکستان کو توڑنے کا ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس دستاویز کی ایک نقل انہوں نے صدر یحییٰ کو مہیا کر دی ہے۔ (۲) انہوں نے جماعت کے سیکرٹری جنرل ایم طٰہٰ پر کڑی تنقید کی جس نے اس کی نقول پریس کو مہیا نہیں کیں۔ ایک ماہ بعد انہوں نے پھر اسی ''سی آئی اے دستاویز'' کا حوالہ دیا جس کا تعلق امریکی جاسوسی نظام کے ساتھ تھا اور ایک منصوبے کی نشاندہی کی جس کے تحت مشرقی پاکستان کو امریکی دائرہ اثر میں لانا تھا۔ (۳) جماعت اسلامی کے رہنما میاں طفیل احمد نے پاکستان میں مجیب کے چھ نکات کی مدد کرنے پر یو ایس ایڈ کے کردار پر شدید تنقید کی۔ (۴)

۱۔ الفضل ربوہ 24 جنوری 1970ء۔

۲۔ جنگ کراچی 22 جنوری 1970ء۔

۳۔ امروز لاہور 23 فروری 1970ء۔

۴۔ جنگ کراچی 4 مارچ 1970ء۔

جنرل یحییٰ بری طرح فوجی جنتا۔ نوکر شاہی اور سب سے بڑھ کر قادیانیوں کے شکنجے میں آچکا تھا جن کے تعلقات غیر ملکی قوتوں کے ساتھ تھے۔ وہ بذات خود دفاع اور خارجہ امور کی وزارتوں کا قلمدان سنبھالے ہوئے تھا جبکہ چیف آف سٹاف اور مسلح افواج میں دوسرے نمبر پر جنرل حمید تھا جس کے پاس وزارت داخلہ تھی۔ بقیہ عام وزارتیں فضائیہ اور بحریہ کے سربراہوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ فضائیہ کے کمانڈر ان چیف نور خاں کے پاس تعلیم۔ محنت۔ صحت اور سماجی بہبود کے قلمدان وزارت تھے جبکہ بحریہ کے چیف ایڈمرل احسن کو خزانہ۔ منصوبہ بندی۔ صنعت اور تجارت کی وزارتیں دی گئیں۔ یحییٰ۔ حمید۔ پیرزادہ۔ نور خاں اور احسن پر مشتمل مختصر کابینہ کو مجلس انتظامیہ کا نام دیا گیا تھا۔(۱)

ربوہ......تل ابیب محور:

ناصر کا دورہ

چار اپریل ۱۹۷۰ء کو مرزا ناصر احمد مغربی افریقی ممالک کے دورے پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک سیاسی دورہ تھا جسے بڑی چالاکی سے احمدیت کی ارتدادی تبلیغی مہم کا نام دیا گیا۔ تیرہ اپریل کو وہ نائیجیریا کے صدر یعقوب گوون سے ملے اور اس کے ساتھ افریقہ میں اپنی جماعت کو پیش آنے والے سماجی و معاشی مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ مغربی افریقہ کے ممالک نائیجیریا۔ گھانا۔ آئیوری کوسٹ۔ لائبیریا۔ گیمبیا اور سیرالیون کے دورے کے بعد وہ سترہ مئی ۱۹۷۰ء کو براستہ ہالینڈ لندن پہنچے۔ ہوائی اڈے پر ظفر اللہ اور دیگر قادیانی افراد نے ان کا استقبال کیا۔ لندن میں انہوں نے بیس دن قیام کیا۔(۲)

پاکستان میں آئندہ ہونے والے انتخابات کے بارے میں پروگرام ترتیب دینے کے لیئے لندن میں قادیانی اکابر۔ سی آئی اے کے آلہ کار اور صیہونی تنظیموں کے ارکان کا ایک خفیہ اجلاس منعقد ہوا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ احمدیہ جماعت کے ذریعے پاکستان میں سرگرم عمل

۱۔ جی ڈبلیو چوہدری ”متحدہ پاکستان کے آخری ایام“ لندن 1974ء، ص 6۔

۲۔ جنگ کراچی 4 مارچ 1970ء۔

اپنے آلہ کاروں کو سامراجی اور صیہونی تنظیمیں مالی اور اخلاقی امداد مہیا کریں گی۔ مغربی قوتوں کی حمایت میں انتخابی نتائج حاصل کرنے کی غرض سے احمدیہ مشن لندن کی صوابدید پر ایک کثیر رقم رکھ دی گئی۔ قادیانی ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ اس وقت سے روابط قائم کر چکے تھے جب وہ ایوبی کابینہ میں وزیر خارجہ تھے۔ بھٹو اور ربوہ کے درمیان رابطے کا کردار مرزا طاہر احمد نے ادا کیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں انتخابات کے اخراجات پورے کرنے کے لیئے بھٹو نے ربوہ سے امداد مانگی۔ مرزا طاہر کہتا ہے کہ اس نے بھٹو کی کسی قسم کی مدد کرنے سے معذرت کر لی۔ اس کی بجائے اسے نصیحت کی کہ وہ اشتراکیوں کے ہاتھوں یرغمال نہ بنے۔ یہ مرزا طاہر کی نصیحت کا اثر تھا کہ قومی وصوبائی اسمبلیوں کے امیدواروں کی حتمی فہرست میں بعد میں بھٹو نے ستر فیصد کے قریب تبدیلیاں کیں۔(۱)

پاکستان پیپلز پارٹی کی امداد:

مرزا ناصر احمد نے ربوہ میں قادیانی قلمکاروں کی ایک جماعت کو تیار کیا کہ وہ اسلامی فلسفہ ونظریات کا پرچار کرنے والی جماعتوں کے خلاف گھٹیا۔ بے ہودہ اور غلیظ پروپیگنڈہ مہم ترتیب دے۔ یہ سارا مواد ان اخباروں میں چھاپا گیا جن پر پیپلز پارٹی کا اختیار تھا مثلاً روزنامہ ''مساوات''۔ ہفت روزہ ''نصرت'' اور ''شہاب'' جو کہ سب کے سب لاہور سے چھپتے تھے۔ بھٹو کی انتخابی مہم کی مدد کے لیئے جعلی اور فرضی نام کی تنظیموں مثلاً انجمن محبان پاکستان۔ پیپلز فیڈریشن وغیرہ کی طرف سے عوام میں تقسیم کیئے جانے کی غرض سے لاکھوں کی تعداد میں کتابچے۔ تصاویر اور اشتہارات چھاپے گئے۔ یہ مواد پاکستان میں قادیانی جماعتوں کے امیروں۔ قادیانی لڑکیوں (لجنات) کے جھرمٹ اور احمدی نوجوانوں کے ذریعے تقسیم کیا گیا۔(۲) ہر قادیانی کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے قریبی دوستوں میں مفت تقسیم کرنے کے لیئے ہفت روزہ ''شہاب'' کے چند شمارے ضرور خریدے۔ یہ ہفت روزہ پیپلز

۱۔ ایڈم سن خدا کا بندہ ص 81۔

۲۔ چٹان لاہور 4 جنوری 1971ء۔

پارٹی کی مخالف قیادت کے بارے میں بے ہودہ مواد لکھتا اور غلیظ زبان استعمال کرتا خصوصاً مولانا مودودی کے خلاف نہایت گھٹیا زبان استعمال کی جاتی۔ اس کا مدیر کوثر نیازی مرزا ناصر احمد کے گماشتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ یہ محض قادیانی امداد تھی کہ وہ ۱۹۷۰ء میں سیالکوٹ کے حلقے سے قومی انتخاب میں جیت گیا۔(۱)

الفضل ربوہ نے پاکستان کی ان سیاسی جماعتوں پر شدید حملے کیئے جو پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتی تھیں اور ملک کے مستقبل کے آئینی ڈھانچے میں ان کے مجوزہ کردار پر تنقید کی۔ اخبار نے لکھا

> ''مارشل لاء حکومت نے لگن اور دیانتداری سے ملک میں جمہوریت کے راج کے لیئے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مختلف سیاسی جماعتیں انتخابی مہم میں اسلامی اقدار کے احیاء کے نام سے حصہ لے رہی ہیں مگر ان کے رہنما خودغرض۔ اقتدار کے بھوکے ہیں جن کی اسلام کے نفاذ کی کوئی خواہش نہیں''۔(۲)

ایک دوسرے اداریئے میں اخبار نے آنے والے انتخابات میں احمدیت کی تمام مشکلات کے باوجود شاندار کامیابی کی پیش گوئی کی۔

> ''احمدیہ جماعت خدا نے خود قائم کی ہے۔ کوئی ارضی قوت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ احمدیت یقیناً فاتح بن کر ابھرے گی''۔(۳)

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کے حق میں تھے اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے حق میں۔ الفضل نے ایک اداریئے میں انتخابات کے نتائج پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

> ''پیپلز پارٹی نے اسلام پسندوں کو تباہ کن شکست دی ہے۔ یہ سیاسی جماعتوں کے اختلاف اور دشمنی کا ایک لازمی نتیجہ ہے جیسا کہ آج کل پریس میں بھی آرہا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی کفر کے ساتھ مذمت کرتے

۱۔ آتش فشاں لاہور، مئی 1981ء ظفر اللہ کا انٹرویو۔

۲۔ الفضل ربوہ، 5 نومبر 1970ء۔

۳۔ الفضل ربوہ، 5 نومبر 1970ء۔

ہیں۔ مزید برآں ایک مخصوص جماعت (اسلامی) نے یہ اعلان کیا تھا کہ اگر وہ جیت گئی تو سنی قانون نافذ کردے گی۔ شیعہ اور اہلحدیث فرقوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس جماعت نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ وہ احمدیوں کو انتخابات جیتنے کے بعد غیر مسلم اقلیت قرار دے دے گی۔ مسلمانوں نے اس کی مذمت کی۔ لوگوں کو مذہب کے نعرے سے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔ پیپلز پارٹی نے ایک ٹھوس معاشی پروگرام دیا اور انتخابات جیت گئی"۔ (۱)

۱۹۷۰ء کے سالانہ اجتماع کے سہ پہر کے اجلاس میں اپنے خطاب میں احمدی جماعت کو مرزا ناصر احمد نے بتایا کہ جماعت نے چند آزاد امیدواروں کی حمایت کی ہے مگر اس کی اصل حمایت پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ تھی۔ یہ بات کہنا غلط ہوگا کہ تحریک اس موقف میں اشتراکیت کی حامی ہے۔ اشتراکیت کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ مزدور کو اس پیشکش کے ساتھ دھوکہ دیتا ہے کہ "ہر آدمی کو اس کی ضرورت کے مطابق ملے" کیونکہ مارکسزم ان ضروریات کی تشریح نہیں کرتا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اسلام انسان کی تمام ضروریات پورا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی طبعی۔ روحانی۔ معاشی۔ ذہنی اور اخلاقی ضروریات کو پروان چڑھاتا ہے۔ انہوں نے عام انتخابات کے نتائج پر اپنا اطمینان ظاہر کیا اور کہا کہ پاکستان میں بھوک کے خلاف یہ نوجوانوں کے ووٹ کا ردعمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس چیز کا خیال رکھا جانا چاہیئے تھا کہ پاکستان کے نوجوانوں نے پاؤں کی ایک ٹھوکر کے ساتھ ان عناصر کو مسترد کر دیا ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے کی بناء پر اسلام کے قلعے میں گہرے اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ احمدیوں نے بلاشبہ پیپلز پارٹی کی امداد کی ہے مگر پاکستان میں اشتراکیت کے نفاذ کے لیئے نہیں۔ (۲)

امیر جماعت احمدیہ فیصل آباد محمد احمد نے یہ انکشاف کیا کہ احمدیہ جماعت کا پیپلز پارٹی کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا تھا اور اس نے صوبائی اسمبلی میں اپنے پانچ امیدوار کامیاب کرا لیئے تھے۔ (۳) مرزا ناصر احمد نے اپنے خطاب میں پاکستانی انٹیلی جنس کی رپورٹوں پر بحث کی

۱۔ الفضل ربوہ' 19 دسمبر 1970ء۔

۲۔ دی ریویو آف ریلیجنز" فروری 1971ء' ص 42' 41۔

۳۔ ہفت روزہ خدام الدین' لاہور' 15 جنوری 1971ء مزید دیکھیئے الفضل ربوہ 29 جنوری 1971ء۔

اور یہ انکشاف کیا کہ

> "حکومت پاکستان انٹیلی جنس بیورو نے یہ اطلاع دی تھی کہ دولتانہ قومی اسمبلی کی پچیس تا چھبیس نشستیں حاصل کرلے گا۔ جماعت اسلامی تیرہ تا چودہ نشستیں حاصل کرلے گی اور پیپلز پارٹی سات سے لے کر آٹھ سیٹیں حاصل کرلے گی۔ قومی انتخابات سے ایک روز قبل کسی نے مجھے (مرزا ناصر احمد کو) بتایا کہ انٹیلی جنس کی حتمی رپورٹ بھی یہی ہے جو پہلے دی جاچکی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے نوجوان پیپلز پارٹی کے لیئے باسٹھ نشستوں کی پیش بینی کررہے تھے اور ہمیں خوشی ہے کہ ان کی پیش بینی بالکل درست تھی"۔(۱)

قادیانی صیہونی مداخلت:

دسمبر ۱۹۷۰ء اور جنوری ۱۹۷۱ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد تمام سرکردہ مذہبی وسیاسی رہنماؤں نے پاکستانی سیاست میں قادیانی اور صیہونی دخل اندازی کی مذمت کی۔ جمعیت علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل مفتی محمود نے پاکستانی سیاست میں قادیانی دخل اندازی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ امریکی سامراجیت کی شہ پر ہو رہی ہے۔(۲) جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کے خلاف قادیانی سازشوں کی مذمت کی اور الزام عائد کیا کہ وہ صدر پاکستان کے مشیر اقتصادیات ایم ایم احمد کے ذریعے اسرائیل سے رقومات حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کے اس بیان پر روزنامہ جسارت کراچی) نے اپنی شہ سرخی میں یہ تبصرہ کیا۔

> "مولانا نورانی نے کہا کہ اشتراکی۔ یہودی۔ فری میسن اور قادیانی پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے خلاف سازشیں کررہے ہیں۔ پاکستان کے اصل دشمنوں کو بے نقاب کرنے پر وہ اتھاہ گہرائیوں سے شکریئے کے مستحق ہیں۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ پاکستان کی سیاست میں ایک خفیہ یہودی تحریک فری میسنری کے تعاون سے قادیانی گھناؤنا کردار ادا کررہے

۱۔ الفضل ربوہ 14 مئی 1972ء۔

۲۔ روزنامہ مشرق لاہور 3 جنوری 1971ء۔

> ہیں۔ فری میسوں نے ایک بین الاقوامی نظام ترتیب دیا ہے تا کہ دولت اکٹھی کی جا سکے۔ انہوں نے بڑے بڑے کاروباری اشخاص۔ بڑی کاروباری کمپنیوں کے ڈائریکٹروں مختلف پیشہ وارانہ گروہوں کے سرکردہ لوگوں اور اعلیٰ سطح کے افسران کو مختلف لالچ دے کر اپنے زیر اثر کرلیا ہے۔ انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ ان کے اسرائیلی مشن کے ذریعے مضبوط تعلقات قائم کر لیئے ہیں۔ دراصل فری میسوں نے اپنے خفیہ ہتھکنڈوں سے پاکستان میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی ہے۔ (۱۹۷۰ء کے) عمومی انتخابات کے دوران قادیانیوں کے اشتراک کے ساتھ انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کا مکروہ کھیل کھیلا گیا ہے“۔(۱)

امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے پیپلز پارٹی کے قادیانیوں کے ساتھ اشتراک پر اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے اسے پاکستان کو توڑنے کی ایک سازش قرار دیا۔(۲)

ظفر اللہ شیخ مجیب ملاقات

انتخابات کے بعد بھٹو نے اپنے آپ کو مغربی پاکستان کے واحد رہنما کے طور پر پیش کیا۔ شیخ مجیب بھی اپنے آپ کو حقیقی بنگالی رہنما کے طور پر منوا چکا تھا۔ امریکہ نے ایک طرف تو پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھانے کا اعلان کیا اور نکسن کی نئی حکمت عملی برائے چین میں یحییٰ کے کردار کی تعریف کی۔ دوسری طرف ڈھاکہ میں امریکی قونصل جنرل اے بلڈ کا کردار پاکستان کے قومی مفادات کے سراسر منافی تھا۔ بلڈ کی مجیب کے ساتھ خفیہ ملاقاتیں حکام کے علم میں تھیں۔ اس کی مجیب کے ساتھ ہمدردیاں تھیں اور اس کی خواہشات کا احترام کرتا تھا۔ امریکی اقتصادی معیشت دانوں کے گروپ کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ تھیں جو ڈھاکہ میں فورڈ فاؤنڈیشن کے پروردہ تھے۔ یہ سب باتیں حکام بالا کے علم میں تھیں۔(۳)

۱۔ جسارت کراچی 5 فروری 1971ء۔

۲۔ ہفت روزہ ایشیا لاہور 21 مارچ 1971ء۔

۳۔ جی ڈبلیو چوہدری ”متحدہ پاکستان کے آخری ایام“۔ ص 120۔

جنوری ۱۹۷۱ء کے وسط میں ظفر اللہ شیخ مجیب سے ملنے مشرقی پاکستان گیا۔ اس نے مجیب کے چھ نکات اور مشرقی پاکستان کے لیئے خودمختاری کے مسئلے پر اس کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ مجیب نے محض وقت گزارنے کی بات کی اور ظفر اللہ کے مطابق اس کی باتوں کا کوئی سنجیدہ جواب نہ دیا۔ ظفر اللہ مجیب کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

> ''جنوری ۱۹۷۱ء کے وسط میں مصنف (ظفر اللہ) کو شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کا موقع ملا۔ ہمارا صرف یہی رابطہ ہوا۔ وہ کسی تلخی کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ اس نے شائستگی مگر استقلال کے ساتھ اپنے شکووں کا اظہار کیا۔ میں نے یہ واضح کیا کہ اگرچہ میں بڑی لگن کے ساتھ ان مسائل کے بارے میں فکرمند ہوں جو اس وقت ملک کو لاحق ہیں۔ میں نے کوئی سخت موقف نہ اپنایا اور کسی بھی چیز کے حق یا مخالفت میں کچھ نہ کہا۔ تاہم مجھے یہ جان کر خوشی ہوتی اگر سردست مجھے ان کی ایک یا دو امور پر رائے معلوم ہو جاتی جن کو میں بہت اہمیت دیتا تھا۔
>
> میں نے اسے بتایا کہ وفاقی مرکز کو سرمایہ فراہم کرنے کا طریقہ جس میں صوبے رقومات جمع کرائیں گے اور جس کی چھ نکات میں وکالت کی گئی تھی میرے نزدیک حقیقت پسندانہ یا قابل عمل نہ تھا۔ اس نے کہا کہ مرکز کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ صوبوں پر ٹیکس لگائے اور مرکز کے تخمینہ پر صوبے کی آمدنی کو اولیت حاصل ہوگی۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ خالصتاً ایک زبانی تفریق تھی جس سے معاملہ ہرگز آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ اگر کوئی صوبہ فضول خرچی کرے یا ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرے تو اس کا کوئی علاج نہ بتایا گیا تھا۔ اس نے اس پر کوئی تبصرہ نہ کیا اور میں نے بھی اس معاملے پر زور نہیں دیا۔
>
> پھر میں نے اس چیز کا ذکر کیا کہ بیرون ملک کئی سال گزارنے کے باعث میں بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے امیج کے متعلق فکرمند ہوں۔ اس کا تعلق ریاست کی مضبوطی اور استحکام سے ہے۔ دونوں عوامل مرکز کی بنیادی ذمہ داری میں شامل ہیں۔ انتخابات کے نتائج نے انہیں مرکز کے متعلق ذمہ دار بنا دیا ہے۔ یہ نہ ہی ایک محض اتفاق ہے اور نہ ہی ایک عبوری دور اور مرکزی مقننہ میں نمائندگی کی یکسانیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان کو مرکز میں

ہمیشہ اہمیت وقوت حاصل رہے گی۔ کیا وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ نسبتاً مضبوط مرکز مشرقی پاکستان کے لیئے قوت کا ذریعہ بنے اور نئے حالات میں یہ عدم توازن اور ان عدم مساواتوں کو ختم کردے گا جس کی وہ شکایتیں کرتا رہا تھا۔ اس کا جواب ایک تمسخر آمیز مسکراہٹ کی صورت میں نمودار ہوا"۔(۱)

خط

مارچ ۱۹۷۱ء کے فیصلہ کن ایام میں جب مجیب نے مشرقی پاکستان پر حقیقی کنٹرول حاصل کرلیا تھا اور یحیٰی مختلف متحارب سیاسی گروپوں کے درمیان صلح کے نام پر ایک مشکوک کردار ادا کررہا تھا ان دنوں آٹھ مارچ ۱۹۷۱ء کو ظفر اللہ نے ہالینڈ سے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جو کہ مغربی پاکستان کے رہنماؤں میں سے ایک قریبی رہنما کے نام تھا۔(۲) یہ خط مشرقی پاکستان کے بحران پر قادیانی نکتہ نظر کو ظاہر کرتا ہے۔ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ مغربی پاکستان کے پاس یہ واحد راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ مشرقی پاکستان سے احسن انداز سے علیحدگی اختیار کرلے اور ان کے حالات میں صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ظفر اللہ کہتا ہے۔

> "اعتماد کا مکمل فقدان ہے اور قومیت کے احساسات وجذبات مذہب وعقیدہ پر غالب آچکے ہیں۔ پوری دنیا خود مختاری کو اپنی عقیدہ بنا چکی ہے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان آزادی کا تناسب سات نسبت چھ کا ہے (یعنی سات کروڑ کے مقابلے میں چھ کروڑ) اور رقبہ کا تناسب نو (چون ہزار مربع میل) نسبت اکاون (تین لاکھ چھ ہزار مربع میل) ہے۔
>
> مشرقی پاکستان علیحدگی پر تلا ہوا ہے۔ مغربی پاکستان کے پاس ان کے مطالبے کے جواب میں کوئی فیصلہ کن دلیل نہیں ہے اور اگر کوئی ہوتی بھی تو مشرقی پاکستان اس پر کان دھرنے اور توجہ دینے پر تیار نہیں تھا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جبر نہ صرف مہلک ہے بلکہ تباہ کن بھی۔ اگر خدانخواستہ خون بہہ گیا تو اس سے دونوں کے درمیان نہ پر ہونے والی خلیج حائل ہو جائے

۱- سر ظفر اللہ "The Agony of Pakistan" لندن 1978ء ص 127-28۔

۲- ایضاً۔

گی۔ مالی نقصان پورا کیا جا سکتا ہے جانی نہیں کیا جا سکتا اور ہماری بدقسمتی پر ہمارے پڑوسی (ہندوستان) کی للچاہٹ اور تلخی ناگزیر ہوگی۔

یہ فرض کر لینا کہ جبر کے ذریعے یہ رفاقت طویل کی جا سکتی ہے میرے خیال میں درست نہیں۔ چنانچہ رضامندی سے یا غیر رضامندانہ طور پر جو ممکنہ راستہ نکلتا ہے وہ بہتر طور پر علیحدگی کا ہے۔ یہ راستہ یقیناً مشکلات سے گھرا ہوا ہے جو آج تو باہمی افہام و تفہیم سے حاصل ہو سکتا ہے مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ موجودہ حالات میں صلح بعید از قیاس نظر آتی ہے اور باقی راستہ صرف سودمندانہ علیحدگی کا ہی بچتا ہے"۔ (۱)

مرزا مظفر احمد پر قاتلانہ حملہ

پندرہ ستمبر ۱۹۷۱ء کو کیپیٹل ڈیویلپمنٹ اتھارٹی اسلام آباد کے ایک ملازم محمد اسلم قریشی نے صدر پاکستان کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کیا مگر اس کی جان نہ لے سکا۔ پر زور عوامی مطالبے کے باوجود کہ اس کا مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے اس کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلایا گیا۔ راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے ایک سو سے زائد ارکان نے پنجاب کے گورنر کو یادداشت ارسال کی کہ اسلم قریشی پر کھلا اور منصفانہ مقدمہ چلے۔ (۲) الفرقان ربوہ نے حملہ کی خبر دیتے وقت مرزا مظفر احمد کو قائم مقام صدر پاکستان قرار دیا۔ (۳) جنرل یحییٰ پاکستان سے باہر تھا اور ایم ایم احمد قادیانی اس کی کابینہ کے اہم رکن کے طور پر فعال تھا۔ راجہ ظفر الحق جو بعد میں جنرل ضیاء کی کابینہ میں وزیر نشر و اشاعت بنے، اسلم قریشی کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے۔ فوجی عدالت کے روبرو اسلم قریشی نے قادیانی عقائد پر تنقید کی اور کہا کہ اس کو یہ جان کر شدید پریشانی لاحق ہوئی ہے کہ قادیانی ہندوستان کی ساز باز سے بنگلہ دیش کو تسلیم کرانے کے لیئے سرگرم عمل ہیں۔ (۴) فوجی عدالت نے اسلم قریشی کو پندرہ سال قید

۱۔ ظفر اللہ۔ "The Agony of Pakistan"۔

۲۔ چٹان/ راولپنڈی۔ 7 جنوری 1972ء۔

۳۔ الفرقان/ ربوہ۔ ستمبر 1971ء۔

۴۔ روزنامہ ندائے حق/ راولپنڈی 20 اکتوبر 1971ء۔

بامشقت کی سزا سنائی۔ ستمبر ۱۹۷۱ء میں حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی لوگوں نے محمد اسلم قریشی کی فوری رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ جمعیت العلماء اسلام کے مولانا غلام غوث ہزاروی نے ذوالفقار علی بھٹو پر اپنا ذاتی اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے دو سال آٹھ ماہ بعد اسلم قریشی کو رہا کرالیا۔

مذموم منصوبہ:

انتخابی عمل کے بعد کے زمانے میں بھٹو نے کئی اشتعال انگیز تقاریر کیں۔ اس نے واضح کر دیا کہ "نہ تو کوئی آئین اور نہ ہی مرکز میں اس کی جماعت کے تعاون کے بغیر کوئی حکومت چلائی جا سکتی ہے۔ وہ قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی نشستوں پر بیٹھنے کے لیئے تیار نہ تھا۔ اس نے پاکستان میں دو وزرائے اعظم اور دو سیاسی جماعتوں کو تسلیم کرنے کا بھی اشارہ دے دیا۔ یحییٰ نے بھٹو کو یہ مشن سونپ دیا کہ وہ ڈھاکہ جا کر مجیب سے ملاقات کرے اور اپنے منصوبے پر اس سے بات کرے۔ اسے فوجی جنتا۔ جنرل پیرزادہ۔ جنرل عمر۔ جنرل گل حسن اور افسر شاہی کی حمایت حاصل تھی۔

بارہ جنوری کو یحییٰ ڈھاکہ گیا تا کہ عوامی لیگ کے مرتب کردہ مسودہ آئین پر غور وخوض کرے مگر مجیب نے اس کی سبکی کر دی۔(۱) یحییٰ غمزدہ ہو کر لاڑکانہ چلا گیا اور بھٹو کا "تعاون" حاصل کر لیا۔ یحییٰ نے بھٹو کے ذمہ لگا دیا کہ وہ ڈھاکہ جا کر مجیب سے اپنے منصوبے پر بات چیت کرے مگر اقتدار کے بھوکے دونوں رہنماؤں کے درمیان مفاہمت کی کوئی راہ نہ نکل سکی۔ فروری ۱۹۷۱ء کے دوران سیاسی صورتحال انتہائی خراب ہوگئی جب دو کشمیری طلباء کا "یرغمالی کا ڈرامہ" وقوع پذیر ہوا۔ یہ کہا گیا کہ یہ ہندوستانی حربہ تھا تا کہ پاکستانی طیاروں کا ہندوستانی سرزمین پر سے گزر کر مشرقی پاکستان جانا ممنوع قرار دے دیا جائے۔

بھٹو نے ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں جانے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ اس اجلاس میں شرکت کے لیئے کوئی بھی مغربی پاکستان سے نہیں جا

۱۔ جی ڈبلیو چوہدری' ص 149۔

سکے گا۔ یحییٰ نے نئی تاریخ کا اعلان کیئے بغیر اجلاس ملتوی کر دیا۔(۱)

اسمبلی کے اجلاس کا التواء پاکستان کے لیئے تباہ کن ثابت ہوا اور مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کے دلوں میں مزید بد اعتمادی اور نفرت پیدا ہوئی۔ ڈھاکہ نے اس یک طرفہ فیصلے پر بغاوت کر دی۔ مغربی پاکستان میں اس کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ ایئر مارشل ریٹائرڈ نور خان (کونسل مسلم لیگ کے سربراہ) نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اسمبلی کے اجلاس میں التواء تباہ کن ہوگا۔ یحییٰ کے مشیروں نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔ نوکر شاہی خصوصاً ایم ایم احمد نے مشرقی و مغربی پاکستان کے درمیان نہ پر ہونے والی خلیج حائل کر دی ہے۔ اس آئینی تعطل کے کچھ دیگر حکومتی عہدیداران بھی ذمے وار تھے۔ انہوں نے کچھ سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کر کے اسمبلی کے اجلاس کے بائیکاٹ پر انہیں رضامند کر لیا۔ اس حوالے سے ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات کے نام لیئے جا سکتے ہیں۔(۲)

یحییٰ نے ایک سابق ڈیفنس سیکرٹری مسٹر خورشید سے کہا کہ وہ اس کی مجیب سے ملاقات کا اہتمام کرے۔ یہ ملاقات پندرہ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔ ولی خان (نیپ) بزنجو (نیپ) اور دولتانہ (کونسل مسلم لیگ) بھی ڈھاکہ پہنچے۔ صدر اور عوامی لیگ کے رہنماؤں نے اپنے مذاکرات بیس اور اکیس مارچ ۱۹۷۱ء کو جاری رکھے اور آخری اجلاس میں ان کے معاونین نے بھی مذاکرات میں حصہ لیا۔ بھٹو بھی ایک پندرہ رکنی ٹیم کے سربراہ کی حیثیت سے اکیس مارچ کو ڈھاکہ پہنچا۔

یحییٰ۔ مجیب مذاکرات دو سطحوں پر ہوئے۔ پہلے دونوں کے درمیان بعد میں ان کے تکنیکی ماہرین کے درجے پر۔ یحییٰ کی ٹیم میں جنرل پیرزادہ اور جسٹس کارنیلیس شامل تھے۔ ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن ایم ایم احمد نے بھی مذاکرات میں اس حد تک حصہ لیا جب قومی حکومت اور بنگلہ دیش کی نئی ریاست کے درمیان مالی اور معاشی معاملات اٹھائے گئے۔ راولپنڈی میں ملٹری فنانس کا قانونی ماہر کرنل حسن یحییٰ کی ٹیم کا چوتھا رکن تھا۔ مجیب کی مذاکراتی

۱۔ اس بھٹو یحییٰ، سازباز کے لیے ملاحظہ ہو ("The Death Dance"۔ سید شبیر حسین، اسلام آباد، 1980ء۔

۲۔ روزنامہ آزاد، لاہور، 3 مارچ 1971ء۔

ٹیم میں سخت گیر افراد میں تاج الدین احمد اور دیگر سر کردہ عوامی لیگی رہنما نذر الاسلام۔ مشتاق احمد۔ قمر الزمان۔ منصور علی اور آئینی ماہر ڈاکٹر کمال حسین شامل تھے۔(۱)

عوامی لیگ کی قیادت اور مغربی پاکستان کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں نے اس کڑے وقت میں مشرقی پاکستان میں ایم ایم احمد کی موجودگی پر شدید تنقید کی اور پاکستان کو تقسیم ہونے سے بچانے کی کوششوں میں اسے رخنہ اندازی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

روزنامہ جنگ کراچی کے نامہ نگار نے یہ اطلاع دی۔

> ”ایم ایم احمد مشیر صدر پاکستان برائے اقتصادی امور عوامی لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ آئینی تعطل کو دور کرنے کے مذاکرات کے لیئے ڈھاکہ میں موجود ہے ڈھاکہ میں مغربی پاکستان کے اعلیٰ سیاسی ذمہ دار حلقوں نے اس کی ڈھاکہ میں موجودگی پر شدید شبہات کا اظہار کیا ہے۔
>
> سیاسی اور دوسرے حلقے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایم ایم احمد بطور سیکرٹری وزارت خزانہ اور اقتصادی امور ایوب کی حکومت قائم ہونے سے قبل اور بعد میں ایوبی حکومت میں بطور ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن مشرقی پاکستان کی اقتصادی محرومی کا ذمہ دار تھا اور سیاسی سازشوں کا معمار رہا ہے۔ ایوب کے زوال کے بعد پر زور عوامی مطالبے پر اس کو ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسے بطور مشیر صدر پاکستان اور بھی زیادہ مضبوط حیثیت میں ملک پر مسلط کر دیا گیا۔ اس کی بطور مشیر تقرری کی مشرقی پاکستان میں پر زور مذمت کی گئی۔
>
> مشرقی پاکستان کے سیلاب کے متاثرین کی دوبارہ آباد کاری کی رابطہ کمیٹی کے چیئر مین کے طور پر اس کی تقرری پر بھی شدید رد عمل ہوا تھا۔ اب جب کہ سیاسی بحران کو حل کرنے کے لیئے گفت و شنید جاری ہے ایسے وقت میں اس کی ڈھاکہ میں موجودگی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ چونکہ ایم ایم احمد کو میٹرو پولیٹن سیاسی گروپ کے سب سے مضبوط افسر شاہی نمائندہ کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو موجودہ بحران کا ذمہ دار تصور کیا جاتا ہے“۔(۲)

۱۔ جی ڈبلیو چوہدری ص 66-67۔

۲۔ روزنامہ جنگ کراچی 26 مارچ 1971ء۔

مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں عبدالولی خان۔ غوث بخش بزنجو۔ ممتاز دولتانہ۔ خان عبدالقیوم۔ شاہ احمد نورانی اور سردار شوکت حیات جنہوں نے اوائل مارچ ڈھاکہ جاکر عوامی لیگ کی قیادت کے ساتھ مذاکرات کیئے تھے سامراجی صیہونی یورش اور پاکستان کے خلاف بیرونی سازشوں کا اشارہ دیا۔ مولانا نورانی نے انکشاف کیا کہ نئی دہلی اور تل ابیب میں پاکستان کو توڑنے کے لیئے ایک خوف ناک سازش تیار کی گئی ہے اور ایم ایم احمد سامراجیوں کی طرف سے پوری سرگرمی سے اس میں ملوث ہے۔ راولپنڈی کے آٹھ سرکردہ علماء نے ایم ایم احمد کو اس کے عہدے سے ہٹائے جانے کا مطالبہ کیا اور ڈھاکہ میں اس کی موجودگی پر شدید تنقید کی۔ اسے مشرقی اور مغربی پاکستان کے راہنماؤں کے مابین اختلافات پیدا کرنے اور یحیٰی کو گمراہ کرنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔^(۱) ایم ایم احمد کے ڈھاکہ میں کڑی مصالحتی گفت وشنید کے دوران مذموم کردار کو یحیٰی کی کابینہ کی وزیر خارجہ نوابزادہ شیر علی نے بھی طشت ازبام کیا۔^(۲)

شیخ مجیب الرحمان نے ڈھاکہ میں کہا کہ اسے یقین ہے کہ تعطل کو دور کرنے کا کوئی نہ کوئی حل موجود ہے۔ تاہم اس کے دوستوں نے صدر کے ہمراہیوں سے مذاکرات کیئے ہیں اور ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ کسی مصالحت پر پہنچنے میں ناکام رہے ہیں۔ یہ صدر اور اس کے مشیروں کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس تعطل کو دور کرنے میں مدد کرتے وگرنہ ملک سنگین بحران سے دوچار ہوجائے گا۔^(۳)

پچیس مارچ کی رات گفت وشنید ناکام ہوگئی۔ فوج نے مجیب کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس فوجی ایکشن کے دو ماہ بعد ڈھاکہ یونیورسٹی میں اقتصادیات کے پروفیسر رحمان سبحان نے جو کہ مجیب کا مشیر بھی تھا۔ پانچ جون ۱۹۷۱ء کو گارڈین مانچسٹر سے یحیٰی مجیب مذاکرات کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

''پچیس مارچ کو عوامی لیگ کی ٹیم نے ''اعلان'' کے حتمی مسودے کی تیاری کا انتظار کیا مگر

۱۔ ایضاً۔

۲۔ روزنامہ امروز لاہور 6 مارچ 1971ء۔

۳۔ دی بنگلہ دیش پیپرز وینگارڈ بکس لمیٹڈ لاہور ص 279۔

جنرل پیرزادہ کی طرف سے متوقع بلاوا کبھی نہ آیا۔ اس کی بجائے ایم ایم احمد اپنی ترمیم پر عوامی لیگ کے ردعمل کا انتظار کیئے بغیر کراچی چلا گیا جس سے ظاہر تھا کہ جنتا کے ذہن میں مذاکرات کے متبادل کے طور پر کچھ اور ہی منصوبے تھے"۔ (۱)

جمعیت علماء اسلام کے ایک سرکردہ رسالے نے لکھا۔

> "ایم ایم احمد نے پاکستان میں اپنی پیشہ وارانہ زندگی کے دوران مختلف عہدوں پر کام کیا ہے۔ اس کی حرکتوں اور خفیہ منصوبوں پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ اور اس کی طرز کے دوسرے بیوروکریٹ اب مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں تاکہ مغربی پاکستان میں مرزائی ریاست قائم کی جاسکے، جس کی انہیں طویل عرصہ سے خواہش ہے"۔ (۲)

جماعت اسلامی کے ہفت روزہ "ایشیاء" لاہور نے لکھا۔

> "ڈھاکہ کی مصالحتی گفت وشنید میں ایم ایم احمد کی موجودگی اور ملوث ہونے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ پاکستان میں ایک حقیقی جمہوری حکومت اور اسلامی آئین کے مسودے کی تیاری کی کوششوں کو تہہ وبالا کردیا جائے۔ ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن کے طور پر اس پر مشرقی پاکستان کی پس ماندگی اور اقتصادی محرومی کی ذمہ داری کا الزام لگایا جاتا ہے، جس کے باعث مشرقی پاکستان علیحدگی کا نعرہ لگانے پر مجبور ہوا۔ ڈھاکہ مذاکرات میں اس کی گہری دلچسپی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ لگائے گئے کام میں کس دلچسپی سے سرگرم ہے۔ ان مذاکرات کے "بھیانک" انجام نے اس کی اپنے مشن میں کامیابی پر کافی روشنی ڈال دی ہے"۔ (۳)

میاں طفیل احمد امیر جماعت اسلامی نے یہ انکشاف کیا کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پاکستان کے دشمنوں کی لندن میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ہندوستانی وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ۔ اسرائیل کی گولڈا میئر اور مرزا ناصر احمد نے استحکام پاکستان کے خلاف ایک منصوبہ ترتیب دیا ہے۔ تاہم الفضل ربوہ نے اسے ایک الزام قرار دیا اور مرزا ناصر کی ایسی

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ترجمان اسلام لاہور، 20 مارچ 1971ء۔

۳۔ ہفت روزہ ایشیاء لاہور 28 مارچ 1971ء۔

کسی بھی کانفرنس میں شرکت کی تردید کی۔(۱)

مشرقی پاکستان میں پاک افواج کے کمانڈر ریٹائرڈ جنرل عبداللہ خان نیازی نے اپنی غیر مطبوعہ سوانح حیات میں ایم ایم احمد منصوبے کے وجود کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

> ''میجر جنرل فرمان علی (گورنر مشرقی پاکستان کے فوجی مشیر) نے مجھے اس منصوبے کے بارے میں اس وقت بتایا جب وہ ہندوستان میں جنگی قیدی تھے مگر اس نے اس کی تفصیلات نہ بتائیں۔ تاہم اس منصوبے کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی پاکستان سے پاکستان کی حاکمیت کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور کسی آنے والی حکومت کو اقتدار نہ سونپا جائے''۔(۲)

راؤ فرمان علی نے ایک انٹرویو میں ایم ایم احمد کے کردار پر کڑی تنقید کی اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازشوں میں اس کے کردار کو بے نقاب کیا۔ مجیب کے ہمراز اور مکتی باہنی کے کمانڈر جنرل عثمان نے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا کہ مجیب اپنی گرفتاری کے بعد بنگلہ دیش اور پاکستان کی کنفیڈریشن بنانے پر رضامند تھا۔ اس نے اپنے وکیل مسٹر اے کے بروہی اور عوامی لیگ کے رہنماؤں تاج الدین۔ مشتاق کھنڈکر اور چین میں پاکستانی سفیر مسٹر کے ایم قیصر کے ذریعے سے اسلام آباد کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ وہ کسی بھی شرط پر راضی ہو جائیں مگر یحییٰ ڈھاکہ میں بنگالیوں کی تشکیل کردہ حکومت کا سخت مخالف تھا۔ اس نے عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی کو نااہل قرار دے کر اور ان کی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں سے انہیں مزید بھڑکا دیا۔ اسلام آباد کو بڑی اچھی طرح پتہ تھا کہ یہ تمام ظالمانہ ہتھکنڈے صورتحال کو مزید خراب کر دیں گے۔ مگر یہ سب کچھ سختی سے ایم ایم احمد منصوبے کے تحت ہو رہا تھا۔(۳)

مشرقی پاکستان میں سیاسی صورتحال ۱۹۷۱ء کے وسط میں خراب سے خراب تر ہوتی گئی، پانچ جون ۱۹۷۱ء کو مولانا مودودی نے ایک یادداشت تیار کی اور اسے تمام مسلمان ریاستوں کے سربراہوں اور برطانیہ اور امریکہ میں مقیم مسلمان تنظیموں کو بھجوائی تاکہ انہیں مشرقی پاکستان کے

۱۔ الفضل ربوہ 26 مارچ 1971ء۔

۲۔ قومی ڈائجسٹ لاہور 9 جولائی 1978ء ص 56 جنرل ریٹائرڈ نیازی کی سوانح عمری کے غیر مطبوعہ اوراق۔ نیازی نے اپنا نقطہ نظر چھاپ دیا ہے۔

۳۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور دسمبر 1973ء ''بدر منیر سے انٹرویو''۔

بحران میں غیر ملکی قوتوں اور ان کے آلہ کاروں کے کردار سے آگاہ کیا جا سکے۔

اس یادداشت میں ہندوؤں برطانوی اور صیہونی پشت پناہی سے کام کرنے والی امریکی لابی کے کردار پر زور دیا گیا جنہوں نے استحکام پاکستان کے خلاف یہ سازش تیار کی تھی۔ انتخابات کے دوران دو علاقائی جماعتیں مجیب کی عوامی لیگ جسے مشرقی پاکستان کی ہندو اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی قومی منظر پر ابھر کر سامنے آئیں۔

> ''مغربی پاکستان میں قادیانی (جو کہ مرزا غلام احمد آف قادیان (ہندوستان) کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں) اور حکومت میں بڑا اثر رکھتے ہیں اور جن کے پاس بے تحاشہ مالی وسائل ہیں نے اپنا سارا وزن مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے پلڑے میں ڈال دیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے قادیانی ایک اسلامی ریاست کو اپنے مفادات کے لیئے سخت نقصان دہ سمجھتے ہیں اور ایک غیر اسلامی ریاست چاہے وہ اشتراکی ہی کیوں نہ ہو ان کے لیئے سودمند ہے، دوسرے چونکہ مشرقی پاکستان ان کے اثر سے باہر ہے اور ان کی ساری آبادی مغربی پاکستان میں ہے چنانچہ ان کی حتمی خواہش اور کوششوں کا محور ہی یہی ہے کہ مشرقی پاکستان کو ایک سازش کے ذریعے مغربی پاکستان سے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ مسٹر بھٹو کی معاونت سے مغربی حصے کو قادیانی ریاست بنا سکیں''۔⁽¹⁾

ہندوستان نے ملک ختم کرنے کے لیئے مشرقی پاکستان میں بگڑتی صورتحال کا فائدہ اٹھایا۔ عوامی لیگ کی نیم فوجی تنظیم مکتی باہنی کی تربیت ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس کی سرگرمیاں مشرقی پاکستان میں خوفناک حد تک بڑھ گئیں۔ بیرونی امداد کے حصول کی خاطر ہندوستان نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ دوستی پر دستخط کر دیئے۔ یہ ایک دفاعی معاہدہ تھا۔ ہندوستانی پریس پہلے ہی پاکستان کے خلاف ایک پروپیگنڈہ مہم شروع کر چکا تھا۔⁽²⁾ ہندوستان کی انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' نے اپنے جاسوسوں کا ایک جال قائم کر لیا اور مشرقی پاکستان میں تخریب کے لیئے بڑی تعداد میں اپنے آلہ کار داخل کر دیئے۔⁽³⁾

۱۔ مریم جمیلہ "Who is Moudodi" لاہور۔ ص 46 تا 48۔

۲۔ جی ڈبلیو چوہدری ص نمبر 217۔

۳۔ اشوک رینہ، ان سائڈ را 'اندرون ہندوستانی خفیہ سروس کی کہانی' وکاس پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔

ہندوستان کی طرف سے پاکستان کے خلاف چھیڑی گئی اس جارحانہ جنگ میں اس نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

مشرقی پاکستان میں طاقتور قادیانی لابی نے علیحدگی پسند عناصر کی بھرپور مدد کی۔ مشرقی پاکستان کے صوبائی امیر جماعت احمدیہ مولوی محمد۔ چٹاگانگ مشن کے انچارج راجہ ناصر احمد۔ ڈھاکہ مشن کے انچارج مولوی احمد صادق محمود۔ سیکرٹری اصلاح وارشاد شہید الرحمٰن اور رنگ پور کے مولوی بدرالدین نے ہندوستان نواز علیحدگی پسندوں کی مکمل اعانت کی اور مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندانہ نظریات کی بھرپور پذیرائی کی۔ مغربی بنگال کے احمدیہ مشن کے ساتھ ان کے قریبی روابط استوار تھے اور وہ امیر جماعت احمدیہ ہندوستان مرزا وسیم احمد اور امیر جماعت کلکتہ مولوی شریف امینی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

عوامی لیگ کی دہشت گرد علیحدگی پسندانہ تنظیم مکتی باہنی سے قادیانی تعاون۔ پاکستان مخالف عزائم کا حصہ تھا۔ قادیانیوں نے خفیہ طور پر اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔ ایک قادیانی بزرگ نے ایک دفعہ مصنف کو یہ راز بتایا کہ قادیانی پہلے مرحلے میں باغیوں کو ان کی گوریلا کارروائیوں میں امداد دیتے تھے۔ مگر جب جماعت اسلامی میدان میں کود پڑی اور اس کی دہشت گرد تنظیموں ''البدر'' اور ''الشمس'' نے سابقہ مشرقی پاکستان میں کارروائیاں شروع کیں۔ تو وہ بنگالی مجاہدین کی مدد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ احمدی مشرقی پاکستان میں ایک قلیل اقلیت میں تھے اور جماعت اسلامی کے جنگجو انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے کچل دینے پر تلے ہوئے تھے۔ انہیں پوری طرح احساس تھا کہ ان کی حیثیت ایک سیکولر بنگلہ دیش کی صورت میں ہی محفوظ رہ سکتی ہے' جس کے بیرونی قوتوں کی مدد سے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ کلکتہ کا احمدی مرکز جلاوطن بنگالی قیادت کی دیکھ بھال کرتا اور ان بنگالیوں سے رابطے استوار کرتا جو مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے نتیجے میں مغربی بنگال کی طرف فرار ہو گئے تھے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کے اوائل تک مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی جاری رہی جب ہندوستان نے

پاکستان پر حملہ کر دیا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کے ساتھ جنگ چھڑ جانے پر الفضل ربوہ نے احمدیوں کو مبارکباد دینا شروع کر دی۔ اس کے پندرہ دسمبر کے شمارے میں مرزا غلام احمد کی ایک پیش گوئی اخبار کے صفحہ اول پر شائع کی گئی۔ جس میں خوابوں کی روایتی زبان میں جنگ کے بعد احمدی جماعت کی شاندار فتح اور روشن مستقبل کی نوید سنائی گئی تھی۔(۱) مرزا ناصر احمد نے اپنی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے ایک خواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ وہ قادیان میں رہائش پذیر تین سو تیرہ درویشوں کے لیئے دعا کریں۔ ان درویشوں نے مرزا ناصر احمد سے شکایت کی تھی کہ دوران جنگ ہندوستانی ان کو ہراساں کرتے رہے تھے۔(۲) یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ کئی دفعہ بھارت نے ان درویشوں پر شبہ کیا۔ ان پر سامراجیوں کے آلہ کار ہونے کا شک کیا گیا اور کئی مواقع پر ان پر خفیہ اور زیر زمین سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگایا تھا۔

قادیانی جریدے ”تحریک جدید“ ربوہ نے پہلی دفعہ مرزا محمود احمد کا ایک خواب شائع کیا جو انہوں نے گیارہ جون ۱۹۵۱ء کو دیکھا تھا۔ دراصل یہ احمدیوں کی قادیان مراجعت کا ایک بین السطور وعدہ تھا۔ اس میں یہ پیش بینی کی گئی تھی کہ قادیانی دہلی اور اس کے مضافاتی علاقوں پر بھی قبضہ کر لیں گے۔(۳)

سقوط ڈھاکہ:

سولہ دسمبر ۱۹۷۱ء کو غیر ملکی سازشوں اور دخل اندازی کے طویل سلسلہ کا نتیجہ سقوط ڈھاکہ کی صورت میں نکلا۔ بیس دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو نے بطور صدر پاکستان اقتدار سنبھال لیا۔ لوگوں نے مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان سے محرومی اور فوج کی شکست کا باعث بننے والے عوامل کی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ پورے مغربی پاکستان میں جنرل یحیٰی اور اس کے سول و فوجی مشیروں کے خلاف بڑے بڑے جلوس نکالے گئے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں سامراجی

۱۔ الفضل ربوہ، 15 دسمبر 1971ء۔

۲۔ الفضل ربوہ، 16 دسمبر 1971ء۔

۳۔ تحریک جدید ربوہ، دسمبر 1971ء۔

اور صیہونی آقاؤں کی ہدایات پر ایم ایم احمد کے ادا کیئے گئے کردار کی ہر جگہ پر مذمت کی گئی۔ (۱) الفضل نے سقوط ڈھاکہ کو ایک عارضی شکست قرار دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں جو اہم سیاسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرح ہیں (۲) اخبار نے بھٹو کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا اور لوگوں پر زور دیا کہ وہ اس کی ہر طرح سے مدد کریں یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس نے قوم کو ایک نئی قوت جذبہ اور لگن دی ہے۔ (۳)

قوم نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہات اور اس سازش میں ملوث یحییٰ۔ ایم ایم احمد اور دیگر افراد کے خلاف مقدمے کا مطالبہ کر دیا۔ بھٹو نے جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کر دیا تاکہ علیحدگی کی وجوہات اور مغربی پاکستان میں فوجی ناکامی کا پتہ چلایا جا سکے۔ کمیشن کو ایم ایم احمد کے منفی کردار کے بارے میں یادداشتیں ارسال کی گئیں جو اس نے مارچ ۱۹۷۱ء میں مذاکرات کے دوران ادا کیا تھا۔ جو بعد میں سیاسی شکست کی صورت میں برآمد ہوا۔ (۴) عوامی لیگ کے کئی رہنماؤں بلکہ ایک دفعہ تو مجیب نے بھی ایم ایم احمد کے کلیدی عہدے سے استعفٰی کا مطالبہ کیا تھا۔ (۵)

یہودی سازش

مشرقی پاکستان کے سقوط پر رابطہ عالم اسلامی مکہ نے ایک بیان میں انکشاف کیا کہ پاکستان اشتراکیوں اور صیہونیوں کی تیار کردہ سازش کا شکار ہو گیا ہے۔

> ”دی جیوش کرانیکل“ لندن نے یہ انکشاف کیا کہ میجر جنرل جیکب جو مشرقی پاکستان میں ہندوستانی افواج کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا وہ ایک یہودی تھا۔ وہ برطانوی صیہونی وفاق کے چیئرمین آنجہانی ڈاکٹر آئی ایس فوکس کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اخبار نے یہ بھی لکھا کہ ہندوستانی مسلح افواج میں بڑی تعداد میں یہودی افسر تھے جن میں زیادہ مشہور ریئر ایڈمرل بنجمن ابراہیم

۱۔ جنگ راولپنڈی' 21 ستمبر 1971ء۔

۲۔ الفضل ربوہ' 24 دسمبر 1971ء۔

۳۔ الفضل ربوہ 26 دسمبر 1971ء۔

۴۔ جاوداں راولپنڈی' 16 جنوری 1972ء۔

۵۔ مشرق لاہور 12 جنوری 1972ء۔

> سمسن اور نیوی کے جج ایڈووکیٹ ایلز تھیراڈ تھے۔ (1)
>
> فلسطین بیروت نے لکھا ”عرب دنیا کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اس تازہ ترین سازش کو جان لے جو کئی عناصر، وجوہات اور نشانوں پر مشتمل ہے جو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور مسلمان ریاست کی قوت، استحکام اور وحدت کو ختم کرنے کے لیئے تیار کی گئی تھی۔ عالمی صیہونیت نے اس جال کو بننے اور اس منصوبے کو عمل میں لانے کے لیئے اس میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ چونکہ پاکستان نے کئی مواقع پر فلسطین کے مسائل کے متعلق بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور عرب دنیا سے پاکستان کے مضبوط برادرانہ تعلقات ہیں۔ یہ پالیسی عرب ممالک میں صیہونی توسیع پسندی کی راہ میں حائل ہے۔ پاکستان نے سچی اور متواتر مدد کی ہے۔
>
> ہم یہ کوئی بے معنی بات نہیں کر رہے بلکہ ہم تو اس مواد کی بنیاد پر یہ بات کر رہے ہیں جو یہودیوں نے اس کے متعلق کہا اور لکھا ہے اور جو حقیقی وجوہات پر روشنی ڈالتا ہے۔ پاکستان کے خلاف ہندوستان نے تازہ ترین جارحیت کا دوبارہ ارتکاب کیا ہے۔ عرب دنیا کو اس جارحیت کے بارے میں وضاحت حاصل ہو جائے اور ہندوستانی و صیہونی غلط بیانیاں اس بارے میں گمراہی نہ پھیلا سکیں“۔

برطانوی ہفت روزہ جریدے ”جیوش کرانیکل“ نے جو صیہونی تنظیم کا رسالہ ہے اپنے نو اگست ۱۹۶۷ء کے شمارے میں ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد پیرس میں سوبورن یونیورسٹی میں بن گوریان کے دیئے گئے لیکچر کا مندرجہ ذیل اقتباس نقل کرتا ہے۔

> ”عالمی صیہونی تحریک کو پاکستان کی طرف سے لاحق خطرات سے بے خبر نہیں ہونا چاہیئے اور اب پاکستان کو اس کا پہلا نشانہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست ہمارے وجود کے لیئے ایک خطرہ ہے اور یہ کہ پاکستان کے سب لوگ یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ عربوں سے یہ محبت ہمارے لیئے بذات خود عربوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس مقصد کے لیئے عالمی صیہونیت کے لیئے یہ لازم ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔“

۱۔ امپکٹ لندن 24 دسمبر تا 13 جنوری 1972ء۔

بن گوریان مزید کہتا ہے۔

> ''جبکہ جزائد ہند کے لوگ ہندو ہیں۔ جن کے دل پوری تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کے لیئے ہمارے لیئے اہم ترین پڑاؤ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اس مرکز سے کام لیں اور پاکستانیوں کو کچل دیں۔ جو یہودیوں اور صیہونیوں کے دشمن ہیں اس کے لیئے تمام خفیہ وظاہر منصوبے اپنائے جائیں''۔(۱)

ایک امریکی یہودی عسکری ماہر پروفیسر برٹنر لکھتا ہے۔

> ''پاکستان کے فوجیوں کے اندر حضرت محمدﷺ کے لیئے بے پناہ محبت موجود ہے اور یہی وہ چیز ہے جو پاکستان اور عربوں کے درمیان تعلق کو مضبوط کرتی ہے اور حقیقت میں یہ عالمی صیہونیت کے لیئے ایک سنگین خطرہ اور اسرائیل کی توسیع پسندی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ یہودیوں پر یہ لازم ہے کہ وہ حضرت محمدﷺ کی اس محبت کو ہر طریقے سے ختم کر دیں''۔(۲)

بھٹو نے بذات خود ایک صحافی کے سوال کے جواب میں یہ انکشاف کیا کہ پاکستان کو ایک سازش کے تحت توڑا گیا ہے۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ آیا صیہونیت نے تقسیم پاکستان میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ

> ''کئی قوتیں مل گئی تھیں اور ایک بین الاقوامی سازش ہوئی تھی''۔(۳)

۱۔ دی فلسطین بیروت نمبر 120 جلد XL (چالیس) جنوری 1972ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی 27 جنوری 1972ء۔

بائیسواں باب

تحریک کی ابتداء

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد بھٹو کا اگلا قدم اپنے اختیارات کا استحکام اور اپنے بڑے مخالفین کا خاتمہ تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سر اٹھا سکیں۔ ۱۹۷۲ء کے اوائل میں نوکر شاہی اور فوج کی تطہیر کی گئی۔ لیفٹیننٹ جنرل گل حسن قائم مقام کمانڈر انچیف کے عہدے پر دسمبر ۱۹۷۱ء سے کام کر رہا تھا۔ ایئر مارشل رحیم خان اور چھ دیگر افسروں کو تین مارچ ۱۹۷۲ء کو اپنے عہدوں سے سبکدوش کر دیا گیا تاکہ

"پیشہ ور فوجی پیشہ ور سیاستدان نہ بن سکیں۔"

اصل مہرے یہی تھے جو اسے اقتدار میں لائے تھے۔(۱)

واشنگٹن پوسٹ نے یہ اطلاع دی کہ اسلام آباد میں مختلف اقسام کی افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ فوج کے دو افسران کو نکال دیا گیا ہے جن پر بھٹو کو صدارت تک لانے کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک خبر سے یہ ظاہر تھا کہ اس اقدام سے فوجی انقلاب کا راستہ روکا گیا ہے۔ دوسری سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جنرل گل حسن نے عبدالولی خاں سے متواتر کئی ملاقاتیں کیں اور بھٹو کو ان مذاکرات کی نوعیت بتانے سے انکار کر دیا تھا۔(۲) بھٹو نے جنرل گل حسن کی جگہ جنرل ٹکا خان کو مقرر کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایئر وائس مارشل ظفر چوہدری

۱۔ جنرل یحییٰ کے چیف آف سٹاف جنرل حمید کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن عوام نے شور مچا کر ان کو بیٹھنے پر مجبور کر دیا اور کئی درمیانے درجے کے فیلڈ کمانڈروں نے دھمکی دے دی کہ وہ اپنی بٹالینوں اور بریگیڈوں کے ساتھ راولپنڈی کی طرف پیش قدمی کر دیں گے اگر ملک کی انتظامیہ سول لوگوں کے حوالے نہ کی گئی۔ نئے افسران نے یہ بھی واضح کیا کہ بھٹو ایک سویلین تھا۔ ان کے ذہن میں تھا کہ وہ یحییٰ کا بطور صدر جانشین ہے۔ (شاہد جاوید برکی، "پاکستان میں ریاست اور معاشرہ" 7-1971 لندن 1980ء ص 69۔

۲۔ واشنگٹن پوسٹ' 24 مارچ 1972ء)۔

(قادیانی) کو فضائیہ کا نیا سربراہ مقرر کر دیا۔ ایم ایم احمد کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھٹو کا مشیر برائے بیرونی امداد اور قرضہ جات مقرر کر دیا گیا۔ بحریہ کے ایک جونیئر آفیسر کموڈور ایچ ایچ احمد (جس پر بھی قادیانی ہونے کا الزام تھا) کو بحریہ کا قائم مقام کمانڈر ان چیف تعینات کر دیا گیا۔

سیاسی، فوجی اور انتظامی قیادت سے بڑے مخالفین کو نکال کر اور ''رکاوٹیں پیدا کرنے والوں'' کی تطہیر کے بعد بھٹو نے سیاسی امور سرانجام دینے شروع کر دیئے۔ فروری ۱۹۷۲ء میں پاکستان نے دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جولائی ۱۹۷۲ء میں ہندوستان کے ساتھ شملہ معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد بھٹو نے لوگوں کے جذبات کو بنگلہ دیش تسلیم کیئے جانے کے مسئلہ پر ٹھنڈا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ہندوستان نے جنگی قیدیوں اور مفتوحہ علاقوں کی واپسی پر رضامندی ظاہر کر دی۔ پاکستان نے آزاد کشمیر کے علاقے میں حاصل کردہ اہم چوکیاں واپس کر دیں۔ شملہ معاہدے کے مطابق مسئلہ کشمیر کو پرامن طریقے سے دوطرفہ بات چیت کے ذریعے حل کیا جانا تھا۔ جنگ بندی لائن کو کنٹرول لائن قرار دیا گیا۔ کچھ سیاسی رہنماؤں نے اسے کشمیر کی فروخت کا نام دیا کیونکہ پاکستان اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر پر کوئی بھی یک طرفہ حوالہ پیش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ زمانہ (۱۹۷۲ء) سندھ میں لسانی فسادات، پنجاب سے قومی اسمبلی میں جماعت اسلامی کے واحد امیدوار ڈاکٹر نذیر احمد کے وحشیانہ قتل اور کئی سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریوں کی یاد دلاتا ہے۔ پریس کو نکیل ڈالنے کے لیئے ایوبی دور کے کئی ظالمانہ قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ پیپلز پارٹی کے مخالف اخباروں کے مدیروں اور ناشران کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور۔ ہفت روزہ زندگی لاہور۔ ہفت روزہ پنجاب پنچ لاہور۔ روزنامہ جسارت کراچی۔ ڈان کراچی اوہفت روزہ چٹان زیر عتاب آ گئے۔ ان کے مدیروں اور ناشران کو گرفتار کر لیا گیا۔ گورنر پنجاب غلام مصطفیٰ کھر کا شورش کاشمیری کے ساتھ مباحثہ شروع ہو گیا جو ان کی گرفتاری پر منتج ہوا۔

بھٹو حکومت نے تین جنوری ۱۹۷۲ء کو اقتصادی اصلاحات کا منصوبہ جاری کر دیا۔ دوسرا

اہم قدم اقتصادی منصوبہ بندی کی مشینری میں تبدیلی تھی۔ ایک سی ایس پی افسر قمر الاسلام کو منصوبہ بندی کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ یہ کمیشن جلد ہی نوکر شاہی کا قلعہ بن گیا اور ایک ایسی جگہ کا روپ دھار گیا جہاں سے اڑیل بیوروکریسی حکومتی سماجی و اقتصادی ترقی کا ستیاناس کر سکتی تھی۔ حتیٰ کہ اسے وزارت خزانہ۔ منصوبہ بندی اور اقتصادی امور کا ڈویژن بنا دیا گیا۔(۱)

سیاسی حلقوں میں ایم ایم احمد مشیر برائے بیرونی امداد کے بارے میں شدید نفرت موجود رہی اور لوگوں نے عوامی حکومت سے اس کے اخراج کا مطالبہ شروع کر دیا۔(۲) فروری ۱۹۷۲ء میں وہ امریکہ چلا گیا۔ شاید وہ عالمی سرمایہ کاروں سے قرضوں کی دوبارہ ترتیب اور مزید امداد کے لیئے گیا تھا۔ حکومت نے اس کے دورے کو مخفی رکھا جس سے کئی شکوک وشبہات نے جنم لیا۔(۳)

اپنے دورے کے دوران اس نے چپکے سے عالمی بینک کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کر لیا۔ یہ عوامی مطالبہ زور پکڑ رہا تھا کہ عدالت عالیہ یا عدالت عظمیٰ کے ججوں پر مشتمل ایک ٹریبونل قائم کیا جائے جو سامراجیوں اور صیہونیوں کے ایماء پر پاکستان کو توڑنے میں اس کے کردار کے بارے میں تحقیقات کرے۔ مجلس ختم نبوت کے رہنما مولانا لال حسین اختر نے الزام لگایا کہ ایم ایم احمد نے جب ایوبی دور میں وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالا ہوا تھا تو بحریہ کے لیئے درکار رقم دینے سے انکار کر کے ملک کے دفاع کو کمزور کرنے کی سازش کی تھی۔(۴)

پاکستان کے بیرونی مشن اور قادیانی

بھٹو حکومت کے ابتدائی دو سالوں میں قادیانیوں نے اس سے بھرپور تعاون کیا۔ الفضل ربوہ نے کئی اداریئے لکھے جن میں لوگوں کو پرزور نصیحت کی گئی کہ وہ احتجاجی سیاست ترک کر دیں۔ امن وامان قائم کرنے میں مدد دیں اور عوامی حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں۔(۵) مرزا ناصر احمد نے اپنے خطبوں میں ان لوگوں پر شدید تنقید کی جنہوں نے احتجاج' ہڑتالوں

۱۔ شاہد جاوید برکی' ص 99' ڈاکٹر مبشر حسن جو کہ ایک آرکیٹکٹ تھا کو پاکستان کا وزیر خزانہ بنا دیا گیا۔

۲۔ ہفت روزہ زندگی 29 دسمبر 1972ء۔

۳۔ جسارت کراچی۔ 2 مارچ 1972ء اور ترجمان اسلام لاہور 17 مارچ 1972ء۔

۴۔ ہفت روزہ چٹان لاہور' 20 نومبر 1972ء۔

۵۔ الفضل ربوہ' 14 اگست 1972ء۔

اور تالے بندیوں کی راہ اختیار کی تھی اور عوام کی فلاح اور مفاد میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنے کی پرزور التجائیں کیں۔ (۱) انہوں نے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ ملک کے استحکام کے لیئے دعائیں کریں اور پاکستان کے لوگوں کے درمیان حب الوطنی کے نظریات کا پرچار کریں۔ اپنے نجی خطابات کے دوران انہوں نے بھٹو کی بے انتہاء تعریفیں کیں اور اس کی حکومت کو احمدی جماعت کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ قرار دیا۔

قادیانی مشنوں نے پاکستان کے بیرونی سفارت خانوں کی معاونت سے کام کرنا شروع کردیا بیرون ملک رہنے والے پاکستانیوں کو یہ باور کرایا گیا کہ احمدیوں نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو اقتدار دلایا ہے۔ ہمارے بیرونی سفارتخانوں کے کئی افسران نے احمدیوں کی سماجی تقریبات میں شرکت کرنی اور ان کے مبلغین کے ساتھ دوستیاں بڑھانی شروع کر دیں۔ قادیانیوں نے ایسے مواقع کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیئے غلط طور پر استعمال کیا۔ جون ۱۹۷۲ء میں قادیانی جماعت برطانیہ کے ایک وفد نے گھانا کے ہائی کمشنر اور پانچ دیگر افریقی ممالک کے سفیروں سے ملاقات کی۔ وفد کے ارکان میں لندن میں پاکستانی سفارتخانے کا سیکنڈ سیکرٹری بھی تھا۔ مرزا ناصر ۱۹۷۰ء میں افریقی ممالک کے دورے کے دوران ان ممالک میں پہلے بھی ٹھہر چکے تھے۔

الفضل کہتا ہے۔

> ''مغربی افریقہ کے چھ ممالک کے سفیروں کو احمدی تبلیغی سرگرمیوں اور دیگر سر انجام دی گئی خدمات سے آگاہ کرنے کے لیئے لندن کی مسجد فضل کے امام بشیر احمد خاں رفیق نے ایک تین رکنی وفد کی سربراہی کرتے ہوئے ان سے ملاقات کی۔ وفد کے ارکان میں پاکستان کے لندن کے سفارتخانے کا سیکنڈ سیکرٹری ہدایت اللہ بنگوی' خواجہ نذیر احمد پریس سیکرٹری فضل مسجد کے امام شامل تھے''۔ (۲)

چھ جون کو لندن ''مسجد'' کے امام کی سربراہی میں ایک وفد نے گیمبیا کے ہائی کمشنر سے

۱۔ الفضل ربوہ، 18 اگست 1972ء۔

۲۔ الفضل ربوہ' 29 جون 1972ء۔

ملاقات کی۔ پاکستانی سفارتخانہ لندن کے سیکنڈ سیکرٹری ہدایت اللہ بنگوی بھی اس کا رکن تھا۔(۱) مئی ۱۹۷۲ء میں گھانا میں پاکستانی ہائی کمشنر ایس اے سعید نے احمدیہ ہسپتال کا افتتاح کیا اور افریقہ میں احمدیوں کی اسلام اور لوگوں کی بھلائی کی خاطر سرانجام دی گئی خدمات پر شاندار خراج تحسین پیش کیا۔(۲)

اوائل جون میں جب بھٹو افریقی ممالک کے دورے پر گیا تو احمدیہ جماعت نے اسے نائجیریا میں سرگرمی سے خوش آمدید کہا اور نائجیریا میں پاکستانی ہائی کمیشن کے ساتھ مل کر ایک مفصل پروگرام مرتب کیا۔

احمدی مرکز نائجیریا کے انچارج محمد اجمل شاہد نے ربوہ کو ایک مراسلے میں لکھا کہ جماعت نے نائجیریا سے سبکدوش ہونے والے پاکستانی سفیر کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔

> ''ڈاکٹر ایس ایم قریشی' پاکستانی سفیر برائے نائجیریا کو (جو حال ۱۹۷۲ء ہی میں بیروت تبدیل ہو گئے ہیں) احمدیوں کی طرف سے برسٹل ہوٹل میں الوداعی ضیافت دی گئی۔ اس میں بہت سے سفیروں کے علاوہ زعماء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس کی صدارت جسٹس کاظم نے کی۔ میں (اجمل شاہد) نے اپنا خطبہ پڑھا اور ہز ایکسی لینسی ایس ایم قریشی نے ایک تقریر کی''۔(۳)

احمدیہ جماعت لندن نے لندن میں پاکستانی سفیر لیفٹیننٹ جنرل محمد یوسف کے اعزاز میں لندن مسجد کے محمود ہال میں ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ شرکاء میں وینڈز ورتھ کے میئر۔ گھانا۔ گیمبیا اور نائجیریا کے ہائی کمشنروں۔ پروفیسر ڈاکٹر سلام اور برطانیہ میں پی آئی اے کے جنرل منیجر قاضی افضل حسین نے شرکت کی۔ لندن مرکز کے امام کے خطبے کے جواب میں سفیر مذکور نے جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کی تعریف کی خصوصاً ان کی عوامی فلاح کے لیئے سر انجام دی گئی سرگرمیوں کی تعریف کی اور وعدہ کیا کہ جب وہ سوئٹزرلینڈ پہنچیں گے تو زیورچ کی

۱۔ الفضل ربوہ' 28 جون 1972ء۔

۲۔ الفضل ربوہ' 6 مئی 1972ء۔

۳۔ الفضل ربوہ' 16 نومبر 1972ء۔

احمدیہ مسجد کا دورہ ضرور کریں گے۔ (۱)

ماریشیئس میں جماعت احمدیہ نے ایک ''سیرت کانفرنس'' کا اہتمام کیا۔ ماریشیئس میں پاکستانی سفیر انور خاں نے اس میں شرکت کی۔ (۲) اسی طرح سیرالیون میں پاکستانی سفیر ایس اے معید نے سیرالیون کی احمدیہ جماعت کی جانب سے دیئے گئے استقبالیے میں شرکت کی۔ اس سے قبل وہ سالٹ پونڈ (گھانا) کی تقریب میں شرکت کر کے اپنی جیب سے سو ڈالر بطور عطیہ دے چکا تھا۔ اس نے علاقہ بو کے احمدیہ سیکنڈری سکول کا بھی دورہ کیا۔ ایک دوسرے پاکستانی سفیر جمشید مارکر نے ٹرینی ڈاڈ میں احمدیوں کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی اور انجمن احمدیہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ (۳)

اٹھائیس نومبر ۱۹۷۳ء کو اگونو (گھانا) میں ایک احمدیہ ہسپتال کی سرکاری افتتاحی تقریب میں ہنر ایکسی لینسی ایس اے معید۔ گھانا میں پاکستانی سفیر نے احمدیہ جماعت کی تعریف کی۔ اس نے احمدی جماعت کو اپنی مخلصانہ اور بے غرض کوششوں سے دو ملکوں کے درمیان بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے پر خراج تحسین پیش کیا۔ چیئرمین نے اپنے خیالات میں یہ اظہار کیا کہ گھانا میں اسلام کے احیاء کی اصل اور بڑی وجہ احمدیہ تحریک کے مشن ہیں اور سویدرو کا گاؤں جواب تک عیسائی گاؤں کے طور پر مشہور تھا اب اس میں مسلمانوں کی قابل ذکر آبادی ہو چکی ہے۔ (۴)

عالمی عدالت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ظفر اللہ نے گھانا کا چار روزہ دورہ کیا۔ خطبہ استقبالیہ میں احمدی تحریک اشانتی کے چیئرمین جے سی الحسن نے کہا کہ گھانا میں سعودی سفیر حج کے لیئے مکہ جانے کے لیئے انہیں ویزے فراہم نہیں کرتا۔ اس نے ظفر اللہ سے درخواست کی کہ وہ حج کے اس مسئلے کے حل کے لیئے دخل اندازی کرے۔ (۵)

۱۔ الفضل ربوہ 18 جولائی 1972ء۔

۲۔ الفضل ربوہ 5 جولائی 1972ء۔

۳۔ تحریک جدید ربوہ جنوری 1973ء جریدہ جسارت کراچی 6 مئی 1973ء

۴۔ تحریک جدید ربوہ دسمبر 1973ء۔

۵۔ ایضاً۔

پچیس اگست ۱۹۷۳ء کو احمدی جماعت نے ان احمدیوں کو دعوت دی جو اس وقت یورپی ممالک کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد پریس کانفرنس ہوئی جس میں جرمنی میں پاکستان کے قونصل لیفٹیننٹ جنرل محمد یوسف اور دیگر کئی سفیروں اور صحافیوں نے شرکت کی۔(۱)

لاگوس میں پاکستانی سفیر نے یکم دسمبر ۱۹۷۳ء کو امیر جماعت احمدیہ نائیجیریا اور نواب منصور احمد خاں کے ہمراہ ایک احمدی ہسپتال کا دورہ کیا۔(۲)

گھانا میں پاکستانی سفیر نے جماعت احمدیہ گھانا کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔(۳)

ربوہ میں چینی سفیر:

سترہ اپریل ۱۹۷۲ء کو پاکستان میں عوامی جمہوریہ چین کے سفیر چانگ تنگ نے ربوہ کا دو روزہ دورہ کیا۔ سفارتخانہ کا تھرڈ سیکرٹری چنگ سنگ لو اس کے ہمراہ تھا۔ احمدی تنظیموں کے صدور اور دیگر قادیانی زعماء سے ان کا تعارف کرایا گیا۔ ربوہ کے مہمان خانے میں مرزا ناصر احمد نے ان سے ملاقات کی۔(۴)

قصر خلافت کے صحن میں انہیں استقبالیہ دیا گیا۔ اس موقعہ پر دیگر ارکان صوبائی اسمبلی کے علاوہ مشیر پنجاب برائے جیل خانہ جات صوفی نذر محمد بھی موجود تھے۔

رات کو مرزا ناصر احمد نے ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ ایک صوبائی وزیر غلام جیلانی اور ڈپٹی کمشنر جھنگ ممتاز پراچہ نے بھی اس میں شرکت کی۔ سفیر مذکور نے تمام عمارتوں کا دورہ کیا اور قادیانی محکمہ جات کے تمام سربراہوں سے ملا جنہوں نے احمدی جماعت کی ”تبلیغی سرگرمیوں“ کے بارے میں بتایا۔ آخر میں روانگی کے وقت وہ اٹھارہ اپریل ۱۹۷۲ء کو جاتی دفعہ مرزا ناصر سے ملے۔(۵)

۱۔ ایضاً۔

۲۔ الفضل ربوہ 29 جنوری 1974ء۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ الفضل ربوہ 21 اپریل 1972ء۔

۵۔ ایضاً۔

چینی سفیر کا ربوہ کا یہ دورہ پاکستان میں ترقی پسند عناصر کے لیئے حیرانی کا باعث بنا۔ کچھ نے تو اسے ایک معمولی کارروائی قرار دیا جس کا مقصد احمدیہ جماعت کے طریق کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا جو سقوط ڈھاکہ کے بعد حملے کا سب سے بڑا نشانہ تھی۔ جبکہ کچھ نے اسے چینی امریکی تعلقات کے تناظر میں دیکھا اور یحییٰ اور اسکے ہمراز ایم ایم احمد کے کردار کی روشنی میں ملاحظہ کیا جس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ سی آئی اے نے اسے پہلے ہی کسنجر کے دورے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ بعض نے اسکی تشریح یوں کی کہ یہ پاکستانی دفتر خارجہ کی ربوہ کی غلامی کا نشان تھا اور یہ کہ ربوہ نئے پاکستان کی مستقبل کی تقدیر بنانے کے لیئے غالب کردار ادا کرنے کا خواہشمند تھا۔

اکوڑہ خٹک سے رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالحقؒ نے قومی اسمبلی میں وزیر داخلہ خان عبدالقیوم سے چینی سفیر کے دورہ ربوہ۔ ربوہ کی ریاست کی نوعیت۔ قادیانیت اور اسرائیل کے درمیان تعلقات اور احمدی جماعت کے پاکستان مخالف کردار کے بارے سوالات کیئے۔ (۱) ان سوالات کی اجازت نہ دی گئی۔

چینی سفیر کے ربوہ کے دورہ کے چند روز قبل مرزا ناصر احمد نے مجلس مشاورت کے ترپین ویں اجلاس میں چینی امریکی صلح اور عالمی سطح پر اس کے اثرات پر بحث کی۔ انہوں نے سال ۱۹۷۱ء کو عالمی سیاست میں ایک نیا موڑ قرار دیا۔ اور کہا:

> ''چین دنیا میں تیسری طاقت کے طور پر ابھرا ہے۔ امریکہ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس سے طاقت کا توازن تبدیل ہوا ہے اور دنیا کے سیاسی و معاشی معاملات پر اس کا گہرا اثر پڑا ہے۔ ہم اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ آنے والے بیس سے پچیس سال پوری دنیا اور انسانیت کے لیئے کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ان چیزوں پر صرف ایک احمدی کا دل ہی دھڑک سکتا ہے۔ چنانچہ ہماری جماعت کو خدا سے دعا کرنی چاہیئے۔ صرف خدا ہی دنیا کو اس تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے' جس کی طرف یہ تیزی سے جا رہی ہے''۔ (۲)

۱۔ مولانا عبدالحق' قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ' اکوڑہ خٹک 1987ء ص 307۔

۲۔ الفضل' ربوہ' 2 اپریل 1972ء۔

چھوٹا ربوہ

جولائی ۱۹۷۲ء میں قادیانیوں نے جناح ٹاؤن شپ سکیم ایبٹ آباد میں ایک چھوٹا ربوہ قائم کر لیا۔ یہ جگہ ملٹری اکیڈمی کاکول کے بالکل نزدیک تھی جہاں پاک فوج کے نوجوان افسران کو تربیت دی جاتی تھی۔ صوبہ سرحد کے ارکان اسمبلی۔ ہزارہ بار ایسوسی ایشن کے سرکردہ ارکان اور سیاسی جماعتوں کے چند ارکان پر مشتمل وفد نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ سرحد مفتی محمود سے ملاقات کی۔ انہیں اپنے مطالبات پیش کیئے اور نئے قادیانی مرکز کے خلاف مناسب کارروائی کی ضرورت پر زور دیا۔

صوبہ سرحد کے لوگ ایبٹ آباد میں قادیانی کالونی کے وجود پر بہت زیادہ پریشان تھے۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ پورے صوبہ میں قادنیوں کے جو چند ایک گھر تھے وہ اپنے ''مسیحا کے گلے میں اور بھیڑوں کا اضافہ'' کر دیں گے۔(۱) وہ خصوصی طور پر اس وقت کے گڑ بڑ کے علاقوں صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے علاقوں میں نئے مراکز قائم کرنے کے خواہاں تھے۔

ایوبی دور حکومت کے دوران (۶۹-۱۹۶۸ء) دو قادیانی افسران (خانزادہ عبدالسلام ڈپٹی کمشنر ایبٹ آباد اور جلیل احمد چھاؤنی آفیسر) نے جبری حصول اراضی ایکٹ کے تحت اس وقت کی مروجہ قیمت سے نسبتاً زیادہ قیمت پر ایک سو پچیس ایکڑ اراضی حاصل کر لی۔ تیرہ ایکڑ سے زیادہ رقبہ فوراً قادیانیوں نے قابو کر لیا اور اس کے اردگرد چار دیواری کھڑی کر دی۔ یہ سب کچھ بڑی سرعت میں کیا گیا کیونکہ ۱۹۶۹ء میں جاری سیاسی صورتحال غیر یقینی تھی لہذا کسی قسم کی بھی تعمیر کا منصوبہ عارضی طور پر موخر کر دیا گیا۔(۲)

لوگوں میں اس منصوبے کے متعلق بہت سی کہانیاں گردش کر رہی تھیں۔ یہ عمومی خیال تھا کہ اس علاقہ میں حصول اراضی کا یہ سی آئی اے کا منصوبہ تھا تا کہ اسے مستقبل میں ایک نئے بڑا ہوائی اڈے میں تبدیل کیا جا سکے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ۱۹۵۸ء میں سکندر مرزا

۱۔ صوبہ سرحد کے احمدی خاندانوں کا مختصر حالات جاننے کے لیئے ملاحظہ ہو قاضی محمد یوسف ''تاریخ احمدیہ سرحد'' پشاور' 1959ء۔
۲۔ ہفت روزہ رفاقت سرگودھا۔ 17 اکتوبر 1972ء۔

سہروردی انتظامیہ نے امریکی انتظامیہ کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیئے تھے کہ امریکہ پشاور کے نزدیک بڈابیر کے علاقے میں ایک عسکری جاسوسی مرکز قائم کرے گا۔ یکم مئی ۱۹۶۰ء کو امریکی جاسوس گیری پاورز نے پشاور سے اپنا جہاز U2 اڑایا جسے روس میں مار گرایا گیا۔ یہ مرکز ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء میں ختم کر دیا گیا۔ مدت معاہدہ پوری ہونے کے بعد امریکیوں کی خواہش تھی کہ وہ اپنی مدت قیام بڑھالیں یا پاکستان کے ساتھ مزید ایسا ہی معاہدہ کر لیں۔ یہ الزام بھی لگایا گیا کہ قادیانی ایسا تجرباتی سٹیشن قائم کرنا چاہتے تھے جو مستقبل میں روس اور چین میں ریڈیائی آمدورفت کی لہروں اور ان کی راہ گیری کی دیکھ بھال کر سکیں۔ یہ افواہیں بعد میں یقین کا درجہ اختیار کر گئیں کیونکہ ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی اس وقت پاکستان جوہری توانائی کمیشن کا سربراہ اور صدر کا سائنس اور ٹیکنالوجی کا مشیر تھا اور ظفر چوہدری قادیانی اس وقت فضائیہ کا سربراہ تھا۔ علماء کی چھوٹے ربوہ کے خلاف چلائی گئی سخت تحریک اور دفاعی طور پر نہایت اہم پاکستانی صوبہ میں اس کے قیام کے بارے میں مختلف داستانوں کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

منصوبہ لندن اور مرزا ناصر کی وحی:

اگرچہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام کے ساتھ معاہدہ کیا اور انہوں نے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں حکومتیں بھی بنائیں مگر پھر بھی اس نے ان پر غیر ضروری دباؤ جاری رکھا۔ ستمبر ۱۹۷۲ء میں پاکستانی پریس میں ایک لندن منصوبے کی خبروں کو نمایاں جگہ ملی۔ نیشنل عوامی پارٹی پر پاکستان سے غداری کا الزام لگایا گیا۔ اس مجوزہ منصوبے کے مطابق بنگلہ دیش۔ ہندوستان۔ پاکستان اور افغانستان کی کنفیڈریشن کی تجویز زیرغور تھی۔ اس کے مطابق پاکستان میں چار خودمختار ریاستوں کا قیام عمل میں لانا تھا۔ جو دو خودمختار پختون ریاستیں سرحد اور بلوچستان بنی تھیں ان کی آپس میں مزید ایک چھوٹی کنفیڈریشن تکمیل پائی تھی۔ اس منصوبے کے پیچھے جن لوگوں کا نام لیا گیا ان میں ولی خان

(سرحد)۔ عطاء اللہ مینگل (بلوچستان)۔ اکبر بگٹی۔ احمد نواز بگٹی۔ ہارون برادرز۔ سردار شیر باز مزاری اور سندھ کے سید ظفر علی شاہ تھے۔ ہارون برادران اور اکبر بگٹی کے علاوہ تمام سیاستدان لندن میں تھے۔(1)

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے اس موضوع پر تحریک التوا پیش کی لیکن اس کو نازک معاملہ قرار دے کر ختم کر دیا گیا۔ اس منصوبے کے وجود کے متعلق سب سے پہلے وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات کوثر نیازی نے بتایا۔ انہوں نے اس مسئلے کو زندہ رکھنے کی ہدایت بھی کی۔ شاید قادیانی قیادت نے پیپلز پارٹی کے سرخیلوں کے کان میں یہ بات ڈالی تھی کہ بھٹو حکومت کے سیاسی مخالفوں کو ذلیل کیا جا سکے۔ مرزا ناصر نے بھی اسی قسم کے انکشافات کیئے۔

ربوہ میں پندرہ دسمبر ۱۹۷۲ء کو اپنے خطبے میں انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ ایک غیر ملکی طاقت نے پاکستان میں بدامنی پھیلانے اور ان کی جماعت کے خلاف ''تحریک'' شروع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

وہ کہتے ہیں

> ''اگرچہ ہمارے ذرائع محدود ہیں مگر پھر بھی ہمیں کچھ یقینی باتوں کا پتا چلا ہے پچھلے جولائی (۱۹۷۲ء) کے دوران مجھے اطلاع ملی کہ پاکستان سے باہر ایک بہت بڑی سازش تیار کی گئی ہے کہ سکولوں اور کالجوں میں بدامنی پھیلا کر انہیں بند کرایا جائے۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر میں نام نہیں لے سکتا مگر میری اطلاع بالکل درست ہے میری اطلاع کے مطابق ایک سیاسی جماعت کو دس کروڑ روپے دیئے گئے ہیں کہ طلباء کو مشتعل کر کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بند کرایا جا سکے۔ اگر تمہیں پاکستان سے محبت ہے اور اسے مضبوط دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں بیرونی ذرائع سے رقم لینے کی ضرورت نہیں۔ چھ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو بیرون ملک سے مجھے ایک اطلاع بھجوائی گئی ہے کہ چونکہ احمدیہ جماعت کی پیپلز پارٹی کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردیاں ہیں لہٰذا حملے کا نشانہ اسے ہی بنایا جائے گا۔ اس مقصد کے لیئے پاکستان سے باہر ایک بہت بڑا منصوبہ

۱۔ آؤٹ لک کراچی 16 ستمبر 1972ء۔

> تیار کیا گیا ہے۔ نومبر میں مجھے ایک اطلاع ملی کہ کچھ غیر ملکی عناصر ہماری جماعت میں شرارت پھیلانے کے لیئے غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں چنانچہ پہلے والی اطلاع کی تصدیق ہوگئی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہماری جماعت کمزور ہے جس کے حکومت کے مقابلے میں محدود ذرائع ہیں اور جو اس کے بارے میں زیادہ جانتی ہے۔ یہ اس معاملے پر زیادہ صحیح اور تفصیلی معلومات حاصل کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غلام مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب نے اپنی تقریروں میں ان لوگوں کو خبردار کیا ہے جو پاکستان کی تباہی کے در پے ہیں۔ ہمیں پہلے ہی سے علم ہے کہ ہمارے خلاف سازش ہو چکی ہے۔ میں پہلے سے ہی دعائیں کر رہا ہوں پاکستان کا دشمن ملک میں ہر جگہ خون ریزی کے منصوبے بنا چکا ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو ہدایت دے دی ہے کہ حکومت کی ان اپیلوں کی مطابقت میں کہ تمام پیپلز پارٹی کے حامی عناصر پاکستان کے لوگوں کی جانوں اور مال کے تحفظ کے لیئے سڑکوں پر نکل آئیں۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔ اگر ہمیں حکومت کے ساتھ تعاون کرنا ہے اور ہمیں لازمی طور پر تعاون کرنا چاہیئے تو ہمیں عہد کرنا ہے کہ ربوہ میں صحت مندانہ ماحول قائم رکھنا چاہیئے"۔ (۱)

جب اس مجوزہ منصوبہ کی تیاری کے لیئے بھٹو کے مخالفین لندن میں اکٹھے ہوئے تھے ممتاز دولتانہ لندن میں پاکستان کا سفیر تھا۔ اس نے قادیانیوں کے ساتھ قریبی تعلقات بڑھا لیئے اور ان کی مذہبی اور سماجی تقاریب میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ یوم پاکستان کی پچیس ویں سالگرہ کے سلسلے میں لندن مسجد میں ہونے والی ایک تقریب میں اس نے شرکت کی۔ دولتانہ نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ وہ لندن مسجد میں حلف وفاداری کی تجدید کے لیئے آیا ہے۔ تقریباً انتالیس سال قبل وہ لندن آیا تھا اور اپنے دن وہاں گزارے تھے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ۱۹۵۳ء میں وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ قادیانی مخالف تحریک میں ملوث ہونے کی بناء پر قادیانی اس کی وفاداری کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے مگر اس کے والد احمد یار دولتانہ کی وفاداری شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ الفرقان نے دعا دی

"خدا تمہیں وفاداری قائم رکھنے میں مدد دے"۔ (۲)

۱۔ الفضل ربوہ 7 اگست 1973ء۔

۲۔ الفرقان ربوہ مئی 1977ء۔

بین الاقوامی عدالت انصاف کا صدر ظفر اللہ تھا۔ اس نے ان پر شدید تنقید کی جو پاکستان میں ایک نمائندہ اور منتخب حکومت کو ختم کرنے کے لیئے احتجاجی سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔ اس نے اسے خدائی احکامات سے نافرمانی قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کر لے کیونکہ یہ کسی بھی طور پر دو قومی نظریے کو متاثر نہیں کرتا۔(1)

قادیانی تخریب کاری:

اپریل ۱۹۷۳ء میں قادیانیوں اور حکومت کے تعلقات میں اس وقت سرد مہری آئی جب حکومت نے تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تین قادیانی فوجی افسران کو گرفتار کر لیا۔

پیپلز پارٹی کی قیادت نے قادیانی فرقے کی وفاداری کو مشکوک قرار دیتے ہوئے یہ ضروری سمجھا کہ اپنی حمایت واپس لے لی جائے۔ حکومت نے چند لوگوں کو پاکستان آرمی ایکٹ اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کیا کیونکہ یہ لوگ مسلح افواج کے عملے کو حکومت کی اطاعت یا اپنے فرائض کی بجا آوری کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ اگرچہ سرکاری بیان سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ یہ لوگ حکومت گرانے کی سوچ میں تھے مگر سرکاری اخبار پاکستان ٹائمز میں غیر سرکاری طور پر یہ راز کھل گیا کہ سازشیوں کے عزائم کچھ اس طرح کے ہی تھے۔ سازشیوں میں چودہ میجر، تین لیفٹیننٹ کرنل، ایک بریگیڈیئر، ایک ونگ کمانڈر اور ایک سکواڈرن لیڈر شامل تھا۔ ان لوگوں کو لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) عبدالعلیم آفریدی (جس کو بریگیڈیئر ایف بی علی کے ساتھ ملازمت سے برخاست کر دیا گیا تھا۔ جن پر الزام تھا کہ انہوں نے یحییٰ سے بھٹو کو انتقال اقتدار روکنے کی کوشش کی تھی) نے اکسایا تھا۔ بریگیڈیئر علی کی شادی ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں کی بہن سے ہوئی تھی۔ سازشیوں نے بھٹو کو گیارہ اپریل کو تہران سے واپسی پر گرفتار کر کے قومی اسمبلی کے سامنے تحریک مواخذہ کے لیئے پیش کرنا تھا۔ مزید اس منصوبے کے مطابق جبری طور پر اعلیٰ حکومتی منتظمین اور تمام جرنیلوں کی گرفتاری تھی تا کہ ملک کو اس کے چوٹی کے منتظمین سے محروم کر دیا جاتا اور مسلح افواج کو ان

۱۔ جنگ۔ راولپنڈی 17 دسمبر 972ء۔

کے کمانڈر سے محروم کر دیا جاتا تا کہ اس بحران سے جوابی حملے اور پھیل جانے والی نفسانفسی کے ممکن ردعمل سے بچا جا سکے۔ (۱)

ان سازشیوں میں تین قادیانی تھے۔ جن کے نام میجر فاروق آدم خاں۔ سکواڈرن لیڈر محمد غوث اور میجر سعید اختر ملک (اختر حسین ملک کا بیٹا اور لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک کا بھتیجا) جو سنیارٹی میں آرمی چیف جنرل ٹکا خاں سے تیسرے نمبر پر تھا۔ ملوث تھے) جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جنرل اختر ملک ۱۹۶۵ء کی سی آئی اے کی شروع کرائی ہوئی پاک و ہند جنگ کی سازش میں ملوث تھا۔ بعد میں وہ سینٹو سیکرٹریٹ انقرہ میں پاکستان کے فوجی نمائندے کے طور پر بھی کام کرتا رہا۔ افسران کے ایک اجلاس میں میجر سعید نے بھٹو سے جنگی قیدیوں اور بلوچستان میں فوج کے استعمال کے متعلق سوال پوچھے تھے۔ (۲) سازش میں تین قادیانیوں کے ملوث ہونے نے ربوہ کی اعلیٰ قیادت کو بدظن کر دیا جن کی اقتدار میں آنے کی خواہش تھی اور جو بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ انہوں نے نوکر شاہی کے چند اہلکاروں اور دفتر خارجہ کے چند ملازمین جو کہ فری میسنری کے زیر اثر تھے سے ساز باز کر رکھی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے آنے والے مستقل آئین سے خائف تھے۔ (۳)

تقریباً دو ماہ بعد حکومت نے ایک اور سازش کی اطلاع دی جس میں پاک فضائی افواج کے چودہ افسران ملوث تھے۔ ان افسران کے خلاف بڈبیر۔ اٹک میں دو جولائی ۱۹۷۳ء کو مقدمہ شروع کیا گیا۔ ایک ملزم گروپ کیپٹن عبدالستار نے یہ انکشاف کیا کہ اسے اس مقدمہ میں غلط طور پر ملوث کیا گیا ہے۔ احمدی بھٹو حکومت کو ختم کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں اور اس میں ایئر مارشل ظفر چوہدری۔ ایئر وائس مارشل سعد اللہ خان۔ کور لیفٹیننٹ جنرل اے حمید خاں اور ایئر کموڈور اے ڈبلیو مفتی ملوث تھے۔ اس نے عدالت کو بتایا کہ اسکی انتہائی تذلیل کی گئی تھی اور اس پر ذہنی و جسمانی تشدد بھی ہوا۔ (۴) آنے والے مہینوں میں اقتدار کے

۱۔ پاکستان ٹائمز، 13 مئی 1973ء۔

۲۔ امپیکٹ لندن 13 تا 26 اپریل 1973ء۔

۳۔ ہفت روزہ لولاک، لائلپور، 14 اگست 1973ء۔

۴۔ المنبر، لائلپور، 21 ستمبر 1973ء مزید دیکھیے فرنٹیئر گارڈین پشاور، 11 اگست 1973ء۔

حصول اور پاکستان کی سالمیت و استحکام کو کھوکھلا کرنے کی مزید سازشیں منظر عام پر آئیں جو قادیانیوں نے ایئر مارشل ظفر چوہدری (قادیانی) کے ذریعے کی تھیں۔(1) اندرون اور بیرون پاکستان قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے نتیجے میں ایک بار پھر یہ خدشہ محسوس کیا جانے لگا کہ ایک نیا بحران اٹھ کھڑا ہونے والا ہے اور صیہونی لابی نے ایک بار پھر ملک کو نشانہ بنالیا ہے۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں بھٹو نے یہ راز افشاء کیا کہ اسرائیل نے پاکستان توڑنے کے لیئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیئے شورش کاشمیری نے بھٹو کو کھلا خط لکھا جس میں قادیانی۔ اسرائیلی اتحاد اجاگر کرنے کے لیئے مندرجہ ذیل نکات پر روشنی ڈالی گئی۔

(i) قادیانی پاکستان میں بالکل وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو صیہونی امریکہ اور برطانیہ میں کر رہے ہیں۔

(ii) قادیانی۔ اسرائیلی تعلقات کی نوعیت جاننے کے لیئے ان خطوط پر تحقیقات ہونی چاہئیں۔

کیسے اور کس طرح سے اسرائیل نے پاکستانی سیاست میں مداخلت کی۔ اسرائیل کے آلہ کار کون تھے اور ان کے مذموم منصوبوں کو تکمیل تک پہنچانے کے لیئے کونسی سیاسی جماعت استعمال ہوئی؟"

(iii) پاکستانی انٹیلی جنس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسرائیل کے لیئے کام کرنے والے قادیانی مشن کی کارروائیوں کی تفصیل مہیا کرے جو مذہبی مرکز کے لبادے میں ایک سیاسی شعبہ کے طور پر کام کر رہا ہے۔ یہ کس مقصد کے لیئے کام کر رہا ہے؟ قادیانی کن کو تبلیغ کرتے ہیں۔ اسرائیل عیسائی مبلغین کو اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت نہیں دیتا۔ اس نے قادیانیوں کو کھلے عام اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت کیوں دے رکھی ہے؟ کتنے یہودیوں نے احمدیت قبول کی ہے؟ کیا یہ واضح نہیں ہے کہ قادیانی سامراجی قوتوں کے آلہ کار ہیں اور عالم اسلام کے استحکام کے

۱۔ لولاک، لائکپور، 24 اگست 1973ء۔

خلاف کام کر رہے ہیں؟

(iv) پیپلز پارٹی کے لادین ذہن رکھنے والے ارکان اسمبلی قادیانی مسئلے سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ وہ نوکر شاہی میں کلیدی عہدے حاصل کرتے رہے ہیں اور پاکستان سے وفادار نہیں ہیں۔ وہ ایک سے یا دوسرے طریقے سے سیاسی قوت کے حصول کے لیئے سازشیں کر رہے ہیں۔(۱)

آئین ۱۹۷۳ء

فوجی انقلاب میں قادیانیوں کے ملوث ہونے کا یہ مطلب تھا کہ آئین کو تہہ و بالا کر دیا جائے اور اقتدار حاصل کیا جائے۔ یہ منصوبہ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ سطحی قیادت میں زیر بحث آیا مگر ابھی اس نے مبارزت کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ آئندہ آئین میں قادیانی اپنے سیاسی مذہبی اور معاشی مفادات کے تحفظ کے خواہشمند تھے اور انہوں نے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ارکان سے ملاقاتیں کیں اور اپنے آپ کو مغرب میں اسلام کے بہت بڑے علمبردار کے طور پر پیش کیا۔ جبکہ حزب اختلاف کے کچھ رہنماء یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ قادیانی جماعت کے خدشات کو دور کرنے کے لیئے آئین کا حتمی مسودہ ظفر اللہ کو دکھایا گیا۔ اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ آئین میں وزیر اعظم کو حاصل بے تحاشہ اختیارات پر اُس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔(۲)

حزب اختلاف اور مذہبی انتہاپسندوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے جیسا کہ یہ پیپلز پارٹی کے حلقوں میں جانے جاتے تھے آئین میں یہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ صدر اور وزیر اعظم اس بات کا حلف اٹھائے کہ وہ مسلمان ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت پر یقین رکھتا ہے' الفرقان ربوہ نے بیان کیا کہ جماعت احمدیہ کے مخالفین نے حکومت پر دباؤ ڈالا ہے کہ وہ صدر اور وزیر اعظم پاکستان کے حلف نامے میں ختم نبوت سے تعلق رکھنے والے

۱۔ ہفت روزہ چٹان لاہور' 19 اپریل 1973ء۔

۲ پندرہ روزہ آتش فشاں لاہور مئی 1981ء۔

الفاظ کا اضافہ کرے۔

> ”میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور اللہ تعالٰی کی توحید اور وحدانیت پر یقین رکھتا ہوں۔ اللہ کی کتابوں پر اور قرآن پاک پر کہ یہ آخری کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یوم قیامت پر اور قرآن پاک پر اور سنت کی تعلیمات اور احکامات پر“

ماہنامہ الفرقان کے مدیر اللہ دتہ جالندھری نے واضح طور پر بیان دیا کہ احمدی ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔(۱) یعنی وہ چال چلی جو وہ نوے سال سے چلتے آ رہے تھے۔

پنجاب اسمبلی کے رکن عبدالرحمٰن جامی نے یہ انکشاف کیا کہ قادیانی زعماء کا ایک وفد اسے ملا اور ختم نبوت پر اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ لفظ ”خاتم النبیین“ حذف کر دیا جائے مگر وہ اس مسئلے پر بحث کے لیئے انہیں افضل رندھاوہ ممبر قومی اسمبلی کے پاس لے گیا۔ سرگودھا سے رکن قومی اسمبلی چوہدری جہانگیر علی نے بیان کیا کہ اس حلف نے ختم نبوت کے منکرین کے لیئے صدر اور وزیر اعظم پاکستان کے عہدے کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔(۲)

قومی اسمبلی سے منظوری اور صدر پاکستان سے توثیق کے بعد آئین کے نفاذ پر الفضل ربوہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار خیال کیا۔

> ”قائداعظم کا آئین پاکستان کا تصور تھا مگر وہ اسے قوم کو نہ دے سکے۔ اس وقت ملک کو کئی مسائل کا سامنا تھا۔ مارشل لاء نافذ ہو گیا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کی ذمہ دار فوج ہے۔ یہ قدرے درست ہے۔ درحقیقت ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ فوج کو ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے کے لیئے دخل اندازی کرنا پڑی۔ خدا کا شکر ہے کہ قوم کو اب آئین مل گیا ہے“۔(۳)

بساط الٹ گئی:

آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت

۱۔ الفرقان ربوہ مئی 1973ء۔

۲۔ امروز لاہور 27 اپریل 1973ء۔

۳۔ الفضل ربوہ 12 جون 1973ء۔

آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت کو پسند نہیں کرتی تھی۔ سردار عبدالقیوم صدر آزاد کشمیر کو جماعت اسلامی کا آدمی قرار دیا جاتا تھا۔ جون ۱۹۷۲ء میں بھٹو نے، ہندوستان کے ساتھ شملہ معاہدہ پر دستخط کیئے۔ مسلم کانفرنس نے اسے کشمیر کی فروخت قرار دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر پر اس کے مضمرات پر روشنی ڈالی۔ مسلم کانفرنس کی قیادت ریاست جموں وکشمیر کی پاکستان کے ساتھ الحاق پر سختی سے یقین رکھتی تھی۔ مسلم کانفرنس کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کے لیئے نومبر ۱۹۷۲ء میں آزاد کشمیر پیپلز پارٹی قائم کی گئی۔ خورشید حسن میر جنرل سیکرٹری پیپلز پارٹی بن گیا یہ ایک وفاقی وزیر جیسا محکمہ تھا۔ اس نے آزاد کشمیر اسمبلی میں مسلم کانفرنس کے رکن پیر علی جان شاہ کو خرید لیا تاکہ آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کی شاخ قائم کی جا سکے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی زیر سرپرستی اسلام آباد میں آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے قیام کی خاطر ایک کنونشن بلایا گیا۔ آزاد مسلم کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے چار ارکان نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی اور قادیانیوں کی مکمل پشت پناہی سے خورشید حسن میر کے ٹولے کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا۔ اس شرارتی ٹولے نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلم کانفرنس کے ارکان کے درمیان اختلافات پیدا کیئے جائیں اور لوگوں کے درمیان بدامنی پھیلائی جائے تاکہ آزاد کشمیر حکومت کو گرایا جا سکے۔ وزارت داخلہ و امور کشمیر نے آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے ڈھانچے کی تعمیر کے لیئے سیاسی موقع پرستوں کی سے ساز باز کر کے سخت گیر بیورو کریٹ تعینات کر دیئے۔ خورشید حسن میر نے آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری شیخ منظور الٰہی اور آئی جی پولیس کو ہدایت کی کہ وہ پیپلز پارٹی کو کشمیر میں پنجے گاڑنے میں مدد دیں۔

پاکستان میں ۱۹۷۲ء کے آئین کی تیاری کے وقت وفاقی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم نے آزاد کشمیر کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے اور سینیٹ میں پیپلز پارٹی کے لیئے غالب اکثریت کے حصول کی خاطر نیا منصوبہ سوچا۔

پارٹی کو پنجاب اور سندھ میں اکثریت حاصل تھی۔ وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا اور اس تجویز پر سردار عبدالقیوم اور سردار ابراہیم سے تبادلہ خیال کیا۔ مسلم

کانفرنس کے ایک رکن ممتاز حسین راٹھور نے پاکستان اسمبلی میں آزاد کشمیر کی نمائندگی سے متعلق ایک قرارداد پیش کر دی۔ اس قرارداد کو مسلم کانفرنس کے دیگر ارکان کی جانب سے تائید نہ مل سکی۔ پیپلز پارٹی نے اسے ایک خفیہ قرارداد قرار دیکر اس پر بہت شور شرابہ کیا۔⁽¹⁾ پیپلز پارٹی کی قیادت کو یہ یقین تھا کہ جب تک مسلم کانفرنس آزاد کشمیر میں برسر اقتدار ہے شملہ معاہدہ کی اصل روح کو لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ سردار قیوم نے بھٹو کو چند خطوط لکھے جن میں اس نے پیپلز پارٹی پر ان کی حکومت ختم کرنے کے الزامات لگائے مگر بھٹو نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ پیپلز پارٹی تو پہلے ہی بلوچستان اور سرحد میں نیشنل عوامی پارٹی کی سربراہی میں قائم حکومتوں کے ساتھ یہی کھیل کھیل رہی تھی۔

پچیس اپریل کو آزاد کشمیر اسمبلی کا اجلاس میر پور میں شروع ہوا۔ تین سیاسی جماعتوں۔ پیپلز پارٹی۔ لیبریشن لیگ اور رائے شماری فرنٹ جن میں سے زیادہ تر کو امور کشمیر ڈویژن کی حمایت حاصل تھی انہوں نے اسمبلی کے سامنے مظاہرہ کیا اور اسمبلی کے علاقے کے اردگرد نافذ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی۔ اس مظاہرے میں حصہ لینے کے لیئے قادیانیوں کی ایک کثیر تعداد جہلم۔ گجرات اور دوسرے علاقوں سے آئی۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مسلم کانفرنس کا ایک رکن اسمبلی میں یہ قرارداد پیش کرنے والا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ حزب اختلاف کے ارکان کو پتا چل گیا کہ اگر قرارداد کی حمایت نہ کی گئی تو وہ عوامی غم و غصے کو دعوت دیں گے۔⁽²⁾

انہوں نے اسمبلی کے اجلاس کو ناکام کرنے کے لیئے فوری طور پر جوابی تدابیر اختیار کر لیں۔ جب وہ میر پور میں کچھ نہ کر سکے تو تازہ احکامات لینے کے لیئے اسلام آباد چلے گئے۔

انتیس اپریل ۱۹۷۳ء کو میجر ریٹائرڈ محمد ایوب نے آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی۔ پوری اسمبلی نے متفقہ طور پر اس کی حمایت کی اور اسے منظور کر لیا۔ آزاد پریس نے اس تاریخی قرارداد کو وسیع پیمانے پر تشہیر دی۔ صدر آزاد

۱ہفت روزہ لیل ونہار' لاہور' 3 جون 1973ء۔

۲ہفت روزہ لیل ونہار' 3 جون 1973ء۔

کشمیر سردار عبدالقیوم کے دفتر میں پوری دنیا سے مبارکباد کے لاکھوں برقی عریضے موصول ہوئے۔ اسے مجاہد ختم نبوت کا خطاب دیا گیا۔ پورے پاکستان سے لوگ میجر ایوب کو ملنے گئے اور ان کے اس جرأت مندانہ اقدام پر انہیں مبارکباد دی۔ بھٹو حکومت کی تمام تر کوششوں اور قادیانی محرکین کی پس پردہ تمام سازشوں کے باوجود تحریک منظور ہوگئی۔ اس سے ربوہ کی بڑی سبکی ہوئی۔ آزاد کشمیر میں حزب اختلاف کے رہنما اور قادیانیوں کے نمائندے چوہدری سلطان علی نے امور کشمیر ڈویژن کے بیورو کریٹوں کی ہدایات پر راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس کرڈالی۔ اس نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کو مطلب پرستی پر مبنی ایک سیاسی ہتھ کنڈا قرار دیا اور مزید کہا کہ وہ کسی ایسی تحریک کی حمایت نہیں کرے گا جس کا آزاد کشمیر کے لوگوں نے مطالبہ نہ کیا ہو اور کہا کہ یہ اصل مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیئے کیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف فرقہ واریت بڑھے گی بلکہ تحریک آزادی کشمیر کو بھی نقصان پہنچے گا۔(1) انتظامیہ کے آلہ کاروں کے ایسے فضول بیانات کو لوگوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔

قادیانی ردعمل:

قادیانیوں نے اس قرارداد پر فوری ردعمل کا اظہار کیا۔ مرزا ناصر احمد نے اپنے غصے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

> ”تمیں اپریل کو جب ہم نے صبح کے اخبار دیکھے تو ان میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا ذکر تھا۔ انہوں نے قرارداد روزنامہ امروز لاہور میں پڑھی اور کہا کہ دوسرے اخبارات نے بھی کم و بیش انہی الفاظ میں یہ خبر بیان کی تھی۔ وہ اخبارات جو وزارت اطلاعات ونشریات سے قریبی تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اس قرارداد کو بڑے نمایاں انداز میں شائع کیا۔ ایسا کرنے کی ذمہ داری یا تو کسی ایسے افسر کے کاندھوں پر پڑتی ہے جو اس وزارت میں کام کرتا ہے یا ان اخبارات پر جو یہ سمجھتے ہیں وہ جو جھوٹ بھی بیان کردیں گے ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں اور نہ ہی

۱۔ پاکستان ٹائمز 4 مئی 1973ء۔

ان کی جواب طلبی ہو گی۔"

مرزا ناصر احمد نے مزید کہا کہ آزاد کشمیر کی اسمبلی نے میر پور میں ہونے والے اپنے اجلاس میں قرارداد منظور کی ہے بل نہیں۔ جس میں حکومت آزاد کشمیر کو یہ سفارش کی گئی ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ احمدیت کی تبلیغ پر پابندی لگائی جائے اور احمدیوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے آپ کو ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر اندراج کروائیں۔

> "چنانچہ میں نے آزاد کشمیر سے جماعت کے چند ذمہ دار ارکان کو بلوایا (اس وقت تک صورتحال واضح نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ یہاں پہنچے (اگلے دن) میں نے انہیں بتایا کہ انہیں بنیادی ہدایت یہ ہے کہ باوجودیکہ حکومت یہ سفارشات منظور کر لے اور یہ قانون بن جائے۔ ہمیں لازمی طور پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قانون یہ کہتا ہے کہ ہر احمدی جو اپنے آپ کو غیر مسلم سمجھتا ہو اپنا اندراج کروا لے۔ ہمیں اس کے خلاف کچھ نہیں کہنا کیونکہ ہر احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ اور وہ خدائے علیم و خبیر کی نظر میں بھی مسلمان ہے یہ قانون اس پر لاگو نہیں ہوتا۔ آپ تمام احمدیوں کو بتا دیں کہ انہیں اپنا اندراج کروانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو جانتا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہے وہ ایک غیر مسلم کے طور پر اپنا اندراج کیوں کروائے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ یقیناً ایک جھوٹ بولے گا اور آپ کو پتا ہے کہ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ جھوٹ بولا جائے"۔ (۱)

آزاد کشمیر کے قادیانیوں کی طرف سے مہیا کردہ اطلاعات کی بنیاد پر مرزا ناصر نے کہا کہ پچیس ارکان اسمبلی میں سے گیارہ مخالفت میں تھے' اور میر پور کے اجلاس میں نہیں تھے۔ پانچ غیر حاضر تھے اور نو ارکان نے قرارداد منظور کر لی۔ انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا

> "پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ اس قرارداد کی منظوری نہیں دی جائے گی کیونکہ ہمارے ملک میں کم از کم کچھ جگہوں پر اور آزاد کشمیر کی بھی کچھ جگہوں پر ایسے لوگ موجود ہیں جو بصیرت رکھتے ہیں۔ اگرچہ کچھ جگہوں پر اس کی کمی بھی ہوتی ہے مگر ہر جگہ پر نہیں۔ وہاں پر

۱۔ مرزا ناصر احمد' آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد پر تبصرہ' انجمن احمدیہ ربوہ' 1973ء بحوالہ الفضل ربوہ 13 مئی 1973ء۔

> بھی کچھ ذہین لوگ پائے جاتے ہیں۔ ہمارا صدر ایک بہت ذہین آدمی ہے اور بہت گہری بصیرت رکھتا ہے۔ کافی تعداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سنجیدہ۔ شریف النفس اور منصف مزاج ہیں"۔

اس قرارداد کے اطلاق کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے دلیل دی۔

> "ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ہمیں اس چیز کی فکر کھائے جا رہی ہے کہ اگر یہ شرارت اپنے عروج کو پہنچ گئی تو پاکستان زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ اپنے خدا سے دعا کرتے ہیں اور وہ جذبہ حب الوطنی جو ہم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ہمیں اس چیز پر اکساتا ہے کہ کوئی فتنہ سر نہ اٹھانے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ بہرحال فتنے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ کچھ سر کٹ جائیں گے۔ کچھ لوگ زخمی ہوں گے۔ وہ لوگ کون ہوں گے اور ان کے ساتھ کیا ہوگا صرف خدا جانتا ہے۔ مگر جب اس قسم کا فتنہ سر اٹھائے گا تو بطور پاکستانی ہمارے سر شرم سے جھک جائیں گے۔ پاکستان ہر جگہ پر بدنام ہوگا" اسکے بعد مرزا ناصر نے پرزور انداز میں بات ختم کی کہ
>
> "مجھے ہر شخص کو یہ بات بتا دینی چاہئے کہ احمدی سیاسی قوت کے حصول کے لیئے بے قرار نہیں ہیں۔ ان کی قوت بالکل مختلف ہے۔ انہیں کسی سیاسی شخص سے ایسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہیں یا نہیں۔ حتی کہ انہیں ایسی تصدیق کی کسی مفتی یا بادشاہ سے بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمام بے معنی چیزیں ہیں"۔ (۱)

مجلس مشاورت کا اجلاس

ستائیس مئی ۱۹۷۳ء کو پاکستان کے احمدیوں کی مجلس مشاورت کا ایک غیر معمولی اجلاس ربوہ میں منعقد ہوا۔ پورے پاکستان سے چار سو نوے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ اس

۱۔ الفضل ربوہ 13 مئی 1973ء۔

اجلاس کی صدارت مرزا ناصر احمد نے کی۔ انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ جماعت احمدیہ اور پاکستان کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ۱۹۷۰ء سے رونما ہونے والے سیاسی واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مختلف سیاسی جماعتوں کے کردار کا تجزیہ کیا اور۔ احمدیہ جماعت اور اس کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ (۱)

انہوں نے انتخابات کے بعد کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جماعت کے ساتھ کچھ لوگوں اور کچھ جماعتوں کا کیا رویہ رہا ہے۔ انہوں نے مندوبین کو بتایا کہ

> جماعت (احمدیہ) کے لیئے خدا کی طرف سے خوشخبری ہے جس کا ہمیں واضح انداز میں بتایا گیا ہے۔"

مرزا ناصر نے اپنے بیرون ممالک قائم مشنوں سے کہا کہ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کی مذمت میں حکومت پاکستان کو احتجاجی خطوط اور برقی عریضے بھجوا دیں۔ مقبوضہ کشمیر کے قادیانیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کی مذمت کریں اور اس مسئلے پر پاکستانی موقف کو غلط قرار دیں۔ اس غلیظ مہم کا مرکز لندن تھا۔

یونیورسٹی آف برمنگھم برطانیہ کی پاکستان سوسائٹی نے جس میں قادیانی عناصر غالب تھے اپنی انتظامی کمیٹی کے اجلاس میں آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کی قرارداد کی مذمت کی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا اور علاقہ میں احمدیت کے پرچار پر پابندی لگائی گئی تھی۔ اس نے اس بات کی بھی مذمت کی کہ احمدیوں کا اندراج کیا جائے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ان کی نمائندگی بطور غیر مسلم اقلیت کے ہو۔ آزاد کشمیر حکومت کو پولیس ریاست کا نام دیا گیا۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل مطالبہ کیا گیا۔

> "ہم ملکی مفاد عامہ میں آزاد کشمیر کے صدر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد پر نظر ثانی کرے۔ جو لوگوں کے درمیان اتحاد کو بڑی طرح متاثر کر سکتی ہے اور ملک کو تقسیم کی طرف لے جا سکتی ہے جو اس وقت انتہائی ضروری ہے"۔ (۲)

۱۔ الفضل ربوہ 30 مئی 1973ء۔

۲۔ الفرقان ربوہ مئی 1973ء۔

امیر جماعت احمدیہ آزاد کشمیر منظور احمد ایڈووکیٹ نے اس قرارداد کو ملک وقوم کے ساتھ ایک ناانصافی اور خطرناک غداری قرار دیا۔ اسے تحریک کشمیر کو تہہ وبالا کرنے کی ایک چال اور پاکستان کے امن واستحکام کو تباہ کرنے کی سازش قرار دیا۔

> ''یہ کشمیریوں کو دنیا کی نظروں میں ذلیل ورسوا کردے گی۔ قرارداد کشمیری مسلمانوں کے خیال کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی بجائے یہ ریاست مخالف قوتوں اور عناصر کے آلہ کاروں کی طرف سے ایک سازش اور دغابازی ہے''۔(۱)

امیر جماعت لاہور صدر الدین نے ایک بیان میں قرارداد پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن صرف اتنا کہا کہ مرزا غلام احمد نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔(۲) مجلس تحفظ ختم نبوت کے رکن مولانا تاج محمود نے قادیان کو ایک سخت بیان میں احراریوں کے روایتی طریقے سے لتاڑا۔(۳)

بھٹو کی ہدایت پر وزیر امور کشمیر خان عبدالقیوم نے کشمیر ڈویژن کے ایک جوائنٹ سیکرٹری کے ہمراہ منگلا میں سردار قیوم سے ملاقات کی اور انہیں یہ بیان دینے کے لیئے دباؤ ڈالا کہ یہ قرارداد محض سفارش ہے تاکہ پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت کو غیر ضروری پریشانی سے بچایا جائے۔ سردار قیوم نے کشمیر ڈویژن خصوصاً ربوہ کے آلہ کاروں کی ہدایت پر یہ اعلان کرکے ایک فاش سیاسی غلطی کی۔ بعد میں اس نے اس کی اپنی ہردلعزیزی کی قیمت پر تصحیح کی۔ خان قیوم۔ خورشید میر اور صدر بھٹو کے خصوصی مشیر یوسف بچ کی طرف سے اسے متواتر خطرناک نتائج کی دھمکیاں ملتی رہیں۔ سردار قیوم کو برطرف کرنے کے لیے چلائی ہوئی مہم شدید ہوگئی۔ امیر جماعت احمدیہ آزاد کشمیر منظور احمد ایڈووکیٹ کی امداد اور سرمائے سے چند قادیانی مظاہرین نے کوٹلی میں جہاں چند قادیانی خاندان رہتے تھے مظاہرہ کیا اور اس عوامی جلسے میں گڑبڑ کی جس سے سردار قیوم خطاب کرنے والے تھے۔(۴) بھٹو نے سردار قیوم کو سولہ

۱۔ احمدیوں کے بارے میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد اس کا پس منظر اور نتائج' سن رائز پبلیشرز لاہور' 1973ء ص 3۔

۲۔ مولوی صدر الدین کا وضاحتی بیان' انجمن احمدیہ لاہور' ص 1۔

۳۔ مولانا تاج محمود' آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد' ملتان 1973ء۔

۴۔ لیل ونہار' لاہور' 3 جون 1973ء۔

مئی کو لاہور بلایا تا کہ اس قرارداد کے مندرجات پر بحث کی جائے۔ سردار قیوم سپیکر اسمبلی منظر مسعود کے ساتھ راولپنڈی پہنچا مگر میر قیوم مثلث نے لاہور میں ملاقات کی اجازت نہ دی۔ ان کو یہ ڈر تھا کہ سردار قیوم کی لاہور میں موجودگی سے پنجاب میں بدامنی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت تک سردار قیوم اپنے رویئے میں کافی سخت اور غیر لچک دار بن چکا تھا اور اس نے حکومتی دباؤ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ امور کشمیر ڈویژن میں مرزا محمود کی (۱۹۳۱ء) کی کل ہند کشمیر کمیٹی کی طرز پر ایک کشمیر کمیٹی قائم کی گئی تا کہ اس مسئلے سے نمٹا جا سکے۔ اس کمیٹی کا سترہ سے انیس مئی تک اجلاس ہوا جس میں قرارداد سے پیدا ہونے والی صورتحال پر لائحہ عمل تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کو بھی حکومت کی امداد کے لیئے بلایا گیا۔ انہوں نے میر، خان قیوم، یوسف بچ مثلث کو یہ تجویز پیش کی کہ سردار قیوم اور چند مسلم کانفرنس ارکان کو گرفتار کر لیا جائے۔ آئی جی پولیس محمد صادق ناگرہ نے اس منصوبہ پر عملدرآمد سے انکار کر دیا۔ پاکستانی سی آئی ڈی نے سپیکر کو مجبور کر دیا کہ وہ یہ بیان دے کہ سردار قیوم نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس جھوٹے اعلان کے لیئے قادیانیوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آزاد کشمیر اسمبلی کا اجلاس پنڈی میں بلایا جائے۔

سترہ مئی کو آزاد کشمیر اسمبلی کے چار ارکان نے اسمبلی میں سردار قیوم پر یہ الزام لگایا کہ اس نے سپیکر اسمبلی، شیخ منظر مسعود کو غیر قانونی حراست میں رکھا ہوا ہے تا کہ اپنے آپ کو ۱۹۷۰ء کے تحریک عدم اعتماد ایکٹ کے طریق کار سے بچا جائے۔ یہ الزام قائد حزب اختلاف چوہدری سلطان علی۔ پیر علی جان صدر آزاد کشمیر پیپلز پارٹی اور جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے دو ارکان غلام حسن کرمانی اور احمد شفیع صراف کی طرف سے لگایا گیا۔(۱) میر پور بار ایسوسی ایشن کے پیپلز پارٹی اور لیبریشن لیگ سے تعلق رکھنے والے چند قادیانیت نواز وکلاء نے ایک قرارداد میں یہ مطالبہ کیا کہ صدارتی نظام ختم کر دیا جائے اور آزاد کشمیر کے نئے پارلیمانی ڈھانچے میں بلتستان اور گلگت کو بھی شامل کیا جائے۔ اس اجلاس نے آزاد کشمیر حکومت پر بدعنوانیوں اور بنیادی حقوق کی خلاف ورزی وغیرہ کے الزامات لگائے۔

۱۔ پاکستان ٹائمز لاہور، 30 مئی 1973ء۔

چونکہ قادیانی شر پسندوں کے ایک چھوٹے سے گروپ کے مقابلے میں پاکستانی عوام نے اس قرارداد کی پر زور حمایت کی تھی لہذا کشمیر میں قادیانی سازشوں کے مذمت میں سینکڑوں قراردادیں منظور کی گئیں اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان میں بھی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سردار قیوم کو ہر قسم کی مدد کا یقین ولایا گیا۔ چنانچہ اس نے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا اور بڑی بہادری سے قادیانی گماشتوں اور پیپلز پارٹی کے شاطروں کے قابل نفرت کردار کی پرزور مذمت کی۔

امور کشمیر ڈویژن نے اس بات پر اصرار جاری رکھا کہ سردار قیوم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی جائے۔ ڈویژن نے ایک قرارداد تیار کی اور دستخطوں کے لیئے آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے چند رہنماؤں کے حوالے کر دی آزاد کشمیر کانفرنس کے صدر چوہدری نور حسین نے ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا کہ ان جماعتوں کے رہنماؤں سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے ارکان اسمبلی کی بجائے خود ہی عدم اعتماد تحریک پر دستخط کر دیں۔ لیبریشن لیگ کے چوہدری سلطان علی اور بشیر حسین خان نے اس پر دستخط کر دیئے۔ چوہدری صحبت علی اور غلام حسن پنجابی موجود نہیں تھے۔ لہٰذا ان کے جعلی دستخط کر دیئے گئے۔(۱)

پچیس مئی کو مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کی قیادت میں ایک بہت بڑے جلوس نے ایوان صدر کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ تین مسخروں یعنی ''میر۔ خان۔ پچ'' کی مثلث اور کشمیر ڈویژن کے اہل کاروں کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ سردار قیوم کی کابینہ نے متفقہ طور پر قرارداد کی حمایت کی اور اسے منظور کر لیا۔ آزاد کشمیر میں سردار قیوم کی حمایت میں پر زور تحریک شروع ہوئی مگر اسی روز ریڈیو پاکستان نے یہ اعلان کیا کہ آزاد کشمیر اسمبلی کے گیارہ ارکان نے قیوم حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی ہے۔ یہ وہی قرارداد تھی جو امور کشمیر ڈویژن نے تیار کی تھی اور صرف وو ارکان نے اس پر دستخط کیئے تھے۔ سردار قیوم کے بارے میں کہا گیا کہ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے اور گلگت کی ایک جیل میں ڈال دیا گیا ہے آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کو واپس بلا لیا گیا۔ سردار قیوم کے چھوٹے بھائی عبدالغفار خان کو

۱۔ تفصیلات کے لیئے دیکھئے ظفر اعوان' آزاد کشمیر کا بحران' راولپنڈی جون 1973ء۔

پونچھ ہاؤس راولپنڈی سے ڈی پی آر کے تحت تضحیک آمیز الزامات کے تحت گرفتار کرلیا گیا کہ وہ بنگالیوں کو پاکستان سے باہر سمگل کررہے تھے۔(۱)

حزب اختلاف کی جماعت(۲) نے پاکستان قومی اسمبلی میں آزاد کشمیر کی صورتحال پر ایک تحریک التواء پیش کردی مگر اس کے پیش کرنے کے طریق کار پر ممبران کو الجھا کر رکھ دیا گیا تھا۔ امور کشمیر کے وفاقی وزیر خان عبدالقیوم خان پر حزب اختلاف کی جماعتوں نے یہ الزام لگایا کہ وہ آزاد کشمیر میں ناجائز مداخلت کررہا ہے۔ امور کشمیر کی وزارت پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ آزاد کرائے گئے علاقے میں غیر یقینی صورتحال پیدا کررہا ہے۔ اس میں مزید کہا گیا کہ آزاد کشمیر کے منتخب صدر کو ہٹانے کی کوششیں کی گئیں اور آزاد کشمیر اسمبلی کے سپیکر کو اغوا کرکے اسلام آباد میں لاکر قومی اسمبلی کے احاطے میں چار گھنٹے تک محبوس رکھا گیا اور آزاد کشمیر اسمبلی کے دیگر ارکان کو بھی اغوا کیا گیا۔ وزیر بے محکمہ خورشید حسن میر کی ان معاملات پر اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانی کے ساتھ انتہائی ناخوشگوار بات چیت ہوئی۔ سپیکر نے ریکارڈ سے یہ قابل اعتراض کاروائی حذف کردی(۳) وزیر مملکت برائے دفاع وخارجہ امور نے کہا کہ آزاد کشمیر کے معاملات پر حکومت پاکستان کا کوئی استحقاق نہیں بنتا۔ بھٹو نے صورتحال کی سنگینی کا احساس کرلیا وہ بحران حل کرانے کے لیئے سردار قیوم سے ملا۔(۴) معاملہ ایک خطرناک موڑ اختیار کرچکا تھا اور پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے لیئے شدید خطرات پیدا ہوچکے تھے۔ قادیانیوں نے حکومت کے اس طرز عمل کا بہت برا منایا۔ قادیانی پیپلز پارٹی اختلافات کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

مرزائیل

جون ۱۹۷۳ء میں شورش کاشمیری نے ایک کتابچہ ”عجمی اسرائیل“ تالیف کیا جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ

۱۔ لیل و نہار لاہور' 3 جون 1973ء۔

۲۔ دیکھیے شیخ الحدیث' مولانا عبدالحق' قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ، موتمر المصنفین اکوڑہ خٹک 1978 ص 89۔

۳۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی یکم مئی 1973ء۔

۴۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی یکم جون 1973ء۔

> ''قادیانیت ایک مذہبی نہیں بلکہ ایک سیاسی تحریک ہے۔ قادیانی ملک کے استحکام کو کھوکھلا کرنے کی سازشیں کر رہے تھے اور پنجاب کو توڑنے کی قادیانی' سکھ کالی سازش روبہ عمل ہے''۔

مولانا مودودی نے ایک خط میں شورش کو عرب ریاستوں میں اس کتابچے کی وسیع پیمانے پر تشہیر پر زور دیا تاکہ وہ قادیانی خطرے کی نوعیت کو سمجھ سکیں اور ان ریاستوں میں ان کے داخلے کو روک سکیں۔ چنانچہ شورش نے عرب ریاستوں کے سربراہوں کو مندرجہ ذیل خط لکھا جو قادیانی مسئلے کی ابتداء اور عالم اسلام پر اس کے اثرات پر روشنی ڈالتا ہے۔

> ''میں آپ کی توجہ ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف مبذول کراتا ہوں جو شاید پہلے آپ کی توجہ حاصل نہیں کر سکا اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ سے استدعا کروں گا کہ مسئلے کے اصل لب لباب اور اس کی حقیقی اہمیت کو سمجھنے کے لیئے ان خطوط پر اپنی ذاتی توجہ مرکوز کریں۔
>
> (1) قادیانی فرقہ ہندوستان میں برطانوی راج کے قیام کے قریباً چالیس سال بعد پیدا ہوا جو اس برصغیر میں سامراجیت کی ایک بنیادی ضرورت تھی۔ برطانوی حکومت اپنی متواتر کوششوں کے باوجود مسلمان آبادی کے دل سے جہاد کی قرآنی تعلیمات اور ان کی ملی یکجہتی کے عقیدے کی حساسیت کو کم نہیں کر سکی۔ یہ مرزا غلام احمد تھا جس نے یہ مشن مذہبی بنیادوں پر جاری کیا کہ جو اس کی نبوت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسے کافر قرار دے ڈالا۔ اس وقت وہ نظریہ جہاد کی مکمل تنسیخ کے ساتھ سامنے آیا اور یہ دلیل اختیار کی کہ برطانوی راج کی برکات کی موجودگی میں جہاد اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔
>
> (2) صوبہ سرحد ان دنوں جہادی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور پنجاب اس کا پڑوسی تھا جو بعد میں برطانوی سلطنت کے لیئے انتہائی وفادار اور بہادر سپاہیوں اور وفادار اور قابل اعتماد آلہ کاروں کی فراہمی کا مرکز ثابت ہوا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ پنجاب ایسی سرزمین مرزا غلام احمد جیسے نبی کی تخلیق کے لیئے انتہائی موزوں تھی جو اپنے محسنوں کا بہت وفادار پٹھو تھا جس نے اپنی پوری زندگی کے دوران مسلمانوں کی وحدت ملی کو توڑنے کی سازش کی اور اپنے نصب العین سے کبھی غداری نہ کی۔

(3) پاکستان کی تخلیق تک یہ چھوٹا قادیانی فرقہ برطانوی حکمرانوں کے فیاضانہ اور نگہبان رویے کے نتیجے میں انتہائی طاقتور سیاسی عنصر کے طور پر ابھرا اور جس کا واضح مقصد ان کے اپنے مذموم مقاصد کا حصول تھا۔

4- تخلیق پاکستان کے بعد قادیانی ملت اسلامیہ کے درمیان ایک طاقتور سیاسی دھڑے کے طور پر ابھرے۔ انہوں نے پاکستان میں سیاسی قوت چھیننے کے منظم منصوبے کے تحت اپنا سفر جاری رکھا اور یہ حقیقت میں پاکستان کی غالب مسلمان اکثریت کے لیئے ایک سنگین مسئلہ ہے۔

5- قادیانیوں نے اپنا ایک سیاسی مرکز (جسے وہ اپنا دینی مرکز کہتے ہیں) تل ابیب میں قائم کرلیا ہے اور پاکستان اور اب دنیا میں سامراجی بلاک کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اپنے آقاؤں کی مذموم سیاسی حکمت عملیوں کے فروغ اور غدارانہ سرگرمیوں کی وجہ سے انہیں اس قدر قبولیت حاصل ہوگئی ہے کہ دنیا کے اس خطے میں انہوں نے اپنے لیئے ایک نئے اسرائیل کی تخلیق کے خطوط پر سوچنا شروع کر دیا ہے۔ اس مقصد کے لیئے وہ ان قوتوں کی حمایت کر رہے ہیں جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ دار ہیں اور مزید یہ کہ اپنے منفی سیاسی رویے سے وہ بلوچستان اور سرحد میں نام نہاد علیحدگی پسند تحریکوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

اس کا شاید اصل مقصد یہ ہے کہ وہ پنجاب کو پاکستان کے دوسرے صوبوں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں مشرقی پنجاب کے سکھ جب یہ دیکھیں گے کہ پنجاب کو اکیلا اور تنہا چھوڑ دیا گیا ہے تو وہ اپنے مقدس مقامات کی سرزمین کے الحاق کا مطالبہ لے کر سامنے آئیں گے۔ اس کے جواب میں قادیانی فوراً اس مطالبے کو مان لیں گے اور اپنے مدینۃ النبی (جہاں ان کا نبی غلام احمد دفن ہے) یعنی قادیان کے حصول کا مطالبہ کر دیں گے۔ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تبھی ممکن ہے کہ سابقہ پنجاب کے دونوں حصے دوبارہ متحد ہو جائیں اور وہ بھی سکھوں اور قادیانیوں کے مشترکہ سیاسی اختیار میں۔ مہربانی کر کے ملاحظہ کیجئے کہ وکٹوریہ برانڈ نبوت کی یہ امت کس طرح اس عظیم مسلمان سلطنت کے بنیادی نظریہ کو تہہ و

بالا کرنا چاہتی ہے۔ پاکستان کے باخبر اور پڑھے لکھے حلقے اس ناپسندیدہ صورت حال پر انتہائی پریشان ہیں۔ ایک طرف قادیانی حکومت پاکستان کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف وہ عالمی ضمیر کو بھی مکمل طور پر اپنے تکنیکی پروپیگنڈا نظام سے اندھیرے میں رکھ رہے ہیں۔ قادیانیت ایک مذہبی جماعت نہیں بلکہ بڑے رجعت پسندانہ منصوبوں والی سیاسی تنظیم ہے۔ وہ کمال ہوشیاری سے امت مسلمہ کا حصہ بنے رہنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور اس طرح سیاسی سہولیات و مشاہرات وصول کر رہے ہیں مگر مذہبی اور سماجی طور پر انہوں نے مکمل طور پر ایک مختلف مسلک قائم کیا ہے۔ وہ پاکستان کی نوے فیصد اکثریتی مسلمان آبادی پر سیاسی خودمختاری کے حصول کی خاطر بعینہٖ معتزلہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اکیس جون ۱۹۳۶ء کو اپنے خط میں پنڈت جواہر لال نہرو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔ انہوں نے ہندوستانی آبادی کے ان حلقوں کی پرزور مخالفت اور شدید مذمت کی جو قادیانیوں کے مسئلے میں میزبانی اور برداشت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی کے مذہب کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اور اسکی قوم کا استحکام' میزبانی اور اخلاقیات کے اصولوں کے خلاف نہیں ہے۔ اوپر دی گئی تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ:

(i) قادیانی مسئلہ اپنی نوعیت میں فرقہ وارانہ نہیں بلکہ اپنی حیثیت میں سیاسی ہے۔

(ii) قادیانی اپنے سامراجی حمائتیوں کی شہہ پر پاکستان میں اپنی طرز کی حکومت بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ لیکن اس ملک کے مسلمانوں کی ہر اس کوشش کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو انہیں مذہبی یا فرقہ وارانہ تفاوت کے نام پر قابل تعزیر ٹھہراتی ہے۔

قادیانی پاکستان میں دفاع۔ خزانہ اور نشریات کے حکومتی شعبوں میں اہم عہدوں تک پہنچ گئے ہیں اور اب سیاسی بالادستی دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور عین اس وقت بین الاقوامی سامراجی قوتیں جنہوں نے سیاسی اقتدار کا جو کھیل بڑی دیر سے کھیل رہے ہیں' ان کی خدمت میں قادیانی پیش پیش ہیں۔ یہ حمایت انجینئروں۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کے بھیس میں جاسوسی کا

فریضہ ادا کر رہی ہے۔ ان کی تربیت ہی اس مقصد کے لیئے ایک خاص انداز میں کی گئی ہے"۔(۱)

عرب ممالک کے مذہبی علماء نے آزاد کشمیر کی قرارداد کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس کی تائید بھی کی۔ ایک شامی عالم محمد منیر القادری نے اپنی کتاب "القادیانیۃ" میں تاریخی طور پر عالم اسلام کے خلاف قادیانی۔ برطانوی گٹھ جوڑ کا سراغ لگایا۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہ ایک سامراجی منصوبہ تھا کہ حیفہ میں قادیانیوں کے ایک مشن کے قیام میں مدد دی جائے جو عرب ریاستوں میں سیاسی اور تبلیغی جارحیت کے مرکز کا کام دے۔ برطانوی حکومت کے خاتمے کے بعد قادیانیوں نے "اسرائیل کی حکومت" کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر لیئے۔ یہودی سرپرستی میں یہ عالم اسلام کے مفادات کے خلاف کام کر رہے ہیں۔(۲)

محمد صالح قزاز جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی نے عالم اسلام خصوصاً بھٹو سے جون ۱۹۷۳ء میں اپیل کی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے اور عرب ممالک میں ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے۔ یہ اپیل رابطہ کے رسالے "اخبار العالم لاسلام" کے گیارہ جون کے شمارے میں ایک تبصرے کے ساتھ چھپی کہ قادیانی پاکستان کے استحکام کو کھوکھلا کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔

مکہ کے بااثر اخبار "الندوہ" نے علماء اسلام کے دستخطوں کے ساتھ ایک بیان شائع کیا جو اس قرارداد کی حمایت میں تھا۔ ان علماء میں سید امیر کعمی (نائیجریا) حسن المشاط۔ حسن الخلوف (سابق مفتی مصر) ابوبکر جارمی' محمد علوی مالکی اور سعودی عرب کے دیگر علماء شامل تھے۔ انہوں نے اسرائیل میں قادیانی مرکز کے خفیہ منصوبوں اور قادیانی۔ صیہونی گٹھ جوڑ پر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس فرقے کی سرگرمیوں کو روکا جائے اور اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔(۳)

۱۔ چٹان لاہور۔ 25 جون 1973ء۔

۲۔ منیر القادری۔ "القادیانیۃ" بحوالہ چٹان لاہور 21 مئی 1973ء۔

۳۔ چٹان۔ لاہور۔ 9 جولائی 1973ء۔

اکوڑہ خٹک سے ممبر قومی اسمبلی مولانا عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ نے پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ایک تحریک التواء اسمبلی میں پیش کی مگر انہیں اسکی اجازت نہ دی گئی اور نتیجتاً یہ تحریک مسترد ہوگئی۔ (۱)

ناصر کی بیرون ملک روانگی:

بیرون ملک رہنے والے قادیانیوں میں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد نے بے حد بے چینی پیدا کر دی۔ یورپ اور افریقہ کی مسلمان تنظیموں نے اس تحریک کو پذیرائی بخشی۔ اس بات نے افریقہ کے قادیانیوں کو اپنے عقائد پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ قادیانیوں کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ بیرون ملک ان کی ارتدادی کارروائیوں پر اس کا انتہائی برا اثر پڑے گا۔

جولائی ۱۹۷۳ء کے وسط میں مرزا ناصر احمد یورپی اور افریقی ممالک کے دورے کے لیئے روانہ ہوگئے۔ یہ انہی سیاسی دوروں کی طرح ایک تھا جو وہ اس سے پہلے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۰ء میں کر چکے تھے۔ لندن میں ان کا استقبال ظفر اللہ' سکاٹ لینڈ کے چند قادیانی مبلغین اور گیمبیا کے ہائی کمشنر نے کیا۔ انہوں نے وہاں سی آئی اے اور یورپی آلہ کاروں سے خفیہ ملاقاتیں کیں اور اہم سیاسی معاملات پر ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ ان کے دورہ (مغربی) جرمنی۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ۔ اٹلی۔ سویڈن اور ڈنمارک کے دوران فری میسنری کے چند ارکان اور اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کے آدمیوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ بدقسمتی سے ان ممالک میں واقع پاکستانی سفارت خانوں نے ان کے دورہ کو کامیاب بنانے کے لیئے ہر ممکن تعاون فراہم کیا۔ ہمارے سفارت خانوں میں متعین کئی کارندوں نے ان سے ملاقات کی اور ان کی ''آشیرباد'' حاصل کی۔ فرینکفرٹ (مغربی جرمنی) میں پاکستان کے سفیر نے ان سے ملاقات کی اور دوسرے معاملات کے علاوہ پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں پر تبادلہ خیال کیا۔

۱۔ المنبر ۔ لائل پور۔ 6 جولائی 1973ء۔

سیرالیون میں پاکستانی سفیر نے مرزا ناصر احمد سے گفت وشنید کی اور ان کے اعزاز میں احمدی مشن کی جانب سے دیئے گئے استقبالیئے میں شرکت کی۔ یہ بات مدنظر رہے کہ گھانا میں پاکستانی سفیر آئیوری کوسٹ۔ لائبیریا۔ سیرالیون۔ ٹوگو اور بالائی وولٹا میں بھی ہمارے مفادات کا نگران تھا۔ مرزا ناصر نے اس کے ساتھ سیاسی صورت حال اور پاکستان کے بیرونی تعلقات پر تبادلہ خیال کیا۔(۱) یہ سفیر سیرالیون میں ایک پاکستانی فورم کا سربراہ تھا جو کہ ایک طرح کی جیبی تنظیم تھی جس میں قادیانی غالب تھے۔ ان کا مقصد جماعتی مفادات کا تحفظ تھا۔ سیرالیون مشن کا امیر بشیر احمد شمس اس فورم کا کرتا دھرتا تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہ ''احمدیہ جماعت اپنے اخراجات کیسے پورے کرتی ہے؟'' مرزا ناصر نے کہا۔

> ''احمدیہ جماعت پر سورج غروب نہیں ہوتا۔ برطانیہ میں ہماری جماعت نے پچاس ہزار پونڈ (تقریباً چالیس لاکھ روپے) کا عطیہ افریقہ میں تبلیغی کاموں کی ابتداء کے لیئے دیا ہے''۔(۲)

اس بات پر ہر جگہ ہی یقین کیا گیا کہ یہودیوں کی پشت پناہی سے چلنے والی ایجنسیوں نے قادیانیوں کو پھلتے پھولتے دیکھنے کے لیئے اور افریقہ میں ان کے ''تبلیغی کاموں'' کے لیئے کروڑوں پونڈ اور ڈالر مہیا کیئے ہیں۔ برطانیہ۔ امریکہ۔ (مغربی) جرمنی۔ ہالینڈ اور اسرائیل کی جاسوس تنظیموں نے قادیانی کھاتوں میں خفیہ طور پر رقومات منتقل کرائیں۔ امریکی پاکستان۔ بھارت اور مصر جیسے ممالک میں **PL480** پروگرام کے تحت گندم کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم کو مقامی کرنسی کی صورت میں بھاری کھاتوں میں رکھتے تھے۔ ان میں سے مبینہ طور پر ایک بڑی رقم ربوہ کے خزانہ میں منتقل کر دی جاتی تا کہ سیاسی تخریب کاریوں کے لیئے استعمال کی جاسکے۔ یہودیوں کی مدد سے احمدی ارتداد ایک مضبوط بنیاد کے ساتھ چند افراد کی مضبوط قیادت میں تبدیل ہو گیا ہے۔

مرزا ناصر اپنے یورپی دورے سے ستمبر ۱۹۷۳ء میں واپس آئے۔ انہوں نے

۱۔ الفضل ربوہ۔ 6 ستمبر 1973ء)۔

۲۔ ایضاً۔

اپنے دورے کو بڑا کامیاب قرار دیا۔ ان کی آمد کے ایک ماہ بعد مشرق وسطیٰ میں عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کے پہلے روز مصریوں نے بارلیو لائن پر قبضہ کرلیا اور پانچ سو شامی ٹینکوں اور دو پیادہ ڈویژنوں نے اسرائیل کے مقبوضہ شامی علاقوں میں پیش قدمی شروع کردی۔ اسرائیل کو جنگ میں کئی مقامات پر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

اسرائیل میں قادیانی مشن نے اسرائیل کو اس ''عرب جارحیت'' کے خلاف ہر ممکن افرادی و مالی قوت فراہم کی۔ اسرائیل میں احمدی مبلغ جلال الدین قمر نے اسرائیل کی فتح کے لیئے خصوصی دعا کا اہتمام کیا کیونکہ احمدی جس حکومت میں رہیں اس کے وفادار ہوتے ہیں۔ الفضل، ربوہ نے بڑے محتاط انداز میں اسرائیل کی جارحیت پر اپنے اداریئے میں تبصرہ کیا اور خدا سے رحمت و برکت کی دعا کی ضرورت پر زور دیا۔ (۱)

مرزا ناصر حسب توقع خاموش رہے اور انہوں نے کبھی بھی اسرائیل اور ان کی جارحانہ صیہونی حکمت عملیوں کی واضح انداز میں مذمت نہ کی۔

مولانا شمس الدین شہید

فروری ۱۹۷۳ء میں بلوچستان میں قائم نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام کی مخلوط حکومت ختم کردی گئی جس کے نتیجے میں صوبہ سرحد کی حکومت احتجاجاً مستعفی ہوگئی۔ اسلام آباد میں عراقی سفارت خانے سے اسلحہ کے سکینڈل اور ایک بلوچی سردار اکبر بگٹی کے نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہوں پر الزامات نے بھٹو حکومت کے اس غیر جمہوری اقدام کے لیئے راہ ہموار کردی۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں بلوچستان میں حالات بگڑتے ہی چلے گئے۔ اکبر بگٹی بلوچستان کا نیا گورنر بنادیا گیا۔

بگٹی کو ایک مضبوط حزب اختلاف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے مینگل اور مری قبائل پر الزام لگایا کہ وہ غیر ملکی ہتھیاروں کی مدد سے جانشینی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس نے پورا صوبہ ہی قبائلی جنگ میں جھونک دیا اور مرکزی فوج کو اپنی مدد کے لیئے بلالیا۔ خیر بخش

۱۔ الفضل۔ ربوہ۔ 28 اکتوبر 1973ء۔

مری۔ عطاء اللہ مینگل اور بزنجو کے نظر بندی کے احکامات نے صورت حال کو مزید خراب کر دیا۔ اس پر سیاسی قتل کے الزامات بھی عائد کیئے جانے لگے۔ پختون خواہ نیشنل عوامی پارٹی کے عبدالصمد اچکزئی کو نومبر ۱۹۷۳ء میں بے رحمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ تین ماہ بعد بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولانا شمس الدین کو کسی نامعلوم شخص نے ژوب ضلع کوئٹہ کے ایک گاؤں کے نزدیک اس وقت گولی مار کر شہید کر دیا جب وہ واپس فورٹ سنڈیمن آ رہے تھے۔ بگٹی انتظامیہ کے کام شروع کرنے سے چند ہفتے پہلے وہ زیر زمین چلے گئے تھے۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ انہیں میونڈ میں قید کر دیا گیا ہے۔ وہ جمعیت علماء اسلام بلوچستان کے صوبائی امیر تھے۔ انہوں نے بگٹی انتظامیہ پر شدید تنقید کی تھی اور بلوچستان میں فوجی کارروائی کے زبردست مخالف تھے۔ انہوں نے بلوچستان میں ایران کے مبینہ تخریبی کردار کی بھی مذمت کی تھی۔ ان کا سب سے بڑا جہاد قادیانیت کے خلاف تھا۔ قادیانیوں نے بلوچستان میں غلط ترجمے والے قرآن پاک کے نسخے وسیع پیمانے پر تقسیم کر دیئے تھے جس کے نتیجے میں ان کے خلاف شدید غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔

مرزا غلام احمد دراصل قرآن پاک کے متن میں تبدیلیاں کرنے کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے دانستہ طور پر قرآنی متن میں الہامی پیوندکاریاں کیں اور اپنی اوٹ پٹانگ وحی کے ذریعے کئی قرآنی آیات کو مسخ کر دیا۔ انہوں نے بہت سی آیات میں اپنی پنجابی طرز کی عربی کا اضافہ کر دیا اور ان کے مکمل معنی اور حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے مزید یہ دعویٰ کیا کہ قرآن پاک اور ان کی وحی کے ذرائع۔ نوعیت اور مواد میں ذرہ بھر فرق نہیں ہے۔(1) اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ انہوں نے قرآن سے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی کہتے رہے کہ قرآن کا ایک شوشا بھی منسوخ نہیں ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک منظم طریقے سے انہوں نے تمام بے ادبیاں جاری رکھیں۔

قادیانیت کے ابتدائی سالوں میں براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد پیدا شدہ

۱۔ محمد شفیع جوش میرپوری" قادیانی امت لاہور 1973ء۔

تنازعات میں تحریف شدہ ترجمے اور قرآنی نص میں تبدیلیاں بہت اہم موضوع تھیں۔(۱) مرزا صاحب کے دوسرے جانشین مرزا محمود بہت شاطر اور ہوشیار آدمی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آنے والی نسلیں ان کے والد کی قابلیت اور عربی دانی پر ہنسیں گی اور قرآنی تفہیم کے دعوؤں کے ساتھ ساتھ تحریف کی واضح مثالیں دیکھ کر ان سے بدظن ہو جائیں گی۔ انہوں نے ایک بورڈ مقرر کر دیا تاکہ غلطیوں سے پاک قادیانی لٹریچر چھاپا جا سکے۔ بورڈ کے مدیروں جلال الدین شمس اور چوہدری محمد شریف نے جو کہ اسرائیل میں قادیانی مبلغ رہ چکے تھے۔ مرزا صاحب کی قرآنی اغلاط و تحریفات کے موضوع پر ان کا دفاع کیا۔ یہ وضاحت کی گئی کہ قرآن کی بنیادی نص میں مرزا صاحب نے تبدیلیاں جان بوجھ کر نہیں کیں۔ یا تو نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا یا یہ کاتبوں کی بے توجہی کا نتیجہ ہے۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ان تحریف شدہ آیات کا اردو ترجمہ بھی تحریف کے مطابق ہے جس سے عمداً تحریف ثابت ہوتی ہے اور قادیانی شاطر کے مذموم عزائم آشکار ہوتے ہیں۔ مرزا قادیانی کی کتابوں میں یہ تحریف شدہ آیات اب تک موجود ہیں قادیانی مدیروں نے ان پر حاشیے لکھے ہیں۔ ان آیات کو ٹھیک نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ کتابوں کے متن میں اصلاح سے مرزا صاحب کے اصل متن میں تغیرات و تضادات کا سیلاب اُمڈ آئے گا۔ قادیانی مدیروں نے ان کتابوں میں درست قرآنی آیات شامل نہ کیں کیونکہ اس سے ان کے مکروہ منصوبوں پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ البتہ حاشیہ میں اصل قرآنی آیات درج کر دیں۔

پہلے مرحلے میں قادیانیوں نے یہ تسلیم نہ کیا کہ بلوچستان میں قرآن کا کوئی تحریف شدہ نسخہ تقسیم کیا گیا ہے۔ اسے ایک سیاسی کھیل کا نام دیا گیا۔(۲) مگر جب مرزا محمود کی تفسیر صغیر۔ شیر علی اور غلام فرید کے ترجمے اور دوسری قادیانی کتابوں کے نسخے اور محرف مواد پیش کیا گیا تو انہوں نے الٹا جوابی الزامات عائد کرنے شروع کر دیئے۔ الفضل نے ایک متواتر سلسلہ مضامین شروع کر دیا جس میں بڑے بڑے سنی اور شیعہ علماء کی کتابوں میں طباعت کی

۱۔ ہفت روزہ زندگی لاہور۔ 7 تا 13 جنوری 1974ء۔

۲۔ الفرقان ربوہ۔ اگست اور ستمبر 1973ء۔

غلطیوں کو اجاگر کیا گیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ ان کبار علماء کی تحریروں میں بھی مبینہ تحریفیں پائی جاتی ہیں۔(۱) یہ ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' والی بات تھی اور اپنی حماقت کو چھپانے کی ایک بھونڈی کوشش تھی۔ اس طرح مرزا قادیانی کی تحریفات مسخ کاری اور غلطیوں کا اعتراف بخوبی سامنے آ گیا۔

بلوچستان میں بیرونی پشت پناہی سے چلائی گئی قادیانی تحریک کے خلاف احتجاج کے لیئے جولائی اور اگست کے مہینوں میں مولانا شمس الدین نے بڑے بڑے مظاہروں کی قیادت کی۔ بلوچستان کی صوبائی اسمبلی کے سامنے تین مطالبے رکھے گئے۔

(i) ژوب کے علاقوں سے قادیانیوں کا اخراج

(ii) قادیانی مخالف تحریک کے سلسلے میں تمام گرفتار شدگان کی رہائی۔

(iii) پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا۔

بگٹی حکومت نے مولانا کے مطالبات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیئے اقدامات کرنے شروع کر دیئے اور آخرکار مبینہ طور پر انہیں ایک کرائے کے قاتل شاہ وزیر کے ہاتھوں شہید کرا دیا گیا۔(۲) مرزا ناصر نے ان کی شہادت پر اطمینان کا اظہار کیا اور الزام عائد کیا کہ انہیں ایک سمگلر نے قتل کیا ہے کیونکہ وہ خود بھی ان معاملات میں ملوث تھے۔(۳) یہ ظالمانہ قتل بھی بے سراغ ہی رہا۔ مولانا شہید کا دامن ان الزامات سے پاک تھا۔

ظفر اللہ کا خفیہ مشن:

جنوری ۱۹۷۴ء کے اوائل میں ظفر اللہ قادیانی ہندوستان ایک خفیہ مشن پر گیا۔ سب سے پہلے یہ خبر ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور نے دی۔(۴)

اس نے قادیان میں تین دن قیام کیا۔ بین الاقوامی عدالت انصاف ہیگ کا

۱۔ الفضل ربوہ۔ 20 تا 28 اگست 1973ء۔

۲۔ ہفت روزہ چٹان لاہور۔ یکم اپریل 1974ء۔

۳۔ ہفت روزہ چٹان لاہور۔ 6 مئی 1974ء۔

۴۔ آغا شورش کاشمیری تحریک ختم نبوت صفحہ 227 اور اس کے علاوہ چٹان لاہور 11 فروری 1974ء۔

رجسٹرار اس کے ہمراہ تھا۔ اس وقت تک پاکستان نے ہندوستان کے ساتھ سفارتی تعلقات بحال نہیں کیئے تھے۔ وہ واہگہ چوکی لاہور کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا۔ مشرقی پنجاب کے ایک وزیر نے واہگہ سے قادیان تک اس کے ہمراہ سفر کیا۔ ظفر اللہ قادیانی نے بعد میں اس بات چیت کا اعتراف کیا کہ وفاقی وزیر داخلہ خان قیوم نے اس کے دورہ قادیان کے سلسلے میں اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ قادیان میں اس کا قیام امیر جماعت ہندوستان مرزا وسیم احمد کے پاس تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہاں اس کی ملاقات ہندوستان انٹیلی جنس کے بیورو چیف سے ہوئی۔(۱) مشرقی پنجاب کی حکومت نے اس کے ساتھ سرکاری مہمان کا سلوک کیا۔ ظفر اللہ کے اس دورے کی نوعیت کو ماضی کے اکالی قادیانی گٹھ جوڑ کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جس کا مقصد پنجاب کو بطور آزاد ریاست میں تبدیل کرنا تھا۔ قادیانی حصول قادیان کے خواہش مند تھے جبکہ سکھ بابا گورونانک صاحب کی جنم بھومی ننکانہ صاحب کے حصول کے طلب گار تھے۔

ہندوستان ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق:

> ''پچھلے جنوری ۱۹۷۴ء میں ''قصبہ قادیان'' کے ایک اہم سیاح محمد ظفر اللہ خان تھے وہ وہاں تین دن ٹھہرے۔ وہاں ان کے سابقہ گھر میں پنجاب محکمہ برقیات کے دفاتر ہیں۔ احمدی اس پر سیخ پا ہیں کہ پریس میں ان کی آمد کو خفیہ رکھا جاتا۔ حکومت پنجاب نے انہیں سرکاری مہمان کا درجہ دیا اور ان کی نشاندہی پر کئی کاموں کی تکمیل کر دی''۔(۲)

احمدیہ جماعت کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری مرزا وسیم احمد نے پاکستانی اخبارات کی خبر کی تردید کی کہ سر ظفر اللہ نے ایک خفیہ مشن پر ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس نے کہا کہ ظفر اللہ نے قادیان میں یکم جنوری سے تین دن قیام ایک زائر کے طور پر کیا اور بین الاقوامی عدالت انصاف ہیگ کا رجسٹرار ان کے ہمراہ تھا۔ وہ واہگہ چوکی کے ذریعے ہندوستان میں داخل ہوا اور واہگہ سے قادیان تک ایک پنجابی وزیر ان کے ہمراہ رہا۔ اس دورے کے

۱۔ ایضاً۔

۲۔ ہندوستان ٹائمز 31 اکتوبر 1974ء بحوالہ ورلڈ پریس۔ مولف بی۔ اے رفیق لندن مشن۔

بارے میں کوئی چیز خفیہ نہیں تھی اور اس نے قادیان سے حکومت ہندوستان کے لیئے خیر سگالی کا ایک پیغام بھجوایا۔(1)

ا۔ بی۔ اے رفیق عالمی پریس سے صفحہ 90۔

تیئیسواں باب

تحریک ختم نبوت کا فیصلہ کن دور

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ فضائیہ کے چودہ افسران کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں دو گروپ کیپٹن اور اکیس فوجی افسران تھے۔ ان فوجیوں میں دو بریگیڈیئر (ایک ریٹائرڈ) شامل تھے۔ یہ اعلیٰ سرکاری افسروں اور جرنیلوں کو گرفتار کرکے برسراقتدار آنے کی سازش کررہے تھے۔ (۱)

قادیانی ائر مارشل کا استعفیٰ:

ان منصوبوں کا عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی انکشاف ہوگیا۔ فضائیہ اور فوج کے افسران کیلئے دو علیٰحدہ علیٰحدہ فوجی عدالتیں قائم کی گئیں۔ فضائیہ کے چودہ افسران کے خلاف منتخب قیادت کا تختہ الٹنے کی سازش میں چھبیس جولائی ۱۹۷۳ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ جنرل پی۔ اے۔ ایف کورٹ مارشل کے سات ارکان کے فیصلے کے مطابق چودہ میں سے نو افسران کو بے گناہ پاکر بری کردیا گیا۔ چار کو مختلف المیعاد قید کی سزائیں سنائی گئیں جبکہ ایک کو ابتدائی تحقیقات کے بعد فارغ کردیا گیا۔

بری فوج کی فوجی عدالت نے اکیس افسران میں سے ایک کو بری کردیا۔ دو کو عمر قید کی سزا سنائی۔ تیرہ افسران کو مختلف المعیاد قید بامشقت کی سزائیں دیں۔ جن کا عرصہ دو سے دس سال کا تھا۔ دو کو نوکری سے نکال دیا گیا اور تین افسران کی ترقی روک دی گئی۔

اگرچہ زیادہ تر ملزم افسروں کی تعداد بے گناہ پائی گئی لیکن فضائیہ کے ہیڈکوارٹر

۱۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ یکم اور تین اپریل 1973ء۔

نے فضائیہ کے قادیانی ایئر چیف ظفر چوہدری کے احکامات کے تحت تمام چودہ افسران کو ریٹائر کر دیا۔ یہ ایک ناروا طریقہ تھا جو انصاف کے تمام تقاضوں سے ہٹ کر تھا۔ فوجی عدالت کے فیصلے میں رو و بدل کرتے ہوئے ایئر مارشل ظفر چوہدری نے واضح طور پر اپنے اختیارات اور حدود سے تجاوز کیا۔ کچھ ملزم افسران نے الزام عائد کیا کہ ایئر چیف نے انہیں غلط طور پر اس مقدمے میں پھنسایا ہے اور وہ انہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اقتدار کے حصول کی سازشوں میں مصروف تھا۔ اس نے اس مقدمے کو ذاتی انا کا مسئلہ بنالیا اور کہا گیا کہ پاکستانی فضائی افواج کے چند افسران کے ساتھ ایک گفتگو کے دوران اس نے اس حد تک کہہ دیا کہ اگر ان چودہ افسران میں سے ایک بھی بری ہو گیا تو وہ استعفیٰ دے دے گا۔ حکومت اس مقدمے کی تفصیلات میں چلی گئی۔ فوجی عدالت کی سماعت کا محتاط مطالعہ کیا گیا اور پاک فضائیہ کے جج ایڈووکیٹ جنرل کی مقدمہ کی رپورٹ پڑھی اور فضائی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے جبری طور پر ریٹائر کیئے گئے چودہ افسران کے مقدمات کی نوعیت معلوم کی۔ بھٹو نے متعلقہ کاغذات کا خود مطالعہ کیا اور اہم وکلاء کے ساتھ اس مقدمے کے بارے میں گفت و شنید کی۔ اس مقدمے کے مفصل مطالعے سے یہ بات منکشف ہوئی کہ یہ افسران گناہگار نہ تھے اور انکی ریٹائرمنٹ بلا جواز تھی۔ حکومت آخر کار اسی نتیجے پر پہنچی کہ فضائیہ کے سربراہ ظفر چوہدری نے قومی مفاد پر اپنی ذاتی عناد کو ترجیح دے کر اپنے آپ کو اس رتبے کا اہل ثابت نہیں کیا جس پر وہ فائز تھا۔ سولہ اپریل ۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان نے ایئر چیف ظفر چوہدری کو پندرہ اپریل ۱۹۷۴ء سے ریٹائر کر دیا اور ایئر وائس مارشل ذوالفقار علی خان کو اس کی جگہ چیف آف ایئر سٹاف مقرر کر دیا۔(۱) حکومت اور ہم پیشہ افسروں کی نظروں میں اپنا وقار گنوانے کے بعد ایئر مارشل کیلئے اپنے عہدے پر مزید قائم رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

حکومت نے سات افسران کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کو منسوخ کر دیا اور سات دیگر افسران کی قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی توثیق کر دی لیکن ان کی دوبارہ سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت پر پابندی ختم کر دی۔(۲)

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی۔ سولہ اپریل 1974ء۔

۲۔ حسن عسکری رضوی۔ پاکستان میں فوج اور سیاست پاکستان میں۔ صفحہ 283۔

ایک فریب:

قادیانیوں کوامید تھی کہ ۱۹۷۰ء میں پیپلز پارٹی کی زبردست امداد اور بھٹو سے اظہار وفاداری کے نتیجے میں انہیں پورا پورا انعام ملے گا۔ پیپلز پارٹی کے بہت سے ممبران قومی و صوبائی اسمبلی نے قصر خلافت ربوہ کا دورہ کیا اور وہاں ان کا شاندار استقبال ہوا۔ پیپلز پارٹی کے عوامی اجتماعات کی کامیابی کی خاطر خدام احمدیہ نے کئی تقریبات کا انتظام کیا اور چندے اکٹھے کیئے۔ پیپلز پارٹی کی زیر قیادت چلنے والی طلباء تنظیموں نے اسلامی جمعیت طلباء (جماعت اسلامی کی طلباء تنظیم) میں خفیہ طور پر اپنے آلہ کار داخل کر دیئے۔ مستقبل میں محکمانہ ترقی کے حصول کے لیئے افسر شاہی اور بعض فوجی افسران نے ربوہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیئے ان کی کھل کر امداد کرنا شروع کر دی۔ قادیانیوں کو مطمئن کرنے کے لیئے حکومت نے سرکردہ قادیانی مخالف تنظیموں کو جو ملک بھر میں کام کر رہی تھیں دبا دیا اور ان کی سرگرمیوں کو معطل کر دیا گیا۔ مرزا ناصر پیپلز پارٹی سے کی گئی سیاسی سودے بازی پر مسرور تھے۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اہم مذہبی مسائل پر مسلمانوں کی اکثریت نے قادیانی نکتۂ نظر تسلیم کر لیا ہے۔ سعید ہاؤس ایبٹ آباد میں انہوں نے واضح کیا کہ مسیح کی وفات کے عقیدے اور ختم نبوت پر ان کی تشریح کو لوگوں کی اکثریت نے مان لیا ہے۔⁽¹⁾ ایک سال بعد انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ستر سے اسی فیصد عوام خصوصاً پاکستان کی نوجوان نسل نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ احمدی ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں۔ انہوں نے پیش گوئی کی کہ ''وفات مسیح'' کے مسئلہ کی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی آئندہ پانچ سات سالوں میں ختم ہو جائے گا۔⁽²⁾

اسلامی سربراہی کانفرنس:

۱۹۷۳ء کے آخر میں تیل کے بحران نے مغربی دنیا کو بری طرح ہلا کر رکھ دیا۔ یہ

۱۔ الفضل ربوہ۔ 30جون 1972ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 28جولائی 1973ء۔

ضروری خیال کیا گیا کہ مغربی طاقتوں کے خلاف اٹھنے والی کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ فروری ۱۹۷۴ء میں بھٹو نے پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے اعلان کر دیا۔ اس سے ربوہ پریشان ہو گیا۔ اس کانفرنس میں سعودی عرب کے اہم کردار نے قادیانیوں کو مزید مشتعل کر دیا۔[1] احمدیوں کے تیسرے سربراہ مرزا طاہر کہتے ہیں کہ سعودی عرب کے شاہ فیصل کی یہ خواہش تھی کہ اسلامی دنیا کے خلیفہ بنیں اس کے لیئے ضروری تھا کہ احمدی خلافت کا خاتمہ کیا جائے اور احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ سعودی شاہ کو اسلام کا خلیفہ قرار دینے کی تحریک ناکام ہو گئی۔ تاہم اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر ایک احمدیہ مخالف تحریک شروع کی گئی اور مسلمان مندوبین کے درمیان بہت سا احمدیہ مخالف لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر مرزا ناصر احمد نے ان اسلامی ممالک (سعودی عرب) پر تنقید کی جو پٹرول کی آمدنی کی بنیاد پر احمدیہ جماعت کی مخالفت کر رہے تھے۔ افریقی ممالک میں موجود سعودی سفارت خانوں نے احمدیوں کو حج کا ویزہ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ عالمی اسلامی کانگریس نے عالم اسلام سے اپیل کی کہ وہ قادیانیوں کی تخریبی کارروائیوں پر نظر رکھے۔ قادیانی پریس نے یہ الزام عائد کیا کہ سعودی انہیں برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ اخبار قادیانی ماہنامے تحریک جدید ربوہ نے واضح کیا۔

> ''اسلام میں تحریک احمدیہ کے حج مقدس کا فریضہ ادا کرنے والے ارکان کو ویزہ نہ دینے کے سعودی فیصلے نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی مذہبی عدم رواداری ہے جس کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ سعودی عرب کی حکومت کا اپنے علاقے سے باہر کسی مسلمان پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ محض حادثہ ہے کہ حج مقدس کے مقامات اس کے علاقے میں واقع ہیں۔ حکومت کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے یہ مسلمانوں کے لیئے ویٹیکن کے برابر ہے کیونکہ اسلام میں کوئی

---

[1] یہ بات خاصی دلچسپ ہے کہ الفضل ربوہ نے اپنے چھبیس اگست 1946ء کے شمارہ میں مرزا محمود کے ایک الہام کو نمایاں جگہ دی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آنے والے دن مسلمانوں کے لیئے بہت سخت ہیں اور ان سے متحد ہونے کی اپیل کی گئی تھی۔ ''الفضل ربوہ نے بائیس فروری 1974ء کو اپنے شمارہ میں لکھا کہ اسلامی سربراہی کانفرنس ان کی اٹھائیس سالہ دعاؤں کا نتیجہ ہے''۔ (ایڈم سن۔ خدا کا بندہ۔۔۔ صفحہ نمبر 83 تا 85۔

پاپائیت نہیں"۔ (۱)

احمدیہ مجلس شوریٰ ربوہ کے افتتاحی اجلاس میں مرزا ناصر احمد نے جماعت کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت کی صد سالہ تقریبات کو منعقد کرنے کا پروگرام زیر بحث ہے جوبلی فنڈ کے لیئے ساڑھے نو کروڑ روپے کا وعدہ کیا جا چکا ہے۔ یہ تقریبات تیئس مارچ ۱۹۸۹ء کو شروع ہوں گی اور اس سال کے سالانہ جلسے تک جاری رہیں گی۔ جوبلی دنیا بھر میں منائی جائے گی۔ اور اپنے آخری پروگراموں کے ساتھ یہ سالانہ جلسے میں اپنے نقطۂ عروج پہنچ جائے گی جس میں سو سے زیادہ ممالک کے مندوبین شرکت کریں گے۔ امریکی احمدیوں نے اب تک پانچ لاکھ ڈالر کا وعدہ کیا ہے اور مزید ایسے وعدوں کی توقع ہے۔

انہوں نے مندوبین کو بتایا کہ قادیانیت کی مخالفت نے نئی شکل اختیار کر لی ہے اور اب یہ اپنے انجام تک پہنچنے کے قریب ہے۔ اس موقع پر مسلمانوں سے خدا کا کیا گیا وعدہ ہمارے ہی متعلق ہے۔ سچائی اور جھوٹ کے درمیان جنگ اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور آنے والے پندرہ سال بہت اہم ہیں۔ انہوں نے اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کیا کہ پٹرول سے حاصل ہونے والے ڈالر جماعت کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں مگر یہ جو کوئی بھی ہیں یہ خیال کر لیں اور اس حقیقت کو مت بھولیں کہ اسلام کی خدمت کے لیئے صدق دل سے دیئے گئے ڈالر کا پٹرول ڈالر سے کوئی موازنہ نہیں۔ اول الذکر آخر الذکر سے زیادہ اہمیت اور قوت رکھتا ہے۔ (۲)

ربوہ کا حادثہ:

پہلے سے جاری حالات نے ربوہ اور پیپلز پارٹی کے درمیان بداعتمادی کی فضا پیدا کر دی مگر پھر بھی بیوروکریٹوں کی ایک خاصی تعداد اور حکمران جماعت کی اہم شخصیات کی حمایت ربوہ کو میسر رہی۔ مرزا ناصر نے بڑے فخریہ انداز میں پیپلز پارٹی کے گماشتوں کا اپنے

۱۔ تحریک جدید ربوہ فروری۔ 1974ء۔

۲۔ تحریک جدید ربوہ اپریل 1974ء۔

راج بھون میں استقبال کیا۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان کی جماعت کو نقصان پہنچانے کے لیئے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف احمدیہ تنظیموں کے سربراہوں کو انہوں نے وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کیں کہ مخالفین کے حملوں کے جواب میں سخت مزاحمت کی جائے اور احمدیہ عقیدے کی تبلیغ بے خوف طریقے سے کی جائے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک نجی اجتماع میں اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ اگر آپ اپنی حیثیت اور اہمیت قائم نہیں کر سکتے تو احمدیت کا صد سالہ جشن آپ شایان شان طریقے سے کس طرح منا سکتے ہیں۔

انتیس مئی ۱۹۷۴ء کو اپنی قوت کے اظہار کے لیئے آمادۂ پیکار قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر اس وقت حملہ کر دیا جب وہ ایک تفریحی سفر سے واپسی پر ربوہ سے گزر رہے تھے۔ قادیانیوں کے پاس ڈنڈے اور ہلکے ہتھیار تھے۔ پچاس طلباء کو بری طرح پیٹا گیا۔ جن میں تیرہ کی حالت نازک ہوگئی۔(۱) یہ پہلے سے طے شدہ سکیم تھی اور اس کھیل کے پیچھے مرزا ناصر احمد تھا۔ قادیانی غنڈہ گردی پر پورے پاکستان میں پر تشدد ردعمل برپا ہوگیا۔ اگر چہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ حنیف رامے نے قانون شکنوں کو سخت تنبیہ کی مگر مظاہرین نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ عدالت عالیہ کے جج مسٹر جسٹس کے۔ اے صمدانی کو ربوہ کے واقع پر تحقیقات کے لیئے مقرر کیا گیا۔ پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے ایک تحریک التواء پیش کی مگر سپیکر نے اس کی اس بنیاد پر اجازت نہ دی کہ معاملہ عدالت میں زیر غور تھا۔(۲)

بھٹو نے لوگوں سے اپیل کی کہ ٹربیونل کے نتائج کا انتظار کیا جائے مگر تحریک بڑی شدومد سے جاری رہی۔ قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنماؤں نے سخت کوششیں کیں کہ ربوہ کے واقعہ پر تحریک التواء پیش کی جائے مگر انہیں کامیابی نہ ہوسکی۔ اسمبلی نے زیادہ تر وقت اس قسم کی تحریک کے نوٹس اور طریق کار کے مناقشے پر صرف کر دیا۔ اس بڑھتی

۱۔ جسارت کراچی۔ 31 مئی 1974ء۔

۲۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ 31 مئی 1974ء۔

ہوئی تحریک کو دبانے کے لیئے بہت سے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کرلیا گیا اور عوامی اجتماعات کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ (۱) حکومت نے اس معاملے کو داخل دفتر کرنے کے لیئے جابرانہ اقدامات کرنے شروع کر دیئے تاکہ ۱۹۵۳ء کے بھیانک ڈرامے کی طرز کا جعلی جواز پیدا کیا جا سکے۔ لوگوں نے پرامن انداز میں اس تحریک کو جاری رکھنے کے لیئے تمام مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

ہر کوئی جانتا تھا کہ قادیانی غنڈہ گردی کے پس پردہ جو شخص ہے وہ مرزا ناصر احمد ہے۔ تاہم حکومت اس کو گرفتار کرنے پر رضامند نہ تھی۔ اس نے عدالت عالیہ لاہور میں درخواست ضمانت قبل از گرفتاری داخل کر دی۔ بہرحال ربوہ کے واقعہ کی تحقیقات میں اسے شامل تفتیش کر لیا گیا۔ (۲) چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد اقبال نے ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کو ایک نوٹس جاری کیا جس کے جواب میں اس نے واضح کیا کہ مرزا ناصر کو اس مرحلہ پر گرفتار کرنے حکومت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور اگر تحقیقات کے دوران کسی بھی وقت اس کے خلاف کوئی مقدمہ بنتا نظر آیا اور اسے گرفتار کرنے کا کوئی ارادہ ہوا تو یہ قدم اٹھانے سے پہلے عدالت عالیہ کو مطلع کیا جائے گا۔ چنانچہ درخواست نمٹا دی گئی۔ (۳)

صمدانی ٹربیونل جو ربوہ کے حادثے کی وجوہات جاننے کے لیئے تشکیل دیا گیا تھا۔ اس کے سامنے پیش ہونے والے گواہان کے بیانات نے قادیانیت کی وہ خوفناک تصویر پیش کی جو اب تک دنیا کو کم ہی معلوم تھی۔ ایک قادیانی منحرف محمد صالح نور نے بیان دیا۔

(الف) ''خدام الاحمدیہ'' احمدیوں کی ایک فوجی تنظیم ہے۔ اس کو یقین ہے کہ جلد ہی جماعت عنان اقتدار سنبھال لے گی۔

(ب) قادیانی افسران کو خلیفہ کی ہدایات ہیں کہ وہ احمدیوں کے لیئے ہر جائز و ناجائز حربے سے نوکری کا انتظام کریں۔

(ج) افریقہ میں غلام احمد کو پیغمبر احمد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ روزنامہ کوہستان لاہور۔ 10 مئی 1974ء۔

۲۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ 7 جون 1974ء۔

۳۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی۔ 8 جون 1974ء۔

(د) ربوہ میں ایک تنظیم موجود ہے جس کو فرقان فورس کہا جاتا ہے۔ گواہ اس فورس کا ممبر رہ چکا ہے اور اس نے ۱۹۴۷ء میں کشمیر کے فسادات میں حصہ لیا اور بعد میں اس تنظیم کو کمانڈر ان چیف جنرل گریسی نے غیر مسلح کر دیا۔ اسلحہ اور گولہ بارود جو فرقان فورس کو ملے تھے۔ وہ ایک فوجی ویگن کے ذریعے واہگہ روانہ کیئے گئے اور مسجد محمود کے نزدیک انہیں دفن کیا گیا اس اسلحہ اور گولہ بارود کی حفاظت کے لیئے رضا کار مقرر کیئے جاتے تھے۔

(ر) احمدیوں کا اسرائیل میں ایک مشن ہے۔ جو حیفہ میں واقع ہے۔ یہ تحریک جدید کے ماتحت ہے اور اس محکمے کا سربراہ مرزا محمود احمد تھا۔ جو لوگ پاکستان سے اسرائیل گئے ان کے پاس ڈبل پاسپورٹ ہوتے ہیں۔ وہ پاکستانی پاسپورٹ پر ایک افریقی ملک میں جاتے ہیں۔ وہاں انہیں اسرائیل کے لیئے دوسرا پاسپورٹ جاری کیا جاتا ہے۔ دوسرا پاسپورٹ انہوں نے اپنے پاس خفیہ طور پر رکھا ہوتا ہے۔ کوئی یہودی اسلام میں داخل نہیں کیا جاسکا۔ (۱)

مرزا ناصر احمد کا انٹرویو:

عوامی تحریک کے عروج کے دنوں میں مرزا ناصر احمد نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے الزام عائد کیا۔

> ''میں پوری طرح قائل ہوں کہ کئی وجوہات کی بناء پر وزیر اعظم بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے یہ فسادات برپا کرائے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پیپلز پارٹی دوسرے فرقوں کے انتہا پسندوں کی مدد حاصل کر کے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنا چاہتی ہے۔ ناصر احمد کے مطابق ان کے فرقے کے پیروکاروں نے قسمیں کھا کر کہا ہے کہ جب ان کی جاگیروں اور اموال کو جلا کر راکھ کیا جا رہا تھا تو فیڈرل سکیورٹی فورسز پاس کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں۔ لندن سے جاری شدہ اپنے بیان میں سر ظفر اللہ خان نے بھی ایسا ہی الزام عائد کیا تھا''۔ (۲)

مرزا ناصر احمد کے حکم پر بیرون ممالک قادیانی مشنوں نے ایک پروپیگنڈہ مہم

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ 28 جون 1974ء۔

۲۔ روزنامہ جسارت کراچی۔ 20 جون 1974ء۔ مزید دیکھئے۔ بی۔ اے رفیق۔ ''بین الاقوامی پریس سے''۔

شروع کی۔ بین الاقوامی پریس نے سانحہ ربوہ کو بھٹو اور شاہ فیصل کی ''قادیانیوں کے استیصال'' کی حکمت عملی سے تعبیر کیا۔ دی اکانومسٹ نے لکھا۔

> ''چند ماہ قبل ایک احمدی کو فضائیہ کے سربراہ کی حیثیت سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس سے کہا جا سکتا ہے کہ احمدی بھٹو کے مخالف ہو گئے اور اب ایک سازشی ذہن رکھنے والے عناصر کے بقول وزیراعظم نے بذات خود ان فسادات کو ہوا دی ہے۔
>
> ایک ایسی ہی شبہ پاکستان کے تیل سے مالا مال مسلمان بھائی شاہ فیصل آف سعودی عرب کی بھی ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے پچھلے فروری میں لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس کے دوران بھٹو کو نصیحت کی کہ وہ احمدیوں کا علاج کرے اور ہو سکتا ہے کہ احمدی مسئلے کے ''حل'' کے لیئے سعودی امداد کی بھی یقین دہانی ہو۔ مارچ میں اس کے بعد جدہ میں ہونے والے اجلاس میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ جس میں پاکستانی وفد نے بادل نخواستہ اتفاق کیا۔ پاکستان کی مذہبی جماعتیں احمدیوں کے خلاف ہمیشہ سے ہی پروپیگنڈہ کرتی آئی ہیں''۔(۱)

ظفر اللہ کی پریس کانفرنس:

احمدیوں کی بدنیتی پر مبنی پاکستان مخالف پروپیگنڈہ مہم کے ایک حصے کے طور پر ظفر اللہ نے پانچ جون ۱۹۷۴ء کو لندن میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی۔ اس نے واضح کیا کہ موجودہ تنازعہ اس وقت شروع ہوا جب نشتر میڈیکل کالج ملتان کے تقریباً ایک سو پچاس طلبہ احمدیہ جماعت کے ہیڈ کوارٹر ربوہ سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے احمدیوں کے خلاف قابل اعتراض نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ جب ایک ہفتہ کے بعد ٹرین واپس آئی تو اسی طرح کا مظاہرہ احمدی طلبہ نے مخالفت میں کر دیا اور اس دفعہ مقامی لوگ تعداد میں زیادہ تھے۔ اس طرح کچھ طلبہ زخمی ہو گئے۔(۲)

اس نے بین الاقوامی برادری کی توجہ پنجاب میں احمدیوں پر نام نہاد ظلم و ستم کی

۱۔ دی اکانومسٹ لندن۔ 15 جون 1974ء۔ مزید ''دی ٹائمز''۔ 31 مئی 1975ء۔

۲۔ دی ٹائمز لندن۔ 7 جون 1974ء۔

جانب مبذول کرائی اور ایمنسٹی انٹرنیشنل۔ بین الاقوامی ریڈ کراس۔ انسانی حقوق کے کمیشن۔ وکلاء کے بین الاقوامی کمیشن اور فلاحی تنظیموں مثلاً OX FAM کو دعوت دی کہ وہ پاکستان جا کر مصائب زدہ احمدیوں کی مدد کریں۔ اس نے کہا کہ ان کی جماعت نے امریکہ میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے رابطہ کیا ہے جسے پہلے ہی ان باتوں کا علم ہے۔ اسی طرح برطانیہ کے احمدیوں نے برطانوی دفتر خارجہ سے رابطہ کر کے برطانوی ممبران پارلیمنٹ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تا کہ برطانوی حکومت موثر کردار ادا کر سکے۔

اس نے قادیانی مخالف تحریک کا ذمہ دار جماعت اسلامی کو ٹھہرایا اور کہا کہ نام نہاد ورلڈ مسلم لیگ میں میاں طفیل نے احمدیوں کے خلاف قرارداد منظور کروائی تھی۔ اس نے واضح کیا کہ اس بدامنی کے پس پردہ دیگر عناصر بھی ہیں۔ (۱)

ظفر اللہ نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کرٹ والڈ ہائیم کو خط لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ انسانی حقوق کمیشن کے مبصرین کو پاکستان بھجوایا جائے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پاکستانی حکومت سے اپنی تشویش کا اظہار کیا کیونکہ ربوہ میں گرفتار بہتر قادیانیوں کو قانونی سہولیات فراہم کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ سنڈے ٹائمز نے پچھلے ہفتے اپنی ایک غلطی پر معذرت کی جس میں اخبار نے احمدیوں کو غیر مسلم لکھ دیا تھا۔ (۲)

تحریک احمدیہ برطانیہ کے ارکان ہڈرز فیلڈ نے برطانوی وزیر اعظم ڈبلیو ولسن کو خط لکھا۔ جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ وہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالے کہ وہ احمدیوں کے خلاف ''مظالم'' بند کرانے کے لیئے سخت اقدامات کرے۔ (۳)

امیر جماعت احمدیہ بنگلہ دیش نے بھٹو کو اس کے دورہ بنگلہ دیش کے دوران پندرہ صفحات پر مشتمل ایک یادداشت پیش کی۔ اس نے بنگلہ دیش کی سیکولرازم کی حکمت عملی کی تعریف کی اور مطالبہ کیا کہ دیگر مسلمانوں کے ہاتھوں سے احمدیوں کو بچایا جائے۔ (۴)

۱۔ جسارت کراچی۔ 20 جون 1974ء۔

۲۔ دی اکانومسٹ لندن۔ 15 جون 1974ء۔

۳۔ ہڈرز فیلڈ روزنامہ ایگزامنر۔ برطانیہ 12 جولائی 1974ء۔

۴۔ مارننگ نیوز۔ ڈھاکہ 2 جولائی 1974ء۔

احمدیہ مرکز نائیجیریا نے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری سے اپیل کی اور ڈائریکٹر انسانی حقوق کمیشن سے استدعا کی کہ پاکستان میں احمدیہ تحریک کے خلاف ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کو روکنے کے لیئے مناسب اقدامات کیئے جائیں۔ (۱)

سینٹ لوئی (امریکہ) میں بسنے والے قادیانیوں نے امریکہ سے استدعا کی کہ وہ پاکستان میں ان کے ہم مذہبوں کو بچانے کے لیئے سفارتی دباؤ ڈالے۔ احمدیہ جماعت کے جنرل سیکرٹری عبدالقادر حق نے کہا کہ سینٹ لوئی کا اجتماع اور دوسرے علاقوں' واشنگٹن۔ نیویارک۔ شکاگو۔ پیٹسبرگ اور ڈیٹرائیٹ کے مشن بھی امریکی سیاست دانوں کو حالات سے مطلع کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ امید کرتے ہیں کہ شاید وہ پاکستان پر کچھ امریکی سفارتی دباؤ ڈلوا سکیں۔ (۲)

برطانوی احمدیوں نے برطانوی وزیراعظم مسٹر ولسن کی توجہ پاکستان میں مذہبی مسائل پر مبذول کرائی۔ (۳) ہندوستان میں احمدی جماعت کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری نے حکومت ہندوستان کو امداد حاصل کرنے کی خاطر پاکستان میں احمدیہ مخالف تحریک سے آگاہ کیا۔ یہودیت کے حامی امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے عمومی طور پر مسلمانوں اور خصوصی طور پر پاکستانی عوام کو بدنام کرنے کی خاطر مہم چلائی اور احمدیوں کی ہمدردی کی خاطر سرورق پر ایک مضمون شائع کیا۔ اخبار نے جماعت اسلامی کو خصوصی طور پر سب وشتم کا نشانہ بنایا۔ (۴)

"احمدی مظلومین" کے حق میں برطانوی اراکین پارلیمنٹ نے اپنی ہمدردیوں کا اظہار کیا۔ اسرائیل میں احمدی مبلغ جے۔ ڈی قمر نے اسرائیلی حکام سے ملاقات کر کے احمدیوں کے لیئے ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان سے بھی امداد کے لیئے رابطہ کیا گیا۔ انتہا پسند پاکستان دشمن ہندو پریس نے احمدیوں کو اخلاقی۔ سیاسی اور پروپیگنڈہ امداد مہیا کی۔ حکومت ہندوستان نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں

۱۔ دی رینے سانس نائیجریا۔ 9۔ اگست 1974ء۔

۲۔ سینٹ لوئی پوسٹ یکم نومبر۔ 1974ء۔

۳۔ بی۔ اے۔ رفیق۔ لندن احمدیہ مشن۔ "بین الاقوامی پریس لندن سے"۔

۴۔ الاسلام امریکہ۔ 30 ستمبر 1974ء بحوالہ بی۔ اے۔ رفیق آف لندن۔

مداخلت سے معذرت کرلی۔(۱) عرب اور افریقی ممالک کو احمدیوں پر مظالم کی مبالغہ آمیز اطلاعات بھجوائی گئیں۔ مگر عرب پریس نے ان پر کم توجہ دی۔

افسوس ناک رجحان:

حکومت پاکستان نے بین الاقوامی پریس کے ایک حصے کی طرف سے پاکستان کے اندر رونما ہونے والے واقعات کو بگاڑ کر پیش کرنے کے رجحان پر افسوس کا اظہار کیا۔ حکومت نے ان الزامات کو بے بنیاد قرار دیا کہ وہ اپنے شہریوں کے تحفظ میں ناکام ہوگئی ہے اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں امتیازی طریقے اور بے دلی سے کام کررہی ہیں۔ افریقہ - یورپ - امریکہ اور کینیڈا میں بسنے والے پاکستانیوں کو اس خبر نے احتجاج پر مجبور کردیا۔ احمدیہ جماعتوں نے پاکستانی سفارت خانوں کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا اور اس سلسلے میں حکومت کو درخواستیں پیش کیں۔ ان درخواستوں میں بعض الزامات وہی تھے جو احمدی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے سابق جج ظفر اللہ قادیانی نے لگائے تھے۔ پاکستان ٹائمز نے ایک اداریے میں ان تمام احمقانہ الزامات کی تردید کی اور بتایا کہ وزیراعظم بھٹو نے تمام متاثرہ فریقوں کے مندوبین سے خود مذاکرات کیئے ہیں۔ جو وزیراعظم سے ملے۔ ان میں احمدیہ جماعت کے سربراہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اس مسئلے میں ملوث تمام گروہوں اور احمدیہ رہنماؤں سے صوبائی حکومتیں مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ اخبار نے بیرون ملک احمدی جماعت کے مشنوں کی جانب سے بدنیتی پر مبنی پروپیگنڈہ پر اظہار افسوس کیا اور ان کے پاکستان مخالف بیانات کی مذمت کی۔ اخبار نے سوال اٹھایا۔

> ”ہمیں معلوم نہیں کہ بیرون ملک پاکستان پر الزامات لگانے والے افراد مرزا ناصر احمد اور ظفر اللہ کے بیانات سے کتنے متاثر ہیں۔ مگر یہ واضح ہے کہ انہوں نے ان کو اچھال کر نہ تو پاکستان کے لیئے اچھا کیا ہے، نہ ہی خود اپنے سے کوئی بھلا سوچا ہے۔ اسی طرح احمدیہ

---

۱ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور 30 ستمبر 1974ء۔

جماعت کے قابل قدر ترجمان نے صرف جماعتی مقصد کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنی حکومت کے خلاف بیرونی مدد کی درخواست کر کے اپنے آپ کو اس بات کا مورد الزام ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے بین الاقوامی روابط کا زیادہ خیال رکھتے ہیں اور اس سرزمین کے کم وفادار ہیں۔ جہاں انہیں غیر معمولی سہولیات اور استحقاق میسر ہیں۔ بلاشبہ وہ اپنے بیرون ملک دوستوں کی نسبت اپنے ملک کے تاثر کو مجروح کرنے کے زیادہ مجرم ہیں''۔ (۱)

ایک ہندوستانی جریدے ''لنک'' نے ظفر اللہ کی لندن میں پریس کانفرنس پر حسب ذیل تبصرہ کیا۔

''لندن میں اس کی حالیہ پریس کانفرنس جس میں اس نے ربوہ کے واقعہ میں حکومت پاکستان کو بدنام کیا ہے، ایک بڑے منصوبے کا حصہ ہے۔ عام آدمی کو یہ تعجب ہوتا ہے کہ بین الاقوامی عدالت انصاف کا یہ جج اس وقت کہاں تھا جب آج تک ہندوستانیوں نے تین ہزار سے زائد مسلم کش فسادات میں مسلمان اقلیت کا قتل عام کیا۔ ظفر اللہ نے لندن میں اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ:

ربوہ میں کم از کم بیس لوگ مارے گئے جس پر اس نے ایمنسٹی انٹرنیشنل، کمیشن برائے انسانی حقوق اور بین الاقوامی ریڈ کراس سے مداخلت کرنے کو کہا۔ پاکستان میں حقیقت سے آشنا لوگوں کے لیئے یہ آفت ناگہانی تھی اور پیٹھ میں گھونپے گئے خنجر کے مترادف تھی۔ یہ سارے واقعہ کی مبالغہ آمیز تصویر تھی۔ ظفر اللہ نے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر رقص کیا ہے۔ آئیں ہم سب مل کر اس کے آقاؤں کا کھوج نکالیں۔ آپ کو یہ لوگ واشنگٹن۔ لندن۔ دہلی اور اب غالب امکان ہے کہ ماسکو میں بھی مل جائیں''۔ (۲)

غیر ملکی ہاتھ:

وزیر اعظم بھٹو نے کوشش کی کہ تحریک ختم نبوت کو بھڑکانے کا الزام حزب اختلاف اور بیرونی قوتوں پر لگا دے۔ تین جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس نے

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ راولپنڈی 25 جون 1974ء۔

۲۔ لنک انڈیا۔ 23 جون 1974ء بحوالہ بی۔ اے رفیق 'بین الاقوامی پریس سے' لندن صفحہ 114۔

کہا کہ حزب اختلاف موقع کی تلاش میں ہے کہ کوئی نئی مصیبت کھڑی کی جائے۔ حزب اختلاف کے اس مطالبے کے جواب میں کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ بھٹو نے کہا کہ اقلیتوں کی اقسام کی آئین میں صراحت موجود ہے اور تمام جماعتیں بشمول جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام اس پر متفق ہیں۔ اگر وہ اس سے اتفاق نہیں کرتے تو جب آئین بن رہا تھا انہیں اس وقت ''واک آؤٹ'' کر جانا چاہئے تھا۔ بھٹو نے صدر اور وزیراعظم کے حلف نامے کا حوالے دیتے ہوئے کہا کہ اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان کا بڑا واضح ذکر موجود ہے اور کہا کہ اس سے یہ مسئلہ ختم ہو جانا چاہئے تھا۔

تیرہ جون کو قوم سے نشری خطاب میں بھٹو نے کہا کہ:

> ''نہ صرف وہ بلکہ لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ پاکستان میں احمدیہ مخالف مسئلے کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی بھی اس کو اس تناظر میں دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان نے جوہری دھماکہ کر دیا ہے۔ افغان صدر داؤد ماسکو کا دورہ کر آیا ہے اور ایک پاکستانی سیاسی رہنما (ولی خان) کابل میں سرکاری مہمان کے طور پر موجود ہے۔ اس کے مطابق یہ سازش کی وہ کڑیاں تھیں جو پاکستان کے استحکام اور اس کی سالمیت کے خلاف وقوع پذیر ہو رہی تھیں''۔ (۱)

حزب اختلاف کا بھٹو سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ اصل صورتحال واضح کرے کیونکہ ماضی میں اس نے قادیانیوں پر بے بہا نوازشات کی تھیں۔ خصوصاً حساس فوجی عہدوں پر ان کی وسیع پیمانے پر تقرریاں کی تھیں۔ (۲)

۱۔ پاکستان ٹائمز۔ 14 جون 1974ء۔

۲۔ اگرچہ احمدی جماعت کی علیحدہ مردم شماری کبھی بھی نہ کی گئی تھی نہ ہی انہوں نے سرعام اپنے عقائد کا اظہار کیا تھا۔ لیکن پھر بھی عمومی طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بہت سی سول و فوجی کلیدی آسامیاں ان کے پاس ہیں اور ایک خاص تعداد میں یہ تب چند سال قبل (۱۹۷۰ء میں) قومی و صوبائی اسمبلیوں میں پہنچ گئے تھے۔ حال ہی کی بات ہے کہ پاک افواج کے دورے میں سروس چیف اس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور موجودہ دور میں جنرل کے عہدے کے تین افسران کمانداری کے عہدوں پر متمکن ہیں۔ خارجہ سروس میں بھی اس جماعت کے کئی سفیر اور سینئر سفارتکار موجود ہیں اور ان کے دوسرے افراد میں سے کئی افراد درمیانے درجے کی صنعتیں چلا رہے تھے اور اعلیٰ درجے کے ریستورانوں کے مالک تھے۔

15 فروری ۱۹۸۷ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان نے قومی اسمبلی میں واضح کیا کہ پاک افوج میں مختلف عہدوں کے 328 قادیانی افسران موجود ہیں۔ انہوں نے مندرجہ ذیل تفصیلات مہیا کیں۔

عہدہ	بری	بحریہ	فضائیہ	کل
لیفٹیننٹ جنرل (یا مساوی)	۱	—	—	۱
بریگیڈیئر (یا مساوی)	۵	—	۱	۶
کرنل (یا مساوی)	۱۰	۲	۳	۱۵
لیفٹیننٹ کرنل (یا مساوی)	۵۶	۶	۱۱	۷۳
میجر (یا مساوی)	۱۳۵	۵	۱۶	۱۵۶
کپتان (یا مساوی)	۵۸	۵	۱۴	۷۷

(روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی 16 فروری 1987ء)

مجلس عمل:

مجلس تحفظ ختم نبوت نے اٹھارہ سیاسی و دینی جماعتوں پر مشتمل مرکزی مجلس عمل قائم کی جس نے مشہور عالم دین علامہ محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی زیر قیادت ختم نبوت کے اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیئے بھرپور جدوجہد کا آغاز کیا۔(۱)

مجلس عمل نے بھٹو پر الزام عائد کیا کہ وہ انتہائی جانبدارانہ رویئے کا مظاہرہ کر رہا ہے اور مطالبہ کیا کہ اگر وہ قومی امنگوں کے مطابق اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا تو وہ مستعفی ہو جائے۔ مجلس کے مطالبات میں ربوہ کو کھلا شہر قرار دینا۔ قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹانا۔ ان کی نیم فوجی تنظیموں پر پابندی انتیس مئی کے ربوہ کے ریلوے اسٹیشن کے واقعہ کے ذمہ دار افراد کی گرفتاری تھی جس میں مرزا ناصر احمد بھی شامل تھا۔ یہ بھی مطالبہ تھا کہ ظفر اللہ کے خلاف پاکستان مخالف پروپیگنڈہ کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے اور اس کا پاسپورٹ ضبط کیا جائے۔(۲) مجلس عمل نے اس تحریک میں شدت پیدا کرنے کے لیئے ایک مقاطعہ مہم شروع کر دی۔ فار ایسٹرن (اکنامک ریویو) کے نمائندے نے بتایا کہ یہ مقاطعہ مہم کس طرح جاری ہے:

> ’’پبلک ٹرانسپورٹ پر سٹکروں کی بھرمار کر دی گئی کہ احمدیوں کا سماجی مقاطع کیا جائے۔ دکانوں پر بورڈ آویزاں کر دیئے گئے ہیں کہ احمدیوں کو کچھ نہیں فروخت ہوگا۔ ملک بھر میں دیواروں پر عارضی اشتہارات چسپاں ہیں جن میں احمدیوں کے خلاف سخت ترین زبان استعمال کی گئی ہے۔ اخباروں میں فرموں کی طرف سے اشتہارات چھپنے شروع ہو گئے ہیں۔ اپنے اردگرد اس طرح کے حالات دیکھ کر اس جماعت کے کئی افراد نے ماضی میں اختیار کیئے گئے اپنے غلط عقائد سے توبہ کا ذکر کیا ہے اور اپنے سابقہ دین پر آنے کا اعلان کر دیا ہے‘‘۔(۳)

۱۔ پریس میں ایک فرضی تنظیم کے نام سے مولانا موصوف کی کردار کشی کے لیئے طویل اشتہارات چھپنے شروع ہو گئے۔ ربوہ میں ایک سیل قائم کر دیا گیا جس کی رہنمائی اللہ دتہ جالندھری' قاضی محمد نذیر' دوست محمد شاہد اور مرزا طاہر احمد کر رہے تھے جس کا کام یہ تھا کہ تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیئے پروپیگنڈا مواد کی تالیف و اشاعت کرے۔

۲۔ پاکستان ٹائمز۔ 28 جون 1974ء۔

۳۔ فار ایسٹرن اکنامک ریویو۔ 22 جولائی 1974ء۔

اسمبلی کے روبرو:

تحریک ختم نبوت کے عروج کے دنوں میں صوبہ سرحد کی اسمبلی نے پہل کرتے ہوئے جون ۱۹۷۴ء میں ایک قرارداد منظور کر لی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔ اس فیصلے کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی۔ تاہم الفضل ربوہ نے اسے ایک ایسی کوشش قرار دیا جو قائداعظم کے اصولوں کے خلاف تھی اور ملکی استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ (۱) دوسری صوبائی اسمبلیوں نے بھی ایسی ہی کوششیں کیں مگر حکومت نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ احمدیوں کے تحریک کے شدید دباؤ کے پیش نظر وزیراعظم بھٹو مجبور ہو گیا کہ وہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیئے بہتر طریق کار اختیار کرے۔

دو قراردادیں:

تمیں جون ۱۹۷۴ء کو حکومت نے اعلان کیا کہ اس سارے معاملے کو قومی اسمبلی میں دو قراردادوں کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ ایک قرارداد حکومت نے پیش کی جسے اس وقت کے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے مرتب کیا تھا۔ دوسری قرارداد حزب اختلاف کی طرف سے پیش کی گئی اسے حزب اختلاف کے پارلیمانی گروپ کے جنرل سیکرٹری مولانا شاہ احمد نورانی نے پیش کیا۔ حزب اختلاف کی قرارداد پر سینتیس ارکان نے دستخط کیئے جن میں مولانا عبدالحق (جمیعتہ علماء اسلام) شیر باز مزاری (نیشنل عوامی پارٹی) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) اور قومی اسمبلی میں آزاد ارکان کی نمائندگی کرنے والے حاجی مولا بخش سومرو شامل تھے۔

حکومتی قرارداد قادیانیوں کی آئینی حیثیت کی صراحت میں تھی جبکہ حزب اختلاف کی قرارداد قادیانیوں کی حیثیت کے بارے میں زیادہ وضاحت کی حامل تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ

۱۔ الفضل۔ 21 جون 1974ء۔

> ''ہرگاہ کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور انہوں نے کئی قرآنی آیات کی تکذیب کی اور ان کی جہاد کے خاتمے کی کوشش اسلام کے بنیادی تصور کے خلاف سازش تھی۔
>
> اور ہرگاہ کہ اس مذہب کے پیروکار اپنے آپ کو جو مرضی نام دیں۔ اس بہانے سے مسلمانوں میں شامل ہوتے ہیں کہ وہ بھی اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔ چنانچہ وہ اندرونی و بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور ہرگاہ کہ تنظیم عالم اسلامی نے چھ سے لے کر دس اپریل تک ہونے والے اپنے اجلاس میں جو مکہ میں ہوا تھا اور جس میں عالم اسلام کی تقریباً ایک سو چالیس تنظیموں نے شرکت کی تھی۔ متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ قادیانیت جو اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ کہلواتی ہے وہ اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے۔
>
> چنانچہ اب اسمبلی کو یہ واضح کر دینا چاہئے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار جن کو جو نام بھی دے دیا جائے وہ غیر مسلم ہیں اور ایک ایسا سرکاری بل متعارف کرایا جائے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں ضروری ترامیم کرے تا کہ ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے کو تحفظ دیا جا سکے''۔ (۱)

حکومتی اور حزب اختلاف کی قراردادیں قومی اسمبلی کی کل ایوانی خصوصی کمیٹی کے حوالے کر دی گئیں تا کہ وہ ان پر مفصل بحث کرے اور قومی اسمبلی کو اس بارے میں اپنی حتمی رپورٹ پیش کرے۔

کل ایوانی خصوصی کمیٹی نے اسمبلی میں ایک خصوصی کمیٹی ترتیب دی جس میں مختلف گروپوں کے سربراہ شامل تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علماء پاکستان) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) مولانا مفتی محمود (جمیعتہ علماء اسلام) چوہدری ظہور الٰہی (مسلم لیگ) اور مولا بخش سومرو (آزاد گروپ) نے اس خصوصی کمیٹی میں اپوزیشن کی نمائندگی کی جبکہ حکومتی نکتہ نظر کی ترجمانی کے لیئے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ اور وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی کے نام پیش کیئے گئے۔ دونوں کمیٹیوں یعنی ایوانی کمیٹی اور خصوصی

۱۔ دی میسج انٹرنیشنل۔ کراچی جون جولائی 1984ء)۔

کمیٹی نے اپنے کام پوری لگن سے شروع کر دیئے۔

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور لاہوری گروپ کے امیر صدرالدین نے استدعا کی کہ وہ اپنے دفاع میں اپنا نکتہ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کمیٹی نے ان کی استدعا منظور کی اور ان سے کہا کہ وہ پوری طرح اپنا نکتہ نظر پیش کریں۔ مرزا ناصر احمد نے تقریباً دوسو صفحات پر مشتمل تحریری وضاحت پیش کی اور اس پر اس وقت کے اٹارنی جنرل آف پاکستان یحییٰ بختیار نے جرح کی۔ یحییٰ بختیار کے پوچھے گئے سوالات اراکین کمیٹی خصوصاً علماء نے تیار کیئے تھے۔ لاہوری گروپ کی ترجمانی کیلیئے صدرالدین نے حکیم نورالدین کے بیٹے اور اس جماعت کے ایک پرانے رکن عبدالمنان عمر کو نامزد کر دیا۔ اس نے اپنی جماعت کا موقف چودہ صفحات پر مشتمل یادداشت کی شکل میں پیش کیا جس پر دو روز بحث ہوئی۔ قادیانی مسئلے پر مسلمانوں کے نکتہ نظر کو اسمبلی کے سامنے سینتیس اراکین اسمبلی نے پیش کیا۔ ماہانہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے مدیر مولانا سمیع الحق اور مولانا تقی عثمانی نے مولانا بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی رہنمائی میں موقف مرتب کیا۔ اسے مولانا مفتی محمود نے اسمبلی میں پڑھ کر سنایا۔(۱)

سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خان نے ایک انٹرویو میں یہ انکشاف کیا کہ:

> قادیانی مسئلہ کے حل کے لیئے اراکین اسمبلی نے اپنے عقیدے اور ضمیر کے مطابق فیصلہ دیا۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ بھٹو اور چند اراکین اسمبلی کو یہ یقین تھا کہ قادیانی پڑھے لکھے طبقہ کے افراد ہیں اور وہ اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کرنے کی بہتر پوزیشن میں ہیں۔ مگر مرزا ناصر احمد نے انتہائی احمقانہ دلائل دیئے اور اپنے مفاد میں بہت گھٹیا تاثر چھوڑا۔ جرح کے دوران سوالات کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ اپنا نکتہ نظر پیش کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ جس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ ربوہ جماعت کے عقائد انتہائی خطرناک ہیں۔

۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف موتمر المصنفین اکوڑہ خٹک 1984ء۔ اس کا انگریزی ترجمہ ولی محمد رازی نے کیا ہے۔ Qadianism on Trial کراچی۔ 1980ء۔

صاحبزادہ نے مزید کہا:

''ہمیں یہ تاثر تھا کہ لاہوری احمدی شاید قادیانیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیئے جائیں کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کی نبوت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ مگر جب لاہوری جماعت کے عمر رسیدہ رہنما صدر الدین نے ایوان کے سامنے اپنا موقف رکھا تو یہ بات نکھر کر سامنے آ گئی کہ تمام احمدی فرقے خطرناک اور اور گوناگوں عقائد کے علمبردار ہیں۔ بحث کے دوران جب ہم نے ایوان کا نکتہ نظر دریافت کیا تو اراکین اسمبلی کی ایک غالب اکثریت نے پرزور طریقے سے کہا۔ لاہوری جماعت قادیانی (ربوی) سے بھی پہلے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی مستحق ہے۔ ہم نے ان کو بچانے کی کوشش کی مگر اس کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ یہ بھی عیاں ہو گیا کہ دونوں جماعتوں کے درمیان بہت معمولی سا اختلاف ہے اور اصل اختلاف سیاسی نوعیت کا ہے۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ صدر الدین کی بذات خود یہ شدید خواہش تھی کہ لاہوری جماعت کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اسے اس بات کا اعتراف تھا کہ اس کے دلائل اس کے بنیادی نکتہ نظر کے خلاف جا رہے ہیں''۔(۱)

متفقہ رپورٹ:

قومی اسمبلی کی کل ایوانی کمیٹی نے اپنی حسب ذیل رپورٹ پیش کی:

''سارے ایوان کی خصوصی کمیٹی نے اپنی سٹیئرنگ کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی معاونت سے اپنے روبرو پیش شدہ دونوں قراردادیں ملاحظہ کی ہیں جو قومی اسمبلی نے اس کے حوالے کی ہیں اور دستاویزات کے محتاط مطالعے۔ گواہان پر جرح بشمول انجمن احمدیہ ربوہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پر جرح کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو مندرجہ ذیل سفارشات پیش کرتی ہیں۔

(الف) کہ آئین پاکستان میں اس طرح ترمیم کی جائے۔

۱ کہ آرٹیکل ۱۰۶ (۳) میں قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو کہ اپنے آپ کو احمدی

---

(۱)۔ جنگ میگزین میں صاحبزادہ فاروق علی خان کا انٹرویو۔

کہلواتے ہیں) کے بارے میں یہ شق داخل کردی جائے۔

(II)(کہ آرٹیکل ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے ایک غیر مسلم کی تعریف کی جائے)۔

مندرجہ بالا سفارشات کو موثر قرار دینے کے لیئے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور کردہ ایک مسودہ ملف ہے۔

(ب) کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵۔ الف میں یہ وضاحت شامل کردی جائے۔

وضاحت۔ ایک مسلمان جو تسلیم کرتا ہے، عمل کرتا ہے یا حضرت محمدؐ کی ختم نبوت کے تصور کے خلاف تشہیر کرتا ہے۔ جیسا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ کی شق نمبر تین میں بیان کیا گیا ہے۔ اس دفعہ کے تحت قابل سزا ہوگا۔

(ج) متعلقہ قوانین مثلاً نیشنل رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی قوانین میں نتیجۃً قانونی اور عملی ترمیم کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں کی بلالحاظ عقیدہ جس سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔ زندگی۔ آزادی۔ جائیداد۔ عزت اور بنیادی حقوق کا مکمل طور پر تحفظ کیا جائے گا۔

1۔ عبدالحفیظ پیرزادہ

2۔ مولانا مفتی محمود

3۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

4۔ پروفیسر غفور احمد

5۔ غلام فاروق

6۔ چوہدری ظہور الٰہی

7۔ سردار مولا بخش سومرو

8۔ مولانا غلام غوث ہزاروی (نے بھی بعد میں دستخط کیئے)

یہ قرارداد پیش کرنے سے پہلے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے کہا کہ خصوصی کمیٹی کے تمام اجلاسوں میں مکمل طور پر اتفاق اور یگانگت پائی جاتی ہے۔ چند مشکلات

در پیش آئیں مگر وہ طریقہ کار کے متعلق تھیں۔

بل:

تیس جون ۱۹۷۴ء سے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے احمدیہ مسئلہ پر تاریخی بل پیش کیا اور آئین کی دو دفعات میں ترمیم کی اور اس قرارداد کی سفارشات پر عمل درآمد کرایا جسے پہلے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے منظور کیا تھا اور بعد میں ایک خصوصی اجلاس میں اس کی منظوری دی گئی تھی۔

بل کا متن:

اسلامی جمہوری پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم۔ ہرگاہ کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں ضروری ہو گیا ہے کہ اس میں یہ ترامیم کی جائیں۔

چنانچہ اس کا نفاذ حسب ذیل کیا جاتا ہے۔

1- مختصر ٹائٹل اور ابتداء

(I) یہ ایکٹ آئین (دوسرا ترمیمی) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(II) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

2- آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۰۶ کی ترمیم:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین جس کو اب آئین کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔ آرٹیکل ۱۰۶ کی شق نمبر ۳ میں لفظ دو گروہوں میں الفاظ اور بریکٹ اور قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں) کا اضافہ کیا جائے گا۔

3- آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں ترمیم آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں شق نمبر ۲ کے بعد مندرجہ ذیل نئی شق کا اضافہ کیا جائے گا۔

(3)۔ ”جو شخص حضرت محمدؐ کی ختمی اور بلاشبہ ختم نبوت میں بطور آخری نبی یقین نہیں رکھتا یا

نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کسی لفظ کے کسی مطلب یا بیان میں حضرت محمدؐ کے بعد یا ایسے دعویدار کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ یا مذہبی مصلح خیال کرتا ہے وہ قانون اور آئین کی رو سے مسلمان نہیں ہے۔“

قومی اسمبلی نے آئین میں دوسرا ترمیمی بل منظور کرلیا۔ سینٹ نے بھی اسے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ ایوان میں موجود تمام اکتیس ارکان سینٹ نے وزیر قانون کی طرف سے پیش کردہ بل کی حمایت میں ووٹ دیئے۔ آخری ووٹ سے پہلے ایک التواء کے ذریعے قائد حزب اختلاف ہاشم خان غلوئی نے اعلان کیا کہ وہ اپنی طرف سے اس بل کی مکمل طور پر حمایت کرتے ہیں۔ یہ سات ستمبر ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے۔

ترمیم:

آئین کے آرٹیکل ۱۰۶ (۳) جس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے ترمیم کی ہے یہ ہے۔

> ”صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کے علاوہ صوبہ بلوچستان پنجاب سرحد اور سندھ کی اسمبلیوں میں جیسا کہ شق نمبر ایک میں تخصیص کی گئی ہے کہ اسمبلیوں میں اضافی نشستوں جو کہ عیسائی ہندو۔ سکھ۔ بدھ اور پارسی برادریوں کے لیئے مخصوص ہیں اور قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے یا شیڈولڈ ذاتوں کے لیئے یوں ہوں گی۔

بلوچستان۔	۱
صوبہ سرحد۔	۱
پنجاب۔	۳
سندھ۔	۲

دوسری ترمیم آرٹیکل ۲۶۰ میں دوسری شق کے بعد مندرجہ ذیل اضافہ تھی۔ ”جو شخص حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء کی حتمی اور غیر مشروط ختم نبوت میں یقین نہیں رکھتا یا نبی ہونے کا دعویٰ

کرتا ہے۔ کسی بھی لفظ یا بیان کے ذریعے حضرت محمدؐ کے بعد ایک ایسے دعویدار کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ یا کہ مذہبی مصلح جانتا ہے وہ آئین یا قانون کی رو سے مسلمان نہیں ہے"۔

جب قومی اسمبلی نے آئین کے دوسرے ترمیمی بل کی منظوری دی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا تو پورے ایوان میں ڈیسک بجا بجا کر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں جب سے ملک کا یہ آئین منظور ہوا تھا ارکان اسمبلی نے کبھی بھی اس یگانگت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بھری ہوئی گیلریوں سے قادیانی مسئلے میں عوامی دلچسپی کی جھلک صاف ظاہر تھی۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے لوگ راستے میں قالینوں پر بیٹھے تھے اور خالی کونوں میں کارروائی کا نظارہ کرنے کے لیئے ہجوم در ہجوم جمع تھے۔ اسلام آباد کے سفارتی نمائندوں نے اپنی نمائندگی بھرپور انداز میں کی اور خواتین کی گیلری میں نوجوان اور ادھیڑ عمر عورتوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔(۱)

سات ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانی مسئلہ میں پارلیمنٹ میں منظور شدہ قانون سازی کے بعد قومی اسمبلی میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ختم نبوت کے مسئلہ کے حل ہونے پر پر مغز تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہایت مشکل فیصلہ کیا گیا ہے جو جمہوری ادارے اور اختیار کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہ ایک نوے سالہ پرانا مسئلہ تھا۔ ۱۹۵۳ء میں اس مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے اسے دبانے کے لیئے وحشیانہ قوت کا استعمال کیا گیا۔ اس مسئلے کو زیر بحث لانے کے لیئے سب سے زیادہ مناسب بحث کی جگہ پاکستان کی قومی اسمبلی تھی۔ وزیر اعظم نے ایوان کو بتایا کہ اس مسئلہ پر انہیں بہت سے پریشان کن اور بے سکون مراحل سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے اس فیصلہ کے نتائج اس کے سیاسی اور معاشی اثرات اور ریاست کے دفاع پر اس کے اثرات کی وضاحت کی۔ انہوں نے واضح کیا کہ یہ معاملہ سپریم کورٹ۔ اسلامی مشاورتی کونسل یا اسلامی سیکرٹریٹ کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔ مگر اس مسئلہ کے مخلصانہ حل کے لیئے قومی اسمبلی نے ایک کمیٹی کے طور پر ایک خفیہ اجلاس کیا۔ ایوان کے ہر رکن اور پیش ہونے والوں کو پوری یقین دہانی کرائی گئی کہ وہ جو کچھ بھی کہیں گے اسے سیاسی یا دیگر مقاصد

۱۔ قومی اسمبلی کے اجلاس پر ڈان کی رپورٹ۔ 9 ستمبر 1974ء۔

کے لیئے استعمال نہیں کیا جائے گا' نہ بگاڑ کر پیش کیا جائے گا نہ ہی اسے غلط معنی پہنائے جائیں گے۔(۱)

فیصلے کی پذیرائی:

مختلف سیاسی جماعتوں اور مذہبی تنظیموں کے راہنماؤں نے قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس عمل کے صدر مولانا محمد یوسف بنوری نے اس متفقہ فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ مولانا مفتی محمود (جمعیت علمائے اسلام) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) نوابزادہ نصر اللہ خان (پاکستان جمہوری پارٹی) مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علمائے پاکستان) اصغر خان (تحریک استقلال) اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا۔(۲)

اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل حسن التہامی نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ اسلامی سیکرٹریٹ کے دوسرے ارکان بھی اس فیصلہ کی پیروی کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ اسلامی سیکرٹریٹ کو روانہ کیا گیا تو یہ شائع کر کے تمام رکن ممالک کو بھجوایا جائے گا۔(۳)

ڈان کراچی نے قادیانی مسئلہ پر قومی اسمبلی کے فیصلہ پر اپنے ایک اداریئے میں "ایک تاریخی فیصلہ" کے عنوان سے تبصرہ کیا۔ اخبار نے لکھا۔

> "ایک پرانا تنازعہ جس نے عوامی امن وسکون کو خطرے میں ڈال دیا تھا اور جو پیچیدگیاں اور نزاکت کے عناصر سے پر تھا آخر کار اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔ قادیانی مسئلہ پر پارلیمنٹ کی قرارداد جو پاکستان کے عوام کی جذبات اور امنگوں کے عین مطابق ہے۔ ایک تاریخی اہمیت کا حامل معاملہ ہے۔ تقریباً نوے سالوں سے یہ مسئلہ ایک آتش فشاں کی طرح موجود تھا۔ جو کبھی خاموش اور کبھی لاوا اگلتا تھا۔ مگر اس کی آگ کبھی سرد نہیں ہوئی۔ یہ بہت اہمیت کی بات

۱۔ حضرت محمدؐ کی ختم نبوت پر قومی اسمبلی کا فیصلہ، اسلام آباد۔ 1974ء۔

۲۔ مارننگ نیوز کراچی۔ 9 ستمبر 1974ء۔

۳۔ ایضاً۔

ہے کہ اس معاملے کو اسی انداز میں عوامی نمائندگان کے متفقہ فیصلے کی رو سے طے کیا گیا۔ چنانچہ جب قومی اسمبلی اور سینٹ نے آئین کا (دوسرا ترمیمی) بل منظور کیا جس میں حضرت محمد ﷺ کی غیر مشروط اور حتمی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا تو نہ صرف اس سے ایک مذہبی تنازعہ کے ایک دردناک باب کا خاتمہ ہو گیا بلکہ مستقبل میں بھی ایک قابل رشک مثال قائم کر دی گئی ہے۔ جس انداز سے یہ فیصلہ ہوا ہے ملک میں جمہوریت کے فروغ کے لیئے یہ ایک نیک شگون ہے۔ آئینی طور پر یہ جمہوریت میں ایک نئی روح پھونکی گئی ہے۔ ایک سرکاری اور عدالتی فیصلہ کا اس طرح سے ہونا اس کے کبھی بھی متبادل نہ ہو سکتا تھا۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو ستائش اور تعریف کے لائق ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کا پہلے بہادری سے سامنا کیا اور پھر اس کو ملک کی سب سے بڑی خودمختار باڈی کے سامنے پیش کر دیا۔

قومی اسمبلی کا اتفاق رائے سے اس کارنامے کا سرانجام دینا جس نے سارے ایوان کی خصوصی کمیٹی کے طور پر کام کیا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ اسکی کارروائی خفیہ ہوئی مگر پھر بھی احتیاط کو وسیع قومی مفاد کے پس منظر میں رکھا گیا۔ یہ مئی کے آخر میں سانحہ ربوہ سے شروع ہوا اور بعد میں وزیراعظم کے بقول جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا گیا۔ جانی اور مالی نقصان ہوا۔ درحقیقت یہ احتجاج ان جذبات پر استوار تھا جنہیں طویل عرصہ تک دبایا گیا مگر آخرکار یہ پھٹ پڑا جب اسلام کے سچے شیدائی اس کو مزید برداشت نہ کر سکے۔ یہ حکومت کی دانائی تھی جس نے اسے مزید موخر نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس طرح وزیراعظم نے کہا کہ ہنرمندی ہمیشہ فیصلوں کو موخر کرنے کے کچھ طریقے ایجاد کر لیتی ہے مگر اسے دوبارہ بھی آزمایا جائے۔ منطقی فیصلوں کیلیئے زیادہ جرأت اور مضبوط استقلال کی ضرورت ہے۔

یہ معاملہ ہمارے لیئے باعث فخر ہونا چاہئے کہ حکومت اور عوامی نمائندوں نے اس جرأت اور استقلال کا مظاہرہ کیا مگر یقیناً یہ کوئی آسانی سے طے ہو جانے والا مسئلہ نہیں تھا جیسا کہ بھٹو نے کہا کہ اس فیصلہ کے مختلف سیاسی اور معاشی مضمرات ہیں۔ اس میں ریاست کے تحفظ کے

> معاملات بھی ملوث تھے۔ جب وہ یہ کہہ رہے تھے تو وہ اس میں ذرہ بھر مبالغہ آرائی نہیں کر رہے تھے۔ یہ درست تھا جب انہوں نے پاکستان کی تاریخ میں اسے مشکل ترین فیصلہ قرار دیا یہ بہت ضروری کیوں تھا۔ اس کا خلاصہ انہوں نے خود بیان کر دیا جب انہوں نے یہ کہا کہ پاکستان کی بنیاد اسلام ہے اور جب ایک فیصلہ کیا جائے جسے ملک میں مسلمانوں کی ایک جماعت اسلام کے بنیادی اصولوں اور عقائد کے خلاف سمجھے تو یہ وجہ تخلیق پاکستان اور اس کے جواز کو خطرناک حد تک متاثر کرے گا۔ (۱)

قادیانیوں کی سیاسی تاریخ کی روشنی میں ''امپیکٹ لنڈن'' نے اس قرارداد پر بڑی خوبصورت روشنی ڈالی۔ اس میں بیان کیا گیا کہ قومی اسمبلی کا فیصلہ ایک بڑی دیر سے جاری مگر غیر ضروری بے قاعدگی کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ یہ فیصلہ حقیقی اور قانونی صورت حال کو باقاعدہ بنا دے گا۔ یہ مسئلہ اس لیئے نہیں اٹھ کھڑا ہوا کہ مسلمان مذہبی تعصب اور جنون سے مغلوب ہو کر لوگوں کے کسی گروپ کو مذہب اسلام سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے بلکہ دوسری طرف اسکی ابتداء مرزا غلام احمد قادیانی کی مسیحیت اور نبوت سے مربوط ہے اور ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا منطقی جواز ہے جو ان کے دعاوی پر یقین نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کے ساتھ احمدیوں کے تعلقات کی قادیانی نکتہ نظر سے ان کے دوسرے خلیفہ مرزا محمود نے بڑی اچھی وضاحت اور تلخیص پیش کی ہے۔

> ''غیر احمدیوں سے ہماری عبادت جدا کر دی گئی ہے۔ ہمیں منع کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنی لڑکیاں (ان کے رشتے) میں نہ دیں اور ہمیں ان کے مردوں کے جنازے پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ پھر باقی کیا بچتا ہے جو ہم اکٹھا کریں؟ تعلقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دینی اور دوسری دنیاوی۔ مذہبی تعلقات کا سب سے بڑا اظہار اکٹھی عبادت ہے اور دنیاوی معاملات میں یہ خاندانی اور شادی کے معاملات ہوتے ہیں مگر ہمارے لیئے یہ دونوں ہی حرام قرار دیئے جا چکے ہیں۔ اگر آپ یوں کہیں کہ ہم ان کی لڑکیوں سے شادی کر لیں تو پھر میرا جواب یوں ہوگا کہ پھر ہمیں عیسائیوں کی لڑکیوں سے بھی شادی کر لینی چاہئے۔ اگر آپ یوں کہیں کہ ہم غیر

۱۔ ڈان کراچی۔ 10 ستمبر 1974ء۔

> احمدیوں کو سلام کیوں کرتے ہیں تو اس کا جواب یوں ہے کہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) نے یہودیوں کو بھی سلام کیا ہے۔ چنانچہ مسیح موعود نے نے تمام امکانی طریقوں سے دوسروں سے علیحدہ کر دیا اور کوئی ایسی رشتہ داری نہیں جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمیں اس میں شامل ہونے سے منع کر دیا گیا ہو"۔(۱)

چنانچہ شادی۔ طلاق۔ وراثت وغیرہ کے معاملات میں برطانوی راج کے دوران اور بعد ازاں پاکستان کے علاوہ ہندوستان کی آزادی کے بعد کے دور میں دیوانی عدالتوں کو یہ طے کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ قادیانی مسلمان نہیں تھے اور اہم بات یہ ہے کہ قادیانیوں نے ان فیصلوں کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ تاہم ان کا کوئی سیاسی اثر نہیں تھا۔

۱۹۳۵ء میں عظیم مسلمان شاعر علامہ اقبال نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ قادیانیوں کو بالکل اسی طرح ایک علیحدہ گروہ قرار دے جس طرح سکھوں کو قرار دیا گیا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں سکھوں کو ہندوؤں سے بالکل الگ گروہ قرار دیا گیا تھا۔ اگرچہ ہائی کورٹ نے سکھوں کو ہندوؤں کا حصہ قرار دیا تھا۔ اقبال نے کہا۔

> ''قادیانی سماجی اور مذہبی معاملات میں علیحدگی کی حکمت عملی پر عمل پیرا رہتے ہوئے اس بات پر بضد ہیں کہ وہ سیاسی دائرے میں شامل رہیں۔ علامہ اقبال نے یہ دلیل دی کہ قادیانی کبھی بھی علیحدگی کی جسارت نہیں کریں گے کیونکہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی قلیل تعداد (۵۶،۰۰۰) انہیں کسی بھی قانون ساز ادارے میں ایک نشست بھی نہیں دلوا سکے گی۔ تاہم یہ جسارت مختصر طریقے سے ۱۹۴۶ء میں کی گئی۔ قیام پاکستان کے بارے میں غیر یقینی کیفیت میں مبتلا ہو کر (جو کہ ان کے خلیفہ کی پیش گوئی کے مطابق ایک عارضی تقسیم ہو گی اور پیروکاروں سے یہ کہا گیا تھا کہ وہ اسے جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کریں۔(۲) انہوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ ''ہمارے حقوق کی بھی پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح حفاظت کی جائے''۔(۳)

۱۔ کلمۃ الفصل۔ مرزا محمود احمد۔ ریویو آف ریلیجنز۔ جلد 14 نمبر 34 صفحہ 169۔

۲۔ الفضل۔ 5 اپریل 1947ء۔

۳۔ الفضل 13 نومبر 1946ء۔

قادیان کی ماضی کی سیاسی سازشوں پر بحث کرنے کے بعد اخبار نے لکھا۔

’’جب مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی نے غیر متوقع طور پر پنجاب اور سندھ میں اکثریتی نشستیں حاصل کرلیں اور بعدازاں سقوط ڈھاکہ کے بعد اقتدار حاصل کرلیا تو قادیانیوں نے یہ مشہور کردیا کہ اس فتح میں بڑا کردار ان کا ہے۔ خلیفہ ناصر احمد کے مطابق پیپلز پارٹی کی حمایت میں کام کرنے والے رضا کاروں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔ انہوں نے اس جماعت کے پس منظر میں رہنے کے تاثر کو ختم کردیا اور ان کے والد جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا محمود احمد کے مطابق ان کی سیاست برطانوی حکومت کی نسبت ایک گہری طرز کی تھی۔ مگر یہ سیاست آخرکار تباہ کن ثابت ہوگی۔

جلد ہی مسٹر بھٹو سے بدظن ہوکر انہوں نے حزب اختلاف کے رہنماؤں خصوصاً استقلال پارٹی سے پینگیں بڑھانا شروع کردیں۔ ۱۹۷۲ء کے وسط تک قادیانی ٹولے کے ارکان فضائیہ اور بحریہ کی کمانیں سنبھالے ہوئے تھے۔ تقریباً ایک درجن یا اس کے قریب ان کے افسران یا تو کور کمانڈر تھے یا دیگر حساس اور اہم عہدوں پر فوج میں تعینات تھے۔ ان حالات میں ایک ایسا سیاستدان جو اقتدار کا خواہش مند تھا۔ بڑی مشکل سے ہی فوج یا قادیانیوں کو نظر انداز کرکے اپنے شعور اور ان کی قوت کے اظہار سے بچ سکتا تھا۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں جب آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کرلیا تو خلیفہ نے کہا کہ انہیں کوئی فکرمندی نہیں ہے مگر انہوں نے انتباہ کیا کہ اگر برائی اپنی حدوں سے تجاوز کرگئی تو پھر پاکستان اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مصائب اور بدامنی سے بمشکل محفوظ رہ سکے گا‘‘۔

چند ہفتے بعد فضائیہ کے تقریباً درجن افسران پر مقدمہ شروع ہوا۔ جن پر حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام تھا اور جب یہ شروع ہوا تو اس سے چونکا دینے والے حقائق سامنے آئے کہ کس طرح فضائیہ کے سربراہ اور ان کے ہم مذہب نے محب وطن اور اہل افسران کی اہلیت کو ختم کرکے اسے ایک قادیانی نواز قوت بنانے کی حرکت کی۔ ان پر پورے یا پاکستان کے جزوی حصے پر

قبضہ کرنے کے قادیانی منصوبے کی تکمیل کے کھلے الزامات عائد کیئے گئے۔ فوجی مقدمات میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ چار کے علاوہ تمام مجرم پائے جائیں اور بری بھی کر دیئے جائیں۔ فضائیہ کے سربراہ کو جس نے اس فیصلہ کو خوش دلی سے قبول نہ کیا تھا۔ اپریل میں مستعفی ہونا پڑا۔

بائیس مئی کو ملتان میڈیکل کالج کے طلباء کا واقعہ قادیانیوں کے رویے کی بدترین مثال پیش کرتا ہے۔ مسلمان طلباء نے ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں پر طنزیہ فقرے کسے بلکہ گالیاں تک دیں مگر اس کو نظر انداز کرنے کی بجائے قادیانیوں نے بدلہ لینے کی ٹھانی اور جب طلباء انتیس مئی کو دورے سے واپس آ رہے تھے تو وحشیانہ طور پر بدلہ لیا گیا۔ صمدانی ٹربیونل میں جس طرح سے یہ بات ثابت ہوئی ہے اسکے مطابق یہ ایک ردعمل نہیں بلکہ باقاعدہ منصوبہ تھا۔ قادیانیوں نے اس طرح اپنے لیئے تباہ کن راستہ کیوں اختیار کیا۔ ممکنہ طور پر یہ غرور وتکبر کا اظہار تھا تاکہ ایک دوسرے فوجی انقلاب کا راستہ ہموار کیا جاسکے۔ تاہم اس واقعہ سے پیدا ہونے والا ردعمل شدید تھا اور ملک گیر تھا مگر یہ مکمل طور پر قابل برداشت، منظم اور غیر متشدد تھا۔ انتیس مئی کے بعد پہلے ہفتے میں بیالیس اموات (پچیس قادیانی اور سترہ مسلمان) زیادہ تر ہیجان انگیز رویے کے طور پر وقوع پذیر ہوئیں۔ دوسرا تشدد جو رونما ہوا۔ وہ پولیس کا تھا جو اس نے طلبہ، مزدوروں اور علماء پر کیا۔ تاہم قادیانیوں کی آئینی حیثیت کی وضاحت کا مطالبہ اس وقت ایک نکتے پر پہنچ گیا جہاں سے اسے بے رحمانہ طریق سے دبایا نہیں جاسکتا تھا اور نہ ہی اسے شکست دی جاسکی۔ مگر جیسے کہ مسٹر بھٹو نے کہا کہ دبانے سے مسئلہ خفیف ہوسکتا تھا اور پس منظر میں چلا جاتا مگر یہ ختم نہ ہوتا۔ اس مسئلے کا تصفیہ اور قادیانی جماعت کے آئینی حقوق کی حمایت جیسا کہ وزیراعظم نے قومی اسمبلی کو بتایا اس جماعت کے طویل المیعاد مفاد میں تھی''۔ (۱)

دی مارننگ نیوز کراچی نے یوں تبصرہ کیا کہ:

''ختم نبوت پر قومی اسمبلی کے واضح اور درست فیصلے سے اس مسئلہ پر تمام تنازعات ختم ہو

۱۔ دی اکانومسٹ۔ لندن۔ 27 ستمبر 1974ء۔

> جانے چاہئیں۔ بلاشبہ تمام ارکان اسمبلی نے اپنی سیاسی ہمدردیوں اور مذہبی عقائد سے بالاتر ہو کر ایک قابل تقلید احساس ذمہ داری کا یکجہتی سے فیصلہ کر کے ثبوت پیش کیا ہے۔ بلاشبہ یہ پریشان کن مسئلہ مذہبی نوعیت کا ہے۔ تمام اسلامی مکاتب فکر کی بے لاگ مباحث اور مفصل بحث کی اس میں ضرورت تھی۔ مزید برآں اس میں پاکستانی عوام کا ایک بڑا طبقہ ملوث ہو گیا تھا اور آسانی سے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک ایسی حکومت جو اسلام اور جمہوریت پر پختہ یقین رکھتی ہو۔ اسکی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس چیلنج کا موثر طور پر مقابلہ کرے اور یہ وزیراعظم بھٹو کی انتھک کوششوں سے ہوا کہ ملک کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے نے متفقہ طور پر قرارداد منظور کی جس میں آئین میں ترمیم کے ذریعے ایسے ہر شخص کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی حتمی ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ ایک خوش کن امر ہے کہ قرارداد پیش کرنے والوں میں اسلامی عقائد کے تمام مکاتب فکر جمع تھے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے پیچھے پوری قوم کی امنگیں کارفرما ہیں''۔(۱)

ظفر اللہ نے اپنے ایک بیان میں شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی پارلیمنٹ کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ قادیانیوں کے عقیدے کا فیصلہ کرے۔ اس بیان کے جواب میں اس وقت کے وزیر قانون و پارلیمانی امور عبدالحفیظ پیرزادہ نے کہا کہ پارلیمنٹ اعلیٰ ادارہ ہے اور کوئی اس کے فیصلے کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ انہوں نے ظفر اللہ کو یاد دلایا کہ تقسیم سے قبل برطانوی حکومت نے اس وقت کی حکومت ہند کے اس نکتہ نظر کو مسترد کرتے ہوئے کہا تھا۔ سکھ ہندو معاشرے کا ایک حصہ ہیں اور نتیجتاً انہیں ایک علیحدہ گروہ قرار دیا تھا۔(۲)

لاہوری جماعت نے اس پر نرم ردعمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے آپ کو چودھویں صدی ہجری کے مجدد مرزا غلام احمد کے اصل عقائد کا سچا پیروکار قرار دیا۔(۳)

۱۔ مارننگ نیوز کراچی۔ 9 ستمبر 1974ء۔

۲۔ ڈان کراچی۔ 10 اکتوبر 1974ء۔

۳۔ دوست محمد۔ ''جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیے جانے کی حقیقت''۔ احمدیہ انجمن۔ لاہور 1975ء۔

مخفی دشمن:

ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم نے قادیانیت کے مذہبی وسیاسی پہلوؤں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا۔ مسلمانان عالم نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایک زیر زمین سیاسی تنظیم ہے جس کے سامراجیت سے تعلقات تھے جو اسے اپنے مذموم مقاصد کے لیئے تیار کرتی اور استعمال کرتی ہے۔ اس کا مذہبی لبادہ سیاسی کھیل کھیلنے کا محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ برطانوی حکومت کی مشفقانہ سرپرستی میں اس نے عالم اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے لیئے ایک تباہ کن اسلام مخالف کردار ادا کیا ہے۔

قادیانیوں نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے بارے میں ان کا نکتہ نظر اپنی نوعیت میں معذرت خواہانہ ہے۔ وہ یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اس تحریک کو حکومت نے اپوزیشن کو کچلنے کے لیئے پروان چڑھا دیا تھا اور پاکستان میں مطلق العنانیت کی راہ ہموار کی تھی۔ آزاد خیال۔ لادین اور ترقی پسند عناصر نے اس میں زیادہ حصہ لینا پسند نہ کیا مگر وہ اکثریت سے کٹ جانے سے خوفزدہ رہے۔(۱)

ظفر اللہ نے اپنے مذہبی عقائد کے جواز میں ایک رسالہ تحریر کیا۔ اُس نے یہ دلیل دی کہ آئین پاکستان کا آرٹیکل (20) ہر شخص کو آزادی عقائد کی اجازت دیتا ہے اور موجودہ ترمیم اس کے برعکس ہے۔(۲)

تاہم چند دور اندیش مسلم رہنماؤں نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ ہوشیار رہیں کیونکہ احمدی ان کے خلاف ایک نیا حملہ شروع کرنے والے تھے۔ مولانا مودودی نے مسلمانوں کو انتباہ کیا کہ احمدیہ مسئلہ حتمی طور پر ختم نہیں ہوا ہے۔ سانپ زخمی ہوا ہے مرا نہیں۔ حکومت احمدیوں کو یہ اطمینان دلا رہی تھی کہ انہیں آئینی تحفظات مل گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس ترمیم نے بیرون ملک لوگوں کے تخیلات کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ جان گئے ہیں کہ

۱۔ ہفت روزہ لاہور۔ 23-31 دسمبر 1974ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 19 اپریل 1976ء۔ مزید دیکھئے ظفر اللہ کا کتابچہ۔ "میرا دین"۔ جو دلچسپ مطالعہ پیش کرتا ہے۔ ہفت روزہ لاہور۔ 13 ستمبر 1976ء۔

قادیانی نہ صرف غیر مسلم ہیں بلکہ جاسوس بھی ہیں۔ یہ درحقیقت ایک سیاسی گروہ ہیں۔ انہوں نے انتباہ کیا کہ مسلمانوں کو احمدیوں کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنی چاہئے کیونکہ وہ حساس محکموں میں سرایت کر کے حصول اقتدار کے لیئے کوشاں تھے۔ (۱)

بظاہر اپنے قادیانی جتھے کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے پیپلز پارٹی کی حکومت قومی اسمبلی کے فیصلے کو نافذ العمل کرانے میں گریزاں تھی۔ اس نے تعزیرات پاکستان میں تبدیلی کرنے کی ہر ممکن پیش بندی کی۔ یہ توقع کی جا رہی تھی کہ مجوزہ ترمیم کے بعد قادیانی۔ نئی مساجد کی تعمیر۔ مرزا غلام احمد کو نبی اور رسول اور اس کے ساتھیوں کو صحابہ قرار دینے کے ملحدانہ عقائد کی تبلیغ کے قابل نہیں رہیں گے مگر قادیانی اپنے رویے پر بضد رہے۔ آئینی ترمیم کا بالکل خیال نہ کرتے ہوئے اور قانون میں تبدیلی سے مکمل واقفیت کے باوجود انہوں نے پاکستان میں نئے پروگرام اور قوت کے ساتھ اپنی ارتدادی مہم پورے زور و شور سے جاری رکھی۔ (۲)

بیوروکریسی میں سرگرم عمل قادیانی عناصر نے تمام ممکنہ اقدامات کیئے کہ آئینی ترمیم کو بے فائدہ اور لایعنی بنا دیا جائے۔ بھٹو حکومت نے اصل معاملہ حقیقت میں بے سہارا چھوڑ دیا اور اسے مزید پیچیدہ کر دیا۔ (۳)

تحریک ختم نبوت سے احمدیہ مسئلہ سرفہرست آ گیا جس نے اسلام مخالف قوتوں کو موقع فراہم کر دیا کہ وہ احمدیہ تحریک کی قوت پر دوبارہ نظر ڈالیں تاکہ اسلامی دنیا میں راسخ العقیدگی کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف اسے جوابی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ انہوں نے قادیانیوں کو امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک میں قیام پذیر ہونے اور قادیانی بھگوڑوں کو ایک ''پاکستانی مظلوم اقلیت'' قرار دے کر سیاسی پناہ کی پیشکش کی اور اپنی خفیہ مدات میں سے مزید خزانے کے منہ کھول دیئے۔ (۴)

یہ بات ثابت کرنے کے شواہد موجود ہیں کہ بھٹو اپنی دوسری میعاد حکومت میں اس

۱۔ بحوالہ۔ الفضل۔ ربوہ۔ 16 اکتوبر 1974ء۔

۲۔ دیکھیے ظفر اللہ کا انٹرویو ہفت روزہ لاہور۔ 14 جون 1976ء۔

۳۔ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور۔ 12 جولائی 1976ء۔

۴۔ خالد دیحلوف۔ ''دائی پولیٹیشن ردول ؤے اسلام ان ورڈرن اورینٹ''۔ دوسرا اور مفصل ایڈیشن۔ ہیمبرگ 1979ء۔

آئینی ترمیم کی واپسی پر تلا ہوا تھا۔ مسعود محمود جو کہ ڈاکٹر بشارت احمد (لاہوری احمدی) کے خاندان کا قریبی رشتہ دار اور رسوائے زمانہ فیڈرل سیکیورٹی فورس کا ڈائریکٹر جنرل تھا، نے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ:

> ”جب اسمبلی نے قادیانیوں اور لاہوری احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تو وزیراعظم بھٹو اس فیصلے سے سخت ناخوش تھا۔ اُس نے قسم کھائی کہ وہ اس فیصلے کو بدل دے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو سکا تو ایسے اقدامات کیئے جائیں گے کہ اس کی دوسری مدت حکومت میں عوامی نمائندگی کے بعد قادیانیوں کو راضی کرنے کی کوشش کی جا سکے۔ اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس کے یہ احساسات اس کے چیف سائنٹیفک آفیسر ڈاکٹر عبدالسلام تک پہنچا دوں۔ سلام نے اس کی تضحیک اڑا دی۔ اس نے بتایا کہ وہ ذاتی طور پر پاکستان کا وفادار ہے مگر ”جو کچھ بھٹو نے کر دیا ہے وہ ناقابل معافی ہے اور اس نے دعا کی ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جائے اور وہ تمام لوگ بھی جو اس میں ملوث ہیں“۔ میں نے وزیراعظم کو یہ سب کچھ بعینہ پہنچا دیا۔ مگر حیران کن امر یہ تھا کہ جس دن بھٹو نے مجھے ڈاکٹر عبدالسلام سے ملنے کی نصیحت کی تھی، میں نے بھٹو کے کمرے سے باہر آتے دیکھا کہ بھٹو کے اے ڈی سی کے کمرے میں ڈاکٹر سلام اس سے ملاقات کے لیئے انتظار میں بیٹھا تھا“۔(۱)

پندرہ روزہ آتش فشاں لاہور کے ساتھ ظفر اللہ کے انٹرویو میں بھی قادیانیوں اور بھٹو کے خفیہ معاملات کی جھلک پائی جاتی ہے۔

> ”بھٹو نے پنجاب میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات زیادہ تر قادیانیوں کی مدد سے جیتے تھے۔ اس نے خلیفۃ المسیح ثالث کو بتایا تھا کہ اگر وہ پنجاب سے چھ نشستیں بھی حاصل کر گیا تو یہ اسکی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ مگر حضرت صاحب نے اسے ہر نشست پر مقابلہ کرنے کی ہدایت کی۔ جماعت اس کے لیئے ہر ممکن قدم اٹھائے گی جو کہ ہم نے کیا۔ ہم نے اس کی انتخابی مہم بڑے جوش و جذبے سے چلائی اور میرا بھتیجا حمید نصر اللہ ۱۹۷۰ء میں کوثر نیازی کے سیالکوٹ سے حلقہ انتخاب سے انتخابی ایجنٹ تھا۔

۱۔ ہفت روزہ۔ بادبان لاہور۔ 18 مئی 1974ء۔

> انتخابات میں کامیابی کے بعد احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر بھٹو نے اپنے آپ کو پاکستان کا غیر متنازعہ رہنما ثابت کرنے کی ٹھانی۔ وہ احمدیوں کو قربان کر کے علماء کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے چکروں میں تھا۔ ایک دفعہ وہ حضرت صاحب (مرزا ناصر احمد) سے ملا۔ جب وہ ان سے باتیں کر رہا تھا تو اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کہا۔ ''اس وقت مجھے قرآن پاک کا کوئی نسخہ نہیں مل سکا۔ وگرنہ میں اس پر قسم کھا کر کہہ دیتا کہ میں آپ لوگوں کو مسلمان سمجھتا ہوں''۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بھٹو اپنے دل میں قادیانیوں کے لیئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کے اس بیان کو محض سیاسیات ہی سمجھ لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

اسرائیلی گماشتے:

قادیانی ارتداد پر مسلمانوں کا ردعمل ترمیم کے بعد کے دور میں بھی ٹھنڈا نہیں پڑا۔ ۱۹۷۶ء میں غم وغصہ کی ایک نئی لہر چل پڑی۔ جب ایک بزرگ مسلم لیگی رہنما مولانا ظفر احمد انصاری نے ایک یہودی پروفیسر کی کتاب سے ایک حوالہ نقل کیا کہ اسرائیل میں رہنے والے تقریباً چھ سو قادیانی اسرائیلی فوج میں شامل ہو گئے ہیں۔ الفضل ربوہ نے مولانا ظفر احمد انصاری کے اس الزام کی پر زور تردید کی کہ اسرائیل میں رہنے والے چھ سو قادیانی اسرائیلی فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔ (۲)

اخبار نے مزید کہا کہ:

> ''کسی یہودی پروفیسر آئی ٹی نومانی کی تحریر شدہ کتاب ''اسرائیل۔ ایک سرسری جائزہ'' جس کا حوالہ مولانا انصاری نے اپنے موقف کی تائید میں دیا ہے اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اخبار نے کہا کہ اسرائیل میں نہ تو کوئی پاکستانی احمدی ہے نہ ہی کسی نے اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار کی ہے''۔ (۳)

۱۔ آتش فشاں لاہور۔ مئی 1981ء۔

۲۔ بحوالہ الفضل ربوہ۔ 26 فروری 1976ء۔

۳۔ الفضل ربوہ۔ 16 جنوری، 11 فروری اور 13 اپریل 1976ء۔

یہ کتاب بھی موجود تھی اور ربوہ سے قادیانی اسرائیل بھی گئے ہیں۔ یہ کھلی حقیقت تھی کہ جلال دین قمر جو کہ ربوہ کا احمدی مبلغ تھا۔ ۱۹۵۶ء سے اسرائیل میں کام کر رہا تھا جب چوہدری شریف کو اسرائیل سے واپس پاکستان بلایا گیا۔ تمام قادیانی مبلغین جو ۱۹۲۸ء سے اسرائیل مشن میں تعینات تھے مثلاً جلال دین شمس۔ اللہ دتہ جالندھری۔ رشید احمد چغتائی۔ نور احمد اور چوہدری شریف اسرائیل میں کام کرنے کے بعد ربوہ میں مقیم تھے۔ جب وہ بیرون ملک تھے تو ان کے خاندانوں کے ان سے پراسرار ذرائع سے روابط موجود تھے۔ جماعت کے مجموعی تبلیغی ڈھانچے کا ایک حصہ اسرائیل میں احمدیہ مشن کی صورت میں موجود تھا۔ خلیفہ اس جماعت کا سب سے بڑا سرخیل تھا۔ تمام مشنوں کے معاملات جن میں اسرائیلی مشن بھی شامل ہے' خلیفہ کے تحت تھے اور وہ ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسرائیل میں قادیانی امیران کی ہدایات اور احکامات کے تحت کام کرتا تھا۔

مولانا انصاری نے اخبار نویسوں کو ایک پریس کانفرنس میں کتاب ''اسرائیل۔ ایک سرسری جائزہ'' دکھائی۔ اسے پالمال لندن نے شائع کیا تھا۔ کتاب کے متعلقہ صفحات پریس میں تقسیم کر دیئے گئے۔ کتاب میں یہ واضح طور پر درج تھا کہ عرب نہ تو اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں نہ ہی سرحدی دیہاتوں میں رہ سکتے ہیں بلکہ صرف احمدی اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔ متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

''ارض مقدس میں مذہب:

> کوہ کارمل کی ڈھلوانوں پر حیفہ کے اردگرد تقریباً بیس گاؤں میں تقریباً پینتیس ہزار دروز اسرئیل میں رہتے ہیں انہیں ایک خود مختار مذہبی جماعت کا درجہ دیا گیا ہے اور اپنی مقامی کونسلوں میں انہیں انتظامی اختیارات حاصل ہیں اور عرب مسلمانوں کے برعکس ریاست کے ابتدائی دنوں میں وہ فوج میں بھی بھرتی ہو سکتے تھے۔ دو اور چھوٹے غیر عرب گروپ سرکاشن جو انیسویں صدی میں روس سے آئے تھے اور اب تقریباً دو ہزار نفوس پر مشتمل ہیں

> اور احمدی فرقہ کے تقریباً چھ سو لوگ جو پاکستان سے آئے تھے وہ بھی فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔ ملک کے تمام شہریوں کی طرح دروز سرکاشن اور احمدی پارلیمنٹ کے قومی انتخابات میں ووٹ بھی ڈال سکتے ہیں اور نمائندگی بھی کر سکتے ہیں۔ کئی دروزیوں نے کینسٹ (اسرائیلی پارلیمنٹ) میں نشستیں حاصل کی ہیں۔ دوسرے عربوں کی طرح ۱۹۶۹ء میں ایک دروز کو پارلیمنٹ کا ڈپٹی سپیکر منتخب کیا گیا۔(۱)

اسرائیل میں قادیانی موجودگی اور اکٹھے حق رائے دہی کا مسئلہ اتنا اہم نظر نہیں آتا کیونکہ ساری احمدیہ جماعت صیہونی فوج کا ایک باقاعدہ ڈویژن ہے جو بڑے نفیس ہتھیاروں کے ساتھ پوری دنیا میں تمام غیر یہودی آبادی پر یہودیوں کی بالادستی کے لیئے لڑ رہا ہے۔ قادیانی تیسرے دوست ملک سے ویزہ کے لیئے اسرائیل جاتے رہے اور وہاں تمام حقوق اور استحقاق سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جن میں یہودی ایجنسی کے انتہائی وفادار سپاہی ہونے کی حیثیت سے وہ اسرائیل کی فوج میں بھی بھرتی ہو سکتے ہیں۔

احمدی اسرائیلی گٹھ جوڑ کا مسئلہ پاکستانی پریس میں فروری ۱۹۷۷ء میں ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ جب ایک اردو ہفت روزہ نے(۲) انیس اکتوبر ۱۹۷۶ء کے یروشلم پوسٹ کے شمارے میں چھپی ہوئی ایک تصویر شائع کر دی جو کہ ایک اسرائیلی تقریب کے دوران لی گئی تھی۔ ایک قادیانی وفد نے اسرائیلی صدر سے ملاقات کی اور اس کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔ تصویر میں اسرائیلی صدر کے علاوہ مشیر اقلیتی امور منصور کمال اور ایک فلسطین احمدی منصور عودا اور اسرائیل میں قادیانی مبلغ جلال الدین قمر نمایاں تھے۔(۳)

اس سے ثابت ہو گیا کہ دیگر مذاہب اور اقلیتی نسلی گروپوں کے برعکس احمدیوں کے حکومت اسرائیل کے ساتھ گہرے مراسم تھے اور اس کی انہیں مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ الفرقان ربوہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس تصویر میں کوئی چیز بھی قابل اعتراض نہیں تھی۔ اسرائیل نے اپنی عدالتوں میں تقریباً دوسو فلسطینی قاضی اور ججوں کی تعیناتی کر رکھی ہے اور انہیں

۱۔ ہفت روزہ طاہر لاہور۔ دسمبر 1976ء۔

۲۔ اسلامی جمہوریہ۔ لاہور۔ 8-2 جنوری 1977ء۔

۳۔ ہفت روزہ لاہور۔ 14 فروری 1977ء۔

اسرائیلی خزانے سے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ فلسطینی احمدیوں کو حکومت اسرائیل کے ساتھ اس کے وفادار شہریوں کے طور پر رہنا ہے اور اپنے تعلقات کو فروغ دینا ہے۔(۱) الفضل نے یہ بات زور دے کر کہی کہ اس طریقہ سے چند عناصر بدامنی پیدا کر رہے تھے اور ان کا اصل مقصد حکومت کو بدنام کرنا تھا۔(۲) تاہم لوگوں کو اسرائیل اور ربوہ کے مابین تعلقات کا احساس ہو گیا اور حیفہ اور کوہ کارمل میں موجود قادیانی مشن کی موجودگی پر سوال اٹھائے گئے۔ مشن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ عربوں کی جاسوسی کی جائے اور مشرق وسطیٰ میں ایک خفیہ سیاسی جارحیت جاری رکھی جا سکے۔

پندرہ روزہ ''آتش فشاں'' کو انٹرویو دیتے ہوئے ظفر اللہ نے کہا کہ ۱۹۶۷ء میں سعودی عرب کے شاہ فیصل نے اسے حج کرنے کی اجازت دی تھی مگر بعد ازاں حکومت نے قادیانی جماعت پر حج کرنے کی پابندیاں عائد کر دیں۔ انہوں نے شاہ فیصل کو اس بارے میں لکھا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ احمدیہ عقائد اسلام کے بنیادی معتقدات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ظفر اللہ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ شاہ فیصل کو یہ بتایا گیا تھا کہ احمدی اسرائیل کے جاسوس ہیں۔ عرب اور خصوصاً سعودی اس معاملے میں بہت حساس تھے چونکہ اس وقت ان کے شاہ فیصل سے تعلقات نہیں تھے ورنہ وہ ان سے بات کرتا۔

ظفر اللہ نے ایک سوال میں کہ احمدی اسرائیل کے بدنام جاسوس تھے اور انہوں نے اپنا مرکز وہاں قائم کیا ہوا ہے۔ یہ کہا کہ اسرائیل میں احمدی مرکز ۱۹۲۸ء سے یعنی اس کے قیام سے بھی پہلے کام کر رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت سے بھی پہلے کام کر رہا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت کچھ احمدی علاقہ چھوڑ گئے جبکہ کچھ نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا اس نے زور دے کر کہا کہ اسرائیلی حکومت ان کی راہ میں روڑے نہیں اٹکاتی۔ اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی کہ یہودی احمدی ہو گئے ہوں۔ پھر بھی کئی فلسطینی عربوں نے احمدیت قبول کر لی۔(۳)

۱۔ الفرقان ربوہ فروری 1977ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 3 فروری 1977ء۔

۳۔ آتش فشاں لاہور۔ مئی 1981ء۔

ربوہ سے تل ابیب تک:

اوائل ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی قادیانی گٹھ جوڑ روزمرہ بات چیت کا موضوع تھا۔ ہر ایک کو یقین تھا کہ ربوہ کے تل ابیب کے ساتھ خفیہ تعلقات ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کیا۔(۱) جس نے لوگوں کے ذہن میں کئی سوالات پیدا کر دیئے۔ ربوہ کے قصر خلافت میں بہت سے خطوط موصول ہوئے جن میں مرزا ناصر احمد سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اسرائیل اور صیہونیت کے ساتھ جماعت کے تعلقات کی وضاحت کریں۔ قادیانی انٹیلی جنس نے ربوہ کو خفیہ اطلاعات بھجوائیں جن میں ان پیروکاروں کے درمیان پائی جانے والی بے چینی اور تشویش سے آگاہ کیا گیا تھا جو انہیں اپنے عقائد کی تبلیغ کے دوران پیش آ رہی تھی۔

مرزا ناصر نے اللہ دتہ جالندھری کو ہدایت کی کہ وہ اس مسئلے کو اپنے ماہنامہ رسالے ''الفرقان'' میں اٹھائے اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے معاملہ پر جماعت کی پوزیشن واضح کرے۔ آنجہانی مرزا طاہر احمد نے جو کہ احمدیہ جماعت کے سربراہ تھے۔ اس کے خصوصی شمارے میں ایک طویل مضمون لکھا۔(۲) انہوں نے مولانا بنوری کے رسالے کی تردید کی۔ اس مضمون کو بعد ازاں ایک کتابچے کی شکل دے دی گئی جس کو ربوہ سے تل ابیب کا نام دیا گیا۔(۳) اس کا جامع جواب اکوڑہ خٹک سے ''قادیان سے اسرائیل تک'' کے زیر عنوان ایک کتابچے کی شکل میں آیا۔ یہ کتاب مایہ ناز عالم دین مولانا عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر تالیف کی گئی تھی۔ اس میں راقم نے اسرائیلی احمدی گٹھ جوڑ کو اس کے تاریخی تناظر میں آشکارا کیا تھا۔ اس کتاب میں درج شدہ حقائق کو جھٹلانے کی کبھی کسی قادیانی نے جرأت نہیں کی۔ ایک بہت دلچسپ حقیقت یہ ابھر کر سامنے آئی کہ فلسطین میں برطانوی انتداب کے دوران جماعت احمدیہ فلسطین نے قادیانی خزانے میں ہزاروں روپے جمع

۱۔ ربوہ سے تل ابیب تک۔ کراچی 1976ء۔

۲۔ الفرقان مارچ 10 اپریل 1976ء جماعت احمدیہ اور اسرائیل نمبر۔

۳۔ مرزا طاہر احمد۔ ربوہ سے تل ابیب لاہور۔ 1976ء۔

کرائے۔ یہ بات کسی دوسرے شخص نے نہیں بتائی تھی بلکہ اللہ دتہ نے بذات خود مرزا محمود کے خود ساختہ مصلح موعود کے دعوے کے موقع پر ایک تقریر کے دوران بیان کی۔ (۱)

غیر مسلم نشست:

پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں قادیانی نشست پر غیر مسلم رکن کے طور پر ایک قادیانی بشیر طاہر کو نامزد کر دیا۔ الفضل نے اس نامزدگی پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہا کہ احمدی سچے مسلمان ہیں اور طاہر نے اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دے کر ارتداد کا ارتکاب کیا ہے اور اب ربوہ یا احمدیہ جماعت سے نہ اس کا کوئی تعلق ہے نہ ہی اسے ان کی نمائندگی کا حق ہے۔ (۲) دوسری طرف طاہر نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سچا قادیانی ہے اور اسے بہت سے قادیانیوں کی حمایت حاصل ہے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت نے جون ۱۹۷۶ء میں ''ہفتہ اقلیت'' منانے کا اعلان کیا اور اقلیتوں کے لیئے ایک پروگرام تیار کیا۔ بشیر طاہر نے یہ دعویٰ کیا کہ پچانوے فیصد قادیانیوں نے اس میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا ہے بلکہ پارسی۔ ہندو۔ سکھ اور بدھ برادریوں کی طرح اسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ (۳) اس کا دعویٰ صحیح نہیں لگتا۔ محض چند قادیانی منحرفین جو کہ اروپی پارٹی کے ارکان تھے اور چند لاہوری جماعت کے ارکان (پیغامیون) نے ان تقریبات میں حصہ لیا۔

یہاں پر یہ تذکرہ کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ احمدیوں کے ایک بہت ہی چھوٹے گروہ اروپی پارٹی جو کہ ظہیر الدین آف اروپ (گوجرانوالہ) کے نام پر مشہور ہو گئے تھے۔ مرزا غلام احمد کو ایک مستقل تشریعی نبی مانتے تھے۔ ۱۹۱۳ء سے یہ مختصر جماعت انہیں مستقل صاحب کتاب رسول اور نبی مانتی چلی آ رہی تھی اور کسی بروزی یا ظلی کی تشریح کی قائل نہیں تھی۔ (۴) یہ جماعت اپنی نمازیں قادیان کی طرف منہ کر کے ادا کرتی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو

۱۔ ابوبد ثرہ قادیان سے اسرائیل تک لاہور۔ 1979ء مزید دیکھئے الفضل قادیان 29 فروری 1944ء۔

۲۔ الفضل ربوہ۔ 13 اپریل 1976ء۔

۳۔ الفضل ربوہ۔ گیارہ جون 1976ء۔

۴۔ رحمت اللہ اروپی۔ نشان رحمت لاہور۔ 1968ء۔

مسلمانوں سے علیحدہ قرار دینے کی ہر ممکن کوششیں کیں۔ ظہیر کے بیٹے رحمت اللہ اروپی نے کئی سالوں تک ان عقائد کا زبردست پرچار جاری رکھا۔ یہ جماعت قادیانیوں کو بار بار نصیحت کرتی تھی کہ وہ مرزا صاحب کے اصل دعویٰ سے مخلص رہیں اور انہیں حقیقی پیغمبر تسلیم کریں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ”احمدیوں کے لیئے صرف دو راستے کھلے ہیں۔ یا تو وہ مسلمانوں سے مل جائیں یا اپنے آپ کو بہائیوں کی طرح مکمل طور پر لاتعلق کر لیں۔ اس کے سوائی کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ منافقین کی طرح زندگی گزارنا آخر کار احمدیہ مشن کے لیئے تباہ کن ثابت ہوگا“۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات:

سات جنوری ۱۹۷۷ء کو بھٹو نے نے مارچ میں قومی وصوبائی اسمبلیوں کے لیئے انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔ حزب اختلاف نے نو جماعتوں پر مشتمل پاکستان قومی اتحاد کے نام سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ آئین کے مطابق قادیانیوں پر لازم تھا کہ وہ اپنے ووٹ غیر مسلم کے طور پر بنوائیں اور اقلیت کے طور پر انتخابات میں حصہ لیں۔ مگر انہوں نے نہ تو اپنے آپ کو غیر مسلم رجسٹر کرایا' نہ ہی انتخابات میں حصہ لیا۔ اس کے برعکس انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ ایک مسلمان اقلیت ہیں اور دنیا کے اسی کروڑ مسلمان غیر مسلم اقلیت ہیں۔ مرزا ناصر احمد نے ربوہ میں اپنی جماعت کے امیروں کے ساتھ متواتر اجلاسوں کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ پیپلز پارٹی اب بھی ان کے کام آ سکتی ہے۔ انہوں نے تحریک استقلال کے سربراہ اصغر خان کی طرف بھی پر امید نظروں سے دیکھا مگر ان کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں مرزا غلام احمد پر لعنت بھیج کر فاش سیاسی غلطی کی ہے اور احمدیوں کی ہمدردیاں کھو دی ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد کی بقیہ جماعتیں ۱۹۷۴ء میں اپنا موقف پہلے ہی واضح کر چکی تھیں۔ قادیانیوں کے لیئے وہ نہ تو قابل اعتماد تھے' نہ ہی قابل رابطہ۔[1] تمام سیاسی فوائد و نقصانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے احمدیوں

---

[1] دیکھئے ہفت روزہ لاہور۔ 24 جنوری 14 فروری اور 8 مارچ کے شمارے۔

نے پیپلز پارٹی کی ہر ممکن مدد کی لیکن بڑے محتاط اور لطیف انداز میں تا کہ پیپلز پارٹی یا اپنی جماعت کو کسی بھی سکی سے بچایا جا سکے۔ وہ اب بھی بھٹو کو اپنا ''چھپا ہوا نجات دہندہ'' سمجھتے تھے۔

قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات بالترتیب سات اور دس مارچ کو ہوئے جن میں پیپلز پارٹی مبینہ دھاندلی کی وجہ سے غالب اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔⁽¹⁾ پاکستان قومی اتحاد نے بھٹو مخالف تحریک شروع کر دی جو تحریک نظام مصطفیٰ کا رخ اختیار کر گئی جس کا مقصد اسلامی قانون نافذ کرنا تھا۔ قادیانیوں نے در پردہ لاقانونیت اور بدامنی پھیلانے والی قوتوں کو مضبوط کیا تا کہ آئین ختم ہو جائے۔ پاکستان قومی اتحاد خصوصاً اسلام پسند جماعتوں کو ذلیل کرنے کے لیئے جعلی تنظیموں کے نام پر بھاری تعداد میں لٹریچر چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ خدام الاحمدیہ اور لجنہ نے اس مکروہ مہم میں سرگرمی سے حصہ لیا اور ربوہ کی سیاسی خواہشات کی تکمیل کی خاطر بھاری رقومات صرف کی گئیں۔

مارشل لاء

پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء مسلط کر دیا گیا اور ۱۹۷۳ء کے آئین کو معطل کر دیا گیا۔ قادیانیوں کو یہ توقع تھی کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد آئین مسترد ہو جائے گا اور وہ ۱۹۷۴ء سے پہلے کی حیثیت کے حامل ہو جائیں گے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ضیاء دور کے ابتدائی ایام میں انہوں نے ابھرتی ہوئی افسر شاہی سے اپنے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی اور چند فوجی افسران کی حمایت حاصل کرنے کی بے سود سعی کی۔ وہ ایوب اور یحییٰ ادوار حکومت کے ثمرات کو سمیٹنا چاہتے تھے۔ مرزا ناصر احمد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُن کی ہدایات کے تحت بیرون ملک احمدی مشنوں نے پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں اٹھائے گئے اقدامات پر تنقید کی۔ انہوں نے ''اسلام میں ارتداد

---

[1] ہفت روزہ لاہور نے 14 مارچ 1977ء کے شمارے میں پاکستان قومی اتحاد پر برستے ہوئے صوبائی اسمبلی میں پاکستان پیپلز پارٹی کی واضح جیت کی پیش گوئی کر دی۔

کی سزا"(۱) "مجرم کو کوڑے مارنا"۔ "چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا"۔ "زنا کی سنگساری کی سزا" جیسے عنوانات پر لکھنا شروع کیا اور آزاد خیالی کا اظہار کر کے اپنے آپ کو اسلام کے حقیقی ترجمان قرار دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ ان عنوانات پر ان کا نکتہ نظر زیادہ عقلیت پسندی اور مقصدیت سے بھرپور ہے۔

ایشیائی اسلامی کانفرنس

ضیاء دور کا دوسرا سال قادیانیوں کے لیئے کسی احرار جماعت کی بجائے اسلامی کانفرنس کے شرکاء کے ہاتھوں مزید ذلت لے کر آیا۔ چھ سے آٹھ جولائی ۱۹۷۸ء تک پاکستان نے پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس کی کراچی میں میزبانی کی۔ اس میں بائیس ممالک کے تقریباً دو سو مندوبین شریک ہوئے اور اس کے ساتھ تعاون مسلمانان عالم کی بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیم رابطہ عالم اسلامی نے کیا۔ مندوبین کے علاوہ امریکہ وسوویت یونین سے علماء کی ایک تعداد اس میں شریک ہوئی۔ پاکستان میں یہ پانچویں علاقائی کانفرنس تھی اس سے قبل ایسی کانفرنسیں موریطانیہ ۱۹۷۶ء امریکہ ۱۹۷۷ء آسٹریلیا ۱۹۷۵ء اور ٹرینیڈاڈ ۱۹۷۷ء میں ہو چکی تھیں۔

اس کانفرنس میں قادیانی مسئلے کو اس کے حقیقی تناظر میں دیکھا گیا کہ شرکاء کا کہنا تھا کہ احمدی دشمن طاقتوں اور بیرونی قوتوں سے مل کر اسلامی دنیا کو کھوکھلا کرنے کی سازشوں پر عمل پیرا ہیں۔ اس مسئلہ پر کانفرنس نے یہ موقف اختیار کیا کہ

> "قادیانیت ایک تباہ کن مذہبی عقیدہ ہے جو اپنے پرفریبی اور تخریبی مقاصد کے حصول کے لیئے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ ان کے سب سے زیادہ غیر اسلامی نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔
>
> (i) اس کا رہنما پیغمبری کا بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے۔

۱۔ ظفر اللہ قادیانی۔ "اسلام میں ارتداد کی سزا"۔ لندن مشن

(ii) قرآنی نصوص میں تحریف کرتا ہے۔

(iii) جہاد کی تکذیب کرتا ہے۔

قادیانیت برطانوی سامراج کی سوتیلی بیٹی ہے جو صرف اس کی سرپرستی اور حفاظت میں ہی قائم رہ سکتی ہے۔ قادیانیت امت مسلمہ کی بھلائی میں مخلص نہیں ہے اور صیہونیت اور سامراجیت کے ساتھ پوری طرح مخلص ہے اور اسلام مخالف قوتوں اور حکمت عملیوں کو پورے دل سے چاہتی ہے۔ حتیٰ کہ بنیادی اسلامی عقائد کو کمزور کرنے اور سبوتاژ کرنے کے لیئے یہ اسلام مخالف قوتوں سے بھی اشتراک کرتی ہے۔ ایسے تخریبی اور گھناؤنے مقاصد کے حصول کی خاطر یہ ان کوششوں میں متواتر مصروف ہے کہ

(i) ایسی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں جہاں قادیانی غیر اسلامی عقائد ونظریات کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جاسکے۔ ان عبادت گاہوں کو اسلام مخالف قوتیں مالی امداد فراہم کرتی ہیں۔

(ii) ایسے سکول ادارے اور یتیم خانے تعمیر کیئے جائیں جہاں مسلمان مخالف قوتوں کے مفاد میں قادیانی تخریبی کارروائیاں پروان چڑھ سکیں۔ مزید برآں قادیانیوں نے مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے اعلیٰ وارفع مطالب کو غلط مطلب دینے کے لیئے کئی غلط تعبیریں شائع کی ہیں۔ قادیانیت کے منڈلاتے ہوئے خطرات سے نمٹنے کے لیئے یہ کانفرنس مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کرتی ہے۔

(1) ہر مسلمان ادارہ۔ تنظیم یا گروپ اپنی درسگاہوں۔ عبادتگاہوں اور یتیم خانوں میں قادیانی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرے جہاں کہیں بھی قادیانی اپنی مکروہ اور تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں چاہیئے کہ قادیانیوں پر توجہ مرکوز کریں اور پورے عالم اسلام کو ان کی مذموم حرکات سے آگاہ کریں مبادا وہ ان کے جال میں پھنس جائیں یا ان کی بداعمالیوں میں شریک ہوجائیں۔

(2) قادیانیوں کو دہریئے اور غیر مسلم قرار دیا جائے۔

(3) مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان کاروباری تعلقات ختم کر دیئے جائیں۔ مسلمان قادیانیوں کا معاشی سماجی اور ثقافتی مقاطعہ کر دیں۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شادیوں کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دیا جائے۔ قادیانیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں مردے دفنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ ان کے ساتھ پکے دہریوں والا سلوک کیا جائے۔

(4) تمام مسلمان ریاستوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کی کرتوتوں پر پابندی لگا دیں جو کہ نبوت کا دعویدار ہے۔ انہیں غیر مسلم اقلیت خیال کیا جائے اور ریاست کے موثر و حساس عہدوں پر انہیں تعینات نہ کیا جائے۔

(5) قرآن پاک میں کی گئی تحریفات کی وضاحتیں شائع کی جائیں۔ قادیانیوں کی قرآنی آیات کے غلط مطالب کی توضیحات کو ختم کیا جائے اور انہیں عوام کی دسترس سے دور رکھا جائے۔

(6) تمام غیر مسلم گروہ جو اسلام کے سچے راستے سے ہٹ چکے ہیں ان کے اور قادیانیوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے۔(۱)

ان قراردادوں سے زچ ہو کر اور ابھرتی ہوئی مذہبی قوتوں سے برگشتہ ہو کر قادیانی پاکستان اور بیرون ممالک ضیاء مخالف قوتوں سے اشتراک کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی بقاء کی جدوجہد میں لادینی اور اشتراکی عناصر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اسی عرصے میں عوامی مطالبوں نے زور پکڑنا شروع کر دیا کہ آئینی ترمیم کو اس کی اصل روح کے مطابق نافذ کر دیا جائے۔ مذہبی کانفرنسوں میں یا جب بھی علماء و مشائخ کو جنرل ضیاء سے ملنے کا موقع ملتا تو وہ قادیانیوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں پر قابو پانے اور اسلام کے جسد سیاسی سے ان کے خطرات کے ازالے کی ضرورت پر زور دیتے۔ لوگوں نے احمدیوں کے بڑھتے ہوئے خطرات کی بناء پر نفاذ اسلام کے حکومتی دعووں پر شک و شبے کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔

۱۔ پہلی اسلامی کانفرنس کراچی 1978ء

بھٹو بچاؤ مہم

۱۹۷۹ء کے اوائل کا سلگتا ہوا سیاسی مسئلہ یہ تھا کہ بھٹو کا انجام کیا ہوگا۔ وہ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں مقدمات کا سامنا کر رہا تھا۔ اگر چہ پیپلز پارٹی کے پاس اس وقت بھی کافی لوگ تھے مگر قیادت کی غیر موجودگی میں کارکن بھٹکتے پھر رہے تھے اور ایسا کوئی راہنما موجود نہیں تھا جو ان کو راہ دکھاتا۔ احمدیہ مرکز لندن نے پیپلز پارٹی کی بقیہ قیادت سے رابطہ کیا کہ جنرل ضیاء کی مذمت کی جائے اور یورپ میں بھٹو بچاؤ مہم چلائی جائے۔ ایک آزاد پاکستانی خبر رساں ایجنسی ''پاکستان پریس انٹرنیشنل'' نے اپنے ایک مراسلے میں قادیانی محرکین اور پیپلز پارٹی کی جلاوطن قیادت کے درمیان اشتراک کے بارے میں قابل غور حقائق بیان کیئے۔

اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ یہودی لابی نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ افریقی و یورپی ممالک میں بھٹو کی حمایت میں ایک مہم چلائی جائے۔ جہاں سٹینفورڈ یونیورسٹی کے ایک یہودی پروفیسر نے قادیانیوں سے ملاقات کی ہے۔ جنہوں نے اسے پاکستان میں اسلامی حکومت کی مذمت کرنے کے سلسلے میں اس کی معاونت کرنے کی حامی بھری ہے۔ اطلاع میں کہا گیا کہ قادیانی کھلے عام پاکستان ٹوٹنے کی وکالت کرتے پھر رہے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ایک اسلامی ریاست میں نہیں رہ سکیں گے۔ یہودیوں اور قادیانیوں نے ۱۹۷۲ء میں بھٹو کو برسر اقتدار لانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ بھی اس اطلاع میں درج تھا کہ وہ پاکستان میں اسلامی قوتوں کی طاقت سے خائف تھے۔ ان کے خیال میں ایک متحد پاکستان ان کے لیئے خطرات کھڑے کر سکتا تھا۔ تل ابیب میں قادیانی مشن کی طرف سے رقومات بھٹو کے ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے لیئے فراہم کی گئیں مگر بھٹو کو اقتدار میں لانے اور پاکستان کو تقسیم کرنے کے مقصد کے حصول کے بعد قادیانیوں نے اپنے لیئے بڑے حصے کا مطالبہ کیا جبکہ بھٹو کی طرف سے انہیں ہزیمت کے سوا کچھ نہ ملا۔ (۱)

پاکستانی پریس نے اس قادیانی۔ یہودی گٹھ جوڑ پر شدید رد عمل کا اظہار کیا اور

ا۔ ڈان کراچی 25 نومبر 1978ء قادیانی موقف کے لیئے ملاحظہ ہو ظفر اللہ قادیانی کا خط جو اس نے پاکستان ٹائمز لاہور کو 5 دسمبر 1978ء کو لکھا۔ اس نے اسے محض الزام قرار دیا اور لندن میں پیپلز پارٹی کی قیادت اور قادیانیوں کے مابین کسی اشتراک کو جھوٹ قرار دیا۔

اسرائیل میں قادیانی مشن کی کارکردگی معلوم کرنے کا مطالبہ کیا۔

جنگ کراچی نے اپنے اداریئے میں پاکستان پریس انٹرنیشنل کے مراسلے میں دیئے گئے قادیانی یہودی روابط کے مسئلے پر تفصیلی تحقیقات کا مطالبہ کیا اور حکومت پر اسرائیل میں کام کرنے والے قادیانی مشن کے متعلق تحقیقات کی ضرورت پر زور دیا۔(۱)

یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ یہ مراسلہ جزوی طور پر درست تھا۔ اس موضوع پر لندن میں گفت و شنید ہوئی مگر فریقین کے مابین بداعتمادی کی فضاء آڑے آ گئی۔ اسی دوران پاکستان پریس انٹرنیشنل کی خبر شائع ہو گئی جس سے آئندہ بات چیت کا امکان ختم ہو گیا اور کوئی بھی دوستانہ معاہدہ پروان نہ چڑھ سکا۔ بعض افراد نے اسے ضیاء حکومت کی بھٹو کے خلاف ایک مہم قرار دیا۔

فکرانگیز دستاویز

لندن میں قادیانی پیپلز پارٹی کے ساتھ ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہو رہے تھے کہ پاکستان میں بدامنی پھیلانے کے ان کے منصوبے کو جماعت اسلامی نے بے نقاب کر دیا۔ امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے ایک اخباری بیان میں لوگوں سے کہا کہ وہ متحد ہو جائیں اور ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کے ربوہ کے منصوبے کو خاک میں ملا دیں۔ اس نے ہفت روزہ زندگی لاہور کے بارہ فروری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں چھپنے والی حقائق پر مبنی ایک دستاویز کا حوالہ دیا جس میں قادیانیوں کی تیار کردہ ایک سازش کی تفصیل دی گئی تھی کہ پاکستان قومی اتحاد کو نقصان پہنچایا جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ اگلے چند ماہ میں ایک نیا قومی اتحاد بننے والا ہے۔ اس دستاویز میں یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ بلوچستان میں انتشار پھیلانے والی قوتوں کی حمایت کی جائے گی۔ رسالے نے لکھا کہ جماعت کے پاس بالکل درست معلومات ہیں کہ قادیانیوں نے مولانا مودودی سے بدلہ لینے کا منصوبہ بنایا ہے کیونکہ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر اقلیت قرار دلوانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔(۲)

۱- جنگ کراچی یکم دسمبر 1978ء۔

۲- پاکستان ٹائمز راولپنڈی 19 فروری 1979ء۔

بھٹو کے بارے میں قادیانی پیش گوئی

قادیانی فوراً ہی بھٹو مخالف لابی کی طرف جھک گئے جب چار اپریل 1979ء کو بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ معمول کے مطابق انہوں نے مرزا صاحب کی انجیل تذکرہ سے ایک پیش گوئی ڈھونڈ نکالی۔ بھٹو کو بدنام کرنے کے لیئے اور اس کی شاندار تکمیل کو ثابت کرنے کے لیئے مرزا ناصر نے بڑی ہوشیاری سے اپنے پتے کھیلے۔

پندرہ روزہ آتش فشاں کو انٹرویو دیتے ہوئے ظفر اللہ نے کہا

”چھ فروری ۱۹۷۴ء کو جسٹس جاوید اقبال نے اسے ظہرانے پر بلایا۔ شیخ اعجاز احمد اور چوہدری بشیر احمد (یہ دونوں قادیانی ہیں) اور اس وقت کے لاہور عدالت عالیہ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق بھی اس میں شریک تھے۔ ظفر اللہ نے مولوی مشتاق سے کہا کہ بھٹو جیسے ہی اپنی زندگی کے باون ویں سال میں داخل ہوگا اس کے بعد زیادہ دیر اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ وہ یا تو خودکشی کرلے گا یا پھانسی پر لٹکا دیا جاوے گا یا آسمانی بجلی اسے ہلاک کر دے گی۔ اس کی موت کی جو بھی وجہ ہو یہ طے ہے کہ وہ مر جائے گا۔ اس نے مولوی مشتاق سے گزارش کی کہ وہ اس دن یعنی چھ فروری کو اگلے سال ۱۹۸۰ء میں یہ معلوم کرنے کے لیئے ملیں کہ آیا بھٹو زندہ ہے‘ بھٹو کو اپریل ۱۹۷۹ء میں پھانسی دے دی گئی جب چھ فروری ۱۹۸۰ء کو مولوی مشتاق ظفر اللہ سے ملا تو ظفر اللہ نے اس پر واضح کیا کہ مرزا غلام احمد کو ۱۸۹۱ء میں ایک الہام ہوا تھا جس میں یہ کہا گیا تھا ”کلب یموت علی کلب جس کا مطلب ہے کہ وہ ایک کتا ہے اور کتے کے اعداد ابجد پر مر جائے گا۔ (لفظ کلب کے حروف ابجد کے مطابق باون بنتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ اس کی عمر باون سے تجاوز نہیں کر سکے گی) وہ اپنی زندگی کے باون ویں سال میں مر جائے گا۔ (۱) چنانچہ مرزا کی پیش گوئی کے مطابق بھٹو مر گیا۔ پانچ جنوری ۱۹۷۹ء کو اس کی اکیاونویں سالگرہ منائی گئی۔ اور جیسے ہی وہ اپنی زندگی کے باونویں سال میں داخل ہوا اسے

۱۔ آتش فشاں لاہور مئی 1981ء صفحہ 13۔

چار اپریل ۱۹۷۹ء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔(۱)

پہلے اس پیش گوئی کو مرزا محمود کے مخالفین نے اسکے مصلح موعود ہونے کے دعوے کو جھٹلانے کے لیئے استعمال کیا جیسا کہ مرزا غلام احمد کی بیس فروری **1888**ء کی مبینہ پیش گوئی میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۰ء کے اوائل میں مرزا محمود اپنی عمر کے باونویں سال میں داخل ہوا وہ بارہ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا تھا۔ احمدیہ بلڈنگ لاہور کے شیخ غلام محمد نے جو کہ خود مصلح موعود ہونے کا دعویدار تھا ایک کتابچہ "بیعت رضوان کی حقیقت" لکھا اور مرزا صاحب کی پیش گوئی کی مطابقت میں ان کی وفات کی پیش گوئی کر دی۔ اس نے مرزا محمود احمد کو ایک دروغ گو۔ غیر مستقل مزاج اور ایک کلب قرار دیا جو باون سال کی عمر میں مر جائے گا۔ قادیانی جماعت نے اس کتابچے کی اشاعت کے خلاف شدید احتجاج کیا اور پنجاب کے گورنر اور چیف سیکرٹری کو بہت سی احتجاجی قراردادیں ارسال کیں اور اس کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا۔ غلام محمد نے مرزا غلام احمد کی زوجہ محترمہ (کرشن مرزا کی گوپی) نصرت جہاں بیگم صاحبہ کے خلاف بھی اپنے الہامات کی بناء پر ایک رسالہ تحریر کیا۔(۲)

بعض قادیانیوں کے مطابق یہ پیش گوئی کی مرزا محمود احمد کلب (کتا) ہے اور کلب کی عددی ترتیب یعنی ۵۲ کے مطابق مرنا اس کے نصیب میں لکھا ہے پانچ نومبر ۱۹۶۵ء میں صحیح ثابت ہوئی۔ مرزا محمود فریب اور دغا بازی کے ذریعے مارچ ۱۹۱۴ء میں خلیفہ بنا تھا۔ اور مارچ ۱۹۶۵ء میں اپنی جھوٹی خلافت کے ۵۱ سال پورے کرنے کے بعد وہ اپنی خلافت کے باونویں سال میں داخل ہوا تو نومبر ۱۹۶۵ء میں بھیانک موت کا شکار ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ مرزا غلام احمد سچے مدعی کے دعوے کے لیئے تئیس سال کا عرصہ مقرر کیا تھا۔ ایک سچے مصلح اور خدا کی طرف سے بھیجے گئے مصلح کی سچائی اور صداقت کو پرکھنے کے لیئے مرزا محمود کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انکا بھی وحی و الہام کا دعویٰ تھا اور اپنے آپ کو مصلح موعود قرار دیتے تھے۔ اپنی پانچ جنوری ۱۹۴۴ء کی وحی کی بنیاد پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا چونکہ

۱۔ ایضاً۔

۲۔ فاروق قادیان 7 مارچ 1940ء۔

وہ ایک کاذب تھے۔ اس لیئے وہ نومبر ۱۹۶۵ء میں اکیس سال بعد وفات پا گئے جو لوگ انہیں خدا کا بھیجا ہوا مصلح فضل عمر اور خدا کا مقرر کردہ خلیفہ کہتے ہیں ان کی آنکھیں کھولنے کے لیئے ان کی اذیت ناک وفات میں کافی سبق ہے۔

چوبیسواں باب

افریقی مراکز......سامراج کی سرحدی چوکیاں

مرزا محمود کی پاپائیت کے دوران افریقہ میں قادیانیوں کا پروگرام معتدل تھا۔ ۱۹۶۵ء میں ان کی موت کے بعد قادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد نے ایک پروگرام ترتیب دیا کہ افریقہ میں وسیع پیمانے پر تبلیغی مہم شروع کی جائے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے فورا بعد وہ افریقہ کے دورے پر چلے گئے اور افریقہ کی نوآزاد ریاستوں میں اسرائیل کی مدد سے سرایت کرنے کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے آخری سالوں میں نئے مراکز کھولنے۔ تعلیمی اداروں کے قیام اور پریس کو متحرک کرنے کے لیئے بے تحاشہ رقم خرچ کی گئی۔

نوآبادیاتی افریقہ کی آزادی کے بعد اسے اپنے دائرہ اثر میں لانے کے قادیانی منصوبہ کا مطمع نظر مندرجہ ذیل نکات تھے۔

(i) افریقہ کو بقیہ دنیا سے الگ کر کے اسے مستقبل میں ایک قادیانی۔ سامراجی۔ صیہونی دائرہ اثر میں تبدیل کر دیا جائے۔

(ii) افریقی مرکز سے مشرق وسطیٰ میں سیاسی جارحیت شروع کی جائے۔

(iii) مسلم افریقہ کا کردار تبدیل کر کے اسے ایک قادیانی کمین گاہ میں تبدیل کر دیا جائے اور اس سے سامراجیت اور صیہونیت کی ایک چوکی کا کام لیا جائے۔

(iv) احمدیت کے مخالف عرب ممالک میں احمدیت کا پیغام پھیلایا جائے۔

(5) قادیانی ڈاکٹروں - اساتذہ اور دیگر ماہرین کو ملازمتیں دلائی جائیں اور صیہونیوں کی پشت پناہی سے چلنے والی کثیر الاقوامی کمپنیوں اور صنعتی اداروں سے معاشی مفادات حاصل کیے جائیں۔ اسرائیلی نجی کمپنیاں تعمیراتی۔ انجنیئرنگ۔ سیاحت کی ترقی کے کاموں میں مصروف تھیں۔ انہوں نے قادیانی ٹولے کو افریقہ میں پرکشش ملازمتیں مہیا کیں۔

(6) سامراجیوں اور ان کے اسرائیلی مربیوں کے اشتراک سے افریقہ کے ترقی پذیر ممالک کی دولت کو لوٹنا۔

(7) افریقی ریاستوں کے ابھرتے ہوئے نوکر شاہی کے ڈھانچے میں قادیانیوں کو جگہ دلوانا تاکہ وہ ان کے معاشی معاملات اور خارجہ حکمت عملی میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر سکیں۔

نوئیل کنگ کہتا ہے کہ

> ”مذہب کے میدان میں ’احمدی عیسائیت کے لیئے انتہائی اچھے ثابت ہوئے ہیں کہ وہ اس کی تطہیر کر رہے ہیں کہ وہ اس کا قابل اعتراض چہرہ دکھاتے ہیں۔ دوسری طرف انہوں نے افریقہ کے سنی مسلمانوں کو بری طرح تنہا کر دیا ہے۔ افریقہ کے کئی حصوں میں مسیح موعود (مرزا صاحب) کے لیئے نئے احمدی (بھیڑیں) چوری کر کے اور مسلمانوں کے اتحاد کو بے رحمانہ طریقے سے توڑ کر وہ یہ کام کر رہے ہیں۔ پاکستان جو کہ اب ان کا مرکز ہے اس میں سنی مسلمان ان کے خلاف اس قدر مشتعل ہیں کہ وہ ان پر تشدد اور بعض کو تو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ افریقی مسلمانوں کی بھی اب یہ شدید خواہش ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں“۔ (۱)

افریقہ میں وسیع پیمانے پر احمدی تبلیغی پروگرام کی زیادہ تر مالی امداد خفیہ مدات سے ہوتی ہے۔ جو بعض انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے ربوہ کے لیئے مختص کیئے گئے ہیں۔ کچھ تنظیمیں ہالینڈ۔ جرمنی۔ سکینڈے نیوین ممالک اور افریقہ کے دوسرے علاقوں میں قادیانی تنظیموں کو مالی امداد اور سرپرستی مہیا کرتی ہیں۔ یہ چندے لندن کے بنکوں میں جمع کرا

۱۔ نوویل کیو کنگ ”افریقہ میں مسلمان اور عیسائی“ ہارپر اور رو پبلشرز لندن 1970ء ص 83۔

دیئے جاتے ہیں اور لندن کا مرکز انہیں آگے مراکز میں ان کی ضروریات اور شروع کیئے گئے پروگراموں کی نوعیت کے حساب سے تقسیم کرتا ہے۔

افریقہ میں احمدی مراکز کے پرفریب پروگراموں کا صحیح تعارف آدم محمد تروڑے نے کرایا ہے جو الجہاد بین الاقوامی اسلامی تحریک کے غطفان یونٹ کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

> ''آج عالمی یہودیت افریقہ میں قادیانیوں کو ان کے اسرائیلی مشن کے ذریعے مدد فراہم کرنے میں جتنی سرگرم ہے اتنی آج سے پہلے کبھی نہ تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالف جتنی ایجنسیاں اور قوتیں پائی جاتی ہیں صرف اس واحد مقصد کی خاطر قادیانیوں کو ہر ممکن مدد بہم پہنچا رہی ہیں کہ مسلمانوں کے استحکام کو پارہ پارہ کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ سے اطاعت و محبت کو ختم کیا جائے اور اگر وہ مسلمانوں کے اسلامی میں عقیدے کو ختم نہ کر سکے تو پھر کم از کم انہیں ان عقائد کے مطالب و معانی میں تحریفات و تبدیلیاں کر دینی چاہئیں جن پر مسلمان یقین رکھتے ہیں۔ گھانا اور نائیجیریا میں آج قادیانیت اسلام اور مسلمانوں کے لیئے ایک خطرہ بن چکی ہے اور یہ سب کچھ برطانوی سامراجیوں اور اسلام کی دیگر معاند قوتوں کی بدولت ممکن ہو سکا ہے۔ ان معاندین نے قادیانیوں کو اس وقت اپنی مکمل مدد فراہم کی جب نوآبادیاتی نظام کی شروعات تھیں اور قادیانیوں کی مدد کے لیئے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جو وہ کر سکتے تھے تا کہ قادیانی عیاری اور مہارت کے ساتھ مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے دور کر سکیں۔ گھانا کو قادیانی تحریک کے ہیڈ کوارٹر کے طور پر چنا گیا کیونکہ اس نے سامراجیت اور نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کرنے کے لیئے منفرد انداز میں جنگ لڑی تھی۔ گھانا اور مغربی افریقہ میں مکمل طور پر برصغیر کی قادیانی تحریک کے بارے میں لاعلمی اور مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ انہوں نے اس چیز کو بھی نوٹ کیا کہ مغربی افریقہ میں عمومی طور پر اور گھانا میں خصوصی طور پر مسلمان سنی العقیدہ اور حضرت امام مالکؒ کے پیروکار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لیئے دلوں میں محبت رکھتے ہیں۔ خصوصاً عرب دنیا کے لیئے وہ آپس میں

متحد بھی ہیں اور اپنے علاقے کی سیاسی تحریک میں ایک قوت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ قادیانیوں نے ان تمام عوامل کو ہاتھوں میں لیا اور دوسرے عوامل کو بھی جیسے مسلمانوں کے مدارس واداروں کی کمی۔ انگریزی ومقامی زبان میں اسلام کی محدود ترویج کی کمیابی اور نوجوانوں میں اسلامی تعلیمات سے دوری وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ برطانوی سامراجیوں نے گھانا کے مغربی علاقے سالٹ پونڈ میں قادیانیوں کو اپنے مرکز قائم کرنے میں مدد دی جہاں حال ہی میں تیل دریافت ہوا تھا اور یہ گھانا میں قادیانی تعلیمات کا مرکز بن گیا۔ سامراجیوں نے انہیں وہاں سکول۔ کالج۔ تبلیغی مراکز اور ہسپتال قائم کرنے میں مدد دی جو گھانا کے بالائی وسطی اور شمالی علاقوں میں قائم ہوئے۔ قادیانیوں نے دارالحکومت عکرہ میں ایک پریس بھی لگا لیا جس سے وہ اپنا اخبار ''دی گائیڈنس'' نکالنے لگے۔ موجودہ حالات میں دشمنان اسلام قادیانی گھانا میں پانچ سے زائد رسالے شائع کرتے ہیں جو بڑی مہارت سے مسلمانوں کے درمیان نفرت وناتفاقی کے بیج بونے کے ساتھ ساتھ ان میں کفر پھیلا رہے ہیں۔ انہوں نے گھانا میں ایک ادارہ بھی قائم کیا ہے جہاں وہ پڑوسی ممالک سیرالیون۔ گیمبیا۔ آئیوری کوسٹ۔ ٹوگولینڈ وغیرہ سے مبلغین بھرتی کرتے اور ان کی تربیت کرتے ہیں۔ نائیجیریا اور گھانا میں ان کی سرگرمیاں اس مقصد کے لیئے ہیں کہ وہ حکومت کے اندر سرائیت کر جائیں اور اعلیٰ حلقوں میں اپنے آپ کو ترقی پسند اور معتدل مسلمان ظاہر کر کے ان کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ وہ سنی اکثریت کو غیر ترقی پسند اور رجعت پسند قرار دیتے ہیں اور عام شہریوں میں قومیت کے جذبوں کو ہوا دے کر مسلمان معاشرے کے درمیان دراڑیں ڈال رہے ہیں۔ وہ نئے قادیانی مرتدین کو ''مقامی مسلمان'' کہتے ہیں اور سنیوں کو غیر مقامی کہتے ہیں اور وہ حکومت کو ہر وقت بھڑکاتے رہتے ہیں کہ وہ سنی امام نکال کر ان کی جگہ احمدی امام رکھے۔ وہ احمدیوں کو غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے سے سختی سے منع کرتے ہیں اور اپنی جماعت اور مسلمانوں کے مابین شادیوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور اگر ان کو غیر مسلم کہا جائے تو شدید ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔(۱) قادیانیوں کی بڑی کمین گاہیں نائیجیریا۔ گھانا۔ لائبیریا۔ گیمبیا

اور جنوبی افریقہ میں موجود ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں سامراجیوں اور اسرائیلیوں کا شدید اثر و رسوخ ہے اور ان ممالک کے ساتھ اسرائیل کے دوطرفہ تعلقات بھی ہیں خصوصاً لائبیریا اور جنوبی افریقہ کے ساتھ۔"

نائیجیریا:

یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو نائیجیریا آزاد ہو کر دولت مشترکہ کا رکن بنا، تین سال بعد یہ جمہوریہ بن گیا، نائیجیریا کی آزادی کے ساتھ ہی قادیانی مشن نے اس کی سیاست میں سرگرمی سے کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ جنوری ۱۹۶۶ء میں فوج نے ملک کا کنٹرول سنبھال لیا اور ایک ہر دلعزیز اور عربی وزیراعظم الحاج سر ابوبکر تفاوی بلیوا کو قتل کر دیا گیا۔ قادیانیوں نے عیسائی مبلغین کے ساتھ مل کر ابوبکر تفاوی بلیوا اور احمد بلو کے خلاف ایک گمراہ کن مہم شروع کر دی۔ ڈاکٹر سعید فوادی نے نائیجیریا کی سیاست میں ان کے گھناؤنے کردار پر بحث کی ہے۔[۲] "لے مونڈ" اور "پان آفریق" پیرس کی ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۶ء کی فائلوں سے قادیانی برطانوی مذموم گٹھ جوڑ کے متعلق حیران کن حقائق ملتے ہیں۔ قادیانیوں نے افریقہ میں سرعام برطانوی ایجنٹوں کا کردار ادا کیا۔ تفاوی اور احمد بلو کی وفات پر صیہونیت کی حامی لائبیریا کی حکومت نے سرکاری طور پر اطمینان کا اظہار کیا۔ لائبیریا میں عیسائی مراکز نے سفارتی طور پر چپ سادھ رکھی مگر قادیانی اور بہائی مراکز نے اس پر خوشیاں منائیں اور اسرائیل کی پشت پناہی سے لائبیریا کی حکومت کے ساتھ اپنے عہد وفاداری کی تجدید کی۔[۳]

۱۹۶۶ء کے بعد سے نائیجیریا میں تین کامیاب اور کئی ناکام فوجی انقلاب وقوع پذیر ہوئے۔ ان تمام میں سب سے بڑا انقلاب ۱۹۶۷ء میں مشرقی علاقے سے فوجی گورنر جنرل

۱۔ آدم محمد تیرورے "مسلمان افریقہ کو قادیانی ارتداد کے پنجوں سے بچاؤ" الجہاد بین الاقوامی تنظیم وکماسی گھانا جولائی 1978ء ص 3 تا 6۔

۲۔ دیکھیے ڈاکٹر سعید فوادی "القرہ الافریقہ بین المکائد الاستعماریہ الوجبہ التحاریری" جلد 6 ص 113 تا 221 کراچی مطبوعہ پریس 1968ء بحوالہ ہفت روزہ چٹان 9 فروری 1970ء۔

۳۔ ایضاً

عوجوکوا کا چیلنج تھا۔ اس نے علاقے کا وفاق سے تعلق ختم کرنے اور ''جمہوریہ بیافرا'' کے طور پر اس کی آزادی کا اعلان کیا۔ یہ ایک عیسائی ریاست تھی۔ مغرب جو کہ نائیجیریا کو اپنے دائرہ اثر کے مرکز کے طور پر خیال کرتا تھا وہ بیافرا کے عیسائیوں کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کا موقع ملنے پر خوش تھا۔ آخر کار بیافرا نے جنوری ۱۹۷۰ء میں مرکزی حکومت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ بیافرا کے بحران میں قادیانیوں نے عیسائی لابی کا ساتھ دیا ان کے مراکز نے اسرائیل اور سامراجی مفادات کے تحفظ کے لیئے کلیدی کردار ادا کیا۔

جنرل یعقوب گوون نے خانہ جنگی میں کامیابی حاصل کر لی۔ مرزا ناصر نے اس کے ساتھ مراسم بڑھانے کی کوشش کی اور مئی ۱۹۷۰ء میں اپنے افریقی دورہ کے دوران اس کے ساتھ ملاقات کی۔ گوون نے مرزا صاحب کو بتایا کہ خانہ جنگی ایک فرد کی خواہش تھی اور اس نے باغی رہنما عوجوکوا کو تنبیہہ کی تھی کہ اس کے بیرونی پشت پناہوں کی علیحدگی کی تحریک کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ مرزا ناصر نے سربراہ ریاست کے تحمل اور بردباری کی داد دیتے ہوئے کہا۔

> ''نائیجیریا میں بحران کے دوران ہم نے واقعات کا بغور جائزہ لیا ہے اور آپ کی سربراہی میں قوم کو صحیح رہنمائی میسر ہوئی ہے''۔ (۱)

''مارننگ پوسٹ'' لاگوس نے اپنے سترہ اپریل ۱۹۷۰ء کے شمارے میں لکھا

> ''احمدیوں کا یہ بھی منصوبہ ہے کہ وہ مغربی افریقہ میں لوگوں کو تعلیم دینے اور انہیں امن سے رہنے کی تلقین کرنے کے لیئے ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جائے''۔ (۲)

تیل کی دولت سے مالا مال نائیجیریا ۱۹۷۳ء کی جنگ کے دوران عرب دنیا کے نزدیک آ گیا اور اوپیک کا سرگرم رکن بن گیا۔ جولائی ۱۹۷۵ء میں یعقوب کا تختہ اس کے اپنے ایک رفیق کار نے اس بناء پر الٹ دیا کہ سول مسئلے کا فوجی حل ممکن نہیں۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۷۹ء تک عوامی حکومت اور جمہوریت کی بحالی کا پروگرام شروع کر دیا۔ جولائی

۱۔ Africa Speaks ص 14۔

۲۔ ایضاً۔

اگست ۱۹۷۹ء کے انتخابات کے نتیجے میں شیحو شیگاری نائیجیریا کا صدر بن گیا۔

اگست ۱۹۸۰ء میں مرزا ناصر احمد پھر نائیجیریا کے دورے پر گئے۔ انہوں نے اپنے دورے کے دوران بہت سے قادیانی مندوبین سے ملاقاتیں کیں اور ''فیڈرل پیلس ہوٹل'' لاگوس میں ایک پریس کانفرنس بھی کی۔ عرب دنیا کے مسائل۔ ایرانی انقلاب۔ اسلامی بغاوت وغیرہ کے متعلق ان سے کئی سوالات کیئے گئے مگر انہوں نے کسی بھی سیاسی سوال کا جواب دینے سے احتراز کیا۔ اپنے دورے کے اصل مقاصد پر پردہ ڈالنے کی خاطر وہ اپنی بے وقت کی راگنی یعنی احمدیت کی ترقی۔ اسلام کو درپیش عیسائی چیلنج کو ہی الاپتے رہے۔(۱)

ایک سابق احمدی ڈاکٹر بالوغن(۲) نے نائیجیریا کے قادیانی مرکز کے طریق کار اور سادہ لوح نائیجیریا کے باشندوں کو فریب دے کر قادیانی بنانے اور ارتدادی عقائد کی تشہیر کرنے پر بحث کی ہے۔ اس نے احمدیت سے توبہ کر لی اور افریقہ میں اس کے شیطانی کردار کے پردے چاک کر دیئے۔ اس سے کئی قادیانیوں کو اپنے ارتدادی عقائد پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ شمالی نائیجیریا میں کئی چھوٹی چھوٹی مسلمان تنظیمیں تھیں جنہوں نے احمدیت پر یلغار کی اور لوگوں کو ان کے مکروہ سیاسی عزائم سے خبردار کیا۔

گھانا

گھانا دوسرا ملک ہے جہاں سامراجی امداد سے قادیانیت پروان چڑھ رہی ہے۔ یہ پہلا ملک تھا جسے افریقہ میں پیش قدمی کی خاطر سب سے پہلے اسرائیلی امداد ملی۔ ۱۹۵۷ء میں آزادی کے حصول کے فوری بعد اس نے اسرائیل سے رسمی سفارتی تعلقات قائم کر لیئے۔ اس وقت سے دونوں کے تعلقات مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں سوائے ۱۹۷۳ء کے جب اسرائیل نے مشرق وسطیٰ میں جارحیت کا ارتکاب کیا۔

مغربی افریقہ کے دورے کے دوران مرزا ناصر نے بیس اپریل ۱۹۷۰ء میں گھانا

۱۔ الفرقان ربوہ جون 1970ء۔

۲۔ ڈاکٹر اسماعیل اے بی بالوغن نائیجیریا میں اسلام بمقابلہ عیسائیت لاہور 1977ء۔

کے صدارتی کمیشن کے چیئرمین بریگیڈیئر اے اے عارف سے خیر سگالی ملاقات کی جس نے نئے مراکز کے قیام کے سلسلے میں حکومت کی مکمل حمایت کی یقین دہانی کرائی۔ (۱) ناصر احمد گھانا کے سربراہ مملکت سے بھی ملے۔ (۲) ایک عشرہ سے بھی کم مدت میں گھانا میں دوسو پچاس شاخوں پر مشتمل قادیانی مشنوں کا ایک جال بچھا دیا گیا جسے اڑتالیس قادیانی چلا رہے تھے۔

> ''گھانا میں احمدیت کے تقریباً پانچ لاکھ پیروکار موجود ہیں' یہ سات ثانوی درجے کے سکول' اور چار ہسپتال چلا رہے ہیں۔ زرعی شعبہ میں ایک ہزار ایکڑ زمین کا ٹکڑا زیر استعمال ہے جہاں خوراک کے لیئے مکئی۔ گندم اور آلو وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے''۔ (۳) ''گھانا کا مشن اپنا اخبار ''گائیڈنس'' نکالتا ہے۔ جس کے تقریباً دس ہزار خریدار ہیں۔ حکومت اپنے بیرون ممالک سفارتخانوں کے لیئے اس کی خاص تعداد خریدتی ہے''۔ (۴)

۱۹۸۰ء میں اپنے افریقی دورے کے دوران مرزا ناصر گھانا کے صدر حلا لیمان سے ملا اور باہمی دلچسپی کے کئی امور پر گفتگو کی۔ گھانا سے روانگی سے قبل وہ دوسری دفعہ صدر سے ملا اور ملک کی سنگین سیاسی صورتحال پر اس کے ساتھ بحث کی۔ (۵)

لائبیریا

افریقہ میں آزادی حاصل کرنے والا یہ پہلا ملک تھا اور یہ ملک طویل عرصے سے امریکی اثر ونفوذ کے تحت رہا۔ اس کے اسرائیل کے ساتھ ہمیشہ سے ہی قریبی تعلقات رہے ہیں۔

لائبیریا میں قادیانی مشن ۱۹۵۶ء میں قائم ہوا۔ اس سر زمین پر اسے غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ احمدیت کی ترقی میں حکومتی امداد کے ساتھ اسرائیلی پشت پناہی کا بھی

۱۔ Africa Speaks، ص 33۔

۲۔ الفرقان ربوہ جون 1970ء۔

۳۔ ریویو آف ریلیجنز لندن دسمبر 1983ء۔

۴۔ جنوبی افریقہ میں احمدیت کی تاریخ تشحیذ پیپر۔ ربوہ دسمبر 1978ء۔

۵۔ دورہ مغرب، ص 434۔

اہم کردار ہے۔

۱۹۷۰ء میں جب مرزا ناصر احمد اپنے افریقی دورے پر تھا تو لائبیریا کے صدر ٹوبمین نے اسے سرکاری مہمان کا درجہ دیئے رکھا۔ صدر کی دعوت پر اس نے دو روزہ سرکاری دورہ کیا۔ صدر کے خصوصی نمائندے کرنل ہنری آر گوسن نے اس کا ہوائی اڈے پر استقبال کیا۔ اپنی آمد پر مرزا ناصر نے کہا کہ اگرچہ یہ ان کی پہلی ملاقات ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ اور صدر ٹوب مین ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہیں۔ انہوں نے صدر کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ اچھے دل و دماغ کا آدمی ہے جس پر قوم کو فخر ہونا چاہئے۔ انتیس اپریل کو ایگزیکٹو مینشن میں انہوں نے صدر کے ساتھ تنہائی میں ملاقات کی۔ صدر نے لائبیریا میں ایک سو ایکڑ زمین کے حصول کے لیئے احمدیوں کی درخواست بھی مان لی۔(۱)

مانروویا میں لبنانی سفیر بھی مرزا ناصر احمد کو ملا اور ان کے ساتھ کچھ افریقی معاملات کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا۔(۲) حکومت لائبیریا نے دارالسلطنت سے تقریباً سو میل دور سانویاں کے مقام پر رسمی طور پر ۱۹۷۳ء میں احمدی مشن کے لیئے ایک سو پچاس ایکڑ زمین عطا کر دی۔ حکومت کی مدد سے وہاں ایک سکول قائم کیا گیا۔ وزیر تعلیم اے ہوف نے اس کا افتتاح کیا۔(۳) پریس نے اس تقریب کی خوب تشہیر کی۔

اسرائیل دوسری افریقی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لیئے سفارتی سطح پر لائبیریا قادیانی مرکز کو کھل کر مدد دیتا ہے۔ اس سرزمین پر قادیانیت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لیئے معاشی پروگراموں کے لیئے بھی امداد دی جاتی ہے۔

گیمبیا

گیمبیا مغربی افریقہ کی پہلی برطانوی نوآبادی تھی۔ احمدیہ تحریک نے ۱۹۵۵ء میں جڑ پکڑ لی تھی مگر گیمبیا میں باقاعدہ مبلغ ۱۹۶۱ء میں پہنچا۔ وہاں پر مشن کے قیام کے لیئے اسرائیل

۱۔ Africa Speaks، ص 52۔

۲۔ الفرقان ربوہ جون 1970ء۔

۳۔ الفضل ربوہ 16 اکتوبر 1976ء۔

میں سابق قادیانی مبلغ اسرائیل چوہدری محمد شریف (۵۶-۱۹۳۹ء) کو اس کا ۱۹۶۱ء میں انچارج مقرر کیا گیا۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ چوہدری محمد شریف وہ بدنام زمانہ برطانوی اسرائیلی ایجنٹ تھا جس نے فلسطینیوں کے لیئے بہت سے مصائب کھڑے کیئے تھے۔ گیمبیا میں اپنی ذمہ داری سنبھالنے سے قبل وہ بیروت میں قیام پذیر رہا اور بعد میں اپنے پرانے رفقاء کار سے ملنے کے لیئے شام چلا گیا۔⁽¹⁾

مرزا ناصر احمد ۱۹۷۰ء میں گیمبیا گیا۔ گیمبیا کے سابق گورنر جنرل اور ایک نئے قادیانی الحاج سنگھاٹے نے اس کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ وہ گیمبیا کے صدر سر داؤد جوارا سے ملا اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔⁽²⁾

جنوبی افریقہ:

مشرق وسطیٰ اور افریقہ دونوں میں اسرائیل کا کردار سامراج کے ایک آلہ کار کا تھا جس کا کام تخریبی کارروائی کو جاری رکھنا۔ جارحیت کا ارتکاب کرنا اور سامراجیت کے مفاد اور اس کی امداد سے نسلی امتیازات کو فروغ دینا تھا۔ جنوبی افریقہ اور اسرائیل کا خفیہ گٹھ جوڑ پریس میں زیر بحث موضوع رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد منظور کی۔ جس میں صیہونیت کو نسل پرستی کے مترادف قرار دیا۔ اگلے ہی سال اقوام متحدہ نے ایک اور قرارداد منظور کی اور اسرائیل اور جنوبی افریقہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی مذمت کی۔ اسرائیل نے سی آئی اے کے ساتھ مل کر اقوام متحدہ کی پابندیوں کے باوجود جنوبی افریقہ کو جدید ترین ہتھیاروں کی فروخت کے لیئے اہم کردار ادا کیا۔ اس نے جنوبی افریقہ کو نمیبیا پر قبضے اور انگولا پر حملے میں بھی مدد کی۔

۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل سے جنوبی افریقہ میں سامراجی امداد کے ساتھ قادیانیت پروان چڑھ رہی تھی۔ ۱۹۶۴ء میں حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے ربوہ سے کوئی احمدی مبلغ

۱۔ الفضل ربوہ 6 اکتوبر 1976ء۔

۲۔ الفرقان ربوہ، جون 1970ء۔

وہاں نہ جاسکا۔⁽¹⁾ مقامی احمدی جماعت نے ربوہ کی زیر ہدایت اپنا کام جاری رکھا۔

نومبر ۱۹۶۷ء میں ڈربن کی میمن برادری کے ایک شخص نے سر ظفر اللہ کو جو اس وقت بین الاقوامی عدالت انصاف کا جج تھا جنوبی افریقہ آنے کی دعوت دی۔ جب وہ کیپ ٹاؤن پہنچا تو مقامی مسلمان تنظیموں نے پینتیس ہزار مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کے دورے کے خلاف احتجاج اور اس کا مقاطعے کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کے ساتھ پاکستان کے کوئی سفارتی تعلقات نہ تھے۔ ظفر اللہ ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرا جو صرف گوروں کے لیئے مخصوص تھا۔ اس نے لمبے چوڑے سفر کیئے بہت سے لوگوں سے ملا اور گفت وشنید کی جن میں اس وقت کا وزیر اعظم اور بعد میں جنوبی افریقہ کا صدر ڈاکٹر ورسٹر بھی تھا۔ بلوئم فانٹن میں وہ عدالت عظمیٰ میں بھی بیٹھا اور وہاں ایک اپیل کی سماعت کے دوران دلائل سنے۔⁽²⁾ اس نے جنوبی افریقہ کے چیف جسٹس کے ساتھ ایک ظہرانے میں شرکت کی۔ ایک پریس کانفرنس میں اس نے حکومت کے دوستانہ رویہ پر اس کا شکریہ ادا کیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان تعلقات کے فروغ کے لیئے اپنی بہترین کوشش کرے گا۔ اس سے قبل ظفر اللہ جوہنسبرگ میں ٹھہرا۔ شہر کے گورے سفید فام میئر نے اس کو استقبالیہ دیا۔ کیپ ٹاؤن میں قادیانی جماعت کے ایک سرکردہ رکن شیخ ابوبکر نجار نے اس کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا جس میں بہت سے گورے اور چند ایک کالے شہریوں نے شرکت کی۔ ظفر اللہ کہتا ہے کہ

> "کیپ ٹاؤن میں اسے مختصر احمدی جماعت کے ارکان سے ملنے کا موقع ملا جو کہ واقعی زمین کا ایک دوسرا کونہ ہے جس تک خدا کے حکم سے مسیح موعود کا پیغام پہنچایا گیا ہے۔⁽³⁾

ظفر اللہ نہ تو حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا نہ ہی اسے اس چیز کا اختیار سونپا گیا تھا کہ وہ پاکستان کی اس نسل پرست انتظامیہ کے ساتھ تعلقات کو فروغ دینے کی بات کرے جسے پاکستان نے تسلیم تک نہیں کیا تھا۔ اس کے بیانات نے پاکستان کے لیئے سیاسی مسائل

۱۔ مرزا مبارک احمد "تبلیغ اسلام" ربوہ 1964ء ص 10۔

۲۔ ظفر اللہ قادیانی "سرونٹ آف گاڈ" 281 تا 288۔

۳۔ ایضاً۔

کھڑے کر دیئے۔ افریقہ کے ممالک میں سامراجی حکمت عملی کی مطابقت میں وہ قادیانیوں کی اس خواہش کو منظر عام پر لے آیا کہ جنوبی افریقہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیئے جائیں۔ جنوبی افریقہ میں قادیانی اور لاہوری گروپ سامراج کی مدد سے کام کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مولانا الیاس برنی کی کتاب ”قادیانیت“ کے تلخیص شدہ ایڈیشن نے ان جماعتوں کو بے نقاب کیا۔ جنوبی افریقہ کی موثر یہودی جماعت قادیانی جماعت کو اپنے مکروہ سیاسی مقاصد کے لیئے آگے کرتی رہتی ہے اور مسلمانوں کے تمام طبقوں اور حلقوں کے درمیان دراڑیں پیدا کرنے کے لیئے استعمال کرتی ہے۔ اسرائیل کی طرح جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت قادیانیوں کے لیئے جنت کی حیثیت رکھتی ہے۔ قادیانیوں نے جنوبی افریقہ کی نسلی امتیاز یا پر تشدد حکمت عملی کی کبھی مذمت نہیں کی۔ وہ اس ملک کے لیئے خصوصی محبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مرزا غلام احمد نے انیس ویں صدی کی توسیع پسندانہ جنگوں میں برطانیہ کی کامیابی کی دعائیں کی تھیں۔

سیرالیون:

سیرالیون اور آئیوری کوسٹ کی ریاستوں میں ایک معتدل سا تبلیغی پروگرام جاری تھا۔ ۱۹۷۰ء میں جب مرزا ناصر احمد فری ٹاؤن پہنچا تو سیرالیون کے وزیر اعظم کی جانب سے ڈپٹی وزیر دفاع نے اس کا سرکاری طور پر استقبال کیا تھا۔ وہ سٹیٹ ہاؤس میں گورنر جنرل بور جاتیجان سی سے ملا اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔ اس کے بعد وہ سیرالیون کے سربراہ مملکت ڈاکٹر سیاکا۔ پی۔ سٹیونز سے بھی ملا۔ احمدیہ مشن نے اس کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا جس میں وزراء مملکت۔ پیراماؤنٹ چیف۔ اراکین پارلیمنٹ کے علاوہ فرانس۔ لبنان۔ نائیجیریا اور گیمبیا کے سفیروں نے شرکت کی۔ سیرالیون کے قائم مقام گورنر جنرل نے بھی اس کے اعزاز میں ایک سرکاری استقبالیئے کا اہتمام کیا۔(۱)

۱۔ الفرقان ربوہ جون 1970ء۔

بنیاد پرستی کے خلاف فصیل

مئی ۱۹۷۰ء میں مغربی افریقہ کے ممالک کے دورے کے اختتام پر مرزا ناصر لندن پہنچے اور نصرت جہاں منصوبے کا اجراء کیا۔(۱)

انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس منصوبے کا القاء خدائی منصوبے کے مطابق ہوا ہے اس کا مقصد جنوبی افریقہ میں احمدیہ تحریک کی سرگرمیوں کو پھیلانا ہے اور ہسپتالوں اور سکولوں کی ایک معتدبہ تعداد قائم کرنی ہے۔ جب وہ برطانیہ سے روانہ ہوئے تو چندے کی مد میں ساڑھے دس ہزار پونڈ کی رقم جمع ہو چکی تھی اس کے علاوہ برطانیہ کے احمدیوں نے اس مد میں چالیس ہزار پونڈ سے زیادہ جمع کرانے کا وعدہ کیا۔ نصرت جہاں منصوبے کے تحت مرزا ناصر نے مغربی افریقہ۔ گھانا۔ نائیجیریا۔ سیرالیون اور گیمبیا میں مراکز صحت اور ثانوی درجے کے سکولوں کے قیام کے لیئے پچیس لاکھ روپے کی رقم مقرر کی۔ قادیانی تنظیموں سے کہا گیا کہ ۱۹۷۶ء تک وہ ایک محفوظ فنڈ کے لیئے ساڑھے ترپن لاکھ روپے اکٹھے کریں۔(۲)

مرزا ناصر احمد نے جولائی ۱۹۷۹ء میں تیسرا یورپی دورہ شروع کیا وہ یورپ کی اہم سیاسی شخصیات سے ملے اور افریقہ کے اہم علاقوں میں تبلیغی سرگرمیوں کے مستقبل کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ موجود مراکز کی کارگزاری کا جائزہ لیا اور غیر معروف ذرائع سے حاصل ہونے والے چندوں سے افریقی اور یورپی مراکز کے لیئے رقم مختص کی۔

دورے کے دوران پریس کے کچھ نامہ نگاروں نے ان کو احمدیہ تبلیغی سرگرمیوں کے لیئے ذرائع آمدنی کے حصول سے متعلق سوالات کیئے۔ انہوں نے واضح کیا کہ باقاعدہ عطیات کے علاوہ جماعت رضاکارانہ طور پر بھاری تعداد میں ضرورت کے تحت مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ احمدیہ گروپ یورپی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور احمدیہ جماعت پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔

سوئٹزرلینڈ میں پریس کانفرنس کے دوران انہیں چند دیگر سوالات بھی پوچھے گئے۔

۱۔ سووینئر نمبر 17 نصرت جہاں نمبر۔ مجلس خدام احمدیہ کراچی، ص 32۔

۲۔ الفضل ربوہ، 10 دسمبر 1976ء۔

سوال پوری دنیا میں کتنے احمدی مسلمان ہیں؟

جواب ہم نے کبھی مردم شماری نہیں کی مگر میرا خیال ہے کہ وہ ایک کروڑ سے کم نہیں۔

سوال کیا آپ نے اشتراکی ممالک میں بھی اپنے مشن قائم کرنے کی کوشش کی ہے؟

جواب ان اشتراکی ممالک میں جو اپنے شہریوں کو کچھ مذہبی آزادی دیتے ہیں ان میں ہماری جماعت کے چند ارکان موجود ہیں کچھ ممالک میں ہم نے اپنے مبلغین بھیجے مگر انہیں وہاں تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے خائف ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ روس میں احمدیہ جماعت کے بانی کو اس علاقے میں احمدیوں کی بہت بڑی تعداد رویاء میں دکھائی گئی اور یہ تعداد اتنی بڑی تھی جیسے کہ کسی ریتلی جگہ پر ریت کے ذرے ہوں۔

سوال حکومت پاکستان کے ساتھ آپ کے کس قسم کے تعلقات ہیں؟

جواب بہت برادرانہ تعلقات ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو اپنے ملک کی حکومت کا وفادار ہونا چاہئے۔ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں اور کسی بھی سیاسی جماعت کا آلہ کار بننا پسند نہیں کرتے۔(۱)

صد سالہ تقاریب

۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ نے مشرق وسطیٰ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اس کے اثرات افریقہ پر بھی پڑے۔ کئی افریقی ممالک عربوں کے حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسرائیلی توسیع پسندی کی مذمت کی۔ ۱۹۷۳ء کے آخری مہینوں میں اسرائیل کی افریقہ کے متعلق حکمت عملی اس بنیاد پر استوار تھی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں عرب اثر کو براہ راست عسکری اعانت اور براہ راست مداخلت کے ذریعے روکا جائے۔ افریقی عرب تعلقات کو کمزور کرنے کے لیئے اسرائیل نے افریقہ میں ایک مضبوط معاشی اڈے کے حصول کے لیئے جو کچھ کیا اس میں اسے امریکہ کی مکمل آشیرباد حاصل تھی۔ اسرائیل کی یہ بھی

۱۔ تحریک جدید ربوہ نومبر 1973ء۔

خواہش تھی کہ غیر عرب افریقی ممالک میں سفارتی امداد حاصل کی جائے تا کہ اسے عرب اتحادی تنظیم اور اقوام متحدہ میں عربوں کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔

عرب اسرائیل جنگ کے بعد مرزا ناصر احمد نے ۱۹۷۳ء کے سالانہ اجتماع میں ایک اور پرجوش اعلان کیا کہ جماعت کی صد سالہ تقریبات منائی جائیں گی اور اس کے لیئے انہوں نے ڈھائی کروڑ روپے اکٹھے کرنے کا ہدف مقرر کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء کی جنگ کے بعد تمام افریقی ریاستوں نے جنوبی افریقہ اور اس کے زیر اثر ریاستوں (بوٹسوانا۔ لیسوتھو۔ سوازی لینڈ اور ملاوی) کے علاوہ اسرائیل سے تعلقات ختم کر لیئے اور افریقہ کے ساتھ اسرائیل کی سابقہ طویل رومانیت ختم ہوتی نظر آنے لگی۔

سال ۱۹۷۴ء میں پاکستان اور بیرون ملک قادیانی انتہا پسندی کے خلاف ایک بے مثال لاوا پھٹ پڑا۔ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم نے لوگوں کو کم از کم احمدیت کے تخریبی اور نفرت رساں سیاسی کردار سے آگاہ کر دیا تھا اور اس کے مذہبی عقائد کو بے نقاب کر دیا تھا۔ اپنے بیرون ملک ڈگمگاتے متبعین کو تشفی دینے کے لیئے مرزا ناصر نے ۱۹۷۵ء میں مغربی یورپ کا دورہ شروع کیا تا کہ پاکستان کی قومی اسمبلی کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ ان کو علم ہو گیا تھا کہ ان کے متجسس اور پریشان پیروکاروں کو مطمئن کرنا کتنا مشکل ہے لہٰذا انہیں مغربی یورپ سے نکلتے ہی بن پڑی۔ اگلے سال انہوں نے امریکہ۔ کینیڈا اور یورپ کا دورہ کیا تا کہ اپنے آقاؤں کے چرن چھونے کے ساتھ ساتھ احمدیہ مشنوں کی کارکردگی کا جائزہ لے سکیں اور نئے ذرائع آمدنی تلاش کر سکیں۔ بیرون ملک آقاؤں سے تعلقات مضبوط بنا سکیں اور اپنے خلاف اٹھنے والی مخالفت کو دبا سکیں۔ اسلام مخالف قوتیں اٹھتی ہوئی اسلامی بنیاد پرستی کو روکنے کے لیئے احمدیت کے لیئے مخصوص کردار کا تعین کر چکی تھیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے وسط میں بہت سے مسلمان ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور طرز زندگی کے بارے میں پرزور کوششیں ہو رہی تھیں۔ سوویت یونین کے کابل پر قبضے کے خلاف افغان مجاہدین کی مزاحمت۔ ایران

میں اسلامی انقلاب۔ شام کی اخوان الصفاء تحریک اور ملائشیا کی دعوۃ تنظیموں نے یورپ کی توجہ مبذول کر لی تھی۔ قادیانیت میں اتنا دم تھا کہ وہ اس بنیاد پرستی کے خطرے سے ٹکر لے سکے کیونکہ اس کا اپنا وجود اسلامی اقدار کی شکست و ریخت پر استوار تھا۔ اس نے افریقہ میں اپنی نام نہاد تبلیغی کارروائیاں جاری رکھیں اور ان ممالک میں بھی گھسنے کی کوشش کی جہاں مغربی اثر و نفوذ پہلے سے موجود تھا۔ مرزا ناصر احمد نے اپنا نام نہاد مشن کھولنے کے لیئے ایک اور اہم ملک سپین کو ہدف بنالیا تھا اس موضوع پر ہم ذرا تفصیلی بحث کرتے ہیں۔

سپین مشن

دوسری جنگ عظیم کے بعد مرزا محمود نے ۱۹۴۶ء کے وسط میں کرم الٰہی ظفر اور مولوی ظفر کو ہدایت کی کہ وہ لندن چھوڑ کر سپین چلے جائیں۔ وہاں انہوں نے ایک مرکز قائم کیا جو براہ راست خفیہ پولیس کی زیر نگرانی تھا۔(۱) کرم الٰہی نے ایک عطار کے بھیس میں خفیہ طور پر احمدیت کا پرچار کیا۔ تیس سال سے بھی زائد عرصہ تک احمدیوں نے بغیر کسی کامیابی کے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۹۸۰ء میں حکومت سپین نے یہ جاننے کے باوجود کہ احمدی عیسائیت مخالف نظریات کے حامل ہیں اور کیتھولک عیسائی ان پر شدید تنقید کریں گے احمدیوں کو کھلے عام مدد دینی شروع کر دی۔ حکومتی ڈھانچہ پر کلیسا کی پہلے ہی گرفت مضبوط تھی۔ سپین میں قادیانیوں کو خصوصی مراعات سے نوازا گیا جبکہ حکومت کی جانب سے دیگر اسلامی تنظیموں کو سرد مہری کے جذبات کا سامنا کرنا پڑا۔ ''مجلس برائے مراجعت اسلام ہسپانیہ'' ہسپانوی نسل باشندوں کے تقریباً سو نومسلم افراد پر مشتمل تھی اور سالہا سال سے قرطبہ کی تاریخی مسجد کی بحالی کا مطالبہ کرتی چلی آ رہی تھی جو کہ اب بھی کلیسا کی زیر ملکیت تھی۔ مسجد مسلمانوں کے لیئے نماز کی خاطر کھلی نہیں تھی۔ سپین میں مسلمان سفیروں اور اسلامی کانفرنس کے ارکان نے حکومت اور مذہبی حکام کے ساتھ اس معاملے کو اعلیٰ سطح پر اٹھانے کی کوششیں کی تا کہ مسلمانوں کے لیئے کم از کم جمعہ اور عید کی نمازوں کی اجازت حاصل کر لی

۱۔ تاریخ احمدیت جلد 12 ص 29۔

جائے مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ میڈرڈ میں مسجد کی تعمیر کے لیئے مسلمانوں اور سفیروں تک کو اجازت نہ ملی جس کے لیئے کافی دیر سے بات چیت چل رہی تھی اور جس کی اشد ضرورت تھی۔(۱) کیا وجہ تھی کہ کیتھولک غلبے والی سپین حکومت سے قادیانیوں کو اتنی زیادہ مراعات حاصل ہوئیں کہ وہ سپین میں مرکز کھول کر بیٹھ گئے۔

جب سپین کے قصبے پائیڈرو میں مرزا ناصر احمد نے ''مسجد'' کا سنگ بنیاد رکھا۔ پاکستان ٹائمز نے اس مسئلے پر ایک دلچسپ اداریہ لکھا۔ اسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

''سپین میں مسجد:

> ایک پریس ریلیز کے مطابق جو لاہور میں جاری کیا گیا قادیانی جماعت کے سربراہ نے سپین کے ایک قصبے پائیڈرو میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ حکومت سپین نے جو اس خاص ادارے کو اجازت دی ہے وہ اس لحاظ سے اہم ہے کیونکہ جہاں تک عمومی مسلمانوں کا تعلق ہے انہیں یہ استحقاق صدیوں سے حاصل نہیں تھا۔ یہ اس عظیم اثر کے بعد ہوا ہے جو علامہ اقبال کی طرف سے پیدا ہوا جب میڈرڈ نے لندن میں گول میز کانفرنس سے واپسی پر علامہ اقبال کو مسجد قرطبہ میں نوافل ادا کرنے کی اجازت دی۔ یہ تاریخی لمحہ اس عظیم شاعر کی ایک مشہور نظم میں ہمیشہ کے لیئے محفوظ ہو گیا ہے۔
>
> انفرادی رعایت جو کہ احمد یہ جماعت کو دی گئی اس کی وجوہات ڈھونڈنا کچھ زیادہ مشکل نہیں یہ اس کی تشکیل میں موجود ہے۔ قادیانی تحریک کی شناخت برطانوی راج کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ ہندوستان کے سیاسی حلقے جب خالص سیاسی بنیادوں پر اس کی مدد کرتے تھے تو قادیانی مذہبی سطح پر اس کو نہ صرف قانونی جواز بہم پہنچاتے تھے بلکہ اسے مقدس بھی ٹھہراتے تھے۔ بظاہر قادیانیت نے اپنے عقیدے کو ملکی امن کے نظریے پر استوار کیا ہے جو مسلمانوں کے تمام قواعد و ضوابط پر کاربند ہونے کی تاکید کرتا ہے جو کہ برسر اقتدار قوت کی طرف سے نافذ کیئے گئے ہیں۔ اس بارے میں جو حکمت عملی اسلام مرتب کرتا ہے وہ اسلام کے علاوہ اور کوئی نہیں

۱۔ محمد سمیع اللہ کا پاکستان ٹائمز کے نام خط لاہور 6 دسمبر 1980ء۔

ہوسکتی اور نہ صرف یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ یہ قوانین ان کی زندگیوں کو اپنے تابع کریں بلکہ ان کا حاکم بھی مسلمان ہونا چاہئے۔ قرآن کا یہ حکم اس معاملے میں ان کے لیئے ضروری ہے کہ ''اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو'' ظاہری طور پر کوئی بھی غیر مسلم ان کا حکمران نہیں ہوسکتا مگر قادیانیوں نے اس خدائی حکم کا یہ حصہ ''جو تم میں سے ہو'' حذف کر دیا۔ اس تحریف نے اسلامی اقدار کا سارا ڈھانچہ بگاڑ دیا۔ اس نے غیر مسلم حکمران کے لیئے راستہ کھول دیا۔ انہیں برطانوی سلطنت میں عافیت محسوس ہوئی کیونکہ مسلمانون کی حکومت سے صلح کرنے میں انہیں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بلاشبہ ولیم ہنٹر کو یہ تحریک دلائی گئی کہ وہ یہ چبھتا ہوا سوال اٹھائے ''کیا مسلمان مذہبی طور پر پابند ہیں کہ وہ ملکہ کے خلاف بغاوت میں اٹھ کھڑے ہوں'' چنانچہ قادیانی تحریک انگریزوں کے لیئے ایک نعمت سے کم نہیں تھی جنہوں نے برصغیر میں اپنی حکومت کے دوران انہیں پوری سرپرستی مہیا کی۔ چنانچہ ایک مکمل طور پر غیر اسلامی نظریاتی ساخت کی ''نبوت'' ایجاد کی گئی تا کہ اس تصور کو سند عطا کی جا سکے۔

چونکہ قادیانی اسلام کے داعی ہونے کے دعوے دار تھے' ان کی امداد اور اعانت وائسرائے کرتا تھا اور ایک مذہبی فنڈ قائم کیا ہوا تھا جو کلیساؤں کو رقوم فراہم کرتا اور ملک کے اندرون وبیرون میں مذہبی انجمنوں کو باقاعدہ اسلامی فرقوں کا روپ دھارنے میں مدد دیتا۔ اس جماعت کو جو سرگرم سرکاری سرپرستی حاصل تھی اس سے اس نے ضرورت مند مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بیرون ملک سہولتوں سے اس نے اپنے مشن قائم کیئے۔

قادیانی کردار آزادی کے بعد ختم نہیں ہوگیا۔ بدقسمتی سے اسلامی احیاء نے اس تحریک کو ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ انتہا پسند اسلام کے فروغ نے عیسائی مغرب اور سوویت مشرق کو ہلا کر رکھ دیا۔ نہ صرف انہیں مسلمان اقوام کی بڑھتی ہوئی قوت اور شدت کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ یہ اسلامی تعلیمات کی مذہبی تبلیغ کی مقناطیسیت کے بارے میں بھی بہت حساس ہیں۔ ایک تو یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اگر ایک طرف اسلامی ممالک مضبوط ہو گئے اور دوسری طرف ان کی مسلمان آبادیوں نے غیر مسلم سرپرستی سے سرکشی کی راہ اختیار کر لی تو اس سے دنیا بھر میں

سیاسی تبدیلیوں کا آغاز ہو جائے گا۔

یہ طاقتور گروپ کوئی ایسی چیز تیار کر لیں گے جو اپنے اندر اسلام کی بالادستی مضبوط کر لیں گے۔ اس حوالے سے عقیدہ۔ اطاعت اور قادیانی تحریک نے جو سستی ان کے اندر بھر دی ہے اس نے انتہائی اہم حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ اس قسم کے اسلامی موقف کا پرچار کرنا چاہتے تھے۔ جتنا زیادہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھے گی اتنا بہتر ہوگا۔ جبکہ ان کے پیروکاران کی حکومتوں کے مخالف نہیں تو ان کے دائرہ اختیار کے تحت مسلمان گروہ اطاعت پذیر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ اس جماعت کی موجودگی کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ انہیں یورپ افریقہ یا سوویت یونین میں قوت حاصل کرنے کے لیئے خوش آمدید کہا گیا۔ دہلی سے آمدہ اطلاعات پہلے ہی ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ اپنا وزن ہندوستان کے پلڑے میں ڈال رہے ہیں جس طرح انہوں نے برطانوی ہندوستان میں کیا تھا اور اس کی وہی وجہ ہے کہ پسی ہوئی مسلمان رعایا کے درمیان سے وفادار بھرتی کیئے۔ اس لیئے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انہیں مسجد میں جمع ہونے کی اجازت دی گئی ہے جو کہ روایتی طور پر مغرب کے لیئے ایک دروازے کی حیثیت رکھتا ہے"۔(1)

مسئلے کا آغاز

ستمبر ۱۹۷۴ء میں جب قومی اسمبلی اور سینٹ نے آئین کا دوسرا ترمیمی بل منظور کیا جس میں غیر مشروط ختم نبوت پر یقین نہ رکھنے والوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو مسلمانوں نے اس پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ خیال کیا گیا کہ جو مسئلہ سو سالوں سے لٹک رہا تھا دوستانہ طور پر حل ہو گیا ہے مگر احمدیوں کے دونوں گروہوں نے اس کا تمسخر اڑایا۔ انہوں نے مسلمان ہونے پر اصرار کیا اور اندرون و بیرون پاکستان اپنے آپ کو یہی کچھ ظاہر کیا قانون سازی کی غیر موجودگی میں قادیانی اپنی عبادت گاہوں کو مسجدوں کا نام دیتے۔ اذان دیتے۔ مرزا غلام احمد کو نبی اور رسول کہتے اور مسلمانان عالم کو کافر قرار دیتے اور بڑی آزادی سے ام المومنین

۱۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی 16 نومبر 1980ء۔

اور صحابہ جیسی مقدس اصطلاحات کا استعمال کرتے اور بڑے جوش و جذبہ سے اپنے عقائد کا پرچار کرتے۔

پنجاب کی مختلف عدالتوں میں ان کی مساجد کی نئی تعمیر اور غیر اسلامی عقائد کی پر زور تبلیغ کے خلاف مقدمات درج کرائے گئے۔ ایک مسلمان کے دائر کیئے گئے مقدمے میں ڈیرہ غازی خان کے سول جج نے عارضی حکم جاری کیا اور مدعا علیہان کو منع کر دیا کہ وہ متنازع جگہ کا نام مسجد نہ رکھیں اور اپنی عبادت کے لیئے اذان مت دیں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کی طرح رکوع۔ سجود اور قیام نہ کریں۔ قادیانیوں نے ڈسٹرکٹ جج کے پاس اس حکم کے خلاف اپیل دائر کر دی مگر حکم مورخہ انیس اکتوبر ۱۹۷۵ء کے تحت خارج ہوگئی۔ مرزا ناصر احمد کی ہدایات پر قادیانی پنجاب عدالت عالیہ میں اپیل میں چلے گئے۔ جس نے زیریں عدالتوں کے احکامات رد کر دیئے۔ بارہ نومبر ۱۹۷۷ء کو اپنے فیصلے میں لاہور عدالت عالیہ کے جسٹس آفتاب حسین نے عبدالرحمٰن مبشر بنام امیر علی شاہ میں یہ لکھا کہ احمدیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے اور اپنے مذہبی نظریات اور اداروں کی بابت انہیں مکمل آزادی حاصل ہے اور آئینی ترمیم نے ایسی کوئی بنیاد مہیا نہیں کی جس کی بنیاد پر عدالت احمدیوں کو اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہنے یا عبادت کے لیئے بلانے یا اسلام کے مقرر کردہ طریقوں کے مطابق عبادت کرنے سے روک سکے۔ تاہم احمدیوں کے لیئے اسی طریقے سے اپنے عقائد کی پیروی کرنے میں انہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے جس طرح آئینی ترمیم سے پہلے تھی۔ لاہور عدالت عالیہ کے فیصلے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ قادیانیت کی ارتدادی اور اشتعال انگیز سرگرمیوں کو نکیل ڈالنے میں آئینی ترمیم بمشکل موثر ہے۔ اس چیز کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس سلسلے میں کوئی ٹھوس کارروائی ہونی چاہئے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرکردہ علماء نے اس مسئلے پر غور و خوض شروع کیا اور آئینی ترمیم کے موثر نفاذ کے بارے میں مہم شروع کر دی۔

قادیانیوں کے خلاف اس وقت کے جاری سیاسی حالات کی وجہ سے ایک بھرپور

عوامی مہم کے لیئے حالات سازگار نہیں تھے۔ جنرل ضیاء نے ۱۹۷۳ء کے آئین کو سرد خانے میں ڈال کر تمام قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی تھی۔ مارشل لاء کے ایک سال بعد تھوڑا سا معاملہ اس وقت طے ہوا جب حکومت نے پاکستان میں تمام غیر مسلم اقلیتی برادریوں کے لیئے جداگانہ طرز انتخاب متعارف کروائے۔

جداگانہ طرز انتخاب

۱۹۷۸ء کے سولہ اور سترہ صدارتی احکامات حلقہ انتخاب کا دفعہ بندی کے (ترمیمی آرڈیننس ۱۹۷۸ء) اور انتخابی فہرستوں کے ترمیمی آرڈیننس ۱۹۷۸ء کے مطابق اقلیتوں کے لیئے جداگانہ طرز انتخاب نافذ کر دیا گیا۔ انتخاب لڑنے یا کسی امیدوار کو ووٹ دینے کے لیئے قادیانیوں کو اپنے آپ کو غیر مسلموں یعنی ہندو۔ سکھ۔ پارسی۔ بہائی وغیرہ کی انتخابی فہرستوں میں درج کروانا تھا۔ یہ ان کے لیئے قابل قبول نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو صحیح مسلمان قرار دیتے تھے اور مسلمانان عالم کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے پر مصر تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے نام بطور غیر مسلم رائے دہندگان درج نہیں کرائیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو حق رائے دہی سے محروم کر لیا۔ ۱۹۷۸ء کے سولہ اور سترہ صدارتی احکامات نے بحالی ۱۹۷۳ء آرڈر۔ ۱۹۸۵ء (آرٹیکل ۵۱ (اے۔ ۴)' ۶۲ (بی)' ۱۰۶ (۵) اور ۱۱۳) کی رو سے آئینی حیثیت حاصل کر لی۔

اس حکم نے پاکستان کے انتخابات میں قادیانیوں کی مداخلتی قوت کو موثر انداز میں روک دیا۔ بیرونی قوتوں کی شہ پر جیسا کہ وہ ماضی میں سیاسی مداخلت کرتے آئے تھے خصوصاً ۱۹۷۱ء کے انتخابات جن کے نتیجے میں پاکستان کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ رک گئی۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے نتیجہ میں حکومت نے قادیانیوں کو متعدد مقدس اصطلاحات۔ نبی کریم ﷺ سے متعلقہ متعدد القابات اور خطابات۔ خلفاء راشدین آنحضور ﷺ کی ازواج مطہرات کی اصطلاحات استعمال کرنے سے روکنے کے لیئے ایک موثر قدم اٹھایا۔ ۱۹۸۰ء

کے آرڈیننس ۴۴ کا نفاذ کر دیا گیا۔ ستمبر میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۸ اے کا اضافہ کر دیا گیا اس کے مطابق ہر اس شخص کو تین سال قید کی سزا دی جا سکتی تھی جو تحریری یا زبانی الفاظ کے ذریعے۔ اور واضح اظہار یا تہمت۔ اشارے کنائے یا درپردہ الزام براہ راست یا بالواسطہ ان شخصیات کے ناموں کی توہین کرے گا۔ ان تمام اقدامات کے باوجود ہٹ دھرم قادیانی اپنی ضد پر اڑے رہے اور مسلمانوں کے لیئے بہت بڑی ناراضگی اور غم وغصہ کا باعث بنتے رہے۔ حکومت نے ان کے متعدد رسائل وجرائد پر پابندی لگا دی مگر یہ قدم اتنی تاخیر سے اٹھایا گیا کہ ان پر کوئی خوف مسلط نہ ہو سکا۔ علماء نے کچھ سخت اقدامات کا مطالبہ کیا تاکہ ضیاء حکومت کے تذبذب کو ختم کیا جا سکے اور کوئی فیصلہ کن اقدام کیا جائے۔

ناصر کے دور کا خاتمہ

مرزا ناصر احمد نے احمدیہ ٹولے کی قیادت ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۲ء تک کی۔ انہوں نے نو جون ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد میں حرکت قلب بند ہونے کے بعد وفات پائی۔ وہ اسلام آباد میں اپنے آئندہ دورے کے لیئے سپین کے سفارت خانے سے ویزے کے حصول کی خاطر آئے تھے۔ ان کی لاش کو عارضی تدفین کے لیئے ربوہ لے جایا گیا اور بہشتی مقبرے میں اس وقت تک کے لیئے دفن کر دیا گیا جب تک ان کی حتمی تدفین قادیان میں نہیں ہوتی۔ مرزا محمود کے بنائے گئے انتخابی نظام کی مطابقت میں مرزا ناصر احمد کی تدفین سے پہلے پانچ سو افراد پر مشتمل ایک انتخابی مجلس نے نئے خلیفہ کا چناؤ کرنا تھا۔

مرزا ناصر کا دور بہت سی مشکلات سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے اختیار کو مجتمع رکھنے کے لیئے انہیں بہت سے مسائل سے براہ راست واسطہ پڑا۔ ان کے مسند اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد ربوہ میں ان کی ذات کے خلاف چند عناصر نے ایک مہم شروع کر دی جو بعد ازاں ملک کے دوسرے حصوں میں پھیل گئی۔ اس مہم کو فوری طور پر کچھ لو اور کچھ دو کی حکمت عملی کے تحت ختم کر دیا گیا لیکن یہ مکمل طور پر ختم نہ کی جا سکی کیونکہ احمدی اشرافیہ میں ان عناصر کو ایک اچھا مقام

حاصل تھا۔

مرزا ناصر نے اپنے والد گرامی مرزا محمود کی طرح ان احمدیوں کے خلاف دہشت گردی کا بازار گرم کیئے رکھا جو احمدیہ جماعت کے معاملات پر ان سے اختلاف کرتے تھے۔ ان پر تشدد قاتلانہ حملے۔ سماجی مقاطعہ اور تذلیل کے حربے آزمائے گئے۔ اپنی نجی محفلوں میں قادیانی منحرفین مرزا ناصر احمد کو ربوہ کا "فیشن ایبل راسپوٹین"۔ "چنگیز خاں" اور "مقدس چکمہ" وغیرہ کا نام دیتے۔[1]

ایک خفیہ تنظیم الفتح نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے ارکان کو ستمبر ۱۹۷۲ء میں ایک سائیکلو سٹائلڈ کاغذ بھجوایا جس میں ہوم ڈیپارٹمنٹ ربوہ (امور عامہ) کی جانب سے بے گناہ احمدیوں سعادت علی۔ افضل۔ غلام حیدر۔ ناصر۔ عتیق اور بہت سے دوسروں پر قادیانی پوپ مرزا ناصر احمد کی ہدایات پر ڈھائے گئے متواتر مظالم کا ذکر کیا گیا تھا۔ انہوں نے قومی اسمبلی کے ارکان سے پرزور اپیل کی کہ ان کے ازالے کے لیئے ربوہ کی یہ داستانیں اعلیٰ حکام کے نوٹس میں لائی جائیں۔

یہ الزام عائد کیا گیا کہ ربوہ محکمہ داخلہ کا انتہائی خطرناک ڈھانچہ ہے۔ یہ کہا گیا کہ بہت سے مالدار قادیانیوں کے لیئے یہ ایک عشرت کدہ ہے۔ یہاں سے پولیس اور سول انتظامیہ کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ یہ ایک احمدی گستاپو ہے جو ایک احمدی ہٹلر کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ نہ صرف مرزا ناصر کی ذات پر سخت الزامات اور ذاتی اتہامات لگائے گئے بلکہ ان کے اہل خانہ کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ الفضل ربوہ نے پرانی رٹ لگائے رکھی اور باخبر قادیانیوں کو منافقین قرار دیتے ہوئے اس گروہ کو ان کے مذموم ارادوں سے خبردار کیا جن کا رخ "مامور من اللہ" خلیفہ کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بن کر خلافت کو تہہ و بالا کرنا تھا۔[2] اخبار نے قادیانی وفاداروں کے چند گھسے پٹے مضامین شائع کیئے جن میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ شاہی نظام سب سے بہتر نظام ہے۔ انہوں نے مرزا ناصر کی دلکش تصویر کشی کی اور

---

[1] ترجمان الاسلام لاہور یکم ستمبر 1972ء۔

[2] دیکھیں الفضل ربوہ 18'19'29 مارچ کے شمارے اور الفرقان ربوہ مارچ 1972ء۔

احمدیوں کو نصیحت کی کہ وہ احمدیہ مخالف قوتوں سے خبردار رہیں۔ مرزا ناصر احمد کے وردی پوش ملازمین جو کہ شعبدے بازی کے ماہر تھے انہوں نے چند ماہ میں مخالفین کو خاموش کر دیا۔

ناصر احمد نے احمدیہ تحریک کو ایوب خان کے مطلق العنان دور حکومت میں کافی مضبوط کر دیا۔ یحییٰ حکومت بھی قادیانیوں کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ انہوں نے پاکستان اور افریقہ میں اپنی سیاسی و مذہبی تحریک میں شدت پیدا کی۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۳ء کے سالوں کے دوران مرزا ناصر نے اس اعانت کے باعث جو اسے زیادہ تر پیپلز پارٹی سے میسر ہوئی تھی اپنی جماعت کو سیاست میں سرگرمی سے ملوث کر دیا اور جماعت کے پرانے ارکان کو بین الاقوامی سازشوں کے اکھاڑے میں اتار دیا۔

مرزا ناصر احمد نے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کو بے چارگی اور خوف کی نظر سے دیکھا۔ انہوں نے اپنے بیرون ممالک مراکز کو پاکستان اور بھٹو حکومت کے خلاف زبردست مہم شروع کرنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے احتجاجی تحریک کے دوران عاقبت نا اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے بیرونی مداخلت کو دعوت دی اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیئے اپنے غیر ملکی آقاؤں سے رابطہ کیا۔ سامراجیت کی باقیات کی زندہ علامت ظفر اللہ نے اس تحریک کو بدنام کرنے کے لیئے تمام واقعات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کی طفل تسلی کے لیئے مرزا غلام احمد کے خوابوں اور پیش گوئیوں کا سہارا لیا۔ احمدی جماعت نے ان تبدیلیوں پر گہرے الم کا اظہار کیا اور آئینی ترمیم دسمبر ۱۹۷۴ء کے باوجود اپنے مسلمان کہلوانے پر اصرار کیا۔ یہ ترمیم اگرچہ پوری طرح عمل میں نہ آئی لیکن تحریک پر ضرب کاری کا باعث ضرور بن گئی۔

۱۹۷۴ء کے بعد کے دور میں مرزا ناصر احمد پریشان حال جماعت کے ایک ناکام چارہ ساز بن کر رہ گئے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخری سالوں میں ان کی صحت انتہائی بگڑ گئی۔ نئے احمدی بننے کا رجحان کم سے کم ہوتا گیا اور بیرون ملک نوجوانوں نے احمدیت کے

اسلامی کردار پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دیں۔ تین دسمبر ۱۹۸۱ء کو ان کی محبوب بیوی محترمہ منصورہ بیگم صاحبہ کی وفات نے انہیں عظیم صدمہ پہنچایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کو شادی کے کئی پیغامات موصول ہوئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے چالیس دن تک خدا کی رضا کے لیئے چلہ کاٹا۔ انہوں نے دو مقتدر قادیانیوں عبدالمالک اور فیصل آباد جماعت کے امیر شیخ مظہر احمد کو بھی ایسا ہی کرنے کا کہا۔ چند دن کے بعد انہوں نے خدا کی طرف سے دوسری شادی کی ''اجازت'' حاصل کی۔ مرزا ناصر احمد کے بیٹے مرزا لقمان احمد نے اپنے باپ کو بتایا کہ ان کی والدہ محترمہ نے خواب میں بتایا ہے کہ ان کو چاہیئے کہ عبدالمجید خاں کی بیٹی اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل پروفیسر نصیر احمد کی بہن محترمہ طاہرہ کے خاندان کو رشتے کا پیغام بھیجیں۔ اس طرح یہ پیغام بھجوایا گیا۔ محترمہ طاہرہ کی والدہ نے بیٹی کی رضا مندی معلوم کی۔ محترمہ طاہرہ نے انکشاف کیا کہ وہ پہلے ہی ایک خواب دیکھ چکی ہے جس میں اسے مطلع کیا گیا تھا کہ ایک ''شہنشاہی رتبے کا شخص'' اس سے بیاہ کرنا چاہتا ہے۔

''خدا کی مرضی'' کو ملوث کرنے کے بعد اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لیئے اپنے پیرو کاروں کے کشوف اور خوابوں کا سہارا لے کر انہوں نے چوبیس سالہ محترمہ طاہرہ سے گیارہ اپریل ۱۹۸۱ء کو دوسرا بیاہ کر لیا۔ جنسی کمزوری کو سہارا دینے کے لیئے انہوں نے باقاعدگی سے ''زد جام عشق'' کا استعمال کیا۔ یہ ایک شہوت انگیز دوائی تھی۔ اس کے اجزاء مبینہ طور پر مرزا غلام احمد پر منکشف کیئے گئے تھے۔ کچھ قادیانیوں نے یہ الزام بھی عائد کیا کہ دوسری سہاگ رات کے لیئے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لیئے انہوں نے ایک طاقت کی دوائی استعمال کی جسے حکیم نور الدین نے کشمیر کے ایک عیاش مہاراجہ کے لیئے تیار کیا تھا۔ ان ادویات کے استعمال سے انہیں قلبی عارضہ لاحق ہو گیا اور اپنی نئی شادی کے دو ماہ بعد اپنی جماعت کو افسردگی اور انتشار کی حالت میں چھوڑ کر وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

پچیسواں باب

مرزا طاہر مسند اقتدار پر

جونہی دس جون ۱۹۸۲ء کی صبح ربوہ میں مرزا ناصر کی وفات کی خبر پہنچی قادیانی خلافت کے امیروں کے درمیان جانشینی کی ایک شدید جنگ چھڑ گئی۔ ربوہ کی گدی پر قبضہ جمانے کے مسئلے نے مرزا ناصر کی تدفین کے معاملات پر فوقیت حاصل کر لی۔ انتخابی مجلس کے ربوہ کی ایک عبادت گاہ میں عجلت میں بلائے گئے اجلاس میں مرزا طاہر اور اس کے سوتیلے بھائی مرزا رفیع احمد کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار دیکھا گیا۔ مرزا طاہر کے اہل خانہ اور قادیانی نوجوان مرزا طاہر کی خلافت کے حامی تھے جبکہ چند بڑے قادیانی اور منحرف قادیانیوں کا ایک گروپ مرزا رفیع احمد کا حامی تھا۔ اس انتخابی مقابلے کے دوران مرزا رفیع احمد کچھ کہنے کے لیئے اٹھے مگر انہیں ایک لفظ بھی کہنے نہ دیا گیا۔ اسی پریشانی کی حالت میں انہوں نے ظفر اللہ کی طرف دیکھا۔ جس نے اسے جھڑکتے ہوئے چپ کرا دیا۔ مرزا مبارک احمد اس انتخابی ڈرامے کا کرتا دھرتا تھا۔ جو بیرون ملک قادیانی مراکز کا انچارج تھا۔ اس نے اپنے معاونین کے ساتھ یہ کھیل مرزا طاہر احمد کے حق میں کر دیا اس جانبدارانہ مقابلے کے باعث مرزا طاہر احمد اور اس کے ساتھیوں کو شدید جماعتی غم و غصے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ تقریباً وہی ڈرامہ تھا جسے ۱۹۱۴ء میں انصار اللہ نے مرزا محمود کے انتخاب کے وقت پیش کیا تھا اور جس کے نتیجے میں خواجہ کمال الدین اور ان کے گروپ کو قادیان سے نکلنا پڑا۔

مرزا رفیع احمد رسوائی اور غضب کی حالت میں خاموشی سے وہاں سے چلے گئے۔ ان

کے ہمدردوں کے چھوٹے سے گروہ نے ان کی کامیابی کا اعلان کر دیا اور گول بازار ربوہ میں ایک جلوس نکالا۔ مرزا طاہر احمد کے پیروکاروں نے جماعت کے نئے خلیفہ کی حیثیت سے ان کے پیغام کو پھیلانے میں قطعاً کوتاہی نہ کی۔ ربوہ اور اس کے گردونواح میں مسیح موعود کے چوتھے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد کے پہلے خطاب کی کیسٹیں گونجنے لگیں۔ خدام الاحمدیہ نے پاکستان اور بیرون ملک احمدیہ جماعتوں کو مطلع کرنے کے لیئے کہ مرزا طاہر احمد کو خدا نے ان کے چوتھے سربراہ کی حیثیت سے مقرر کر دیا ہے ان کے پیغامات دور دراز تک نشر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مرزا رفیع احمد اور ان کے ہمدردوں کے ساتھ کیا ہوا یہ ایک افسوس ناک کہانی ہے۔(1) مرزا رفیع کو یزید۔ پیغامیوں (لاہوریوں) کا آلہ کار۔ منافق۔ مقدس خلیفہ کا سخت دشمن۔ بنگالی عورت کا باغی بیٹا (ان کی والدہ بنگال سے تھی) اور دعاؤں کا سوداگر کہا گیا۔ احمدی ان سے ملنے سے کترانے لگے۔ خدام احمدیہ ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے لگے۔ ان کی ڈاک سنسر ہونے لگی اور ان کے گھر کو چھوٹا قید خانہ بنا دیا گیا۔ ان کے سب سے بڑے حامی البشارت جیولرز کا خاندان اور بہشتی مقبرے کے انچارج مولوی بشارت الرحمٰن کو معمولی اور جھوٹے الزامات لگا کر جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ ان تمام تادیبی اقدامات کے باوجود مرزا رفیع احمد کی جماعت میں تحریک زور پکڑتی رہی مگر طاہر گروپ کے بڑے ارکان نے ان کو خاموش کروانے کے لیئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا۔ مرزا طاہر احمد نے اپنے مشیروں کے نصائح پر عمل کرتے ہوئے قصر خلافت کا کنٹرول سنبھالنے میں کوئی تاخیر نہ کی۔ انہوں نے بااثر قادیانیوں ظفر اللہ۔ ایم ایم احمد۔ مرزا مبارک احمد۔ ڈاکٹر عبدالسلام اور دیگر افراد کا اعتماد حاصل کر لیا۔ قوت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے قادیانیوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا۔ کچھ قادیانیوں کے قریبی رشتہ داروں کو بیرون ملک مبلغین بنا کر بھجوا دیا۔ احتجاجی آوازوں کو دبانے کے لیئے اور اپنے منظور نظر افراد کو نوازنے کے لیئے قادیانی خزانہ عامرہ سے قرضوں کی بھرمار کر دی۔ مرزا رفیع احمد۔ مرزا طاہر احمد کے گوناگوں ہتھکنڈوں کے آگے بے بس تھا۔ حتیٰ کہ مرزا طاہر احمد کے آلہ کاروں نے مرزا

1۔ دیکھئے ہفت روزہ میگ 22 تا 28 جولائی 1988ء۔

رفیع احمد کے اہل خانہ کی بھی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ مرزا محمود کی ہمشیرہ محترمہ اور مرزا رفیع کی پھوپھی محترمہ امتہ الحفیظ بیگم نے انہیں بیعت فارم پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا اور کھلے دل سے مرزا طاہر کو خلیفہ ماننے کے لیئے دباؤ ڈالا۔ مرزا رفیع کو مدرسہ احمدیہ کی ملازمت سے نکال دیا گیا جہاں وہ تفسیر پر درس دیا کرتے تھے۔ اس کے وظائف یکدم اتنے گھٹا دیئے گئے کہ وہ مکمل طور پر خلیفہ کا دست نگر ہو کر رہ گیا۔(۱)

پاکستان کی احمدی جماعت کو مقامی آلہ کاروں کے ذریعے سے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ہر احمدی سے تازہ بیعت فارم پر دستخط کروائیں۔ جماعت کے امیروں اور تنظیموں کے سربراہوں نے تھوڑے سے عرصے میں پوری جماعت سے یہ فارم بڑی جلدی میں وصول کیئے۔ پاکستان میں صورت احوال مکمل طور پر کنٹرول میں آ گئی مگر بیرون ملک مراکز میں بددلی پھیلتی رہی۔ بیرون ملک بہت سے احمدیوں نے مرزا طاہر کی بیعت سے انکار کر دیا۔ وہ مرزا مبارک احمد کی قیادت کے حامی تھے۔ مرزا طاہر احمد کو بیرونی مراکز سے بھجوائی گئی اطلاعات کی بناء پر وہ لندن چلے گئے تاکہ صورت حال کو قابو میں لائیں اور بیرون ملک بسنے والے قادیانیوں کو مطمئن کریں۔ اس مقصد کے لیئے انہوں نے ظفر اللہ۔ ایم ایم احمد اور کچھ بااثر احمدی مبلغین کی خدمات مستعار لیں۔(۲) مرزا مبارک احمد پہلے سے ہی بیماری کا بہانہ کر کے لندن میں قیام پذیر تھا۔ ربوہ کی نوکر شاہی مرزا مبارک احمد کے خلاف تھی اور نسبتاً نرم رو قیادت کے خلاف تھے۔

مرزا طاہر احمد پاکستان میں وسیع پیمانے پر ایک پرزور تبلیغی مہم شروع کرنے کے خواہش مند تھے۔ احمدی مبلغین اپنے عقائد کی تبلیغ میں دیوانے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی ارتدادی کارروائیوں سے عام مسلمانوں اور علماء کو اپنا مخالف کر لیا۔ ربوہ کے جارحانہ رویہ نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کے خلاف ضروری اقدامات کریں اور آئینی ترمیم کو موثر طور پر نافذ کرنے کا مطالبہ کریں۔

۱۔ دیکھیں نوائے وقت لاہور 16 جون 1982ء اور 13 جولائی 1982ء۔

۲۔ نوائے وقت لاہور 31 جولائی 1982ء۔

۱۹۸۴ء کا آرڈیننس XX

آئینی ترمیم کے دس سال بعد ۱۹۸۴ء میں قادیانی مسئلہ ایک بار پھر عوام الناس کی توجہ کا مرکز بن گیا جس کی زیادہ تر آبیاری مجلس تحفظ ختم نبوت نے کی تھی۔ علماء نے صدر ضیاء پر زور دیا کہ وہ مرزا طاہر احمد اور اس کے آلہ کاروں کی سرگرمیوں کا مزید وقت ضائع کیئے بغیر نوٹس لے۔ قادیانی جنونیوں کی جارحانہ مہم جو انہوں نے اپنے عقائد کے سلسلے میں شروع کی تھی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ایک سرگرم کارکن مولانا اسلم قریشی جنہوں نے ۱۹۷۰ء میں ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا' کے یکدم غائب ہونے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کچھ مشتعل علماء نے احمدیوں کے خلاف کوئی بھی مثبت قدم اٹھانے سے ہچکچاہٹ پر صدر ضیاء کو بھی قادیانی کہنا شروع کر دیا۔ آئینی ترمیم قادیانیوں کی تمام خفیہ و برملا بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے میں ناکام ہوگئی کیونکہ اس کے موثر طور پر نافذ العمل ہونے میں موجود قانونی نقص سے قادیانی فائدہ حاصل کر رہے تھے۔

۱۹۸۴ء کے اوائل میں عوامی اجتماعات اور مظاہروں کے ایک سلسلے کے بعد تحریک ختم نبوت کانفرنس کی مجلس عمل نے ستائیس اپریل ۱۹۸۴ء کو فیصلہ کیا کہ راولپنڈی میں علماء کا ایک اجلاس بلایا جائے اور مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیئے جائیں۔

(i) قادیانیوں کا کلیدی عہدوں سے اخراج۔

(ii) دوسری ترمیم کا موثر نفاذ

(iii) احمدیت کی تبلیغ پر پابندی

(iv) اسلامی نظریاتی کونسل کی قادیانیوں کے متعلق سفارشات پر عمل درآمد (کونسل نے مرتد کے لیئے سزائے موت کی سفارش کی تھی)

(v) مرزا طاہر احمد اور ان کے کچھ رفقائے کار کی مولانا اسلم قریشی کے اغوا کے الزام میں گرفتاری اور مولانا قریشی کی فوری بازیابی

(vi) قادیانیوں کے صیہونیوں سے تعلق اور ان کی سیاسی و جاسوسی سرگرمیوں پر کڑی

نظر رکھنے کی ضرورت پر زور

(vii) ربوہ کے نیم فوجی دستوں مثلاً خدام الاحمدیہ وغیرہ پر پابندی

(viii) شناختی کارڈوں اور پاسپورٹ پر احمدیوں کا بطور غیر مسلم اندراج

کانفرنس میں شرکت سے روکنے کے لیئے قابل اعتراض تقاریر کرنے کے بہانے تحریک ختم نبوت کے عہدے داروں اور سرکردہ علماء کی ایک بڑی تعداد کو سولہ ایم پی او اور ۱۵۳ ت پ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ انتظامیہ کی طرف سے عائد کردہ شدید پابندیوں کے باوجود جن میں علماء کی گرفتاری۔ لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی۔ راولپنڈی شہر اور اس کے گردونواح میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ شامل تھا۔ چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر سے لوگ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیئے اُمڈ پڑے۔(۱) تحریک نے دھمکی دی کہ اگر اس کے مطالبات منظور نہ کیئے گئے تو وہ راست اقدام کرے گی۔ اس وقت کے وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات راجہ ظفر الحق نے تحریک اور حکومت کے درمیان گول میز کانفرنس منعقد کرائی۔ انہوں نے اس مسئلے پر اہم اور قابل ستائش کردار ادا کیا۔ حکومت نے آخر کار عوامی تحریک کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے جو بصورت دیگر مارشل لاء حکومت کے خلاف سیاسی تحریک بن سکتی تھی۔ کانفرنس سے ایک یوم قبل (چھبیس اپریل ۱۹۸۴ء) کو صدر پاکستان نے آرڈیننس ۲۰ مجریہ ۱۹۸۴ء جاری کیا جس کو قادیانی گروپ۔ لاہور گروپ اور احمدیوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں کا (ممنوعہ اور تعزیری) آرڈیننس ۱۹۸۴ء کا نام دیا گیا۔ اس میں قادیانیوں۔ لاہوریوں اور احمدیوں کو غیر اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ تعزیرات پاکستان میں نئی دفعہ ۲۹۸-B کا اضافہ کیا گیا جس میں ان گروہوں کے افراد اگر الفاظ کے ذریعے۔ تحریری یا تقریری یا نظر آنے والے اشارے سے مرزا غلام احمد کے وارثوں کو امیر المومنین یا اس کے ساتھیوں کو صحابہ یا اس کے اہل خانہ کو اہل بیت یا اس کی جائے عبادت کو مسجد کا نام دیں تو ان کو تین سال قید اور جرمانے کی سزا دی جائے۔ اسی دفعہ کے تحت ہر اس شخص کو وہ سزا بھی دی جانی تھی جو اپنی عبادت کے لیئے بلائے گئے الفاظ کو اذان کہے یا مسلمانوں کی طرح

۱۔ جنگ راولپنڈی 13، 16، 22 اور 25 اپریل 1984ء۔

اذان دے۔ تعزیرات پاکستان میں مندرجہ نئی دفعہ کے تحت ہر اس شخص کو وہی سزا دی جاتی تھی جو براہ راست یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے عقیدے کو اسلام کہے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ اور پرچار کرے یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے یا کوئی ایسا دیگر عمل کرے جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات برانگیختہ ہوں۔ اس آرڈیننس نے ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹-A میں بھی ترمیم کر دی جس کی رو سے تعزیرات پاکستان میں داخل شدہ نئی دفعات کے خلاف چھاپے گئے کسی اخبار۔ کتاب۔ دستاویز یا تحریری مواد کو ضبط کرنے کے صوبائی حکومت کو اختیارات مل گئے۔

اس آرڈیننس سے مغربی پاکستان پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ میں بھی ترمیم ہوگئی جس سے صوبائی حکومت کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ کسی ایسے پریس کو بند کر دے جو تعزیرات پاکستان میں داخل شدہ نئی دفعات کی مخالفت میں کوئی اخبار یا کتاب چھاپے۔ کسی اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کر دے جو ان دفعات کی خلاف ورزی کرے اور ہر ایسی کتاب اور اخبار کو ضبط کرے جس میں ایسا مواد ہو جو ان دفعات میں ممنوعہ قرار دیا گیا ہو۔ (۱)

امتناع قادیانیت آرڈیننس کو مذہبی۔ سماجی اور سیاسی تنظیموں۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں اور مسلمانان عالم نے عمومی طور پر خوش آمدید کہا۔ ملک کے سرکردہ اخباروں نے اسے بروقت اقدام قرار دیا اور حکومت کی ان کوششوں کی تعریف کی جو اس نے قادیانیوں کی اسلام مخالف سرگرمیاں روکنے کے لیئے کیں۔ پاکستان کے سرکردہ روزناموں نے اس آرڈیننس کا خیر مقدم کیا اور اس کے مکمل نفاذ کا مطالبہ کیا۔ (۲) احمدیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ پاکستان میں پرامن شہریوں کی طرح رہیں اور اپنی غیر اسلامی سرگرمیوں کو ترک کر دیں۔ (۳)

روزنامہ ''جسارت'' نے ایک عمدہ مضمون میں ربوہ کے سیاسی منصوبوں کو بے نقاب

۱۔ The Muslim, Islamabad 27 اپریل 1984ء۔

۲۔ نوائے وقت لاہور' 28 اپریل 1984ء۔

۳۔ مشرق لاہور' 28 اپریل 1984ء)۔

کیا اور صیہونیت کے ساتھ ان کے اشتراک کی مذمت کی۔ اخبار نے احمدیت کو صیہونی اور سامراجی قوتوں کا وہ پودا قرار دیا جس کی جڑیں اسرائیل میں موجود تھیں اور مطالبہ کیا کہ

(i) ان کی لائبریریوں۔ مطبع خانوں اور مطالعاتی مرکزوں پر پابندی لگائی جائے۔

(ii) قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

(iii) قادیانی تاجروں کو جاری کیئے گئے لائسنس اور پرمٹوں پر پابندی لگائی جائے۔

(iv) پاکستان کے تمام صوبوں میں انکی تعداد معلوم کرنے کے لیئے مردم شماری کی جائے۔

(v) سرکاری ایجنسیوں کے ذریعے ایک پریشر گروپ کے طور پر کام کرنے کے ان کے طریق کار کو بے نقاب کیا جائے۔

(vi) مسلمانوں سے قادیانی بننے والوں کے لیئے عمر قید کی سزا ہو۔

(vii) مسلمان ممالک کے درمیان رابطے کی ضرورت پر زور دیا تا کہ ان کے اپنے ممالک اور بیرون ممالک احمدیوں کی سرگرمیوں کے خاتمے کے لیئے قانونی اقدامات کیئے جائیں۔(۱)

پاکستان ٹائمز نے اپنے اداریے میں لکھا:

> ”اس دوسری آئینی ترمیم کے باوجود کہ یہ بڑی واضح اور غیر مبہم ہے قادیانی اور لاہوری گروپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح کام کریں حتیٰ کہ اپنے مذہب کو اندرون و بیرون ملک سچا قرار دیں۔ یہ اسلام کی غلط توضیح ہے اس کا مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور اسلام کے بنیادی اصولوں میں الجھن پیدا کرنا ہے۔ یہ بہت مناسب اور واضح تھا کہ اس مطابقت کو ختم کرنے کے لیئے دوسری آئینی ترمیم کو اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔ اس چیز کی بھی اشد ضرورت تھی کہ عوامی امن و امان کو یقینی بنایا جائے۔ وہ غیر ملکی عناصر جنہوں نے اس قانون کو تنگ نظری اور تعصب قرار دیا ہے ان کے لیئے اس کی مناسب وضاحت کی جائے اور بتایا جائے کہ اس سارے مسئلے کا اصل پس منظر کیا ہے اور ایک نظریاتی ریاست میں اس کے نفاذ کے پس پردہ کیا حکمت کارفرما ہے۔ اس بات کو بھی یقینی

۱۔ جسارت کراچی 28 اپریل 1984ء۔

بنانے کی اشد ضرورت ہے کہ ذاتی مفادات ہمارے ترقی پسند اور وسیع النظر ہونے کے تخیل کو پراگندہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں"۔ (۱)

روزنامہ مسلم نے "مثبت قدم" کے زیر عنوان لکھا:

"صدارتی آرڈیننس کا نفاذ جس میں قادیانیوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی گئی ہے ایک بروقت قدم ہے۔ جس سے اس مسئلے کے ارد گرد حالیہ مہینوں میں پیدا ہونے والے تنازعات کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ مسلمانوں کے جذبات کو ابھارا گیا اور عوامی نقطہ نظر کو اجاگر کیا گیا۔ اس آرڈیننس کی ضرورت پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے دس سال بعد جس میں منتخب قومی اسمبلی کی متفقہ رائے شماری سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا اس کے بعض آئینی سقم باقی تھے۔ وہ نقص اور ذومعنویت جو اس مسئلے پر لوگوں کے ذہنوں میں الجھن پیدا کر رہی تھی آخر کار ختم ہو گئی۔ یہ معاملات کی صحت کے لیئے بہت ضروری تھا کہ تمام ابہامات یکسر واضح کر دیئے جاتے تاکہ کسی تشدد کے دہرائے جانے کا دوبارہ موقع نہ پیدا ہوتا یا ان مفاد پرستوں کو موقع حاصل ہوتا جو اسے افراتفری کے ایک بہانے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے"۔ (۲)

مرزا طاہر کا لندن فرار:

آرڈیننس ۸۴ کے اجراء نے طاہر احمد کو خوفزدہ کر دیا۔ انہیں اپنی پاپائیت کے المناک انجام اور گرفتاری کا خدشہ محسوس ہوا۔ وہ اپنی گرفتاری سے اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ وہ تیس اپریل کو خطبہ جمعہ بھی نہ دے سکے اور اپنے پیروکاروں میں سے ایک شخص سلطان محمود سے کہا کہ وہ نماز کی امامت کرے۔ یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور ایک یا دو دن میں ان پر مقدمہ چلایا جائے گا اور احمدیہ تنظیم کو بیرونی قوتوں سے امداد حاصل کرنے والی سیاسی جماعت قرار دے کر اس پر پابندی لگا دی جائے گی۔ صدر ضیاء

۱۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی 29 اپریل 1984ء۔

۲۔ The Muslim Islamabad- 29 اپریل 1984ء۔

کی مارشل لاء حکومت بڑے بڑے احمدیوں کو قانون کی اعلیٰ عدالتوں میں گھسیٹے گی۔ مرزا طاہر احمد پر مولانا اسلم قریشی کے قتل کا الزام لگے گا اور احمدیت کے نام پر ایک غیر اسلامی اور ریاست مخالف تخریبی سیاسی تنظیم چلانے کا الزام عائد ہوگا۔ مرزا طاہر احمد نے انتیس اپریل ۱۹۸۴ء کو آرڈیننس کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیئے ربوہ میں سرکردہ احمدیوں کا اجلاس بلایا۔ تیس اپریل کو وہ اور کچھ دیگر رہنما حکومت سے مذاکرات کے بہانے اسلام آباد روانہ ہوگئے۔ ربوہ میں لوگوں کو یہ یقین تھا کہ مرزا طاہر حکومتی دباؤ کے آگے نہیں ٹھہر سکیں گے لہٰذا وہ اس کے ساتھ کوئی سودے بازی کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت وہ پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کو فریب دے کر کار کے ذریعے کراچی فرار ہونا چاہتے تھے۔ تاہم وہ KLM کی ایک پرواز کے ذریعے اپنے خاندان اور سرکردہ قادیانیوں کے ایک گروہ کے ہمراہ لندن فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔(۱) انہوں نے ہوائی اڈے کے عملے سے اپنی شناخت چھپانے کی خاطر ایک عام مسافر کے روپ میں سفر کیا۔ کچھ لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ ان کے اس کامیاب فرار میں حکومت شامل تھی۔

مرزا طاہر کی ہدایات کی مطابقت میں قادیانیوں نے خاموشی مگر نارضامندی سے اس آرڈیننس کو قبول کیا۔ عبادت گاہوں سے لفظ مسجد مٹا دیا گیا اور ''بیت الحمد'' اور ''بیت الذکر'' وغیرہ کے الفاظ لکھ دیئے گئے۔(۲)

نماز کے لیئے اذان ختم کر دی گئی اور خلافت لائبریری ربوہ اور دوسری کھلی جگہوں پر موجود احمدیہ لٹریچر ہٹا دیا گیا۔ بہت سے قادیانی زیر زمین چلے گئے۔ کچھ نے سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیئے پاکستان سے سویڈن۔ (مغربی) جرمنی۔ ہالینڈ۔ ڈنمارک۔ برطانیہ۔ کینیڈا اور امریکہ وغیرہ کا رخ کیا۔ اس آرڈیننس نے انہیں بیرون ملک قیام اور مختلف لبادوں میں کام کرنے والی اسلام مخالف تنظیموں کی مدد حاصل کرنے کا بہانہ فراہم کر دیا۔ پاکستان میں احمدیوں پر مظالم کا غلط نعرہ بلند کر کے اور ضیاء حکومت کے غیر منتخب کردار کا بہانہ

۱۔ ایڈم سن، خدا کا بندہ۔

۲۔ نوائے وقت لاہور، 28 اپریل 1984ء۔

استعمال کر کے انہوں نے سیاسی اور مالی معاملات میں بہت کچھ حاصل کیا۔

لندن میں اپنی آمد کے بعد مرزا طاہر نے صدارتی حکم سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیئے بیرونی مشنوں کا اجلاس طلب کر لیا۔ (۱) ظفر اللہ پہلے ہی لندن میں تھا۔ ڈاکٹر عبد السلام اٹلی سے اور ایم ایم احمد واشنگٹن سے اجلاس میں شرکت کے لیئے آئے۔ امریکہ۔ یورپ اور افریقی ممالک میں کام کرنے والے بڑے قادیانیوں نے پاکستان میں آرڈیننس کے بعد پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں لائحہ عمل تیار کرنے کے لیئے شرکت کی۔ مرزا طاہر نے لندن میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے پیروکاروں کو اپنی تقاریر۔ خطبوں اور پاکستان میں کیسٹوں کے ذریعے ہدایات دینے کا فیصلہ کیا۔ اپنے ابتدائی خطبوں میں انہوں نے ان کے جذبات کو ابھارا اور کہا کہ اس بحران کے وقت جب ان کی جماعت کو قیادت اور اتحاد و ترقی کے لیئے ان کی رہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ ان کی لندن میں بے ہنگم آمد درست قرار نہیں دی جا سکتی۔ اپنے جمعہ کے خطبوں میں حکومت پاکستان کے خلاف انہوں نے زہر اگلنا جاری رکھا۔ (۲)

پچیس مئی ۱۹۸۴ء کو بی بی سی کی اردو سروس کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے ضیاء حکومت کی احمدیہ مخالف حکمت عملی پر کڑی تنقید کی اور ملک کی ترقی کے لیئے اپنی جماعت کی خدمات کا ذکر کیا۔ صدر ضیاء اور اس کی حکومت کے خلاف ایک طاقتور مہم چلانے کے لیئے انہوں نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ ایمسٹرڈم۔ پیرس۔ جنیوا۔ کوپن ہیگن۔ حیفہ۔ (اسرائیل)۔ بون۔ پریٹوریا۔ عکرہ۔ لاگوس اور واشنگٹن میں تشہیری مراکز قائم کریں اور پاکستان میں احمدیوں پر ہونے والے مظالم کے واقعات سے دنیا کو آگاہ کریں۔ ان مراکز نے بھاری تعداد میں لٹریچر شائع کیا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی۔ بنیاد پرستوں کے ہاتھوں احمدیوں پر مظالم اور سماجی زندگی اور خدمات میں امتیازی برتاؤ کے سنگین الزامات لگائے۔

۱۔ ڈان' کراچی' 5 مئی 1984ء۔

۲۔ قادیانیت اسلام کے لیئے ایک سنگین خطرہ، پر محاکمہ' (خطبہ نمبر 1 تا 27 یکم فروری سے 19 مئی 1985ء) ایڈیشنل نشر و اشاعت لندن۔

مرزا طاہر نے یہ الزام لگایا کہ فوجی حکومت اپنی شہرت کو بڑھانے کے لیئے احمدی گروہ کو قربانی کے بکرے کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ جیل جانے کے لیئے تیار ہیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عوامی رائے ان کے حق میں ہو گی مگر احمدی روایات نے ان کے لیئے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اپنی جماعت سے مشاورت کرنی لازم بنا دی۔ انہیں یقین تھا کہ پاکستان چھوڑنے کی اجازت مل جائے گی کیونکہ اب بھی حکومت ان کے خلاف نہیں۔

انہوں نے مزید الزام عائد کیا کہ پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ملاؤں اور سیاسی جماعتوں کے مابین اقتدار کے حصول کی کشمکش ہے۔ ان کے خیال کے مطابق صدر ضیاء نے اس گروپ (احرار) کے چند مطالبات کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں جس کو ۱۹۵۰ء کے عشرے میں حکومت نے تقریباً ممنوع کر دیا تھا۔ محمد علی جناح بانی پاکستان جو حکومت کے پہلے سربراہ تھے ان سے لے کر بعد کے حکمرانوں نے احمدیوں کی حکومت میں شمولیت پر اصرار کیا تھا۔ انہوں نے احرار کو قابو میں رکھا۔ مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ اس سال پہلے وزیر اعظم بھٹو نے احمدی مخالف گروپ کو مطمئن کیا تھا اور آج ضیاء شہرت کی خاطر ان کے مطالبات منظور کر رہا ہے۔(۱)

انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ وہ حزب اختلاف کے سخت گیر طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں صرف احراری ہی احمدیوں کے مخالف نہیں ہیں۔ پاکستان اور سعودی عرب میں بھی کئی گروپوں نے احرار کے ساتھ اشتراک کیا ہوا ہے۔ انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ اسلامی ریاست کے استحکام کی بجائے احمدیوں کے خلاف مہم پاکستان کے مزید ٹکڑے کر دے گی۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ پاکستان میں ضیاء حکومت کی مخالفت بہت سے گروپوں اور علاقوں میں ہوئی ہے خواہ یہ سیاسی ہے یا مالی۔ اقلیتی گروپوں کے ذریعے غیر مقبول حکومت تقسیم کا شکار ہو سکتی ہے۔

۱۔ دی مڈل ایسٹ ٹائمز 17 تا 24 نومبر 1984ء۔

مرزا طاہر کے لیئے امریکی ہمدردی:

مرزا طاہر احمد کہتے ہیں:

> ”مارچ ۱۹۸۴ء میں اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے اہل کار خصوصی طور پر ربوہ گئے اور اسے بتایا کہ ان کے پاس خصوصی اطلاعات ہیں جو اس جماعت کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ وہ ان اطلاعات کو واشنگٹن بھجوانے سے قبل ان کا ردعمل جاننا چاہتے تھے۔ مرزا طاہر کے کافی عرصہ سے برطانوی۔ فرانسیسی۔ کینیڈین۔ چینی اور کئی دوسرے سفارت خانوں سے رابطے استوار تھے۔ امریکی عہدے داروں نے انہیں مطلع کیا کہ جنرل ضیاء صوبہ سرحد سے آدمیوں کو بلا رہا تھا کہ وہ ان کے اسلام آباد میں گھر پر حملہ کریں (ظاہر ہے کہ اس کا مقصد تھا اسے اندھیرے میں قتل کر دیں) اگرچہ جنرل ضیاء نے انٹیلی جنس بیورو کے ایک افسر کے ذریعے اسے پیغام بھجوایا تھا کہ وہ کسی چیز کے بارے میں فکر نہ کرے۔ پاکستان انٹیلی جنس بیورو۔ پولیس اور انٹیلی جنس کے ایک دوسرے افسر نے اسے بروقت خبردار کر دیا۔ انہوں نے مرزا صاحب سے گزارش کی، کہ جتنا جلدی ممکن ہو سکے وہ اسلام آباد چھوڑ دیں۔ مرزا طاہر اسلام آباد میں فرانسیسی کونسلر کو ان کی رہائش گاہ پر ملے جس نے انہیں سفارتی انداز میں پیغام دیا کہ وہ اسلام آباد فوراً چھوڑ دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔(۱)

صیہونی پشت پناہی سے چلنے والا غیر ملکی پریس احمدی نصب العین کا بڑا ہمدرد تھا اور اسلامی بنیاد پرستی پر شدید تنقید کر رہا تھا۔

احمدیوں نے کمال عیاری سے اپنے معاملے کو دوسرے گمراہ کن معاملات مثلاً انسانی حقوق۔ ضیاء حکومت کا غیر منتخب کردار۔ سیاسی مظالم۔ مارشل لاء میں گرفتاریوں وغیرہ کے ساتھ منسلک کر دیا۔ انہیں وہ بیرونی پریس میسر آ گیا جو ان کے منصوبے کو ایک ترتیب سے پیش کر رہا تھا اور ان کے نصب العین کے ساتھ حد سے زیادہ ہمدرد تھا۔

اسلام آباد میں مقیم واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے نے آرڈیننس کے نفاذ کے بعد

ا۔ ایڈم سن خدا کا بندہ ص133 تا136۔

کے واقعات کی اطلاع اس طرح دی۔

> ''نجی طور پر پاکستانی اہل کار یہ کہتے ہیں کہ احمدیوں کے خلاف یہ پابندیاں اس لیئے ضروری تھیں کہ احمدیوں کے خلاف ایک شدید تحریک کے اثرات کو کم کیا جائے۔ احمدی کہتے ہیں کہ آرڈیننس سیاسی مقاصد پر مبنی ہے۔ جنرل ضیاء صرف اپنی مقبولیت کو بنیاد پرست مسلمانوں کے درمیان بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے اور آنے والے ان قومی انتخابات جن کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے ان میں فوجی حلقوں سے باہر اپنے حلقہ انتخاب کو بڑھانے کی تیاری کر رہا ہے''۔(۱)

نیویارک ٹائمز کے خصوصی نمائندے نے لکھا:

> ''احمدیوں کو اپنے عقائد کی سرعام تبلیغ اور عمل کو جرم بنانے میں جنرل ضیاء ملاؤں کے سامنے جھک گیا ہے۔ قادیانی بڑی سرگرمی سے پوری دنیا میں ان لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن کو احمدی بنا سکیں۔ اگرچہ ان کی کوئی مردم شماری نہیں ہوئی مگر احمدی کہتے ہیں کہ ان کے ایک کروڑ پیروکار ہیں۔ اندازے ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان کے ساڑھے آٹھ کروڑ لوگوں میں تیس سے لے کر ساٹھ لاکھ تک احمدی ہوں گے۔ پاکستانی ملاؤں کے لیئے مزید تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کافی عرصہ سے احمدیوں کا ایک گروہ تل ابیب میں موجود ہے۔ جب کہ احمدی کہتے ہیں کہ یہ لوگ تو اسرائیل کے قیام سے بھی بہت پہلے سے وہاں موجود ہیں''۔(۲)

بروک لن کالج امریکہ کے مشرق وسطیٰ کی تاریخ کے ایسوسی ایٹ پروفیسر سٹوارٹ سکار نے نیویارک ٹائمز میں اپنے ایک مضمون میں پاکستان کے بارے میں امریکی حکمت عملی پر تنقید کی۔ اس کے مضمون ''پاکستان کے ظالم کے لیئے ہمارا اندھا جوش'' میں اس نے خیال ظاہر کیا کہ امریکی حکومت کو اپنے اتحادی کے متعلق اندھے جوش و جذبے پر نظر ثانی کرنی چاہیئے اور جنرل ضیاء کی حکومت کے ساتھ ان کے اتحاد کے عواقب کو سمجھنا چاہیئے۔ جنرل ضیاء کی حکومت کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر بحث کرتے ہوئے اس نے

۱۔ دی واشنگٹن پوسٹ' 17 مئی 1984ء۔

۲۔ دی نیویارک ٹائمز یکم جون 1984ء۔

پاکستان میں خصوصی طور پر احمدیوں پر مظالم کا حوالہ دیا اور دوسری اقلیتوں پر ظلم کے بارے میں اپنے خدشات ظاہر کیئے وہ بیان کرتا ہے۔

> ''احمدیت کے چالیس لاکھ پیروکار ہیں جو ایک مسلم فرقہ ہے اور انیسویں صدی میں وجود میں آیا۔ ان کو سر عام اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ حکومت کے قریبی بنیاد پرست اسلامی رہنماؤں کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹی سی عیسائی برادری بھی ظلم کا شکار ہو چکی ہے''۔(۱)

اس نے امریکی سینٹ سٹاف رپورٹ کا حوالہ دیا جس نے کانگریس کو یہ سفارش کی تھی کہ وہ پاکستان کی ۲ء۳ ارب ڈالر کی مجوزہ امداد کو پاکستان کے نیوکلیائی ہتھیاروں کے خاتمہ سے منسلک کرے اور زور دے کر کہا کہ

> ''کانگریس کا یہ عمل اب بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا کہ وہ اس امداد کو پاکستان کے انسانی حقوق کے ریکارڈ سے منسلک کرے''۔(۲)

نیوز ویک نے مرزا طاہر اور ان کے قریبی جتھے کی تصاویر شائع کیں اور ان کے نیچے ''ایک مذہبی فرقے پر مظالم'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل سطور تحریر کیں:

> ''پاکستان کے احمدیہ فرقے کے تیس لاکھ لوگوں کو اب ایک مذہبی تشدد کی لہر کا سامنا ہے۔ صدر محمد ضیاء الحق کی جنونی اسلامی حکومت کے لیئے احمدی ایک نفرت انگیز چیز ہیں۔ اپریل میں ضیاء نے نئے قوانین لاگو کر دیئے جن کا مقصد احمدیوں کو اپنے مذہب اسلام کے خصوصی نقطہ نظر پر عمل کرنے کو محدود کیا جائے۔ درجنوں احمدیوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کی کئی مساجد کو بربریت کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کے ایک رہنما کو قتل کیا جا چکا ہے۔ اب تک بظاہر حکومت کی ہدایت کے بغیر احمدیہ فرقے کے خلاف تشدد تیزی سے پھیل چکا ہے۔ اب ان پر دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور پاکستان کے احمدی اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ آگے ان کے ساتھ کیا ہوگا''۔(۳)

۱۔ دی نیو یارک ٹائمز 14 جون 1984ء۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ نیوز ویک 16 جولائی 1984ء۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی پریس نے احمدیوں کے خلاف مبینہ مظالم کس انداز سے اچھالے اور ان سے کتنی ہمدردی کی۔ انہوں نے کبھی بھی کھل کر مسلمانوں کی طرف داری نہیں کی خصوصاً اس وقت جب انہیں دنیا کے مختلف حصوں میں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ان پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور ان کا خون بہایا جا رہا تھا۔

سالانہ کنونشن:

احمدیہ جماعت کا سالانہ جلسہ جو مجوزہ طور پر دسمبر ۱۹۸۴ء میں ربوہ میں ہونا تھا حکومت نے اس کی اجازت نہ دی۔ مرزا طاہر احمد نے اعلان کیا کہ احمدیوں کا بیسواں سالانہ کنونشن لندن سے بیس میل دور ٹل فورڈ کے مقام پر پانچ سے سات اپریل ۱۹۸۵ء کو ہوگا۔ اپنے برطانوی خیر خواہوں کی مدد سے اس نے بہت ہی ارزاں نرخوں پر پچیس ایکڑ رقبہ خریدا۔ اس کا نام اسلام آباد رکھا اور اسے یورپی مراکز میں سے ایک مرکز اور مسند خلافت قرار دیا۔ اس کنونشن میں دنیا کے اڑتالیس ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ جن میں جنوبی افریقہ اور اسرائیل کے مندوب بھی شامل تھے۔

مرزا طاہر احمد نے اپنے روایتی پرفریب بیانات اور الہام کی زبان میں اپنی جماعت کو خوش خبریاں دیں اور انہیں نصیحت کی کہ وہ تبلیغی مقاصد کے لیئے دل کھول کر چندے دیں۔ ایک ماہ قبل انتیس مارچ ۱۹۸۵ء کو ربوہ میں احمدیہ جماعت کی مجلس مشاورت میں تحریک جدید کے چودہ کروڑ اور وقف جدید کے اکیس لاکھ ساٹھ ہزار روپے کے میزانیوں کو حتمی شکل دی گئی۔

”کنونشن میں ایک احمدی رہنما مظفر احمد ظفر نے ایک پریس کانفرنس میں یہ واضح کیا کہ پاکستان میں احمدیہ جماعت کے ارکان کے ساتھ ہونے والے سلوک کے بارے میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ذیلی کمیشن کو مطلع کر دیا گیا ہے اور اس مسئلے کی پوری دنیا میں تشہیر کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس نے پاکستان میں احمدیہ ارکان کی حالت زار کے سلسلے میں

ایک لمبا چوڑا بیان پڑھ کر سنایا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حکومت کی شہہ پر ان پر ظلم ہو رہا ہے جو اس کے بقول معاملے کو سیاسی مقاصد کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ اس نے مغربی رائے عامہ سے اپیل کی کہ وہ صورت حال کا مغرب کی اعلیٰ انسانی اقدار کے تصور اور غیر سیاسی ذاتی مفادات کی بنیادوں پر جائزہ لے“۔⁽¹⁾

کنند ہم جنس با ہم جنس پرواز

مرزا طاہر احمد نے اپنے پیروکاروں کو آرڈیننس کے خلاف جوابی جارحیت کی ہدایت جاری کر دیں کہ

(i) کلمہ والے بیج پہنیں۔

(ii) اپنی عبادت گاہوں کے سامنے والے حصوں پر قرآنی آیات لکھی جائیں۔

(iii) احمدیہ لٹریچر تقسیم کیا جائے۔

(iv) اذان دی جائے۔

(v) مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا تقدس پامال کیا جائے۔

ان اقدامات کے نتیجے میں قادیانی ملک کے مختلف حصوں میں اس آرڈیننس کے نفاذ کی حدود و قیود کا تعین کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے گرفتاری اور نظر بندی کے واقعات کا جواز پیدا کیا تا کہ اپنے غیر ملکی آقاؤں کی امداد اور ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں۔

قادیانیوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے نصب العین کی حمایت میں سیاست دانوں۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں۔ بیرون ملک انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ارکان اور صیہونی صحافیوں کی شکل میں بہت سے ہمدرد اور خیر خواہ مل گئے۔ انہوں نے قادیانیت کی سرپرستی کی اور ان کے مقاصد کو پروان چڑھایا کیونکہ یہ طرز عمل مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف تھا۔ اسلام دشمن طاقتیں اسلامی بنیاد پرستی کی آڑ میں حملہ آور ہو رہی تھیں۔ وہ سامراج کی طرف دار قوتوں کے ساتھ الحاق لیئے ہوئے تھیں۔ اسرائیل میں

1۔ ڈان کراچی 13 اپریل 1985ء۔

فلسطینیوں کے خلاف ایک مضبوط مشن چلا رہی تھیں۔ جہاد کی مذمت کر رہی تھیں اور سامراجی بالادستی کے خلاف ہر قسم کی مزاحمت کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ اپنی بقاء کے لیئے اسلام مخالف قوتوں کی مدد کی محتاج تھیں۔ یہ عرب ریاستوں کے استحکام کے خلاف ایک زبردست قوت لیئے ہوئے تھیں اور افریقہ میں اسلام مخالف قوتوں کے خلاف ایک اڈے کے طور پر سرگرم عمل تھیں۔ وہ اسے پوری دنیا میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے تا کہ ایک مذہبی تنظیم کے لبادے میں وہ ان کے تخریبی سیاسی عزائم کی تکمیل کر سکے۔ احمدیوں کی دوسری ساتھی تنظیم بہائیت کو بھی کافی مدد حاصل تھی۔ چونکہ ان پر بھی ایران میں آیت اللہ خمینی کی حکومت کی طرف سے شدید مظالم کا الزام لگایا گیا تھا۔

احمدیہ معاملات کی پیچیدگیوں میں الجھے بغیر احمدیت کے غیر ملکی ہمدردوں نے صرف مظالم کا راگ ہی الاپے رکھا۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی لاتعداد تحریروں اور اس کے جانشینوں کے بیانات پر نظر ڈالنے کی تکلیف بھی نہیں کی۔ جن کے نتیجے میں مسلمانوں سے مکمل طور پر علیحدہ احمدیت کا وجود اور مذہبی و سیاسی کردار قائم کر دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ احمدیوں کی متعدد تحریریں ان کی مسلمانوں سے علیحدہ مذہبی جماعت ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں نے تمام مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ انہوں نے مرزا صاحب قادیانی کے کفریہ دعوؤں پر یقین کر کے خصوصاً ان کی نبوت کے دعوے کو مان کر اسلام سے بغاوت کی۔ قادیانیوں کو بڑی اچھی طرح پتہ تھا کہ ان کی اصل جگہ کہاں ہے مگر مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کے لیئے اور معاشی و سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیئے انہوں نے اپنے آپ کو منافقانہ طور پر مسلمان ظاہر کیا۔ آرڈیننس ۱۹۸۴ء میں صرف یہ یقینی بنایا گیا تھا کہ وہ جو ایک مذہبی اقلیت ہیں اور اپنے ہی معتقدات کے مطابق غیر مسلم ہیں۔ ان کو اپنے عقیدے پر درست طور سے عمل کرنا چاہیئے تا کہ ان کی شناخت کے متعلق کوئی ابہام پیدا نہ ہو۔ اس نے صرف مسلمان امت کے تمام مکاتب فکر کے متفقہ فیصلے کو ایک آئینی شکل دی تھی جو قادیانیت کی پیدائش کے وقت سے

لے کر موجود تھا۔ چنانچہ اس میں پوری دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے نظریات۔ خواہشات اور جذبات کی عکاسی کی گئی تھی۔ جمہوریت اور بنیادی حقوق کے علمبردار نہ تو اسے قبول کرنے کی تکلیف گوارا کرتے اور نہ ہی اپنے سیاسی طفیلیوں کو مدد باہم پہنچانے میں مسلم اکثریت کے جذبات کا احترام کرتے تھے۔ قادیانیت کے خیر خواہ اس حقیقت سے قطعی طور پر لاعلم تھے کہ قادیانیوں کے خلاف امتیازات کے الزامات مکمل طور پر بے بنیاد یا پھر انتہائی مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں۔ حکومت اور مسلمان معاشرہ خصوصی آئینی اقدامات کے ذریعے ان کے حقوق کے تحفظ پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں نمائندگی دی گئی ہے۔ مزید برآں افواج پاکستان اور وفاقی وصوبائی افسر شاہی میں ان کا تناسب ان کی اصل آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔

پاکستان اور اسلام کے بارے میں مرزا طاہر احمد کی ہمدردیاں اس وقت شدید تنقید کی زد میں آگئیں جب انہوں نے اپنے نصب العین کی حمایت میں صیہونی امداد کے حصول کے لیئے ایک خصوصی وفد اسرائیل بھیجا۔ احمدیہ مشن اسرائیل کے نئے انچارج شیخ شریف احمد امینی نے اسرائیل مشن کے نئے سربراہ محمد حمید کو ساتھ لے کر اسرائیلی صدر سے ملاقات کی۔ ”یروشلم پوسٹ“ اسرائیل نے اسرائیلی صدر کی احمدی رہنماؤں سے ملاقات کی تصویر دیتے ہوئے اس کے نیچے لکھا:

> ”شیخ شریف احمد امینی جو کہ احمدیہ۔ ہندوستانی مسلمان فرقے کا اسرائیل چھوڑ کر جانے والا انچارج ہے اور آج کل حیفہ میں مقیم ہے وہ اپنے جانشین شیخ محمد حمید کا تعارف اسرائیل کے قائم مقام صدر ہرزوگ سے بیت حنامی میں (۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء) کروا رہا ہے۔ فرقے کے نئے سربراہ نے جس کے اسرائیل میں بارہ سو پیروکار ہیں پاکستان میں احمدیہ فرقے پر ہونے والے مظالم کی تائید میں کئی دستاویزات صدر کو پیش کیں۔ رخصت ہونے والے شیخ امینی نے جو انڈیا واپس جا رہا ہے اپنے فرقے کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کرنے پر اسرائیل کی تعریف کی“۔ (۱)

۱۔ نوائے وقت لاہور 12 جنوری 1986ء۔

ایک سنگین خطرہ:

حکومت پاکستان نے قادیانیت پر ایک کتابچہ شائع کیا(۱) اور اپنے سفارتخانوں کے ذریعہ اس کی وسیع تشہیر کی۔ اس کتابچے میں وضاحت کی گئی کہ قادیانیت ایک نو آبادتی طاقت کی شہہ پر وجود میں آئی۔ اس نے نہ صرف جنوبی مشرقی ایشیائی برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان تلخی اور نفاق پیدا کیا بلکہ دوسری مسلمان ریاستوں خصوصاً افریقہ کے رہنے والے مسلمانوں کے درمیان بھی۔ ایشیائی قادیانیوں کی مرزا غلام احمد کی بطور نبی اطاعت نے انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ اس کتابچے میں ارتداد پر مبنی اس تخریبی تحریک کے ماضی کا کھوج لگایا گیا۔ نو آبادیاتی قوتوں کے ساتھ اس کے اشتراک کی نوعیت بیان کی گئی۔ امت مسلمہ کے بنیادی عقائد اور نظریات کا قادیانی نظریات سے تقابل پیش کیا گیا اور اس کے خلاف مسلم ردعمل بیان کیا گیا تاکہ مسلمانان عالم اس کے مقاصد اور سرگرمیوں کے علاوہ ان طاقتوں کے بارے میں بھی مکمل طور پر جان جائیں جو اس ڈرامے کے پس پردہ مرکزی کردار ادا کر رہی تھیں۔(۲)

مرزا طاہر احمد نے حکومتی اقدامات پر شدید نکتہ چینی کی اور احمدیہ جماعت کا جواز پیش کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ احمدیت کی تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ ہوا کہ اس جماعت کے سربراہ نے باہر بیٹھ کر کسی حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے والد مرزا محمود نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ مرزا رفیع احمد نے اپنی نجی محفلوں میں انہیں نادان قرار دیا۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں انٹرپول کے ذریعے پاکستان واپس لایا جائے۔ کیونکہ انہوں نے ملکی سلامتی کے خلاف بیانات دیئے تھے۔ وہ تمام اہل کار جنہوں نے انہیں فرار میں براہ راست یا بالواسطہ مدد کی ان کو سزا دی جائے۔ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ان کی پاکستانی شہریت منسوخ کر دی جائے اور ان کا پاسپورٹ ضبط کر لیا جائے۔ ۱۹۸۵ء کے آخر میں بہت سے عوامی

۱۔ قادیانیت؛ استحکام اسلام کے لیے خطرہ، پاکستان پبلیکیشنز اسلام آباد 1984ء۔

۲۔ ایضاً۔

اجتماعات میں کل پاکستان مجلس تحفظ ختم نبوت نے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیئے۔

(i) قادیانیت کے متعلق آرڈیننس قومی اسمبلی میں ایک بل کی شکل میں منظور کیا جائے تاکہ یہ ۱۹۷۳ء کے آئین کا مستقل حصہ بن جائے۔

(ii) خارجہ۔ دفاع اور داخلہ وزارتوں اور کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کے تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو نکالا جائے کیونکہ ان کے اسرائیل کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔

(iii) شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم ظاہر کرنے کے لیئے علیحدہ کالم تحریر کیا جائے۔

(iv) دراصل قادیانی تنظیمیں مذہب کے پردے میں تخریب کاری میں مصروف ہیں۔ ان کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور ان کی پاکستان مخالف سرگرمیوں اور آئین پاکستان کی خلاف ورزی کرنے پر ان کے اثاثے ضبط کیئے جائیں۔(۱)

احمدیوں نے ۱۹۸۵ء میں ملک میں جاری سیاسی ابتری کا فائدہ اٹھایا اور پاکستان میں عدم استحکام پیدا کرنے کے لیئے حکومت مخالف قوتوں کے ساتھ خفیہ روابط استوار کیئے۔ انہوں نے سندھ میں اپنے مراکز کو اور مضبوط کیا جہاں پہلے سے حکومت کے خلاف تحریک جاری تھی۔

آرڈیننس کے خلاف اپیل:

جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مجیب الرحمٰن درد نے لاہور عدالت عالیہ میں مرزا طاہر احمد کی ہدایات پر آرڈیننس کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ لاہور عدالت عالیہ کے ایک ڈویژن بنچ نے بین العدالتی اپیل کی سماعت کی۔ قادیانیوں نے اپنی اپیل میں یہ موقف اختیار کیا کہ

(i) قادیانیت مخالف آرڈیننس ۱۹۸۱ء کے عبوری آئینی حکم نامے کی دفعہ ا کے خلاف ہے۔

ا۔ روزنامہ مسلم اسلام آباد 3 نومبر 1985ء۔

(ii) یہ آئین کے آرٹیکل ۸ کے ورائے اختیار ہے کیونکہ اس نے کل بنیادی حقوق کو بری طرح مجروح کیا ہے جن میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر قائم رہنے۔ عمل کرنے اور پرچار کرنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

(iii) پاکستان نے انسانی حقوق کے چارٹر پر دستخط کیئے ہیں اور وہ اپنے اس عہد پر قائم رہنے کا پابند ہے۔

(iv) یہ آرڈیننس گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کو بابائے قوم کی آئین ساز اسمبلی میں کی گئی تقریر کے خلاف ہے۔

ڈویژن بنچ نے پچیس ستمبر ۱۹۸۳ء کو ایڈووکیٹ جنرل پنجاب اور اپیل کنندگان کے وکلاء کے دلائل سننے کے بعد یہ اپیل خارج کر دی۔

شرعی عدالت کا فیصلہ:

پندرہ جولائی ۱۹۸۴ء کو امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی مجیب الرحمٰن نے مرزا طاہر احمد کی ہدایات پر آرڈیننس کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اپیل دائر کی۔ وفاقی شرعی عدالت کے فل بنچ نے اپیل کی سماعت کی۔ جو چیف جسٹس مسٹر آفتاب حسین۔ مسٹر جسٹس فخر عالم۔ مسٹر جسٹس محمد صادق۔ مسٹر جسٹس مولانا ملک غلام علی اور مسٹر جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی پر مشتمل تھا۔ لاہوری جماعت نے بھی تفصیل سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ عدالت نے اکیس دن تک سماعت جاری رکھی اور بارہ اگست ۱۹۸۴ء کو ایک مختصر حکم نامے کے ذریعے دونوں درخواستوں کو غیر موثر ہونے کی بناء پر خارج کر دیا۔

عدالت کو جن قانونی مشیروں کی معاونت حاصل تھی ان میں پروفیسر قاضی مجیب الرحمٰن۔ پروفیسر محمد طاہر القادری۔ پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر محمد اشرف۔ مولانا تاج الدین حیدری۔ علامہ مرزا یوسف حسین۔ مولانا صدر الدین رفاعی اور پروفیسر محمود احمد غازی شامل تھے۔ وفاقی حکومت کی نمائندگی ڈاکٹر ریاض حسن گیلانی ایڈووکیٹ اور حاجی شوکت غیاث محمد

ایڈووکیٹ نے کی۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ درخواستوں کے درج الزامات کہ یہ آرڈیننس قادیانیوں کے عقیدے کی آزادی کے خلاف ہے اور یہ کہ انہیں اپنے مذہب پر عمل درآمد سے روکتا ہے یا ان کے حق عبادت کو متاثر کرتا ہے صحیح نہیں ہے۔ یہ آرڈیننس سائلان کے حق میں مداخلت نہیں کرتا اور نہ ہی قرآن وسنت کے احکامات یا آئین کی دفعات کی مطابقت میں دوسرے قادیانیوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے یا کاربند رہنے سے منع کرتا ہے۔ انہیں قادیانیت یا احمدیت کو اپنا مذہب قرار دینے کی آزادی ہے۔ انہیں مرزا غلام احمد کو نبی۔ مسیح۔ موعود یا مہدی موعود ماننے کی آزادی ہے۔ انہیں اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذہب کے اصولوں کے مطابق اپنے عقیدے اور عبادت پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔

فیصلہ میں کہا گیا کہ یہ آرڈیننس ۱۹۷۴ء کی اس آئینی ترمیم کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے اسلامی شریعت کی مطابقت میں قادیانیوں اور لاہوریوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس آئینی حکم نامے کے نفاذ میں جسے قادیانیوں نے بڑی دیدہ لیری سے مسترد کر دیا تھا اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد وہ اپنے آپ کو براہ راست یا بالواسطہ مسلمان نہیں کہیں گے نہ ہی اپنے عقیدے کو اسلام کہیں گے۔ نہ ہی اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہیں گے۔ نہ ہی عبادت کے لیئے بلانے کی غرض سے اذان کہیں گے۔ کیونکہ یہ چیزیں صرف مسلمانوں کے لیئے مخصوص ہیں۔ اس نام (مسجد) اور اس بلاوے (اذان) کے ذریعے بے خبر مسلمانوں کے دھوکا کھا جانے کا امکان ہے اور وہ ایک غیر مسلم عبادت گاہ میں غیر مسلم امام کے پیچھے اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ قادیانی اپنی عبادت گاہ کو کسی اور نام سے پکار سکتے ہیں اور اپنے مذہب کے پیرو کاروں کو عبادت کے لیئے کسی اور طریقے سے بلا سکتے ہیں۔ قادیانیوں کا ''ام المومنین''۔ ''صحابہ''۔ ''اہل بیت'' وغیرہ جیسی اصطلاحات کا استعمال نہ صرف مسلمانوں کے جذبات مشتعل کر سکتا ہے بلکہ بالواسطہ طور پر ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے کے مترادف ہے۔ یہ امتناع قادیانیوں کے اپنے مذہب کو برقرار رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے حق میں مداخلت نہیں ہے۔ احمدیوں کے مذہب کے پرچار پر پابندی قرآن اور سنت رسول ﷺ کے

احکامات کے خلاف نہیں ہے۔ یہ امتناع قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دیئے جانے اور ان کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے نتیجہ میں ہے۔ اس سے اس بات کا تدارک ہوگا اگر ایک مسلمان احمدیت قبول کرلے تو بھی وہ مسلمان ہی رہے گا۔ یہ طرز عمل آئین کے خلاف ہوگا۔(۱) یہ تفصیلی فیصلہ جو بڑے ٹائپ شدہ دوسو چوبیں صفحات پر مشتمل تھا اس میں عدالت نے مرزا غلام احمد کو کافر قرار دیا۔ فیصلے کے مطابق ان کی سابقہ زندگی بتاتی تھی کہ وہ ایک دھوکے باز اور بے ایمان شخص تھا جس نے ایک منصوبے کے تحت آہستہ آہستہ اپنی تحریروں اور اقوال سے اپنے آپ کو محدث اور مسیح بنالیا۔ اس کی تمام پیش بینیاں اور پیش گویاں جھوٹی ثابت ہوئیں مگر اپنے مخالفین کے تمسخر سے بچنے کے لیئے اس نے اپنی تحریروں میں کئی مواقع پر یہ وضاحت کی کہ اس نے کبھی نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ قائداعظم یا پاکستان کی طرف سے قادیانیوں کے ساتھ کوئی ایسا عہد نہیں کیا گیا تھا کہ انہیں مسلمانوں کے طور پر سمجھا جائے گا اور انہیں اپنے عقیدے کے لیئے اسلام کا نام استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔(۲)

قادیانیوں (دونوں گروپوں) نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ (شریعت بنچ) میں آئین کے آرٹیکل ایف۔ ۲۰۳ کے تحت چیلنج کیا۔ سائلان مجیب الرحمٰن۔ مرزا نصیر احمد۔ مبشر لطیف احمد اور مظفر احمد نے قادیانی جماعت کی نمائندگی کی اور کیپٹن ریٹائرڈ عبدالواجد نے لاہوری جماعت کا نقطہ نظر پیش کیا۔ قادیانی سائلان نے یہ درخواست کی کہ اس آرڈیننس سے احمدیوں کے عقیدے اور عبادت کے بنیادی حقوق متاثر ہوئے ہیں جو کہ قرآن وسنت کی روح کے خلاف ہے۔ انہوں نے استدعا کی۔

> "یہ اپیل کی یادداشت جو مختصر بنیادوں پر پیش خدمت ہے وہ مختصر حکم کی بناء پر ہے۔ اپیل کنندگان اپیل کی مفصل بنیادیں اس وقت پیش کریں گے جب انہیں مفصل فیصلہ میسر آجائے گا"۔

انکی اپیل کی مختصر بنیادیں یہ تھیں کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے مختصر حکم میں یہ کہا ہے۔

۱۔ دی مسلم اسلام آباد، 13 اگست 1984ء۔

۲۔ ڈان کراچی، 29 اکتوبر 1984ء۔

> ”یہ آرڈیننس جو ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے نتیجے میں آیا ہے، جس میں قادیانیوں کو خواہ وہ لاہوری گروپ سے تعلق رکھتے ہیں یا دوسرے گروپ کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔“

اور یہ آرڈیننس آئینی حکم نامے کا نفاذ ہے اور وفاقی شرعی عدالت اس بات کو سمجھنے میں ناکام رہی ہے کہ آیا یہ آرڈیننس آئینی ترمیم کا نتیجہ تھا یا نہیں۔ وہ اس درخواست کے مقاصد (آرٹیکل بی۔ ۲۰۳ آئین پاکستان) کے مقاصد سے قطعی طور پر غیر متعلقہ ہے۔ وفاقی عدالت کو چاہیئے تھا کہ وہ اس بات کا جائزہ لیتی کہ یہ آرڈیننس قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف تو نہیں۔ آئین کا موقف متعلقہ نہیں ہے۔(۱)

پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے دونوں شریعت اپیلیں دس اور گیارہ جنوری ۱۹۸۸ء کو سماعت کیں جو کہ واپس لیئے جانے کی بناء پر مسترد ہو گئیں۔

انسانی حقوق کے نام پر

انسانی حقوق کی ایجنسیوں جیسے ایمنسٹی انٹرنیشنل۔ قانون دانوں کا بین الاقوامی کمیشن۔ وکلاء انسانی حقوق۔ اقوام متحدہ کا کمیشن برائے انسانی حقوق نے ہمیشہ افغانستان۔ لبنان۔ فلپائن۔ چلی اور پولینڈ جیسے ممالک میں انسانی حقوق کی حالت زار کے بارے میں اپنی حکمت عملیوں کے ہمیشہ دوہرے معیار اختیار کیئے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کا رویہ ہمیشہ پرتعصب ہوتا ہے۔ اسلامی تحریکوں کو خوف اور جبر کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے جبکہ یہودیوں اور اسرائیل کا معاملہ آجائے تو اخلاقی اقدار۔ انسانی ہمدردی اور مغرب کے مشترک یہودی عیسائی ورثے کے سوال کو اٹھایا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کی ایجنسیوں کی تیار کردہ رپورٹیں جو ۸۸۔ ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آئیں ان میں ہمیں احمدیہ مسئلے پر بھی کئی صفحات ملتے ہیں جن میں ان کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اپریل ۱۹۸۶ء میں مس کیرن پارکر نے جو کہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی نمائندہ تھی پاکستان میں انسانی حقوق کے مطالعے کے لیئے پاکستان کا

۱۔ ڈان کراچی 11 اکتوبر 1984ء۔

دورہ کیا۔ اس نے سیاسی اسیران کی امدادی اور رہائی کمیٹی۔ کونسل برائے سول لبرٹی اور انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں کے ساتھ گفتگو کی۔ پریس سے باتیں کرتے ہوئے اس نے پاکستان میں قادیانی گروپ کے بارے میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے حقوق انسانی کی منظور کردہ ایک قرارداد جاری کی۔ اقوام متحدہ کے کمیشن نے اپنی قرارداد میں چھبیس اپریل ۱۹۸۴ء کے آرڈیننس **XX** کے نفاذ پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا جس کی رو سے اپنے آپ کو احمدی کہلوانے والوں کو مسلمانوں جیسا طرز عمل اپنانے سے منع کیا گیا تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیئے سزا تجویز کی گئی تھی۔ اس قرارداد میں حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس آرڈیننس کو واپس لیا جائے اور حکومت کے ماتحت تمام اشخاص کی بنیادی آزادیوں اور انسانی حقوق کو بحال کیا جائے۔(۱)

مس کیرن نے پاکستان میں امریکی سفیر کے ساتھ صدر ضیاء سے احمدیہ معاملات سمیت انسانی حقوق پر بحث کے لیئے ملاقات کی۔ وہ اپنی رپورٹ میں کہتی ہے۔

> ”حکومت پاکستان احمدیوں کے مذہبی عقائد اور عمل کو عوامی امن اور اخلاقی استثناء کی حدود میں برقرار رکھتے ہوئے آرڈیننس XX کا دفاع کرتی ہے۔ صدر ضیاء الحق نے اس کے سامنے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا تھا تاہم ان کی شکایت کا زور اس بات پر ہے کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس یادداشت (پاکستان کی وہ یادداشت جو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے حقوق انسانی کے بیالیسویں اجلاس میں احمدیہ سوال پر تقسیم کی گئی تھی) میں کہا گیا ہے۔
>
> ”یہ ضروری محسوس کیا گیا ہے کہ آرڈیننس XX میں احمدیوں کے ان اعمال کو پہچانا جائے اور ان کی تخصیص کی جائے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور جب اس چیز کا سر عام اظہار کرتے ہیں تو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے لیئے شدید اشتعال پیدا کرتے ہیں (اور ان کے ذہنوں میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔“

جنرل ضیاء نے مصنفہ کو بتایا

۱۔ دی مسلم اسلام آباد کیم مئی 1986ء۔

> ”احمدیوں سے مجھے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ آرڈیننس XX انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں“۔(۱)

اپنی رپورٹ میں اس نے ”پاکستان میں احمدیوں پر مظالم“ کے زیر عنوان احمدیہ مسئلے کے لیئے پندرہ صفحات مخصوص کیئے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں بے نظیر بھٹو کی گرفتاری کے بعد (مغربی) جرمنی کے سابقہ چانسلر ولی برانٹ کی قیادت میں سوشلسٹ انٹرنیشنل نے انسانی حقوق بیورو آف سوشلسٹ انٹرنیشنل کی بون میں اکتوبر میں ہونے والے اجلاس کے لیئے ایک رپورٹ کی تیاری کے لیئے حقیقت حال کا پتہ چلانے کے لیئے پاکستان میں ایک مشن بھجوایا۔ وان میرٹ جو سوشلسٹ انٹرنیشنل کا نائب صدر تھا اس نے پاکستان کا دورہ کیا اور پاکستان میں ”احمدیوں کی حالت زار“ پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔(۲)

دسمبر ۱۹۸۶ء میں قانون دانوں کے بین الاقوامی کمیشن نے مارشل لاء حکومت کے آٹھ سال بعد جمہوری طرز کی حکومت کی طرف واپسی کے طریق کار کے مطالعہ کے لیئے ایک مشن پاکستان بھجوایا۔ مشن نے اس کے علاوہ مذہبی اقلیتوں اور اقلیتوں کی حالت پر بھی بحث کی۔ اس مشن میں سابقہ سپریم کورٹ جج گستاف پیٹرن۔ مسز ہیلن کل۔ نیوزی لینڈ کی بار کی رکن۔ برمنگھم یونیورسٹی میں قانون کے لیکچرار مسٹر جرمی میکبر ائڈ اور قانون دانوں کے بین الاقوامی کمیشن کے ایشیا کے لیئے قانونی افسر مسٹر بی جے روندران شامل تھے۔ مشن نے اعلیٰ حکومتی عہدے داروں چیف جسٹس آف سپریم کورٹ اور دوسرے ججوں اور صوبوں کی عدالت عالیہ کے چیف جسٹسوں سے ملاقاتیں کیں پاکستان میں انسانی حقوق کے علمبرداروں سے بھی اس نے ملاقاتیں کیں۔ اس کمیشن کی رپورٹ اپریل ۱۹۸۷ء میں جنیوا سے شائع ہوئی۔

اس رپورٹ میں خصوصی طور پر احمدیہ مسئلے اور آرڈیننس ۱۹۸۴ء اور مارشل لاء کے

۱۔ کیرن پارکر اٹارنی ایٹ لا نمائندہ خصوصی برائے وکلاء انسانی حقوق کی پاکستان میں انسانی حقوق کے بارے میں رپورٹ جنوری 1987ء ص 18۔

۲۔ دی مسلم اسلام آباد 11 اکتوبر 1986ء۔

بعد آئینی ترقی پر روشنی ڈالی گئی۔ اس رپورٹ میں اس آرڈیننس کو نہ صرف مذہبی آزادی کی خلاف ورزی قرار دیا بلکہ بلا جواز گرفتاری اور نظر بندی کو آزادی کے منافی بتایا۔

امریکی امداد:

صیہونی پشت پناہی والے امریکی پریس اور اقتدار کے ایوانوں میں قادیانی مسئلے کو اس وقت بڑی شہرت حاصل ہوئی جب کانگریس میں پاکستان کے لیئے امریکی امداد پر بحث چل نکلی۔ مرزا طاہر احمد نے امریکہ میں اپنی جماعت کے کچھ ممبران جن میں جنوب مشرقی امریکی علاقے کا مبلغ عبدالرشید یحییٰ اور قومی سیکرٹری تبلیغ مسعود احمد ملک شامل تھے ان کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ کانگریس کے ممبران اور سینٹ کی ایوانی کمیٹی کے سینیٹروں خصوصاً کلیر بارن پیل۔ ایڈورڈ کینیڈی۔ پیٹ موئی ہینان اور سٹیفن سولارز سے ملیں اور صدر ضیاء الحق پر دباء ڈالنے کے لیئے ان کی حمایت حاصل کریں۔ امریکی کانگریس کے اوہایو ریاست سے تعلق رکھنے والے ٹونی پی سر ہال نے ایوان نمائندگان میں سترہ جولائی ۱۹۸۶ء کو پاکستان میں احمدیوں پر نام نہاد مظالم سے متعلق ایک قرارداد پیش کی۔ اس نے آرڈیننس ۱۹۸۴ء پر تنقید کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ اس کو منسوخ کر دے۔

> ”میرے بہت سے شرکائے کار نے ایوان نمائندگان اور سینٹ میں حکومت پاکستان کو احمدیوں کی حالت زار کے بارے میں اپنی تشویش سے آگاہ کیا ہے۔“

کانگریس کے ممبران نے یہ واضح کیا کہ حکومت پاکستان احمدیوں کے خلاف کسی امتیاز یا ظلم کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ اس نے احمدیہ مشن لندن کی طرف سے امریکی تنظیموں۔ وکلاء کی کمیٹی برائے انسانی حقوق اور وکلائے انسانی حقوق کو فراہم کی جانے والی اطلاعات کی بناء پر زور دے کر کہا کہ یہ بات طے ہے کہ مذہبی عقیدے کی بناء پر احمدیوں کو ایک خاص طریقے سے وسیع امتیازی برتاؤ کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ پاکستان کو ۴ء۲ ارب ڈالر کی امداد برائے سال ۱۹۸۸-۹۳ء روک دی جائے یا اسے احمدیہ مسئلے کے

ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ بدنام زمانہ بیورو کریٹ ایم ایم احمد نے ورلڈ بینک سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک احمدی مبلغ کے طور پر کام شروع کر دیا تھا انہوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ کانگریس کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔

قادیانیوں کی شرانگیزی کے باعث پاکستان کی امداد کا پروگرام وقتی طور پر مسائل سے دوچار ہو گیا۔ کانگریس کی طرف سے اس امداد کی منظوری کو احمدیہ مداخلت کے علاوہ دیگر عوامل۔ کانگریس کی ڈیموکریٹس کے زیر اثر کیمپوں میں اٹھنے والے مسائل۔ ایران کونٹرا اسکینڈل۔ پاکستان کا اعلان برائے نیوکلیئر پروگرام اور گریم روڈ مین بجٹ میزانیہ قانون سازی (۱۹۸۶ء) کے اخراجات کی کٹوتی کے اخراجات جیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مزید کانگریس میں ایوان کی ذیلی کمیٹی کا سربراہ سٹیفن سولارز تھا جو ایک پکا ہندوستان نواز تھا۔

امریکی حکومت نے ایک سو پانچ دن کے لیئے پاکستان کو ادائیگی التوا میں ڈال دی۔(1) قادیانیوں کی سرگرم ملاقاتوں اور ان کے خیر خواہوں کی اعانت سے امریکی انتظامیہ نے مرزا طاہر احمد کو دعوت دی کہ وہ ستمبر ۱۹۸۷ء میں اسلام کے نمائندہ کے طور پر مشترکہ منتخب کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کرے اور پاکستان میں احمدیوں پر مظالم پر اپنا موقف پیش کرے۔

اس امریکی تحریک پر امریکہ کی مسلمان تنظیموں نے شدید نقطہ چینی کی۔ امریکہ میں اسلامی تنظیموں کے وفاق نے امریکی صدر ریگن کو خط لکھا کہ وہ اس معاملے میں مداخلت کرے اور مشترکہ ایوان کمیٹی سے مرزا طاہر کے خطاب کو روکے۔ وفاق نے یہ وضاحت کی کہ مرزا طاہر احمد، مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ہے جس نے مقدس انبیاء حضرات محمد ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم کے خلاف بہتانات کا طوفان کھڑا کیا ہے۔ وفاق نے اس حقیقت پر زور دیا کہ مرزا طاہر احمد کو ان لوگوں نے بلایا ہے جو امریکی حکومت کو شدید نقصان پہنچانے کا عزم رکھتے ہیں اور اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ دنیا کے پینتالیس اسلامی ممالک سے امریکہ کو الگ کر دیا جائے۔

۱۔ دی مسلم اسلام آباد 6 مارچ 1987ء۔

وفاق نے صدر ریگن کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کروائی کہ قادیانی معاملے میں افغانی مزاحمت بڑی شدید ہوگی۔ قادیانی مخالف رویے کا ایک مستحکم پس منظر ہے۔ برطانیہ نے ہندوستان پر حکومت کے دوران دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے تحریک آزادی کے مکمل ڈھانچے کو نقصان پہنچانے کی خاطر نبوت کے جھوٹے دعوے دار غلام احمد کو کہا کہ وہ اپنی وحی والہامات کی رو سے جہاد کو حرام قرار دے ڈالے۔ وفاق نے کہا کہ صرف اس اکیلے عمل سے برطانوی ہند کے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی کہ افغان مسلمان جن کی مزاحمتی تحریک آج کل چل رہی ہے احمدیوں کے بارے میں شدید ردعمل ظاہر کرتے رہے۔

عالم اسلام کے نمائندے کے طور پر مرزا طاہر احمد کے پیش ہونے کی حقیقت ان مجاہدین کے لیئے بہت زیادہ اشتعال انگیز ثابت ہوگی جنہیں سوویت یونین کے خلاف امریکہ ان کے جہاد میں مدد دے رہا ہے۔ وفاق میں مسلمان نمائندوں نے اس چیز کا شدت سے اظہار کیا کہ مرزا طاہر کے پیش ہونے سے امریکی ریاستوں میں یہودی لابی کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔(۱)

امریکہ اور پاکستان میں موجود برادرانہ تعلقات کو مدنظر رکھتے ہوئے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اپنے امداد کے پروگرام میں پاکستان میں احمدیوں کی حالت زار کے مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت دینے پر رضامند نہ تھا۔ امریکی خارجہ حکمت عملی کے وسیع تر عوامل اور افغان مسئلے کے مدمقابل ایشیائی علاقے میں اس کے مفادات نے اس مسئلہ کو پس پشت ڈال دیا اور مرزا طاہر کے لیئے یہ ایک طمانچہ ثابت ہوا جو امریکی کانگریس سے خطاب کے لیئے پر تول رہا تھا۔ اپنی خفت مٹانے اور اپنے سادہ لوح ٹولے کو مطمئن کرنے کے لیئے انہوں نے ایک بڑی مناسب چال چلی اور تمام معاملات کو ایک ایسا رخ دے دیا جو بالواسطہ طور پر پاکستان مخالف تحریک تھی۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک تھا کہ کانگریس میں ان کے بیانات پاکستان میں احمدیہ جماعت کے خلاف بہت بھیانک اثرات کے حامل ہوں گے۔

اس نے ایک جھوٹے قوم پرست کا خول چڑھالیا اور بڑی چالاکی سے یہ دعویٰ کیا

۱۔ دی نیشن لاہور، 10 ستمبر 1987ء۔

کہ کانگریس حقوق انسانی کے بہت سے پہلوؤں کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیئے استعمال کر رہی ہے۔ واشنگٹن میں روزنامہ جنگ کے نمائندہ خصوصی کو انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا

> "امریکی کانگریس نے پہلے آمریت کا مسئلہ اٹھایا مگر جب پاکستان میں کسی قسم کے انتخابات ہو گئے جنہوں نے اس مسئلے کو حل کر دیا تو امریکی کانگریس نے حقوق انسانی کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ ایک مرحلہ پر کانگریس اور سینٹ کے ارکان نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان کو اس وقت تک کوئی امداد نہ دی جائے جب تک امریکی صدر ہر سال یہ تصدیق نہ کر لے کہ احمدیوں کے خلاف کوئی زیادتی نہیں ہو رہی۔ لیکن میں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور ایک پیغام بھجوایا جس میں میں نے کہا کہ ایک طرف تو وہ ملک کو تباہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے احمدیوں کو اپنے ملک کے خلاف استعمال کیا ہے۔ میں نے اس تجویز کی شدید مذمت کی اور احمدیوں کو اس کے خلاف تجویز دی کیونکہ اس تجویز سے احمدیوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔
>
> مجھے امریکی کانگریس اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرنے کی دعوت ملی مگر میں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا کیونکہ میں کوئی سیاست دان نہیں ہوں۔ پاکستان کے سیاسی نمائندوں کو کانگریس یا سینٹ سے خطاب کرنا چاہیئے۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ مجھ سے ایسے سوالات پوچھیں گے جن سے پاکستان کی بدنامی ہو گی اور اگر پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے تو ایسے اجلاس میں میری شرکت کی کوئی تک نہیں بنتی در حقیقت امریکی کانگریس چاہتی ہے کہ میں پاکستان کی تذلیل کروں مگر میں نے سوچا کہ یہ چیز نامناسب ہے چنانچہ میں نے یہ تجویز مسترد کر دی۔
>
> حکومت پاکستان کے خلاف اس مہم کے در پردہ مذہبی کے بجائے سیاسی مقاصد کارفرما ہیں احمدیوں کے خلاف موجودہ حکومت کے مظالم اور ناانصافیاں کسی قدر کم ہو جائیں گی جب احمدی مزید مستحکم ہوں گے اور اپنی بقاء کے بارے میں زیادہ پر امید ہوں گے۔
>
> پاکستان سپر طاقتوں کے لیئے جنگ کا ایک اکھاڑہ بن چکا ہے اگر پاکستان امریکی کھیل کھیلنا بند کر دے تو اسے سوویت یونین کی جانب سے کسی خطرے کا سامنا نہیں رہے گا"۔(۱)

۱۔ جنگ راولپنڈی 8 اکتوبر 1987ء۔

امریکہ میں ہندوستانی پریس نے پاکستانی بل برائے امریکی امداد کو روکنے کے لیئے احمدیہ مسئلے کو وسیع تشہیر دی۔ انہوں نے بڑی عیاری کے ساتھ پاکستان کے ساتھ نفرت ظاہر کرنے کے لیئے احمدیہ ہوا کھڑا کیا۔ ان کے اخباروں ''دی اوور سیز ٹریبون واشنگٹن'' ''انڈین آبزرور'' ''نیویارک اینڈ انڈیا ابراڈ شکاگو' امریکی عوام کے سامنے احمدی نکتہ نظر پیش کرنے میں پیش پیش تھے۔(۱)

امریکی سینٹ نے پاکستان کو ۲ء۴ ارب ڈالر کی امداد اس قانون کے ساتھ منسلک کر کے دیدی جس کی رو سے ان ممالک کو امریکی امداد منقطع کر دی جاتی تھی جنہوں نے غیر محفوظ طریقے سے جدید ٹیکنالوجی یا آلات درآمد کیئے۔

شرانگیز مہم:

مرزا طاہر کی ہدایات کی روشنی میں قادیانی انتہا پسندوں نے آرڈیننس کی کھلی اور واضح خلاف ورزی کی اور مسلمانان پاکستان کے جذبات کی پرواہ کیئے بغیر کلمہ طیبہ کے بیج پہنے۔ اپنی عبادت گاہوں پر کلمہ لکھوایا۔ مسلمانوں کی مساجد پر بم پھینکے اور ان کے مقدس مقامات کی تذلیل کی۔ انہوں نے ان نہتے لوگوں کو حملوں کا نشانہ بنایا جنہوں نے ان کے باغیانہ رویے پر تنقید کی۔ پاکستان میں طبقاتی اور فرقہ ورانہ اختلافات پیدا کرنے کے لیئے زر کثیر خرچ کیا۔ انہوں نے فرقہ وارانہ فسادات کے سائے میں اپنی عافیت تلاش کر لی۔ پاکستان کے طول و عرض میں وسیع پیمانے پر تخریبی مواد پھیلانے کے لیئے پریس کا حوالہ دیئے بغیر ربوہ اور دیگر قادیانی مطابع میں بہت سا فرقہ وارانہ اور اشتعال انگیز لٹریچر تیار کیا گیا۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے کے وسط میں سندھ اور پنجاب میں جو نسلی۔ مذہبی اور طبقاتی کشیدگی پیدا ہوئی وہ زیادہ تر صدر ضیاء کی غیر نمائندہ حکومت کی اختیار کردہ حکمت عملی کے نتیجے میں تھی مگر اس کی جڑیں قادیانی شر انگیزی میں بھی پیوست تھیں بلکہ پاکستان میں قادیانی آلہ کاروں نے اپنی مذموم حرکات سے اس کشیدگی کو اور ہوا دی۔

۱۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک' جولائی 1988ء محمد عبداللہ کی واشنگٹن سے رپورٹ)۔

۱۹۸۴ء کے وسط سے لے کر ستمبر ۱۹۸۸ء تک تقریباً دو ہزار چھ سو بانوے قادیانی تخریب پسندوں کو آرڈیننس کی خلاف ورزیوں کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

> ''۱۲۵ قادیانیوں نے اپنے آپ کو مسلمان قرار دیا۔ ۵۸۸ قادیانیوں نے کلمہ والے بیج پہنے۔ ۱۷۸ نے اسلام مخالف لٹریچر تقسیم کیا۔ ۳۲۱ قادیانیوں نے اپنی عبادت گاہوں پر کلمہ تحریر کیا۔ ۲۰۴ قادیانیوں نے اذان دی۔ ۶۲ قادیانیوں نے مقدس مقامات کی بے حرمتی کی۔ ۲۱۴ قادیانیوں نے اس آرڈیننس کی ایک یا زیادہ طرح سے خلاف ورزی کی۔ ۲۲۱ قادیانیوں کو جھوٹی افواہیں پھیلانے اور بیرون ملک سے سمگل شدہ حکومت مخالف لٹریچر تقسیم کرنے کے الزامات میں گرفتار کیا گیا اور جیل بھجوایا گیا''۔(۱)

اس قسم کی قادیانی اشتعال انگیزیاں اور خلاف ورزیاں انیس قادیانیوں کی موت کی صورت میں رونما ہوئیں جن میں گیارہ سندھ میں، سات پنجاب میں اور دو سرحد میں مارے گئے۔ سندھ کی سکھر اور تھرپارکر ڈویژنوں میں اور ساہیوال (پنجاب) میں قادیانی حملہ آوروں کی گولیوں کی بوچھاڑ سے دو مسلمان شہید ہو گئے۔ سکھر میں فوجی عدالتوں نے ایک قادیانی پروفیسر نصیر احمد قریشی اور اس کے بھائی رفیع احمد قریشی کو سزائے موت سنائی اور ساہیوال کے مقدمے میں دو مسلمانوں کو شہید کرنے پر دو دیگر قادیانیوں الیاس منیر اور نعیم الدین کو سزائے موت دی گئی۔

قادیانی عبادت گاہیں جو درحقیقت ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز بن چکی تھیں۔ ان کو مسلمانوں نے جوابی طور پر حملوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ بڑھتی ہوئی قادیانی اشتعال انگیزیوں کے نتیجہ میں پولیس نے دس عبادت گاہوں کو سربمہر کر دیا۔ چھ کو مسلمان مجاہدین نے گرا دیا۔ بارہ کو آگ لگا دی گئی یا نقصان پہنچایا گیا۔ جبکہ ۸۸-۱۹۸۵ء تک ستتر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ حکومت نے ایک سو بچاسی احمدیہ کتابوں اور رسالوں پر پابندی عائد کر دی جن میں اسلام دشمن۔ ملکی سالمیت اور امن عامہ کے خلاف مواد تھا۔ اس سے اچھی طرح باخبر ہونے

۱۔ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ 1988ء۔

کے باوجود کہ مسلمان اپنے قبرستان میں قادیانیوں کو ان کے مردے دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتے' انہوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے قبرستانوں میں اپنے مردے دفن کر کے ناخوشگوار واقعات پیدا کیئے۔

مسلمانوں نے سولہ قادیانی مردوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے سے روک دیا جبکہ اٹھارہ لاشوں کو قبروں سے نکال کر پھینک دیا گیا۔(۱)

پاکستان میں قادیانی انتہا پسندی مسلسل جاری رہی۔ مرزا طاہر کی ہدایات پر ان کی بڑی جماعتیں ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہوتی چلی گئیں۔ ملک کے یہ گمنام دشمن اپنے بیرونی آقاؤں کہ شہہ پر ملک کی سالمیت اور استحکام کے خلاف سرگرم رہے۔

۱۹۸۸ء کے وسط تک مرزا طاہر نے لوگوں کی اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیئے دوسرا ہتھکنڈا اختیار کیا۔ احمدیت کے حقیقی کردار پر پاکستان میں علماء جو اعتراضات اٹھا رہے تھے ان سے نوجوان طبقہ قادیانیت سے بدظن ہو رہا تھا۔ ان کو مطمئن کرنے اور اپنے خلافتی اور روحانی تاثر کو اجاگر کرنے کے لیئے مرزا طاہر احمد نے مباہلہ کا چیلنج دے ڈالا۔

مباہلہ مہم

دس جون ۱۹۸۸ء کو مرزا طاہر احمد نے جماعت کے مخالفین اور دشمنوں کو مباہلے کا چیلنج دیا۔ اس نے اپنے خطبہ جمعہ میں واضح کیا۔

> ''پچھلے کئی سالوں سے پاکستان میں احمدیت کے مخالف مسیح موعود کی ذات کی توہین کرتے ہوئے تمام حدوں سے گزر گئے ہیں۔ ہم نے قوم کو سمجھانے کے تمام ممکنہ طریقوں کو اپنانے کی کوشش کی مگر ہماری نصیحت پر کان نہ دھرا گیا۔ چنانچہ ہم غلط الزامات لگانے والوں اور ان کے رہنماؤں کو مباہلہ کا چیلنج دینے پر مجبور ہیں تا کہ غلط اور صحیح میں امتیاز ہو سکے۔ یہ چیلنج پاکستانی قیادت کو ہر سطح پر دیا جا رہا ہے جو حکومت میں ہیں اور عدلیہ میں ہیں۔ علماء میں سے بعض افراد یا مختلف گروپوں میں سے با اثر لوگ ہوں یا رہنما۔ یہ چیلنج دنیا بھر کی احمدی جماعت کی جانب

۱۔ دیکھئے' پاکستان میں احمدی مسلمانوں پر مظالم'' لندن مرکز پبلی کیشنز 1988ء۔

> سے ہے۔ انہوں نے احمدیوں کی تقسیم سے قبل برطانوی سرکار کے ساتھ کسی بھی قسم کے گٹھ جوڑ کی تردید کی اور صیہونی اسرائیل کے ساتھ جماعت کے خفیہ تعلق کا انکار کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ احمدی پاکستان دشمن نہیں ہیں نہ ہی ہندوستان نواز ہیں پاکستان کے خلاف جاسوسی میں بھی مصروف نہیں اور بیرونی قوتوں کے اشارے پر تخریبی اور توڑ پھوڑ کی کارروائیوں میں مصروف نہیں ہیں"۔⁽¹⁾

انہوں نے یہ بڑ ہانکی کہ ان کا مباہلے کا چیلنج قبول کر کے ان کے مخالفین ایک سال کے اندر اندر جو جون ۱۹۸۹ء میں ختم ہوگا خدا کے قہر کا شکار ہو جائیں گے۔

مباہلہ کا چیلنج احمدیوں کی پرانی چال ہے جسے مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیئے اختیار کیا تھا مگر خود ہی اس کا شکار ہو گئے۔ مرزا طاہر کے والد مرزا محمود کو یہ لفظ ہر وقت خوفزدہ کیئے رکھتا تھا۔ مرزا طاہر احمد کی جانب سے دراصل یہ ایک آخری وار تھا جسے انہوں نے اپنی ڈگمگاتی قیادت کو سہارا دینے کے لیئے اور ان قادیانی نوجوانوں کی عقیدت مندی کو زندہ کرنے کے لیئے استعمال کیا جو احمدیہ جماعت کے مذہبی عقائد اور عمومی کردار کے متعلق سوال کرنے لگ گئے تھے اور پاکستان کے اندر اور بیرون ملک قادیانی اکابر کی خفیہ اور پنہاں سیاسی سرگرمیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قادیانی تخریب کاروں نے اس مباہلہ کی ہزاروں نقول پاکستان میں کشیدگی پیدا کرنے اور مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لیئے تقسیم کیں۔ حافظ بشیر احمد مصری جو کہ شیخ عبدالرحمٰن مصری کا بیٹا تھا اور جس نے ۱۹۳۵ء میں ایک وقت میں مرزا محمود پر لاتعداد اخلاقی نوعیت کے الزامات لگائے تھے انہوں نے مرزا طاہر کو خط لکھا اور "ان کے والد گرامی کی جنسی کرتوتوں" کے بارے میں مباہلہ کا چیلنج کیا۔ مرزا طاہر کو ان کا سامنا کرنے کی کبھی جرأت نہ ہو سکی۔

احمدیہ عقائد کی نوعیت اور ایک صدی پر محیط اس کی تاریخ نے قادیانیوں پر لعنت بھیجنے کی قابل ذکر بنیاد مہیا کر دی تھی۔ قادیانیوں نے دین اور سیاست کے خلاف جو کچھ کیا وہ عیاں تھا۔ سادہ ترین طریقہ یہ تھا کہ مباہلے کی آڑ میں کیئے جانے والے پروپیگنڈہ کو نظر

۱۔ مرزا طاہر احمد، مباہلہ کا کھلا کھلا چیلنج، ضیاء الاسلام پریس ربوہ 1988ء۔

انداز کر دیا جائے کیونکہ اس کے حتمی مقاصد تھے۔ پھر بھی تمام مکاتب فکر کے علماء نے مباہلے کے اس چیلنج کو کھلے دل سے قبول کیا۔ انہوں نے مرزا طاہر احمد سے کہا کہ وہ اپنے اہل خانہ اور پیروکاروں کے ساتھ کسی کھلی جگہ آئے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق جھوٹے پر خدا کی پھٹکار کی دعا کرے۔ مشہور علماء کرام مثلاً مولانا طاہر القادری، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا خان محمد اور عالمی تحریک ختم نبوت سے وابستہ کئی علماء نے مرزا طاہر احمد کو کہا کہ وہ مباہلہ کی جگہ کا انتخاب کرے مگر اس میں قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے ایک کے بعد دوسرا بہانہ تراشا اور تحریری مباہلے پر اصرار کیا جس کا مقصد محض مباہلہ کے کتابچے میں درج دعا پر دستخط کرنا تھے جو ربوہ کی طرف سے جاری ہوا تھا۔ تحفظ ختم نبوت کے علماء کا ایک وفد ٹل فورڈ لندن میں واقع مرزا طاہر احمد کے قصر خلافت سرے برطانیہ میں ان سے ملنے گیا مگر وہ ان کا سامنا نہ کر سکا اور کسی نامعلوم مقام کی طرف چلا گیا۔ مباہلہ کے پردے کے پیچھے اس کی بدنیتی آشکار ہوگئی اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ایسے واقعات پیدا کر کے قادیانی کس قسم کا شیطانی کھیل کھیلتے ہیں۔

سترہ اگست ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق امریکی سفیر ایک امریکی بریگیڈیئر اور کئی پاکستانی اعلیٰ فوجی حکام ایک فضائی حادثے میں مارے گئے۔ مرزا طاہر احمد کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ احمدیت کی صداقت کی تازہ ترین زندہ نشانی ہے اور ایک ایسا معجزاتی نشان ہے جس کے لیئے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے۔(۱) جنرل ضیاء کی ہلاکت کو مباہلے کے چیلنج کا براہ راست نتیجہ قرار دیا گیا اگرچہ جنرل ضیاء ہمیشہ قادیانی شوشوں پر ہنسا کرتا تھا اور ایسی مذہبی و سیاسی چالوں اور فریب کاریوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

جنرل ضیاء کی وفات کے بعد نومبر ۱۹۸۸ء میں پاکستان میں انتخابات ہوئے۔ قادیانیوں نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنے سیاسی مفادات کا تحفظ کیا اور کئی قسم کے سیاسی جوڑ توڑ میں پوری طرح بالواسطہ طور پر ملوث رہے۔ بعض پرانے احمدیت نواز قومی اور صوبائی اسمبلی کے امیدواروں کی حمایت حاصل کرنے کے لیئے زر کثیر صرف کیا گیا۔ چونکہ قادیانی

---

(۱) احمدیہ گزٹ امریکہ اگست 1988ء۔

اپنے آپ ناموں کا غیر مسلم ووٹروں کی فہرست میں اندراج نہیں کراتے تھے اس لیئے انہوں نے ووٹ ڈالنے سے اپنے آپ کو الگ کر لیا۔ انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ اور حصول کے لیئے بالواسطہ اقدامات کرنے شروع کر دیئے۔

۱۹۸۸ء اور اس کے بعد ہونے والے قومی انتخابات میں بعض قادیانی امیدواروں نے قومی اور صوبائی اسمبلی کی غیر مسلم اقلیتی نشستوں پر انتخاب لڑا اور سیٹیں حاصل کیں اگرچہ ربوہ نے ان کی امیدواری یا کامیابی کی توثیق نہیں کی۔

صد سالہ تقریبات

تئیس مارچ ۱۸۸۹ء کو مرزا غلام احمد نے لدھیانہ پنجاب میں باقاعدہ بیعت لیکر احمدیہ تحریک کا آغاز کیا تھا۔ قادیانی کافی عرصے سے تیاریوں میں مصروف تھے کہ وہ ۱۹۸۹ء میں "صد سالہ" جشن منائیں گے۔ ربوہ کے احمدیوں نے اس موقع کو شایان شان طریقے سے منانے کے لیئے صد سالہ تقریبات کا ایک مفصل پروگرام ترتیب دیا۔ حکومت پنجاب نے مارچ میں ربوہ کے مقام پر ان تقریبات کے انعقاد پر پابندی لگا دی۔ قادیانیوں کی جارحانہ مباہلہ مہم کے بعد ان کے خلاف جذبات مشتعل ہوتے جا رہے تھے اور اس بات کا بالکل درست خدشہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ ان تقریبات سے مسلمان مزید مشتعل ہوں گے اور ان کے خلاف شدید ردعمل ہوگا۔ حکومتی پابندیوں کے باوجود ربوہ اور ملک کے دیگر حصوں میں رہنے والے قادیانیوں نے اس جشن کو اچھے طریقے سے منایا۔

جشن کی تقریبات پر حکومت پنجاب کی کڑی پابندیوں سے گھبرا کر ربوہ کے اکابر نے لاہور عدالت عالیہ میں ایک آئینی درخواست دائر کی جس میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ وہ صوبائی سیکرٹری داخلہ کے احکامات مورخہ بیس مارچ ۱۹۸۹ء جن کی رو سے صوبہ پنجاب میں ان تقریبات پر پابندی عائد کر دی گئی تھی غیر قانونی قرار دے دیں اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ کے احکامات اور علاقہ مجسٹریٹ ربوہ کے احکامات جن کی رو سے آرائشی دروازے۔

اشتہارات۔ آرائشی روشنیاں نہیں کی جاسکتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ یقین دہانی کہ دیواروں پر اب کچھ نہیں لکھا جائے گا ایسے سب احکامات کو غیر قانونی قرار دیا جائے۔

عدالت نے حکومت پنجاب کی طرف سے لگائی گئی صد سالہ تقریبات پر پابندیوں کو جائز قرار دے دیا۔ جسٹس خلیل الرحمٰن نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ قادیانی اپنے عقیدے پر عمل اور یقین رکھتے ہیں اور انہیں دیگر مذہبی اقلیتوں مثلاً ہندوؤں۔ سکھ۔ پارسیوں کی طرح آزادی حاصل ہے لیکن اس وقت ایک مشکل صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جب قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ جو کہ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک ہے جیسے شعائر اسلام کو استعمال کرتے ہیں۔ عدالت نے یہ بھی کہا کہ ایسی کوئی غیر معمولی صورت حال یا واقعہ رونما نہیں ہوگا اگر قادیانیوں پر آئینی پابندی مان لیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیٰحدہ اور مختلف جماعت کے طور پر سمجھنے لگیں یہ ان کے مفاد میں ہوگا۔

عدالت نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان قرار دے رکھا ہے اور عام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔ یہ مسلم امہ کے لیئے قابل قبول نہیں۔ ملک۔ آئین سے ان کی وفاداری اور ان کا اپنی علیحدہ حیثیت قبول کرنے میں ان کی فلاح اور تحفظ کی ضمانت ہوگی۔ انہیں اسلام کو یرغمال بنانے کی کوئی اجازت نہیں ہے وہ جو چاہے عقیدہ رکھتے ہوں مگر مسلمانوں کے عقیدے کو خراب کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا اپنے اصل عقیدے کی حفاظت کے تحفظ کے لیئے اٹھایا جانے والا کوئی بھی عمل قادیانیوں کے ہاتھوں پراگندہ نہیں ہونا چاہیئے یا انہیں کوئی بھی وجہ شکایت پیدا نہیں کرنی چاہیئے۔(۱)

مرزا طاہر احمد کی ہدایات پر قادیانیوں نے عدالت عظمیٰ پاکستان کے اس حکم کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ انہوں نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کو بھی چیلنج کر دیا۔ اس بنیاد پر کہ یہ آئین کے آرٹیکل **XX** کے منافی ہے جو ہر شہری کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے۔ تبلیغ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ جولائی ۱۹۹۳ء میں عدالت عظمیٰ پاکستان کے فل بنچ نے جو پانچ ججوں پر مشتمل تھا اور جس کی سربراہی مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن کر

۱۔ دی نیشن لاہور' 18 ستمبر 1991ء۔

رہے تھے اکثریتی رائے سے آرٹیکل XX کی مختلف دفعات کو چیلنج کی گئی اپیل کو خارج کر دیا۔ فل بنچ میں مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن۔ مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری۔ مسٹر جسٹس محمد افضل لون۔ مسٹر جسٹس سلیم اختر اور مسٹر جسٹس ولی محمد خان شامل تھے۔

دفعہ بی۔۲۹۸ ت پ کی سزاؤں کے خلاف زیادہ تر قادیانی اپیلیں کلمہ طیبہ کے بیج کے استعمال یا اذان دینے کے متعلق تھیں۔ مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری جن کے فیصلے کو ججوں کی اکثریت نے قبول کیا تھا اس میں یہ کہا گیا کہ یہ صرف پاکستان میں نہیں ہے بلکہ یہ پوری دنیا میں مسلمہ ہے کہ قوانین۔ الفاظ۔ نام اور خطابات جن کے خصوصی معانی ہیں اور القابات کے استعمال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ احمدیوں کے اس موقف کے جواب میں کہ ان میں سے زیادہ تر افراد کو اس لیئے سزا ہوئی کہ انہوں نے کلمہ طیبہ والے بیج پہنے تھے مسٹر جسٹس چوہدری نے انڈین کمپنی لاء کی دفعہ XX کا حوالہ دیا جس کی رو سے ایک ہی نام پر دوسری رجسٹریشن نہیں ہوسکتی۔ فاضل جج نے کہا کہ ہندوستانی آئین بھی انہیں بنیادی حقوق کو تحفظ دیتا ہے۔ جن کو ہمارا قانون دیتا ہے مگر ہندوستانی عدالتوں میں کسی ایک کا بھی ایسا فیصلہ نہیں ہے کہ رجسٹریشن سے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ٹریڈ مارک کا استعمال یا دوسرے لوگوں کی نقالی جس کا مقصد دھوکہ دینا ہے ایک جرم بنتا ہے اور ایسا کرنے والے کو جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے اور جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

مسٹر جسٹس عبدالقدیر نے کہا کہ اس مقدمے میں اپیل کنندگان جو غیر مسلم ہیں اپنے عقیدے کو اسلام ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

> ''یہ بات مکمل طور پر ذہن میں ہونی چاہئے کہ دنیا کے اس حصے میں ایک مومن کے لیئے ایمان سب سے قیمتی چیز ہے اور وہ کسی ایسی حکومت کو برداشت نہیں کرے گا جو اس کو ایسے دھوکوں اور دغابازیوں سے بچانے کے لیئے تیار نہ ہو۔''

فاضل جج نے کہا کہ قادیانی گروہ کی طرف سے ممنوعہ القابات اور شعائر اسلام کا استعمال ایک عام آدمی کے ذہن میں بھی یہ شبہ نہیں چھوڑتا کہ اپیل کنندگان

(قادیانی) جان بوجھ کر ایسا کرنا چاہتے ہیں اور یہ ان مقدس ہستیوں کی توہین اور دوسروں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

فاضل جج نے ایک امریکی قانون دان کا حوالہ دیا جس نے یہ کہا تھا کہ مذہب کا لبادہ یا مذہبی عقائد عوام الناس کے ساتھ دھوکہ دینے پر کسی کی حفاظت نہیں کرتے۔

> ’’اگر احمدی جماعت کا دھوکہ دینے کا کوئی ایسا منصوبہ نہیں ہے تو وہ اپنی مقدس اصطلاحات کیوں وضع نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہیں اس امر کا احساس کرتے کہ دوسرے مذاہب کے مخصوص نشان اور اعمال پر بھروسا کرنے سے وہ اپنے مذہب کے کھوکھلے پن کو واضح کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو قادیانیوں کو اپنی اصطلاحات وضع کرنے اور ان کے استعمال سے روکتا ہو۔‘‘

اس نقطے پر بحث کرتے ہوئے کہ یہ آرڈیننس مذہبی آزادی کا مخالف ہے مسٹر جسٹس عبدالقدیر چوہدری نے کہا کہ مذہب کی آزادی۔ قانون۔ عوامی امن اور اخلاقیات کے تابع ہوتی ہے۔ فاضل جج نے کہا کہ دوسرے ممالک کی عدالتیں عمل کی آزادی کا خیال رکھتی ہیں۔ آزادی عمل قانون کے تابع ہوتی ہے اور شتر بے مہار نہیں ہوسکتی۔ فاضل جج نے جان سٹیورٹ مل کے مضمون ’’آزادی‘‘ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرد کو اس کی خوشی کے مطابق سب کچھ کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ ایسی آزادی کا مطلب امن وامان کی عدم موجودگی اور آخر کار آزادی کی تباہی ہوگا۔

مسٹر جسٹس عبدالقدیر نے کہا کہ اپیل کنندگان (قادیانی) نے یہ واضح نہیں کیا کہ زیر غور مقدس اصطلاحیں ان کے مذہب کا ضروری حصہ ہیں۔ پوری دنیا میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ریاست کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دے گی کہ وہ اپنے حقوق کے استعمال میں دوسروں کے حقوق کی آزادی کو چھین لے جائے۔

> ’’کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی دوسری جماعت کے مذہب کی توہین تضحیک کرے یا نقصان پہنچائے یا ان کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرے کہ جس سے امن وامان کا

> مسئلہ پیدا ہو جائے۔ فاضل جج نے یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ وہ (احمدی) مذہبی اور سماجی طور پر ایک علیحدہ گروہ ہیں اور مسلمانوں سے مختلف ہیں۔ مرزا غلام احمد اور ان کے نام نہاد خلفاء کی تحریروں کا حوالہ خصوصی طور پر دیا۔

احمدیوں کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے مخصوص شعائر اسلام اور مقدس اصطلاحات کا استعمال کریں اور اس استعمال سے قانون نے انہیں بالکل درست روکا ہے۔ فاضل جج نے فرمایا کہ یہ ہر مسلمان کا پکا عقیدہ ہے کہ وہ ہر نبی پر یقین کرے اور اس کی تعریف کرے اور اگر پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کچھ بھی کہا جائے تو یہ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرے گا۔

> ''احمدیوں کو جلوس یا عوامی اجتماع کی۔ عوامی جگہوں یا سڑکوں پر اجازت۔ خانہ جنگی کو دعوت دینے کے مترادف ہوگی۔[1]

---

[1] دی نیشن لاہور 6 جولائی 1993ء۔

چھبیسواں باب

مستقبل

ایک سو سال پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے مشرقی پنجاب کے ایک دور دراز گاؤں میں احمدیہ تحریک شروع کی- برطانوی سامراج کی امداد اور چندوں سے یہ ننھا پودا بڑے تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا جس کی شاخیں دنیا کے بہت سے حصوں میں پھیل گئیں- اس تحریک نے نوآبادیاتی مفادات کی مکمل حفاظت کی اور ہندوستان اور بیرون ملک اسے غیر ملکی مدد حاصل رہی- مرزا صاحب نے بڑی عیاری کے ساتھ سامراجیت کی سیاسی ضرورتوں کو سمجھا اور اپنے ذاتی مفادات کے لیئے ان کی تکمیل کی خاطر اسلام کا نام استعمال کیا- برطانوی حفاظت اور ان کی مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی حکمت عملی کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے مجدد- مسیح موعود- نبی اور رسول ہونے کے دعوے کیئے جہاد کی تنسیخ بذریعہ وحی کی- قرآنی آیات میں تحریف کی- اسلامی دنیا کی مذمت کی- علماء کو گالیاں دیں اور سامراجیت اور ان کے صیہونی حاشیہ برداروں کے سیاسی مفادات کو پروان چڑھانے کے لیئے بڑی ڈھٹائی سے خدا کا نام استعمال کیا- انہوں نے انگریز کی خوشامد اور کاسہ لیسی پر فخر کیا اور برطانوی راج کی بہبود کی خاطر رضا کارانہ طور پر جاسوسی کی خدمات پیش کیں- ان کے مبہم الہامات- مضحکہ خیز پیش گوئیاں- اور کئی گنے چنے موضوعات- مسیح کی وفات- مقدمے بازی کے میدان میں کامیابیاں اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے بہت سی رقم کی وصولی جیسے امور پر انہوں نے فخر محسوس کیا- یہ سب چیزیں مل کر ان کی نبوت کا عنوان ترتیب دیتی ہیں- اس تحریک کا ماضی کا کردار بلاشک وشبہ یہ رہا کہ اس کے وجود کی

بقاء صرف برطانوی سرپرستی پر قائم تھی۔ یہ تحریک نوآبادیاتی تحفظ کے ساتھ سابقہ برطانوی نوآبادیوں اور اسرائیل میں پروان چڑھی اور اسلام دشمن قوتوں خصوصاً صیہونیت پر اپنے وجود کی بقا اور ترقی کے لیئے سیاسی اور مالی امداد پر انحصار کرتی رہی۔ اس کے گمنام ہمدرد نہیں چاہتے تھے کہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس میں اتنی قوت تھی کہ یہ جہاد اور بنیاد پرستی کے خطرے کا مقابلہ کر سکے۔ یہ گمراہ کن نظریات رکھتی تھی اور مغرب سے اپنا ناطہ جوڑتی تھی۔ مذہبی نکتہ نظر سے یہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتی تھی۔ مسلم امت کے اتحاد کو توڑتی تھی اور ایک جھوٹے مسیح کے ریوڑ میں مسلمانوں کے درمیان میں سے نئی بھیڑوں کا اضافہ کرتی تھی۔ احمدیت غیر ملکی قوتوں کو ایشیا۔ افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں تخریبی کاروائیاں جاری رکھنے کے لیئے احمدی مبلغین کے روپ میں بہت سے جاسوس اور کرائے کے ٹٹو فراہم کرتی رہی۔ اگرچہ مغربی معاشی اور سیاسی بالادستی نے کمزور قوموں پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لیئے بہت سی شکلیں اختیار رکھی ہیں اور ان کی ان ممالک میں سرایت کرنے کے طریق کار میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں پھر بھی احمدیت ایک مکمل قوت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جو ہر سطح پر اپنا کردار ادا کرنے کی لچک رکھتی ہے۔

بعض مضحکہ خیز مذہبی بحثوں کے علاوہ قادیانی لٹریچر نے مذہب کے میدان میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے فلسفہ و پیغام میں مذہبی بنیادوں پر آزادی و حریت پر شائبہ تک نہیں ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے دوسرے جانشین مرزا محمود احمد کسی ایسے ہندوستان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جو برطانوی تسلط سے آزاد ہو۔ انہوں نے ہندوستان کی مستقل غلامی کی پیش بینی کی اور اپنی جماعت کو نصیحت کی کہ وہ معاشی اور سماجی فوائد کے حصول کے لیئے انگریزوں سے تعاون کریں۔ ہندوستان کے نچلے درمیانی طبقے جیسے عدالتوں کے معمولی کلرک۔ تحصیلدار۔ چھوٹے کاروباری لوگ۔ کٹھ پتلی ملاؤں وغیرہ نے قادیانی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی تا کہ وہ اس طرح اپنے برطانوی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کر سکیں اور اپنے آپ کو راج کے وفادار خادم ثابت کر سکیں۔ ان کے رشتہ داروں نے سول اور فوجی

ملازمتوں میں ترجیحات حاصل کیں اور حکومتی ٹھیکوں کے علاوہ دوسرے معاشی فوائد حاصل کیئے اور معاشرے میں اعلیٰ سماجی مراتب سے کچھ مذہبی ذہن رکھنے والے لوگوں کو قادیانی دغابازی سے دھوکا بھی ہوا جبکہ دوسروں نے محض ذاتی وجوہات کی بناء پر احمدیت اختیار کی۔ ان میں سے کچھ نے اس کا مزا چکھا اور پھر اسے ہمیشہ کے لیئے چھوڑ دیا۔

مرزا صاحب اپنی مذہبی تحریک کے مستقبل سے بہت زیادہ پر امید تھے۔ انہیں یقین تھا کہ برطانوی حکومت اپنی اس سیاسی ایجنسی کو اتنی جلدی ختم نہیں ہونے دے گی کیونکہ اس میں ان کے نو آبادیاتی مقاصد کو پورا کرنے کی پوری قوت وصلاحیت ہے۔ انہوں نے عرب ممالک اور ہندوستان میں اسلام کی سیاسی و مذہبی تبدیلیوں کے خلاف یہ پیش بینی کی تھی کہ ان کی تحریک اس کے خلاف ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ اپنے برطانوی آقاؤں کی مدد اور محبت میں سرشار ہوکر انہوں نے ۱۹۰۳ء میں اعلان کیا۔

> ”اے انسانو! سنو یہ خدا کی پیش گوئی ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیئے۔ وہ اس تحریک کو تمام ممالک میں پھیلائے گا اور دلیل اور عقل کے ذریعے اسے تمام ادیان پر بالادستی عطا کرے گا۔ سنو! کوئی آسمان سے نازل نہیں ہوگا۔ تمام عقلمند لوگ اس عقیدے کو چھوڑ دیں گے اور آج کے بعد سے تیسری صدی مکمل نہیں ہوگی جب وہ تمام لوگ جو یسوع کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ دونوں مسلمان اور عیسائی اس کی آمد سے مایوس ہو جائیں گے اور غلط توجیحات کو پا لیں گے اور اس وقت صرف دنیا میں ایک ہی مسلم اور ایک ہی عقیدہ رہ جائے گا۔ میں تو صرف بیج بونے کے لیئے آیا ہوں یہ بیج میرے ہاتھوں بویا جا چکا ہے۔ یہ اب بڑھے گا اور پھلے پھولے گا اور کسی میں جرأت نہیں ہے کہ اس کی افزائش روکے“۔(۱)

نئے احمدیوں کے متعلق بلند و بانگ اور گمراہ کن دعوے:

قادیانی امریکہ۔ مغربی یورپ ملایشیا کے کچھ علاقوں اور بحرالکاہل کے علاقوں میں پھل پھول رہے ہیں۔ ان کا زیادہ ارتکاز افریقہ میں ہے جبکہ اصل مرکز اسرائیل میں ہے۔

۱۔ تذکرہ الشہادتین۔

اپریل ۱۹۸۴ء میں مرزا طاہر احمد کے پاکستان سے فرار کے بعد قادیانیت کے پیغام کو دور دراز علاقوں میں پہنچانے کے لیئے برطانوی حکومت نے انہیں تمام سہولیات مہیا کی ہیں۔ مرزا طاہر نے ٹل فورڈ سرے میں شیپ ہچ سکول میں ایک مرکز قائم کیا ہے اور اس کا نام اسلام آباد رکھا ہے۔ بہت سے برطانوی اراکین پارلیمنٹ ان سے ملاقات کرتے ہیں اور اقتدار کے ایوانوں میں احمدیہ مشن کی حمایت میں آواز بلند کرتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں جماعت سے حاصل ہونے والے چندے کی رقومات ۸۲-۱۹۸۱ء میں ایک کروڑ ستانوے لاکھ تھیں جو ۱۹۸۶ء میں بڑھ کر چونتیس کروڑ پانچ لاکھ ہو چکی ہیں اور انہی سالوں کے دوران دنیا کے دیگر ممالک سے حاصل ہونے والی رقم سات کروڑ بارہ لاکھ سے بڑھ کر اٹھارہ کروڑ چھتیس لاکھ ہو چکی ہے۔ دوسری مدوں سے ہونے والی رقومات پاکستان کے علاوہ اسی عرصے میں نو کروڑ سے بڑھ کر اکیس کروڑ نوے لاکھ ہو چکی ہیں جو دس کروڑ تراسی لاکھ کے رضاکارانہ چندوں کے علاوہ ہیں۔(۱)

۱۹۸۶ء سے لے کر ۱۹۹۳ء تک تمام قسم کے چندوں میں زبردست حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ درست اعداد و شمار میسر نہیں کیونکہ مرزا طاہر احمد نے اپنی جماعت کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان مالی تفاصیل کو شائع نہ کریں کیونکہ پاکستان میں انٹیلی جنس ایجنسیاں اس پر چوکنا ہو جاتی ہیں اور لوگ چندوں کے ذرائع کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ اعداد و شمار پرانے ہیں نئے مالی وسائل کا تخمینہ اربوں میں لگایا جا رہا ہے۔ ایسے میں آنجہانی مرزا طاہر احمد نے جماعت کی ترقی اور نئے لوگوں کے قادیانی بننے کے نہایت گمراہ کن اور مبالغہ آمیز اعداد و شمار پیش کئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ **1993**ء سے **2001**ء تک نو سالوں میں **14** کروڑ، **42** لاکھ، **21** ہزار **605** نئے افراد جماعت میں شامل ہوئے۔ ان گمراہ کن اعداد و شمار کے لیے اس باب کے آخر میں دیکھیں الفضل **29** اگست **2001**ء **8** ستمبر **2001**ء اور **13** ستمبر **2001**ء کے شماروں کے عکس۔

احمدیہ تحریک کا مستقبل مغرب کی غیر ملکی قوتوں کی سرپرستی اور اسلام مخالف لابی کی وسیع و عریض امداد کے ساتھ نتھی ہے۔ اس میں اتنی برداشت نہیں کہ وہ عقلی دلائل اور

۱۔ سوینیئر کراچی 1987ء۔

بامقصد تنقید کا سامنا کر سکے۔ لاہوری جماعت کے نام سے ایک چھوٹا سا احمدی گروہ اور بھی ہے جو اپنے خاتمہ کے قریب ہے۔ مسلمانوں نے اس کے نرم رویّے اور نسبتاً کم خطرناک اور اشتعال انگیز عقائد کے باوجود اس کو خوش آمدید نہیں کہا۔ یہ اپنے دھوکے کا آپ ہی شکار ہے۔ ربوہ میں مقیم احمدی جماعت نسبتاً زیادہ منظم اور ایک چالاک۔ اور جوڑ توڑ کے ماہر رہنما مرزا طاہر احمد کی سربراہی میں چل رہی تھی جو ایک خود ساختہ نبوت کے رتبے کے سراب کا شکار تھا۔ اس نے لندن میں اپنے آپ کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل بنا لیا تھا۔

افریقہ کے پسے ہوئے طبقوں سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگوں نے پچھلے چند سالوں میں بلاشبہ جماعت میں شمولیت اختیار کی ہے جس کی مختلف وجوہات ہیں۔ شاید انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی خرافات کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ تاہم تحریک بذات خود عقلمند افراد کی توجہ کو مبذول کرانے یا اپنے آپ میں جاذبیت رکھنے سے قطعی محروم ہے۔

مُلحقات

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی اپیل کے مقدمے میں مسٹر جی ڈی کھوسلہ کے فیصلے کا متن:

بارہ جون ۱۹۳۵ء کو سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمے میں مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور نے اپنا تاریخی فیصلہ دیا۔ بخاری کے وکلائے صفائی میں مولانا مظہر علی اظہر۔ مولانا عبدالکریم آف مباہلہ۔ لالہ پشاوری مل۔ خان شریف حسین اور مولانا رحمت اللہ مہاجر شامل تھے۔ انہیں اکیس اکتوبر ۱۹۳۶ء کو قادیان کے مقام پر منعقدہ احرار کانفرنس میں تقریر کرنے پر زیریں عدالت نے دفعہ اے۔ ۱۵۳ تعزیرات ہند چھ ماہ کی قید با مشقت کی سزا سنائی تھی۔

قادیانیت کی تاریخ

اپیل کنندہ کے خلاف الزام کی چھان بین سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ حقائق بیان کیئے جائیں جن کا اس معاملے پر کچھ اثر ہے۔ تقریباً پچاس سال پہلے قادیان کے غلام احمد نامی نے دنیا کے سامنے اعلان کیا کہ وہ خدا کا پیغمبر موعود ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کے لیئے اسلام کے داعی اعظم کا کردار اپناتے ہوئے ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی جس کے ارکان اگرچہ اپنے آپ کو محمڈن سمجھتے ہیں لیکن ان کے کچھ عقائد اور نظریات اسلام کے عام تسلیم شدہ اصولوں سے کلی طور پر اختلاف رکھتے ہیں۔ اس فرقے کا امتیازی وصف جس کو عرف عام میں قادیانی۔ مرزائی یا احمدی کہتے ہیں اس کے ارکان کا اس کے بانی جس کو مرزا کہتے ہیں پر پکا ایمان ہے۔ یہ تحریک جب شروع ہوئی تو اس نے جلد ہی ایک شکل اختیار کر لی اور ایک شریفانہ بلکہ زیادہ درست ہوگا کہ قدرے رفتار سے اور اپنے پیروکاروں کو ہزاروں میں شمار کرنا شروع کر دیا۔ قدرتی طور پر اس کی مخالفت ہوئی اور محمڈن کی اکثریت نے احمدیت کے بانی کی مذہبی بالادستی کے غرور کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا۔

اس نئے زہریلے مذہب پر یقین نہ رکھنے والوں نے بڑی سختی سے کفر کے الزامات کا جواب دیا جو انہوں پر مرزا نے لگایا تھا۔ تاہم قادیانی ان بیرونی ترغیبات سے بے بہرہ رہے۔ اپنے آبائی قصبے میں مقامی تحفظ کے ساتھ محفوظ رہے اور حالات کے مطابق پھلتے پھولتے رہے۔

قادیانی غرور اور دہشت گردی:

اس قدرے محفوظ صورت حال نے قادیانیوں میں نسبتاً فخر بلکہ گھمنڈ پیدا کر دیا تھا۔ اپنی دلیل کے نفاذ اور نصب العین کو بڑھاوا دینے کے لیئے انہوں نے ہتھیاروں کا استعمال شروع کر دیا جس کو عام حالات میں کبھی بھی پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے نہ صرف ان اشخاص کو مقاطعہ۔ اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ سخت دھمکیوں سے بھی دھمکایا جنہوں نے ان کے حلقہ میں آنے سے انکار کر دیا بلکہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے ارتداد کے عمل کو مزید محفوظ کر دیا۔ غالباً اپنے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے انہوں نے قادیان میں ایک رضا کار فورس قائم کر لی۔ انہوں نے عدالتی کام بھی سرانجام دینے شروع کر دیئے اور دیوانی اور فوجداری مقدمات بھی نمٹائے۔ دیوانی مقدمات میں فیصلے کیئے جاتے تھے اور ان پر عمل درآمد کروایا جاتا تھا۔ فوجداری مقدمات میں سزائیں سنائی جاتی تھیں اور ان کی تکمیل کرائی جاتی تھی۔ درحقیقت لوگوں کو قادیان سے نکال دیا گیا تھا۔ اس پر بس نہیں ہوا قادیانیوں پر درحقیقت ملکیتی جائیداد۔ توڑ پھوڑ۔ آتش زنی اور یہ کہا گیا ہے کہ حتیٰ کہ قتل کے بھی الزامات عائد کیئے گئے۔

الزامات کا ثبوت

مبادا نہ ہو کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ احراری تخیل کا نتیجہ ہے یہ ضروری ہے کہ چند پکے ثبوت فراہم کر دیئے جائیں جو کہ اس مقدمے کے ریکارڈ میں آ چکے ہیں۔

قادیان سے جلاوطنی کے مقدمات:

کم از کم دو افراد کو ان کے قصبے قادیان سے نکال دیا گیا کیونکہ وہ مرزا کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ وہ حبیب الرحمٰن (گواہ صفائی نمبر ۲۸) اور اسماعیل تھے۔ موجودہ مرزا نے بذات خود ایک خط لکھا اور وہ خط (ای ایکس۔ ڈی زیڈ۔ ۳۳) جو کہ ریکارڈ پر موجود ہے اس میں اس نے یہ حکم دیا کہ حبیب الرحمٰن (گواہ صفائی نمبر ۲۸) کو قادیان آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس خط کو بشیر الدین محمود احمد (گواہ صفائی نمبر ۴۷) نے تسلیم کیا ہے۔ گواہ صفائی نمبر ۲۰ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اسماعیل کو بھی برادری سے نکال دیا گیا تھا اور واپس قادیان آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ دیگر گواہان کی کافی تعداد نے ظلم و بربریت کی کئی داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ (گواہ صفائی نمبر ۴۹) نے بیان کیا ہے کہ اس پر مرزائیوں نے حملہ کیا تھا' شاہ غریب نامی ایک آدمی کو قادیانیوں نے مارا تھا اور جب اس نے مقدمہ دائر کرنے کی کوشش کی تو کوئی بھی اس کے لیئے گواہی دینے پر تیار نہ ہوا۔ قادیانی منصفوں کے فیصلہ شدہ مقدمات کی فائلیں پیش کی گئیں جو کہ ریکارڈ پر ہیں۔ مرزا نے یہ تسلیم کیا ہے کہ قادیان میں عدالتی امور سرانجام دیئے جاتے ہیں اور ایسے معاملات میں اپیل کے لیئے حتمی عدالت وہ خود ہے۔ عدالتوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے اور ایک فیصلے کی مثال ہے کہ جس پر عملدرآمد کرنے کے لیئے ایک گھر بیچنا پڑا تھا۔ نجی طور پر اسٹامپ پیپر تیار کیئے جاتے ہیں۔ بیچے جاتے ہیں اور مرزا کو لکھنے کے لیئے درخواستوں میں استعمال ہوتے ہیں' قادیان میں رضا کارانہ تنظیم کے وجود کے بارے میں گواہ صفائی نمبر ۴۷ نے بیان دیا ہے۔

مولانا عبدالکریم آف مباہلہ کی داستان غم اور محمود حسین شاہد کا قتل

پھر ہمارے پاس عبدالکریم کا سنگین مقدمہ ہے جو کہ درحقیقت ایک المناک داستان ہے۔ اس شخص نے احمدی مذہب قبول کیا اور قادیان چلا گیا۔ تاہم وہاں جا کر وہ مذہبی شبہات کا شکار ہو گیا اور اس نے احمدی عقیدے سے توبہ کر لی جس پر اس پر مظالم

شروع ہو گئے۔ اس نے ایک اخبار جس کو ”مباہلہ“ کیا جاتا ہے کی ادارت شروع کر دی۔ جس کا مقصد احمدیہ گروپ کے مسلک پر تنقید کرنا تھی۔ مرزا نے ایک تقریر میں (جس کا ذکر Ex.DZ-۳۹ میں بیان شدہ ہے) مباہلہ کے ناشرین کی موت کی پیش گوئی کی۔ یہ تقریر ان لوگوں کے لیئے ایک حوالہ تھی جو اپنے مذہب کی خاطر قتل پر بھی آمادہ تھے۔ اس کے فوراً بعد ہی عبدالکریم پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا مگر وہ بچ نکلا۔ ایک شخص محمد حسین نامی جو کہ اپنے آپ کو عبدالکریم کے نصب العین کا ساتھی گردانتا تھا اور ایک فوجداری مقدمہ میں عبدالکریم کا ضامن بھی رہ چکا تھا۔ دراصل اس پر حملہ ہوا اور وہ مارا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت سنائی گئی۔

قاتل کا اعزاز

سزائے موت پر عمل درآمد ہوا اور اس کی پھانسی کے بعد اس کی لاش قادیان لائی گئی اور اسے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ اس قاتل کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے گئے اور اس قتل کی الفضل جو کہ احمدیہ گروہ کا رسالہ ہے نے بہت تعریف کی۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ قاتل مجرم نہیں تھا اور وہ پھانسی سے پہلے ہی مرنے کی وجہ سے موت کی آفت سے بچ گیا۔ خدا نے اپنے خیال میں اسے پھانسی کی تذلیل سے بچانے کے لیئے پہلے ہی اپنے پاس بلا لیا۔

مرزا محمود کی دانستہ غلط بیانی اور اس کی بدنیتی

مرزا پر عدالت میں جب اس واقعہ کے بارے میں جرح ہوئی تو اس نے مکمل طور پر ایک مختلف کہانی بیان کی کہ محمد حسین کے قاتل کو بڑے اعزاز سے دفن کیا گیا کیونکہ اسے اپنے گناہ کا پچھتاوا تھا اور اسے اس گناہ سے پاک کر دیا گیا۔ (Ex.D.Z-۴۰) تاہم اس سے

اختلاف کرتی ہے اور DZ-۴۰ میں جو مرزا کے نظریات ظاہر کیئے گئے ہیں اس کی رو سے مرزا کی نیت اور رویہ صاف ظاہر ہے۔

ہائی کورٹ کی بدنامی

فی الواقع اس دستاویز کے مندرجات سے لاہور عدالت عالیہ کی توہین کا ارتکاب ہوتا ہے۔

محمد امین کا قتل

ہمارے پاس محمد امین کی موت سے متعلقہ ایک اور واقعہ بھی ہے۔ یہ محمد امین بھی ایک احمدی تھا اور اسی فرقے کا مبلغ تھا۔ اسے مرزا کے مذہب کے پرچار کے لیئے بخارا بھیجا گیا مگر بعد میں چند وجوہات کی بناء پر اسے ہٹا دیا گیا۔ چوہدری فتح محمد (گواہ صفائی نمبر۲) کی پہنچائی ہوئی پھاؤڑے کی ضرب سے اس کی موت واقع ہوئی۔ عدالت زیریں نے اس معاملے کو بڑی عجلت میں نمٹا دیا۔ مگر اس کی قریبی چھان بین کی ضرورت ہے۔ اگرچہ محمد امین ایک احمدی تھا لیکن اس پر مرزا کی ناپسندیدگی عود کر آئی چنانچہ وہ کوئی پسندیدہ شخص نہ رہا۔ اس کی موت میں پیش آنے والے واقعات خواہ کوئی بھی ہوں مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ محمد امین کی موت تشدد سے ہوئی اور اسے پھاؤڑے کی ضرب سے مارا گیا۔ اس وقوعہ کی اطلاع پولیس کو دی گئی مگر اس پر کوئی بھی قدم نہ اٹھایا گیا۔ یہ دلیل دینا بیکار ہوگا کہ قاتل نے یہ اپنے ذاتی تحفظ کے لیئے کیا کیونکہ اس چیز کا تعین صرف سماعت کرنے والی عدالت ہی کر سکتی ہے۔ چوہدری فتح محمد نے کافی پرتجسس انداز میں عدالت میں حلف پر یہ اقرار کیا کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا ہے تاہم پولیس اس معاملے پر کوئی عملی کارروائی نہ کر سکی اور یہ فرض کیا گیا کہ مرزا کی طاقت اس قدر زیادہ ہے کہ کسی بھی گواہ کو آگے آنے اور سچائی بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

مباہلہ کی عمارت جلا دی گئی

ہمارے پاس عبدالکریم کے گھر کا مقدمہ بھی ہے۔ عبدالکریم کو قادیان سے نکالے جانے کے بعد اس کا گھر جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ اسے ایک خود ساختہ قانونی طریقے سے قادیان کی چھوٹی ٹاؤن کمیٹی سے احکامات لے کر گرانے کی کوشش کی گئی۔

قادیان میں بدامنی

قادیان میں یہ افسوس ناک واقعہ بدامنی کی صورتحال جس میں آتش زنی اور قتل شامل ہیں کو ظاہر کرتا ہے۔ ان حالات میں مزید اضافہ یوں ہوا کہ قادیان میں مرزا نے ان کروڑوں محمڈن کے لیئے بڑی غلیظ زبان استعمال کی جو اس کی بالادستی پر یقین نہیں رکھتے اس کی تحریریں اس بہت بڑے متقی۔ داعی کے طور طریقوں پر ایک متجسسانہ تبصرے کی حیثیت رکھتی ہیں جو نہ صرف پیغمبر بلکہ خدا کے پسندیدہ ہونے یعنی مسیح الثانی ہونے کا دعوے دار ہے۔

حکومت مفلوج ہوگئی

ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ حکام غیر معمولی حد تک مفلوجی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے اور مرزا کو دینی و دنیاوی معاملات میں کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی۔ مقامی اہل کاروں کو مختلف مواقع پر شکایات کی گئیں مگر ان کی تشفی نہ کی گئی۔ ریکارڈ پر ایسی ایک یا دو شکایات ہیں مگر ان کے مندرجات میں جانے کی ضرورت نہیں اور اس کیس کے مقصد کے لیئے یہ بیان کرنا کافی ہے کہ قادیان میں جاری و ساری مظالم کے لاتعداد الزامات لگائے گئے مگر ایسا کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کا نوٹس لیا گیا ہو۔

مسلمانوں میں روح پھونکنے کے لیئے تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی

ان سرگرمیوں کے ردعمل کے طور پر اور محمڈنز میں مکمل بیداری کی روح پھونکنے کے

لیئے احرار تبلیغ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔

قادیان کی طرف سے کانفرنس کی مخالفت:

اس اقدام سے قدرتی طور پر قادیانیوں میں غیض وغضب بڑھا اور انہوں نے اس کانفرنس کا سرے سے انعقاد ہی روکنے کی کوشش کا دلیرانہ فیصلہ کر لیا۔ احرار کانفرنس نے اپنے اجلاس کے لیئے ایک شخص ایشور سنگھ کی زمین مستعار لی۔ قادیانیوں نے زمین پر قبضہ کر لیا اور اس جگہ ایک دیوار تعمیر کر دی۔ اس سے احراری قادیان میں اپنے اکلوتے قطعہ اراضی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چنانچہ انہیں اپنے جلسے کے لیئے قادیان سے ایک میل دور کے مقام پر جانا پڑا۔ دیوار کی تعمیر ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت دونوں گروہوں کے درمیان جذبات کس قدر تلخ تھے اور اس سے احمدیوں کا غرور بھی ظاہر ہوتا ہے جو یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ اپنی اس زیادتی کے قانونی نتائج سے کس قدر محفوظ ہیں۔

مولانا عطاء اللہ شاہ کی عمیق جاذبیت اور شعلہ بیان خطابت

یہ جلسہ ہو کر رہا اور اس جلسے میں اپیل کنندہ کو صدارت کے لیئے بلایا گیا۔ جو کہ ایسا فرد ہے جس کے پاس گہری جاذبیت کی قوت اور قوت خطابت موجود ہے' جو کہ کم درجے کی نہیں اس نے اس جلسے میں جو کچھ کہا وہ جذباتیت سے پر خطاب تھا۔ تقریر کئی گھنٹے جاری رہی اور کہا گیا ہے کہ اس نے مجمع پر سحر طاری کر دیا۔ اس تقریر میں اپیل کنندہ نے اپنے نظریات کا تقریباً کھل کر اظہار کیا اور مرزا اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی بلکہ نفرت کو بالکل مخفی نہ رکھا۔ اس تقریر کا اخباروں میں چرچا ہوا اور بہت جلد اس پر اعتراضات ہونے شروع ہو گئے۔ یہ معاملہ مقامی حکومت کے سامنے رکھا گیا۔ جس نے اسے مقدمے بازی کی اجازت دے دی۔

تقریر کے قابل اعتراض حصے:

اپیل کنندہ پر عائد کی گئی فرد جرم میں اس کی تقریر کے سات صفحات کا بطور قابل اعتراض اور قابل گرفت ہونے کے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے یہ پیراجات حسب ذیل ہیں:

1- فرعون کا تخت الٹایا جاچکا ہے۔ انشاء اللہ یہ تخت بھی نہیں رہے گا۔

2- وہ پیغمبر کا بیٹا ہے۔ میں پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اسے آنے دیں آپ سب خاموش بیٹھے رہیں۔ وہ میرے ساتھ اردو۔ پنجابی۔ عربی۔ فارسی اور دیگر تمام معاملات میں بحث کرے۔ سارا جھگڑا آج ہی طے ہو جاتا ہے۔ اسے پردہ سے باہر آنے دیں اور گھونگھٹ اٹھانے دیں۔ وہ آ کے کشتی لڑے اور مولا علی کے ہاتھ دیکھے۔ وہ کسی رنگ میں آسکتا ہے۔ وہ کار میں اور میں ننگے پاؤں آؤں گا۔ وہ ریشم پہن کے آئے اور میں گاندھی جی کے خاکی کھدر شریف میں آؤں گا۔ اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق وہ مزعفر، بھنا گوشت، یاقوتیاں اور دن رات پلومر کی صحت بخش شراب پیتا ہے اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھاتا ہوں۔

3- یہ برطانیہ کے دم کٹے کتے۔ کس طرح ہماری مخالفت کر سکتے ہیں۔ وہ چاپلوسیاں کرتا ہے اور برطانویوں کے جوتوں کی نوکیں صاف کرتا ہے۔ میں غرور سے نہیں کہتا مگر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مجھے اکیلا چھوڑ دیا جائے تو آپ دیکھو گے کہ بشیر کے پالتو کون ہیں اور میرے کون۔ میں کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ کوئی سیاسی کانفرنس نہیں ہے مگر او مرزائیو! اگر لگامیں ڈھیلی کر دی گئیں تو میں تمہیں ابھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارا بچنا مشکل ہو جائے گا تمہاری طاقت پیشاب کی جھاگ جتنی بھی نہیں ہے۔

4- وہ جو پانچویں میں فیل ہو جاتا ہے۔ پیغمبر بن جاتا ہے۔ ہندوستان میں ایسی مثال ہے کہ جو فیل ہو جائے وہ پیغمبر بن جاتا ہے۔

5- او مسیحا کی بھیڑو! تمہارا آج تک کسی سے ٹاکرا نہیں ہوا۔ اب تمہارا پالا مجلس احرار

سے پڑا ہے۔ میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

6- او مرزائیو! اپنی نبوت کی تصویر دیکھو۔ او برے انسان! اگر تم پیغمبر بن ہی گئے تھے تو کم از کم اپنی عزت کا تو خیال کرتے۔

7- اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو تمہیں برطانویوں کا کتا نہیں بننا چاہئے تھا۔

اپیل کنندہ نے زیریں عدالت میں یہ موقف اختیار کیا کہ اس کی تقریر کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اس نے پیراگراف نمبر پانچ سے مکمل طور پر انکار کیا۔ اگرچہ یہ تسلیم کیا کہ بقیہ چھ پیروں کا لب لباب اس نے بیان کیا ہے' اس نے ان پیروں کی زبانی صحت کو چیلنج کیا۔ پیراگراف نمبر پانچ کے بارے میں زیریں عدالت کے مؤقف کو غلط طور پر بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ اپیل کنندہ کو اس میں سزا نہیں دی جا سکتی۔ اپیل کنندہ کی سزا کا دارومدار اس مواد پر ہے جو بقیہ چھ پیروں میں ہے۔ اپیل کنندہ کے وکیل نے دلائل کے وقت یکدم یہ تسلیم کیا کہ پیرا نمبر ایک سے لے کر چار اور چھ سے لے کر سات درحقیقت اپیل کنندہ نے ہی بیان کیئے ہیں اور اب وہ بیان کرنے والے کے مندرجات کی صحت پر سوال نہیں اٹھانا چاہتا۔ میرے فیصلے کا اصل سوال یہ ہے کہ آیا یہ چھ پیرے تعزیرات ہند کی دفعہ اے۔ ۱۵۳ کے تحت قابل گرفت ہیں اور ان کو بیان کر کے اپیل کنندہ نے کوئی جرم کیا ہے۔

میں پہلے ہی ان تمام حالات پر نظر ڈال چکا ہوں جن کی بنا پر احرار تبلیغ کانفرنس کا اعلان ہوا۔ صفائی کی جانب سے شہادت کے طور پر بہت ساری دستاویزات جن میں مرزا کی تحریریں بھی شامل ہیں اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اپیل کنندہ کی تقریر مرزا کے جاری وطاری کردہ مظالم اور زیادتیوں پر تنقید کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اس تقریر کے کرنے سے اس کا واحد مقصد خوابیدہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات لانا تھی اور احمدیوں کی بداعمالیوں کو آشکارا کرنا تھا۔ اس کی تقریر نے مرزا کے کیئے گئے مظالم کی طرف انگلی بلند کی اور سچے مسلمانوں جو غلط طور پر مصائب میں مبتلا تھے کی تلافی کے لیئے آواز بلند کی اور ان لوگوں کی جنہوں نے مرزا کی خود ساختہ بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

تقریر کیوں کی گئی

مجھے وہ ساری تقریر مل گئی ہے جو اپیل کنندہ کے فاضل کونسل اور فاضل پبلک پراسیکیوٹر نے دی ہے اور قادیان میں موجود معاملات کی صورتحال میں میں بلا جھجک یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپیل کنندہ کے ذہن میں دو مقاصد موجود تھے۔ وہ مرزا اور اس کے پیروکاروں پر تنقید کرنا چاہتا تھا اور اپنے سامعین کو احمدیوں کے خلاف ابھار کر ان کی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ تقریر امن کا ایک اشارہ تھی مگر اس کا بہت زیادہ معاندانہ مطالعہ بھی کسی ذمہ دار معقول شخص کو یہ قائل کر دے گا کہ اس نے زیتون کی شاخ کی بجائے مناقشت کا کام کیا۔ تاہم اگر اپیل کنندہ زیادہ سے زیادہ عقل کی حدود میں رہتا اور اس کا جوش خطابت اسے موضوع سے دور نہ لے جاتا اور ایسی باتیں کہتا جن کا مقصد اس کے سامعین کے ذہنوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا اور کوئی نہ ہوتا۔ ایک مکمل خطیب کی دانائی کے ساتھ اپیل کنندہ نے مارک انٹنی کے طریق کو اپناتے ہوئے یہ بھی دہرایا کہ اس کی احمدیوں کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں۔ امن کی یہ خواہش جس کا متبادل گالیاں ہوں اور کم درجے کی حاضر جوابی جو کہ اس مجمع میں محض احمدیوں کے خلاف نفرت ہی بھر سکتی ہے۔

اس تقریر کی درست اور منصفانہ تنقید بلاشبہ وہی پیرے ہیں جن کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو مرزا کی کرتوتوں پر تنقید ہیں۔ غریب شاہ پر تشدد کے حوالے دیئے گئے۔ محمد حسین اور محمد امین کے قتلوں کے حوالے مرزا کی سنگدلی کے بارے میں دیئے گئے اور کئی ایسے واقعات جن کو ایک سچا محمڈن قانونی طور پر زیر تنقید لا سکتا ہے۔ اس تقریر میں اس غم و غصے پر زور دیا گیا جو احمدیوں کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی توہین پر مسلمان محسوس کرتے ہیں۔

قادیانیت اور اسلام میں فرق:

محمڈنز کے مطابق محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں جبکہ احمدی یقین رکھتے ہیں کہ محمد کے ذریعے دوسروں پر بھی خدائی وحی آ سکتی ہے۔ تاہم جب وہ احمدیوں کو ناموں سے پکار کر

گالیوں کی زبان پر اتر آتا ہے تو ہر اس شخص کو غصہ آتا ہے جو بھی قانونی تنقید کی حدود سے تجاوز کرے اور اگر وہ وقتی جذبات میں آ کر ایسا کرے یا دانستہ تو وہ قانون کے تحت جوابدہ ہے۔

تقریر کا اثر:

اپیل کنندہ جو کہ بالکل ہی بنیادی اور ان پڑھ دیہاتیوں کے بڑے اجتماع سے مخاطب تھا کو یہ پتہ ہونا چاہئے تھا کہ اس قسم کی تقریر سے وہ ان کے جذبات کو مشتعل کرے گا اور احمدیوں کے خلاف معاندانہ جذبات کو پروان چڑھائے گا۔ یہ بات شہادت میں آئی ہے کہ اس تقریر کا مجمعے پر راست اثر پڑا ہے۔ وہ اپیل کنندہ کی خطابت کے سحر میں آ گئے اور اپنے جذبات کا متواتر کھل کر اظہار کیا۔ یہ بات کہنا بے جا ہے کہ مجمع اٹھ نہیں کھڑا ہوا اور اپنے مخالفین کے خلاف متشدد نہیں ہوا۔ اگرچہ فریقین کے مابین کافی عرصہ سے اس قسم کی تقریر سے پہلے ہی جذبات کشیدہ تھے تو اس سے دونوں کے درمیان نفرت نے بڑھنا تھا اور در حقیقت بڑھی۔

فرد جرم میں موجود سات پیروں میں پیرا نمبر تین اور سات سب سے زیادہ قابل اعتراض معلوم ہوتے ہیں۔ یہ وہ پیرے ہیں جن میں اپیل کنندہ نے احمدیوں کو برطانیہ کے دم کٹے کتے کہا ہے۔ باقی پیرے میرے خیال میں تعزیرات ہند کی دفعہ اے۔۱۵۳ کے ارتکاب جرم پر پورے نہیں اترتے۔ پہلا پیرا جو فرعون کے تختہ الٹے جانے کے بارے میں تقریباً بے ضرر ہے۔ دوسرا پیرا مرزا کی خوراک کے بارے میں ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ یہ ایک اس خط کا حوالہ ہے جو پہلے مرزا نے کسی شخص کو لکھا تھا اور یہ خط اس مقدمہ میں Exhibit ہوا ہے۔

پلومر کی شراب اور مرزا

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا کوئی صحت بخش مشروب جسے پلومر کی شراب کہا جاتا ہے پینے کا عادی تھا اور ایک موقع پر اپنے نامہ نگار سے اس نے یہ لاہور سے لانے کو کہا۔ ایک یا دو

دیگر خطوط میں یاقوتی کے بارے میں بھی کچھ حوالے ہیں۔ موجودہ مرزا نے اپنی شہادت میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے باپ نے ایک موقع پر پلومر کی شراب پی تھی اور اس کو ایک خوشگوار لمحے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ پیرا میرے خیال میں اتنا زیادہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ چوتھا پیرا اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ پہلا مرزا امتحان میں بیٹھا اور فیل ہو گیا۔ چھٹا پیرا میرے خیال میں ایک چاپلوسانہ سا ہے اور کسی پیغمبر کی تعظیم کے لائق نہیں ہے۔ چنانچہ پیرا نمبر تین اور سات کے علاوہ میرے خیال میں کوئی پیرا قابل گرفت نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپیل کنندہ کی مکمل تقریر میں صرف دو پیرے ہی قابل اعتراض ہیں۔ تقریر کا رجحان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ اپیل کنندہ کی نیت تھی کہ نہ صرف وہ احمدیوں کی کرتوتوں کو ظاہر کرے بلکہ ان کے خلاف جذبات بھی بھڑکائے اور یہ کہ تقریر کنندہ کی تقریر سے امن میں خلل نہیں پڑا اور دوسرے اس کے سامعین نے تشدد کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ یہ چیز اس کے جرم کو کم کرتی ہے اور اگرچہ مجھے اس بارے میں شک نہیں ہے کہ اپیل کنندہ احمدیوں پر تنقید کا جواز رکھتا تھا میں پھر بھی یہ سمجھتا ہوں کہ وہ انصاف پسند اور عقلی تنقید کی حدود سے گزر گیا اور اپنے آپ کو قانونی عواقب کے حوالے کر دیا۔ اپیل کنندہ کے عمل کو پسند کرنا اور چاہنا آسان ہے مگر اس قسم کے حالات میں جب احساسات کشیدہ ہوں اور جذبات مشتعل ہوں تو عوامی رائے میں یہ بات دقیق اور ناپسندیدہ ہو جاتی ہے اگر اپیل کنندہ کے جرم کو تکنیکی نوعیت کا بھی سمجھ لیا جائے تو بھی قانون کا اختیار اس کی مخالفت میں ہی جائے گا۔

حتمی فیصلہ:

اس معاملے کے تمام پہلوؤں کو دیکھ کر اور اس قسم کی تقریر کا اس مجمع پر اثر دیکھ کر جس کے سامنے یہ کی جائے، میں یہ سوچنے پر حق بجانب ہوں کہ اپیل کنندہ نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ کے تحت ارتکاب جرم کیا ہے۔ جہاں تک سزا کا تعلق ہے تو قادیان سے آنے والی صورت حال کو ضروری طور پر ذہن میں رکھنا ہو گا اور وہ انتہائی اشتعال جو ہندوستان کے کروڑوں محمڈنز کو مرزا کی طرف سے کافر اور سؤر کہنے پر پیدا ہوا اور ان کی عورتوں کو کتیوں سے

ملایا گیا تو میں یہ سوچنے پر حق بجانب ہوں کہ اپیل کنندہ کا جرم محض ایک تکنیکی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ میں اسکی سزا کو کم کرتے ہوئے اسے تاوقت برخاست عدالت تک محدود کرتا ہوں۔

روزنامہ الفضل بدھ 29 اگست

جلد 51-86 نمبر 195

ایک سال میں آٹھ کروڑ 10 لاکھ سعید روحیں احمدیت کی آغوش میں آ گئیں

من ہائم جرمنی۔ 26 اگست 2001ء روحانیت کی تاریخ کا ایک اور تاریخ ساز واقعہ رقم ہوگیا۔ صرف ایک سال میں آٹھ کروڑ دس لاکھ چھ ہزار 721 افراد احمدیت میں داخل ہوگئے۔ اس میں صرف بھارت میں چار کروڑ سعید روحوں نے احمدیت قبول کی۔ جرمنی کے جلسہ سالانہ 2001ء میں جو مئی مارکیٹ من ہائم میں منعقد ہوا آخری روز یعنی 26 اگست 2001ء کو یہ تاریخ ساز عالمی بیعت کی نویں تقریب منعقد ہوئی جس میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے کروڑوں نئے احمدیوں سے یہ بیعت لی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایم ٹی اے کے ذریعہ اکناف عالم کے احمدیوں نے تجدید بیعت کا شرف حاصل کیا۔

منفرد روحانی نظارہ

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس بار بھی حصول برکت وسعادت کے لیے حضرت مسیح موعود کا سبز رنگ کا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ حضور فرش پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے گرد 6/5 افراد کے ایک حلقہ نے حضور کے دست مبارک پر اپنے ہاتھ رکھے باقی لوگوں نے ان احباب کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ سے جسمانی رابطہ قائم کیا۔ حضور نے بیعت کے الفاظ انگریزی میں دوہرائے حضور ایک جملہ پڑھ کر رک جاتے اور پھر مختلف زبانوں کو جاننے والے اپنی اپنی زبانوں میں اس جملہ کا ترجمہ دوہراتے اس طرح سے مختلف زبانوں کے الفاظ کا ایک ایمان افروز روحانی ارتعاش پیدا ہو جاتا اور صحف سابقہ

کی عظیم پیشگوئیوں کے مطابق ہر قوم اور ہر زبان اس تقریب میں شامل ہوئی اور اس طرح سے بیعت کے تمام الفاظ مکمل ہونے کے بعد حضور ایدہ اللہ نے اور جملہ احباب نے اپنی اپنی جگہوں پر سجدہ شکر ادا کیا۔ حضور ایدہ اللہ نے بیعت کے الفاظ دوہرائے جانے سے پہلے مختصر چند کلمات ارشاد فرمائے۔ حضور نے فرمایا بہت عجز و انکسار سے اللہ کی رحمت کو قبول کرنا چاہیے عالمی بیعت کی یہ نویں تقریب تھی۔ یاد رہے کہ سب سے پہلے عالم بیعت **1993**ء میں ہوئی جس میں صرف دو لاکھ نئے احباب جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے اسکے بعد حضور کے ارشاد کے عین مطابق یہ تعداد ہر سال دگنی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ امسال آٹھ کروڑ سے بھی اوپر نکل گئی۔

روز نامہ الفضل 8 ستمبر

جلد 51-86 نمبر 204

جلسہ جرمنی 2001ء کے دوسرے روز حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطاب 25 اگست 2001ء:

ابتلاؤں میں ثابت قدمی:

تنزانیہ کے جنوبی صوبہ کے ایک ضلع کنڈورو میں جب پہلی دفعہ ہزاروں بیعتیں ہوئیں تو مخالفین حسد کی آگ میں جل بھن گئے انہوں نے اپنے علماء سے یہ فتوے لے کر مشتہر کر دیئے کہ جو افراد احمدی ہو گئے ہیں ان کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں اور ان کے بچے اب ان کے بچے نہیں رہے۔ چنانچہ کئی نومبلغین سے بیوی بچے چھین لیے گئے۔ حضور نے فرمایا پاکستان میں ہی نہیں ہر جگہ مخالفین کا یہی انداز ہے۔ اس پر احمدیوں نے حکومت سے رجوع کیا حکومت نے اعلان کیا کہ کسی احمدی کا نکاح نہیں ٹوٹا ان کے نکاح برقرار ہیں۔ لیکن ابتلاء کا سلسلہ جاری ہے ایک بڑے اہل حدیث امام جنوں نے حال ہیں میں احمدیت قبول کی تھی یہی ابتلاء آیا مخالفوں نے ان کی بیوی اور چار بچے چھین لیے ہیں اور ابھی تک انکو واپس نہیں ملے لیکن بچوں کی خاطر مخالفین کے آگے سر نہیں جھکایا۔

دشمنوں میں انتشار:

تنزانیہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک تنظیم قائم ہوئی اور اس نے جماعت کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ گذشتہ سال اس تنظیم کے شیخ شعبان کی ٹانگوں پر

زخم آئے جو اس قدر بڑھ گئے کہ اس کی ٹانگیں کاٹ دینی پڑیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلی تھی۔ اس کے بعد جبکہ یہ مخالف ناکارہ ہوکر گھر میں پڑ گیا تھا تنظیم کے لوگوں کے درمیان آپس میں اس قدر جھگڑے پیدا ہوئے کہ اسی سال یہ تنظیم ٹوٹ گئی اور اس کا سامان بیچنے کا جب مرحلہ آیا تو انہوں نے احمدیوں کو بھی پیغام بھیجا چنانچہ احمدیوں نے ان کے سپیکر سستے داموں خرید لیے۔ احمدیت کو ختم کرنے والے خود ختم ہو کر رہ گئے۔

مخالف باپ بیٹے کا یکساں انجام:

امیر صاحب تنزانیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں ایک مخالف مولوی شیخ محمد عبدو نے شدید مخالفت کی۔ یہ شخص حضرت مسیح موعود کے خلاف سخت بدزبانی کرتا تھا۔ ایک روز یہ اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا کہ اس کی دائیں آنکھ میں کوئی چیز لگی جس سے اس کی دائیں آنکھ بینائی سے محروم ہوگئی۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا جماعت احمدیہ کے خلاف لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود دائیں آنکھ سے محروم تھے اور اسو جہ سے آپ کو نعوذ باللہ کانا دجال کہتے ہیں۔ ایسا معجزہ کئی بار ہو چکا ہے کہ ایسی باتیں کرنے والے کی دائیں آنکھ جاتی رہی یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور نہ صرف باپ کے ساتھ ایسا ہوا بلکہ اس کے بیٹے نے بھی جب مخالفت شروع کی اور حضرت مسیح موعود کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا تو باپ کی طرح بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہوا ایک دن کھیت میں کام کرتے ہیں ایک درخت کٹ کر گرا اور اس کی دائیں آنکھ بینائی سے محروم ہوگئی۔ اس کے بعد اس شخص نے جماعت احمدیہ کی مخالفت چھوڑ دی۔ دونوں باپ بیٹوں کا یکساں انجام ہوا۔

ملاوی:

یہ ملک تنزانیہ کے ماتحت تھا۔ اس سال پہلی مرتبہ یہاں کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ گذشتہ سال یہاں پر صرف 376 بیعتیں ہوئی تھیں اس سال خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک لاکھ 80 ہزار سے زائد بیعتیں ہوئیں۔ تنزانیہ وفد ملاوی کے صوبہ لولو گیا۔ یہ

سارا وفد صرف اپنی مقامی زبان جانتا تھا۔ اس سے بڑی مشکل پڑ گئی اور دعوت الی اللہ میں ایک وقتی روک پیدا ہو گئی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس طرح ظاہر ہوئی کہ اس علاقے کے ایک ایسے امام احمدی ہو گئے جو انگلش سواحیلی اور مقامی زبان روانی سے جانتے تھے۔ چنانچہ وہ ہمارے دعوت الی اللہ کے وفد میں شامل ہو گئے اور دعوت الی اللہ شروع کر دی اور جہاں ایک بھی احمدی نہ تھا وہاں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک لاکھ (مسلسل صفحہ 2 پر)

روزنامہ الفضل جمعرات 13 ستمبر

جلد 51-86 نمبر 208

جلسہ جرمنی کے دوسرے روز حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطاب 25 اگست 2001ء:

ہندوستان کی عظیم الشان کامیابیاں:

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا ساری دنیا کی کوششیں ایک طرف اور ہندوستان ایک طرف۔ دونوں گھوڑے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا 1991ء کے جلسہ سالانہ پر میں نے بھارت کی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ قادیان کی بستی کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا کیا ہے کہ آخرین کا موعود اس بستی میں بھیجا۔ ہندوستان کو یہ اعزاز زندہ رکھنا چاہیے۔ حضور نے فرمایا میں بار بار بڑے عجز و انکسار کے ساتھ ان کو متوجہ کرتا ہوں کہ کسی دوسرے کو یہ اجازت نہ دیں کہ یہ اعزاز کسی اور جگہ مثلاً گھانا یا نائیجیریا یا گیمبیا یا کسی اور ملک میں گاڑ دیں اس اعزاز کو اپنے بازوؤں اور سینے سے چمٹائے رکھیں حضور نے فرمایا اٹھو اور شیروں کی طرح پھیل جاؤ۔ یہ آپ کی سعادت ہے اس کو قائم رکھیں۔ حضور نے فرمایا کہ چنانچہ ہندوستان نے اس پر لبیک کہا اور اس سال خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہندوستان کو 4 کروڑ 25 لاکھ 36 ہزار سے زائد بیعتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس زبردست کامیابی کا اعلان سن کر جلسہ گاہ میں موجود حاضرین نے اس زور سے فلک شگاف نعرے لگائے کہ پنڈال لرز لرز گیا۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا ان عظیم الشان

فتوحات کی وجہ سے مخالفین میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ اخباروں کے صفحے کے صفحے سیاہ کئے جارہے ہیں اور لوگوں کو جماعت کے خلاف اکسایا جارہا ہے۔ حسد کی آگ میں مخالفین جل بھن گئے ہیں۔ اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

ہندوستانی اخبارات کا اعتراف:

اتر پردیش کی ایک تنظیم نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس وقت تک قادیانی مذہب میں شامل ہونے والوں کی تعداد آٹھ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اگر یہی حالت رہی تو کوئی گاؤں کوئی شہر قادیانیوں سے خالی نہیں رہے گا۔ حضور نے فرمایا ''انشااللہ''

ایک اور اخبار ہفت روزہ نئی دنیا نے اپنی **22** سے **28** جون **2001**ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ علماء کی کوششوں کے باوجود قادیانی دھرم روز بروز پھیلتا چلا جارہا ہے یہی اخبار مزید لکھتا ہے کہ ایک سروے کے مطابق **5** کروڑ سادہ لوح مسلمان قادیانیوں کے جال میں پھنس چکے ہیں۔ قادیانی یوپی، راجستھان، بہار، بنگال، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں پانچ کروڑ سے زائد مسلمانوں کو احمدی کر چکے ہیں۔

کل ہند مجلس ختم نبوت دیوبند نے امت مسلمہ سے قادیانیوں کے خلاف صف آراء ہونے کی اپیل کی ہے۔ ایک اشتہار میں وہ لکھتے ہیں۔ مسلمان بھائیو! مسلم قوم کو بچانے کے لیے یہ جہاد کا وقت ہے۔

روزنامہ عوام نئی دہلی نے **13** جون **2001**ء کی اشاعت میں مجلس آئمہ مساجد کے سیکریٹری کے حوالے سے ایک بیان شائع کیا ہے جس میں علمائے دیوبند اور دہلی سے درخواست کی گئی ہے کہ قادیانیوں کے خلاف ایک متحد محاذ چلایا جائے تا کہ ان کی چالوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو محفوظ رکھا جاسکے۔

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا ناممکن ہے خدا نے جو آواز پھیلانے کے لیے قائم کی ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

حضور ایدہ نے اس موقع پر حضرت مسیح موعود کا ایک ارشاد پڑھ کر سنایا، حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں یہ لوگ یاد رکھیں ان کی عداوت سے (احمدیت) کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ دین کا نور دنیا میں پھیلا دے۔ دین کی برکتیں رک نہیں سکتیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے صاف لفظوں میں فرمایا ہے۔ میں فتاح ہوں۔ میں تری خاطر فتح کروں گا۔ تو عجیب مدد دیکھے گا وہ سجدہ گاہوں میں گر پڑیں گے یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے۔ یقیناً ہم ہی خطا کار ہیں۔

زبردست قہری نشان:

حضور ایدہ اللہ نے فرمایا صوبائی امیر یوپی لکھتے ہیں ضلع لاکھی پور کے گاؤں کرن پور سے سالانہ جلسہ قادیان **2000**ء میں شرکت کے بعد نو مبلغین واپس لوٹے تو مولویوں نے ان کی شدید مخالفت کی اور حضرت مسیح موعود اور خلفائے کرام کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ نو مبالغین نے کہا کہ جو چاہو کر لو اب ہم مرتے دم تک احمدیت سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اس پر مخالفین نے بعض احمدیوں کو مارا پیٹا۔ اس پر نوجوانوں نے کہا کہ اب خدا کی تقدیر ضرور تمہیں پکڑے گی۔ **23** مئی **2001**ء کو یہ تمام مخالفین اپنے کسی عزیز کی شادی میں شمولیت کے لیے بذریعہ بس جا رہے تھے ایک ریلوے کراسنگ پر بس ٹرین سے ٹکرا گئی۔ **20** افراد موقعہ پر ہلاک ہو گئے۔ مرنے والوں کے جسم کے اعضاء الگ الگ ہو گئے اس عبرت ناک واقعہ کو دیکھ کر مزید **15** دیہات احمدیت میں شامل ہو گئے۔

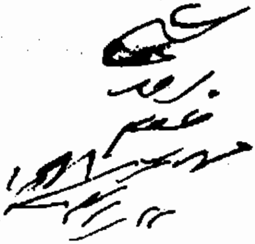

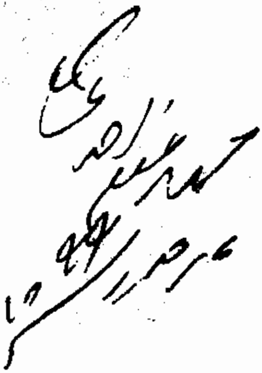

Mirza Ghulam Ahmad Qadiani presented two books to an Ahmadi at Qadian with his signatures and stamp on them.

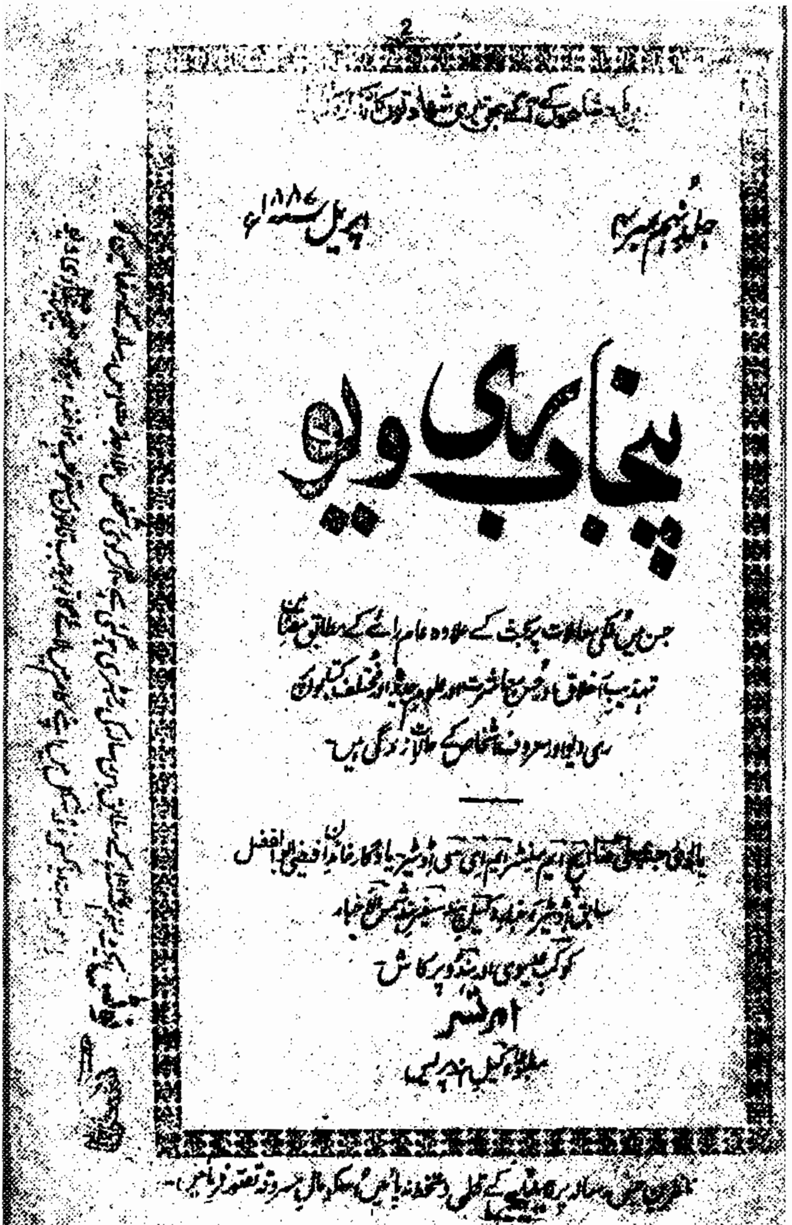

[illegible]

جلد نہم نمبر ۴

اپریل سنہ ۱۸۸۷ء

پنجاب ریویو

جس میں ملکی معاملات پر بحث کے علاوہ عام رائے کے مطابق مضامین
تہذیب اخلاق و رسم معاشرت اور علوم مفیدہ اور مختلف کتابوں
پر ریویو اور معروف اشخاص کے حالات زندگی ہیں

[illegible]

امرتسر

[illegible]

Punjab Reveiw Amritsar, April 1887, Mirza Ghulam Ahmad is regarded an unscrupulous subscriber by the journal. (serial No. 72)

THE HEAD OF THE AHMADIYYAH MOVEMENT.

★

by

SIR MUHAMMAD ZAFARULLAH KHAN

K.C.S.I., LL.D.

Judge, Federal Court of India, New Delhi.

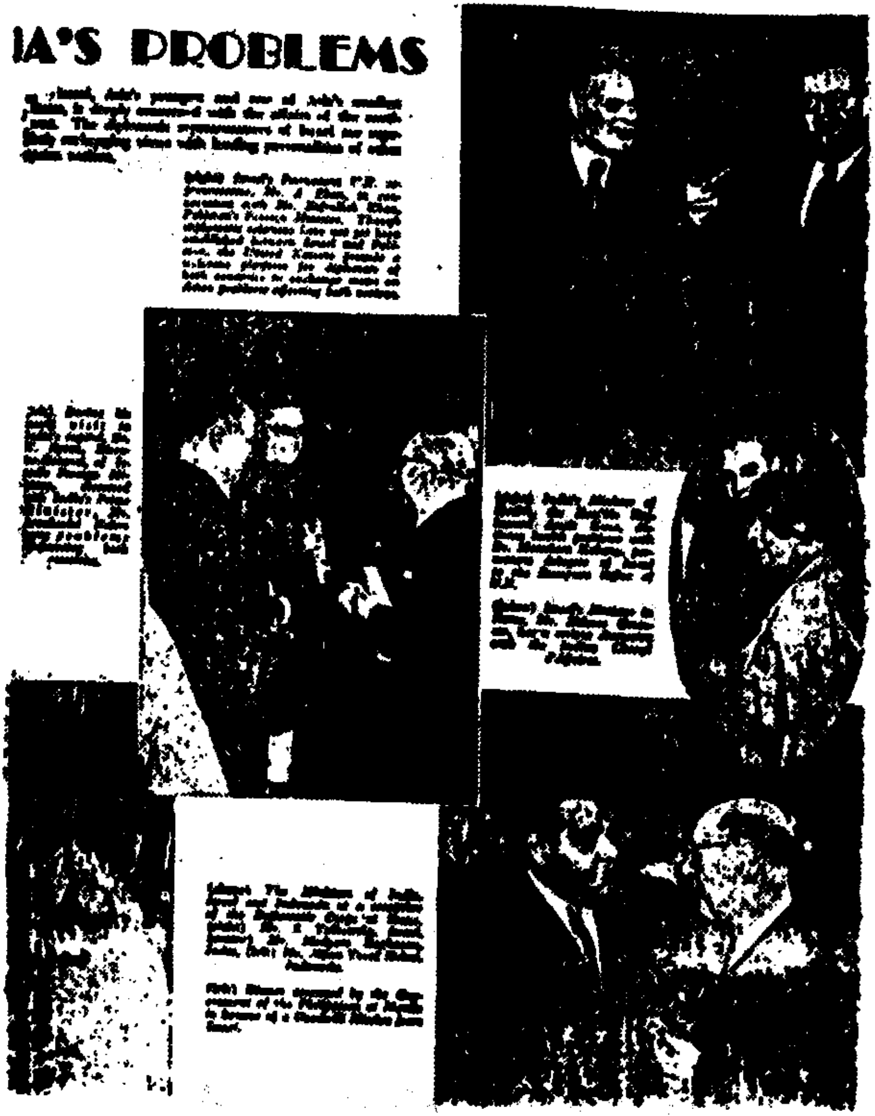

IA'S PROBLEMS

Zafarullah and the Israeli Envoy at the UN in 1952. *India and Israel Bombay , June 1952*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دارالامان مورخہ یکم جمادی الاول ۱۳۵۶ھ

کیا فلسطین کی تقسیم قیام امن کا موجب ہو گی؟

جب سے اکناف عالم کے یہود کو فلسطین میں داخل ہو کر وہاں مستقل رہائش اختیار کرنے اور اسے اپنا وطن بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اہل فلسطین میں سخت بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں فسادات کا ایک سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں سول حکومت کے قائم ہوتے ہی فسادات شروع ہو گئے۔ اور پہلے ہی دن سے اہل فلسطین نے آزادی کے حصول اور فلسطین کو وطن الیہود بنانے کی مخالفت میں جس جدوجہد کی ابتداء کی۔ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۳۶ء میں فسادات نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ حکومت برطانیہ کو اگست ۱۹۳۶ء میں ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا تا کہ وہ فسادات کے اندرونی اسباب کا تعین کرے اور جو شکایات درست ثابت ہوں انکے رفع کرنے کے متعلق سفارشات پیش کرے۔

اس کمیشن کی رپورٹ حال میں بیک وقت ہندوستان اور انگلستان میں شائع کی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ فلسطین کے متعلق مسلمانان ہند کے جذبات سے بھی حکومت برطانیہ لاعلم نہیں۔ اور وہ ان کو مطمئن کرنا چاہتی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ رپورٹ کا جو خلاصہ شائع ہوا ہے اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اہل فلسطین کی چیخ و پکار کی کچھ شنوائی ہوئی ہے۔

اس رپورٹ میں ایک طرف تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عربوں اور یہود میں اختلاف کی خلیج بہت بڑھ چکی ہے۔ اور اگر موجودہ صورت حالات قائم رہی تو اس میں اضافہ ہوتا جائیگا نیز یہ بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ عربوں کی مخالفت کو ان الطاف اور مراعات نے کم نہیں کیا۔ جنہیں یہود کی آمد کا نتیجہ بتایا جاتا ہے اور جن کا رپورٹ میں خاص ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف عربوں کے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا گیا ہے۔ کہ آئندہ یہود کو فلسطین میں نہ داخل ہونے دیا جائے اور فلسطین کو اہل فلسطین کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر وطن الیہود کو اب ایک عرب حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ تو برطانیہ کی دیانت اور عہد و پیمان پر دنیا میں کسی کو اعتبار نہ رہے گا اس بناء پر سفارش یہ کی گئی ہے۔ کہ فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ شمالی فلسطین کا بڑا حصہ اور اس کے علاوہ سمندر کے ساتھ کا علاقہ یہودیوں کے لیے مخصوص رہے گا۔ درمیان میں ایک مختصر سا قطعہ حکومت برطانیہ کے انتداب میں رہے گا۔ اور بقیہ علاقہ عربوں کے قبضہ میں رہے گا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کیا فلسطین کے یہ حصے بخرے برطانیہ کے عدل و انصاف کے لیے روا اور اہل فلسطین کے لیے باعث اطمینان ہو سکیں گے۔ اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔

پنجاب اسمبلی کی وزارت پارٹی کے بعض

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پونچھ کا حسن انتظام

پچھلے دنوں علاقہ پونچھ کے مسلمانوں میں جو بے چینی رونما ہوئی۔ اس کے متعلق ہمارے پاس نہایت ہی افسوسناک حالات پہونچے ہیں۔ شہر پونچھ سے تین چار ہزار کے درمیان کا قافلہ ہجرت کے نام سے سری نگر کو روانہ ہوا۔ لیکن چار ہی میل گیا ہو گا کہ بہت سے لوگ واپس آ گئے۔ اور پندرہ میل جانے تک تو سوائے چند شہری لوگوں کے سارے واپس لوٹ آئے اور جو باقی بچے تھے وہ بھی پھر پہلے پڑاؤ پر آ ٹھہرے۔ اور آخر تصفیہ ہونے پر وہ بھی اپنے گھروں کو آ گئے۔

اس موقعہ پر جہاں پونچھ کی حکومت نے دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمانوں کے مطالبات ایک حد تک منظور کر لئے۔ وہاں بعض حکام نے بھی بہت ہوشیاری اور عقلمندی کا ثبوت دیا۔ خصوصاً چودھری نیاز احمد صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے نہایت تدبر اور حسن انتظام سے کام لیا۔ اور غریب رعایا کو ہر قسم کے نقصان سے بچا لیا۔ ورنہ بہت ممکن تھا کہ گولی چل جاتی۔

احرار کو اپنی ناکامی کا اعتراف

احرار کو گزشتہ انتخاب اسمبلی میں جس قدر ناکامی و نامرادی کا مونہہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس کا کسی قدر ذکر حال میں مسٹر مظہر علی جنرل سیکرٹری احرار نے اس عذرداری کی سماعت کے موقعہ پر کیا ہے۔ جو چودھری افضل حق نے انتخاب میں ناکام ہونے کی خفت کو مٹانے کے لیے دائر کر رکھی ہے۔ چنانچہ مسٹر مظہر علی نے کہا۔

"ہم احرار پنجاب میں اپنی وزارت قائم کرنا چاہتے تھے اس کے لیے ہمیں یہ خیال تھا کہ اس میں ہر فرقہ کے آدمیوں کا شامل ہونا ضروری ہے"۔

پھر کہا:۔ "ہم اخیر وقت تک یہی کوشش کرتے رہے۔ کہ اسمبلی میں ہماری اکثریت ہو۔ اور وزارت ہماری ہو۔ ہم اس سلسلہ میں ہندوؤں سکھوں اور دوسری پارٹیوں سے بھی اتفاق رکھنا چاہتے تھے۔"

باوجود اس کے کہ احرار نے نہ صرف اپنے نمائندے کامیاب بنانے کے لیے بلکہ وزارت سنبھالنے کے لیے ہندوؤں اور سکھوں سے اس قدر اتفاق رکھا کہ شہید گنج کی مسجد کے انہدام کے خلاف انہوں نے زبان تک نہ ہلائی۔ بلکہ مسلمانوں کو سکھوں کی کرپان اور ہندوؤں کے سرمایہ سے خوفزدہ کر کے خاموش کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر نتیجہ کیا ہوا۔ یہ کہ سوائے ایک دو افراد کے ان کا کوئی نمائندہ کامیاب نہ ہو سکا۔ حتّٰے کہ ڈکٹیٹر احرار چودھری افضل حق کو بھی مونہہ کی کھانی پڑی۔ گویا اسلام اور مسلمانوں سے غداری کا انہیں پورا پورا صلہ مل گیا۔

مسجد شہید گنج کے انہدام کے وقت جب یہ کہا جاتا کہ احرار جمہور مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر سکھوں کی ہاں میں ہاں اس لیے ملا رہے ہیں کہ وہ آئندہ انتخاب میں وزارت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے۔ اور اس کا پورا ہونا سکھوں اور ہندوؤں کی خوشنودی پر منحصر سمجھتے ہیں۔ تو احرار شور مچا دیتے کہ یہ احرار کو بدنام کرنے کے لیے جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔ لیکن اب اس کا خود اقرار کر لیا گیا ہے۔ ایسے ہی موقعہ پر کہا جاتا ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

[illegible]

الفضل

قادیان دارالامان مورخہ ۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ

پنجاب اسمبلی اور مسئلہ فلسطین

ارکان نے اسمبلی میں ایک تحریک التوا پیش کرنے کی کوشش کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ فلسطین کے متعلق شاہی کمیشن کی رپورٹ پر بحث تمحیص کی جائے۔ اور ان احساسات اور جذبات کا اظہار کیا جائے جو مسلمانان پنجاب کے دلوں میں تقسیم فلسطین کے خلاف موجزن ہیں۔ گورنر پنجاب نے اس تحریک کے پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جس کی وجہ آنریبل سپیکر نے یہ بیان کی۔ کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق ملک معظم کی حکومت کے غیر ملکی معاملات سے ہے۔ ہز ایکسی لنسی گورنر پنجاب نے جو کچھ کیا۔ اپنے خاص اختیارات کے ماتحت کیا ہے اور اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یونی نسٹ پارٹی پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ گورنر کے مقابلہ میں وزیر اعظم معہ اپنی تمام پارٹی کے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ البتہ آنریبل سپیکر نے گورنر کی طرف سے اس نامنظوری کے جواز میں جو بات پیش کی ہے۔ اس کے متعلق ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتے ہیں۔

پہلا امر جو اس ضمن میں قابل غور ہے یہ ہے۔ کہ فلسطین میں کوئی غیر ملکی حکومت نہیں۔ اور اگر فلسطین کو سلطنت برطانیہ کا ایک جزو قرار دیا جائے۔ تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کا اس پر انتداب قائم ہے اور گو بظاہر یہ انتداب لیگ آف نیشنز کی طرف سے برطانیہ کو سونپا گیا ہے لیکن حقیقت میں فلسطین میں حکومت برطانیہ ہی تمام سیاہ و سفید کی مالک ہے۔ اور تمام انتظام اور پالیسی کی تشکیل و ترویج اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا فلسطین کو غیر ملک قرار دے کر اس پر اس امر کی بنیاد رکھنا کہ فلسطینی کمیشن کی رپورٹ پنجاب اسمبلی میں زیر بحث نہیں لائی جا سکتی۔ قابل پذیرائی امر نہیں۔

علاوہ ازیں مسئلہ فلسطین ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے تمام دنیا کے مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کے مسلمان شاہی کمیشن کی رپورٹ سے متاثر ہوئے ہیں۔ پنجاب اسمبلی میں اس رپورٹ پر بحث کرنے کے لیے تحریک التوا پیش کرنے کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ مسلمان اپنے خیالات اور جذبات کو حکومت پنجاب کے توسط سے برطانوی حکومت تک پہنچا دیں اور اس طرح اس امر کا اظہار کریں کہ انہیں فلسطین کے مسلمانوں سے ہمدردی ہے اور ہر وہ چیز جو مسلمانان فلسطین کے مصالح پر اثر ڈالتی ہے دوسرے مسلمانوں پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پس پنجاب اسمبلی کے ارکان کی پیش کردہ اس تحریک التوا کو غیر متعلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔

گورنر پنجاب اس سے پہلے بھی ایک تحریک التوا کو مسترد کر چکے ہیں اور وہ پنجاب و صوبہ سرحد کے پبلک سروس کمیشن کے متعلق تھی۔ وہ بھی اختیارات خصوصی کے ماتحت ہی نامنظور کی تھی۔

اتنے تھوڑے سے عرصہ میں دو دفعہ مداخلت جہاں نئے آئین کی حقیقت واضح کرتی ہے وہاں وزارت کے متعلق بھی کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرتی۔ آخر الذکر تحریک خود وزارت پارٹی کے ممبروں کی طرف سے پیش کی گئی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پارٹی معہ وزیر اعظم کے اس کی موید تھی اور اب جبکہ اسے مسترد کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وزیر اعظم کی پارٹی کی تجویز کو مسترد کر دیا گیا۔ ایسی صورت میں خودداری کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وزارت اس بارے میں اپنی پارٹی کا ساتھ دیتی ہوئی گورنر سے اختلاف رکھتی ہے تو وہ اس کا عملی طور پر اظہار کرے۔ اور ان اعلانات کا احترام کرتی ہوئی کرے جو اس وقت تک اپنے وقار کے متعلق کر چکی ہے۔ مثلاً آنریبل وزیر اعظم اپنی ایک تقریر میں فرما چکے ہیں کہ اگر وزارت کو کسی معاملہ میں گورنر سے اختلاف پیدا ہوا تو وہ اس کا کھلے بندوں اظہار کرے گی اور اگر اس نے مناسب سمجھا۔ تو وہ مخالف بنچوں پر بیٹھنے سے بھی دریغ نہ کرے گی۔ لیکن اگر وزارت عظمیٰ گورنر کے فیصلہ کے ساتھ اتفاق رکھتی ہے تو پھر اسے یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ وہ اس تجویز کے پیش کرنے میں اپنی پارٹی کے ساتھ متفق نہ تھی۔

مرکزی اسمبلی میں بھی اسی قسم کی تحریک التواء کے پیش کئے جانے کا نوٹس دیا گیا ہے ممکن ہے گورنر جنرل بھی اختیارات خصوصی کا استعمال کرتے ہوئے اس کے پیش ہونے کی اجازت نہ دیں۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو یہ اور بھی زیادہ قابل افسوس بات ہوگی۔ کیونکہ ہندوستان لیگ آف نیشنز کا ممبر ہے۔ اور چونکہ حکومت برطانیہ فلسطین پر اپنا حق انتداب لیگ کی طرف سے استعمال کرتی ہے۔ اس لیے لیگ کا ممبر ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کا حق ہے کہ ایسے معاملہ پر بحث کرے۔

کانگرسی وزراء کی تنخواہیں

کانگرس کے ارباب حل وعقد نے یہ تو کہہ دیا۔ کہ کانگرسی وزراء کی تنخواہیں پانچ سو روپیہ سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس میں دوسرے طریقوں سے کافی سے بھی زیادہ اضافہ کرلیا جائے گا۔ چنانچہ سی پی اسمبلی کے وزراء تنخواہ تو پانچسو روپیہ ہی لیں گے۔ لیکن موٹر اور گھر کا الاؤنس علاوہ ازیں وصول کریں گے۔ جو چھ سو سے کم نہیں ہوگا۔ گویا الاؤنس تنخواہ سے بھی زیادہ رکھ دیا گیا۔ اوراس طرح گیارہ سوروپے انہیں مل جایا کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ تنخواہ کم کیوں رکھی گئی ہے اگر تنخواہ کی کمی ملک کی اقتصادی حالت کی وجہ سے تھی۔ تو کیا الاؤنس کے نام پر روپیہ وصول کرلینے کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ کاش کانگرسی وزراء اس پہلو سے صحیح معنوں میں نمونہ بنتے۔

پنڈت جواہر لال کی موٹر پر سنگ باری

یہ خبر نہایت ہی افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ پنڈت جواہر لال نہرو کی موٹر پر ایک مقام اوڑائی میں چند لڑکوں نے سنگ باری کی جس سے موٹر کے شیشے ٹوٹ گئے۔ چونکہ موٹر کو تیز کر دیا گیا۔ اس لیے کوئی اور واقعہ رونما نہ ہوا۔ اگر یہ محض چھوٹے بچوں کی طفلانہ شرارت نہیں تو جن لوگوں کا اس میں ہاتھ تھا انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر شریف انسان ان کو شرافت سے عاری سمجھے گا۔

درس وتدریس

عرصہ زیر رپورٹ میں حسب دستور قرآن کریم
تجرید بخاری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
مختلف تحریرات کا درس جاری رہا۔ علاوہ بریں
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ

فلسطین میں تبلیغ احمدیت

جماعت احمدیہ کی دینی تعلیم و تربیت اور دلچسپ مذہبی گفتگو

بنصرہ العزیز کے خطبات بھی احباب کے گوش گزار کئے گئے۔ اثنائے درس میں جو سوالات پیش کئے جاتے رہے ہیں ان کے جوابات دیئے گئے۔ درس میں احمدی احباب کے علاوہ غیر احمدی بھی شامل ہوتے رہے۔ اور خدا کے فضل سے اچھا اثر لے کر گئے۔ میں نے ہمیشہ اس امر کو بہ شدت محسوس کیا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر جو احمدیت کے نقطہ نگاہ سے پیش کی جائے۔ وہ اپنے اثرات کے لحاظ سے بے حد موثر ہوتی ہے۔ جبکہ بالمقابل گذشتہ تفاسیر کے حوالے بھی پبلک میں لائے جائیں۔ میں نے جب بھی یہ طریق اختیار کیا اس یقین پر پہونچا ہوں کہ غیروں کو حق و صداقت کے قریب لانے کے لیے یہ ایک شاندار ذریعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے

گر نبودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ
کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را

ملاقاتیں

جماعت احمدیہ کبابیر کے ایک نہایت ہی مخلص احمدی نوجوان السید محمد صالح کے مکان پر چھ ماہ کے اندر اندر بعض بدقماش فتنہ پرداز رات کے وقت دو دفعہ مسلح حملہ کر چکے ہیں اور گو ہر دو دفعہ اللہ تعالے نے انہیں ناکام و نامراد رکھا۔ تاہم ہمارے لیے یہ بہت ضروری ہو گیا کہ بہ حد امکان اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔ چنانچہ ہم نے ڈسٹرکٹ کمشنر ناردرن ڈسٹرکٹ حیفا کی خدمت میں ایک مفصل چٹھی لکھی۔ اور اسلحہ رکھنے کی اجازت چاہی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم نے متعلقہ پولیس کو ہدایت کر دی ہے کہ ہفتہ میں کم از کم دو دفعہ کبابیر کو اپنی گشت میں شامل کرلے۔ حادثہ کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے۔ یہ جواب تو غیر تسلی بخش تھا ہی اس پر دوسرا حادثہ مستزاد ہمیں زیادہ تگ و دو سے کام لینا پڑا اور اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ کمشنر حیفا سے ملاقات کر کے حالات بیان کئے گئے اور احمدیت کی مختصر تاریخ سے ان کو آگاہ کیا گیا۔ آپ مذہبا مسلمان تھے۔ اس لیے توجہ سے ہمارا پیغام سنتے رہے اور بالآخر آپ نے ہمیں اسلحہ رکھنے کی بھی اجازت دے دی۔

قائم مقام اسسٹنٹ کمشنر دائرۃ المہاجر حیفا مذہبا یہودی ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے احمدیہ نقطہ نگاہ کے لحاظ سے فلسطین کی موجودہ سیاسی شورش پر تبصرہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو امن و سلامتی کا حقیقی علمبردار ہے۔ اور جس نے ہر حالت میں ہر قسم کے جانی دشمنوں کے حق میں بھی عدل و انصاف اور بہ شرط گنجائش رحم سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ تقریبا ایک گھنٹہ تک ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخر آپ نے وعدہ کیا کہ سلسلہ کا لٹریچر اگر انہیں دیا گیا تو ضرور مطالعہ کریں گے۔

پولیس سٹیشن جبل الکرمل میں پہنچ کر انسپکٹر سب انسپکٹر اور دیگر سپاہیوں کو جن میں مسلمان مسیحی اور یہودی بھی شامل ہیں۔ احمدیت کی تبلیغ کی گئی اور عربی و انگریزی لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا۔

دلچسپ مکالمہ

عرصہ زیر رپورٹ میں ایک مسلمان نوجوان سے جو خلیل میں ٹیچر ہیں ملاقات ہوئی۔ خلیل ایک مشہور قصبہ ہے۔ بیت المقدس سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر یہاں سینکڑوں قبریں ایسی ہیں۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان میں اکثر انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ آغاز گفتگو کے لیے میں نے پوچھا آپ براہ نوازش یہ بتائیں گے کہ خلیل میں کیا کچھ قابل دید مقام ہیں؟

وہ خلیل میں ایک عظیم الشان قبرستان ہے۔ جس میں بے شمار انبیاء مدفون ہیں۔ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی قبروں کی تو معین طور پر نشان دہی ہو چکی ہے

میں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی وہاں موجود ہے؟

وہ نہیں۔ بلکہ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کی قبر غیر معروف ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے کثیب احمر کے قریب آپ کی قبر کا پتہ دیا ہے۔ مگر ہمارے پاس اس کا یقینی ثبوت کوئی نہیں؟

میں۔ اس صورت میں اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہی نہیں ہوئے ورنہ بتاؤ کہاں مدفون ہیں۔ تو غالبا وہ حق بجانب ہوگا

وہ ہولہ۔ بھلا یہ بھی کوئی معقولیت ہے۔ کہ آج سے ہزاروں سال پیشتر کے ایک نبی کو صرف اس لیے زندہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان کی قبر ہمیں معلوم نہیں کتنے ہی نبی اور غیر نبی پیوند خاک ہو چکے ہیں مگر ہمیں ان کی قبریں معلوم نہیں تو کیا وہ سب زندہ ہیں؟

میں۔ بالکل بجا ارشاد ہوا اچھا یہ تو فرمایئے اس مقبرہ انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا بھی کوئی نشان ملتا ہے؟

وہ! اوہو! آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بقید حیات موجود ہیں پھر آپ کی قبر کیسی؟

میں۔ مگر ہمارے نبی ﷺ تو فوت ہو چکے اور مدینہ منورہ میں آپ کی قبر بھی موجود ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر آج تک زندہ ہیں

[illegible] مسلمانوں کی نہایت محبوب اور بے نظیر [illegible]
رسالہ
زندہ موت
مفت حاصل کرنے کیلئے اپنے علاقہ کے بارسوخ پڑھے لکھے دس دوستوں کے
مکمل پتے ایک خط پر لکھکر ارسال کریں رسالہ مفت روانہ کر دیا جائیگا
ڈاکٹر ابراہیم اسماعیل نمبر ۳۹ میکلوڈ روڈ - لاہور

تو اس سے تو عیسائیت کو بہت مدد ملتی۔ اور آنحضرت ﷺ کی ہتک ہوتی ہے اور پھر اس عقیدہ سے تو الوہیت مسیح بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں جس کا جواب خدا نے یہ دیا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا اے رسول انہیں کہہ دے کہ میرے آسمان پہ جانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) خداوند تعالیٰ اپنی خاص قدرت کا اظہار فرمائے اور مجھے آسمان پر اٹھالے (۲) یا میں خود بخود آسمان پر چلا جاؤں سو پہلی شق کا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت کا اظہار نہیں کیا کرتا کیونکہ یہ فعل اس کی سبوحیت کے خلاف ہے۔ رہی دوسری شق سو تم جانتے ہو کہ میں بشر رسول ہوں۔ اور بشر آسمان پر نہیں جا سکتا۔ اب اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ سمجھ لیا جائے تو دو باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی۔ اگر خدا تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا ہے۔ تو وہ سبوح نہ رہا اور اگر مسیح علیہ السلام خود بخود پرواز کر گئے ہیں تو وہ بشر نہ رہے بلکہ الٰہ بن گئے۔ پہلی شق اتفاق فریقین باطل ہے۔ البتہ دوسری شق عیسائیوں کا عین مقصد ہے۔ اور مسلمان مہر بہ لب۔ اب آپ غور فرمائیں کہ حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ نے آپ کے دین و ایمان پر حد درجہ مہلک حملہ کیا۔ یا نہیں۔؟ وہ آپ کا بیان بلاشبہ دلچسپ اور موثر ہے۔ مگر دیکھئے آنحضرت ﷺ تو مدینہ میں مدفون ہیں۔ اور لوگ ہمیشہ آپ کی قبر کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ اصرار کرے کہ مسیح علیہ السلام کے مزار کا پتہ دو۔ ورنہ انہیں مردہ نہ کہو۔ تو اسے کیا جواب دیا جائے گا میں اس امر کا نہایت معقول جواب تو آپ خود آغاز گفتگو میں دے چکے ہیں۔ اس لیے مجھ سے استفسار کی ضرورت نہیں۔ البتہ آپ کے علم میں اضافہ کی خاطر یہ بتائے دیتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مزار کہاں ہے۔ آپ نوٹ کر لیں۔ محلہ خانیار شہر سری نگر۔ کشمیر الہند۔ کیا آپ نے قرآن کریم میں نہیں پڑھا و اوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین۔ یعنی ہم نے مریم اور ابن مریم کو صلیب کے واقعہ ہائلہ سے نجات دے کر آسمان پر نہیں۔ بلکہ ایسی جگہ پہنچا دیا۔ جو میدانی علاقہ کی نسبت بلند اور ٹیلوں والی زمین ہے۔ آرام گاہ اور خوشگوار پانی کے چشموں کی زمین اور تاریخی روایات کی بناء پر یہ امر ثابت ہے۔ کہ اس زمین میں مراد وادی کشمیر ہے۔

اس پر وہ حیران سے ہو گئے اور پوچھنے لگے۔ کہ یہ تحقیقات کس نے کی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کیا گیا اور احمدیت کی مفصل تبلیغ کی گئی۔ ان کے ساتھ تین اور مدرس بھی کام کرتے تھے۔ بلا لائے۔ اور باری باری سب مختلف اعتراض پیش کرتے رہے۔ جن کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے۔ یہ مجلس ایک کھلے ہال میں تھی۔ حاضرین کی تعداد بیس کے قریب ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حسب منشا تبلیغ ہو گئی۔

مختلف مقامات میں تبلیغ

عرصہ زیر رپورٹ میں انصار اللہ نے مختلف دیہات میں دورے کئے اور تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا۔ طیرہ، حیفا، نحف، عسکا اور کھلی فضا میں عربوں کے خیموں میں پہنچ کر احمدیت کا پیغام پہنچایا گیا۔ انصار اللہ میں سے السید محمد صالح۔ السید عبدالقادر صالح۔ السید محمود صالح۔ السید عبدالمالک۔ الشیخ حسین علی۔ الشیخ عبدالرحمن برجاوی کی مساعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب دوستوں نے کم و بیش اڑھائی صد ٹریکٹ و اشتہارات تقسیم کئے۔ ان دوروں کے نتیجہ میں مختلف دیہات سے بعض لوگ بغرض تحقیق مرکز میں آئے۔ انہیں اچھی طرح تبلیغ کی گئی۔ اور لٹریچر برائے مطالعہ دیا گیا۔

مولد النبی اور میرا لیکچر

۲۲ مئی مولد النبی کی تقریب پر احباب جماعت احمدیہ حیفا و کبابیر نے جامع سیدنا محمود میں ایک جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس موقعہ پر معزز غیر احمدیوں کو دعوت شمولیت دی چنانچہ جلسہ ہوا جس میں بعض ملازمت پیشہ و تجار غیر احمدی معززین شامل ہوئے۔ جماعت کے بعض دوستوں کے علاوہ میرا لیکچر ہوا۔ دوران تقریر میں مسلمانوں کی موجودہ بدحالی اور عجیب و غریب حالات پر مختصر تبصرہ کے بعد میں نے یہ سوال اٹھایا۔ کہ اگر کوئی شخص صرف اس لیے صادق قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے ماننے والے حیا سوز اور ننگ انسانیت رسوم کے والہ و شیدا ہیں۔ تو پھر آنحضرت ﷺ ہی کی صداقت نہیں بلکہ ہر کہ و مہ کی سچائی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ رسوم مروجہ کی پابندی دراصل حق و صداقت کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس لیے اہل اسلام کا فرض ہے کہ نہ صرف ان عادات قبیحہ سے دستکش ہو جائیں بلکہ اپنے قول و فعل سے بانی اسلام کی سچائی کا ثبوت مہیا کریں۔ تا کہ تعلیم یافتہ اور تہذیب نو کے دلدادوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی اس نور کو شناخت کر سکیں۔ جس نے کفر و الحاد کی تمام ظلمتوں کو دور کر کے رکھ دیا۔ ازاں بعد اس سوال کا جواب دیا۔ کہ دنیوی مصلح اور روحانی مصلح میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تقریر بہت موثر ثابت ہوئی جس کا اعتراف غیر احمدیوں نے کھلے طور پر کیا۔ اور حیرت سے کہا کہ یہ تو بالکل نئی باتیں ہیں۔ جو ہم نے کبھی سنی نہیں۔ اگر احمدیہ جماعت اس رنگ میں اسلامی آواز بلند کر رہی ہے۔ تو اس کی مساعی ہر شریف آدمی کی نظر میں قابل صد آفرین ہیں۔

البشریٰ

خدا تعالیٰ کے فضل سے رسالہ "البشریٰ" کی خریداری بڑھ رہی ہے۔ اور اپنے اثرات کے لحاظ سے بھی بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ بلاد عربیہ کے مختلف شہریوں سے ایسے خطوط آتے رہتے ہیں۔ جن میں رسالہ کی تعریف ہوتی ہے۔ اور یہ دعائیں درج ہوتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری تبلیغی مساعی کو بارآور فرمائے۔

مدرسہ احمدیہ

مدرسہ احمدیہ واقعہ کبابیر کی ہر دو شاخیں مدرسۃ الاولاد و مدرسۃ البنات خدا کے فضل و کرم سے کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔ اس وقت مدرسہ میں دو معلم کام کر رہے ہیں۔ کورس کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ ہمارا مدرسہ فلسطین کے کسی مدرسہ ابتدائیہ سے پیچھے نہیں بلکہ بہت آگے ہے۔ اس وقت تمام طالب علموں کی تعداد ۴۵ ہے جو کبابیر ایسے چھوٹے سے گاؤں کے لحاظ سے اچھی خاصی تعداد ہے چونکہ یہ گاؤں دوسرے دیہات سے بہت فاصلہ پر واقع ہے۔ اس لیے باہر سے طلباء یہاں نہیں آ سکے۔

درخواست دعا

بالآخر احباب کرام سے دردمند دل کے ساتھ متواتر دعاؤں کے لیے التجا ہے تا اللہ تعالیٰ بلاد عربیہ میں احمدیت کا دن دوگنی اور رات چوگنی ترقیات عطا فرمائے۔ وھو المولی و نعم النصیر خاکسار محمد سلیم مبشر۔ بلاد عربیہ

تحریر اور تقریر میں نا ملائم الفاظ استعمال کرنے پر تنبیہ

کچھ عرصہ ہوا بعض احمدی احباب کی طرف سے تقریر اور تحریر میں بعض نا مناسب الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ جس سے یہ امکان تھا کہ دوسری اقوام کی دل آزاری ہو۔ حالانکہ دوسری اقوام کے ساتھ جماعت کے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے لیے مرکز کی طرف سے خاص مساعی ہوتی رہتی ہیں۔ ایسے الفاظ کے استعمال سے سلسلہ کی شہرت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اور دوسری قوموں میں ناگوار جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے احباب کو سختی سے تنبیہ کی گئی ہے تا وہ آئندہ محتاط رہیں۔ چنانچہ ان پر تقاریر کے متعلق پابندی عائد کردی گئی ہے۔ اور یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ تا دوسرے احباب کو علم ہو جائے کہ دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات میں رواداری و حسن سلوک اور مباحثہ و مناظرہ میں برادرانہ رنگ میں تحقیق حق کا اظہار ہو نہ کہ مقابلہ و مجادلہ کا رنگ پیدا ہو جائے۔ ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دارالامان مورخہ ۲۳ رجب ۱۳۵۶ھ

معاملات فلسطین اور مسلمانان ہند

ایک عرصہ سے مسلمانان ہند میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے۔ جو ایک طرف تو خواہ مخواہ مسلمانوں کی مذہبی اور دنیوی راہ نمائی کا دعویدار ہے اور دوسری طرف طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے غریب مسلمانوں کے پیٹ کاٹ کر عیش و عشرت کرتا ہے۔ یہ لوگ ہر وقت اس تاک میں لگے رہتے ہیں کہ ہندوستان میں یا بیرون ہند کوئی ایسا واقعہ رونما ہو۔ جس سے مسلمانوں کو دلچسپی ہو سکتی ہو۔ تو وہ برسر عام آ جائیں اور اس قسم کے بڑے بڑے دعوے کرنے کے بعد کہ ہم یہ کر دیں گے۔ وہ کر دیں گے۔ چندہ مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر جب تک چندہ ملتا رہے۔ اس وقت تک شور و غوغا مچائے رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں۔ تو اس وقت تک کے لیے روپوش ہو جاتے ہیں۔ جب تک کوئی نیا حادثہ ظہور پذیر نہ ہو۔

مسلمانان ہند کے ساتھ یہ کھیل ایک عرصہ سے کھیلا جا رہا ہے۔ کچھ عرصہ سے فلسطین میں جو شورش برپا ہے۔ اور مسلمانان فلسطین جن مشکلات میں سے گزر رہے ہیں۔ وہ چونکہ ہر مسلمان کے لیے درد انگیز ہیں اس لیے اس طبقہ کے لوگوں نے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لیے دہلی میں فلسطین کانفرنس منعقد کی۔ اور چند قراردادیں پاس کر دیں ہم نے اسی وقت لکھ دیا تھا۔ کہ وہ محض نمائشی قراردادیں ہیں۔ اور پاس کرنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ نہ ان پر وہ عمل کر سکتے ہیں۔ اور نہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس کانفرنس کی مقرر کردہ ''مجلس عمل'' صحیح معنوں میں بے عمل ثابت ہوئی۔ البتہ فلسطین کانفرنس کے ٹکٹ فروخت ہونے سے ہزاروں روپیہ کی جو آمدنی ہوئی تھی۔ اس کے متعلق ایک راز دان ایڈیٹر صاحب ''پیشوا'' دہلی کا بیان ہے کہ اس کا بیشتر حصہ پلاؤ۔ قورمے اڑانے پر صرف ہوا۔ اور جب مطالبہ کیا گیا۔ کہ فلسطین کانفرنس دہلی کے حسابات شائع کئے جائیں تو بالکل خاموشی اختیار کر لی گئی۔

یہی نہیں بلکہ یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ فلسطین کے مسلمانوں کی امداد کے لیے جو کانفرنس منعقد کی گئی۔ اور اس میں جو مجلس عمل بنائی گئی۔ اس کی اصل غرض و غایت ہی یہ تھی۔ کہ سرمایہ دار یہودیوں کے ہاتھ قلاش مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے فروخت کر دیا جائے اور اس کے ثبوت میں کہا جاتا ہے کہ باوجود وعدہ کے اور بار بار کے مطالبہ کے مجلس عمل نے کوئی پروگرام پیش نہ کیا۔ فلسطین کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ مسلمانان فلسطین کی مشکلات اور مصائب پہلے سے بہت بڑھ گئیں ہر طرف سے فلسطین کی حمایت کی آوازیں بلند ہوئیں لیکن اگر پوری طرح سکون اور خاموشی طاری رہی۔ تو اس مجلس عمل پر جو فلسطین کے مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے اور ان کے مطالبات پورے کرانے کے لیے بنائی گئی تھی۔

آج کل پھر کلکتہ میں ایک فلسطین کانفرنس منعقد کر کے کچھ قراردادیں منظور کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ تقسیم فلسطین خواہ وہ کسی شکل میں کیوں نہ ہو۔ مسلمانان ہند منظور نہ کریں گے دوسری یہ کہ ہز ہائی نس سر آغا خان صدر اسمبلی لیگ سے درخواست کی جائے۔ کہ وہ فلسطین کے مسئلہ میں مسلمانان ہندوستان اور مسلمانان عالم کے جذبات کی انجمن اقوام میں ترجمانی کریں۔

تیسری یہ کہ ایک وفد اسلامی ممالک اور یورپین ممالک کو بھیجا جائے تا کہ یہ مسلمانان ہند کے جذبات متعلقہ فلسطین کی ترجمانی کرے اور تقسیم فلسطین کی اسکیم کے خلاف رائے کا فیصلہ کرے۔

چوتھی یہ کہ برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ شرق قریب اور شرق وسطی کے متعلق اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے۔ اور لیگ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ طاقت ور حکومتوں کے جبر و استبداد سے مجبور اور چھوٹی اقوام کو بچانے کے لیے تدابیر اختیار کرے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ موجودہ انتدابی حکومت فلسطین ان ذمہ داریوں کی سرانجام دہی میں قطعی قاصر رہی ہے جو باشندگان فلسطین کے شہری اور مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے لیگ نے اس کے سپرد کیے تھے۔ اور فلسطین کے باشندگان کے سیاسی حقوق میں اس نے مداخلت کی ہے۔ لہذا لیگ کو انتداب فلسطین کا خاتمہ کر کے ارض مقدس فلسطین کو اس کے باشندوں کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

بے شک ان قراردادوں کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے۔ جس پر عمل کرنا ناممکن ہو اور جو صرف زیب کانفرنس کے لیے بیان کی گئی ہو۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ تمام قراردادیں عاجزانہ التجاؤں اور بے کسانہ درخواستوں پر مشتمل ہیں۔ اور ظاہر کر رہی ہیں کہ ان کو مرتب کرنے والے اپنی بے دست و پائی کا مضطربانہ مظاہرہ کر رہے ہیں اور یہ جانتے بوجھتے کر رہے ہیں۔ کہ طاقت اور قوت توپ اور تفنگ کی دنیا میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اب ان قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے کے نام سے چندہ طلب کیا جائے گا۔ اور پھر اگر وہ اسی مقصد کے لیے صرف کیا جائے۔ تو بھی یہ بے نتیجہ کام ہو گا۔ نہ لیگ آف نیشن میں شنوائی ہو گی۔ نہ یورپین ممالک ہندوستانی مسلمانوں کے وفد کے پہونچنے پر فلسطین کو برطانیہ کے انتداب سے آزاد کرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ نہ برطانیہ اپنی پالیسی بدلنے کے لیے تیار ہو گا۔ پھر اس ضیاع مال و اوقات سے کیا فائدہ؟ اور اس طرح اپنی بے وقری کرانے کی کیا ضرورت؟ مگر کوئی نہ کوئی شاخسانہ اس قسم کا کھڑا ہی رہتا ہے اور مسلمانان ہند ناکامیوں اور نامرادیوں کے کچھ ایسے عادی ہو چکے ہیں کہ انہیں ناکامی کا کچھ احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور اس طرح روز بروز ان کی قوت عمل سلب ہوتی جا رہی ہے۔

کاش وہ لوگ جو مسلمانوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ اس طرف توجہ کریں اور بے نتیجہ باتوں میں مسلمانوں کو الجھاتے اور ان کا مالی اور جانی نقصان کرانے کی بجائے انکی اندرونی اصلاح و ترقی کے لیے کوشش کریں۔ ان کی تنظیم اور اتحاد کو مضبوط بنائیں تا کہ مسلمان

زندہ قوم کہلائیں اور ان کی کسی بات کا کسی پر اثر بھی ہو۔

فلسطین...... مولوی ابوالعطا صاحب

جناب مولوی ابوالعطا صاحب جالندھری نے فرمایا:

بھائیو اللہ تعالیٰ نے قریباً نصف صدی پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی یدعون لک ابدال الشام کہ ملک شام کے ابدال و اقطاب تیرے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ فلسطین شام ہی کا حصہ ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی الموعود ایدہ اللہ بنصرہ نے اپنے تبلیغی سفر یورپ سے واپسی پر اوائل ۱۹۲۵ء میں جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور جناب مولوی جلال الدین صاحب شمس کو دمشق روانہ فرمایا۔ ۱۹۲۸ء کے شروع میں جناب شاہ صاحب واپس تشریف لا چکے تھے۔ جناب مولوی شمس صاحب پر خنجر سے حملہ ہوا اور وہ سخت زخمی ہوئے۔ محترم اللہ کے فضل سے جانبر ہوئے۔ شام کی حکومت نے عوام کے شور سے ڈر کر شمس صاحب کو دمشق چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اور حضرت امیر المومنین اید اللہ بنصرہ العزیز کے حکم سے وہ حیفا فلسطین میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں نہایت محنت اور جانفشانی سے پیغام احمدیت پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں شاندار کامیابی عطا فرمائی۔ چنانچہ الٰہی نوشتوں کے مطابق کرمل پہاڑ پر احمدیہ جماعت قائم ہو گئی۔ ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خاکسار فلسطین روانہ ہوا۔ شمس صاحب ہندوستان تشریف لے آئے۔ خاکسار نے ستمبر ۱۹۳۱ء سے فروری ۱۹۳۶ء تک بلاد عربیہ میں اسلام و احمدیت کا پیغام بندگان خدا تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے فلسطین میں بیعت کنندگان کی تعداد کا اندازہ پانچ صد نفوس ہے۔ وہاں پر احمدی لڑکوں کے لیے مدرسہ ہے احمدیوں کے لیے علیحدہ مدرسہ احمدیہ ہے۔ جماعت کا اپنا پریس ہے۔ جس میں عربی۔ انگریزی اور عبرانی ہر قسم کی کتابیں اور اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو تبلیغ اسلام کی جاتی ہے۔ عربی بولنے والی ساری دنیا میں وہاں سے لٹریچر بھیجا جاتا ہے۔ اوائل ۱۹۳۵ء سے وہاں سے ماہوار رسالہ البشریٰ جاری ہے۔ فلسطین کی جماعت نہایت مخلص جماعت ہے۔ وہ ہزار ہا روپیہ سالانہ چندہ دے رہے ہیں۔ متعدد اصحاب نے اپنی آمدنی میں ۱/۱۰ اور ۱/۵ تک کی وصیت کر دی ہے۔ بعض دوستوں نے اپنے بچوں کو وقف کیا ہے تاکہ وہ قادیان آکر دینی تعلیم حاصل کریں۔ اور سلسلہ کے مبلغ ہوں۔ جب ان لوگوں کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہوتا ہے تو بے ساختہ ان کے مونہہ سے نکلتا ہے "علیہ الصلوٰۃ والسلام" میرے واپس آنے پر جناب مولانا محمد سلیم صاحب وہاں کے انچارج مبلغ تھے۔ ان کے بعد اب کئی سال سے جناب چودھری محمد شریف صاحب مولوی فاضل نہایت محنت سے تبلیغ اسلام و احمدیت کر رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ صاحبہ ان کے ہمراہ تھیں جن کا انتقال ہو گیا ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولوی صاحب موصوف خطرات کے باوجود پیغام حق پہنچا رہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ کہ میں تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ وہ مشیت ایزدی اور کلام خداوندی کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فضل عمر ایدہ اللہ کے عہد فاروقی میں پورا ہو رہا ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شام...... سید زین العابدین صاحب

جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے فرمایا:

احباب آج ہم ہوشیار پور میں ایک عظیم الشان شہادت دینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اس شہر میں ۵۸ سال قبل عالمگیر ضلالت کے ایام میں اس کی اصلاح کے لیے اور قصر اسلام کی خستہ حالی کے ایام میں اس کی نوتعمیر کا ایک مفصل خاکہ تیار ہو کر ایک عظیم الشان پیشگوئی کی صورت میں اعلان ہوا تھا کہ یہ نوتعمیر پسر موعود کے ہاتھوں تکمیل پائے گی۔ اس اعلان میں بڑی تحدی کے ساتھ یہ کہا گیا تھا کہ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ آپ کو مبارک ہو کہ وہ موعود پسر آج آپ کے درمیان تشریف فرما ہے۔

اس مبارک موعود کے ہاتھوں سے اسلام کے جس قصر نو کی بنیادیں قائم کی جا رہی ہیں۔ ان میں کام کرنے کے لیے جن مزدوروں اور خادموں کو منتخب کیا گیا۔ ان میں سے ایک یہ خاکسار بھی ہے۔ آپ نے اپنی تربیت کا ہاتھ مجھ پر رکھا۔ اور ۱۹۲۵ء میں مجھے اور مولوی جلال الدین صاحب شمس کو اس لیے دمشق بھیجا کہ ہم بلاد عربیہ میں تبلیغ احمدیت کا مرکز قائم کریں۔ ۱۹۲۴ء میں آپ نے جب یورپ کا سفر کیا تو آپ دمشق بھی تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے ہمیں وہاں بھیجا کئی قسم کی مخالفتوں کے بعد آج یہ حالت ہے کہ عربوں کے درمیان ہمارا کامیاب تبلیغی مرکز قائم ہے یہ ناظر صاحب بیت المال بیٹھے ہیں۔ اور یہ ۷ فروری کا سال کا پرچہ میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں بلاد عربیہ میں تبلیغ احمدیت کے متعلق جو رپورٹ چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جماعت احمدیہ کبابیر اور حیفا نے گزشتہ چار ماہ میں اڑھائی ہزار روپیہ مرکز احمدیت یعنی قادیان بھیجا۔ مقامی اخراجات اور دوسری تبلیغی ضروریات پر جو کچھ خرچ کیا گیا وہ علیحدہ ہے۔ ایسا ہی دمشق میں بھی ایک مشن قائم ہے۔ پس آج وہ زمانہ ہے۔ کہ ہمارے عرب بھائی دوش بدوش کھڑے ہو کر اور ہمارے ساتھ مل کر حضرت مسیح موعود کا پیغام پورے عرب میں پہنچا رہے ہیں۔ ہندوستان میں بعض کہا کرتے تھے کہ ہم تب مانیں گے۔ جب عرب لوگ احمدیت قبول کریں گے۔ سو آج یہ حجت بھی پوری ہو چکی۔ اے اہلیان ہوشیار پور خدا تعالیٰ کی وہ بات پوری ہو گئی۔ جس کا اعلان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت گمنامی کی حالت میں اسی ہوشیار پور سے ۵۸ سال پہلے کیا تھا اور ثابت ہو گیا۔ اب اسکے بعد انتظار کیا۔

قادیان ۲۷ فروری۔ کل جب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے یہ اطلاع موصول ہوئی۔ کہ آج سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ کو سر گنگا رام ہسپتال میں لے جائیں گے تو مسجد مبارک میں سیدہ موصوفہ کی صحت و عافیت کے لیے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجتماعی دعا کی۔

رات کو قریباً ۱۲ بجے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے بذریعہ فون مطلع فرمایا کہ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ کو آج ایک بجے دن کے سر گنگا رام ہسپتال میں لے گئے ہیں اس وقت ضعف کی حالت ہے ٹھنڈے پسینے آ رہے ہیں دل گر رہا ہے۔ نبض بہت کمزور ہے۔ سب وہیں ہسپتال میں ہیں دعا کی بہت ضرورت ہے۔

آج صبح ۲/۱/۲ بجے یہ اطلاع موصول ہوئی۔ کہ ام طاہر احمد صاحبہ کی طبیعت پونے چھ بجے سے زیادہ خراب ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ہسپتال میں ہیں مساجد میں دوا کے لیے اعلان کر دیا جائے۔ اس پر تمام محلوں میں اعلان کرایا گیا۔ کہ نو بجے مسجد اقصیٰ میں دعا کے لیے احباب اور مستورات جمع ہو جائیں۔ چنانچہ مقررہ وقت پر بہت بڑے مجمع نے حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کی اقتدا میں قریباً آدھا گھنٹہ دعا کی۔ بیرونجات کے احباب بھی خصوصیت سے دعائیں کریں۔

اخبار احمدیہ

ولادت۔ (۱) میاں محمد شفیع صاحب کارکن ضیاء الاسلام پریس کے ہاں ۷ افروری کو لڑکا تولد ہوا اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ (۲) سید احمد زمان شاہ صاحب پشاور کے ہاں ۳۱ جنوری کو لڑکا تولد ہوا نام مسعود زمان شاہ رکھا گیا۔ (۳) قریشی محمد مسعود احمد صاحب قادیان کے ہاں لڑکا تولد ہوا نام دلاور احمد تجویز ہوا ہے۔ سب کی درازئ عمر و خادم دین ہونے کے لیے دعا کی جائے۔

اعلان نکاح:۔ عبدالحمید صاحب سکنہ تھر غلام نبی کا نکاح مہر علی صاحب کی دختر زہرہ بیگم سے ہوا۔ خدا تعالیٰ مبارک کرے۔ خاکسار بشیر احمد وفات:۔ شیخ محمد بخش صاحب رئیس کریلانوالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پرانے صحابی تھے ۱۴ فروری کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون غلام حیدر (۲) محمدی بیگم صاحبہ بیوہ جمعدار نواب دین صاحب مرحوم قادیان فوت ہو گئی ہیں (۳) خورشید بیگم صاحبہ سیالکوٹ وفات پا گئی ہیں۔ (۴) میر حسن محمد صاحب ساکن گولیکی جو نہایت نیک مخلص اور ضاماد بزرگ تھے۔ ۱۸ فروری کو فوت ہو گئے ہیں (..................)

انگلستان میں احرار کی ناجائز کارروائیوں کا ذکر

امپائر ورکرز کونسل کا اظہارِ نفرت کا ریزولیوشن

جوں جوں انگلستان کے لوگ ان کارروائیوں سے اطلاع پا رہے ہیں۔ جو احرار اور ان کے بعض دوست حکام کی طرف سے احمدیوں کے خلاف ہو رہی ہیں۔ وہاں کے سنجیدہ طبقہ میں اس پر حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ایک سابق گورنر نے حالات سن کر کہا کہ آخر میرے زمانہ میں بھی تو احرار موجود تھے۔ اس وقت کیوں ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ میں ہمیشہ اپنے افسروں سے کہا کرتا تھا۔ کہ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ ان کے فریب میں نہ آنا۔

اخبار ''ابزرور'' لکھتا ہے کہ پندرہ جولائی کو پیر کے دن امپائر ورکرز کونسل کے ان ممبران کے جلسہ میں جو مغربی لنڈن سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ میٹنگ کے ختم ہونے پر کونسل کے سیکرٹری مسٹر چارلس فلر نے ایک مختصر تقریر میں ہندوستان میں نئی اصلاحات کے نفاذ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور انتہا پسند کنسرویٹو ممبروں کے خیالات کا حوالہ دیتے ہوئے جو انڈیا ڈیفنس لیگ کے نام سے مشہور ہیں۔ کہا۔ کہ گو انہیں اس جماعت کے سب خیالات سے اتفاق نہیں لیکن انہیں اس امر کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ بہت سے دیانت دار انگریزوں کی یہ رائے۔ کہ شدید نفاق میں گرفتار ہندوستانیوں کے سپرد قانون اور امن کا محکمہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بالکل بے وزن نہیں ہے۔

مسٹر فلر نے کہا۔ کہ عام فوجداری مقدمات میں ہندوستانی جج منصفانہ رویہ قائم رکھتے ہیں۔ لیکن جب مذہبی سوال پیدا ہو جائے۔ تو ان میں سے بہت سے انصاف کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ لیکچرار نے ایک قریب کے نہایت ہی گندے فیصلہ کا ذکر کیا جس میں ایک ہندو جج نے قانون کو ایک قیدی کے متعلق نہایت مضحکہ انگیز صورت میں استعمال کیا۔ اس قیدی نے پنجاب کی ایک دوسری مسلمان جماعت کی شدید ہتک کی تھی۔ اس جماعت کے دشمنوں نے انگریزی قانون کے اس ناجائز استعمال سے دلیر ہو کر اس جماعت پر اور بھی زیادہ ظلم شروع کر دیا ہے۔ ہتک نے بڑھ کر حملوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور حملے ترقی کر کے روز روشن کی لوٹ کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔

اس قوم کا صرف یہ قصور ہے۔ کہ وہ قانون شکنی کی مخالف ہیں۔ اور حکومت کی اطاعت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ حملہ کرنے والے لوگ چند ہندو اور جماعت احرار کے لوگ ہیں۔ جو انتہاء پسند کانگرسی ہیں۔

جلسہ کے اختتام پر بغیر کسی مخالفت کے بالاتفاق ریزولیوشن پاس ہوا۔

''ان مظالم کے خلاف جو احمدیہ جماعت قادیان پر بعض ہندوؤں۔ اور جماعت احرار کی طرف سے (جو کہ ایک پیشہ ور ایجی ٹیٹروں۔ اور سڈیشن پھیلانے والوں کی جماعت ہے۔) ہو رہے ہیں۔ امپائر ورکر کونسل کے ممبروں کا یہ جلسہ بڑے شدومد سے احتجاج کرتا ہے۔''

اسی سلسلہ میں معلوم ہوا ہے۔ کہ پارلیمنٹ کی ایک پارٹی کے بعض ذمہ دار افسر ایک نوٹ تیار کروا رہے ہیں جو منظور کرنے کے لیے پارٹی کے لیڈروں کے سامنے پیش ہوگا۔ امید کی جاتی ہے۔ کہ حالات کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد پارلیمنٹ کی ایک با اثر پارٹی اس سوال کو خاص طور پر اپنے ہاتھ میں لے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

[illegible] [illegible]

کھلی درخواست

بحضور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی قادیان

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہم احمدیان جن کے نام درج ذیل ہیں۔ حضور کی خدمت عالیہ میں دست بستہ عرض پرواز ہیں۔ کہ جب سے منافقین ومنحرجین نے حضور کی ذات والا صفات پر طرح طرح کے اتہامات والزامات لگانے شروع کیے ہیں۔ اسی وقت سے مقدس سلسلہ اور اس کے مقدس بانی پر دشمن سلسلہ قسم قسم کے اعتراضات کر رہے ہیں۔ اور اب تو یہ حال ہو گیا ہے۔ کہ معاندین سلسلہ احمدیت کا نام تک لینے نہیں دیتے۔ اور اگر کسی جگہ تبلیغ کرنی شروع کریں۔ تو جھٹ مخالفین۔ منافقین ومنحرجین کے لگائے ہوئے الزامات پیش کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اور ہم سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ اگر آپ کے خلیفہ صاحب ان عیوب (یعنی زنا وغیرہ) سے بری ہیں۔ تو کیوں اپنی پوزیشن صاف نہیں کرتے۔ جبکہ گذشتہ تمام بزرگان اپنی پوزیشن کو صاف کرتے چلے آئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت یوسف قید سے باہر نہیں آئے۔ جب تک اپنی بریت نہیں کرا لیتے۔ اور آں حضرت صلعم اپنی پیاری بیوی حضرت عائشہ صدیقہ سے سلام کلام تک بند کر دیتے ہیں۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بریت نہیں آ جاتی۔ اور آں حضرت صلعم خود اپنی ازواج مطہرہ کے چہرہ مبارکہ سے نقاب اٹھا کر ایک شخص کو فرماتے ہیں۔ کہ دیکھ میری اپنی بیوی ہے۔ کوئی غیر نہیں۔ تا کہ اس کو حضور کے متعلق کوئی شبہ نہ ہو۔ پھر حضرت عمرؓ خطبہ بند کر دیتے ہیں۔ اور آگے خطبہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ معترض کے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ پھر امام بخاریؒ صاحب اپنی ہزار دینار کی تھیلی کو سمندر میں گرا دیتے ہیں۔ تا کہ امام صاحب کی پوزیشن پر کسی کو شبہ نہ گزرے وغیرہ۔ پس اگر آپ کے خلیفہ صاحب بھی سچے ہیں۔ تو ان کو بھی اپنی بریت کرنی چاہیے۔

حضور والا! ایک طرف منافقین ومنحرجین کا حضور کی ذات گرامی کے متعلق گندے گندے الزامات لگانا۔ دوسری طرف حضور کی خاموشی۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ دشمن ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کہ نعوذ باللہ حضور کی ذات بابرکات میں وہ تمام گندے سے گندے عیوب پائے جاتے ہیں۔ جو منافقین حضور کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ (خاکش بدہن)

اگر حضور کی صرف اپنی ذات کا سوال ہوتا۔ تو پھر بے شک حضور اپنی پوزیشن نہ بھی صاف کرتے۔ لیکن یہاں تو ایک قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ حضور کی اس خاموشی سے سلسلہ عالیہ اور اس کا بانی بدنام ہو رہا ہے۔ پس ہم حضور کو خدا اور اس کے رسول اکرم صلعم اور حضرت مسیح موعود اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں۔ کہ خدا کے لیے اپنی پوزیشن صاف فرما کر ہم غریب و بے کس احمدیوں کو ان مشکلات سے رہائی عطا فرمائیں۔ احمدیت اور اس کے بانی پر جو بدنما دھبہ دشمنوں کی طرف سے لگایا جا رہا ہے۔ اس کو دور فرما کر احمدیت کے روشن چہرہ کو منور کریں۔ تا ایک دفعہ پھر احمدیت اپنی پوری شان سے چمکے۔ اور اصل حقیقت کھل جائے۔ اور حضور پر نور کا نورانی چہرہ بھی روشن ہو۔ اور حضور پر گندے الزامات لگانے والے ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار اور تباہ و برباد ہوں۔ (آمین) اور حضور پر دوبارہ گندے الزامات کی جرأت نہ ہو سکے۔

نوٹ۔ ہم نے یہ کھلی درخواست اس لیے بھجوائی ہے تا دوسری احمدی جماعتیں بھی وقت کی نزاکت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ اور اس کے بانی کی عزت کو نظر رکھتے ہوئے حضرت امیر المومنین کی خدمت میں پرزور درخواستیں بھجوائیں کہ حضور اپنی پوزیشن کو صاف فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اور تبلیغ احمدیت میں جو روکیں پڑ گئی ہیں ان کو دور فرمائیں۔ اور حضرت مسیح موعود کے نام کو دنیا میں روشن کریں۔ (نوٹ نمبر ۲) اس کی ایک نقل جناب خلیفہ صاحب۔ ایڈیٹر "الفضل"۔ ایڈیٹر "فاروق" قادیان اور دیگر اخبارات کو بھجوائی گئی۔

ہم ہیں حضور کے خدام

(۱) چوہدری برکت علی احمدی سیکرٹری جماعت احمدیہ (۲) چوہدری عبد الحکیم (۳) چوہدری سلیمان احمدی۔ مروڑی ریاست جیند

شمالی برقی پریس امرتسر

مقامی مقدمات کے فیصلہ کا آسان طریق

نقل خط من جانب مولانا عنایت اللہ صاحب چشتی

(ذیل میں اس خط کی نقل شائع کی جاتی ہے جو مولانا عنایت اللہ صاحب چشتی نے میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کو لکھا۔ بغرض آگاہی پبلک اس چٹھی کو شائع کیا جاتا ہے۔ (رحمت اللہ مہاجر)

جناب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان

عرصہ دراز سے باشندگان قادیان سے آپ کے مقدمات جاری ہیں۔ جن پر آپ کا بہت روپیہ صرف ہو چکا ہے چنانچہ ایک خطبہ میں آپ نے ذکر کیا تھا کہ ایک سال میں مقدمات پر چالیس ہزار روپیہ صرف ہوا اس حساب سے گزشتہ سالوں میں مقدمہ بازی کا خرچ یقیناً کئی لاکھ روپے تک پہنچتا ہے۔

ان مقدمات میں باشندگان قادیان کی پوزیشن مدافعانہ ہے یعنی ان کی طرف سے کوئی جھگڑا نہیں مگر باوجود اس کے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے بعض مجالس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ تو مقدمات ختم کرنا چاہتے ہیں مگر باشندگان قادیان مقدمات کو نہیں چھوڑتے۔ مجھے یہ الفاظ سن کر جس قدر تکلیف ہوئی اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ ایک طرف میں اس کی پوزیشن ذہن میں لاتا ہوں دوسری طرف یہ بیان جو سراسر خلاف واقعہ ہے۔

کیا آپ کو علم نہیں کہ مقدمات کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ قبرستان اور قادیان کے راستوں کے جھگڑے کس نے شروع کئے۔ جناب شیخ عبدالرحمان صاحب مصری بی۔ اے کے خلاف کتنے مقدمات دائر ہوئے جن میں سے بعض آپ کی پارٹی ...... واپس لینے پر مجبور ہوئی اور بعض خارج ہو گئے۔ کتنے ہزار روپیہ صرف ان مقدمات پر آپ کا خرچ ہوا۔ یہی نوعیت قادیان کے تمام مقدمات کی ہے۔ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ آپ اپنے مخالفین کو مقدمات کے ذریعہ زیر کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے نزدیک وقار حاصل کرنے کا ذریعہ ہی مقدمہ بازی ہے جس کے لیے ایک خاص دفتر عملہ اور کارکن موجود ہیں جن کے پیش نظر دن رات مقدمات کی اسکیمیں ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہر انسان فطرتاً کسی نہ کسی وقت اپنی ذمہ داری کو ضرور محسوس کرتا ہے یا کم از کم اسے اعتراض کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی یا تو مریدوں سے اس اعتراض کا خوف ہوا ہے کہ تبلیغ کے نام پر وصول کردہ روپیہ لکھوکھا کی تعداد میں کیوں مقدمہ بازی پر صرف کیا جاتا ہے یا آپ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا ہے۔ ہر دو صورتوں میں سے جو بھی ہو مجھے اس سے بحث نہیں مگر جو الزام آپ نے ہم پر لگایا وہ ہرگز درست نہیں۔ اگر مقدمات کے سلسلہ میں آپ کا ارشاد صرف پروپیگنڈا اور افسروں کی نگاہ میں سچا بننے کے لیے نہیں اور آپ واقعی مقدمات ختم کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ ایک کمیشن مقرر کر لیا جائے جس کے کم از کم تین ممبر ہوں۔ دو فریقین کی طرف سے اور ایک ثالث مسلمہ فریقین جس کا فیصلہ فریقین بلا چون و چرا تسلیم کر لیں۔

یہ آسان راہ ہے جس پر عمل کرنے سے تمام مقدمات یکدم ختم ہو سکتے ہیں اور جس کے پاس سچائی موجود ہو گی وہ اس تجویز سے ہرگز ہرگز گریز نہیں کر سکتا۔

خادم خلق
عنایت اللہ چشتی از قادیان

ثنائی برقی پریس امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

جلد ۲۴ | قادیان دارالامان مورخہ ۲۹ رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۳۹ء | نمبر ۳۴

خطبہ جمعہ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ

جنگ میں اہل ہند کا انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ **عورتوں کا حصہ مسجد کے ساتھ** بنانے میں غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہاں سے آوازیں اس بے تکلفی سے آرہی ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ عورتیں نماز کے لیے نہیں آئیں۔ بلکہ کھیلنے کودنے کے لیے آئی ہیں۔ بچے بھی موجود ہیں۔ جو شور مچا رہے ہیں۔ اور عورتیں بھی باتیں کر رہی ہیں۔ اور جب عورتوں کی تربیت ایسی ہو۔ تو انہیں الگ دھکا کرنا چاہیئے۔ مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ اس لیے منتظمین کو چاہیئے۔ کہ اگلے جمعہ سے یہ پردہ اٹھا دیں۔ اور عورتوں کے لیے پہلے باہر جو انتظام ہوتا تھا وہی رہنے دیں۔

اس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ یہ ایام نہایت نازک معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت انسانوں کے آڑے نہ آجائے۔ اور اسکی رحیمیت اور کریمیت انسانوں کی خطاؤں کی پردہ پوشی نہ فرمائے۔ تو **دنیا بالکل تباہی کے کنارے پر** کھڑی نظر آتی ہے۔ وہ لوگ جن کی عمریں ۳۵-۴۰-۴۵ یا ۵۰ سال کے درمیان کی ہیں۔ انہیں یاد ہوگا۔ کہ **جنگ عظیم** جس کی نسبت خیال کیا جاتا تھا۔ کہ شاید اتنی بڑی جنگ کبھی نہیں ہوگی۔ اور جسے عالمگیر کہا جاتا تھا۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ اس کی تباہی و بربادی شاید سینکڑوں سالوں تک دنیا کو یاد رہے گی۔ جب وہ ہوئی۔ تو ہندوستان کے لوگوں کو محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ جنگ ہو رہی ہے۔ سوائے اس کے کہ اخبارات میں اس کا ذکر پڑھتے تھے۔ یا کبھی آٹا مہنگا ہو جاتا تھا۔ اور ہندوستانی سمجھ لیتے تھے۔ کہ جنگ ہو رہی ہے۔ یا جو لوگ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ان کے گھروں میں روپیہ آتا تھا۔ یا جب کبھی ان میں سے کسی کے مرنے کی خبر آتی تھی تو سمجھا جاتا تھا۔ کہ لڑائی ہو رہی ہے۔ ورنہ جنگی لحاظ سے ہمارے ملک پر اس لڑائی کا کوئی اثر نہ تھا۔ چار سال کی متواتر اور طویل جنگ کے باوجود ہندوستانیوں کو اس کا احساس نہ تھا۔ مگر آج ابھی جنگ شروع بھی نہیں ہوئی۔ لیکن **ہندوستان میں جنگی تیاریاں** ہو رہی ہیں۔ اور صرف اس رنگ میں نہیں۔ کہ رنگروٹ بھرتی کئے جا رہے ہیں۔ یا روپیہ سے برطانیہ کو امداد دینے کے انتظام ہو رہے ہیں۔ بلکہ اس رنگ میں کہ گولہ باری سے ہندوستان کو کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ آج کلکتہ - بمبئی - کراچی میں اور سمندر کے قریب واقعہ دوسرے شہروں میں بھی بچاؤ کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ رات کو اندھیرے کیے جاتے ہیں۔ ہوائی حملوں سے بچاؤ کے لیے لوگوں کو تیار کیا جاتا ہے۔ اور یہ خطرہ لگ رہا ہے کہ دشمن کے جہاز **ہندوستان کے شہروں پر گولہ باری** کریں گے۔ اور ان کو تباہ کر دیں گے۔ اب ایسے جہاز تیار ہو چکے ہیں۔ کہ جو سو ٹن یعنی قریباً تین ہزار من تک وزنی بم لے کر بمباری کرتے ہیں۔ اور ایک ہی پرواز میں دو دو اور اڑھائی اڑھائی ہزار میل جا کر حملہ کر کے واپس آجاتے ہیں۔ اور ایسے سمندری جہاز تیار کیے گئے ہیں۔ جو ہوائی جہازوں کو لاد کر دوسرے ملکوں کے قریب لے آتے ہیں۔ جہاں سے اڑ کر وہاں ملکوں پر آسانی سے حملہ کر کے واپس ان سمندری جہازوں پر آ اترتے ہیں۔ ہندوستان ان سامانوں کے ہوتے ہوئے ابی سینیا کی زد میں ہے۔ روس کے علاقوں اور چین کے جاپانی علاقوں کی زد میں ہے۔ روسی سرحد انگریزی سرحد سے پانچ چھ سو میل ہے۔ حبشہ کی دو ہزار میل کے قریب ہے۔ اور بعض علاقوں میں تو ہندوستان کی سرحد برطانیہ کے مخالف ملکوں سے سو ڈیڑھ سو میل ہی ہے۔ گو اب تک روس۔ اٹلی اور جاپان نے جرمن کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن خطرہ ضرور ہے۔ کہ کسی وقت وہ بھی جنگ میں شامل ہو جائیں۔

ان حالات میں یہ امر بعید نہیں۔ کہ معصوم ہندوستان پر بھی گولہ باری کی جائے۔ اور اس کے نہتے افراد کو اس لیے تباہ کر دیا جائے کہ وہ انگریزوں کی حکومت میں کیوں ہیں۔

بمباری سے تباہی کا خطرہ

انگلستان۔ فرانس اور ان کے مقابلہ میں جرمنی اور اگر اٹلی اور روس لڑائی میں شامل ہو جائیں۔ تو ان کو بھی ہے۔ پولینڈ۔ ترکی اور مصر کو بھی ہے۔ مگر ان کے افراد یہ لذت بھی محسوس کرتے ہیں۔ کہ اگر دشمن ہم کو ماریں گے۔ تو ہم بھی ان کو ماریں گے۔ لیکن ہندوستانی کیا کہہ سکتے ہیں۔ نہ ان کی اپنی کوئی فوج ہے نہ سامان ان کے پاس ہے۔ سوائے اسکے کہ جو انگریز ان کے لیے مہیا کر دیں۔ اور پھر وہ سامان بھی انگریز افسروں کے قبضہ میں ہوگا۔ ہندوستانیوں کا نہ جنگ کرنے میں کوئی دخل ہے۔ نہ صلح کرنے میں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح کی صورت میں ہندوستان کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں

بھی کوئی شک نہیں کہ اگر خدانخواستہ انگریزوں کو شکست ہو جائے۔ تو نقصان میں ہندوستان کو ضرور حصہ دار بننا پڑے گا۔ گویا کو ہندوستانی فتح کے حصہ سے محروم ہیں۔ مگر تکلیف میں شامل ہیں۔ لڑائی یا صلح نہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور نہ اس میں ان کا کوئی دخل ہے۔ پھر فتح کے انعامات میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن

شکست کے نقصان

میں ضرور ہے۔ پچھلی جنگ میں کم سے کم چار پانچ لاکھ مسلمان شریک ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے پچاس ساٹھ ہزار مارے گئے ہوں گے اور قریباً لاکھ ڈیڑھ لاکھ زخمی ہوئے ہوں گے۔ لیکن بعد میں کیا ہوا۔ اور مسلمانوں کو کیا صلہ ملا۔ یہ کہ ترکی کے حصے بخرے کر دیئے گئے۔ اور جن مسلمانوں نے اپنے خون بہائے تھے۔ وہ دیکھتے کے دیکھتے اور روتے کے روتے رہ گئے۔ اسی طرح عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ تو فتوحات کی صورت میں تو ہندوستانیوں کو کوئی فائدہ نہیں لیکن شکست کی صورت میں نقصان ضرور ہوتا ہے۔ ان کے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت ان کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ انگریزی حکومت کے اختیار میں ہے۔ نہ صلح ان کے اختیار میں ہے اور نہ لڑائی۔ مگر چونکہ انگریزوں کا بہت بڑا اقتدار ہندوستان کی وجہ سے ہی ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ جہاں تک ان کا زور چلتا انگریز ہندوستان کو تباہ ہونے یا دشمن کے قبضہ میں جانے سے بچائیں گے۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ کسی بات میں

ہندوستان کی رائے کو دخل نہیں

وہ محض ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک تیر ہے۔ جسے جدھر چاہے چلا دیا جائے۔ وہ دماغ نہیں۔ کہ خود کچھ سوچ سکے۔ اور مشورہ دے سکے۔ ان حالات میں اسے ذاتی لذت بھی کوئی حاصل نہیں ہو سکتی۔ فرانس اگر جرمنی پر بم باری کرے۔ تو جرمنی بھی اس کا انتقام لے سکے گا۔ اور کہے گا کہ ہم نے بھی خوب خبر لی۔ اور اگر پولینڈ پر جرمنی حملہ کرے۔ تو وہ بھی آگے سے جواب دے کر ذاتی طور پر ضرور لذت اندوز ہو سکتے ہیں کہ ہم نے بھی ان کو خوب سزا دی ہے مگر

ہندوستان پر اگر حملہ ہو

تو وہ کس منہ سے کہہ سکتا ہے۔ کہ میں بھی بدلہ لیتا ہوں۔ جبکہ اس کے پاس نہ کوئی بم ہے نہ طیارہ۔ نہ گولی اور نہ بارود۔ اس صورت میں ایک ہندوستانی تو یہی کہتا ہوا گاؤں سے بھاگے گا کہ ہائے میری قسمت اگر ہندوستان کی طرف سے بمباری کا جواب بھی دیا جائے تو بھی ہندوستانی فخر نہیں کر سکتے۔ کہ ہم نے بھی خوب خبر لی۔ کیونکہ وہ تو نوکر ہیں اپنی تنخواہ کے لیے یا زیادہ سے زیادہ جان بچانے کے لیے لڑتے ہیں۔ ملک اور قوم کے وقار اور افتخار کے لیے نہیں۔ مگر اپنی اس بے بسی کے باوجود کوئی عقلمند ہندوستانی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ

لڑائی انگریز کی ہے ہماری نہیں

اگر کوئی یہ کہے۔ تو وہ احمق ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دشمن سے کہتا ہے کہ آ مجھے مار۔ میں تو تیرا بن ہوں۔ کہ ہندوستان کے بعض عقلمند اس وقت ایسی بے وقوفی کر رہے ہیں۔ کہ ابھی سوچ رہے ہیں۔ کہ ہم انگریزوں کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو انگریزوں کا دشمن خیال کرتے ہیں۔ تب بھی ایسا خیال کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کہ وہ دشمن جو ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ ایک چھت کے نیچے ہو۔ کوئی بیرونی دشمن چھت پر بمباری کر رہا ہو۔ اور وہ سوچیں۔ کہ ہم اس وقت ایک دوسرے کی مدد کریں یا نہ کریں۔ ایسا سوچنا حماقت ہے۔ کیونکہ اگر وہ چھت گری تو دونوں مریں گے۔

انگریزوں کے ساتھ ہندوستان کا تعلق

ایسا گہرا ہے۔ کہ خواہ کوئی ہندوستانی ان کا کتنا ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ اگر جنگ کے وقت یہ خیال کرتا ہے کہ میرے لیے یہ بھی ممکن ہے۔ کہ میں اس وقت انگریزوں کا ساتھ نہ دوں۔ تو میرے نزدیک اس سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کا ساتھ نہ دوں۔ تو میرے نزدیک اس سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کے متعلق خواہ بعض ہندوستانیوں کے جذبات معاندانہ ہوں۔ خواہ غیر جانبدارانہ اور خواہ ہمدردانہ اگر وہ عقلمندی سے کام لیں۔ تو انہیں انگریزوں کا ساتھ دینا پڑے گا۔ غرض خواہ ہم ان کے دشمن ہوں۔ خواہ ہمدرد اور خواہ غیر جانبدار اگر ہم عقلمند ہیں۔ تو

ہم مجبور ہیں۔ کہ ان کا ساتھ دیں

ورنہ زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے ہمارے حاکم انگریز ہیں۔ اور پھر جرمن یا روس ہو جائیں گے اور ہر عقلمند انسان بلکہ کمزور عقل کا انسان بھی اگر سوچ سمجھ سے کام لے۔ تو تسلیم کرے گا۔ کہ ہر تازہ دم حکومت زیادہ ظلم کرتی ہے۔ انگریزوں کو خواہ کوئی کتنا برا کہے۔ اگرچہ میرا خیال بھی ہے۔ کہ گو ان کے اندر ایمان والی دیانت تو نہیں۔ مگر یورپ کی کوئی اور قوم ایسی نہیں۔ جو ان کی طرح رعایا کا خیال رکھتی ہو۔ بے شک وہ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے فائدہ کے لیے یہاں حکومت کرتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ انگریز یہاں اس لیے آئے ہیں کہ ہندوستان کی خدمت کریں۔ وہ میرے نزدیک احمق ہے۔ یا جھوٹا ہے۔ مگر پھر بھی جو دوسرے غیر ملکوں میں اپنے فائدہ کے لیے گئے ہیں۔ ان

سب سے انگریز بہتر ہیں

دوسری قومیں محکوموں کی اگر کھال اتارتی ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ کھال رہنے دو۔ وہ اگر لباس اتروا لیتے ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ ننگا نہ کرو۔ دوسری اگر روزی چھین لیتی ہیں۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ان کو بھی کھانے دو۔ اگر یورپ کا اقتدار ایک بلا ہے۔ تو انگریز ادنے درجہ کی بلا ہیں۔ اگر دوسری قوموں میں سے انتخاب کرنا پڑے۔ تو میں کہوں گا کہ اگر عقلمند ہو۔ تو انگریزوں کو منتخب کرو۔

امریکہ کی نسبت تو میں کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ بہت دور ہے۔ اور ہمیں اس کا پورا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے سوا باقی سب ممالک یعنی فرانس۔ پرتگال۔ اٹلی وغیرہ سے

انگریزوں کا سلوک محکوموں

سے زیادہ اچھا ہے۔ وہ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ ممکن ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد ان کے محکوم آزادی کی طرف قدم اٹھا سکیں گے۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ انگریز برے ہیں۔ تب بھی کوئی عقلمند یہ خواہش نہیں کر سکتا۔ کہ ان کی حکومت بدل جائے۔ جب کوئی حکومت لمبی ہو جاتی ہے۔ تو طبعاً اس میں کمزوری آجاتی ہے۔ ان کو ہندوستان پر حکومت کرتے ہوئے سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اور اب ان کی حکومت کا وہ رنگ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ وہ اب زیادہ عرصہ تک پرانے طریق پر حکومت نہیں کر سکتے۔ اور مجبور ہیں کہ

۵۰-۶۰ سال کے بعد ہندوستان

کو آزادی

دے دیں۔ یہ ایک لمبی اور عملی بحث ہے۔ اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالنے کا یہ وقت نہیں۔ لیکن تاریخ سے بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ جب کوئی قوم کسی ملک کو فتح کرتی ہے تو یا تو وہ اسی میں آباد ہو کر اس کا حصہ بن جاتی ہے۔ یا پھر کچھ عرصہ بعد اپنی حکومت کھو بیٹھتی ہے۔ یا اس ملک

کو آزاد کر دیتی ہے۔ انگریز سو سال سے اس ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور اب ہندوستانیوں کو انہوں نے بہت سے حقوق دے دیئے ہیں۔ ہندوستانی بھی حقوق طلبی کر رہے ہیں۔ اس وقت انارکسٹوں اور انگریزوں میں ایک دوڑ جاری ہے۔ اگر تو اس وقت سے پہلے کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت پیدا ہو جائے۔ ہندوستان کو آزادی مل گئی۔ تو آزادی کے بعد بھی ہندوستان انگریزوں کا دوست رہے گا لیکن اگر یہ وقت آنے سے پہلے انارکسٹوں نے غلبہ حاصل کر لیا۔ تو آزادی ملے گی۔ تو پھر بھی لیکن اس صورت میں دونوں ملکوں کے تعلقات اچھے نہیں رہیں گے۔ بہرحال اب

ہندوستان کا قدم آزادی کی طرف

ہی اٹھے گا۔ سو سال کی حکومت بڑی لمبی حکومت ہے۔ اور یہ پرانے زمانے کی ہزار سال کی حکومت کے برابر ہے۔ اب اگر ہندوستان کی حکومت میں کوئی تغیر ہوگا۔ تو ہندوستان کی بہتری کے لیے ہی ہوگا۔ اور اسے حقوق ملتے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ حکومت بدل جائے تو جو نئی قوم آئے گی۔ وہ پہلے تو کچھ عرصہ اس نشہ میں رہے گی۔ کہ ہم نے یہ ملک فتح کیا ہے۔ پھر کچھ عرصہ اس غصہ میں رہے گی کہ اس ملک نے ہم سے لڑائی کی تھی۔ اور اس طرح پہلے تیس چالیس سال تک وہ خوب جونک کی طرح خون چوسے گی اور کہے گی کہ اچھا اب تمہاری خبر خوب لیتے ہیں۔ اور تمہیں بتاتے ہیں کہ انگریزوں سے مل کر ہمارے ساتھ لڑائی کرنے کا انجام کیا ہے۔ اس کے جو مرد لڑائیوں میں مارے جائیں گے۔ ان کی عورتیں اور دوسرے رشتہ داروں کے دلوں میں چونکہ غصہ ہوگا۔ اسلئے وہ اپنی قوم کو خوب بھڑکائیں گے۔ کہ ہندوستانیوں کو پیس دو۔ انہوں نے کیوں ہم سے لڑائی کی۔ اور وہ یہ خیال بھی نہیں کریں گے۔ کہ یہ ہمارے تو ماتحت تھے۔ ان کا کیا اختیار تھا۔ بلکہ یہی کہیں گے کہ انہوں نے کیوں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ وہ ہندوستان کی مجبوریوں کا کوئی خیال نہیں رکھیں گے۔ اور ان کے اس غصہ کی وجہ سے ہندوستان پر جو تباہی اور بربادی نازل ہوگی۔ اس کا تصور کر کے بھی ایک عقلمند کانپ اٹھتا ہے۔ اور میں تو حیران ہوں۔ کہ

کانگریس کے لیڈر

یہ کس طرح سوچ رہے ہیں۔ کہ انگریزوں سے تعاون کریں یا نہ کریں۔ حالات تو ایسے ہیں۔ کہ وہ خواہ انگریزوں کو اچھا سمجھیں۔ اور خواہ بدترین خیال کریں۔ دونوں صورتوں میں ان کے لیے تعاون کرنا ضروری ہے۔ اگر ہندوستان ان سے تعاون نہیں کرے گا۔ تو خطرناک مصائب میں گرفتار ہو جائے گا۔ اور نسلوں تک اسے رونا پڑے گا۔

تو اس وقت بہرحال ہندوستان بھی خطرہ کے مقام پر ہے۔ اگر اللہ تعالی اپنے فضل سے ان صاحب اقتدار لوگوں کو سمجھ نہ دے جو لڑائی کرا سکتے یا اسے روک سکتے ہیں۔ ہمارے لیے سخت مشکلات در پیش ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ لڑائی کی ذمہ داری کس پر ہے۔ ہٹلر پر ہے یا پولینڈ پر یا انگریزوں پر۔ ہم بہت دور بیٹھے ہیں اور اصل حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ لیکن جہاں تک پہنچے ہیں۔ ان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریز اور ان کے حلیف حق پر ہیں۔ اصل حالات اور واقعات تاریخ بعد میں بیان کرے گی۔ لیکن جب تک وہ ظاہر نہ ہوں۔ ہر قوم کا یہ حق ہے۔ کہ اس کے متعلق حسن ظنی سے کام لیا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے بھی یہی ہدایت فرمائی ہے۔ کہ حسن ظنی سے کام لینا چاہیئے۔ ایک شخص کے متعلق جب ایک صحابی نے بدظنی سے کام لیا تو آپ نے اسے یہی فرمایا۔ کہ هل شققت قلبه کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا ہے۔ تو ہر قوم کے متعلق پہلا حق یہی ہے کہ اس کے متعلق حسن ظنی سے کام لیا جائے لیکن جو کچھ تجربہ ہوا ہے۔ اس نے جرمنی اور اٹلی کے متعلق حسن ظنی کا حق ہمارے دلوں سے اڑا دیا ہے۔ اٹلی نے جو کچھ البانیہ کے ساتھ کیا۔ یا جرمنی نے چیکوسلواکیہ سے کیا۔ اسے دیکھتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ انگریزوں کی بات پر ان کی نسبت زیادہ اعتبار کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو قوم ایکبار غلطی کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ دوسری بار بھی غلطی کرے۔ اس لئے ہم کوئی قطعی رائے تا حال ظاہر نہیں کر سکتے۔ مگر اب بھی یہی امید رکھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالی ان کے دل میں رحم پیدا کر دے۔ اور وہ ایسا طریق اختیار کر لیں۔ کہ امن قائم رہے۔ (افسوس کہ اس خطبہ کے ایک گھنٹہ بعد ہی معلوم ہوا۔ کہ جنگ باقاعدہ شروع ہو گئی ہے۔ اور ہٹلر نے انسانیت کے خیر خواہوں کی اپیلوں کو رد کر دیا ہے) اور یا انگریزوں کے دل میں ایسی کیفیت پیدا کر دے۔ کہ وہ ایسا رویہ اختیار کریں۔ جس سے انصاف بھی قائم رہے اور امن بھی۔

لیکن اگر اللہ تعالی کی مشیت یہی ہو کہ لڑائی ہو تو ہمیں دعا کرنی چاہیئے

کہ اس کی مضرتوں سے بالخصوص ہمیں بچائے اور ان لوگوں کو بھی جن کا وجود دینی و دنیوی لحاظ سے مفید ہو۔ یہ تو خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ بم برسیں گولیاں چلیں اور نقصان بالکل نہ ہو اور کوئی آدمی بھی نہ مرے۔ مگر نقصان بھی ایک نسبتی امر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شدید بمباری کی وجہ سے بھی کم سے کم نقصان ہو۔ یا زیادہ نقصان بدکاروں کا ہو۔ پس اگر اللہ تعالی کی مشیت ہماری اس دعا کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ کہ جنگ ٹل جائے تو یہ ضرور ہو کہ

شدید نقصان شریروں کو زیادہ پہنچے

آج کل مادیات کا زور ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے دعاؤں پر ایمان جاتا رہا ہے۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ بعض احمدیوں کی دعائیں بھی رسمی ہوتی ہیں۔ دوسرے احمدی دعا کرتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ مگر دعا قبول وہی ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ یقین ہو۔ اور یہ مقام عارف کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ مومن کو تو

اللہ تعالی کا ہاتھ

چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے۔ چلتے چلتے جب ان کا گھوڑا رکتا۔ تو وہ سمجھ لیتے کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ انسان کا نفس خدا تعالی کی سواری کے لیے بمنزلہ گھوڑے کے ہے۔ اور جب وہ خدا تعالی کی نافرمانی کرتا ہے۔ تو میرا گھوڑا بھی میری نافرمانی کرتا ہے۔ تو عارف ہر چیز میں خدا تعالی کا نشان دیکھتا ہے۔ مگر نادان بڑے بڑے نشانات سے بھی یونہی گزر جاتا ہے۔ لیکن حق یہی ہے کہ اللہ تعالی کے حضور ایک مقام ایسا ہے کہ اس میں وہ

ہر کافر و مومن کی دعا سنتا ہے

اور اس میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں یہ دونوں مضمون علیحدہ علیحدہ بیان کیے گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتا ہے۔ امن یجیب المضطر اذا دعاه اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کئی نادان اعتراض کرتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں اختلاف ہے۔ ایک جگہ تو فرماتا ہے کہ میں مضطر کی دعا سنتا ہوں اور جگہ یہ کہ میں ہر پکارنے والے کی دعا سنتا ہوں۔ لیکن یہ اعتراض محض عدم تدبر کی وجہ سے ہے۔ اجیب

دعوۃ الداع اذا دعان سورہ بقرہ میں ہے۔ وہاں رمضان کا ذکر ہے۔ اور اس سے پہلے یہ سوال درج ہے کہ اذا سالك عبادی عنی فانی قریب یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں وہ بے قرار اور بے تاب ہو کر آئیں۔ اور دریافت کریں کہ ہمارا خدا کہاں ہے۔ تو ان سے کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان میں اس

پکارنے والے کی دعا

سنتا ہوں جو بے قرار اور بے تاب ہو کر پاگل کی طرح چیختا اور دریافت کرتا ہے کہ میرا خدا کہاں ہے۔ تو یہاں الداع سے مراد التجا والی کی دعا کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ ہمارے ملنے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہم انہیں گلی رستے اپنے ملنے کے دکھا دیتے ہیں۔ اگر دل میں جلن۔ سوزش۔ تڑپ اور بے تابی پیدا ہو جائے۔ تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کو پانے سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔ تو یہاں اس دعا کا ذکر ہے۔ یہ مومن کے لیے جو پاگلوں کی طرح بیتاب ہو کر اپنے خدا کو پکارتا ہے۔ یہ

عشق کی کیفیت

ہے۔ جو محبوب کے لیے بے تاب کر دیتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ یہاں ایک چوہڑے کو چوہڑی سے عشق تھا۔ وہ رات دن چلاتا رہتا۔ کہ اے میرے خدا تو مجھے اپنی فلاں محبوب سے ملا دے۔ میں نے اس کی آواز کو کئی بار تہجد کے وقت گاؤں کے دوسرے سرے سے سنا ہے۔ تو عشق میں انسان بے تاب ہو جاتا ہے۔ اور یہ عشق جب خدا تعالیٰ کے متعلق ہو۔ اور انسان بے تاب ہو کر کہے۔ کہ کہاں ہے۔ میرا خدا۔ تو جس وقت یہ ربودگی کی حالت اور عشق کی غشی اس پر پیدا ہو۔ اور وہ بیتاب و بے قرار ہو کر تہذیب کے تمام دستور اور قواعد کو بھول کر پاگلوں کی طرح آواز دے۔ کہ کہاں ہے میرا خدا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ادھر سے میں بھی چلانے لگتا ہوں۔ کہ میں قریب ہوں۔ جیسے کہ بچہ بعض اوقات سوتے ہوئے یہ خیال کر کے کہ شاید میری ماں مجھ سے جدا ہو گئی ہے یا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر اماں اماں چلا اٹھتا ہے۔ تو ماں جھٹ آواز دیتی ہے۔ کہ میرے بچے میں تیرے ساتھ لیٹی ہوں۔ اسی طرح جب بندہ بیتاب ہو کر خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ اور سوال کرتا ہے کہ

ہمارا خدا کہاں ہے

تو اللہ تعالیٰ اسے انتظار اور شک میں نہیں چھوڑتا۔ بلکہ رسول کریم ﷺ کو اپنی طرف سے گارنٹی دیتا اور کہتا ہے کہ تم میری طرف سے جوابدار رہو۔ تم میری طرف سے فوراً کہہ دو کہ

میں پاس ہی ہوں

گھبراؤ نہیں آگے فرماتا ہے۔ اجیب دعوۃ الداع اس قسم کے پکارنے والے کی آواز کو میں خود بھی سنتا ہوں اور صرف محمد ﷺ کے ذریعہ ہی جواب نہیں دیتا۔ بلکہ خود بھی اس کا جواب دیتا ہوں۔ محمد ﷺ کے ذریعہ فوری جواب اس لیے دیا۔ کہ اس کی تڑپ بغیر جواب کے نہ رہے۔ مگر میں جواب صرف محمد ﷺ کے ذریعہ ہی نہیں دیتا۔ بلکہ خود بھی دیتا ہوں۔ یہ تو اس آیت کے معنی ہیں۔ دوسری آیت امن یجیب المضطر اذا دعاہ سورۃ نمل میں ہے۔ وہاں دیکھو پہلے بارشوں وغیرہ کا ذکر ہے اور عذاب الٰہی کا اور اس کا یہ مطلب ہے کہ بندہ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی۔ کافر۔ مومن جو بھی مضطر ہو کر دعا مانگے گا اور اس کا اضطرار کمال کو پہنچ جائے گا۔ تو میں اس کی دعا کو بھی سنوں گا۔ مگر یہاں قاعدہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی دعا ضرور سنی جاتی ہے۔ مگر امن یجیب المضطر کے یہ معنی ہیں۔ کہ

مضطر کی دعا بھی سنی جاتی ہے

یہ نہیں کہ ہر مضطر کی ہر دعا ضرور ہی سنی جاتی ہے۔ یہ دنیوی امور کے متعلق ہے جو کبھی سنی جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں کہ غیر مومن کی دعا اللہ تعالیٰ سنتا ہی نہیں۔ یہ بات قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس مسئلہ پر میں نے اس لیے زور دیا ہے۔ کہ پچھلے دنوں

بارش کی قلت

کے احساس پر قادیان میں دعائیں کی گئیں۔ احمدیوں نے بھی نماز استسقاء پڑھی اور غیر احمدیوں نے بھی ہندوؤں نے بھی اپنے رنگ میں کی۔ اور میں نے دیکھا کہ اس بارہ میں بھی ایک قسم کا تقابل پیدا ہو گیا تھا۔ غیر احمدی اور ہندو چاہتے تھے کہ احمدیوں کی دعا نہ سنی جائے۔ اور احمدی چاہتے تھے کہ ان کی نہ سنی جائے۔ میں حیران ہوں۔ کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ میں ہر مضطر کی دعا سنتا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ ایک وقت غیر احمدی زیادہ مضطر ہوں ایک جگہ احمدی تاجر زیادہ ہوں۔ وہ اگر دعا کریں گے تو دل میں ممکن ہے ان کے یہ ہو۔ کہ دس دن اگر اور بارش نہ ہو۔ تو چار آنہ من نرخ اور بڑھ جائے گا اور احرار میں زمیندار زیادہ ہوں۔ ان کی فصلیں سوکھ رہی ہوں۔ دعا کے وقت ان کی تو چیخیں نکل رہی ہوں گی۔ فرض ہو سکتا ہے کہ احمدی تاجر تو سمجھتے ہوں کہ اگر دس دن اور بارش نہ ہو تو چار آنہ من کا منافع ہوگا۔ لیکن زمیندار دیکھ رہے ہوں کہ اگر دس دن اور بارش نہ ہوئی تو چار من کی بجائے ایک من فی ایکڑ فصل رہ جائے گی اور اس لیے ان میں اضطرار زیادہ ہو۔ اب اس قاعدہ کے مطابق ان کی دعا زیادہ سنی جائے گی کیونکہ ان کے دل میں اضطرار اور تڑپ زیادہ ہے۔ تو ایسا مقابلہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت کو تقسیم کرنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کی صفات غیر محدود طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ مواقع خشیت اللہ پیدا کرنے کے ہوتے ہیں۔ نہ مقابلہ کے۔

مقابلہ دینی معاملات میں

ہوتا ہے۔ اگر کسی دینی معاملہ میں ہم بھی دعا کریں۔ اور احراری بھی تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو ان کے منہ پر مار دے گا اور ہماری قبول کرے گا۔ کیونکہ ہم تو اس کے نام کی بلندی کے لیے کھڑے ہیں۔ اور وہ شیطان کے نام کی بلندی کے لیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مولویوں کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ تم اگر میرے ہلاک ہونے کے لیے سب مل کر دعائیں کرو اور مقدس مقامات پر جا جا کر بے شک کرو۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ خواہ تمہارے ناک بھی رگڑے جائیں۔ اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہاری دعائیں قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح آج بھی اگر احمدیت یا دین کا سوال ہو۔ تو ہمارے سوا دوسری اقوام کی دعائیں ہرگز نہ سنی جائیں گی۔ اس کے مقابلہ میں اگر ہم دعا کریں اور ہمارے آنسو بھی نہ بہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں ضرور سنے گا۔ اس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لیے کھڑے ہیں مگر وہ شیطان کے لیے لیکن جہاں کوئی دینی معاملہ نہ ہو بلکہ ایک عام عذاب دنیا پر نازل ہو رہا ہو۔ وہاں ہر مضطر کی دعا سنی جائے گی۔ ہاں اگر اضطرار یکساں ہو تو جہاں اضطرار کے ساتھ ایمان بھی مل جائے گا۔ وہاں دعا زیادہ قبول ہو گی۔

فرض کرو۔ اضطرار کے سو نمبر ہیں۔ اور تمہارے دشمنوں کو وہ سو ہی نمبر حاصل ہیں اور تمہارے پاس نوے مگر تمہارے پاس ایمان ہے اور ان کے پاس نہیں۔ تو تمہارے ایمان کے سو ساتھ مل کر ایک سو نوے ہو جائیں گے اور ان کے سو ہی رہیں گے۔ اس لیے تمہاری زیادہ سنی جائے گی۔ لیکن فرض کرو۔ کسی کے ایمان کے نمبر ستر تھے اور بیس اضطرار کے تھے۔ کل نوے ہوئے۔ گویا اس کی کامیابی کے نوے وجوہات ہیں۔ لیکن اس کے بالمقابل ایک ہندو اور غیر احمدی پچانوے وجوہ لے کر خدا تعالیٰ کے سامنے جاتا ہے۔ تو چونکہ اس کی تباہی کے خطرات زیادہ ہیں اور اس میں شدید اضطرار پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو زیادہ قبول کرے گا پس ایسے معاملات میں

خشیت اللہ کو غالب آنے دینا چاہیے

مقابل کا یہ موقعہ نہیں ہوتا۔ یہ کوئی کبڈی نہیں۔ ایسے عذاب کے موقعہ پر کسی کو کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے کی دعا نہ سنے۔ مقابلہ دین کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ غیر مومنوں کی دعا کو نہیں سنتا کیونکہ وہ دین کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ کہ اے اللہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔ اگر ان کی اولادیں زندہ رہیں۔ تو وہ بھی تجھے گالیاں دینے والی ہوں گی۔ تو مقابلہ ایسی دعاؤں میں ہوتا ہے۔ مگر دنیوی حاجات میں اللہ تعالیٰ دونوں کی دعا سن لیتا ہے اور اضطرار کے ساتھ ایمان کے بھی نمبر دیتا ہے اور جس کے نمبر زیادہ ہو جائیں۔ اسے غلبہ دے دیتا ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہوا ہے کہ کسی تفسیر کی روایت ہو گی۔ بچپن میں آپ ہمیں کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک یہ بھی کہ

جب حضرت نوح کا طوفان آیا

تو اس وقت ایک چڑیا گھونسلے کا رستہ بھول گئی اور وہاں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے جن کو پیاس لگی ہوئی تھی وہ پانی پینے کے لیے منہ کھولتے تھے۔ مگر پانی نیچا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ پانی اور اونچا کر دو تا ان کے منہ میں پانی پہنچ جائے۔ ساری دنیا کافر تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب کو تباہ کر دیا۔ تا ان بچوں کو پانی مل سکے۔ یہ موازنہ ہے اس بات کا کہ جب دینی مقابلہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی بھی اتنی قیمت نہیں سمجھتا۔ جتنی چڑیا کے بچوں کی۔ مگر جب دنیوی معاملہ ہو تو وہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے بندے ہیں۔ اور وہ بھی۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو اور جگہ بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ فرمایا: کلا نمد ھو لاء یعنی اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہاری ہی مدد کریں گے بلکہ دنیوی معاملہ میں ان کی بھی کریں گے۔ جو مومن نہیں ہیں تو ایسے امور میں بہت خشیت اللہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقابلہ کی نہیں۔

نماز استسقاء احمدیوں نے ادا کی

اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور کچھ بارش ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرے نے بھی ضد کی وجہ سے نماز پڑھنا چاہی۔ مگر چونکہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم احمدیوں کے مقابلہ کے لیے کرتے ہیں۔ ان کی نہ سنی گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کہتے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی دعا بھی سن لیتا۔ مجھے بعض احمدیوں کی طرف سے بھی ایسے خطوط ملے کہ غیر احمدیوں نے دعا کی ہے اور ہندوؤں نے بھی جگ وغیرہ کیا ہے۔ دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا نہ سنے۔ مجھے اس سے تکلیف ہوئی اور جب مجھے غیر احمدیوں اور ہندوؤں کی نسبت یہ معلوم ہوا۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب احمدی تو دعا کر چکے۔ اب ہم دعا کریں گے اور ہماری دعاؤں سے بارش ہو گی۔ تو مجھے اس سے بھی تکلیف ہوئی اور میں نے دل میں کہا کہ افسوس! یہ لوگ خدا تعالیٰ کی دینی نعمت سے تو محروم تھے ہی مگر دنیوی نعمتوں کا دروازہ کھلا تھا۔ جسے انہوں نے اس طرح بند کر لیا جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو

میں نے کہا

کہ چونکہ انہوں نے مقابلہ کا رنگ اختیار کیا ہے اس لیے اب ان کی دعا نہیں سنی جائے گی۔ اور تین روز تک تو بارش نہیں ہو گی جب میں واپس آیا تو رستہ میں مجھے مولوی ابو العطاء صاحب ملے۔ میں نے دریافت کیا کہ احرار نے ۲۶ تاریخ کو دعا کی تھی۔ اب تک بارش تو نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا نہیں ہوئی۔ میں نے کہا۔ خیر اب تین دن گزر گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کا انتظار تھا۔ اب ہو جائے گی۔ میں نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہ کر کے دعا کی کہ الٰہی تیرا بارش کا قانون تو عام ہے۔ وہ خاص بندوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر بعض اوقات دل میں امید پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اگر پوری نہ ہو۔ تو بعض اوقات ابتلا پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر پوری ہو جائے تو تقویت ایمان کا موجب ہوتا ہے اور میں نے دعا کی۔ کہ

۲۴ گھنٹے کے اندر اندر بارش ہو

رات کو میں نے انتظار کیا۔ صبح دس بجے کے قریب میں اندر بیٹھا تھا کہ روشندانوں پر چھینٹے پڑنے کی آواز آئی۔ بالکل معمولی ترشح تھا۔ میں نے دعا کی کہ خدایا! ایسی بارش تو کافی نہیں۔ مخلوق کو تو ایسی بارش کی ضرورت ہے جس سے لوگ سیراب ہوں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں باہر نکلا کہ باہر جو دفتر کے آدمی صفائی کر رہے تھے۔ انہیں دیکھوں کہ کام ختم کر چکے یا نہیں۔ میں نے دور ایک چھوٹی سی بدلی دیکھی اور دعا کی کہ خدایا اسے بڑھا دے اور پھیلا دے اور پندرہ منٹ کے بعد میں نے دیکھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور پانی بہنے لگا۔ تو

یہ ایک نشان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مگر میں نے اس سے بڑھ کر بھی نشان مشاہدہ کیے ہیں۔ ایک دفعہ جب میں ابھی چھوٹا تھا اور پیچش کی شکایت تھی۔ بارش زور سے ہو رہی تھی اور مجھے اس قدر بھلی معلوم ہو رہی تھی کہ میں کھڑکی میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت مجھے سخت حاجت پاخانہ کی محسوس ہوئی۔ چونکہ اس بارش سے لطف اٹھا رہا تھا۔ میں نے سمجھا کہ میں پاخانہ جاؤں گا تو چونکہ ایسی بارش تھوڑی دیر ہوتی ہے۔ میرے آنے تک یہ بارش ہو جائے گی۔ میں نے اپنی عمر کے لحاظ سے دعا کی۔ کہ الٰہی اس وقت یہ بارش بند ہو جائے اور جب میں پاخانہ سے واپس آؤں تو پھر شروع ہو جائے یہ دعا کر کے میں پاخانہ گیا اور میں نے دیکھا کہ بارش ہلکی ہو گئی جب فارغ ہو کر واپس لوٹا اور آ کر اس کھڑکی میں کھڑا ہو گیا تو معاً بارش پہلے کی طرح تیزی سے برسنے لگی اور میں اس نظارہ سے دیر تک لطف اٹھاتا رہا اور اب یہ لطف اور بھی زیادہ تھا کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کی قبولیت کا ایک ایمان بڑھانے والا نشان دیکھا تھا۔ بے شک ہمارے دشمن ان باتوں پر ہنستے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ پاگل ہیں ایسی معمولی معمولی باتوں کو نشان قرار دیتے ہیں۔ اور دھوکہ خوردہ ہیں۔ مگر ایک دو باتیں ایسی ہوں۔ تو کوئی دھوکہ کہہ سکتا ہے۔ لیکن جب سینکڑوں ہوں تو اسے کسی طرح دھوکا کہا جا سکتا ہے۔ مگر دنیوی معاملات میں مقابلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خشیت اللہ پیدا کرنا

چاہیے۔ ہاں دینی امور ہوں تو دشمن خواہ کتنا مقابلہ کریں اور دعائیں کریں۔ ان کے ناک بھی رگڑے جائیں تو بھی ان کی نہیں سنی جائے گی۔

دنیوی معاملات میں

وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہم بھی۔ اگر اضطرار ان میں زیادہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی بھی سن لے گا۔ میں نے جو واقعات بیان کئے ہیں۔ یہ دعا کا دوسرا مسئلہ ہے۔ یہ تو ایسا وقت ہوتا ہے۔ جب اپنے رب سے ناز کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جیسے بعض اوقات انسان دوسرے سے کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنے محبوب سے بات منوانی ہے۔ مجھے کل کی دعا میں اضطرار بھی تھا۔ مگر

اپنے محبوب سے ناز کرنے کا رنگ

بھی تھا۔ ایسے وقت کی دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ اسے ضائع کرنا محبت کی ہتک ہے۔ تو مومن کی زندگی میں ہر جگہ نشان ہوتے ہیں۔

اس سفر کا ایک اور نشان

ہے۔ عزیزم مرزا ناصر احمد صاحب نیالی جا رہے تھے۔ ہم بھی دھرسالہ سے انہیں چھوڑنے کے لیے دوسرے موٹر میں گئے۔ جب پالم پور تک انہیں چھوڑ کر واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں موٹر خراب ہو گئی۔ اور ڈرائیور نے بتایا کہ پٹرول پہنچانے والی نلکی بیچ میں ٹوٹ گئی ہے۔ بارش تیز ہو رہی تھی اور ساتھ مستورات تھیں۔ قریباً شام کا وقت تھا۔ اور منزل سے قریباً ۲۲ میل دور تھے اور وہ بھی پہاڑی سفر کہ جو مرد بھی دو میل فی گھنٹہ مشکل سے چل سکے اور آدھ آدھ میل کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں آبادی ہو۔ میں نے سامنے دیکھا تو ایک جھونپڑی سی نظر آئی جو بعد میں معلوم ہوا کہ دوکان ہے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ وہاں تک ہی پہنچ جائیں شاید وہاں سے کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ میں نے دعا کی کہ یا الٰہی! یہ حالت ہے ہم تو چل بھی سکتے ہیں۔ باہر بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر ساتھ پردہ دار مستورات ہیں۔ تو کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سامنے کے مکان تک پہنچ جائیں۔ اتنے میں موٹر میں اصلاح ہو گئی اور وہ چل پڑی اور ہم دل میں بہت خوش ہوئے لیکن عین اس دوکان کے سامنے جا کر وہ پھر کھڑی ہو گئی۔ جس تک پہنچنے کے لیے میں نے دعا کی تھی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے کس طرح عین اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جہاں کے متعلق میں نے دل میں دعا کی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہماری موٹر جا کر ایسی جگہ رکی کہ جو اس دوکان کے دروازہ کے دونوں سروں کے عین درمیان تھی۔ نہ ایک فٹ ادھر نہ ایک فٹ ادھر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ سامان بھی کر دیا۔ کہ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک لاری بھی کھڑی ہے۔ حالانکہ وہ جنگل تھا ہم نے دریافت کیا تو لاری والے نے بتایا کہ ہم پر کوئی مقدمہ ہے اور جواب دہی کے لیے افسر کے پاس جا رہے ہیں۔ مالک گاؤں میں گیا ہوا ہے۔ اور وہ اس کا منتظر ہے۔ ہم نے اسے کچھ امید دلائی اور کچھ لالچ دیا۔ کہ اگر ہماری موٹر ٹھیک نہ ہو۔ تو موٹر کو لاری کے ساتھ باندھ کر ہمیں گھر پہنچا دے۔ کم سے کم کسی قصبہ تک جہاں موٹر ٹھیک ہو سکے اور اگر ٹھیک ہو جائے تو احتیاطاً ساتھ چلے۔ کہ پھر موٹر کے دوبارہ خراب ہونے کی صورت میں ہماری مدد کرے۔ اول تو وہ نہ مانا۔ لیکن قریباً ایک گھنٹہ تک مرمت کرنے کے بعد جب موٹر درست ہوا۔ تو وہ ڈرائیور بھی ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا۔ وہ علاقہ کچھ میدانی تھا اور چڑھائی کم تھی۔ لیکن جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے دھرسالہ کی چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ اور تیرہ میل سفر باقی رہ گیا تو اس نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے بہت امید دلائی۔ انعام کا لالچ دیا۔ مالک کی ناراضگی کی صورت میں اس کے پاس سفارش کرنے کو کہا۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی موٹر ٹھیک چل رہی ہے۔ اب کیا حرج ہے۔ آپ اکیلے چلے جائیں۔ میں نے پھر دعا کی۔ کہ یا الٰہی پھر جنگل کا جنگل ہی رہا۔ رات کا وقت تھا اور اگر موٹر خراب ہو گئی۔ تو دوسری سواری ملنے کی امید بھی نہیں۔ کیونکہ وہاں رات کے وقت موٹروں اور لاریوں کا چلنا منع ہے۔ میں نے دعا کی۔ اور میرے یہی الفاظ تھے کہ اب انسانی حد تو ختم ہو گئی اب تو ہی اپنے فضل سے انتظام فرما۔ یہ دعا کر کے میں نے موٹر کے چلانے کا اشارہ کیا۔ قریب ترین جگہ وہاں سے لوئر دھرسالہ تھی۔ جو سات میل تھی۔ ہماری موٹر ٹھیک چلتی رہی۔ جب لوئر دھرسالہ پہنچے۔ تو میں نے عزیزم مرزا مظفر احمد صاحب سے جو میرے ساتھ تھے۔ کہا کہ چلو دیکھیں۔ شاید کوئی دوسری موٹر مل جائے۔ تو اسے ساتھ لے چلیں۔ وہاں موٹر وغیرہ نہیں ہوتے۔ مگر جب گئے۔ تو دیکھا۔ کہ اتفاق سے وہاں ایک موٹر موجود ہے۔ اور معلوم ہوا کہ صبح اس نے کوئی سواری لے جانی ہے اس نے پٹھان کوٹ سے آئی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا۔ تو ڈرائیور نے کہا کہ بہت اچھا میں اپر دھرسالہ تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت اس دوسری موٹر کے لینے کا خیال اس لیے ہوا۔ کہ ہماری موٹر پر سواریاں زیادہ تھیں۔ خیال تھا کہ سواریاں کم ہو جائیں گی۔ تو ہماری موٹر کا خطرہ دور ہو جائے گا۔ مگر جب سواریاں تقسیم کر کے چلنے لگے تو معلوم ہوا۔ کہ موٹر کا وہ پرزہ جو تکلیف دے رہا تھا۔ پھر ٹوٹ گیا ہے اور اب ہماری موٹر کے چلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پر سب سواریاں کرایہ کی موٹر پر سوار ہو گئیں او رہم آرام سے گھر پہنچ گئے۔ یہ

خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل

تھا۔ کہ عین اس وقت آ کر موٹر خراب ہوئی۔ جب دوسری سواری کے لیے میسر آ گئی اور ایسی خراب ہوئی کہ دو تین دن میں جا کر درست ہوئی۔ مگر ہم بخیریت گھر پہنچ گئے۔ تو دیکھو اگر ایک بات ہو تو اسے اتفاق کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کو کس طرح اتفاق کہا جا سکتا ہے کہ پہلے عین اس جگہ پر پہنچ کر موٹر خراب ہوتی ہے۔ جس کے لیے میں نے دعا کی تھی۔ اور وہاں جنگل میں ایک لاری بھی کھڑی ہوئی مل جاتی ہے۔ جسے ساتھ لے کر ہم بقیہ سفر پورا کرنے کے لیے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ لاری والا ہمیں جواب دیتا ہے۔ اور اصل چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ میں پھر دعا کرتا ہوں۔ اور نہایت سخت چڑھائی پر موٹر بالکل آرام سے چڑھ جاتی ہے۔ لیکن جب راستہ میں ایک اور شہر آتا ہے تو وہاں غیر متوقع طور پر پھر ایک موٹر مل جاتی ہے۔ اور اس موٹر کے مل جانے پر پھر ہماری موٹر بری طرح خراب ہو جاتی ہے لیکن ہم تکلیف سے بچ جاتے ہیں۔ اور دوسری موٹر میں سوار ہو کر گھر پہنچ جاتے ہیں۔ غرض مومن تو دعاؤں کی قبولیت کے نشان ہر روز دیکھتا ہے۔ اسی جنگ کو دیکھ لو۔ جس کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اس میں بھی خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات ہیں۔ البانیہ میں ہمارا مبلغ گیا تھا۔ مگر انہوں نے اسے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ملک پر تباہی نازل کر دی۔ اور اٹلی نے اسے فتح کر لیا۔ گو ایک مسلمان حکومت کی تباہی کا بھی افسوس ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے نشان میں اس سے کمی نہیں ہو سکتی۔ پھر ہمارا ایک اور مبلغ پولینڈ میں گیا۔ انہوں نے بھی اسے وہاں سے نکال دیا۔ اب

دیکھ لو وہ کس طرح کانٹوں پر لیٹ رہا ہے۔ وہاں سے وہ چیکوسلواکیہ گیا۔ انہوں نے بھی اسے نکال دیا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے برباد کر دیا۔ اس طرح متواتر تین ممالک میں نشان ظاہر ہوئے پہلے

افغانستان کا حشر

جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ ان سب کو اتفاق کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اور جن لوگوں کو روزانہ ایسے نشانات نظر آئیں ان کا ایمان اگر دعا پر نہ ہو۔ تو ان سے زیادہ بے وقوف کون ہو سکتا ہے۔ پس دعائیں کرو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں سنتا ہے۔ مگر تمہاری زیادہ سنتا ہے۔ آج سے چار سال قبل میں نے اسی منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ

انگریزی حکومت کے بعض افسر

ہمیں خواہ مخواہ دکھ دیتے ہیں۔ اور ہمیں تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک ان کے پاس توپیں ہیں اور فوجیں ہیں مگر ہمارا خدا ان سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ اور وہ تو کیا اگر ان کے ساتھ جرمنی، روس، فرانس، غرضیکہ سب طاقتیں مل جائیں۔ تب بھی وہ ہمیں تباہ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ ہم خدا تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ اس کے بعد دیکھ لو۔ برطانوی حکومت کو کس طرح تکلیف پر تکلیف اٹھانی پڑی۔ حبشہ کے معاملہ میں اسے زک ہوئی۔ پھر سپین کے معاملہ میں ہوئی۔ اب یہ خطرہ درپیش ہے اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے خلاف شرارتیں بعض مقامی انگریزی افسروں نے کی تھیں مگر ذمہ داری اعلیٰ پر بھی آتی ہے۔ بے شک وہ شرارتوں میں شامل نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اسی نقطہ نگاہ سے دیکھا۔ کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر کے ان کو سزائیں کیوں نہ دیں۔ ورنہ انگریز جیسا کہ میں نے کہا ہے۔

دوسری یورپین قوموں سے بہت بہتر

ہیں۔ ابھی مجھے چٹھی آئی ہے۔ جو شاید ابھی چھپی نہیں۔ کہ اٹلی کی حکومت نے بھی ہمارے مبلغ کو حکم دیا ہے کہ ۱۵ اگست تک اس ملک سے نکل جاؤ۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس کو جب اس کا علم ہوا۔ تو انہوں نے برطانوی حکومت کے پاس پروٹسٹ کیا۔ اور کہا کہ ہمارے مبلغ کا اگر کوئی قصور تھا۔ تو ہمیں اس کی اطلاع ہونی چاہیے۔ لارڈ زٹلینڈ نے اس بارہ میں بہت ہمدردی سے کام کیا۔ اور ان کے ایک نائب نے فوراً فون سے شمس صاحب کو مطلع کیا۔ کہ ہم اپنے قونصل روم کو تار دے رہے ہیں۔ اور دوسرے تیسرے دن ان کو اطلاع دی کہ اس کی طرف سے اطلاع آئی ہے۔ کہ اس نے اٹالوی حکومت کو توجہ دلائی ہے اور اس کی طرف سے جواب ملا ہے۔ کہ فی الحال اس حکم کو اٹلی کی حکومت نے منسوخ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ابھی مزید تحقیقات کریں گے۔ تو انگریزی حکومت ہی ایسی ہے۔ جس میں ہمیں تبلیغی سہولتیں حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ اور کسی حکومت میں ہم نے امن نہیں دیکھا۔ سوائے ڈچ حکومت کے

انگریزی حکومت میں سب سے زیادہ امن ہے

اور دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ اور کسی حکومت میں ایسا نہیں۔ جاپان کا فی الحال ہم نے تجربہ نہیں کیا۔ مگر باقی حکومتوں میں کیا ہے وہ اسلامی مبلغ کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

میں خود مسولینی سے ملا تھا

اور اس نے مجھے خود کہا تھا کہ اپنا مبلغ بھیجیں اور اس وجہ سے خیال تھا کہ وہ ہمدردانہ رویہ رکھیں گے۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ ہمدردی عمل میں نہیں آئی۔ تو انگریزوں کے بعض آدمیوں کی شرارتوں کے باوجود

ہماری ہمدردی انگریزوں سے ہے

کیونکہ وہ دوسری شہنشاہیت والی حکومتوں کی نسبت بہت اچھے ہیں۔ پس ہم جو ان کی حکومت میں بستے ہیں۔ ہمارے لیے ان کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جو میرے اس خیال سے متفق نہ ہوں۔ وہ بھی تعاون پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہندوستان اور انگلستان کا تعلق ایسا نہیں کہ اس کی موجودگی میں ہندوستان الگ رہ سکے۔ انہی دعاؤں کے ضمن میں ایک اور بات بھی میں کہنی چاہتا ہوں۔ مجھے رپورٹ پہنچی ہے کہ احرار نے استسقاء کی نماز عیدگاہ میں پڑھنی چاہی۔ اس سے ہمارے آدمیوں کو اپنے حقوق کے اتلاف کا خیال ہوا اور انہوں نے ان کو روکا۔ چنانچہ حکام نے ان کو وہاں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ اس موقعہ پر مجھے خیال آیا۔ کہ انکے پاس نماز کے لیے جگہ موجود نہ تھی۔ پہلے بھی جب قبرستان کا جھگڑا ہوا ہے مجھے یہ خیال آیا تھا اور میں نے اس موقعہ پر مجسٹریٹ کو کہلا بھی بھیجا کہ اگر یہ لوگ اپنی مشکلات مجھے بتائیں۔ تو

میں حسن سلوک سے انکار نہیں کرونگا

مگر یہ لوگ ایسا طریق اختیار کرتے ہیں۔ جو لڑائی کا ہوتا ہے۔ اور اس لیے ہمیں بھی مجبوراً جواب دینا پڑتا ہے۔ اس موقعہ پر پھر مجھے خیال آیا۔ کہ یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے۔ کہ اگر کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ ہو۔ تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ جو بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ ان کے رشتہ دار گو ان کے ماں باپ سے بھی اچھا سلوک ان کے ساتھ کریں۔ ان کے دل میں یہ خلش ضرور رہتی ہے۔ کہ ہمارے ماں باپ نہیں ہیں۔ اسی طرح گو ان کو نماز کے لیے جگہ تو مل گئی۔ مگر ان کے دل میں یہ احساس تو ضرور ہوگا کہ یہ ہماری نہیں ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنا ہمارا حق تو نہیں۔ یہ کسی زمیندار کا احسان ہے۔ کہ اس نے پڑھنے کی اجازت دے دی۔ جس دن کوئی چاہے۔ اجازت دیدے۔ اور جس دن چاہے نکال دے۔ اور گو میں پہلے بھی اس امر کے لیے تیار تھا کہ اگر وہ آ کر کہیں تو ان کے لیے علیحدہ انتظام کر دوں۔ مگر اب مجھے خیال آیا۔ کہ میں کیوں اس امر کو اس دن کے لیے انتظار رکھوں۔ کہ جب وہ آ کر مجھ سے مدد مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جگہ زمین دے رکھی ہے۔ ہزاروں خاندان اس ملک میں ایسے ہیں کہ جن کے باپ دادا کی بادشاہت یہاں ہم سے زیادہ تھی۔ مگر آج وہ جوتیاں صاف کر کے روزی کماتے ہیں۔ اور گو آج ہمارے پاس دولت نہ ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی زمین ضرور ہے کہ ہم مالک یا رئیس کہلاتے ہیں۔ میرے دل نے محسوس کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل انسان پر اس لیے ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے حسن سلوک کرے۔ گو بعض اخلاقی اور قانونی مصلحتیں میرے رستہ میں روک بن رہی تھیں۔ مگر میں نے غور کر کے ایک رستہ نکال لیا ہے اور اب میں اعلان کرتا ہوں کہ میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ ان کو

نماز عید و استسقاء کیلئے زمین دے دوں

۶۰ x ۷۵ فٹ کا ایک کنال ہوتا ہے۔ ۲ فٹ میں ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ گویا ساٹھ فٹ میں تیس آدمی آ سکتے ہیں۔ اور چار فٹ کی جگہ ایک صف کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس لیے ۷۵ فٹ میں اٹھارہ صفیں بن جاتی ہیں گو لوگ تین فٹ بھی کافی سمجھتے ہیں۔ مگر میں چار فٹ رکھتا ہوں اور اس حساب سے ایک کنال میں ۵۴۰ آدمی آ جاتے ہیں۔ یہاں سارے غیر احمدی چھ سات سو ہیں۔ مگر عیدین اور استسقاء

وغیرہ مواقع پر باہر سے بھی آجاتے ہیں اور عورتیں بچے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے دو کنال زمین قادیان کے غیر احمدیوں کی نماز عید و استسقاء کے لیے کافی ہے اور وضو کی جگہ اور جوتیوں وغیرہ کے لیے جگہ بلکہ ان کی آئندہ ضرورتوں کا بھی خیال کر کے میں سمجھتا ہوں کہ

چار کنال زمین

ان کی سب ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اور میں اس قدر زمین انہیں ان اغراض کے لیے دینے کے لیے تیار ہوں۔ مگر شرط یہ ہوگی۔ کہ وہ اسے ہمارے خلاف استعمال نہ کر سکیں گے۔ وہ اپنا ایک ٹرسٹ اور رجسٹرڈ انجمن بنا لیں اور میں وقف کی صورت میں یہ زمین انہیں دے دوں گا۔ مگر شرط یہ ضروری ہوگی۔ کہ اسے ہمارے خلاف استعمال نہ کیا جا سکے گا۔ اسی طرح یہ بھی کہ غیر احمدیوں کو وہاں نماز کا حق ہوگا۔ مگر احمدی کہلانے والے ہمارے مخالفوں کو اس کے استعمال کا حق نہ ہوگا۔ یہاں بڑی بڑی قومیں کشمیری آرائیں اور کمہار ہیں۔ میرے نزدیک بہتر ہوگا۔ کہ ان کا ایک ایک نمائندہ چن لیا جائے۔ اسی طرح ایک نمائندہ بقیہ اقوام سے ہو۔ جو تھوڑی تھوڑی تعداد میں ہیں۔ اور ایک نمائندہ پرانے امام خاندان سے ہو جائے۔ جو میاں شمس الدین صاحب کا خاندان ہے۔ وہ ہمارے استاد بھی تھے۔ ان نمائندوں کے ٹرسٹ کے سپرد میں یہ زمین کر دوں گا۔ انشاء اللہ وہاں رہٹ والا کنواں بھی لگوا دوں گا۔ بلکہ میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ اگر محبت سے یہ لوگ معاملہ طے کریں تو وہاں پھل دار درختوں کے لگانے کے لیے کچھ زائد زمین بھی دے دوں۔ اور اس میں خود درخت لگوا دوں۔ تا ضرورت کے وقت سایہ سے بھی یہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔ اور پھلوں کی آمد سے زمین کے محافظ کا خرچ بھی کسی قدر نکلتا رہے۔ ہاں جیسا کہ میں نے کہا ہے وہ لوگ اس میں نماز عید اور استسقاء پڑھ سکیں گے۔ مگر احمدیت کے خلاف اسے استعمال کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ اور اس کی منتظم کمیٹی صرف یہاں کی پرانی آبادی کے افراد پر مشتمل ہوگی۔ اس انتظام کی صورت میں ان لوگوں کے دل پر سے یہ بوجھ اتر جائے گا کہ ان کے لیے عید وغیرہ کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ بلکہ میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر مجھ پر ثابت ہو جائے کہ

قبرستان کے لیے

ان لوگوں کے پاس کافی جگہ نہیں۔ تو اس کے لیے بھی کچھ زمین وقف کر دوں۔ گو اس وقت تک مجھ پر یہی اثر ہے کہ اس معاملہ میں وہ محض ضد کی وجہ سے شور کر رہے ہیں۔ ورنہ پرانا قبرستان اس غرض کے لیے کافی ہے۔ لیکن اگر وہ کافی نہ ہو۔ تو میں محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر احسان کیا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے جس طرح زندہ لوگوں کا مجھ پر حق ہے۔ اسی طرح مردوں کا بھی مجھ پر حق ہے۔ پس اگر مجھ پر ثابت ہو جائے کہ واقعی مردے دفنانے کے لیے ان لوگوں کو جگہ کی ضرورت ہے تو مجھے چاہیئے کہ اس کے لیے بھی زمین کا انتظام کروں۔ اگر یہ ضرورت ثابت ہوئی۔ تو میں اس کے لیے بھی حسب ضرورت زمین وقف کر دوں گا۔ انشاء اللہ اسے بھی ایک مقامی ٹرسٹ کے سپرد کر دوں گا جو غیر احمدی افراد پر مشتمل ہوگا۔ فی الحال میں

ایک ماہ کے لیے یہ پیشکش

کرتا ہوں۔ ایک ماہ کی شرط میں اس لیے لگاتا ہوں کہ ان کو جلد توجہ ہو جائے۔ ورنہ زیادہ عرصہ گذر جائے۔ تو بات کھٹائی میں پڑ جاتی ہے۔ نیز اس وقت ایک قطعہ میرے ذہن میں ہے جو ممکن ہے۔ بعد میں فروخت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خواہ وہ کسی قوم کی ہو۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ ضد کی وجہ سے نہ ہو۔ تو اس میں تعاون ضروری ہے۔ خواہ عبادت کرنے والے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ جب کوئی خدا تعالیٰ کا نام لیتا ہے۔ تو ہمیں ضرور اس سے تعاون کرنا چاہیئے۔ یہاں کے غیر احمدی پہلے نماز پڑھا ہی نہیں کرتے تھے۔ مگر اب گو ہماری دشمنی کی وجہ سے ہی سہی۔ کچھ نہ کچھ پڑھنے تو لگے ہیں۔ میں پہلے ہندو صاحبان سے بھی اسی قسم کا ایک معاملہ کر چکا ہوں۔ اور دوسری اقوام سے بھی جائز ضرورتوں کے پورا کرنے میں تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس محبت سے میں نے یہ پیشکش کی ہے۔ وہ بھی اس سپرٹ میں اس کو دیکھیں گے۔ اور ان ایام میں جبکہ ایک خطرناک جنگ کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اختلافات کو مٹا کر ایسی فضا پیدا کریں گے کہ ہم سب دشمنان ملک کا مقابلہ کر سکیں۔ اور حکومت کی پریشانی بھی دور ہو جائے۔ ان دو غرضوں کے سوا میری اور کوئی غرض نہیں۔ اول یہاں کے غیر احمدیوں کی حقیقی ضرورت کا پورا کرنا۔ دوسرے اس نازک وقت میں حکومت کی تشویش کو دور کرنا۔

لیکن اگر باوجود اس نیک نیتی کے اور ایک معقول مالی بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہونے کے اس کو بعض لوگ اکسائیں اور مشتعل کریں۔ اور کہیں کہ وہ زبردستی ہم سے ہمارے قبرستان اور عیدگاہیں چھینیں گے۔ تو ہمیں کسی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ

آخر ہم نے ہی غالب آنا ہے

نہ صرف قادیان میں بلکہ ساری دنیا میں۔ بہر حال میں نے ان کی خیر خواہی کی ایک تجویز پیش کر دی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کریں۔ تو ان کا فائدہ ہے۔ اور اگر نہ کریں تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ والله علیم بما فی نفسی و علیه التکلان

……

''موعود خلیفہ'' کی دعائیں حاصل کرو

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی دی ہوئی توفیق سے چندہ تحریک جدید اکثر جماعتوں اور اکثر افراد نے سات ستمبر تک ۵۰ فی صدی پورا کر لیا ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ چونکہ موعود خلیفہ کی دعا کا حاصل ہو جانا ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور احباب سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ جو دوست ۷ ستمبر تک اپنے وعدے سو فی صدی پورا کر دیں گے۔ ان کے نام دربار خلافت میں دعا کے لیے پیش کر کے دعا کی درخواست کی جائے گی۔ اس وعدے کے ایفاء کے لیے اگرچہ ''دفتر فنانشل سیکرٹری تحریک جدید'' سو فی صدی پورا کرنے والوں کے نام اسی دن حضور کے پیش کرتا رہا جس دن کسی کا وعدہ ہوا۔ مگر تاہم بھی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دن خاص مقرر کر کے ایسے احباب کی فہرست جنہوں نے ۳۰ جون کے خطبے کی تعمیل میں ۷ ستمبر تک اپنے وعدوں کو سو فی صدی پورا کر دیا ہے۔ ان کی فہرست دربار خلافت میں پیش کر کے دعا کی درخواست کی جائے۔ اس لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ایسی فہرست ۲۵ ستمبر بروز پیر ''دوشنبہ مبارک ہے دو شنبہ'' کے دن پیش کر کے دعا کی درخواست کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس امر کا اظہار بھی اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''سابقون الاولون'' جو اپنے وعدوں کو ۳۰ جون سے پہلے پہلے سو فی صدی پورا کر چکے ہیں۔ ان کے نام حضور کی خدمت میں دعا کے لیے پیش ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ شائع شدہ فہرستوں سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ ان احباب کے لیے جن کے

وعدے باوجود ان کی جدوجہد کے پورے نہیں ہوئے مگر ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنا وعدہ ۷ ستمبر تک پورا کر لیں۔ مگر نہیں کر سکے۔ ان کے لیے یہ موقعہ ہے کہ وہ اگر ۲۵ ستمبر کی شام تک اپنا وعدہ سو فی صدی پورا کر لیں تو دوسری فہرست جو ۸ سے ۲۵ ستمبر تک کی ہوگی۔ جو ۲۵ ستمبر کو دعا کے لیے حضور کے پیش کر دی جائے گی۔ اس میں ان کا نام آ جائے۔ یعنی دو فہرستیں ہوں گی۔ ایک ۷ ستمبر تک پورا کرنے والوں کی۔ دوسری ۱۵ ستمبر تک پورا کرنے والوں کی جو ۱۵ ستمبر کو انشاء اللہ پیش کی جائے گی۔ اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ احباب جن کے وعدے پورے نہیں ہوئے۔ وہ اپنے وعدوں کو ۲۵ ستمبر تک سو فی صدی پورا کرنے کی پوری کوشش کریں۔ ان احباب کی فہرست جنہوں نے تحریک جدید کے وصول کرنے یا کرانے میں ان تھک کوشش کی ہے۔ ان کی فہرست انشاء اللہ ماہ نومبر میں پیش کی جائے گی۔ ہر جماعت اور ہر فرد کی پوری کوشش ہے کہ وعدے سو فی صدی پورے کرنے چاہئیں۔ کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اللہ تعالی توفیق بخشے۔ والسلام (برکت علی خان فنانشل سیکرٹری تحریک جدید)

ملحقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

جلد ۲ | قادیان دارالامان مورخہ ۳۰ر شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۹ء | نمبر ۳۸

خطبہ جمعہ مورخہ ۲۲ر ستمبر سنہ ۳۹ء

اسلام احمدیت اور ہندوستان کا مفاد انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے میں ہے

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ **نہایت ہی لطیف نکتہ** بیان فرمایا ہے۔ کہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو چیز تم کو جلدی ملنے والی ہو۔ وہ تمہارے لیے اچھی بھی ہو۔ بلکہ بسا اوقات جو چیز بعد میں آنے والی یا دیر سے ملنے والی ہوتی ہے۔ وہ زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ اور قریب میں رکھی ہوئی یا قریب میں ملنے والی چیز بری ہوتی ہے۔ جس طرح قرآن کریم نے اس نظریہ کو پیش کرکے دنیا کی ہمتوں کو بڑھانے اور اس کے اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ بعض دفعہ **چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب** آجایا کرتی ہیں۔ اسی طرح اس نے اس نظریہ کو پیش کرکے انسان کی عقل اور اس کی ذہانت کو تیز کر دیا ہے۔ کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ کوئی چیز جو قریب الحصول ہو۔ وہ زیادہ اچھی ہو اور جس چیز کے متعلق **انسانی قلوب میں شکوک** اور شبہات ہوں۔ کہ معلوم نہیں۔ وہ ملتی بھی ہے یا نہیں اور اگر ملتی ہے تو کب اور کس رنگ میں وہ بری ہو۔

انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ وہ قریب کی چیز کو جو مل رہی ہو۔ بہتر سمجھتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتی ہے کہ نہ معلوم کوئی اور چیز ملتی بھی ہے یا نہیں۔ پھر کیوں نہ میں اس **قریب سے ملنے والی چیز** سے فائدہ اٹھالوں۔ اس لالچ اور حرص کی وجہ سے وہ تمام پہلو جن پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ انسان انہیں بھول جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی انسان کے دل میں لالچ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔

بیسیوں انسانوں کو تم دیکھو گے کہ وہ اپنے دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر یہ ذکر کر رہے ہوں گے کہ ہم نے فلاں کام کیا۔ اور ہمارا خیال تھا کہ ہمیں اس میں فائدہ ہوگا۔ مگر بجائے فائدہ کے ہمیں نقصان ہوگیا۔ اور جب ان سے پوچھو کہ اس بارہ میں تم نے پہلے غور کیوں نہ کر لیا تو وہ کہیں گے کہ ہم کیا کریں۔ ہماری تو عقل ماری گئی تھی۔ یہ اسی نظریہ کی ترجمانی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ کہ جب انسان کے دل میں لالچ پیدا ہوتا ہے تو اس کی نظر محدود ہو جاتی ہے۔ اور نظر محدود ہو جانے کی وجہ سے وہ کھلے اور روشن دلائل جو دوسروں کو نظر آتے ہیں اسے نظر نہیں آتے۔ لیکن جب انسان کی نظر وسیع ہوتی ہے تو وہ تمام پہلوؤں پر غور کرتا اور اپنے نفع اور نقصان کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور جب وہ دیکھتا ہے کہ قریب کی نفع مند چیز انجام کے لحاظ سے مضر ہے تو وہ اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیتا ہے۔ کہ مجھے اپنے نفس کی خواہشات کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مجھے لالچ اور حرص کے ماتحت قریب کی فائدہ مند چیز کو نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ اس وقت تک مجھے انتظار کرنا چاہیئے۔ جب تک مجھے حقیقی طور پر اچھی چیز نہ مل جائے۔

میں دیکھتا ہوں۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس قسم کے غلط اندازے کرکے **بڑی بڑی ترقیات سے محروم** ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ صحیح اندازے کرکے بہت بڑی ترقیات کو حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک طالب علم جو کھیل کود کے مزے کو دیکھتا ہے۔ جب اس مزے کو تعلیم پر مقدم کر لیتا ہے۔ تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ ایک قریب کا نفع ہے۔ جو مجھے حاصل ہو رہا ہے پھر کیوں نہ میں اس نفع کو پوری طرح سے لے لوں۔ میرے ماں باپ مجھے کہتے ہیں۔ کہ تم پڑھ لکھ لو گے۔ تو بڑے آرام سے زندگی بسر کر سکو گے۔ مگر مجھے تو بغیر پڑھے لکھے ہی آرام کی زندگی حاصل ہے۔ پھر میں کیوں پڑھوں۔ اور کیوں محنت کروں میرے لیے یہی آرام کافی ہے۔ جو کھیل کود کی صورت میں مجھے مل رہا ہے۔ اس کی عقل اتنی ماری ہوئی ہوتی ہے اور اس کی نظر اتنی تنگ ہوتی ہے کہ وہ اس آرام کو جو اسے مل رہا ہوتا ہے مقدم کر لیتا ہے اور یہ بالکل محسوس نہیں کرتا۔ کہ کھیل کود کے آرام میں اور اس آرام میں جو تعلیم مکمل کر لینے کے بعد طالب علم کو حاصل ہوتا ہے۔ کیا فرق ہے۔

انبیاء دنیا میں آتے ہیں۔ اور وہ اپنی تعلیم پیش کرکے کہتے ہیں۔ کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو **تمہیں جنت مل جائے گی** مگر دوسرے لوگ جو شرابیں پیتے ہیں۔ جوئے کھیلتے ہیں۔ بدیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ گالی گلوچ بکتے رہتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے پر دوسرے کا سر بھی پھوڑتے ہیں۔ جب اس قسم کی باتوں کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں جنت تو ہمیں حاصل ہے۔ ہم جب اپنی مرضی کے مطابق کھاتے۔ مرضی کے مطابق پیتے اور مرضی کے مطابق تمام کام کرتے ہیں۔ تو اس جنت کے علاوہ اور کونسی جنت ہے۔ جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم شراب چھوڑ دو۔ جوا ترک کر دو۔ بدیوں سے باز آجاؤ۔ گالی گلوچ سے کام نہ لو اور نہ لڑائی جھگڑوں پر کسی کا سر پھوڑو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ان باتوں پر عمل کرنا تو ایک دوزخ ہے۔ ہم ان باتوں پر عمل نہیں کر سکتے۔ جس

حیز کو جنت کہا جاتا ہے۔ وہ تو ہمیں حاصل ہے۔ ہم اپنی مرضی کے مطابق تمام کام کرتے ہیں۔ اور کسی کی حکومت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ کتنی بڑی جنت ہے۔ جو ہمیں حاصل ہے۔ گویا ان کے خیال میں اگر کوئی گالی دے۔ تو اس کے جواب میں اگر اس کا سر نہ پھوڑ دیا جائے۔ تو یہ ایک بے کیف زندگی ہوگی۔ اسی طرح ان کے خیال میں اگر انہیں ناجائز رنگ میں اپنا مال اور اپنے اوقات استعمال کرنے سے روکا جائے۔ تو یہ ان کے لیے بہت بڑا جہنم اور عذاب ہوگا لیکن اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے رہیں تو ان کی زندگی جنت کی زندگی ہوگی۔ یہ تفاوت بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس آرام کو دیکھ کر جو انہیں ایک قریب عرصہ میں اور تھوڑے عرصہ کے لیے حاصل ہوتا ہے۔ دھوکا کھا جاتے ہیں اور اپنی نظر کو محدود کر کے اس حقیقی جنت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو انبیاء کی اطاعت میں انسانوں کو حاصل ہوتا ہے۔

تو جو چیز قریب ہوتی ہے وہ بعید کی چیزوں کو نظروں سے اوجھل کر دیتی ہے۔ اور قریب والی چیز خواہ کتنی چھوٹی ہو بڑی دکھائی دیتی ہے اور دور کی چیز خواہ کتنی بڑی ہو۔ چھوٹی نظر آتی ہے۔ جیسے پہاڑ سینکڑوں میل لمبے چلے جاتے ہیں اور اونچے بھی وہ کئی کئی ہزار فٹ ہوتے ہیں۔ مگر دور سے دیکھنے والوں کو وہ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی چھوٹا سا ٹیلہ ہوتا ہے لیکن ایک پنسل جو آنکھ کے سامنے ہوتی ہے۔ وہ خواہ کتنی ہی چھوٹی چیز ہے۔ انسان کو بڑی دکھائی دیتی ہے۔ شیشے کا ایک گولہ جس کا قطر ایک انچ یا ڈیڑھ انچ ہو۔ وہ بعض دفعہ اس پہاڑ سے بڑا دکھائی دیتا ہے۔ جو سینکڑوں میل لمبا ہوتا ہے کیونکہ پہاڑ دور ہوتا ہے اور شیشہ نے آنکھ کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان کے نوجوانوں کے دماغوں کی کیفیت اس قسم کی ہو رہی ہے۔ اور بالعموم ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر موجودہ جنگ میں انگریزوں کو ضعف پہنچ جائے یا یہ ہار جائیں اور شکست کھا جائیں تو یہ اچھی بات ہوگی۔ خواہ اس کے ساتھ ہمیں بھی نقصان پہنچ جائے کیونکہ انہوں نے ہماری آزادی چھینی تھی۔ اور ایک غیر ملک سے آکر ہم پر حکومت کی۔ اب موقع ہے کہ انہیں ان کے کیے کی سزا ملے اور جنگ میں ان کو ضعف پہنچے۔ ایسا احساس دشمنوں یا غیر قوموں کے خلاف بعض دفعہ جائز اور بعض دفعہ ناجائز ہوتا ہے۔ یہ جائز ہوتا ہے۔ اس وقت جب دشمن کی تباہی یا جس سے اس کی مخالفت ہو۔ اس کو ضعف پہنچنا کسی اچھے انجام کا موجب ہو۔ اس صورت میں وہ بے شک مارا جائے اس کی پروا نہیں کی جاتی۔ مثلاً ایک شخص خدا کے رسول پر حملہ کر رہا ہے یا ایسے وجود پر حملہ کر رہا ہے۔ جو نہایت ہی قیمتی ہے۔ تو ایسے وقت میں اگر ہم اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اس جنگ کے نتیجہ میں اگر اسے مارتے ہوئے ہم خود بھی مر جائیں۔ تو یہ ایک مستحسن فعل ہوگا۔ کیونکہ گو دشمن کو نقصان پہنچاتے ہوئے ہم خود بھی مر جائیں گے۔ مگر ایک قیمتی وجود بچ جائے گا۔ لڑائیوں میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے سپاہی آفیسرز کو بچانے کے لیے مارے جاتے ہیں۔ اور آفیسرز اپنے سے بالا حکام کی حفاظت کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ اس کی ایک نہایت ہی عمدہ مثال اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نظر آتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جنگ صفین کے موقعہ پر جب ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر تھا اور دوسری طرف حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کا لشکر اور قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑتے۔ کہ بعض صحابہؓ نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ جب یہ خبر ان لوگوں کو پہنچی۔ جو اس فتنہ کے بانی تھے۔ اور جن میں سے بعض حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے اور بعض حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر میں۔ تو انہیں سخت گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ مسلمانوں میں صلح ہو جانی۔ ہمارے لیے سخت مضر ہوگی۔ کیونکہ ہم حضرت عثمانؓ کے قتل کی سزا سے اسی وقت تک بچ سکتے ہیں جب تک مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اگر صلح ہو گئی۔ تو ہماری خیر نہیں۔ پس جس طرح بھی ہو سکے۔ صلح نہیں ہونے دینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے صلح کو روکنے کے لیے یہ تدبیر کی۔ کہ ان میں سے جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر پر اور جو ان کے لشکر میں تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر شب خون مار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک شور پڑ گیا اور ہر فریق نے خیال کیا کہ دوسرے فریق نے اس سے دھوکا کیا۔ اور غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ دونوں طرف کا اسلامی لشکر جمع ہو گیا اور ان میں لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے کہا کہ کوئی شخص حضرت عائشہؓ کو اطلاع دے۔ شاید ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس فتنہ کو دور کرے چنانچہ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں۔ مگر جب ان کا اونٹ آگے کیا گیا۔ تو نتیجہ اور بھی خطرناک نکلا۔ یعنی مفسدوں نے یہ دیکھ کر کہ ہماری تدبیر پھر رائیگاں ہونے لگی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر اسلامی لشکر سخت جوش میں آ گیا۔ اور صحابہؓ اور بڑے بڑے بہادر اس اونٹ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں میں ایک شخص مالک نامی بھی تھا۔ جس کی بعض مورخ کو بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ مگر مجھے تو اس شخص سے ہمیشہ نفرت محسوس ہوئی ہے۔ یہی شخص تھا۔ جس نے اپنے ساتھیوں سمیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر حملہ کیا۔ اور صحابہؓ ایک ایک کر کے حضرت عائشہؓ کی حفاظت کے لیے آگے آئے اور شہید ہوتے چلے گئے۔ میں یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتا۔ مگر جہاں تک مجھے یاد ہے۔ بعض تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت زبیرؓ کے چھوٹے لڑکے آگے آئے۔ اور انہوں نے ان مفسدوں سے لڑائی شروع کر دی۔ اتفاقاً وہ لڑتے لڑتے مالک کے قریب پہنچ گئے۔ اور فوراً اس سے چمٹ گئے۔ مالک چونکہ اپنے دستہ کا افسر تھا۔ اس لیے انہوں نے سمجھا کہ اگر میں نے اسے مار لیا تو بڑی کامیابی ہوگی۔ کیونکہ باقی دستہ بھاگ جائے گا اور ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حفاظت کے ساتھ کسی دوسری جگہ پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ جونہی وہ مالک کے قریب پہنچے۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور اس سے کشتی لڑنی شروع کر دی۔ اور آخر لڑتے لڑتے یہ دونوں زمین پر گر گئے۔ مگر ایسی صورت میں گرے۔ کہ حضرت زبیرؓ کے لڑکے تو نیچے آ گئے۔ اور مالک اوپر یہ دیکھ کر تمام سپاہی ارد گرد تلواریں کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ اگر موقعہ ملتے مالک کو قتل کر دیا

جا سکے۔ مگر وہ مالک کو اس وقت مار نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے مالک پر تلوار چلائی تو ساتھ ہی حضرت زبیرؓ کے لڑکے بھی شہید ہو جائیں گے۔ اسی وقت ان کو بھی اس بات کا احساس ہوا۔ کہ یہ لوگ مالک کو اس لیے نہیں مارتے کہ اگر اسے مارا تو ساتھ ہی مجھ پر بھی حملہ ہونے کا خطرہ ہے۔ اور میں بھی اس کے ساتھ ہی مارا جاؤں گا۔ لیکن ساتھ ہی انہیں خیال آیا۔ کہ اگر مالک بچ گیا۔ تو یہ پھر اپنے ساتھیوں سمیت حضرت عائشہؓ پر حملہ کر دے گا۔ پس انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میں مرتا ہوں تو بے شک مر جاؤں۔ اس وقت مالک کا زندہ رہنا مناسب نہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اردگرد خاموش کھڑے دیکھا۔ تو انہوں نے ان کو مخاطب ہو کر کہا۔

اقتلونی و مالکا

اقتلوا مالکا معی

کہ ارے تم انتظار کس بات کا کر رہے ہو۔ تم مجھے بھی مار ڈالو۔ اور مالک کو بھی تم کیا سوچتے ہو۔ تم مالک کو بھی قتل کرو اور ساتھ ہی مجھے بھی۔ یہ سبق تھا۔ جو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دیا۔ کہ تم بجائے یہ دیکھنے کے کہ میں زندہ رہتا ہوں یا نہیں۔ یہ دیکھو کہ اس شخص کے زندہ رہنے سے اسلام کو کتنا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ پس تم اس بات کا انتظار نہ کرو کہ میں بچتا ہوں یا نہیں۔ بلکہ تم مجھے بھی مار ڈالو۔ اور مالک کو بھی تاکہ اس

فتنہ کا سد باب

ہو۔ اور یہ پھر اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنا سر نہ اٹھا سکے۔

غرض کبھی ایسا موقعہ آتا ہے کہ اپنے نقصان کا خیال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص یا قوم سے اختلاف ہے۔ وہ کسی طرح تباہ ہو جائے۔ ایسی حالت میں اگر ہم اپنے دشمن کو تباہ کرنے کی خاطر اپنے آپ کو بھی تباہ کر دیں۔ تا جس چیز کی ہم حفاظت کرنا چاہتے ہوں۔ وہ بچ جائے۔ تو یہ بالکل درست اور مطابق عقل ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ صورت حالات نہ ہو۔ تو پھر ایسے حالات پر خوش ہونا۔ کہ جس سے اختلاف ہے۔ وہ تباہ ہو جائے۔ خواہ ساتھ ہم بھی تباہ ہو جائیں۔ عقلمندی اور دور اندیشی سے بالکل بعید ہوتا ہے۔

موجودہ جنگ

کو ہی لے لو۔ اگر اس وقت انگریزی حکومت کی تباہی کے نتیجہ میں ہندوستانیوں کی کوئی ایسی قیمتی چیز بچ جاتی۔ جس کے بچ جانے کو لوگوں کی بربادی یا حکومت کی بربادی سے زیادہ قیمتی سمجھا جا سکتا۔ تو بے شک عقلمند لوگ یہی کہتے۔ کہ ہندوستانی بے شک تباہ ہو جائیں اگر ساتھ انگریز بھی تباہ ہوں۔ تو یہ قربانی مہنگی نہیں۔ مگر واقعات پر اگر غور کیا جائے تو ایسی کوئی

قیمتی چیز

ہمیں نظر نہیں آتی۔ جو انگریزوں اور ہندوستانیوں کے تباہ ہو جانے سے دنیا کے لیے محفوظ کی جا سکتی ہو۔ بلکہ ہمیں اگر نظر آتا ہے۔ تو یہ کہ انگریزی قوم اگر تباہ ہو تو ہندوستان اس کے ساتھ ہی تباہ ہوتا ہے۔ اور تباہ بھی کسی بڑی چیز کو بچانے کے لیے نہیں۔ بلکہ ایک بڑی چیز کو کھو کر تباہ ہوتا ہے۔ میں نے جیسا کہ ایک پچھلے خطبہ جمعہ میں بتایا تھا۔

انگریزی قوم کا میلان

اس وقت ہندوستانیوں کے متعلق اس قسم کا ہے کہ وہ آئندہ انہیں زیادہ سے زیادہ آزادی دیں گے۔ اور یہ بالکل ناممکن ہے۔ کہ انگریز اب ہندوستان کو پیچھے کی طرف لے جائیں اب ہندوستانی آگے کی طرف ہی بڑھیں گے اور یقیناً اس

جنگ کے بعد

جو ہندوستان کو آزادی حاصل ہوگی۔ وہ اس سے بہت زیادہ ہوگی۔ جو اب ہندوستانیوں کو حاصل ہے۔ لیکن

اگر اس جنگ میں انگریز ہار جائیں

اور ان کی جگہ کوئی اور قوم آ جائے۔ تو اس وقت ہندوستان کی وہی حالت ہو جائے گی۔ جو غدر کے وقت تھی۔ بلکہ اس سے بھی بدتر حالت ہونے کا امکان ہے۔ اور میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ انگریزی قوم اپنے ماتحتوں پر بالطبع اتنی سختی نہیں کرتی جتنی سختی دوسری قومیں کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ایمپائر میں بہت بڑی وسعت ہوئی۔ کیونکہ کوئی بڑی شہنشاہیت دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ اپنے ماتحتوں سے حسن سلوک نہیں کرتی۔ اور برطانوی ایمپائر کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ اپنے ماتحتوں سے سلوک کرنے میں ایک حد تک نرمی کرتی ہے۔ انگریزوں کی ایمپائر بہت بڑی ایمپائر ہے۔ اور یہ اسی جذبہ کی وجہ سے اپنی ایمپائر بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسری قومیں جو اپنی ایمپائر بنانے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔ وہ اسی لیے نہیں ہوئیں کہ وہ سختی کرتی ہیں۔ یہ نرمی کرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انگریز روحانی آدمی ہیں۔ انہوں نے محض اپنے سیاسی فوائد کے لیے یہ رنگ اختیار کیا ہوا ہے۔ مگر بہرحال یہ رنگ ہمارے لیے مفید ہے۔ ورنہ غلطیاں ان سے بھی ہوتی ہیں اور ظلم برطانوی حکومت کے ذمہ دار حکام بھی کر لیا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے بتایا تھا کہ

ہماری جماعت بعض حکام کے مظالم کا تختہ مشق رہی

گو اس کے اصل محرک ہندوستانی افسر تھے۔ مگر بہرحال انگریز افسروں نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ ان کی پیٹھ ٹھوکی اور ان مظالم میں ان کا تائیدی پہلو اختیار کیا پس یہ نہیں کہ میں انہیں مذہبی آدمی سمجھتا ہوں یا کامل دیانتدار اور ہر قسم کے ظلم سے مبرا یقین کرتا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ ان کی پالیسی

اور حکومتوں کی پالیسی سے

بدرجہا بہتر ہے

ان کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ لوگوں پر اتنی سختی نہیں کرنی چاہئے کہ وہ مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ ترقی کر رہے ہیں۔ انگریز پہلے حکمران نہیں۔ جنہوں نے دنیا پر حکومت کی ہو۔ بلکہ انگریزوں سے ایک لمبا عرصہ پہلے سپین نے اپنی حکومت کی توسیع شروع کی۔ چنانچہ جاپان کے پاس تک کا علاقہ یعنی فلپائن سپین کے ماتحت تھا۔ امریکہ کا اکثر حصہ سپین کے ماتحت تھا۔ افریقہ کا کافی حصہ سپین کے ماتحت تھا۔ اور یورپ کی تمام طاقتیں اس سے اسی طرح ڈرتی تھیں۔ جس طرح آج حکومت انگریزی سے اور حکومتیں ڈرتی ہیں اسکے بعد پورچوگیز اٹھے۔ اور انہوں نے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں ترقی کی۔ پھر ہالینڈ والے نکلے۔ اور انہوں نے ترقی کی۔ پھر انگلستان اور فرانس والے نکلے اور انہوں نے دنیا میں ترقی کی۔ مگر باقی جس قدر قومیں تھیں وہ آئیں اور مٹ گئیں۔ کیونکہ ان میں ایمپائر بنانے کی قابلیت موجود نہ تھی۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ انہیں دوسروں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں کو فائدہ بھی پہنچائیں۔ گویا ان کی مثال بالکل اس عورت کی سی تھی جس کے متعلق کہانیوں میں لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک مرغی تھی۔ جو روزانہ ایک سونے کا انڈا دیتی۔ اس نے خیال کیا کہ بجائے اس کے کہ روزانہ ایک ایک انڈا حاصل ہو۔ کیوں نہ میں مرغی کو ذبح کر کے

تمام انڈے اس کے اندر سے نکال لوں۔ چنانچہ اس نے سونے کے انڈے نکالنے کے لیے اسے ذبح کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرغی بھی مرگئی اور اسے انڈے بھی نہ مل سکے۔ وہ بھی جھٹ پٹ سارے انڈے نکالنے کی کوشش کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ مرغی مرجاتی اور ان کی حرص بھی پوری نہ ہوتی۔ مگر انگریز ذہین تھے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو اتنا نہیں چوسنا چاہیے۔ کسان میں

خون کا ایک قطرہ

بھی باقی نہ رہے۔ بلکہ انہیں بھی کھلانا چاہیے۔ اور خود بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جیسے بھینس کا ہوشیار مالک بھینس کو عمدہ چارہ کھلاتا اچھا پانی پلاتا اور اس کی خوب خبر گیری کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اسے کھلاؤں گا اور یہ مجھے دودھ گھی دے گی۔ پس ہوشیار مالک اسے خوب کھلاتا پلاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اسے کچھ نہ کھلایا۔ تو یہ دودھ گھی کچھ نہیں دے گی۔ اسی طرح اگر تم چاہو۔ تو بے شک یہ کہہ لو۔ کہ انگریز ہندوستانیوں کو خود غرضی کے طور پر بعض فوائد پہنچاتے ہیں۔ مگر میں یہ کہوں گا کہ یہ ویسی ہی خود غرضی ہے۔ جیسے اچھا مالک بھینس کو

محض اپنے فائدہ کے لیے

کھلاتا پلاتا ہے۔ بے شک اس میں مالک کی بھی خود غرضی ہوتی ہے مگر بہرحال وہ اس مالک سے بہتر ہوتا ہے۔ جو بھینس کو بھوکا رکھ رکھ کر مار ڈالتا ہے۔ وہ بے شک اسے کھلاتا ہے اپنے دودھ کے لیے۔ وہ بے شک اسے پلاتا ہے اپنے گھی کے لیے۔ مگر بہرحال بھینس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے کہیں اسے نہلایا دھلایا جاتا ہے۔ کہیں اس کی مالش کرائی جاتی ہے۔ کہیں اسے عمدہ سے عمدہ چارہ کھلایا جاتا ہے۔ وقت پر پانی پلایا جاتا ہے۔ اور جانور اپنے مالک سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں رکھتا۔ وہ جانور کی امیدیں پوری کر دیتا ہے اور جانور اسے دودھ گھی دے دیتا ہے۔ پس

انگریزوں کی مثال

اس اچھے زمیندار کی سی ہے۔ جو اپنی بھینس گھوڑے یا گائے وغیرہ کی خدمت بھی کرتا ہے۔ اور اس سے کام بھی لیتا ہے مگر دوسری حکومتوں کی مثال ایک بوچڑ کی سی ہے۔ جو چھری پھیرتا اور گائے یا بھینس کو ذبح کر دیتا ہے۔ وہ گوشت تو خود کھا لیتا ہے۔ اور ہڈیاں وغیرہ اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کون اس کی نگرانی کرے۔ کون اسے کھلائے پلائے۔ کون اس کی مالش کا بندوبست کرے۔ کون اسے نہلائے دھلائے۔ بس وہ چھری اٹھاتا اور اسے ذبح کر کے رکھ دیتا ہے۔ غرض

انگریزی قوم بالطبع شریف واقع ہوئی ہے

اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص جو انصاف پسند ہو۔ اور بغض اور کینہ کا شکار نہ ہو۔ وہ اگر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور کرے تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ انگریز دوسروں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ ایسی صورت میں اس بات پر خوش ہونا اور یہ امیدیں لگائے بیٹھنا کہ اب انگریزوں کو ان کے کیے کی سزا ملنے لگی ہے۔ میرے نزدیک نہایت بے وقوفی کی بات ہے۔ اگر یہ معمولی جنگ ہوتی اور اس میں انگریزوں کو خفیف سی زک پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔ جیسے

ایبے سینیا کے معاملہ میں

انگریزوں کو زک ہوئی۔ یا زیکوسلوویکیا کے معاملہ میں انہیں زک پہنچی اور انگریزی حکومت میں انتشار پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہوتا۔ جیسے ایبے سینیا یا زیکوسلوویکیا کے معاملہ میں جب انگریزوں کو زک ہوئی تو ہندوستان۔ انگلستان۔ افریقہ۔ آسٹریا اور کینیڈا وغیرہ کا انتظام اسی طرح بحال رہا اور اسے کوئی ضعف نہ پہنچا۔ صرف لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ انگریزوں کی کچھ ہیٹی ہوئی ہے۔ تو ایک حد تک کہا جا سکتا تھا کہ انگریزوں کو یہ سزا ملی ہے لیکن اگر لوگ بھی خطرہ میں ہوں اور تمام برطانوی ایمپائر بھی خطرہ میں گھری ہوئی ہو۔ جیسا کہ اس جنگ میں اس وقت تک کے آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ تو اس وقت میرے نزدیک اس قسم کی احمقانہ باتوں کی بجائے ہر شخص کو چاہیے کہ عقل سے کام لے اور بے عقلی یا غصہ سے

پرائے شگون میں اپنا ناک کٹوانے کا مصداق

نہ بن جائے۔ میرے نزدیک آج ہمیں اپنے تمام اختلافات کو بھول جانا چاہیے اور انگریزوں سے پورا پورا تعاون کرنا چاہیے۔ تا کہ جنگ کی بلا ٹل جائے اور ہندوستان کے لوگ بھی اور برطانوی ایمپائر بھی اس عظیم الشان مصیبت سے بچ جائے جو کچھ پہلی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ بھی یہی ہے۔ کہ انگریزوں کا دور نسبتاً مفید بابرکت اور اچھا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ تحریر فرمایا۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے ایسی دعائیں کبھی نہیں کرواتا جو اس کے دین اور سلسلہ کے لیے مضر ہوں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ایسی دعائیں ہمیشہ خدا تعالیٰ کے تصرف کے ماتحت ہوتی ہیں۔ عام آدمی نادانی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جیسے ہم دعا کیا کرتے ہیں اسی طرح نبی نے بھی دعا مانگی ہوگی۔ حالانکہ عام آدمیوں کی دعا اور نبیوں کی دعا میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

نبیوں کی اکثر اہم دعائیں

ایسی ہی ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے کرائی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ ایسی دعائیں بھی خدا تعالیٰ کروا دیتا ہے۔ جن کو بعد میں اسی نے رد کر دینا ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی کئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ذریعہ سے اپنے بندوں کو بعض نئے علوم عطا فرماتا ہے۔

حدیثوں میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں سے کہتا ہے کہ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ پس خالی

دعا کا سوال

نہیں۔ بلکہ اس دعا کا سوال ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں دوں گا۔ رسول کریم ﷺ بھی شفاعت کے متعلق ذکر کرتے ہوئے حدیثوں میں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے کہے گا۔ تو مانگ میں تجھے دوں گا۔ اس پر میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

تو انبیاء کی اور انبیاء کے رنگ میں رنگین لوگوں کی دعائیں خاص حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ بجا اور موزوں ہے۔ کہ وہ دعائیں

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر

کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اور خدا خود ان کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نکلواتا ہے۔ تا کہ ان کو قبول کرے نادان انسان اپنی دعاؤں پر قیاس کر کے کہتا ہے کہ میں نے بھی خدا سے دعا مانگی تھی۔ مگر وہ خدا نے قبول نہ کی۔ شاید اسی قسم کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی مانگی ہے۔ جس کی قبولیت ضروری نہیں۔ اور وہ یہ نہیں جانتا کہ انبیاء میں اور عام لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ پس

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

حکومت برطانیہ کی کامیابی کے لیے دعا مانگنا

بھی اس بات کی علامت ہے۔ موجودہ جنگ کے متعلق اس وقت تک جو خبریں آ رہی ہیں۔ ان کو سن کر بعض ناواقف لوگ سمجھتے ہیں کہ کوئی زیادہ اہم بات نہیں۔ حالانکہ ہوشیار آدمی الفاظ کے پیچھے سے خود بخود نتیجہ نکال لیتا ہے۔

اس وقت جو لڑائی ہو رہی ہے۔ اس کے پیچھے کئی حکومتیں ایسی ہیں۔ جنہیں پتہ ہے کہ وہ کس طرف جائیں گی۔ مگر ابھی وہ اس امر کا اظہار نہیں کرتیں۔ وہ کوشش کر رہی ہیں۔ کہ ابھی ان کے ارادے ظاہر نہ ہوں لیکن جس وقت ان کے دلی خیالات کو چھپانے کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس وقت وہ ظاہر ہو جائیں گی اور اس سے بھی زیادہ خطرناک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ جتنے اس وقت پیدا ہیں۔ اور جو قومیں اس وقت جنگ سے علیحدہ ہیں اور اپنے آپ کو غیر جانبدار کہہ رہی ہیں۔ وہی بھی آہستہ آہستہ اس لپیٹ میں آ جائیں گی۔ جیسے بگولہ جب اٹھتا ہے تو وہ اردگرد کے روڑے پتھر اور تنکے بھی کھینچ کھینچ کر اپنے اندر شامل کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب یہ جنگ ہیبت ناک صورت میں شروع ہوئی۔ تو بگولے کی طرح اس میں چیزیں پڑنی شروع ہو جائیں گی اور کوئی تعجب نہیں کہ

ہندوستان کے ملک میں بھی اس لڑائی کا اثر

آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک سنت ہے۔ کہ وہ بعض دفعہ ایک رویا دکھلاتا اور پھر اسے بھلا دیتا ہے۔ مگر سالہا سال کے بعد جب ان کا ظہور شروع ہوتا ہے تو پھر وہ انہیں یاد دلا دیتا ہے۔ اور اس طرح انسان یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ کس طرح سالہا سال پہلے خدا تعالیٰ ان واقعات کی خبر دے چکا تھا۔

میں نے بھی بعض خوابیں ۱۵ء یا ۱۶ء میں دیکھیں۔ جن میں سے بعض مجھے بھول گئیں۔ اور بعض کے متعلق میں سمجھتا تھا کہ ان کی کوئی باریک تعبیر ہے۔ مگر پچھلے سال سے دنیا میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں ان سے مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ ان میں سے بعض رویا ظاہر پر مبنی تھیں۔ اور میں صرف ان کو اس لیے باریک اشارہ سمجھتا تھا۔ کہ اس وقت تک حالات ظاہر نہ ہوئے تھے۔ اسی زمانہ کی رویا میں سے آج مجھے ایک رویا یاد آئی ہے جو ۱۵ء یا ۱۶ء میں میں نے دیکھی اور مجھے حیرت آتی ہے کہ وہ رویا کتنی واضح ہے۔ جس کے پیدا ہونے کے اب سامان ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ خواب ہے تو سخت خطرناک اور اس سے ظاہر بھی ہوتا ہے کہ

دنیا میں بہت بڑی تباہی آنیوالی ہے

مگر امید کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔ پس چونکہ اس کا تعلق بظاہر موجودہ جنگ کے ساتھ ہے اس لئے میں اسے بیان کر دیتا ہوں۔

میں نے دیکھا۔ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ جس میں میں کھڑا ہوں۔ اتنے میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان بلا جو ایک بہت بڑے اژدھا کی شکل میں دور سے چلی آ رہی ہے۔ وہ اژدھا کی شکل میں دور سے چلی آ رہی ہے۔ وہ اژدھا دس بیس گز لمبا ہے اور ایسا موٹا ہے جیسے کوئی بہت بڑا درخت ہو۔ وہ اژدھا بڑھتا چلا آتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دنیا کے ایک کنارے سے چلا ہے۔ او ر درمیان میں جس قدر چیزیں تھیں۔ ان سب کو کھاتا چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے وہ اژدھا اس جگہ پر پہنچ گیا۔ جہاں ہم ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ باقی لوگوں کو کھاتے کھاتے وہ ایک احمدی کے پیچھے بھی دوڑا۔ اس احمدی کا نام مجھے معلوم ہے۔ مگر میں بتاتا نہیں۔ وہ احمدی آگے آگے ہے اور اژدھا پیچھے پیچھے۔ میں نے جب دیکھا کہ اژدھا ایک احمدی کو کھانے کے لیے دوڑ پڑا ہے۔ تو میں بھی ہاتھ میں سوٹا لے کر اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن خواب میں میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اتنی تیزی سے دوڑ نہیں سکتا۔ جتنی تیزی سے سانپ دوڑتا ہے۔ کہ میں اگر ایک قدم چلتا ہوں تو سانپ دس قدم کے فاصلے پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن بہر حال میں دوڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا وہ احمدی ایک درخت کے قریب پہنچا اور تیزی سے اس درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر میں درخت پر چڑھ گیا تو میں اس اژدھا کے حملہ سے بچ جاؤں گا۔ مگر ابھی وہ اس درخت کے نصف میں ہی تھا کہ اژدھا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اور سر اٹھا کر اسے نگل گیا اس کے بعد وہ پھر واپس لوٹا اور اس غصہ میں کہ میں اس احمدی کو بچانے کے لیے کیوں اس کے پیچھے دوڑا تھا۔ اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ مگر جب وہ مجھ پر حملہ کرتا ہے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے قریب ہی ایک چارپائی پڑی ہوئی ہے۔ مگر وہ بنی ہوئی نہیں۔ صرف باہیاں وغیرہ ہیں۔ درمیان میں سوت سے اسے بنا نہیں گیا۔ پس جس وقت اژدھا میرے پاس پہنچا۔ میں کود کر اس چارپائی پر کھڑا ہو گیا اور میں نے ایک پیر ایک سرے پر اور دوسرا پیر دوسرے سرے پر رکھ لیا۔ جب اژدھا چارپائی کے قریب پہنچا تو لوگ مجھے کہنے لگے کہ آپ اس اژدھا کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ رسول کریم ﷺ فرما چکے ہیں کہ

لایدان لا حد بقتا لھما

اس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سانپ کا حملہ دراصل یاجوج اور ماجوج کا حملہ ہے اور یہ حدیث ان کے بارہ میں ہے اور میں اس وقت یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ دجال بھی ہے۔ پس وہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ جبکہ رسول کریم ﷺ یہ فرما چکے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اتنے میں وہ اژدھا میری چارپائی کے قریب پہنچ گیا اور

میں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے

اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کر دی۔ اسی دوران میں میں ان احمدیوں سے جنہوں نے مجھے مقابلہ کرنے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ جب رسول کریم ﷺ فرما چکے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکے گی تو آپ ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ کہتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ لایدان لا حد بقتا لھما کہ کسی کے پاس کوئی ایسا ہاتھ نہیں ہوگا۔ جس سے وہ ان دونوں کا مقابلہ کر سکے۔ مگر میں نے تو اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف نہیں اٹھائے۔ بلکہ میں اپنے ہاتھ خدا کی طرف اٹھا رہا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھا کر فتح پانے کے امکان کو رسول کریم ﷺ نے رد نہیں فرمایا۔ غرض میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور میں نے دیکھا کہ دعا کرنے کے نتیجہ میں اس اژدھا کے جوش میں کمی آنی شروع ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ اس کی تیزی کم ہو گئی۔ چنانچہ وہ پہلے تو میری چارپائی کے نیچے گھسا۔ پھر اس کے جوش میں کمی آنی شروع ہوئی۔ پھر وہ خاموشی سے لیٹ گیا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی چیز بن گیا ہے جیسے جیلی ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ

اژدھا پانی ہو کر بہہ گیا

اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھا دعا

کا کیسا اثر ہوا۔ رسول کریم ﷺ نے بے شک یہ فرمایا تھا کہ لا یدان لاحد بقتالھما مجھے اس وقت نہیں یاد کہ حدیث میں ھم ہے یا ما ہے لیکن رویا میں میں نے ما ہی کہا ہے اس لیے رویا کے الفاظ ہی لکھے گئے ہیں مگر آپ کا مفہوم یہ تھا کہ کوئی دنیوی طاقتوں میں سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اور اگر کوئی چاہے گا کہ اپنے ہاتھوں کے زور سے ان کو مٹا دے تو یہ نا ممکن ہوگا آپ نے اس میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ دعا سے بھی یہ فتنہ فرو نہیں ہوگا۔ چنانچہ دیکھو جب میں نے اپنے ہاتھ اس کے مقابلہ کی غرض سے اس کی طرف بڑھانے کے بجائے خدا تعالیٰ کی طرف بڑھائے تو یہ پانی ہو کر بہہ گیا۔

ممکن ہے یہ جنگ ہندوستان کے اندر بھی آ جائے

خوابیں چونکہ تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ اس لیے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی یہی تعبیر ہے۔ لیکن ممکن ہے۔ اس کی یہی تعبیر ہو اور اگر ایسا ہی ہوا تو یہ امر کوئی بعید نہیں کہ جنگ کے شعلے ہندوستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ ہماری جگہ تک اس اژدھا کے پہنچنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ جنگ ہندوستان میں آ جائے۔ یا اس کے اثرات ہندوستان کے لوگوں تک بھی پہنچیں گویا دونوں طرح ہندوستان اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ اس رنگ میں بھی کہ یہ جنگ ہندوستان میں آ جائے اور اس رنگ میں بھی کہ اس جنگ کے اثرات اتنے وسیع ہو جائیں کہ ہندوستان کے بھی لاکھوں لوگ اسی **جنگ کی وجہ سے زخم خوردہ** ہو جائیں۔ اور وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں۔

پھر گزشتہ سال کی مجلس شوریٰ کے موقعہ پر میں نے اپنا ایک رویا بیان کیا تھا کہ ہم ایک کشتی میں بیٹھے ہیں۔ جو سمندر میں ہے اور سمندر بہت وسیع ہے ایک طرف برطانوی علاقہ ہے اور سمندر کے دوسری جہت میں ایک دشمن کا علاقہ ہے۔ اتنے میں یکدم شور اٹھا اور گولہ باری کی آوازیں آنے لگی اور اتنی کثرت اور شدت سے گولہ باری ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ایک گولے اور دوسرے گولے کے چلنے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی اثنا میں میں نے محسوس کیا کہ ہم پانی کے نیچے ہیں اور گویا **طوفان نوح کی طرح دنیا پانی میں غرق ہو گئی ہے** لیکن آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم بچ گئے ہیں۔ یہ خواب تفصیل کے ساتھ مجلس شوریٰ کی رپورٹ میں چھپ چکی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ لڑائی معمولی نہیں اور اس کے اثرات بہت وسیع پیدا ہوں گے۔ پس جماعت احمدیہ کو ان حالات میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسلام اور احمدیت اور ہندوستان کا کس امر میں فائدہ ہے۔ اور دوسرے ہندوستانیوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہندوستان اور ہندوستان والوں کا کس امر میں فائدہ ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت میں بھی **یقیناً انگریزوں کی فتح مفید ہے** اور اگر ہم اسلام اور احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھیں اور ہم غور کریں کہ کس کے جیتنے میں احمدیت کا فائدہ ہے۔ تو اس صورت میں بھی یقیناً یہی نظر آئے گا کہ انگریزوں کی فتح اسلام اور احمدیت کے لیے مفید ہے مگر نوجوانوں کی ذہنیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ تھوڑے ہی دن ہوئے میں سیر کے لیے باہر نکلا۔ تو ایک نوجوان میرے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اور اس نے آتے ہی مجھے کہا حضور پولینڈ میں روس داخل ہو گیا ہے۔ میں اس وقت مسکرا کر کہا۔ کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روس کے ساتھ آپ کی بھی پتی ہے (پتی پنجاب میں حصہ کو کہتے ہیں) پھر تھوڑے سے وقفہ کے بعد میں نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ میرے لیے یہ کیسے تعجب کی بات ہوگی کہ اگر ہمارا کوئی شدید دشمن منارۃ المسیح کے نیچے کھڑا ہو۔ اور ایک احمدی یہ کہے کہ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر یہ منارہ گر جائے۔ اور یہ دشمن اس کے نیچے دب کر مر جائے۔ میں نے کہا کیا ایسے احمدی کی خواہش کو معقول کہیں گے اگر نہیں تو پھر غور کریں۔ اس وقت ایک طرف اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا سوال ہے۔ ایک طرف اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کا مسئلہ ہے۔ اور دوسری طرف یہ بات ہے کہ حکومت کے بعض حکام نے بھی دکھ دیا ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ انہیں سزا ملے اب کیا ان دونوں باتوں کا موازنہ کرتے ہوئے کوئی شخص بھی یہ کہنے کے لیے تیار ہے کہ اسلام کی تبلیغ بے شک رک جائے۔ احمدیت کی اشاعت بے شک بند ہو جائے۔ دین کو پھیلانے کی راہ میں جو آسائشیں ہیں۔ وہ بے شک جاتی رہیں۔ مگر کسی طرح میرے دل کا کینہ پورا ہو جائے بے شک جیسا کہ میں نے گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا (گو زبانی میں نے نہیں کہا مگر خطبہ کی اصلاح کرتے وقت میں نے بڑھا دیا تھا) مقامی حکومت کے ساتھ ہر مخلص احمدی کی اس وقت تک جنگ جاری رہے گی۔ جب تک ان حکام کو جو ان شرارتوں کے بانی تھے۔ سزا نہ ملے گی۔ اور قادیان کو ہمارے **مذہبی مرکز کی حیثیت** سے حکومت تسلیم نہ کرے گی۔ اور موجودہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد ممکن ہے ہم اپنے اس حق کا پھر حکومت سے مطالبہ کرنا شروع کر دیں۔ لیکن مقامی حکومت کے بعض افسروں سے ہماری وہ جنگ ایسی ہی تھی جیسے گھر میں دو آدمی آپس میں لڑ پڑیں۔ بھائی بھائی بھی بعض دفعہ آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ مگر جب کوئی غیر آ جائے تو پھر انہیں اپنی لڑائی بھول جاتی ہے۔ اور وہ متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس وقت بھی حکومت انگریزی کو ایک بہت بڑی مہم درپیش ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس معاملہ میں حکومت کی امداد کریں۔ کیونکہ اس حکومت کے ساتھ اسلام اور احمدیت کی تبلیغ وابستہ ہے اور اگر یہ حکومت جاتی رہی تو یہ تمام فوائد بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ہمارا یہ **پچاس سالہ تجربہ** ہے کہ دنیوی حکومتوں میں سے سب سے بہتر حکومت برطانیہ ہے۔ دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے۔ کیونکہ ہم نے جاوا اور سماٹرا میں تبلیغ کی۔ اور ہم نے دیکھا کہ وہ لوگ ہماری راہ میں روک نہیں بنے۔ بلکہ انہوں نے ہمارے مبلغوں کے ساتھ انصاف کی حد تک تعاون کیا اور ان دونوں سے اتر کر بعض اور حکومتیں بھی ہیں جن میں یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ بھی شامل ہے۔ گو حکومت امریکہ بعض دفعہ ہمارے مبلغوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روکتی بھی رہی ہے۔ چنانچہ تحریک جدید کے ماتحت ہمارا ایک مبلغ یہاں سے امریکہ گیا۔ تو انہوں نے اسے اپنے ملک سے نکال دیا۔ محض اس لیے کہ وہ ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایک وقت میں دو عورتوں سے شادیاں کرنا جائز ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے سوال کیا کہ تم یہاں دوسری شادی کی کسی کو اجازت دو گے یا نہیں۔

اس نے کہا نہیں کیونکہ ہماری تعلیم یہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہیں۔ اس کے احکام کی اطاعت کریں۔ جب یہاں کی حکومت دو شادیاں جائز نہیں سمجھتی تو میں بھی کسی کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دوں گا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ بتاؤ تم اسے جائز سمجھتے ہو یا نہیں۔ وہ کہنے لگا ہماری تعلیم یہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو۔ اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔ اس تعلیم کے ماتحت میں اس جگہ اسے جائز نہیں سمجھوں گا۔ وہ کہنے لگے یہاں کا سوال جانے دو۔ تم باہر کے کسی ملک میں دو شادیاں جائز سمجھتے ہو یا نہیں۔ وہ کہنے لگا یہ تو میرے مذہب کی تعلیم ہے۔ میں اسے ناجائز کس طرح سمجھ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پھر تم یہاں نہیں آ سکتے۔ حالانکہ انہیں صرف اپنے ملک سے غرض تھی۔ نہ کہ دوسرے ملکوں سے سیاست کا تعلق صرف اسی حد تک ہے کہ امریکہ والے کہیں کہ جو ہمارے ملک میں آتا ہے۔ وہ نہ خود دوسری شادی کرے اور نہ اوروں کو دو شادیاں کرنے کی تلقین کرے مگر یہ انہیں کہاں سے اختیار حاصل ہو گیا۔ کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ دوسرے ملکوں میں رہ کر بھی تم اسی قانون کے پابند رہو جو امریکہ میں جاری ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس کے سامنے قرآن کھول کر رکھ دیا اور مثنیٰ وثلٰث والی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا کہ تم اس آیت کو مانتے ہو یا نہیں۔ اس نے کہا میں اسے مانتا ہوں وہ کہنے لگے پھر تمہیں اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ اس ملک کا حال ہے۔ جو آزادی مذہب میں انگریزوں سے بھی زیادہ

رواداری جذبات رکھنے کا مدعی

ہے۔ اس کے بعد بے شک وہ یہ دعویٰ کرتے رہیں۔ کہ ہم انہیں یہی کہیں گے کہ تم بے شک آزادی مذہب کے اصول کے قائل ہو۔ مگر انگریزوں سے کم اور ہم بیدائے اس وقت تک رکھنے پر مجبور ہیں جب تک تم ان قواعد کو نہ بدل دو۔ جو اس قدر تنگ دلی اور تنگ نظری پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ والوں کے ممنون احسان بھی ہیں کہ انہوں نے ہمارے بعض پرانے مبلغوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سر زمین امریکہ میں نہایت جوشیلے احمدی موجود ہیں۔ وہ چندے بھی دیتے ہیں وہ تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ اور سلسلہ کے کاموں میں بڑے اخلاص سے حصہ لیتے ہیں۔ غرض وہاں اسلام

کی نہایت خدمت کرنے والی

مخلص اور جوشیلی جماعت

ہے۔ پس یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کا دوسرے بہت سے ممالک سے اچھا نمونہ ہے۔ مگر پھر بھی جب تک وہ اس قسم کی تنگ دلی کو دور نہیں کرے گی ہم اس بات پر مجبور ہیں۔ کہ انہیں انگریزوں سے کم رواداری قرار دیں۔ دوسرے نمبر پر

ہالینڈ کی حکومت

ہے۔ سماٹرا اور جاوا میں بیسیوں جگہ احمدیہ جماعتیں قائم ہیں۔ اور حکومت کے افسر ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں بلکہ ان کے دو قونصل مجھے ملنے کے لیے قادیان بھی آئے تھے اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ چونکہ آپ کی جماعت کے کئی لوگ ہمارے ملک میں آباد ہیں۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ جماعت کے مرکز کو بھی دیکھ لیا جائے۔ ان میں سے ایک کو تو خصوصیت سے حکومت ہالینڈ نے یہاں بھیجا تھا تا کہ وہ مرکز کے متعلق براہ راست واقفیت حاصل کرے۔ غرض یہ دو حکومتیں تو صاف طور پر نظر آتی ہیں۔ باقی حکومتوں کا یہ حال ہے کہ ان کے ملک میں ہمارا مبلغ چار مہینے رہتا ہے۔ تو وہ اسے پکڑ کر باہر نکال دیتی ہیں۔ پھر وہ اگلی حکومت کے علاقہ میں جاتا ہے اور وہاں سے دو چار ماہ کے بعد اسے نکلنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر وہ اگلی حکومت کے علاقہ میں جاتا ہے۔ اور وہاں سے دو چار ماہ کے بعد اسے نکلنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر وہ اگلی حکومت میں جاتا ہے اور وہاں بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں ان قوموں کی حکومت ہو جو احمدی مبلغین کو کان پکڑ پکڑ کر اپنے ملک سے باہر نکال دیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور تم چاہتے ہو کہ اس ظلم کی انہیں سزا ملے۔ میں جیسا کہ بتا چکا ہوں جب امن کا وقت ہوگا اور ایسے مقابلہ کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں یقیناً جماعت سے مطالبہ کروں گا کہ جو مظالم اس پر ہوتے رہتے ہیں ان کو یاد کرتے ہوئے وہ ان حکام کو سزا دلوائے۔ جو ان شرارتوں کے بانی تھے۔ مگر جب پھر کوئی خطرے کا وقت آیا تو میں کہوں گا کہ

حکومت کی مدد کرو

کیونکہ تبلیغ ذاتی جذبات مادی نقصانات اور زبانی جنگ سے بہت زیادہ قیمتی ہے ایک شخص ہم سے آپ آپ کہہ کر گفتگو کرے مگر ہمیں تبلیغ کرنے کی اجازت نہ دے۔ اور دوسرا ہمیں مارے پیٹے۔ اور گالی گلوچ دے۔ مگر تبلیغ کی اجازت دے۔ تو میں تو یہی کہوں گا۔ کہ جو شخص ہمیں مارتا ہے وہ زیادہ اچھا ہے۔ بہ نسبت اس کے جو ہمیں آپ آپ کہتا ہے مگر تبلیغ سے روکتا ہے۔ میرے قلبی جذبات اس بارے میں جو کچھ ہیں ان کا اظہار میں نے ایک شعر میں کیا ہوا ہے۔ جب یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں داخل ہونے سے مفتی محمد صادق صاحب کو روکا گیا۔ تو اس وقت میں نے ایک نظم کہی۔ جس کا ایک شعر یہ ہے کہ

اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے اے خدا
جس میں کہ تیرا نام چھپانا پڑے ہمیں

پس یہ مظالم تو حقیر چیز ہیں میرا تو یہ عقیدہ ہے۔ کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ جس میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا نام چھپانا پڑے اور میں تو چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا نظام قائم ہونے والا ہو۔ جس میں تبلیغ کے راستہ میں یقینی طور پر روکیں واقع ہو جاتی ہوں۔ تو اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہر احمدی مر جائے۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکے کہ اے میرے خدا جب تک میں زندہ رہا

میں نے تیرے نام کو نہیں چھپایا

میری موت کے بعد اگر کوئی ایسی روکیں تیرے نام کی بلندی میں حائل ہو گئی ہیں۔ تو مجھے ان کا علم نہیں۔

پس یہ دن ایسے نہیں ہیں کہ ہم دوسری قسم کے جذبات کی رو میں اپنے آپ کو بہائے چلے جائیں۔ میرے نزدیک ہر وہ احمدی جو آج حکومت برطانیہ کے ساتھ تعاون کرنے میں تنگی محسوس کرتا ہے۔ یا تو اس کی عقل میں فتور ہے یا اس کے دین میں فتور ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تم ان مظالم

کو بھول جاؤ

وہ چیزیں موجود ہیں۔ اور جب جنگ ختم ہو گئی۔ تو پھر ان کے متعلق سوال اٹھا دیا جائے گا لیکن جب اس سے بہت زیادہ اہم معاملہ اور ایک بہت نازک خطرہ ہمارے سامنے موجود ہے تو ہمیں یقیناً اپنے تمام سابقہ اختلافات کو بھول جانا چاہیئے اور میرے نزدیک اگر کوئی احمدی ان باتوں کو دیکھنے کے باوجود پھر بھی اپنے دل میں قبض محسوس کرتا اور حکومت برطانیہ کی مدد سے گریز کرتا ہے۔ تو اس کے متعلق میں یہی سمجھوں گا۔ کہ یا تو اس کی عقل میں فتور ہے اور یا اس کے دین میں فتور ہے۔ دونوں میں سے

ایک بات ضرور ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ

آنے والے واقعات کی طرف اشارہ

کیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے متعدد بار متعدد رؤیا اور کشوف کے ذریعہ ان حالات کی خبر دی ہوئی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے بھی تمام باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ تم اس بات کو معمولی نہ سمجھو۔ بلکہ یقیناً یاد رکھو کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بار ہا بتایا۔ دنیا میں ایسی ایسی آفات آنے والی ہیں۔ کہ وہ

قیامت کا نمونہ

ہوں گی۔ اور بسا اوقات ان آفات کو دیکھ کر انسان یہ خیال کرے گا کہ اب دنیا میں شاید کوئی انسان بھی باقی نہیں رہے گا۔ ایسے نازک موقعہ پر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا اور قربانیوں کو کمال تک پہنچانا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جب ہماری جماعت اپنی قربانیوں کو کمال تک پہنچا دے گی اور اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی مدد بھی اس کے شامل حال ہوگی۔ پس میں

جماعت کو توجہ

دلاتا ہوں۔ کہ وہ اپنی ذہنی اصلاح کرے۔ جیسا کہ اس نے اپنی ظاہری اصلاح کی ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو جائیں تو ان کے نتیجہ میں ایمان بھی کمزور ہو جاتا ہے کم از کم اس معاملہ میں ہماری جماعت کی مثال من چہ سرایم و طنبورہ من چہ سرائد والی نہیں ہونی چاہیے۔ کسی حنفی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سید عبدالقادر صاحب جیلانی کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز تک پڑھنا جائز سمجھتا تھا کسی نے اسے کہا کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانی تو حنفی نہیں تھے۔ وہ تو حنبلی تھے۔ وہ کہنے لگا حضرت ان کا مذہب اور میرا مذہب اور تو یہ مقام کوئی خوشکن مقام نہیں کہ تمہارا طریق اور ہو اور میرا طریق اور۔ باقی اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرو کہ وہ اس عظیم الشان بلا سے ہماری جماعت کو محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ رؤیا میں لا یدان لاحد بقتالھما کا نکتہ مجھ پر کھولا حقیقت یہی ہے کہ ہمارے اندر یہ طاقت تو نہیں کہ ہم آمنے سامنے ہو کر ان کا مقابلہ کریں لیکن

خدا کی طرف ہم اپنے ہاتھوں کو بلند کر سکتے ہیں

اور یقیناً اگر ہم اس سے دعائیں کریں تو وہ ہماری سنے گا اور ہماری تائید کے لیے غیر معمولی سامان پیدا کر دے گا پس یہ جو آفتیں آنے والی ہیں ان پر اصل غلبہ دعا کے ذریعہ ہی ہوگا اور کیا تعجب ہے کہ اس جنگ میں ایک وقت ایسا آ جائے جب کہ

اتحادی ہم سے دعا کی درخواست کریں

اور جیسا کہ رؤیا بتاتی ہے۔ اگر وہ اخلاص سے اس طرف توجہ کریں۔ تو خدا تعالیٰ میری دعا کی برکت سے یہ مصیبت ان سے دور کر دے گا۔ لیکن ابھی انکے دماغ اس مقام پر نہیں آئے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھیں۔ بلکہ اس وقت اگر کسی انگریز کے سامنے میری اس تقریر کا یہ حصہ رکھ دیا جائے تو وہ کہے گا کہ یہ کوئی پاگل ہے۔ جو پاگل خانے سے چھوٹ کر آیا ہے کیا ہماری حفاظت کے لیے ہمارے پاس توپخانے اور بحری بیڑے اور ہوائی جہاز اور بڑے بڑے اسلحہ موجود نہیں اور اگر ان ہتھیاروں کے باوجود ہمیں فتح حاصل نہ ہو۔ تو اس کی دعا سے کس طرح فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جب مصائب آتے ہیں تو اس وقت ذہن خود بخود ان باتوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پس کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ

اسلام کی صداقت کا ایک زندہ نشان

اس طرح دکھا دے کہ جب ان کی مصیبتیں بڑھ جائیں اور انہیں ان کا کوئی علاج نظر نہ آئے تو وہ جماعت احمدیہ اور اس کے امام سے کہیں کہ آپ ہماری اس مصیبت کے دور ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور جب ہم اس درخواست کے بعد دعا کریں گے۔ تو میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وعدوں کے مطابق جو اس نے ذاتی طور پر مجھ سے کئے اور ان وعدوں کے مطابق جو اس نے میری پیدائش سے بھی پہلے میرے متعلق کئے۔ وہ میری دعا کو سن لے گا اور اسلام اور احمدیت کی صداقت کے لیے ایک زندہ نشان دکھا دے گا۔ انشاء اللہ بفضلہ و رحمہ

آمین (مکرر)

اور اطمینان کے ساتھ یہ امانت اگلی نسل کے سپرد نہیں کر سکتے۔

احمدیت کی محبت

اخلاص اور تربیت جھگڑوں سے روکتی ہے مگر لوگ معمولی معمولی بات پر جھگڑتے ہیں۔ عہدوں پر جھگڑ کر ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سارا نقص اس وجہ سے ہے۔ کہ احمدیت کی محبت دل میں نہیں۔ اگر احمدیت کی محبت ہوتی تو کچھ بھی ہو جاتا وہ اس کی پروا نہ کرتے۔ یہ لوگ ہسپتالوں میں جاتے ہیں۔ عدالتوں میں جاتے ہیں۔ کہیں ان کو چپڑاسی تنگ کرتے ہیں کہیں ان کو کمپونڈر دق کرتے ہیں۔ یہ ان ساری ذلتوں کو برداشت کرتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے عزیز کی جان یا ہماری عزت خطرے میں ہے اگر

اسلام کی جان اور اسلام کی عزت

کی قدر ان کے دل میں ہوتی تو یہ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر کیوں جھگڑتے۔ تو فرق یہی ہے کہ اپنے عزیز کی جان یا اپنی عزت ان کو زیادہ پیاری ہے۔ اس لیے کچہریوں یا ہسپتالوں میں مجسٹریٹوں یا ڈاکٹروں کی جھڑکیاں کھاتے ہیں اور ان کو برداشت کرتے ہیں ان سے گالیاں سنتے ہیں اور ہنستے ہوئے کہتے چلے جاتے ہیں کہ حضور ہمارے مائی باپ ہیں جو چاہیں کہہ لیں۔ مگر

خدا کے سلسلہ اور خدا کے نظام میں

معمولی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ وہاں ہسپتالوں میں دایاں اور نرسیں ان کو جھڑکتی ہیں۔ ڈاکٹر حقارت سے کہتا ہے چلے جاؤ۔ تو یہ دروازہ کے پاس جا کر چھپ کر کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اس کو ناراض کیا تو میرے

عزیز کی جان خطرہ میں

پڑ جائے گی۔ لیکن ان کو احمدیت عزیز نہیں ہوتی۔ اسلام عزیز نہیں ہوتا۔ اسلئے سلسلہ اور نظام کی خاطر ادنیٰ سا برا کلمہ سننے کی تاب نہیں رکھتے دوسری چیز محنت ہے۔ اگر واقعہ میں احمدیت کی محبت ہوتی تو ضرور

نوجوانوں کے اندر محنت کی بھی عادت ہوتی

مگر ان کے کاموں میں محنت اور باقاعدگی سے کام کرنے کی عادت بالکل نہیں۔ اور اگر کوئی کسی کو اچھی بات بھی کہہ دے تو وہ چڑ جاتا ہے۔

....

فاروق کے ہمدرد

فاروق کے لیے کم از کم ایک ایک خریدار عطا فرما کر فاروق کی ترقی اشاعت میں مدد دیں تا کہ فاروق موجودہ جنگ میں کاغذ کی گرانی اور دیگر اخراجات کی مشکلات کو آسانی سے برداشت کر سکے۔ خدا آپ کی نصرت کرے۔

کہ اس نے مجھے ایسی بات کیوں کہی۔ پس میں پھر ایک دفعہ خدام کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ مشورہ کرکے میرے سامنے تجاویز پیش کریں میں نے بھی اس پر غور کیا ہے اور بعض تجاویز میرے ذہن میں بھی ہیں لیکن پہلے میں جماعت کے سامنے اس بات کو پیش کرتا ہوں کہ وہ

مشورہ دیں

کہ آئندہ نسلوں میں قربانی اور محنت اور کام کو بروقت کرنے کی روح پیدا کرنے کے لیے ان کی کیا تجاویز پیش کرے۔ وہ اپنی اولاد کو پہلے پیش کرے بعض لوگ لکھنے کو تو لکھ دیتے ہیں کہ اس طرح سلوک کیا جائے ۔ اس طرح نوجوانوں پر سختی کی جائے۔ تو شور مچانے لگ جاتے ہیں تو جو شخص اپنی تجاویز لکھے۔ وہ ساتھ یہ بھی لکھے کہ میں

اپنی اولاد کے متعلق

سلسلہ کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ جو قانون بھی بنائیں میں اپنی اولاد کے ساتھ اس سلوک کو جائز سمجھوں گا۔ اس طرح خدام الاحمدیہ آپس میں مشورہ کرکے مجھے بتائیں کہ نوجوانوں کے اندر

محنت اور استقلال

سے کام کرنے کی عادت پیدا کرنے کے لیے ان کی کیا تجاویز ہیں۔ نوجوان کام کے موقعہ پر سو فیصدی شل ہو جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ مشکل پیش آ گئی۔ اس لیے کام نہیں ہو سکا۔ وہ نوے فی صد بہانہ اور دس فیصدی کام کرتے ہیں یہ حالت نہایت خطرناک ہے اس کو دیر تک برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

پس خدام مجھے بتائیں

کہ نوجوانوں کے اندر محنت سے کام کرنے اور فرائض کو ادا کرنے میں ہر قسم کے بہانوں کو چھوڑنے کی عادت کس طرح پیدا کی جائے۔ مشورہ کے بعد ان تجاویز پر غور کرکے پھر میں تجاویز کروں گا اور جماعت کے نوجوانوں کو ان کا پابند بنایا جائے گا پہلے اسے اختیاری رکھیں گے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون کون سے ماں باپ ہیں جو اپنے بچوں کو سلسلہ کی تعلیم دلانا اور ان کی تربیت کرانا چاہتے ہیں۔ اور جس وقت ہم اس میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا طریق درست ہے تو پھر دوسرا قدم ہم یہ اٹھائیں گے کہ اسے لازمی کر دیا جائے بہر حال یہ کام ضروری ہے اگر ہم نے یہ کام نہ کیا۔ تو

احمدیت کی مثال

اس دریا کی ہوگی جو ریت کے میدان میں جا کر خشک ہو جائے اور جس طرح بعض بڑے بڑے دریا صحراؤں میں جا کر اپنا پانی خشک کر دیتے ہیں پانی تو ان میں اسی طرح آتا ہے مگر صحرا میں جا کر خشک ہو جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی نالیاں پہاڑوں سے گزرتی ہوئی میلوں میل تک چلی جاتی ہیں مگر بڑے بڑے دریا ریت کے میدانوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں پس یہ مت خیال کرو۔ کہ تمہارے اندر

معرفت کا دریا

بہہ رہا ہے اگر تم میں سستی کم محنتی اور غفلت کا صحرا پیدا ہو گیا تو یہ دریا اس کے اندر خشک ہو کر رہ جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں مبارک ہوں گی پہاڑوں کی وادیوں میں سے گزر کر میلوں میل تک چلتی چلی جاتی ہیں۔ مگر تمہارا دریا نہ تمہارے لیے مفید ہوگا اور نہ دنیا کے لیے مفید ہوگا پس

یہ آفت اور مصیبت

ہے جس کو ٹلانا ضروری ہے۔ اس آفت کو دور کرنے کے لیے پہلے میں جماعت کے دوستوں سے فرداً فرداً اور

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ سے

بحیثیت جماعت مشورہ چاہتا ہوں۔ انصار اللہ سے اس لیے کہ وہ باپ ہیں اور خدام الاحمدیہ سے بحیثیت نوجوانوں کی جماعت ہونے کے کہ ان پر ہی اس سکیم کا اثر پڑنے والا ہے۔ اور ہر فرد سے جس کے ذہن میں کوئی نئی یا مفید تجویز ہو۔ پوچھتا ہوں کہ وہ مجھے مشورہ دے۔ پھر میں ان سب پر غور کرکے فیصلہ کروں گا کہ آئندہ نسل کی اصلاح کے لیے ہمیں کونسا قدم اٹھانا چاہئے۔

قادیان میں جشن فتح کا پروگرام

ذیل میں جشن فتح کا وہ پروگرام درج کیا جاتا ہے۔ جو نظارت امور عامہ نے مرکزی جماعت کے متعلق تجویز کیا ہے۔ بیرونی احمدی جماعتیں بھی اپنے اپنے ہاں شکرانہ اور دعا اور جلسوں کا انتظام کریں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس جنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم الشان پیشگوئیوں کی دوسری چمکار ظاہر کی۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور تمام جماعت کی دعاؤں کو سنا اور حکومت برطانیہ کو اس خطرناک جنگ میں مظفر اور کامیاب کیا۔

۱۱مئی ۱۹۴۵ء

بعد نماز جمعہ..............شکرانہ و دعاء

۱۴مئی۔ روز دوشنبہ

۱۔ مدارس۔ کالج اور کارکنان صدر انجمن احمدیہ کا مشترکہ جلسہ کالج ہال میں۔ آٹھ بجے سے دس بجے تک

۲۔ ٹورنمنٹ مدارس و کالج۔ مختلف کھیلوں کے مقابلے، دس بجے سے چھ بجے تک

۳۔ تقسیم انعامات و مٹھائی

۴۔ کھانا غربا و مساکین (رات کو)

۵۔ چراغاں مینارۃ المسیح اور شہر و مضافات

قادیان کا پولنگ پروگرام

حلقہ مسلم تحصیل بٹالہ کے ووٹروں کی اطلاع کے لیے شائع کیا جاتا ہے کہ قادیان کے ووٹروں کا پولنگ مردوں کے واسطے ۲ فروری و ۴ فروری و ۵ فروری ۱۹۴۲ء مقرر ہوا ہے۔ اور عورتوں کے واسطے ۵ فروری و ۶ فروری و ۷ فروری ۱۹۴۲ء مقرر ہوا ہے۔ یہ تاریخیں صرف ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جن کا ووٹ قادیان میں درج ہے۔ تحصیل بٹالہ کے باقی ووٹروں کے لیے دوسری تاریخیں مقرر ہیں پس قادیان کے مرد ووٹروں کو یکم فروری ۱۹۴۲ء کی شام تک قادیان پہنچ جانا چاہیئے۔ اور مستورات کو ۴ فروری کی شام تک مرد اور عورتوں کے لیے جو تین تین دن مقرر ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان تین دنوں میں سے جس دن چاہیں ووٹ دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہر دن کے لیے سرکاری طور پر علیحدہ علیحدہ ووٹر مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجائش نہیں۔ پس پولنگ سے ایک دن قبل قادیان پہنچ جانا ضروری ہے۔

خاکسار:۔ مرزا بشیر احمد ۲۲/۱/۴۲

پنجاب اسمبلی کے وہ امیدوار جن کے حق میں

جماعت احمدیہ نے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے

ذیل میں ان امیدواروں کی فہرست شائع کی جاتی ہے جن کے حق میں جماعت احمدیہ کی اکثریت نے باہمی مشورہ سے مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ احباب سے امید رکھتا ہوں۔ کہ وہ اس مدد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جن امیدواروں کے متعلق ان کے حلقوں کی جماعتوں کی طرف سے مطلوبہ اطلاعات نہیں آئیں۔ ان کی امداد کا معاملہ زیر غور ہے۔ مطلوبہ اطلاعات آنے کے بعد بہت جلد فیصلہ کا اعلان کیا جائے گا۔ تحصیل گوجرانوالہ کی جماعتوں نے مجلس مشاورت کے فیصلہ کو نظر کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کی ایسی صورت پیدا کر دی ہے۔ جو جماعتی نظام کے وقار کو صدمہ پہنچانے والی ہے۔ ان کے متعلق حضور کی طرف سے اخبار الفضل مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء میں اعلان ہو چکا ہے۔ نوٹ چونکہ وقت بہت تھوڑا ہے۔ اس لیے احباب مجھے مطلوبہ معلومات کے متعلق اطلاع بذریعہ تار دیں۔ (ناظر امور عامہ)

نمبر شمار	نام حلقہ	نام امیدوار	نام پارٹی
۱	لینڈ لارڈز ملتان ڈویژن و مغربی پنجاب	آنریبل ملک خضر حیات خان صاحب	یونی نسٹ
	لینڈ لارڈ سنٹرل پنجاب	سردار جگجیت سنگھ صاحب مان	یونی نسٹ
		ب۔ قصباتی حلقہ ہائے انتخاب	
۱	جنوبی شہری حلقہ جات	خواجہ غلام صمد صاحب	لیگ
۲	جنوب شرقی حلقہ جات	سردار شوکت حیات خان صاحب	لیگ
۳	شرقی شہری حلقہ جات	ملک برکت علی صاحب	لیگ
۴	شمال شرقی حلقہ جات	خان بہادر شیخ برکت علی صاحب	لیگ
۵	قسمت راولپنڈی حلقہ جات	سر فیروز خان صاحب نون	لیگ
۶	قسمت ملتان حلقہ جات	شیخ محمد امین صاحب	لیگ
۷	اندرون لاہور مرداں	ملک وزیر محمد صاحب	لیگ
۸	اندرون لاہور نسواں	بیگم تصدق حسین صاحب	لیگ
۹	بیرون لاہور مرداں	محمد رفیق صاحب	لیگ

۱۰	بیرون لاہور نسواں	بیگم شاہنواز صاحب	لیگ
۱۱	امرتسر شہر و چھاؤنی	شیخ صادق حسن صاحب	لیگ
	ج-دیہاتی حلقہ ہائے انتخاب		
۱	انبالہ و شملہ	راؤ محمد امراؤ خان صاحب	یونی نسٹ
۲	کانگڑہ و شرقی ہوشیارپور	چودھری علی اکبر صاحب پلیڈر	لیگ
۳	شمالی جالندھر	محمد عبدالسلام صاحب	لیگ
۴	وسطی فیروزپور	نواب صاحب ممدوٹ	لیگ
۵	مشرقی فیروزپور	پیر اکبر علی صاحب	آزاد
۶	تحصیل لاہور	سر مظفر علی صاحب قزلباش	یونی نسٹ
۷	تحصیل چونیاں	سردار حبیب اللہ خان صاحب	یونی نسٹ
۸	تحصیل قصور	میاں افتخار الدین صاحب	لیگ
۹	مشرقی گورداسپور	چودھری غلام فرید صاحب پلیڈر	لیگ
۱۰	تحصیل بٹالہ	چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم اے	آزاد
۱۱	شکرگڑھ تحصیل	چودھری عبدالرحیم صاحب	یونی نسٹ
۱۲	اجنالہ تحصیل	چودھری انور حسین صاحب پلیڈر	یونی نسٹ
۱۳	شمالی سیالکوٹ	چودھری غلام جیلانی صاحب	یونی نسٹ
۱۴	نارووال تحصیل	نواب چودھری محمد الدین صاحب	یونی نسٹ
۱۵	تحصیل وزیرآباد	میجر راجہ محمد عبداللہ خان صاحب	آزاد
۱۶	تحصیل حافظ آباد	چودھری غلام محمد صاحب	یونی نسٹ
۱۷	تحصیل شیخوپورہ	چوہدری محمد حسین صاحب ایڈووکیٹ	لیگ
۱۸	تحصیل شاہدرہ	خان بہادر روشن دین صاحب	لیگ
۱۹	تحصیل ننکانہ	چوہدری حسین علی صاحب	یونی نسٹ
۲۰	تحصیل شمالی گجرات	چوہدری فضل الٰہی صاحب وکیل	لیگ
۲۱	تحصیل شرقی گجرات	نوابزادہ اصغر علی صاحب	یونی نسٹ
۲۲	جنوب مشرقی گجرات	چوہدری بہاول بخش صاحب	لیگ
۲۳	شمال مغربی گجرات	چوہدری جہان خان صاحب	لیگ
۲۴	جنوب مغربی گجرات	چوہدری غلام رسول صاحب تارڑ	لیگ
۲۵	خوشاب	ملک خضر حیات خان صاحب	یونی نسٹ
۲۶	تحصیل چکوال	چوہدری نور خان صاحب ذیلدار	زمیندار لیگ
۲۷	پنڈ دادنخان	راجہ محمد یعقوب خان صاحب	یونی نسٹ
۲۸	تحصیل منٹگمری	ملک فتح شیر خان صاحب لنگڑیال	یونی نسٹ
۲۹	تحصیل پاکپتن	رانا عبدالحمید صاحب	لیگ
۳۰	تحصیل لائلپور	چوہدری عصمت اللہ خان صاحب	آزاد
۳۱	ڈیرہ غازی خان وسطی	خان بہادر شیخ فیض محمد صاحب پلیڈر	یونی نسٹ
۳۲	ڈیرہ غازی خان جنوبی	خان بہادر خان صاحب دریشک	لیگ

۳۳	مظفرگڑھ	مسٹر عبدالحمید خان صاحب	لیگ
۳۴	علی پور تحصیل	محمد ابراہیم صاحب برق	یونی نسٹ
۳۵	لیہ تحصیل	غلام جیلانی صاحب گورمانی	لیگ
۳۶	خانیوال	سید بڈھن شاہ صاحب	لیگ

حیرت انگیز تغیر کس طرح پیدا ہو سکتا ہے

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں فرمایا:

"موجودہ حالات میں ہمارے لیے بیس ہزار مبلغ رکھنا بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ بیس ہزار مبلغ رکھنے کے لیے کئی کروڑ کی آمدن ہونی چاہئے اور ابھی ہماری آمدن چند لاکھ سے زیادہ نہیں ہاں بیس ہزار تاجر بٹھا دینا کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ ہر ایک نے اپنی جدوجہد سے کمائی کرنی ہے۔

وقف تجارت کے ماتحت اس اہم فرض اور ذمہ داری کا بوجھ ہمارے کاندھوں سے اتر جاتا ہے۔ جو کہ موجودہ حالات کے ماتحت بیس پچیس سال میں بھی ادا نہیں ہو سکتا یہ وہ تحریک ہے جس کے ذریعے ہم اپنی ضروریات زندگی کمانے کے ساتھ ساتھ خدمت دین بھی کر کے ترقی میں حیرت انگیز تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔

لہذا نوجوان اپنی زندگیاں وقف تجارت کے لیے پیش کریں۔ تا اس فرض عظیم کی بھی ادائیگی کر سکیں۔ جس کے لیے سلسلہ کو کروڑوں روپے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی ضروریات زندگی بھی مہیا کر سکیں۔

ناظم تجارت

ترسیل زر اور انتظامی امور کے متعلق مینجر الفضل کو مخاطب کیا جائے نہ کہ ایڈیٹر کو

حکیم محمد اکرم صاحب کی نماز پڑھتے ہوئے اچانک وفات

میرے والد بزرگوار حکیم محمد اکرم صاحب احمدی سیکرٹری جماعت احمدیہ اوچ شریف ریاست بہاولپور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے غلام تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے تھے۔ عمر ۸۵ سال ۳۰ نومبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ نماز جمعہ میں جماعت کراتے ہوئے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفصل حالات یہ ہیں کہ جمعہ کے دن نہا کر اور نئے کپڑے پہن کر ہاتھ میں اخبار "الفضل" ۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء لیے ہوئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ بالکل تندرست تھے۔ مسجد میں دس بارہ احباب احمدی بیٹھے تھے۔ یہ خاکسار بھی موجود تھا۔ جب آپ آئے تو سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ جمعہ پڑھنا شروع کیا اور نہایت وضاحت کے ساتھ پڑھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کا ذکر اور احمدیت کی سچائی اور اخبار الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کے پہلے صفحہ کا حوالہ اسلام کے غلبہ کے سامان قلم دعا اور آیات عظمیٰ تمام سنایا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مہدی آئے گا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اسلام میں یہ جائز نہیں کہ تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا گیا۔ اسلام پھیلانے والا مہدی تو آ گیا اور اس نے قلم دعا اور آیات عظمیٰ کے ساتھ اسلام پھیلایا، امریکہ انگلستان - افریقہ - آسٹریلیا ساری دنیا کے کناروں تک احمدیت پھیل چکی ہے مگر ان اندھے لوگوں کے دلوں کے کان ابھی تک نہیں کھلے۔ نیز فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر بھی پڑھ کر سنایا۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

متواتر دو گھنٹہ تک خطبہ پڑھا اس کے بعد میں نے تکبیر کہی اور والد صاحب نے نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں قرأت زور سے پڑھی۔ اور دوسری رکعت میں ذرا دھیمے ہو گئے۔ اس وقت نماز میں رو رہے تھے سجدہ وغیرہ کے بعد تشہد کے وقت جب سلام پھیرنے کا وقت آیا تو سلام نہ پھیرا بلکہ دو سجدے اور کئے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے یعنی اللہ اکبر منہ میں تھا کہ خداوند کریم کے حضور اور حضرت رسول مقبول ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دربار میں جا سلام کیا۔ یعنی فوت ہو گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مقتدی جو سلام کے منتظر تھے حیران ہو گئے کہ کیا ہو گیا ہے۔ میں نے سلام پھیرا تو تمام نے سلام پھیرا۔ مگر جب میں نے حضرت والد صاحب بزرگوار کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہ تو خدا کے پاس چلے گئے۔

اللہ اللہ کیا عجب نظارہ تھا اور کیا عجب سین تھا۔ کہ جمعہ کا دن ہے۔ فرض پڑھ رہے ہیں۔ فرضوں میں خدا نے اپنے پاس بلا لیا۔ جگہ جگہ شہر میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ کثرت سے لوگ دیکھنے کے لیے آ گئے۔

چونکہ ہماری مسجد احمدیہ شہر کے درمیان اور بازار کے بالکل نزدیک ہے۔ اس لیے بہت سے لوگ آ گئے۔ کیا مسلمان کیا غیر احمدی سب کو دور تک جگہ بجگہ پتا چل گیا کہ احمدیوں کو لوگ کافر کہتے ہیں لیکن اس امام کے غلام کی وفات ایسی شاندار اور بے نظیر ہوئی ہے کہ قابل رشک ہے۔

آپ نہایت سنجیدہ اور پاک دل تھے جب کوئی بیمار آتا تو دوا سے پہلے دعا کرتے پھر دوا دینے کے بعد فرماتے شفا تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میرا تو یہ بہانہ ہے ہر وقت درود شریف اور قرآن شریف پڑھتے۔ نماز کے پابند۔ تہجد خواں تھے اور نہایت ہی عجز و انکسار سے دعائیں مانگتے۔ احمدیت کے سچے خادم تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلائے اور احمدیت کا سچا خادم بنائے۔ آمین

احباب جماعت سے التماس ہے کہ وہ جنازہ تھوڑے احمدیوں نے پڑھا اس لیے جنازہ غائب پڑھ کر دعائے مغفرت کریں حکیم محمد افضل اوچ شریف ریاست بہاولپور

اعانت الفضل مکرم محمد سلیمان صاحب نے مبلغ دس روپیہ عید اعانت الفضل ارسال فرمایا ہے احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہیں قبول کرے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح کی مجلس علم و عرفان

مومن کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے

اذان کے بعد حضور نے فرمایا۔ جہاں ہم دنیا میں امن و صلح قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس راہ میں ہمیں جو بھی قربانی کرنی پڑے گی۔ ہم اس سے دریغ نہ کریں گے۔ اور اگر باوجود ہمارے صلح کن رویہ کے دشمن ہم پر حملہ آور ہوا۔ اور ہمیں کمزور سمجھ کر کچلنے کا ارادہ کیا تو ہم بزدلوں کی طرح یونہی اپنی جانیں ضائع نہ کر دیں گے۔ بلکہ بہادروں کی طرح اپنا سب کچھ قربان کریں گے۔ مومن بزدل نہیں ہوتا اور نہ ہی غافل ہوتا ہے۔ جب صلح کی تمام کوششوں کے باوجود دشمن لڑائی کی طرح ڈالتا ہے تو پھر مومن پیٹھ نہیں پھیرتا۔ بلکہ نہایت ہمت اور جانفشانی سے شجاعت کی داد دیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے بیسیوں جنگیں لڑیں۔ مگر آپ کی چوکسی کا یہ عالم تھا کہ کوئی ایک جنگ بھی ایسی نہیں۔ جس میں آپ کو قبل از وقت دشمن کے ارادوں کا علم نہ ہو گیا ہو اور آپ نے وقت سے پہلے اس کا تدارک نہ کر لیا ہو۔ بسا اوقات تو یہ ہوتا تھا کہ دشمن جنگ کے ارادہ سے ابھی گھر سے نکلا بھی نہ ہوتا تھا کہ اسلامی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے پہنچ جاتا۔ مدینہ کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے اور ان کے درمیان مسلمان جنگ کے لیے تیاری کرتے رہتے۔ مگر دشمن کو پتہ تک نہ لگتا۔ بے شک بعض دفعہ رسول کریم ﷺ کو بذریعہ وحی والہام دشمن کے ارادوں کا پتہ لگ جاتا لیکن اکثر دنیاوی ذرائع سے ہی علم ہوتا تھا۔

پس مومن کو ہمیشہ ہشیار رہنا چاہیئے۔ جہاں اسے دشمن کی ہر بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہاں اسے یہ بھی عزم کر لینا چاہیئے کہ میں نے غفلت اور بے کسی کی حالت میں نہیں مرنا۔ غافل قومیں دنیا میں کسی رحم کی مستحق نہیں ہوتیں۔ کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیتی ہیں اور وہ چیزیں جو اپنی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دی ہوئی ہیں۔ انہیں استعمال نہیں کرتیں اور ان سے فائدہ نہیں اٹھاتیں لہٰذا ان کا یہ بھی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مزید طلب کریں اللہ تعالیٰ کہے گا تم نے پہلی چیزوں سے کیا فائدہ اٹھایا کہ تمہیں اور دی جائیں۔ بہر حال جو قوم اپنے آپ کو غفلت کا شکار بنا دیتی ہے وہ بہت جلد موت کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔

پس ہماری جماعت کے پاس جو کچھ ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اگر وہ اس سے فائدہ اٹھائے گی تو اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات کی وارث بن سکے گی۔ ورنہ وہ موجودہ زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو شخص اپنا گھر خالی کر دیتا ہے وہ اسے دیتا ہے تم بھی اپنے گھروں کو خالی کرو اور پھر اللہ تعالیٰ کے طلب کردہ گھروں کو خالی کرنے کے بغیر کچھ نہ ملے گا۔

پس ہمیں لوگوں میں صلح کرانے کے لیے اپنی جانیں لڑا دینی چاہئیں۔ جان بے شک قیمتی چیز ہے مگر اخلاق کے مقابلہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ جب تمہارے بچوں اور عورتوں پر ہاتھ اٹھایا جا رہا ہو اور انہیں ذلیل کیا جا رہا ہو تو اس وقت تمہاری زندگی عبث ہے ان فسادات میں دشمن نے جو شنیع افعال کئے ہیں اس وقت ہماری جماعت کو چاہیئے تھا کہ وہ بیچ میں حائل ہو جاتی۔ اور کہتی کہ تم عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی بجائے ہمیں قتل کرو اگر وہ ایسا کرتے تو تم دیکھتے کہ یہ فسادات بڑھنے نہ پاتے۔ کیونکہ غیر محل اور نامناسب جگہ پر عداوت اور غصہ فروغ نہیں پکڑتا اور بہت جلد ہی ندامت محسوس ہونے لگتی ہے۔

پس ایسے مواقع پر ہماری جماعت اگر آگے بڑھے اور ظالموں کی راہ میں حائل ہو جائے۔ تو ظلم کبھی بھی پنپ نہ سکے اور اس کی بنیادیں ہل جائیں۔ اور ظالموں کے دل پگھل جائیں۔

اس کے بعد چار دوستوں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیعت کی۔

خاکسار: منیر احمد ونیس

اکھنڈ ہندوستان

قادیان ۳ ماہ شہادت آج بعد نماز مغرب حضور نے چودھری اعجاز نصر اللہ صاحب۔ جناب چودھری اسد اللہ خان صاحب۔ بیرسٹر ایٹ لاء کا نکاح محترمہ امۃ الحفیظ بنت خلیفہ عبدالرحیم صاحب جموں کے ساتھ تین ہزار روپیہ حق مہر پر پڑھا اور دعا۔ اس کے بعد مجلس میں رونق افروز ہو کر حضور نے جو ارشادات فرمائے۔ ان کا متن اپنے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔

ابتداء میں حضور نے اپنا ایک تازہ رویا بیان فرمایا۔ جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی آئے ہیں اور حضور کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں اور ذرا سی دیر لیٹنے پر فوراً اُٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔ دوران گفتگو میں حضور نے گاندھی جی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ سب سے اچھی زبان اردو ہے۔ گاندھی جی نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا۔ دوسرے نمبر پر پنجابی ہے۔ گاندھی جی نے اس پر اظہار تعجب کیا۔ مگر آخر مان گئے۔ اس کے بعد رویاء میں نظارہ بدل گیا۔ اور حضور گاندھی جی کے کہنے پر عورتوں میں تقریر کرنے کے لیے تشریف لے گئے مگر وہ بہت تھوڑی آئی ہوئی تھیں۔ اس لیے حضور نے تقریر نہ فرمائی۔

اس رویا کی تعبیر میں حضور نے بیان فرمایا کہ یہ موجودہ فسادات کے متعلق ہے۔ اور اس سے پتہ لگتا ہے کہ ہندو مسلم تعلقات ابھی اس حد تک نہیں پہنچے کہ صلح نہ ہو سکتی ہو ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جلد کوئی بہتر صورت پیدا ہو جائے۔

اس کے بعد ایک دوست نے اپنی دو خوابیں بیان کیں جو موجودہ فسادات کے متعلق تھیں۔

سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ جہاں تک میں نے ان پیشگوئیوں پر نظر دوڑائی ہے۔ جو مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فعل پر جو مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے وابستہ ہے۔ غور کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں ہندوستان میں ہمیں دوسری اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہئے۔ اور ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مشارکت رکھنی چاہئے۔ مسیح موعود علیہ السلام کی کئی پیشگوئیاں جو ہندوؤں کے متعلق ہیں اس طرف اشارہ ہیں (مثلاً جے سنگھ بہادر۔ مرزا کی ہے اور رائے رودر گوپال تیری ۰۰۰ میں لکھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ ہندوؤ

حضرت خلیفۃ المسیح کی سندھ سے واپسی

حیدرآباد سندھ۔ ۳۰ مارچ۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ گاڑی سے اتر کر ویٹنگ روم میں تشریف لے گئے۔ مسٹر ایم لالوانی جو حیدرآباد میں "ہندوستان"۔ "ڈیلی گزٹ"۔ "ٹائمز آف انڈیا" "نور" "سٹیٹسمین" کے نمائندہ ہیں نے حضور سے انگریزی زبان میں استفسارات کیے جن کے جواب حضور نے انگریزی میں نہایت خوش اسلوبی سے دیئے۔ اس کے بعد دو نوجوانوں محمد حنیف صاحب ابن بہادر میاں صاحب آف بہار ملازم ایس پی آر حیدرآباد سندھ نے بیعت کی درخواست کی۔ حضور کرسی پر سے اٹھ کر فرش پر بیٹھ گئے اور ان سے بیعت لی اور دعا فرمائی۔ چونکہ سندھ ایکسپریس کے آنے میں کچھ دیر تھی۔ حضور خاندان سمیت حیدرآباد کی سیر کے لیے تشریف لے گئے بارہ بجے کے قریب گاڑی کے آنے پر حضور ریزروڈ ڈبوں میں سوار ہو گئے اور ساڑھے بارہ بجے گاڑی روانہ ہوگئی۔

مسٹر لالوانی نے جو استفسارات کیے اور حضور نے جو جواب دیئے۔ ان کا ترجمہ اختصار کے ساتھ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

سوال: پنجاب کے فسادات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: فرمایا۔ فسادات بہرحال برے ہوتے ہیں۔ کسی جگہ ہوں۔ ان فسادات کے وقت میں پنجاب سے باہر تھا اور ان کے متعلق جو اطلاعات مجھے پہنچی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قریبا ہر جگہ غیر مسلموں نے پہل اور زیادتی کی ہے۔ طریق کار کے لحاظ سے دونوں فریق غلط تھے۔ اپنے حقوق کو حاصل کرنے کا یہ صحیح طریق نہیں ہے۔ اسلام ایسی کارروائیوں کے سخت خلاف ہے۔ کوئی اور مذہب بھی انہیں روا نہیں رکھتا۔ عقل اور تعلیم بھی ناجائز قرار دیتی ہے۔ دنیا کے فلاسفر اور حکماء بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر نہ معلوم ہندوستان کی دو بڑی قومیں ایسے غلط طریق کو اختیار کر کے کس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں۔

سوال: کیا ان فسادات کا کوئی حل موجود ہے؟

جواب: میرے خیال میں تو حل موجود ہے۔ یہ اختلاف محض ذہنی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر انہیں اخلاقی بنیادوں پر حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو بہت آسانی سے حل ہو جاتے ہیں اور ہر قوم عدل وانصاف پر قائم ہو کر تصفیہ کرانے کی کوشش کرے اور ایک دوسرے کا حق غصب نہ کرے۔ بلکہ اس مقصد عظیم کے حصول کے لیے اپنے کچھ حقوق ترک بھی کر دے۔ تو نہایت آسانی سے صلح ہو سکتی ہے۔

سوال: کیا پاکستان عملاً ممکن ہے؟

جواب: سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اس سوال کو دیکھا جائے تو پاکستان ممکن ہے۔ لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ملک کے حصے بخرے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آج دنیا کی کامیابی کا راز اتحاد میں مضمر ہے۔ دوسرے ذرائع مواصلات بھی ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمیں ضرورتاً ایک دوسرے کے بہت قریب رہنا چاہیئے۔

جب دنیا ایک دوسرے کے قریب سے قریب ہو رہی ہے اور اتحاد کی کوشش کر رہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس موقع پر ہندوستان دو علیحدہ علیحدہ حصوں میں بٹ جائے اور ہندوستان کی دو بڑی قومیں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔

سوال: کیا کوئی مذہب قتل وفساد کو روا سمجھتا ہے؟

جواب: میرے خیال میں تو ایسا کوئی مذہب نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شخص نے کوئی ذاتی مذہب ایجاد کیا ہو۔ تو وہ بھی ایسا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ وہ مذہب جو خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرے۔ مذہب کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور انسان فطری طور پر ایسی چیز کو ناپسند کرتا ہے۔

سوال: ہندو مسلم اتحاد کس طرح ہو سکتا ہو؟

جواب: یہ سوال صرف اخلاقی اصول پر حل ہو سکتا ہے۔ اگر دونوں قومیں اپنے مطالبات کی بنیاد اخلاق پر رکھیں۔ تو کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔

سوال: ہندوستان چھوڑ دو کا مطالبہ کس حد تک صحیح ہے؟

جواب: ۱۹۲۵ء میں میں نے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا کہ اب وقت ایسا آ گیا ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان آزاد کر دینا چاہیئے۔ اگر وہ خود ایسا نہ کریں گے تو ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ انہیں مجبوراً ہندوستان چھوڑنا پڑے گا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس وقت ہندوستان ایسا مضبوط نہیں ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اسے انگریزوں کی طرف دست تعاون بڑھانا چاہیئے۔

سوال: کیا ہمیں کامن ویلتھ کا ممبر بننا چاہیئے؟

جواب: میرے خیال میں بننا چاہیئے۔ ہم اس کے ذریعہ سے کمزوروں کی اعانت کر سکتے ہیں۔ نیز آج کل دنیا میں کوئی قوم اکیلی نہیں رہ سکتی حتیٰ کہ برطانیہ اور امریکہ بھی دوسروں کے تعاون کے محتاج ہیں۔

سوال: جماعت احمدیہ کی رفتار ترقی کیسی ہے؟

جواب: ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ پچھلے سال ہم نے بہت سے مبلغین غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجے اور بہت سے نئے مشن قائم کیے۔

سوال: جماعت کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ہمارا مقصد وہی ہے جو اسلام کا ہے۔ یعنی دنیا کے سامنے امن اور سلامتی کا پیغام پیش کرنا۔

سوال: جماعت احمدیہ کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: عام طور پر لوگ ہمیں ایک ملین سمجھتے ہیں لیکن ہماری صحیح تعداد چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ ہماری جماعت دنیا کے ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔ ہندوستان کے بعد مغربی افریقہ اور پھر انڈونیشیا میں نہایت سرعت سے پھیل رہی ہے (باقی)

خاکسار منیر احمد ونیس

دیہاتی جماعتوں کی مجالس
کے لیے ضروری اعلان

بہت سی دیہاتی جماعتوں کی مجالس انصار اللہ کی طرف سے سینکڑوں کا چندہ انصار اللہ وصول نہیں ہوا۔ بلکہ بعض کے ذمہ تو گزشتہ سالوں کا بھی بقایا ہے۔ چونکہ زمینداروں کے لیے اب فصل ربیع کا موقع آرہا ہے۔ اس لیے مہتمم مال و زعماء صاحبان انصار اللہ کو چاہیئے کہ فصل ربیع پر تمام اراکین انصار سے جن کا گزارہ زمیندارہ آمد پر ہے۔ چندہ سندواں معہ سابقہ بقایا سال ہائے گزشتہ وصول کر کے بنام محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ قادیان بھیج کر بمعہ امانت مرکزیہ انصار اللہ داخل خزانہ کروادیں۔ کیونکہ جماعت کی طرف بقایا رہ جانے کی وجہ سے مرکزی دفاتر کے کاروبار میں سخت حرج واقعہ ہو رہا ہے۔

(قائد مال مرکزیہ انصار اللہ)

زعماء صاحبان انصار اللہ کے لیے ضروری اعلان

مجلس انصار اللہ کا مالی سال اپریل میں ختم ہوتا ہے۔ اس لیے مہتمم صاحبان مال و زعماء صاحبان انصار اللہ کو تاکید کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے حلقہ کے اراکین انصار اللہ سے بہت جلد چندہ انصار اللہ وصول کر کے ۳۰ اپریل ۴۷ء سے قبل بنام محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ قادیان بھیج کر بمد امانت مرکزیہ انصار اللہ داخل خزانہ فرمادیں اور آئندہ چندہ انصار اللہ باقاعدہ بالالتزام وصول کر کے مرکز میں بھجوانے کا التزام فرمادیں بے قاعدگی سے چندہ مرکز میں پہنچنے سے مرکزیہ مجلس انصار کے کاروبار میں سخت حرج واقعہ ہوتا ہے۔

(قائد مال مرکزیہ انصار اللہ)

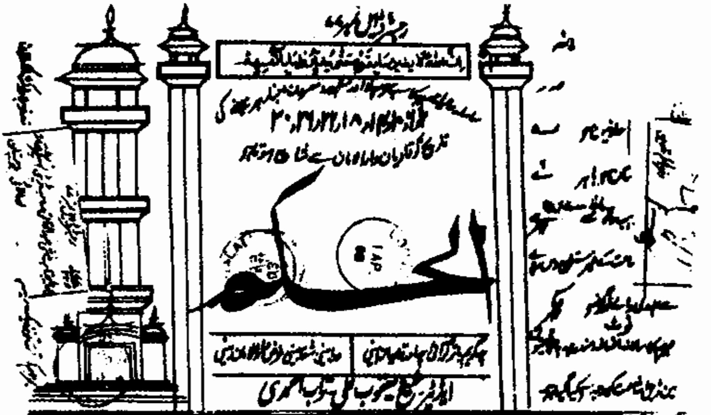
الحکم
ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی

نمبر ۱۲ قادیان دارالامان مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء مطابق ۲۳ صفر ۱۳۲۶ جلد ۱۲

صاحب فنانشل کمشنر بہادر قادیان میں

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۲۱ مارچ 1908ء صاحب فنانس کمشنر بہادر کی تشریف آوری کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی ایک لمبا زمانہ گزرتا ہے کہ قادیان میں کوئی معزز عہدہ دار آیا ہو۔ اس لحاظ سے جناب فنانس کمشنر صاحب کی تشریف آوری قادیان کے لوگوں کے لیئے عموماً اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لیئے خصوصاً بہت ہی خوش کن تھی۔ ایک وقت تھا جب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے امام پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب ایدہ اللہ نصرہ کے والد ماجد جناب مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم سے ملاقات کرنے کے لیئے بڑے بڑے عہدہ دار اور یورپین افسر تشریف لایا کرتے تھے۔ اس وقت قادیان کے سردار اور رئیس کی شہرت خاندانی وجاہت اور سرکار انگلشیہ کی خیر خواہی کی وجہ سے دنیوی رنگ میں دور دور تھی۔ مگر اب وہ زمانہ بھی گیا۔ سرکار انگریزی کے اس وفادار خاندان کا چیف ممبر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کی طرف کھنچا گیا اور دنیوی شان و شوکت کا خیال اس کے دل سے محو ہو گیا اور وہ مخلوق الٰہی کی روحانی بھلائی اور بہتری کے لیئے ماموُر ہو کر آیا ہے اور اصلاح خلق کے لیئے مہدی اور مسیح بن کر پبلک میں نکلا اور اگر چہ اسے موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح ......؟ ہو۔ دن سے گورنمنٹ کی مدد کرتا۔ مگر اس نے جو خدمت کی اور کسی غرض کے لئے نہیں کی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے لیئے کی۔ وہ بلا مبالغہ گورنمنٹ کی بے نظیر خدمت ہے۔ مرزا صاحب مرحوم نے تو غدر کے وقت خدمت کی تھی مگر ہمارے امام نے تو ان کی ایسی اصلاح شروع کی ہے کہ غدر کے خیالات ہی ایک جماعت کو دل سے دور کر دیئے جائیں۔ اور آئندہ کسی وقت کیلئے گورنمنٹ کو ایسا اندیشہ ہی نہ رہے۔ اس وقت تیغ و سنان کی جنگ گورنمنٹ کے لیئے اتنی نقصان رسان نہیں جس قدر خیالات میں بدظنی اور بغاوت کے ناپاک بیج کا پیدا ہونا ہے۔ پس آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے ماموُر ہو کر اور منصب جلیل پر ممتاز ہو کر جو دنیا میں حیرت انگیز انقلاب کا مترادف سمجھا گیا ہے ایک ایسا تغیر پیدا کیا۔ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ مہدی اور مسیح کی آمد کا مسئلہ ایک خطرناک مسئلہ کہا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں نے علمی اور عملی غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ آنیوالے مہدی اور مسیح کا کام صرف جنگ ہوگا اس لحاظ سے یہ عقیدہ سخت خونی ہو چکا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے اپنے طرز عمل اور تعلیم سے دکھا دیا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی اشاعت کے لیئے تلوار کی حاجت نہیں۔ اور آنے والا مہدی اور مسیح ایک ہی شخص ہوگا اور اسلام کی اشاعت عملی سچائیوں اور خدا تعالیٰ کی خارق عادت تائیدوں سے کرے گا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی صاف وحی سے مطلع ہو کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور خونی مہدی اور خونی مسیح کے اعتقادات کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا اور اس طرح جو جماعت تیار کی اعتقاد کے طور پر اس کی سپرٹ میں اصلاح اخلاق وفاداری اور شکر گزاری اور گورنمنٹ انگلشیہ کے لیئے سچی اطاعت کی روح پھونک دی۔ اپنی شرائط بیعت میں اس امر کو داخل کر دیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ ستر کے قریب کتابیں تالیف کر کے ان میں گورنمنٹ انگلشیہ کے برکات اور محاسن کو ممالک اسلامیہ پر کثرت سے پھیلایا۔ غرض چونکہ زمانہ خیالات کے نشوونما اور ترقی کا تھا اور سواروں اور تلواروں کی حاجت نہ تھی اس لیئے حضور نے گورنمنٹ انگلشیہ کے بہی خواہوں کی جماعت پیدا کرنے میں بہت بڑی کوشش فرمائی اور پھر یہ کوشش کسی عہدہ اور اجر کے لیئے نہیں۔ بلکہ محض خدا کے لیئے اور خدا کے حکم سے

میں اصل مضمون سے دور نکل جاؤں گا۔ اگر اسی سلسلہ سخن کو دراز کرونگا۔ اس لیئے پھر اسی مطلب کی طرف آ کر کہتا ہوں کہ سالہا سال کے بعد قادیان کو یہ موقع ملا۔ کہ صوبہ پنجاب کا ایک ذمہ دار اعلیٰ آفیسر اس سرزمین میں خیمہ زن ہوا۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ (جو سرکار انگلشیہ کے لئے مذہبی رنگ میں خاص جوش

وفاداری رکھتا ہے کی طرف سے اس کے خیر مقدم کے لیئے بڑی خوشی اور فرحت کے ساتھ انتظام کیا گیا۔ چنانچہ صاحب ممدوح کے اترنے کے لیئے کیمپ کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے کیا گیا۔

اور انجمن نے اپنے معزز مہمان کو اپنی زمین مدرسہ میں اترنے کا موقعہ دیا۔ اس مقصد کے لیئے ایک شاندار کیمپ مدرسہ کی نئی عمارت کے لیئے مجوزہ زمین میں تیار کیا گیا۔ چونکہ فنانس کمشنر بہادر کے ہمراہ ہمارے ضلع کے بیدار مغز اور دقیقہ رس نیک دل صاحب ڈپٹی کمشنر مسٹر سی ایم کنگ اور صاحب مہتمم بندوبست بھی تھے اس لیئے یہ احاطہ بہت ہی وسیع اور کھلا تھا مجھے ضرورت نہیں کہ میں ان کی آسائش اور تیاری کا لمبا ذکر کروں۔ اس لیئے کہ خوش قسمتی سے یہ خدمت میرے ہی سپرد تھی۔ تاہم میں مطمئن ہوں کہ خدمت کے سرانجام دینے میں مجھے کامیابی ہوئی۔ ہاں میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کیمپ کی درستی میں جناب ملک قادر بخش صاحب تحصیلدار بٹالہ نے پوری مدد دی اور جس محنت اور جفاکشی سے انہوں نے اس موقع پر اپنے فرض کو ادا کیا وہ اسی ایک بات سے ظاہر ہے کہ بٹالہ کی تحصیل کے تین مقامات متواتر تھے جس میں اتنے بڑے ڈیرے کا انتظام اور اہتمام معمولی بات نہیں۔ مگر انہوں نے ایسی تندہی اور جفاکشی سے اپنے فرض کو انجام دیا اور اس دورہ کے ختم کے ساتھ ہی ٹیکا طاعون کے لیئے پھر انہیں دورہ پر نکلنا پڑا میں یقین کرتا ہوں کہ صوبہ پنجاب کا ایک وقیع عہدہ دار جو گورنمنٹ پنجاب کے بعد دوسرے ہی نمبر پر ہے تحصیلدار صاحب کی ان خدمات کو قابل قدر نظر سے دیکھے گا۔

بہرحال کیمپ تیار کیا گیا۔ صاحبان ممدوح کے گزرنے کے لیئے ایک سڑک بنائی گئی۔ اور داخلہ کے لیئے ایک شاندار دروازہ تیار کرلیا گیا جس کے سنہری حروف اپنے معزز مہمان کو خیر مقدم کہتے تھے۔

صاحبان ممدوح ۲۱ مارچ کو گیارہ بجے کے قریب قادیان میں داخل ہوئے۔ قادیان کی سرحد پر حضرت اقدس علیہ السلام کے بڑے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور صدر انجمن احمدیہ کے واجب احترام سیکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور خواجہ جمال الدین صاحب نے صاحبان ممدوح کا استقبال کیا۔ اور کیمپ کے باہر مدرسہ تعلیم الاسلام کے طلباء نے سلام کیا۔ تعلیم الاسلام سکول کے طلباء یہاں دو رویہ کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں تعلیم الاسلام کا جھنڈا ایک طرف صداقت اور وفاداری کا مضمون لیئے ہوئے سکول موٹو دوسری طرف لہرا رہا تھا۔ صاحبان ممدوح نے ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ سے بعض ضروری امور دریافت کیئے اور پھر طلبا کا سلام لیتے ہوئے ان کے حلقہ میں دروازہ سے تک پہنچے جہاں صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں نے آپکا استقبال کیا حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اپنی جماعت کے ان معزز اور سرکردہ ممبروں کو نام بنام پیش کیا۔ جو اس موقع پر حاضر تھے۔ اس تقریب پر ہولی کی تعطیلات کی وجہ سے بہت سے احباب قادیان میں موجود تھے۔ بہرحال صاحب ممدوح اس جماعت کو مل کر اس موقع پر بہت خوش ہوئے اسی موقع پر سلسلہ کلام میں خواجہ صاحب نے اپنے معزز مہمان کو حضرت مسیح موعود ایسے جلیل شان میزبان کی طرف سے شام کی دعوت کا پیغام پیش کیا۔

جس کا جواب بعد میں دینے کے وعدہ پر صاحب ممدوح اپنے کیمپ میں تشریف لے گئے اور جماعت کے منتخب افراد جناب صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر سے ان کے کیمپ میں ملے۔ مسٹر سی ایم کنگ کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی حاجت نہیں وہ ضلع بڑا خوش قسمت ہے جہاں مسٹر کنگ سا ڈپٹی کمشنر ہو۔ آپ نہایت اخلاق سے پیش آئے اور ہمارے معروضات کو نہایت توجہ سے سنا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے معائنہ مدرسہ کا ارادہ ظاہر فرمایا ایڈیٹر الحکم اور جناب شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسی کیمپ ہی میں موجود تھے۔ جو انہیں اطلاع ملی چنانچہ وہ صاحب ممدوح کے ساتھ مدرسہ تعلیم الاسلام کو آئے۔

دروازہ پر ٹرسٹیاں مدرسہ اور قوم کے معزز افراد نے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا استقبال کیا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر ہر ایک سے نہایت محبت سے ملے اور مدرسہ کے تمام ممبروں اور جماعتوں اور صیغوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے دیکھا اور اظہار مسرت فرمایا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کی نئی عمارت کا نقشہ بھی ملاحظہ فرمایا۔ اور پھر مدرسہ کی رائے بک میں اپنی رائے لکھنے کے لیے مانگی اور پچھلے افسروں کے معائنوں کو پڑھا۔ ان تمام امور کے بعد صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے جناب فنانشل کمشنر صاحب کی طرف سے قبول دعوت کا شکریہ کے ساتھ پیغام دیا۔ جس پر صاحبان ممدوح کا شکریہ انجمن کی طرف سے کیا گیا۔ چنانچہ شام کی دعوت صاحبان ممدوح کو حضرت مسیح موعود کی طرف سے دی گئی۔ اگرچہ یہ معمولی باتیں ہیں مگر یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ انگلشیہ کے معزز اور وقیع ارکان ہر موقع پر ان افراد اور خاندان کی عزت افزائی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ جو اس کے ساتھ دوستانہ اور وفادارانہ تعلقات رکھتے ہیں حضرت مرزا صاحب کے والد بزرگوار کے زمانہ میں جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدہ داران کے مکان پر بلاتکلف آتے اور دعوت کھاتے تھے۔ اس موقع پر سلسلہ عالیہ احمدیہ کے امام اور پیشوا کی دعوت کو قبول کر کے ان معزز عہدیداران نے سلسلہ احمدیہ کے افراد کے دلوں میں گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی کے خیالات کو پیش از پیش بڑھا دیا ہے۔

اس تقریب دورہ پر سب سے بڑی اور اہم بات حضرت مرزا صاحب کی ملاقات ہے۔

بعض نادانوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت اقدس سرکاری عہدہ داران سے ملتے نہیں حالانکہ یہ امر محض اختراع پر مبنی ہے جو شخص اپنے سلسلہ کے اغراض اور تعلیم میں گورنمنٹ کی خیر خواہی اور اطاعت کا سبق دیتا ہے تو اسے اگر کسی عہدہ دار سے ملنے کا موقع پیش آئے تو اسے کب انکار ہو سکتا ہے۔

علاوہ بریں اسے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ لوگوں کی ملاقات سے تھکنا

نہیں پھر وہ تو کسی کے ملنے سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں چونکہ اس زمانہ کے دنیاداروں اور خوشامدیوں کی طرح وہ کسی سے نہیں ملتے جن کی غرض صرف کسی خطاب کی خواہش یا مطالب کا حصول ہوتا ہے اور حضرت مرزا صاحب اپنی خدمات ان اغراض کے لیے نہیں کر رہے ہیں۔ اس لیے انہیں جب کہ اس قسم کے اغراض سے خدا تعالیٰ نے بالاتر فرمایا ہے۔ اور آپ کے قلب پر ان امور کا اثر ہی نہیں تو اس خیال اور رنگ میں رنگین کیوں ہوں۔ بہرحال اثنائے گفتگو میں جبکہ فانشل کمشنر صاحب بہادر نے حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے خوشی کا اظہار فرمایا تو قرارداد کے موافق شام کو پانچ بجے آپ کیمپ میں تشریف لے گئے اس وقت نظارا عجیب تھا۔ کیمپ کے ارد گرد مخلوق خدا کا ایک تانتا تھا حضرت مرزا صاحب معہ چند خدام کے صاحب فانشل کمشنر صاحب بہادر کے کمرہ ملاقات میں وقت مقررہ پر پہنچے۔ فانشل کمشنر صاحب بہادر نہایت اخلاق اور اکرام کے ساتھ حضرت مرزا صاحب کو اپنے خیمہ کے دروازہ پر ملے اور بڑے احترام کے ساتھ جو دونوں ملنے والوں کی شان کے شایان تھا۔ پیش آئے حضرت اقدس اور احباب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر بھی موجود تھے۔ مہمان اور میزبان میں نہایت ہی خوشگوار ماحول میں سلسلہ کلام شروع ہوا۔ حضرت مرزا بہت ہی مناسب انداز اور مناسب وقت اپنے سلسلہ کے اغراض اور مقاصد اور سلسلہ احمدیہ کے تعلقات گورنمنٹ پر گفتگو فرماتے رہے۔ مجھے یقین ہے فانشل کمشنر صاحب بہادر کے لیئے یہ پہلا موقعہ ہوگا کہ کوئی بالکل بے غرض انسان ان سے ملا ہے۔ آخر میں صاحب فانشل کمشنر صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی ملاقات پر بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مرزا صاحب واپس تشریف لے آئے اور صاحب ممدوح نے .... اپنے اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیا اور بتایا کہ باوجود ایسے معزز رتبہ اور عہدہ کے بھی وہ قابل عزت انسانوں کی تکریم کرتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے کہ وہ ایسے شرفا سے نفرت کرتے ہیں۔ آخر میں جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی رائے کے متعلق مدرسہ درج کرتا ہوں اور ساتھ ہی اس خیر مقدم کو درج کر دیتا ہوں جو میں تقریب پر میں نے شائع کیا تھا۔

رائے

آج اس مدرسہ کے معائنہ کے لیئے جا کر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس انسٹیٹیوشن کے معززین تعلیم میں حقیقی دلچسپی سے کام لیتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اس کی قابل تعریف کوششیں ضلع کے اس حصہ میں تعلیم پھیلانے میں کامیابی حاصل کریں گی قصبہ کے باہر ایک معقول قطعہ زمین مدرسہ کے واسطے خریدا گیا ہے ار جو نقشہ میں نے دیکھا ہے وہ امید دلاتا ہے کہ اس جگہ پر بہت خوبصورت عمارت تعمیر ہو جائے گی۔

دستخط۔ سی ایم کنگ ڈپٹی کمشنر کیمپ قادیان
۲۱ مارچ ۱۹۰۸ء

خاص پرچہ الحکم

جو بہ تقریب تشریف آوری عالی جناب فانشل کمشنر صاحب بہادر پنجاب و جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور و جناب مہتمم بندوبست صاحب بہادر ضلع گورداسپور شائع ہوا۔

خیر مقدم

اے آمدنت باعث آبادی ما ذکر تو بود زمزمہ شادی ما ہیچرز ایڈیٹر الحکم سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے وفاداری اور اخلاص کو خوشی کے ساتھ جو اس سلسلہ کو گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ باعث اس کے احسانات عظیمہ کے (جو تمام مسلمانوں پر عموماً اور ہم احمدیوں پر خصوصاً ہیں) مندرجہ بالا افسران ذی وقار کو قادیان کے مقام پر تشریف آوری کے لیئے ویل کم کہتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ ہمیں گورنمنٹ برطانیہ کے سایہ عاطفت میں اپنے سید مقتدا امام ہمام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ہدایتوں کے موافق اپنی محسن گورنمنٹ کو دلی شکریہ کے اہم مواقع ملتے رہیں۔ امید ہے۔ صاحبان ممدوح اس ہیچرز کے خیر مقدم کو قبول فرمائیں گے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

راقم یعقوب علی (تراب) احمدی۔ لاہور مارچ ۱۹۰۸ء

کیا محمودیوں کے جاسوس اور کارخاص کے کل پرزہ ہونے میں اب بھی کوئی اشتباہ رہے گا؟

محمودیوں کی جاسوسی اور کارخاص کے متعلق ایک اور خفیہ چٹھی کی نقل

۱۔ کمترین کے بزرگ ابتدائی عمل داری انگلشیہ میں وفادار گورنمنٹ انگلشیہ رہے۔ بصلہ خدمات اراضی عطا ہوئی (ملاحظہ ہوں پٹہ ہااز دفتر ہوشیار پور ردیف ۲۶۴ تاریخ فیصلہ اجلاس مسٹر برکس صاحب ۱۶-۷-۱۸۶۷)

۲۔ کمترین کے والد کی خدمات:۔

(ا) اکالی موومنٹ میں ببرا کالیوں کے قتل پر آمادہ رہے۔ اشتہار قتل لگائے۔ حفاظت جان کے لیے اسلحہ عطا ہوا۔

(ب) جنگ عظیم میں بھرتی میں مدد دی۔

(ج) تحریک عدم تعاون میں بحیثیت ممبر ڈسٹرکٹ لیگ مقابلہ کیا۔

(د) کارخاص میں ڈائریاں دیتا رہا اور لیکچرز خلاف موجودہ کانگرس دیتا رہا۔ (ملاحظہ ہو ڈائریاں اور روائید اد اجلاس از دفتر صاحب ڈپٹی ہوشیار پور)

(ر) محکمہ پولیس میں آنریری کام کیا۔ (ملاحظہ ہو ڈائری پولیس گڑھ شنکر ۱۹۳۰-۶-۲)

(س) بحیثیت پریذیڈنٹ وسیکرٹری سوسائٹیز آنریری خدمات کرتا رہا۔

سرٹیفکیٹ جملہ خدمات لف ہیں۔

۳۔ کمترین کے دادا نے بھی خدمات سوسائٹیز آبکاری کیں۔

۴۔ درخواست کے ساتھ ۳۶ کاپی شامل ہیں۔ نقل مطابق اصل۔

پیغام صلح لاہور، ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء

پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء میں مرزا محمود کے قادیانی پیروکاروں کی جاسوسی۔ کانگرس مخالف تحریکوں میں شمولیت اور برطانوی حکومت کی سیاسی خدمات ادا کرنے کا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا گیا۔ ایک مقتدر قادیانی جو مرزا محمود کا خاص مرید تھا اس نے گورنر پنجاب کے نام چٹھی لکھی جسے پیغام صلح لاہور نے شائع کر دیا تا کہ قادیانیوں کے جاسوس ہونے کا دستاویزی ثبوت بہم پہنچایا جائے۔

(ii) خفیہ سیاسی کارروائیاں

قادیانی محمودی لوگ مذہب کے نام پر سیاست میں حصہ لینا ضروری سمجھتے ہیں وہ گورنمنٹ میں اثر ورسوخ بڑھا کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس طریق سے بہت سے دینوی عزت وجاہ کے طالب اور ملازمت کے خواہاں خودبخود ہماری طرف کھنچے چلے آئیں گے اس طرح ہمارا جتھہ بھی زبردست ہوتا جائے گا جس سے گورنمنٹ پر مزید اثر پڑے گا اور ہماری آمدنی بھی بڑھے گی اور ریاست کی بنیاد بھی پڑ جائے گی اس لیے وہ گورنمنٹ کے مرکزی دفاتر کا طواف کرنا اور سیاسی کاموں میں ظاہر اور خفیہ طور پر گورنمنٹ کے دست وباز و بننا اپنا شعار بناتے اور اس کے بدلہ میں گورنمنٹ میں رسوخ بڑھانا اور نفع اٹھانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس لیے مذہب کے نام پر لاکھوں روپیہ قوم سے لے کر سیاسی خفیہ کارروائیوں میں رف کردینے سے بھی دریغ نہیں کرتے چونکہ ان کے عقائد ہی ایسے باطل ہیں کہ کسی عقل مند کو اپیل نہیں کر سکتے اس لیے سیاسی رنگ میں جتھے بندی کے سوا ان کا مقصد کسی اور طریق سے حاصل ہونا انہیں مشکل نظر آتا ہے بدیں وجہ وہ سیاسی میدان میں کارنمایاں دکھا دکھا کر اپنا جتھا بڑھانے کا کام کرتے رہتے ہیں۔

(پیغام صلح لاہور ۵ جنزوی ۱۹۳۵ء)

(iii) گورنمنٹ کے جاسوس

جناب خلیفہ قادیان اور قادیانی جماعت نے گزشتہ ۲۰-۲۱ سال کے عرصے میں حکومت کی جو بے بہا شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کو جناب خلیفہ صاحب اپنے خطبات میں نہایت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں انہوں نے حکومت کی مخالف تحریکوں کو دبانے اور نا کام بنانے کے لیے اپنے غریب مریدوں سے جمع کیے ہوئے لاکھوں روپے جو تبلیغ واشاعت کے لیے لیے گئے تھے پانی کی طرح بہا دیئے۔ انہوں نے ہنگامہ کانپور اور رولٹ ایکٹ کے زمانے میں حکومت کی پر جوش حمایت کی انہوں نے خلافت، ہجرت، عدم تعاون کی تحریکات کے وقت حکومت کو امداد دی۔ انہوں نے کانگرس کا مقابلہ کیا اور پنجاب میں اس کے دانت کھٹے کر دیئے۔ انہوں نے جنگ عظیم (اول) اور کابل کی لڑائی میں ہزاروں آدمی بھیجے۔ انہوں نے حکومت کے لیے وہ کام کیے جنہیں سرکاری آدمی حکومت سے سینکڑوں ہزاروں روپیہ وصول کرنے کے باوجود خود انجام نہ دے سکے۔ جناب خلیفہ قادیان کی یہ شاندار سرکاری خدمات سلسلہ احمدیہ کے اصل مقاصد یعنی تبلیغ اسلام سے بلاشبہ دور پڑی ہوئی ہیں اور اسی وجہ سے سلسلہ اس رنگ میں بھی کافی بدنام ہو چکا ہے کہ یہ گویا گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔

پیغام صلح لاہور ۳ فروری ۱۹۳۵ء

(iv) قادیانی سیاست

قادیانی خلافت کی طرح قادیانی سیاست کا انداز بھی نہایت پیچدار ناقابل فہم اور رازدارانہ رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء کا ذکر ہے کہ کانگرس کی سول نافرمانی کی تحریک شباب پر تھی پکڑ دھکڑ کا بازار گرم تھا کانگرسی لوگ ہر روز ملک کے لیے نئی سے نئی مشکلات پیدا کر رہے تھے قادیانی جماعت کی ساری مشینری ایک جاسوسانہ انداز میں حکومت کے لیے حمایت میں وقف تھی انہی ایام میں قادیانی جماعتوں کے نام جناب خلیفہ صاحب قادیان کے وزیر خارجہ یعنی ناظم امور عامہ کی طرف سے ایک خفیہ سرکلر جاری ہوا (کہ کانگرسی تحریکات پر نظر رکھیں)

۱۹۳۰ء میں خفیہ چٹھی اور جاسوسی کی غرض دغایت مسلمان سرکاری ملازمین کی حفاظت بتائی جاتی تھی لیکن ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں اس کی غرض حکومت کی امداد اور وفاشعاری ارشاد ہو رہی ہے۔

(پیغام صلح لاہور ۷ جون ۱۹۳۵ء)

لندن میں عید الاضحیٰ کی تقریب

''ہندوستان کے مستقبل پر تقریریں'' بعد دوپہر مسٹر محمد علی جناح کی تقریر انگلستان کے اعلیٰ ترین سیاست دانوں اور معززین کے سامنے ہندوستان کا مستقبل کے عنوان سے ہوئی جسے سب لوگوں نے دلچسپی سے سنا آپ نے بتایا کہ ہندوستان اب بہت جلد ترقی کرے گا وائٹ پیپر کی تجاویز ہندوستانیوں کو مطمئن نہیں کر سکتیں انہیں کامل خودمختاری ملنی چاہیے۔

ان کے بعد پریذیڈنٹ سر سٹوارٹ سنڈیمن ایم اے نے مسٹر جناح کے خیالات سے اختلاف کا اظہار کیا۔ مکرم درد صاحب نے سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے دونوں قسم کے خیالات سن لیے ہیں ہمیں غور کر کے ان سے نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ ہماری رائے میں ہندوستان کی ترقی برطانیہ اور ہندوستان کے اتحاد سے وابستہ ہے اس پر ہر خیال کے لوگوں نے اطمینان کا اظہار کیا اور جلسہ بخیر و خوبی چائے وغیرہ کے بعد برخواست ہوا۔

(الفضل قادیان ۲۷ اپریل ۱۹۳۳ء)

Roport of Alfazl Qadian, 27 April 1933. It repudiates Ahmadi claim that the Quaid-i-Azam returned to India on the persuation of A.R. Dard, Imam London "Mosque"

الفضل
قادیان
ایڈیٹر۔ غلام نبی
The ALFAZL QADIAN.
نمبر ۶۲ | مورخہ ۱۴ شعبان ۱۳۵۳ھ | مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء | جلد ۲۲

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنے والی سب سے پہلی جماعت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے کے متعلق بیس نومبر بعد دوپہر کی ڈاکٹری رپورٹ مظہر ہے۔ کہ حضور کی کھانسی کی تکلیف میں اب خدا تعالیٰ کے فضل سے کمی اور عام صحت اچھی ہے۔فالحمد لله علی ذالك۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا ہے کہ جناب میر محمد اسماعیل صاحب کی چھوٹی اہلیہ صاحبہ کی صحت کے لیئے دردِ دل سے دعا کی جائے۔

انیس نومبر بعد نماز عصر جامعہ احمدیہ کے ہوسٹل کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے افتتاح فرمایا "جامعہ" کی طرف سے ٹی پارٹی دی گئی۔ پرنسپل صاحب کی طرف سے جناب میر محمد اسحاق صاحب نے ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مختصر تقریر فرمائی۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے مکان کے دروازے کھولے۔

پندرہ نومبر بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی۔ کہ شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ نیروبی بمبئی سے جہاز پر سوار ہو گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے نو نومبر کے خطبہ جمعہ کا جو حصہ اٹھارہ نومبر کے الفضل میں شائع ہوا ہے۔ اس میں حضور نے اپنی جماعت سے تین مطالبات کیئے ہیں (۱) یہ کہ "ہر شخص جس کے چندوں میں کوئی نہ کوئی بقایا ہے یا ہر وہ جماعت جس کے چندوں میں بقائے ہیں وہ فوراً اپنے اپنے بقائے پورے کرے اور آئندہ کے لئے چندوں کی ادائگی میں باقاعدگی کا نمونہ دکھلائے"۔ (۲) یہ کہ "ہفتہ کے اندر اندر ہر وہ شخص جس کی کسی سے لڑائی ہو چکی ہے ہر وہ شخص جس کی کسی سے بول چال بند ہے۔ وہ جائے اور اپنے بھائی سے معافی مانگ کر صلح کر لے"۔ (۳) یہ کہ "جلد سے جلد ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو سلسلہ کے لیئے اپنے وطن چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالنے کے لیئے تیار ہوں اور بھوکے پیاسے رہ کر بغیر تنخواہوں کے اپنے نفس کو تمام تکالیف سے گزارنے پر آمادہ ہوں۔"

آخری مطالبہ کے متعلق حضور نے سرکاری ملازموں۔ تاجروں۔ طالب علموں اور سلسلہ کی خدمات سرانجام دینے والوں۔ زراعت کا کام کرنے والوں یا دوسرے پیشہ وروں کو مستثنٰی کرتے ہوئے فرمایا - "میں صرف ان نوجوانوں کو آواز دیتا ہوں جن کو ابھی تک نوکریاں نہیں ملیں۔"

اس خطبہ کے شائع ہونے پر سب سے پہلے جماعت جس نے حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے باہمی صلح کی اور چندوں کے بقایا کو صاف کرنے کا عہد کیا۔ وہ لاہور چھاؤنی کی جماعت ہے۔ اس بارہ میں قادیان کی جماعت بھی اس سے پیچھے رہ گئی ہے - حالانکہ اسے دوسری جماعتوں کی نسبت ایک ہفتہ زائد وقت مل گیا تھا۔

جماعت احمدیہ چھاؤنی لاہور کے ہر ایک ممبر نے خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فرداً فرداً حسب ذیل مضمون کی درخواست پیش کی ہے۔"

"حضور کے نو نومبر کے خطبہ جمعہ کی تعمیل میں خاکسار اپنے تئیں ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے پیش کرتا ہوا مودبانہ ملتمس ہے۔ کہ خاکسار کے ذمہ چندہ کا کوئی بقایا نہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ العزیز ماہ بماہ باقاعدہ چندہ ادا کرتا رہے گا۔ اپنے ذمہ چندہ کا بقایا نہیں ہونے دے گا۔

الفضل
نمبر ۱۴۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۲۴ شعبان ۱۳۵۳ھ | جلد ۲۲

خطبہ جمعہ

گورنمنٹ کو اپنی غلطی کا اقرار کرنا چاہیئے

اعلان کردہ سکیم کے متعلق چند باتیں

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۶۔ نومبر ۱۹۳۴ء

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے اپنی طرف سے پچھلے خطبہ جمعہ میں اس مضمون کو ختم سمجھا تھا۔ جو **حکومت کے بارے میں** تھا اور غالباً آج کے خطبہ میں مجھے اس حصہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی اور اپنے ارادہ کے مطابق تو میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس بارے میں سردست کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس دوران میں مجھے **ایک خط** ملا جس نے مجھے پھر تحریک کی۔ کہ اس حصہ کے متعلق میں اپنے خیالات کی کس قدر اور وضاحت کر دوں۔ یہ وضاحت ان واقعات کے متعلق نہیں ہے جن کو تفصیل کے ساتھ میں نے بیان کیا تھا بلکہ یہ وضاحت اس **طریق عمل** کے متعلق ہے۔ جو ہماری جماعت کو میرے نزدیک حکومت کے متعلق اختیار کرنا چاہیے۔ یا جس طریق عمل پر ہم ہمیشہ کاربند رہتے چلے آئے ہیں۔ میں یہ وضاحت سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میری ساری عمر میں میرا نقطۂ نگاہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ میں **غیر معمولی جوش دکھاؤں یا غیر معمولی** طور پر اپنے آپ کو اپنے جوشوں کے حوالے کر دوں۔ ساری عمر میں مجھے **ایک واقعہ** یاد ہے اور وہ خلافت سے پہلے کا ہے۔ اس میں کچھ میری عمر کا بھی تقاضا تھا۔ مگر بہرحال ساری عمر میں مجھے وہی واقعہ یاد ہے جس کے متعلق اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت میرے **فیصلے کا توازن** باقی نہیں رہا تھا اور اگر ایک ساعت اور ایک لحظہ کے اندر اندر میری غلطی مجھ پر واضح نہ ہو جاتی۔ تو شائد مجھ سے کوئی ایسی حرکت ہو جاتی جس کے متعلق بعد میں مجھے شرمندگی محسوس ہوتی اور میں خیال کرتا کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا۔ اس واقعہ کے علاوہ مجھے اپنی **ساری زندگی میں** کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا جبکہ میرے ہوش و حواس کھوئے گئے ہوں جبکہ **غصہ یا غیرت** نے میری عقل کو کمزور کر دیا ہو اور جبکہ میری قوت فیصلہ میں کسی وجہ سے ضعف آ گیا ہو۔ بلکہ ہر حالت میں خواہ وہ خطرناک ہو یا معمولی۔ خواہ حکومت سے تعلق رکھنے والی ہو یا رعایا سے۔ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فضل سے میری **عقل میرے جذبات پر غالب رہی ہے** اور میری دینی سمجھ میرے جوش کی راہنمائی کرتی رہی ہے اور یہی بات اس موقعہ پر بھی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقعہ پر میرے دل میں غیرت پیدا ہوئی اور سلسلہ کی ہتک اور **سلسلہ کے متعلق آئندہ خطرات** کو دیکھتے ہوئے میری طبیعت میں ایک ایسا جوش پیدا ہوا جو بغیر تسلی اور اطمینان کے دبنے کو تیار نہیں۔ اور انشاء اللہ تم اس کے بغیر نہیں دبے گا۔ مگر باوجود اس کے میں نے عقل نہیں کھوئی۔ اور نہ اس راستہ کو ایک منٹ کے لئے بھی چھوڑا ہے جس کی سلسلہ احمدیہ ہمیں تعلیم دیتا ہے اور جس کی دنیا میں ہم ہمیشہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ پس **میری تمام سکیم** اور میرے **تمام جذبات کے چاروں کونے** اور اس کی بنیادیں ان نشانات پر ہیں جن کو شریعت نے قائم کیا اور جن کو سلسلہ احمدیہ نے دنیا پر ظاہر کیا۔ اور میری سکیم کا ایک باریک ذرہ بھی ان بنیادوں سے باہر نہیں جن کو شریعت اسلام اور سلسلہ احمدیہ نے قائم کیا ہے۔ پس مجھے ان لوگوں کی باتیں ناپسند ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کوئی **اہم بات** تھی۔ ایک شخص کے فعل پر اتنا جوش دکھانا نہیں چاہئے تھا۔ اور گو میں نہیں کہہ سکتا۔ اس قسم کی بات کہنے والے بہت سے لوگ ہیں۔ کیونکہ **ایک سے زیادہ خط** مجھے اس بارہ میں نہیں آیا لیکن چونکہ ممکن ہے کہ بعض اور بھی لوگ ہوں جو یہ خیالات رکھتے ہوں۔ اس لئے میں نے لوگ کا لفظ استعمال کیا۔ اس لکھنے والے نے لکھا ہے کہ حکومت کی طرف سے جو نوٹس دیا گیا۔ ایک شخص کا فعل ہے۔ پس اس سے زیادہ ہمیں اس کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ میں نے اپنے گزشتہ خطبات میں بتایا ہے کہ یہ ایک شخص کا فعل نہیں اور نہ ہی ہمارے متعلق حکومت کا یہ ایک فعل ہے بلکہ **افعال کا ایک لمبا سلسلہ** ہے۔ جس میں کچھ مقامی ضلع کے افسر اور کچھ مرکزی گورنمنٹ کے افسر شامل ہیں۔ مگر دوسری طرف جو خط آیا ہے۔ اس کے لحاظ سے ممکن ہے۔ کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ بھی ہماری جماعت میں ہوں۔ اس لیئے میں وضاحت سے بعض باتیں کہہ دینا

چاہتا ہوں۔

جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ ہم دیر سے محسوس کر رہے ہیں کہ انگریز لوگ بغیر **شورش اور فساد** کے کوئی بات نہیں مانا کرتے اور یہ کہ اس دوست کے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے متعلق اس **وفاداری کی تعلیم** پر جو ہمارے سلسلہ میں موجود ہے دوبارہ غور کریں۔ اور سوچیں کہ کیا اس کی تشریح حد سے بڑھتی ہوئی تو نہیں۔ اور کیا وفاداری کا جو مفہوم ہم سمجھتے چلے آئے ہیں۔ وہ **خوشامد اور نکما پن** تو نہیں۔ غرض اس دوست کے نزدیک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان تمام باتوں پر غور کر کے ہم پھر ایک رائے قائم کریں اور اس کے مطابق اپنے سلسلہ کی پالیسی کو ڈھالیں۔ گو اس خط میں جو مجھے لکھا گیا۔ **سلسلہ کی تعلیم کی عظمت** کو قائم رکھا گیا ہے۔ اور گو اسلام کی عظمت اور اس کے احکام کی پابندی کو بھی ملحوظ رکھ لیا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کے دل میں اور ممکن ہے بعض اور نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال ہے کہ سلسلہ کی وفاداری کی تعلیم کے جو معنے لیئے گئے ہیں۔ وہ زیادہ گرے ہوئے اور اپنے اندر تذلل رکھنے والے ہیں۔ مگر میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ کی طرف سے جو تعریف کی گئی ہے۔ وہ ایسے **وثوق اور یقین کے ماتحت** کی گئی ہے۔ کہ میں آج بھی اسے ویسا ہی صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔ جس طرح آج سے پہلے درست سمجھا کرتا تھا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی تعریف ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول کریم ﷺ اور **خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والی** ہے۔ اور خواہ آئندہ کیسے ہی خطرناک حالات پیش آئیں۔ بغیر ایک منٹ کے توقف کے میں اس راہ پر چلنے کو تیار ہوں۔ جس پر ہم ہمیشہ چلتے آئے کیونکہ مجھے **یقین کامل** ہے۔ کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ میں جو تعلیم ہے۔ اور اس کی جو تشریح کی گئی ہے۔ وہ کیا بلحاظ ضرورت کے کیا بلحاظ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے اور کیا بلحاظ اسلام کے مفاد اور اس کی ترقی کے بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ اور درست ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ اس دوست نے اپنے خط میں **ایک واقعہ** بھی پیش کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ پبلک پراسیکیوٹر کے سلسلہ میں سب انسپکٹری کے لیئے بطور امیدوار پیش تھے۔ **لاہور کے سینئر سپرنٹنڈنٹ** مسٹر ہارڈنگ کے سامنے جب انہوں نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں احمدیہ جماعت میں سے ہوں۔ اور احمدیہ جماعت وہ ہے جو حکومت برطانیہ کی ہمیشہ وفادار رہی ہے۔ تو **مسٹر ہارڈنگ** نے کہا۔ میں احمدیہ جماعت کی وفاداری کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا وہ دوست لکھتے ہیں۔ جب ہماری جماعت کی وفاداری کے کوئی معنے ہی نہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم لاکھوں روپیہ **حکومت کی بہبودی** کے لیئے خرچ کریں۔ اور اپنی سینکڑوں قیمتی جانوں کو خطرات میں ڈالیں۔ اور حکومت کی وفاداری ان معنوں میں کرتے چلے جائیں کہ نازک اور مشکل مواقع پر اس کی حمایت کریں۔ **پہلے فریق کی غلطی** میں پیچھے ثابت کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ نہ ایک شخص کا فعل ہے اور نہ اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ اکیلا فعل بھی ہو اور ایک شخص کا ہی فعل ہو تب بھی بعض دفعہ ایک شخص کا ہی فعل نہایت برے نتائج پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اور اگر ہمیں بعد میں بھی کبھی معلوم ہو کہ کسی ایک شخص کے فعل سے ہمارے **سلسلہ کی آئندہ ترقی پر اثر** پڑتا۔ یا ہمارے اور گورنمنٹ کے تعلقات خراب ہوتے ہیں تو لازماً ہمارا فرض ہوگا کہ ہم سلسلہ کی عظمت اور گورنمنٹ سے اپنے تعلقات کی درستی کے لیئے اس کا ازالہ کریں۔ ورنہ مذہبی امور سیاسی دونوں لحاظ سے سلسلہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اسلام میں اس کی مثال موجود ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے ہوازن پر فتح پائی۔ تو مال غنیمت میں ان کے بہت سے گلے اور ریوڑ بھی آئے۔ مکہ کے مسلموں کے متعلق رسول کریم ﷺ چاہتے تھے کہ ان کے دلوں کو محبت اور پیار سے اسلام کی طرف مائل رکھیں۔ دوسرے اس لیئے کہ مکہ والے سمجھتے تھے کہ شائد مسلمان ہماری پرانی مخالفت کی وجہ سے دل میں ہم سے بغض رکھتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے یہ ظاہر کرنے کے لیئے ہم پرانی مخالفتوں کو یاد نہیں رکھتے۔ بلکہ بھلا دیا کرتے ہیں۔ ریوڑوں کے ریوڑ ان میں تقسیم کر دیئے۔ اس پر **انصار میں سے ایک نوجوان** جو اس حکمت کو نہیں سمجھتا تھا کھڑا ہوا اور اس نے کہا تلواروں سے تو ہماری خون ٹپکتا ہے۔ مگر جب ہم نے جانیں قربان کر کے فتح حاصل کی تو مال مکہ والے لے گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہوازن کے معرکہ میں **سب سے زیادہ قربانی** انصار نے بھی کی تھی۔ میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ جنگ حنین میں کفار کے مقابلہ میں ان نو مسلموں کی وجہ سے جو صحابہ کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گئے تھے اور کچھ ان کفار کی وجہ سے جو مسلمانوں کی طرف سے ہو کر لڑے۔ ان میں بھاگڑ پڑ گئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ اٹھے۔ یہاں تک کہ **صرف بارہ آدمی** رسول کریم ﷺ کے پاس رہ گئے۔ اس وقت ہوازن کے چار ہزار تجربہ کار تیر انداز **مسلمانوں پر تیروں کی بارش** برسا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کے گھوڑے اور ان کے اونٹ بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ نے حضرت عباس سے جن کی آواز بہت بلند تھی کہا۔ عباس زور سے آواز دو۔ کہ

اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے

آپ نے اس موقع پر مہاجرین کو نہیں پکارا۔ بلکہ انصار کو پکارا۔ انصار خود کہتے ہیں جب ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچی کہ اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ تو انہیں یوں معلوم ہوا کہ **صور اسرافیل** پھونکا جا رہا ہے۔ اور قیامت کا دن آگیا ہے۔

جو شخص اپنی سواری کو موڑ سکا۔ وہ اپنی سواری کو دوڑاتے ہوئے اور جس کی سواری نہ مڑ سکی۔ اس نے تلوار سے اس کی گردن اڑاتے ہوئے تیزی سے رسول کریم ﷺ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ چند منٹ میں ہی میدان صحابہ سے بھر گیا اور مسلمانوں کی شکست فتح میں تبدیل ہوگئی۔ یہ فتح جو

ہوازن کے مقابلہ میں

مسلمانوں کو حاصل ہوئی خصوصیت سے انصار کی فتح تھی مگر جب ایک بے وقوف نوجوان نے یہ الفاظ کہے کہ

خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے

مگر ریوڑ مکہ والے لے گئے۔ تو رسول کریم ﷺ نے انصار کو جمع کیا۔ اور فرمایا اے انصار مجھے تمہاری طرف سے یہ بات پہنچی ہے۔ انصار رو پڑے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ یہ ایک

نادان نوجوان کے مُنہ سے الفاظ

ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور فرمایا۔ تم کہہ سکتے تھے کہ محمد ﷺ اکیلا تھا۔ اس کی قوم نے اسے رد کر دیا۔ اس کے وطن والوں نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس کی تکذیب کی۔ اس کی تکفیر کی اور اس کے

قتل کا ارادہ

کیا۔ مگر ہم گئے اور اسے اپنے وطن میں لائے۔ اپنی عزتیں اس پر قربان کیں۔ اپنی جانیں اس پر فدا کیں اور جب لڑائی ہوئی تو اس کے دائیں بھی لڑے اور بائیں بھی۔ آگے بھی لڑے اور پیچھے بھی۔ یہاں تک کہ اس کے بھائیوں سے لڑ کر وہ شہر جس میں سے اسے نکالا گیا تھا فتح کیا اور اس کے لیئے

جانی اور مالی ہر رنگ کی قربانی

کی۔ مگر جب مال دینے کا وقت آیا تو اس نے اپنے رشتہ داروں اور وطن والوں کو تو مال دے دیا مگر ہمیں یاد نہ رکھا۔ انصار ایسی مخلص جماعت بھلا اس کو کب برداشت کر سکتی تھی۔ ان کی

روتے روتے ہچکی بندھ گئی

اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم تو کہہ چکے یہ ایک نادان نوجوان کا فعل ہے۔ ہم اس سے بیزار ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے پھر ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور فرمایا اے انصار تم ایک اور بات بھی کہہ سکتے تھے اور وہ یہ کہ خدا نے محمد ﷺ کو مکہ میں پیدا کیا مگر

مدینہ والوں کی قربانیاں

خدا تعالیٰ کو کچھ ایسی پسند آئیں کہ وہ اپنے خاتم النبیین کو مکہ سے اٹھا کر مدینہ میں لے آیا۔ پھر مدینہ والوں کی قربانیوں کو خدا تعالیٰ نے نوازا۔ اور انہیں توفیق دی کہ وہ اس کے وعدوں کے پورا کرنے والوں میں شامل ہوئے اور جب خدا تعالیٰ نے خاص اپنی طاقتوں اور بے انتہا قدرتوں کے نتیجہ میں ملک عرب کو اس کے رسول کے تابع کر دیا اور مکہ جس میں سے اسے نکالا گیا تھا۔ فتح ہو گیا تو مکہ والے تو اونٹ اور بھیڑیں ہانک کر لے گئے مگر مدینہ کے لوگ خدا کے

رسول کو اپنے گھر

لے آئے۔ انصار نے پھر روتے ہوئے کہا یا رسول اللہ جو کچھ ہوا وہ ہمارے ایک بے وقوف نوجوان کا قول تھا۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اس ایک نادان کے قول کی وجہ سے اب تم

دنیا کی بادشاہت سے ہمیشہ کے لیئے

محروم

رہو گے۔ تم نے جو کچھ لینا ہے۔ وہ مجھ سے حوض کوثر پر آ کر لینا۔

تیرہ سو برس گزر گئے۔ اس واقعہ کے بعد عرب حاکم ہوئے۔ مصری حاکم ہوئے سپینش نسل کے لوگ حاکم ہوئے۔ مورش حاکم ہوئے۔ پٹھان حاکم ہوئے۔ مغل حاکم ہوئے۔ مگر رسول کریم ﷺ کے گرد جانیں قربان کرنے والے انصار کسی

چھوٹی سی ریاست کے مالک

بھی نہ بن سکے۔

کتنی بڑی اہمیت ہے جو ایک نادان کے قول کو دی گئی اور یہ اہمیت اس لیئے دی گئی کہ اگر یہ بات برداشت کر لی جاتی تو یہ امر مشتبہ ہو جاتا۔ کہ نبی کے زمانہ میں جب کوئی قوم قربانی کرتی ہے تو وہ احسان نہیں کرتی بلکہ درحقیقت اس پر خدا تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے کہ اسے

خدمت دین کی توفیق

دی گئی۔

پس اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ ایک شخص کا فعل ہے یا

اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ

تب بھی یہ معاملہ اپنی ذات میں کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس قابل رہتا ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے مگر جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں یہ ایک شخص کا فعل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ افسر اس میں شریک ہیں دوسرے یہ اکیلا واقعہ نہیں بلکہ واقعات کا ایک لمبا سلسلہ ہے جس کی یہ ایک کڑی ہے۔

اس طرح جو دوسرا اعتراض ہے اس کے بارہ میں میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا ہو۔ کہ میں

جماعت احمدیہ کی وفادارانہ خدمات

کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا گو ممکن ہے اس دوست کو بات کے سمجھنے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا ہم نہیں کہہ سکتے کہ

ساری انگریز قوم

انہی خیالات کی مؤید ہے کیونکہ وہ صرف ایک کی غلطی ہے۔ اور ان الفاظ کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کے بدلے اسے عہدے نہیں دے سکتے۔" یہ ایسی غلطی ہے جو کئی انگریزوں کو لگی ہوئی ہے۔ وہ ایسے وقت جبکہ انہیں کسی وفادار جماعت کی ضرورت ہو۔ جماعت احمدیہ کو مدد کے لیئے بلاتے ہیں۔ مگر جب

عہدے دینے کا سوال

ہو تو کانگرسیوں کو دے دیتے ہیں۔ مگر اس کا خمیازہ بھی گورنمنٹ بھگت رہی ہے اور اب حالت یہ ہے کہ

حکومت کے اپنے راز بھی محفوظ نہیں

ایک دفعہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک افسر کو مجھ سے کسی مدد کی ضرورت پیش آئی۔ تو انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ان کے لیئے کوشش کروں۔ اس غرض کے لیئے میں نے ایک خط لکھوایا۔ مگر جس دوست کو وہ خط بھجوایا گیا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ مجھے خط ایسی حالت میں ملا ہے کہ مجھے شبہ ہے وہ رستہ میں کھولا گیا۔ اور اس کا مضمون ڈاک خانہ میں پڑھ لیا گیا ہے۔ پھر

عجیب بات

یہ ہے کہ خط یہاں سے ٹکٹ لگا کر بھیجا گیا تھا مگر وہاں جب پہنچا تو اس پر کوئی ٹکٹ نہ تھا۔ لطیفہ یہ ہوا کہ چٹھی رساں جب خط لے کر گیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ تھا تو بیرنگ مگر میں ڈاک خانہ سے اسے چوری لے آیا ہوں تا کہ آپ کو پیسے نہ دینے پڑیں۔ مگر اس کا صاف یہ مطلب تھا

کہ

خط کھولا گیا

اور اس کا مضمون پڑھ لیا گیا مگر چونکہ خط کھولتے وقت ٹکٹ پھٹ گیا۔ اس لیئے اسے بغیر ٹکٹ ظاہر کیا گیا۔ مگر بلا ٹکٹ خط پہلے پوسٹ مین کے ہاتھ میں نہیں آسکتا بلکہ کلرک کے ہاتھ میں آنا چاہیے تھا۔ اور اس صورت میں وہ فوراً بیرنگ کر دیا جاتا لیکن ایسا نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پوسٹ مین کو یہ سکھا کر روانہ کیا گیا کہ تم کہہ دینا کہ یہ خط تھا تو بیرنگ مگر میں اسے

چوری لے آیا ہوں

تا کہ آپ کو پیسے نہ دینے پڑیں۔ اس سے پہلے کبھی یہ خیر خواہی ڈاک خانہ والوں کے ذہن میں نہ آئی تھی۔ پس بات صاف تھی کہ وہ خط کھولا گیا اور اس کے مضمون کو پڑھ لیا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ۔

خط کس نے پڑھا

سو اس کے متعلق دو ہی صورتیں تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ

کانگرس کی تائید

میں خط کھولے جاتے ہیں چنانچہ کئی دفعہ جب ولایتی مال آتا تو کانگرسیوں کو اطلاع مل جاتی اور امرتسر وغیرہ سٹیشنوں پر گاڑی پہنچنے سے پہلے ہی کانگرسی پہنچ جاتے اور شور مچانا شروع کر دیتے پس ہمیں معلوم تھا کہ

ڈاک خانہ کے عملہ میں سے

بہت سے لوگ کانگرسیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور وہ خطوط کھول کر پڑھ لیتے ہیں تا کہ اگر

کوئی اہم بات

ہو تو کانگرس کو اس سے آگاہ کیا جائے۔ خصوصاً گورنمنٹ کے خطوط کو تو وہ ضرور پڑھتے تھے پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ

گورنمنٹ نے خود اس خط کو کھولا ہو

کیونکہ ان دنوں میں

علاقہ میں شورش

تھی۔ اور قیاس ہو سکتا تھا کہ گورنمنٹ نے ڈاک پر سنسر بٹھایا ہوا ہو۔ بہر حال جب مجھے معلوم ہوا کہ خط کھولا گیا ہے تو میں نے شکایت کی کہ اگر اس علاقہ میں سنسر تھا تو اس افسر کو پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ تا کہ اس خط کا مضمون نااہل لوگوں کی نظروں سے نہ گزرتا۔ اس صورت میں ہم آدمی کے ہاتھ خط بھجوا دیتے۔ اس کا جواب اس افسر نے یہ دیا کہ واقعہ سے ظاہر ہے کہ خط کھول کر پڑھا گیا ہے لیکن اس علاقہ میں سنسر نہیں۔ ڈاک خانہ میں جو

کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے

لوگ ہیں۔ وہ بھی خط پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے کھولا ہو گا پس اب تو گورنمنٹ کے خطوط بھی محفوظ نہیں رہے اور اگر کوئی

اہم راز کی بات

لکھنی ہو۔ تو گورنمنٹ کو اپنے آدمیوں کے ذریعہ وہ خبر بھجوانی پڑتی یا اور

قابل اعتماد ذرائع

کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔

گورنمنٹ کی اب یہ حالت ہے کہ اس کے اپنے خطوط بھی محفوظ نہیں اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو دوسروں کے پاس پہنچ نہ جاتی ہو۔ ایک دفعہ

گورنمنٹ کے ایک سیکرٹری

شملہ میں چائے پر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ کی ہر بات کانگرس کے پاس پہنچتی رہتی ہے۔ آپ کو بھی کوئی ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ ان کی باتیں آپ کو پہنچتی رہیں۔ انہوں نے کہا آپ کو یہ کس نے بتایا ہے کہ ہم نے کانگرس میں اپنے آدمی نہیں رکھے ہوئے۔ ہماری باتیں انہیں پہنچتی رہتی ہیں اور ان کی باتیں ہمیں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ یہ حالت اسی لیئے ہوئی ہے کہ گورنمنٹ خیال نہیں رکھتی کہ وفادار جماعتوں کو اعلیٰ عہدوں پر پہنچائے اگر اعلیٰ عہدوں پر اس کی

وفادار جماعت کے ارکان

ہوں تو اس کے راز مخفی رہیں اور کبھی بھی وہ حالت نہ ہو جو آج کل ہے۔

سر اڈوائر سابق لیفٹیننٹ گورنر

جو مسلمانوں کے نہایت ہی خیر خواہ اور ہندوستانیوں کے ہمدرد افسر تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کی گورنمنٹ ایسے اصول پر قائم ہے۔ کہ نہ دشمن کو اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ دوست کو کسی امداد کی امید اور جب تک یہ حالت پیدا نہ ہو گی گورنمنٹ واضح کر دے کہ اس کا دوست فائدہ میں رہتا اور اس کا دشمن نقصان اٹھاتا ہے۔ اس وقت تک

صحیح معنوں میں امن

قائم نہیں ہو سکتا۔

پس مسٹر ہارڈنگ نے جو کچھ کہا اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ درست نہیں۔ اس لئے کہ کسی ایک شخص کا فعل ساری قوم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیا انگریزی قوم ساری ہی ایسی ہے کہ وہ

وفاداروں کی قدر

نہیں کرتی۔ کبھی نہیں ہم تو ایسے انگریزوں کو جانتے ہیں کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ کوئی قوم یا فرد اپنے

جائز حقوق کے لیئے جدوجہد

کر رہا ہے تو وہ دھڑلے اور جرأت کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہیں۔ میں ایسے

انگریز افسروں کے نام

بھی لے لیتا۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میرے نام لینے سے ان کے راستہ میں کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔ خود پنجاب گورنمنٹ میں بھی ایسے افسر ہیں جو ہمیشہ ہمارے ساتھ وفاداری کا سلوک کرتے چلے آئے ہیں اور جب بھی ہمیں مشکلات پیش آئی ہیں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا ہے کہ حکام ہمارے متعلق

ناواجب سختی

سے کام لے رہے ہیں تو انہوں نے اس کا ازالہ کیا ہے۔ پس اگر کسی مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کی کوئی قدر نہیں کرتے تو ایسے بھی تو انگریزوں میں بہت سے افسر ہیں جو ہماری وفاداری کی قدر کرتے اور اسے

عزت و عظمت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں۔ پس ایک شخص کے قول سے ہم بہت سے انگریز افسروں کے فعل کو کس طرح باطل کر سکتے ہیں۔ مومن کا تو یہ کام ہے کہ وہ نیکی کو یاد رکھتا اور بدی کو بھول جاتا ہے۔ پھر جبکہ ایسے انگریز افسروں کی کمی نہیں۔ جو نیک کام کرتے اور ہمدردی اور خیر خواہی کے رنگ میں ضرورت پر مدد کرتے اور

تکالیف کے ازالہ کی کوشش

کرتے ہیں۔ اور جب جانتے ہیں کہ حق ہمارا ہے تو وہ ہمیں دلوانے کی سعی کرتے ہیں اور بسا اوقات اپنا رستہ چھوڑ کر بھی ہم سے ہمدردی کرتے ہیں تو ایسی حالت میں

چند کوتاہ بین انگریزوں کا فعل

ہم پر ذرا بھر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ دوسرے میرے نزدیک یہ

شکایت کرنے والے کی اپنی غلطی

ہے کیونکہ اس نے ہماری جماعت کی خدمات سے خود فائدہ اٹھانا چاہا۔ جو کسی طرح درست نہیں۔ ہم گورنمنٹ سے جو تعلق رکھتے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں تو یہ اپنے کسی فائدہ کے لیئے نہیں کرتے۔ بلکہ اس لیئے کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے اور گو گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ وفاداروں کا لحاظ کرے اور انہیں دوسروں پر

ملازمت وغیرہ میں ترجیح

دے مگر وہ ایسا کرتی نہیں حکومت کے بہت سے افسر قربانیوں کو نہیں دیکھتے۔ صرف

گردوپیش کے خوشامدیوں پر ان کی نظر

ہوتی ہے۔ ان کی مثال بالکل وہی ہے جو ہمارے ملک میں مشہور ہے۔ کہ "انہاں ونڈے ریوڑیاں مڑ مڑ اپنیاں نوں"۔ یعنی ریوڑیاں بانٹنے والا اندھا اپنوں کو ہی ریوڑیاں دیتا ہے۔ جس کسی سے ذاتی تعلقات ہوتے ہیں اسے ملازمت وغیرہ میں ترجیح دے دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

ملک میں بے چینی

پھیلی رہتی ہے اور گورنمنٹ پر لوگوں کے اعتماد کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ہمارا ہی ایک عزیز تھا گو اس سے جدی رشتہ تو نہیں مگر بعض اور رشتوں کے لحاظ سے اس سے ہمارا تعلق ہے ایک دفعہ تحصیلداری کے لیئے اس نے نام پیش کیا اور سلسلہ کے کارکنوں نے اس کی سفارش کی کہ اس خاندان سے

حکومت کے پرانے تعلقات

ہیں۔ اس نوجوان کا اگر خیال رکھا جائے تو اچھا ہوگا خصوصاً جبکہ وہ ذاتی طور پر بھی قابل ہے مگر انگریز ڈپٹی کمشنر نے اتنی تکلیف بھی گوارا نہ کی کہ اس کا نام بھجوا دیتا اور دوسرے ایسے امیدواروں کے نام بھجوا دیئے جو صرف

حاشیہ نشینی کا امتیاز

رکھتے تھے۔ اس کے بعد کمشنر سے کہا گیا کہ اب آپ کو اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو بلا سکتے ہیں چنانچہ اس نے ہمارے عزیز کو بلا لیا۔ غرض بعض انگریز یقیناً ایسے ہیں جو اس قسم کی غلطی کرتے ہیں مگر در حقیقت انہیں اس طرح کرنا نہیں چاہیے کیونکہ

ملک کی بہتری

اسی میں ہے کہ جو لوگ حکومت سے تعاون کرنے والے ہوں ان کا زیادہ خیال رکھا جائے اور ان کی اقتصادی حالت درست کی جائے اس لحاظ سے خواہ ہم خود نہ مانگیں گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ

ہمارا لحاظ رکھے

لیکن یہاں چونکہ ہماری جماعت کے ایک آدمی نے اعتراض کیا ہے۔ اس لیئے میں کہتا ہوں کہ اس نے غلطی کی کیونکہ

جماعت کی خدمات سے خود فائدہ اٹھانے کی سعی کرنا بہت معیوب بات ہے اسی قسم کی غلطی جماعت کے ایک اور دوست نے بھی کی تھی۔ وہ لائل پور کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے کسی ذاتی مفاد کے لیئے ڈپٹی کمشنر کے سامنے جماعت کی

وفادارانہ خدمات

پیش کیں اور چونکہ آدمی مخلص تھے اس لیئے انہوں نے مجھے بھی لکھ دیا کہ میں نے ڈپٹی کمشنر کو یہ کہا ہے میں نے انہیں فوراً لکھا کہ یہ آپ نے

سخت غلطی

کی۔ آپ ڈپٹی کمشنر کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ میں نے جو کچھ کہا وہ غلطی سے کہا اور یہ کہ میرے لیئے ایسا کہنا جائز نہ تھا۔ پس قومی خدمات سے کسی فرد کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہاں یہ

مرکزی افسروں کا کام

ہے کہ وہ حکام کے کانوں میں یہ بات ڈالتے رہیں کہ حکومت سے تعاون اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں سے نمایاں سلوک ہونا چاہیئے۔ تاکہ یہ سلوک ان کے

جذبات اطاعت

کو بیدار کرنے میں ممد ہو۔ ورنہ ہمارا اصل یہ ہے کہ ہم نہ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں نہ جائز۔ بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ اپنی قابلیت سے فائدہ اٹھایا جائے اگر ہم بھی سفارش سے کام کراتے ہیں تو اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں جب زید نے سفارش سے فلاں عہدہ حاصل کرنا ہے تو ہم کیوں نہ بکر کی سفارش کر دیں۔ پس یہ ایک

عام رو کے ماتحت ہمارا طریق عمل

ہے۔ ورنہ اگر عہدوں کا ملنا لیاقت پر موقوف رکھا جائے تو ہم کبھی کسی کی سفارش نہ کریں پس میرے نزدیک اس دوست کا فعل ایک غلطی ہے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم حکومت کی خدمات اپنے عقائد کی بناء پر کرتے ہیں۔ اسی طرح

ملک اور سیاست

کے فائدہ کے لیئے کرتے ہیں نہ کہ انگریزوں پر احسان کرنے کے لیئے پس یہ جائز نہیں کہ جماعتی خدمات کو شخصی مفاد کے لیئے پیش کیا جائے۔

برطانوی ایمپائر

کے متعلق مجھے یہ یقین کامل ہے کہ دنیا کے آئندہ امن کے لیئے یہ بطور بیج ہے۔ آج جس قدر دنیا میں فساد نظر آتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم پر اور ایک حکومت دوسری حکومت پر چڑھتی نظر آتی ہے۔ اس کشمکش کو دور کرنے کے لیئے برطانوی ایمپائر

بہترین نمونہ

ہے۔ اس کے ماتحت بعض آزاد ملک میں جو اپنی اقتصادیات افواج اور بری اور بحری جنگوں کے خود مختار ہیں مگر اس کے باوجود اخلاقی رنگ میں ان کا انگلستان سے بھی تعلق ہے۔ وہ انگلستان کے لیئے قربانی کرنے پر تیار رہتے ہیں اور انگلستان ان کے لیئے قربانی کرنے پر آمادہ رہتا ہے یہ حکومت کا ایک ایسا

خوبصورت نمونہ

ہے جسے توڑنا دنیا پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اگر اس نمونہ کی طرف دنیا کو لانے کی کوشش کریں تو کل کو وہ مشن بھی کامیاب ہو کر رہے گا۔ جو خدا تعالی نے ہمارے سپرد کیا ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا سے فساد دور کیا جائے اور عالمگیر طور پر امن قائم کیا جائے۔ مجھے اپنے اس عقیدہ پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جب میں اس کے متعلق

انگریزوں سے گفتگو

کرتا ہوں تو ان میں سے کئی اپنے دل میں ہنستے ہوں گے اور کہتے ہونگے کہ ہم نے آج

ایک پاگل

دیکھا ہے مگر میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو خود انگریزوں کو بھی نظر نہیں آتا کیونکہ میری آنکھوں کو

غیب بینی کی قوت

دی گئی ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دنیا آئندہ انہی کے ساتھ وابستہ ہو کر ترقی کرے گی مگر میں یہ جانتا ہوں اور ایک اور ایک دو کی طرح مجھے یہ یقین ہے کہ اگر دنیا

پرامن تعاون کی راہ

پر ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے برطانوی حکومت کے نمونہ پر ایک ڈھانچہ تیار کرنا ہوگا۔

بہر حال برٹش ایمپائر اپنے نمونہ اور اپنی ذات کی وجہ سے دنیا میں امن قائم کرنے میں ممد ہے اور خواہ

انگریز ہمارے دشمن

ہو جائیں۔ تب بھی میں اس بارے میں اختلاف نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ان کا ذاتی فعل ہوگا اور یہ اصول کا سوال ہے یوں بھی اگر

انگریزی حکومت کا دوسری حکومتوں سے مقابلہ

کر کے دیکھو۔ تو بہت بڑا فرق نظر آئے گا اس میں شبہ نہیں

انگریزوں میں اکھڑ ظالم اور خود پسند

ہر قسم کے لوگ ہیں۔ مگر ان میں اچھے سے اچھے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ اب بھی اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں امن قائم ہو اور اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو دوسری حکومتوں کے ارکان کے مقابلہ میں بہت زیادہ اچھے ہیں۔ میں نے

فرانسیسی اور روسی حکومت کی رعایا

کو دیکھا ہے۔ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت لوگوں نے میرے سامنے جو تکالیف بیان کیں۔ وہ ان تکالیف سے بہت زیادہ ہیں جو انگریزوں کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ شام میں جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ فرانسیسی حکومت سے جس کے وہ ماتحت رہتے ہیں اتنے شاکی تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ پھر ان کی باتیں ایسی تھیں جو دل پر نہایت گہرا اثر ڈالتیں۔ انگریزوں کے متعلق جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ استدلالی رنگ میں بیان کی جاتی ہیں مگر ان کی باتیں واقعات کے پیرایہ میں تھیں۔ خود مجھے

ایک عجیب تجربہ

ہوا جب میں انگلستان جاتے ہوئے شام گیا تو وہاں میں نے ایک

تبلیغی رسالہ

چھپوایا۔ مسلمانوں نے اس پر شور مچایا کہ اسے ضبط کر لینا چاہیئے۔ اتفاقاً میں اسی دن

فرانسیسی گورنر

سے ملنے گیا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ نہایت ہی میٹھی زبان میں مجھ سے ہم کلام ہوا۔ اور کہنے لگا آپ کیا پئیں گے شربت پئیں گے یا کافی پئیں گے؟ طبیعت کیسی ہے۔ آپ کی کیا تواضع کروں۔ بالکل وہی طریقہ تھا جو ہمارے ہاں مروج ہے۔ دوران گفتگو میں اس ٹریکٹ کا بھی ذکر آ گیا کہ لوگ اسکے خلاف بلاوجہ شور کر رہے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حکومت اسے ضبط کرنا چاہتی ہے تو وہ کہنے لگا یہ بالکل غلط بات ہے ہمیں

مذہبی معاملات میں دخل

دینے کا کیا حق ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ حکومت نے واقعہ میں اسے ضبط کر لیا تھا جب بعض افسران کے پاس شکایت کی گئی کہ گورنر تو اس فعل کو ناجائز قرار دیتا ہے پھر یہ کس طرح ضبط ہوا۔ تو انہوں نے بتایا کہ خود گورنر کے حکم سے ایسا ہوا ہے۔ اور ہمارے آدمیوں کو بتایا گیا کہ جب وہ آپ کو شربت پلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم

مذہبی معاملات میں دخل

نہیں دیا کرتے تو اس سے پہلے وہ اس

نوٹس پر دستخط

کر چکا تھا۔

اس ایک مثال سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ سارے فرانسیسی افسر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان میں نیک اور

فرض شناس افسر

بھی ہیں۔ لیکن گو وہ زبان کے بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ تعلقات میں ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جو تشدد اور سختی کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسی لئے مراکو وغیرہ میں ان کے خلاف سخت

جذبہ منافرت

پھیلا ہوا ہے۔ روسی حکومت کے حالات تو سب پر ظاہر ہیں وہ

مذہب میں دست اندازی

کرتی ہے۔ پس انگریزوں کے اخلاق روسی اور فرانسیسی افسروں سے بہت زیادہ اچھے ہیں۔ گو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہندوستانیوں کے اخلاق سے روسیوں اور فرانسیسیوں کے اخلاق اچھے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی تو اخلاق کو بھون کر کھا گئے ہیں اور جب بھی انہیں کسی سے مخالفت ہو وہ اس کا

تختہ الٹنے کی دھمکی

دینے سے پیچھے نہیں رہتے۔ ان کی مثال بالکل ان فقیروں کی سی ہو گئی ہے جو کہتے ہیں پیسہ دو ورنہ اگر نہ دیں تو کہتے ہیں

الٹاواں چوداں طبق

غرض یہ فقیر بن گئے ہیں۔ اخلاق کھو بیٹھے ہیں اور سوائے تختہ الٹنے کے اور کوئی کام نہیں جانتے میں نے گزشتہ خطبات کو جو لمبا کیا تو اسی وجہ سے کہ میں سمجھتا ہوں اگر

حکومت سے ہماری صلح

ہو جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ ہمیں کوئی اور طریقہ عمل تجویز کرنا پڑے۔ ورنہ سکیم تو میں ابتداء میں ہی بتا سکتا تھا۔ پھر بعض ایسے نقصانات کے خدشہ نے بھی مجھے اب تک سکیم کے بیان کرنے سے روکا ہوا ہے جو ممکن ہے مسلمانوں اور سلسلہ کے لیئے کسی پہلو سے مضر ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ گو ہماری جماعت تھوڑی ہے مگر خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو علم اور فہم عطا کیا ہوا ہے۔ ہم اگر ایک دو قدم اس طرف چلیں گے تو دوسرے مسلمان چند دن

مخالفانہ شور

مچا کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور پھر اگر ہم ایک قدم چلیں گے تو وہ دس قدم چلیں گے اور بالکل

تحریک کشمیر کی سی حالت

ہو جائے گی۔ کشمیر میں نہایت عمدگی سے کام ہو رہا تھا۔ احرار نے جونہی دیکھا کہ ہمیں کامیابی ہو رہی ہے۔ فوراً درمیان میں آ کودے اور اعلان کر دیا کہ کشمیر میں جتھے لے کر چلو۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اور یقیناً اگر میری طرف سے

سارے ہندوستان میں تنظیم

نہ ہوئی ہوتی تو وہ کبھی اتنے آدمی اکٹھے نہ کر سکتے۔ اسی احرار کانفرنس کے موقعہ پر دیکھ لو۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ساٹھ ہزار بلکہ ایک لاکھ فرزندان توحید جمع ہونگے۔ مگر ان کے جس قدر آدمی آئے ان کے متعلق

ریل والوں کا اندازہ

ہے کہ اڑھائی تین ہزار تھے۔ باقی ستاون ہزار آدمی کہاں گیا۔ حالانکہ اتنی دیر سے شور مچا رکھا تھا اور کوشش بھی بہت کی گئی تھی۔ لیکن تحریک کشمیر کے موقعہ پر چونکہ میری وجہ سے تمام ہندوستان میں جوش پیدا ہو چکا تھا۔ اس لیئے ۲۷ ہزار کے قریب آدمی جیل خانوں میں چلے گئے اور جتھے بھی دور دور سے آئے۔ اس سے پہلے نہرو رپورٹ کے موقعہ پر بھی گو یہ درمیان میں آئے۔ مگر انہیں ناکامی ہوئی پس

گزشتہ واقعات

بتاتے ہیں کہ ہماری تحریک سے یہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں ان حالات میں بالکل ممکن ہے کہ ہماری آئینی تحریک کو یہ دخل دیکر

غیر آئینی

بنا دیں۔ کشمیر کی تحریک کو ہی دیکھ لو یہ سب آئین کے اندر تھی۔ کشمیر گورنمنٹ نے سنسر بٹھا بٹھا کر ہمارے خطوط پکڑے۔ جو اب تک اس کے پاس محفوظ ہیں۔ مگر وہ کسی خط کو شائع کر دے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ ہم ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قانونی اور

آئینی رنگ میں کام کرنے والے

ہیں۔ مگر چونکہ ایسے موقعوں پر لوگوں میں جوش بھی پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیئے اس قسم کے لوگ فائدہ اٹھا کر کام کو خراب کر دیتے ہیں۔

پس چونکہ اول میں ڈرتا ہوں کہ (۱) ایسے کارکن مجھے میسر نہ ہوں۔ جو پورے طور پر میری بات کو سمجھنے والے ہوں اور وہ

میرے منشا کے خلاف

کام کرنے لگیں دوسرے مجھے یہ خوف بھی ہے کہ کہیں عام مسلمان اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہماری آئینی تحریک کو خراب نہ کر دیں اس وجہ سے میں نے بات کو اس خیال سے لمبا کیا ہے کہ اگر حکومت سے

محبت سے سمجھوتہ

ہو جائے تو یہ ہمارے لیئے زیادہ اچھا رہے گا۔ بجائے اس کے کہ اختلاف کر کے ہمیں بات کو پھیلانا پڑے۔ گو بعض تجاویز ایسی بھی ہیں۔ جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے۔ ان کے بروئے کار لانے میں زیادہ خطرہ نہ ہو۔ اور نہ بالعموم لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مگر سیاسیات میں کوئی شخص کہہ نہیں سکتا کہ

آئندہ وہ

کس طرف چلی جائے۔ پس میں نے اب تک یہ طریق رکھا ہے کہ حکومت پنجاب کے پاس اپیل کی جائے اور اگر وہاں شنوائی نہ ہو تو آگے قدم بڑھایا جائے۔ مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ اس طریق پر چلنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ کشمیر کے سلسلہ میں اگر اسی طریق سے ہمیں کامیابی ہو گئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہاں کامیاب نہ ہوں۔

گورنمنٹ کے لیئے

ایسا کرنا کوئی مشکل امر بھی نہیں۔ دنیا میں ہمیشہ دو وجوہ سے حکومتیں

تلافی مافات

کرنے سے رکتی ہیں یا تو اس لیئے کہ تلافی کرنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے یا اس لیئے کہ تلافی کرنے میں وہ ہتک سمجھتی ہیں لیکن اس موقعہ پر نہ ناممکن ہونے کا سوال ہے اور نہ ہتک کا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر حکومت اپنی بات پر قائم رہتی ہے تو اس میں

ہماری ہتک

ہے اور اگر وہ اس کا ازالہ کر دے تو اس میں اس کی کوئی ہتک نہیں بلکہ عزت ہے گورنمنٹ نے ہماری کسی جائداد کو تو لوٹا نہیں۔ جس کا واپس کرنا اس کے لیئے مشکل ہوا ہے۔ وہ کیوں دلیری سے نہیں کہہ دیتی کہ اسے واقعات غلط رنگ میں پہنچائے گئے ہیں اور اس بناء پر اس نے جو کچھ کیا اس پر اسے بہت افسوس ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسا کہہ دے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہوگا کیونکہ

سچ کا اقرار کرنا ذلت نہیں بلکہ عزت

ہوتا ہے

اور دنیا میں ہمیشہ وہی معزز سمجھا جاتا ہے جو حق پر قائم رہتا ہے لیکن اگر ہم اپنی بات چھوڑ دیں تو اس میں ہماری ذلت ہے کیونکہ ہماری بے غیرتی اور

بزدلی کا ثبوت

ملتا ہے۔ کہ ناحق اور بلاوجہ تذلیل کو برداشت کر لیا۔ پس قربانی گورنمنٹ کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ نہ کہ ہماری طرف سے۔ دنیا میں بھی جب دو قربانیوں کا مقابلہ ہو۔ اور ایک قربانی اسے ذلیل کرنے والی اور دوسرے کی قربانی اسے معزز بنانے والی ہو تو اسے ہی قربانی کرنی پڑتی ہے جس کی قربانی اسے معزز بنانے والی ہو پس گورنمنٹ کے لئے اس میں کوئی مشکل نہیں۔ صرف ہمت کی بات ہے۔ غرض چونکہ ہم اگر بات چھوڑ دیں تو اس میں ہماری تذلیل ہوتی ہے۔ نہ صرف اپنی نگاہوں میں بلکہ دشمنوں کی نگاہوں میں بھی اور پھر اخلاق بھی بگڑتے ہیں۔ کیونکہ کوئی قوم جو

بغیر کسی جرم کے ذلت

برداشت کر لیتی ہے۔ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔ اور اس قابل ہوتی ہے کہ مٹی میں اسے دفن کر دیا جائے لیکن اگر حکومت قدم اٹھائے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہے۔ اس میں گورنمنٹ کا ہی فرض ہے کہ وہ

اپنی غلطی کا اقرار

کرتے ہوئے صلح کے لیئے ابتدا کرے۔ اسی سلسلہ میں میں جماعت کے لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں۔ جو عاقبت بینی سے خالی ہو۔ مثلاً قادیان میں ہی حال میں

ایک جلسہ

ہوا۔ اس کے ریزولیوشنوں میں بلاوجہ ایسے افسروں کے نام لے لیئے گئے جن کے نام لینے نہیں چاہیئے تھے۔ جماعت کا صرف اتنا کام ہے کہ جو مرکز کی طرف سے نام ظاہر کیئے جائیں۔ وہ لے اور جن کا نام مرکز سے ظاہر نہ کیا جائے اسے نہ لے۔ اب میں

اعلان کردہ سکیم

کے متعلق چند باتیں کہنا چاہتا ہوں پہلی بات جو میں آج بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس سکیم کی اہمیت کے متعلق ہے۔ یہ بات بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ

احرار کا فتنہ

کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ ان کے جلسہ کے بعد بھی میں یہی کہتا۔ ان کا فتنہ کوئی

غیر معمولی فتنہ

ہے۔ مگر جب میں کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ اپنی ذات میں کوئی بڑا فتنہ نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس سے بڑے بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو کہ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس

فتنہ کے استیصال کے لیئے ہمیں ہر قسم کی قربانی کے لیئے تیار رہنا چاہیے۔ اگر یہ بڑا فتنہ نہیں تو اس کے لیئے اتنی بڑی قربانیوں کے لیئے تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ **مت سمجھو کہ یہ آخری فتنہ** ہے بلکہ سمجھو کہ یہ بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ ہے اور اس سے بہت بڑے بڑے فتنے ہیں جو جماعت کے سامنے آنے والے ہیں کیونکہ ہم نے احمدیت کسی ایک شہر یا ملک میں نہیں پھیلانی بلکہ ساری دنیا کو احمدیت میں شامل کرنا ہے پس جبکہ ہمارا مقصد **ساری دنیا کا مقابلہ** کرنا ہے تو ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر لاہور کے چوہدری افضل حق صاحب۔ مولوی مظہر علی صاحب اور عطاء اللہ صاحب بخاری اور مولوی ظفر علی صاحب اور ان کے دوستوں کو ہم شکست دے لیں تو ساری دنیا ہمارے لیئے فتح ہو جائے گی۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو یہ ویسی ہی بات ہوگی۔ جس طرح کوئی شخص **چماروں کی ایک جھونپڑی** گرا آئے اور سمجھے کہ اس سے ملک کا بادشاہ ڈر کر بھاگ جائے گا۔ ان بیچاروں کی ہستی ہی کیا ہے۔ ان کی تو جو کچھ حیثیت قائم ہوئی وہ ہماری مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے ورنہ ان کی قوم کے اپنے لوگ بھی پرائیویٹ طور پر انہیں بہت برا سمجھتے ہیں۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہمیں اس فتنہ کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے یا ہمیں اس کے **استیصال کا فکر** نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے بھی بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں اور ہماری جماعت کا جہاں یہ فرض ہے کہ وہ سمجھے کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ اس سے بڑے فتنوں کا اس نے مقابلہ کرنا ہے وہاں اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اس فتنہ کو بھی مٹائے کیونکہ اگر ہمیں اس **چھوٹے فتنہ میں کامیابی** نہ ہوئی۔ تو بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمیں کس طرح کامیابی حاصل ہوگی پس اس نقطہ نگاہ کے ماتحت ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیے کہ اگر ہم اس فتنہ کے مقابلہ میں ہار گئے جو کوئی بڑا فتنہ نہیں تو پھر اس سے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا بنے گا۔ مجھ سے بہت لوگوں نے وعدے کیئے ہیں کہ وہ **اپنی جانیں اور اپنے اموال** سلسلہ کے لیئے فدا کرنے کو تیار ہیں۔ اس قربانی کا وعدہ کرنے والی بہت سی جماعتیں ہیں اور بہت سے جماعتوں کے افراد میں پھر مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اپنے آپ کو اس قربانی کے لیئے پیش کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں۔ اگر سب کو ملا لیا جائے تو **ہزاروں کی تعداد** ہو جاتی ہے اور میں یقیناً دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کی ایسی روح پھونک دی ہے۔ کہ وہ دین کے لیئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لیئے تیار ہے۔ اور ہر اس آواز پر لبیک کہنے کو آمادہ جو خدا اور اس کے رسول یا اس کے نائبوں کی طرف سے بلند ہو۔ پس یہ **نہایت خوشی کی بات** ہے مگر چونکہ یہ وعدے پیش از وقت ہیں اور چونکہ سکیم میں نے بیان نہیں کی۔ جس کے بیان کرنے کا ارادہ ہے اس لیئے میں پورے طور پر خوش نہیں کیونکہ ممکن ہے لوگوں نے **قربانی کا صحیح اندازہ** نہ کیا ہو اور جب قربانی کا حقیقی مطالبہ ان کے سامنے رکھا جائے تو ان میں سے بعض عذرات پیش کرنے لگ جائیں۔

میرا اپنا ارادہ یہ ہے کہ لوگ بڑی لیکن وقتی قربانیوں کے لیئے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں لیکن اگر ان سے **مسلسل چھوٹی قربانیوں کا مطالبہ** کیا جائے۔ مثلاً ان سے دس دس منٹ روز کی مسلسل ایک لمبے عرصہ تک قربانی طلب کی جائے۔ تو وہ چند دنوں کے بعد ہی رہ جائیں گے۔ اگر حکم دیا جائے کہ جاؤ اور لڑ کر مر جاؤ۔ تو میں سمجھتا ہوں سو میں سے ایسے اخلاص رکھنے والے جیسا کہ ہماری جماعت کے افراد میں ہے۔ ننوے لڑ کر مر جانے کے لیئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایک سو سے کہا جائے کہ **پیدل چلتے ہوئے بنگال پہنچ جاؤ** تو سو میں سے پچاس معذرتیں کرنی شروع کر دیں گے۔ کوئی کہے گا میری بیوی بیمار ہے۔ کوئی کہے گا میرے بچے بیمار ہیں۔ کوئی کہے گا میں چل نہیں سکتا۔

سو میں سے پچاس کا اندازہ میں نے اپنی جماعت کے متعلق لگایا ہے ورنہ دوسرے مسلمانوں میں سے تو سو میں سے شائد ایک قائم رہے اور ننانوے اپنے عہد سے منحرف ہو جائیں لیکن **جان دینے کی قربانی** کا اگر سوال ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ مسلمانوں کا نظام ٹوٹ چکا اور ان کی **اسلامی محبت** مر چکی ہے۔ ان میں سے سو میں سے ایک دو ضرور نکل کھڑے ہوں گے لیکن اگر تھوڑی مگر مستقل قربانی کا مطالبہ کیا جائے تو لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں نکلے گا اور میں جب کہتا ہوں کہ لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں نکلے گا تو میں مبالغہ نہیں کرتا بلکہ مسلمانوں کے متعلق اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے سامنے کئی سیاسی کام آئے۔ مگر دو چار دن جوش دکھا کر وہ رہ گئے۔ پس عام مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی جماعت کے متعلق مستقل قربانی کے سلسلہ میں جب میں پچاس فیصد افراد کا اندازہ لگاتا ہوں تو درحقیقت میں اپنی جماعت کی بہت کچھ تعریف کرتا ہوں۔ لیکن ہماری تسلی تو پچاس پر نہیں ہوتی بلکہ سو پر ہوا کرتی ہے اور جب تک ہم سو فی صدی مکمل نہ ہو جائیں اس وقت تک امن نصیب نہیں ہو سکتا۔

میں سمجھتا ہوں اگر میں قربانی کے لیئے اپنے نام پیش کرنے والوں میں سے کسی کو بلا کر کہوں کہ تم نے قربانی کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ روزانہ رات نو بجے سے صبح ساڑھے پانچ بجے تک کھڑے رہا کرو تو بالکل ممکن ہے وہ اس قربانی کے لیئے تیار نہ ہو۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ جاؤ اور کود کر مر جاؤ تو ایک منٹ بلکہ ایک لحظہ کے لیئے بھی وہ اس سے انکار نہیں کرے گا۔ یا مثلاً میں کہوں کہ صبح چھ بجے میرے دفتر میں آؤ اور خاموش بیٹھے رہو اور شام کو اپنے گھر واپس چلے جایا کرو۔ تو آٹھویں دن ہی مجھے رقعے آنے شروع ہو جائیں کہ میں بے کار بیٹھا ہوں۔ مجھے کام نہیں۔ کوئی کام بتایئے حالانکہ **حقیقی قربانی** وہی ہوتی ہے جو خواہ قلیل ہو مگر انسان استقلال سے اسے سرانجام دے اور بغیر وجہ پوچھے اسے

کرتا چلا جائے اگر قربانی کے وقت اس کی غرض اور مقصد پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس ہو تو پھر بیعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر عقلمند آدمی اپنے

مفید مطلب کام

کیا ہی کرتا ہے اور ایسا نادان تو کوئی ہوتا ہے جو اپنے لیئے مفید کام بھی کرنے کو تیار نہ ہو۔ مثل مشہور ہے کہ کوئی کشمیری جیٹھ ہاڑ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھا تھا۔ ایک شخص پاس سے گزرا تو وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ میاں ذرا سائے میں آجاؤ۔ دھوپ میں کیوں جل رہے ہو وہ کشمیری کہنے لگا میں سائے میں تو آجاتا ہوں مگر مجھے کیا دو گے اس نے کہا اگر تمہیں اپنے نفس کے لیئے

سائے کی ضرورت

نہیں۔ تو بے شک دھوپ میں مرو۔ مجھے تمہیں انعام دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس قسم کے نادان تو شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ ورنہ کون ایسا انسان ہے جسے کہا جائے۔ میاں چلو فلاں جگہ روپے دبے پڑے ہیں اور وہ نہ جائے یا کوئی بات اسے مفید نظر آئے اور وہ نہ کرے۔ پس جو باتیں عام طور پر عقل میں آسکتی ہیں ان کے لیئے کسی

بیعت کی ضرورت

نہیں۔ بیعت اس لیئے ہوتی ہے کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تب بھی اس پر عمل کیا جائے۔ ہاں یہ

ضروری شرط

ہے کہ وہ نص قرآن کے خلاف نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو بات بھی خلیفہ وقت کہے بیعت کرنے والے کے لیئے ضروری ہوتا ہے کہ خواہ اس کی غرض سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر عمل کرے۔ اور خواہ سو سال تک اسے کسی بات کی سمجھ نہیں آتی اس کا حق نہیں کہ وہ انحراف کرے بلکہ اس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ

امام کی ہدایت

کے ماتحت کام کرے۔ پس پہلا امر ہر انسان کے سامنے یہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے فلاں کی بیعت کرنی ہے یا نہیں اگر بیعت کر لی گئی ہے تو پھر کوئی عذر قبول نہیں کیا جا سکتا ہاں انسان مشورہ دے سکتا ہے مگر مشورہ دینا اور چیز ہے اعتراض کرنا اور چیز اور

عمل میں کوتاہی

کرنا اور چیز ہے پس میں اس سکیم کے پیش کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینی چاہتا ہوں کہ میری سکیم میں ایسی ہی قربانی کا مطالبہ ہے جو گو چھوٹی چھوٹی ہیں مگر لمبی اور

کافی عرصہ لینے والی

ہیں۔ چونکہ ممکن ہے اس سکیم کے سننے کے بعد بعض لوگ کہہ دیں کہ ہمارے لیئے کام کرنا مشکل ہے اس لیئے میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سکیم کے بعد جو لوگ اپنے نام پیش کریں گے۔ وہی حقیقی طور پر قربانی کرنے والے سمجھے جائیں گے۔

سکیم کی اہمیت

ظاہر کرنے کے لیئے میں دوسری بات یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہمارے خلاف جو فتنہ ہے یہ صرف مذہبی نہیں نہ صرف سیاسی اور نہ صرف اقتصادی ہے بلکہ یہ مذہبی بھی ہے اقتصادی بھی اور سیاسی فتنہ بھی

سیاسی مخالفت

یہ سیاسی مخالفت ہے اس لیئے کہ ہم نے کانگرس کی پچھلے دنوں شدید مخالفت کی یہاں تک کہ کانگرس والوں نے خود تسلیم کیا کہ احمدیہ جماعت کی مخالفت موثر ثابت ہوئی ہے۔ ہمارے آدمی چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ کام کرنا جانتے ہیں پھر ان کے اندر ایک حد تک استقلال بھی پایا جاتا ہے اس لیئے کانگرس کے لاکھ والنٹیرز جتنا کام کرتے ہیں۔ اتنا کام ہمارا ایک ہزار آدمی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمارا تھوڑا روپیہ ان کے بہت سے روپیہ کے مقابلہ میں کام دے جاتا ہے۔ یہ

کانگرس کی ناکامی

اتنی واضح ہے کہ اس کے لیڈر محسوس کرتے ہیں کہ اس کی ناکامی میں بہت حد تک دخل احمدیہ جماعت کا بھی ہے پھر یہ اس لیئے بھی سیاسی فتنہ ہے کہ عام طور پر اسلامی مسائل کی وجہ سے

مسلمانوں میں جوش

پیدا کر کے ان کی سیاست کو تباہ کیا جاتا تھا۔ جیسے خلافت کا مسئلہ پیدا کیا گیا۔

ہجرت کا سوال

اٹھایا گیا۔ یا میکلیگن کالج کا جھگڑا پیدا کیا گیا۔ ان پر ایک مذہبی رنگ چڑھایا گیا تھا۔ جسے اتار کر ہم نے رکھ دیا اور بتا دیا کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تحریکیں ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ہر تحریک میں آگے آنا پڑا اور ہر تحریک کے وقت ہم نے اصل حقیقت کو بے نقاب کیا۔ غرض مسلمانوں کی

ہجرت کا پول

ہم نے کھولا۔ خلافت کے متعلق غلط جوش کے دنوں میں ہم نے ان کی صحیح راہنمائی کی۔ میکلیگن کالج کے جھگڑے کے وقت ہم نے صحیح طریق عمل بتایا اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ مذہب کے بہانے سے

سیاسیات میں طاقت حاصل کرنیکی کوشش

کی جا رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طرز کے مسلمانوں نے سمجھا کہ جب تک یہ جماعت موجود ہے اس وقت تک ہم سیاسی طور پر مسلمانوں کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ پس وہ بھی ہمارے مخالف ہو گئے۔ تیسری مثال اس کی وہ شور ہے جو پچھلے دنوں

کمیونل ایوارڈ

یعنی فرقہ وارانہ تصفیہ حقوق کے نام سے اٹھا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے گورنمنٹ کو نوٹس دیا تھا کہ ہم ایک لاکھ والنٹیر اس کے خلاف جنگ کرنے کے لیئے تیار کریں گے۔ اس پر ہم نے بھی اپنی

جماعت کی تنظیم

شروع کر دی۔ اور گورنمنٹ کے سامنے اپنی خدمات رکھ دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو بھی قوموں نے محسوس کیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم گورنمنٹ کو دھمکی دیتے ہیں۔ تو یہ دھمکی کا اثر بھی زائل ہونے نہیں دیتے آؤ اس جماعت کا ہی متحدہ مقابلہ کریں۔ پچھلے دنوں ایک اخبار والوں کو دھمکی دی گئی کہ اگر مسلمانوں کے حقوق کی تائید سے وہ نہ رکے تو اس کے

دروازوں پر پکٹنگ

کیا جائے گا ہم نے جب یہ سنا تو اپنے نوجوانوں کی خدمات پیش کر دیں اس پر کسی نے پکٹنگ نہ کیا۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ جب وہ دھمکیاں دیتے ہیں تو ہم ان کی دھمکیوں کو باطل ثابت کر دیتے ہیں۔

سیاسی لحاظ سے دباؤ

ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مذہب کے نام پر لوگوں کو بھکانا چاہتے ہیں۔ تو اس میں روک بن جاتے ہیں اور ان کا پول کھول دیتے ہیں۔

طاقت اور گھمنڈ سے مرعوب کرنا

چاہتے ہیں تو یہ اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں۔ اس لیئے ہندوؤں۔ سکھوں اور مسلمانوں میں

سے ہر شخص ہماری کوششوں پر برا مناتا اور ہماری مخالفت کرنا اپنے مقاصد کے لیئے مفید سمجھتا ہے۔ سیاسی مخالفت کے اسباب میں سے ایک ہمارا اس وقت

شمشیر کے جہاد کی مخالفت

کرنا بھی ہے۔ مولوی اس مسئلہ کی مدد سے عوام کو خوب بھڑکا سکتے تھے۔ ہم نے اس حربہ کو بھی چھین لیا ہے۔ پس ہماری جماعت کی مخالفت نہایت وسیع پیمانے پر ہے اور سیاستدان یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک احمدیوں کو کمزور نہ کر دیا جائے گا

احمدیوں اور حکومت میں لڑائی

نہ کرا دی جائے۔ اس وقت تک ان کا قدم مضبوطی سے جم نہیں سکتا۔ یہ صرف خیالی بات نہیں۔ بلکہ خود مجھ سے

آل انڈیا کانگرس کمیٹی

کے ایک ذمہ دار آدمی نے کہا کہ

پنڈت جواہر لال نہرو

جب یورپ کی سیاحت سے واپس تشریف لائے تو سٹیشن پر ہی دوران گفتگو میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے دوران سیاحت میں محسوس کرایا گیا ہے کہ اگر ہم ہندوستان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے احمدیہ جماعت کو کچل دینا چاہیئے۔ اس غرض کے لیئے انہوں نے کئی کوششیں بھی کیں۔ مگر خدا کے فضل سے کامیاب نہ ہوئے۔ اب کانگرس والوں کی ایک طرف تو یہ کوشش ہے کہ ہمیں مسلمانوں سے لڑا کر کمزور کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف یہ کوشش ہے کہ ہماری انگریزوں سے لڑائی ہو جائے ممکن ہے انگریز افسروں میں سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ مگر ہماری اطاعت چونکہ اصول مذہبی کی بناء پر ہے۔ اس لیئے ہم حکومت کی اطاعت سے کبھی انحراف نہیں کر سکتے گو اگر حکومت نے

ہماری ہتک کا ازالہ

نہ کیا۔ تو پھر ہمارا تعلق اس سے محض قانونی اطاعت والا رہ جائے گا

محبت والا تعلق

باقی نہ رہے گا اور ہم ہر موقعہ پر اس سے سودا کیا کریں گے۔ پس گورنمنٹ ہمیں تاجر بنا دے گی۔ مگر ہم اطاعت پھر بھی کرتے رہیں گے۔ سیاسی مخالفت کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہم پین اسلامزم کے مخالف ہیں۔ حالانکہ میں جب یورپ گیا تو راستہ میں عربی ممالک میں اتحاد امم اسلامیہ کی سکیم میں نے بنائی جسے بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب نے دوسرے سفر کے موقعہ پر اور پھیلایا اور پھر ان کے لڑکے شیخ محمود احمد صاحب نے بلاد اسلامیہ کے سفر میں لوگوں میں اس کی اشاعت کی جس کے نتیجہ میں

موتمر اسلامی کا اجلاس

ہوا۔ پس عالم اسلامی کے اتحاد کا میں بڑے زور سے قائل ہوں مگر اس اتحاد کا میں قائل نہیں۔ جو لڑائیوں اور فتنہ فساد کے لیئے ہو۔ ہم اخلاق کو درست کر کے اتحاد رکھنے کے قائل ہیں۔ اس امر کے قائل نہیں کہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم سے خواہ مخواہ لڑا جائے۔

غرض ان وجوہ سے سیاسی لوگ ہمارے مخالف ہیں اور چونکہ کچھ لوگ حکومت میں بھی کانگرسی خیال کے داخل ہیں وہ بھی ان وجوہ سے دل میں ہمارے مخالف ہیں اور ایسے لوگ

اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر

ملتے ہیں۔ چنانچہ عدم تعاون کی تحریک کے دنوں میں کئی ہندوستانی افسروں نے کانگرس کو خفیہ امداد دی۔ اور جو لوگ کانگرس کی مخالفت کرتے تھے انہیں دھمکایا اور ڈرایا کہ تم

پالیٹکس میں دخل

دیتے ہو چنانچہ مجھے جب بعض واقعات معلوم ہوئے تو اس وقت میں نے

لارڈ اروِن

کو لکھا کہ آپ کے بعض افسر اس قسم کے ہیں جو کانگرس کی تحریکات کا مقابلہ کرنے سے بھی اپنے آدمیوں کو روکتے اور اسے پالیٹکس میں دخل قرار دیتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ وہ کانگرس کے موئید ہیں اس پر حکومت نے یہ اعلان کیا کہ

گورنمنٹ کی تائید

میں حصہ لینا منع نہیں۔ گورنمنٹ کے خلاف حصہ لینا منع ہے۔ مجھے کئی ایسے افسروں کا علم ہے جنہوں نے کانگرس کے خلاف کام کرنے والے افسروں پر خوب ظلم کیئے اور انہیں

نقصان پہنچانے کی کوشش

کی۔ یہ کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے افسر ہمیشہ کانگرس کو حکومت کی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں چنانچہ بائیکاٹ کے زمانہ میں ریلوے کے کئی ایسے افسر جب بھی انگریزی مال آتا تھا۔ کانگرس والوں کو اطلاع دے دیتے تھے۔ اسی طرح پولیس میں ایسے افسر تھے جو کانگرسیوں کی گرفتاری کی خبر وارنٹ پہنچنے سے قبل انہیں پہنچا دیتے چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب پولیس کے سپاہی وارنٹ لے کر پہنچے تو کانگرسی ایسے شخص کو ہار پہنا کر پہلے سے پولیس کے منتظر ہوتے تھے۔ اس قسم کے لوگ سیاسی اختلاف کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ

گورنمنٹ اور جماعت احمدیہ میں لڑائی

ہو جائے۔ اور وہ حکومت میں ہو کر حکومت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے وہی چال چلی ہے جو کہتے ہیں ایک باغ والے نے

تین شخصوں کے خلاف

چلی تھی جو اس کے باغ کا میوہ کھا گئے تھے کہتے ہیں کہ کسی باغ میں سید مولوی اور زمیندار تینوں اکٹھے چلے گئے۔ اور اس کے میوے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ باغ کا مالک جب آیا تو اس نے دیکھا کہ تین آدمی ہیں اور وہ اکیلا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس طرح مقابلہ تو مشکل ہے۔ پھر کچھ سوچ کر وہ سید اور مولوی کو الگ لے گیا اور سید سے کہنے لگا کہ آپ تو آل رسول ہیں۔ یہ سب باغ آپ کے نانا کا مال ہے۔ جہاں سے جی چاہے کھائیں اور مولوی سے کہا کہ آپ بھی

رسول کریم ﷺ کے گدی نشین

ہیں۔ آپ کے فعل پر بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا مگر اس زمیندار کا کیا حق تھا کہ میرے باغ میں آتا۔ اور میوے توڑ توڑ کر کھاتا چونکہ ان دونوں کی تعریف ہو گئی تھی وہ کہنے لگے بات تو ٹھیک ہے مالک کہنے لگا۔ تو پھر انصاف قائم کرنے میں آپ میری مدد کریں چنانچہ تینوں نے مل کر زمیندار کو پکڑا اور اسے خوب مارا پھر اسے ایک درخت سے باندھ دیا۔ اس کے بعد مالک سید کو الگ لے جا کر کہنے لگا یہ مولوی بھی کچھ کم مجرم نہیں کیونکہ

مسئلے کرنے والا نوکر

ہے۔ آل رسول کا ہی حق ہے کہ میوے کھائے۔ خادموں کا بھلا کیا اختیار ہے کہ وہ آل رسول کے ہم رتبہ بنیں۔ سید کے لیئے اس سے زیادہ فخر کی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ اسے مولوی پر ترجیح دے دی گئی۔ اس نے کہا بات تو تم نے ٹھیک کہی۔ مالک کہنے لگا۔ تو پھر انصاف قائم کرنے میں میری مدد کرو چنانچہ مولوی کو بھی دونوں نے مل کر خوب مارا۔ اور ایک درخت سے باندھ دیا اب صرف اکیلا سید رہ گیا تھا۔ مالک نے جھٹ اس کی گردن پکڑ لی

تھا اور کہا خبیث دوسروں کا مال کھانے والا بھی کبھی

آل رسول

ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسے بھی خوب مارا اور درخت سے باندھ دیا۔ ہم نے کسی دوسرے کا مال تو نہیں کھایا بلکہ ہر ایک کو اس کا حق دلاتے ہیں۔ لیکن بہرحال لوگ ہم سے بھی بدگمانی رکھتے ہیں کہ گویا ہم انگریزوں سے مل کر ان کے

حقوق کا نقصان

کر رہے ہیں اور اس غصہ میں وہ ہمارے خلاف چالیں چلتے ہیں اور اب انہوں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ گورنمنٹ میں اور ہم میں اختلاف ڈلوا کر دونوں کو الگ الگ نقصان پہنچائیں۔ گورنمنٹ کی بنیاد چونکہ مذہب نہیں اس لیئے ممکن ہے۔ وہ ان کے قابو آجائے مگر ہم انشاءاللہ ان کے قابو میں نہیں آسکتے۔

مذہبی مخالفت

علاوہ سیاسی مخالفت کے موجودہ فتنہ کے تحت میں مذہبی مخالفت بھی کام کر رہی ہے۔ علماء میدان دلائل میں شکست کھا چکے ہیں۔ وفات مسیح۔ کے مسئلہ کو پیش کیا جائے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ اسلام کا اس سے کیا تعلق ہے مسیح ناصری زندہ ہیں یا مر چکے۔ حالانکہ اگر اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ لوگ اسی وجہ سے ہم پر کفر کے فتوے کیوں لگاتے رہے ہیں۔ اسی طرح نبوت کا مسئلہ ہے۔ سوائے شور مچانے کے اور کوئی بات نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے پہلے بزرگ خود لکھ چکے ہیں کہ امت محمدیہ میں

غیر تشریعی نبوت کا سلسلہ

جاری ہے۔ اب وہ رد کس طرح کریں۔ گالیاں دیں تو اپنے بزرگوں پر بھی پڑتی ہیں۔ غرض میدان دلائل میں علماء ہمارے سامنے مات کھا چکے ہیں اور اب تو میں نے کثرت سے تعلیم یافتہ لوگوں کے مونہوں سے سنا ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ صرف یہ بتائیے کہ حضرت مرزا صاحب کس طرح نبی بن گئے۔

سمجھدار اور دیانت دار نو مسلم

تو اس بات کو کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ کہ نبوت کا دروازہ بند مانا جائے۔ میں جب ولایت گیا تو ایک نہایت ہی مخلص احمدی نو مسلم

مسٹر شیلے

جو بہت بوڑھے تھے۔ اور اب فوت ہو چکے ہیں۔ مجھ سے ملنے کے لیئے آئے۔ چونکہ چائے وغیرہ پلائی جاتی تھی۔ اس لیئے چھ آنے یا نو آنے کے قریب ہمیشہ چندہ دے جاتے۔ تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ مفت میں چائے پی رہے ہیں۔ نہایت ہی مخلص اور

اسلام سے محبت رکھنے والے

تھے۔ مجھ سے جب ملنے کے لیئے آئے تو باتیں کرتے وقت محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مجھ سے کہنے لگے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کیا مرزا صاحب نبی تھے۔ میں نے کہا ہاں نبی تھے۔ اس پر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہنے لگے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ پھر کہنے لگے آپ مجھے بتائیں کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مسلمانوں کے لیئے نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ گو یہ علیحدہ بات ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب

کسی خاص شخص پر پڑے اور دوسروں پر نہ پڑے۔ میں نے کہا یقیناً خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیئے باب نبوت کو کھلا رکھا ہے اس پر ان کا چہرہ پھر دمک اٹھا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی پھر باوجود اس کے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں

جماعت احمدیہ کا خلیفہ

اور حضرت مسیح موعود کا بیٹا ہوں۔ مجھے کہنے لگے آپ نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں دیکھا ہے۔ اس پر بھی ان کا چہرہ روشن ہو گیا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی آپ اپنا ہاتھ پکڑائیے۔ پھر انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور یہ کہتے ہوئے کہا کہ آج میں نے ایک نبی کے دیکھنے والے سے مصافحہ کیا ہے غرض سمجھدار اور بے غرض یورپین نو مسلم یہ عقیدہ کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی ایسا نبی آئے۔ جو

تمام ترقیات کے دروازے

بنی نوع انسان کے لیئے بند کر دے۔ ان میں سے ہر معقول پسند انسان کہے گا کہ محمد ﷺ کو جو چاہو بڑے سے بڑا درجہ دے لو۔ مگر وہ رستہ نہ کھولو جس کے نتیجہ میں دنیا کی ترقیات رک جائیں۔ علماء کے سامنے جب یہ باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پھر لوگ انہیں کہتے رہتے ہیں تم کرتے کیا ہو۔ احمدیوں میں سے تو کوئی افریقہ جا کر لوگوں کو مسلمان بنا رہا ہے اور کوئی امریکہ۔ کوئی انگلستان جا رہا ہے اور کوئی ماریشس اور دمشق وغیرہ مگر تم بجز اس کے کہ گھر بیٹھے روٹیاں توڑتے رہتے ہو اور لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہو اور کیا کرتے ہو۔ یہ باتیں جب ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پس ہمارے وجود سے

مولویوں کی زندگی تلخ ہو گئی ہے

اور وہ دل میں کہتے ہیں کہ ہم تو احمدیوں کو چھوڑ دیں یہ ہمیں نہیں چھوڑتے ہم کیا کریں۔ جیسے کسی نے کہا تھا میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں پر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔ غرض علماء پر ایک عجیب مصیبت نازل ہے۔ ہم ان سے لڑیں یا نہ لڑیں لوگ جب سنتے ہیں کہ فلاں ملک میں احمدیوں کے ذریعہ اتنے مسلمان ہو گئے۔ افریقہ میں اتنے اور امریکہ میں اتنے لوگ داخل اسلام ہو گئے وہ مولویوں سے پوچھتے ہیں کہ تم سوائے کافر بنانے کے اور کیا کام کرتے ہو۔ مولوی جب یہ باتیں سنتے ہیں تو بجز اس کے انہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ وہ کہتے ہیں ہم لٹھ تیار کر لیں کہیں احمدی نظر آیا تو اس کا سر پھوڑ دیں گے پھر نہ یہ کم بخت دنیا میں رہیں گے اور نہ ہمیں ستایا کریں گے۔ ہر مولوی چونکہ اپنے ساتھ چیلے بھی رکھتا ہے اور ان چیلوں کا آگے حلقہ احباب ہوتا ہے اس طرح یہ مخالفت پھیل جاتی ہے۔ دوسری طرف آریوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ ہماری جماعت کی وجہ سے ان کی ترقی رک رہی ہے جب

ملکانہ میں ارتداد

شروع ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یعنی قریباً دو مہینہ کے اندر اندر انہوں نے بیس ہزار آدمی مسلمانوں میں سے مرتد کر لیئے تو اس وقت لاہور میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ کیا کوئی مسلمان ملکانوں کی خبر گیری کرنے والا نہیں پھر اشتہار دیئے گئے جن میں لکھا گیا کہ احمدی لوگ کہا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے محافظ ہیں بتائیں کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ بیدار ہوں اور اسلام کی حفاظت کریں اس پر میں نے اپنی جماعت میں اعلان کیا تو خدا تعالیٰ کے فضل سے تین سو آدمیوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں۔ اور ایک ایک وقت میں سو سو مبلغ ہمارا ملکانہ میں کام کرتا رہا۔ ایک لاکھ کے قریب ہمارا روپیہ خرچ ہوا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نتیجہ یہ نکلا کہ آریوں کو ہر میدان میں شکست دیدی اور یہ جو ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں میں ایک عام رو ارتداد کی چلا دیں گے غلط ثابت ہوا۔

گاندھی جی کو جو اس وقت جیل میں تھے۔ جب یہ حالت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس پر اظہار ناراضگی کرنا شروع کیا اور سیاسی لیڈروں نے کہنا شروع کیا کہ آپس میں صلح کر لو اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگا لو۔ سوامی شردھانند جی اس وقت زندہ تھے۔ انہوں نے پر زور آواز اٹھائی کہ ہمیں گاندھی جی کی بات مان لینی چاہئے اور آپس میں صلح کر لینی چاہیئے چنانچہ

دہلی میں ایک میٹنگ

ہوئی ہمارے بعض دوستوں نے کہا کہ اس میٹنگ میں ہمیں نہیں بلایا گیا۔ میں نے کہا آپ لوگ تسلی رکھیں وہ ہمیں بلانے پر مجبور ہوں گے کیونکہ ہمارے بغیر یہ صلح ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ڈاکٹر انصاری مولانا محمد علی صاحب اور حکیم اجمل خان صاحب کی طرف سے میرے نام کا تار آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ اپنے نمائندوں کو یہاں بھیجیں میں نے اپنے دوستوں سے کہا دیکھو وہ ہمارے بلانے پر مجبور ہو گئے ہیں میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ہمارے بغیر صلح کر ہی نہیں سکتے۔ خیر جب میں نے اپنی طرف سے نمائندے بھیجے تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ وہاں یہی امر پیش کیا جائے گا کہ گاندھی جی چونکہ سخت اذیت پا رہے ہیں اس لیئے کام سب بند کر دینا چاہیئے اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگوا لینے چاہئیں۔ آریہ اپنے گھروں میں چلے جائیں اور مسلمان اپنے گھروں میں مگر آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ آپ لوگ بیس ہزار مسلمان آریہ بنا چکے ہیں ان میں ہزار کو آپ کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیں تو ہم اپنے گھروں میں آ جائیں گے۔ اور آپ اپنے گھروں میں آ جائیں ورنہ جب تک

بیس ہزار اشخاص

اسلام میں واپس نہیں آتے اس وقت تک ہماری تبلیغ جاری رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب ہمارے نمائندے گئے تو انہوں نے بھی امر پیش کیا کہ آپ بیس ہزار مسلمان آریہ کر چکے ہیں۔ جب تک آپ انہیں واپس نہیں کرتے ہم تبلیغ سے کس طرح رک سکتے ہیں اور اگر صلح کر لیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم گھاٹے میں رہے۔ آریہ بھلا اس بات کو کب تسلیم کر سکتے تھے کہ ہم بیس ہزار لوگوں کو کلمہ پڑھا کر اسلام میں واپس کر لیں۔ وہ نہایت مایوس ہوئے اور سوامی شردھانند جی نے کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ گاندھی جی ناراض ہوں اور تکلیف اٹھائیں۔ ہمارے نمائندوں نے کہا بات بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں عجیب بات یہ ہوئی کہ ہماری یہ باتیں بعض مسلمان سیاسی نمائندوں کی سمجھ میں آ گئیں اور وہ بھی کہنے لگے کہ برابری تو تبھی ہوتی ہے جب بیس ہزار لوگ اسلام میں واپس ہوں

جمعیۃ العلماء کا نمائندہ

بھی وہاں موجود تھا اس نے بڑے جوش سے سوامی شردھانند جی کو کہا کہ ان احمدیوں کی ہستی ہی کیا ہے انہیں چھوڑیئے اور ہم سے معاہدہ کیجئے میں سات کروڑ مسلمانوں کی طرف سے آپ سے معاہدہ کروں گا کہ وہاں کوئی مسلمان تبلیغ نہیں کرے گا۔ سوامی جی حقیقت سے خوب واقف تھے وہ کہنے لگے مولانا آپ کے وہاں پچاس مبلغ ہوں تو حرج نہیں لیکن اگر ایک احمدی مبلغ بھی وہاں موجود ہو تو اس کا رہنا خطرناک ہے یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے آریہ غصے سے بھرے ہوئے ہیں ادھر

عیسائی الگ مخالف ہیں

اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے مشنوں کو جس قدر نقصان پہنچ رہا ہے سب احمدیوں کی وجہ سے ہی ہے۔ اچھوتوں میں ہم جو تبلیغ کرتے ہیں اس کی وجہ سے بھی انہیں دشمنی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اچھوت ہماری جماعت میں شامل ہو چکے ہیں اس کا بھی انہیں غصہ ہے پھر یہ کوششیں صرف اندرون ہند میں بلکہ بیرون ہند میں بھی ہماری طرف سے جاری ہیں۔ گزشتہ دنوں چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں سات مختلف مقامات پر افریقہ کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ احمدیوں نے عیسائیت کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے غرض ان حالات کی وجہ سے مسلمان عیسائی اور آریہ تینوں قومیں متحد ہو کر ہمیں مٹانا چاہتی ہیں۔

اقتصادی مخالفت

پھر ہماری جماعت کی موجودہ مخالفت میں اقتصادی تغیرات کا بھی دخل ہے۔ کیونکہ مالدار طبقہ ہمیشہ غرباء کو لوٹتا رہتا ہے اور ہماری جماعت اس تحریک کے مخالف ہے اس کا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ امراء ہماری جماعت کی مخالفت کرتے ہیں دو تین مہینے ہوئے کہ ایک انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے ہماری جماعت کے ایک افسر کو کہا کہ فلاں ریاست میں آپ لوگوں کی طرف سے تبلیغ ہو رہی ہے مجھ سے وہاں کے وزیر نے شکایت کی کہ ان کی

تبلیغ سے خطرات

ہیں۔ ہمیں اس کے روکنے کی اجازت دی جائے۔ تو میں نے لکھا کہ اگر احمدی اچھوتوں میں تبلیغ کریں۔ تو انہیں روک دو وہاں مسلمانوں میں تبلیغ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اچھوتوں میں تبلیغ کرنے سے زمیندار ناراض ہوتے ہیں کہ ہمارے کاموں کو نقصان پہنچتا ہے۔ غرض اچھوت قوموں کی ترقی اور ادھار جو ہمارے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ نہ آریوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور نہ عیسائیوں کے ذریعہ مسلمان ہی وہ قوم ہے جس میں اچھوت جذب ہو کر ایک ہو سکتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ جب کوئی اچھوتوں میں سے نیا نیا نکل کر آتا ہے تو اس سے تعلقات رکھنے پسند نہیں کیے جاتے مگر آہستہ آہستہ خود ہی مسلمانوں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی کھیت میں جائے اور تازہ پاخانہ پڑا ہوا دیکھے۔ تو وہ چار دن شلجم کدو کھانے کو اس کا جی نہیں چاہتا۔ مگر دو چار دن کے بعد خود بخود کھانے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اچھوت دو چار نسلوں میں ہی مسلمانوں میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ ان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بہر حال اچھوتوں میں تبلیغ کرنے کی وجہ سے مالدار طبقہ کو ہم پر غصہ آتا ہے۔ پھر غرباء کی جب ہم ناجائز مدد نہیں کرتے۔ تو انہیں بھی ہم پر غصہ آتا ہے وہ جب سٹرائیکیں کرتے۔ کارخانوں کو آگ لگاتے اور

بائیکاٹ کی تحریکات

جاری کرتے ہیں تو ہم ان کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور جس طرح مزدور طبقہ سمجھتا ہے کہ ہم ان کے دشمن ہیں حالانکہ ہم غرباء کو ان کے حقوق دلاتے اور امراء کو دست درازیوں اور تعدیوں سے مجتنب رہنے کی تعلیم دیتے ہیں ہم یہ نہیں چاہتے کہ امراء

غرباء کی تذلیل

کریں مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ غرباء امراء کو قتل کریں اور ان پر ناجائز حملے کریں۔ دونوں ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں پس اقتصادی اصول پر بھی ہماری مخالفت شروع ہو گئی ہے۔ ان تینوں وجوہات کی بناء پر مذہبی سیاسی اور اقتصادی رنگ میں اپنی مخالفت کی جاتی ہے ہم ہر ایک کے دوست اور خیر خواہ ہیں مگر چونکہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اس حد تک ان

کے دوست نہیں جس حد تک وہ چاہتے ہیں۔ اس لیئے وہ ہماری دشمنی کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام لوگ ہماری مخالفت کر رہے ہیں مگر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اب یہ لوگ کیوں زیادہ مخالفت کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت تو ابتداء سے انہی اصول کی قائل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری اور ان کی مثال بلی اور چوہے کی سی ہے بلی جب چوہے کو پکڑتی ہے تو اسے اچھی طرح جھنجھوڑتی ہے پھر جب اس کی جان نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتی اور خود ایک طرف بیٹھ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چوہا سانس لینا شروع کرتا اور اسے کچھ طاقت محسوس ہوتی ہے تو وہ بلی کو دیکھنا شروع کرتا ہے کہ کہیں یہ غافل ہو تو میں بھاگوں بلی بظاہر اس سے غافل ہوتی ہے مگر کنکھیوں سے اسے دیکھتی جاتی ہے جب چوہا موقع پا کر دوڑنے لگتا ہے تو جھٹ بلی چھلانگ لگا کر اس کی گردن مروڑ لیتی ہے یہی حال ہمارا اور ان کا تھا شروع شروع میں گو ہماری تعلیم یہی تھی اور ہم انہی عقائد کو پیش کرتے تھے مگر بڑے بڑے مالدار یہ کہا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ

بحث کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے

بھلا کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا ہم جب چاہیں گے انہیں مسل دیں گے مولوی لوگ سمجھتے کہ ان کے کفر کے فتوے ہماری جماعت کو مٹائیں گے۔ سیاست والوں کے سامنے جب ہماری جماعت کا ذکر آتا تو وہ کہتے یہ

چھوٹی سی جماعت

ہے اس نے کیا کر لینا ہے۔ آپس میں اتحاد رکھنا چاہیے۔ اقتصادی لوگوں کے سامنے ابھی ہماری سکیمیں آئی ہی تھیں۔ غرض ہماری جماعت کو چوہے کی طرح سمجھا جاتا تھا مگر تھوڑے عرصے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ

وہ جسے چوہا سمجھتے تھے شیر ہے

اور جسے ناقابل التفات سمجھتے تھے وہ جماعت دنیا کو کھانے لگ گئی ہے وہ بڑے بڑے باوقار لوگ جو اپنی کرسیوں پر اس خیال میں مست بیٹھے تھے۔ کہ ہم جب چاہیں گے احمدیوں کو مسل کر رکھ دیں گے وہ بھی ہمارے نظام اور جماعت کی ترقی کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ جماعت شیر ہے جو ایک دن دنیا پر غالب آ کر رہے گی پس لوگ ہمارے دشمن ہیں مگر ہم کسی کے دشمن نہیں ہم مسلمانوں کے بھی خیر خواہ ہیں اور ہندوؤں کے بھی بلکہ ہندوؤں کے بزرگوں کو سچا تسلیم کر کے

مسلمانوں کی نگاہ میں کافر

بنتے ہیں سکھوں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ حضرت باوا نانک صاحب کو خدا کا ولی اور نہایت نیک انسان سمجھتے ہیں حکومت کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ انارکسٹوں کا مقابلہ کرتے اور قانون کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں۔ کانگرس کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم ملک کی جائز حد تک آزادی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امراء کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ سٹرائیکیں ہوں اور لوگ انہیں قتل کریں۔ غریبوں اور مزدوروں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ جو ان پر ظلم ہوتے ہوں۔ ان کا ازالہ کیا جائے اور ان کے حقوق انہیں دلائے جائیں۔ غرض ہم

سب کے خیر خواہ

ہیں۔ اور ہمارا قصور اگر ہے تو یہ کہ ہم اتنے خیر خواہ نہیں جتنی خیر خواہی ناجائز ہوتی ہے اور اسی بنا پر سب لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور اب ہماری ترقی کو دیکھ کر سب جماعتیں پریشان ہو گئی ہیں اور

ہمارے تباہ کرنے کے لئے متفق

ہو گئی ہیں یا پھر موجودہ فتنہ کی یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ہماری آزمائش

کرنا چاہتا ہے۔ ہم جو روزانہ اس کے سامنے فخر سے کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم تجھ پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اس کے لیئے ہم ہر قسم کی قربانیاں کرنے کے لیئے تیار ہیں اس کے مطابق اب خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کس حد تک قربانیاں کرتے ہیں اور ہمارے دلوں میں کتنا ایمان ہے۔

پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرے اگر ہماری جماعت اس میں کامیابی کے لئے کوشش نہیں کریگی تو یقیناً وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگی اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئی تو پھر خدا تعالیٰ اس کے سامنے اور امتحان لائے گا جس میں اسے کامیاب ہونا پڑے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب کوئی قوم ایک امتحان میں کامیاب ہو جائے تو دوسرا امتحان اس کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ بڑی ڈگریاں حاصل کرنے کے لیئے ہمیشہ پہلے چھوٹے امتحان پاس کرنے پڑتے ہیں۔

پرائمری کا امتحان

ہے جو تم نے پاس کرنا ہے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو پھر مڈل اور انٹرنس اور ایف اے اور بی اے وغیرہ کا امتحان دینا ہوگا پس اگر تم ایم اے بننا چاہتے ہو تو پہلے کے امتحان پاس کرو اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرنے کے لیئے تیار ہو جاؤ اور حوادث کے سمندر میں یہ کہتے ہوئے کود جاؤ

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اور یاد رکھو کہ ان امتحانوں کا پاس کرنا ذلت نہیں بلکہ ان سے نکلنے کے بعد ہر شخص کندن بنتا چلا جاتا ہے۔

سکیم کی اہمیت بتانے پر ہی میں آج کے خطبہ کو ختم کرتا ہوں اور سکیم کا حصہ اگلے جمعہ پر ملتوی کرتا ہوں کیونکہ میں نے جو نوٹ لکھے ہیں ان میں بھی کوئی ترتیب قائم نہیں کر سکا۔ اس سکیم کے بیان کرنے میں جتنی دیر ہوتی چلی جارہی ہے اس سے ان لوگوں کے استقلال کا امتحان ہوتا جائے جنہوں نے قربانی کے لیئے اپنا نام پیش کیا ان پولیس والوں کے صبر کا بھی امتحان ہو رہا ہے جو میرا خطبہ لکھنے کے لیئے آ جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کے صبر کا امتحان بھی ہو رہا ہے۔

قادیان
روزنامہ
الفضل
ایڈیٹر
غلام نبی
The DAILY ALFAZL QADIAN.

جلد ۲۳ | مورخہ ۶ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۴ھ | یوم سہ شنبہ | مطابق ۶ اگست سنہ ۱۹۳۵ء | نمبر ۳۱

مدینۃ المسیح

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

دعاؤں میں استقلال سے کام لینا چاہیئے

قادیان ۴ اگست۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھی ہے۔

صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ بنت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور صاحبزادہ خلیل احمد صاحب ابھی تک بعارضہ بخار بیمار ہیں۔ دعائے صحت کی جائے۔

نظارت تعلیم و تربیت کی طرف سے مقامی واعظ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کو سیالکوٹ بھیجا جارہا ہے۔

افسوس ولی محمد صاحب نیر لدھیانوی ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۳۔ ۴ اگست کی درمیانی شب فوت ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے جنازہ پڑھایا۔ احباب دعائے مغفرت کریں۔ مرحوم کا ایک امت شوق تھا۔

فرمایا! ”مومن کا کام ہے کہ ہمیشہ دعا میں لگا رہے اور اس استقلال اور صبر کے ساتھ دعا کرے کہ اس کو کمال کے درجہ پر پہنچا دے۔ اپنی طرف سے کوئی کمی اور دقیقہ فرد گزاشت نہ کرے۔ اور اس بات کی بھی پروا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا بلکہ

گرچہ باشد بدست رہ بردن
شرط عشق است در طلب مردن

جب انسان اس حد تک دعا کو پہنچاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس دعا کا جواب دیتا ہے جیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ ادعونی استجب لکم۔ یعنی تم مجھے پکارو۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔ اور تمہاری دعا قبول کروں گا۔ حقیقت میں دعا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ جب تک انسان پورے صدق و وفا کے ساتھ اور صبر اور استقلال سے دعا میں لگا نہ رہے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں جو دعا کرتے ہیں۔ مگر بڑی بے دلی اور عجلت سے چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن میں ان کی دعا ثمر بہ ثمرات ہو جائے۔ حالانکہ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے۔ اس نے ہر کام کے لیئے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ اور جس قدر کام دنیا میں ہو رہے ہیں۔ وہ تدریجی ہیں۔ اگرچہ وہ قادر ہے۔ کہ ایک طرفۃ العین میں جو چاہے۔ سو کر دے۔ اور ایک کن سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ مگر دنیا میں اس نے اپنا یہی قانون رکھا ہے اس لیئے دعا کرتے وقت آدمی کو اس کے نتیجہ کے ظاہر ہونے کے لیئے گھبرانا نہیں چاہیئے۔“ (الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

نیشنل لیگ قادیان کے ایک جلسہ کی کاروائی

۳ اگست۔ نیشنل لیگ قادیان کا ایک نہایت اہم جلسہ ۵ بجے بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں زیر صدارت جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ منعقد ہوا۔ جس میں الحاج مولوی عبدالرحیم صاحب نیر اور جناب شیخ صاحب موصوف نے لیگ کے آئندہ لائحہ عمل کے متعلق تقاریر فرمائیں۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نے فرمایا

سیاست کے معنی ہماری اصطلاح میں ایسی تحریکات کا جاری کرنا ہے جو حکومت وقت اور قانون کے خلاف ہوں۔ ایسی سیاست سے ہم نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ اب حالات اس قدر متغیر ہو گئے ہیں اور حکومت کے نقطہ نظر میں ایسا فرق واقع ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے لیئے اہل ملک کی خیر خواہی اور حکومت کی اصلاح کے لیئے اپنی سیاسیات کے نقطہ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے حالات کے مطابق طریق عمل اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس طرح مذہبی لحاظ سے ہم دنیا کے پیشوا ہیں اور ہم نے مسلمانوں کو تباہی سے بچایا ہے۔ جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جہاں کہیں آپ کسی واقف مسیحی مشنری سے گفتگو کریں گے وہ آپ سے یہی کہے گا کہ مسلمان ہمارا شکار تھے۔ جس کو احمدیوں نے ہم سے چھین لیا ہے۔ اسی طرح سیاسیات میں بھی مسلمان بہت کمزور اور غلط روش اختیار کرنے کے عادی ہیں۔ دوسری قومیں گورنمنٹ کا مقابلہ کرتی ہیں اور بہت سخت مقابلہ کرتی ہیں۔ مگر وہاں کشت وخون نہیں ہوتا لیکن مسلمان ہیں۔ کہ کراچی میں بھی گولیوں کا نشانہ ہوتے ہیں اور لاہور میں بھی۔

پس حکومت کی اصلاح اور مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کے لیئے نیشنل لیگ کو جدید سکیم کے تحت کام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ہمارے پیش نظر ہندوستان کے متعلق برطانوی ایمپائر کے اندر درجہ مستعمرات ہے۔ اور موجودہ حکومت پنجاب نے جو طرز عمل جماعت احمدیہ سے متعلق روا رکھا ہوا ہے اسے مہذب دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک حکومت کے تدبر اور دور اندیشی میں فرق آ گیا ہے۔ ہمارے دل میں جو محبت اس کے لیئے پہلے تھی۔ افسوس کہ حکومت پنجاب کی معاندانہ روش کے باعث وہ اب نہیں رہی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لاہور میں احراریوں کا جلسہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ فلاں لیڈر ڈپٹی کمشنر لاہور کے پاس بیٹھے تھے اور دوسرا جواباً کہتا ہے۔ جیسا کہ ”ملاپ“ ۳۰ جولائی نے لکھا ہے کہ احراری بھی تو گورنر صاحب کے دروازہ پر جوتیاں چٹکارتے پھرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کے دشمن احراریوں کی حکومت پنجاب تک خاص رسائی ہے۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس میں کسی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی ہندوستان میں اصلاحات کا مخالف ہے۔ کوئی برطانیہ سے اس کے دوستوں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

غرض ہم کو اب حکومت کی اصلاح اور ملک کی خدمت کرنا ہے۔ اور نیشنل لیگ کو نئے طریق عمل پر کام کر کے دنیا کو بتلانا ہے کہ احمدی ہر میدان میں خدا کے فضل سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس موقعہ پر مولوی صاحب موصوف نے فرمایا۔ ہمارے ملک میں ایک سیاسی سوال ایسا ہے جس کا جواب دیتے ہوئے مسلمان ہمیشہ گھبراتے ہیں۔ مگر ایک احمدی کو اس کا جواب دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں وہ سوال یہ ہے کہ

خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کی روز افزوں ترقی

یکم اگست سے ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء تک بیعت کرنیوالوں کے نام

ذیل کے اصحاب دستی اور بذریعہ خطوط حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے۔

	دستی بیعت	۷	محمد مقیم صاحب نواب شاہ (سندھ)
۱	سید محمد جعفر صاحب فیروز پور	۸	حافظ عبدالرحمن صاحب ضلع لاہور
		۹	فضل احمد صاحب ضلع گجرات
	تحریری بیعت	۱۰	ایم وی عبدالرحیم صاحب مالابار
۲	محمد اسمٰعیل صاحب ضلع کٹک	۱۱	فضل محمد صاحب ضلع جالندھر
۳	امین عبدالکریم صاحب مونگھیر	۱۲	نذیر حسین صاحب ضلع بنارس
۴	مرزا مولا بخش صاحب مع اہل وعیال ضلع گجرات	۱۳	میاں محمد عبداللہ صاحب ضلع لدھیانہ
		۱۴	محمد سلیم صاحب ہوشیار پور
۵	ایک صاحب فیروز پور	۱۵	محمد امین صاحب میرپور (جموں)
۶	ابوالقاسم خان صاحب ضلع باکورا (بنگال)	۱۶	عنایت اللہ صاحب سندھ

جماعت احمدیہ پر احراریوں کے مظالم کا ذکر پارلیمنٹ میں

لندن ۱۲ اگست۔ آج دار العوام میں مسٹر ایماٹ (کنزرویٹو) کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر بٹلر نائب وزیر ہند نے کہا۔ گزشتہ موسم گرما سے احراریوں کی معاندانہ سرگرمیوں کی وجہ سے جماعت احمدیہ میں سخت ہیجان پھیلا ہوا ہے۔ جو بدقسمتی سے ابھی تک جاری ہے۔ حکومت پنجاب صورت حالات کا بنظر غائر مطالعہ کر رہی ہے۔

اگر ہندوستان آزاد ہو اور اس پر افغانستان حملہ کر دے۔ تو مسلمانوں کو اس وقت کیا روش اختیار کرنا ہوگی۔ احمدی کا جواب صاف ہے۔ جیسا کہ ہمارے واجب الاطاعت امام ایک خطبہ میں فرما چکے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اولاً صلح کی کوشش کی جائے گی لیکن اگر ہندوستان کی قومی حکومت افغانستان کے ساتھ جنگ کا فیصلہ کرے گی تو ہندوستان کے احمدی اپنے ابنائے وطن کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے غیر ملکیوں کے خلاف صف آراء ہونے میں قطعاً دریغ نہیں کریں گے۔

اسکے بعد جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے تقریر کی جس میں نوجوانوں کو میدان عمل میں آنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

برادران! اب تقریریں کرنے کا نہیں بلکہ کام کرنے کا وقت آگیا ہے اور ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے وقار کو محفوظ رکھنے کے لیئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیئے تیار ہوں ہم نے ہر طریق سے حکومت پنجاب کے سامنے اپنی شکایات پیش کیں لیکن ہماری تمام درخواستوں کو ٹھکرا دیا گیا ہے۔ مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ نے ہمارے قلوب کو سخت مجروح کیا ہے۔ اس کی اصلاح کے لیئے ابھی تین دن باقی ہیں۔ اگر ان ایام میں حکومت نے کچھ نہ کیا تو پھر ہم کو قانون کے ماتحت رہ کر ہر قسم کی قربانی کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کے لیئے ہر ممکن کوشش کرنا پڑے گی۔ واضح رہے کہ میں مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کو قانون نہیں سمجھتا اور ابھی اس کے متعلق کچھ کہنا بھی نہیں چاہتا کیا آپ قربانی کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ (تمام حاضرین نے بیک زبان پر جوش طریق سے آمادگی کا اظہار کیا) جناب شیخ صاحب کی تقریر کے بعد بہت سے اصحاب نے نیشنل لیگ کی ممبری کے لیئے اپنے نام لکھائے اور جلسہ سات بجے شام ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دارالامان مورخہ ۹ جمادی الاول [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ

جماعت احمدیہ پر مظالم اور موجودہ فتن کے وسیع اثرات

سلسلہ کی عظمت کے قیام اور اس کی ہتک کے ازالہ کیلئے ہر قسم کے خوف سے بالا ہو کر تمام جائز ذرائع سے کام لو

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۲ اگست [illegible]

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں ایک بات یہ بیان کی تھی کہ وہ

خلاف قانون کارروائیاں

جو متواتر قادیان میں ہو رہی ہیں۔ اور جن کا ازالہ کرنے سے گورنمنٹ اس وقت تک قاصر رہی ہے۔ اور بعض ایسی غیر آئینی کارروائیاں جن کے مرتکب خود حکومت کے بعض ماتحت افسر ہوئے ہیں۔ وہ صرف ہم پر ہی اثر انداز نہیں ہوتیں۔ بلکہ احرار اور خود گورنمنٹ پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کو جوں جوں شہرت حاصل ہوتی ہے۔ حکومت کے ایک حصہ کے خلاف بھی لوگوں کے دلوں میں تاثرات پیدا ہوتے ہیں اور

احرار کی اخلاقی کمزوری

کے متعلق بھی لوگوں کے دلوں میں تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں میں

ایک بات اور

بھی کہنی چاہتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ ان واقعات کا ایک اور اثر بھی گورنمنٹ پر پڑتا ہے جس کو حکومت پنجاب محسوس نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کا

دائرہ فکر

بہت محدود ہے۔ انسان میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہو۔ لیکن اس چیز کے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا جو اس کے کام کے نتیجہ میں آئندہ رونما ہونے والی ہو۔ جب انسان مادی قوتوں سے کام لیتا ہے تو اس کی نگاہ محدود ہو جاتی ہے لیکن جب وہ

غیر مادی قوئی

کے ذریعہ اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے تو اس کی نظر وسیع ہو جاتی ہے جیسے عقل اور غور و فکر کے ماتحت انسان بہت کچھ دیکھ سکتا ہے جبکہ جسمانی آنکھوں کے ذریعہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہو۔ اسی طرح وہ لوگ جو مادی سامانوں کے ماتحت سوچنے کے عادی ہوں۔ ان کی نگاہ صرف ایک طرف پڑتی ہے لیکن جو زیادہ باریک بین ہوں۔ ان کی نگاہ چاروں طرف پھرتی ہے ہم پر ان واقعات کا جو کچھ اثر ہوا ہے اس کو تو میں آگے بیان کروں گا۔ مگر اس کی

تمام بھیانک ترین توجیہات

جو ہو سکتی ہیں۔ ان کو تسلیم کرتے ہوئے پھر بھی اس کا اتنا بڑا اثر ہم پر نہیں ہوا۔ جتنا حکومت یا احرار پر ہوا ہے اور گو پنجاب گورنمنٹ یا گورنمنٹ آف انڈیا۔ یا انگلستان کی حکومت اس اثر کو بھی محسوس کرنے سے قاصر ہو۔ مگر اس کی

وسعت اور اہمیت

کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آج نہیں تو کل موجودہ حکام کو نہیں تو ان سے بعد میں آنے والے حکام کو یا پھر ان حکام کی نسلوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہیں یہ

سودا بہت مہنگا

پڑا ہے۔

چنانچہ پہلی چیز یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے حکومت سے جو تعلقات تھے وہ بالکل بے غرضانہ تھے۔ ان کی بنیاد دین اور مذہب پر تھی۔

حکومت سے تعلقات کی خرابی

پر اتنے مہینے گزر چکے ہیں بلکہ سالوں گزر چکے۔ قریباً اڑھائی سال اس پر ہونے کو آئے ہیں۔ جبکہ حکومت نے بلاوجہ ہم سے بگاڑ پیدا کیا۔ اور بلاوجہ ہمیں اپنے دوستوں کی صف سے نکال کر

دشمنوں کی صف میں

سمجھ لیا۔ حالانکہ نہ ہم پہلے اس کے دشمن تھے نہ اب ہیں اور نہ آئندہ ہو سکتے ہیں بلکہ ہم تو کسی حکومت کے بھی دشمن نہیں ہو سکتے کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اس حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری کرو جس حد تک حکومت سے ہمارے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ اس کی طرف گزشتہ خطبہ جمعہ میں میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس کو مستثنیٰ کرتے ہوئے

قانون شکنی اور بغاوت

کا خیال بھی ہمارے دلوں میں نہیں آ سکتا کیونکہ ہماری شریعت یہ کہتی ہے کہ حکومت کی اطاعت کرو اور جب حکومت کے افعال کے

خلاف قانون شکنی یا بغاوت کا احساس تمہارے دلوں میں پیدا ہو۔ تو تم اس ملک کو چھوڑ دو۔ اور کسی اور ملک میں رہ کر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیئے جدوجہد کرو۔ مگر جب تک تم کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے تمہارا یہ حق نہیں کہ تم ملک کا امن اپنے

فوائد کے حصول کی خاطر

برباد کرو۔ اس تعلیم کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ کبھی ہماری جماعت بغاوت کا موجب ہو۔ جس حد تک وہ جا سکتی ہے وہ وہی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ پس حکومت سے ہمارے تعلقات کبھی ایسے رنگ میں نہیں ہوئے کہ جس پر گورنمنٹ اعتراض کر سکے اور نہ آئندہ ایسے ہوں گے۔ کہ قانونی نقطہ نگاہ سے کوئی اعتراض ہو۔ ہمارے جو تعلقات اس وقت حکومت سے خراب ہیں۔ ان میں ہمارے کسی رویہ یا تبدیلی کا دخل نہیں۔ بلکہ گورنمنٹ کے

تبدیل شدہ نقطہ نگاہ

کا اس میں دخل ہے۔ ایسی حالت میں میں سمجھتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ کو ہمارے کسی راز کے چھپانے کی ضرورت نہیں۔ جب تک انسان کسی کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ اس وقت تک اگر کوئی راز اس کا معلوم ہو۔ تو وہ اس کو ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ چھپاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ یہ میرا دوست ہے۔ میں اس کا راز ظاہر کر کے کیوں اس سے اپنے تعلقات بگاڑوں لیکن

گورنمنٹ کا موجودہ رویہ

بتا رہا ہے۔ کہ وہ ہمیں اپنے دوستوں میں سے نہیں بلکہ مخالفوں میں سے سمجھتی ہے ایسے موقعہ پر میں

حکومت کو متواتر چیلنج

دے چکا ہوں۔ اور اب پھر چیلنج دیتا ہوں۔ کہ وہ ثابت کرے ہم نے کبھی اس سے کوئی ایسا فائدہ اٹھایا ہو۔ جو رعایا کے عام حقوق سے بالا ہو۔ اگر ہم نے اس کی خدمات کر کے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کیا ہو۔ تو اب اس کا فرض ہے۔ کہ وہ اسے دنیا کے سامنے پیش کر کے ہمیں لوگوں میں شرمندہ کرے۔ ہم نے حکومت کی حمایت میں جانیں دیں۔ ہم نے حکومت کی تائید میں مال خرچ کیا۔ اور ہم نے حکومت کی تائید میں اوقات صرف کیئے۔ ان تمام قربانیوں کے بدلے میں حکومت بتائے کہ اس نے ہمیں کبھی کوئی فائدہ پہنچایا ہو آج تک حکومت کا کوئی ایک افسر بھی خواہ وہ سابق افسر ہو یا موجودہ ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ ہم نے حکومت سے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا۔ نہ بحیثیت قوم جو خدمات ہم نے کیں۔ ان کا بحیثیت قوم کوئی بدلہ لیا۔ اور نہ اپنے خاندان کی خدمات کا حکومت سے کوئی معاوضہ لیا۔ بلکہ اپنے خاندان کے لحاظ سے تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اپنی خدمات کا بحیثیت فرد بھی ہم نے اس سے بدلہ نہیں لیا۔ دوسرے احمدی افراد میں سے اگر کسی نے حکومت کی خدمت کر کے بحیثیت فرد کوئی معاوضہ لیا ہو۔ تو وہ اور بات ہے لیکن بحیثیت قوم ہم نے جو خدمت حکومت کی کی۔ اس کے بدلہ میں

بحیثیت قوم

ہم نے کبھی اس سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے خاندان کے متعلق تو اس شرط کو بھی میں اڑا دیتا ہوں۔ گورنمنٹ بتائے کہ ہم نے کبھی ذاتی طور پر اس سے کوئی فائدہ اٹھایا ہے لوگ ہمیں کہتے رہے کہ یہ

گورنمنٹ کے خوشامدی

ہیں۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ یہ گورنمنٹ سے فضول کی امید رکھتے ہیں۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ گورنمنٹ ان کے خزانے آپ بھرتی ہے۔ مگر گورنمنٹ تو جانتی ہے کہ ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور اگر اٹھایا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ پیش کرے ہماری عمر میں

صرف ایک کام

حکومت نے ایسا ہمارے بعض آدمیوں کے سپرد کیا تھا۔ جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ ہم اس میں دو ہزار روپیہ تک خرچ کر سکتے ہیں لیکن جب وہ معاملہ میرے پاس آیا تو میں نے روپیہ کے معاملہ کو نظر انداز کرا دیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اگر یہ دو ہزار روپیہ لے لیا گیا تو گو یہ گورنمنٹ کا ہی کام ہے۔ مگر بعد میں جب کبھی کوئی ذکر ہوا۔ یہ

دو ہزار روپیہ

تمہارے منہ پر مارا جائے گا اور کہا جائے گا کہ انہوں نے حکومت سے اتنا روپیہ لے کر فلاں کام کیا۔ چنانچہ جو کام کرنے والے تھے۔ انہیں میں نے حکومت سے کسی قسم کی مالی مدد لینے سے روک دیا۔ اس کے سوا کبھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی چیز پیش کرنے کی خواہش بھی نہیں کی گئی۔ صرف یہ ایک واقعہ ہے جو پنجاب گورنمنٹ کا بھی نہیں بلکہ حکومت ہند کا ہے۔ اس ایک معاملہ میں بھی ہم نے

روپیہ لینے سے انکار

کر دیا۔ مگر مخالف کہتے ہیں۔ احمدیوں کے خزانے گورنمنٹ بھرتی ہے۔ اگر واقعہ میں یہ بات درست ہے تو اب گورنمنٹ کے لیئے خوب اچھا موقعہ ہے وہ اعلان کر دے کہ فلاں موقعہ پر ہم نے احمدیوں کو اتنا روپیہ دیا۔ فلاں موقعہ پر اتنے ہزار اور فلاں موقعہ پر اتنے ہزار یا کسی اور رنگ میں گورنمنٹ نے مدد کی ہو۔ تو اس کو ظاہر کر دے اگر واقعہ میں گورنمنٹ نے ہمیں کوئی فائدہ پہنچایا ہو تو وہ اسے چھپاتی کیوں ہے۔ اس کے مقابلہ میں باقی تمام قوموں میں سے ایسے لوگ ہیں جو گورنمنٹ سے قومی خدمات کا انفرادی بدلہ لیتے رہے ہیں۔ قربانیاں قوم سے کرائی جاتی رہیں اور ان کے لیڈر حکومت سے بدلے اپنی ذات کے لیئے لیتے رہے۔

یہی حال احرار کا ہے

وہ بھی ایسے لوگ ہیں جو ہر جگہ جلب منفعت کے اصول کو مدنظر رکھتے ہیں۔

پس گورنمنٹ نے اپنے اس رویہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کیا کہ اس نے سودا اس جماعت سے کیا ہے۔ جو اس سے اپنے کیئے کی قیمت وصول کرے گی اور پھر بھی گورنمنٹ کی خیر خواہ نہیں ہوگی اور اس نے اس جماعت کو ٹھکرا دیا ہے۔ جس نے پچاس سال تک بغیر کسی نفع کے اس کی خدمت کی۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس میں ہمارا نہیں بلکہ

گورنمنٹ کا اپنا نقصان

ہے۔ پھر جانے دو ان خدمات کو جو ہم نے حکومت کی ہندوستان میں کیں۔ وہ خدمات لے لو۔ جو حکومت برطانیہ کے باہر ہماری جماعت کرتی رہی ہے۔ میں پہلی بھی بتا چکا ہوں کہ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید

کی شہادت کی وجہ کیا تھی۔ اس کے متعلق ہم نے مختلف افواہیں سنیں۔ مگر کوئی یقینی اطلاع نہ ملی تھی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً ایک لائبریری میں ایک کتاب ملی۔ جو چھپ کر نایاب بھی ہوگئی تھی۔ اس کتاب کا مصنف

ایک اطالوی انجینیر

ہے۔ جو افغانستان میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز تھا۔ وہ لکھتا ہے صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو اس لیئے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف

تعلیم دیتے تھے۔ اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور ہو جائے گا اور ان پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائیگا۔ پس ان

شہداء افغانستان کی شہادت

اس وجہ سے ہوئی کہ وہ جہاد کی شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف جہاد بالسیف کے قائل نہیں تھے اور اس طرح حکومت افغانستان کو وہ اس حربہ سے محروم کرتے تھے۔ جو ضرورت کے وقت اس کے بچاؤ کا موجب ہو سکتا تھا۔ اس کتاب کے دیکھنے کے بعد یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو گی کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت کا اصل باعث موجودہ حالات میں انگریزوں سے جہاد کے خلاف تعلیم دینا تھا۔ اس کتاب کے مصنف کی یہ بات اس لیئے بھی یقینی ہے کہ وہ شاید افغانستان کا درباری تھا۔ اور اس لیئے بھی کہ وہ اکثر باتیں خود وزراء اور شہزادوں سے سن کر لکھتا ہے۔ ایسے

معتبر راوی کی روایت

سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید خاموشی سے بیٹھے رہتے اور جہاد کے خلاف کوئی لفظ بھی نہ کہتے۔ تو حکومت افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا جوش دینی اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اس تعلیم کے اخفاء کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انہوں نے اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا نکلے گا۔ ورنہ مذہب ہمیں یہ کب تعلیم دیتا ہے کہ ہم جہاد کے متعلق ان لوگوں کے خیالات بھی درست کرتے پھریں۔ جو ہمارے مذہب میں شامل نہیں۔ جو ہمارے مذہب میں داخل ہو گا۔ آپ ہی آپ اس کے خیالات بھی درست ہو جائیں گے۔ کیا اسلام اس بات پر کوئی اعتراض کرے گا کہ ہم ہندوؤں کو نماز کیوں نہیں سکھاتے۔ یا انہیں روزوں کے احکام کیوں نہیں بتاتے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ تفصیلات اسی وقت سکھائی جاتی ہیں جب کوئی انسان جماعت میں داخل ہو جائے پس اس تعلیم کے ماتحت اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور وہ جہاد کے باب میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے۔ تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر وہ اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہو گئے۔ جو انہیں حکومت برطانیہ کے متعلق تھا اور وہ اس

بیان کی وجہ سے مستحق سزا

ٹھہرائے گئے۔ جو قادیان سے لے کر گئے تھے۔ جب انہوں نے قادیان میں آ کر دیکھا کہ جماعت احمدیہ سلطنت برطانیہ کی تعریف کرتی۔ اسے منصف قرار دیتی اور شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کے خلاف جہاد کو ناجائز سمجھتی ہے۔ تو اپنے ملک میں جا کر وہ بھی

انگریزوں کی تعریف

کرنے لگ گئے اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ جہاد جائز نہیں اس وجہ سے انہیں اپنی جان دینی پڑی۔ ورنہ اگر وہ خاموش رہتے تو نہ انہیں جان دینی پڑتی۔ اور نہ شرعی طور پر ان پر کوئی الزام عائد ہو سکتا لیکن اب جو موجودہ حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کے ماتحت کون امید کر سکتا ہے کہ ہمارے آدمی آئندہ رستہ چھوڑ چھوڑ کر بھی حکومت کی مدد کریں گے۔ بے شک عقیدہ ہمارا یہی رہے گا کہ چونکہ موجودہ زمانہ میں شرائط نہیں پائی جاتیں اس لئے جہاد بھی جائز نہیں۔ مگر یہ ہمدردی نہیں رہے گی کہ لوگوں کو جا جا کر ہم سمجھائیں حکومت کے خلاف اپنے دلوں سے اس قسم کے خیالات نکال دو۔

آج بھی

سب سے اہم اعتراض

جو احرار کی طرف سے ہماری جماعت پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ جماعت احمدیہ جہاد کو حرام قرار دیتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سر اقبال نے بھی یہی اعتراض کیا ہے کہ جماعت احمدیہ نے ملت اسلامیہ کی طاقت کو توڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتی ہے۔ وہ چونکہ شاعر ہیں اس لیئے وہ اپنے خیالات کو اکثر شعروں میں ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک نظم میں بھی لکھا ہے کہ بہائی اور احمدی دونوں اسلام کے لیئے مصیبت ہیں۔ بہائیوں نے حج منسوخ کر کے اسلام کو تباہ کر دیا اور احمدیوں نے جہاد منسوخ کر کے اسلام کو تباہ کر دیا۔ پس

پنجاب گورنمنٹ کے نئے دوست

ہم پر اس وجہ سے ناراض ہیں۔ کہ ہم جہاد کے خلاف تعلیم دیتے ہیں۔ اور بے شک ہم جہاد کے مخالف ہیں اور رہیں گے کیونکہ موجودہ زمانہ میں وہ شرائط مفقود ہیں۔ جن کے ماتحت جہاد جائز ہوتا ہے لیکن گورنمنٹ کے موجودہ طریق عمل کے ماتحت آئندہ صرف یہی ہو گا کہ جو احمدی ہو گا اسے ہم بتا دیں گے کہ جہاد کے متعلق فلاں فلاں شروط ہیں۔ اور چونکہ اب وہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لئے جہاد جائز نہیں۔ یہ نہیں ہو گا کہ لوگوں کے ان خیالات کی ان کے گھر جا کر اصلاح کی جائے۔ اور اس طرح

گورنمنٹ بہت بڑے فائدہ سے محروم

ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہمارے ہزاروں کی تعداد میں افراد ہیں۔ مثلاً دو غیر ملک تو ایسے ہیں جن میں خصوصیت سے ہماری جماعت پھیلی ہوئی ہے۔ ایک

یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ

جس میں ۲۵۔ ۳۰ کے قریب جماعتیں ہیں اور ان جماعتوں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں احمدی ہیں۔ دوسرا

ڈچ انڈیز

یعنی سماٹرا اور جاوا ان ممالک میں بھی ہزاروں احمدی ہیں۔ ہالینڈ انڈیز میں خصوصیت سے بالشویک احمدی ہوئے ہیں جو پہلے بالشویک ازم کے پیرو تھے۔ مگر اب احمدیت کے ذریعہ وہ اپنے پہلے خیالات سے توبہ کر کے لوگوں کو امن پسندی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کی حکومت انہیں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور چونکہ ہماری یہ تعلیم ہے کہ جو شخص جس حکومت کے ماتحت بھی رہتا ہو۔ وہ اس کے قوانین کی اطاعت کرے اس لیئے اگر کسی وقت

انگلستان اور امریکہ کی جنگ

ہو جائے۔ جو گو اخباری روایات کے مطابق ناممکن نظر آتی ہو۔ مگر حقیقت ایسی ناممکن نہیں تو امریکہ کے احمدیوں کو ہماری تعلیم یہی ہو گی کہ امریکن حکومت کی امداد کریں اور انگلستان کے احمدیوں کو ہماری تعلیم یہ ہو گی کہ حکومت انگلستان کی امداد کریں پس امریکہ کے احمدی حکومت امریکہ کی طرف سے اور انگلستان کے احمدی حکومت انگلستان کی طرف سے جنگ کریں گے جو نہیں ہو گا کہ ہم انہیں ملک سے غداری کی تعلیم دیں اسی طرح اگر کبھی

ہالینڈ اور انگلستان کی جنگ

چھڑ جائے تو اس جنگ کے وقت بھی ہماری تعلیم یہی ہو گی۔ کہ جو لوگ انگریزوں کے ماتحت رہتے ہیں وہ انگریزوں کی امداد کریں

اور جو حکومت ہالینڈ کے ماتحت رہتے ہوں وہ اپنی حکومت کی طرف سے لڑیں ہم انگلستان کے احمدیوں کو حکومت انگلستان سے یا ہالینڈ کے احمدیوں کو حکومت ہالینڈ سے غداری کی تعلیم نہیں دیں گے بے شک پہلے دونوں کی کوشش یہ ہوگی کہ جنگ نہ ہو اور بجائے جنگ کے صلح و صفائی سے معاملات طے پا جائیں۔ لیکن اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو جو احمدی جس ملک میں رہتا ہے وہ اس حکومت کے ساتھ وفاداری کریگا۔ مگر باوجود اس تعلیم کے کہ جس حکومت کے ماتحت کوئی شخص رہتا ہو۔ وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ پھر بھی یہ قدرتی بات ہے کہ ہمارے وعظوں، لیکچروں، کتابوں، اخباروں اور رسالوں میں چونکہ بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ

انگریز عادل و منصف

ہیں۔ اور وہ اپنی رعایا کے تمام فرقوں سے حسن سلوک کرتے اور امن کو قائم رکھتے ہیں۔ اس لیئے غیر ممالک کے احمدی بھی ہمارے لٹریچر سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ گو ہم انگریزوں کے ماتحت نہیں لیکن چونکہ ہمارا مرکز ان کی تعریف کرتا ہے اس لیئے وہ برے نہیں بلکہ منصف مزاج حکمران ہیں اس ذریعہ سے ہزاروں آدمی امریکہ میں ہزاروں آدمی ڈچ انڈیز میں اور ہزاروں آدمی باقی غیر ممالک میں ایسے تھے۔ جو گو اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار تھے مگر انگریزوں کے متعلق بھی کلمہ خیر کہا کرتے تھے۔ امریکہ جسے کسی وقت جرمن ایجنٹوں نے

انگریزی گورنمنٹ کے خلاف

کرنے کے لیئے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں۔ وہاں احمدی ہی تھے۔ جو اپنی جماعت کا لٹریچر پڑھنے سے جس میں انگریزوں کی تعریف ہوتی۔ آپ ہی آپ ان خیالات کا ازالہ کرتے تھے۔ اسی طرح ڈچ انڈیز جاپان کے قرب کی وجہ سے جسے اس وقت ایشیائی آزادی کا خیال گدگدا رہا ہے۔ اور اس میں صرف برطانی حکومت کو وہ حائل سمجھتا ہے وہاں بھی انگریزوں کے خلاف جب اس قسم کی کوئی تحریک اٹھتی تو وہاں کے رہنے والے احمدی جہاں ڈچ حکومت کی وفاداری کی تعلیم دیتے۔ وہاں کہتے کہ انگریزوں کو بھی برا نہ کہو۔ وہ بھی نیک مزاج اور انصاف پسند ہیں لیکن اب ان واقعات کے بعد ان پر کیا اثر ہوگا۔

انگریز افسر

انگلستان جا جا کر ہندوستانیوں کی وفاداری کے بارہ میں یہ رائے ظاہر کیا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں کروڑوں آدمی گونگے ہیں۔ ان کی ہم ترجمانی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اپنے دلوں میں وہ

انگریزی حکومت کے مداح

ہیں مگر انہیں اپنے خیالات کے ظاہر کرانے کی توفیق نہیں۔ مگر حقیقت یہ نہیں کہ وہ لوگ بیان کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بے شک عوام سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں خوبیاں ہیں۔ مگر وہ ان خوبیوں کے اتنے قائل نہیں جتنے احمدی قائل تھے اس لیئے وہ دل میں سمجھتے ہیں کہ انگریز اچھے ہیں مگر ساتھ ہی وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں زبان سے اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اس طرح کیوں اپنے دوسرے بھائیوں کو جو انگریزوں کے برخلاف ہیں۔ مخالف بنالیں۔ پس وہ اس لیئے گونگے نہیں کہ انہیں بولنا نہیں آتا بلکہ اس لیئے گونگے ہیں کہ

انگریزی حکومت کی حفاظت

کے لیئے وہ اتنی دلچسپی نہیں رکھتے جتنی دلچسپی احمدی رکھتے تھے۔ یہی حال قدرتی طور پر آئندہ ہماری جماعت کے ان ہزارہا آدمیوں کا ہوگا۔ جو غیر ممالک میں رہتے ہیں۔ پہلے وہ ایک جوش کے ماتحت ہر ایسے موقعہ پر کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ کوئی

انگریزوں کی برائی

بیان کر رہا ہو لیکن اب باوجود اس کے کہ میں ان کے مشتعل شدہ جذبات کو ٹھنڈا کر رہا ہوں پھر بھی پہلا سا جوش ان میں کہاں باقی رہ سکتا ہے اور کب وہ اپنے ملک میں رہ کر انگریزوں کے خلاف تحریکات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ وہ کہیں گے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ لوگوں سے انگریزوں کے لیئے لڑتے پھریں جبکہ ہماری جماعت پر

انگریزوں کی حکومت کے ماتحت مظالم

ہو رہے ہیں اور حکومت انہیں دور کرنے کا انتظام نہیں کرتی۔

یہ تفصیلات بعض لوگوں کے لیئے بہت مشکل ہوتی ہیں کہ ایک بڑے افسر ہوتے ہیں اور ایک چھوٹے افسر ہوتے ہیں چھوٹے افسر

غلط رپورٹیں

کر دیتے ہیں۔ جن کی وجہ سے بڑے افسر صحیح واقعات معلوم نہیں کر سکتے۔ اور اس وجہ سے

مظلوم کی دادرسی

کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لوگ صرف نتائج کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً اپنی جماعت میں ہی میں دیکھتا ہوں۔ جب بعض ماتحت کسی ناظر وغیرہ کے خلاف میرے پاس شکایت کرتے ہیں۔ تو بعض دفعہ ان کی شکایت کو میں اپنی معلومات کی بناء پر غلط سمجھتا ہوں یا مجھے معلوم نہیں ہوتیں۔ اور میں تحقیقات کر کے شکایت کو غلط پاتا ہوں۔ پھر چونکہ میں بھی انسان ہوں۔ اس لیئے کئی دفعہ ایسا بھی ہو سکتا ہو کہ

کسی ناظر کی واقعہ میں غلطی

ہو مگر میں اسے باوجود کوشش کے معلوم نہ کر سکوں۔ ایسے مواقع پر وہ لوگ جو زیادہ مخلص ہوں گے۔ وہ تو کہہ دیں گے۔ ناظر کی غلطی نہیں تھی۔ ہماری ہی غلطی تھی۔ اور کئی جو اخلاص کے اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچے۔ وہ کہہ دیں گے کہ غلطی تو ہماری نہیں۔ مگر خلیفۃ المسیح نے اپنی طرف سے ناظر کی غلطی معلوم کرنے کی پوری کوشش کی۔ اگر کسی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکی تو خیر معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اور کئی لوگ جو اپنے اخلاص کو کھو بیٹھے ہیں۔ وہ ایسے موقعہ پر کہہ دیتے ہیں کہ ناظر اپنا آدمی تھا اس لیئے اس کی پچ کر رہے ہیں۔ پس ہمیشہ یہی حالت اگر حکومت کی بھی ہو تب بھی جو

بیرونی ممالک میں رہنے والے

ہیں۔ انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ کہیں۔ انگریزوں نے تو حالات کو سمجھنے کی پوری کوشش کی تھی۔ مگر وہ انہیں سمجھ نہ سکے۔ غیر حکومتوں کے باشندے اور غیر قوموں کے افراد بھلا اتنی ہمدردی انگریزی قوم سے کہاں رکھ سکتے ہیں۔ کہ وہ اس کی غلطیوں کی بھی تاویل کریں۔ اور انہیں بھی حسن ظن سے دیکھیں۔ وہ تو اس آواز کی گونج سے متاثر ہوا کرتے تھے۔ جو قادیان سے اٹھتی اور دنیا کے تمام ممالک میں پھیل جایا کرتی تھی اور ان کی زبانیں طوطے کی طرح وہی رٹنا شروع کر دیتی تھیں جو ہم کہتے۔ لیکن اب

ہزارہا غیر ممالک کے احمدی

ان واقعات سے متاثر ہو کر انگریزی قوم کی حمایت کے لیئے کب وہ قدرتی جوش رکھ سکتے ہیں۔ جو اس سے پہلے ان میں پیدا تھا۔ اور یہ نقصان اس قدر بڑا ہے کہ جب حکومت اسے محسوس کرے گی تو وہ ان

افسروں پر لعنت

کرے گی۔ جنہوں نے اسے یہ نقصان پہنچایا ہے۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ ہم پر اس واقعہ کا کیا اثر ہوا ہے۔

پہلا اثر

جو مجھ پر ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر مخلص احمدی اپنے اندر اس اثر کو محسوس کرتا ہوگا۔ یہ ہے کہ ہم اپنے نفوس میں

ایک نئی زندگی اور نیا تغیر

محسوس کرتے ہیں۔ میری صحت ہمیشہ سے خراب رہی ہے۔ اس صحت کی خرابی کی وجہ سے میری طبیعت پر ہمیشہ ایک بوجھ رہتا ہے اور اگر ذرا سی بھی کوئی نئی بیماری آجائے تو وہ اس پرانی بیماری کو ابھار دیتی ہے لیکن باوجود اس کے کہ ان

فتن کی وجہ سے

کام بہت زیادہ ہوگیا سوائے آنکھوں کی تکلیف کے کہ میں متواتر دیکھ رہا ہوں۔ میری آنکھیں کمزور ہوتی جارہی ہیں۔ عام صحت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے میں ایسی تبدیلی دیکھتا ہوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس فتنہ کا ہر ظہور میرے لیئے دوا کا کام دے رہا ہے۔ اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہر فتنہ کی موجودگی میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیئے خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے جسم میں ایک نئی طاقت نئی ہمت نیا ولولہ اور نیا جوش داخل کر دیا جاتا ہے اور اب

موجودہ مشکلات کا مقابلہ

کرنے کے لیئے خدا تعالیٰ نے میرے اندر اتنی ہمت پیدا کر دی ہے کہ میں آج کل اپنے آپ کو کئی سال پہلے سے بہت زیادہ مضبوط جواں محسوس کرتا ہوں۔ بیماریاں وہی ہیں جو پہلے تھیں مگر میرے ارادہ اور میرے ہمت اور میرے عزم میں اتنا عظیم الشان تغیر ہوگیا ہے۔ کہ میں اسے الٰہی فیضان سمجھتا ہوں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر مخلص احمدی کی یہی حالت ہوگی کئی بڈھے جو اپنے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ اب ان کی موت کا وقت قریب ہے اور اب وہ کیا کام کر سکتے ہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ

ہم جواں ہیں

اور ہم نے ابھی دنیا میں بہت بڑا کام کرنا ہے یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ان متواتر حادثات کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جسمانی طور پر انسان عمر کے زیادہ ہو جانے سے کمزور ہو جاتا ہے مگر انسان کی عمر وہ نہیں جو اسے پچاس سالہ یا سو سالہ حاصل ہوئی بلکہ اگر ایک فتنہ ہم میں نئی ہمت اور نئی روح پیدا کر دیتا ہے اور ہمارے کاموں میں برکت رکھ دیتا ہے اور جو کام بھی ہم کرتے ہیں اس کے نتائج نہایت شاندار نکلتے ہیں تو سوال یہ نہیں کہ ہم پچاس سال جیئے یا ساٹھ سال یا سو سال زندہ رہے بلکہ دیکھا یہ جائے گا کہ اس کام نے

ہماری حقیقی زندگی بڑھا دی

عمر ان سالوں کا نام نہیں جنہیں انسان رائیگاں کھو دیتا ہے۔ بلکہ عمر وہ ہے جسے انسان کسی مفید کام میں لگاتا۔ اور لوگوں کے لیئے اپنے آپ کو نفع رساں بناتا ہے۔ اگر ہماری پچاس سالہ زندگی میں وہ کام ہو جائے جو کوئی دوسرا دو ہزار سال میں کرے۔ جو حقیقتاً ہماری عمر دو ہزار سال ہوگی۔ نہ کہ پچاس سال۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ ان فتن کی وجہ سے

ہماری جماعت کے ہزارہا افراد

کے قلوب میں نئی ہمت نیا ولولہ اور نئی امنگیں اور نیا جوش پیدا ہو گیا ہے اور اس طرح اخلاقی اور روحانی لحاظ سے ہماری جماعت کے پہلے سے

کئی گنے زیادہ افراد ہو گئے

ہیں۔ اگر ایک شخص اپنے اندر تین آدمیوں کی طاقت محسوس کرتا ہے۔ تو وہ ایک نہیں رہا بلکہ تین ہو گئے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے اندر دس آدمیوں کی طاقت محسوس کرتا ہے تو وہ ایک نہیں رہا بلکہ دس ہو گئے۔ اور اگر کوئی اپنے اندر سو آدمیوں کی طاقت محسوس کرتا ہے تو وہ ایک نہیں رہا بلکہ سو ہو گئے۔ اور اس طرح ہماری جماعت اخلاقی لحاظ سے پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی ہے۔ پھر دینی رنگ میں کوئی بتائے کہ کیا ان

مشکلات کی وجہ سے

ہماری کوئی حوصلہ شکنی ہوئی؟ دشمن نے زور لگایا اور انتہا درجہ کا لگایا۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر بعض حکام بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ مگر اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اسلام تو ایسے محفوظ اصول پر قائم ہے۔ کہ جو شخص اس کی تعلیموں پر عمل کرے۔ اسے نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا۔

مذہبی اور روحانی لحاظ سے

نقصان کو الگ رکھو۔ جسمانی اور مادی نقطہ نگاہ سے بھی اسلام کی تعلیم پر عمل محفوظ ہو جاتا ہے۔ کہ بلاوجہ اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ تو کوئی دوسرا کس حد تک اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

مومن کا فرض

مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زبان کو ایسے طور پر بند رکھے۔ کہ ناجائز طور پر اسے کھلنے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر انہیں کام نہ کرنے دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پاؤں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ وہ اپنی آنکھوں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر انہیں دیکھنے نہ دے۔ مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کانوں کو ایسے طور پر بند رکھے کہ انہیں ناجائز طور پر سننے نہ دے۔ اسی طرح مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے لمس کو ایسے طور پر بند رکھے کہ ناجائز طور پر اسے چھونے نہ دے اور مومن کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ دوسرے رنگ میں زبان کے متعلق کہ ناجائز طور پر اسے چکھنے نہ دے۔

خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے

اپنی تمام طاقتوں کو لوگوں کو نقصان پہنچانے سے بچاتا ہے۔ تو ایسے شخص کو کوئی کہاں تک نقصان پہنچا سکتا ہے۔ دنیا ظلم کرنے بھی لگے تو ایک قدم چلے گی۔ دو قدم چلے گی۔ تین قدم چلے گی۔ چار قدم چلے گی آخر

شریف النفس لوگ

اس ظلم کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ اور کہیں گے کہ کیوں ایک طرف سے

ظلم پر ظلم

ہو رہا ہے اور دوسری طرف سے خاموشی پر خاموشی ہے۔

پس پہلا فائدہ ان فتن سے یہ پہنچا ہے کہ ہر احمدی حسب مراتب اپنی ذات میں نئی ہمت اور نئی امنگ پاتا ہے۔ اور دین کی خدمت کیلئے وہ پہلے سے بہت زیادہ جوش اور بہت زیادہ تڑپ اپنے اندر رکھتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دارالامان مورخہ ۱۰ صفر سنہ ۱۳۵۴ھ

جماعت احمدیہ کو جداگانہ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ

مذہبی معاملات میں حکومت کی مداخلت ناقابل برداشت قرار دینے والے احراری قادیان سے یہ مطالبہ کرکے کہ وہ احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھے۔ بلکہ انہیں علیحدہ اقلیت قرار دے دے۔ جس بے ہودگی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس پر کسی قدر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ اور ابھی مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ جس صحبت میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کو سیاسی لوگوں سے بھی احراریوں کا یہ مطالبہ انتہائی لغویت پر مبنی ہے اور مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچانے والا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

سیاسی رنگ میں احراریوں کے مطالبہ کا مسلمانوں کیلئے نقصان رساں ہونا اسی سے ثابت ہے کہ غیر مسلموں کی جانب سے اس کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا ہے اور حکومت سے کہا گیا اسے ضرور منظور کرلے چنانچہ روزانہ انہوں نے اس کی پرزور تائید کی ہے چنانچہ اخبار ”شیر پنجاب“ نے بھی اس کے حق میں قلم اٹھاتے ہوئے لکھا ہے ”ہم اس کی پرزور تائید کرتے ہیں اور وائسرائے صاحب بہادر سے درخواست کرتے ہیں کہ مرزائیوں کو ضرور غیر مسلم اقلیت قرار دے اور انہیں پنجاب کونسل میں کم از کم ۵ فیصدی نشستیں اور دو نشستیں مرکزی اسمبلی میں دی جائیں اس سے کئی پولیٹیکل بے قاعدگیاں سلجھ جائیں گی۔“

احراریوں نے اگر اپنی عقل و سمجھ جماعت احمدیہ سے بے جا عداوت و دشمنی کی نذر نہ کی تو وہ باآسانی سمجھ سکتے تھے کہ جماعت احمدیہ کو الگ اقلیت قرار دینے سے مسلمانوں کو نقصان اور غیر مسلموں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور خود احمدیوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ غیر مسلموں کو تو اس طرح کہ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی طاقت اور بھی کم ہو جائے گی۔ اور وہ ان کے حقوق میں اور کمی کرانے پر زور دے سکیں گے۔ نیز ایسی حالت پیدا ہو جائے گی کہ مسلمانوں کو اندرونی جھگڑوں میں الجھانے میں وہ زیادہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور احمدیوں کا اس میں یہ فائدہ ہے کہ علیحدگی کی صورت میں وہ مقامی کونسلوں اور مرکزی اسمبلی میں اپنے نمائندے خود منتخب کرکے بھیج سکیں گے۔ اور کسی اور کا اس انتخاب میں قطعاً کوئی دخل نہ ہوگا بے شک احمدی نمائندے بہت تھوڑے ہوں گے لیکن موجودہ حالت سے تو یقیناً زیادہ ہوں گے اور ان کی موجودگی نہ ہونے سے تو بہرحال اچھی ہوگی۔ کیونکہ وہ ہر ضروری موقعہ پر جماعت احمدیہ کے جذبات اور خیالات کا اظہار کرسکیں گے بحالات موجودہ ممکن نہیں۔

پس یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ نظام حکومت میں کسی اقلیت کا کسی اکثریت کے ساتھ شامل رہنا اس کے لیئے نقصان رساں اور اکثریت کے لیئے نفع رساں ہوسکتا ہے۔ لیکن علیحدہ ہونا کئی لحاظ سے اس کے لیئے مفید اور اکثریت کے لیئے مضر بن سکتا ہے۔ اسی لیئے تو اچھوت ہندوؤں سے اور اہلحدیث مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اچھوت اقوام کو علیحدہ نمائندگی ملنے پر ہندوؤں میں کہرام مچ گیا تھا۔ گاندھی جی نے فاقہ کشی شروع کر دی تھی۔ اور ہندوؤں کو نہایت کڑی شرائط منظور کرتے ہوئے اچھوتوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیئے پونا میں معاہدہ کرنا پڑا تھا اسی طرح فرقہ اہلحدیث نے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے لیئے جو جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ اور جس کے لیئے وہ وزیر ہند کے پاس میموریل بھی بھیج چکے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں بہت شور پیدا ہو گیا۔ اور ہر طرح کی کوشش کی جارہی ہے۔ کہ وہ علیحدگی اختیار نہ کریں۔

ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ کسی اقلیت کا کسی اکثریت سے جدا ہونا اکثریت کیلئے نقصان رساں اور اقلیت کیلئے مفید نہیں ہوسکتا۔ یہی صورت جماعت احمدیہ کے متعلق بھی ہوسکتی ہے اور جماعت احمدیہ علیحدہ اقلیت قرار پاکر موجودہ حالات کی نسبت زیادہ سیاسی حقوق حاصل کرسکتی ہے لیکن جماعت احمدیہ نے سیاسیات میں ہمیشہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو بڑھانے کی کوشش کی اور اپنے فوائد کو قربان کرکے کی ہے۔

جماعت احمدیہ کی اس اتحاد پسندی اور مسلمانوں کی طاقت کو بڑھانے والی قربانی کی قدر و قیمت اگر احراریوں کی نظر میں کچھ نہیں۔ تو ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز بھی انہیں اصلی رنگ میں نظر نہیں آرہی۔ لیکن ہر سمجھدار اور دور اندیش مسلمان جانتا ہے۔ کہ اگر جماعت احمدیہ نے اپنے سیاسی حقوق کا علیحدہ مطالبہ شروع کردیا تو اس سے مسلمانوں کو سیاسی طور پر کس قدر نقصان پہنچے گا۔

احراریوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے کہ جماعت احمدیہ علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے میں اپنا نقصان سمجھتی ہے۔ یا ڈر محسوس کرتی ہے۔ اگر یہ جماعت ڈرنے والی ہوتی تو آج اس کا نام و نشان بھی نظر نہ آتا اور نہ علیحدہ اقلیت پاکر اسلام سے خارج کی جاسکتی ہے۔ اگر اہلحدیث علیحدگی کا مطالبہ کرکے مسلمان رہ سکتے۔ اور مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ تو

قابل توجہ گورنمنٹ پنجاب

جماعت احمدیہ کیوں مسلمان نہیں کہلا سکتی۔ حقیقت یہ ہے۔ جماعت احمدیہ کا مقصد بہت بلند ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہتی ہے مذہبی رنگ میں اسلام کی حفاظت و اشاعت کا انتظام کرے اور جس قدر ممکن ہو اپنی طاقت اس کام میں صرف کرے۔ ہاں جب مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفاد کا سوال ہو تو ان کی تائید و حمایت کرے۔ اور اس طرح ان کی سیاسی قوت کو مضبوط بنائے تاکہ سیاسی حقوق کی حفاظت کرنے والے زیادہ زور اور طاقت کے ساتھ کام کرسکیں۔ اگر یہ بات احراریوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی تو نہ آئے جماعت احمدیہ ان کے شور و شر کی وجہ سے اس طریق عمل کو نہیں

چھوڑ سکتی جسے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیئے ضروری سمجھتی ہے اور جس کی قدر ہر شریف اور سنجیدہ انسان بخوبی جانتا ہے۔

کسی غیر ذمہ دار سمندر ہزاروی کی طرف سے منسوب کر کے ہماری جماعت ہائے احمدیہ نے سرحد کے امیر قاضی محمد یوسف صاحب کے بارہ میں سراپا جھوٹ اور بہتان اخبار پیغام صلح مورخہ ۷ اپریل ۱۹۳۵ء نے شائع کیا کہ انہوں نے سیدنا حضرت محمد رسول ﷺ کے حق میں توہین آمیز کلمات استعمال کئے ہیں اس کی حلفیہ تردید نہ صرف خود قاضی صاحب موصوف نے بذریعہ اخبار الفضل و سیاست لاہور کی بلکہ جس موقعہ کے متعلق جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ اس پر موجود ہونے والے ایک درجن سے زائد ممبروں نے حلفیہ شہادت اخبار الفضل مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء میں شائع کرائی۔ اور سمندر مذکور نے خودنوشت تحریر سے بھی دی۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مجالس احوال کے آئے دن کے ریزولیوشن اخبار زمیندار اور "احسان" شائع کر کے کیوں شرارت پھیلا رہے ہیں اور کیوں حکومت اس رخنہ پردازی کا انسداد نہیں کرتی۔

جماعت احمدیہ کے ایک معزز اور ذمہ دار شخص کے خلاف محض جھوٹے اور بے بنیادی الزام کی بناء پر اس قسم کا فتنہ نہایت خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ اس بارے میں فوری طور پر ضروری کارروائی کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دار الامان مورخہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ——— نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

ڈاکٹر سر محمد اقبال اور احمدیہ جماعت

(نمبر اول)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

سر محمد اقبال صاحب کو کچھ عرصہ سے میری ذات سے خصوصاً اور جماعت احمدیہ سے عموماً بغض پیدا ہو گیا ہے اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ یا تو کبھی وہ انہی عقائد کی موجودگی میں جو ہماری جماعت کے اب ہیں جماعت احمدیہ سے تعلق موانست اور مواخات رکھنا برا نہیں سمجھتے تھے۔ یا اب کچھ عرصہ سے وہ اس کے خلاف خلوت و جلوت میں آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ میں ان وجوہ کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جو اس تبدیلی کا سبب ہوئے ہیں جس نے ۱۹۱۱ء کے محمد اقبال کو جو علی گڑھ کالج میں مسلمان طلباء کو تعلیم دے رہا تھا کہ

> ”پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں

۳۵ء میں ایک دوسرے اقبال کی صورت میں بدل دیا جو یہ کہہ رہا ہے کہ

> ”میرے نزدیک قادیانیت سے بہائیت زیادہ ایماندارانہ ہے۔ کیونکہ بہائیت نے اسلام سے اپنی علیحدگی کا اعلان واشگاف طور پر کر دیا۔ لیکن قادیانیت نے اپنے چہرے سے منافقت کی نقاب الٹ دینے کے بجائے اپنے آپ کو محض نمائشی طور پر جزو اسلام قرار دیا۔ اور باطنی طور پر اسلام کی روح اور اسلام کے تخیل کو تباہ و برباد کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔“
>
> زمیندار ۵ مئی ۳۵ء

یعنی ۱۹۱۱ء کی احمدیہ جماعت آج ہی کے عقائد کے ساتھ صحابہ کا خالص نمونہ تھی۔ لیکن ۳۵ء کی احمدیت بہائیت سے بھی بدتر ہے۔ اس بہائیت سے جو صاف لفظوں میں قرآن کریم کو منسوخ کہتی ہے جو واضح عبارتوں میں بہاء اللہ کو ظہور الٰہی قرار دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ پر ان کی فضیلت دیتی ہے۔ گویا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے نزدیک اگر ایک شخص رسول کریم ﷺ کی رسالت کو منسوخ قرار دیتا۔ قرآن کریم سے بڑھ کر تعلیم لانے کا مدعی ہوتا۔ نمازوں کو تبدیل کر دیتا۔ اور قبلہ کو بدل دیتا ہے۔ اور کلمہ بناتا۔ اور اپنے لیئے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی قبر پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ تو بھی اس کا وجود ایسا برا نہیں مگر جو شخص رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیتا۔ آپ ﷺ کی تعلیم کو آخری تعلیم بتاتا۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک حرکت کو آخر تک خدا تعالیٰ کی حفاظت میں سمجھتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے ہر حکم پر عمل کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور آئندہ کے لیئے سب روحانی ترقیات کو رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری اور غلامی میں محصور سمجھتا ہے۔ وہ برا اور بائیکاٹ کرنے کے قابل ہے۔

دوسرے لفظوں میں سر محمد اقبال صاحب مسلمانوں سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کی رسالت کو منسوخ کرے۔ قرآن کریم کے بعد ایک نئی کتاب لانے کا مدعی ہو۔ اپنے لیئے خدائی کا مقام تجویز کرے اور اپنے سامنے سجدہ کرنے کو جائز قرار دے۔ جس کے خلیفہ کی بیعت فارم میں صاف لفظوں میں لکھا ہو کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ وہ بانی سلسلہ احمدیہ سے اچھا ہے۔ جو اپنے آپ کو خادم رسول کریم ﷺ قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی اطاعت کو اپنے لیئے ضروری قرار دیتے ہیں اور کعبہ کو بیت اللہ اور کلمہ کو مدار نجات سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بہائی تو رسول کریم ﷺ کی ذات پر۔ اور قرآن کریم پر حملہ کرتے ہیں۔ لیکن

احمدی سر محمد اقبال اور ان کے ہم نواؤں کو روحانی بیمار قرار دے کر انہیں اپنے علاج کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

اور ان کے ایمان کی کمزوریوں کو ان پر ظاہر کرتے ہیں۔ بہ بیں تفاوت وہ از کجاست تا بہ کجا

سر محمد اقبال صاحب اس عذر کی پناہ نہیں لے سکتے۔ کہ میرا صرف مطلب یہ ہے کہ بہائی منافق نہیں۔ اور احمدی منافق ہیں کیونکہ اول تو یہ غلط ہے کہ بہائی کھلے بندوں اپنے مذہب کی تلقین کرتے ہیں۔ اگر سر محمد اقبال یہ دعویٰ کریں۔ تو اس کے صرف یہ معنی ہوں گے کہ بیسویں صدی کا یہ مشہور فلسفی ان فلسفی تحریکات تک سے آگاہ نہیں۔ جن سے اس وقت کے معمولی نوشت و خواند والے لوگ آگاہ ہیں۔ سر محمد اقبال کو معلوم ہونا چاہئے کہ بہائی اپنی کتب عام طور پر لوگوں کو نہیں دیتے۔ بلکہ انہیں چھپاتے ہیں۔ وہ ہر ملک میں الگ الگ عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ امریکہ میں صاف لفظوں میں بہاء اللہ کو خدا کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی ممالک میں اس کی حیثیت ایک کامل ظہور کی بتاتے ہیں وہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ ویسا ہی وضو کرتے ہیں۔ اور اتنی ہی رکعتیں پڑھتے ہیں جتنی کہ مسلمان۔ لیکن الگ طور پر وہ صرف تین نمازوں کے قائل ہیں اور ان کے ہاں نماز پڑھنے کا طریق بھی اسلام سے مختلف ہے۔

پھر یہ بھی درست نہیں کہ احمدی منافق ہیں۔ اور لوگوں سے اپنے عقائد چھپاتے ہیں۔ اگر احمدی مداہنت سے کام لیتے۔ تو آج سر محمد اقبال کو اس قدر اظہار غصہ کی ضرورت ہی کیوں۔ احمدی ہندوستان کے ہر گوشہ میں رہتے ہیں۔ دوسرے فرقوں کے لاکھوں کروڑوں مسلمان ان کے حالات سے واقف ہیں۔ وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ وہ قرآن کریم

کی تعلیم پر عمل کرنے والے رسول کریم ﷺ کی بتائی ہوئی نماز کے مطابق نماز پڑھنے والے۔ روزے رکھنے والے۔ حج کرنے والے۔ اور زکوۃ دینے والے ہیں۔ وہ کونسی بات ہے جو احمدی چھپاتے ہیں؟ اور سر محمد اقبال کے پاس وہ کونسا ذریعہ ہے۔ جس سے انہوں نے یہ معلوم کیا کہ احمدیوں کے دل میں کچھ اور ہے۔ مگر ظاہر وہ کچھ اور کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ تو اس قدر محتاط تھے۔ کہ جب ایک صحابی نے ایک شخص کو جس نے جنگ میں عین اس وقت کلمہ پڑھا تھا۔ جب وہ اسے قتل کرنے لگے تھے۔ قتل کر دیا۔ اور عذر یہ رکھا کہ اس نے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ ھل شققت قلبہ کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا ہے۔

لیکن ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب آج دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ قوم جس کے افراد نے افغانستان میں اپنے عقائد چھپانے پسند نہ کئے لیکن جان دے دی ساری کی ساری منافق اور ظاہر کچھ اور کہتی ہے اور اس کے دل میں کچھ اور ہے۔

فلسطین میں یوم تبلیغ

غیر مسلموں کو سرگرمی سے تبلیغ اسلام کی گئی

مقامی حالات کے ماتحت ۱۰ مارچ کی بجائے ۲۴ مارچ کو یوم تبلیغ منایا گیا۔ اس موقعہ کے لئے علاوہ دیگر شدہ ٹریکٹوں کے ایک خاص ٹریکٹ "نـــــدا المسیح المحمدی الی فلاسفۃ العالم المسیحی" یعنی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشتہار دعوت حق ملحقہ حقیقۃ الوحی کا عربی ترجمہ طبع کیا گیا۔ اس دن معذور بھائیوں کو مستثنیٰ کر کے ۲۶ دوستوں نے کما حقہ فریضہ تبلیغ ادا کیا۔ دوستوں کو حسب ذیل دس گروہوں میں تقسیم کیا گیا۔ جو دن بھر حسب ذیل شہروں میں زبانی اور ٹریکٹوں کے ذریعہ تبلیغ کرتے رہے۔

نمبر وفود	اسماء ممبران وفد	جس شہر میں تبلیغ کی گئی
وفد نمبر اول	(۱) الشیخ محمود صالح (۲) السید حامد صالح (۳) السید کامل حسن	الناصرہ
وفد نمبر دوم	(۱) الشیخ احمد العودی (۲) الشیخ حسین (۳) عبد الجلیل	شفاعمرو
وفد نمبر سوم	(۱) الشیخ علی تفرق (۲) السید عبد الرحمن (۳) الشیخ محمد المصری (۴) السید طٰہٰ تفرق	عکا
وفد نمبر چہارم	(۱) الشیخ مصطفیٰ محمد (۲) اسماعیل احمد (۳) موسیٰ اسعد	عسفیاء
وفد نمبر پنجم	(۱) الشیخ سلیم الربانی (۲) السید خالد علی (۳) السید محمد احمد	رشمیا
وفد نمبر ششم (الف)	(۱) الشیخ صالح العودی (۲) محمد علی (۳) رشید احمد	حیفا
وفد نمبر ششم (ب)	(۱) الشیخ حسن (۲) محمد عبد اللہ (۳) علی حسن	حیفا
وفد نمبر ششم (ج)	(۱) الشیخ مصطفیٰ الشمادی	حیفا
وفد نمبر ہفتم	(۱) السید عبد القادر صالح (۲) السید حسن علی (۳) السید عبد المالک (۴) السید نایف موسیٰ (۵) السید محمد الشیخ	یافا
وفد نمبر ہشتم	(۱) الشیخ عبد اللہ زیدان	جبل الکرمل
وفد نمبر نہم	(۱) السید جعفر افندی تفرق (۲) السید مکی افندی حسین تفرق	صفد (۲) کفر کنا (۳) طبریہ (۴) جیدہ
وفد نمبر دہم	(۱) ابو العطاء الجالندھری (۲) السید محمد صالح (۳) الشیخ عبد الرحمن البرجاوی (۴) السید ابراہیم علی	(۱) نابلس (۲) جنین

ان دس وفود نے مختلف مقامات پر تبلیغ کی اور فلسطین کے شمالی حصہ میں عیسائی اور یہودی اصحاب میں اسلام کی دعوت پہنچائی۔ اس دن ایک ہزار چھ سو ٹریکٹ تقسیم کئے گئے۔ ان شہروں کو جاتے ہوئے راستوں میں بعض چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی پیغام حق پہنچایا گیا۔ عام طور پر لوگوں نے بخوشی ہماری باتوں کو سنا اور ٹریکٹوں کو قبول کیا۔ صرف ایک مقام عسفیاء میں ایک پادری نے زبان درازی کی اور لوگوں کو اکسا کر ہمارے دوستوں کو وہاں سے نکال دیا۔"

وفد نمبر نہم نے سارا فاصلہ اپنے موٹر سائیکل پر طے کیا۔ جو قریباً دو سو میل ہوتا ہے۔ نابلس میں خاکسار نے یہود کے قدیم فرقہ سامریہ کے رئیس اور بعض دیگر ممبروں کو دعوت اسلام دی۔ اور چار گھنٹے تک مذہبی گفتگو جاری رہی۔ بہت سی باتوں کا انہوں نے اقرار کر لیا۔ اور مزید غور کرنے بلکہ ہمارے مرکز میں آنے کا بھی وعدہ کیا۔ اس فرقہ کے دلچسپ حالات کے متعلق عنقریب ایک مضمون ہدیہ قارئین ہوگا۔ انشاء اللہ

یوم التبلیغ کا خاص ٹریکٹ احمدیہ پریس میں چھاپا گیا تھا۔ علاوہ ازیں احباب نے اخراجات سفر پر اس دن قریباً چھ پاؤنڈ اپنی جیبوں سے خرچ کئے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ غرض اس سال یوم التبلیغ نہایت شاندار طور پر منایا گیا۔ الحمد للہ۔ خاکسار ابو العطاء الجالندھری۔ ۲۷ مارچ

ضروری گزارش

اگرچہ یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اب پھر گزارش ہے کہ احباب کسی جلسہ کی رپورٹ یا کسی واقعہ کی اطلاع جلد سے جلد ارسال فرمایا کریں۔ تا کہ جلد شائع کی جا سکے۔ ورنہ روزانہ اخبار ہونے کے لحاظ سے کئی دن بعد کی اطلاعات کو شائع کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور اس وجہ سے احباب کو کوئی شکوہ نہ ہونا چاہئے۔

سادہ لوح مسلمانوں کو قتل اور لوٹ کی ترغیب حکومت کا فرض

مندرجہ بالا عنوانات کے ماتحت اخبار ''رشی'' امرت سر نے حسب ذیل مضمون لکھا ہے:-

''ایک اطلاع مظہر ہے کہ قادیان میں کئی مقامات پر پوسٹر بعنوان- منشی غلام احمد قادیانی کی نبوت کا بطلان'' چسپاں پایا گیا ہے- اشتہار مذکور محمد غلام نامی کسی شخص کی طرف سے اقبال پریس ملتان میں چھاپا گیا- اشتہار کا مضمون نہایت اشتعال انگیز اور لچر ہے- اس میں مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے- کہ احمدیوں کو قتل کر دینا مسلمانوں کا فرض ہے اور احمدیوں کا مال مسلمانوں پر حلال ہے- احمدیوں کو مرتد بتاتے ہوئے یہ نہ معلوم شخص اپنی جہالت کا اس طرح ثبوت دیتا ہے کہ اگر کسی کو غلام احمد کے مرتد ہونے میں شک ہے تو (''ہماری ضمیر سلسلہ کے الفاظ کو درج کرنے کی اجازت نہیں دیتی'')

افسوس کا مقام ہے- کہ اس تہذیب کے زمانہ میں اس قسم کی بے ہودہ اور گندی تحریر سے کام لیا جاتا ہے- اس قسم کا فضول پروپیگنڈا کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے- کہ یہاں انگریز کی حکومت ہے یہاں کابل اور ایران کے خوابوں کی تعبیر قانونی شکنجہ ہو سکتا ہے'' مناسب ہے کہ بجائے فتنہ انگیزی کے دلائل سے اپنے عقائد کو صحیح ثابت کیا جائے- دلائل کی کمی کے سبب گلے پڑنا جہالت کی نشانی ہے- ہم بار بار مسلمان راہنماؤں سے اس معاملہ کو سلجھانے کی درخواست کر چکے ہیں- لیکن ہمیں مایوس رہنا پڑا- کیا سر فضل حسین جیسے عاقل اس پر خطر تحریک کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگا کر انسدادی تدابیر سوچنا مناسب نہیں سمجھتے-

ہم نہایت ادب سے حکومت کی توجہ مذکورہ بالا پوسٹر کی طرف مبذول کراتے ہوئے درخواست کرتے ہیں- کہ وہ اس قسم کے امن سوز پروپیگنڈا کو دبانے میں دیر نہ کرے-''

نام نہاد مسلمانوں کے شرمناک مظالم کی ایک اور مثال

احمدیوں کو محض اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اسلام کی صحیح تعلیم پر چل کر دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے کہتے ہیں- جس قدر دکھ اور تکالیف دی جا رہی ہیں- وہ نہایت ہی دردناک ہیں- احمدیوں پر تو ان کا کیا اثر ہو سکتا ہے- جبکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر تکلیف کو وہ بخوشی برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں اور ہر ذلت کو دنیا کی ساری عزتوں سے بڑھ کر سمجھتے ہیں- لیکن جو لوگ اس قسم کی شرمناک حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں- انہیں غور کرنا چاہیئے- کہ کیا اخلاق و شرافت کا یہی تقاضا ہے اور اسلام یہی تعلیم دیتا ہے- اگر نہیں تو انہیں اپنی حرکات پر نادم ہونا چاہیے- اور وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے جسے اسلام نے جائز قرار دیا ہو-

ایک مقام کے متعلق ہمیں اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہاں اس مکان میں جہاں احمدی مبلغ ٹھہرے ہوئے تھے- عشا کے بعد مالک مکان کے چند رشتہ دار مالک مکان کو بلا کر اپنے مکان پر لے گئے- جہاں اسے روک لیا گیا- دوسری طرف ایک بڑا مجمع مکان کے صحن میں داخل ہو گیا- ان لوگوں کی تعداد اڑھائی تین سو سے کم نہ ہوگی- ان میں سے جس قدر مکان کے اندر جا سکتے تھے- وہ اندر داخل ہو گئے- ناپاک کلمات کہتے- اور طرح طرح کا گند اچھالتے دھمکیاں دینے لگے کہ کتابوں اور یسرنا القرآن کے قاعدوں کو زمین پر دے مارا- گھڑے اور لوٹے توڑ پھوڑ دیئے اور ایک بجے رات تک شور مچاتے رہے-

صبح کو ایک مبلغ جو ایک اور گاؤں میں گئے ہوئے تھے- واپس آئے- تو انہوں نے اپنی سرگزشت یوں سنائی- کہ انہیں تبلیغ کرتے ہوئے- اور ٹریکٹ فروخت کرتے ہوئے دیکھ کر چند غنڈے حملہ آور ہو گئے- جنہوں نے ان کی تمام اشیاء جن میں کچھ کپڑے بھی تھے چھین لیں- ان کا چہرہ سیاہ کر دیا گیا اور اٹھا کر گدھے پر ڈال دیا- یہ نہایت دردناک واقعہ ہے شریروں کے اس سلوک سے ہمارے

[illegible]
[illegible]
روزنامہ الفضل قادیان
تار کا پتہ الفضل قادیان
THE DAILY
ALFAZL, QADIAN
ایڈیٹر غلام نبی
قیمت [illegible]
جلد | مورخہ ۲۶ رجب ۱۳۵۴ھ | یوم جمعہ | مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء | نمبر ۹۹

مسلمانانِ فلسطین کی پکار اور اسلام کے اجارہ دار احرار

ہندوستان میں عیسائی مشنری پورے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں فلسطین میں مسلمان بالکل بے دست و پا نظر آتے ہیں اسباب کے لحاظ سے تو مسلمان تہی دست ہیں ہی۔ مصیبت یہ ہے کہ وہ مذہبی لحاظ سے بھی بے حد کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں، نہ تو وہ عیسائی مشنریوں کے ان اعتراضات کا جواب دے سکتے ہیں جو ان کی طرف سے اسلام پر کیئے جاتے ہیں اور جن کے ذریعے اسلام سے بے بہرہ مسلمان کہلانے والوں کو اسلام سے دور کیا جاتا ہے اور نہ وہ عیسائیت کے خلاف اسلام کی برتری اور فضیلت ثابت کر سکتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ مفلوک الحال اور پس کردہ عوام تو دنیوی فوائد کی خاطر دھوکے کا شکار ہو رہے ہیں اور تعلیم یافتہ مسلمان اسلام کے خلاف عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب دینے کی اہلیت نہیں رکھتے اور عیسائیت کی اصل حقیقت سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے سرنگوں ہو رہے ہیں اخبار ''مسلم گزٹ'' کلکتہ میں فلسطین کے مسلمانوں کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں اور تبلیغی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ

''عیسائیوں نے کئی سال سے عیسائیت کی تبلیغ کا کام انتہائی سرگرمی اور چالاکی سے شروع کر دیا ہے۔ نئے نئے گرجے۔ نئے نئے کلب اور نئے نئے مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ راستوں، گزرگاہوں، پبلک پارکوں اور جلسوں میں بھی اس کا خاص اہتمام ہے۔ یہ لوگ مختلف طریقوں سے نوجوان طبقہ کو ورغلانے اور اسلام سے نفرت دلانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ عوام میں بھی ان کی تبلیغ نہایت ناپاک طور پر کی جاتی ہے۔

مختلف اسلامی ممالک کے نقشے دکھائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرتی اور اخلاقی پستی دکھا کر لوگوں کو بدظن کیا جاتا ہے۔ شارع اسلام پر ناپاک حملے کئے جاتے ہیں۔ اور اسلامی تاریخ اور روایات کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کی خوبیاں، جدید تمدن کی نیرنگیاں، یورپ کی رنگ رلیاں دکھائی جاتی ہیں۔ اور ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سب عیسائیت کی برکت ہے۔ عیسائیوں کے لیے دنیا جنت بنی ہوئی ہے دنیا کی عزت، دولت و ثروت، تمدن تہذیب، شائستگی۔ قوت، شان و شوکت سب عیسائیوں کے لیے ہے۔ کیونکہ عیسائی خدا کے مقرب بندے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اس طرح عوام کو عیسائی مبلغ اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ مدارس میں بھی اسی قسم کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ لوگ بہت جلد اس طرح ان کے دام میں آ جاتے ہیں۔

عوام کو اسلام سے نفرت دلانے کے اور بھی طریقے ہیں۔ عیسائی مبلغ غریب آبادی میں جاتے ہیں غریبوں کو مفت دوا دیتے ہیں۔ اور ضرورت پڑتی ہے تو کچھ خرچ بھی کرتے ہیں۔ جب اس طرح عوام کی ہمدردی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو آسانی سے عیسائیت کا پروپیگنڈا کامیاب ہو جاتا ہے اور لوگ عیسائیت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

مدارس کے پروپیگنڈا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ نوجوان یا تو سرے سے عیسائی ہو جاتے ہیں۔ یا پھر وہ کہیں کے نہیں رہتے۔ یعنی نہ عیسائی ہوتے ہیں نہ مسلمان رہتے ہیں۔ بالکل دہریہ اور نیچری بن جاتے ہیں۔

عیسائی مشنریوں کی اس جدوجہد کے مقابلہ میں مسلمان جو کوشش کر رہے ہیں وہ اسی بیان میں یہ بیان کی گئی ہے کہ فلسطین کا کوئی نوجوان مشنریوں کے مدارس میں تعلیم حاصل نہ کرے۔ خواہ وہ جاہل رہ جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ یہ اپیل موثر ثابت نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانانِ فلسطین کی جہالت کو دور کرنے کے لیے وسیع پیمانہ پر تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ ہر بستی اور گاؤں میں مدارس اور مکاتب قائم کئے جائیں بڑے شہروں میں ہائی سکول اور کالج قائم کئے جائیں اور صنعت و حرفت کی تعلیم بھی دی جائے۔ مگر اس وقت وجہ بتائی گئی ہے۔ کہ غریب عربوں کے پاس روپیہ نہیں۔ اگر وہ چھوٹے موٹے مدرسے بہزار دقت قائم بھی کرتے ہیں تو روپیہ کی قلت کے باعث ترقی نہیں کر سکتے۔ بلکہ اکثر حالتوں

میں مالی مشکلات کی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان حالات سے ظاہر ہے۔ کہ فلسطین کے مسلمانوں کی حالت نہایت ہی اندیشناک ہے۔ اور وہ بے حد خطرہ میں نہ صرف گھرے ہوئے ہیں۔ بلکہ بہت بری طرح اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو توجہ بھی دلائی ہے۔ کہ ”ان حالات پر سنجیدگی سے غور کریں۔

اب دیکھنا یہ چاہیئے کہ آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کی نمائندگی کا ادعا کرنے والے اور شعبۂ تبلیغ کے نام سے مسلمانوں سے لاکھوں روپیہ بٹورنے والے احرار مسلمانان فلسطین کو عیسائیت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے کیا انتظام کرتے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کے اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ السلام پر ناپاک اعتراضات کے جواب دینے اور اسلام کی خوبیاں ثابت کرنے کے لیے کتنے مبلغ وہاں بھیجتے ہیں۔ کتنے مدارس وہاں قائم کرتے ہیں۔ کتنے اخبارات اور رسائل وہاں سے جاری کرتے ہیں اور اپنے اس دعوٰی کا کیا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ بلاد عربیہ کے غم و فکر میں ان کی نیند حرام ہو چکی ہے۔

ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ احرار کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے گی۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔ مسلمانان فلسطین کی چیخ و پکار سننے کے متعلق ان کے کان بہرے ہو جائیں گے۔ وہ نہ تو ایک پھوٹی کوڑی ان کی خاطر خرچ کریں گے اور نہ کسی کو مبلغ بنا کر ان کی خبر گیری کے لیے بھیجیں گے۔ مگر باوجود اس کے یہ ادعا کرتے ہوئے ذرا نہ شرمائیں گے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا درد ان کے جگر میں ہے۔ اسلامی ممالک کے غم و فکر میں وہ گھلے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی حفاظت اور اسلام کی اشاعت کی خاطر سربکف میدان میں کھڑے ہیں اگر محض دعووں کی کچھ حقیقت ہو سکتی ہے۔ اگر محض زبانی باتیں کچھ وقعت رکھتی ہیں اور اگر خیالی پلاؤ کچھ کام آ سکتے ہیں تو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ لیڈران احرار مسلمانان عالم کی سب سے بڑی فعال اور جاں باز پارٹی ہے۔ لیکن اگر معقولیت کی دنیا میں کچھ کر کے دکھانا ضروری ہوتا ہے تو احرار سے اس قسم کی توقع بالکل فضول ہے۔

اس کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ جس پر احرار اسلام دشمنی کا الزام لگاتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے جسے عیسائیوں کی ایجنٹ قرار دیتے ہوئے ذرا نہیں ہچکچاتے اس کی طرف سے، فلسطین میں عرصہ سے ایک تبلیغی مشن قائم ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا مدرسہ جاری ہے۔ عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں پیش کرنے والا ایک عربی رسالہ نکلتا ہے ایک آزمودہ کار احمدی مبلغ اور اس کے کئی ایک مددگار وہاں موجود ہیں جن کے سامنے عیسائی مشنریوں کو آنے کی قطعاً جرأت نہیں حالانکہ بارہا ان کو چیلنج دیئے جا چکے ہیں۔ یہ سب کچھ جماعت احمدیہ اپنی بساط اور تمام دنیا میں پھیلے ہوئے اپنے تبلیغی کام کے لحاظ سے کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے بہت اچھے نتائج نکل رہے ہیں۔ فلسطین کے جن تعلیم یافتہ لوگوں کو احمدیہ مشن کی جدوجہد کا علم ہو چکا ہے۔ وہ نہایت شکر اور خوشی کے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔

اس ایک امر پر غور فرما لیا جائے۔ کہ وہ جماعت جسے احرار اسلام کی دشمن کہتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کیا کر رہی ہے اور جو اسلام کے ٹھیکہ دار اور تمام مسلمانوں کے راہنما ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ وہ کن اشغال میں مشغول ہیں۔

حضرت مرزا شریف احمد پر حملہ کرنے والے احراری کے مقدمہ کی سماعت

گورداسپور ۲۳ اکتوبر حبیبا پسر چوہڑ گداگر کے خلاف حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب پر حملہ کرانے کی وجہ سے پولیس نے جو مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ آج اس کی پھر سماعت ہوئی۔ صرف ایک باقی ماندہ گواہ صفائی نواب الدین کنسٹیبل کی شہادت ہونے والی تھی۔ لیکن ملزم نے بیان کیا کہ وہ اس گواہ کو چھوڑنا چاہتا ہے چنانچہ اس کی شہادت نہ لی گئی اور عدالت نے بحث کے لئے ۲۴ اکتوبر کی تاریخ مقرر کی۔ مگر وکیل ملزم نے اس روز اپنی مصروفیت کا عذر کیا جسے منظور کرتے ہوئے عدالت نے ۲۵ اکتوبر تاریخ مقرر کر دی۔

درخواست ہائے دعا

۱۔ مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بوجہ اعصابی دوروں کے بیمار ہیں۔ ہر روز شدت سے دورے ہوتے ہیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔

خاکسار اللہ دتہ جنرل سیکرٹری انصار اللہ قادیان۔

۲۔ میرے برادر مکرم چوہدری عبدالحمید صاحب آئی ایم ایس سی کا امتحان مقابلہ دے رہے ہیں۔ احباب ان کی کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ خاکسار عبدالمجید بی اے

جلسہ سالانہ کے متعلق ہر احمدی کی ذمہ داری

جلسہ سالانہ قریب آرہا ہے۔ اس کے لئے انتظامات اور اجناس کی خرید و فروخت کا کام سرعت سے جاری ہے۔ جس کے لیے ہزاروں روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ چندہ جلسہ سالانہ کے متعلق میں نے گذشتہ ماہ میں ہر ایک جماعت کو تحریک بھجوادی تھی۔ الفضل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد یاددہانی اخبار الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ چندہ جلسہ سالانہ کی وصولی جس رفتار سے ہونی چاہیے تھی ابھی شروع نہیں ہوئی حالانکہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے جملہ عہدہ داران جماعت و احباب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے جلد تر چندہ جلسہ سالانہ کی رقوم بھجوائیں۔ ہر ایک جماعت کو چندہ جلسہ سالانہ کے بجٹ سے جائنٹ ناظر صاحبان کی طرف سے اطلاع دی جا چکی ہے جو عہدہ داروں نے اپنی جماعتوں سے وصول کر کے بھجوانا ہے۔ مگر کسی جماعت کو اطلاع نہ ملی ہو۔ تو دفتر ہذا سے بہت جلد دریافت فرمالیں۔

ناظر بیت المال قادیان

اخلاص اور ایثار کی ایک بہترین مثال

خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی بخشی ہوئی توفیق سے احمدی احباب خدا تعالیٰ کی راہ میں جس قربانی و ایثار کا ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال ذیل کے خط سے ظاہر ہے جو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں بھیجا گیا۔ احباب درد دل کے ساتھ دعا کریں۔ کہ خدا تعالیٰ ہمارے اس مخلص بھائی کے بچہ کو اپنے فضل سے صحت عطا فرمائے۔ اور اسے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

سیدنا و امامنا ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

محترم آقا۔ فداہ امی ابی نفسی میرا لڑکا جس کا نام حضور نے عبدالرشید رکھا تھا۔ عمر سوا سال عرصہ ایک ماہ سے مختلف عوارض کی وجہ سے بیمار چلا آتا ہے۔ ماہ ستمبر ۳۵ء کی تنخواہ کی ادائیگی پر میں نے چند روپے اس کے علاج کے واسطے رکھے تھے۔ مگر کل ”الفضل“ کے پرچہ میں تحریک چندہ بارہ ہزار روپیہ پڑھی۔ چونکہ میرے پاس علاوہ اس روپیہ کے جو عزیز کے علاج کے واسطے تھا۔ صرف چندہ عام کی رقم تھی۔ اس لیے عاجز اور عاجز کی اہلیہ نے بعد مشورہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ بارہ ہزار کی تحریک میں یہ روپیہ بھیج دیا جائے اور عزیز عبدالرشید کی صحت یابی کے واسطے حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ عاجز نے آج مبلغ ۱۲-۵ روپے کا منی آرڈر جس میں چندہ ماہ ستمبر ۳۵ء کی رقم اور چندہ تحریک بارہ ہزار کی رقم شامل ہے۔ بخدمت ناظر صاحب بیت المال ارسال کر دی ہے۔ اور حضور کی خدمت میں درد بھرے دل سے درخواست دعا ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ ہمارے بچے عبدالرشید کو اپنے فضل سے کامل صحت بخشے۔ اور ہم دونوں میاں بیوی کو کامل یقین ہے حضور کی دعا ظاہری علاج اور دوائیوں سے بدرجہا بہتر اور جلدی اثر کرے گی۔ حضور کا

ادنیٰ عاجز ولی محمد احمدی مدرس شاہ پور جنڈ۔ ضلع لاہور

He it is Who has sent His Messenger with the guidance and the true faith that He may make it prevail over all other faiths.

(Al-Quran, 9:33:48:29;61:10)

INVITATION
TO
AHMADIYYAT

Being a statement of beliefs, a rationale of claims and a invitation, on behalf of the Ahmadiyya Movement for the propagation and rejuvenation of Islam

By

Hazrat
Haji Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad
Khalifat-ul-Masih II;

Published by:
Ahmadiyya Msulim Foreign Missions Office
Rabwah (Pakistan)

Mirza Mahmud Ahmad's book-Inviation to Ahmadiyyat. Mirza Ghulam Ahmad Propheoised the estabilhsment of Isreal

Another sign of the war was difficulties travelers and way-farers were going to have. Many of them were to lose their way. This is what happened. On the land, because of fighting armies and their movements, normal routes became blocked. On the sea, owing to submarine warfare, boats carrying passengers were constantly in danger. When the war started, several hundred thousand persons became stranded in enemy countries. Many of them had to reach their home countries also had to travel through longer routes, shorter routes having gone into enemy possession. British soldiers serving in France often lost their way. Many unhappy incidents occurred, to avoid which, British soldiers were ordered to wear names of their regiments and their stations round their necks.

Another sign was that "things" which the world was trying to build would be wiped away. This is what happened, both in the physical and in the metaphorical sense. Many well-known buildings in Europe were destroyed. Destruction was also wrought in the foundations of European life. The old security, the old confidence in continued peace and progress were gone. European nations are trying 'to rebuild these foundations, but efforts seem to fail. It seems inevitable that European – and Western – life will have to seek new foundations to rebuild. The old foundations have been destroyed and destroyed for good. The new foundations will have to be more rational and nearer to the teaching of Islam. Something like it seems ordained by God and nothing can stop it.

A very important feature of the war was relief to the people of Israel. This feature of the prophecy received a clear fulfillment. The war was not yet over when, as a consequence of the war itself, Mr. (later Lord) Balfour declared that the people of Israel who had been without a "home-land" would be settled in their ancient "home-land", Palestine. The allied nations promised to compensate the people of Israel for injustices done to them in the past. In accordance with these declarations, Palestine was taken from Turkey and declared the national home of the Jews. The administration of Palestine is being shaped so as to make it easy for Jews to make it their home-land. Jews from different countries are being encouraged to settle in Palestine. A very old demand of the Jews that conditions promoting their national cohesion should be created for them has been met.

The strangest thing about this part of the prophecy is that references to it exist also in the Holy Quran. Thus in Chapter 'Bani Israel,' we read:

وقلنا من بعده لبنى اسرائيل اسكنو الارض فاذا جاء وعد الاخرة جئنا بكم لفيفا ○

"And after him we said to the children of Israel. 'Dwell ye in the land; and when the time of the promise of the latter comes, We shall bring you together out of various people."[1]

Commentators of the Holy Quran take the land to be Egypt and the promise of the latter days to be the Day of Judgment. But, such interpretations are wrong because Israel were never ordered to live in Egypt. They were ordered to live in the Holy Land, namely, Palestine, and there they lived. Similarly, promise of the latter days cannot mean the Day of Judgment because the Day of Judgment has little connection with Israel having to live in the Holy Land. All that this promise of the latter days mean, therefore, is that a time was to come for the Jews to leave the Holy Land, but to be gathered into it again, at the time of the 'promise of the latter days.' The re-gathering of Israel, therefore, was to take place in the time of the Promised Messiah.

In the commentary "Futuh-ul-Bayan" we are told that 'the time of the promise of the later days marks the descent of Jesus from heaven.' Also the Chapter of the Holy Quran just quoted, divides the history of the Jewish people into two great periods (17:5). Of the second period the same chapter goes on to say:

فاذا جاء وعد الاخرة ليسوءا وجوهكم وليد خلو المسجد كما دخلوه اول مرة و
ليتبروا ما علو تتبيرا ○

"So when the time for the latter warning came, we raised a people against you to cover your faces with grief, and to enter the Mosque as they entered it the first time and to destroy all that they conquered with utter destruction."

From this it appears that the warning of the latter days relates to the time in Jewish history subsequent to the first coming of Jesus. However, after this warning, we know from history, Jews were not gathered; they were dispersed. Therefore, in the verse 17:105 the warning of the latter days related to the period after the second coming of Jesus. The words, 'shall bring you together', refer to the present influx of Jews into Palestine. Jews from different countries are provided facilities of travel and rehabilitation. The revelation of the Promised Messiah said, 'I will relieve the children of Israel.' This indicated a great change in the position of the Jews. It indicated the end of the opposition which nation of the world had offered so long to an independent home for Jews.

An important sign of the war was **the time limit of sixteen years**. It happened exactly as had been foretold. The revelations about the war were received in 1905; the war started in 1914, i.e., within sixteen years from the date of the prophecy.

Another sign of the war was that naval forces of different nations were to be kept ready. Accordingly, we find that not only combatant nations, but other nations also had to keep their naval forces in readiness. Every nation had to see that no other nation violated her. waters. War could be forced upon them at any time. So naval forces had to be ready, even for the protection of neutrality.

One important sign of the war was the movement of ships for the sake of sea warfare. The prophecy pointed not merely to preparations and readiness for combats in the sea but also to the movements of vessels. Accordingly, in this war many more sea vessels were used than had been used ever before. Vessels of small size, destroyers, and submarines, were used on scale completely unknown before. The expression used in the revelation is boats which points to bias for fighting sea-craft of small size and this is true of the Great War of 1914-18.

One sign told of the war was its suddenness. The suddenness with which this war came is well-known. Statesmen later on admitted that though they expected a war some time or another, they had no idea of the suddenness with which it came. The murder of the Austrian prince and princess proved a trigger. A world conflagration was touched off.

فہرست کتب

1- احمدیہ کتب

☆ عبدالعزیز چوہدری- سیرت مرزا شریف احمد- ربوہ 1962ء

☆ عبدالباری، قیوم شاہد، قادیان، دارالامان، ربوہ 1978ء

☆ عبدالحق، مرزا ایڈووکیٹ، مولوی عبدالمنان کے کیس کی اجمالی تفصیلات، ربوہ، 1956ء، صداقت مسیح موعود، ربوہ

☆ عبدالحق شیخ، یادیں، شملہ اور دہلی، راولپنڈی، 1973ء

☆ عبدالمالک خان، احمدیت علامہ اقبال کی نظر میں، ربوہ، 1974ء

☆ عبدالکریم مولوی، سیالکوٹی سیرت مسیح موعود، قادیان، 1900ء، دوبارہ اشاعت ربوہ 1986ء

☆ عبدالقادر، حیات نور، لاہور

☆ عبدالقادر، نیاز فضل عمر، قادیان، 1939ء

☆ عبدالقادر (سوداگرمل) شیخ، سیرت طیبہ، لاہور، 1959ء

☆ عبدالرب برہم، بلائے دمشق، لائل پور، فیصل آباد، 1970ء خلیفہ ربوہ (مرزا ناصر احمد) سے ایک گزارش، لائل پور 1971ء

☆ اے آر ورڈ، بانی سلسلہ احمدیہ اور انگریز، ربوہ

☆ عبدالرحمٰن، خادم، احمدیہ پاکٹ بک، اشاعت 1956ء

☆ عبدالرحمٰن، مصری، قول محققانہ (ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب، حرف محرمانہ کا جواب)، لاہور

(i) فیصلہ جہیز آباد، لاہور، 1970ء

(ii) ذریت مبشرہ، لاہور، 1939، باردوم 1968ء

(iii) شان مصلح موعود، لاہور، 1936ء

☆ عبدالرحمٰن، مبشر، موعود اقوام عالم، قادیان-

☆ احمد برکات راجیکی، تحریک احمدیت، حیدرآباد (دکن) 1952ء

☆ احمد بشیر، ایم اے مرزا، کلمتہ الفصل، قادیان 1915ء، باردوم 1941ء

مسئلہ جنازہ کی حقیقت، قادیان، 1941ء

سیرت المہدی تین جلد قادیان-

☆ احمد بشارت، ڈاکٹر مجدد اعظم، تین جلد، لاہور 1939ء تا 1944ء

مراۃ الاختلاف، لاہور 1938ء

☆ احمد غلام، مرزا قادیانی، براہین احمدیہ، جلد 1 اور 2 (1879 تا 80) جلد 3 (1882) جلد 4 (1884) (انگریزی ترجمہ) کچھ حصے: مرزا معصوم بیگ، پرانی تحریریں (1879 تا 1889)، سرمہ چشم آریہ، 1886، شحنہ حق، 1887ء، اشتہار، 1888 فتح اسلام، 1890 (انگریزی ترجمہ: اقبال احمد) ازالہ اوہام (11.1)، 1891ء الحق (مباحثہ لدھیانہ) جولائی، 1891ء الحق (مباحثہ دہلی)، اکتوبر 1891ء آسمانی فیصلہ، 1892ء برکات الدعا، 1893ء (انگریزی) حجتہ الاسلام، 1893ء سچائی کا اظہار، 1893ء جنگ مقدس، 1893ء حمامتہ البشریٰ 1894ء

1893ء تحفہ بغداد، 1893ء شہادت القرآن، 1893ء کرامات الصادقین، 1893ء حمامتہ البشریٰ، 1894ء نور الحق، 1894ء اتمام الحجہ، 1894ء سرا

تخلیفہ (انگریزی ترجمہ مرزا محمد حسین)، انوار الاسلام، 1894ء منن الرحمٰن، 1895ء نور القرآن، 1895ء ضیاء الحق، منیر المذاہب، 1895ء آریا دھرم، 1895ء ست بچن، 1895ء اسلامی اصول کی فلاسفی (انگریزی ترجمہ سر ظفر اللہ خان)، انجام آتھم 1896ء، سراج المنیر 1897ء استفتاء 1897ء حجۃ اللہ 1897ء تحفہ قیصریہ، 1897ء سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب، 1897ء (انگریزی ترجمہ تبشیر پبلی کیشنز ربوہ، فریاد درد 1898ء، ضرورت الامام 1898ء نجم الہدیٰ، 1898 (انگریزی ترجمہ عبدالہاشم خان چوہدری)، راز حقیقت 1898، کشف الغطاء 1898 (انگریزی ترجمہ تھرونگ اوپن را کرٹن، وکٹوریہ پریس، لاہور، 1898ء)، ایام صلح 1898، حقیقت المہدی 1898، مسیح ہندوستان میں، 1899 (انگریزی ترجمہ، جیسز ز ان انڈیا تبشیر پبلی کیشن، ربوہ) ستارہ قیصریہ 1899، تریاق القلوب 1899، تحفہ غزنویہ 1900، روداد جلسہ دعا 1900، خطبہ الہامیہ 1900، گورنمنٹ انگریزی اور جہاد 1900، (جہاد اینڈ برٹش گورنمنٹ کیکسٹن پرنٹنگ پریس لاہور 1900) اربعین 1900، اعجاز المسیح 1901، ایک غلطی کا ازالہ 1901، (اے مس انڈرسٹینڈنگ ریمووڈ، ربوہ) دافع البلاء 1902، تحفہ گولڑویہ 1902، الہدیٰ 1902، نزول المسیح 1902، کشتی نوح 1902 (آورٹیچنگو تبشیر پبلی کیشن ربوہ)

☆ تحفہ ندوہ 1902

☆ اعجاز احمدی 1902

☆ ریویو بر مباحثہ بٹالوی چکڑالوی 1902

☆ مذاہب الرحمٰن 1903

☆ نسیم دعوت 1903

☆ سنائتن الدھرم 1903

☆ تذکرۃ الشہادتین 1903

☆ سیرۃ الابدال 1903

☆ لیکچر لاہور 1903

☆ لیکچر سیالکوٹ 1904

☆ لیکچر لدھیانہ 1904

☆ الوصیت 1905

☆ براہین احمدیہ جلد پنجم 1903

☆ چشمہ مسیحی 1908 (انگریزی ترجمہ عبدالحمید)

☆ تجلیات الٰہیہ 1906

☆ قادیان کے آریا اور ہم 1907

☆ حقیقت الوحی 1907

☆ چشمہ معرفت 1908 (انگریزی ترجمہ اے ریویو آف کرسچیکٹی احمدیہ فارن مشن ربوہ)

☆ پیغام صلح 1908 (اے میسج آف پیس احمدیہ انجمن لاہور 1947 تبشیر پبلی کیشن ربوہ) (الشرکت الاسلامیہ ربوہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف کو 23 جلدوں میں روحانی خزائن کے نام سے چھاپا ہے)

☆ ملفوظات ق جلد اول تا ہفتم مؤلف بابو منظور الٰہی لاہور

☆ ملفوظات (ڈائری الشرکت ربوہ)

☆ مکتوبات (جلد اول تا ششم قادیان)

☆ خطوط امام بنام غلام (مرزا غلام احمد کے محمد حسین قریشی کو خطوط) لاہور 1909

☆ تذکرہ (مرزا غلام احمد کے خوابوں وحی اور الہامات کا مجموعہ) بار دوم 1969 ربوہ (انگریزی ترجمہ ظفر اللہ لندن)

- ☆ البشریٰ جلد اول اور دوئم (مرزا غلام احمد کی وحی الہام وغیرہ کا مجموعہ مرتبہ بابو منظور الٰہی)
- ☆ تبلیغ رسالت' جلد اول تا جلد دہم (ہینڈبل بیانات اور اشتہارات کا مجموعہ)
- ☆ میر قاسم علی' جلد اول (مارچ 1878 تا مارچ 1891)
- ☆ فاروق پریس قادیان 1918 جلد دوم اپریل 1891 تا 1892 فاروق پریس قادیان اکتوبر 1919 ' جلد سوئم 1893 تا 1894 ' فاروق پریس قادیان دسمبر 1920 جلد چہارم فروری تا دسمبر 1895 ' فاروق پریس قادیان جون 1921 جلد پنجم 1896 فاروق پریس قادیان مارچ 1922 ' جلد ششم جنوری تا دسمبر 1897 ' فاروق پریس قادیان' مارچ 1922 ' جلد ہفتم' فروری تا دسمبر 1898 ' فاروق پریس قادیان' مارچ 1922 ' جلد ہشتم فروری 1898 تا دسمبر 1896 ' فاروق پریس قادیان' مارچ 1922 ' جلد نہم 1900 ' فاروق پریس قادیان 1922 ' جلد دہم 1901 ' فاروق پریس قادیان 1923-
- ☆ احمد خلیل ناصر' ڈوئی کا عبرت ناک انجام' ربوہ 1954ء-
- ☆ احمد محمود مرزا خلیفۃ المسیح ثانی منصب خلافت اپریل 1919-
- ☆ برکات خلافت دسمبر 1914
- ☆ تحفۃ الملاک (میر عثمان علی حیدر آباد (دکن) کو تحفہ) 1914ء (انگریزی ترجمہ' عبدالہاشم خان)
- ☆ القول الفصل (خواجہ کمال الدین کے کتابچے اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب کا جواب) جنوری 1915ء
- ☆ انوار خلافت' 1915ء
- ☆ حقیقت' نبوت' جلد اول 1915ء
- ☆ اسمہ احمد' دسمبر 1916ء

☆ زندہ خدا کے زبردست نشان، اپریل 1917ء

☆ حقیقت رویا، دسمبر 1917ء (دوبارہ اشاعت ربوہ 1956ء)

☆ حقیقت انوار، ستمبر 1918ء

☆ تقدیر الٰہی 1919ء

☆ عرفان الٰہی 1919ء

☆ ترکی کا مستقبل 1919ء

☆ ترک، موالات اور احکام اسلام، دسمبر 1920ء

☆ معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ 1920ء

☆ ترکش پیس اینڈ دا مسلم ڈیوٹی، 1921ء

☆ نان کوآپریشن اینڈ دا مسلم ڈیوٹی، 1921ء

☆ آئینہ صداقت (مولوی محمد علی کے اختلاف کا جواب) دسمبر 1921ء (دی ٹرتھ
اباؤٹ دی سپلٹ، تحریک جدید قادیان 1938ء سیکنڈ ایڈیشن)

☆ تحفہ شہزادہ ویلز، فروری 1922ء

☆ بالشویک علاقہ میں تبلیغ احمدیت 1923ء

☆ ساڑھے چار لاکھ مسلمان ارتداد کے لئے تیار، 1923ء

☆ احمدیت یا حقیقی اسلام، 1924ء

☆ لندن میں ایک سیاسی لیکچر، 26 ستمبر 1924ء

☆ اساس الاتحاد (23 جون 1924ء مسلم لیگ اجلاس کے لئے پرچہ)

☆ منہاج الطالبین، 1925ء

☆ دعوت الامیر 1926ء

☆ انڈین پرابلم اینڈ اٹس سلوشن (سربراہ گروہ احمدیہ کا وائسرائے ہند کو خط) 1926ء

☆ لیکچر شملہ، دسمبر 1927ء

- ہندو مسلم فسادات، انکا علاج اور مسلمانوں کے آئندہ طریق عمل، 20 مارچ 1927ء
- مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت، دسمبر 1927ء
- فیصلہ ورتمان کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض، اگست 1927ء
- تقریر دلپذیر، دسمبر 1927ء
- سائمن کمیشن کے متعلق رائے 1927ء
- مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ، نومبر 1928ء
- مکتوب متعلق ذبیحہ گائے، ستمبر 1929ء
- ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلے کا حل دسمبر 1930ء
- تحفہ لارڈ ارون، اپریل 1931ء
- آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور احرار اسلام، لیکچر سیالکوٹ، 29 ستمبر 1931ء
- سرزمین کابل کا تازہ نشان، نومبر 1933ء
- اعلان مباہلہ، 1936ء
- انقلاب حقیقی 1937ء
- اہل پیغام سے، ستمبر 1940ء
- نظام نو (قادیان کے سالانہ جلسہ سے خطاب 1942ء)
- امام جماعت احمدیہ کا اہم پیغام، اہل ہند اور پارلیمنٹری کمشن کے نام، 15 اپریل 1942ء
- الموعود، سالانہ جلسے سے خطاب 1944ء (دوبارہ اشاعت، ربوہ 1961ء)
- اسلام کا اقتصادی نظام، فروری 1945ء
- صلح کا پیغام (خطبہ جمعہ) 12 فروری 1945ء
- آئندہ الیکشن کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی، 21 اکتوبر 1945ء
- حالات حاضرہ کے متعلق جماعت احمدیہ کا فرمان، 16 مئی 1947ء
- سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل، 17 جون 1947ء

☆ قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں (تقریر) 18 مارچ 1948ء، کراچی

☆ الکفر ملت الواحدہ، 1948ء (دوبارہ اشاعت ربوہ 1958ء)

☆ احمدیت کیا ہے، ربوہ 27 اکتوبر 1948ء

☆ اسلام اور ملکیت زمین، ربوہ، جنوری 1950ء

☆ مسئلہ وحی ونبوت کے متعلق اسلامی نظریہ ربوہ، 1953ء

☆ تحقیقاتی عدالت میں بیان، سعید آرٹ پریس، حیدر آباد، سندھ

☆ تحقیقاتی عدالت میں بیان، کراچی 1954ء

☆ سیرت مسیح موعود، ربوہ

☆ خلافت حقہ اسلامیہ، سالانہ جلسہ میں تقریر، دسمبر 1956ء

☆ نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر، ربوہ 1956ء

☆ المبشرات، ربوہ

☆ زندہ خدا کے زندہ نشان (سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قید) ربوہ 1962ء

☆ ضروری اعلان، ربوہ 1952ء

☆ دی ٹسٹامنٹ آف آور بلوڈ امام، ربوہ، 17 مئی 1959ء

☆ احمد طاہر مرزا، خلیفہ چہارم، ربوہ سے تل ابیب تک (مولانا محمد یوسف بنوری کے رسالے کا جواب) لاہور، 1936ء

☆ مودودی اسلام

☆ احسن محمد امروہوی، سر الشہادتین فی بیان ذبح الشاعین، قادیان 1903ء

☆ علی امجد سید، تحقیق حق، لاہور، 1936ء

☆ علی محمد الحاج، ٹوڈے ٹوپیس اینڈ ہیپی نس، حیدر آباد، دکن 1930ء

☆ علی حسن مونگھیری، تائید حق، قادیان-1933ء

☆ علی محمد چوہدری، ان دی کمپنی آف پرامزڈ مسیحا، لاہور، 1977ء

☆ علی قاسم میر' تحفہ مستریان' قادیان 1928ء

☆ علی روشن حافظ' فقہ احمدیہ قادیان' 1924ء

☆ علی شیر مولوی' وٹ ڈسٹنگوئشز احمدیز فرام نان احمدیز' حیدرآباد دکن 1917ء

☆ قتل مرالقد اور اسلام' وزیر ہند پریس امرتسر - 1925ء

☆ علی یعقوب عرفانی' حیات النبی قادیان

☆ اللہ بخش ڈاکٹر تفریق کے اصل اسباب' احمدیہ انجمن لاہور-

☆ علامہ اقبال اور بانی سلسلہ احمدیہ' لاہور 1977ء

☆ فلفلمنٹ آف اے مائی پرافیسی' لاہور' 1966ء

☆ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام' لاہور

☆ فضل کریم خان' درانی اور برلن مسجد' فروری 1938ء

☆ ختم نبوت اور تکفیر المسلمین 1962ء

☆ شاستری کی پیشگوئی غلط نکلی' 1965ء

☆ تبلیغ بلا دنمبر' لاہور' 1976ء

☆ مولوی صدر الدین کا وضاحتی بیان' 1974ء

☆ آئین پاکستان اور مسلمان فرقہ احمدیہ' 1975ء

☆ ایک مخلص مرید کا مکتوب' لاہور' 1941ء

☆ تحریک احمدیت جلد اول و دوم لاہور

☆ نامعلوم' اظہار حق' جلد اول و دوم لاہور' 1913ء

☆ اروپی رحمت اللہ' امت محمدیہ میں تشریحی نبوت کا اجراء' گوجرانوالہ' 1970ء

☆ قول حق' 1967ء لاہور

☆ اسد اللہ کشمیری' حضرت مریم کا سفر کشمیر' ربوہ

☆ حضرت مسیح کشمیر میں لاہور' 1960ء

☆ تاریخ احمدیت جموں اور کشمیر ربوہ، 1973ء

☆ معمار آزادی کشمیر غلام نبی گلکار راولپنڈی

☆ مسیح کشمیر میں، ربوہ 1978ء

☆ احمد ظفر حافظ سنگم چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری لاہور 1980ء

☆ احمد مشتاق باجوہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں ربوہ 1961ء

☆ احمد حبیب احمدی آف بھرائچ، سیکرٹری انجمن احمدیہ سمانہ (پٹیالہ)

☆ بشیر الدین محمود کو کھلا خط، ثنائی برقی پریس امرتسر 28 مئی 1938ء

☆ احمد اعجاز شیخ مظلوم اقبال کراچی

☆ احمد منظور پیر قدرت ثانیہ یعنی خلافت قادیان 1914ء

☆ پسر موعود قادیان 1914ء

☆ نشان فضل قادیان، 1914ء

☆ احمد مبارک مرزا، آور فارن مشنز ربوہ 1958ء

☆ اسلام آن دی مارچ ربوہ 1960ء

☆ اسلام ان افریقہ، ربوہ، 1962ء

☆ احمدیت ان فار ایسٹ، ربوہ 1964ء

☆ احمد ممتاز فاروقی، محمد علی دی گریٹ مشنری آف اسلام، لاہور 1966ء

☆ مجاہد کبیر (محمد علی کی تاریخ حیات) لاہور 1962ء

☆ ٹرتھ ٹرائی امفس، لاہور، 1965ء

☆ قصر صلیب لاہور 1972ء

☆ حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات اور ان کا اطلاق، لاہور 1972ء

☆ دی انفارمیشن اینڈ پری ڈیسٹینیشن لاہور، 1968ء

☆ احمد نذیر خواجہ جیسس ان ہیون آن ارتھ انجمن احمدیہ لاہور، 1952ء

☆ احمد منظور ایڈووکیٹ، آزاد کشمیر اسمبلی کی احمدیوں کے بارے میں قرارداد، اس کا پس منظر اور نتائج، لاہور، 1973ء

☆ احمد نذیر مبشر بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام اور اس کے نتائج، ربوہ

☆ احمدیہ موومنٹ گھانا، دی اینٹی اسلامک آرڈیننس (اپریل 1984ء) 1984ء

☆ احمد ناصر مرزا خلیفۃ ثالث، آزاد کشمیر کی ایک قرارداد پر تبصرہ، ربوہ، 1973ء

☆ خطاب دسمبر، جنوری 1979ء فریڈم آف فیتھ اینڈ کنشائنس ان اسلام

☆ اے میسج آف پیس اینڈ اے ورڈ آف وارننگ لندن، مشن 1967ء

☆ احمد نور کابلی شہید مرحوم کے چشم دید حالات قادیان 1921ء

☆ احمد سلطان پیر کوئی، حافظ روشن علی ربوہ

☆ احمد مبارک مرزا اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں (سالانہ جلسہ 1957ء سے خطاب) ربوہ 1958ء

☆ مغرب کے افق پر (1959ء کے سالانہ جلسہ میں خطاب نظامت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ، ربوہ،

☆ دی پروپیگیشن آف اسلام تبشیر پبلی کیشن ربوہ 1964ء، سیکنڈ ایڈیشن 1974ء

☆ جماعت احمدیہ کے ذریعے اسلام کی تبلیغ و اشاعت (1967ء کے سالانہ جلسہ سے خطاب) ربوہ

☆ مسیح موعود (22 اکتوبر 1968ء کو جکارتا، انڈونیشیا میں سالانہ جلسہ سے خطاب) لندن مشن پبلی کیشن

☆ بخش خدا مرزا، عسل مصفی جلد اول اور دوم لاہور 1914ء

☆ بخش رحیم، میاں، دی ڈیٹ فارگاٹن، لاہور 1960ء

☆ بیگ معصوم مرزا، پرافیسیز آف دی پرامسڈ مسیحا لاہور، 1960 (تھرڈ ایڈیشن)

☆ بنگالی مطیع الرحمن صوفی، دی ٹومب آف جیسز 1971ء، فورتھ ایڈیشن۔

☆ ابن فضل مولوی، التصریح صحیح الہامات مہدی و مسیح، قادیان 1921ء

☆ دوست محمد (مدیر) پیغام صلح، لاہور

☆ آئینہ احمدیت، لاہور، 1933ء

☆ جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کی حقیقت لاہور، 1975ء

☆ درانی فضل کریم خان، دی احمدیہ موومنٹ لاہور، 1927ء

☆ سوامی دیانند بھگوت گیتا

☆ دی فیوچر آف اسلام ان انڈیا

☆ دی میننگ آف پاکستان

☆ قادیان کے فتنے کی حقیقت، امرتسر، ستمبر 1927ء

☆ فتنہ قادیان کی اصل حقیقت ستمبر 1927ء

☆ کھلی چھٹی بخدمت خلیفہ قادیان، 1927ء

☆ انکشاف حقیقت 1927ء

☆ فخر الدین ملتانی، مظلومین قادیان پر گالیوں کی بوچھاڑ سردار پریس امرتسر 12 جولائی 1937ء

☆ صدائے مظلوم، 12 جولائی 1937ء

☆ الحب یا می والہام تعلیم، 14 جولائی 1937ء

☆ صدائے مہاجر، 12 جولائی 1937ء

☆ فحش کا مرکز 1937ء

☆ فتح محمد سیال، جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات، لاہور 1927ء

☆ فضل الرحمٰن، مرزا بشیر احمد (نبیوں کا چاند) کراچی 1964ء

☆ حامد میر سیالکوٹی، القول الفصل (براہین احمدیہ کا تنقیدی جائزہ) سیالکوٹ، 1898ء

☆ حنیف محمد شیخ، امیر جماعت بلوچستان، جماعت احمدیہ کے خلاف ایک نہایت

شرانگیز اور دل آزار افتراء پردازی' لاہور' 1973ء

- ☆ حقیقت پسند پارٹی لاہور' دور حاضر کا مذہبی آمر' لاہور 1956ء (مولف راحت ملک)
- ☆ ربوے کا مذہبی آمر' لاہور' 1956ء مرزا محمود کی مالی بے اعتدالیاں لاہور 1957ء
- ☆ تاریخ محمودیت کے چند اہم مگر پوشیدہ اوراق لاہور' 1957ء
- ☆ ربوی راج کے محمودی منصوبے' لاہور 1956ء
- ☆ چند قابل غور حقائق' لاہور 1961ء (مولف سبط نور)
- ☆ خلیفہ ربوہ کے دو مذہب (مولف صالح نور)
- ☆ احمدیت سے محمودیت تک' لاہور' 1961ء
- ☆ احمدیت کا دم واپسیں' لاہور۔
- ☆ پیر باپ کی پاکیزگی کے حلف سے مرید کا گریز' لاہور 1967ء
- ☆ حق ایس اے اسلامز کنٹری بیوشن ٹو دی پیس آف دی ورلڈ' لاہور (دوبارہ اشاعت ستمبر 1941ء)
- ☆ حسین فضل ملک' مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج قادیان' 1931ء
- ☆ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھا' 1932ء
- ☆ مطالبہ پاکستان اور احرار اسلام 1957ء
- ☆ فسادات 1953ء کا پس منظر۔ لائل پور فیصل آباد 1957ء
- ☆ حسین محمد مرزا فتنہ انکار ختم نبوت' لاہور 1976ء
- ☆ حسین ظہور مولوی' آپ بیتی قادیان
- ☆ الہی منظور' بابو قمر الھدیٰ' لاہور
- ☆ جیسس آف دی گوسپل
- ☆ البشریٰ لاہور' 1912ء
- ☆ الہی بخش ملک خلیفہ ربوہ کے عدالتی بیان پر تبصرہ' راولپنڈی' 1965ء

☆ اہل ربوہ کے عقائد' لاہور

☆ نبوت حضرت مرزا صاحب کی کہانی خلیفہ ربوہ کی زبانی' لاہور 1967ء

☆ جہاد فی اسلام اور علماء و زعماء پاکستان' راولپنڈی 1973ء

☆ کرسچیکٹی ورسز اسلام' راولپنڈی 1972ء

☆ تجدید وعظ احیاء اسلام کا الٰہی منصوبہ راولپنڈی

☆ اسلام ظفر مولوی' فضل عمر کے زریں کارنامے قادیان' 1939ء

☆ اسماعیل محمد پروفیسر

☆ مولوی محمد علی کی تبدیلی عقیدہ قادیان 1915ء

☆ رسالہ تبدیلی عقیدہ مولوی محمد علی صاحب' قادیان 1936ء

☆ رسالہ ورد شریف

☆ تاریخ مسجد فضل لندن' قادیان 1927ء

☆ نشان رحمت قادیان' 1914ء

☆ علی محمد مولوی امیر جماعت لاہور' النبوت فی الاسلام' 1915ء

☆ احمد مجتبیٰ 1917ء

☆ احمدیہ موومنٹ جلد اول تا چہارم لاہور' 1917ء

☆ مسیح موعود 1918ء

☆ مراۃ الحقیقت لاہور' 1918ء

☆ دی خلافت ان اسلام ریکارڈنگ ٹو دا ہولی قرآن اینڈ دی سینگر آف دی ہولی
پرافٹ' لاہور 1920ء

☆ دی پریمیئرز نیوایئر میسج جنوری 1920ء لاہور

☆ حقیقت اختلاف جلد اول اور دوئم لاہور 1922ء

☆ الہام حجت سیریز (1 تا 14) اگست 1921ء تا اگست 1923ء

☆ ردتکفیر اہل قبلہ' لاہور' 1922ء
☆ آخری نبی لاہور' 1922ء
☆ کال آف اسلام 1922ء
☆ جہاد سلطنت افغانستان اور احمدی مسلمان' لاہور 1925ء
☆ مسیح موعود اور ختم نبوت لاہور 1926ء
☆ اسلامک برادر ہڈ اینڈ دی اپرچونٹیز آف رٹورنجز' لاہور 1926ء
☆ تحریک احمدیت لاہور' 1930ء
☆ دی فائنیلیٹی آف پرافٹ ہڈ لاہور' 1930ء
☆ یاجوج ماجوج 1931ء لاہور 1948ء
☆ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ' بربادی سے بچنے کی راہ' لاہور' مارچ 1931ء
☆ مغرب میں تبلیغ اسلام' لاہور' 1934ء
☆ سر محمد اقبال اور قادیان لاہور 1935ء
☆ ریجن آف اسلام لاہور 1935ء
☆ ڈیپریسڈ کلاسز اینڈ پونا مشن 1936ء
☆ مولانا آزاد اینڈ دی احمدیہ موومنٹ لاہور 1936ء
☆ انجمن حمایت اسلام کا اعلان' لاہور 1936ء
☆ مسلمانوں کی تکفیر کا نتیجہ 1936ء
☆ دی احمدیہ موومنٹ ایز دی ویسٹ سی اٹ' لاہور 1937ء
☆ فاؤنڈر آف دی احمدیہ موومنٹ لاہور' 1937ء
☆ میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدوں کے الزامات اور بیعت کا نرالا طریق'
لاہور 1937ء
☆ احباب قادیان سے ایک اپیل' لاہور 1939ء

☆ میری تحریر میں لفظ نبی کا استعمال لاہور 4 اپریل 1941ء

☆ خلیفہ قادیان کا 1914ء سے پہلے کا مذہب' لاہور

☆ اسلام اینڈ دا پریذنٹ وار لاہور 1943ء

☆ میاں محمود احمد کی دعوت مباہلہ لاہور 1944ء

☆ دی نیو ورلڈ آرڈر لاہور 1944ء

☆ المصلح الموعود لاہور 1944

☆ اسلامائزیشن آف یورپ اینڈ امریکہ' لاہور 1944ء

☆ اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ 1947ء

☆ جماعت قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ 1949ء

☆ احمدیہ موومنٹ سیریز 1 تا 4' محمد علی کی کتابوں کی انگلش ٹرانسلیشن' تحریک احمدیت 1933ء شیخ محمد طفیل لاہور

☆ حضرت مرزا غلام احمد' ہز لائف اینڈ مشن لاہور 1967ء کلیمز آف دی فاؤنڈرز آف دی احمدیہ موومنٹ 1971ء

☆ کلیمز آف دی فاؤنڈرز آف احمدیہ موومنٹ 1972ء

☆ دی ٹرو کانسپشن آف احمدیہ موومنٹ 1972ء

☆ احمدیت ان پریکٹس 1972ء

☆ اسماعیل محمد خواجہ' المسیح النبی لندن' منتخب جرائد و رسالے شائع کردہ جماعت السابقون جہلم' منڈی بہاؤ الدین' پنجاب الیکٹرک پریس گجرات' الہلال (1'2'3) 29 مئی تا 2 جون 1961ء

☆ انکشاف 12 جون 1961ء

☆ البحرین 13 جولائی 1961ء

☆ العرفان 12 ستمبر 1961ء

☆ شاہد شاہدون 12 دسمبر 1961ء

☆ القیامہ 22 مارچ 1962ء

☆ ام الکتاب 7 اپریل 1962ء

☆ الدجان یکم اگست 1962ء

☆ اسم واصوات اسماء 6 اگست 1962ء

☆ حق الیقین 6 ستمبر 1962ء

☆ اسیرون کا دست گار آگیا‘ 8 مئی 1964ء

☆ ابن آدم کی قدرت اور جلال سے نزول 29 جون 1964ء

☆ کلمۃ النبی یکم جنوری 1965ء

☆ خواجہ اسماعیل کی نبوت کے خلاف اہم شہادت

☆ ناظر اصلاح وارشاد ربوہ جون 1961ء

☆ انذار اور عذاب 23 اکتوبر 1968ء

☆ قومی بربادی کا شروع 19 نومبر 1969ء

☆ ایک اور مفتری کی سزا کا فیصلہ 17 جون 1970ء

☆ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض 11 ستمبر 1962

☆ الفرقان 12 اکتوبر 1962ء

☆ تاویل الحدیث 12 اکتوبر 1962ء

☆ ناظر امور خارجہ کے خط کا جواب‘ 13 نومبر 1961ء

☆ الحکم 22 نومبر 1962ء

☆ جماعت احمدیہ ربوہ کی تبلیغ کا راز 1962ء

☆ زمین نے بھی میری گواہی دی‘ 24 جولائی 1963ء

☆ پانچواں گواہ‘ 17 اگست 1963ء

- معیار صحافت 25 اگست 1963ء
- اہل بیعت حصہ دوم 28 جنوری 1964ء
- المیزان 28 مارچ 1964ء
- تعلق باللہ 28 اپریل 1964ء
- جماعت احمدیہ راولپنڈی موجودہ حالات اور بعض خدائی نوشتے' 1965ء
- اچیومنٹس آف احمدیہ مشن ابراڈ' راولپنڈی 1966ء
- کمال الدین خواجہ این اپیسل ٹو دی ٹرکس 158 فلیٹ سٹریٹ لندن' یکم فروری 1913ء
- اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب' لاہور
- صوفی ازم ان اسلام
- مجدد کامل 1930ء
- دی افیلٹی بیڈوین دی اوریجنل چرچ آف جیس کرائسٹ اینڈ اسلام
- دی سورسز آف کرسچین 1924ء
- کشمیر عزیز' کرائسٹ ان کشمیر روشنی پبلی کیشنز سری نگر 1973ء
- خان آدم امیر جماعت مردان
- ختم نبوت اور تحریک احمدیت پر تبصرہ
- لندن مشن پبلی کیشنز' دی قادیانیز اے نان مسلم مائینارٹی ان پاکستان 1975ء
- منان عبدالخواجہ کشمیر سٹوری لاہور 1970ء
- مجلس خدام احمدیہ شمائل احمد 1944ء ربوہ 1980ء
- محمد غلام شیخ' خلیفہ قادیان کے جشن کی دو جھوٹی خوشیاں' لاہور' 20 فروری 1940ء
- محمد صادق مفتی قبر مسیح' قادیان 1936ء
- محمد یعقوب خان ویسٹ آفٹر گاڈ لاہور 1949ء
- محمد یوسف قاضی النبوت فی الالہام

☆ عیسیٰ در کشمیر پشاور 1946ء

☆ ظہور احمد موعود پشاور 1955ء

☆ تاریخ احمدیہ سرحد 1957ء

☆ نبی غلام مسلم، قیام پاکستان کے لئے احمدیہ انجمن لاہور کی جدو جہد

☆ نفیس الرحمٰن صوفی، سپرٹ آف احمدیہ مومنٹ کراچی، 1957ء

☆ نسیم سیفی نور محمد، غلبہ اسلام کے متعلق پیشن گوئیاں، (سالانہ جلسہ 1970ء سے خطاب) ربوہ

☆ اشاعت اسلام زمین کے کناروں تک (سالانہ جلسہ 1982ء سے خطاب) ربوہ

☆ ان ڈیفنس آف پاکستان، ربوہ 1965ء

☆ نذیر محمد قاضی، احمدیہ تحریک پر تبصرہ، ربوہ

☆ غلبہ حق ربوہ 1977ء

☆ میاں محمد صاحب، مل اونز لائل پور کی کھلی چٹھی بنام امام جماعت احمدیہ کا جواب، ربوہ 1951ء

☆ میاں محمد صاحب کی کھلی چٹھی کے جواب کا نتیجہ 1956ء

☆ اک حرف ناصحانہ 1984ء

☆ قدرت سنوری، سیرت احمد 1915ء ربوہ

☆ رحمٰن فضل قمر چوہدری، مطالبات احمدیہ نابھا 1942ء

☆ رفیق بی اے فرام دی ورلڈ پریس لندن 1976ء

☆ صلاح الدین ملک اصحاب احمد (سیریز)

☆ تابعین احمد (سیریز)

☆ سلیم محمد اختر، سوشل بائیکاٹ اور جماعت ربوہ لاہور

☆ شاہ اکبر خان نجیب آبادی

☆ مرقاۃ الیقین فی حیات نور الدین لاہور، 1966ء

☆ شاہد دوست محمد مولوی، تاریخ احمدیت جلد (اول تا سترہ)

☆ جماعت اسلامی پر تبصرہ (سالانہ اجتماع میں تقریر) ربوہ 1957ء

☆ خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک، ربوہ 1956ء

☆ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار، ربوہ

☆ شاہ مدثر گیلانی میر ملفوظات اولیاء لاہور

☆ عقائد محمودیہ لاہور 1919ء

☆ عقائد احمدیہ متعلق نبوت محمدیہ لاہور

☆ ہندو دل و دماغ کی اصل تصویر

☆ شمس جلال الدین (احمدیہ مبلغ اسرائیل)

☆ حقیقت جہاد قادیان 1933ء

☆ گزشتہ و موجودہ جنگ کے متعلق پیش گوئیاں، لندن 1943ء

☆ ویرڈ ڈجیس ڈائڈ، لاہور، 1945ء

☆ قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ، ربوہ 1949ء

☆ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر، ربوہ 1955ء

☆ منکرین خلافت کا انجام

☆ مسیح موعود کی پیش گوئیاں، ربوہ

☆ خلافت مصلح موعود، ربوہ، 1956ء

☆ جماعت احمدیہ کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ (جلسہ سے تقریر 1963ء)

☆ صداقت حضرت مسیح موعود، ربوہ، 1967ء

☆ صادق محمد امرتسری، روح پرور یادیں لاہور 1981ء

☆ سرور شاہ سید، کشف الاختلاف

☆ شکر اللہ خان چوہدری، منصور، تحریک احمدیت اور غلام احمد پرویز لاہور، 1976ء

☆ تحریک جدید، ربوہ

☆ افریقہ میں تبلیغ اسلام 1961ء

☆ بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی مساعی 1974ء ربوہ

☆ افریقہ سپیکس، ربوہ 1973ء

☆ ویگلئیر ویگلئیر ے دی لاؤرا

☆ این انٹرپریٹیشن آف اسلام

☆ دی افریقن فضل ماسک 1957ء

☆ ولی اللہ زین العابدین سید

☆ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشن گوئی پر ایک نظر قادیان 1937ء

☆ اچھوت بھائیوں کے نام پیغام، قادیان 1936ء

☆ ہماری ہجرت اور پاکستان لاہور، 1949ء

☆ حیات آخرت، ربوہ، 1952ء

☆ ظفر اللہ خان چوہدری، دی ریٹیئنس آف اسلام لندن 1978ء

☆ ڈیلورنس فرام دی کراس، لندن 1979ء

☆ دی اینس آف اسلام، لندن 1979ء

☆ دی ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ لندن 1944ء

☆ اسلام، نیویارک، 1962ء

☆ امید کا پیغام (احمدیوں سے خطاب، 17 فروری 1966ء)

☆ تحدیث نعمت، لاہور 1971ء

☆ دی ایگنی آف پاکستان، لندن 1974ء

☆ پنشمنٹ آف آپاسٹیین ان اسلام، لندن

☆ میرا دین، روزنامہ لاہور، لاہور 12 فروری 1975ء

☆ تذکرہ (انگلش)

☆ دی سرونٹ آف گاڈ، لندن 1983ء

B غیر احمدی کتب

☆ عبداللہ محمد شیخ، آتش چنار، لاہور، 1987ء

☆ عبدالغنی پٹیالوی، اسلام اور قادیانیت، ایم ٹی کے این ملتان، 1978ء

☆ عبدالحلیم الیاس، آئینہ قادیانیت، حیدر آباد (دکن) 1963ء

☆ عبدالحکیم پٹیالوی، ڈاکٹر، الذکر الحکیم، نمبر 1 تا 6 پٹیالہ 1906-07ء

☆ عبدالکریم، آغا شورش کاشمیری

عطا اللہ شاہ بخاری، لاہور

بوئے گل نالہ دل، دود چراغ محفل لاہور

موت سے واپسی، لاہور

پس دیوار زندان، لاہور

اقبال اور قادیانیت لاہور

مرزائیل، لاہور

عجمی اسرائیل لاہور

تحریک ختم نبوت لاہور

☆ عبداللہ ملک، پنجاب کی سیاسی تحریکیں، لاہور 1976ء

سپیچز اینڈ سٹیٹ مینٹس آف میاں افتخار الدین، لاہور 1971ء (ایڈیشن)

☆ عبداللہ معمار، محمدیہ پاکٹ بک، لاہور

☆ ابوالحسن ندوی، قادیانیت کراچی

☆ ابوذر بخاری، احرار اور سرکار کی خط و کتابت ملتان، 1968ء

☆ ایڈلر' سی جے' برٹش انڈیاز ناردرن فرنٹیئر (1986-95) لندن 1963ء

☆ ایبٹ فری لینڈ' اسلام اینڈ پاکستان' کارنیل یونیورسٹی' یو ایس اے 1968ء

☆ آدم ایم ٹریوز' سیو مسلم افریقہ فرام دی کلچر آف دی قادیانیز' اپاسٹسی' الجہاد انٹرنیشنل اسلامک موومنٹ' گھانا

☆ افضل امیر خان' میجر ریٹائرڈ' تاشقند کے اصل راز اور قادیانی سازشیں' شاداب پریس' راولپنڈی 1985ء

☆ احمد عزیز' اسلامک ماڈرن ازم ان انڈیا اینڈ پاکستان' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس' 1967ء

☆ احمد قمر الدین' دی وہابی موومنٹ ان انڈیا کلکتہ 1966ء

☆ احمد فرید مولوی' دی سن بیہا تمنڈ کلاؤڈز' ڈھاکہ 1968ء

☆ احمد فضل قاضی' کلمہ فضل رحمانی بر جواب اوہام قادیانی' لاہور' 1893ء

☆ احمد حسین مدنی' مولانا' نقش حیات' دیوبند 1954ء

☆ احمد خورشید' این انیلیسز آف دی منیر رپورٹ جماعت اسلامی پبلی کیشنز' کراچی 1956ء

☆ احمد خورشید اینڈ ظفر اسحاق انصاری (ایڈیٹر) اسلامک پرسپیکٹو' سٹڈیز ان آنر آف سید ابوالعلیٰ مودودی' اسلام آباد 1979ء

☆ احمد لطیف' شیروانی' سپیچز' رائٹنگز اینڈ سٹیٹ منٹس آف اقبال' لاہور' 1977ء

☆ احمد منظور چنیوٹی' مولانا

☆ القادیانی ومعتقدات' چنیوٹ 1971ء

☆ دی ڈبل ڈیلر چنیوٹ 1981ء

☆ احمد محمد خان' اقبال کا سیاسی کارنامہ' اقبال اکیڈمی' 1977ء

☆ احمد ممتاز' مسئلہ کشمیر لاہور' 1970

☆ احمد مرتضیٰ مے کش' مرزائی نامہ' لاہور' 1938ء محاسبہ لاہور' 1955ء

☆ احمد نور سید' مارشل لاء سے مارشل لاء تک' لاہور 1960ء (فرام مارشل لاء ٹو

مارشل لاء، کریگ بیکسٹر (مدیر) وین گارڈ لاہور 1955ء)

- ☆ احمد رئیس جعفری، حیدر آباد جو کبھی تھا، لاہور 1950ء
- ☆ احمد شبیر عثمانی، مولانا الشہاب ایم ٹی این لاہور، 1958ء
- ☆ احمد وحید ڈاکٹر (مدیر) ڈائری اینڈ نوٹس آف میاں فضل حسین، لاہور، لیٹرز آف میاں فضل حسین، لاہور
- ☆ احسن مناظر گیلانی سید، النبی الخاتم، لاہور
- ☆ ابوالاعلیٰ مودودی سید، دی قادیانی پرابلم، اسلامک پبلی کیشن، لاہور 1979ء
- ☆ سیکنڈ سٹیٹمنٹ ان دی کورٹ آف انکوائری، لاہور 1954ء
- ☆ محمد عاصی امرتسری، اکادیہ والغادیہ امرتسر 1957ء
- ☆ اختر، جمناداس، پاک اسپائیچ ان انڈیا، دہلی 1971ء
- ☆ دی سیج آف بنگلہ دیش، دہلی 1971
- ☆ اختر کلیم، شیر کشمیر لاہور
- ☆ علی انور سید، دی سبیل آف پرافٹیڈ کراچی، 1979ء
- ☆ علی چراغ مولوی، اے کریٹیکل ایکسپوزیشن آف پاپولر جہاد، کلکتہ 1885ء
- ☆ علی اقبال، سردار شاہ، افغانستان اینڈ افغانز، دوبارہ اشاعت گوشہ ادب، کوئٹہ 1978ء
- ☆ علی نائق میر، ٹریجڈی آف حیدر آباد، کراچی، 1962ء
- ☆ علی مہر شاہ پیر سید، سیف چشتیائی، راولپنڈی 1976ء
- ☆ علی حائری علامہ، مسیح موعود، گیلانی پریس لاہور 1926ء
- ☆ علی شمشیر راد، برطانوی، مجھر، انٹرنیشنل اسلامک مشن، یو کے، 1971ء
- ☆ علی طارق، پاکستان ملٹری رول آر پیپلز پاورز، لندن 1970ء
- ☆ انتو نیس جارج، دی عرب اویکنگ، لندن 1961ء
- ☆ انوار محمد شاہ سید کشمیری، علامہ، خاتم النبیین ایم ٹی کے ٹی، ملتان

☆ عقیدت الاسلام کراچی

☆ انوار سید، پاکستان اسلام اینڈ پالیٹکس اینڈ نیشنل سولیڈیریٹی، لاہور 1984ء

☆ علی مظہر اظہر مولانا، مسٹر جناح اور تحریک مسجد شہید جنگ، لاہور 1945ء

☆ ہمارے فرقہ ورانہ مسئلے کا استدراج، مکتبہ احرار لاہور، 1946ء

☆ ستیارتھ پرکاش اور مرزا غلام احمد، لاہور

☆ اصغر محمد خان، دی پاکستان ایکسپرینس سٹیٹ اینڈ ریلیجن، وین گارڈ، لاہور 1985ء

☆ اصغر خان، ایئر مارشل ریٹائرڈ، دی فرسٹ راؤنڈ لندن 1975ء

☆ آرا جہان، شاہنواز، فادر اینڈ ڈاٹر، لاہور 1971ء

☆ ارسطو، کیا حضرت مسیح کی قبر سرینگر میں ہے، بخاری اکیڈمی، لاہور، 1975ء

☆ آرمسٹرانگ ایچ سی گرے وولف، دوبارہ اشاعت گوشہ ادب کوئٹہ 1978ء

☆ اشرف آغا، وسطی ایشیاء کی سیاحت، کراچی 1960ء

☆ عزیز کے کے دی انڈین مسلم کانفرنس (1935ء تا 1988) کراچی 1972ء

☆ ایوب محمد، علامہ، دی فائنیلیٹی آف پرافیٹیڈ، مکتبہ رازی، کراچی

☆ عارف کے (مدیر) پاکستانز فارن پالیسی (انڈین پرسپیکٹو) لاہور، 1984ء

☆ عطاء اشرف، کچھ شکستہ داستانیں کچھ پریشان تذکرے، لاہور، 1966ء

☆ عتیق اللہ شاہ، مفتی اعظم پونچھ، آزاد کشمیر میں مرزائیوں کے ہتھکنڈے، سپلیمنٹ صادق، آزاد کشمیر 5 جنوری 1951ء

☆ عسکری حسن رضوی، دی ملٹری اینڈ پالیٹکس ان پاکستان، کراچی 1976ء

☆ اعوان ظفر، آزاد کشمیر کا بحران، راولپنڈی 1973ء

☆ بلوگن اسماعیل، اے بی ڈاکٹر، اسلام ورسز احمدیہ ان نائیجیریا، لاہور

☆ بیگ عزیز، جناح اینڈ ہز ٹائمز، اسلام آباد، 1986ء

☆ بھگوان جوش، کمیونسٹ مومنٹ ان پنجاب (1926-47ء) بک ٹریڈرز، لاہور

☆ بائنڈر لیونارڈ، ریلیجن اینڈ پالیٹکس ان پاکستان یو ایس اے 1963ء

☆ کالرڈ کیتھ، پاکستان، اے پولیٹیکل سٹڈی، لندن 1957ء

☆ بھالال، این ڈبلیو ایف پی ایڈمنسٹریشن انڈر برٹش رول (1901-1919ء) اسلام آباد 1978ء

☆ عبدالبہا - دی اہپی سوڈ آف باب

☆ بہادر کلیم، دی جماعت اسلامی پاکستان، لاہور 1983ء

☆ بہادر لعل، دی مسلم لیگ بک ٹریڈرز، لاہور 1979ء

☆ بھواانوشدٹ سوامی نندجی، کلیات سنیاسی (رائٹنگو آف سوامی شاردانند، دہلی، 1928ء)

☆ بلیلی جان، گاڈز ایور گر آر انگلینڈز پریذیڈنٹ ڈیوٹی ان انڈیا ودھ اے گلانس ایٹ دی فیوچر، لندن 1857ء

☆ بزاز پریم ناتھ، اے ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم ان کشمیر، اسلام آباد 1976ء (دوبارہ اشاعت)

☆ برق ڈاکٹر غلام جیلانی، حرف محرمانہ، لاہور

☆ برڈورڈ لارڈ، کانٹینٹ ڈیسپائیڈز، لندن 1953ء، ٹو نیشنز اینڈ کشمیر، لندن

☆ براؤن نارمن، ڈبلیو دی یو ایس اینڈ انڈیا اینڈ پاکستان ہارورڈ یونیورسٹی پریس یو ایس اے 1963ء مین سپرنگز آف انڈیا اینڈ پاکستان فارن پالیسیز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1975ء

☆ کرے جی اینڈ ایچ ایس سکاٹ این آؤٹ لائن ہسٹری آف گریٹ وار، لندن 1929ء

☆ کیرو اولف، دی پٹھانز، لندن 1958ء

☆ کیروی ویلنٹائن، انڈین ان ریسٹ، لندن 1910ء

☆ کوپر، فریڈرک ہنری، دی کرائسس ان دی پنجاب فراہم دی ٹینتھ مئی، انٹل دی فال آف دہلی لندن 1858ء

☆ کاٹن، ایچ جے ایس نیو انڈیا لندن 1886ء

☆ ڈگبی ولیم، کانڈیمنڈ ان ہرڈ، لندن 1890ء

☆ دونوف مشیلا ایم سی، محمد علی جناح، یو ایس اے 1970ء

☆ آئی وٹنس این دی کروسفیکیشن (اے لیٹر رٹن سیون ایئرز آفٹر دی کروسفیکیشن بائی اے پرسنل فرینڈ آف جیس ان یروشلم ٹو این اے سین برادران الیگزینڈریا، سپلیمنٹل ہارمونک سیریز، جلد دوم، سیکنڈ ایڈیشن، انڈو امریکن بک کمپنی، شکاگو یو ایس اے 1907، دی پروڈیوسڈ بادی نفیس پرنٹرز، لاہور 1977ء

☆ فرح خہار، جے این، ماڈرن ریلیجس موومنٹس ان انڈیا

☆ فرزند توحید، حکومت مغربی پاکستان کے پانچ سوال اور ان کا جواب، کراچی 1967ء

☆ فیلڈ مین ہربرٹ، دی اینڈ اینڈ دی بگننگ لندن 1973ء

☆ ریولوشن ان پاکستان، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1967ء

☆ فشر ہمفری، احمدیہ، اے سٹڈی ان کانٹیمپوریری اسلام آن دی ویسٹ افریقہ کوسو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1963ء

☆ گینکو ویکی، وائے یو اینڈ پولن سکیپر

☆ اے ہسٹری آف پاکستان 58-1948ء لاہور

☆ گردیزی حسن اور جمیل راشد، (مدیر) پاکستان دی ان سٹیبل سٹیٹ لاہور، 1983ء

☆ گارڈنر برین، دی ایسٹ انڈیا کمپنی، لندن 1971ء

☆ گیرٹ رچرڈ، جنرل گورڈن، لندن 1974ء

☆ گلسینان مائیکل، ریکگنائزنگ اسلام، لندن

☆ گولڈ، آر ایف ہسٹری آف فری میسز، لندن

☆ گریزی سولومن، اے ہسٹری آف دی جیوز، فیلاڈلفیا، یو ایس اے 1969ء

☆ گرفن لیپل سر اور میسے سی ایس، دی پنجاب چیفس، دو جلد، لاہور 1890ء

☆ جی ڈبلیو چوہدری، انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش اینڈ میجر پاورز، لندن (دی لاسٹ ڈیز آف یونائیٹڈ پاکستان، لندن 1974ء)

☆ حبیب محمد سید، مدیر سیاست، لاہور، تحریک قادیان (آرٹیکلز پبلشو ان سیاست لاہور، اپریل تا اگست 1933ء) لاہور، 1933ء

☆ حداوی سمیع، بٹر ہار ویسٹ، پیلسٹائین بیٹوین 1914-79، یو ایس اے 1979ء

☆ ہیک اے اگمن، دی جرنلز، میجر جنرل سی جی گارڈن، لندن 1885ء

☆ حمید عبدل، ہسٹری آف مسلم سیپرٹزم (1858-1947ء) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1967ء

☆ حمید کے اے غازی مصطفیٰ کمال، لاہور 1939ء

☆ حق افضل، چوہدری، تاریخ احرار، مجلس احرار اسلام، ملتان 1968ء

☆ ختم نبوت، اے کی ٹو ہیومن پیس اینڈ یونٹی، ایم ٹی کے این، 1973ء

☆ عبدالحق مولانا شیخ الحدیث، قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ، اکوڑہ خٹک 1978ء

☆ حق انعام اللہ، ڈاکٹر، پاکستان موومنٹ ان بلوچستان، اسلام آباد

☆ ہارڈی، پی، دی مسلمز آف برٹش انڈیا، کیمبرج یونیورسٹی پریس 1972ء

☆ حسن مسعود الٰ، پروفیسر، لائف آف اقبال، جلد اول اور دوم، لاہور 1978ء

☆ حسن سرور کے، پاکستان اینڈ دی یو این، این وائی 1960ء

☆ حسن شاہ پیرزادہ، تاریخ حسن، کوہ نور پریس سری نگر 1965ء

☆ حشمت اللہ لکھنوی، مولوی، تاریخ جموں، لاہور 1960ء

☆ حسن معصومہ (مدیر) پاکستان ان دی چینجنگ ورلڈ کراچی 1978ء

☆ ہٹی پی کے ہسٹری آف سیریا

☆ ہولٹ پی ایم دی مہدسٹ سٹیٹ ان سوڈان (1881-1889ء) آکسفورڈ، 1958ء

☆ ہوڈسن ایچ وی دی گریٹ ڈیوائیڈ، لندن 1969ء

☆ ہنٹر ڈبلیو ڈبلیو سر دی انڈین مسلمانز، کلکتہ 1945ء (دوبارہ اشاعت)

☆ حسین عاشق بٹالوی، اقبال کے آخری دو سال، اقبال اکیڈمی لاہور، 1978ء

☆ ہماری قومی جدوجہد (جنوری 1940 تا دسمبر 1942ء) لاہور، 1973ء (تیسری اشاعت)

☆ حسین عظیم، فضل حسین، بمبئی 1946ء

☆ حسین محمد بٹالوی، مولانا، ٹریٹائز آن جہاد، وکٹوریہ پریس لاہور، 1887ء

☆ حسین دلدار، حکیم نقوی، شمع ہدایت، راولپنڈی 1965ء

☆ حسین مظہر حکیم قریشی، چودھویں صدی کا مسیح، امرتسر 1902ء

☆ حسین اشتیاق قریشی ڈاکٹر علماء ان پالیٹکس کراچی، 1974ء (دوسری اشاعت)

☆ دی سٹرگل فار پاکستان، کراچی 1965ء

☆ حسین نذیر چوہدری (مدیر) چیف جسٹس محمد منیر، لاہور، 1973ء

☆ حسین ریاض، دی پالیٹکس آف اقبال لاہور، 1977ء

☆ حسین شبیر سید، دی لینتھنگ شیڈوز، راولپنڈی 1968ء

☆ دی ڈیتھ ڈانس، اسلام آباد، 1980ء

☆ ادریس محمد قندھالوی، مولانا مسئلہ ختم نبوت ایم ٹی کے این، ملتان

☆ اقبال محمد، ڈاکٹر، دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام، لاہور، 1944ء

☆ الٰہی احسان ظہیر، مولانا، مرزائیت اور اسلام، لاہور 1972ء

☆ قادیانیت، لاہور، 1982ء (بیسویں اشاعت 1983ء)

☆ الیاس محمد برنی پروفیسر، قادیانی مذہب لاہور، 1968ء

قادیانی قول اور فعل، لاہور، 1968ء

☆ انعام اللہ خان، مولانا، کمال اتاترک لاہور

☆ اکرام، ایس ایم، ماڈرن مسلم انڈیا اینڈ دی برتھ آف پاکستان، لاہور 1977ء
آب کوثر، لاہور 1952ء
موج کوثر، کراچی 1958ء
رود کوثر، کراچی
☆ اسلامک مشن، سنت نگر لاہور
حقیقت قادیانیت
ڈائی منشنز آف قادیانزم
☆ حسین حلمی
☆ اکوانو پوری، کا، شسس زا ایوزم، ماسکو
☆ عنایت اللہ چشتی، مشاہدات قادیان، ملتان 1987ء
☆ اندر سنگھ راج، سردار، ضبط قادیانی کا علاج، جواب حت، بچن، گرو گوبند سنگھ پریس امرتسر 1897ء
☆ اسماعیل، مرزا، سر، مائی پبلک لائف
☆ جعفر محمد ملک، احمدیہ تحریک، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور 1966ء
☆ جعفر محمد منشی تھانیسری، تائید آسمانی بر نشان آسمانی، اختر ہند پریس، امرتسر 1898ء
☆ جمیلہ مریم، ہواز مودودڈ لاہور 1973ء
☆ جاوید شاہد برکی، سٹیٹ اینڈ سوسائٹی ان پاکستان لندن 1980ء
☆ جولیس رچرڈ، اے ہسٹری آف مشنز ان انڈیا، نیو یارک 1980ء
☆ جون الان کیمبل، مشن ودھ ماؤنٹ بیٹن، لندن 1953ء
☆ کارندیکار ایماے ڈاکٹر، اسلام ان انڈیاز ٹرانزیشن ٹو ماڈرنٹی
☆ کرم محمد شاہ پیر، فتنہ انکار ختم نبوت، لاہور 1984ء
کوشک دیوندرا، سنٹرل ایشیا، ان ماڈرن ٹائمز ماسکو 1970ء

☆ کیدوری ایلی، افغان اینڈ عبدہ یو ایس اے 1966ء

☆ دکیر جیمز سی، پولیٹیکل ٹربلز ان انڈیا، سپرنٹنڈنٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ کلکتہ، 1917ء

☆ خلیق الزمان، چوہدری، پاتھ وے ٹو پاکستان، لاہور 1961ء

☆ خان اکبر میجر جنرل (ریٹائرڈ) ریڈرز ان کشمیر کراچی 1970ء

☆ خان حسن ایم مقدس کفن، ربوہ 1978ء

☆ کندر کلاز، برٹس کلونیل عقید ویز (1850-1570ء) لندن 1965ء

☆ کنگ نوبل، کیو، کرسچین اینڈ مسلم ان افریقہ، لندن 1970ء

☆ نائٹلی پی ایچ ڈی بیج بروس، فلمی، دی سپائی ہو بیسٹر یڈ اے جنریشن، لندن 1980ء

☆ کاربنل جوزف، ڈینجر ان کشمیر، پرنسٹن، یو ایس اے 1966ء

☆ لعل جواہر پنڈت، سلیکٹڈ ورکس جلد ششم اور ہفتم، لندن 1975ء

☆ اے بنچ آف اولڈ لیٹرز رٹن موسٹلی ٹو جے ایل نہرو، لندن 1958ء

☆ لیمبٹن اے این کے ایس اور ہولٹ پی ایم (مدیر) دی کیمبرج ہسٹری آف اسلام جلد 1 تا 3 لندن 1970ء

☆ لنڈاؤ جیکب ایم ای عرب ان اسرائیل اے پولیٹیکل سٹڈی، لندن 1964ء

☆ لطیف ایس ایم ہسٹری آف دی پنجاب لاہور، 1891ء (دوبارہ اشاعت)

لطیف خالد گابا، فرینڈز اینڈ فوز، پیپلز پبلیشنگ ہاؤس لاہور

☆ لیوان سپینسر دی احمدیہ موومنٹ نیو دہلی 1974ء

☆ لکھن پال پی، اسپیشل ڈاکومینٹس اینڈ نوٹس آن کشمیر ڈسپیوٹس، دہلی 1961ء

☆ لانگ ڈیوڈ مارشل، ڈاکٹر دی وزڈم آف بلاسورا اے کرسچین لیجنڈ آف دی بدھا، نیویارک 1957ء

☆ لیپری ڈومینیک اور کولنز لیری، ماؤنٹ بیٹن اینڈ دی پارٹیشن آف انڈیا، جلد اوّل-22 مارچ تا 15 اگست 1947ء پیپلز پبلشنگ ہاؤس، سری لنکا 1982ء

اویروشلم

فریڈم ایٹ مڈنائٹ' سری لنکا' 1982ء

☆ لارنس ٹی ڈبلیو (آف عریبیا)' سیون پلرز آف وزڈم' لندن 1973ء

☆ لنکن' لیگ' بینٹ' ہولی بلڈ' ہولی گریل' نیویارک یو ایس اے' 1982ء

☆ میکڈونلڈ کے ایس دی سٹوری آف بر لام اینڈ جوئفت' تھیکر' سپنک' کلکتہ 1895ء

☆ مرتضی شاہد' مطاہری' ختم نبوت' اسلام آباد 1979ء

☆ مجلس تحفظ ختم نبوت' پاکستان

القادیان والقادیانیہ (عربیک)

قادیانزم این اینالیٹیکل ویو

قادیانی مذہب اور سیاست' 1970ء (اے میمورنڈم فار ممبرز آف نیشنل اسمبلی آف پاکستان 1969ء

آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد پر مرزائیوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا مسکت جواب 1973ء

مولانا اسلم قریشی کیس 1982ء

☆ مین کیکرڈی آر ایکسپیشن ٹو ایکسٹنشن وقاص پبلشنگ ہاؤس دہلی 1974ء

☆ مینز فیلڈ پیٹر' دی عربز

☆ مارٹن اے فرینک انڈر دی ابسولوٹ آمر لندن 1907ء

☆ مارشل وِنڈملر اور سٹر یٹ ڈی کیمونزم ان انڈیا' بمبئی 1960ء

☆ ماتھر وائی بی' گروتھ آف مسلم پالیٹکس ان انڈیا' لاہور

☆ مجمدار آر سی ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ' بک ٹریڈرز لاہور

☆ ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ' بک ٹریڈرز لاہور 1979ء

☆ جے ایل ایس دی ایولوشن آف انڈر مسلم تھاٹ آفٹر 1857ء لاہور 1970ء

☆ مصباح الدین، خاتم النبیین، راولپنڈی 1976ء (تیسری اشاعت)

☆ موہن لعل، ٹریولز ان دی پنجاب اینڈ افغانستان اینڈ ترکستان ٹو بلخ، بخارا اینڈ ہیرات اینڈ اے وزٹ ٹو گریٹ بریٹن، جرمنی، پہلی اشاعت 1846ء دوبارہ اشاعت البیرونی، لاہور 1979ء

☆ لائف آف امیر دوست محمد خان آف کابل، جلد اول تا دوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1978ء

☆ مون پینڈریل (مدیر) واویل، سی وائسرائز جرنل، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1974ء
ڈیوائیڈ اینڈ کوائٹ، لندن 1961ء

☆ موزلے ایل دی لاسٹ ڈیز آف برٹس راج لندن، 1962ء

☆ موتمر المصنفین، اکوڑہ خٹک، قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف (انگریزی ترجمہ قادیانزم آن ٹرائل محمد ولی رازی)

☆ مدثرہ ابو، قادیان سے اسرائیل تک، لاہور 1979ء

☆ مجیب، ایم دی انڈین مسلمز، لندن 1967ء

☆ منیر احمد منیر، سیاسی اتار چڑھاؤ، آتش فشاں پبلیشرز لاہور، 1985ء

☆ منیر محمد، جسٹس، فراہم جناح ٹو ضیاء، لاہور، 1980ء

☆ منیر محمد، القادر، القادیانیہ، دمشق

☆ محمد رفیق دلاوری، رئیس قادیان، ایم ٹی کے این ملتان، 1977ء

☆ محمد شاہ سعادت، تحقیق یوز آصف، سری نگر۔

☆ محمد ولی رازی، قادیان آن ٹرائل، کراچی

☆ محمد اعظم خواجہ، تاریخ اعظمی، لاہور

☆ محمد حمزہ فاروقی، سفر نامہ اقبال، کراچی

☆ موسیٰ محمد، جنرل (ریٹائرڈ) مائی ورشن، انڈو پاکستان وار، 1965ء لاہور

☆ مقیم فضل خان، پاکستان کرائسس ان لیڈر شپ
☆ ملک حفیظ، مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان، پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور، 1980ء
☆ ناصر کے ایل ریو، حقیقت مرزا، گوجرانوالہ، 1963ء
☆ نبی غلام، جانباز مرزا، کاروان احرار جلد اول تا ہشتم، لاہور
☆ نیشنل ڈاکومینٹیشن سنٹر، لاہور، پارٹیشن آف دی پنجاب جلد اول تا سوئم، لاہور 1984ء
☆ نیوویل ایس رچرڈ، دی پالیٹکس آف افغانستان لندن 1972ء
☆ نجار، بی این، پنجاب انڈر دی برٹش رول (1849 تا 1947ء) بک ٹریڈرز، لاہور
☆ نوکووخ این وی انکوموہے
☆ جیس کرائسٹ، پیرس 1894ء
☆ اوڈائیر مائیکل سر، انڈیا ایز آئی نیو اٹ، لندن 1925ء
☆ اوسٹر بائی پر، دی چرچ ان اسرائیل، سٹوڈیا مشنیا ابسا ایمسیا، 1970-15
☆ پاکستان پبلی کیشن اسلام آباد، قادیانیز تھریٹ ٹو اسلامک سولیڈیرٹی 1984ء
☆ فلپس سی ایچ اور میری ڈی وین رائٹ دی پارٹیشن آف انڈیا، پالیسیز اینڈ پرسپیکٹو
لندن، 1970ء
☆ پورٹ رابرٹ لا، جے آر پاور اینڈ پریویلج، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا یو ایس اے 1975ء
☆ پارکیز جے ڈبلیو، ہسٹری آف پیلسٹائین فرام 135-AD ٹو ماڈرن ٹائمز، لندن 1949ء
☆ نوٹنکس، ہز ہولی نیس، لاہور 1935ء (دوبارہ اشاعت 1958ء)
☆ پولاڈا، لیون بی، ری فارم اینڈ دی بیلین ان افغانستان (1919-1929ء)
کارنیل یونیورسٹی پریس یو ایس اے 1973ء
☆ قادری منیر ال، القادیانیہ دمشق
☆ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیف اقبال، اقبال اکیڈمی، لاہور، 1982ء
☆ رینہ اشوکا، انسائیڈ وا، دی سٹوری آف انڈین سیکرٹ سروس، دہلی

☆ رفیق محمد دلاوری، رئیس قادیان، اتحاد پریس لاہور، 1938ء

☆ آئمہ تلبیس، گیلانی الیکٹرک پریس لاہور، 1937ء

☆ راہورام، دی پالیٹکس آف سینٹرل ایشیا لندن 1974ء

☆ رام لیکھ پشاوری، الطال بشارت احمدیہ، جالندھر 1888ء

☆ ریے سی ایم، دی بہائی موومنٹ

☆ رضا احمد خان بریلوی، قادیانی مرتد پر خدائی تارا، لاہور، 1984ء

☆ رچرڈز سائمنڈز، دی میکنگ آف پاکستان، لندن 1950ء

☆ رونق جہان، پاکستان، فیلیئر آف نیشنل انٹیگریشن نیویارک، 1972ء

☆ روتھ ویل، ڈی، آر برٹش وار ایمز اینڈ پیس ڈپلومیسی، لندن 1971ء

☆ سعید فاوَدی، ڈاکٹر النقرہ الافریقہ بین التکالیف الاستعمار والوجہ التحریری، جلد 4
کرامتہ مطلوعہ

☆ سالک صدیق، وٹنس تو سرنڈر، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1978ء

☆ صراف، یوسف ایم، کشمیریز فائٹ فار فریڈم جلد اول اور دوئم، لاہور 1977ء

☆ سید خالد بی پالیٹکس ان پاکستان یو ایس اے 1980ء

☆ سنیئر ایچ ڈبلیو جے سینئر آر دی انگلش اسرائیلیکس لکھنو 1883ء

☆ سیل انیل، دی ایمرجنسی آف انڈین نیشنلزم، کیمبرج یونیورسٹی پریس 1971ء

☆ شفیع محمد، جوش میرپوری، قادیانی امت، مجلس اخوت اسلامیہ پاکستان، لاہور، 1973ء

☆ شفیق حسین مرزا، کشمیری مسلمان کی سیاسی جدوجہد، منتخب، دستاویزات
(1931-39ء) اسلام آباد

☆ شریف الدین پیرزادہ، سید، فاؤنڈیشنز آف پاکستان، آل انڈیا مسلم لیگ
ڈاکومینٹس 1906 تا 1947ء جلد اول، دوئم، کراچی 1970ء

☆ شبیکہ ایم، برٹش پالیسی ان دی سوڈان، لندن 1952ء

- شیریں طاہر خیلی، دی یو ایس اینڈ پاکستان، نیو یارک 1982ء
- سمپس کالن اینڈ ناٹکلی فلپ دی سیکرٹ لائیوز آف لارنس آف عریبیہ، لندن 1971ء
- سنگھل امودار، پی، پاکستان، لندن
- سنگھ بھگوان، پولیٹیکل کونسپریسیز آف کشمیر، لکھنؤ 1973ء
- سکرائین، ایف ایچ لائف آف ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لندن 1901ء
- سمتھ ولفرید کینٹویل، اسلام ان ماڈرن ہسٹری، لندن 1946ء
- سپیٹ او ایچ کے انڈیا اینڈ پاکستان، لندن 1954ء
- سپنسر لیوس ڈاکٹر، دی مسٹیکل لائف آف جیس، امریکن روسیکرشن سیریز، سپریم گرینڈ لاج، کیلیفورنیا، یو ایس اے، 1957ء، بارہویں اشاعت دی سیکرٹ ڈوکٹرینز آف جیس، سپریم گرینڈ لاج آف ایمورو، کیلی فورنیا یو ایس اے 1954ء (چھٹا ایڈیشن)
- ماڈرن موومنٹ ایمنگ مسلمز
- سپئیر پرسیوال، دی آکسفورڈ ہسٹری آف ماڈرن انڈیا، 1978ء
- سٹیونز، جے سی، پیلسٹائین ان پروفیسی، کیلیفورنیا، یو ایس اے 1944ء
- سوارپ سنگھ سادھو، دی سکھس ڈیمانڈ ویئر ہوم لینڈ، لاہور، 1946ء
- سائیکس کرسٹوفر، کراس روڈ ٹو اسرائیل لندن 1967ء
- سٹریچی لائٹن، ایمینٹ وکٹرینز، لندن 1974ء
- تاج الدین ماسٹر انصاری، تحریر کشمیر اور انصار ایم ٹی کے این ملتان
- تاج محمود، مولانا، قادیان کے عقائد و عزائم، فیصل آباد 1982ء
- تاثیر سلیمان، بھٹو، اے پولیٹیکل بائیوگرافی، لندن 1979ء
- زرائن جان، دی لائف اینڈ ٹائمز آف لارڈ ماؤنٹ بیٹن لندن
- دی آغا خان، ایچ ایچ، میمائرز، لندن 1954ء

☆ ٹنکر ہگ‘ انڈیا اینڈ پاکستان‘ پولیٹیکل اینیلسیز‘ لاہور 1965ء

☆ ٹیکس مرے بے اسلام ان انڈیا اینڈ پاکستان کلکتہ 1930ء

☆ ری ریلیچس کوئسٹ آف انڈین اسلام‘ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1930ء

☆ ٹوسی ایم ایس دی مسلم لیگ اینڈ دی پاکستان موومنٹ‘ کراچی 1978ء

☆ ٹریواسکیز کینیڈی ہگ‘ دی پنجاب ٹوڈے‘ جلد اول اور دوئم‘ لاہور‘ 1931ء

☆ وین گارڈ بک لمیٹڈ لاہور‘ دی بنگلہ دیش پیپرز لاہر‘ 1976ء

☆ واوڈا ایس محمد‘ قادیانی موومنٹ اے کریٹیکل سٹڈی‘ ایم ٹی کے این پاکستان 1979ء

☆ والٹر ایچ اے دی احمدیہ موومنٹ‘ کلکتہ 1918ء

☆ وانز فلپ‘ آشر لیک‘ دی لونلی سولجر‘ لندن 1981ء

☆ ولسن‘ ایس جی ماڈرن موومنٹس ایمنگ مسلمز نیویارک 1916ء

☆ ونگیٹ رونالڈ سر لارڈ از مے لندن 1970ء

☆ وولف جوزف‘ اے مشن ٹو بخارا‘ لندن 1969ء

☆ وحید اے کیپٹن شیخ دی فردز‘ لاہور 1955ء

☆ واکر والٹر جنرل‘ سر‘ فارمر کمانڈر ان چیف نیٹو‘ دی نیکسٹ ڈومینو‘ لندن 1980ء

☆ وڈورڈ ایل لیولائن سر گریٹ بریٹن اینڈ دی وار آف (1914ء تا 1918ء) لندن 1967ء

☆ وائلڈ رونالڈ‘ امان اللہ‘ ایکس کنگ آف افغانستان نساء ٹریڈرز کوئٹہ (دوبارہ اشاعت) 1978ء

☆ مولیبرٹ سٹنلی‘ اے نیو ہسٹری آف انڈیا آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1982ء

☆ یار احمد‘ میر‘ انسائیڈ بلوچستان‘ کراچی 1975ء

☆ ولفینو ڈی ورلڈ وار ٹو اینڈ ایشیاز سٹرگل فار انڈیپنڈنس دہلی 1975ء

☆ یوسف محمد‘ لدھیانوی‘ قادیان کو دعوت اسلام مرزائی‘ اور تعمیر مسجد

المہدی والمسیح

- ☆ قادیان کی طرف سے کلمہ طیبہ کی توہین، کراچی 1984ء
(انگریزی ترجمہ قادیانی ڈیفیس دی کلمہ، اقبال حسین انصاری، ایم ٹی کے این پاکستان 1985ء)
- ☆ یوسف محمد بنوری، ربوہ سے تل ابیب تک، کراچی 1976ء
- ☆ ظفر عتیق، قائداعظم اینڈ دی مسلم ورلڈ کراچی 1978ء
- ☆ ظہور الحسن قاضی، ناظم سیوا ہروی، نگرستان، کشمیر سری نگر 1941ء
- ☆ ظفر یوسف، یہودیت، لاہور 1982ء
- ☆ زف، ولیم بی دی ریپ آف پیلسٹائین لندن 1948ء
- ☆ زرنگ لارنس، پاکستان دی اینگما آف پولیٹیکل ڈیولپمنٹ یو کے 1980ء

II حوالہ جات

- ☆ امریکن ڈکشنری آف بائیوگرافی، بائی جانسن اینڈ ڈوماز، نیویارک 1959ء
- ☆ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری، یو ایس اے انسائیکلوپیڈیا، بریٹینکا
- ☆ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد اول، لندن
- ☆ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس
- ☆ جیولش انسائیکلوپیڈیا، کے ٹی وی پبلشنگ ہاؤس یو ایس اے
- ☆ ٹرانسفر آف پاور ڈاکومینٹس جلد (اول تا ہشتم) لندن

III انڈیا آفس لائبریری لندن

- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز نمبر 24 آف 1901ء
- ☆ گورنمنٹ آف انڈیا ہوم ڈیپارٹمنٹ نمبر 2606 مورخہ 31 دسمبر 1898ء
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز جنوری تا جولائی 1984ء

- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز 189 تا 96، فائل نمبر 107، پیپرز ریلٹنگ ٹو دی پرزیکیوشن آف عبدل حمید۔
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز نمبر 13 تا 26 فائل نمبر 135 جون 1898ء
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز نمبر 174 تا 182، فائل 135 اکتوبر 1898ء میموریل آف غلام احمد مرزا آف قادیان ان کونیکشن ودھ ریلیجس کنٹروورسیز
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز فائل نمبر 29 مئی 1898ء کمپلینٹ آف دی فالوورز آف مرزا غلام احمد قادیانی اگینسٹ ایڈیٹر آف دی جعفر زٹلی۔
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز، مارچ 1892ء
- ☆ گورنمنٹ آف دی پنجاب ہوم ڈیپارٹمنٹ پروسیڈنگز فائل نمبر 175، مارچ 1903ء
- ☆ آفیشی ایٹنگ چیف سیکرٹری ٹو گورنمنٹ آف دی پنجاب (ڈبلیو آر ایچ مرک) ٹو دی سیکرٹری ٹو دی گورنمنٹ آف انڈیا، فارن ڈیپارٹمنٹ نمبر 169، مورخہ لاہور 9 مارچ 1900ء
- ☆ ٹیلی گرام (مرزا غلام احمد رئیس آف قادیان بٹالہ) مارچ 24، 1900 ٹو ہز آنر دی لیفٹیننٹ گورنر آف دی پنجاب۔
- ☆ الائن ٹو ہیملٹن، 20 نومبر 1895ء ہیملٹن پیپرز (کوٹڈ بائی پی ہارڈی، دی مسلم آف برٹش انڈیا)
- ☆ میڈونل ٹو الائن جولائی 16، 1897ء اینڈ اگست 22، 1897ء میکڈونل پیپرز، بولڈیان لائبریری (کوٹڈ بائی پی ہارڈی) ایضا
- ☆ ہاؤس آف کامنز، پارلیمنٹری ڈیبیٹس جلد 262، سی ٹو انڈین آفیشل ریکارڈ

آر/1/29/779 (21-8-1938)

☆ انڈین آفیشل ریکارڈ R/1/29/880 (منٹس مورخہ 23 فروری 1932) کونڈبائی لیوان پنسران احمدیہ موومنٹ

☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/779 (21 اگست 1931ء) بحوالہ ایل ایس)

☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1031 (8 جون 1933ء) ایل ایس

☆ انڈین آفیشل ریکارڈ R/1/124/870 (16 فروری 1932ء) ایل ایس)

☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1031 (10 اگست 1933ء) ایل ایس

☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1004 (یکم جولائی 1933ء) ایل ایس

☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/1151 (مئی 1934ء) ایل ایس

☆ انڈیا آفس ریکارڈ R/1/29/929 (جولائی 1932ء) ایل ایس

☆ گورنمنٹ آف انڈیا فارن پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ فائل نمبر 204 پی (سیکرٹ) اینڈ فائل نمبر 150 ایل ایس

☆ گورنمنٹ آف انڈیا فارن اینڈ پولیٹیکل 427 پی (سیکرٹ)

☆ گورنمنٹ آف انڈیا فارن اینڈ پولیٹیکل فائل نمبر 91-1 ایکٹیوٹیز آف ایس ایم عبداللہ آف قادیان

☆ کونفیڈینشل رپورٹ سچویشن ان پنجاب فاروی فرسٹ رپورٹ آف دی پینل آف اکانومسٹس آن دی فورتھ فائیو ایئرز پلان 1970ء تا 75 پلاننگ کمیشن، مئی 1970ء گورنمنٹ آف پاکستان

☆ فرسٹ ایشین اسلامک کانفرنس 1978ء

☆ سپیشل رپورٹ آن پنڈی کانسپیریسی کیس، ویکلی پرمٹ، راولپنڈی، یکم یا سات اپریل 1984ء

- ☆ پاکستان: ہیومن رائٹس آفٹر مارشل لاء آئی سی جے رپورٹ جنیوا اپریل 1987ء

V عدالتی فیصلے

- ☆ رولنگ آف دی پٹنہ ہائی کورٹ، دسمبر 1916ء حکیم خلیل احمد ورسز ملک اسرائی
- ☆ ورسز حکیم خلیل احمد پٹنہ ہائی کورٹ لاء جرنل (108) 1917ء (ایچ اے والٹر ایم اے دی احمدیہ موومنٹ ایسوسی ایٹڈ پریس کلکتہ 1918ء اپینڈکس ششم)
- ☆ سپریم کورٹ ماریشس، روز ہل مسجد کیس ہرشے سیڈر دی چیف جج 19 نومبر 1920ء
- ☆ مدراس ہائی کروٹ ڈیسیکن فیصلے انڈین کیسز جلد 71 پی 65، 30 اگست 1922ء مسٹر جسٹس اولڈ فیلڈ اینڈ مسٹر جسٹس کرشنام نارانتا کتھ ایولا، پی ایس پرکال موائینڈ ادر انڈین لاء رپورٹس مدراس سیریز 1922ء جلد 55 صفحہ (986
- ☆ ڈسٹرکٹ کورٹ بہاولپور، مسٹر محمد اکبر خان، ڈسٹرکٹ جج بہاولپور، مسز غلام عائشہ ورسز عبدالرزاق، 7 فروری 1935ء
- ☆ ڈسٹرکٹ کروٹ گورداسپور، مسٹر جی ڈی کھوسلہ، سیشن جج گورداسپور، (ججمنٹ آن قادیانزم ان عطاء اللہ شاہ بخاری کیس ان اردو) مباہلہ بک ڈپو، امرتسر آسوی پنجاب لاء رپورٹر 1935ء
- ☆ ڈسٹرکٹ کورٹ راولپنڈی، مسٹر شیخ محمد اکبر، ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج، 3 جون 1955ء راولپنڈی 1955ء امتل الکریم ورسز لیفٹیننٹ نذیر الدین (مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان 1955ء)
- ☆ سول کورٹ لائل پورق چوہدری محمد علی سول جج لائل پور، 30 نومبر 1950ء
- ☆ ڈسٹرکٹ کورٹ لائل پور، شیخ عبدالماجد اصغر، ڈسٹرکٹ جج لائل پور 5 مئی 1951ء مس نذیراں ورسز محمود احمد - پی ایل ڈی 1969ء، شورش ورسز پراونس آف ویسٹ پاکستان

☆ سول کورٹ سندھ، مسٹر شیخ محمد رفیق گوریجہ، سول جج جیمز آباد، سندھ، امتل الہادی، ورسز نذیر احمد برک، 1969ء (پرنٹڈ بائی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی اینڈ ابوشہزاد بی اے انجمن خادمان اسلام پاکستان 1970ء)

☆ ہائی کورٹ پی ایل ڈی 1978ء لاہور

☆ فیڈرل شریعت کورٹ ججمنٹ 1984ء

☆ سپریم کورٹ ساؤتھ افریقہ، پاکستان سپریم کورٹ کیسز جلد پنجم، حصہ سوئم، مارچ 1986ء (ججمنٹ ان اردو، نگینہ پریس سری نگر)

☆ سپریم کورٹ آف پاکستان آن اپیلز نمبر 24 اور 25، 1987ء (اگینسٹ فیڈرل شریعت کورٹ ججمنٹ بائی قادیانی گروپ)

☆ ضمیمہ مذجات اپیل بر فیصلہ وفاقی شرع عدالت آرڈیننس XX آف 1984ء قادیانی اپیل ٹو سپریم کورٹ 1984ء

VI اخبارات ورسائل (منتخب فائلز)

احمدیہ

☆ الحکم قادیان

☆ البدر قادیان

☆ الفضل قادیان/ لاہور، ربوہ

☆ خالد ربوہ، ظفر اللہ نمبر، دسمبر 1985ء خلافت نمبر، دسمبر 1964ء، مرزا ناصر نمبر 1982ء

☆ انصار اللہ ربوہ

☆ الفرقان ربوہ (السو سپیشل نمبرز آن جہاد، جون 1966ء خلافت مئی 1967ء)

☆ التبلیغ ربوہ 1951-52ء

☆ المصلح کراچی 1954-55ء

☆ بدر، قادیان

☆ ہفت روزہ فاروق، قادیان

☆ ماہنامہ فرقان، قادیان

☆ اسلامک ریویو ووکنگ، لندن

☆ اسلامک ورلڈ جنوری 1923ء

☆ ہفت روزہ لاہور، لاہور

☆ ہفت روزہ لائٹ، لاہور

☆ مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو، لندن نومبر 1913ء

☆ ڈیلی پیغام صلح لاہور

☆ ریویو آف ریلیجنز قادیان/ ربوہ (انگلش/ اردو)

☆ سن رائز لاہور

☆ دی مسلم ہیرلڈ، لندن

☆ تحریک جہاد ربوہ

☆ تشحیذ الاذہان، ربوہ

☆ ہفت روزہ المنبر، لائل پور/ فیصل آباد

☆ ہفت روزہ ایشیا، لاہور

☆ ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور

☆ پندرہ روزہ آتش فشاں، لاہور

☆ چرچ آف انگلینڈ کوارٹرلی ریویو، لندن

☆ چرچ مشنری سوسائٹی، لندن

☆ چرچ آف انگلینڈ میگزین، لندن

☆ چرچ آف انگلینڈ ریویو، لندن، چرچ مشنری انٹیلی جنس، لندن

- ☆ چرچ مشینری انٹیلی جنس' لندن
- ☆ چرچ مشینری ریکارڈ' لندن
- ☆ ہفت روزہ چٹان لاہور
- ☆ ڈان' کراچی
- ☆ ڈیفنس جرنل کراچی' جلد دہم' نمبر اول اور دوم 1984ء
- ☆ دی اکانومسٹ لندن
- ☆ ماہنامہ فاران' کراچی
- ☆ ماہنامہ امپیکٹ لندن
- ☆ ہفت روزہ ختم نبوت کراچی
- ☆ ہفت روزہ لولاک لائل پور' فیصل آباد
- ☆ ہفت روزہ آؤٹ لک' کراچی
- ☆ روزنامہ مغربی پاکستان' لاہور
- ☆ روزنامہ پاکستان ٹائمز' راولپنڈی' لاہور
- ☆ ہفت روزہ تکبیر کراچی
- ☆ ہفت روزہ میگ کراچی' 22 تا 26 جولائی 1982ء اور 1985ء
- ☆ روزنامہ مسلم اسلام آباد
- ☆ ماہنامہ میثیج کراچی
- ☆ نٹیر ایسٹ اینڈ انڈیا' لندن
- ☆ روزنامہ ندائے ملت' لاہور
- ☆ روزنامہ ندائے حق راولپنڈی
- ☆ ینگ پاکستان ڈھاکہ' جون 1968ء
- ☆ پنجاب ریویو لاہور' اپریل 1987ء

☆ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ (قادیانیت نمبر 1984ء

☆ سوشیولاجیکل ریویو لندن، مارچ 1968ء

☆ ماہنامہ ترجمان اہل حدیث، لاہور

☆ ماہنامہ تائید اسلام، اچھرہ لاہور

☆ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور

☆ روزنامہ زمیندار لاہور

☆ ہفت روزہ زندگی، لاہور

VII منتخب مضامین

☆ ایڈیسن چیمز ٹی، دی احمدیہ موومنٹ اینڈ اٹس ویسٹرن پروپیگنڈہ، ہارورڈ تھیدلوجیکل ریویو، جلد 22، 1929ء

☆ اکبر خان میجر جنرل (ریٹائرڈ)، پنڈی کانسپریسی کیس، منتقلی حکایت لاہور، ستمبر 1972ء

☆ بش سٹینلی، ای، احمدیت ان پاکستان مسلم ورلڈ اپریل 1955ء

☆ چارلس ایس، برڈن، اسلام ان امریکہ، انٹرنیشنل ریویو آف مشنز، نیویارک 1959ء

☆ درانی ایف کے مغرب میں تبلیغ اسلام، ماہنامہ حقیقت اسلام، لاہور جنر دی 1934ء

☆ فشر ہیمفری، دی کاسیپٹ آف ایولوشن ان احمدیہ تھاٹ، مسلم ورلڈ جنوری 1920ء

☆ گرسولڈ ایچ ڈی دی احمدیہ موومنٹ، مسلم ورلڈ اکتوبر 1912ء

☆ مرزا غلام احمد، دی مہدی اینڈ مسیح آف قادیان، انڈین ایونجیلیکل ریویو جنوری 1903ء

☆ آئن کوپلینڈ، پروفیسر موراش یونیورسٹی، آسٹریلیاق اسلام اینڈ پولیٹیکل موبلائیزیشن ان کشمیر (1931-34ء) پیسفیک افیئرز ستمبر 1981ء

☆ اعجاز حسین ڈاکٹر، ظفر اللہ، دی جج، مسلم، اسلام آباد، 6 ستمبر 1985ء

☆ جے رائل، روز بیری، سوئم، دی بیگنگ آف ہندو مسلم کانفلکٹ ان برٹش پنجاب،

جرنل آف ساؤتھ ایشین اینڈ مڈل ایسٹرن سٹڈیز‘ جلد سوئم‘ فال 1979ء

☆ کرامر ایچ‘ اسلام ان انڈیا ٹوڈے‘ مسلم ورلڈ 1931ء

☆ ایم سی نیل آر ایف دی قرآن ریکارڈنگ ٹو احمد‘ مسلم ورلڈ اپریل 1916ء

☆ جسٹس دین محمد‘ علی جگری آف ریڈکلف پاکستان ڈائجسٹ مارچ‘ اپریل 1976ء

☆ نیئر آئی آر‘ احمدیز‘ پیپل ودھ گریٹ انٹرپرائز ٹائمز آف انڈیا‘ بمبئی‘ 5 اپریل 1953ء

☆ نہرو جواہر لعل‘ دی سولیڈیرٹی آف اسلام‘ دی ماڈرن ریویو‘ کلکتہ نومبر 1935ء

☆ سائری‘ بختاور‘ ڈاکٹر‘ احمدیہ موومنٹ اسلامک کلچر جلد 23‘ 1969ء

☆ سراج الدین آر‘ مرزا غلام احمد اے فالس مسیحا آف انڈیا‘ مشنری ریویو آف ورلڈ‘ اکتوبر 1907ء

☆ سمتھ ولفریڈ سی احمدیہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد دوم لیڈن 1960ء

☆ والٹر اے ایچ دی احمدیہ موومنٹ ٹوڈے مسلم ورلڈ ششم‘ 1916ء

☆ قادیانی‘ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد دہم۔

VIII غیر مطبوعہ مقالات

احمدیہ:

☆ ہسٹری آف احمدیت ان ویسٹ افریقہ‘ تبشیر پیپر ربوہ 1978ء

☆ رولوکس ہرلام‘ جان الیگزینڈر زرووائی اینڈ دی کرسچین کیتھولک اپاسٹولک چرچ‘ یونیورسٹی آف شکاگو‘ 1906ء وائنڈنر لائبریری‘ ہارورڈ یونیورسٹی یو ایس اے۔